اُردو زبان میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر جامع ترین کتاب

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سوم - چہارم

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ
علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ
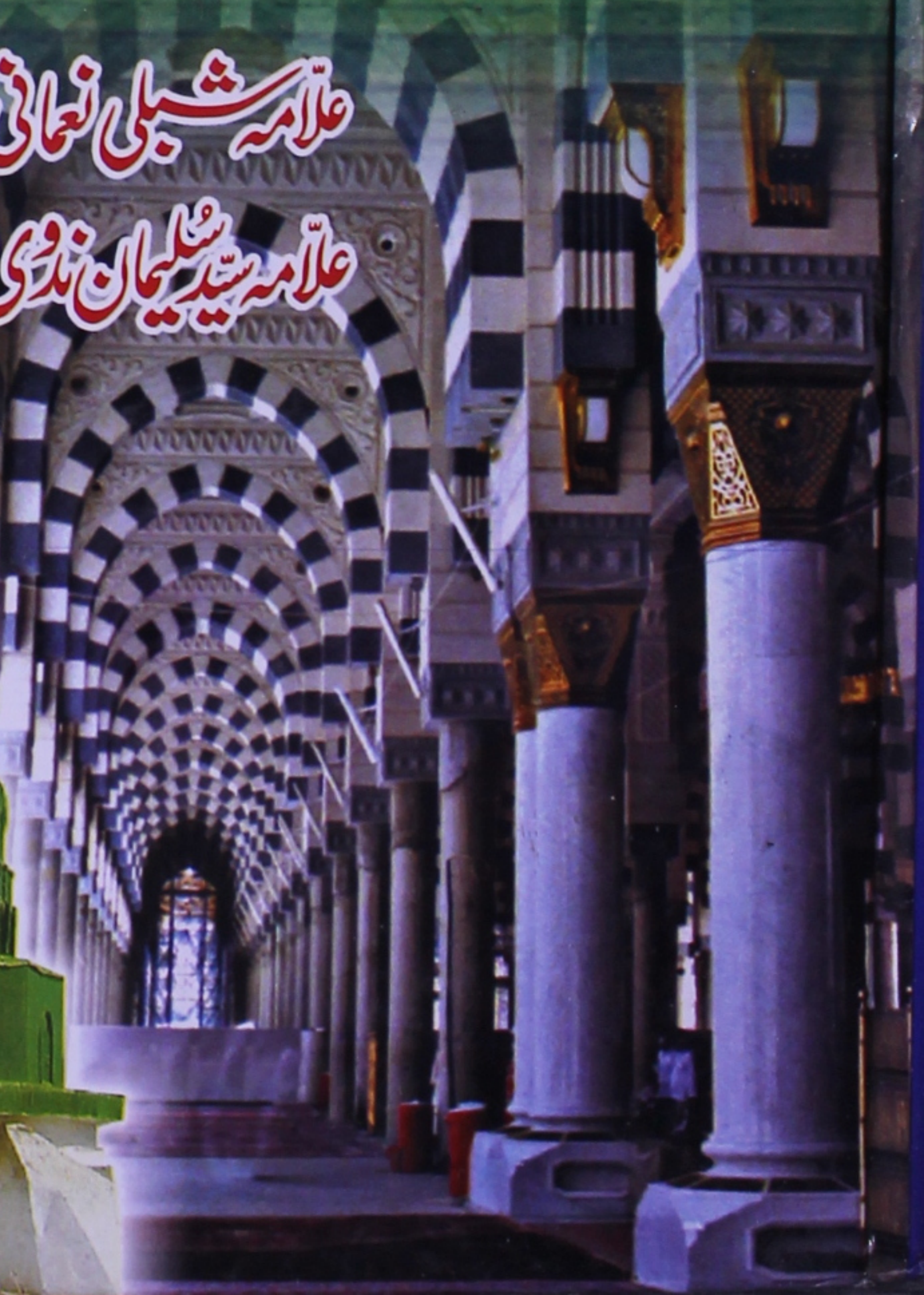
اُردو زبان میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر جامع ترین کتاب

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

جلد سوم

اسلامی کتب خانہ

فضل الٰہی مارکیٹ چوک اُردو بازار لاہور

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب سیرۃ النبی ﷺ

مصنف علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر اسلامی کتب خانہ

اردو بازار لاہور

پرنٹرز لٹل سٹارز پرنٹرز

نوٹ

ہماری قارئین سے درخواست ہے کہ ہماری تمام تر کوشش (اچھی پروف ریڈنگ، معیاری پرنٹنگ) کے باوجود اس بات کا امکان ہے کہ کہیں کوئی لفظی غلطی یا کوئی اور خامی رہ گئی ہو تو ہمیں مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں اس غلطی یا خامی کو دور کیا جائے۔ شکریہ!

(ادارہ)

Marfat.com

فہرست مضامین

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علی سیّدالمرسلین و علی الہ و اصحبہ اجمعین.

خدا کا شکر ہے کہ اس نے چند در چند مزاحمتوں کے باوجود سیرت پاک کی تیسری جلد کی تکمیل وانجام کا سامان بہم پہنچایا' اور ایک گناہ گار کو توفیق بخشی کہ ان اوراق کو ترتیب دے کر اپنے سیاہ اعمال نامہ کے دھونے کے لیے آب رحمت کے چند قطرے فراہم کر سکے۔ دوسری جلد ۱۳۳۸ھ (۱۹۲۰ء) میں چھپ کر نکلی تھی' اور چار برس کے بعد یہ ۹۰۰ صفحوں کا مجموعہ مشتاق نگاہوں کے سامنے ہے۔ اس مجموعہ کی تالیف و ترتیب' واقعات کی تفتیش و تلاش اور مسائل و نظریات کی بحث و تحقیق میں جو محنت و کاوش اور دیدہ ریزی کی گئی ہے' اس کا بڑا صلہ یہی ہے کہ صواب کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹا ہو اور حقیقت کی منزل سے بعد نہ ہوا ہو۔ والعصمۃ للہ وحدہ.

ان اوراق کی تالیف میں ہم اپنے محسنوں کے شکر گزار ہیں جنہوں نے ان کی تکمیل میں ہمارا ہاتھ بٹایا' مشکلات اور غوامض میں مخدومنا مولانا حمید الدین صاحب کے مشوروں نے فائدہ پہنچایا ہے۔ رفیق کار مولانا عبدالسلام صاحب ندوی نے معجزات کے جزئی واقعوں کے فراہم کرنے میں مدد کی ہے' ہماری جماعت میں بلکہ علماء کی جماعت میں پروفیسر عبدالباری ندوی (معلم فلسفہ جدیدہ' جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن) سے بڑھ کر فلسفہ جدیدہ کا کوئی ماہر نہیں' معجزات کی بحث میں ضرورت تھی کہ اس باب میں فلسفہ جدیدہ کی جو موشگافیاں اور نکتہ آفرینیاں ہیں ان سے بھی تعرض کیا جائے چنانچہ میری درخواست پر موصوف نے معجزات اور فلسفہ جدیدہ کا باب لکھ کر عنایت کیا ہے جو اس کتاب کے ص ۵۷ سے شروع ہو کر ۷۷ پر تمام ہوا ہے۔

کہیں کہیں آپ کو احادیث کی بعض غیر مطبوعہ کتابوں مثلاً بیہقی' ابویعلیٰ' ابن راہویہ' ابن ابی شیبہ' بزار وغیرہ کے حوالے دوسری مطبوعہ کتب احادیث کے حوالوں کے ساتھ تائیداً ملیں گے' ہم نے ان حوالوں میں دوسرے مفسرین شارحین حدیث اور مصنفین سیرت مثلاً ابن کثیر' ابن حجر' ابن قیم' سیوطی وغیرہ پر بھروسہ کیا ہے' معجزات کے جزئی واقعات میں ایک دو مقام پر قوی روایتوں کے ساتھ اگر ضعیف روایتوں کو جگہ دی گئی ہے تو ان سے مقصود صرف یہ ہے قوی روایتوں سے جس نوع کے معجزات ثابت ہیں' اس نوع کے معجزات کی دوسری تائیدیں بھی گو اس رتبہ کی نہیں مگر موجود ہیں۔

کتاب میں کہیں کہیں غلطیاں رہ گئی ہیں جن کی آخر میں غلط نامہ کے اضافہ سے تلافی کی کوشش کی گئی ہے۔

اس راہ کی ایک منزل آج اور تمام ہوئی' لیکن قلم کے مسافر کو آرام نہیں کہ اب چوتھی منزل اس کے سامنے ہے احباب دعا کریں کہ یہ جلد چہارم ان کی خدمت میں جلد پیش ہو سکے۔

سیّد سلیمان ندوی

۷ اربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع سوم

سیرت النبیؐ کی یہ تیسری جلد جو آنحضرت ﷺ کے منصب نبوت حقیقت نبوت اور فضائل و معجزات پر مشتمل ہے، تیسری دفعہ چھپ کر اب منظر عام پر آ رہی ہے۔ اسی اثنا میں بعض مباحث پر جدید تحقیقیں سامنے آئیں اس لیے پوری کتاب پر نظر ثانی کی گئی۔ روایتوں اور حوالوں کو اصل ماخذوں سے دوبارہ ملایا گیا۔ اگر اختلاف نظر آیا تو تصحیح کی گئی، کوئی پہلے سے زیادہ مستند حوالہ ملا تو اس کا اضافہ کیا گیا، کوئی عبارت اگر مشتبہ تھی تو اس شبہ کو دور کیا گیا، خصوصیت کے ساتھ معراج کے جسمانی و روحانی یا حالت بیداری یا خواب کے ہونے کے مسئلہ کو صاف کیا گیا۔

معجزات کی روایتوں کی اصل سے پھر تطبیق کی گئی اور کہیں کہیں حواشی کے اضافہ سے بعض نئے فوائد بڑھائے گئے، کہیں کہیں عبارت کے اغلاق کو بھی دور کیا گیا۔

ایک ظلوم وجہول انسان کی طاقت میں تحقیق کی جو حد تھی اس نے اپنی وسعت کے مطابق وہ پوری صرف کی ہے۔ اس پر بھی عصمت کا دعویٰ نہیں، اہل نظر سے التماس ہے کہ اب بھی کوئی قابل اصلاح چیز نظر آئے تو مولف کو مطلع کر کے جزائے خیر کے مستحق ہوں۔

حسن خاتمہ کا طالب
سیّد سلیمان ندوی
۱۶ شوال ۱۳۶۶ھ، ۳۱ اگست ۱۹۴۷ء
دار القضاء بھوپال

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دلائل و معجزات

﴿وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ﴾ (المائدہ) "اور ہمارے پیغمبرؑ لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے۔"

روحانی نوامیس کا وجود:

سیرت نبوی کا یہ حصہ آنحضرت ﷺ کے ان حالات' مشاہدات اور کیفیات کے بیان میں ہے جن کا تعلق اُس عالم سے ہے جو ہمارے اس مادی عالم اور اس کے مادی قوانین کے حدود سے باہر ہے' جس طرح ہماری یہ مادی دنیا ایک نظام خاص پر چل رہی ہے۔ مثلاً رات کے بعد دن نمودار ہوتا ہے' خزاں کے بعد بہار آتی ہے' ستارے غروب ہوتے ہیں تو آفتاب نکلتا ہے' گرمی جاتی ہے تو جاڑے آتے ہیں' پھول اپنے وقت پر کھلتے ہیں' درخت اپنے موسم میں پھلتے ہیں' ستارے اپنے معین اوقات پر ڈوبتے اور نکلتے ہیں' اسی طرح روحانی عالم بھی اپنا ایک خاص نظام رکھتا ہے' اس کا بھی ایک آسمان وزمین ہے' وہاں بھی تاریکی اور روشنی ہے' خزاں اور بہار ہے' فصل وموسم ہے۔

آسمانہاست در ولایت جاں
کار فرمائے آسماں جہاں

نبوت کے فطری وروحانی آثار:

جب روئے زمین پر گناہوں کی تاریکی اور بدیوں کی ظلمت محیط ہو جاتی ہے تو صبح کا تڑکا ہوتا ہے اور آفتاب ہدایت نمودار ہوتا ہے۔ باغ عالم میں جب برائیوں کی خزاں چھا جاتی ہے تو موسم بدلتا ہے اور بہار نبوت [1] رونق افزا ہوتی ہے۔

اور جس طرح زمین' آسمان' سورج' پھل اور پھول کے خاص خاص قوانین فطرت ہیں جن میں عموماً تغیر نہیں ہوتا' اسی طرح دنیا کی رشد و ہدایت' عذاب و رحمت اور نبوت و رسالت کے خاص خاص اصول و قواعد ہیں جن میں تغیر

(۱) خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کے وجود با جود سے پہلے انبیاء کا سلسلہ جاری رہا' حضور کی آمد کے بعد جانشینان نبوت محمدی یعنی مجددین امت اس فرض کو انجام دیتے ہیں' یہ مجددین ملت رسول کے متبع کامل ہوتے ہیں اور منصب نبوت سے عاری ہوتے ہیں اس لیے ان کے انکار سے کفر نہیں لازم آتا' اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں مختلف ملکوں میں یا ایک ہی ملک کے مختلف حصوں میں یا جماعتوں میں مختلف مجددین ملت ہوں' ان کی پہچان کا سب سے بڑا معیار عقائد واعمال' اخلاق اور طرق دعوت میں رسول اللہ ﷺ کا اتباع کامل ہے' ان کا کام یہ ہے کہ وقت کے اوہام و رسوم و اعمال کو جو باہر سے آکر دین میں شامل ہو گئے ہوں دور کریں اور امور دین میں جو امور مٹ گئے ہوں ان کو دوبارہ جاری کریں۔

Marfat.com

راہ نہیں پاتا' انبیاء ورسل اپنے اپنے وقت پر مبعوث ہو کر قوموں کو دعوت دیتے ہیں' قومیں ان کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہیں۔ منکرین ہلاک اور مومنین کامیاب ہوتے ہیں' اس روحانی جہاد میں انبیاء ورسل سے ہمارے علم و دانش سے بالاتر اعمال صادر ہوتے ہیں اور ان سے عجیب عجیب خوارق ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

نبوت کے روحانی نوامیس انسانی قوانین پر حکمران ہیں:

جس طرح ہمارا نفس اور ہماری روح یا ہمارے جسم کی پراسرار مخفی قوت ہمارے کالبد خاکی پر حکمران ہے اور ہمارے تمام اعضاء و جوارح اس کے ایک ایک اشارے پر حرکت کرتے ہیں' اسی طرح نبوت کی روح اعظم اذن الٰہی سے سارے عالم جسمانی پر حکمراں ہو جاتی ہے اور روحانی دنیا کے سنن و اصول عالم جسمانی کے قوانین پر غالب آ جاتے ہیں' اس لیے وہ چشم زدن میں فرش زمین سے عرش بریں تک عروج کر جاتی ہے۔ سمندر اس کی ضرب سے تھم جاتا ہے۔ چاند اس کے اشارے سے دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اس کے ہاتھوں کی دی ہوئی چند خشک روٹیاں ایک عالم کو سیر کر دیتی ہیں' اس کی انگلیوں سے پانی کی نہریں بہتی ہیں۔ اس کے نفس پاک سے بیمار تندرست ہو جاتے ہیں اور مردے جی اٹھتے ہیں' وہ تنہا مٹھی بھر خاک سے پوری فوج کو تہ و بالا کر دیتا ہے' کوہ و صحرا' بحر و بر' جاندار و بے جان بحکم الٰہی اس کے آگے سرنگوں ہو جاتے ہیں' وہ اس کا نہیں بلکہ اس کے رب کا فعل ہوتا ہے' اور اسی کی مشیت اور قدرت سے پیغمبر کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے ظاہر کیے جاتے ہیں۔

نبوت کے روحانی نوامیس کے اسباب و علل سے ہم اسی طرح لاعلم ہیں جس طرح جسمانی قوانین کے:

لیکن جس طرح ہم کبھی یہ نہیں بتا سکتے کہ خاص خاص پھول خاص خاص درخت' خاص خاص ستارے فلاں فلاں معین اوقات ہی پر کیوں جلوہ نما ہوتے ہیں' پھول سرخ کیوں ہوتے ہیں؟ ستارے چمکتے کیوں ہیں؟ شہد میٹھا کیوں ہوتا ہے؟ چاند اور سورج چلتے کیوں ہیں؟ تخم' درخت' غذا' خون' گوشت کیونکر بن جاتا ہے' اسی طرح اس کا جواب بھی نہیں دے سکتے کہ پیغمبروں کا ظہور اپنے اپنے وقت پر کیونکر ہوتا ہے اور ان سے یہ مافوق العادۃ افعال و اعمال بحکم الٰہی کیونکر صادر ہوتے ہیں؟ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ ہوتے ہیں' چنانچہ دنیا کا ہر پیغمبر بلکہ روحانیت کا ہر حامل اپنی پراسرار زندگی کے اندر اس قسم کے حالات و کیفیات کی ایک دنیا رکھتا ہے۔ عالم کی تاریخ آپ کے سامنے ہے۔ اگر قوموں کے روحانی معلموں کے حالات و سوانح غور سے پڑھیں تو آپ کو ہر جگہ نظر آئے گا کہ وہ وہ کچھ دیکھتے تھے جو ہم نہیں دیکھ سکتے' وہ وہ کچھ سنتے تھے جو ہم نہیں سن سکتے۔ وہ وہ کچھ جانتے تھے جو ہم نہیں جان سکتے اور ان سے وہ اعمال بھی صادر ہوتے تھے جو کسی اور سے نہیں ہو سکتے۔ یہ تاریخی واقعات ہیں جن سے انکار کرنا اسی طرح ناممکن ہے جس طرح سکندر اور نپولین کی فتوحات اور بدھ اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے وجود سے ہندوستان کی روحانی داستان کا ایک ایک حرف' اسرائیلی نبیوں کے صحیفوں کا ایک ایک باب' اور عیسائیوں کی انجیل کا ایک ایک صفحہ' اس تاریخ کی

Marfat.com

مثالیں اور نظیریں ہیں۔

انبیاءؑ کا اصلی معجزہ خود ان کا سرتاپا وجود ہے:

گو پیغمبرؑ کا اصلی معجزہ اور اس کے منجانب اللہ ہونے کی کھلی نشانی خود اس کا سرتاپا وجود ہوتا ہے۔ دیکھنے والوں کے لیے اس کی چشم و ابرو میں اور سننے والوں کے لیے اس کے لب و لہجہ میں اور سمجھنے والوں کے لیے اس کے پیام و دعوت میں اعجاز ہوتا ہے۔ لیکن جو لوگ احساس حقیقت میں فروتر ہوتے ہیں ان کو اس سے تسکین نہیں ہوتی اور وہ مادی اور محسوس نشانیوں کے طلب گار ہوتے ہیں جو بالآخر ان کو دی جاتی ہیں۔

انبیاءؑ کے کامل پیرو اُن سے معجزہ نہیں مانگتے تھے:

لیکن انبیاء کے متبعین میں سے سابقین اولین اور صدیقین و صالحین نے اپنے پیغمبروں سے معجزہ طلب نہیں کیا' حضرت ہارونؑ یوشعؑ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر ان کو پیغمبر نہیں تسلیم کیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ان کا معجزہ دیکھ کر آسمانی دولت کا حصہ نہیں پایا تھا۔ حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ پر ایمان لائیں' مگر چاند کے دو ٹکڑے ہوتے دیکھ کر نہیں بلکہ یہ جان کر کہ آپؐ غریبوں کے دست و بازو ہیں قرض داروں کی تسکین اور سہارا ہیں' مسافروں کے ملجا و ماویٰ ہیں۔ [1] حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ اور دیگر اصحاب کبار رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی آپؐ کی صداقت اور راستی کی حقیقت کو ظاہری آیات و معجزات کی روشنی میں تلاش نہیں کیا' ان کے لیے آپؐ کا سرتاپا وجود' نفس دعوت حق اور پیام اخلاص ہی معجزہ تھا' انہوں نے اسی کو دیکھا اور اسی سے ایمان کی دولت پائی۔

معاندین معجزوں کے بعد بھی ایمان نہیں لائے:

مگر نمرود و فرعون اور ابوجہل اور ابولہب جو آتش خلیل' طوفان نیل' قحط مکہ اور انشقاق قمر کے معجزوں کے طالب تھے پھر بھی ایمان کی دولت عظمیٰ سے محروم رہے' لیکن بایں ہمہ ایک درمیانی طبقہ بھی دنیا میں موجود رہا ہے جس کی بصیرت کے آئینہ پر غفلت کے زنگ کی کچھ کچھ چھائیاں پڑی ہوتی ہیں' جب حقیقت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے اور اس کی معجزانہ کرنیں ان آئینوں پر پڑتی ہیں تو وہ چمک اٹھتے ہیں اور ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى﴾ (طہ: ۷۰) پکار اٹھتے ہیں۔

معجزوں سے کن کو فائدہ پہنچتا ہے؟

فرعون کے ساحروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام و ہارونؑ کے خدا کے آگے سجدہ میں گر پڑے' آنحضرت ﷺ کی فتح روم کی پیشین گوئی پوری ہوئی تو قریش کے نیک طبع لوگوں کی چشم باطن کھل گئی اور حقیقت کا پیکر ان کے سامنے جلوہ نما ہو گیا۔ [2] یہی طبقہ ہے جس کو معجزات کی ظاہری نشانیوں سے

---

(۱) صحیح بخاری باب بدءالوحی۔ (۲) جامع ترمذی تفسیر سورۃ روم۔

Marfat.com

بقدر استعداد حصہ پہنچتا ہے' اس کے علاوہ معجزات کا بڑا حصہ مؤیدات یعنی تائید حق کے لیے غیر منتظر اور غیر متوقع حالات کا رونما ہونا ہے' مومنین صادقین کو مشکلات کے عالم اور اضطراب کی گھڑیوں میں ان کے ذریعہ سے تسکین دی جاتی ہے اور رسوخ ایمان اور ثبات قدم مرحمت ہوتا ہے ان کی بے سرو سامانیوں اور بے نوائیوں کی مکافات کی جاتی ہے اور اس سے ان کی دولت ایمانی کا سرمایہ ترقی کرتا ہے۔

ان واقعات کا اصطلاحی نام:

حضرات انبیائے کرام سے جو یہ مافوق العادۃ کیفیات اور اعمال صادر ہوتے ہیں' ان کے لیے عام طور پر معجزہ کا لفظ بولا جاتا ہے' لیکن یہ اصطلاح کئی حیثیتوں سے غلط ہے' اول تو اس لیے کہ قرآن مجید اور احادیث میں یہ لفظ مستعمل نہیں ہوا ہے بلکہ اس کی جگہ آیت (نشانی) اور برہان (دلیل) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو اپنے مفہوم کو نہایت خوبی سے ظاہر کرتے ہیں۔ قدیم [1] محدثین نے ان کی جگہ دلائل و علامات کے الفاظ استعمال کیے ہیں جو الفاظ قرآنی کے ہم معنی ہیں' دوسرے یہ کہ عام استعمال کی بنا پر ''معجزہ'' کے ساتھ کچھ خاص لوازم ذہنی پیدا ہو گئے ہیں جو حقیقت میں صحیح نہیں ہیں۔ مثلاً اس لفظ سے عوام میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ وہ خود پیغمبر کا فعل ہوتا ہے جس کا صدور خاص اس کے اعضاء و جوارح سے ہوتا ہے اور نیز یہ کہ اس لفظ کے سبب سے اس کا معجزہ ہونا گویا اس کی حقیقت میں داخل ہو گیا ہے' حالانکہ یہ دونوں خیال غلط ہیں' بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ معجزہ پر عقلی حیثیت سے جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں' ان کا ایک بڑا حصہ خود لفظ معجزہ کے غلط استعمال سے پیدا ہو گیا ہے' سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم کو ایک ایسا جامع لفظ درکار ہے جس میں نبوت کے تمام خواص کیفیات' مشاہدات اور اعمال خارق عادت اور غیر خارق عادت سب داخل ہیں' لیکن معجزہ کا لفظ اتنا وسیع نہیں' آئندہ جہاں ازروئے قرآن معجزہ کی حقیقت پر بحث آئے گی' وہاں اس کے متعلق یہ تفصیل کی جائے گی جس سے معلوم ہوگا کہ قرآن پاک کی اصطلاح کس قدر صحیح اور موزوں ہے' ان وجوہ کی بنا پر صحیح طریقہ یوں ہے کہ ہم اس کتاب میں صرف قرآن کی اصطلاح آیت' برہان اور محدثین کی اصطلاح علامات و دلائل کو اختیار کریں تاکہ ہمارا مفہوم زیادہ صحیح طریقہ سے اور زیادہ وسیع طور سے ادا ہو سکے' لیکن چونکہ ہماری زبان میں معجزہ کا لفظ عام طور پر چل گیا ہے اس لیے اس کو یک قلم ترک بھی نہیں کیا جا سکتا۔

دلائل و براہین و آیات کا تعلق انبیاءؑ کی سیرتوں سے:

قرآن مجید اور دیگر صحف آسمانی میں انبیائے سابقین علیہم السلام کے جو قصص اور واقعات مذکور ہیں ان میں ان کے روحانی حالات و کیفیات یعنی دلائل و براہین اور آیات کا ذکر نہایت مؤثر اور عبرت انگیز طریقہ سے کیا گیا' سیر ملکوت مکالمہ الٰہی رؤیت ملائکہ' رویائے صادقہ' استجابت دعا' طوفان نوح' آتش خلیل' عصائے موسیٰ علیہ السلام' نفس عیسیٰ علیہ السلام' اور اس قسم کے اور بھی بہت سے کیفیات و حالات کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے اور ان کے ساتھ

(1) جیسے دلائل النبوۃ لابی نعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ اور اعلام النبوۃ للعلامۃ الماوردی متوفی ۴۵۰ھ وغیرہما۔ از طرف مصحح سواتی۔

Marfat.com

ان کے عواقب و نتائج بھی نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت سے ہر زمانہ میں ان چیزوں کو خاص تعلق رہا ہے اور اس وجہ سے وہ ان کے واقعات زندگی کا جزو لاینفک ہو گئے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی زندگی اگرچہ گوناگوں واقعات کا مجموعہ ہوتی ہے لیکن نتائج کے لحاظ سے ان تمام واقعات کا مرکز صرف یہ ہوتا ہے کہ اس خاکدان کو اخلاق ذمیمہ کے خس و خاشاک سے پاک کر کے محاسن اخلاق کے گل و ریحان سے آراستہ کیا جائے تاکہ برکات آسمانی کا دامن کانٹوں سے الجھنے نہ پائے' اس مقدس فرض کے ادا کرنے میں اگرچہ کبھی کبھی انبیاء علیہم السلام کو مادی آلات سے بھی کام لینا پڑتا ہے لیکن وہ لوگ اکثر اپنی روحانی طاقت سے اس مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں اور مادی آلات کے استعمال میں بھی ان کے جسمانی دست و بازو سے زیادہ ان کے روحانی دست و بازو کام کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے انبیاء علیہم السلام کے واقعات زندگی میں ان دلائل و آیات کو نہایت اہمیت دی ہے اور ان کے ذکر سے گویا انبیاء علیہم السلام کے تمام حالات زندگی کو سلسلہ علل و اسباب سے مربوط کر دیا ہے۔

دلائل و آیات کا تعلق سیرت محمدیؐ سے:

آنحضرت ﷺ کی سیرت تمام انبیاء علیہم السلام کے واقعات زندگی کا خلاصہ' ان کی تعلیمات کا عطر اور ان کے حالات و مشاہدات کا برزخ ہے' آپؐ ایک عالم گیری اور ابدی مذہب لے کر مبعوث ہوئے تھے' اس لیے آپؐ نے ایک ہی خطاب کے ساتھ ان تمام لوگوں کو مخاطب فرمایا جن کو طوفان نوحؑ دفعۃً بہالے گیا تھا جن کو دریائے قلزم کی نہریں نگل چکی تھیں جن کو نفس عیسیٰ نے دوبارہ زندہ کر دیا تھا اور ان سب سے بڑھ کر آپؐ کا مخاطب ایک گروہ اور بھی تھا جو ان چیزوں کو صرف عجائب پرستی کی نگاہ سے نہیں بلکہ ژرف نگاہی سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس بنا پر جس چشمہ فیض نے اسباط موسیٰ کو سیراب کیا تھا وہ ان تشنہ کامان روحانیت سے کیونکر بے پروا ہو سکتا تھا چنانچہ اس نے آنحضرت ﷺ کی ذات کو ان تمام معجزات کا مجموعہ بنا دیا جو علیٰ قدر مراتب ہر طبقہ' ہر فرقہ اور ہر گروہ کے لیے ضروری تھے۔ آپؐ کے اخلاق و عادات معجزہ تھے' آپؐ کی شریعت معجزہ تھی' آپؐ پر جو کتاب نازل ہوئی اس سے بڑا کوئی معجزہ نہیں ہو سکتا تھا ان کے علاوہ آپؐ کی روحانی طاقت نے جسم و روح دونوں کی کائنات میں بہت کچھ اثر ڈالا۔ اس نے کبھی طوبیٰ کے سایہ میں آپؐ کے لیے بستر لگایا' کبھی سدرۃ المنتہیٰ کے حدود میں رفرف کی سواری کھڑی کی' کبھی مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ کے نور سے قلب مبارک کو منور کیا اور کبھی مَا زَاغَ الْبَصَرُ کے سرمہ سے آپؐ کی آنکھوں کو روشن کیا' کبھی نزول رحمت الٰہی کے لیے آسمان کے دروازے کھولے' کبھی وادی حق کے پیاسوں کے لیے زمین کی تہ سے پانی کے چشمے نکالے' کبھی سنگ خارا کے شراروں کی روشنی میں قیصر و کسریٰ کے خزانے دکھائے' کبھی انبیائے سابقین علیہم السلام کی زبان الہام سے اپنی کامیابی کے نغمہ ہائے بشارت سنائے' اور آئندہ دنیا کے واقعات غیب بتا کر رہروان عالم کو منزل حقیقت کے نشان دکھائے۔

آنحضرت ﷺ کے واقعات زندگی کا سب سے بڑا جزو غزوات و محاربات ہیں اور ان ہنگامہ خیز واقعات

Marfat.com

کے تاریخی علل واسباب اوران کے نتائج کا ذکر کتاب کے ایک حصہ میں بتصریح گزر چکا ہے لیکن جہاد کے میدان میں آپ کو جوفتوحات عظیمہ حاصل ہوئیں ان میں انسانوں کے لشکر اور سپاہیوں کے تیغ وخنجر سے زیادہ فرشتوں کے پرے دعاؤں کے تیر توکل علی اللہ کے سپر اعتماد علی الحق کی تلوار کام کرتی نظر آتی تھی۔ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا فرض اسلام کی اشاعت ہے اور روئے انور نے نگاہ کیمیا اثر نے تقریر دلپذیر نے اخلاق اعجاز نما نے آیات ودلائل بن کر بہت سے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا ہے۔ غرض آپ کی پیغمبرانہ زندگی کے ہر مظہر میں یہ دلائل یہ براہین یہ آیات یہ معجزات اسباب ظاہری کے پہلو بہ پہلو اسباب حقیقی بن کر رونما ہوتے رہے ہیں۔

دلائل ومعجزات اور عقلیت:

ان دلائل ومعجزات کے الفاظ کو سننے کے ساتھ ہی سب سے پہلے دلوں میں یہ سوال پیدا ہونے لگتا ہے کہ کیا یہ ممکن بھی ہیں؟ کیا عقل خردہ گیر ان کے وقوع کو جائز بھی رکھتی ہے؟ دنیا میں عقل ونقل اور فلسفہ و مذہب کا جب سے وجود ہے ان مباحث پر معرکہ آرا بحثیں ہوتی چلی آئی ہیں لیکن فلسفہ قدیمہ ہو یا جدیدہ فلسفہ یونان ہو یا فلسفہ اسلام مشرق کا فلسفہ ہو یا مغرب کا ان سب کا حاصل بحث یہ نکلتا ہے کہ اگر کچھ فرقے ان کو ممکن بلکہ واقع سمجھتے ہیں تو دوسرے ان کو محال قطعی تصور کرتے ہیں عقل وفہم کا یہ اختلاف دنیا میں ہمیشہ سے قائم تھا قائم ہے اور قائم رہے گا لیکن جو لوگ ان چیزوں کے امکان اور وقوع کے قائل ہیں وہ خود اپنے کج بحث دل اور بدگمان قلب کی تسلی طمانیت اور رفع شک کے لیے اپنے اپنے فہم وادراک کے موافق مختلف نظریے قائم کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی راز جو طبیعت کی تشنہ لبی کو تسکین دے سکیں ان تمام نظریات کا ماحصل صرف اس قدر ہے کہ ان عقل وحواس سے مافوق حقائق کو اپنے دریافت کردہ معلوم ومحسوس قواعد کے مطابق بنا سکیں۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ محسوس وغیر محسوس یا جسمانی وروحانی دنیا دونوں ایک ہی نظام پر چل رہی ہے کہ ایک عالم کے قیاس تمثیلی واستقرائی سے ہم دوسرے عالم کے ثبوت پر شہادتوں کا انبار لگانا چاہتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ جو جانا نہیں جا سکتا اس کو ہم جاننا چاہتے ہیں اور جو سمجھا نہیں جا سکتا اس کو سمجھنا چاہتے ہیں جب ہماری عقل وفہم کی لنگ پائی محسوسات کے میدان میں صاف نظر آتی ہے تو ماوراء محسوسات میں اس کی تگاپو کہاں تک منزل مقصود کے قریب کر سکتی ہے۔

آنانکہ وصف حسن تو تقریر می کنند
خواب نہ دیدہ راہمہ تعبیر می کنند

بہرحال اب تک انسانوں نے اس خواب نادیدہ کی جو کچھ تعبیر کی ہے وہ دین کے اوراق میں پھیلائی گئی ہے اور سلسلہ بحث میں سب سے پہلے فلسفہ قدیمہ کے نظریات کی تشریح کی گئی ہے اور اس کے بعد فلسفہ جدیدہ ان چیزوں کی گرہ کشائی جہاں تک کر سکتا ہے اس کی تفصیل ہے اور آخر میں خود قرآن مجید نے ہمیں اس باب میں جو کچھ تلقین کی ہے اس کو بیان کیا جائے گا۔

❁

Marfat.com

دلائل و معجزات اور فلسفہ قدیم و علم کلام

اسلام میں عقائد کی سطح جب تک صاف اور ہموار رہی' دلائل اور معجزات کے متعلق عقلی مباحث نہ پیدا ہو سکتے تھے نہ پیدا ہوئے لیکن دوسری صدی میں جب یونانی علوم کے تراجم مسلمانوں میں پھیلے تو وہ ہمارے علم کلام کے ضروری اجزا بن گئے اور ان کی اس درجہ اہمیت ہوگئی کہ اب ان سے تعرض کیے بغیر گویا موضوع مزید بحث کے لیے تشنہ رہ جاتا ہے۔

اہل یونان کسی شریعت الٰہی سے مشرف نہ تھے اس لیے وہ نبوت' خواص نبوت' وحی' الہام اور معجزہ وغیرہ سے واقف نہ تھے' یہی وجہ ہے کہ ان کے خاص فلسفہ میں ان مباحث کا وجود نہیں ہے' چنانچہ علامہ ابن رُشد نے تہافتہ التہافہ میں اس کی خاص تصریح کی ہے اور علامہ ابن تیمیہ نے بھی اپنی تصنیفات میں اس کو جا بجا لکھا ہے۔ مسلمانوں میں سب سے پہلا فلسفی یعقوب کندی ہے۔ لیکن چند مختصر رسائل کے سوا اس کی عام تصنیفات ناپید ہیں۔ کندی کے بعد فارابی کا زمانہ ہے اور اسی نے سب سے پہلے ان مسائل کے متعلق اپنے خاص نظریے قائم کیے۔ چنانچہ اس نے اپنے رسالہ فصوص (1) الحکم میں نبوت اور خواص نبوت کے متعلق بہ ترتیب حسب ذیل خیالات ظاہر کیے ہیں۔

فقرہ ۲۸:۔ صاحب نبوت کی روح میں ایک قوت قدسیہ ہوتی ہے جس طرح تمہاری روح عالم اصغر میں یعنی اپنے جسم میں تصرف کرتی ہے اور تمہارا جسم' تمہاری روح کا تابع و فرماں بردار رہتا ہے' اسی طرح وہ روح قدسی عالم اکبر میں یعنی تمام جسمانیات میں تصرف کرتی ہے تمام عالم جسمانی اس کا فرمان بردار و تابع رہتا ہے۔ اور اسی بنا پر اس سے خارق فطرت معجزات صادر ہوتے ہیں اور چونکہ اس کا آئینہ باطنی صاف اور زنگ و غبار سے پاک ہوتا ہے اس لیے لوح محفوظ یعنی اس کتاب میں جو کبھی غلط نہیں ہو سکتی اور ملائکہ کی ذاتوں میں جو کچھ ہے اس کا عکس اس کے آئینہ پر پڑتا ہے اور وہ قدرتِ قدسیہ یا روحِ قدسیہ اس کو مخلوقات تک پہنچاتی ہے۔

فقرہ ۲۹:۔ ملائکہ ان صور علمیہ کا نام ہے جو بذاتہا قائم ہیں' اس طرح نہیں جس طرح لوح میں نقوش یا ذہن میں معلومات ہوتے ہیں بلکہ خود معانی قائم بالذات ہیں اور وہ اس امر الٰہی سے فیض حاصل کرتے ہیں عام روح بشری تو حواس ظاہری کے تعطل یعنی خواب میں اس امر الٰہی سے لگاؤ پیدا کرتی ہے لیکن روح نبوی بیداری میں اس سے تخاطب کرتی ہے۔

فقرہ ۴۰:۔ عام روح بشری کا حال یہ ہے کہ جب اس کے حواس ظاہری مشغول ہوتے ہیں تو حواس باطنی معطل ہو جاتے ہیں اور جب حواس باطنی کام کرتے ہیں تو حواس ظاہری بیکار ہو جاتے ہیں مگر ارواح قدسیہ کا یہ حال ہے کہ نہ صرف یہ کہ ان کے حواس ظاہری کی مصروفیت ان کے حواس باطن کو اور ان کے حواس باطن کی مشغولیت ان کے حواس ظاہری کو معطل نہیں ہونے دیتی اور دونوں ایک دوسری کے فرائض میں مخل نہیں ہوتے بلکہ ان کی تاثیر کا عمل ان کے اجسام سے متعدی ہو کر دوسرے اجسام تک پہنچتا ہے اور وہ انسانی تعلیم سے نہیں بلکہ ارواح و ملائکہ کے ذریعہ

Marfat.com

(۱) فصوص الحکم یورپ اور مصر دونوں میں چھپ گئی ہے اس وقت میرے پیش نظر لیڈن ای جی بریل کا نسخہ مطبوعہ ۱۸۹۰ء ہے۔

سے علم کی تلقی کرتے ہیں۔

فقرہ ۴۱:۔ عام روحوں کی درماندگی یہاں تک ہے کہ نہ صرف یہ کہ حواس ظاہری کی مصروفیت حواس باطنی کو اور حواس باطنی کی مصروفیت حواس ظاہری کو اپنے فرائض سے باز رکھتی ہے' بلکہ خود ان کے ایک حس کی مشغولیت دوسرے حس کو بیکار کر دیتی ہے۔ ہم جس وقت غور سے سنتے ہیں دیکھتے نہیں' جب دیکھنے میں مستغرق ہوتے ہیں تو سنتے نہیں خوف کا احساس ہو تو اشتہا نہیں پیدا ہوسکتی۔ اشتہا ہو تو غصہ نہیں پیدا سکتا' جب ہم فکر کرتے ہیں تو ذکر سے غفلت ہو جاتی ہے اور جب ذکر کرتے ہیں تو تفکر سے خالی ہو جاتے ہیں' لیکن ارواح قدسیہ کی یہ حالت نہیں ہوتی' ان کے تمام ظاہری و باطنی حواس ایک ساتھ کام کرتے ہیں اور ان کا ایک حاسہ دوسرے حاسہ کا عائق و مانع نہیں ہوتا۔

فارابی کے یہی چند لفظ ہیں جو ابن سینا اور ابن مسکویہ تک پہنچتے پہنچتے ایک داستان بن گئے ہیں اور اب چھوٹی اور بڑی تمام اسلامی فلسفیانہ تصنیفات میں باب النبوۃ کے نام سے یہ مسائل شامل ہیں' یہاں تک کہ امام غزالی و رازی کی تصنیفات سے ان ہی کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ صوفیہ کے لسان القوم مولانا رومی کے ساز "نے" سے بھی یہی آواز نکلتی ہے۔ فلسفہ و عقل کی راہ سے جو حکمائے اسلام منزل حقیقت کے جویاں ہیں ان کے نزدیک نبی وہ ہے جس میں یہ تین باتیں جمع ہوں۔

(۱) اول یہ کہ اس کو امور غیب پر اطلاع ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ ملائکہ اس کو نظر آئیں اور وہ اس سے کلام کریں۔

(۳) تیسرے یہ کہ اس سے خوارق عادت ظاہر ہوں۔

ان تینوں دعوؤں کے امکان پر ان کے دلائل بہ ترتیب یہ ہیں۔

اطلاع غیب

یہ عالم کائنات ایک باترتیب اور مسلسل نظام فطرت پر قائم ہے جس کا ہر درجہ دوسرے درجہ سے بلند ہے' پہلے جمادات ہیں جن میں نہ حرکت ہے نہ نمو' احساس ہے نہ ارادہ' نطق ہے نہ ادراک کلیات کی قوت' اس کے بعد نباتات کا درجہ ہے جن میں حرکت اور نمو تو ہے لیکن وہ دوسرے صفات سے محروم ہیں۔ اس کے بعد حیوانات آتے ہیں جن میں حرکت اور نمو کے ساتھ ارادہ اور احساس بھی ہے' سب سے آخر انسان کا مرتبہ ہے جس میں ان تمام خصوصیات کے ساتھ نطق اور ادراک کلیات کی قوت بھی ہے' کائنات کے ان چاروں طبقوں میں بھی یکسانی نہیں ہے بلکہ ان میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ایک ترقی محسوس ہوتی ہے' یہاں تک کہ ان کا پست ترنقطہ اپنے پچھلے سے بلند تر اور اپنے اگلے سے جا کر مل جاتا ہے لیکن کیا اس ترقی کی انتہا یہیں پر جا کر ختم ہو جاتی ہے؟ نہیں! ابھی نطق و ادراک اور احساس و تمیز کا مرتبہ کمال کو نہیں پہنچا ہے' انسانوں میں وحشی اور غیر متمدن قبائل سے شروع کرو تو ان سے ترقی یافتہ دہقانی اور گنوار ہیں۔ ان سے اعلیٰ شہری اور متمدن ہیں اور ان سے زیادہ بلند تر علماء اور عقلائے روزگار ہیں جو فکر و نظر اور قیاس و استدلال سے مجہول کو معلوم کرتے ہیں لیکن انسانوں کی بلند تر صنف وہ ہے جس کی عقل و ہوش کے سامنے نظریات بھی بدیہیات

Marfat.com

ہیں جن کی روح قدسی اپنے تمام معلومات کو تجربہ و مشاہدہ سے نہیں بلکہ براہ راست عالم ملکوت سے حاصل کرتی ہے جن کے حواس کی طاقت عام انسانوں سے اس قدر تیز ہوتی ہے کہ وہ وہ کچھ دیکھتے ہیں جو عام انسان نہیں دیکھ سکتے اور وہ وہ کچھ سنتے ہیں جو عام انسان نہیں سن سکتے' یہ قوت کمالیہ اور یہ روح قدسیہ جس صنف انسانی میں ہوتی ہے وہی انبیاء ہیں۔

رؤیت ملائکہ:

انسان کے علم واحساس کا منبع روح ہے اور اس کے آلات وذرائع اس کے باطنی اور ظاہری حواس ہیں' اگر اس سطح زمین پر کوئی ایسا انسان ہو جو ان تمام آلات سے معرا ہو' تو وہ نہ کسی شے کا احساس کرسکتا ہے اور نہ کسی چیز کا علم حاصل کرسکتا ہے' لیکن جیسے علم واحساس کے ان آلات میں ترقی اور تیزی آجاتی ہے اس کے علم واحساس میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ ایک خاص نقطہ پر آ کر وہ رک جاتے ہیں اور مادیات ومحسوسات سے آگے نہیں بڑھ سکتے' لیکن خواب کی حالت میں روح کو مادیات اور محسوسات کی زنجیروں سے جب آزادی ملتی ہے تو غیر مادی چیزوں کا مشاہدہ کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ روح انسانی کے علائق جس قدر مادیات سے پاک ہوں گے اسی قدر اس کے علم واحساس کے قویٰ میں ترقی ہوگی اور جس قدر اس عالم مادی سے اس کو افتراق ہوگا اسی قدر عالم ملکوت کے ساتھ اس کا اتصال بڑھتا جائے گا اس بنا پر اگر کسی روح میں اس قدر استعداد اور صلاحیت عطا ہوئی ہو کہ وہ عالم بیداری میں بھی ان مادی تعلقات کو منقطع کرسکتی ہو تو جو کچھ عام روحوں کو خواب میں نظر آتا ہے اس سے بہت بڑھ کر اس کو بیداری میں محسوس ومشاہد ہوسکتا ہے' وہ غیب کی آوازوں کو سن سکتی ہے' فرشتوں کو دیکھ سکتی ہے۔ اس سے باتیں کرسکتی ہے اور ان کے ذریعہ سے علم ومعرفت کا فیض حاصل کرسکتی ہے۔

خوارقِ عادت:

دنیا کے مادی حوادث جس طرح مادی اسباب وعلل کے نتائج ہیں' اسی طرح وہ نفسیاتی اسباب کے نتائج بھی ہوتے ہیں' نفس کے اندر مختلف قسم کے جذبات اور حرکات پیدا ہوتے ہیں اور ان سے ہمارا مادی جسم متاثر ہوتا ہے۔ درخت یا دیوار پر چڑھنے والے کو اکثر یہ پیش آتا ہے کہ جہاں اس کے دل میں خوف پیدا ہوا اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اور وہ کانپ جاتا ہے اور گر پڑتا ہے۔ وہمی خوف سے انسان بے ہوش ہو جاتا ہے' بیمار ہو جاتا ہے' یہاں تک کہ مر بھی جاتا ہے' شرمندگی اور خجالت سے چہرہ کا رنگ بدل جاتا ہے' غیظ وغضب میں چہرہ تمتما اٹھتا ہے' یہ کمزور نفوس کا حال ہے' اس سے زیادہ قوی نفوس اپنے تاثرات سے دوسروں کو متاثر کر لیتے ہیں اور اپنی قہر ومحبت کی نگاہ سے دوسروں کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں' اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصحاب نفوس قدسیہ اور ارباب قوت کمالیہ اس مادی دنیا میں بہت کچھ تصرف کرسکتے ہیں۔ (1)

---

(1) ابن سینا نے اشارات میں تفصیل سے اور نجات میں اختصار کے ساتھ ان نظریات کو بیان کیا ہے' امام رازی نے مباحث شرقیہ میں اور ابن مسکویہ نے فوز الاصغر میں ان کو لکھا ہے' دیگر فلسفیانہ تصانیف میں بھی کم وبیش یہی ہے۔

Marfat.com

اکثر متکلمین اسلام نے پہلی اور دوسری شقوں کو ایک میں داخل کر دیا ہے اور ہیں بھی وہ درحقیقت ایک ہی امور غیب کی اطلاع' ملائکہ اور روحانیت کا مشاہدہ' رویت اور ان سے تخاطب' یہ تمام تر وحی و مشاہدہ روحانیت کے تحت میں داخل ہو سکتے ہیں اور تیسری چیز کا نام ان کی زبان میں معجزہ ہے' ہم ان دونوں پر الگ الگ بحث کرتے ہیں۔

وحی و مشاہدہ

ہمارے حکمائے متکلمین اور صوفیہ نے وحی و الہام اور مشاہدہ روحانیت کی تشریح میں متعدد نظریے قائم کیے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) الہام فطری اور الہام نوعی: دنیا میں جتنی چیزیں پردہ عدم سے منصہ وجود پر آتی ہیں وہ اپنے اپنے وجود کے ساتھ مختلف قسم کے خواص اور فطری علم اپنے ساتھ لاتی ہیں۔ گلاب کا پھول سرخ اور چنبیلی سفید کیوں ہوتی ہے۔ کھجور میٹھی اور اندرائن کڑوا کیوں ہوتا ہے؟ ایک ہی زمین اور ایک ہی آب و ہوا میں مختلف پودے اگتے ہیں مگر ہر ایک کا رنگ مزہ اور بو مختلف کیوں ہوتی ہے' ان کے خواص اور کیفیات میں کیوں اس درجہ اختلاف ہوتا ہے' پرندہ کا بچہ انڈے کے چھلکے سے باہر آنے کے ساتھ زمین سے دانہ چننے لگتا ہے۔ بط کا بچہ پانی میں تیرنے لگتا ہے' حیوانات کے بچے ماؤں کے تھن میں منہ لگا دیتے ہیں' چوہے کے بچے نے گو کبھی بلی نہ دیکھی ہو اور بلی کے بچہ نے چوہا کبھی نہ دیکھا ہو' مگر عمر میں پہلی دفعہ جب ان کی مڈبھیڑ ہو جاتی ہے تو ہر ایک سے اس کے فطری حرکات سرزد ہونے لگتے ہیں ہر حیوان اپنے نفع وضرر کو سمجھتا ہے' وہ مہلکات سے بھاگتا ہے اور منافع کی طرف لپکتا ہے' یہ تعلیم ان کو کس نے دی؟ شیر' لومڑی کتا' بلی ہر ایک کے بچے سے وہی اعمال سرزد ہوتے ہیں جو ان کے نوعی خصوصیات ہیں' ان اعمال کا مُعلِّم کون ہے؟ کوے بلبلوں کے جھنڈ میں اور بلبلیں کووں کے غول میں نہیں بیٹھتیں' یہ ہم جنسی کا علم ان میں کہاں سے آیا؟ چیونٹیوں اور شہد کی مکھیوں میں عظیم الشان اور حیرت انگیز جماعت بندی اور ذخیرہ اندوزی کی قابلیت کیونکر پیدا ہوئی' ان سب باتوں کا جواب یہ ہے کہ مُعلِّم فطرت نے عطیہ وجود کے ساتھ ساتھ یہ طبعی خصوصیات اور الہامات بھی ان میں ودیعت کر دیئے ہیں۔

یہ تو انواع کا حال ہے ہر نوع کے تحت میں اصناف ہیں جس طرح ہر نوع کی خصوصیتیں اور قابلیتیں الگ الگ ہیں' اس طرح ہر صنف کی خصوصیات اور استعدادات بھی الگ ہیں۔ ایک کبوتر کی کتنی قسمیں ہیں' ایک آم میں کس قدر اقسام ہیں' ایک نوع انسان میں کس قدر طبقات ہیں' ان میں سے ہر ایک صنف' قسم اور طبقہ اپنی مشترک نوعی خصوصیات کے ساتھ کچھ مستقل الگ صنفی اوصاف بھی اپنے اندر رکھتا ہے جو دوسرے اصناف میں نہیں پائے جاتے۔ افریقہ کے ایک وحشی انسان سے لے کر یورپ کے متمدن شہری تک' ایک ناخواندہ جاہل سے لے کر ایک فلسفی اور حکیم تک کس قدر مختلف انسانی طبقات ہیں' ہر طبقہ اپنے اندر متعدد صنفی خصوصیات اور ادراکات رکھتا ہے' اسی طرح ممکن ہے کہ مُعلِّم ازل انسانوں کے ایک اور صنف (انبیاء) کو علوم و معارف اور حقائق اسرار کے وہ الہامات عطا کر دے جن

Marfat.com

سے دیگر صنف انسانی محروم اور نا آشنا ہیں۔

دنیا میں جس قدر علوم وفنون، صنائع وحرف، ایجاد واختراعات پیدا ہو چکے ہیں، ان کا کوئی نہ کوئی بانی موجد اور مخترع ہوگا۔ پارچہ بافی اور خیاطی سے لے کر ریاضیات اور میکانکس تک جس قدر صنائع اور ایجادات اور علوم ومعارف ہیں وہ کسی نہ کسی ایک شخص کے ذہن کا نتیجہ ہیں، اسی بانی اور مخترع اول کے ذہن میں اس مسئلہ خاص یا ایجاد خاص کا فطور کیونکر ہو گیا۔ اس کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ دوسرے سے سیکھے بغیر اس کے نفس میں مسئلہ خاص اور ایجاد خاص کے متعلق ایک خاص قسم کی سوجھ یا فہم پیدا ہوگئی اور اس کے ذہن میں کہیں سے ایسی حقیقت بے پردہ مشہور ہو گئی جو دوسروں کے لیے تمام تر مستور تھی، یہی الہام ہے، اب جس شخص کو فلسفیانہ الہامات ہوتے ہیں وہ فلسفی ہے جس کو شاعرانہ ہوتے ہیں وہ شاعر ہے، جس کو آلات اور مشینوں کا الہام ہوتا ہے وہ آلات ساز اور انجینئر ہے اور جس نفس قدسی میں اسرار الہیہ نوامیس ملکوتیہ، عقائد حقہ، اعمال صالحہ قوانین عادلہ کا الہام ہو وہ پیغمبر ہے اور اس کے اس الہام کو وحی کہتے ہیں۔

(۲) انقطاع حواس عن المادیات: ۔ انسان کے تمام محسوسات اور مدرکات بواسطہ یا بلا واسطہ اس کے حواس خمسہ یعنی سامعہ، باصرہ، شامہ، ذائقہ اور لامسہ سے ماخوذ ہیں جن کے کام بہ ترتیب سننا، دیکھنا، سونگھنا چکھنا اور ٹٹولنا ہیں، اسی طرح انسان میں پانچ قوائے دماغ ہیں جن کے نام حس مشترک، خیال، واہمہ، حافظہ اور متخیلہ ہیں ان قوائے خمسہ کے متفرق کام ہیں، حس مشترک تو آلات حواس کا خزانہ یا لیٹر بکس ہے، انسان کو اپنے پانچوں حواسوں کے ذریعہ سے جو کچھ محسوس ہوتا ہے وہ سیدھا حس مشترک میں جا کر منطبع ہو جاتا ہے اور پھر وہاں سے منتقل ہو کر خیال میں جمع ہو جاتا ہے اور وہاں محفوظ رہتا ہے۔ واہمہ وہ قوت ہے جو اپنے اس گزشتہ محفوظ خزانہ مدرکات کا بار بار جائزہ لیتی رہتی ہے اور اس پر احکام جاری کرتی رہتی ہے، مثلاً دور سے ہم نے ایک زرد سیال شے دیکھی۔ پہلے سے ہمارے خیال میں شہد کی صورت محفوظ ہے، اس زرد سیال شے کو دیکھتے ہی ہم نے کہہ دیا کہ یہ شہد اور میٹھا ہوتا ہے۔ یہ واہمہ کا کام ہے۔ حافظہ میں قوت واہمہ کے مخزونات جمع رہتے ہیں اور متخیلہ جس کا دوسرا نام مفکرہ بھی ہے اس قوت دماغی کو کہتے ہیں جو مدرکات خیال کی ترکیب وتحلیل کرتی رہتی ہے اور ہمیشہ نئی نئی شکلیں اور عجیب عجیب صورتیں (سینما صور متحرکہ) کے تماشہ کی طرح ہمارے ذہن کے سامنے لاتی رہتی ہے، کبھی دوسر کا انسان بنا کر کھڑا کر دیتی ہے کبھی بے سر کا چلتا پھرتا انسان مشاہدہ کراتی ہے، کبھی پرستان کی سیر کراتی ہے اور کبھی عالم قدس میں جانے اور ہمیشہ کے لیے پر تولتی ہے، ذہن کو ہزاروں لاکھوں میل کی مسافت دم کے دم میں طے کرا دیتی ہے، آنکھیں بند کرتے ہی ہماری دوسری آنکھوں کے سامنے جو ہنگامہ فکر وخیال برپا ہو جاتا ہے وہ اسی کا کارنامہ ہے۔

اس تمہید کے بعد اب یہ سمجھنا چاہیے کہ ہماری قوت متفکرہ صرف آرام وسکون کے لمحوں میں کیوں تماشے دکھاتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارا حس مشترک ہمیشہ خارج سے آلات حواس کے بھیجے ہوئے محسوسات کی تحصیل ووصول میں مصروف رہتا ہے، اس لیے جب تک بیماری، نیند یا غفلت یا کسی اور سبب سے آلات حواس میں تعطل نہیں ہوتا ہمارے قوائے دماغی میں آرام وسکون نہیں پیدا ہو سکتا، خواب کی حالت میں جب یہ حواس تھوڑی دیر کے لیے اپنا کام

Marfat.com

موقوف کر دیتے ہیں' اس وقت ہمارے پُراسرار قوائے ذہنی عالم بالا کی سیر کرنے لگتے ہیں اور وہاں کے مشاہدات و مسموعات حس مشترک میں آ کر ہماری قوت مفکرہ کو حرکت دیتے ہیں اور ہم عجیب عجیب چیزیں دیکھنے اور عجیب عجیب آوازیں سننے لگتے ہیں۔ اب اگر کسی کی روح میں اتنی قوت ہو کہ حالت بیداری میں بھی اپنے ظاہری آلات کو معطل کر کے عالم بالا سے اپنا سلسلہ تعلق قائم کر سکے تو اس کو سب کچھ اسی عالم بیداری میں نظر آ سکتا ہے۔

(۳) قوت نبوّت:۔ تیسرا نظریہ یہ ہے کہ حواس انسانی صرف پانچ کے اندر محدود نہیں ہیں' چنانچہ شیخ الاشراق نے حکمۃ الاشراق میں اس پر دلائل قائم کیے ہیں' بعض جمادات میں نباتاتی اوصاف ملتے ہیں بعض نباتات ایسے دریافت ہوتے ہیں جن میں قوت حس ہے جس سے دیگر نباتات عام طور سے محروم ہیں' حیوانات کے مختلف انواع میں بعض ایسے قویٰ کا پتہ چلتا ہے جو دیگر حیوانات میں نہیں' شہد کی مکھیوں میں ایک ایسی عجیب وغریب قوت ہے جس سے ان کو کسی طرح بند کر کے لے جایئے اور کہیں جا کر چھوڑ دیجئے وہ اپنے چھتہ کا راستہ پالیتی ہیں مکڑیوں کی اقلیدسی اشکال بھی کسی نہ کسی قوت کا نتیجہ ہیں خواہ اس کا نام جبلت یا فطرت ہی کیوں نہ رکھو' اسی طرح ممکن ہے کہ انبیاءؑ میں احساس وادراک کی وہ خاص قوت ہو جس سے اور اصناف انسانی محروم ہیں' وہ اپنی اس قوت قدسیہ کے ذریعہ سے ان چیزوں کا احساس وادراک کر لیتے ہیں جن کو عام قوائے انسانی نہیں کر سکتے' مولانا رومی نے مثنوی میں اس خیال کو جابجا ظاہر کیا ہے۔

پنج حسے ہست جز ایں پنج حس
آں چو زر سرخ و ایں حسہا چو مس

ان پانچ جسمانی حواسوں کے علاوہ پانچ اور روحانی حواس بھی ہیں وہ سونا ہیں اور یہ تانبا ہیں۔

حس ابداں قوت ظلمت خورد
حس جاں از آفتابے می چرد

جسمانی حواس تاریکی سے قوت اخذ کرتے ہیں تو روحانی حواس آفتاب سے۔

ہر کہ از حس خدا دید آیتے
در بر حق داشت بہتر طاعتے

جس نے اس خدائی احساس کی کوئی نشانی دیکھ لی ہے وہ خدا کے سامنے زیادہ مطیع ہے۔

گر بدیدے حس حیواں شاہ را
پس بدیدے گاؤ خر اللہ را

اگر حیوان اپنے احساس سے بادشاہ کا مرتبہ پہچان سکتے تو بیل اور گدھے بھی خدا کو دیکھ لیتے۔

گر نہ بودے حس دگر مر ترا
جز حس حیواں ز بیرون ہوا

اگر احساس حیوانی کے علاوہ تم کو اور دوسرے قوائے احساس نہ ملے ہوتے۔

Marfat.com

پس بنی آدم مکرم کے بدے
کے نہ حس مشترک محرم شدے

تو بنی آدم کا درجہ اتنا کیوں بڑھایا جاتا اور صرف حس مشترک کی بناپر وہ محرم راز کیونکر ہوسکتا۔

فلسفی گویدز معقولات دوں
عقل از دہلیزمی ماند بروں

فلسفی لغو معقولات کی باتیں کرتا ہے تو عقل دہلیز کے باہر رہ جاتی ہے۔

فلسفی منکر شود در فکر وظن
گوبرو سررا براں دیوار زن

فلسفی جو صرف اپنی فکر و گمان کے باعث ان حقائق کا انکار کرتا ہے اس کو کہنا چاہیے کہ اپنا سر دیوار پر دے مارے۔

نطق آب و نطق باد و نطق گل
ہست محسوس حواس اہل دل

پانی ہوا مٹی ان سب کا نطق اہل کے دل حواس کو محسوس ہوتا ہے۔

فلسفی کو منکر حنا نہ است
از حواس انبیاء بے گانہ است

فلسفی جو ستون نبوی کے گریہ کا منکر ہے اس کا سبب یہ ہے کہ انبیاء کے حواس سے واقف نہیں ہے۔

(۴) حواس کی غیر محدودیّت:۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حواس پانچ ہی ہیں اور ان کے علاوہ کوئی حاسہ کسی انسان میں موجود نہیں ہے تو یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ ان حواسوں کی وسعت احساس ان کے حدود کے اندر محدود ہے اور چند اشخاص کو جو چیز دکھائی یا جو آواز سنائی دیتی ہے وہ اس لیے غلط ہے کہ عام انسان اس کو دیکھ سن نہیں سکتے یا جو چیز ہم کو اس وقت دکھائی یا سنائی نہیں دیتی وہ آئندہ بھی ہم کو دکھائی یا سنائی نہیں دے گی۔ بالکل ممکن ہے کہ ایک انسان جس کو دیکھ یا سن نہ سکے دوسرا انسان اس کو دیکھ اور سن لے کور نظر پاس کی چیز بھی نہیں دیکھ سکتے لیکن تیز نظر میلوں کی خبر لے لیتے ہیں بعض انسانوں اور حیوانوں میں بعض قوائے احساس اوروں سے زیادہ تیز ہوتے ہیں۔ چیونٹی میں قوت شامہ چیل اور کبوتر میں قوت باصرہ۔ سانپ میں قوت لامسہ کتوں اور گھوڑوں میں قوت سامعہ معمولی سطح حواس سے بہت زیادہ بلند ہوتی ہے خود انسان کے حواس کے درجے کس قدر متفاوت اور مختلف ہیں۔ ایک انسان دور سے آواز سنتا ہے دور کی چیز اس کو نظر آتی ہے دور کی نہایت نازک خوشبو محسوس کر لیتا ہے لیکن کمزور حواس کے انسان ان کا مطلق احساس نہیں کر سکتے لیکن کسی طریقہ سے اگر ان کے حواس کی قوت اور تیزی میں اضافہ ہو سکے تو وہ بھی اسی طرح دیکھ سکتے سن سکتے اور سونگھ سکتے ہیں۔

مقدمہ بالا سے معلوم ہوا کہ ایک کم نظر انسان یا گراں گوش آدمی جس قدر دیکھتا یا سنتا ہے اگر اس کی قوت

Marfat.com

بصارت وسماعت کو کسی تدبیر سے ترقی دی جائے تو وہ حیرت انگیز طریقہ سے ترقی کر سکتی ہے اور پھر جس قدر اس کے حواس میں ترقی ہوتی جائے گی‘ اس کے احساسات میں اضافہ اور محسوسات میں وسعت آتی جائے گی‘ ہمارے ہاتھ میں پانی کا ایک گلاس ہے ہم اس کو پینا چاہتے ہیں‘ اس میں گردوغبار کا ایک ذرہ بھی ہم کو نظر نہیں آتا لیکن ہم خوردبین لگا کر دیکھیں تو قطرہ قطرہ میں ہم کو کیڑوں کی بستی کی بستی نظر آئے گی‘ خالی آنکھ سے ہم کو صرف آفتاب ماہتاب اور کچھ چھوٹے بڑے ستارے دکھائی دیتے ہیں‘ یہاں تک کہ بطلیموس کو ثوابت کی حرکت تک محسوس نہیں ہوئی اور اس وقت تک صرف تین سو ستارے دریافت ہو سکے اور جب ایک سے ایک طاقتور دوربینیں نکل رہی ہیں تو ہر نئی دوربین کی ایجاد کے بعد پہلے سے زیادہ ہماری آنکھیں روشن ہوتی جاتی ہیں‘ یہاں تک کہ صرف ساتویں درجہ کے ستارے تیرہ ہزار اور آٹھویں درجہ کے چالیس ہزار اور نویں درجہ کے ایک لاکھ بیس ہزار ہم کو اس فضائے آسمانی پر تیرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ہرشل کی دوربین سے کل چھوٹے بڑے دو کروڑ ستاروں کی فوج ہم کو دکھائی دینے لگی ہے۔

یہی حال سماعت کا ہے‘ پہلے ہماری آواز زیادہ سے زیادہ ایک میل جاسکتی ہوگی‘ ٹیلی فون کی پہلی ایجاد نے اس کو بڑھایا اور دو چار قدم کے بعد شہر کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر دوسرے گوشہ کے لوگوں سے باتیں کرنے لگے چند سالوں میں یہاں تک ترقی ہوگئی کہ سوئٹزرلینڈ کے ایک ہوٹل میں بیٹھ کر ہم بولتے ہیں اور فرانس میں لوگ اس کو سنتے ہیں۔ لکھنو سے الٰہ آباد دم کے دم میں آپ کی آواز پہنچتی ہے اور اب ہندوستان سے ہزاروں میل دور لندن میں آپ کی آواز پہنچنے والی ہے۔ (1)

ان روزمرہ مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حواس کے فعل اور انفعال اور تاثیر و تاثر کے دائرے کی تحدید نہیں کی جاسکتی اور یہ ممکن ہے کہ صنف انسانی کے حواس اس قدر تیز‘ سریع اور قوی ہوں کہ ان کو وہ کچھ نظر آئے جو ہم کو نظر نہیں آتا اور وہ کچھ سنائی دے جو ہم کو سنائی نہیں دیتا‘ آنحضرت ﷺ نماز کی صف کے اندر فرماتے ہیں کہ مجھ کو اسی مقام سے دوزخ اور جنت نظر آئی‘ حضرت یعقوبؑ کو کنعان کی وادی میں بیٹھ کر مصر سے حضرت یوسفؑ کے پیرہن کی خوشبو معلوم ہوتی ہے۔ مولانا رومی اسی خیال کو ان اشعار میں ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس حالت میں ایک حس کی تیزی دوسرے حواس کو بھی تیز کر دیتی ہے۔

پنج حس با یک دگر پیوستہ اند
زانکہ ایں ہر پنج زا صلی رستہ اند

حواس خمسہ باہم ایک دوسرے سے وابستہ ہیں‘ کیونکہ یہ پانچوں حواس ایک ہی اصل سے نکل کر آئے ہیں۔

قوت یک قوت باقی شود
ماقبی راہر یکے ساقی شود

ایک حاسہ کی قوت بقیہ حواس کی قوت بن جاتی ہے۔

---

(1) اور اب اس جدید اشاعت کے وقت ۱۹۸۵ء میں تو سائنسی ترقی اپنے کمال کو پہنچ رہی ہے۔ (ناشر)۔

Marfat.com

دیدن دیدہ فزاید عشق را
عشق اندر دل فزاید صدق را

دیدار چشم عشق کو ترقی دیتا ہے اور عشق دل میں سچائی پیدا کرتا ہے۔

صدق بیداری ہر حس می شود
حسہارا ذوق مونس می شود

سچائی ہر حاسہ کی بیداری کا سبب ہو جاتی ہے اور احساس کو ذوق و وجدان سے مدد ملنے لگتی ہے۔

(۵) عالم مثال:۔ علمائے اسلام میں جن کے سینے علم و حکمت کے ساتھ نور معرفت سے بھی منور ہیں' انہوں نے نظر و استدلال سے نہیں بلکہ ذوق و عرفان سے ایک اور راستہ اختیار کیا ہے' حکماء میں دو گروہ ہیں۔ ایک وحدیہ اور دوسرا ثنویہ' وحدیہ وہ ہیں جو ایک ہی عالم کے قائل ہیں' یعنی ان کے نزدیک مبدءِ عالم صرف ایک ہی ہے ان کی دو جماعتیں ہیں ایک وہ جو مبدءِ عالم صرف مادہ کو مانتی ہے اور مادہ کے علاوہ کسی اور چیز کو تسلیم نہیں کرتی یہاں تک کہ عقل و حیات اور قوائے ذہنیہ تک اس کے نزدیک تمام تر مادہ کی نیرنگیاں ہیں' ان کو مادیین اور طبعیین کہتے ہیں اور دوسری جماعت مادہ سے یکسر منکر ہے' وہ صرف نفس و روح کو تسلیم کرتی ہے اور اس عالم محسوس کو وہم و تصور سے زیادہ رتبہ نہیں دیتی' اس کے نزدیک عالم اور عالم میں جو کچھ ہے وہ نفس و روح کے مظاہر ہیں ان کو روحانیین کہتے ہیں۔

ثنویہ:۔ دو مبدءِ عالم تسلیم کرتے ہیں' یعنی مادہ اور روح اور عالم کو ان دونوں کا جلوہ گاہ تسلیم کرتے ہیں۔ ہم نے اوپر کی سطروں میں جن ارباب معرفت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ تین عالم تسلیم کرتے ہیں' ایک تو یہ عالم اجساد یا عالم شہادت جس کو تم مادہ اور مادیات کہتے ہو' دوسرا عالم ارواح یا عالم غیب جو مادی اور مادیات سے منزہ اور مافوق ہے اور تیسرا عالم مثال یا عالم برزخ یہ وہ عالم ہے جہاں عالم اجساد اور عالم ارواح' عالم شہادت اور عالم غیب دونوں کے اوصاف اور قوانین مجتمع ہو جاتے ہیں' عالم اجساد کی چیزیں وہاں جا کر پیکر مادی سے پاک ہو کر سامنے آتی ہیں اور غیر مادی معانی اور حقائق اور عالم ارواح کی مخلوقات وہاں مجسم اور متجسد ہو کر نظر آتی ہیں' امام ربانی مکتوبات میں لکھتے ہیں۔

اے برادر! عالم ممکنات را سہ قسم قرار دادہ اند عالم ارواح و عالم مثال و عالم اجساد۔ عالم مثال را برزخ گفتہ اند درمیان عالم ارواح و عالم اجساد و نیز گفتہ اند کہ عالم دررنگ مرآۃ است مر معانی و حقائق ایں ہر دو عالم را کہ معانی و حقائق اجساد و ارواح در عالم مثال بصور لطیفہ ظہور می نماید چہ درآنجا مناسب ہر معنی و حقیقی صورت و ہیئت دیگر است و آں عالم فی حد ذاتہ متضمن صور و ہیئات و اشکال نیست صور و اشکال در وے از عوالم دیگر منعکس گشتہ ظہور یافتہ است و رنگ مرآۃ

عالم ممکنات کی تین قسمیں قرار دی ہیں' عالم ارواح' عالم مثالی اور عالم اجسام۔ عالم مثال کو عالم ارواح اور عالم اجسام کے بیچ میں کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عالم مثال۔ عالم ارواح اور عالم اجسام کے معانی و حقائق کے لیے آئینہ کے مانند ہے کہ اس عالم مثال میں اجسام و ارواح کے معانی و حقائق لطیف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس عالم مثال میں ہر معنی و حقیقت کی ایک خاص مناسب شکل ہے اس عالم مثال میں بذات خود کوئی صورت و شکل و ہیئت نہیں ہے' یہ صور

Marfat.com

است کہ فی حد ذاتہا متضمن ہیچ صورت نیست' اگر دروے صورت کائن است از خارج آمدہ است۔ (جلد سوم مکتوب سی ویکم)

واشکال دوسرے عالموں سے آ کر اس میں عکس انداز ہوتی ہیں جس طرح خود آئینہ میں کوئی صورت نہیں ہوتی بلکہ جو صور واشکال اس میں نمودار ہوتی ہیں وہ خارج سے آ کر اس میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔

بعض لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان بزرگوں کا عالم مثال وہی افلاطون کا عالم مثل ہے لیکن افلاطون فرقہ وحدیہ سے تھا' یعنی عالم کا مبدا صرف ایک تسلیم کرتا تھا' اس لیے اس کے نظریہ کا منشا صرف یہ ہے کہ اس عالم محسوس میں ہر شے فرد افرد اجزئی اور متشخص ہو کر آتی ہے' نفس کلی اور مطلق نوع وجود خارج میں نہیں۔ مثلاً ہم کہتے ہیں "انسان ہنستا ہے' گھوڑا ہنہناتا ہے' کتا بھونکتا ہے۔" تو یہ کسی خاص انسان' خاص گھوڑے یا خاص کتے کی نسبت حکم نہیں ہے۔ بلکہ انسان' گھوڑے اور کتے کی نوع پر حکم لگایا گیا ہے' لیکن کلی انسان مطلق گھوڑا اور مطلق کتے کا وجود تو اس عالم محسوس میں نہیں مگر کہیں نہ کہیں تو اس کا وجود ہونا چاہیے' پھر کہاں ہے؟ عام جواب یہ ہے کہ ذہن میں' مگر ذہن جو ہمارے محدود و مختصر دماغ کا دوسرا نام ہے کوئی ایسا ظرف نہیں جس کے اندر یہ ساری دنیا سما سکے' اس لیے ایک اور عالم ہے جس میں کلیات اور انواع بستے ہیں اس عالم محسوس میں جتنی چیزیں ہیں وہ کسی نہ کسی نوع کے تحت میں ہیں' یہ انواع عالم مثال میں ہیں اور ان کے عکس اور سائے جن کا نام افراد اور جزئیات ہے وہ اس عالم محسوس میں ہیں' حقیقی وجود ان ہی انواع یا مثل کا ہے وہ گویا قدرت کے سانچے ہیں اور ان ہی سے ڈھل ڈھل کر اس عالم محسوس میں افراد اور جزئیات نمودار ہوتے ہیں' مگر ان افراد اور جزئیات کا کوئی مستقل وجود نہیں ہے' وہ صرف اپنی نوع کے آثار اور ظلال (سایہ) ہیں' پھر ان میں سے ہر نوع کی مستقل روح نوعی ہے جو اس نوع کا خدا ہے' اسی کا نام ان کی اصطلاح میں رب النوع ہے۔

یہ ہے مثل افلاطون کی حقیقت' عالم مثال کی حقیقت اس سے بالکل الگ ہے' اس عالم کے قائلین جیسا کہ ابھی امام ربانی کے مکتوب کے حوالہ سے گزر چکا' تین عالم کے قائل ہیں' عالم جسمانی' عالم روحانی اور عالم مثالی عالم مثالی جسم وروح کے احکام کا جامع ہے' اس میں روحانی اشیاء متجسم اور جسمانی چیزیں کسی اور مناسب شکل میں متشکل ہو کر نظر آتی ہیں اور وہ معانی وحقائق جن میں جسم و جان نہیں' مثلاً حیات' موت' علم' عقل' جسمانی رنگ و روپ میں وہاں نمایاں ہوتی ہیں' ارواح فرشتے' جبریل جو جسم سے پاک ہیں اس عالم میں متجسم معلوم ہوتے ہیں اس کی مثال بالکل خواب کی سی ہے کہ اس میں کبھی روحانیت متجسم ہو کر اور کبھی جسمانیات کسی اور شکل میں نمودار ہو کر جلوہ گر ہوتے ہیں اور اہل معرفت ان کو دیکھ کر ان کی مناسب تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً کبھی خواب میں علم دریا کی صورت میں غیظ وغضب آگ کی شکل میں' شجاعت شیر کی ہیئت میں نظر آتی ہے۔ اسی طرح عالم مثال میں بھی معانی وحقائق اور روحانیات ومجردات کسی مناسب جسمانی شکل وصورت میں دکھائی دیتے ہیں اور ان کو دیکھ کر اہل بصیرت ان رموز وکنایات کی حقیقت کو پا لیتے ہیں' خود عالم مثال میں کوئی آبادی نہیں' وہ صرف آئینہ خانہ ہے' جس میں عالم بالا یا عالم زیریں سے جو شکل بھی اس کے سامنے آتی ہے اہل بصیرت کو نظر آ جاتی ہے۔

علمائے اسلام میں سب سے پہلے یہ خیال امام غزالی کے ہاں ملتا ہے لیکن اس کو انہوں نے عالم کے لفظ سے

Marfat.com

نہیں بلکہ وجود کے لفظ سے تعبیر کیا ہے' کسی شے کے وجود کا ثبوت ہمارے پاس اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے کہ ہم کسی نہ کسی طرح اس کا احساس یا تعقل کرتے ہیں' ہماری معلومات و محسوسات ذہن میں موجود ہیں اور ان کا یہ وجود بھی اسی طرح ناقابل انکار ہے جس طرح عام اشیاء کا یہ خارجی وجود' لیکن نہ ہم ان کو دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں' نہ چکھ سکتے ہیں' نہ سونگھ سکتے ہیں' نہ ٹول سکتے ہیں' اس بنا پر امام صاحب کے نزدیک وجود کی تین قسمیں ہیں وجود حسی' وجود عقلی اور وجود خیالی' اور آخری قسم کی انہوں نے حسب ذیل تفصیل کی ہے۔

''اور وہ یہ ہے کہ زبان حال تمثیلی رنگ میں محسوس اور مشاہد بن کر سامنے آئے اور یہ خاص انبیاء اور پیغمبروں کی نشانی ہے' اس کی مثال خواب کی ہے' جس طرح خواب میں زبان حال پیغمبروں کے علاوہ عام آدمیوں کو بھی تمثیلی رنگ میں نظر آتی ہے اور وہ آوازیں سنتے ہیں۔ مثلاً کوئی خواب دیکھتا ہے کہ اونٹ اس سے باتیں کر رہا ہے یا گھوڑا اس کو خطاب کر رہا ہے یا کوئی مردہ اس کو کچھ دے رہا ہے یا اس کا ہاتھ پکڑ رہا ہے یا اس سے چھینتا ہے یا یہ دیکھے کہ اس کی انگلی آفتاب' سورج یا چاند گہن بن گئی یا اس کا ناخن شیر ہو گیا ہے یا اسی قسم کی صورتیں جن کو لوگ خواب میں دیکھا کرتے ہیں' انبیاء علیہم السلام کو یہ چیزیں بیداری میں نظر آتی ہیں اور اسی بیداری کی حالت میں یہ چیزیں ان سے خطاب کرتی ہیں' ایک جاگتا ہوا آدمی جس کو یہ چیزیں نظر آتی ہیں اور محسوس ہوتی ہیں۔ وہ اس بات میں کچھ فرق نہیں کر سکتا کہ یہ خیالی گویائی ہے یا خارجی اور حسی ہے' خواب دیکھنے والوں کو تو یہ فرق اس لیے محسوس ہوتا ہے کہ وہ جاگ جاتا ہے اور خواب و بیداری کی دونوں حالتوں میں وہ فرق محسوس کرتا ہے۔

جن لوگوں کو ولایت تامہ حاصل ہو جاتی ہے ان کو یہ تمثیلی رنگ تنہا نظر نہیں آتا بلکہ اس کا اثر عام حاضرین پر بھی پڑتا ہے' اس کی ولایت اپنے فیض کی شعاعیں ان پر ڈالتی ہے اور وہ بھی وہی دیکھتے ہیں جو صاحب ولایت کو نظر آتا ہے اور وہی سنتے ہیں جو صاحب ولایت کو سنائی دیتا ہے۔'' (مضنون بہ علی غیر اہلہ ص ۱۹' مصر)

احیاء العلوم باب عذاب القبر میں بھی امام صاحب نے اس کی تشریح کی ہے' امام خطابی (مشہور امام الحدیث) نے معالم السنن میں اس کو رویا کے لفظ سے تعبیر کیا ہے' افسوس ہے کہ معالم کا اصل نسخہ موجود نہیں حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں ان کی رائے نقل کی ہے۔ شریکؒ بن عبداللہ کی روایت میں جس میں معراج میں خدا کے قرب کی تصریح ہے اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

فمن لم يبلغه هذا من الحديث الا هذا القدر مقطوعًا عن غيره و لم يعتبره باول القصة و اخرها اشتبه عليه وجهه و معناه و كان قصاراه اما رد الحديث من اصله و ما الوقوع في التشبيه و هما خطتان مرغوب عنهما و امامن اعتبر اول الحديث باخره فانه يزول عنه

''پس جس شخص کو اس حدیث کا اتنا ہی ٹکڑا (کہ معراج میں آنحضرت ﷺ سے خدا قریب ہوا) حدیث کے دوسرے ٹکڑوں سے الگ ہو کر پہنچا اور اس آغاز روایت اور آخر روایت کو باہم ملا کر نہ دیکھا تو اس حدیث کا مطلب اس پر مشتبہ ہو جائے گا اور اس کا انجام یہ ہوگا کہ یا وہ اصل حدیث سے انکار کر دے اور یا یہ کہ وہ خدا کی تجسیم کا قائل ہو جائے اور یہ دونوں باتیں ناپسندیدہ ہیں لیکن جو شخص اول و آخر

Marfat.com

الاشکال فانه مصرح فیھما فانه کان رویا لقوله فی اوله و ھو نائم وفی اخره استیقظ و بعض الرویا مثل یضرب لیتاول علی الوجه الذی یجب ان یصرف الیه معنی التعبیر فی مثله و بعض الرویا لایحتاج الی ذلک بل یاتی کا لمشاھدۃ. (فتح الباری ج ۱۲ص ۴۰۲)

حدیث کو ملا کر دیکھے گا تو اس سے اشکال رفع ہو جائے گا کیونکہ حدیث کے شروع میں اور آخر میں یہ تصریح ہے کہ یہ خواب تھا کیونکہ شروع میں ہے آپؐ سو رہے تھے کہ آپؐ نے دیکھا اور آخر میں ہے کہ اس کے بعد آپؐ بیدار ہوئے بعض خواب برنگ تمثیل ہوتے ہیں جن کی تعبیر اسی طرح کی جاتی ہے جس طرح اس قسم کے خوابوں کی تعبیر کی جاتی ہے اور بعض خواب تعبیر کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ مشاہدہ کی طرح ہوتے ہیں۔''

امام صاحب کے بعد شیخ الاشراق نے اس کا عالم نام رکھا اور اس کی کچھ کیفیت بیان کی' مگر انہوں نے عالم مثال اور مثل افلاطونیہ کو باہم خلط ملط کر دیا ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی اپنی بعض تصنیفات میں اس خیال کو ظاہر کیا ہے۔ خواجہ حافظ کے ہاں یہ خیال پایا جاتا ہے۔

عالمے ہست کہ ایں عالم ازاں تمثالے است

حضرات نقش بندیہ میں نہیں معلوم یہ خیال کب سے قائم ہے۔ بہر حال امام ربانی شیخ احمد سرہندی کے زمانہ کے بہت پہلے سے یہ خیال ان میں پایا جاتا ہے کیونکہ امام ربانی کی تحریروں میں متعدد مقام پر اس کا ذکر ہے' ان کے بعد تو حضرات مجددیہ کی تصنیفات میں اس عالم کی نیرنگی اور بوقلمونی پر نہایت پر اسرار مباحث ہیں۔ علمائے متکلمین میں جس کو سب سے پہلے اس نظیر کو علم کلام میں استعمال کرنے کا خیال پیدا ہوا وہ مجدد الف ثانی کے ایک مرید ملا بدر الدین ہیں۔ چنانچہ وہ ایک خط میں مجدد صاحب کو لکھتے ہیں۔

پس عذاب قبر در عالم مثال خواہد بود در رنگ المیکہ در خواب در عالم مثال نمایند و نوشتہ بودند کہ ایں سخن شاخہائے بسیار دارد و اگر قبول نمایند فروع بسیار بریں سخن متفرع خواہد ساخت۔ (مکتوب سی و کیم جلد سوم)

''پس عذاب قبر بھی عالم مثال میں ہوگا اسی طرح جس طرح کہ خواب میں مثالی رنگ میں ڈر اور تکلیف محسوس ہوتی ہے اور یہ بھی انہوں نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ سے بہت سی شاخیں نکل سکتی ہیں اور اگر آپ قبول فرمائیں تو اس سے بہت سے فروع پیدا ہو سکیں گے۔''

یہی چند منتشر خیالات تھے جن کو شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک عالم بنا دیا چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں عالم مثال کا ایک باب باندھا ہے اور اس کے تمام اصول و فروع بیان کیے ہیں۔ ہم اس موقع پر شاہ صاحب کے اس باب کا پورا ترجمہ درج کرتے ہیں۔

''جاننا چاہیے کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم موجودات میں ایک ایسا عالم بھی ہے جو غیر مادی ہے اور جس میں معانی (اعراض و حقائق) ان اجسام کی صورت میں متشکل ہوتے ہیں جو اوصاف کے لحاظ سے ان کے مناسب ہیں' پہلے اس عالم میں اشیاء کا ایک گونہ وجود ہو لیتا ہے' تب دنیا میں ان کا وجود ہوتا ہے اور یہ دنیاوی وجود ایک

Marfat.com

اعتبار سے بالکل اس عالم مثال کے وجود کے مطابق ہوتا ہے۔

اکثر وہ اشیاء جو عوام کے نزدیک جسم نہیں رکھتیں اس عالم میں منتقل ہوتی اور اترتی ہیں اور عام لوگ ان کو نہیں دیکھتے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب خدا نے رحم کو پیدا کیا تو وہ کھڑی ہو کر بولی کہ یہ اس شخص کا مقام ہے جو قطع رحم سے پناہ مانگ کر تیرے پاس پناہ ڈھونڈتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سورۂ بقرہ اور آل عمران قیامت میں یا سائبان یا صف بستہ پرندوں کی شکل میں آئیں گی اور ان لوگوں کی طرف سے وکالت کریں گی جنہوں نے ان کی تلاوت کی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت میں اعمال حاضر ہوں گے تو پہلے نماز آئے گی پھر خیرات' پھر روزہ الخ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نیکی اور بدی دو مخلوق ہیں جو قیامت میں لوگوں کے سامنے کھڑی کی جائیں گی' نیکی نیکی والوں کو بشارت دے گی اور برائی برائی والوں کو کہے گی کہ ہٹو ہٹو۔ لیکن وہ لوگ اس سے چمٹے ہی رہیں گے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت میں اور جتنے دن ہیں وہ معمولی صورت میں حاضر ہوں گے لیکن جمعہ کا دن چمکتا دمکتا ہوا آئے گا۔ اور آنحضرت نے فرمایا کہ قیامت میں دنیا ایک بڑھیا کی صورت میں لائی جائے گی جس کے بال کھچڑی' دانت نیلے اور صورت بدنما ہوگی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو میں دیکھتا ہوں' کیا تم بھی دیکھتے ہو؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ فتنے تمہارے گھروں پر اس طرح برس رہے ہیں جس طرح بادل سے قطرے اور آنحضرت ﷺ نے معراج کی حدیث میں فرمایا کہ اچانک چار نہریں نظر آئیں' دو نہریں اندر تھیں اور دو باہر۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ ''یہ کیا ہے؟'' بولے اندر کی نہریں تو جنت کی ہیں اور باہر کی نیل اور فرات ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ نے کسوف کی نماز میں فرمایا کہ بہشت اور دوزخ میرے سامنے مجسّم کر کے لائی گئیں اور ایک روایت میں ہے کہ میرے اور قبلہ کی دیواروں کے بیچ میں بہشت اور دوزخ مجسم ہو کر آئیں' میں نے ہاتھ پھیلائے کہ بہشت سے ایک انگور کا خوشہ توڑ لوں' لیکن دوزخ کی گرمی کی لپیٹ سے رک گیا اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حاجیوں کے چور کو اور ایک عورت کو دوزخ میں دیکھا جس نے ایک بلی کو باندھ کر مار ڈالا تھا اور ایک فاحشہ عورت کو بہشت میں دیکھا جس نے کتے کو پانی پلایا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ بہشت اور دوزخ کی وسعت جو عام لوگوں کے خیال میں ہے وہ اس قدر مسافت (یعنی کعبہ کی چار دیواری) میں نہیں سما سکتی' اور حدیث میں ہے کہ بہشت کو مکروہات نے اور دوزخ کو شہوات نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔

پھر جبریل کو خدا نے حکم دیا کہ دونوں کو دیکھیں اور حدیث میں ہے کہ بلا جب نازل ہوتی ہے تو دعا اس سے کشتی لڑتی ہے اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ خدا نے عقل کو پیدا کیا اور اس سے کہا کہ آگے آ تو وہ آگے آئی' پھر کہا پیچھے ہٹ تو پیچھے ہٹ گئی' اور حدیث میں ہے کہ یہ دونوں کتابیں پروردگار عالم کی طرف سے ہیں الخ اور حدیث میں ہے کہ (قیامت میں) موت ایک مینڈھے کی شکل میں لائی جائے گی' پھر دوزخ اور بہشت کے درمیان ذبح کر دی جائے گی اور خدا نے فرمایا کہ ہم نے اپنی روح مریم کے پاس بھیجی تو وہ ان کے سامنے ٹھیک آدمی کی شکل بن کر آئی' اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جبرئیل آنحضرت ﷺ کے سامنے آتے تھے اور آپؐ سے باتیں کرتے تھے اور کوئی ان کو نہیں دیکھتا تھا' اور حدیث میں ہے کہ قبر ہفتاد در ہفتاد گز چوڑی ہو جاتی ہے یا اس قدر سمٹ آتی ہے کہ مردہ کی پسلیاں بھر کس

Marfat.com

ہو جاتی ہیں اور حدیث میں ہے کہ فرشتے قبر میں آتے ہیں اور مردہ سے سوال کرتے ہیں اور مردہ کا عمل مجسم ہو کر اس کے سامنے آتا ہے اور نزع کی حالت میں فرشتے حریر یا گزی کا کپڑا لے کر آتے ہیں اور فرشتے مردہ کو لوہے کے گرز سے مارتے ہیں' مردہ شور کرتا ہے اور اس کے شور کی آواز مشرق سے مغرب تک کی چیزیں سنتی ہیں اور حدیث میں ہے کہ جب مردہ قبر میں آتا ہے تو اس کو نظر آتا ہے کہ آفتاب غروب ہو رہا ہے وہ اٹھتا بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ ٹھہرو نماز پڑھ لوں اور حدیث میں اکثر جگہ آیا ہے کہ قیامت میں خدا بہت سی مختلف صورتوں میں لوگوں کے سامنے جلوہ گر ہوگا اور آنحضرت ﷺ خدا کے پاس اس حالت میں جائیں گے کہ خدا اپنی کرسی پر بیٹھا ہوگا اور یہ کہ خدا انسانوں سے بالمشافہ بات چیت کرے گا اس قسم کی اور بہت سی حدیثیں ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

ان حدیثوں کو جو شخص دیکھے گا تین باتوں میں سے ایک نہ ایک بات اس کو ماننی پڑے گی' یا تو ظاہری معنی مراد لے اور اس صورت میں اس کو ایک ایسے عالم کا قائل ہونا پڑے گا جس کی کیفیت ہم بیان کر چکے ہیں (یعنی عالم مثال) اور یہ صورت وہ ہے جو اہل حدیث کے قاعدے کے مطابق ہے' چنانچہ سیوطی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور خود میری بھی یہی رائے ہے اور یہی مذہب ہے' یا اس بات کا قائل ہو کہ دیکھنے والے کے حاسہ میں واقعات کی یہی شکل ہو گی اور اس کی نظر میں وہ اسی طرح جلوہ گر ہوں گے' گو اس کے حاسہ کے باہر اس کا وجود نہ ہو' قرآن مجید میں جو آیا ہے کہ آسمان اس دن صاف دھواں بن کر آئے گا۔ اس کے معنی حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے اسی کے قریب قریب لیے ہیں یعنی یہ کہ لوگوں پر قحط پڑا تھا تو جب کوئی آسمان کی طرف دیکھتا تھا تو اس کو بھوک کی وجہ سے آسمان دھواں سا معلوم ہوتا تھا۔ ابن ماجشون (مشہور محدث تھے) سے مروی ہے کہ جن حدیثوں میں خدا کے اترنے اور مرئی ہونے کا ذکر ہے' ان کے معنی یہ ہیں کہ خدا مخلوقات کی نظر میں ایسا تغیر پیدا کر دے گا کہ خدا کو ایسی حالت میں دیکھیں گے کہ وہ اتر رہا ہے اور جلوہ دکھا رہا ہے اور اپنے بندوں سے گفتگو اور خطاب کر رہا ہے' حالانکہ خدا کی جو شان ہے اس میں نہ تغیر ہوگا نہ منتقل ہوگا اور یہ اس لیے ہوگا کہ لوگ جان لیں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے' تیسری صورت یہ ہے کہ یہ سب باتیں بطور تمثیل کے بیان کی گئی ہیں جن سے مقصود کچھ اور ہے' لیکن جو شخص صرف اسی احتمال پر بس کرتا ہے' میں اس کو اہل حق میں شمار نہیں کرتا' امام غزالی نے عذاب قبر کے بیان میں ان تینوں مقامات کو بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ ان تمام واقعات کے ظاہری معنی صحیح ہیں اور ان کے اندرونی اسرار مخفی ہیں' لیکن ارباب بصیرت کے نزدیک یہ اسرار فاش اور کھلے ہیں تو جن لوگوں پر یہ اسرار فاش نہ ہوں ان کو ان کے ظاہری معنوں کا انکار مناسب نہیں ہے کہ ایمان کا آخری درجہ تسلیم اور اقرار ہے۔"

اس کے بعد دوسرے متفرق ابواب میں وحی' معراج' رویت ملائکہ' ملاقات انبیاء' براق' سدرۃ المنتہیٰ وغیرہ سب کی تشریح اسی عالم میں کی ہے' ہم نے آگے چل کر ایک باب عالم رویا کا قائم کیا ہے' اس میں دکھایا ہے کہ اس اصول کی صحت پر آیات واحادیث سے استناد ہو سکتا ہے۔

ان تمام نظریات پر ایک نظر ڈال لینے کے بعد یہ بآسانی کہا جا سکتا ہے کہ ان کا درجہ دلائل و براہین کا نہیں ہے بلکہ حقیقت میں ان میں سے ہر نظریہ کا ماحصل صرف اس قدر ہے کہ بظاہر ان چیزوں کے تسلیم کرنے میں عقل کو جو استحالہ

Marfat.com

یا کم از کم استبعاد نظر آتا ہے وہ کم یا دور ہو جائے۔ اس لیے ہر گواہ نے اپنے اپنے ذوق اور طریق فکر کے مطابق اپنے تجربات اور مشاہدات کے ذریعہ سے ایک ایسا تمثیلی نظریہ قائم کیا ہے جس پر قیاس کر کے وہ باتیں جو تجربہ ومشاہدہ سے ماوراء ہیں' ان کا کچھ دھندلا سا خاکہ ذہن انسانی میں قائم ہو جائے کہ وہ ان کے انکار واستبعاد کی جرأت نہ کر سکے اور قلب بدگمان اور عقل نارسا کسی قدر تسلی پا سکے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ شاہد سے غائب پر محسوسات سے غیر محسوسات پر' تجربیات سے ناممکن التجربہ حقائق پر' جسمانی قوانین فطرت سے روحانی خصائص پر استشہاد کیونکر کیا جا سکتا ہے۔

کہ کس نہ کشود و نہ کشاید بہ حکمت ایں معمارا

Marfat.com

معجزات

ہمارے متکلمین کے نزدیک معجزہ وہ امر ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کے دعویٰ کی صداقت کے لیے دنیا پر ظاہر کرتا ہے۔ اس کے لیے چند شرائط ہیں' منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ خارق عادت ہو تو گویا معجزہ کی عام تعریف یہ سمجھنی چاہیے کہ معجزہ اس خارق عادت چیز کو کہتے ہیں کہ جو خدا کی طرف سے پیغمبر کی تصدیق کے لیے صادر ہو۔ اب معجزہ کے ثبوت میں اصل اشکال جو پیش آتا ہے وہ یہ ہے کہ عالم کائنات ایک نظام خاص پر قائم ہے' ہر شے کی ایک علّت اور ہر حادثہ کا ایک سبب ہے' علت اور سبب کے بغیر کوئی شے پیدا نہیں ہوتی' علت و معلول کا سلسلہ جو اشیاء میں نظر آتا ہے ان میں باہم اس قدر لزوم ہے کہ وہ ایک دوسرے سے منفک نہیں ہو سکتے' ہر شے میں ایک خاصیت ہے جو اس سے الگ نہیں ہو سکتی اور نیز جس شے میں جس چیز کی خاصیت نہیں ہے اس کا اس سے صدور بھی نہیں ہو سکتا۔ آگ جلاتی ہے' سمندر بہتا ہے' درخت ساکن ہے' پتھر چلتا نہیں' سورج میں نور ہے' کنکر بولتے نہیں' سنکھیا زہر قاتل ہے' انسان مر کر پھر جیتا نہیں' اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ آگ نے جلایا نہیں' سمندر دفعتاً تھم گیا' درخت چلنے لگا' پتھر حرکت کرنے لگا' آفتاب میں سیاہی آ گئی' زہر کھا کر آدمی مرا نہیں اور انسان مر کر ایک اشارہ سے پھر جی اٹھا تو درحقیقت وہ اس پورے نظام فطرت کو جس پر دنیا قائم ہے درہم برہم کرنا چاہتا ہے' علل و اسباب کے تار و پود کو بکھیر دینا چاہتا ہے اور اشیاء کے ان طبائع اور خواص کے اعلانیہ انکار پر آمادہ ہے جو بارہا کے تجربہ سے ثابت ہو چکے ہیں اور جن میں کبھی تخلّف نہیں ہوا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ نظام فطرت' یہ سلسلہ علل و اسباب' یہ طبائع اور خواص اس درجہ ناقابل تنسیخ ہیں کہ ان میں کسی قسم کی تغیر و تبدیلی نہیں ہو سکتی' فلاسفہ اور حکماء کے ایک گروہ کے نزدیک یہ نظام' یہ سلسلہ یہ اصول ناقابل شکست اور ناقابل تغیر ہیں۔ حکمائے اسلام کا گروہ (مثلاً فارابی' ابن سینا' ابن مسکویہ وغیرہ) اس بات کا قائل ہے کہ یہ تو سچ ہے کہ اس نظام فطرت اور سلسلہ علل و اسباب میں نہ تغیر و تبدل ہو سکتا ہے اور نہ دنیا میں کوئی شے بغیر علت عادیہ اور سبب طبعی کے پیدا ہو سکتی ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ معجزات اس نظام و سلسلہ سے الگ ہیں اور وہ فطرت کی قانون شکنی کرتے ہیں' بلکہ وہ بھی علل و اسباب طبعی کے نتائج ہیں' زیادہ سے زیادہ یہ کہ ہم ان علل و اسباب کے احاطہ سے اب تک قاصر ہیں اور وہ اب تک ہماری آنکھوں سے مخفی ہیں' ممکن ہے کہ تحقیقات انسان کا دائرہ کبھی اتنا وسیع ہو جائے کہ ان کے علل و اسباب ہمارے فہم میں آ جائیں' معتزلہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ تسلیم ہے کہ عالم میں ایک خاص نظام فطرت' موجودات میں سلسلہ علل و معلولات اور اشیاء میں طبائع و خواص ہیں' لیکن ہم ان کی اس درجہ ہمہ گیری کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ کسی حال میں اور کسی طریق سے شکست نہیں ہو سکتے۔ آج تک ہمارا علم یہ ہے کہ نباتات دانہ سے' پرندے انڈے سے اور حیوانات نطفے سے پیدا ہوتے ہیں' مگر ممکن ہے کہ کل وہ ان کے بیچ کے وسائط اور ذرائع کے بغیر دفعتاً پیدا ہو جائیں' غرض یہ کہ خرق فطرت کلیۃً محال ہے۔ اشاعرہ اپنا عقیدہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ نہ تو عالم میں حقیقتاً قوانین

Marfat.com

فطرت ہیں اور نہ خود اشیاء کے اندر خواص ہیں بلکہ ہر شے سے جو فعل سرزد ہوتا ہے اس کو درحقیقت اللہ تعالیٰ اسی وقت اس میں پیدا کر دیتا ہے' اشاعرہ کے اس عقیدہ کا نہ صرف مدعیان عقل نے بلکہ ارباب ظواہر تک (۱) نے مضحکہ اڑایا ہے' لیکن درحقیقت یہ خیال ایسا نہیں ہے کہ اس کو ہنسی میں اڑا دیا جائے' چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

فلاسفہ اور حکماء کی وہ جماعت قوانین فطرت کے ناقابل شکست ہونے پر ایمان رکھتی ہے اور اس بناء پر معجزات وخوارق سے قطعی انکار کرتی ہے۔ امام رازی نے لکھا ہے۔ (۲) کہ گو خود ان فلاسفہ کا اصل عقیدہ یہی ہے کہ وہ متعدد ایسے اصول تسلیم کرتے ہیں جن کی بناء پر خوارق فطرت کا تسلیم کرنا ان کے لیے لازم ہو جاتا ہے مثلاً۔

(۱) وہ ''تولد ذاتی'' کے قائل ہیں یعنی یہ کہ جن جانداروں کی پیدائش ایک نظام خاص کے ساتھ ہوتی ہے ایک قطرۂ آب سے خون' خون سے گوشت' پھر بتدریج مدت حمل کے اندر وہ شکم مادہ میں پرورش پاتے رہتے ہیں' ایک متعین زمانہ کے بعد وضع حمل ہوتا ہے' پھر شیر خوارگی اور بچپن کے دور سے آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے ایک تنومند قوی ہیکل' ذی روح صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ دفعتاً ان بیچ کے منازل کو طے کیے بغیر اس ہیکل اور صورت میں نمودار ہو جائیں' یہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ قطرۂ آب کے زمانہ سے لے کر اس عالم شباب کے عہد تک اس مجموعہ عناصر کو جو سالہا سال سے صرف کرنے پڑے' اس کی وجہ یہ تھی کہ ان عناصر میں حیات کی قابلیت پیدا ہونے کے لیے ایک خاص قسم کے اعتدال ترکیب کی ضرورت تھی' جب ترکیب میں یہ اعتدال پیدا ہوا' حیات پیدا ہوگئی' اس بناء پر اگر کسی مجموعہ عناصر میں اس قسم کا اعتدال پیدا ہو جائے۔ جس میں حیات انسانی کے قبول کی صلاحیت ہو تو بغیر نطفہ حمل خون' گوشت' وضع حمل' شیر خوارگی' بچپن وغیرہ درمیانی وسائط طبعی کے' اچھا خاصا ایک نوجوان مٹی کے پتلہ سے بن کر کھڑا ہو سکتا ہے جیسا کہ برسات میں اکثر کیڑے مکوڑے سڑی گلی مٹی میں ایک خاص اعتدالی کیفیت پیدا ہو جانے سے جاندار اور ذی روح بن جاتے ہیں' اسی کا نام ''تولد ذاتی'' ہے۔

اسی تفصیل کی بناء پر ان کے نزدیک یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ذی روح کی پیدائش کے لیے دنیا میں جو سلسلہ اسباب عادۃً جاری ہے اس کے خلاف ہو سکتا ہے تو پھر عصا سانپ بھی ہو سکتا ہے' مردے زندہ بھی ہو سکتے ہیں۔ پہاڑ سونا بھی ہو سکتا ہے' ایک عصا کے سانپ بن جانے کی فطری صورت یہ ہے کہ پہلے وہ سڑ گل کر مٹی ہو جاتا ہے وہ مٹی غذا کی شکل میں ایک سانپ کے اندر جاتی ہے اور پھر وہ غذا دوسری شکل میں بن کر سانپ کا بچہ بن جاتی ہے۔ تولد ذاتی کے اصول پر یہ ممکن ہے کہ بیچ کے وسائط کے بغیر عصا میں سانپ بننے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

(۲) یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں جو کچھ حوادث ہیں وہ کسی نہ کسی حیثیت سے مادہ (وہیولی) ہی کے تغیرات کے نام ہیں' مادہ (وہیولی) اس تمام عالم عنصری کا ایک ہی ہے اس بناء پر عالم میں انواع اشکال اور خواص کے یہ لاکھوں اور

(۱) علامہ ابن تیمیہ نے الرد علی المنطقیین میں اور ابن حزم ظاہری نے فصل فی الملل والنحل میں اس کی پرزور تردید کی ہے' اردو کے جدید علم کلام کے بانیوں نے بھی اس کا کچھ کم مذاق نہیں اڑایا ہے۔ استاد مرحوم نے تو تقریباً اپنی ہر کلامی تصنیف میں اشاعرہ کے اس خیال کو ''حماقت'' سے تعبیر کیا ہے۔

(۲) مطالب عالیہ بحث معجزات نسخہ قلمی موجودہ دار المصنفین وتفسیر کبیر سورۂ اعراف۔

Marfat.com

کروڑوں تنوعات اور اختلافات جو ہم کو نظر آتے ہیں' ان کا سبب مؤثر اگر بالفرض خود مادہ ہی ہوتا تو ضروری تھا کہ تمام دنیا میں ایک ہی شکل اور ایک ہی خاصیت ہوتو تم کہو گے کہ یہ اختلاف وتنوع مادہ کے اختلاف استعداد سے پیدا ہوا' لیکن استعداد تو تاثر اور انفعال کا نام ہے' علت فاعلہ اور سبب مؤثر کیا ہے؟ فلاسفہ کہتے ہیں کہ اجرام فلکیہ کی گردش اور رفتار ہے' مگر اس کے ساتھ وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اجرام فلکی کی اس گردش ورفتار اور اختلاف اشکال کی نہ کوئی حدو نہایت ہے اور نہ کسی قانون فطری کے ماتحت ہیں اور نہ ان کا علم ہم کو ہو سکتا ہے تو اس اصول کے صحیح باور کر لینے پر عجائب قدرت اور خوارق فطرت کی وہ کون سی مثال ہے' جس کے محال ہونے کا وہ دعویٰ کر سکتے ہیں۔

(۳) عالم میں جو کچھ ہوتا ہے یا تو وہ کسی سبب مؤثر کی بنا پر ہوتا ہے یا بلا سبب مؤثر کے ہوتا ہے اور دونوں صورتوں میں خرق عادت کو تسلیم کرنا پڑے گا' اگر یہ کہیے کہ یہ حوادث بلا سبب موثر کے وجود پذیر ہوتے ہیں تو گویا آپ نے خود خرق عادت کو تسلیم کر لیا۔ پھر دنیا میں کوئی عجیب سے عجیب اور مستبعد سے مستبعد بات بھی ناممکن نہیں رہتی اور اگر یہ کہیے کہ یہ سبب موثر کے نتائج ہیں تو دو حال سے خالی نہیں' یا یہ سبب موثر صاحب اختیار وارادہ ہے اور یہ تمام حوادث و تاثیر اس کے ارادہ واختیارات سے صادر ہوتے ہیں یا وہ بے اختیار اور مسلوب الارادہ ہے اور یہ حوادث وتاثیرات اس سے اسی طرح بے ارادہ اور اضطرارانہ طبعی طور سے سرزد ہوتے ہیں جس طرح سورج سے روشنی' آگ سے گرمی' برف سے ٹھنڈک' پہلی صورت میں معجزانہ اور خوارق کے صدور میں کوئی استحالہ نہیں' کیونکہ اس مدبر و مؤثر کا جب جیسا ارادہ ہو وہ شے اسی طرح واقع ہو گی' کوئی اس کا مانع نہیں' دوسری صورت میں ظاہر ہے کہ یہ تمام تاثیرات اس بے ارادہ موثر عالم سے زمانہ قدیم سے ایک ہی طور سے سرزد ہوتی چلی آتی ہے جیسے آفتاب سے روشنی ایسی حالت میں ایک عام واحد قدیم وازلی سبب وموثر سے یہ ہر نئے آن اور نئے لمحہ میں نئی نئی اور مختلف شکل وصورت اور خواص کی اشیاء کیونکر ظہور پذیر ہوتی ہیں؟ آپ کہیں گے کہ علت تو بے شک واحد قدیم ہے مگر علت کے وجود کے ساتھ معلول میں بھی تو استعداد اور قبولیت کا مادہ پیدا ہونا چاہیے۔ مادہ میں یہ استعداد وصلاحیت گردش فلکی کے مختلف اشکال کا نتیجہ ہے لیکن ابھی یہ کہا جا چکا ہے کہ آپ کے نزدیک اشکال فلکی کی نہ تو کوئی حدو پایاں ہے اور نہ وہ کسی خاص قاعدہ اور اصول کے اندر محدود ہیں' اس بنا پر حوادث عالم کے اختلاف اور نیرنگی کا باعث اگر گردش فلکی کا اختلاف اور نیرنگی ہے تو ایسی صورت میں یہ کیوں نہیں ممکن ہے کہ جو چیز آپ کو بظاہر خلاف فطرت اور خلاف عادت معلوم ہوتی ہے وہ کسی خاص شکل فلکی کا نتیجہ ہو۔

گزشتہ تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ حکمائے اسلام نے معجزات کے امکان پر حسب ذیل دلائل قائم کیے ہیں۔

(۱) **تاثیرات فلکیہ:۔** معجزات کے انکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس کے حل کرنے کے لیے کوئی مادی علت ہمارے پیش نظر نہیں ہے اور ہم تمام معمولات کی تشریح مادی اور طبعی علل واسباب سے کرنا چاہتے ہیں لیکن حکماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ گردش افلاک اور گردش نجوم کا اس دنیا کے حوادث پر بہت اثر پڑا ہے اور قوائے فلکی اس عالم کے واقعات میں مؤثر ہوتے ہیں' ایسی صورت میں اگر کسی بظاہر عجیب وغریب شے کی تعلیل ہم مادی وطبعی علل واسباب سے نہیں کر سکتے تو یہ کیوں ممکن نہیں ہے کہ اس کے اسباب فلکی وسماوی ہوں۔

(۲) **علل خفیہ:۔** یہ ہم کو تسلیم ہے کہ تمام حوادث کسی نہ کسی سبب طبعی کی بناء پر ہوتے ہیں لیکن یہ ضروری

Marfat.com

نہیں ہے کہ وہ سبب طبعی ہمارے علم وفہم میں آ جائے۔ دنیا میں بیسیوں اسرار قدرت ہیں جن کی اب تک تحلیل نہیں ہو سکی ہے۔اس بنا پر ممکن ہے کہ معجزات بھی اسباب طبعی کے ماتحت ظہور پذیر ہوتے ہیں' لیکن ان کے اسباب وعلل اب تک ہماری نگاہوں سے مخفی ہوں۔ مثلاً یہ کہ انبیاء نے چالیس دن تک ایک ساتھ روزہ رکھا اور اس مدت میں ایک دانہ بھی انہوں نے نہیں کھایا' لیکن بایں ہمہ ان کی قوت جسمانی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یہ بظاہر عجیب بات ہے مگر سبب طبعی سے الگ نہیں ہے' ہم کو کیوں بھوک لگتی ہے؟ اس لیے کہ ہمارے قوائے معدہ غذا کو ہضم کر لینے کے بعد اس کے خون کو جسم کے مختلف حصوں میں پہنچا دیتے ہیں تو ان کے لیے پھر کوئی کام باقی نہیں رہتا اور ان کو کام کی تلاش ہوتی ہے لیکن ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ بیماری کے سبب یا خوف طاری ہونے کے باعث سے یا کسی غم کے سبب سے جسم پر یہ اثر پڑتا ہے کہ کئی کئی روز تک معدہ کے قویٰ معطل ہو جاتے ہیں اور وہ اپنا کام انجام نہیں دیتے' اس لیے اس کو بھوک بھی نہیں لگتی' اس بناء پر اگر یہی حالت کسی نفس کی اس بناء پر ہو جائے کہ اس کو روحانیت کے ساتھ شدّت انہماک اور جسمانیات سے قطع علائق ہو گیا ہے تو اس کے قوائے جسمانی بھی معطل ہو سکتے ہیں اور وہ مدت تک فاقہ کر سکتا ہے اسی طرح دوسرے معجزات کی تشریح بھی کی جاسکتی ہے۔

(۳) قوت کمالیہ:۔ اس عالم میں جس قدر انسان ہیں' ان کے نفسانی خصوصیات کو اگر غور سے دیکھا جائے تو عجیب وغریب اختلافات نظر آتے ہیں' ایک بلید الفہم اور کودن ہے تو دوسرا زیرک اور ذی فہم ہے' ایک کو بولنے کا شوق ہے تو دوسرے کو سننے کا شوق ہے' ایک علم کا عاشق ہے تو دوسرا اس کا دشمن' ایک کے علوئے ہمت اور بلند حوصلگی کے سیلاب کے سامنے مشکلات کے بڑے بڑے پہاڑ بھی خس وخاشاک ہیں۔ دوسرا اتنا پست ہمت اور ضعیف الارادہ ہے کہ وہ تنکے کو بھی پہاڑ جانتا ہے۔ ایک اس قدر قوی الحافظہ ہے کہ معمولی سی بات بھی اس کے ذہن کی گرفت سے باہر نہیں نکل سکتی' دوسرے کو موٹی موٹی بات بھی یاد نہیں رہتی' پھر علم وفن کے عشاق میں بھی کسی کو ادبیات سے لگاؤ ہے کسی کو عقلیات کا چسکا ہے' کسی کو منقولات میں مزہ ملتا ہے' قوت شہوانیہ کے لحاظ سے دیکھو تو کسی کو سواری کا شوقین پاؤ گے کسی کو لباس وپوشاک اور وضع وقطع کا' کسی کو کھانے پینے کا' ایک کو صرف دولت جمع کرنے میں مزہ ملتا ہے تو دوسرے کو اس کے اڑانے میں لطف حاصل ہوتا ہے کوئی طبعاً حلیم ہے تو دوسرا سرتا پا غضب کا شعلہ' ایک خلقی طور سے قانع ہے تو دوسرا حریص اور طماع' کوئی بدزبان ہے مگر بدکردار نہیں' دوسرا بظاہر سنجیدہ اور متین نظر آتا ہے مگر بباطن نہایت بداطوار اور خفیف الحرکتہ ہے' ان میں سے ہر وصف وخاصیت کے بھی سینکڑوں مدارج اور مراتب ہیں' الغرض صفات وخواص نفسانی کے مظہر اس قدر گوناگوں اور بوقلموں ہیں کہ وہ حصر وتحدید میں بھی نہیں آسکتے' غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ہر ایک انسان کے نفس میں جو خصوصیات ہیں ان کے مطابق جو اعمال وآثار اس سے صادر ہوتے ہیں ان پر اس کو مطلق تعجب نہیں آتا' لیکن دوسرے اعمال وآثار جن کے خصائص اس کے نفس میں نہیں ہیں' ان پر اس کو سخت تعجب آتا ہے بلکہ اگر ان اشخاص کو اس نے خود دیکھا نہ ہو تو اس کو ان خصائص کا یقین مشکل سے آئے گا' ایک بخیل کے نزدیک بذل وکرم کی راہ میں تمام گھر بار لٹا دینا ایک مافوق البشریت کارنامہ ہے ایک دنیادار جاہ پسند اور حریص آدمی کو ایک زاہد قانع اور متواضع آدمی کو دیکھ کر تعجب آتا ہے معمولی حافظہ والوں سے کوئی کہے کہ امام بخاری کو ۶ لاکھ حدیثیں یاد تھیں اور اندلس

Marfat.com

کے ایک نابینا ادیب کو اغانی کی ۲۰ جلدیں نوک زباں تھیں تو اس کو یقین نہیں آئے گا۔ تیمور' بابر' ہنیبال اور نپولین کی قوت عزم و ارادہ کے قصے کمزور اور ضعیف ارادہ کے آدمیوں کو معجزہ معلوم ہوں گے۔ ایک کمزور ارادہ کا آدمی خود اپنی اولاد و اعزہ و خدام کو قابو میں نہیں رکھ سکتا لیکن غیر معمولی عزم و ارادہ کے لوگ ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں پر اس طرح استیلا حاصل کر لیتے ہیں کہ وہ اس کے ہاتھ میں پیکر بے جاں بن جاتے ہیں' یہی حال دوسرے خصائص کے اختلاف کا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ تمام نفوس انسانی کے اتحاد ماہیت کے باوجود یہ اختلافات کہاں سے آئے؟ اس کے دو ہی جواب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ہر نفس کی جوہریت دوسرے سے مختلف ہے' اس لیے ایک سے جو خصوصیات اور افعال صادر ہوتے ہیں وہ دوسرے سے نہیں ہوتے یا یہ کہ ہر جسم کی ترکیب عنصری میں اختلاف مزاج ہے جس کے سبب سے ایک کی خصوصیات دوسرے سے نہیں ملتیں۔ بہر حال ان دو میں سے جو پہلو بھی اختیار کیجیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ممکن ہے بعض ایسے نفوس بھی ہوں جن کی روحانی یا جسمانی قوت میں کوئی خاص ایسی بات ہو جس کی بناء پر ان سے عجیب و غریب اعمال اور تصرفات صادر ہوتے ہیں جن کا صدور عام انسانوں کی روحانی و جسمانی قوت سے باہر ہے اور اس لیے وہ ان کو مستبعد اور ناقابل فہم نظر آتے ہیں' ٹھیک اسی طرح جس طرح ایک بلید کو ایک ذی فہم کے افعال پر' ایک ضعیف الحافظہ کو ایک قوی الحافظہ کی قوت پر' ایک طماع و حریص کو ایک قانع و زاہد کے حالات پر' ایک کمزور اور ضعیف الارادہ کو قوی الارادہ اور مستحکم العزم پر تعجب آتا ہے لیکن چونکہ وہ نفوس جن میں معجزات کی یہ قوت ہے' نادر الوجود ہیں اس لیے عموماً ان کے خصائص اور آثار پر تعجب اور استبعاد بھی معمول سے زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) قوت نفسیہ :۔ ہر انسان اپنے جسم کے ایک ایک عضو کو جس طرح چاہتا ہے حرکت دیتا ہے' گویا ایک [illegible] ہے جو اس کے تمام قالب جسمانی پر مسلط ہے اور یہ جسم اس کے امر و ارادہ کے ماتحت اس کے حکم کو اس طرح بجا لاتا ہے کہ وہ اس کی اطاعت سے سر مو انحراف نہیں کر سکتا۔ یہ تصرف اور عمل ہر نفس انسانی اپنے جسم کے اندر کرتا ہے اور یہ معمولی اور ادنیٰ نفوس کی قوت کی نیرنگی ہے' لیکن جو نفوس ان سے زیادہ طاقتور ہیں وہ اپنے جسم کے باہر دوسرے نفوس اور اجسام کو بھی اپنا مطیع فرمان کر لیتے ہیں' یہاں تک کہ ان میں سے جن کو کمال کا معجزانہ حصہ ملا ہے ان کے لیے یہ سارا مادی عالم مثل جسم کے ہوتا ہے اور وہ اسی طرح اس عظیم الشان جسم میں تصرف کرنے لگتے ہیں جس طرح معمولی انسان اپنے جسم میں کرتے ہیں۔

(۵) تاثیرات نفسانیہ :۔ یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ نفس انسانی میں جو جذباتی تغیرات پیدا ہوتے ہیں وہ اس کے جسم مادی کو متاثر کر دیتے ہیں' رات کوئی چیز دیکھی اور اس کا ہیبت ناک تصور کیا اور گھبرا کر چیخ اٹھا یا بے ہوش ہو کر گر پڑا' کسی درخت کی پتلی شاخ پر چڑھتے یا چھت کے منڈیر یا پتلے تختہ کے پل پر سے گزرتے ہوئے خوف طاری ہوا' ہاتھ پاؤں میں لغزش ہوئی اور آدمی گر پڑا' غصہ سے آدمی کا چہرہ سرخ اور خجالت و شرمندگی سے زرد پڑ جاتا ہے' آدمی نے کسی ناگوار واقعہ کا تخیل کیا غصہ آ گیا' غصہ سے بدن میں گرمی پیدا ہو گئی اور گرمی سے پسینہ آ گیا' محض وہم سے آدمی ڈر جاتا ہے بلکہ بیمار پڑ جاتا ہے' یہاں تک کہ کبھی کبھی مر جاتا ہے' ان تمام واقعات میں دیکھو کہ نفسانی اثرات

Marfat.com

مادی جسم کو متاثر کر دیتے ہیں، یہ تو کمزور نفوس کا حال ہے لیکن جو لوگ کہ ارباب نفوس قدسیہ ہیں وہ اپنے نفسانی اثرات سے دوسرے اجسام کو متاثر کر سکتے ہیں اور ان میں عجیب عجیب تغیرات اور تصرفات کر سکتے ہیں۔ یہ آخری دلیلیں بعینہ وہی ہیں جو آج ہپنوٹزم (تقویم مقناطیسی) اور مسمرازم کے نام سے لوگ پیش کرتے ہیں۔

معتزلہ اور اشاعرہ دونوں فطرت شکنی اور خرق عادات کو تسلیم کرتے ہیں۔ جہاں تک ہم ان کی عبارتوں سے سمجھ سکتے ہیں، اس نتیجہ میں دونوں کا اختلاف نہیں ہے بلکہ جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف اصل نظریہ میں ہے، معتزلہ یہ سمجھتے ہیں کہ خاصیت واثر، علیت و معلولیت و سببیت نفس اشیاء میں ہے، یعنی خود اشیاء کی طبیعت کے اندر کوئی ایسی بات ہے جو ایک کو علت و سبب اور دوسرے کو معلول و مسبب بناتی ہے، آگ کی طبیعت میں جلانا اور برف کی طبیعت میں ٹھنڈک پیدا کرنا ازل سے اللہ تعالیٰ نے رکھ دیا ہے، اسی کا نام طبیعت ہے، جس سے اس خاصیت کا ظہور ہوتا ہے، اس لیے معتزلہ سمجھتے ہیں کہ آگ سے سوزش اور برف سے ٹھنڈک کا جو صدور ہوتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ نفس آگ یا برف کی طبیعت میں کوئی ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے آگ میں سوزش اور برف میں ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے اور جب کوئی معجزۂ نبوی ظاہر ہوتا ہے تو یہ طبیعت یا اس کی خاصیت تھوڑی دیر کے لیئے بدل دی جاتی ہے یا روک لی جاتی ہے۔

اشاعرہ یہ کہتے ہیں کہ خود اشیاء کی طبیعت کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں جس کی بنا پر ایک علت و سبب۔ اور دوسرا معلول و مسبب ہو۔ نفس آگ میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کو ہم گرمی کا سبب قرار دیں اور نہ برف کے اندر ٹھنڈک طبیعت کے طور پر موجود ہے بلکہ مختلف اشیاء کے متعلق ہم کو جو مختلف احساسات ہوتے ہیں، مثلاً کسی سے گرمی کسی سے سردی، کسی سے سختی، کسی سے نرمی، کسی سے جلن، کسی سے ٹھنڈک کا، یہ ہمارے ذاتی احساسات ہیں جن کو ہم حسب ارادہ الٰہی اشیاء میں محسوس کرتے ہیں، ہماری عادت یہ ہوگئی ہے کہ ہم ایک شے کے بعد دوسری شے کو ہوتے ہوئے جب دیکھتے ہیں تو ہم ایک کو علت اور دوسری کو معلول سمجھنے لگتے ہیں، ورنہ حقیقت میں علت و معلول میں لزوم کا کوئی طبعی تعلق نہیں۔ اگر ارادہ الٰہی بدل جائے تو ہم آگ میں ٹھنڈک اور برف میں گرمی محسوس کرنے لگیں، نفس آگ اور برف کی طبیعت میں کوئی ایسی شے نہیں جو اس تغیر کو محال قرار دے اور اس لیے حسب ارادۂ الٰہی معجزات کا صدور ہوا کرتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے الردعلی المنطقیین میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ کا اصل بانی جہم ہے جس کے انتساب سے فرقہ جہمیہ قائم ہوا تھا، اس کے بعد ابوالحسن الاشعری نے اس کی پیروی کی۔ علامہ موصوف نے مسئلہ مذکور کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے۔

لکن من لا یثبت الاسباب و العلل من اهل الکلام کالجهم و موافقیه فی ذلک مثل ابی الحسن الاشعری و اتباعه یجعلون المعلوم اقتران احد الأمرین بالآخر لمحض مشیة القادر المرید من غیر ان	”لیکن متکلمین میں جو لوگ اسباب و علل کے منکر ہیں جیسے جہم اور اس مسئلہ میں جہم کے جو موافق ہیں جیسے ابوالحسن اشعری اور ان کے پیرو، وہ یہ مانتے ہیں کہ ہم کو صرف یہ معلوم ہے کہ ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ ایک لگاؤ اور علاقہ ہے اور یہ لگاؤ اور علاقہ صرف اس قادر ذی ارادہ کی

Marfat.com

يكون احد هما سببا للآخر و لا مولداً له. و اما جمهور العقلاء من المسلمين و غير المسلمين اهل السنة من اهل الكلام و الفقه و الحديث و التصوف وغير اهل السنة من المعتزلة و غيرهم فيثبتون الاسباب و يقولون كما يعلم اقتران احد هما بالآخر يعلم ان فى النار قوة تقتضى الحرارة وفى الماء قوة تقتضى البرودة و فى العين قوة تقتضى الابصار و فى اللسان قوة تقتضى الذوق و يثبتون الطبيعة التى تسمى الغريزة و البخرة و الخلق و العادة و نحو ذلك من الاسماء۔

مشیت سے ہے بغیر اس کے کہ ایک دوسرے کا سبب ہو یا ایک دوسرے کو پیدا کرتا ہو جہمیہ اور اشاعرہ کے علاوہ وہ تمام عقلاء یا مسلمان یا غیر مسلمان، مسلمانوں میں اہل سنت ہوں، خواہ وہ متکلم ہوں، اہل فقہ ہوں، اہل حدیث ہوں اہل تصوف ہوں اور غیر اہل سنت میں معتزلہ ہوں یا اور کوئی فرقہ ہو یہ سب لوگ اسباب کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح ہم کو یہ معلوم ہے کہ ایک کا دوسرے سے لگاؤ اور علاقہ ہے، اسی طرح یہ بھی معلوم ہے کہ آگ میں ایک قوت ہے جو گرمی کو چاہتی ہے اور پانی میں ایک قوت ہے جو ٹھنڈک کو مقتضی ہے اور اسی طرح آنکھ میں ایک قوت ہے جو رویت کا باعث ہے اور زبان میں ایک قوت ہے جو مزہ پیدا کرتی ہے، یہ لوگ طبیعت کو ثابت کرتے ہیں جس کا دوسرا نام فطرت، خلقت، عادت وغیرہ ہے۔"

اوپر خرق عادت کے امکان اور عدم امکان کے متعلق چار مذہب ہم نے نقل کیے ہیں، یہی مذاہب آج بھی فلسفہ کی مملکت میں قائم ہیں، لیکن غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت میں اس باب میں صرف دو ہی مذہب ہو سکتے ہیں۔ ایک ان لوگوں کا جو کسی نہ کسی طرح سے باری تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں، اور دوسرا ان لوگوں کا جو اس کے یکسر منکر ہیں دوسرا گروہ حکمائے طبیعین کا یا مادہ پرستوں کا ہے جن کے نزدیک عالم مادی کے باہر کچھ نہیں ہے اور تمام کائنات ذرات مادہ کے باہمی تاثیر و تاثر کی جلوہ انگیزیاں ہیں اور سلسلہ علل و معلول اور اسباب و مسبباب اور آثار و خواص کے مظاہر اور نتائج ہیں، ظاہر ہے کہ اس عقیدہ کی جماعت معجزہ اور خرق عادت پر کیونکر ایمان لا سکتی ہے جو لوگ ان کے سامنے فلسفیانہ حیثیت سے براہ راست معجزہ اور خرق عادت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ ایک بے سود کوشش کرتے ہیں اور عقلی حیثیت سے خرق عادت کا ثبوت بھی بہم پہنچ گیا ہے تو جب وہ اس بنیاد کو جس پر نبوت اور شریعت کی عمارت قائم ہے یعنی ایک برتر خالق قوت کا وجود تسلیم نہیں کرتے تو اس خرق عادت کے ثبوت سے ارباب مذاہب اور پیروان شرائع کی کیا مقصد برآری ہو سکتی ہے؟۔

اشاعرہ نے اثبات مدعا کا طریقہ اختیار کرنا چاہا کہ پہلے معجزہ اور عادت کا امکان اور وقوع ثابت کیا جائے اور اس معجزہ اور خرق عادت سے نبوت پر استدلال کیا جائے، نبوت کے ثبوت سے ایک قادر مطلق کا ثبوت ہاتھ آئے گا اور پھر اس کے احکام شریعت کا ثبوت بہم پہنچے گا۔ اس طریقہ استدلال کو اختیار کرنا درحقیقت الٹی گنگا بہانا ہے۔

ایں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

صحیح راستہ ان کے مقابلہ میں یہ ہے کہ پہلے باری تعالیٰ کے وجود کا اثبات کیا جائے اس کے بعد نبوت شریعت،

Marfat.com

خرق عادت، معجزہ سب کچھ ثابت ہو جائے گا جب تک اس چٹان پر بنیاد قائم نہ ہوگی، عمارت مستحکم نہیں ہو سکتی۔

اسباب خُفیہ کی توجیہ بیکار ہے:

دوسرا فرقہ باری تعالیٰ کے وجود کا قائل ہے اور معجزہ کو تسلیم کرتا ہے خواہ وہ اس کے وقوع کے کچھ ہی اسباب بیان کرے، وہ درحقیقت خرق عادت کو بھی تسلیم کرتا ہے یا اس کو تسلیم کرنا لازم آتا ہے اور اس سے اس کو کوئی چارہ نہیں کہ حکمائے اسلام فارابی اور ابن سینا وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ معجزہ اسباب خفیہ کی بنا پر صادر ہوتا ہے اور اس کے اندرونی طبعی علل واسباب ہوتے ہیں، اس لیے خرق عادت لازم نہیں آتا اور معمولی نظام عالم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو راستہ میں بحر قلزم (ریڈسی) حائل تھا۔ حکم ہوا کہ اپنی لکڑی سے دریا کو مارو، دفعۃً دریا خشک ہو گیا اور راستہ پیدا ہو گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر اتر گئے لیکن جب فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ دریا میں قدم رکھا تو دریا پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا اور وہ اپنے لشکر کے ساتھ ڈوب کر مر گیا، وہ اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ دریا میں مدوجزر تھا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہنچے تو جزر تھا اور دریا پایاب ہو گیا تھا اور جس وقت فرعون دریا میں داخل ہوا تو مد شروع ہو گیا اور ڈوب گیا، ہم ان اعتراضات کو جو نقلی حیثیت سے اس توجیہ پر وارد ہوتے ہیں کہ توراۃ اور قرآن مجید نے اس معجزہ کی جس طرح تشریح کی ہے اس کی یہ صحیح نقل نہیں ہے نظر انداز کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ پہنچے تو جزر تھا اور جب فرعون آیا تو مد ہو گیا، آیا یہ اتفاقی امر تھا اور ممکن تھا کہ اس کے برعکس ہوتا، یعنی فرعون بچ جاتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ڈوب جاتے، اور یا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے جزر اور فرعون کے لیے مد خاص طور پر پیدا کیا گیا تھا یا ایسے اسباب بہم پہنچائے گئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جزر کے وقت پہنچیں اور فرعون مد کے وقت پہنچے اور اس کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ وہ اس خطرناک دریا میں بے سمجھے بوجھے قدم رکھے، پہلی صورت میں تو معجزہ کیا نبوت کی بھی تشکیک لازم آتی ہے اور دوسری صورت میں خرق عادت کی تسلیم سے چارہ نہیں اور خرق عادت کے تسلیم کر لینے کے بعد خدا کی قدرت مطلقہ پر بھی ایمان لانا ہوگا۔

حکمائے اسلام کی غلطی کا سبب:

اصل یہ ہے کہ حکمائے اسلام نے ارسطو کی تقلید کی ہے اور مسئلہ علت میں تمام تر مشائیہ کے نظریہ کو قبول کر لیا ہے کہ ذات واجب الوجود علت اولیٰ یا عقل اول کی علت تامہ ہے اور علت تامہ سے معلول کا تخلف نہیں ہوتا اور اضطراراً اس سے پیدا ہو جاتا ہے، اس میں اس کے ارادہ اور قصد کو دخل نہیں ہوتا، اس کی صحیح مثال آفتاب اور روشنی کی ہے کہ آفتاب کی روشنی علت تامہ ہے جب آفتاب نکلے گا روشنی کا ظہور ہوگا، خواہ وہ موانع کی وجہ سے نظر نہ آئے اور آفتاب سے اس روشنی کا صدور آفتاب کے قصد اور ارادہ سے نہیں ہے بلکہ اس سے مجبوراً اور اضطراراً یہ روشنی پیدا ہو رہی ہے عقل اول کے پیدا ہونے کے بعد عالم کائنات کا تمام کارخانہ باہمی سلسلہ علل ومعلول سے خود بخود پیدا ہونے لگا اور تمام عالم ایک ایسے نظام میں بندھ گیا کہ اب خالق اول کو اس میں دست اندازی کی مطلق قدرت ہی نہیں۔ ظاہر

Marfat.com

ہے کہ اس مذہب کا پیرو سلسلہ علل و معلول کو نہیں توڑ سکتا اور اس لیے وہ خرق عادت کو بھی تسلیم نہیں کر سکتا' لیکن تجربہ اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن کی توجیہ ظاہری سلسلہ علل و معلول سے نہیں ہو سکتی اور نہ ان کے وقوع سے کوئی انکار کر سکتا ہے' اس لیے اس کو ایک طرف لامحالہ ان واقعات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔[1] اور دوسری طرف چونکہ وہ خدا کو مضطر اور مجبور مان چکا ہے' اس لیے براہ راست ان واقعات کو اس کی طرف منسوب نہیں کر سکتا اور چونکہ بلا سبب اور بے علت کے کوئی شے ہو نہیں سکتی' اس بناء پر اسباب و علل خفیہ کے سایہ کے سوا اس کو اور کہیں پناہ نہیں مل سکتی' مگر آپ نے اوپر دیکھ لیا کہ یہ سوچ بھی محفوظ نہیں اور خدا کو قادر مطلق مانے بغیر چارہ نہیں۔

و لکنها تجارب لما ثبتت طلب اسبابها ثم انی لواقتفیت جزئیات هذا الباب فیها شاهدناه و فیما حکی عمن صدقناه لطال الکلام.

''لیکن یہ تجربے ہیں جب وہ ثبوت کو پہنچ گئے تو ان کے اسباب کی تلاش ہوئی اور اگر اس قسم کے جزئیات کا تتبع کریں جو ہم نے خود مشاہدہ کیا یا ان لوگوں سے جن کو ہم معتبر سمجھتے ہیں سنا ہے تو بہت طول ہو جائے گا۔''

اشاعرہ اور معتزلہ میں نتیجہ کا اختلاف نہیں:

اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان جو اختلاف ہے وہ صرف نظریہ کا فرق ہے' اس سے نفس خرق عادت اور معجزہ کے ثبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا' یہ امر کہ اشیاء کے طبائع میں فی نفسہ خواص اور آثار ودیعت ہیں یا اللہ تعالیٰ بروقت ان کو پیدا کر دیتا ہے ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے کسی پہلو کے اثبات اور دوسرے کی نفی پر کوئی دلیل نہیں قائم کی جا سکتی اور معجزہ کے سلسلہ میں ہم کو اس کے چھیڑنے کی ضرورت نہیں' اس کا کوئی پہلو بھی صحیح ہو' بہر حال دونوں تسلیم کرتے ہیں کہ کبھی کبھی اشیاء کی عادت جاریہ کو اللہ تعالیٰ توڑ دیتا اور بدل دیتا ہے۔

خرق عادت سے انکار کا اصلی سبب سلسلہ اسباب و علل پر یقین ہے:

الغرض معجزہ بمعنی خرق عادت سے صرف اس فریق کو انکار ہے جو یا خدا کا قطعاً منکر ہے یا یہ کہ وہ خدا کو قادر و ذی ارادہ نہیں مانتا اور ناقابل شکست سلسلہ علل و معلول کے گورکھ دھندے پر یقین کامل رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ تمام نظم کائنات باہمی تاثیر و تاثر کا نتیجہ ہے' غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اس مذہب کے پیرو اپنے اس عقیدۂ باطل کے ضمن میں چند اور موہوم باتوں کو بھی بلا دلیل تسلیم کیے بیٹھے ہیں اور اس لیے خرق عادت کے قبول کرنے کی ان کو جرأت نہیں ہوتی۔

سلسلہ اسباب و علل پر علم انسانی کو احتوا نہیں:

(۱) گویا انہوں نے تسلیم کر لیا ہے کہ کائنات کے جو علل اور اشیاء کے جو خواص انہوں نے دریافت کر لیے ہیں وہ نظام کائنات کے چلانے کے لیے کافی ہیں' اس کے لیے کسی اور کے دست اندازی کی ضرورت نہیں۔

(۲) کائنات کے چہرۂ اسرار کو انہوں نے تمام تر بے نقاب کر لیا ہے اور ہر شے کی علت اور خاصیت انہوں

[1] حکمائے اسلام میں مسئلہ خرق عادت کا سب سے بڑا منکر بوعلی سینا اشارات میں لکھتا ہے۔

Marfat.com

نے دریافت کرلی ہے۔

حالانکہ انسانی معلومات اس کے مجہولات کے مقابلہ میں بہت کم حیثیت ہیں۔اس فضائے کائنات کی بے شمار آبادیوں میں زمین نام ایک آبادی کے چوتھائی خشک حصے کے بعض اجزائے کائنات تک فقط ان کی رسائی ہوسکی ہے۔ اس مبلغ علم پر اتنا عظیم الشان دعویٰ کسی طرح زیب نہیں دیتا' جن چیزوں تک ان کی رسائی ہوئی بھی ہے' ان کے متعلق جو کچھ انہیں معلوم ہوا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ یہ چیز اس طرح چل رہی ہے' لیکن یہ حقیقت کہ وہ کیوں چل رہی ہے اور اگر اس کے خلاف چلے تو کیا استحالہ لازم آئے گا' ایک معمہ ہے' اور ہمیشہ معمہ رہے گا۔اجرام فلکیہ اور طبقات ارضیہ کو چھوڑ دو کہ وہ دور ہیں' تم یہ کہتے ہو کہ بجلی میں یہ قوت ہے' سنکھیا میں یہ اثر ہے' مقناطیس کا یہ خاصہ ہے' لیکن یہ بھی معلوم ہے کہ کیوں ایسا ہے' اور نزدیک آؤ' اپنے جسم کی دنیا کو دیکھو' تم صرف یہ جانتے ہو کہ سانس کی آمد و رفت ہمارے پھیپھڑوں کی حرکت سے ہے' نبض کی رفتار' قلب کی قبض و بسط کی ڈوری سے وابستہ ہے' تمہارا نفس یا ذہن لمحوں میں ہزاروں میل کی خبر لیتا ہے اور خدا جانے عجائبات نفسانی کے کیا کیا تماشے دکھاتا ہے لیکن کوئی یہ حل کرسکا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ دل کو کس نے مضطرب بنا رکھا ہے' پھیپھڑوں کی دھونکنی کس طرح روز و شب مصروف عمل ہے' دماغ کے ذہنی افعال کیونکر سرانجام پاتے ہیں' جب اتنے قریب کی چیز تمہارے فلسفہ علل و اسباب کے دائرہ سے باہر ہے تو دور دراز کی اشیاء کی نسبت تمہارا دعویٰ علم کس قدر تمسخر انگیز ہے' حکماء یعنی سائنٹسٹ اعلانیہ اعتراف کرتے ہیں کہ وہ صرف ''کیسے'' کا جواب دے سکتے ہیں۔''کیوں'' کا جواب ان کے موضوع بحث سے خارج ہے' فلاسفہ کا یہ حال ہے کہ وہ فلسفی بھی ایک نظام خیال پر متفق نہیں ہیں بلکہ جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ نے الرد علی المنطقیین میں لکھا ہے۔

''فلاسفہ کوئی ایک متحد الخیال جماعت نہیں جس کا علم الٰہیات وطبیعات وغیرہ میں کوئی ایک مذہب ہو بلکہ وہ مختلف الخیال فرماتے ہیں اور اور ان کے اندر آراء اور خیالات کا اتنا اختلاف ہے کہ ان کا احاطہ بھی مشکل ہے ان کے باہمی اختلافات تو اس سے بھی زیادہ ہیں' جس قدر کسی ایک آسمانی مذہب کے مختلف فرقوں کے اندر ہیں۔''

اس اختلاف رائے اور اس خیال کی بناء پر کسی فلسفی کا یہ دعویٰ کہ مذہب کا فلاں مسئلہ فلسفہ کے خلاف ہے۔اس لیے ناقابل قبول ہے' اس کے دوسرے معنی یہ ہوئے کہ یہ مسئلہ ہماری رائے یا ہماری جماعت کی رائے کے خلاف ہے اس لیے ناقابل تسلیم ہے تو یہ مذہب ہی پر کیا موقوف ہے' ہر نظام فلسفہ کا قائل دوسرے نظام فلسفہ کے بطلان پر اسی قدر وقوت سے اس استدلال کو کام میں لاسکتا ہے۔غور سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ فلسفہ کے جس قدر فرقے (اسکول) اور نظامات (سسٹم) ہیں' درحقیقت وہ اسرار کائنات کے متعلق ایک مرتب خیال کی کڑیاں ہیں' ان مرتب خیال کی کڑیوں کو مان کر جس کے نفس کی تسکین ہوجاتی ہے' وہ ان کا فلسفہ ہے اسی طرح مذہب بھی اپنا ایک نظام خیال رکھتا ہے' اور جو لوگ اس نظام خیال پر یقین رکھتے ہیں' ان کی اس سے تشفی ہوجاتی ہے' ایسی حالت میں اگر معجزہ کا امکان یا وقوع کسی نظام خیال کے خلاف ہے تو نفس یہ اختلاف اس کے ابطال کی دلیل نہیں ہوسکتا اور نہ یہ لازم آئے گا کہ ہر فلسفیانہ مسئلہ اس لیے باطل ہے کہ دوسرے نظام فلسفہ کے وہ خلاف ہے۔

نظام عالم کے چلانے کے لیے علل و اسباب کے کافی ہونے کے فلسفہ پر یقین رکھنے کے لیے سب سے پہلی

Marfat.com

بحث آغاز آفرینش کی آتی ہے آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ شے اس سبب سے پیدا ہوئی اور اس شے کی پیدائش کا سبب یہ ہے لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ یہ مادہ کہاں سے آیا اور اس کے حدوث کا سبب کیا ہوا؟ عناصر کیونکر اور کیوں وجود میں آئے یہ نوع بنوع چیزیں کیونکر بن گئیں؟ ہمارے جواب میں ان نظریات کا ذکر نہ کیجیے' جن کا نام اصول ارتقاء اور انتخاب طبعی وغیرہ ہے کہ ان کی علمی حیثیت مفروضات اور و ہمیات سے زیادہ نہیں اور ان کی اخیر سرحد بالآخر لاعلمی اور جہالت پر جا کر ختم ہو جاتی ہے' مادہ کی ابتدائی بنیاد چاہے اربع عناصر کو بتایئے یا جواہر فردہ کو یا سالمات کو یا ایتھر کو یا برق پاروں کو جن کو بھی بتاؤ' لیکن ان کے حدوث کی علت نہیں بتائی جا سکتی اور نہ بتا سکتے ہیں کہ بالآخر وہ کہاں سے آئے؟ اب تو حیوانات نطفہ سے' پرندے انڈے سے اور درخت گٹھلی سے پیدا ہوتے ہیں اور بغیر ان کے ان کا پیدا ہونا ناممکن سمجھا جاتا ہے' لیکن یہ کوئی بتا سکتا ہے کہ دنیا کا پہلا حیوان' پہلا پرندہ اور پہلا درخت بغیر کسی نطفہ' کسی انڈے اور کسی گٹھلی سے پیدا ہوا یا نہیں؟ اگر ہاں کہتے ہیں تو آپ نے اپنے دعویٰ کے خلاف ایک شہادت قبول کر لی اور اگر انکار کرتے ہیں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ پہلا نطفہ' پہلا انڈہ اور پہلی گٹھلی' انسان پرند اور درخت کے بغیر پیدا ہوئی' غرض اس گتھی کو آپ اپنے ناخن حکمت سے کسی طرح سلجھا نہیں سکتے اور ناچار آپ کو سلسلہ علل و اسباب کے مذہب سے برگشتہ ہونا پڑے گا۔

حقیقی علت خدا کی قدرت اور ارادہ ہے:

جہاں آپ اپنے سلسلہ اسباب و علل کو چند قدم بڑھا سکتے ہیں وہاں بھی بالآخر سپر افگن ہونے سے چارہ نہیں' پانی بادل سے برسا' بادل بخارات سے بنے' بخارات پانی سے اٹھے جو سورج کی تپش سے گرم ہو کر یہ صورت اختیار کر لیتے ہیں' یہ پانی بخارات سے پیدا ہوا اور بخارات پانی سے پیدا ہوئے' اس دور کے عقدہ لاینحل کو آپ حل کر سکتے ہیں' یہ ناممکن ہے اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ایک قادر و ذی ارادہ ہستی کو تسلیم کیجیے جس کی مشیت اور ارادہ سے سارا کارخانہ چل رہا ہے' اسباب و علل صرف اس کی مشیت و ارادہ کے مظاہر ہیں اور اپنی عادت کے مطابق ایک طریق خاص پر اس کو چلا رہا ہے لیکن وہ اس کا پابند نہیں ہے' صدیوں میں جب اس نے ضرورت سمجھی انسانوں میں اپنا ایک نشان قائم کرنے کے لیے عادت کے خلاف کوئی بات ظہور پذیر کر دی' علت اور معلولیت کا تعلق جو بظاہر نظر آتا ہے ہم نے اس کی عادت جاریہ کی یک رنگی اور یکسانی سے اس کو سمجھ لیا ہے کہ اگر اس کی عادت جاریہ یہ یکرنگی اور یکسانی اختیار نہ کرتی تو مخلوقات اپنے منافع کے حصول اور مضرتوں کے دفع کے لیے پہلے سے کوئی تیاری نہ کر سکتیں۔

مولانا روم اور اسباب و علل اور معجزہ کی حقیقت:

عارف روم نے اسی حقیقت کو ان اشعار میں ادا کیا ہے۔

سنتے بنہاد و اسباب و طرق
طالبان را زیر این ازرق تتق

اللہ تعالیٰ نے آسمان کے ان نیلے پردوں کے نیچے کام کرنے والوں کے لیے علل' اسباب اور عادات مقرر

Marfat.com

کر دیئے ہیں۔

بیشتر احوال بر سنت رود
گاہ قدرت خارق سنت شود

دنیا کے زیادہ تر واقعات ان ہی عادات جاریہ کے مطابق ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی قدرت الٰہی اس عادت کو توڑ بھی دیتی ہے۔

سنت و عادت نہادہ بامزہ
باز کردہ خرق عادت معجزہ

طریق و عادات (یعنی اسباب وعلل) کو اس نے خوش آئند بنایا ہے لیکن پھر معجزہ سے خرق عادت بھی کر دیتا ہے۔

اے گرفتار سبب بیروں مپر
لیک عزل آں مسبب ظن مبر

اے وہ جو اسباب وعلل کی زنجیر میں گرفتار ہے حد سے زیادہ نہ اڑ اور یہ خیال نہ کر کہ اس اسباب وعلل کے بنا دینے سے وہ تمام العلل اور مسبب الاسباب بیکار ہو گیا۔

ہرچہ خواہد او مسبب آورد
قدرت مطلق سببہا بردرد

وہ حقیقی مسبب الاسباب جو چاہے کرلے اور اس کی قدرت علی الاطلاق اسباب کو توڑ دے۔

لیک اغلب بر سبب راند نفاد
تابد از طالبے جستن مراد

لیکن بیشتر وہ اسباب ہی کے مطابق دنیا کو چلاتا ہے تا کہ کام کرنے والوں کو اپنے حصول مقصد کا راستہ معلوم ہو۔

چوں سبب نبود چہ رہ جوید مرید
پس سبب در راہ می آید پدید

اگر اسباب معلوم نہ ہوں تو کام کرنے والوں کو راہ کیونکر ملے یہی اسباب تو نشانات بن کر نمودار ہوتے ہیں۔

ایں سببہا بر نظرہا پردہ ہاست
کہ نہ ہر دیدار صنعش را سزا است

یہ ظاہری اسباب نگاہوں کے پردے ہیں کیونکہ ہر آنکھ اس کی صنعت کو نہیں دیکھ سکتی۔

دیدۂ باید سبب سوراخ کن

Marfat.com

تا حجب را بر کند از بیخ و بن

اس کے لیے ایسی آنکھ چاہیے جو اسباب پردہ چاک کر دے تا کہ حجابات اٹھ جائیں۔

از مسبب می رسد ہر خیر و شر
نیست اسباب و سائط را اثر

درحقیقت ہر نیک و بد اسی اصلی مسبب الاسباب کے یہاں سے پہنچتا ہے اور اس میں ان درمیانی اسباب و وسائط کو دخل نہیں۔

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند
با من و مردہ با حق زندہ اند

ہوا، مٹی، پانی اور آگ سب خدا کے محکوم ہیں، یہ ہمارے تمہارے سامنے تو بے جان مگر خدا کے سامنے جاندار ہیں۔

سنگ بر آہن زنی بیرون جہد
ہم بہ امر حق قدم بیروں نہد

جب پتھر لوہے پر مارو تو اس سے آگ نکلتی ہے۔ یہ خدا ہی کے حکم سے اپنا قدم باہر نکالتی ہے۔

آہن و سنگ از ستم برہم مزن
کایں دومی زایند ہمچو مرد وزن

لوہے اور پتھر کو بے فائدہ ایک دوسرے پر مت مارو کہ یہ دونوں نر و مادہ ہیں جو آگ کا بچہ پیدا کرتے ہیں۔

سنگ و آہن خود سبب آمد و لیک
تو بہ بالا تر نگر اے مرد نیک

پتھر اور لوہا یہ دونوں آگ کا سبب ہیں۔ لیکن ذرا اس سے آگے بڑھ کر غور کرو۔

کایں سبب را آں سبب آورد پیش
بے سبب کے شد سبب ہرگز بخویش

کہ اس ظاہری سبب کو اس حقیقی سبب (خدا) نے آگے کر دیا یہ ظاہری سبب خود بخود بلا سبب کب پیدا ہوا ہے۔

آں سبب را آں سبب عامل کند
باز گاہے بے بر و عاطل کند

اس ظاہری سبب کو اس حقیقی سبب نے دنیا میں موثر اور عامل بنا دیا ہے پھر جب چاہتا ہے وہ اس کو بے اثر اور بیکار قرار دے سکتا ہے۔

واں سببہا کانبیاء را رہبر است

Marfat.com

آں سبب ہازیں سبب ہا برتر است

جو اسباب کہ انبیاء کے کاموں میں پیش پیش ہوتے ہیں وہ ان ظاہری و دنیاوی اسباب سے بلند تر اور برتر ہیں۔

این سبب را محرم آمد عقل ما

واں سبب ہار است محرم انبیاء

ان ظاہری علل و اسباب کی محرم تو ہماری انسانی عقلیں ہیں لیکن ان حقیقی اسباب کے محرم انبیاء علیہم السلام ہیں۔

چونکہ ظاہر بین انسان ان اسباب و علل کو دیکھ کر اصل علۃ العلل اور مسبب الاسباب کو بھول جاتے ہیں اور وہ نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے' اس لیے انبیاء علیہم السلام اس غفلت کے پردے کو چاک کر دیتے ہیں اور ظاہری علل و اسباب ان کے لیے بیکار کر دیے جاتے ہیں۔

ہست براسباب' اسباب دگر

در سبب منگر دراں افگن نظر

ان ظاہری اسباب کے اوپر حقیقی اسباب بھی کارفرما ہیں۔ ان ظاہری اسباب کو نہ دیکھو' حقیقی اسباب پر غور کرو۔

انبیاء در قطع اسباب آمدند

معجزات خویش برکیواں زدند

انبیاء قطع اسباب کے درپے ہیں اور اپنے معجزات کا جھنڈا انہوں نے مریخ میں گاڑ دیا ہے۔

بے سبب مر بحر راشگافتند

بے زراعت چاش گندم یافتند

بغیر کسی سبب ظاہری کے انہوں نے سمندر کو شق کر دیا اور کھیتی کے بغیر گیہوں کا خوشہ حاصل کیا۔

جملہ قرآں ہست در قطع سبب

عز درویش و ہلاک بولہب

تمام قرآن قطع اسباب کے بیان سے بھرا ہوا ہے آنحضرت کا غلبہ اور ابولہب کی بربادی بھی اسی طرح ہوئی۔

مرغ بابیلے دوسہ سنگ افگند

لشکر زفت حبش رابشکند

پرندے کنکریاں پھینکتے ہیں اور حبش کے سیاہ لشکر کو شکست دیتے ہیں۔

پیل را سوراخ سوراخ افگند

Marfat.com

سنگ مرغ کو بیالہ برزند

یہ کنکریاں جواوپر سے آتی ہیں ہاتھیوں کے بدن میں چھید کرکے ڈال دیتی ہیں۔

ہم چنیں زآغاز قرآن تا تمام
رفض اسباب است و علت و السلام

اسی طرح شروع سے لے کرآخرتک قرآن اسباب وعلل کے مؤثر حقیقی ہونے کا منکر ہے۔

علت وخاصیّت اوراس کی حقیقت:

اس اجمال کی تفصیل علت' خاصیّت اوراثر کی تحقیق پرمبنی ہےاوراشیاء میں جوخواص اورآثار ہیں ان کاعلم ہم کو کیونکرہوتا ہے محض تکراراحساس سے جس کا دوسرانام تجربہ ہے۔

جب ہم آگ کے پاس جاتے ہیں تو گرمی اور سوزش کااحساس کرتے ہیں اور پھر جب' ہم آگ کے پاس گئے تو ہم کواسی قسم کااحساس ہوتارہا' اس سے ہم میں یہ یقین پیدا ہوا کہ آگ کا خاصہ اوراثر گرمی اور سوزش ہے' فرض کرو کہ اگرتکراراحساس سے یہی تجربہ ہم کو برف سے حاصل ہوجائے تو یقیناً ہم کہہ دیں گے کہ برف کی خاصیّت سوزش اور گرمی ہے۔ برف اور آگ دونوں آپ کے سامنے ہیں' دونوں کواچھی طرح غور سے دیکھئے' کیاان کی ذات میں کوئی ایسی چیز نظرآتی ہے جس کی بناء پراحساس بلکہ تکراراحساس سے قبل آپ یہ فیصلہ کردیں کہ ایک میں گرمی اور دوسرے میں ٹھنڈک کا ہوناضروری ہے' آپ کے ہاتھ میں کوئی شخص کافوراورسنکھیادونوں کی تھوڑی تھوڑی مقدارلا کر رکھ دیتا ہےاس سے پہلے آپ ان چیزوں سے واقف نہ تھے' اب آپ دونوں کوغور سے دیکھئےاورخوب الٹ پلٹ کر دیکھئے' سونگھ کر چکھ کرچھو کرکس طرح آپ فیصلہ کرسکتے ہیں کہ ان کے خواص وآثار کیا ہیں؟ یہ فیصلہ ناممکن ہے جب تک ان کابار بارتجربہ نہ کیاجائےاور ہر بار کے عمل سے ایک ہی نتیجہ ظاہر نہ ہو' اس سے ثابت ہوا کہ اشیاء کے خواص اورآثار کاعلم صرف یکسانی عمل اورتجربہ پرموقوف ہے۔

عمل کی اسی یکسانی اور تجربہ کی بناء پرہم علل ومعلولات اوراسباب ومسببات کا مسئلہ قائم کرتے ہیں اوراسی کی بناء پرمدعیان عقل ودانش وہ صنم کدہ قائم کرنا چاہتے ہیں جس کے پرستاروں کے نام نیچری' میٹریلسٹ' مادہ پرست' فطرت پرست اورطبعی ہیں' وہ جب ایک شے سے ایک ہی عمل اوراثر کابار بارتجربہ کرتے ہیں تو یقین کرلیتے ہیں کہ اس شے سے اس خاصیّت واثر کاانفکاک قطعاً محال ہےاور جب ایک شے کے بعدفوراًدوسری شئے پیدا ہوتے دیکھتے ہیں اور باربار دیکھتے ہیں اور کبھی اس میں مختلف نہیں پاتے تو یہ یقین کلی کرلیتے ہیں کہ دوسری شئے معلول ومسبب اور پہلی شئے علت وسبب ہےاور یہ کُلّیہ قائم کرلیتے ہیں کہ گرمی اور سوزش کا سبب آگ ہے۔ ٹھنڈک اور برودت کا سبب برف ہے' موت کا سبب سنکھیا ہے یایوں کہیے کہ آگ کا خاصہ جلانا' برف کا خاصہ ٹھنڈا کرنا' سنکھیا کاخاصہ انسان کی زندگی کو ختم کردینا ہے' معجزہ کے امکان سے چونکہ ان کے خیال کے مطابق ان آثاروخواص کاانکاریاعلل واسباب کاابطال لازم آتا ہے' یعنی یہ ماننا پڑتا ہے کہ آگ ہواور جلائے نہیں' سمندر ہواورغرق نہ کرے' اس لیے وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ معجزہ قطعاً محال ہے۔

Marfat.com

اسباب وعلل محض عادی ہیں:

لیکن ابھی ثابت ہو چکا کہ ہم جن کو آثار وخواص یا اسباب وعلل کہتے ہیں محض اس تجربہ پر ان کی بنیاد ہے کہ ہم نے ہمیشہ اس شے کو ہوتے دیکھا ہے اور اس سے یہ توقع یا زیادہ سے زیادہ ظن غالب یہ پیدا ہوتا ہے کہ آئندہ بھی جب یہ شے پیدا ہوگی تو اس کے بعد دوسری شے پیدا ہو جائے گی' لیکن اس سے یہ یقین کیسے پیدا ہو سکتا ہے' کہ ہم نے جو کچھ مشاہدہ کیا ہے وہ پہلے بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا اور ہمارے علاوہ شروع سے آج تک اور جن جن لوگوں نے اس کو دیکھا ہے ان کے مشاہدہ کا بھی یہی نتیجہ نکلا کیا ہے' اور آئندہ بھی ان کے مشاہدہ کا یہی نتیجہ نکلا کرے گا۔ آج تک آگ کے متعلق اور جن آگوں کے متعلق آپ کا جو تجربہ ہے اس پر آپ یقین کر سکتے ہیں۔ لیکن محیط جن کی ہر آگ کے متعلق جو آپ کے تجربہ میں نہیں آئی ہے اور نہ آسکتی ہے یہ کیونکر یقین پیدا کر لیتے ہیں کہ ان سب کا اثر جلانا ہی ہے اور نیز یہ اعتماد کس مقدمہ یقین پر قائم کر لیتے ہیں کہ آئندہ تا قیامت آگ کا عمل واثر ہمیشہ جلانا ہی رہے گا اور جب آپ کے اس یقین واعتماد کے لیے کوئی دلیل قائم نہیں ہے تو چند آگوں کو دیکھ کر آپ اس قضیہ کلیہ پر کیونکر ناقابل شکست یقین کی مہر لگا دیتے ہیں کہ دنیا کی ہر آگ جلاتی ہے اور ہمیشہ جلاتی رہے گی۔

اسباب عادیہ کا علم صرف تجربہ سے ہوتا ہے:

غرض خواص وآثار اور اسباب وعلل کی نسبت علم انسانی کا جہاں تک احاطہ ہے وہ صرف یکسانی عمل اور تجربہ کا نتیجہ ہے' ہم ایک شے کے بعد دوسری شے کو ہوتے ہوئے دیکھتے آئے ہیں' اس لیے یہ توقع رکھتے ہیں کہ آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا' اس کی مثال یہ ہے کہ ہم ایک شخص کو آغاز عمر سے دیکھتے ہیں کہ فلاں وقت سوتا ہے' فلاں وقت جاگتا ہے مسجد میں فلاں دروازہ سے داخل ہوتا ہے' کبھی کسی سے انتقام نہیں لیتا ہے' سالہا سال کے مشاہدہ اور تجربہ کے بعد ہم اس کے متعلق بطریق ظن غالب خیال قائم کر لیتے ہیں کہ اس وقت اتنے بجے ہیں اس لیے وہ اٹھا ہوگا' اتنے بج کر اتنے منٹ ہوئے ہیں اس لیے وہ سو گیا ہوگیا۔ آج جب وہ نماز کے لیے جائے گا تو فلاں دروازہ سے داخل ہوگا اسی کا نام عادت ہے' مگر کیا کبھی کوئی اس حماقت میں بھی مبتلا ہوگا کہ سالہا سال کے تجربہ کے بعد وہ یقینی دعویٰ کر بیٹھے کہ اس وقت اس کا سویا رہنا محال قطعی ہے' اس وقت اس کا جاگنا لامحالہ ضروری ہے اور فلاں دروازہ سے اس کا داخلہ عقلاً لازم ہے۔

اسباب وعلل کا علم بدلتا رہتا ہے:

اسی طریق پر اشیاء اور موجودات عالم سے عادۃً جو مختلف آثار ونتائج کا صدور ہوتا رہتا ہے اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم ان اشیاء اور موجودات سے ان آثار ونتائج کے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور عادۃً ایسا سمجھتے ہیں کہ آئندہ بھی ان سے یہی آثار وخواص صادر ہوں گے۔

آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمثیل صحیح نہیں ہے' انسان ایک صاحب ارادہ ہستی ہے اس لیے اس کے افعال اس کے ارادہ کے ماتحت ہیں جن کو وہ جب چاہے بدل سکتا ہے۔ دیگر غیر ذی روح اشیاء کے افعال ارادی نہیں ہیں بلکہ خلقی

Marfat.com

ہیں اس لیے ان میں تغیر نہیں ہوسکتا' لیکن یہ درحقیقت ایک قسم کا مغالطہ ہے' آپ کے حرکات وافعال آپ کے اعضاء سے صادر ہوتے ہیں جو بے ارادہ ہیں اور ارادہ آپ کے نفس یا روح یا ذہن کا فعل ہے جس طرح آپ کی روح یا نفس یا ذہن کی قوت ارادہ آپ کے جامد اور بے جان مضغہ گوشت اعضاء سے اپنی حسب خواہش مختلف حرکات وافعال صادر کراتی ہے' اسی طرح روح اعظم کی قوت ارادہ اس بے جان عالم کائنات سے اپنی خواہش کے مطابق مختلف افعال اور حرکات صادر کراتی رہتی ہے اور چونکہ عموماً وہ اس کو ایک ہی نہج پر چلاتی رہتی ہے۔ اس لیے ہم کو اسباب عادیہ کا علم کسی قدر عطا ہو گیا ہے۔

اسی عادت کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے ذہن کے اندر آگ اور گرمی' برف اور ٹھنڈک کے درمیان ایک تلازم پیدا ہو گیا ہے جس کی بناء پر ہم سمجھتے ہیں کہ آگ سے گرمی اور برف سے ٹھنڈک کا انفکاک نہیں ہوسکتا حالانکہ اگر آگ اور برف کے متعلق ہمارا آئندہ تجربہ بدل جائے تو یقیناً یہ تلازم کا خیال بھی بدل جائے گا۔ مثلاً جس عہد قدیم میں گردش آسمانی اور دورنجوم' حادثات کے اسباب وعلل یقین کیے جاتے تھے اور ستاروں کی مختلف چالوں اور ان کی خاص خاص اشکال سے حوادث عالم کی توجیہ کی جاتی تھی اس وقت ستاروں کی ایک خاص شکل کے ظہور یا کسی خاص ستارہ کے طلوع اور اس کے آثار ونتائج کے درمیان ایک خاص تلازم سمجھا جاتا ہوگا اور اس یقین کو کہ یہ دونوں باہم علت ومعلول ہیں ناقابل انکار سمجھا جاتا ہوگا لیکن آج ایسا نہیں ہے۔

قدیم وجدید فن طب میں اب آسمان وزمین کا اختلاف ہے' دواؤں کے خواص واثرات اور امراض کے علل و اسباب میں عظیم الشان تبدیلی ہوگئی ہے مگر قدیم اطبا یا اب بھی قدیم طب کے واقف کاروں اور قدر شناسوں کے نزدیک ان کے تجربے اور یکسانی عمل کی بناء پر جن دواؤں کے جو اثرات اور جن امراض کے جو علل واسباب ہیں وہ ان کے یقینیات میں داخل تھے اور ہیں' لیکن ممالک یورپ میں جہاں کوئی اس طب کا نام بھی نہیں جانتا اور اس کے تجارب اور تحقیقات کا مشاہدہ نہیں کیا گیا ہے' ہمارے اطباء کے یقین کردہ آثار وخواص اور اسباب وعلل کو وہاں اوہام سے زیادہ رتبہ نہیں دیا جاسکتا۔

خود اوہام کیا چیز ہیں؟ جاہل طبقوں اور وحشی قوموں میں بہت سے ایسے یقینیات ہیں جن کو آپ اوہام سے تعبیر کرتے ہیں' مگر ان میں یہ اوہام کیونکر پیدا ہوئے؟ اسی تکرار وتجربہ سے انہوں نے کئی دفعہ دیکھا ہے کہ جب صبح کو فلاں پرندہ بولا یا اڑا تو فلاں بات ہوگئی' چند بار کے دیکھنے سے ان کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہو گیا کہ اس کا یہ اثر ہے' حالانکہ معلوم ہے کہ اس پرندہ کے بولنے یا اڑنے اور اس بات کے ہونے کے درمیان کسی قسم کا تلازم نہیں ہے تاہم چونکہ ان کا یقین ان کے تجربہ پر مبنی ہے' اس لیے اس کے خلاف باور کرنا ان کے لیے اتنا ہی محال ہے' جتنا کہ آگ اور گرمی وسوزش کے درمیان تلازم اور ان دونوں کے درمیان علت ومعلول پر عقیدہ رکھنے والوں کے لیے یہ تخیل کہ آگ موجود ہو اور اس سے گرمی وسوزش کا اثر ظاہر نہ ہو۔ جن ملکوں میں خچر نہیں ہوتے وہاں کے باشندے اپنے تجربہ کی بناء پر اس مسئلہ پر یقین کامل رکھتے ہیں کہ دو مختلف النوع جانوروں میں باہم توالد وتناسل نہیں ہوسکتا اور اگر اس کے خلاف ان کو یقین دلانا چاہیں کہ گھوڑے اور گدھے مل کر باہم اس فرض کو انجام دیتے ہیں اور اس سے خچر نام ایک

Marfat.com

تیسری نوع تیار ہوتی ہے تو اس کے تسلیم کرنے میں ان کو کسی قدر تامل ہوگا' لیکن کیا ان کا تامل ہندوستان اور مصر میں مطابق واقعہ سمجھا جائے گا جہاں ہزاروں دفعہ یہ مشاہدہ ہو چکا ہے۔

اسباب وعلل کا علم تجربہ سے ہوتا ہے:

الغرض ہم جن کو اصول فطرت' نوامیس قدرت اور لاز آف نیچر کہتے ہیں وہ صرف روزمرہ کے مشاہدات عادیہ کے نام ہیں ہم دیکھتے آئے ہیں کہ درخت کس طرح اُگتے ہیں' جاندار موجودات کس طرح پیدا ہوتے ہیں' آفتاب کس طرح طلوع ہوتا ہے' پانی کس طرح برستا ہے' ان کو دیکھتے دیکھتے ہم اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ ہم ان کا اسی طرح ہونا ضروری اور اس کے خلاف ہونا محال قطعی سمجھتے ہیں' حالانکہ اس کے لیے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے' ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دانہ زمین میں ڈالا جاتا ہے' کچھ دنوں کے بعد وہ پھوٹتا ہے اس میں کونپلیں نکل آتی ہیں' پھر وہ پودے کی شکل اختیار کرتا ہے۔ شاخیں نکلتی ہیں اور بڑھ کر درخت ہو جاتا ہے' ایک قطرۂ آب خون اور خون سے گوشت بن جاتا ہے اس میں رگیں' پٹھے اور ہڈیاں پیدا ہو جاتی ہیں' دل ودماغ اور جگر وگردہ اپنی اپنی جگہ پر بن جاتے ہیں' پھر کہیں سے اس میں روح آ جاتی ہے' پھر اس آئینہ میں احساس وعقل جلوہ آراء ہوتی ہے' ایک مدت متعینہ کے بعد وہ پیدا ہوتا ہے' جوان ہوتا ہے' اس طرز پیدائش کو دیکھتے دیکھتے حیرت زائی اور استعجاب اور استبعاد کی روح ہم سے بالکل فنا ہو گئی ہے اور ہم کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی غور نہیں کرتے کہ ایک جاندار وذی عقل انسان کی صورت میں کیونکر بدل گیا' لیکن ہمیں سے یہ کہا جاتا ہے کہ ایک بے جان لکڑی جاندار سانپ بن گئی اور عیسیٰ نام ایک بچہ بن باپ کے پیدا ہو گیا تو ہماری محدود عقل وتجربہ کا پُرغرور سر انکار سے ہلنے لگتا ہے' یہ کیوں؟ اس لیے کہ کبھی ہم نے ایسا ہوتے دیکھا نہیں' آفتاب روز پورب سے طلوع ہوتا ہے اور پچھم میں جا کر غروب ہو جاتا ہے' ہم کو اس پر مطلق تعجب نہیں ہوتا اور نہ یہ مستبعد معلوم ہوتا ہے اور جب یہ سنتے ہیں کہ قیامت کے دن آفتاب پورب کے بجائے پچھم سے نکلے گا تو ہم اس کو خلاف عقل کہتے ہیں۔ کیا پورب سے اس کا نکلنا عقل کے موافق تھا؟ اور تم آفتاب کو اگر پورب سے نکلتے نہ دیکھتے تو خود بخود عقلاً یہ فیصلہ کر لیتے کہ اس کو پورب ہی سے نکلنا چاہیے اور مغرب ہی میں ڈوبنا چاہیے۔ عموماً انسان کے ایک سر' دو آنکھیں' دو کان' دو ہاتھ اور دو پاؤں اور ہر ہاتھ پاؤں میں پانچ پانچ انگلیاں ہوتی ہیں' لیکن تاریخ طبعی انسانی کی کوئی کتاب پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ قدرت کے مستثنیات کی بھی کوئی انتہا نہیں اور سینکڑوں ہزاروں بچے اس کے خلاف پیدا ہوئے ہیں' اب جس طرح آپ اس پر اعتراض نہیں کرتے کہ انسان کے دو ہی ہاتھ اور دو ہی پاؤں کیوں ہوتے ہیں' اس پر بھی اعتراض نہیں کر سکتے کہ اس بچہ کے چار ہاتھ اور چار پاؤں کیوں ہیں اور جس طرح آپ کو اس بات پر حیرت نہیں ہوتی کہ آدمی جی کر مر کیوں جاتا ہے' ایسے ہی اس پر حیرت نہ کیجیے کہ مر کر جی کیونکر جاتا ہے' ان دونوں میں صرف فرق یہ ہے کہ ایک واقعہ کو آپ نے بار بار دیکھا ہے اور دوسرے کو کبھی نہیں دیکھا' لیکن کسی چیز کا دیکھنا اور نہ دیکھنا کسی چیز کے فی نفسہ محال یا ناممکن ہونے پر دلیل نہیں ہو سکتی۔

حاصل یہ ہے کہ ہم کو معجزات کے متعلق جو استبعاد نظر آتا ہے' اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ وہ ہمارے گزشتہ مشاہدات اور تجربات کے خلاف ہوتا ہے لیکن اس کا فیصلہ ہر شخص کر سکتا ہے کہ اس کے گزشتہ مشاہدات اور تجربات میں

Marfat.com

غلطی کا ہونا یا اس میں انقلاب ہو جانا کچھ محال نہیں' طبعیات جدیدہ نے طبعیات قدیمہ کی دیوار تحقیقات ڈھا دی' حکمائے جدید نے حکمائے قدیم کے سینکڑوں تجربات باطل کر دیئے' ہیئت قدیم اور ہیئت جدیدہ میں آسمان اور زمین کا اختلاف پیدا ہو گیا' اختراعات جدیدہ نے سینکڑوں اور ہزاروں قدیم مستبعدات اور ممتنعات کو ممکن بلکہ واقعہ بنا دیا۔ جب ہمارے گزشتہ تجربات اور تحقیقات کا یہ حال ہے تو انسانی تحقیقات و تجربات کی آئندہ صحت کی کون ضمانت کر سکتا ہے؟ فلسفہ یونان پڑھ کر ہم یقین کرتے تھے کہ زمین ساکن اور آفتاب متحرک ہے۔ اب روز روشن کی طرح یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ آفتاب ساکن اور زمین متحرک ہے اس لیے اگر کسی پیغمبر کی زبان سے اس وقت یہ خیال ادا ہوتا کہ زمین متحرک اور آفتاب ساکن ہے تو حکمت قدیمہ کی درسگاہ میں یہ خیال شاید جاہلانہ اور مضحکہ خیز سمجھا جاتا' پھر حکمت جدیدہ کے دانایان روزگار کو آج مذہب کی جو چیز مضحکہ انگیز نظر آتی ہے تو کیا معلوم کہ کل خود ان کی تحقیقات حکمت مستقبلہ کے مدرسہ میں قابل مضحکہ نہ ٹھہرے گی۔

الغرض صفحات بالا سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ بنی نوع انسان کے اصل سرمایہ علم علل و معلول میں جو کچھ ہے وہ صرف ان کے تجربہ کی کمائی ہے اور اسی کی بناء پر استدلال تمثیلی کے طور پر وہ ایک چیز کو چند بار دیکھ کر اپنے ذہن میں ایک حکم کلی پیدا کر لیتے ہیں' مثلاً ایک سیب کو دیکھا' اس کی خوشبو کو سونگھا' اس کے مزہ کو چکھا' اب دوسرا سیب ہمارے سامنے آتا ہے' اس کی شکل و صورت اور رنگ کو دیکھ کر اس کی خوشبو کو سونگھ کر ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ بھی سیب ہے اور اس کا مزہ ایسا ہوتا ہے اور پھر چند سیبوں کو دیکھ کر ہم یہ حکم لگا دیتے ہیں کہ ہر سیب ایسا ہوتا ہے اور اس کا یہ خاصہ اور اثر ہوتا ہے' اسی طرح ہم نے برف کو دیکھا' اس کی شکل و صورت' رنگ و مزہ اور ٹھنڈک کو محسوس کیا اور پھر کئی دفعہ اس کے دیکھنے کا اتفاق ہوا' ہم نے ہر دفعہ پہلی برف کی مثل دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ یہ بھی برف ہے اور ہر برف ٹھنڈا ہوتا ہے' یہی حال اس قضیہ کا ہے کہ تیز آگ جلاتی ہے۔ اب غور کیجیے کہ آپ کے یہ قضایا جو محض استدلال تمثیلی کی بنیاد پر قائم ہیں' عقلاً کیونکر ناقابل شکست یقین بننے کا دعویٰ کر سکتے ہیں' یہ اور بات ہے کہ آپ عادۃً اپنی عملی اور کاروباری دنیا کے لیے ان پر یقین کر کے جلب منافع اور دفع مضار میں ان سے کام لیں اور یہی علت عادیہ کی حقیقت و مصلحت ہے۔

علامہ ابن تیمیہ ؒ کا بیان کہ اسباب و علل تجربی ہیں:

ہم نے جس پرواز پر مسئلہ علیت کی تشریح کی ہے یہ کوئی نیا خیال نہیں ہے' علامہ ابن تیمیہ نے الرد علی المنطقیین میں جا بجا اس خیال کو ظاہر کیا ہے' چنانچہ ہم یہاں اس کی تلخیص اس لیے درج کرنا چاہتے ہیں کہ مسئلہ پوری وضاحت کے ساتھ ناظرین کے سامنے آ جائے۔

''کھانے کے بعد آسودگی' پینے کے بعد سیری' بدیہی تجربات میں ہے' اسی طرح لذت وغیرہ کا احساس ہے کہ جب انسان اس کا احساس کرتا ہے تو اس کے بعد فوراً ایک اثر پاتا ہے' پھر جب بار بار اس شے کے احساس کے بعد وہی اثر پاتا ہے تو یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہی شے اس اثر کا سبب ہے اسی کا نام تجربیات ہے' قضایائے کلیہ کی اصل یہی تجربیات ہیں' تفصیل یہ ہے کہ مثلاً جب ایک شخص کسی دوا کو استعمال کرتا ہے اور یہ پاتا ہے کہ اس سے فلاں مرض دور ہو گیا یا فلاں قسم کا نقصان ہو گیا تو مرض کا اس سے پیدا ہو جانا یا زائل ہو جانا تجربہ ہے' یہی حال دیگر آلام و لذات کا ہے جو

Marfat.com

مشمومات‘ مسموعات‘ مرئیات اور ملموسات سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ جب اس کو سونگھتا یا دیکھتا ہے یا سنتا یا چکھتا یا چھوتا ہے‘ پھر نفس میں جو لذات کا احساس ہوتا ہے‘ وہ وجدانیات میں سے ہے جن کو حواس باطن سے دریافت کرتا ہے اس نفس میں جو اعتقاد کلی قائم ہو جاتا ہے تو اس جنس کے ہر فرد سے لذت حاصل ہوتی ہے اور اس جنس کے ہر فرد سے الم حاصل ہوتا ہے وہ من قبیل تجربیات ہے کیونکہ حواس ظاہرہ و باطنہ سے شے کلی کا احساس نہیں ہو سکتا‘ حکم کلی کا جو اعتقاد نفس میں قائم ہو جاتا ہے وہ حس اور عقل کے مجموعہ سے ہوتا ہے‘ اور اسی کا نام تجربیات ہے‘ مثلاً یہ اعتقاد کہ کھانے اور پینے کی چیزوں سے آسودگی اور سیری پیدا ہوتی ہے اور زہر قاتل کے استعمال سے آدمی مر جاتا ہے اور بیماری پیدا کرنے والے اسباب سے آدمی بیمار پڑ جاتا ہے اور اس بیماری کا فلاں اسباب و ذرائع سے استیصال ہو جاتا ہے‘ یہ کل کے کل قضایائے تجربیہ ہیں‘ کیونکہ حس تو صرف جزئی اور شخصی چیزوں کا احساس کرتا ہے‘ لیکن جب ایک شے سے ایک ہی احساس بار بار ہوتا ہے تو عقل ادراک کرتی ہے کہ اس مشترک امر کی وجہ سے جو ان تمام افراد میں تھا یہ بات پیدا ہوئی اور یہ چیز فلاں قسم کی لذت پیدا کرتی ہے اور اس شے سے فلاں قسم کی تکلیف پیدا ہوتی ہے یہی حال حدسیات کا ہے کہ ان کی جزئیات کا علم احساس سے ہوتا ہے‘ لیکن تکرار سے عقل قدر مشترک کا اندازہ لگا لیتی ہے مثلاً جب چاند کی روشنی کا اختلاف آفتاب کے مقابلہ کے اختلاف سے دیکھتے ہیں تو گمان کر لیتے ہیں کہ چاند کی روشنی آفتاب سے حاصل ہوئی ہے یا یہ دیکھتے ہیں کہ ثوابت کی حرکت میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا اور وہ سب ایک ساتھ حرکت کرتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ ان کا فلک ایک ہے‘ اسی طرح جب سبع سیارہ کے اختلاف حرکات کو دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہر سیارہ کا فلک دوسرے سے مختلف ہے۔‘‘

قیاس کی بحث میں علامہ ممدوح کہتے ہیں۔

’’فلاسفہ نے یقینیات کو صرف چند قضایا میں محدود کر دیا ہے جس میں سے ایک حسیات ہیں‘ حالانکہ یہ معلوم ہے کہ حس سے ہرگز کسی عام اور کلی شے کا ادراک نہیں ہو سکتا‘ اس لیے فقط حسیات سے کوئی قضیہ کلیہ عامہ نہیں بن سکتا جو برہان یقینی کا کوئی جزو بن سکے‘ تمثیلاً اہل منطق کہتے ہیں کہ آگ جلاتی ہے‘ حالانکہ اس قضیہ کی عمومیت اور کلیت کا علم تجربہ اور عادت سے ہوا ہے جو قیاس تمثیلی کی ایک قسم ہے‘ اگر یہ کہا جائے کہ اس کا علم اس طرح ہوا کہ آگ میں جلانے والی قوت موجود ہوتی ہے‘ تو یہ علم بھی کہ ’’ہر آگ میں یہ قوت موجود ہوتی ہے‘‘ ایک حکم کلی ہے جو احساس سے نہیں دریافت ہو سکتا اور اگر یہ کہا جائے کہ ضروری ہے کہ آگ کی صورت نوعیہ میں یہ قوت موجود ہو اور جس میں یہ قوت موجود نہ ہوگی وہ آگ نہ ہوگی تو یہ دعویٰ اگر صحیح بھی ہو تو مفید یقین نہیں کیونکہ یہ قضیہ کہ ’’جس شے میں یہ قوت ہوتی ہے وہ جلاتی ہے۔‘‘ اس میں تمثیل شمول‘ عادت اور استقرائے ناقص کو دخل ہے اور یہ معلوم ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آگ ہر شے کو جو اس کے اندر پڑتی ہے جلا دیتی ہے۔ وہ غلطی کرتا ہے۔ کیونکہ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس شے میں جلنے کی قابلیت ہو ورنہ وہ ہر شے کو نہیں جلا سکتی جس طرح پتھر اور یاقوت کو نہیں جلا سکتی‘ یا ان اجسام کو نہیں جلا سکتی جن میں مانع آتش دوائیں لگا دی گئی ہوں‘ خرق عادت کی بحث کا مقام دوسرا ہے‘ بہر حال

Marfat.com

قضایائے حسیہ میں کوئی کلیہ ایسا نہیں ہے جس کا نقض نہ ہو سکے اور در حقیقت قضیۂ کلیہ حسیہ ہو ہی نہیں سکتا'' کیونکہ قضیہ حسیہ مثلاً ''یہ آگ جلاتی ہے'' اس میں حس صرف ایک خاص چیز کا ادراک کرتی ہے' حکم کلی جو عقل لگا دیتی ہے تو فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ نفس ان خاص افراد اور مثالوں کے دیکھنے کے بعد اپنے میں یہ استعداد پیدا کر لیتا ہے کہ اس کے اندر یہ الہام پیدا ہو جائے کہ ہر آگ جلاتی ہے اور یہی حکم کلی ہے تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ بھی قیاس تمثیلی ہی ہے اور اس کی علیت اور عمومیت پر اس وقت تک وثوق نہیں کیا جا سکتا جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یہ حکم تمام افراد میں مشترک ہے اور یہ اسی وقت تک ممکن ہے جب تمام افراد کا تجربہ کر لیا جائے' پھر بھی قضایائے عادیہ میں سے کوئی قضیہ ایسا نہیں ہے جس کا ٹوٹنا باتفاق عقلاء جائز نہ ہو' بلکہ فلاسفہ تک خرق عادت کو جائز سمجھتے ہیں مگر وہ اس کے لیے فلکی طبعی اور نفسیاتی اسباب بیان کرتے ہیں اور ان ہی تینوں اسباب کی طرف خرق عادت کو منسوب کرتے ہیں اور اسی سے انبیاء کے معجزات' اولیاء کی کرامات اور سحر وغیرہ کو ثابت کرتے ہیں۔''

اسی قیاس کی بحث کے آغاز میں علامہ ممدوح لکھتے ہیں۔

''اور یہی حال تجربیات کا ہے' لوگوں نے عموماً تجربہ کیا ہے کہ پانی پینے سے سیری ہوتی ہے اور گلا کٹ جانے سے آدمی مر جاتا ہے اور ضرب شدید سے تکلیف ہوتی ہے' ان تمام قضیوں کا علم محض تجربہ کی بنا پر ہے' کیونکہ حس نے ایک خاص سیری کا ادراک کیا ہے اور گلا کٹنے سے ایک خاص شخص کو مرتے دیکھا ہے اور مارنے سے تکلیف ایک خاص شخص نے محسوس کی ہے' اب یہ حکم کہ جو شخص ایسا کرے گا یہ خاص اثر پیدا ہو گا تو یہ قضیہ کلیہ حس سے نہیں معلوم ہو گا بلکہ اس کے ساتھ حکم عقلی کا لگاؤ بھی ہے۔ تجربہ سے جو اثر معین کسی شے معین میں معلوم ہوتا ہے اس کی نسبت یہ دیکھنا ہے کہ اس شے معین میں اور اس کے اثر معین میں ایک خاص تلازم ہے اور اس سے عادت مستمرہ کا علم ہوتا ہے۔ خصوصاً جب ان دونوں کے درمیان کسی مناسبت کا بھی شعور ہو جائے اور یہ ثابت ہو جائے کہ جہاں وہ شے بھی پائی جاتی ہے وہاں یہ اثر بھی پایا جاتا ہے اور جہاں وہ اثر پایا جاتا ہے وہاں وہ شے بھی پائی جاتی ہے اور نیز یہ کہ جہاں وہ شے نہیں پائی جاتی وہ اثر بھی نہیں پایا جاتا' اور جہاں وہ اثر نہیں پایا جاتا وہاں وہ شے بھی نہیں پائی جاتی' اب جس قدر اس لزوم میں ظنیت پائی جائے گی' اسی قدر علیت کا اعتقاد بھی ظنی ہو گا اور جس قدر اس لزوم میں قطعیت ہو گی اسی قدر لزوم کے اعتقاد میں قطعیت ہو گی اور یہی قضایائے عادیہ ہیں جیسے طب کے تجربیات وغیرہ یا یہ علم کہ روٹی کھانے سے آسودگی اور پانی پینے سے سیری ہوتی ہے اور کپڑے پہننے سے بدن میں گرمی اور برہنگی سے بدن میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔ پس تجربیات سے علم حاصل ہونے کا سبب ایک شے کا دوسری شے کے بعد ہونے سے اور تکرار اثر سے پیدا ہوتا ہے۔''

تجربیات کی بنا شہادت اور روایت اور تاریخ پر ہے:

غرض ان مباحث کا ماحصل یہ ہے کہ اشیاء کے خواص اور موجودات کے اسباب کا علم ہم کو محض تجربہ سے حاصل

Marfat.com

ہوا ہے۔ اب یہاں یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ کیا تجربی یقین کے پیدا ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ خود اس یقین کرنے والے نے اس کا تجربہ کیا ہو' ہم دنیا میں ہزاروں تجربی مسائل پر یقین رکھتے ہیں مگر ان میں سے بہت کم ہمارے ذاتی تجربہ میں آتے ہیں' طبعیات' کیمیائیات' طبیات' فلکیات' ارضیات کی ہزاروں باتیں ہیں جن پر ہم یقین رکھتے ہیں مگر ہمارے ذاتی تجربہ میں بہت کم آئی ہیں' اگر آپ یہ کہیں کہ گو وہ ہمارے ذاتی تجربہ میں نہیں آئی ہیں لیکن ان علوم کے ماہرین نے ان کا تجربہ کیا ہے اور ہم کو ان کی شہادت کا اس لیے یقین ہے کہ وہ اپنے اپنے علوم میں کامل دست گاہ رکھتے تھے اور اپنے ذاتی تجربوں کو انہوں نے اپنی تصنیفات میں لکھ دیا ہے تو گویا آپ نے قبول کر لیا کہ دوسروں کے تجربیات بھی مفید یقین ہیں۔ بشرطیکہ خود ان تجربہ کرنے والے علماء پر ان کو وثوق ہو اور ان کے تجربیات صحیح و مستند شہادتوں اور واسطوں سے آپ تک پہنچیں۔

دنیا کے واقعات کا سب سے بڑا دفتر تاریخ ہے جو عہد ماضی کی ظلمت میں ہمارے لیے چراغ راہ ہے اور اس چراغ میں تیل کون برابر ڈالتا جاتا ہے کہ یہ بجھتا نہیں' وہ راویان اخبار اور ناقلان حکایات ہیں جو ایک عہد سے دوسرے عہد تک اس کو روشن کرتے چلے جاتے ہیں' اگر یہ سلسلہ روایت کہیں منقطع ہو جائے تو عہد ماضی کی دنیا بھی عالم مستقبل کی طرح تیرہ و تار ہو جائے' لیکن تاریخ کی ہر شہادت آسانی کے ساتھ قبول نہیں کر لی جاتی بلکہ اس کے لیے چشم دید گواہوں کا وجود' ان کی صداقت اور راست شعاری اور پھر اس کے بعد بیچ کے واسطوں کی سچائی اور راست گفتاری اور عدم فریب کے ثبوت کی بھی ضرورت' ہے' لیکن اگر یہ شرائط پورے پورے ہو جائیں تو روایات منقولہ کی صداقت میں کسی کو شک نہ ہونا چاہیے۔

فلسفہ اور سائنس بھی ایک قسم کی تاریخ ہیں:

حقیقت میں فلسفہ اور سائنس بھی ایک قسم کی تاریخ ہیں فلسفہ تو اشخاص یا جماعتوں کے منتظم خیالات کی اور سائنس کائنات فطرت کے تجربی اکتشافات کی تاریخ ہے' فلسفہ کی درسگاہ کا ہر پروفیسر نہایت وثوق سے یہ کہتا ہے کہ اس مسئلہ میں یونان' اسلام اور یورپ کے فلاں فلاں اساطین فلسفہ کی یہ رائیں ہیں' کیا اس وثوق کی بنیاد صرف شہادت تاریخی پر نہیں ہے؟ آغاز آفرینش سے لے کر اس وقت تک دنیائے انسانی نے علم و اکتشاف' تجربہ و دانش کا جو سرمایہ جمع کیا ہے کیا وہ بجز شہادت تاریخی کے کسی اور طریقہ سے حاصل ہوا یا ہو سکتا ہے؟ یا آئندہ ہوگا' آپ یقین رکھتے ہیں کہ جسم بہتر بسیط عنصروں سے مرکب ہے' ہائیڈروجن اور آکسیجن پانی کے دو جزو ہیں' سنکھیا کے استعمال سے آدمی مر جاتا ہے' مگر ان میں سے ایک بات بھی آپ کے تجربہ میں نہیں آئی ہے' البتہ چونکہ صحیح اور مستند ذریعوں سے آپ تک یہ تحقیقات پہنچی ہیں اس لیے آپ ان کو باور کرتے ہیں' لندن اور پیرس کو آپ نے خود نہیں دیکھا' لیکن بایں ہمہ آپ کو ان شہروں کے وجود میں شک نہیں' مگر کوہ قاف کے پرستان کے وجود پر آپ کو یقین نہیں' اس لیے کہ پہلے دو شہروں کے وجود کی خبر آپ نے بکثرت لوگوں سے اور ایسے ثقہ اور مستند لوگوں سے سنی ہے کہ آپ اس میں شک نہیں کر سکتے لیکن کوہ قاف کے پرستان کے عینی شاہدوں تک آپ کا سلسلہ روایت صحیح اور مستند ذریعہ سے نہیں پہنچا ہے' اس لیے آپ کو اس کے وجود میں بہت حد تک شک ہے' اسی طرح ہیئت و فلکیات کے اکثر مسائل مثلاً ستاروں کی چالیں خاص

Marfat.com

ستاروں کا طلوع وغروب وغیرہ کسی نہ کسی ہیئت دان اور فلکی کا مشاہدہ ہے اور پھر صدیوں کے مشاہدات یکجا ہو کر آپ کے سامنے ہیئت وفلکیات کا نا قابل انکار دفتر بن کر آتا ہے مگر غور کیجیے کہ اس دفتر بے پایاں کا ہر ایک مشاہدہ بجز تاریخی روایت وشہادت کے کسی اور طریقہ سے پہنچا ہے یا پہنچ سکتا ہے؟۔

آپ کہتے ہیں کہ آگ جلاتی ہے' برف ٹھنڈک پہنچاتی ہے' آفتاب روشن ہے' پتھر سخت ہے' کھانے سے سیری ہوتی ہے' چوٹ سے تکلیف ہوتی ہے' غرض تمام قضایائے تجربیہ جن پر علوم وفنون کی بنیاد قائم ہے اور جن کی عمومیت و کلیت کا آپ کو یقین یا ظن غالب ہے' ان کی اس کلیت اور عمومیت کا یقین یا غلبہ ظن صرف آپ ہی کی ذاتی تجربہ پر مبنی نہیں ہے بلکہ ان میں سے ہر قضیہ کی عمومیت اور کلیت کے بنانے میں آپ کے سوا اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں اور بیسیوں نسلوں کے مشاہدات کو دخل ہے اور یہ مشاہدات آپ تک تحریری یا زبانی تاریخی شہادتوں کے ذریعے سے پہنچے ہیں تب جا کر وہ انسانی مُسلمات میں داخل ہوئے ہیں۔

تاریخی شہادتوں کے شرائط استشہاد:

لیکن کسی تاریخی شہادت کے مستند ہونے پر آپ کچھ قیود بھی عائد کر سکتے ہیں مثلاً یہ کہ اخیر راوی چشم دید گواہ ہو' یعنی یہ کہ وہ واقعہ کے وقت مقام واقعہ پر حاضر ہو اور خود اس کا بلا واسطہ ذاتی علم حاصل کیا ہو' وہ راست گفتار ہو' اس کا حافظہ صحیح اور درست ہو' فریبی اور جھوٹا نہ ہو' اسی طرح آغاز سلسلہ روایت سے لے کر آخر تک بیچ کا ہر راوی بھی انہی صفات سے متصف ہو' جہاں تک ان صفات میں ترقی ہوگی' واقعہ کے متعلق آپ کے علم واذعان میں بھی ترقی ہوگی اور جہاں تک ان میں کمی ہوگی' آپ کے علم واذعان میں بھی کمی ہوگی۔

مسلمانوں کا علم روایت:

اب مسلمانوں کے علم اخبار یا علم نقل وروایت یعنی اصول حدیث پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ بعینہ یہی اصول انہوں نے ہر روایتی شہادت کے قبول کرنے کے لیے مقرر کیا ہے' سلسلہ روایت کے ان اوصاف میں جس قدر بھی نقص ہوگا' اس جزو واقعہ کے علم واذعان میں بھی اسی قدر نقص ان کے نزدیک پیدا ہوگا۔ پیغمبر علیہ السلام کی طرف جس قدر بھی صحیح ومستند معجزات منسوب ہیں' ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کی صداقت کو اس اصول پر پرکھ نہ لیا گیا ہو' ہیوم نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب ''فہم انسانی'' میں جہاں معجزات پر بحث کی ہے' انجیل کے بیان کردہ معجزات کی نسبت وہ اس لیے بے اعتباری ظاہر کرتا ہے کہ مصنفین انجیل جو ان واقعات کے راوی اول ہیں ان میں سے کوئی واقعہ کا چشم دید گواہ نہیں ہے لیکن ہیوم کو اگر اسلامی طرز روایت واصول حدیث کی احتیاطوں سے آگاہی ہوتی تو کبھی اسلام کے معجزات کی نسبت اس بے اعتباری کا اس کو موقع نہ ملتا۔

صحیح معجزات نبوی کے پہلے رواۃ یعنی وہ صحابہ کرامؓ جو واقعات کے چشم دید گواہ ہیں' صدق مقال اور راست گفتاری پر ان کی زندگی کا ایک ایک حرف گواہ ہے اور ان کی عقل' رزانت اور متانت رائے پر ان کے کارنامے شاہد عدل ہیں۔ بیچ کے رواۃ وہ محدثین عظام ہیں جن کی سچائی' راستی اور حفظ وفہم پر اسمائے رجال کے اوراق کی مہریں ثبت

Marfat.com

ہیں، پیغمبر اسلام علیہ السلام نے علی رؤس الاشہاد کہا اور بار بار کہا ''جو شخص میری طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔'' صحابہ کا یہ حال تھا کہ آنحضرت ﷺ کے متعلق کسی خبر کو بیان کرتے ہوئے کانپ جاتے تھے۔ بیچ کے ثقہ اور مستند رواۃ بھی انتہائی انسانی احتیاط سے کام لیتے تھے، اس پر بھی ان کی تمام روایات کا درجہ یکساں نہیں ہے۔

اگر روایت کے ہر دور میں راویوں کی تعداد کثیر شریک ہو تو اس کو خبر متواتر کہتے ہیں اور اگر ہر دور میں گو تعداد کثیر نہ ہو لیکن دو یا دو سے زیادہ ہوں تو وہ مستفیض اور مشہور ہے اور اگر کسی دور میں ایک ہی راوی رہ گیا ہو تو اس خبر کو خبر احاد کہتے ہیں، معجزات نبوی مختلف طُرق سے مروی ہیں اور اسی کے اعتبار سے ان کی صحت بیان کا درجہ ہے، یہ سچ ہے کہ بعد کے لوگوں نے آپ کی طرف بہت سے ایسے معجزات منسوب کر دیئے ہیں جو صحیح نہیں ہیں لیکن ہمارے محدثین نے نہایت جانفشانی اور ایمانداری سے ان روایات کو معیار پر پرکھ پرکھ کر الگ کر دیا ہے اور اس کتاب کی جلد اول کے مقدمہ میں تمام و کمال بحث موجود ہے۔ معجزات کے ثبوت پر یہ طرز استدلال گو عجیب ہے لیکن غلط نہیں، دنیا میں ہر واقعہ کے ثبوت کا یہی طریقہ ہے اور وہی اس باب میں بھی کارآمد ہے، یہ کیسی زبردستی ہے کہ جس طرز استدلال پر دنیائے یقین کا عملی کاروبار چل رہا ہے، اس کو اگر مذہب استعمال کرے تو مدعیان عقل کی جبین متانت پر بل پڑ جاتے ہیں۔

نادیدہ واقعات پر یقین کرنے کا ذریعہ صرف روایات کی شہادت ہے:

دنیا میں جو واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے اس کے علم کے دو ہی طریقے ہیں، یا تو انسان اس واقعہ کے وقت موجود ہوگا یا موجود نہ ہوگا، پہلی صورت میں اس کا علم، اس کے احساس و مشاہدہ پر موقوف ہے اور وہ روایت کے تمام جھگڑوں سے بے نیاز ہے جیسے کہ ان صحابہؓ کا اس معجزہ کے متعلق علم جو ان کے سامنے ظاہر ہوا، اور دوسری صورت میں اس واقعہ کا علم صرف روایت سے ہو سکتا ہے اور اس کے سوا کوئی ذریعہ علم اس کے لیے دنیا میں موجود نہیں ہے، آپ کا فرض صرف اس قدر ہے کہ روایت کی اچھی طرح تنقید کر لیجیے اور جس طرح دنیا کے دوسرے عملی کاروبار میں واقعات پر یقین کرنے کے ذرائع استعمال میں ہیں، اس باب میں بھی ان ہی کو استعمال کیجیے، عقلی احتمالات اور ذہنی شبہات کی کوئی حد نہیں ہے، مگر کبھی روزمرہ کے معاملات میں وہ آپ کے یقین کے سدِ راہ نہیں ہوتے۔

خبر احاد پر بھی عقلاً یقین ہوتا ہے:

متواتر، مشہور اور مستفیض خبروں کو چھوڑ کر خبر احاد تک پر آپ روزانہ یقین کرتے ہیں، خطوط، تار، اخبارات آج کل کی زندگی کا جز ہیں اور ان میں سے ہر ایک پر آپ کو کامل وثوق ہے۔ رائٹر ایجنسی کے تاروں اور سنجیدہ اخباروں کے کالموں میں عجیب سے عجیب حیرت افزا واقعات و ایجادات و طبی علاجات عموماً بیان ہوتے رہتے ہیں اور لوگ ان کو تسلیم کر لیتے ہیں، آج تمام تجارت کا دارومدار انہی تاروں پر ہے، یہ شدید مالی خطرات کا موقع ہے مگر ہر بیوپاری اور تاجر بخوشی اس خبر احاد پر یقین کر لیتا ہے اور اپنی تمام دولت اس کے نذر کر دیتا ہے اور کبھی یہ عقلی مباحث اور شکوک نہیں پیش کرتا کہ ممکن ہے کسی نے غلط کہا ہو، ممکن ہے غلط لکھا گیا ہو، ممکن ہے نامہ نگار جھوٹ بولتا ہو، ممکن ہے کاتب نے خود

Marfat.com

گھڑ کر لکھ دیا ہو۔ یہ تمام احتمالات عقلی قائم ہو سکتے ہیں مگر عملی یقین پر ان احتمالات کا مطلق اثر نہیں پڑتا۔

ہم شفا خانوں میں جاتے ہیں اور عطاروں اور کمپونڈروں سے دوائیں لے کر باطمینان تمام ان کو استعمال کرتے ہیں، حالانکہ معلوم ہے کہ ان شفا خانوں میں اکسیر اور سنکھیا دونوں کی بوتلیں پہلو بہ پہلو رکھی ہیں، ممکن ہے کہ تنہا دوا بنانے والے کی یہ اطلاع کہ یہ دوا تمہارے نسخہ کے مطابق ہے غلط ہو اور اس لیے اس کے استعمال سے احتراز لازم ہے مگر کبھی یہ خدشہ ہمارے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آیا اور ہم بخوشی اپنی جان کو خبر احاد کے یقین کی نذر کر دیتے ہیں، پھر معجزات اور مذہب ہی کے باب میں شہادت کے مسئلہ پر تمام عقلی احتمالات اور شکوک کا ازالہ ضروری کیوں تصور کیا جاتا ہے۔

واقعات پر یقین کے لیے اصلی بنیاد امکان اور عدم امکان کی بحث نہیں بلکہ روایات کے ثبوت اور عدم ثبوت کی ہے:

آج کل مغربی علم تاریخ اور فن روایات کا بڑا کارنامہ یہ اصول سمجھا جاتا ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو سب سے پہلے اس پر غور کرو کہ کیا وہ ممکن بھی ہے؟ اور جب یہ طے ہو جائے تو روایت کے دوسرے پہلوؤں پر غور کرنا چاہیے، لیکن یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے تمام واقعی علوم، ہمارے تجربہ اور روایات ہی پر مبنی ہیں، اس لیے کسی شے کے ممکن اور ناممکن ہونے کا فیصلہ محض مشاہدہ کی تحقیق پر ہی مبنی ہے، اس لیے علم تاریخ اور فن روایت کی بنیاد اس کے امکان اور عدم امکان کی بحث پر قائم نہیں ہے بلکہ جیسا کہ ہمارے علمائے اصول نے بتایا ہے صرف اس پر قائم ہے کہ آیا یہ واقعہ روایۃً صحیح بھی ہے یا نہیں؟۔

جس درجہ کا واقعہ ہو اسی درجہ کی شہادت ہونی چاہیے:

ہم کو اس اصول کی صحت سے انکار نہیں ہے کہ جس درجہ کا واقعہ ہو اسی درجہ کی شہادت بھی ہونی چاہیے لیکن درجہ، نام کمیت اشخاص سے زیادہ کیفیت اشخاص کا ہے۔ ایک واقعہ کو چند آدمی بیان کرتے ہیں مگر ان کی راست گفتاری معرض بحث میں ہے لیکن ایک ایسا شخص اس کے خلاف اپنی روایت بیان کرتا ہے جس کی صداقت مسلّم ہے جس کی راست گفتاری کا بار بار تجربہ ہو چکا ہے، جس کی سمجھ، حافظہ اور وثوق کا ہم کو علم ہے اور جس کی دوسری اخلاقی صفات جن کا روایت پر اثر پڑتا ہے، نہایت بلند ہیں تو ظاہر ہے کہ واقعہ کی حیثیت سے دوسری شہادت پہلی شہادت سے زیادہ قابل قبول ہے راویوں کی ان صفات کی واقفیت کا روایات اسلامیہ کے سوا دنیا میں کسی اور قوم و مذہب کی روایات کے متعلق کوئی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا، اس لیے دنیا کے اور مذاہب اور قوموں کی روایات کے مقابلہ میں اسلامی روایات کی ایک خاص اہمیت ہے۔

معجزات دراصل تجربیات کے خلاف نہیں ہوتے:

اس موقع پر ایک اور مسئلہ کو بھی صاف کرنا ہے عام طور سے معجزات کی شہادت کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ

Marfat.com

معجزہ کی شہادت سینکڑوں‘ ہزاروں شہادتوں کے خلاف ہوتی ہے‘ اس لیے وہ ناقابل یقین ہے‘ یہ حقیقت میں ایک قسم کا مغالطہ ہے‘ ہزاروں لاکھوں شہادتیں اس بات کی بے شک ہیں کہ آگ نے فلاں فلاں موقع پر جلا دیا۔ اب جو شخص ایک معجزہ کو بیان کرتا ہے کہ فلاں موقع پر آگ نے نہیں جلایا تو یہ شہادت ان ہزاروں لاکھوں شہادتوں کے خلاف نہیں ہے بلکہ ان سے الگ ایک واقعہ ہے‘ اس روایت سے ان لاکھوں ہزاروں شہادتوں کی مخالفت اور انکار اس وقت لازم آتا کہ جن موقعوں کے متعلق یہ کثیر التعداد شہادتیں اپنا مشاہدہ بیان کرتی ہیں‘ ان کی تکذیب وتغلیط کی جاتی‘ دو شہادتوں کی باہمی ترجیح کا سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دونوں ایک ہی خاص واقعہ کو مختلف نتیجوں کے ساتھ بیان کریں اور یہاں یہ صورت نہیں ہے‘ جن آگوں کے جلانے کے متعلق سینکڑوں شہادتیں موجود ہیں‘ معجزہ کا راوی ان کی تغلیط وتکذیب نہیں کرتا بلکہ ایک خاص آگ کی نسبت اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے جن کے متعلق ان کو نفیاً یا اثباتاً کوئی علم نہیں‘ مثلاً ایک طرف ایک شخص کی تنہا یہ شہادت ہوتی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے ہاتھوں سے پانی کا چشمہ ابلنے لگا‘ دوسری طرف سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کی یہ شہادت ہوتی کہ نہیں ایسا واقعہ نہیں ہوا‘ تو بے شک اس موقع پر دوسری شہادت کو پہلی شہادت پر ترجیح دی جاسکتی اور تمام مسلمان اس کے لیے تیار ہیں کہ اگر کسی معجزۂ نبوی کے متعلق اس قسم کی مخالف شہادت موجود ہو تو وہ اس معجزہ کو صحیح معجزات نبوی کی فہرست سے خارج کر دیں گے۔

معجزات کا ثبوت روایتی شہادتیں ہیں:

الغرض معجزہ کی شہادت کے متعلق اصل بحث یہ نہیں کہ یہ ممکن ہے یا ناممکن بلکہ اصل بحث یہ ہے کہ یہ شہادت کس درجہ کی ہے؟ اور اس کے رواۃ کی صحیح البیانی کا کیا پایہ ہے؟ اس کے لیے صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کی راستی‘ دیانت‘ صدق مقال اور ان کی اخلاقی زندگی کے دیگر پہلوؤں کے مطالعہ کی حاجت ہے اور یہی شے ہے جو معجزات کی شہادت کو طاقتور یا کمزور بنا سکتی ہے اور یہی ہمارے محدثین اور اہل اصول کا قانون شہادت ہے اور اسی طریق سے اہل سنت والجماعت معجزہ کو ثابت کرتے ہیں۔ علامہ ابو منصور عبدالقادر بغدادی اشعری کتاب الفرق میں اہل سنت کا مسلک لکھتے ہیں۔

و بهذا النوع من الاخبار (المستفيض) علمنا معجزة نبينا صلى الله عليه وسلم فى انشقاق القمر و تسبيح الحصا في يده و حنين الجذع اليه لما فارقه و اشباعه الخلق الكثير من الطعام اليسير و نحو ذلك من معجزاته. (ص ۳۱۳ مصر)

”اسی خبر مشہور کے ذریعہ سے ہم نے آنحضرت ﷺ کے معجزات کو جانا‘ مثلاً شق قمر‘ دست مبارک میں کنکریوں کا تسبیح پڑھنا‘ شاخ خرما کا گریہ و بکا کرنا اور تھوڑے کھانے سے بہت سے لوگوں کو سیر کر دینا وغیرہ۔“

خلاصہ مباحث:

گزشتہ صفحات میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل سطروں میں کیا جاسکتا ہے۔

(۱) معجزہ خرق عادت اور قاعدۂ علت ومعلول کی ارتقائی شکست کا نام ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے کسی پیغمبر کی

Marfat.com

سچائی کی نشانی کے طور پر لوگوں میں ظاہر کرتا ہے۔

(۲) خرق عادت اور قاعدہ علت و معلول کی شکست ممکن بلکہ واقع ہے۔

(۳) کیونکہ عادات طبعی اور سلسلہ علل و معلول کا علم ہم کو تجربہ سے ہوا ہے۔

(۴) اور تجربہ سے جو علم حاصل ہو اس کی کلیت اور عمومیت عقلی کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا اس لیے اس سے معجزہ کے محال ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

(۵) تجربہ کی بنیاد ذاتی مشاہدہ یا دوسرے مشاہدہ کرنے والوں کی شہادت پر ہے۔

(۶) اس لیے معجزہ کا ثبوت ذاتی مشاہدہ کرنے والوں کی شہادت پر مبنی ہے۔

(۷) اسلامی روایات اور صحیح معجزات نبوی کی شہادت اس قدر بلند ہے کہ دنیا کی کوئی تاریخی روایت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور اس سے معجزات اور خوارق عادات کا وقوعی ثبوت بہم پہنچتا ہے۔

یقین معجزات کے اصول نفسی:

اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خطاب فلسفہ اور منطق سے تھا لیکن ظاہر ہے کہ عملی دنیا کا کاروبار ارسطو کے بنائے ہوئے اصول و قواعد پر نہیں چل رہا ہے بلکہ خالق فطرت اپنے وضع کردہ اصول و قواعد پر اس کو چلا رہا ہے' واقعات کسی حد تک تعجب انگیز اور دور از عقل ہوں تاہم انسانوں کی بڑی تعداد دلیل و برہان منطقی کے بغیر صدق دل سے ان پر یقین رکھتی ہے۔ کسی واقعہ پر یقین رکھنے کے لیے اس کا فہم انسانی میں آ جانا اور عقل و استدلال کی میزان میں اس کا پورا اتر جانا ضروری نہیں ہے ایک طبعی فلسفی سے لے کر عامی تک مادہ کے وجود پر یقین رکھتا ہے' حالانکہ استدلال سے اس کا وجود ثابت نہیں کیا جا سکتا' یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک واقعہ کی جب روایت کی جاتی ہے تو کچھ لوگ بے دلیل اس کو فوراً تسلیم کرتے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ استدلال اور برہان کے باوجود اس کے تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتے' اگر استدلال کی قوت سے وہ خاموش بھی ہو جائیں تو ان کے دل کو تسلی نہیں ہوتی جو اشخاص کسی جماعت یا ملک کے اندر کام کرتے ہیں ان کی سچائی اور خلوص و ایثار کے متعلق سب لوگوں کی رائے برابر نہیں ہوتی۔ ایک جماعت جس زور و قوت سے ان کے صدق و اخلاص پر ایمان رکھتی ہے' دوسری جماعت اسی زور و قوت کے ساتھ ان کو خائن اور ریا کار جانتی ہے' حالانکہ دونوں کے سامنے ان کے اعمال کا ایک ہی نقشہ پیش رہتا ہے مگر نتائج مختلف ہوتے ہیں اور دو میں سے کوئی اپنے دعویٰ پر کھلے دلائل نہیں رکھتا' اس لیے ایمان و کفر اور یقین و شک کے وجوہ منطقی طرز استدلال سے نہیں بلکہ زیادہ تر نفسیاتی اصول و قواعد سے ماخوذ ہیں۔

امام غزالیؒ اور یقین اور اذعان کی صورتیں:

امام غزالی نے الجام العلوم میں اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے[1] کہ واقعات کا اذعان اور یقین ہمارے اندر کیونکر پیدا ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ عام مسلمانوں کو علم کلام کی ضرورت نہیں' لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ ہم کو خدا نے اپنی

(۱) الجام العوام عن علم الکلام ص ۹۰-۳ مصر۔

Marfat.com

توحید وصفات وغیرہ پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے اور یہ باتیں بدیہی نہیں کہ ان کے لیے دلائل کی ضرورت نہ ہو اسی طرح ہم کو پیغمبر کی تصدیق کی ضرورت ہے اور یہ تصدیق مسئلہ معجزات پر غور وفکر کیے اور معجزہ کی حقیقت اور شرائط کے جانے بغیر ممکن ہی نہیں اس بناء پر علم کلام کی اشد ضرورت ہے' تو امام صاحب اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ عام مخلوق کو صرف ان چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے اور ایمان اس یقین جازم کا نام ہے جس میں تردد اور شک نہ ہو اور اس میں خطا اور غلطی کا خیال اس کو نہ ہو اس یقین جازم کے چھ درجے ہیں جو چھ مختلف طریقوں سے حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) پہلا درجہ اس یقین کا ہے جو ایسے دلائل سے حاصل ہو جن میں برہان کے تمام منطقیانہ شرائط ایک ایک کر کے پائے جائیں اور ان دلائل کے مقدمات کا ایک ایک حرف اچھی طرح جانچ لیا گیا ہو۔ یہاں تک کہ کسی میں شک و شبہ اور غلطی و التباس کا احتمال نہ رہا ہو' اس اصول کے مطابق تو بہت کم لوگ ایسے ہو سکتے ہیں جن کو یقین کا یہ مرتبہ نصیب ہو سکے' بلکہ ہر زمانہ میں ایک دو آدمی سے زیادہ اس معیار پر پورے نہیں اتر سکتے' اگر نجات صرف اسی یقین پر منحصر ہو تو نجات پانے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہو گی' بلکہ انسانوں کے لیے دنیا کے واقعات پر یقین کرنے کی بہت کم گنجائش نکل سکے گی اور شاید ریاضیات کے علاوہ کہیں اور اس صورت یقین کا پیدا کرنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان مُسلّمات سے یقین حاصل ہو جن کو عام طور سے لوگ مانتے ہیں اور ارباب عقل کے حلقوں میں وہ مقبول و مشہور ہیں' جن میں شک کا اظہار کرنا لوگ معیوب سمجھتے ہیں اور نفوس انسانی ان کے انکار سے اباء کرتے ہیں' ان مقدمات سے استدلال بعض لوگوں میں ایسا یقین جازم پیدا کرتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا تزلزل راہ نہیں پا سکتا۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ ان خطابیات کے ذریعہ سے یقین پیدا کیا جائے جن کو لوگ عام بول چال اور عملی کاروبار میں استعمال کیا کرتے ہیں اور عادۃً ان کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اگر طبع انسانی میں خاص طور سے اس مسئلہ کی طرف غیر معمولی انکار یا شدید تعصب نہ ہو اور سامع میں تشکیک' مناظرہ اور خواہ مخواہ کرید اور حجت کی عادت نہ ہو اور اس کی ظرف فطرت صالحہ سادہ اور صاف ہو تو اس طریقہ سے اکثر افراد انسانی کو یقین کی دولت ہاتھ آ سکتی ہے اور اسی لیے قرآن مجید نے اس طرز استدلال سے اکثر کام لیا ہے۔

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ جس شخص کی دیانت اور ایمانداری پر یقین ہو اور اس پر کامل اعتماد ہو' بکثرت لوگ اس کے مداح ہوں یا تم خود اپنے تجربہ کی بناء پر اس کی ہر بات کو صحیح باور کرتے ہو تو اس کا کہنا تمہارے اندر یقین پیدا کر دیتا ہے جیسے اپنے بزرگوں اور استادوں اور مرشدوں کے بیان کا لوگ حرف بحرف یقین کر لیتے ہیں۔ ایک بڑا شخص کسی کی موت کی خبر دیتا ہے تو ہر شخص اس کو باور کر لیتا ہے' اسی طرح اگر کسی شخص کو کسی کی سچائی اور پاکیزگی اور زہد و تقویٰ کا یقین ہو جائے تو وہ بلا پس وپیش اس کی ہر بات کو صحیح تسلیم کر لے گا۔ چنانچہ حضرت صدیقؓ (یا اور اکابر صحابہؓ) کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ جو حسن اعتقاد تھا وہ اسی قسم کا تھا اس لیے آپؐ جو کچھ فرماتے تھے ان کو اس کے باور کرنے میں کسی دلیل و برہان کی حاجت نہ تھی۔

(۵) حصول یقین کا پانچواں طریقہ یہ ہے کہ روایت کی صورت حال کی ایسے دوسرے قرائن سے تصدیق ہو

Marfat.com

جن سے گو ایک مناظرہ پسند اور حجت طلب شخص کی تشفی نہ ہو مگر عام اشخاص کی ان سے تسلی ہو جاتی ہے مثلاً اگر شہر میں یہ خبر عام پھیلی ہوئی تھی کہ امیر شہر بیمار ہے اسی اثنا میں قلعہ سے گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں اور ایک شاہی غلام نے آ کر روایت کی کہ امیر نے وفات پائی تو اس روایت کے تسلیم کر لینے میں عام لوگوں کو کوئی جائے انکار نہیں رہتی' گو اس کی صحت کی راہ میں آپ بیسیوں احتمالات پیدا کرتے رہیں' یہی سبب ہے کہ اتنے اعرابی تھے جنہوں نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا یا آپؐ کی دلآویز اور پر اثر باتیں سنیں یا آپؐ کے اخلاق کریمانہ کو مشاہدہ کیا اور بے دلیل و برہان آپؐ کی نبوت پر ایمان لے آئے (کیونکہ انہوں نے پہلے آپؐ کی نبوت کا چرچا تو سنا تھا لیکن اس دعویٰ کی صداقت نے ان کے دل میں پوری طرح گھر نہیں کیا تھا مگر جب اتفاق سے آپؐ کے دیدار کا ان کو موقع ملا تو قرائن حال اور آثار قیافیہ کے ذریعہ سے نیک و بد اور اچھے برے کی تمیز کا جو ایک خاص جوہر انسان میں ودیعت ہے اس نے فیصلہ کر دیا کہ یہ دعویٰ صحیح ہے یا غلط)

(۶) چھٹا طریقہ یہ ہے کہ جو روایت بیان کی جائے۔ اگر وہ سامع کے مزاج' اخلاق اور خواہش کے مطابق اور مناسب ہو تو اس کے صحیح تسلیم کر لینے میں اس کو کبھی پس و پیش نہ ہوگا۔ اس حصول یقین میں نہ تو حسن اعتقاد کی ضرورت ہے اور نہ قرائن و آثار کی تائید کی۔ یہ فطری اور طبعی مناسبت خود حصول یقین کے لیے کافی ہے (یہی سبب ہے کہ سابقین اسلام میں وہی صحابہؓ داخل ہیں جو فطرۃً نیک اور طبعاً راستی پسند اور جویائے حق تھے)

ان ہی مختلف طریقوں سے لوگ یقین اور اذعان کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرتے ہیں اور یہی طریقے غیبیات اور معجزات پر بھی یقین کرنے کے ہیں۔

معجزہ اور سحر کا فرق:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معجزہ سے جس طرح عجیب و غریب امور صادر ہوتے ہیں سحر' طلسم نیرنگ۔ شعبدہ سے بھی اس قسم کی باتیں دکھائی جا سکتی ہیں۔ سحر و طلسم کے الفاظ اگر اس بیسویں صدی میں مکروہ معلوم ہوں تو ان کے معنی مسمرائزم اور سپنوٹزم کے سمجھ لیے جائیں۔ ایسی صورت میں ایک پیغمبر اور ایک ساحر و شعبدہ باز اور مسمرائزر کے درمیان کیا فرق ہوگا؟ یہ سوال ہے جس پر علم کلام میں بڑی بڑی بحثیں ہیں' معتزلہ اور ارباب ظواہر میں علامہ ابن حزم کا یہ دعویٰ ہے کہ معجزہ کے علاوہ سحر و طلسم و شعبدہ وغیرہ جو چیزیں ہیں وہ صرف فریب نظر ہیں لیکن معجزہ سے قلب حقیقت اور تبدیل خاصیت ہو جاتی ہے۔ اشاعرہ سحر و طلسم کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ معجزہ سے جو عظیم الشان عجائب سرزد ہوتے ہیں' مثلاً سمندر کا خشک ہونا' چاند کا شق ہو جانا وغیرہ' یہ چیزیں سحر و طلسم کے زور سے نہیں ہو سکتیں' حکمائے اسلام کا مسلک یہ ہے کہ معجزہ اور سحر میں فرق یہ ہے کہ صاحب معجزہ اپنی قوت کو خیر میں صرف کرتا ہے اور ساحر شر میں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان جوابات سے اشکال کی اصل گرہ نہیں کھلتی' ایک شخص اپنے دعویٰ کے ثبوت میں بظاہر ایک خارق عادت کرشمہ پیش کرتا ہے' اب اس پر یہ بحث کہ یہ دھوکہ اور نظر بندی ہے یا رمز الٰہی ہے یا معمولی کام ہے یا عظیم الشان کارنامہ ہے نہایت مشکل ہے' کیونکہ ان اشیاء کے وقوع میں کوئی ظاہری امتیاز نمایاں نہیں ہو سکتا' نیز اس کا

Marfat.com

فیصلہ کہ یہ قوت خیر میں صرف ہوئی یا شر میں' یا یہ کہ ضروری ہے کہ خوارق عادت محل خیر میں صرف ہوں یا محل شر میں' اس کے علاوہ کوئی تیسری نہیں ہو سکتی بہت کچھ قابل بحث ہے۔ ایک مسمر یزر اپنی قوت سے بعض بیماریوں کو دور کر دیتا ہے اور اس سے غریبوں کا علاج کرتا ہے' یہ تو خیر اور نیکی کی چیز ہے تو کیا آپ اس کو معجزہ کہہ دیں گے؟

اصل یہ ہے کہ معجزہ اور دیگر عجائبات امور میں دو عظیم الشان فرق ہیں' ایک یہ کہ معجزہ براہ راست خدا کا فعل ہوتا ہے اور دوسرے عجائب امور اسباب طبعی ونفسی کے نتائج ہوتے ہیں' دوسرے یہ کہ معجزہ سے مقصود اعدائے دعوت الٰہی کی ہلاکت یا مبلغ رسالت کی تائید اور مومنین کا صادقین کی حمایت اور برکت ہوتی ہے' محض کھیل تماشہ شعبدہ بازی اور بازی گری اس کا مقصد نہیں ہوتی اور اب سب سے آخری شے جو ان دونوں کے درمیان حد فاصل بن جاتی ہے یہ ہے کہ ساحر و بازی گر و شعبدہ باز صرف تماشا' کرتب اور عجائبات دکھاتے ہیں اس کے ساتھ وہ اپنی زندگی کی پاکیزگی' ارادوں کی بے گناہی' دلوں کی طہارت اور صفائی' شریعت الٰہی کی تبلیغ' قلوب کے تزکیہ اور سیہ کاریوں کے قلع وقمع کے نہ وہ مدعی ہوتے ہیں اور نہ یہ خواص اور کارنامے ان سے ظاہر ہوتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کی معصوم زندگی' پاک اخلاق' مقدس اعمال اور دیگر پیغمبرانہ خصائص وکیفیات خود ان کی نبوت کی منادی کرتے رہتے ہیں' قدم قدم پر خدا ان کی دعوت کی تائید کرتا ہے' ان کی صدائے حق' جماعتوں اور قوموں اور ملکوں میں روحانی انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ ان کی سچائی اور صداقت پر ان کے سوانح حیات کا حرف حرف گواہ ہوتا ہے وہ سونے چاندی پر نہیں بلکہ دلوں پر اخلاص و ایثار اور صدق وصفا کی مہر لگاتے ہیں' ایک ساحر اور مسمر یزر خواص اشیاء میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے مگر کافر کو مومن' بدکار کو عفیف' بے باک کو متقی' بخیل کو فیاض' سخت کو نرم اور جاہل کو عالم نہیں بنا سکتا' وہ لوہے کو زر خالص کی صورت میں بدل سکتا ہے لیکن کسی زنگ آلود دل کو جلا نہیں دے سکتا۔

یہ ظاہری اشتباہ اور التباس صرف نبی اور ساحر و متنبی (جھوٹے پیغمبر) ہی میں نہیں ہے بلکہ دنیا کی ہر حقیقت اسی طرح اپنے مقابل سے مشتبہ اور ملی جلی ہوتی ہے۔ صبر اور بے حمیتی' توکل اور کاہلی' بخل اور کفایت شعاری' سخاوت اور اسراف' حق گوئی اور گستاخی' شجاعت اور تہور' ان کے ڈانڈے باہم اس قدر ملے ہوئے ہیں کہ انسان کی قوت ممیزہ کبھی کبھی دھوکہ کھا جاتی ہے' لیکن اہل نظر ان دونوں حقیقتوں کے ظاہری تشابہ سے فریب میں نہیں آتے۔ ان دونوں کی ظاہری شکل وصورت گو ایک ہو مگر ان دونوں کے خصائص و آثار اس درجہ متفاوت اور متمائز ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے حدود اور فرق و امتیاز کو فوراً پہچان لیتے ہیں۔ جب پیغمبر اپنا معجزہ اور جادوگر اپنا کرتب دکھاتے ہیں تو ظاہری حیرت زائی کے لحاظ سے عوام کے نزدیک ایک لمحہ کے لیے گو دونوں ایک ہوں مگر جب حقیقت کا پردہ چاک ہو جاتا ہے تو ایک اخلاق کا مجسمہ' پاکیزگی کا فرشتہ' شریعت کا حامل' گنہگاریوں کا طبیب اور قلوب کا معالج ہوتا ہے اور دوسرا محض تماشا گر یا شعبدہ باز یا مصنوعی حیلہ گر اور نقال۔

ایک عطائی اور طبیب حاذق' ایک معمولی سپاہی اور بہادر جنرل' ایک حرف شناس اور ماہر علوم' ایک مکار اور زاہد' ایک مصنوعی اور حقیقی صوفی کے درمیان شاید عوام کبھی فرق نہ کر سکیں' مگر جب ان دونوں کے آثار و خصائص اور علامات وقرائن باہم ملائے جائیں تو ظلمت ونور کی طرح ان دونوں میں علانیہ فرق محسوس ہو جاتا ہے۔ مولانائے روم نے اس

Marfat.com

فرق مراتب کو مثنوی میں نہایت عمدہ تشبیہات کے ذریعہ سے ظاہر کیا ہے فرماتے ہیں!

صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں
فرق شاں ہفتاد سالہ راہ بیں

اس طرح کی لاکھوں ہم شکل چیزیں ہیں، لیکن ان میں کوسوں کا فاصلہ ہے۔

ہر دو صورت گر بہم ماند رواست
آب تلخ و آب شیریں راصفاست

دونوں کی صورتیں اگر باہم مشابہ ہوں تو کچھ حرج نہیں، میٹھا اور تلخ پانی دونوں کا رنگ ایک ہی طرح صاف ہوتا ہے۔

ہر دو یک گل خوردہ زنبور و نحل
لیک شد زان نیش و زیں دگر عسل

بھڑ اور شہد کی مکھی ایک ہی پھول چوستی ہیں لیکن ایک سے زہر اور ایک سے شہد پیدا ہوتا ہے۔

ہر دو گوں آہو گیا خوردند و آب
زیں یکے سرگیں شدو ازاں مشکناب

دونوں قسم کے ہرن ایک ہی گھاس کھاتے ہیں اور ایک ہی پانی پیتے ہیں مگر اس سے مینگنی اور اس سے مشک پیدا ہوتا ہے۔

ہر دو نے خور دند از یک آب خور
آں یکے خالی و آں پر از شکر

دونوں قسم کی نے ایک پانی سے پرورش پاتی ہیں لیکن ایک مزہ سے خالی اور دوسرے سے شکر پیدا ہوتی ہے۔

ایں خورد زائد، ہمہ بخل و حسد
و آں خورد آید ہمہ نور احد

ایک آدمی غذا کھاتا ہے تو اس سے بخل و حسد پیدا ہوتا ہے اور دوسرا وہی غذا کھاتا ہے تو اس سے خدائی نور پیدا ہوتا ہے۔

ایں زمیں پاک ست و آں شورست دید
ایں فرشتہ پاک و آں دیواست رود

یہ زمین سیر حاصل ہے اور وہ بری اور بنجر ہے، یہ مقدس فرشتہ ہے اور وہ شیطان اور جانور۔

بحر تلخ و بحر شیریں درمیان
درمیان شان "برزخ لایبغیان"

Marfat.com

شیریں اور تلخ سمندر ملے ہوئے ہیں مگران کے درمیان ایک حد فاصل ہے جس سے تجاوز نہیں کر سکتے۔

زر قلب و زر نیکو درعیار
بے محک ہرگز نہ دانی ز اعتبار

کھوٹے اور کھرے سونے کی تمیز' کسوٹی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

صالح و طالح بہ صورت مشتبہ
دیدہ بکشائی کہ گردی منتبہ

نیک اور بدکار کی صورتیں ملتی جلتی ہیں' آنکھیں کھولو تو تمیز ہو سکے گی۔

بحر رانیمیش شیریں چوشکر
طعم شیریں' رنگ روشن چوں قمر

دریا کا آدھا حصہ شکر کی طرح شیریں ہے' مزا میٹھا اور رنگ چاند کی طرح سپید ہے۔

نیم دیگر تلخ ہم چو زہر مار
طعم تلخ و رنگ مظلم قیر دار

دوسرا نصف حصہ سانپ کے زہر کی طرح ہے مزہ کڑوا اور رنگ تارکول کی طرح سیاہ ہے۔

اے بسا شیریں کہ چوشکر بود
لیک زہر اندر شکر مضمر بود

بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو شکر کی طرح میٹھی ہیں لیکن اس کے باطن میں زہر چھپا ہوا ہے۔

جز کہ صاحب ذوق نشناسد بیاب
اوشناسد آب خوش از شور آب

صاحب ذوق کے سوا اور کون پہچان سکتا ہے وہی تمیز کر سکتا ہے کہ یہ پانی میٹھا ہے اور یہ کھاری۔

جز کہ صاحب ذوق بشناسد طعوم
شہد را ناخوردہ کے دانی زموم

صاحب ذوق کے سوا مزہ کی تمیز اور کون کر سکتا ہے جب تک شہد کو نہ کھاؤ موم اور شہد میں کیونکر تمیز کر سکتے ہیں۔

سحر را با معجزہ کردہ قیاس
ہر دو را بر مکر پندارد اساس

اس نے سحر کو معجزہ پر قیاس کیا اور سمجھا کہ دونوں کی بنیاد فریب پر ہے۔

زر قلب و زر نیکو درعیار
بے محک ہرگز نہ دانی ز اعتبار

Marfat.com

تم کھوٹے اور کھرے سونے کی کسوٹی کے بغیر تمیز نہیں کر سکتے۔

ہر کرا در جان خدا بنہد محک
ہر یقین را باز داند او زشک

خدا نے جس کی روح میں کسوٹی رکھی ہے وہی یقین اور شک میں تمیز کر سکتا ہے۔

چوں شود از رنج و علت دل سلیم
طعم صدق و کذب را باشد علیم

جب آدمی کے دل میں بیماری نہیں ہوتی تو وہ صدق اور کذب کے مزے کو پہچانتا ہے۔

اب صرف یہ شبہ رہ جاتا ہے کہ جو قوت حیرت زا خوارق کی قدرت رکھتی ہے اس کا رخ بھی نہایت آسانی کے ساتھ بدلا جا سکتا ہے، یعنی ساحر بے تکلف اپنی ساحرانہ قوت کو دنیا کے تزکیہ اخلاق و اصلاح عالم میں صرف کر سکتا ہے اور اس سے کوئی محال عقلی لازم نہیں آتا، لیکن امکان عقلی اور امکان واقعی دو مختلف چیزیں ہیں۔

یہ عقلاً ممکن ہے کہ ہر شخص بادشاہ ہو سکتا ہے، عالم عصر ہو سکتا ہے، کشور کشا ہو سکتا ہے مگر واقعاً اور عملاً یہ قدرت ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتی۔

اس لیے ساحر محض ایک تماشہ گر ہوتا ہے، اس میں یہ قدرت ہی نہیں ہوتی کہ وہ اس قوت سے تزکیہ نفوس تطہیر اخلاق اور اصلاح عالم کا کام لے سکے، یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی ساحر اور شعبدہ گر نے اصلاح عالم کا فرض ادا نہیں کیا، لیکن پیغمبر اپنے معجزانہ کارناموں سے دنیا کو الٹ دیتا ہے، بدی کے کانٹوں کو ہٹا کر نیکی کے گل و ریحان سے اس خاک دان عالم کو سجا دیتا ہے۔

معجزہ دلیل نبوت ہو سکتا ہے یا نہیں:

اسی تقریر سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ معجزہ دلیل نبوت ہے یا نہیں؟ اشاعرہ کا جواب اثبات میں اور معتزلہ کا نفی میں ہے، اس مسئلہ پر سب سے زیادہ سیر کن بحث ابن رشد نے ''کشف الادلہ'' میں کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ معجزہ دلیل نبوت نہیں ہو سکتا، کیونکہ منطقیانہ حیثیت سے دعویٰ اور دلیل میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے اور معجزہ اور نبوت میں کسی قسم کی مناسبت نہیں پائی جاتی۔ مثلاً جب ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے قوم کے عقائد و اعمال اور اخلاق کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوا ہے لیکن جب اس سے اس دعویٰ کی تصدیق کے لیے دلیل طلب کی جاتی ہے تو وہ خشک چشمے کو پانی سے لبریز کرتا ہے، چاند کو ٹکڑے کر دیتا ہے، لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہے، یہ تمام واقعات اگرچہ نہایت عجیب و غریب ہیں لیکن ان دلائل کو دعویٰ کے ساتھ کیا مناسبت ہے۔

فرض کیجیے کہ ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ فلسفہ و ریاضی کا بہت بڑا ماہر ہے اور اس کے ثبوت میں انسان کو جانور اور جانور کو انسان بنا دیتا ہے تو اس واقعہ سے اس کے فلسفہ اور ریاضی کا کمال کیونکر ظاہر ہو سکتا ہے اشاعرہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ نبوت علم و عمل کے مجموعہ کا نام ہے اور جو شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کی نسبت یہ تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ وہ ان دونوں چیزوں میں کمال رکھتا ہے اور اس کمال کے اظہار کے لیے معجزہ طلب کیا جاتا ہے اور انبیاء کے

Marfat.com

معجزات اگرچہ مختلف قسم کے ہوتے ہیں تاہم ان کو صرف دو نوع میں شمار کیا جاتا ہے' اخبار بالغیب اور تصرف فی الکائنات اور ان دونوں کو اجزائے نبوت کے ساتھ ربط و اتحاد ہے۔ اخبار بالغیب سے اس کے علمی کمالات کا اظہار ہوتا ہے اور تصرف فی الکائنات سے اس کی عملی قوت ظاہر ہوتی ہے۔ ایک اور مناسبت یہ ہے کہ معجزہ خرق عادت کا نام ہے' اس میں کوئی نزاع نہیں کہ اشیاء اور حقائق کے خصائص اور علل' خدا کے امر و حکم سے ہیں' اب جو شخص ان خصائص و علل کو اپنے معجزہ سے توڑ دیتا ہے' وہ گویا اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ جس برتر ذات نے ان اسباب و علل کو بنایا ہے وہی اس کو توڑ سکتی ہے اور یہ شکست و خرق چونکہ اس کے واسطہ سے ظاہر ہوا ہے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسی کا فرستادہ ہے' اس کی مثال یہ ہے کہ ایک بادشاہ اپنی رعایا کے پاس قاصد بھیجتا ہے۔ رعایا پوچھتی ہے کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم بادشاہی قاصد ہو؟ وہ اس کے جواب میں بادشاہ کی انگوٹھی اور مہر پیش کرتا ہے' اگرچہ ظاہر ہے کہ قاصد کے دعوائے پیامبری کو مہر اور انگوٹھی سے براہ راست کوئی مناسبت نہیں' لیکن یہ مناسبت یوں ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ مہر اور انگوٹھی بادشاہی کی نشانی ہے جو ایک معمولی قاصد کے ہاتھ میں نہیں ہو سکتی' اس سے معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے نشانی دے کر بھیجا گیا ہے۔

علم کلام کی کتابوں میں ایک عام مثال یہ دی جاتی ہے کہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ شاہی دربار اور جلوس کے رسوم و آداب خاص ہوتے ہیں' بادشاہ دربار میں معمولی فرش پر نہیں بلکہ طلائی و نقرئی تخت پر بیٹھتا ہے' جلوس میں وہ پاپیادہ نہیں بلکہ سوار ہو کر نکلتا ہے' ایک شخص بادشاہ کی طرف سے قاصد بن کر مجمع عام میں آتا ہے' یہ مجمع اس کو شاہی پیامبر تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے' قاصد بادشاہ سے کہتا ہے کہ اے بادشاہ! اگر میں حقیقۃً تیرا فرستادہ ہوں تو رسم و عادات کے خلاف تو فرش پر جلوس فرما اور پیادہ پا نکل' بادشاہ اس کے مطابق دربار میں فرش پر جلوس کرتا ہے اور پیادہ پا چلتا ہے' بادشاہ کا یہ عمل یقیناً اس بات کی تصدیق ہوگی کہ وہ شاہی قاصد ہے' اسی طرح دنیا کے اسباب و علل' اس دنیا میں خدا کی بادشاہی کے رسوم و عادات ہیں' پیغمبر اس بات کا مدعی ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے آیا ہے' کفار اس کے قاصد الٰہی ہونے سے انکار کرتے ہیں' وہ کہتا ہے اے خدا! اگر میں حقیقتاً تیرا فرستادہ ہوں تو اپنے رسوم و عادات کے خلاف معجزہ اور خرق عادت دکھا' وہ دکھاتا ہے' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خدا کی طرف سے آیا ہے۔

لیکن معجزہ اگر دلیل نبوّت ہے تو منطقی حیثیت سے یہ کس قسم کا استدلال ہے' ظاہر ہے کہ اس کو برہان یقینی نہیں کہا جا سکتا تاہم دلیل کا انحصار صرف برہانیت میں نہیں ہے بلکہ اس کی اور بھی متعدد قسمیں ہیں اور معجزہ ان مقدمات میں داخل ہو سکتا ہے' ابن رشد نے کشف الادلہ میں معجزہ کو خطابیات میں داخل کیا ہے' یعنی معجزہ اگرچہ نبوت پر بالذات یقینی طور پر دلالت نہیں کرتا' تاہم جب کوئی پیغمبر سلسلہ کائنات میں عجیب و غریب تصرف کرتا ہے تو اس کو دیکھ کر ہر شخص اس کے کمال روحانی کا اعتراف کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جو شخص ان عظیم الشان تصرفات کی قدرت رکھتا ہے وہ ضرور اپنے دعویٰ میں صادق ہوگا' ان دونوں نتائج یعنی تصرف فی الکائنات اور اصلاح روحانی میں اگرچہ باہم کوئی تلازم نہیں تاہم عوام کی دل فریبی کے لیے یہ کافی ہے' لیکن اس سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ جدل ہے جس میں مُسلّمات خصم سے استدلال کیا جاتا ہے اور تاریخی حیثیت سے معجزات کو قیاس جدل کہنا زیادہ موزوں ہوگا' زمانۂ قدیم سے یہ خیال

Marfat.com

چلا آتا ہے کہ جو لوگ پیغمبر ہوتے ہیں' ان میں کوئی نہ کوئی مافوق الفطرت قوت ضرور ہوتی ہے اور وہی پیغمبر کو عام لوگوں سے ممتاز کرتی ہے۔ اس بناپر جب کوئی پیغمبر کسی قوم میں مبعوث ہوتا ہے تو اس موروثی اور مسلمہ عقیدہ کی بناء پر تمام لوگ اس سے معجزہ طلب کرتے ہیں اور پیغمبر کو مجبوراً دکھانا پڑتا ہے' یہ معجزہ اگر چہ ایک فلسفی کے لیے دلیل و حجت نہیں ہو سکتا' تاہم جو لوگ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ معجزہ دلیل نبوت ہے اور ان ہی کے طلب و اسرار سے اس معجزہ کا ظہور ہوا ہے' ان کو اس کے ذریعہ سے ساکت کیا جا سکتا ہے اور وہ ان کے لیے دلیل ہو سکتا ہے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان اس بحث میں خلط مبحث ہو گیا ہے۔ اشاعرہ کا یہ کہنا کہ معجزہ دلیل نبوت ہے' اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ منطقی دلیل ہے اور معتزلہ کا اعتراض اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب اشاعرہ اس کو منطقی دلیل کہیں' دلیل کا لفظ یہاں منطقی محاورہ میں نہیں بلکہ عام اور لفظی معنی (نشان) میں استعمال ہوا ہے' اس بناپر جب معجزہ سرے سے دلیل منطقی ہی نہیں تو یہ تلاش کہ وہ انواع دلیل کی کس قسم میں داخل ہے' بے سود ہے' چنانچہ اشاعرہ خود کہتے ہیں کہ معجزہ کی دلالت نبوت پر دلالت عقلی نہیں بلکہ عادی ہے' شرح مواقف بحث معجزات میں ہے۔

و هذه الدلالة ليست دلالة عقلية محضة كدلالة الفعل على وجود الفاعل و دلالة احكامه و اتقانه على كونه عالما بما صدر عنه فان الادلة العقلية ترتبط نفسه بمدلولاتها و لا يجوز تقديرها غير دالة عليها و ليست المعجزة كذلك بل هى دلالة عادية كما اشار اليه بقوله و هى عندنا اى الاشاعرة اجراء الله عادته بخلق العلم بالصدق عقيبة اى عقيب ظهور المعجزات.

''معجزہ کی دلالت نبوت پر محض دلالت عقلی نہیں ہے جیسے فعل کی دلالت وجود فاعل پر یا فعل کے استحکام و نظم کی دلالت فاعل کے علم پر عقلی ہے کیونکہ دلائل عقل اپنے مدلولات کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں اور یہ فرض ناممکن ہے کہ وہ اپنے مدلول پر دال نہ ہوں اور معجزہ کی دلالت کی صورت ایسی نہیں ہے بلکہ معجزہ کی دلالت' دلالت عادیہ ہے جیسا کہ صاحب مواقف نے اپنے ان لفظوں میں کہا ہے کہ یہ دلالت ہمارے (اشاعرہ کے نزدیک) اس بناپر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جب معجزہ صادر ہوتا ہے تو صاحب معجزہ کی سچائی کا علم وہ لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیتا ہے۔''

آج کل کے محاورۂ علمی میں اشاعرہ کے اس قول کی تشریح کہ معجزہ کی دلالت عقلی نہیں بلکہ عادی ہے یہ ہے کہ معجزہ منطقی نہیں بلکہ نفسیاتی (سائیکالوجیکل) دلیل ہے' عادت انسانی یہ ہے کہ جب کسی شخص سے کوئی غیر معمولی کارنامہ ظہور پذیر ہوتا ہے تو نفوس اس کی عظمت و کبریائی کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں' جب ایک شخص عام انسانی حالت سے بلند تر سطح میں آ کر منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور خوارق عادت اس سے ظاہر ہوتے ہیں۔ تو عام متاثر طبع فوراً اس کے دعویٰ کو تسلیم کر لیتے ہیں۔

آج گو نبوت نہیں مگر ولایت ہے' آج بھی جس شخص کی نسبت باخدا اور ولی کامل ہونے کا خیال لوگوں میں ہوتا ہے تو فوراً یہ سوال ہوتا ہے کہ ان سے کچھ کرامتیں بھی صادر ہوتی ہیں۔؟ اگر جواب ہاں میں ملا اور خود ذاتی مشاہدہ بھی

Marfat.com

ہوا تو اس شخص کی نسبت حسن اعتقاد بڑھ جاتا ہے یہ عام تقاضائے انسانی ہے اس میں مومن و کافر عقل مند و بیوقوف اور زنگی و فرنگی کی کوئی تخصیص نہیں۔ لیکن جو طبیعتیں فطرتاً اثر پذیر نہیں بلکہ معاند متعصب اور کور باطن ہیں ان کے لیے یہ خوارق و معجزات قطعاً بے سود ہوتے ہیں کیونکہ ان کا عناد تعصب اور کور باطنی حسن ظن کے بجائے ہمیشہ سوء ظن کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور وہ بڑے سے بڑے معجزہ کو دیکھ کر بھی یہی کہہ دیتے ہیں کہ یہ سحر و جادو اور طلسم و نیرنگ ہے اس لیے صحیح راستہ یہ ہے کہ مدعی نبوت کے اخلاق خلوص پاکیزگی و طہارت کا امتحان کیا جائے جس میں یہ باتیں ثابت ہو جائیں گی عادۃً ناممکن ہے کہ وہ کاذب اور جھوٹا ہو امام غزالی نے منقذ میں امام رازی نے مطالب عالیہ میں اور عارف روم نے مثنوی میں نہایت تفصیل سے اس بحث کو لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ نبوت کی اصلی دلیل معجزہ نہیں بلکہ تعلیم وارشاد اور قوت علم وعمل کا کمال ہے۔

امام غزالی کی تقریر:

نبوت کے کچھ آثار وخواص ہیں اگر کسی شخص کی نسبت یہ شبہ ہو کہ یہ پیغمبر ہے یا نہیں؟ تو اس کا علم صرف اس کے احوال کی معرفت سے ہو سکتا ہے یہ معرفت یا تو ذاتی مشاہدہ سے حاصل ہو جیسی صحابہؓ کو تھی یا خبر متواتر سے اور سن کر ہو جیسی اب عام لوگوں کی ہے نبوت کے آثار و کیفیات کی ذوق شناسی جس میں ہوتی ہے وہی آمادہ تصدیق ہوتا ہے مثلاً اگر تم کو طب اور فقہ سے کچھ واقفیت ہے اور ان کا ذوق رکھتے ہو تو جو شخص فقیہ اور طبیب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تم اس کے احوال کو دیکھ کر اور اس کی باتیں سن کر فوراً یہ فیصلہ کر سکتے ہو کہ یہ طبیب یا فقیہ ہے یا نہیں اور اسی طرح تم امام شافعی کی فقاہت اور جالینوس کی طبابت کی تصدیق تقلید سے نہیں بلکہ اپنی ذاتی تحقیق سے کر سکتے ہو گو آج امام شافعی اور جالینوس کا وجود نہیں مگر ان کے سوانح اور تصنیفات پڑھ کر اب بھی تم کہہ سکتے ہو کہ امام شافعی فقیہ کامل اور جالینوس طبیب حاذق تھے یا نہیں اسی طرح گو آنحضرت ﷺ ہمارے درمیان نہیں مگر آپؐ کی سیرت مبارکہ آپؐ کی شریعت آپؐ کی تعلیمات آپؐ کے ارشادات موجود ہیں جن سے آپؐ کی نبوت کی تصدیق ہر شخص کر سکتا ہے اسی معیار سے کسی مدعی نبوت کے دعویٰ پر یقین کرنا چاہیے لاٹھی کے سانپ اور قمر کے شق ہونے سے نہیں کیونکہ اگر ان خوارق پر نظر ڈالو اور دوسرے بے شمار قرائن اور شہادتوں کو ان کے ساتھ نہ ملاؤ تو ممکن ہے کہ یہ خطرہ پیدا ہو کہ یہ جادوگری اور نظر بندی ہے۔ (۱)

امام رازیؒ کی تقریر:

امام رازی نے مطالب عالیہ میں نبوت اور متعلقات نبوت کی بحث سب سے زیادہ استیعاب سے لکھی ہے ان کی تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ نبوت تسلیم کرتے ہیں ان میں دو جماعتیں ہیں ایک کا مذہب یہ ہے کہ نبوت کی دلیل معجزہ ہے یہ جمہور اہل مذاہب کا مسلک ہے دوسرا مذہب یہ ہے کہ سب سے پہلے ہم کو خود غور کرنا چاہیے کہ صداقت و راستی کیا ہے اس کے بعد ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں جو نبوت کے دعویٰ کے ساتھ لوگوں کو دین حق کی دعوت دیتا ہے اس کی دعوت موثر ہوتی ہے اور وہ لوگوں کو باطل پرستی سے ہٹا کر حق پرستی کی طرف لا رہا ہے تو ہم یقین کر لیں گے کہ یہ سچا

(۱) المنقذ من الضلال ص ۳۵ ۳۶ مصر۔

Marfat.com

پیغمبر ہے یہ مذہب عقل سے قریب تر ہے اور اس راہ میں شکوک وشبہات کم ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسانیت کا کمال، قوت علمی وعملی کی تصحیح تکمیل اور تزکیہ ہے، اس قوت کے لحاظ سے انسان کے تین طبقے ہیں، ایک وہ جو اس میں ناقص ہے یہ عام انسان ہیں، دوسرا وہ جو خود کامل ہے مگر دوسروں کو کامل نہیں بنا سکتا، یہ خواص اور صلحاء کا درجہ ہے، تیسرا وہ جو خود کامل ہے مگر دوسروں کو بھی کامل کر دیتا ہے، یہ انبیاء ہیں، اس کمال ونقص کے ہزاروں متفاوت درجے اور مرتبے ہیں اور انہی کے لحاظ سے ان کی قوت ومرتبہ کا اندازہ ہوگا، ان کی قوت علمی کے سامنے تمام مقدمات بدیہی ہوتے ہیں اور معارف الٰہی پر ان کو عبور ہوتا ہے اور ان کی قوت عملی اس عالم جسمانی میں تصرفات کرتی ہے اور یہی معجزات کا مقصد ہے۔ اس قوت علمی وعملی کے کمال کے ساتھ یہ نظر آتا ہے کہ وہ ان دونوں کو جو ان لوگوں میں پست اور ناقص ہیں اپنے فیض صحبت اور فیض تعلیم سے کامل کر دیتے ہیں اور امراض قلبی کا وہ علاج کرتے ہیں تو یہی ان کی نبوت کی دلیل ہے۔

امام رازی نے اس تفصیل کے بعد یہ دعویٰ کیا ہے کہ اثبات نبوت کا یہی طریقہ قرآن مجید نے اختیار کیا ہے اور چند سورتوں کی تفسیر لکھ کر دکھایا ہے کہ ان میں نبوت کے یہی آثار وخصائص بیان ہوئے ہیں۔ (1)

مولانا رومؒ کے حقائق:

مولانا روم نے اس بحث کو عمدہ تشبیہات اور تمثیلات سے اس درجہ قریب الفہم بنا دیا ہے کہ تمام شکوک وشبہات رفع ہو جاتے ہیں، اس سے پہلے مولانا کے وہ اشعار لکھے جا چکے ہیں جن میں یہ دکھایا ہے کہ نبوت کی تصدیق کے لیے سب سے پہلی چیز حسن ذوق ہے، آب شیریں اور آب شور، صورت وشکل اور رنگ وبو دونوں میں ایک ہوتے ہیں، مگر صرف صاحب ذوق ان دونوں کا فرق محسوس کر سکتا ہے۔ اسی طرح نبی اور متنبی گو ظاہری شکل وصورت اور دعوائے نبوت میں یکساں نظر آتے ہیں مگر صاحب ذوق ان دونوں کے آثار وخصائص سے فوراً تمیز کر لیتا ہے۔

جز کہ صاحب ذوق بشنا سد بیاب	غور کرو! صاحب ذوق کے سوا اور کون پہچان سکتا ہے
او شناسا آب خوش از شور آب	وہی تمیز کر سکتا ہے کہ یہ پانی میٹھا ہے اور یہ کھاری ہے
جز کہ صاحب ذوق شنا سد طعوم	صاحب ذوق کے سوا مزے کی تمیز اور کون کر سکتا ہے؟
شہد را ناخوردہ کے دانی زموم	اگر شہد نہ کھایا ہو تو موم اور شہد میں تمیز کیوں کر کر سکتے ہو
سحر را بامعجزہ کردہ قیاس	اس نے سحر کو معجزے پر قیاس کیا اور یہ سمجھا کہ ان دونوں کی
ہر دو را بر مکر پندار و اساس	بنیاد فریب پر ہے۔
زر قلب و زر نیکو در عیار	تم کھرے اور کھوٹے سونے کا فرق کسوٹی پر پرکھے بغیر نہیں
بے محک ہرگز نہ دانی نہ اختیار	رہ سکتے۔
ہر کرا در جاں خدا نہد محک	خدا نے جس کی روح میں یہ کسوٹی رکھی ہے۔

(1) مطالب عالیہ کا پیش نظر نسخہ ناقص ہے، یہ فصل راغب پاشا نے اپنے سفینہ میں یہ تمام کمال نقل کی ہے اور مولانا شبلی نے الکلام کے ضمیمہ میں اس کو شائع کر دیا ہے، دیکھو سفینہ راغب پاشا، مطبوعہ مصر ص ۲۷۷۔

Marfat.com

بہر یقین را باز داند او زشک — وہی یقین اور شک میں تمیز کرسکتا ہے۔
چوں شود از رنج و علت دل سلیم — جب آدمی کا دل بیماری سے پاک ہو۔
طعم صدق و کذب را باشد علیم — تو وہ صدق و کذب کے مزہ کو پہچان لے گا۔

دوسری چیز طلب ہے' جب تک دل میں کسی چیز کی طلب نہیں ہوتی' اس کی طرف التفات نہیں ہوتا۔ جس کا دل صداقت وراستی کا بھوکا نہیں وہ غذائے روحانی کا طالب نہیں اور جب دل میں طلب اور روح میں بے قراری پیدا ہو جاتی ہے اس وقت وہ دلیل و برہان کے لفظی مباحث سے بہت بلند ہو جاتا ہے' کسی کو اگر پیاس ہو اور وہ تم سے پانی طلب کرے اور تم پانی کے گلاس کی طرف اشارہ کرو کہ یہ پانی ہے تو کیا وہ تمہارے اس دعویٰ پر دلیل مانگے گا کہ پہلے یہ ثابت کرو کہ یہ پانی ہے؟ نہیں بلکہ وہ بلا دلیل نہایت شوق سے اپنا ہاتھ بڑھائے گا اور پانی پینے لگے گا۔

تشنہ راچوں بگوئی روشتاب — جب کسی پیاسے کو کہو کہ جلد جاؤ۔
در قدح آب است بشاں زود آب — دیکھو وہ پیالہ میں پانی ہے۔
ہیچ گوید تشنہ کیں دعویٰ است رو — کیا کوئی اس وقت پیاسا یہ کہتا ہے کہ۔
از برم! اے مدعی مہجور شو — یہ فقط تمہارا دعویٰ ہے چلو ہٹو۔
یا گواہ و حجتی بنما کہ ایں — یا کیا وہ یہ کہتا ہے کہ پہلے اس دعویٰ کی دلیل لاؤ
جنس آب است و ازاں ماءمعین — کہ یہ پانی ہے۔
یا بہ طفل شیر مادر بانگ زد — یا جب شیرخوار بچہ کو اس کی ماں بلا کر کہتی ہے کہ اے
کہ بیا من مادرم ہاں اے ولد — بچہ میں تیری ماں ہوں
طفل گوید مادرا حجت بیار — تو بچہ یہ کہتا ہے اپنی ماں ہونے پر دلیل پیش کر و تب
تاکہ باشیرت بہ گیرم من قرار — میں تمہارا دودھ پیوں گا
در دل ہر امتی کز حق مزہ است — جس کے دل میں حق کا مزہ ہوتا ہے' اس کے لیے
روے و آوازِ پیغمبر معجزہ است — خود پیغمبر کا چہرہ اور پیغمبر کی آواز معجزہ ہوتی ہے
چوں پیمبر از بروں بانگے زند — جب پیغمبر باہر سے آواز بلند کرتا ہے تو
جان امت در دروں سجدہ کند — امت کی روح اندر ہی اندر سجدہ کرتی ہے
زانکہ جنس بانگ او اندر جہاں — سبب یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں اس کی آواز کی سی کوئی
از کسے نشنیدہ باشد گوش جاں — آواز روح کے کانوں نے اس سے پہلے نہیں سنی تھی۔

تیسری چیز اتحاد جنسیت ہے' معجزات کا مقصد عموماً معارض کو لاجواب اور خاموش کرنا ہوتا ہے' لاجواب و خاموش کر کے تم خصم کو زیر کر سکتے ہو مگر اس کے دل میں تشفی نہیں پیدا کر سکتے' صحیح طریقہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں سچائی اور راستی کا عنصر ہے وہ خود اپنی ہم جنس شے کے طلب گار اور خریدار ہوتے ہیں۔

موجب ایمان نباشد معجزات — بوئے جنسیت کند جذب صفات

Marfat.com

درحقیقت معجزات ایمان کا باعث نہیں ہوتے بلکہ اتحاد جنسیت کی بواس کے صفات کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

معجزات از بہر قہر دشمن است بوئے جنسیت سوئے دل بردن است

معجزات تو مخالف کو دبانے کے لیے ہوتے ہیں اور اتحاد جنسیت کی بو دل کو متاثر کرنے کے لیے ہے۔

قہر گرد و دشمن اما دوست نے دوست کے گردد بہ بستہ گرد نے

دبا کر تم دشمن کو زیر کر سکتے ہو مگر دوست نہیں بنا سکتے جس کو زبردستی گردن باندھ کر زیر کرو وہ دوست کیونکر ہو سکتا ہے۔

معجزات کا صدور اکثر اس طرح ہوتا ہے کہ معاندین یہ سمجھ کر کہ پیغمبر کاذب ہے اس سے کسی خرق عادت کا مطالبہ کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ وہ اس کو پیش نہیں کر سکتا اور اس طریقہ سے لوگوں میں اس کی رسوائی ہوگی اور اس کے دعویٰ کی تکذیب ہو جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ اس خرق عادت کو ظاہر کر دیتا ہے اور اس سے پیغمبر کی رسوائی اور فضیحت کے بجائے اس کی صداقت اور راست بازی اور عالم آشکارا ہو جاتی ہے اور اس بناء پر معجزہ اس کے صدق پر ایک نشانی اور آیت بن جاتی ہے' فرعون نے جادوگروں کو جمع کر کے چاہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسوا کرے' مگر یہی واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی اور فرعون کی ناکامی کا سبب بن گیا اور سینکڑوں جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر صدائے لبیک بلند کر دی۔ اس بنا پر معاندین کا وجود اعلان نبوت کی بلند آہنگی اور شہرت کے لیے ضروری ہے۔

منکراں را قصد از لال نقات ذل شدہ عزو ظہور معجزات

مخالفوں کا یہ ارادہ کہ طلب معجزہ سے نیکو کاروں کو لغزشیں دے دیں ان کی ذات اور معجزات کے غلبہ پر عزت کا باعث ہوگا۔

قصد شان زاں کار ذل ایں بدوہ عین ذل! عزہ رسولاں آمدہ

ان کا ارادہ اس طلب معجزہ سے پیغمبر کی ذلت تھی لیکن یہی تذلیل کا ارادہ پیغمبروں کی عزت کا باعث ہو جاتا ہے

گر نہ انکار آمدے از ہر بدے معجزہ برہان چرا نازل شدے

اگر کوئی بدکار پیغمبر کا انکار نہ کرتا تو معجزہ برہان بن کر کیوں نازل ہوتا۔

خصم منکر تانہ شد مصداق خوا کے کند قاضی تقاضائے گواہ

جب تک فریق دوم دعویٰ سے منکر اور خواہان تصدیق نہ ہو قاضی گواہ و شاہد کب طلب کرتا ہے؟

معجزہ ہمچو گواہ آمد زکی! بہر صدق مدعی در پیشگی

اسی طرح اے عقل مند! معجزہ بھی پیغمبر کا گواہ ہے۔ جو مدعی کی تصدیق کے لیے سامنے آیا ہے۔

طعنہ چوں آمد از ہر ناشناخت معجزہ می داد حق و بنو اخت

Marfat.com

جب کوئی ناشناس طعنہ کرتا تھا تو پیغمبر کو معجزہ دے کر نوازش فرماتا تھا

مکر آں فرعون سی صد تو شدہ جملہ ذل او وقمع اوشدہ

فرعون موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں سینکڑوں چالیں چلا مگران میں سے ہر ایک خود اس کی ذلت اور بیخ کنی کا باعث ہوئی

ساحراں آورد حاضر نیک وبد تا کہ جرح معجزہ موسیٰ کند

اس نے اچھے برے ہر قسم کے جادوگر جمع کیے تا کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو باطل کر دے

تا عصا را باطل و رسوا کند اعتبار او زدلہا بر کند

اور عصائے موسیٰ علیہ السلام کی قوت کو باطل ورسوا کرے اور لوگوں کے دلوں سے اس کے اعتبار کو کھوئے

عین آں مکر آیت موسیٰ شدہ اعتبار آں عصا بالا شدہ

لیکن عین یہی سازش موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی نشانی ہوگئی اور اس سے اس عصا کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی

معجزہ سے مقصود اگر معاندین کو خاموش اور رسوا کرنے کے علاوہ ان کے دلوں کو متاثر کرنا ہوتا تو اس کے لیے اس کی ضرورت نہ تھی کہ عصا کو سانپ بنایا جائے اور قمر کو دو ٹکڑے کر دیا جائے اور اس کے ذریعہ سے قلوب کو متاثر کیا جائے' ان جمادات و نباتات پر تصرف کر کے قلوب میں تصرف کرنے سے زیادہ صاف اور سیدھا راستہ یہ تھا کہ براہ راست خود دلوں میں تصرف کیا جائے کہ وہ صدائے نبوت کے سننے کے ساتھ لبیک پکار اٹھیں معاندین کا معجزہ طلب فرقہ جو انبیاء سے جمادات و نباتات پر ان کے اثرات کا طالب ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے قبول ایمان پر آمادگی ظاہر کرتا ہے' خود ان کی یہ طلب' ان کے ضمیر کی پستی اور قلب کی سیاہی کی دلیل ہے جن کے آئینہ دل پاک وصاف ہوتے ہیں' وہ بلا واسطہ' جمادات ونباتات پیغمبر سے براہ راست خود اثر کو قبول کرتے ہیں اس کے علاوہ معجزہ سے ہر شخص کو ہدایت نہیں ملتی' اس کے لیے بھی استعداد کی ضرورت ہے' دریا کی طراوت اور اس کے روح افزا ہونے میں شک نہیں' لیکن اس میں خشکی کے پرند زندہ نہیں رہ سکتے۔

معجزہ کاں برجما داتے اثر یا عصا یا بحر یا شق القمر

معجزہ جو بے جان چیزوں پر اثر وتصرف کرتا ہے مثلاً عصا کا سانپ ہو جانا' سمندر کا پھٹ جانا' چاند کا دو ٹکڑے ہونا۔

گر اثر بر جاں زندہ بے واسطہ متصل گردد بہ پنہاں رابطہ

اگر وہ معجزہ براہ راست روح کو متاثر کرے تو اندر اندر روح سے اس کا رابطہ پیدا ہو۔

بر جمادات آں اثر ہا عاریہ است آں پئے روح خوش متواریہ است

لیکن غیر ذی روح چیزوں پر اس کا اثر عاریۃً ہے اور روح کے لیے پوشیدہ ہے۔

تا ازاں جامد اثر گیرد ضمیر حبذا اناں بے ہیولائے خمیر

Marfat.com

مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس غیر ذی روح شے کی اثر پذیری کو دیکھ کر روح انسانی اثر پذیر ہو۔

برزند از جان کامل معجزات بہ ضمیر جان طالب چوں حیات

لیکن معجزہ روح کامل کو خود بے واسطہ اور براہ راست متاثر کرتا ہے اور طالب کے لیے زندگی ہوتا ہے۔

معجزہ بحر است و ناقص مرغ خاک مرغ خاکی رفت دریم شد ہلاک

معجزہ کی مثال دریا کی ہے اور ناقص کی خشکی کے پرندہ کی' خشکی کا پرندہ دریا میں جائے تو ڈوب جائے گا۔

مرغ آبی دروے ایمن از ہلاک ماہیاں را مرگ بے دریاست خاک

لیکن آبی پرندہ اس مین جائے تو موت سے بے پروا رہے گا بلکہ مچھلیوں کے لیے تو دریا کے بغیر خشکی موت ہے۔

الغرض ناقصین اور معاندین کے لیے جس طرح صدق نبوت کے دوسرے دلائل بے کار ہوتے ہیں' معجزہ کی شہادت بھی بیکار ہوتی ہے' معجزہ طلب فرقہ شاذ و نادر ہی دولت ایمان پاتا ہے لیکن وہ ہستیاں جو براہ راست پیغمبر کے وجود سے اثر پذیر ہوتی ہیں' ان کو قبول اثر کے لیے معجزہ کے واسطہ کی حاجت نہیں' ابو جہل معجزۂ جمادات دیکھ کر بھی کافر ہی رہا اور ابو بکرؓ معجزۂ دل سے صدیق اکبر ہوئے۔

از ستیزہ خواست بوجہل لعین معجزات از مصطفیٰ شاہ بہین

ابوجہل نے عناد سے آنحضرت ﷺ سے معجزہ طلب کیا۔

معجزہ جست از نبی ابوجہل سگ دید و نفزودش ازاں الا کہ شک

لیکن یہ معجزہ دیکھ کر بھی شک کے سوا اس کو یقین نہ پیدا ہوا۔

لیک آں صدیق حق معجز نخواست گفت ایں رو خود نہ گوید غیر راست

لیکن ابو بکر صدیقؓ نے معجزہ طلب نہ کیا' انہوں نے کہا کہ یہ چہرۂ نبوی سچ کے سوا جھوٹ کہہ ہی نہیں سکتا۔

صحابہؓ کو کیونکر رسالت کا یقین آیا:

اب یہاں پہنچ کر مفروضات اور نظریات کو جانے دیجیے' واقعات کو لیجیے' آنحضرتؐ نے جب آواز نبوت بلند کیا تو اس آواز کی تائید کرنے والا کوئی دوسرا نہ تھا' عرب کا ذرّہ ذرّہ اس صدائے حق کا دشمن تھا' آپؐ پشت ہا پشت کے خوکردہ عادات کے ترک کی دعوت دیتے تھے۔ موروثی مذہب جو لوگوں کی رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھا آپؐ اس کی مذمت کرتے تھے' جن بتوں اور دیوتاؤں کے رعب و ہیبت سے وہ کانپتے تھے آپؐ ان کو منہدم کرنے کا حکم دیتے تھے۔ سرقہ' ڈاکہ' لوٹ مار' قتل خون ریزی' کینہ' عداوت' سود' قمار' زنا' شراب' غرض وہ تمام افعال جو عرب کے خصائص بن گئے تھے' آپؐ ان کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے۔ علاوہ بریں آپؐ کے دست مبارک میں کوئی ظاہری مادی طاقت نہ تھی' دولت و خزانہ نہ تھا' اس دعوت کو قبول کرنے والوں کے لیے بجز مصائب و بلا کے' آپؐ کے پاس کوئی ظاہری قابل معاوضہ چیز نہ تھی' ہر شخص کو معلوم تھا کہ اسلام کا نام لینے کے ساتھ وہ اپنے گھر سے بیگانہ' اپنی جائیداد سے محروم' اپنے خاندان سے نا آشنا' اپنے وطن سے مہجور اور اکابر شہر اور رؤسائے قریش میں رسوا و بدنام اور ہر قسم کی

Marfat.com

مصیبتوں کا ہدف اور نشانہ بن جائے گا' غریب مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ بے رحمیاں اور سفاکیاں کی جارہی تھیں وہ سب کے سامنے تھیں' بایں ہمہ ایک خلقت تھی کہ آستانہ محمدیؐ کی تلاش میں چلی آتی تھی' عرب کے دور دور کے قبائل سے لوگ چھپ چھپ کر پہنچتے تھے اور بیعت کر کے واپس جاتے تھے اور آخر وہ بھی جو سالہا سال تک آنحضرتﷺ کے دشمن تھے' اسلام کے شدید مخالف اور بدر واحد اور احزاب وخندق کے بانی تھے' وہ بھی ایک روز سر اطاعت جھکانے پر مجبور ہو گئے۔

آخر اس کے کیا اسباب تھے؟ اور کیونکر ان کو محمد رسول اللہﷺ کی رسالت وصداقت کا یقین آیا۔ عیسائیوں کی طرح یہ کہنا آسان ہے کہ محمدؐ نے لڑ کر لوگوں کو مطیع بنا لیا' لیکن سوال یہ ہے کہ ہزاروں جاں نثار لڑنے والے کہاں سے اور کیونکر پیدا ہوئے' ان کو کس نے لڑ کر مطیع بنا لیا۔ اب اگر اسلام لانے والوں کے اسباب پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ سب کے اسلام لانے کا ایک ہی سبب نہ تھا' سینکڑوں ہزاروں آدمی ایک متحد نتیجہ کا یقین رکھتے ہیں لیکن ان کے یقین کے اسباب وعلل کی تلاش کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک کے یقین کے اسباب وعلل اور اذعان کے طُرق اور ذریعے مختلف ہیں' ہزاروں صحابہؓ نے آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی' آپؐ کی رسالت پر ایمان لائے' آپؐ کی صداقت پر یقین کیا' مگر یہ تصدیق' یہ ایمان اور یہ یقین کسی ایک سبب کا نتیجہ نہ تھا' اس سے معلوم ہوا کہ صرف معجزہ ہی نبوت کی دلیل نہیں ہے بلکہ ہر طبیعت صالحہ اور قلب سلیم کے لیے پیغمبر کی صداقت کی مختلف دلیلیں مؤثر اور کارگر ہوئی ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ صرف دعوائے نبوت کو سن کر ایمان لے آئے' محض دعویٰ کی صداقت نے ان کو ہر دلیل و برہان سے بے نیاز کر دیا' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ' حضرت عثمانؓ' حضرت عبیدہؓ بن جراح یہ دیکھ کر اسلام لے آئے کہ ابوبکرؓ سا دانش منداس صداقت سے متاثر ہے' خدیجہؓ ایمان لائیں' مگر یہ کہہ کر آپؐ جیسے اخلاق گراں مایہ کا انسان جو غریبوں کا مولیٰ' مقروضوں کا ماویٰ اور مسافروں کا ملجا ہے' کبھی شیطان کے پنجہ میں نہیں گرفتار ہوسکتا حضرت انیس غفاریؓ اور حضرت عمرو بن عنبسہ سلمیؓ یہ دیکھ کر اسلام لائے کہ آپؐ مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں حضرت عمرؓ حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ' حضرت جبیرؓ بن مطعم' نجاشی' شاہ حبش وغیرہ سینکڑوں اشخاص کلام ربانی سن کر حلقہ بگوش ہو گئے' حضرت ضماد بن ثعلبہؓ ازدی نے نفس کلمہ طیبہ سننے کے ساتھ نعرہ حق بلند کر دیا۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام چہرۂ انور کو دیکھتے ہی پکار اٹھے کہ ''یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔'' حضرت ضمامؓ بن ثعلبہ رئیس بنی سعد' اس طرح اسلام لائے کہ انہوں نے بے تکلفی کے ساتھ دربار نبوی میں آ کر آنحضرتﷺ کو قسم دلائی کہ تم کو سچ مچ خدا نے بھیجا ہے اور جب آپؐ نے قسم کھائی تو وہ مسلمان ہو گئے۔

اوس وخزرج کے بہت سے لوگ اپنے یہودی ہمسایوں سے سنا کرتے تھے کہ ایک نبی آخر الزمان کا ظہور ہونے والا ہے' جب انہوں نے آپؐ کی تقریر سنی تو پہچان لیا کہ یہ وہی پیغمبر ہیں' فتح مکہ کے بعد سینکڑوں قبائل اسلام لانے پر اس لیے مجبور ہوئے کہ خانہ خلیل کسی جھوٹے پیغمبر کے قبضہ میں نہیں جاسکتا' ایک پورا قبیلہ صرف آپؐ کی فیاضی سے متاثر ہو کر کلمہ لا الٰہ الا اللہ پکار اٹھا' متعدد شعرائے عرب اور اصحاب علم صرف قرآن مجید کے اثر کو دیکھ کر دل کو قابو

Marfat.com

میں نہ رکھ سکے۔ متعدد قریشی جانباز جو کہ معرکہ بدر سے مرعوب نہیں ہوئے تھے‘ مسلمانوں کے آداب واخلاق کو دیکھ کر اسلام لے آئے۔ صلح حدیبیہ کے بعد ہزاروں مکہ کے آدمیوں کو جب مسلمانوں سے بے تکلف میل جول کا موقع ملا تو وہ اسلام کی صداقت کے اعتراف پر مجبور ہو گئے‘ ابوسفیانؓ جس کو نہ تو معجزات اور خوارق عادات متاثر کر سکے اور نہ بدر و خندق کی تلواریں اس کو مرعوب کر سکیں‘ نہ آنحضرت ﷺ کا رشتہ دامادی اس کے سخت دل کو نرم کر سکا‘ وہ اس نظارہ کو دیکھ کر اپنے ضمیر کے اعتراف کو نہ روک سکا کہ قیصر روم اپنے تخت جلال پر بیٹھ کر مکہ کے بوریا نشین پیغمبر کے پاؤں دھونے کی آرزو رکھتا ہے۔ ثمامہ بن آثال‘ ہندز وجہ ابوسفیان‘ ہبار بن الاسود‘ وحشی قاتل حمزہؓ یہ دیکھ کر مسلمان ہو گئے کہ آپؐ دشمنوں کے ساتھ بھی کس محبت سے پیش آئے‘ قیصر روم صرف آپؐ کے چند اوصاف اور اسلام کے چند مناقب سن کر اظہار حق پر مائل ہو گیا۔ حضرت عدیؓ بن حاتم قبیلہ طے کے عیسائی رئیس تھے‘ وہ آپؐ کو بادشاہ سمجھ کر مدینہ آئے‘ مگر یہاں انہوں نے دیکھا کہ مکہ کی ایک لونڈی آتی ہے اور آپؐ اس کی حاجت روائی کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر ان کا دل اندر سے پکار اٹھا کہ آپؐ بادشاہ نہیں پیغمبر ہیں۔

ایسے لوگ بھی تھے جو ان روحانی واخلاقی معجزات کے مقابلہ میں مادی معجزات سے متاثر ہونے کی زیادہ قابلیت رکھتے تھے‘ قریش کے بہت سے لوگ فتح روم کی پیشین گوئی کو پورے ہوتے دیکھ کر اسلام لے آئے‘ ایک سفر میں ایک قبیلہ کی عورت آپؐ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہتے دیکھ کر اپنے قبیلہ میں جا کر کہتی ہے کہ آج میں نے عرب کے سب سے بڑے جادوگر کو دیکھا اور اسی استعجاب نے پورے قبیلہ کو مسلمان کر دیا‘ متعدد یہودی اس لیے مسلمان ہو گئے کہ گزشتہ انبیاء کی کتابوں میں آنے والے پیغمبر کی جو نشانیاں بتائی گئی تھیں‘ وہ حرف بحرف آپؐ میں صحیح نظر آتی تھیں متعدد یہودی علماء نے آ کر آپؐ کا امتحان لیا اور جب آپؐ نے از روئے وحی ان کے جوابات صحیح دیئے تو وہ آپؐ کی نبوت پر ایمان لائے۔ ایک شخص نے کہا کہ میں اس وقت آپؐ کو سچا رسول تسلیم کروں گا‘ جب یہ خرمے کا خوشہ آپؐ کے پاس آ کر آپ کی رسالت کی شہادت دے اور جب یہ تماشا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو مسلمان ہو گیا۔ (۱) ایک سفر میں ایک اعرابی نظر آیا‘ آپؐ نے اس کو اسلام کی دعوت دی‘ اس نے کہا۔ آپؐ کی صداقت کی شہادت کون دیتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ ”سامنے کا درخت۔“ اور یہ کہہ کر آپؐ نے اس درخت کو بلایا‘ وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر آپؐ کے پاس کھڑا ہو گیا اور تین بار اس کے اندر سے کلمہ توحید کی آواز آئی‘ یہ دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا۔ (۲) سراقہ بن مالک جو ہجرت کے وقت آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے تعاقب میں گھوڑا دوڑاتے آ رہے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ آپؐ کی دعا سے تین دفعہ ان کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تو ان کو یقین ہو گیا کہ اسلام کا ستارہ نقطہ اوج پر پہنچ کر رہے گا‘ چنانچہ خط امان حاصل کیا اور بعد کو مسلمان ہو گئے۔ (۳)

چوں پیمبر از بروں بانگے زند جان امت در دروں سجدہ کند
برزند از جان کامل معجزات بر ضمیر جان طالب چوں حیات

---

(۱) جامع ترمذی معجزات ص ۶۰۳۔

(۲) مسند دارمی باب ما اکرم اللہ بنبیہ من ایمان الشجر۔ (۳) صحیح بخاری جلد اول ہجرت۔

Marfat.com

دلائل و معجزات اور عقلیات جدیدہ

نوشتہ مولانا عبدالباری صاحب ندوی سابق استاد فلسفہ جدیدہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن۔

﴿وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ﴾ ''جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے آیات و نذر بیکار ہیں۔

لیکن

در دل ہر کس کہ دانش را مزہ است
روئے و آواز پیمبر معجزہ است

(عارف روم)

متکلمین و حکمائے اسلام نے عقلی حیثیت سے معجزہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ گزشتہ مباحث میں نظر سے گزر چکا ہے۔ ''سیرت'' کے اس حصہ کو اصلاً معجزات نبوی کی نقلی اور روایاتی تحقیق سے تعلق تھا۔ تاہم ضمناً قدیم کلامی مباحث بھی ایک حد تک آ گئے ہیں۔ ذیل میں اس موضوع پر صرف عقلائے مغرب کی ترجمانی کرنی ہے اور جدید تحقیقات و خیالات کی روشنی میں جو نتائج نکلتے ہیں ان کو پیش کرنا ہے۔ آغاز کتاب میں نبوت اور معجزہ کے مفہوم کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہے۔ سب سے پہلے اس پر ایک نظر اور ڈال لو۔

مفہوم نبوت:

جس طرح رات کی تاریکی کے بعد دن کی روشنی کا آنا قانون قدرت ہے اسی طرح یہ بھی ایک سنت الٰہی ہے کہ جب عالم انسانیت پر ضلالت و گمراہی کی تاریکی چھا جاتی ہے تو اس کے مطلع سے ہدایت و رہنمائی کا نور طلوع کرتا ہے اور اگرچہ اس طرح ظلمت شب میں چھوٹے بڑے ستارے اپنی جھلملاہٹ سے کچھ نہ کچھ روشنی پیدا کرتے رہتے ہیں، اسی طرح عام مصلحین و مجددین کا سلسلہ بھی کسی نہ کسی حد تک ضلالت انسانی کی سیاہی کو کم کرتا رہتا ہے تاہم آفتاب کی ضیا پاشی کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے، اس کے سامنے ستاروں کی جھلملاہٹ بالکل ماند پڑ جاتی ہے اور کرۂ ارض دفعۃً بقعہ نور بن جاتا ہے۔

سلسلہ مصلحین کے اسی آفتاب ہدایت کا نام ادیان و شرائع کی اصطلاح میں نبی، پیغمبر یا رسول ہے، عام مصلحین کے ہاتھ میں صرف انسانی عقل و بصیرت کی مشعل ہوتی ہے لیکن مشکوٰۃ نبوت سے جو نور ہدایت ابلتا ہے اس کا سرچشمہ وہ ''نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' ہوتا ہے جس سے عام مادی آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں، پیغمبر وہ کچھ دیکھتا ہے جو ہم نہیں دیکھتے، وہ کچھ سنتا ہے جو ہم نہیں سنتے، اس کے احوال و کوائف سے ہم ناآشنا اور اس کے عقل و حواس سے بیگانہ ہوتے ہیں مختصراً یوں سمجھو کہ پیغمبرانہ خصائص کی اصلی روح عالم ناسوت سے ماوراء کسی عالم غیب کے ساتھ تعلق و ربط ہے۔ انسان اسی عالم اسرار و غیوب کو اپنی محدود تعبیر میں عالم قدس، عالم روح، عالم مثال وغیرہ سے موسوم کرتا ہے۔

Marfat.com

مفہوم معجزہ:

حامل رسالت اپنے ابنائے جنس کو جو دعوت دیتا ہے اور دنیا کو جو پیام پہنچاتا ہے' اس کی سچائی کی واضح ترین دلیل یا آیت' اگرچہ خود پیام اور اس کے حامل کا مجسم وجود ہوتا ہے تاہم بہ اقتضائے لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي یا بہ لحاظ اتمام حجت اس داعی حق کے تعلق سے کچھ ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں جو عام حالات میں انسانی دسترس سے باہر نظر آتے ہیں اور ان کی توجیہ و تعلیل سے انسانی عقل اپنے کو درماندہ پاتی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ پر آگ سرد ہوگئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدہا بن گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے آنحضرت ﷺ نے چشم زدن میں ''مسجد حرام'' سے لے کر مسجد اقصیٰ و سدرۃ المنتہیٰ تک کی سیر کر لی' ان واقعات کی توجیہ سے چونکہ عقل انسانی عاجز ہے' اس لیے ان میں ایک طرح کا غیب نظر آتا ہے اور جس شخص کے تعلق سے ان کا ظہور ہوتا ہے' عالم غیب کے ساتھ اس کے روابط کی نشانی و آیت یا تائید غیبی کا کام دیتے ہیں' قرآن مجید کی زبان میں اس قسم کے واقعات کا نام بَيِّنَات' براہین یا زیادہ تر آیات (یا آیات بینات) ہے' محدثین ان کو ''دلائل نبوت'' سے تعبیر کرتے ہیں اور حکماء و متکلمین کی اصطلاح میں ان ہی کو معجزات کہا جاتا ہے۔

ترتیب مباحث:

معجزات کی جو نوعیت ہے اس کے لحاظ سے سب سے پہلی بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ آیا ان کا وقوع ممکن بھی ہے کہ نہیں؟ قدماء نے علل مخفیہ وغیرہ سے توجیہ معجزات کی جو کوششیں کی ہیں ان کا مدعا حقیقۃً امکان ہی کو ثابت کرنا ہے۔ مگر حکمت و فلسفہ کے دور جدید میں امکان کے ساتھ ایک دوسری زیادہ اہم بحث شہادت کی پیدا ہوگئی ہے۔ نفس امکان سے تو اب شاید ہی کسی حکیم یا فلسفی کا انکار رہا' البتہ یہ امکان اس قدر بعید الوقوع معلوم ہوتا ہے کہ یقین وقوع کے لیے عام واقعات تاریخی کے درجہ کی شہادت کافی نہیں خیال کی جاتی۔

لیکن چونکہ امکان اور شہادت دونوں کی بحث کا اصلی مرجع معجزانہ واقعات کا قابل یقین و اذعان ہونا یا نہ ہونا ہے' اس لیے امکان و شہادت دونوں سے زیادہ اہم سوال خود یقین کی ماہیت و اسباب کا ہے' تعجب ہوتا ہے کہ اس طرف بحث معجزات کے ضمن میں متقدمین و متاخرین میں سے جہاں تک علم ہے' کسی کا بھی ذہن نہیں گیا۔ صفحات ذیل میں نہ صرف اس اہم سوال کا مستقلاً جواب دیا گیا ہے' بلکہ دراصل یہی جواب معجزہ کے متعلق تمام مباحث کا مقطع اور خاتمہ سخن ہے۔

بہرکیف اس خاکہ کی بناء پر ترتیب مباحث یہ ہوگی۔

(۱) امکان معجزات

(۲) شہادت معجزات

(۳) استبعاد معجزات

(۴) یقین معجزات

Marfat.com

(۵) غایت معجزات۔

امکان معجزات

یوں تو یورپ میں معجزات پر بیسیوں مستقل کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں' لیکن سچ یہ ہے کہ اس بحث پر ہیوم [1] نے جو چند اوراق لکھے تھے' وہ سارے طومار پر بھاری ہیں۔ اور گو فلسفیانہ نقطہ نظر سے اس موضوع پر یہ سب سے پہلی تحریر تھی' تاہم وقوع معجزات کے خلاف جو آخری حربہ استعمال کیا جا سکتا ہے وہ بھی یہی ہے' یہی وجہ ہے کہ ان اوراق پر کم وبیش دو صدیاں گزر جانے پر بھی موافق ومخالف دونوں کے قلم کی روشنائی ان ہی نقوش کے مٹانے یا اجاگر کرنے میں صرف ہوتی رہی ہے۔

ہیوم کا استدلال:

ہیوم کے استدلال کا ماحصل یہ ہے کہ:۔

(۱) انسان کے علم ویقین کا مدار تمام تر تجربہ پر ہے' جس طرح آدمی تجربہ سے یہ جانتا ہے کہ آگ لکڑی کو جلاتی اور پانی سے بجھ جاتی ہے' اسی طرح تجربہ ہی کی بنا پر وہ اس کا بھی یقین رکھتا ہے کہ جب تک دروغ بیانی کا کوئی خاص سبب نہ ہو لوگ علی العموم سچ بولتے ہیں۔ یعنی جس چیز کی روایت یا تصدیق کرتے ہیں وہ عام طور پر تحقیق کے بعد صحیح ثابت ہوتی ہے۔

(۲) جس نسبت سے کسی امر کے متعلق گزشتہ تجربات کی شہادت قوی یا ضعیف ہوتی ہے' اسی نسبت سے ہمارے دل میں اذعان' شک یا انکار کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ہونی چاہیے۔

فرض کرو کہ تمہارے محلہ میں ساٹھ ستر برس کی عمر کا ایک بوڑھا فقیر رہتا ہے جس کو تم بچپن سے دیکھتے ہو کہ چیتھڑے لپیٹے ہوئے بھیک مانگ کر زندگی بسر کرتا ہے' پیری وفاقہ کشی سے ہڈیوں کا صرف ڈھانچہ رہ گیا ہے' کل تک تم نے اس کو اسی حال میں دیکھا تھا۔ آج تمہارا ایک پڑوسی آ کر کہتا ہے کہ وہ بیچارا بڈھا فقیر رات کو مر گیا۔ تم کو اس بیان کے باور کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا' لیکن یہی پڑوسی اگر یہ بیان کرے کہ میں نے اس فقیر کو نہایت قیمتی لباس میں اعلیٰ درجہ کی موٹر پر سوار واہٹ وے کی دوکان پر کچھ چیزیں خریدتے دیکھا تو تم کو سخت اچنبھا ہو گا اور اگر پڑوسی کی صداقت کا غیر معمولی طور پر تم کو اعتبار نہیں ہے یا اور بہت سے معتبر لوگ اس کی تصدیق نہیں کرتے تو اس بیان کے قبول کرنے میں تم بہت زیادہ پس وپیش کرو گے۔ تیسری صورت یہ فرض کرو کہ اس پڑوسی نے یہ بیان کیا کہ میں نے اس پیر فرتوت' پوست واستخوان فقیر کو آج دیکھا کہ بیس پچیس برس کا جوان رعنا ہے۔ اب تم اپنے پڑوسی کو یا تو محض لاغی سمجھو گے یا یہ خیال کرو گے کہ اس کو کچھ نہ کچھ دھوکا ہوا ہے۔ لیکن اس بیان کی واقعیت کا اذعان ہرگز تمہارے دل میں نہ پیدا ہو گا' کیوں؟۔

صرف اس لیے کہ اس قسم کی مثال انسان کے گزشتہ تجربات میں ایک بھی نہیں ملتی' اسی بنا پر اس کو خلاف فطرت

(۱) Humair Under Standing ''فہم انسانی'' (باب بحث معجزات)

Marfat.com

یا خارق عادت قرار دیا جاتا ہے جس کو تسلیم کرنے کے بجائے یہ سمجھ لینا کہیں زیادہ قرین قیاس ہے کہ راوی کو کوئی دھوکا ہوا یا وہ دانستہ جھوٹ بول رہا ہے۔ کیونکہ سچے سے سچے آدمی کا جھوٹ بول دینا یا عاقل سے عاقل انسان کا دھوکا کھا جانا' بجائے خود ایک نادر الوقوع شے سہی' تاہم عدیم الوقوع نہیں ہے اور خرق عادت کے مقابل میں اس کا وقوع بہت زیادہ ممکن وقابل قبول ہے۔

(۳) معجزہ اسی ضعف کے عدیم الوقوع یا قانون فطرت کے خارق واقعہ سے عبارت ہوتا ہے ورنہ پھر وہ معجزہ نہیں رہتا' اس لیے کہ اگر یہ محض نادر الوقوع شے کا نام ہو' جس طرح کہ کسی آخری درجہ کے مدقوق کا صحت یاب ہو جانا یا ایک مفلس کا رات بھر میں دولت مند ہو جانا' تو یہ ایسے واقعات ہیں جن کی توجیہ کے لیے عام انسانی زندگی ہی میں کچھ نہ کچھ تجربات ملتے ہیں' مثلاً مفلس کے گھر میں کوئی دفینہ نکل آ سکتا ہے بخلاف اس کے معجزہ کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس کی تعلیل وتوجیہ عام تجربات کی دسترس سے باہر ہو'اس لیے معجزہ گویا بذات خود آپ اپنی تردید ہے۔

اس استدلال کو خود ہیوم کے الفاظ میں بھی سن لینا چاہیے۔

''معجزہ نام ہے قوانین فطرت کے خرق کا اور چونکہ یہ قوانین مستحکم اور اٹل تجربہ پر مبنی ہوتے ہیں اس لیے معجزہ خود اپنے خلاف اتنا زبردست ثبوت ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی تجربی ثبوت کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان باتوں پر قطعی یقین رکھتے ہیں کہ تمام انسان فانی ہیں' سیسہ آپ ہی آپ ہوا میں معلق نہیں رہ سکتا' آگ لکڑی کو جلاتی اور پانی سے بجھ جاتی ہے' صرف یہی کہ یہ امور قوانین فطرت کے مطابق ثابت ہو چکے ہیں اور اب ان کا توڑنا بغیر قوانین فطرت کے توڑے' یا بہ الفاظ دیگر یوں کہو کہ بلا معجزہ کے ناممکن ہے' جو چیز عام قانون فطرت کے اندر واقع ہوتی ہے وہ کبھی معجزہ نہیں خیال کی جاتی مثلاً یہ کوئی معجزہ نہ ہوگا کہ ایک آدمی جو دیکھنے میں تندرست وتوانا ہے اچانک مر جائے کیونکہ اس قسم کی موت گو نسبتاً قلیل الوقوع سہی لیکن پھر بھی بارہا مشاہدہ میں آ چکی ہے' البتہ یہ معجزہ ہوگا کہ کوئی مردہ زندہ ہو جائے' کیونکہ ایسا کبھی کسی ملک میں نہیں دیکھا گیا ہے لہذا جس واقعہ کو معجزہ کہا جاتا ہے اس کے خلاف تجربہ کا مستمر ومتواتر ہو جانا ضروری ہے ورنہ پھر یہ معجزہ کے نام سے نہ موسوم ہوگا اور چونکہ کسی شے کا متواتر تجربہ خود ایک قطعی ثبوت ہے' تو گویا معجزہ کی نفس حقیقت و ماہیت ہی میں اس کے وجود کے خلاف ایک قطعی و براہ راست ثبوت موجود ہے اور ایسا ثبوت جو نہ اس وقت تک معجزہ کو ثابت ہونے دے سکتا ہے اور نہ خود باطل کیا جا سکتا ہے جب تک اس کے خلاف اس سے بڑھ کر ثبوت نہ پیدا کیا جائے۔ لہذا صریح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو ایک کلی اصول کی حیثیت رکھتا ہے کہ کوئی تصدیق وشہادت معجزہ کے اثبات کے لیے کافی نہیں ہو سکتی' تاوقتیکہ کہ یہ ایسی نہ ہو جس کی تکذیب خود اس معجزہ سے بڑھ کر معجزہ ہو جس کو یہ ثابت کرنا چاہتی ہے اور اس صورت میں بھی دلائل میں باہم تصادم ہوگا جو دلیل جتنی زیادہ قوی ہوگی' اپنی زائد قوت کے مناسب یقین پیدا کر لے گی' فرض کرو کہ ایک شخص آ کر مجھ سے کہتا ہے کہ اس نے ایک مردہ کو دیکھا کہ زندہ ہو گیا تو میں ذرا سوچنے لگتا ہوں کہ آیا یہ زیادہ ممکن ہے کہ یہ شخص دھوکا دینا چاہتا ہو یا خود دھوکا کھا گیا ہو' یا یہ اغلب

Marfat.com

ہے کہ جو کچھ وہ بیان کر رہا ہے صحیح ہو۔ میں ان دونوں معجزوں میں موازنہ کرتا ہوں اور جدھر کا پلہ زیادہ جھکتا معلوم ہوتا ہے اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں اور ہمیشہ اسی احتمال کو رد کرنا پڑتا ہے۔ جس میں معجزہ پن زیادہ نظر آتا ہے' البتہ اگر روایت کی تکذیب واقعہ روایت سے بڑھ کر معجزہ ہو تو اس صورت میں بے شک مجھ کو روایت کے یقین پر مجبور ہو جانا پڑے گا لیکن اس کے بغیر قطعاً ناممکن ہے۔'''' (فہم انسانی'' باب معجزات)

غرض ہیوم کے استدلال اور اس کی تعریف معجزہ کی رو سے اگر ایک طرف ہم اپنی میزان عقل میں کسی خارق عادت واقعہ کی شہادت و روایت کو رکھیں اور دوسری طرف اس کے خلاف دنیا کے ہزار ہا سال کے مستمر و متواتر تجربہ کو تو ظاہر ہے کہ یہ شہادت چاہے کتنی ہی معتبر اور وقیع کیوں نہ ہو تاہم اس متواتر تجربہ کے ہم وزن کسی حال میں نہیں ٹھہر سکتی لہٰذا انسانی شہادت کی کوئی کمیت و کیفیت بھی معجزہ کے یقین و اثبات کے لیے کافی نہیں ہو سکتی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ تھا کہ انہوں نے اپنی جان کے دشمن اور اپنے سب سے بڑے منکر فرعون کے گھر میں پرورش پائی' ہیوم سے بڑھ کر معجزہ کا کون دشمن و منکر ہو گا۔ لیکن اس انکار کو جب اس کے پورے فلسفہ کی روشنی میں دیکھو تو نظر آتا ہے کہ قبول معجزات کی راہ میں عقل کی خود فریبی کا جو سب سے زبردست طلسم حائل تھا' اس کو ہیوم ہی نے توڑا اور ہمیشہ کے لیے برباد کر دیا ہے جس کے بعد راستہ کے صرف چند کانٹوں کا ہٹانا باقی رہ جاتا ہے چراغ کے تلے اندھیرا' آدمی بارہا اپنے ہاتھ کی مشعل سے دوسروں کو راستہ دکھاتا ہے اور خود نہیں دیکھ سکتا۔

انسان کے ذہن میں جس قدر یہ اعتقاد راسخ ہے' شاید ہی کوئی اور ہو کہ کائنات کا ذرہ ذرہ مادی علل و اسباب اور قویٰ و خواص کی زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے' چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی اپنے ظہور کے لیے ایک اٹل اور غیر متغیر علت رکھتا ہے' ہر شے اپنے اندر کوئی نہ کوئی ایسی قوت یا خاصہ رکھتی ہے جس سے اس وقت تک اس کا انفکاک ناممکن ہے جب تک یہ خود اپنی ذات و حقیقت سے منفک نہ ہو جائے۔ یہ ناممکن ہے کہ میرا قلم میز کی ایک جانب سے دوسری جانب کو چلا گیا ہو بے اس کے کہ کسی ہاتھ یا کسی اور مادی شے نے اس کو حرکت دی ہو' اس کاغذ پر جو نقوش تم کو نظر آ رہے ہیں ضرور ہے کہ ان کو کسی نہ کسی قلم نے کھینچا ہے اسی طرح یہ نہیں ہو سکتا کہ انار کے درخت سے آم کا پھل یا آم کے درخت سے انار کا پھل پیدا ہو۔ آم کے درخت سے ہمیشہ آم و انار کے درخت سے ہمیشہ انار ہی پیدا ہو گا۔

غور کرو کہ جب تم سے یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ نہ جلا سکی تو تم کو اس کے باور کرنے میں کیوں پس و پیش ہوتا ہے' اسی لیے کہ آگ جب تک آگ ہے جلانے کا خاصہ اس سے منفک نہیں ہو سکتا' اس کو ابراہیمؑ اور نمرود کی تمیز نہیں' اژدہا ایک جاندار مخلوق ہے جو تولید مثل کے قاعدے سے اپنی ہی جیسی جاندار مخلوق سے وجود میں آتا ہے اس لیے یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا کیونکر اژدہا بن گیا' انسان کا بچہ اپنے والدین کے بندھے ہوئے اور مشترک عمل تو الد و تناسل کا نتیجہ ہوتا ہے' پھر یہ کیونکر مان لیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے۔ دس قدم کی مسافت طے کرنے کے لیے بھی آدمی کو اپنے پاؤں یا کسی اور مادی وسیلہ کی احتیاج ہوتی ہے اور جس قدر مسافت زیادہ ہوتی ہے اسی قدر اس کو قطع کرنے میں زیادہ وقت لگتا ہے' لہٰذا یہ کیونکر یقین کیا

Marfat.com

جائے کہ پیغمبر اسلام نے بلا معمولی وسائل مادی کے استعمال کے طرفتہ العین میں ''مسجد حرام'' اور ''سدرۃ المنتہیٰ'' تک کی سیر کرلی' زمین و آسمان کی آیات کا مشاہدہ کیا اور تمام انبیائے سابقین سے گفتگو فرمائی' پھر یہ تمام مراحل اتنے وقفہ میں کیونکر طے ہوسکتے ہیں کہ واپسی پر کواڑ کی زنجیر ہل رہی ہو اور بستر کی گرمی ہنوز قائم ہو۔

سلسلہ علل و اسباب اور اشیاء کے افعال و خواص ہی کے اصول و قوانین کا نام حکماء و فلاسفہ کی اصطلاح میں قوانین فطرت ہے جن کا خرق محال خیال کیا جاتا ہے' مثلاً کشش ثقل ایک قانون فطرت ہے جس کا یہ اقتضا ہے کہ جب تم ڈھیلے کو اوپر پھینکو گے تو وہ لوٹ کر ہمیشہ نیچے آجائے گا' فضا میں اس کا معلق رہنا ناممکن ہے' ہائیڈروجن اور آکسیجن دو عناصر کے ایک خاص مقدار میں ملنے کا خاصہ یہ ہے کہ پانی بن جاتا ہے جس کے خلاف کبھی نہیں ہوسکتا۔

قوانین فطرت کی حقیقت:

اب دیکھو کہ جن چیزوں کو تم قوانین فطرت کا لقب دیتے ہو اور جو بظاہر اس قدر قطعی اور اٹل نظر آتے ہیں' واقعات کی کسوٹی پر ان کی کیا بساط ٹھہرتی ہے۔

اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ نمک نمکین اور شکر میٹھی کیوں ہوتی ہے؟ تو یہ سوال تم کو ایسا ہی مہمل و مضحک معلوم ہوگا جیسے کوئی یہ سوال کرے کہ جز کل سے چھوٹا کیوں ہوتا ہے؟ جز کی حقیقت ہی یہ ہے کہ کل سے چھوٹا ہو' اسی طرح لوگ سمجھتے ہیں کہ نمکینی اور مٹھاس نمک اور شکر کی حقیقت میں داخل ہیں' لیکن سوچو کہ کیا نمک کی نفس ذات میں تم کو کوئی ایسی شے نظر آتی ہے جس کی بنا پر بلا اس کو چکھے ہوئے تم یہ حکم لگا سکو کہ اس کا مزہ بالضرورت شکر کے مزہ سے مختلف ہونا چاہیے' صرف دونوں کے چکھنے اور تجربہ کی بناء پر نمک کو نمکین اور شکر کو شیریں یقین کیا جاتا ہے۔ سنکھیا زہر ہے۔ جس کے کھانے سے آدمی مرجاتا ہے۔ سنکھیا کا ایک ٹکڑا لے کر اس کو خوب الٹ پلٹ کر دیکھو' اس کی ذات یا حقیقت میں کہیں کوئی ایسی شے محسوس ہوتی ہے جس کی وجہ سے تم بلا تجربہ اس کو موت کی علت قرار دے سکو' جس شخص نے سنکھیا کبھی نہیں دیکھی یا اس کے اثر سے ناواقف ہے اس کو تم بہ آسانی کھلا سکتے ہو' کیوں؟ صرف اس لیے کہ اس کو خود سنکھیا کے اندر کوئی ایسی شے نہیں نظر آتی جس سے بلا سابق تجربہ کے وہ اس کے زہر قاتل یا علت موت ہونے کا علم و یقین حاصل کرسکے۔ بیسویں صدی کے سائنسدان کے لیے یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ پانی دو مختلف اجزا یا عناصر سے مرکب ہے لیکن جب تک اس حقیقت کا تجربہ نہیں ہوا تھا' ڈھائی ہزار سال تک حکماء اور عقلائے عالم پانی کو ایک مفرد بسیط عنصر یقین کرتے رہے۔ حالانکہ پانی کی جو صورت و شکل کاونڈس [1] کے سامنے تھی وہی طالیس [2] ملطی کے سامنے بھی تھی۔ سنکھیا اور شکر کے بجائے اگر ہم کو سمیت اور شیرینی کا تجربہ پتھر کی کنکریوں میں ہوتا تو ہم ان کو اسی طرح مہلک (ہلاکت کی علت) و شیریں یقین کرتے جس طرح آپ سنکھیا اور شکر کو کرتے ہیں۔

جان اسٹورٹ مل نے اپنی مشہور کتاب ''نظام منطق'' [3] میں اس کی نہایت عمدہ مثال دی ہے کہ:-

---

(۱) جس نے پانی کو بسیط عنصر کی بجائے آکسیجن و ہائیڈروجن سے مرکب ثابت کیا۔

(۲) یونان کا پہلا فلسفی جو پانی کو مبدء عالم جانتا تھا۔

(۳) سسٹم آف لاجک کتاب سوم باب ۳ فصل دوم۔

Marfat.com

''آج سے پچاس سال پہلے وسط افریقہ کے باشندوں کے نزدیک غالباً کوئی واقعہ اس سے زیادہ تجربہ کی قطعیت و یکسانی پر مبنی نہ تھا' جتنا یہ کہ تمام انسان کالے ہوتے ہیں' اسی طرح کچھ زیادہ دن نہیں گزرے کہ اہل یورپ اس کو فطرت کی یکسانی کی ایک بالکل قطعی و غیر مشتبہ مثال سمجھتے ہیں کہ تمام ہنس سفید[1] ہوتے ہیں' مزید تجربہ کے بعد افریقہ و یورپ والوں دونوں کو یہ معلوم ہوا کہ یہ خیال غلط تھے' لیکن اس تجربہ کے لیے ان کو پانچ ہزار برس انتظار کرنا پڑا اور اس طویل مدت میں انسانی آبادی کے دو برا عظم فطرت کی ایک ایسی یکسانی پر یقین کرتے رہے ہیں جس کا حقیقۃً کوئی وجود نہ تھا۔''

کائنات فطرت کی وسعت بیکراں کو دیکھتے ہوئے آج بھی نوع انسان کے تجربہ پر مبنی قوانین فطرت کی بساط اس سے زیادہ نہیں ہے' جتنی کہ اس تجربہ کی تھی کہ تمام انسان کالے ہوتے ہیں اور تمام ہنس سفید۔ انیسویں صدی کے ایک مشہور فلسفی ڈاکٹر وارڈ نے اسی حقیقت کو ایک مفروض مثال کے پیرایہ میں اس طرح بیان کیا کہ فرض کرو کہ :-

''افریقہ کے کسی صحرا میں ایک نہایت عظیم الشان سلسلہ عمارت ہے جو چاروں طرف ایک چاردیواری سے گھرا ہوا ہے' اس کے اندر ایک خاص ذی عقل مخلوق آباد ہے جو اس احاطہ سے باہر نہیں جا سکتی' یہ عمارت ایک ہزار سے زائد کمروں پر مشتمل ہے جو سب مقفل ہیں اور کنجیوں کا پتہ نہیں کہاں ہیں؟ بڑی محنت و جستجو کے بعد کل پچیس کنجیاں ملتی ہیں جن سے ادھر ادھر کے پچیس کمرے کھل جاتے ہیں جو سب ہم شکل ہیں لہٰذا کیا اس بناء پر اس احاطہ کے اندر رہنے والوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قطعیت کے ساتھ یہ دعویٰ کر دیں کہ بقیہ ۹۷۵ کمرے بھی اسی شکل کے ہیں۔''[2]

قوانین فطرت یا خواص اشیاء و علاقہ تعلیل (علت و معلول) کی مذکورہ بالا حقیقت اگرچہ اب حکمت (سائنس) و فلسفہ دونوں کے مسلمات میں داخل ہے' لیکن اس حقیقت کو سب سے پہلے جس شخص نے اجاگر کیا وہ معجزات کا منکر ہیوم ہی تھا' اس لیے خود اس کی زبان سے سنو کہ جس چیز کو وہ خرق عادت کہہ کر ناممکن قرار دیتا ہے' اس کے عدم امکان کا کیا وزن ہے؟

''جب ہم اپنے آس پاس کی خارجی چیزوں پر نظر کرتے ہیں اور مختلف علتوں کے افعال کو غور سے دیکھتے ہیں تو ان میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس کے اندر کسی قوت یا لزوم کا پتہ چلتا ہو' نہ ان کی کوئی ایسی صفت نظر آتی ہے جو معلول کو اس طرح علت سے جکڑے ہوئے ہو کہ ایک کو دوسرے سے مستنبط کرنے میں خطا کا امکان نہ ہو' ہم کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ ایک واقعہ کا ظہور دوسرے کے بعد ہوتا ہے۔ بلیرڈ کے ایک گیند میں ضرب لگانے سے دوسرے میں حرکت ظاہر ہوتی ہے۔ بس حواس ظاہری سے جو کچھ نظر آتا ہے اس کی بساط اسی قدر ہے' اشیاء میں اس تقدم و تاخر یا تبعیت کے پائے جانے سے ذہن کو نفس تبعیت کے علاوہ کوئی اور احساس یا ارتسام باطنی نہیں حاصل ہوتا' کسی شے کو پہلی دفعہ دیکھنے سے ہم

---

(۱) وسط افریقہ کے آدمی کالے اور یورپ کے ہنس سفید ہوتے ہیں۔

(۲) مل کی منطق' کتاب سوم' باب ۲۱ فصل ۴' حاشیہ۔

Marfat.com

کبھی قیاس نہیں کرسکتے کہ اس سے کیا معلول یا نتیجہ ظاہر ہوگا حالانکہ اگر علت کے اندر کسی قوت یا انرجی کا پتہ محض ذہن دوڑانے سے چل سکتا تو بلا کسی سابق تجربہ کے ہم اس نتیجہ ومعلول کی پیشین گوئی کردیتے اور پہلی ہی نظر میں قطعی حکم لگا دیتے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ کائنات مادی کا ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے صفات محسوسہ کی بناپر ہم اس کے اندر کسی قوت کا سراغ لگا سکیں یا قیاس سے بتلاسکیں کہ اس سے کوئی اور شے دوسری ایسی وجود پذیر ہوسکتی ہے جس کو معلول کا لقب دیا جاتا ہے' صلابت' امتداد' حرکت' یہ چیزیں بجائے خود مستقل صفات اور ایسے واقعہ کا نشان نہیں دیتیں' جس کو ان کا نتیجہ کہا جاسکے' موجودات عالم میں ہر آن تغیر وتبدل جاری ہے' ایک چیز دوسری چیز کے بعد برابر آتی جاتی رہتی ہے لیکن وہ قوت وطاقت جو اس ساری مشین کو چلاتی رہتی ہے ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور اجسام کی کسی محسوس صفت میں اپنا کوئی نشان نہیں رکھتی' ہم یہ واقعہ جانتے ہیں کہ آگ کے شعلہ میں گرمی پائی جاتی ہے لیکن ان دونوں (گرمی وشعلہ) میں کیا لزوم ہے' اس کے قیاس سے ہمارا تخیل قطعاً عاجز ہے۔''(۱)

اسی سلسلہ میں چند صفحات بعد کی ایک اور طویل عبارت کا اقتباس یہاں مناسب ہے' جس سے آگے چل کر کام پڑے گا۔ (۲)

''عام طور پر لوگوں کو فطرت کے پیش پا افتادہ اور مانوس واقعات وافعال کی توجیہ میں کوئی دشواری نہیں نظر آتی (مثلاً بھاری چیزوں کا نیچے آجانا' درختوں کی بالیدگی' حیوانات میں توالد وتناسل یا غذا سے جسم کی پرورش وغیرہ کے واقعات) بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان صورتوں میں ان کو علت کی بذات خود اس قوت کا علم و احساس ہے جس کی بناء پر یہ اپنے معلول کو مستلزم ہے اور اس لیے ظہور معلول میں خطا کا امکان نہیں' بات یہ ہے کہ تجربہ یا عادت دراز کی وجہ سے ان کے ذہن میں ایک ایسا میلان ورجحان پیدا ہو جاتا ہے کہ علت کے سامنے آتے ہی اس نتیجہ کا یقین ہو جاتا ہے جو معمولاً اس کے ساتھ پایا گیا ہے اور یہ مشکل سے ممکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سوا کوئی اور نتیجہ ظاہر ہوسکتا تھا۔ صرف اس صورت میں جب کہ غیر معمولی واقعات وحوادث ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً زلزلہ' وباء یا کوئی اور عجیب وغریب بات' تو البتہ ان کی صحیح علت کا پتہ نہیں لگتا اور سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی توجیہ وتشریح کیسے کی جائے۔ اس مشکل میں پڑ کر لوگ علی العموم کسی ان دیکھی صاحب عقل وارادہ ذات کے قائل ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ناقابل توجیہ ناگہانی واقعات اسی ذات کے پیدا کردہ ہیں' لیکن فلاسفہ کی باریک بین نگاہ کو نظر آتا ہے کہ روزمرہ کے معمولی واقعات کی پیدا کرنے والی قوت بھی اسی طرح نامعلوم ناقابل توجیہ ہے۔ جس طرح کہ انتہائی غیر معمولی سے غیر معمولی واقعات۔ چنانچہ بہت سے فلاسفہ اپنی عقل کو اس پر مجبور پاتے ہیں کہ بلا استثناء تمام واقعات عالم کا

(۱) فہم انسانی باب ۷ فصل ۱۔
(۲) فہم انسانی باب ۷ فصل ۱۔

Marfat.com

مبدأ اسی ذات کو قرار دیں جس کی طرف عوام صرف معجزات اور فوق الفطرت واقعات وحوادث کے ظہور کو منسوب کرتے ہیں (ان کے نزدیک) ہر معلول کی واقعی و براہ راست علت فطرت کی کوئی قوت نہیں بلکہ ایک ہی برابر کا ارادہ ہوتا ہے۔ بلیرڈ کا ایک گیند جب دوسرے گیند سے ٹکراتا ہے تو خود خدا اپنے ارادۂ خاص سے اس کو متحرک کر دیتا ہے اور یہ ارادہ ان عام قوانین کے مطابق ہوتا ہے جو اس نے اپنی مشیت سے کائنات پر حکم فرمائی کے لیے مقرر کر دیئے ہیں۔''

جب یہ مسلم ہو چکا کہ قوانین فطرت کی بنیاد تمام تر تجربہ پر ہے اور تجربہ کے ناقابل خط ہونے کا کبھی کسی حالت میں بھی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا تو پھر ظاہر ہے کہ کسی شے کو خلاف فطرت یا خارق عادت کہہ کر اس کو غلط یا ناممکن کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ خود ہیوم کا اپنے اسی اصول پر دعویٰ ہے کہ جس شے کا تصور ممکن ہے وہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہو سکتی اور جو شے مستلزم تناقض نہ ہو اس کو کسی حجت و برہان یا عقلی دلیل سے غلط نہیں ثابت کیا جا سکتا۔[۱]

پروفیسر ہکسلے جو فلسفی سے زیادہ حکیم (سائنٹسٹ) ہے اور جس کی جگہ حکماء کی صف اول میں ہے' اس نے ہیوم کے اس قول کو اپنی تحریروں میں جابجا نقل کر کے اس کی نہایت شدت سے تائید کی ہے۔ خود ہیوم کے نظریہ معجزات پر بحث کرتے ہوئے[۲] پہلے تو معجزہ کے متعلق اس کی اس تعریف کی تغلیط کی ہے کہ ''وہ نام ہے' قوانین فطرت کے خرق کا'' اور بتلایا ہے کہ معجزات کے معنی زیادہ سے زیادہ ''انتہائی حیرت انگیز واقعات''[۳] کے ہو سکتے ہیں پھر اسی ضمن میں ہیوم کے مذکورہ بالا قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ:۔

''لیکن معجزہ کا تصور کیا جا سکتا ہے' کہ یہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہے۔ لہٰذا خود ہیوم ہی کے دعویٰ کے مطابق معجزہ کو کسی برہانی دلیل سے غلط نہیں ثابت کیا جا سکتا' بایں ہمہ ہیوم خود اپنے ہی اصول کے خلاف اور بالکل متناقض ایک دوسری جگہ لکھتا ہے کہ مردہ کا زندہ ہو جانا معجزہ ہے کیونکہ ایسا پہلے کبھی کسی زمانہ اور کسی ملک میں نہیں ہوا ہے۔''

اس ارتکاب تناقض کی تشریح کرتے ہوئے پروفیسر موصوف نے طنزاً لکھا ہے کہ اگر ہیوم کے استدلال کی مہملیت کو برہنہ کر کے دیکھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ جو چیز پہلے کبھی نہیں واقع ہوئی وہ آئندہ بغیر قوانین فطرت کے خرق کے نہیں واقع ہو سکتی۔

ہکسلے کا ایک نہایت دلچسپ مضمون ''ممکنات و ناممکنات'' ہے اس میں بھی ہیوم اس کے پیش نظر ہے اور اپنی حکیمانہ ذمہ داری کے پورے احساس و شعور کے ساتھ لکھتا ہے۔[۴]

''صحیح معنی میں بجز تناقض کے اور کسی بھی ایسی چیز سے میں واقف نہیں ہوں جس کو ناممکن کہنا حق بجانب ہو'

(۱) فہم انسانی باب ۴۔
(۲) ہکسلے کی کتاب ''ہیوم'' باب ۷ (متعلق معجزات)
(۳) انگریزی میں معجزہ کے لیے جو لفظ مستعمل ہے (مرکیل) اس کے لفظی معنی بھی ''حیرت انگیز'' کے ہیں۔
(۴) ۸۔۱۹۷۔

Marfat.com

منطقی ناممکنات کا وجود ہے لیکن طبعی ناممکنات کا قطعاً کوئی وجود نہیں۔ ''مربع مدور ماضی موجود دو متوازی خطوط کا تقاطع۔'' یہ چیزیں ناممکنات سے ہیں اس لیے کہ مدور موجود یا حاضر اور تقاطع کا تصور ہی ''مربع'' ماضی اور متوازی کے تصور کے متناقض ہے لیکن پانی پر چلنا یا پانی کو شراب بنا دینا' بچہ کا بے باپ کے پیدا ہونا' مردہ کو زندہ کر دینا یہ چیزیں مفہوم بالا کی رو سے ناممکنات سے نہیں ہیں' ہاں اگر ہم یہ دعویٰ کر سکتے کہ فطرت اشیاء کے متعلق ہمارے علم نے تمام ممکنات کا کامل احاطہ کر لیا ہے تو شاید یہ کہنا بجا ہوتا کہ آدمی کے صفات چونکہ پانی پر چلنے یا ہوا میں اڑنے کے متناقض ہیں' اس لیے یہ افعال اس کے لیے ''ناممکن'' ہیں' لیکن یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ علم فطرت کی انتہا تک پہنچنا کیسا' ابھی تک ہم اس کی ابتداء اور ابجد سے آگے نہیں بڑھے ہیں' بلکہ ہماری قوتیں اس قدر محدود ہیں کہ کبھی بھی ہم ممکنات فطرت کی حد بندی نہیں کر سکتے' جو کچھ واقع ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے اس کا ہم کو علم ہے باقی جو کچھ واقع ہونے والا ہے اس کی نسبت ہم صرف ایک توقع قائم کر سکتے ہیں' جس کی بنیاد کم و بیش گزشتہ تجربہ کے صحیح سمجھنے پر ہے' جس سے ہم کو خیال ہوتا ہے کہ مستقبل ماضی کے مماثل ہوگا۔''

اس میں شک نہیں کہ کچھ دن پہلے بعض گوشوں سے اس قسم کی آوازیں سنائی دیتی تھیں کہ کائنات کا ہر ذرہ قانون کا پابند ہے۔ اور وہم و بے عقلی انسان کی بدترین دشمن ہے اور عقل و ہمت بہترین دوست لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ جہاں کہیں عقیدۂ معجزات کا پتہ چلے اس پر حملہ کریں۔ (1)

لیکن یہ باتیں قریباً چوتھائی صدی قبل کی ہیں۔ (2) ۱۹۲۷ء کے بعد کوانٹم نظریہ کی بدولت سائنس میں جو بھونچال آیا ہے اس نے سائنس کی دنیا میں بھی اب ایسے بے باکانہ و مدعیانہ نعروں کی گنجائش نہیں چھوڑی' فلسفہ میں تو علت و معلول کے لزوم و وجوب کی بنیادوں کو ہیوم کیا' ہیوم سے صدیوں پہلے امام ابوالحسن اشعری ہی نے کھوکھلا کر دیا تھا البتہ سائنس کی بنیاد ہی فطرت کی یکسانی یا علیت کے اٹل قانون پر رکھی اور سمجھی جاتی تھی' اس ستم ظریفی کو کیا کہیے' کہ خود سائنسی تجربات و اخبارات ہی کی راہ سے یہ اٹل قانون نہ صرف مجروح اور متزلزل ہو گیا ہے بلکہ سر آرتھر ایڈنگٹن جیسے اکابر سائنس کے نزدیک اس کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دینا پڑا ہے' چند سال قبل دنیا کے سائنس کے تازہ ترین معلومات و خیالات پر ''ماڈرن بلیف'' کے نام سے رسائل کا ایک سلسلہ شائع ہوا تھا' اس کے جستہ جستہ یہ اقتباسات پڑھو۔

''کوانٹم نظریہ نے بڑا زبردست انقلاب برپا کر دیا ہے کہ مادی دنیا میں اب تک علل و معلول کے قانون کی فرمان روائی کو اٹل تصور کیا جاتا تھا' سارے طبعی واقعات و حوادث بالکلیہ جبری یا وجوبی قوانین کے تابع یقین کیے جاتے تھے' سلسلہ علل و معلولات میں کہیں کوئی خلل و رخنہ نہ تھا مگر ۲۷ء میں اس خیال و یقین کو سخت دھکا لگا اور ماہرین طبعیات نے دیکھا کہ علیت کے وجوب و کلیت کو مادی دنیا سے رخصت کرنا پڑا

(1) WONDER OF LIFE عجائب حیات از ہیگل باب ۳ معجزات۔

(2) معجزات پر سیرت کا یہ ٹکڑا آج (۴۵ء) سے ۲۴ سال قبل لکھا گیا تھا۔

Marfat.com

اور سارے قرائن اسی کے نظر آتے ہیں کہ وجوبی وقطعی علیت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔"

ابھی بالکل حال تک قانون علیت کو سائنسی تحقیقات کا بالا تفاق بنیادی اصول قرار دیا جاتا تھا لیکن اب اسی اصول کو ترک کر دینے کا سوال پیدا ہو گیا ہے کہ آیا کارخانہ فطرت میں ہر واقعہ لزوماً کسی ایسے دوسرے واقعہ ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ جس کو علت کہا جاتا ہے؟ یا اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حوادث فطرت کی تہ میں کوئی ایسی شے کارفرما ہے جس کو اختیار یا آزادی ارادہ کہا جاتا ہے۔ ماحصل یہ کہ اس وقت تک طبعی مظاہر کی تحلیل کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ ہم کو کہیں بھی وجوبی یا جبری قانون کی موجودگی کی شہادت نہیں ملتی۔" (بحوالہ جرنل آف فلاسفی بابتہ ۱۹۳۳ء)

اس کا مطلب یہ نہیں کہ قوانین فطرت کا سرے سے کوئی وجود نہیں بلکہ "ان" کی حیثیت اعداد و شمار کے لیے قوانین کی رہ جاتی ہے، زندگی کا بیمہ کرنے والی کمپنیاں کوئی ایسا قانون نہیں جانتی ہیں کہ فلاں شخص چالیس سال کی عمر میں مرجائے گا لیکن اتنا جانتی ہیں کہ کسی بڑی جماعت میں اتنے فی صد آدمی چالیس کے سن میں مرجائیں گے، یعنی افراد کا ل ناقابل پیش بینی ہونے کے باوجود جماعت کی نسبت پیش بینی ممکن ہے، پس قوانین فطرت صرف اسی معنی میں موجود ہیں اور سائنسی پیش گوئی یا پیش بینی ہو سکتی ہے۔ (۱)

بالفاظ دیگر قانون فطرت کی نوعیت دراصل قانون عادت کی ہے یعنی کسی خاص فرد کے بارے میں وجوباً پیش گوئی نہیں کی جا سکتی کہ وہ فلاں عمر میں مرجائے گا' البتہ عادتاً یہ معلوم ہے کہ کسی بڑی جماعت میں اتنے فی صد چالیس سال کی عمر میں مرجائیں گے' مذہب کی زبان میں اسی قانون عادت کو عادۃ اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کی بناء پر بھی عمل فطرت کی یکسانی یا قوانین فطرت کے نفس وجود کا انکار نہیں لازم آتا۔ البتہ ان قوانین کا منشا یہ ہے، بہرے بے علم و اختیار مادہ کا اٹل وجوب ولزوم سے نہیں' بلکہ ایک علم اختیار والی ذات (اللہ تعالیٰ) کی عادت جاریہ سے ہے جو کسی حکمت ومشیت کے تحت کبھی کبھی اس عادت جاریہ کے خلاف بھی کر سکتی اور کرتی ہے یہی معجزہ ہے اور بقول مشہور سائنسدان ڈاکٹر کارپنٹر کے کہ قائل مذہب سائنسداں کو اس کے ماننے میں کوئی عقلی دشواری نہیں پیش آ سکتی کہ خالق فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانین فطرت کے خلاف بھی کر سکتا ہے' ہم کو معجزات کے خلاف اگر سائنس کے کسی ایسے فتویٰ کا علم نہیں جو معتبر شہادت کی موجودگی میں ان کے قبول سے مانع ہو۔ (۲)

جب کارپنٹر کے زمانہ ہی میں سائنس کا کوئی ایسا فتویٰ معلوم نہ تھا تو اب کوانٹم نظریہ کے بعد جب کہ کلام وفلسفہ کے نرے قیاسات سے گزر کر خود سائنس کی دنیا میں اور سائنس ہی کی راہ سے فطرت یا علیت کے نام نہاد اٹل قوانین کا وجود اتنا مشتبہ ہو گیا ہے کہ مادی دنیا سے بظاہر ان کو ہمیشہ کے لیے رخصت کرنا پڑ رہا ہے تو اور بھی سائنس کا یا قوانین فطرت کا خرق کا نام لے کر کسی معجزہ کا انکار کس منہ سے کیا جا سکتا ہے؟ لہذا بقول کارپنٹر ہی کے اصل سوال صرف یہ ہے کہ آیا اس قسم کی تاریخی شہادت موجود ہے یا نہیں' جس سے معلوم ہو کہ خالق فطرت کبھی کبھی خلاف فطرت بھی کر دیا

(۱) پورا نام OAT LINE OF MOONER NBE LINE ہے' مرتبہ جے ڈبلو ان سولیوان (SULIVRN) (دوا ثر گریرسن) GRIERSON) (حصہ چہارم باب ۶ ص ۲۸۔

(۲) دیکھو فرانک بیلارڈ کی THE MIRACLE OF ON BELIEF

Marfat.com

کرتا ہے۔ (۱)

یہ صرف ممکن ہی نہیں ہے کہ خالق فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانین فطرت کے خلاف کرسکتا ہے یعنی معمولی سلسلہ علل واسباب ومعلولات کو توڑ سکتا ہے بلکہ ایک اورنامور عالم طبعیات پروفیسر ڈالبیر (۲) کا اعتراف یہ ہے کہ اس امر کی ہمارے پاس خاصی شہادت موجود ہے جس کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ بعض طبعی حوادث اس طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں کہ ان کے تمام معمولی علل واسباب غائب ہوتے ہیں' اجسام حرکت کرتے ہیں' دراں حالیکہ نہ کوئی شخص ان کو چھو رہا ہے اور نہ برقی یا مقناطیسی عوامل کا پتہ ہے۔ اس کی بھی شہادت موجود ہے کہ ایک نفس کا خیال دوسرے نفس میں (بلاکسی وساطت کے) پہنچ سکتا ہے اور جس قسم کے واقعات کو معجزہ سمجھا جاتا تھا ان کا وقوع اب غیر اغلب نہیں رہا ہے۔

ہکسلے کو اگرچہ اس بارے میں ہیوم سے شدید اختلاف ہے کہ معجزہ نام قوانین فطرت کے خرق کا ہے' لیکن تصریحات بالا سے قانون فطرت کی جو حقیقت ثابت ہوتی ہے اس کو اگر وضاحت کے ساتھ سامنے رکھا جائے تو ہمارے نزدیک معجزہ کی یہ تعریف چنداں قابل اعتراض نہیں رہ جاتی۔

(۱) قوانین فطرت عبارت ہیں قوانین عادت سے۔

(۲) جو ہم کو بذات خود اشیاء کے اندر نہیں معلوم بلکہ ان کی بنیاد تمام تر گزشتہ تجربہ پر ہوتی ہے جس کے خلاف ہونا ہمیشہ ممکن ہے اور کسی اصلی استحالہ کو مستلزم نہیں۔

(۳) لہذا قوانین فطرت کے خلاف ہونا (یعنی ان کا خرق) بذات خود ممکن' عقلاً جائز' بالفاظ دیگر یہ کہ معجزہ عقلاً بالکل جائز وممکن ہے۔

شہادت معجزات

اِمکان وقوع کے لیے کافی نہیں:

لیکن کسی امر کا صرف عقلاً جائز وممکن ہونا اس کے وقوع کی دلیل نہیں یہ عقلاً بالکل جائز وممکن تھا کہ اکبر ہندوستان کے ساتھ انگلستان کا بھی بادشاہ ہوتا۔ مگر واقعتاً ایسا نہیں' کسی شے کے وقوع کو قبول کرنے کے لیے دو صورتیں ہیں (۱) غیر مشتبہ مشاہدہ یا (۲) تشفی بخش شہادت۔ غیر مشتبہ مشاہدہ کی صورت میں کوئی شے بحث طلب نہیں رہ جاتی۔ مثلاً۔

"آنحضرت ﷺ نے ایک سفر میں حضرت جابرؓ سے وضو کا پانی طلب فرمایا' انہوں نے قافلہ میں بہت ڈھونڈا پانی نہیں ملا' انصار میں ایک شخص تھے جو خاص طور پر آپؐ کے لیے پانی ٹھنڈا کر کے رکھتے تھے حضرت جابرؓ نے آپؐ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی اطلاع کی آپؐ نے ان کو ان انصاری کے پاس بھیجا'

(۱) دیکھو فرانک بیلارڈ کی THE MIRACLE OF ON BELIEF

(۲) دیکھو اس کی کتاب MATTER ETHER NATION (مادہ' پھر' حرکت)

Marfat.com

لیکن ان کے پاس بھی اس قدر کم پانی نکلا کہ اگر انڈیلا جاتا تو برتن کے خشک حصہ ہی میں جذب ہو کر رہ جاتا۔ حضرت جابرؓ نے آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپؐ نے اس برتن کو منگا بھیجا اور ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھا اور اس کو ہاتھ سے دبا دیا۔ پھر حضرت جابرؓ کو برتن دیا اور طشت کے اندر رکھ کر حضرت جابرؓ کو حکم دیا کہ بسم اللہ کہہ کر آپؐ کے ہاتھ پر پانی گرائیں' حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا' پہلے آپؐ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی انڈا' پھر تمام طشت بھر گیا' یہاں تک کہ سب لوگ پانی پی کر سیراب ہو گئے' اس کے بعد آپؐ نے اس کے اندر سے ہاتھ نکال لیا تو طشت بھرے کا بھرا رہ گیا۔''(۱)

اب اگر حضرت جابرؓ نے اس واقعہ کو بچشم خود مشاہدہ کیا اور ان کو اس میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہیں تھا تو ظاہر ہے کہ ان کو اس کے یقین وقبول میں کیا تامل ہو سکتا تھا' البتہ ہمارے لیے اس کے باور کرنے میں یہ بحث پیدا ہو سکتی ہے کہ یہ واقعہ فی نفسہ ممکن ہے یا ناممکن اور حضرت جابرؓ کی شہادت کہاں تک قابل اعتبار ہو سکتی ہے لہٰذا امکان معجزات کا مرحلہ طے ہو چکنے کے بعد دوسری بحث شہادت معجزات کی پیدا ہوتی ہے۔

ہیوم کا فتویٰ:

ہیوم کا روایات معجزہ کے متعلق اگرچہ آخری فتویٰ یہی ہے کہ اس کے اثبات کے لیے انسانی شہادت کی کوئی کمیت وکیفیت نہیں کافی ہو سکتی' تاہم نفس خارق فطرت واقعات کے لیے اس کے نزدیک بھی انسانی شہادت کا ایک درجہ ایسا موجود ہے جس کی بناء پر ان کو قبول کیا جا سکتا ہے۔

''فرض کرو کہ تمام زبانوں کے تمام مصنفین اس پر متفق ہوں کہ یکم جنوری ۱۶۰۰ء سے لے کر آٹھ دن تک برابر تمام روئے زمین پر تاریکی چھائی رہی' یہ بھی فرض کرو کہ اس خارق عادت واقعہ کی روایت آج تک لوگوں کی زبان پر ہے اور دوسرے ممالک سے جو سیاح آتے ہیں وہ بے کم وکاست اور بلاشائبہ تناقض وہاں کے لوگوں کی یہی روایت بیان کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ہمارے زمانہ کے حکماء کا کام شک کے بجائے اس واقعہ کا یقین کر کے اس کی توجیہ اور اس کے علل واسباب کی جستجو ہوگی' کائنات فطرت میں زور وانحطاط' فنا وفساد کی مثالیں اس کثرت سے ملتی ہیں کہ اگر کسی حادثہ سے اس کی تباہی کے آثار پائے جائیں تو اس کے بارے میں انسانی شہادت قابل قبول ہوگی' بشرطیکہ یہ نہایت وسیع' متواتر اور متفق علیہ ہو۔ (۲)

ہیوم کا تعصب:

اب اگر یہی واقعہ کسی نبی کی طرف منسوب کر کے معجزہ قرار دیا جائے تو ہیوم کے نزدیک اس پر یقین کرنے کے

(۱) دیکھو کتاب ہذا' بیان عام معجزات۔

(۲) فہم انسانی باب ۱۰۔

Marfat.com

لیے کوئی انسانی شہادت قابل قبول نہ ہوگی کیوں؟ اس لیے کہ ''اس قسم کی شہادت خود اپنی تکذیب ہے۔'' حتیٰ کہ جس معجزہ کی بناء کسی انسانی شہادت پر ہو وہ حجت و استدلال کے بجائے محض تمسخر انگیز چیز ہے' مذہب کے نام سے لوگ ہمیشہ مضحک و خرافات افسانوں کے دام میں آ جاتے ہیں لہٰذا مذہب کی طرف نفس انتساب ہی معجزہ کے حیلہ و فریب ہونے کا پورا ثبوت ہے۔ مذہب جیسی مقدس شے کی تائید میں لوگ بے ضرر کذب و افترا سے باک نہیں کرتے پیمبر (معاذ اللہ) عزت پیمبری کے شوق میں ہر طرح کے خطرات کو گوارا کر سکتا اور مکر و احتیال پر آمادہ ہو سکتا ہے' انسان زود اعتقاد اور بالطبع عجائب پسند ہے' معجزات کا قبول عام اور بہ آسانی شائع و ذائع ہو جانا خود اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ انسان میں عجائب پرستی کا کیسا شدید میلان ہے اور اس لیے عجائب پرستی کے تمام بیانات کو بجا طور پر اشتباہ کی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے' پھر معجزات اور فوق الفطرت باتوں کے خلاف ایک قوی قرینہ یہ ہے کہ ان کا اعتقاد زیادہ تر جاہل اور وحشی اقوام میں پایا جاتا ہے۔ ایک عقل مند آدمی پرانے زمانہ کی حیرت زا تاریخوں کو پڑھ کر پکار اٹھتا ہے کہ عجب بات ہے کہ اس قسم کے خارق عادت واقعات ہمارے زمانہ میں نہیں ظاہر ہوتے۔ ان ہی وجوہ کی بنا پر دعویٰ ہے کہ مذہب کے نام سے جتنے معجزات بیان کیے جاتے ہیں وہ سب کے سب محض خرافات اور انسان کی اوہام پرست فطرت کا ڈھکوسلا ہیں۔ (۱)

بلاشبہ شہادت کی جرح و تعدیل اور تحقیق و تنقیح کے وقت یہ تمام امور قابل لحاظ ہیں لیکن کیا ان میں سے کوئی ایک شے بھی ایسی ہے جس کی بناء پر محض معجزہ یا مذہب کے نام آتے ہی ہیوم کا یہ ایسا نا قابل حمایت اور صریح تعصب تھا جس کے لیے صدائے تائید حکمت و فلسفہ کے سنجیدہ حلقوں سے نہیں اٹھ سکتی تھی اور اگر کسی معجزہ کی تصدیق میں تشفی بخش شہادت موجود ہو تو اس کے قبول سے محض معجزہ ہونے کی بناء پر کسی عاقل کو انکار نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ایک سفر میں۔

> ''صحابہؓ بھوک سے اس قدر بے تاب ہوئے کہ اونٹنیاں ذبح کرنا چاہیں' لیکن آپ ﷺ نے تمام لوگوں کے زادراہ کے جمع کرنے کا حکم دیا' ایک چادر بچھائی گئی اور اس پر تمام زادراہ ڈھیر کیا گیا اس تمام سامان کی مجموعی تعداد نے صرف اس قدر زمین کا احاطہ کیا جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی اور اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی لیکن تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھالیا اور اپنے اپنے توشہ دان بھی بھر لیے۔'' (۲)

کافی شہادت:

اب اس روایت میں اگر ان امور کی کافی شہادت مل جائے کہ (۱) تمام زادراہ صرف ایک بکری کے بیٹھنے بھر کی جگہ میں آ گیا تھا (۲) اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی (۳) سب لوگوں نے یہ سیر ہو کر کھالیا (۴) اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لیے تو ہکسلے جیسے حکیم و فلسفی تک کو اس روایت کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔

چنانچہ اسی نوعیت کا ایک معجزہ حضرت مسیحؑ کا انجیل میں مذکور ہے کہ پانچ روٹیوں اور مچھلیوں سے پانچ ہزار آدمیوں کا پیٹ بھر گیا اور پھر بھی اتنے ٹکڑے بچ رہے کہ جن کو جمع کرنے سے بارہ ٹوکریاں بھر گئیں۔ (۳) لیکن اس

(۱) یہ تمام قریب قریب ہیوم ہی کے الفاظ ہیں جو تم کو اس کے مضمون ''معجزات'' میں جا بجا ملیں گے۔
(۲) دیکھو کتاب ہذا بیان عام معجزات۔ (۳) یوحنا باب ۶ آیات ۱۴۵۔

Marfat.com

معجزہ کے باور کرنے میں روایۃً و درایۃً جو دشواریاں نظر آتی ہیں ان کو پوری طرح واضح کرنے کے بعد ہکسلے نے لکھا ہے۔

''اگر یہ ثابت ہو جائے کہ (۱) کھانا شروع کرتے وقت روٹیوں اور مچھلیوں کا وزن کیا تھا (۲) پانچ ہزار آدمیوں میں یہ تقسیم کی گئیں۔ بلا اس کے کہ ان کی کمیت یا کیفیت میں کوئی اضافہ ہوا ہو (۳) تمام آدمی واقعاً پوری طرح آسودہ ہو گئے (۴) اس کے بعد ٹوکریوں میں جو ٹکڑے جمع کیے ان کا وزن کیا تھا تو پھر ممکنات و ناممکنات کے بارہ میں میرے موجودہ خیالات کچھ ہی ہوں' لیکن مذکورہ بالا چار چیزوں کی تشفی بخش شہادت کے بعد مجھ کو ماننا پڑے گا کہ پچھلے خیالات غلط تھے اور اس معجزہ کو ممکنات فطرت کی ایک نئی اور خلاف توقع مثال سمجھوں گا۔''(۱)

غرض معجزہ نہ صرف فی نفسہ ایک ممکن الوقوع شے ہے بلکہ تشفی بخش شہادت کی بنا پر اس کے وقوع کا یقین بھی کیا جا سکتا ہے' اس کے بعد یہ بحث رہ جاتی ہے کہ آیا مذہبی یا تاریخی کتابوں میں جو معجزات مذکور ہیں ان کے یقین کرنے کے لیے تشفی بخش شہادت موجود ہے۔

اس سوال کا جواب ہیوم کو تو نفی میں دینا ہی چاہیے تھا لیکن یہاں پہنچ کر ہکسلے بھی سپر افگندہ ہو جاتا ہے اور ہیوم کے جواب سے لفظاً و معنی کامل طور پر اتفاق کر لیتا ہے۔(۲)

''یہ سچ ہے کہ معجزات کے ناممکن ہونے کا دعویٰ نہیں ثابت کیا جا سکتا' لیکن مجھ کو کوئی ایسی شے قطعاً نہیں معلوم جس کی بناء پر میں ہیوم کے اس وزنی فتویٰ میں کچھ ترمیم کر سکوں کہ تاریخ کے سارے دفتر میں ایک بھی ایسا معجزہ نہیں ملتا جس کی تصدیق و تائید میں ایسے فہمیدہ' باہوش اور تعلیم یافتہ لوگوں کی کافی تعداد موجود ہو جن کے خود فریب و مغالطہ میں پڑنے کا ہم کو اندیشہ نہ ہو جن کی راست بازی اس درجہ غیر مشتبہ ہو کہ کسی مصلحت کی بنا پر دوسروں کو فریب دہی کا ان پر گمان نہ ہو سکے جو لوگوں کی نگاہ میں ایسی عزت و شہرت رکھتے ہوں کہ اگر ان کا جھوٹ کھل جائے تو ساری عزت خاک میں مل جائے' ساتھ ہی جن واقعات کی وہ روایت یا تصدیق کر رہے ہیں وہ ایسے علی الاعلان طریقے سے اور ایسے مشہور مقام پر واقع ہوئے ہوں کہ ان کی نسبت دروغ بیانی چھپ ہی نہ سکے' حالانکہ انسانی شہادت کو قطعی بنانے کے لیے یہ تمام باتیں ضروری ہیں۔''

ہیوم نے کہنے کو تو کہہ دیا کہ قبول معجزات کے لیے جس درجہ کی شہادت درکار ہے اس کا تاریخ کے دفتر میں کہیں پتہ نہیں' لیکن معجزات کے عدم قبول کی کیا واقعاً یہی وجہ ہے؟ اور کیا اس نے اپنے اس دعویٰ کی چند ہی صفحات آگے بڑھ کر خود تردید نہیں کر دی ہے؟ فرانس میں کوئی مشہور درگاہ ہے' جس کے تقدس پر (بقول ہیوم) لوگ مدتوں فریفتہ رہے ہیں۔

---

(۱) مقالات ہکسلے ج ۵ ص ۲۰۳۔

(۲) ایضاً ص ۲۰۷

Marfat.com

''بہروں کو سماعت' اندھوں کو بصارت مل جانا اور بیماروں کا اچھا ہو جانا اس مقدس درگاہ کی معمولی کرامتیں تھیں' جن کا ہر گلی کوچے میں چرچا رہتا تھا' لیکن سب سے حیرت انگیز اور غیر معمولی بات یہ ہے کہ ان میں سے بہت سی کرامتیں ایسے اشخاص کو حکم یا ثالث بنا کر ان کے روبرو ثابت کر دکھائی گئی ہیں جن کی دیانت پر حرف رکھنا ناممکن ہے' پھر ان پر ایسے گواہوں کی مہر تصدیق ثبت ہے جن کی شہرت و سند مسلّم ہے جس زمانہ میں ان کرامتوں کا ظہور ہوا وہ علم کا زمانہ ہے اور جگہ بھی ایسی جو دنیا کا مشہور ترین خطہ ہے اتنا ہی نہیں بلکہ یہ کرامتیں چھاپ چھاپ کر ہر جگہ شائع کی گئیں' بایں ہمہ یسوعی فرقہ تک کو ان کی تکذیب یا پردہ دری کی مجال نہ ہوئی' حالانکہ یہ لوگ خود اہل علم تھے۔ مجسٹریٹ ان کی حمایت پر تھا اور ان خیالات کے جانی دشمن تھے جن کی تائید میں یہ معجزات پیش کیے جاتے تھے۔ اب یہ بتاؤ کہ کسی امر کی توثیق و تصدیق کے لیے اتنی تعداد میں حالات ہم کو کہاں میسر آ سکتے ہیں اور ان دل بادل شہادتوں کے خلاف ہمارے پاس بجز اس کے اور کیا دلیل ہے کہ یہ واقعات بذات خود قطعاً ناممکن اور سراسر خارق فطرت ہیں اور معقول پسند آدمیوں کی نگاہ میں ان کی تردید کے لیے بس یہی ایک دلیل کافی ہے۔[1] اَللّٰھُمَّ احْفِظْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔

ہیوم کا صریح تناقض:

ایک ہی مضمون کے اندر ایسے زبردست فلسفی کی ایسی صریح تناقض بیانی جس قدر حیرت افزا ہے اس سے کہیں زیادہ عبرت انگیز ہے۔ بات یہ ہے انسان کا یقین ہمیشہ اس کی منطق کا ساتھ نہیں دیتا۔ جبر یہ اس کے قائل ہیں کہ انسان اپنے افعال میں مجبور محض ہے اور اس دعویٰ پر انہوں نے اٹل سے اٹل دلائل قائم کر دیے ہیں' تاہم دیکھو کہ ۲۴ گھنٹے کی زندگی میں وہ خود کتنے لمحے ان دلائل کی بناء پر اپنے کو مجبور محض یقین کرتے ہیں' ہیوم کے دلائل فلسفہ نے بے شک یہ ثابت کر دیا کہ معجزہ فی نفسہ ناممکن نہیں لیکن پھر بھی دل سے یہ کھٹک نہیں نکلتی کہ واقعات (معجزات) بذات خود ناممکن اور سراسر خارق عادت ہیں۔ اور ان کی تردید کے لیے بس یہی ایک دلیل کافی ہے' فرانس کی درگاہ کے متعلق جو کرامتیں مشہور ہیں ان کی توثیق و تصدیق کے لیے اسی درجہ کی شہادت اس کو مل گئی جس کا چند صفحے پہلے اس کے نزدیک سارے تاریخ کے دفتر میں وجود نہ تھا لیکن پھر بھی ان کرامتوں سے قطعی انکار ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ معجزات کا یقین کرانے کے لیے کسی معجزہ یا کرامت کی تائید میں صرف ممکن سے ممکن انسانی شہادت کا مہیا کر دینا کافی نہیں ہے بلکہ پہلے اس کے عدم امکان کا وسوسہ پوری طرح ذہن سے نکالنا چاہیے اور پھر خود یقین کی ماہیت و اسباب پر بحث کرنی چاہیے۔

انتہائی استبعاد:

اوپر اگرچہ ہم نے ہیوم کی اس تعریف میں چنداں مضائقہ نہیں خیال کیا تھا کہ معجزات نام ہے خارق فطرت واقعات کا' لیکن تم نے اقتباس بالا کے آخری زیر خط جملہ میں دیکھ لیا کہ ''خارق'' کا لفظ کس قدر گمراہ کن ہے خود ہیوم

(۱) قابل توجہ فقرات کو زیر خط میں مؤلف ہذا نے کیا ہے۔

Marfat.com

ہی کے فلسفہ کی رو سے معجزات کا بالذات ممکن ہونا قطعی طور پر محقق ہو چکا ہے' پھر بھی اس کی زبان قلم اس لغزش سے اپنے کو نہیں بچا سکتی کہ واقعات (معجزات) بذات خود قطعاً ناممکن اور سراسر خارق فطرت ہیں۔ اصل یہ ہے کہ نفسی اختلافات کی بناء پر ہمارے ذہن میں یہ غلط خیال بے طرح جاگزین ہو چکا ہے کہ فطرت یا قانون فطرت ایک اٹل اور ناممکن التغیر شے ہے۔ اس لیے کسی واقعہ کو خارق فطرت کہتے ہی اس کے ناممکن ہونے کا تصور ذہن پر مسلط ہو جاتا ہے۔

لہذا جب یہ مختتم طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ خود معجزہ کی ذات میں عدم امکان داخل نہیں ہے بلکہ تشفی بخش شہادت کی موجودگی میں اس کا یقین کیا جا سکتا ہے تو اس کو خارق فطرت کی گمراہ کن تعبیر کے بجائے ہلکے سے ہلکے الفاظ میں زیادہ سے زیادہ انتہائی حیرت انگیز واقعہ کہا جا سکتا ہے' لیکن انتہائی حیرت انگیز سے بھی مناسب تر تعبیر انتہائی مستبعد کی ہو گی۔

استبعاد معجزات

فطرت کی یکسانی:

ایک عام خیال جو اس ''حیرت انگیزی'' میں اضافہ کرتا ہے' یہ ہے کہ کارخانہ فطرت کے تمام پرزے ہمیشہ اور ہر حالت میں یکساں ہی نتائج پیدا کرتے ہیں۔ حکماء جب تک فطرت کی ایک رنگی پر زور دیتے ہیں تو اسی مغالطہ میں مبتلا نظر آتے ہیں حتیٰ کہ مِل کو اپنی ''منطق''[1] میں اس خیال کی تردید کرنی پڑی کہ فطرت کی کارفرمائی ہمیشہ یکسانی پر مبنی ہوتی ہے' ہم خود غور کریں تو کچھ نہ کچھ مثالیں ایسی سامنے آتی رہتی ہیں جن سے یہ مغالطہ دور ہو جانا چاہیے۔ ابھی آج ہی اخبار پڑھتے وقت اس قسم کے دو واقعے نظر پڑے۔[2]

عورتوں کے علی العموم بہ وقت واحد ایک لڑکا ہوتا ہے یا کبھی کبھی دو' لیکن حال میں مکسکو (امریکہ) میں ایک عورت کے ایک ساتھ آٹھ لڑکے پیدا ہوئے' ایک دوست سے اس واقعہ کا ذکر آیا تو انہوں نے کہا' کچھ عرصہ ہوا کہ برہما میں ایک عورت کے چھ لڑکے ہونے کی خبر شائع ہوئی تھی۔ طبی دنیا کا عام تجربہ ہے کہ جب خون کی حرارت ۱۰۷ یا ۱۰۸ درجے پہنچ جاتی ہے تو آدمی نہیں بچتا' لیکن برسٹل میں انفلوئنزا کی مریض ایک لڑکی کا بخار ۱۱۴ درجہ تک پہنچ گیا' پھر بھی وہ اچھی ہو گئی اور زندہ ہے' خود حیرت زدہ ڈاکٹر کی شہادت ہے کہ۔

> ''جب وہ پہلی دفعہ اس لڑکی کو دیکھنے کے لیے بلایا گیا تو اس کی حرارت ۱۱۲ نکلی' خیال ہوا کہ تھرمامیٹر میں کچھ نقص ہے' دوسرا تھرمامیٹر منگا کر لگایا تو پھر وہی ۱۱۲۔ ڈاکٹر کو اب بھی یقین نہ آیا' اس نے دو تھرمامیٹر منگائے' بالآخر یقین کرنا پڑا' کچھ علاج سے بخار اپنی معتدل حالت پر آ گیا لیکن رات کو پھر بڑھ گیا اور دوسرے دن صبح کو جب ڈاکٹر نے دیکھا تو ۱۱۴ تھا' حیرت کی انتہا نہ رہی' بہر حال علاج سے فائدہ ہوا اور

(۱) نظام منطق کتاب ۳ باب ۳۔

(۲) یہ دونوں واقعے آج ۲۷ فروری ۱۹۲۲ء کے لیڈر میں مذکور ہیں۔

Marfat.com

اب مریضہ خاصی رو بصحت ہے۔‘‘

تریکون متی (ٹرگنا میٹری) یا ’’مساحۃ المثلثات‘‘ وغیرہ ریاضیات عالیہ کی وہ شاخیں ہیں جن کی کالجوں میں ریاضیات کے اعلیٰ مدارج میں تعلیم دی جاتی ہے‘ ۱۰‘ ۱۱ برس کے بچے جو علی العموم زیادہ سے زیادہ اسکول کی چوتھی پانچویں جماعت میں پڑھتے ہیں ان کی ریاضی دانی بس حساب کے چند ابتدائی قواعد تک محدود ہوتی ہے جو لڑکے غیر معمولی طور پر ذہین و محنتی اور جن کی تعلیم کا گھر پر مُعلّم رکھ کر کچھ خاص اہتمام کیا جاتا ہے وہ بہت ترقی کرتے ہیں تو ۱۳‘ ۱۴ برس کی عمر میں اسکول کی تعلیم پوری کر پاتے ہیں۔

لیکن گزشتہ سال اکتوبر میں (۷ اکا تار لیڈر) راج نرائن نامی ۱۱ برس کے ایک مدراسی لڑکے کا معجزہ ریاضیات (اسی عنوان سے) یہ چھپا تھا کہ اس نے بلا کسی مُعلّم کی مدد کے اعلیٰ الجبرا‘ تریکون متی‘ تحلیلی اقلیدس (جامیٹری) وغیرہ از خود حاصل کی ہے۔

ولادت مسیح (بے باپ کے) یا احیائے موتی سے بڑھ کر کس شے میں انتہائی استبعاد یا اعجاز ہو سکتا ہے۔ لیکن سائنس کی تحقیقات نے (جس کے نزدیک انسان کی حقیقت حیوان عالم سے زیادہ نہیں) حیوانات ہی کے اندر اس کے نظائر بھی تلاش کر لیے‘ چنانچہ ہکسلے جیسے سائنسدان نے معجزات ہی کے ضمن میں لکھا ہے۔

> ’’رہا مریم کے کنوارپن میں مسیح کا پیدا ہونا تو یہ نہ صرف ممکن التصور شے ہے بلکہ علم الحیات کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ بعض اصناف حیوانات میں یہ روزانہ کا واقعہ ہے‘ یہی حال احیائے موتی کا ہے بعض جانور مر کر مومیات کی طرح بالکل خشک ہو جاتے ہیں اور عرصہ تک اسی حالت میں رہتے ہیں لیکن جب ان کو مناسب حالات میں رکھ دیا جاتا ہے تو پھر جان آ جاتی ہے۔‘‘ (۱)

ایجادات سائنس:

یہ تو سائنس کا علمی و تحقیقاتی پہلو تھا‘ ایجادی و اختراعی پہلو نے بھی اس سے کم انتہائی حیرت انگیز اعجاز نمایاں نہیں کی ہیں‘ لاسلکی ذریعہ پیغام رسانی کی ایجاد سے پہلے یہ کس قدر مستبعد بلکہ ایک حد تک ناقابل تصور بات تھی کہ آپ بمبئی میں بیٹھے ہیں اور آپ کا دوست لندن میں‘ درمیان میں ہزار ہا میل سمندروں کی پہنائی حائل ہے‘ تار وغیرہ کوئی محسوس شے آپ دونوں کے مابین رابطہ نہیں‘ پھر بھی چشم زدن میں آپ اس کو اپنا پیام پہنچا دے سکتے ہیں۔ ایک منٹ میں ۶۰ سیکنڈ ہوتے ہیں۔ ایک سیکنڈ میں بھی ۱۶ حصے کیجئے اور اُس سولہویں حصے میں یہ پیام ۱۶ ہزار میل سے زیادہ کی مسافت طے کر سکتا ہے۔ (۲)

حیرت پر حیرت یہ ہے کہ آپ صرف پیام ہی نہیں پہنچا سکتے ہیں‘ بلکہ حال ہی میں ایک فرانسیسی سائنسدان نے اس معجزہ کا دعویٰ کیا ہے کہ بمبئی میں اپنے میز پر بیٹھے بیٹھے آپ اسی لاسلکی کے ذریعہ سے لندن‘ پیرس یا نیویارک میں چک پر اپنے دستخط ثبت کر سکتے ہیں‘ قریب قریب (یعنی سینکڑوں میل) کے مقامات پر اس کے کامیاب تجربات ہو بھی

(۱) مقالات ہکسلے ج ۵ ص ۱۹۹۔

(۲) معارف۔

Marfat.com

چکے ہیں۔ (۱)

تنویم:

طبیعیات کے ان کرشموں کو دیکھ چکنے کے بعد اب ذرا نفسیات کے اس شعبہ کی تحقیقات کو سامنے لایئے جس کا نام ہپناٹزم ہے، عربی میں اس کو تنویم مقناطیسی کہتے ہیں لیکن ہم صرف تنویم یا عمل تنویم سے تعبیر کریں گے اس عمل کی کرامات ہمارے زمانہ کے ایک نہایت ہی بلند پایہ محقق نفسیات پروفیسر ولیم جیمس کے الفاظ میں یہ ہیں۔

"عامل تنویم اپنے معمول سے جو کچھ بھی کہتا ہے اس کو وہ یقین کر لیتا ہے اور جس چیز کا وہ حکم کرتا ہے اس کو بجالاتا ہے حتیٰ کہ جو چیزیں معمولی حالت میں آدمی کے اختیار سے باہر ہوتی ہیں وہ بھی عامل کے حکم سے واقع ہو سکتی ہیں، مثلاً چھینک، چہرے کا سرخ یا زرد پڑ جانا، حرارت خون کا کم یا زیادہ ہو جانا، حرکت قلب میں تیزی یا سستی پیدا ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔

تم معمول کو یقین دلا سکتے ہو کہ وہ یخ ہوا جا رہا یا آگ میں جلا جا رہا ہے، تم اس کو آلو کھلاؤ، لیکن یہ یقین دلا سکتے، ہو کہ شفتالو کھا رہا ہے، تم اس کو سرکہ پلا کر یقین دلا سکتے ہو کہ شراب پی رہا ہے، نوسادر میں اس کو کالونگی کی بو محسوس ہو سکتی ہے، کرسی اس کو شیر نظر آ سکتی ہے، جھاڑو اس کے لیے خوب صورت عورت بن جا سکتی ہے، راستہ کا شور اس کو موسیقی معلوم ہو سکتا ہے جوان آدمی اپنے کو بچہ یا نپولین اعظم سمجھنے لگ سکتا ہے۔ سر یا دانتوں کا درد، دور کر دیا جا سکتا ہے، وجع مفاصل وغیرہ کے مریض کو اچھا کیا جا سکتا ہے، بھوک فنا کر دی جا سکتی ہے یہاں تک کہ ایک شخص نے ۱۴ دن تک کھانا نہیں کھایا، جس چیز سے تم چاہو اسی چیز سے معمول بہرا یا اندھا ہو جا سکتا ہے مثلاً فلاں لفظ وہ نہ سنے لاکھ اس کے سامنے چیخو نہ سنے گا یا فلاں آدمی کو وہ نہ دیکھے، اس کے سامنے کھڑا کرو وہ نہ دیکھ سکے گا۔" (۲)

اس عمل کے وقت معمول پر ایک نیند کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اسی لیے اس کا نام تنویم ہے لیکن عمل کا اثر اس کیفیت کے بعد بھی قائم رہ سکتا ہے۔ مثلاً جس مرض کے لیے تم عمل کرو وہ ہمیشہ کے لیے دور ہو سکتا ہے یا فرض کرو کہ معمول سے تم یہ کہہ دو کہ آئندہ سال جنوری کی ۲۰ تاریخ کو صبح ۹ بجے اپنے پلنگ کے پاس ایک شیر کھڑا دیکھو گے، سال بھر کے بعد ٹھیک اسی وقت پلنگ کے پاس معمول کو شیر دکھائی دے گا۔

گو عمل تنویم کے تجربات زیادہ تر نیند کی کیفیت طاری کرنے کے بعد ہی کیے جاتے ہیں لیکن اس کیفیت کا نمایاں طور پر طاری ہونا کامیابی عمل کے لازمی شرائط میں نہیں ہے، بلکہ ڈاکٹر مول کا خیال تو یہ ہے کہ ایسے معمول نسبتاً کم ہوتے ہیں، جن پر کیفیت نوم طاری ہوتی ہو۔ (۳) ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس عمل کا اثر افراد ہی تک محدود نہیں بلکہ جماعتوں اور مجمعوں کو بھی متاثر کر سکتا ہے۔

ڈاکٹر البرٹ مول کا ابھی نام لیا جا چکا ہے، اس جرمن فاضل کی کتاب "ہپناٹزم" اپنے موضوع پر سب سے بہتر

(۱) انڈین ریویو بابت جنوری ۱۹۱۷ء ص ۷۷۔

(۲) دیکھو پروفیسر موصوف کی کتاب پرنسپلس آف سائیکولوجی (اصول نفسیات) جلد دوم باب ۲۷۔

(۳) ڈاکٹر مول کی کتاب ہپناٹزم ص ۹۲، مطبوعہ ۱۹۰۹ء۔

Marfat.com

نہایت محققانہ اور مستند خیال کی جاتی ہے' ڈاکٹر موصوف نے اس کتاب میں دکھلایا ہے کہ بہت سے معجزات کی توجیہ نہایت آسانی کے ساتھ تنویم مقناطیسی سے کی جاسکتی ہے' معجزات ہی پر کیا موقوف ہے' سحر و عملیات تک کے صدہا عجائب کی گرہ کھل جاتی ہے اور جن واقعات پر عقلاء نے اوہام واباطیل کی مہر ثبت کر دی تھی وہ قوانین مادی کی طرح قوانین نفسی کے حقائق بن گئے ہیں۔

معجزات شفا:

بہت سے معجزات و کرامات کا تعلق امراض کی ایسی شفا سے ہے جو طب کے مادی وسائل علاج پر مبنی نہیں اور اس کے لیے مدعیان عقل کے ہاں اس کا نام ''وہم پرستی'' تھا لیکن آج تنویمی تحقیقات نے ایک نیا اور نہایت کامیاب اصول علاج منکشف کر دیا ہے جو عام مادی وسائل اور استعمال ادویہ سے قطعاً مستغنی ہے اور اس بے دوا کے علاج سے بہرے شنوا ہو جاتے ہیں' پھیپھڑے اور سل کے امراض میں شفا حاصل ہوتی ہے' آنکھوں کی بیماریاں جاتی رہتی ہیں' وجع مفاصل دور ہو جاتا ہے' زخم بھر آتے ہیں (۱) کیا اس کے بعد بھی انجیل کی روایات مسیحائی کو محض خوش اعتقادی یا اکاذیب کا طومار کہنا خود اپنے جہل مرکب کی گواہی نہ ہوگی۔

فرانس کی جس مشہور درگاہ کی کرامات شفا کا اوپر ذکر گزرا ہے' ہیوم نے معتبر سے معتبر شہادت کے باوجود ان کو ''قطعاً ناممکن'' قرار دیا تھا' لیکن ڈاکٹر مول بلا کسی مطالبہ شہادت کے قدیم مصری اور یونانی مندروں کی کرامات شفا کو تنویم ہی کا معجزہ نما نفسی اثر سمجھتا ہے۔ (۲) غرض جو چیز ہیوم کے نزدیک قطعاً ناممکن تھی' مول کے نزدیک اب اس میں اتنا استبعاد بھی باقی نہیں کہ کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ کرے۔

جان اسٹورٹ مل نے معجزہ کی تعریف یہ کی تھی کہ وہ عبارت ہے ایسے واقعہ سے جس کے پہلے وہ لوازم و شرائط نہ پائے جاتے ہوں جو دوبارہ اس کو وجود میں لانے کے لیے کافی ہوتے ہیں لیکن آج ہمارے سامنے وہ لوازم و شرائط موجود ہیں جن کی بنا پر عصا اسی طرح اژدہا بن جاتا ہے جس طرح کہ کرسی شیر نظر آ سکتی ہے' تم کہو گے تو پھر اس صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعجاز کیا رہا؟ اس کا جواب آئے گا' سر دست تم صرف اتنا سمجھ لو کہ عصا کا اژدہا بن جانا اتنا مستبعد واقعہ نہیں ہے جس پر یقین کے لیے نفس نوعیت واقعہ کی بنا پر کسی غیر معمولی شہادت کی احتیاج ہو۔

عام تجربات:

تنویمی تجربات کے علاوہ یوں بھی کچھ نہ کچھ ایسے پُراسرار واقعات مشاہدہ و مسموع ہوتے رہتے ہیں جن کی توجیہ عام قوانین فطرت سے نہیں ہوتی اور جو بہت سے معجزات کے متعلق ہماری حیرت و استبعاد میں کمی پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے صوبہ کے مشہور انگریزی اخبار ''لیڈر'' نے پچھلے سال اپریل میں بردوان کا ایک عجیب و غریب واقعہ چھاپا تھا جو نامہ نگار کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

''بردوان میں ایک عجیب پراسرار واقعہ پیش آیا جس نے لوگوں میں کافی سنسنی پیدا کر دی ہے لالہ کندن لعل

(۱) ڈاکٹر مول کی کتاب ہپناٹزم ص ۳۵۵' ۱۹۰۹ء

(۲) ہپناٹزم ص ۳۵۶۔

Marfat.com

پور ایک کھتری زمین دار ۱۱ ماہ حال کو ۶ بجے شام کے وقت مرا۔ متوفی چونکہ سوریہ بنسی کھتری تھا اس لیے جب تک دوسرے دن صبح آفتاب نہ نکل لیا اس کی لاش جلائی نہیں گئی' جلانے سے پہلے اس کے لڑکے (نندلال) نے ایک خالی کمرہ میں جہاں کوئی اور نہ تھا لاش کا فوٹو لیا' لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ اس کے فوٹو پر پانچ دھندلی تصویریں آ گئی ہیں' ان تصویروں میں سے دو کو تو خاندان کے لوگوں نے پہچانا تھا کہ متوفی کی پہلی بیوی اور لڑکی کی ہیں' جن کو مرے ہوئے کئی سال ہو چکے ہیں' باقی تین تصویریں جو زیادہ روشن نہ تھیں پہچانی نہ جا سکیں۔''

''ٹائمس آف سیلون'' میں ایک انگریز پلانٹر (چائے کا کاشت کار) نے اپنے قلیوں کی قربانی اور پوجا کے کچھ شاہدات لکھے تھے جو اس کو عجیب معلوم ہوتے تھے' ان میں یہ بھی تھا۔ (۱)

> ''ایک شخص آگ کی سوراخ دار چٹی' ہتھیلی پر رکھ کر مندر کے گرد رقص و طواف کرتا تھا' اس نے مجھ کو یقین دلایا کہ یہ چٹی اس کو بالکل گرم نہیں محسوس ہوتی تھی' حالانکہ جب میں نے تجربۃً چٹی کے اسی حصہ کو جو اس شخص کی ہتھیلی پر تھی چھوا تو میری انگلی جل گئی' ان کا بڑا پجاری کم و بیش ایک منٹ تک آگ میں ہاتھ ڈالے رہا اور کوئی اثر نہ ہوا' اسی طرح اور بھی کئی قلیوں نے نہایت غیر معمولی حرکتیں کیں''

ان چشم دید عجائب کو لکھ کر پلانٹر نے ناظرین اخبار سے درخواست کی ہے کہ اگر کسی اور صاحب نے اس قسم کے واقعات دیکھے ہوں تو براہ مہربانی اطلاع دیں یا اگر ان کی کوئی توجیہ' تشریح ہو سکتی ہو تو کریں' اس پر خود ''ٹائمس'' نے لکھا ہے کہ سیلون اور ہندوستان دونوں جگہ مذہبی رسوم کے مواقع پر اس قسم کے واقعات اکثر دیکھنے میں آئے ہیں مثلاً کولمبو میں محرم کے موقع پر لوگ آگ میں چلتے ہیں' ہم کو نہیں معلوم کہ ایسے واقعات کی اب تک علمی توجیہ ہو سکی ہے' ایک نظریہ یہ ہے کہ لوگ اپنے آپ پر عمل تنویم کر لیتے ہیں۔ (۲)

بہر حال توجیہ ہو سکے یا نہ ہو سکے لیکن ایڈیٹر ٹائمس نے پلانٹر کے بیان کی تکذیب نہیں کی' نہ کسی مزید شہادت کا مطالبہ کیا' کیوں؟ اس لیے کہ اس طرح کے واقعات اور بھی وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے ہیں جن کو سامنے رکھنے کے بعد پلانٹر کا بیان اتنا مستبعد نہیں رہتا کہ نفس نوعیت واقعات ہی کی بنا پر ان کی تغلیط و تردید کر دی جائے یا کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ کیا جائے' پھر کیا وجہ ہے کہ تم اس واقعہ کو غلط سمجھو کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ نہ جلا سکی' زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی بناء پر تم ان کی نبوت کا اقرار نہ کرو' لیکن نفس واقعہ سے انکار کا کیا حق حاصل ہے؟۔

رویائے صادقہ:

رویا یا خواب کی تشفی بخش عقدہ کشائی سے حکمت و فلسفہ کا ناخن اب تک عاجز ہے مختلف اصناف خواب کی توجیہ کے لیے جو جو نظریات فرض کیے گئے ہیں وہ خود ایک خواب پریشان معلوم ہوتے ہیں لیکن قدرت اپنی عجائب آفرینیوں کے لیے انسانی توجیہات کا انتظار نہیں کرتی۔

تم کسی معمر آدمی سے دریافت کرو' اس کو اپنی زندگی کے بہت سے ایسے خواب یاد ہوں گے جو واقعات مستقبل

(۱) ''لیڈر'' نے ''ٹائمس آف سیلون'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔
(۲) تنویم مقناطیسی کی تحقیقات کی رو سے آدمی خود اپنے اوپر بھی عمل کر سکتا ہے۔

Marfat.com

کی تمثیلی یا صریحی پیش بینی تھے' میرے ایک فلسفی دوست کو اپنے خوابوں کی صحت کا اس قدر تجربہ ہے کہ جب کسی شخص سے خواب میں ان سے بے لطفی ہو جاتی ہے تو بیداری میں اس کے نتیجہ کے لیے وہ تیار رہتے ہیں اور اکثر کچھ نہ کچھ بدمزگی کی نوبت آہی جاتی ہے' مجھ کو اپنے خواب بہت ہی کم یاد رہتے ہیں لیکن جو جس قدر زیادہ وضاحت کے ساتھ یاد رہتا ہے' اسی قدر زیادہ صحیح نکلتا ہے' ۱۹۶۰ء کے روزنامچہ میں (۱۵) اپریل ایک جگہ لکھا ہے کہ:۔

''آج دوپہر کو سویا تو کیا خواب دیکھتا ہوں کہ ''ح'' کا خط آیا ہے جس میں ''س'' کا بھی ایک خط ملفوف ہے' اٹھنے کے بعد ڈاک آئی تو یہ خواب بالکل واقع تھا' انتہا یہ کہ خطوں کا جو مضمون خواب میں دیکھا تھا وہی قریب قریب بیداری میں بھی پایا' حالانکہ مجھ کو ''ح'' کے خط کا کوئی انتظار نہ تھا اور ''س'' کا خط تو حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا''

پروفیسر ہلپرکت اسیریا کے آثار قدیمہ کا ایک مشہور ماہر ہے' اس نے دو بابلی کتبات کے متعلق ایک اشکال کو جو بیداری میں حل نہیں ہو سکا تھا' خواب میں حل کیا اور وہ بھی اس طرح کہ بابل کے ایک پرانے کاہن نے خواب میں آ کر اس کی رہنمائی کی۔''(۱)

جب عام لوگوں کے یہ تجربات ہیں تو پھر اس میں کیا استعجاب و استبعاد رہ جاتا ہے کہ بعض نفوس قدسیہ (انبیاء) کے تمام خواب رویائے صادقہ یا ایک طرح کا وحی والہام ہوتے ہیں' رسالت پناہ ﷺ پر وحی کی ابتداء رویائے صادقہ (صالحہ) سے ہوتی تھی۔ اخبار بالغیب کی گرہ بھی بڑی حد تک رویائے صادقہ سے کھل جاتی ہے۔

حقیقی اسرار نبوت:

اسرار نبوت میں سب سے زیادہ پراسرار مقام وہ ہے جہاں ابراہیمؑ کو خدا خود ندا دیتا ہے۔ ﴿ وَنَا دَيْنَاهُ اَنْ يَّآ اِبْرَاهِيمَ﴾ جہاں سے موسیٰ علیہ السلام کو ﴿ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوسىٰ تَكْلِيمًا﴾ کی بنا پر کلیم اللہ کا شرف عطا ہوتا ہے اور جہاں محمدؐ اور خدا(۲) میں ﴿ قَابَ قَوْسَيْنِ﴾ یا اس سے بھی کم کی دوری رہ جاتی ہے' یہی وہ مقام ہے جہاں منطق و استدلال کا ''حجاب اکبر'' اٹھ جاتا ہے اور ظنی علم کی جگہ کشف و مشاہدہ کا حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے۔ ابراہیمؑ کو کس نے ندا دی؟ موسیٰ علیہ السلام نے طور پر کس سے کلام کیا اور لَنْ تَرَانِیْ کے باوجود کیا دیکھا؟ وہ کون سی ہستی تھی جس میں اور محمدؐ میں صرف قاب قوسین کی دوری تھی؟ اور ﴿ اَوْحىٰٓ اِلىٰ عَبْدِهٖ مَآ اَوْحىٰ﴾ کا ماجرا کیونکر پورا ہوا؟ ان سوالات کا جواب جامہ تحدید میں رہ کر نہ دیا جا سکتا ہے اور نہ سمجھا جا سکتا ہے۔

حقیقی آیات نبوّت کی عام مثالیں:

عام معجزات کی نوعیت ہے' چونکہ اس کی مثالیں جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے' معمولی واقعات زندگی میں بھی ملتی

(۱) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مضمون ''ڈریم''۔

(۲) یا جبریل میں۔''س''۔

Marfat.com

رہتی ہیں لہذا اسی نسبت سے ان کے استعداد میں بھی بہت کچھ کمی ہو جاتی ہے لیکن ''وادی ایمن'' اور ''سدرۃ المنتہیٰ'' کی واردات جو اصلی معجزات اور مقام نبوت کی حقیقی ''آیات کبریٰ'' ہیں' ان کی بظاہر کوئی مثال اس عالم ناسوت میں نہیں نظر آتی جس سے عام انسانوں کو ان کی فہم میں مدد ملے۔ بے شک لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى کا رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا اور یہ سچ ہے کہ آفتاب کی عالم افروزی کا اندازہ ستاروں کی چمک سے نہیں ہو سکتا' تاہم بہ قدر استعداد تجلی طور کا ہلکا سا پرتو ذرات پر کبھی کبھی پڑ ہی جاتا ہے اور چشم بینا کی ہدایت کے لیے اتنا ہی بس ہے' انبیائے مرسلین کے بعد اولیائے مقربین کے ہاں ان تجلیات کی کافی شہادتیں ملتی ہیں' لیکن عام انسانی سطح سے چونکہ یہ درجہ بھی بہت بلند ہے' اس لیے اور نیچے اتر کر ہم کو اپنی سطح کی کچھ مثالیں تلاش کرنی چاہئیں۔

پروفیسر ولیم جیمس جو ہمارے زمانہ کا سب سے نامور محقق نفسیات اور جس کا شمار اکابر فلاسفہ میں ہے' اس نے لوگوں کے ذاتی واردات مذہب' یا مذہبی تجربہ وشعور کے مختلف اصناف پر ۵۰۰ صفحات سے زائد کی ایک کتاب لکھی ہے۔[1] اس میں بلا قید مشرق ومغرب انبیاء و اولیاء عوام وخواص' علماء حکماء سب کے تجربات مذہبی کی آپ بیتی واردات کو یکجا کیا۔ اسی ذخیرہ میں سے ہم صرف عام انسانی سطح کے چند واقعات کا بہ ترتیب ذیل انتخاب کرتے ہیں' سب سے پہلے جیمس نے اپنے ایک بے تکلف اور نہایت ہی زہین وزیرک دوست کے متعدد تجربات لکھے ہیں اس دوست کو کبھی کبھی رات کے وقت جب کہ یہ کتب بینی میں مشغول ہے یا خالی ہاتھ بیٹھا ہے' ایسا معلوم ہوا کہ کمرے کے اندر کوئی موجود ہے' پلنگ کے پاس ہے' اپنی گود میں اس کو دبا رہا ہے' گو وہ نہیں جانتا کہ یہ کون ہے یا کیا ہے تاہم نفس اس کی موجودگی کا اس سے کہیں زیادہ اس کو یقین ہے جتنا کہ دن کی روشنی میں کسی ذی روح کی موجودگی کا ہو سکتا ہے' وہ اس کو کسی متشخص ذات یا انسان کی طرح نہیں دیکھ رہا ہے' پھر بھی اپنے تمام محسوسات سے زیادہ اس کے حقیقی وواقعی ہونے کا اذعان ہے۔

> ''اس کی موجودگی میں نہ کوئی ابہام والتباس ہے' نہ یہ شعر یا موسیقی کے وجد وکیف کا سا پیدا کردہ کوئی جذبہ ہے' بلکہ یہ ایک قوی شخصیت کی نہایت قریب موجودگی کا قطعی علم ویقین ہے اور اس کے چلے جانے کے بعد میرے حافظہ میں اس کی یاد ایک حقیقت کی طرح تازہ ہے' ہر چیز جو میں دیکھتا یا سنتا ہوں خواب ہو سکتی ہے' لیکن یہ واقعہ خواب نہ تھا۔'' (صفحہ ۶۰' ۶۱) یہ دوست کوئی وہم پرست نہیں ہے بلکہ جیمس کو اس بات پر حیرت ہے کہ وہ ان تجربات کو مذہبی رنگ میں کیوں نہیں تعبیر کرتا' اس کے بعد ایک اور شخص کا بیان ہے۔''
>
> ''میری آنکھ بہت رات رہے کھل گئی' ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے جان بوجھ کر جگا دیا اور پہلے میں یہی سمجھا کہ کوئی شخص اندر گھس آیا ہے' میں نے پھر سونے کے لیے کروٹ بدل لی' فوراً ہی محسوس ہوا کہ کمرے میں کوئی موجود ہے اور یہ کچھ عجیب احساس تھا' کسی عام ذی حیات شخص کی موجودگی کا نہیں بلکہ ایک روحانی وجود کا احساس تھا' ممکن ہے کہ تم کو اس پر ہنسی معلوم ہوتی ہو لیکن میں وہ بیان کرتا ہوں جو مجھ پر گزری بجز اس کے

---

(۱) اس کا نام THE VIREETIES OF RELGISVS EXPRERIENCE تجربہ مذہبی کے اصناف پروفیسر موصوف کا انتقال ابھی ۱۹۱۰ء میں ہوا ہے۔

Marfat.com

کہ میں ایک روحانی وجود سے اس کو تعبیر کروں اور کوئی بہتر صورت مجھ کو اپنے احساس کے ادا کرنے کی نہیں ملتی، ساتھ ہی مجھ کو ایک یہ دہشت بھی محسوس ہوئی کہ کوئی عجیب وخوف ناک واقعہ ظاہر ہوا چاہتا ہے۔'' (ص ۶۲)

ایک سائنس دان کے اعترافات سنو!

''بیس اور تیس سال کی عمر کے مابین میں بتدریج لا ادری اور لا مذہب ہو گیا تھا تاہم اس ''غیر متعین شعور'' سے میں کبھی خالی نہیں رہا، جس کا نام ہربرٹ اسپنسر نے حقیقۃ مطلقہ رکھا ہے، لیکن اسپنسر کی طرح یہ حقیقت میرے لیے محض ناممکن العلم نہ تھی، کیونکہ گو میں نے طفلانہ طریقہ سے خدا سے دعائیں مانگنا چھوڑ دیا تھا اور مذہبی رسم کے مطابق کبھی نماز نہیں پڑھی، نہ دست بدعا ہوا، تاہم میرا زیادہ حال کا تجربہ یہ بتلاتا ہے کہ عملاً اس ذات کے ساتھ مجھ کو وہی تعلق رہا ہے جو دعا اور نماز کا ہوتا ہے، جب مجھ پر کوئی مصیبت پڑی خواہ وہ خانگی ہو یا کاروباری، یا جب میں کسی معاملہ کے متعلق پریشان ومتردد ہوا اور میرا دل بیٹھنے لگا تو اعتراف کرتا ہوں کہ استعانت کے لیے میں اسی تعلق کی طرف بھاگا جو اس ذات کے ساتھ مجھ کو حاصل تھا، اس نے ہمیشہ میری نصرت کی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی تائید غیبی نے مجھ کو بے انتہا قوی کر دیا ہے، میں پاتا ہوں کہ اس کے ساتھ میرا تعلق دراصل شخصی تھا کیونکہ ادھر چند سال سے اس سے استعانت کی قوت نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے جس سے مجھ کو ایک صریح فقدان کا شعور ہے اور اقرار ہے کہ میں اپنی زندگی میں ایک بڑی قوت ونصرت سے محروم ہو گیا ہوں، جس ذات کو میں ''اس'' سے تعبیر کر رہا ہوں، یہ اسپنسر کی نامعلوم حقیقت نہ تھی بلکہ یہ میرا خدا تھا جس کی تائید پر مجھ کو بھروسا تھا لیکن جس کو نہیں معلوم میں نے کس طرح گم کر دیا۔'' (ص ۶۵-۶) [1]

سوئٹزرلینڈ کے ایک شخص کی آپ بیتی یہ ہے:۔

''میں پوری طرح صحیح وتندرست تھا، کسی قسم کی تھکن، بھوک یا پیاس قطعاً نہ تھی، طبیعت بالکل چاق اور شگفتہ تھی، گھر سے جو خبر ملی تھی اچھی تھی، غرض دور ونزدیک کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ تھی ہوشیار رہنما ہم لوگوں کے ساتھ تھا، رات میں بھٹکنے کا بھی مطلقاً اندیشہ نہ تھا، مختصر طور پر اپنی اس حالت کو یوں ادا کر سکتا ہوں کہ میرا دل ودماغ اس وقت کامل توازن کی حالت میں تھا کہ یکا یک مجھ کو اپنے اندر ایک طرح کا ارتقاع محسوس ہوا اور یہ معلوم ہوا کہ خدا موجود ہو گیا، اس کی رحمت وقوت میرے سارے وجود میں نفوذ کر رہی ہے، یہ کیفیت اس درجہ شدید تھی کہ ساتھیوں سے بہ مشکل اتنا کہہ سکا کہ آگے چلو میرا انتظار نہ کرو اب مجھ میں کھڑے ہونے کی تاب نہ تھی، ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا امڈ آیا، میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایک حقیر اور میرے جیسی گناہ گار مخلوق پر اتنا بڑا رحم وفضل فرمایا کہ زندگی ہی میں اپنے کو پہنچوا کر اپنی ربوبیت کا کرشمہ دکھلایا، میں نے اس سے نہایت الحاح کے ساتھ دعا کی کہ میری زندگی تمام

---

(۱) اس حالت کو سامنے رکھ کر ذرا ان آیات کو پڑھیے إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ، فَفِرُّوا و والی الله و ما النصر الا من عند الله۔

Marfat.com

تر اس کی رضا جوئی میں بسر ہو' جواب ملا کہ بس تو روز بروز عاجزی و مسکنت کے ساتھ میری رضا پر چلنے کی کوشش کر اور اس کا فیصلہ مجھ خدائے قادر و توانا پر چھوڑ دے کہ اس سے بھی زیادہ شعور کے ساتھ تو مشاہدۂ حق کے قابل ہوا ہے یا نہیں؟ یہ احساس و اثر اس قدر واضح اور گہرا تھا کہ میں نے اپنے دل سے سوال کیا کہ کیا موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر کچھ اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ دیکھا تھا' اس قدر بیان کر دینا اور مناسب ہوگا کہ اس عالم وجد میں خدا کسی شکل و صورت اور رنگ و بو سے متصف نہ تھا' نہ میں اس کی موجودگی کی کوئی خاص جگہ محسوس کر رہا تھا۔'' (ص ٦٦-٦٧)

جیمس نے تو اس قسم کے تجربات کا ایک انبار لگا دیا ہے' لیکن ہم ایک طویل بیان کے دو جملوں کے اقتباس پر بس کرتے ہیں' قیاس اور اخذ نتائج کے لیے امید ہے کہ یہی تین چار مثالیں کافی ہوں گی۔ امراض دماغی کے ایک ماہر ڈاکٹر نے خود اپنا تجربہ لکھا ہے۔

''اس کے بعد مجھ پر ایک نہایت فرحت و انبساط کی کیفیت طاری ہوئی جس کے ساتھ ہی ایک ایسی اشراقی یا انشراحی حالت پیدا ہوئی جس کا بیان ناممکن ہے۔ اس حالت میں دوسری چیزوں کے ساتھ اس بات کا بھی مجھ کو صرف یقین نہیں بلکہ عینی مشاہدہ ہوا کہ کائنات بے جان مادہ سے نہیں بنی ہے بلکہ ایک ذی حیات وجود ہے' مجھ کو خود اپنے اندر ایک ابدی حیات کا احساس ہوا' یہ کیفیت صرف چند سیکنڈ تک رہی لیکن اس کی یاد اور حقیقت کا احساس آج چوتھائی صدی گزر جانے پر بھی اسی طرح تازہ ہے۔'' (ص ۳۹۹)

ان مثالوں کو سامنے رکھ کر اب یہ حدیث پڑھو۔

''ایک دفعہ صبح کی نماز کے لیے آپؐ دیر سے برآمد ہوئے' نماز کے بعد لوگوں کو اشارہ کیا کہ اپنی اپنی جگہ ٹھہر جائیں' پھر فرمایا کہ آج شب کو میں نے اتنی رکعتیں پڑھیں جتنی کہ میرے لیے مقدر تھیں تو نماز ہی میں کچھ اونگھ سا گیا (نعست) اس حالت میں' میں نے دیکھ کہ جلال الٰہی بے پردہ میرے سامنے ہوا' خطاب ہوا' اے محمد! تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں۔؟ عرض کی نہیں' اے میرے رب! میں نہیں جانتا' اس نے اپنا ہاتھ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں میری پیٹھ پر رکھا جس کی ٹھنڈک میرے سینہ تک پہنچ گئی اور آسمان و زمین کی تمام چیزیں نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہو گئیں۔ سوال ہوا یا محمد! تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں؟ عرض کی' ہاں میرے رب''۔۔۔۔ الخ[1]

اس میں کلام نہیں کہ مکالمۂ طور اور ماجرائے اسراء (معراج) کا مقام مذکورہ بالا مثالوں سے اتنا ہی بلند ہے۔ جتنا کہ انبیاء کا مقام عام انسانوں سے بلند ہونا چاہیے' تاہم ''عالمے ہست کہ ایں عالم ازاں تمثالے است'' ان مثالوں سے ایک نہ ایک حد تک اس مقام برتر کا دھندلا سا تصور پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اور ہمارے مدعا کے لیے اسی قدر کافی ہے۔

مقدمات ثلثہ:

یقین معجزات کے لیے ہماری منطق استدلال کے تین مقدمات تھے جن میں سے دو کو تو ہیوم اور ہکسلے نے

(۱) پوری حدیث کے لیے دیکھو آگے ذکر مشاہدات۔

Marfat.com

بترتیب پورا کر دیا تھا' تیسرا مختلف اصناف استبعاد کے شواہد سے پورا ہو جاتا ہے ان مقدمات ثلثہ کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) معجزات بذات خود کوئی نا قابل تصور یا ناممکن الوقوع شے نہیں ہیں (ہیوم)

(۲) زیادہ سے زیادہ ان کو ''انتہائی حیرت انگیز'' یا ''انتہائی مستبعد'' واقعات سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اس لیے (الف) انسانی شہادت کی بناء پر ان کو قبول کیا جا سکتا ہے (ب) البتہ ''انتہائی حیرت انگیزی'' واستبعاد کی وجہ سے بظاہر ان کو قبول کرنے کے لیے جو شہادت مطلوب ہے اس کو بھی ہر لحاظ سے انتہائی حد تک قابل اعتبار ہونا چاہیے۔ (ہکسلے)

(۳) لیکن معجزات میں جس قسم کا استبعاد یا حیرت انگیزی پائی جاتی ہے' اس کے شواہد چونکہ عام انسانوں کے مادی نفسی یا روحانی تجربات میں بھی ملتے رہتے ہیں جن کے قبول ویقین کے لیے لوگ کوئی غیر معمولی شہادت طلب نہیں کرتے۔

لہٰذا یقین معجزات کے لیے بھی کسی غیر معمولی شہادت کی ضرورت نہیں۔!

اصلی بحث یقین کی ہے:

لیکن سوال یہ ہے کہ ہیوم وہکسلے کی ناقص منطق سے اگر کوئی شخص گمراہ ہو گیا تھا تو کیا وہ اس منطق کا صرف تیسرا مقدمہ پورا کر دینے سے راہ راست پر آ جائے گا اور کیا اب صفحات بالا کے پڑھ لینے سے معجزہ کا کوئی منکر نہ رہ جائے گا'؟ مجھ کو تو اندیشہ ہے کہ محض یہ سیاہ نقوش ایک منکر کو بھی مومن نہ بنا سکیں گے' آپ کہیں گے کہ شاید استدلال ہی بودا ہے' لیکن کیا دنیا کا کوئی قوی سے قوی استدلال بھی' محض اپنی قوت استدلال کی بناء پر کسی کو معجزات کا یقین دلا سکتا ہے؟ ارسطو' مل اور ہیگل [1] جو منطق کے اقانیم ثلثہ ہیں' کیا یہ سب کے سب مل کر بھی کوئی ایسی منطق یا عقلی استدلال پیدا کر سکتے تھے جو بذاتہ ہر عام وخاص کو معجزات کا یقین دلا دیتا؟۔

ان سوالات کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر معجزات کے متعلق خالی امکان وقوع اور شہادت وقوع کی بحث چنداں اہم نہیں رہ جاتی' بلکہ اصلی بحث یقین کی ماہیت اور اس کے علل واسباب کی ہے۔

یقین معجزات

یقین کی ماہیت:

یقین کی فلسفیانہ ماہیت پر کوئی مفصل و مستقل بحث چھیڑنا مقصود نہیں ہے' نہ یہاں چنداں اس کی ضرورت ہے' ہر شخص جانتا ہے کہ نفس تصور اور اس کے یقین میں کیا فرق ہے۔؟

---

(۱) ارسطو اور مل علی الترتیب قیاسی اور استقرائی منطق کے امام ہیں جن کا تعلق اضافی حقائق وعلوم سے ہے لیکن ہیگل (جرمنی) نے منطق کے زمین وآسمان ہی بدل دیے یعنی منطق کو مابعد الطبیعات بنا کر اس کے ذریعہ ''حقیقۃ مطلقہ'' کا سراغ لگانا چاہا ہے۔

Marfat.com

یہاں ہمارے مقصد کے لیے صرف اتنا جان لینا چاہیے کہ ریاضی کے تصورات مجردہ [1] کی طرح امور واقعیہ (واقعات) کے متعلق ہمارا یقین ناقابل تغیر یا اطلاقی نوعیت کا نہیں ہوتا' بلکہ لذت والم حیرت واستعجاب' رنج وغم محبت ونفرت' ارادہ وخواہش وغیرہ دیگر کیفیات نفسی کی طرح محض ایک اضافی وتغیر پذیر ذہنی کیفیت کی حیثیت رکھتا ہے' جس طرح کسی واقعہ سے ہر شخص کے نفس میں کیفیات بالا کا پیدا ہونا یا یکساں طور پر پیدا ہونا ضروری نہیں ہے' اسی طرح ہر آدمی کے دل میں اس واقعہ کا یقین یا ایک ہی معنی میں یقین پیدا ہونا بھی لازمی نہیں' تاریخ کی بعض کتابوں میں ایک روایت مذکور ہے کہ اسکندریہ کا کتب خانہ حضرت عمرؓ کے حکم سے اس بے دردی کے ساتھ جلایا گیا کہ چھ مہینے تک مصر کے حماموں کا ایندھن بنا رہا۔ علم کا فدائی اور حکمت وفلسفہ کا عاشق اس روایت کو پڑھ کر کف افسوس ملنے لگتا ہے اور اس کے دل میں نفرت وغصہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے' بخلاف اس کے اسی روایت کو اگر ایک سپاہی پڑھتا ہے تو نہ وہ اپنے اندر کوئی نفرت وغصہ پاتا ہے اور اتنا افسوس کرتا ہے' اس کے نزدیک قلعہ انٹورپ کی بربادی کتب خانہ اسکندریہ سے کہیں زیادہ ماتم انگیز ہے لیکن یہی روایت اگر کسی صوفی عارف کی نظر سے گزرے تو رنج وغصہ کی جگہ اس کو انتہائی مسرت ہو سکتی ہے کہ حجاب اکبر کا ''یہ دفتر بے معنی'' اسی سلوک کا مستحق تھا۔ ''صد کتاب وصد ورق در نار کن''۔

تم نے دیکھا کہ ایک ہی چیز سے مختلف اشخاص پر مختلف بلکہ متضاد جذبات طاری ہوئے' جذبات کی طرح یقین وعدم یقین کے بھی متضاد اثرات طاری ہوئے ہیں۔ جن اہل یورپ کے دل میں مسلمانوں کی وحشت وجہالت کا تعصب راسخ تھا اور جن کی طبیعت تنقیص اسلام کی ہر شہادت کو قبول کرنے پر حریص تھی' انہوں نے نہ صرف شہادت کی تحقیق وتفتیش کے بغیر اس خبر کا یقین کر لیا بلکہ اس کی روایتی ودرایتی تضعیف کے بعد بھی ان کا یقین قائم رہا' لیکن ان ہی اہل یورپ میں جو گروہ اس درجہ اسلام کے ساتھ عداوت نہیں رکھتا تھا کہ اس کے جذبہ انصاف پسندی کو تعصب نے مغلوب کر لیا ہو' اس کو تحقیق کے بعد یہ روایت ہی سرے سے بے اصل ومضحکہ خیز نظر آئی' اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ایک مسلمان مؤرخ جو کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کو دامن اسلام پر وحشت وجہالت کا ایک بدنما داغ سمجھتا تھا اور کسی طرح اس کا محبت اسلام سے لبریز دل اس کے قبول کرنے پر آمادہ نہ تھا' اس کی تحقیقات نے اس روایت کو نہ صرف دشمنوں کا صریح افترا وبہتان قرار دیا بلکہ الٹے خود ان ہی افترا پرداز دشمنوں کو اصلی مجرم ثابت کر دکھایا۔

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا [2]

---

(۱) معجزات کا تعلق چونکہ تاریخ اور روایت کے واقعات سے ہے نہ کہ ریاضی کی مجردات سے' اس لیے ہم مجردات ریاضیہ کے علم ویقین کی جو نوعیت ہے اس کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتے ورنہ دراصل یہ یقین بھی کسی ایسی اطلاقی اور اٹل یا ناقابل تغیر بنیاد پر نہیں قائم ہے جس کا انکار نہ ہو سکے بلکہ مل جیسے منطقی وفلسفی کا تو یہ دعویٰ ہے کہ ریاضیات کی مفروضہ قطعیت محض ایک وہم وفریب ہے جس طرح براق کی اس تعریف سے کہ وہ نام ہے آدھے گھوڑے اور آدھے انسان کا' یہ نہیں لازم آتا کہ براق کا وجود یقینی اور واقعی ہے' اسی طرح دائرہ کی اس تعریف سے کہ وہ نام ہے ایسی شکل کا جس کے نصف قطر تمام برابر ہیں' یہ نہیں لازم آتا کہ واقعاً ایسا کوئی دائرہ موجود بھی ہے' انتہا یہ کہ مل کے نزدیک اس میں بھی کوئی تناقض نہیں کہ دو اور تین مل کر چھ ہو سکتے ہیں۔

(۲) جیمس کا مضمون ''جذبہ عقلیت'' SENTIMENT OF PATIONLITY نظریات حکمت کا یقین:

Marfat.com

نظریاتِ حکمت کا یقین

یقین کی یہ جذباتی واضافی حیثیت صرف واقعات تاریخ و روایت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ فلسفہ و حکمت (سائنس) کے نظریات و نظامات کا یقین بھی یہی حیثیت رکھتا ہے' پروفیسر جیمس نے ''ارادہ یقین'' اور ''جذبہ عقل پرستی'' کے عنوان سے دو نہایت دلچسپ مضمون لکھے ہیں' ان میں اس نے دکھایا ہے کہ ہمارا یقین کس قدر خواہش وارادہ یا جذبات کی اضافی کیفیات کا پابند ہے اور سائنس و فلسفہ کی بنیاد جس عقل پرستی پر ہے وہ بھی دراصل مذہب پرستی یا عجائب پرستی کی نوعیت کا محض ایک جذبہ ہے۔

یکسانی کا جذبہ:

ایک فلسفی یا حکیم فلسفیانہ یا حکیمانہ فکر و تفحص میں کیوں اپنا سر کھپاتا ہے؟ زیادہ تر اس ''خواہش'' کی بنا پر کہ عالم میں جو ایک تشتت و پریشانی' کثرت و پراگندگی نظر آتی ہے' کوئی ایسا اصول یا قانون دریافت ہو جائے جو اس کثرت و پراگندگی کو وحدت و یکسانی کے رشتہ سے مربوط و مسلسل کر دے اس قانون و اصول کے عقلی یا صحیح ہونے کا کیا معیار ہے؟ صرف یہی کہ اس کے قبول و باور کرنے سے ہمارے دماغ کی حیرانی و پریشانی رفع ہو جاتی ہے اور کارخانہ فطرت میں یکسانی و ہمواری کی موجودگی کا ایک خوشگوار ولذیذ احساس یا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

یہ لذت کہ پراگندہ واقعات دراصل کسی ایک ہی مخفی واقعہ کے مظاہر ہیں' اسی طرح کی لذت ہے جو کسی گویّے کو پراگندہ آوازوں کے ایک نغمہ یا راگ میں منتظم کر دینے سے حاصل ہوتی ہے' کون شخص اس امر کی دل فریبی کو نہ محسوس کرے گا کہ سیب کو زمین کے ساتھ وہی تعلق ہے جو چاند کو اس کے ساتھ ہے' غبارہ اسی قانون کے ماتحت اوپر چڑھتا ہے جس کے تحت پتھر نیچے گرتا ہے' اس یقین میں کس کے لیے لذت نہ ہوگی کہ پہاڑ پر چڑھنے یا درخت کے کاٹنے میں جس طاقت سے ہم کام لیتے ہیں وہ وہی ہے جو آفتاب کی ان کرنوں میں پائی جاتی ہے جو اس غلہ کو پکاتی ہیں جس کا صبح ہم نے ناشتہ کیا ہے۔

نظم و یکسانی کی لذت کے لیے انسان کی فطرت جس درجہ حریص ہے اسی کو ملحوظ رکھ کر ہمارے زمانہ کے ایک زبردست معلّم فلسفہ پروفیسر روائس نے تنبیہ کی ہے کہ جہاں کہیں بھی ہم کو کسی قانون فطرت کی وحدت و یکسانی کا یقین محسوس ہو' یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس احساس وحدت کا بڑا حصہ اصل فطرت کی واقعی وحدت کے بجائے اس ناقابل استیصال جذبہ پر مبنی ہو سکتا ہے جو وحدت و نظم کی پسندیدگی کے لیے خود ہمارے نفوس کے اندر موجود ہے۔ (1)

یہی تعصب تھا جس کی بنا پر ایک بڑے سائنسدان نے جیمس سے کہا کہ کلام نفسی کا دعویٰ اگر صحیح بھی ہو تو بھی تمام اہل سائنس کو اس کے دبانے اور چھپانے پر ایکا کر لینا چاہیے' کیونکہ اس سے فطرت کی یکسانی اور نیز بہت سی ایسی چیزوں کی تکذیب ہوتی ہے جن کے مانے بغیر سائنسدان اپنا کام نہیں چلا سکتے۔ اس قول کو نقل کر کے جیمس نے لکھا ہے

(1) دیکھو اصول نفسیات جلد دوم ص ۳۱۶ (THE RALIGIOUSL OF COTOPPINLOSOPHYS) فلسفہ کا مذہبی پہلو) مصنفہ پروفیسر روائس۔

Marfat.com

کہ اگر یہی سائنس دان حضرات کلام نفسی کو سائنس کے حق میں مفید مطلب پاتے تو اس سے اغماض کی بجائے نہ صرف اس کی شہادت کی تحقیق پر آمادہ ہو جاتے بلکہ یہی شہادت یقین کے لیے کافی ہوتی [۱] اب تم ہی فیصلہ کرو کہ کیا عقل پرست سائنس کے تعصّبات وہم پرست مذہب کے تعصّبات سے کچھ بھی کم یا مختلف ہیں؟ اور کیا اہل سائنس کا انکار معجزات وحدت و یکسانی کے مذکورہ بالا تعصب کا نتیجہ نہیں ہے؟۔

نظریّات فلسفہ کا یقین:

خیر اہل سائنس یا حکماء کو تو خود ہی بڑی حد تک اس امر کا اعتراف ہے کہ سائنس کے نظریات و نوامیس زیادہ تر اضافی اور مفروضی حیثیت رکھتے ہیں' لیکن فلاسفہ یا متالہین جو حقائق عالیہ اور صداقت مطلقہ کے چہرہ سے پردہ اٹھانے کا دعویٰ رکھتے ہیں' ان کے اصول و نظریات پر تو انسانی جذبات یا ذاتی میلان کا سایہ تک نہ پڑنا چاہیے تھا' مگر یہ کس قدر حسرت انگیز منظر ہے کہ سب سے زیادہ فلسفہ ہی کے مذاہب و نظامات شخصی جذبات و خواہشات کا عکس نظر آتے ہیں' بلکہ سچ یہ ہے کہ جتنے فلاسفہ اتنے ہی مذاہب' حتیٰ کہ ایک عام دلچسپ تقسیم کی رو سے فلاسفہ کی دو قسمیں یہ قرار پائی ہیں کہ رونے والے (بکائیہ) اور ہنسنے والے (ضحکیہ) فلاسفہ جن کو زیادہ سنجیدہ اصلاح میں علی الترتیب شریہ اور ''خیریہ'' [۲] کہا جاتا ہے یا اس کو ''یاسیہ'' اور ''رجائیہ'' بھی کہہ سکتے ہو' اگر نفسیاتی تحلیل کی جائے تو اس اختلاف کا مبنیٰ رونے اور ہنسنے' یاس و رجاء امید و بیم وغیرہ کے ذاتی جذبات و احوال ہی ثابت ہوں گے۔

دور جدید کا ایک زبردست فلسفی شوپنہار جس کا شمار فلسفہ کے اکابر ائمہ میں ہے اور جو فلاسفہ کی رونی جماعت کا ایک نامور فرد ہے اس کا سارا فلسفہ ہی یہ ہے کہ ''صداقت مطلقہ'' صرف ارادہ یا خواہش ہے نہ کہ عقل یا فکر' اور یہ ارادہ چونکہ ''بے عقل'' ہے۔ اس لیے اس کی کوئی غایت نہیں' دنیا میں کوئی فلاح و سعادت نہیں بلکہ یہ تمام تر بے مقصد ارادہ کا ایک کھلونا یا تماشہ ہے' خارجی عالم اسی بے عقل و بے مقصد ارادہ کی محض ایک تصویر ہے۔

کرۂ عقل کی سب سے اونچی سطح پر بسنے والے ان فلاسفہ کے باہمی اختلافات بلکہ تضاد آراء کا یہ عالم ہے کہ جتنے منہ اتنی باتیں' کوئی کہتا ہے کہ دنیا تمام تر عقل پر مبنی ہے' کوئی مدعی ہے کہ اس کا وجود سراپا بے عقلی ہے کوئی شخصی خدا کا یقین رکھتا ہے' کوئی کہتا ہے کہ شخصی خدا ناقابل تصور ہے' کسی کو ذہن سے باہر خارجی دنیا کا اذعان ہے' کوئی ثابت کرتا ہے کہ خارجی دنیا کا وجود محض وہم و فریب ہے' کسی کی زبان پر ہے کہ ایک مستقل و قائم بالذات روح ہے' کوئی پکارتا ہے کہ نفس کے تغیر پذیر احوال کے سوا کچھ نہیں ہے' کسی کا دعویٰ ہے کہ سلسلہ علل لامتناہی ہے' کوئی مانتا ہے کہ نہیں' ایک علۃ العلل ہے' کوئی انسان کو مجبور محض پاتا ہے اور کوئی مختار' کوئی جسد و عالم کی وحدت کا قائل ہے اور کوئی کثرت کا' بظاہر مہمل سے مہمل بات بھی تم کو ایسی نہ ملے گی جس کا باور کرنے والا عاقل سے عاقل فلسفی نہ ملتا ہو۔

عقل انسانی کی ان ہی حیرانیوں کو دیکھ کر آدمی پکار اٹھتا ہے کہ کسی چیز کو حق کہنے کے صرف یہ معنی ہیں کہ جب تم اس کو حق یقین کرو تو حق ہے ورنہ نہیں [۳] اور خصوصاً موجودہ زمانے میں تو اس سرعت و کثرت کے ساتھ نظریات اہل

---

(۱) ارادہ یقین ۱۰ طبع جدید ۱۹۱۷ء (۲) انگریزی میں ان کا لقب علی الترتیب PESSIMISTS اور OPTIMISTS ہے۔

(۳) رادہ یقین THEORIES OF KNOWLEDGE (نظریات علم) از پروفیسر واکرص ۴۳۲ بحوالہ۔

Marfat.com

پڑے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے زیادہ واقعی خیال کرنا قریباً ناممکن ہو گیا ہے' اس قدر مختلف ہندسات اس قدر مختلف منطقیں' اس قدر مختلف طبعیاتی و کیمیاوی مفروضات پیدا ہو گئے ہیں کہ صحیح سے صحیح اصول کی نسبت بھی گمان ہوتا ہے کہ وہ کسی واقعیت کا پرتو ہونے کے بجائے محض انسانی ذہن کی ایجاد ہے۔ (1)

مشاہدات کا یقین:

تم سمجھتے ہو گے کہ علم و یقین کی یہ اضافی یا ذہنی نوعیت زیادہ سے زیادہ اصول و نظریات تک محدود ہو گی۔ باقی مشاہدات و محسوسات جو ان اصول و نظریات کا آخری مرجع ہیں تو وہ بہر حال کوئی اضافی شے نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے متعلق زید و عمر کی نوعیت یقین میں کوئی تفاوت ناممکن ہے لیکن تمہارا یہ ''ناممکن'' نہ صرف ''ممکن'' بلکہ واقعہ ہے۔

دن رات کے ان معمولی تجربات کا تو ذکر ہی کیا کہ ایک چیز جو ایک آدمی کو خوبصورت معلوم ہوتی ہے دوسرے کو بدصورت نظر آتی ہے' ایک کو خوش مزہ محسوس ہوتی ہے' دوسرے کو بدمزہ' آلات حس و مشاہدہ کی ساری دنیا عبارت ہے' رنگ و بو' آواز و مزہ' سردی و گرمی' شکل و صورت' طول و عرض (امتداد) پستی و بلندی' دوری و نزدیکی سے لیکن کیا ان میں سے ایک شے کے متعلق بھی عامی' حکیم و فلسفی سب کا یقین یکساں نوعیت رکھتا ہے۔

عامی آدمی اپنے حواس کی مذکورہ بالا ساری دنیا کو ٹھوس خارجی حقائق یقین کرتا ہے لیکن حکیم یا سائنسدان کے نزدیک ان میں سے کسی ایک کا بھی خارج میں کوئی وجود نہیں اور آج کل کے سائنسدان تو بار بار اس حقیقت کو دہراتے رہتے ہیں کہ اشیاء دراصل وہ یا ویسی نہیں جیسی کہ ہمارے حواس کو محسوس ہوتی ہیں (ماڈرن بلیف ص ۵۶) ذہن یا احساس سے باہر نہ کوئی رنگ ہے نہ بو' نہ کوئی آواز ہے نہ مزہ' لیکن حکمت کو چونکہ اپنی تحقیقات میں قدم قدم پر مادہ و قوت کے الفاظ دہرانا پڑتے ہیں' اس لیے خالص حکیم کے دل میں مادہ پرستی کا ایک ایسا جذبہ و میلان پیدا ہو جاتا ہے کہ باوجود اس اقرار کے کہ ''مادہ'' کسی نامعلوم شے کا نام ہے' پھر بھی کسی نہ کسی مفہوم میں اس کے وجود خارجی کے یقین پر اپنے کو مجبور پاتا ہے' بخلاف اس کے فلسفہ یا مابعد الطبیعیات کا عالم چونکہ حکیمانہ تعصبات سے بالاتر ہے لہٰذا بے جھجک سرے سے وجود مادہ ہی کا انکار کر دیتا ہے' اس کے نزدیک بس جو کچھ وجود ہے وہ ذہن یا نفس کا۔ مگر یقین کی گردن دلائل سے کب جھکتی ہے' ممکن ہے کہ چند لمحات کے لیے حکیم یا فلسفی عالم رنگ و بو یا مادہ کے وجود فی الخارج کے خلاف یقین پر قائم رہ سکتا ہو' لیکن بالآخر اس کو جبلّت کی حکومت قاہرہ اسی نقطہ پر واپس لاتی ہے جہاں سے غور و فکر نے اس کو منحرف کیا تھا اور شب و روز کی زندگی میں وہ عالم رنگ بو کے وجود خارجی پر اسی طرح اذعان رکھتا ہے جس طرح ایک عامی آدمی۔

غرض یقین اپنی ماہیت کی رو سے تمام تر صرف ایک نفسی میلان ہے' جو نہ علم کا پابند ہے نہ جہل کا جس کا انحصار نہ عقل پر ہے نہ بے عقلی پر' جو نہ سچ پر موقوف ہے نہ جھوٹ پر' وہ فلسفہ' حکمت' علم و عقل سب چیزوں سے پیدا ہو سکتا ہے اور کسی سے بھی نہیں پیدا ہو سکتا اور جب پیدا ہونا چاہتا ہے تو کلیفرڈ کے اس مشورہ کا منہ نہیں دیکھتا کہ ''جھوٹ پر یقین کرنے سے بہتر ہے کہ ہمیشہ یقین کے بغیر رہو۔''

---

(1) THE MEANINGS OF TRUTH (معنی صداقت) ص ۸۔

Marfat.com

کیا عجیب بات ہے کہ یقین کی اس ماہیت پر بھی کہ وہ دلائل کا کوئی منطقی نتیجہ نہیں بلکہ محض ایک ذہنی میلان ہے خود اسی شخص کی نکتہ رس نظر پڑی تھی جو یقین معجزات کا سب سے بڑا مخالف ہے' چنانچہ ''ارسٹاٹیلین'' سوسائٹی کے ایک ممبر براڈ نامی نے ۱۳۳ سال ہوئے' ہیوم کے نظریہ معجزات پر ایک مضمون کے ضمن میں خود ہیوم کے اصول کی بناء پر لکھا ہے کہ (۱)

''ہیوم کو یقین معجزہ سے اس لیے انکار ہے کہ معجزہ گزشتہ مستمر تجربہ کے منافی ہوتا ہے مثلاً گزشتہ تجربہ یہ ہے کہ الف کے بعد ہمیشہ ب ظاہر ہوتا رہا ہے جس سے ہمارے اندر ایک قوی یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ آئندہ بھی ب ہمیشہ الف کے تابع ہوگا' ایک مذہبی آدمی معجزہ پر اس لیے یقین کرتا ہے کہ اس کے اندر عجائب پرستی اور ایسی چیزوں کے یقین کا ایک فطری میلان موجود ہے جس سے مذہب کی تائید ہوتی ہو' دونوں صورتوں میں یقین کا نفسیاتی سبب ظاہر ہے' ہیوم کا عدم یقین اس کے اس فطری میلان پر مبنی ہے کہ جو کچھ پہلے ہوا ہے وہی آئندہ بھی ہوگا اور مذہبی آدمی کا یقین اس کی عجائب پرستی اور ایسی چیزوں کے قبول کرنے کے فطری میلان پر مبنی ہے جن سے مذہب کی تائید ہوتی ہو لیکن خود ہیوم کو تسلیم ہے کہ گزشتہ مستمر تجربہ سے آئندہ پر حکم لگانے کا ہم کو کوئی منطقی حق حاصل نہیں ہے۔ الہٰذا مذہبی آدمی کا یقین معجزات پر اور ہیوم کا یقین قوانین فطرت پر (جس کا نتیجہ معجزات کا عدم یقین ہے) منطق کی نگاہ میں دونوں بالکل یکساں حیثیت رکھتے ہیں' دونوں صورتوں میں یقین نفسیاتی علت پر مبنی ہے اور کسی صورت میں بھی کوئی منطقی علت ہیوم نہیں پیش کر سکتا۔''

جب یہ معلوم ہو چکا کہ یقین کی ماہیت صرف ایک طرح کا غیر منطقی میلان نفسی ہے تو اس کے اسباب کی جستجو منطق و فلسفہ کے دلائل میں بے سود ہے' منطقی یا فلسفیانہ دلائل زیادہ سے زیادہ میلان یقین کی تقویت و تضعیف کا کام دے سکتے ہیں' لیکن خود اس میلان کی تخلیق ان کے بس سے باہر ہے۔ یہ میلان بذات خود ایک نفسی حقیقت ہے' لہٰذا اس کے اسباب تخلیق کا سراغ نفسیات (علم النفس) ہی کے اوراق میں مل سکتا ہے کم و بیش تمام علمائے نفسیات نے یقین کی ماہیت و اسباب پر بحث کی ہے لیکن ہمارے لیے یہاں علم النفس کے عام تفصیل طلب طرز بحث سے ہٹ کر کسی قدر مختلف اور مختصر راہ زیادہ مناسب ہوگی۔

نفسیات یقین:

البتہ بنیاد بحث کے لیے استناداً کسی معتبر شہادت کا سامنے رکھنا ضروری ہے جس کے لیے عہد حاضر میں امریکہ کے سب سے بڑے استاد نفسیات پروفیسر ولیم جیمس کا نام مستند ترین ضمانت ہو سکتا ہے' اس لیے پہلے ہم پروفیسر موصوف کی کتاب ''اصول نفسیات'' کے باب احساس حقیقت (جلد دوم) سے اسباب یقین کے متعلق چند اصولی باتیں بلفظہ نقل کرتے ہیں۔

(۱) ''معالجات (تدابیر شفا طلبی) کے بارے میں انسان کی زود اعتقادی اسی قسم کے نفسی اسباب یعنی

(۱) دیکھو ارسٹاٹیلین سوسائٹی (جمعیۃ ارسطاطالیسیہ) لندن کی روداد سالانہ ۱۹۱۶ء ۱۹۱۷ء ص ۹۲۔

Marfat.com

جذباتی (احوال) پر مبنی ہے' حتیٰ کہ جب کوئی محبوب وعزیز شخص خطرناک بیماری یا تکلیف میں مبتلا ہو تو ناگوار سے ناگوار شے بھی زود اعتقادی کی راہ میں نہیں حائل ہو سکتی (خصوصاً عورتوں کے لیے) جس شے میں کچھ بھی امید شفا ہو' اس کے کرنے سے تسلی حاصل ہوتی ہے لہٰذا جو علاج بھی ایسی حالت میں تجویز کیا جائے وہ آتش گیر مادہ کے لیے چنگاری کا کام دیتا ہے۔ طبیعت فوراً اس پر عمل کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے' آدمی اس علاج کا سامان کرتا ہے اور کم از کم ایک دن کے لیے اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ خطرہ جاتا رہا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یقین آفرینی کے بڑے اسباب امید و بیم وغیرہ کے جذبات ہیں جن کے احاطہ اقتدار میں ماضی' مستقبل اور حال تینوں داخل ہیں۔'' (ص ۳۱۰' ۳۱۱)

اس کے بعد دوسرے ہی صفحہ پر ہے کہ:۔

(۲) ''سب سے زیادہ آفرین وہ نظریہ ہوتا ہے جو ہمارے محسوسات کی تشفی بخش توجیہ کے علاوہ ایسی چیزیں ہمارے سامنے پیش کرتا ہو جو سب سے زیادہ دلچسپ ہوں اور جو ہمارے حاسۂ جمال پرستی اور جذباتی و عملی ضروریات کو سب سے زیادہ متاثر کرتی ہوں۔''

لیکن ہم کو یہاں نفسیات یقین کے متعلق اصل میں جس مختصر متن کی شرح کرنی ہے وہ یہ ہے کہ:۔

(۳) ''ارادہ (خواہش) اور یقین (جس کے معنی نفس اور اشیاء کے مابین ایک خاص تعلق کے ہیں۔) ایک ہی نفسیاتی واقعہ کے دو نام ہیں۔'' (ص ۳۲۱)

خواہش یقین:

ارادہ اور یقین کے ایک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کے یقین کے لیے لازمی ہے کہ پہلے دل میں اس کے یقین کا ارادہ یا خواہش پیدا ہو' یقین ایک قسم کی تشفی ہے جب تک اس کے لیے طلب و تشنگی نہ موجود ہو یہ نہیں حاصل ہوتا۔ پانی پینے اور اس سے سیراب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے پیاس لگے' لیکن اکثر پیاس لگنا ہی پانی پی لینے کے لیے کافی نہیں ہوتا بلکہ شرط یہ ہے کہ اس کے پینے سے کوئی روکنے والا خیال موجود نہ ہو۔ مثلاً پانی کا دشمن کے ہاتھ سے ملنا' اس کی ناپاکی کا شبہ یا کسی بیماری کے لیے اس کے مضر ہونے کا اندیشہ' اسی طرح نفس پیاس کے علاوہ کبھی کبھی ترغیبات کی موجودگی بھی پانی پینے پر آمادہ کر دیتی ہے مثلاً گرمی کے موسم میں کسی دوست کے یہاں صفائی و نفاست کے ساتھ کوری کوری صراحیوں میں ٹھنڈا پانی رکھا ہوا ہو اور ان کے آس پاس لکھنو کے نازک کاغذی آبخورے چنے ہوں تو بے پیاس کے پیاس لگ آتی ہے۔

موانع ومویدات یقین:

یقین کی صورت میں ہم ان دونوں چیزوں کو علی الترتیب خواہش یقین کے موانع اور مویدات سے تعبیر کریں گے' جب کوئی چیز یقین واذعان کے لیے پیش کی جاتی ہے تو خواہش اور اس کے موانع ومویدات میں باہم ایک نفسی معرکہ آرائی ہوتی ہے اور یقین یا عدم یقین کا فیصلہ اس معرکہ آرائی کے آخری نتیجہ پر منحصر ہوتا ہے' اگر خواہش یقین

Marfat.com

زیادہ قوی ہے تو وہ بلا مویدات کی اعانت کے موانع پر غالب آ جاتی ہے۔ اگر موانع زیادہ قوی ہیں تو وہ خواہش کو مغلوب کر دیتے ہیں، اگر موانع سرے سے نہیں موجود ہیں تو تنہا خواہش کافی ہو سکتی ہے یا اگر موانع بہت ہی معمولی درجہ کے ہیں تو ضعیف سے ضعیف خواہش بھی اپنے مویدات کی مدد سے ان کو زیر کر لے گی، عقل یا منطقی دلائل کو زیادہ سے زیادہ ان ہی موانع و مویدات کی صف میں جگہ مل سکتی ہے، لیکن اصل یہ ہے کہ اس معرکہ کے تینوں (خواہش، موانع و مویدات) پہلوانوں کا اصل حربہ جذبات ہی ہوتے ہیں۔

اب اوپر اقتباس اول میں جیمس نے جو مثال دی ہے اس کو سامنے رکھ کر دیکھو کہ یقین کے پیدا کرنے میں خواہش و ارادہ کو کیا دخل ہے اور مویدات و موانع کا اس پر کیا اثر پڑتا ہے۔

فرض کرو کہ زید کے گھر میں ایک شخص مہینوں سے مریض پڑا ہے، طبی علاج کوئی کارگر نہیں ہوتا، ایک دوست آکر کہتا ہے کہ شہر میں ایک متقی، پرہیز گار، بے طمع بزرگ ہیں جن کی دعا سے بہتوں کو فائدہ ہوا ہے تم بھی ان ہی کی طرف کیوں نہ رجوع کرو، ظاہر ہے کہ زید کے دل میں اس مریض کے لیے شفا طلبی کی خواہش موجود ہے اب اگر اس کو بزرگوں سے بدعقیدگی (مانع) نہیں ہے تو بے تکلف دوست کے مشورے پر عمل کے لیے آمادہ ہو جائے گا اور طبیعت میں کم از کم کچھ دیر کے لیے شفا کی ایک امید بندھ جائے گی جس کا نام میلان یقین ہے، اب بزرگ موصوف کے پاس پہنچ کر وہ دیکھتا ہے کہ اہل حاجت کا میلہ لگا ہوا ہے، پھر ان کے ارتقاء اور بے لوثی کی کچھ مثالیں آنکھ کے سامنے آتی ہیں لازماً ان چیزوں سے زید کے میلان یقین کی اور تائید و تقویت ہوتی ہے لیکن اگر اس کو بزرگوں سے بدعقیدگی ہے وہ نہایت سخت ملحد و مادہ پرست ہے تو ایسی حالت میں وہ دوست کے مشورہ پر عمل کرنے کی جگہ الٹے اس سے طرح طرح کی بحثیں کرنے پر آمادہ ہو جائے گا، دعا کے اثر کو قانون فطرت کے منافی بتائے گا، اس کی شہادت پر جرح کرے گا، جو لوگ ان بزرگ کے پاس حاجت لے جاتے ہیں ان کو اوہام پرست کہے گا اور اپنے اندر کوئی میلان یقین نہ محسوس کرے گا۔

البتہ اگر یہی مادہ پرست و بدعقیدہ زید ایک دولت مند آدمی ہے، مریض خود اس کا اکلوتا، نوجوان ہونہار لڑکا ہے، جو اس کی دولت کا تنہا وارث اور خاندان کا ایک ہی چراغ ہے، جس مرض میں اپنے بوڑھے باپ کی تمام امیدوں اور آرزوؤں کا یہ مرکز مبتلا ہے وہ نہایت خطرناک ہے، ڈاکٹر اور اطباء علاج کرتے کرتے تھک گئے اور جواب دے چکے ہیں، ان حالات میں زید کی خواہش شفا طلبی جس درجہ قوی ہوگی، معلوم ہے ان ہی مواقع کے لیے کہا جاتا ہے کہ مصیبت میں خدا یاد آتا ہے۔ اب زید کی ساری بدعقیدگی دھری رہ جائے گی، دوست کا مشورہ اس کی مایوسیوں میں امید کی ایک جھلک ثابت ہوگا، اس کی انتہائی طلب و تشنگی الحاد و مادہ پرستی کے تمام دلائل و موانع پر غالب آئے گی اور وہ بلا بحث و حجت دوست کے ساتھ ہو جائے گا اور جتنی ہی زیادہ اس کی خواہش قوی ہوگی، اتنی ہی زیادہ امید و یقین کے ساتھ یہ ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوگا، لیکن اگر زید کے الحاد و بدعقیدگی کا جذبہ اتنا زبردست ہے کہ وہ اس کی اس قوی خواہش شفا طلبی کو بھی زیر کر سکتا ہے تو بڑے سے بڑے بزرگ کی بزرگی بھی بے کار ثابت ہوگی اور دوست کی جانب سے دعا کی شفا بخشی کے دلائل و شواہد کا اگر انبار بھی لگا دیا جائے تو رائیگاں جائے گا۔ ﴿خَتَمَ اللّٰهُ

Marfat.com

عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَ عَلٰی سَمْعِھِمْ وَ عَلٰی اَبْصَارِ ھِمْ غِشَاوَۃٌ﴾ میں غالباً اسی حقیقت کی جانب اشارہ ہے' ایمان و یقین کا حاسہ قلب ہے' اگر وہ مختوم ہے تو پھر عقل انسانی کی کوئی منطق اس مختومیت کا ازالہ نہیں کر سکتی۔

ساحروں کے دل میں ذوق ایمان کی کچھ نہ کچھ تشنگی موجود تھی' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر بے اختیار سربسجود ہو گئے اور پکار اٹھے ﴿ اٰمَنَّا بِرَبِّ ھٰرُوْنَ وَ مُوْسٰی﴾ لیکن کیا فرعون کے معاند و مختوم قلب پر بھی کوئی معجزہ اثر کر سکا؟ انبیائے کرام خصوصاً سید الانبیاء ﷺ کی حیات طیبہ تمہارے سامنے ہے' سیرت النبی میں ابتدائی قبول اسلام کے صفحات پڑھو' ہر سطر ذوق ایمان و طلب یقین کے مذکورہ بالا نفسی حقائق سے معمور ملے گی۔

نفسیات یقین کی شہادت واقعات سیرت سے:

حضرت ابوذر غفاریؓ کے قبول اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ وہ بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے اور حق کی تلاش میں تھے' انہوں نے اپنے بھائی (انیس) سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور دیکھو کہ یہ شخص آنحضرت ﷺ جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کی تعلیم و تلقین کیا ہے؟ انیس مکہ آئے اور واپس جا کر بیان کیا کہ وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری سے الگ ہے۔ ان مویدات یقین کے بعد حضرت ابوذرؓ خود مکہ گئے اور گو اس وقت مکہ کی سرزمین پر اعلان اسلام کے لیے نہایت خطرناک مواقع موجود تھے' تاہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے بعد ذوق ایمان کی تشفی نے اتنا جوش پیدا کر دیا کہ عین حرم کے اندر حضرت ابوذرؓ نے نہایت بلند آہنگی سے اعلان کر کے کہا کہ اشھد ان لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ اس اعلان کی بدولت جان بچنی مشکل ہو گئی۔ (۱)

حضرت حمزہؓ کو آپؐ سے خاص محبت تھی' آپؐ سے صرف دو تین برس بڑے تھے اور ساتھ کھیلے تھے وہ گو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے' لیکن آپؐ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے' دل میں نور حق موجود تھا بالآخر ان بے رحمانہ ایذاؤں نے جو دشمنان اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچاتے تھے' اظہار اسلام پر بے تاب کر دیا' اظہار تو کر دیا لیکن گھر پر آئے تو متردد تھے کہ آبائی دین کو دفعۃً کیونکر چھوڑ دوں' تمام دن سوچتے رہے آخر غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ دین حق یہی ہے۔ (۲) موانع یقین موجود تھے' لیکن دین حق کے قبول اور اس کے داعی کی حمایت کا جذبہ ان موانع سے قوی تر تھا۔

قیصر روم کے پاس جس وقت داعی اسلام (ﷺ) کا نامہ مبارک پہنچا اور قیصر و ابوسفیان میں باہم جو گفتگو ہوئی اس کے بعد گو قیصر کے ضمیر میں ایمان و اذعان کی روشنی پیدا ہوئی اور اس نے کہا کہ مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے' لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہو گا۔ میں اگر وہاں جا سکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا' لیکن قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی تھی اس سے بطارقہ اور اہل دربار سخت برہم ہو چکے تھے نامہ مبارک پڑھے جانے کے بعد اور بھی برہم ہوئے' یہ حالت دیکھ کر قیصر نے اہل عرب کو دربار سے اٹھا دیا اور گو اس کے دل میں نور ایمان آ چکا تھا لیکن تاج و تخت کی تاریکی میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی (۳) تخت و تاج کی حرص دولت ایمان کی ترغیب سے قوی تر ثابت

(۱) یہ پورا واقعہ پڑھنے کے لائق ہے دیکھو سیرت النبی جلد دوم۔

(۲) سیرت النبی جلد اول۔ (۳) ایضاً' پورا مکالمہ پڑھو۔

Marfat.com

ہوئی۔

خسرو پرویز کے تاریک دل میں قیصر روم کے برابر بھی ایمان کی روشنی نہ تھی‘ اس پر طرہ یہ ہوا کہ عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خطوط لکھتے تھے ان میں عنوان پر پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا‘ بخلاف اس کے نامہ مبارک پر پہلے خدا کا نام اور پھر عرب کے دستور کے موافق رسول اللہ ﷺ کا نام تھا‘ خسرو نے اس کو اپنی تحقیر سمجھا اور بولا کہ میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے‘ پھر نامہ مبارک چاک کر ڈالا‘ لیکن چند روز کے بعد سلطنت عجم کے پرزے اڑے۔ (۱)

اسی قسم کے واقعات کی بناء پر مصنف ”سیرت“ نے اوائل دعوت میں اسلام لانے والوں اور اس کے مخالفین کے جو مشترک خصائص گنائے ہیں ان سے بھی تمام تریقین کے انہی اصول و اسباب کی تائید ہوتی ہے جو اوپر بیان ہوئے ہیں‘ تفصیل کے لیے خود سیرت (جلد اول) کی طرف رجوع کرنا چاہیے‘ یہاں اختصار کے ساتھ صرف ضروری خلاصہ کا اعادہ کیا جاتا ہے۔

اسلام لانے والوں کے خصائص مشترک۔

(۱) اکثر وہ لوگ لائے جو پہلے سے تلاش حق میں سرگرداں اور فطرۃ نیک طبع و پاکیزہ اخلاق تھے حضرت ابوبکرؓ‘ حضرت صہیبؓ اور حضرت ابوذرؓ وغیرہ کا شمار ان ہی طالبان حق میں ہے۔ (خواہش یقین)

(۲) بعض صحابہؓ ایسے تھے جو احناف کے تربیت یافتہ تھے‘ یعنی وہ لوگ جو زمانہ اسلام سے پہلے بت پرستی ترک کر چکے تھے اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ کا پیرو کہتے تھے (موانع یقین کی کمی)

(۳) یہ امر سب میں مشترک تھا کہ یہ لوگ قریش کے مناصب نظم میں سے کوئی منصب نہیں رکھتے تھے بلکہ اکثر ایسے تھے مثلاً عمارؓ‘ خبابؓ‘ ابوفکیہہؓ‘ صہیبؓ جن کو دولت و جاہ کے دربار میں جگہ بھی نہیں مل سکتی تھی‘ (موانع کی کمی)

قریش سے بڑھ کر اسلام کا کون دشمن ہوگا‘ لیکن ان کی دشمنی کے کیا اسباب تھے؟۔

(۱) مکہ کی جو عزت تھی کعبہ کی وجہ سے تھی‘ قریش ہمسایگان خدا بلکہ آل اللہ یعنی خاندان الٰہی کہلاتے تھے جس کی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور و کلید بردار تھے‘ عرب ایک مدت سے بت پرستی میں مبتلا تھا‘ خلیل بت شکن کی یادگار (کعبہ) تین سو ساٹھ معبودوں سے مزین تھی۔

اسلام کا اصلی فرض اس طلسم کو برباد کر دینا تھا‘ لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت و اقتدار اور عالمگیر اثر کا بھی خاتمہ تھا‘ اس لیے قریش نے شدت سے مخالفت کی اور ان میں جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان کا اندیشہ تھا‘ اسی قدر وہ مخالفت میں سرگرم تھے۔

(۲) قریش کو عیسائیوں سے بالطبع نفرت تھی لیکن اسلام اور عیسائیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زمانہ میں اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آنحضرت ﷺ عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) سیرت النبی جلد اول۔

Marfat.com

(۳) ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی‘ قریش میں دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریف یکدگر تھے‘ بنو ہاشم اور بنو امیہ‘ آنحضرت ﷺ کی نبوت کو خاندان بنو امیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتے تھے‘ اس لیے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت کی۔

(۴) ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ قریش میں سخت بداخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں‘ بڑے سے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل بداخلاقیوں کے مرتکب تھے۔ ابولہب نے حرم محترم کا غزال زریں چرا کر بیچ ڈالا تھا‘ اخنس بن شریق نمام و کذاب تھا‘ نضر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی‘ آنحضرت ﷺ ایک طرف بت پرستی کی برائیاں بیان فرماتے تھے‘ دوسری طرف ان بداخلاقیوں پر سخت دارو گیر کرتے تھے جس سے ان کی عظمت و اقتدار کی شہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی‘ قرآن مجید میں پیہم علانیہ ان بدکرداروں کی شان میں آیتیں نازل ہوتی تھیں۔

غرض اولاً تو ان قریش میں ایمان و یقین کی خواہش کا کوئی نشان نہیں ملتا‘ ثانیاً اگر نفس خواہش کچھ موجود بھی ہوتی تو مذکورہ بالا موانع اس قدر زبردست تھے کہ جب تک یہ نہ ہٹا دیئے جاتے‘ اس خواہش کا ظہور ناممکن تھا۔

یقین کے متعلق اس ساری گفتگو کا ماحصل یہ ٹھہرتا ہے۔

(۱) بذات خود یقین‘ عام انسانی جذبات و احساسات ہی کی طرح کا ایک نفسی میلان یا ذہنی کیفیت ہے‘ فلسفہ و حکمت بلکہ ریاضی تک کے منطقی دلائل سے جو یقین پیدا ہوتا ہے‘ اس کی ماہیت بھی اسی نفسی میلان سے زیادہ میلان نہیں ہے۔

(۲) یقین کی بنیاد عقلی و نقلی تمام چیزوں میں یقین کی نفس خواہش اور پھر اس خواہش کے موانع و مویدات کا وزن ہے۔

(۳) ان بنیادی اسباب یقین کی تعمیر تمام تر ان جذبات و معتقدات اور مزعومات و مفروضات (علوم عقلیہ) سے ہوتی ہے جو کسی شے کے قبول و یقین کو پیش کرنے سے پہلے افراد یا جماعت کے نفس میں جاگزین ہوتے ہیں۔

لہٰذا اب دیکھنا یہ ہے کہ معجزات کے یقین و قبول کے لیے کس قسم کے معتقدات کی نفس میں پہلے سے موجودگی لازم ہے۔

غایت معجزات

معجزہ منطقی دلیل نہیں:

اوپر آغاز کلام میں معجزہ کا جو مفہوم بیان کیا جا چکا ہے‘ اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ معجزہ نبوت کی کوئی منطقی دلیل نہیں ہے‘ البتہ جو شخص مذہب کا قائل ہے غیب پر ایمان رکھتا ہے اور اس سنت الٰہی کا معتقد ہے کہ بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے خدا ان ہی کے اندر سے کسی نہ کسی برگزیدہ کو اپنے پیام کے ساتھ بھیجتا رہا ہے‘ اس کے سامنے جب کسی

Marfat.com

مقدس انسان کی طرف سے اس پیام کے حامل یا نبی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور یہ داعی الی اللہ اپنے ظاہری و باطنی کمالات اخلاقیہ واوصاف حمیدہ کے لحاظ سے عام انسانوں سے برتر نظر آتا ہے تو اس شخص کے دل میں ایمان کی ایک لہر پیدا ہوتی ہے اب اگر اس پیغمبر سے کوئی معجزہ نما واقعہ ظاہر ہوتا ہے یا اس کی طرف کسی معجزہ کا انتساب کیا جاتا ہے تو وہ اس کی صداقت کی ایک آیت یا نشانی کا کام دیتا ہے جس سے ذوق ایمان کی تقویت ہوتی ہے اور اس طرح ایمان کے تشنہ کام نفوس کے لیے ایک معنی میں معجزہ براہ راست خود نبوت کی نہیں' البتہ مدعی نبوت کی صداقت کی ایک نفسی دلیل بن جاتا ہے۔

معجزہ کی اصل غایت:

اس دلیل یا آیت کی جو غرض و غایت ہو سکتی ہے اس کی نفسی حقیقت کو یوں سمجھو کہ مذہب کی بنیاد تمام تر اسرار و غیوب پر ہے' سب سے بڑا سر یا غیب بلکہ غیب الغیب خود خدا کا وجود اور اس کی ذات ہے' حشر ونشر' جن وملک' وحی و الہام تمام تر چیزیں ایک عالم غیب ہیں' نبوت نام ہے اس عالم غیب کے ساتھ روابط وعلائق کا' معجزہ میں بھی چونکہ ایک طرح کا غیب پایا جاتا ہے' یعنی وہ عالم ظاہری کے سلسلہ علل واسباب سے الگ معلوم ہوتا ہے' اس لیے جو شخص غیب پر ایمان رکھتا ہے اس کا نفس قدرتاً اس یقین کی طرف مائل ہو جاتا ہے کہ جس برگزیدہ انسان سے معجزہ ظاہر ہوا ہے وہ عالم غیب سے خاص تعلق رکھتا ہے لیکن اگر کوئی شخص سرے سے ایمان نہیں رکھتا یعنی سرے سے خدا اور مذہب ہی کا منکر ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے معجزہ تصدیق نبوت کی نہ کوئی دلیل بن سکتا ہے اور نہ آیت۔ کسی نبی کے صادق یا کاذب ہونے کا تصفیہ تو اس کے بعد کی شے ہے کہ پہلے آدمی کا نفس اس امر کا قائل ہو کہ خدا کا کوئی وجود ہے اور وہ ہدایت خلق کے لیے انبیاء کو بھیجتا یا بھیج سکتا ہے' جو آدمی نقطہ' خط یا سطح وغیرہ مبادی اقلیدس کا ہی قائل نہیں اس کو تم اقلیدس کی کوئی شکل کیسے سمجھا سکتے ہو' جس طرح علوم کی فرعی تفصیلات کے ماننے کے لیے پہلے ان کے مبادی کا ماننا لازمی ہے' اسی طرح تفصیلات مذہب پر یقین کرنے کے لیے پہلے نفس مذہب کا یقین ضروری ہے۔

مل نے ہیوم کے انکار معجزات کی تنقیح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''جو شخص کسی فوق الفطرت ہستی اور انسانی معاملات میں اس کی مداخلت کا پہلے ہی سے قائل نہیں ہے اس کے سامنے اگر کسی انسان کی نسبت فوق الفطرت یا خارق عادت باتوں کی روایت کی جائے تو وہ ان کو معجزہ نہ مانے گا۔ معجزات سے خود خدا کا وجود نہیں ثابت کیا جا سکتا' اس لیے اگر خدا کا اعتقاد پہلے ہی سے نہ موجود ہو تو کسی فوق الفطرت ہستی کی مداخلت کے علاوہ معجزہ نما واقعات کی اور بھی توجیہات ممکن ہیں' یہاں تک تو ہیوم کی دلیل بامعنی کہی جا سکتی ہے لیکن اگر ایک ایسی ذات کا وجود قطعی یا غالب طور پر بھی مان لیا جائے جو موجودہ نظام فطرت کی خالق ہے اور اس لیے اس میں تغیر وترمیم بھی کر سکتی ہے' تو ہیوم کی دلیل بے معنی ہو جاتی ہے جب تم نے خدا کو مان لیا تو پھر جس شے کو اس کے ارادہ نے پیدا کیا تھا اس پر اس ارادہ کا براہ راست عمل واثر خواہ مخواہ کا فرض نہیں رہتا بلکہ ایک سنجیدہ ''امکان'' بن جاتا ہے' کیونکہ اس صورت میں سوال کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے اور خدا کی مداخلت یا عدم مداخلت کا فیصلہ اس بحث پر ٹھہرتا ہے کہ

Marfat.com

کائنات فطرت میں اس کی سنتِ عمل کیا رہی ہے یا عقلاً کیا رہنا چاہیے۔"(۱)

غرض معجزہ کو معجزہ سمجھ کر اس کے یقین وقبول کی اولین شرط یہ ہے کہ آدمی پہلے غیب (خدا و مذہب) پر ایمان رکھتا ہو اس کے بعد دیکھو کہ معجزہ کی مذکورہ بالا غایت اور اس پر یقین کی اولین شرط کو پیش نظر رکھ کر وقوع معجزہ کی مختلف صورتیں یا توجیہات کیا ہو سکتی ہیں؟ جزئی شقوق یا فروعی احتمالات سے قطع نظر کر کے جن سے قدیم وجدید علم کلام کا دفتر پر ہے اصولی طور پر صرف وہی دو صورتیں نکلتی ہیں جن کی جانب مل نے اقتباس بالا میں اشارہ کیا ہے۔

(۱) پہلی صورت:

یہ ہے کہ خدا نے کارخانہ عالم چلانے کے لیے کچھ اصول وقوانین مقرر کر دیے ہیں جن کے مطابق اس کل کا ہر پرزہ اپنی اپنی جگہ پر کام کرتا رہتا ہے اور ارادۂ الٰہی اپنی اس سنت جاریہ میں کبھی کسی حالت میں کوئی تغیر وتبدل نہیں کرتا' بقول اسپنوزا کے کہ خدا کی خدائی اور اس کی حقیقی عظمت وحکمت کا اظہار اسی سے ہوتا ہے کہ عالم ایک بندھے ہوئے غیر متغیر نظام کا پابند ہو' قدرت خداوندی کے معنی یہی ہیں کہ کارخانہ فطرت اپنے ازلی یا اٹل قوانین کا تابع ہے۔(۲)

اس احتمال کی رو سے معجزہ کا وقوع بھی ان ہی ازلی قوانین کی کسی نہ کسی ایسی کارفرمائی کے ماتحت ہونا چاہیے جس کا کم از کم ظہور معجزہ کے وقت عام لوگوں کو علم نہیں ہوتا اور اس لیے معجزہ جو دراصل محض ایک فطری واقعہ ہوتا ہے' بظاہر لوگوں کو معجزہ نظر آتا ہے' مثلاً جس وقت تک عمل تنویم کے نفسی قوانین فطرت کا انکشاف نہیں ہوا تھا عصائے موسوی کا اژدہا بن جانا معجزہ تھا' لیکن آج اس نفسی قانون کے جاننے والوں کے لیے کرسی کا شیر بن جانا فطری واقعہ ہے اور عصائے موسوی کے اژدہا نظر آنے کی بھی اس سے توجیہ کی جا سکتی ہے۔

لیکن اس توجیہ سے یہ کسی طرح نہیں نکلتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں یہ واقعہ معجزہ نہ تھا' اس لیے کہ اس زمانہ تک معجزہ کی وہ غایت جس کا ابھی اوپر ذکر آچکا ہے' اس واقعہ سے پوری طرح حاصل تھی' یعنی اس میں ایک طرح کا غیب پایا جاتا تھا اور اس کا وقوع عالم ظاہری کے سلسلہ علل واسباب سے الگ معلوم ہوتا تھا' لہٰذا اس سے نبی کی تصدیق کا (جو عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے) نفس میں میلان پیدا ہو سکتا تھا جیسا کہ ساحروں کے نفس میں پیدا ہوا' انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کی تصدیق کی۔

---

(۱) دیکھو THREE ESSAYS ON RELIGION (مذہب پر تین مضامین) مطبوعہ ایشیاٹک پریس ص ۹۸ نیز نظام منطق کتاب سوم باب ۲۵ فصل ۲' اسی میں مل نے ایک اور غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے وہ یہ کہ خدا کو مان لینے کے بعد معجزہ کو قانون فطرت کا سرے سے خارق ہی نہیں کہا جا سکتا پتھر کو اوپر پھینکو اور کوئی شے بیچ میں مانع اور عائق نہ ہو تو اس صورت میں اس کا زمین پر لوٹ کر نہ گرنا یا ہوا میں معلق رہنا بے شک خلاف فطرت ہو گا لیکن اگر اس کے بیچ میں کوئی روک لے تو زمین پر نہ گرنا بالکل خارق عادت نہ ہو گا کیونکہ مانع موجود ہے معجزہ کی صورت میں جو ارادۂ خداوندی معمولی سلسلہ علل واسباب کا خالق ہے وہی اس کے عمل سے مانع ہو جاتا ہے' لہٰذا معجزہ نہ خلاف فطرت ہے اور نہ بلا علت کیونکہ عمل علت کی شرط تو یہ ہے کہ کوئی مانع نہ موجود ہو اور یہاں موجود ہے۔

(۲) اسپنوزا جدید فلسفہ کا ایک نامور امام ہے دیکھو اس کا مجموعہ تصنیفات SPINOSARS WORK جلد اول باب ۶ بحث معجزات۔

Marfat.com

البتہ آج یہ واقعہ البرٹ مول یا ولیم جیمس کے سامنے بیان کیا جائے تو وہ اس کو بجائے معجزہ کے صرف ایک فطری واقعہ سمجھنے کا حق رکھتے ہیں' اس لیے اب اگر کوئی نبی یا ولی اپنی نبوت یا ولایت کی تصدیق کا میلان کسی معجزہ یا کرامت کے ذریعہ سے مول اور جیمس وغیرہ کے دل میں پیدا کرنا چاہے تو کوئی ایسی نشانی ظاہر کرنا ہوگی جس کی توجیہ سے ان کا موجودہ علم اسی طرح عاجز ہو جس طرح کہ انبیائے سابقین کے زمانہ میں ان کے معجزات کی توجیہ سے اس وقت کا علم عاجز تھا یا بعض کی توجیہ سے اب بھی عاجز ہے' مثلاً شق قمر۔ لیکن اصل یہ ہے کہ عمل تنویم کے تجربات میں اگر تھوڑی سی قیاسی وسعت اور پیدا کر لی جائے تو شق قمر وغیرہ تقریباً ہر قسم کے خوارق کی توجیہ ہو سکتی ہے کیونکہ اس عمل کا دارومدار تمام تر عامل کی قوت اثر آفرینی اور معمول کی اثر پذیری پر ہے۔ یہ نفسی تاثیر و تاثر کم و بیش ہر انسان میں موجود ہے جس کی ادنیٰ مثالیں ہم کو روزانہ کی معمولی زندگی میں ملتی رہتی ہیں۔ ہماری زبان کی ایک عامیانہ مثل ہے کہ "خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے" جس کے یہی معنی ہیں کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے اوضاع واطوار سے اثر پذیر ہوتا ہے' نیک صحبت کے فوائد اور بری صحبت کے مضار کا بھید بھی نامحسوس تاثر ہے جس قدر کسی شخص کی قوت ارادی یا قوت تاثیر زبردست ہوتی ہے' اسی قدر زیادہ وہ دوسروں پر اثر ڈال سکتا ہے' دنیا کے اکابر رجال کی کامیابی کا ایک بڑا راز یہی قوت رہی ہے' ان کے صرف کہنے کا لوگوں پر جو اثر پڑتا ہے وہ دوسروں کے دلائل و براہین کا نہیں پڑتا' اس کی بہترین زندہ مثال گاندھی جی ہیں۔ انہوں نے جس درجہ کے امراء و اعیان ملک سے چرخہ کتوالیا ہے اور اپنی سیدھی سادی گفتگو اور تحریروں سے جس طرح اس کی خوبیوں کا یقین ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دل میں پیدا کر لیا ہے' وہ بڑی حد تک اسی قوت کا کرشمہ ہے' ورنہ ملک میں ان سے زبردست خطیب انشاء پرداز اور منطقی سینکڑوں ملیں گے' لیکن اثر آفرینی کا یہ سحر و جادو کسی کی تقریر' کسی کی تحریر اور کسی کے دلائل میں نہیں ملتا۔ غرض اثر آفرینی [1] کی یہی قوت ہے جس کو عامل تنویم عشق سے بڑھا کر کرسی کو شیر اور جھاڑو کو حسین عورت بنا دے سکتا ہے۔

ان واقعات کی بنا پر ہم کو یقیناً اپنے قیاس میں اتنی توسیع کا حق حاصل ہے کہ ماہرین تنویم یا عام اکابر رجال و مصلحین کی قوت اثر آفرینی کے مقابلہ میں انبیائے کرام کی وہبی و روحانی قوت تاثیر و نفوذ کا مرتبہ کہیں زیادہ اعلیٰ و ارفع ہوتا ہے اور اس لیے وہ ان سے بھی بدرجہا زیادہ عجیب تر و محیر العقول امور کا یقین لوگوں کے دل میں پیدا کر سکتے ہیں۔ عامل تنویم' اثر آفرینی کے لیے کچھ نہ کچھ ظاہری حرکات و سکنات یا الفاظ و خطاب کا محتاج ہوتا ہے اور اس کا زیادہ تر اثر افراد تک محدود رہتا ہے لیکن نبی کی اعلیٰ و روحانی قوت تاثیر کے لیے صرف باطنی ارادہ کافی ہو سکتا ہے اور اس کا اثر افراد سے بڑھ کر جماعت تک کو محیط ہو سکتا ہے۔

البتہ یہاں ایک وسوسہ دل میں پیدا ہوگا جس کا دور کر لینا ضروری ہے وہ یہ کہ معجزہ کی اس توجیہ کو قبول کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کی حقیقت ایک طرح کے سحر' نظر بندی یا فریب حواس سے زیادہ نہیں ہے' یعنی جس شخص کو

---

(۱) انگریزی میں اس اثر آفرینی کے لیے (SUGGESTION) کی اصطلاح ہے جس کی پوری حقیقت کو تجربات اور مثالوں سے سمجھنے کے لیے انگریزی دان حضرات ڈاکٹر سیڈس کی دلچسپ کتاب' نفسیات اثر آفرینی۔ THE PSYCHOLOGY OF SUGGESTION کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

کوئی معجزہ نظر آتا ہے اس کا وجود خود اس شخص کی نظر، حواس یا زیادہ صحیح یہ ہے کہ ذہن سے باہر کسی خارج و حقیقی شے کی صورت میں نہیں ہوتا۔

بعض وسوسوں کا جواب:

اوپر معجزہ کی جو غایت معلوم ہو چکی ہے اس کے لحاظ سے اس وسوسہ کا صاف جواب تو یہ ہو گا کہ وہ غایت بہر نوع حاصل ہے، معجزہ فی نفسہ چاہے کوئی خارجی شے ہو یا محض ذہنی اصلی غرض صرف اتنی ہے کہ جس فرد یا جماعت کے سامنے کوئی معجزہ پیش کیا جائے اس کے علم کے لحاظ سے وہ اپنے اندر کچھ نہ کچھ غیب رکھتا ہو، ہاں بظاہر اس سے بھی ایک اور قوی تر اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں پھر نبی اور عامل تنویم یا ساحر میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اس اشکال کا حل بھی ضمناً اوپر ہی گزر چکا ہے کہ معجزہ بجائے خود نبوت کی کوئی منطقی دلیل نہیں ہے، بلکہ جس شخص میں ظاہری و باطنی کمالات یعنی اصلی خصائص نبوت و اوصاف حمیدہ عام انسانوں کے مقابلہ میں فوق العادۃ حد تک مجتمع ہوتے ہیں۔ اس کے حق میں معجزہ محض تائید مزید کا کام دے سکتا ہے اور جس شخص پر نبوت کے یہ اصلی خصائص و کمالات روحانی موثر نہ ہوں وہ بلاشبہ نبی کو بھی زیادہ سے زیادہ ایک بڑا ساحر قرار دے گا جیسا کہ منکرین نے ہمیشہ کہا ہے کہ ﴿ هٰذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ. اِنَّ هٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيْمٌ. قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ. وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴾ (۱)

لیکن اس وسوسہ کا (کہ توجیہ بالا کی بنا پر معجزہ کی حقیقت کسی خارجی و واقعی وجود کی جگہ محض ایک ذہنی یا خیالی وہم کی رہ جاتی ہے) تحقیقی جواب دراصل مابعد الطبیعیات سے متعلق ہے جو تمام عقلی موشگافیوں کی آخری عدالت مرافعہ ہے، مگر اس عدالت کا آخری فیصلہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ حقیقی یا واقعی وجود صرف خارجی چیزوں کا ہے، بلکہ اس کے نزدیک تو یہی امر سرے سے مشتبہ ہے کہ خود خارج کا کوئی وجود ہے اور اساطین فلسفہ کی ایک بڑی جماعت (تصوریہ) کا مسلک یہ ہے کہ "عالم تمام حلقہ دام خیال ہے۔" حقیقی وجود صرف روح، ذہن یا نفس کا ہے۔ باقی دریا، پہاڑ، چاند، سورج، زمین و آسمان جو کچھ دیکھتے ہو یہ سب تمہارے ذہن ہی کے اندر ہیں مادہ اور عالم مادی محض ایک "وہم و گمان"

(۱) متکلمین اسلام کے ہاں سحر و معجزہ کی بحث ایک مستقل مسئلہ ہے لیکن ان میں بھی اہل تحقیق کا مسلک یہی ہے کہ دونوں میں کوئی نوعی فرق نہیں ہے بعضوں کے نزدیک تو محض استعمال کا فرق ہے یعنی انبیاء اور اولیاء اپنے نفس کی قوت معجزہ نمائی کو مقاصد خیر کیلئے استعمال کرتے ہیں اور ساحر مقاصد شر کے لیے (سفینۃ الراغب ص ۱۱۸) مولانا حمید الدین فراہی جن سے بڑھ کر موجودہ دنیائے اسلام میں شاید ہی کسی کو فہم القرآن کی سعادت حاصل ہو وہ بھی لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُوْنَ سے یہی نتیجہ اخذ فرماتے ہیں کہ معجزہ اور سحر میں صرف یہ فرق ہے کہ ساحر فلاح یاب نہیں ہوتا یعنی وہ اپنی قوت سحر کو خود اپنے یا دوسروں کے لیے فلاح و خیر کے اغراض میں استعمال نہیں کرتا، بلکہ علی العموم جادوگروں کی اخلاقی حالت نہایت پست ہوتی ہے لیکن "لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى" کی نص قرآنی کا زیادہ صحیح مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساحر کا سحر جب نبی اور اس کے معجزہ کے مقابلہ میں آتا ہے تو وہ مغلوب و ناکام رہتا ہے۔ جیسا کہ عصائے موسیٰ کے مقابلہ میں ظاہر ہوا اس سے سحر و معجزہ میں جب کہ دونوں میں مقابلہ ہو، ظاہری فرق و تمیز کا بھی ایک یقینی معیار ہاتھ آ جاتا ہے۔ باقی دونوں کی باطنی حقیقت میں کیا فرق ہے، یہ تو فن سحر کا عالم ہی جان سکتا ہے جیسا کہ تمام فنی حقائق میں معلوم ہوتا ہے اور جیسا کہ حضرت موسیٰ کے مدمقابل ساحروں نے فرق جان لیا تھا۔

Marfat.com

ہے[1] اس جماعت نے عالم خارجی کی ایک توجیہ یہ کی ہے کہ جن چیزوں کو ہم موجودات خارجی سمجھتے ہیں وہ صرف ذہن کے تصورات ہیں جو خدا ہمارے اندر پیدا کر دیتا ہے' اسی راز کی طرف اکبر مرحوم نے باتوں باتوں میں اس طرح اشارہ کیا ہے کہ جو کچھ ہے سب خدا کا' وہم و گمان ہمارا' لہٰذا جس ذات یا قوت نے سارے ذہن میں ''عصائے'' موسوی اور ثابت و مسلم قمر کا تصور پیدا کیا تھا' اسی نے اگر تھوڑی دیر کے لیے عصا کی جگہ اژدہا اور قمر مسلم کی جگہ شق قمر کا تصور پیدا کر دیا تو دونوں کے وجود کی حقیقت و نوعیت میں کیا فرق پڑا؟۔

سائنس جس کا جذبہ مادہ پرستی دلائل سے لاجوابی اور خود مادہ کو غیر مادی جوہری کہنے کے باوجود مادیات کے وجود خارجی سے یک قلم دست برداری پر راضی نہیں اور اس تار عنکبوت میں کسی نہ کسی طرح الجھا رہنا ہی پسند کرتا ہے وہ بھی کم از کم محسوسات کی نسبت تو یہ ماننے پر مجبور ہی ہے کہ رنگ و بو' آواز و مزہ' سردی و گرمی وغیرہ کا وجود صرف ایک ذہنی احساس یا تصور ہے جس کو مادہ نامی کوئی ''نامعلوم شے'' ہمارے ذہن میں خلق کر دیتی ہے اور جس کا ذہن سے باہر کوئی وجود نہیں' جب رنگ اور آواز جس کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور کانوں سے سنتے ہیں' اس کے حقیقی و واقعی وجود کے صرف اتنے ہی معنی ہیں کہ ہم اس کا احساس و تصور رکھتے ہیں تو پھر کیا ضرورت ہے کہ معجزات کے وجود کو ہم اس سے زیادہ حقیقی و واقعی ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

ایک اور اعتراض:

یہ تو وہ شبہات تھے جو معجزہ اور سحر و تنویم کی یکسانی یا معجزات کے محض ذہنی وجود کی بنا پر پیدا ہوتے تھے' لیکن ایک اور اعتراض معجزہ کی تمام ان توجیہات پر وارد ہوتا ہے جن کی رو سے یہ فطرت کے معمولی غیر متغیر قوانین اور علل و اسباب (چاہے وہ نفسی ہوں یا طبعی یا مادی) ہی کے کسی نہ کسی ایسے مخفی عمل کا معلول کیا جاتا ہے' جس کا ظہور معجزہ کے وقت تک عام لوگوں کو علم نہیں ہوتا۔ یہ ایک اعتراض معجزہ کے اضافی ہونے کا ہے۔ فرض کرو کہ شق قمر کی علت خواہ تنویم کی طرح کوئی نفسی قانون ہو یا کیمیاوی جذب و اتصال کی طرح جو چاند کے مختلف اجزاء کو باہم ملحق کیے ہوئے ہے کوئی ایسا مادی قانون دفع و افتراق ہو جس نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے ہوں' ان دونوں صورتوں میں شق قمر صرف اسی وقت تک معجزہ ہے جب تک کہ اس کے نفسی یا مادی قوانین و علل کا انکشاف نہیں ہوتا۔ لاسلکی پیام رسانی کے انکشاف سے پہلے اگر کوئی شخص ہندوستان میں بیٹھ کر ایک سیکنڈ میں امریکہ کا کوئی واقعہ معلوم کر لیتا تو یہ کسی معجزہ سے کم نہ ہوتا' لیکن اب معمولی بات ہے۔

بے شبہ اس معنی میں معجزہ یقیناً اضافی شے ہے اور ہمیشہ رہے گا' کوئی معجزہ ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جو اس احتمال اضافیت سے خالی ہو' کیونکہ انسان کا علم ہی تمام تر اضافی ہے اگر اس کا علم قطعی و مختتم طور پر تمام قوانین فطرت کا احاطہ کر سکتا تو البتہ کسی حد تک معجزہ کی نسبت یہ مطالبہ بجا ہو سکتا تھا کہ ابدالآباد تک کسی قانون فطرت سے اس کی توجیہ نہ ہونی

[1] مابعد الطبیعیات کے اس نازک مسئلہ کی توضیح کی گنجائش یہاں نہیں نکالی جا سکتی' البتہ دور جدید میں تصوریت کے بانی اول برکلے کا فلسفہ اردو میں منتقل ہو چکا ہے جو لوگ فلسفہ کا ذوق رکھتے ہیں وہ تو اس کی اصل کتاب ''مکالمات'' رسادی کا مطالعہ کر سکتے ہیں عام لوگ شاید فلسفہ برکلے سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں گے۔ (مطبوعہ دار المصنفین)

Marfat.com

چاہیے' لیکن جب ہمارا علم ہی اضافی ہے تو کوئی معجزہ احتمال اضافیت سے کیسے خالی ہوسکتا ہے؟ ایک مدعی نبوت یہ اعجاز دکھلاسکتا ہے کہ ایک ہفتہ تک آفتاب غروب نہ ہو لیکن اس کا قطعی یقین کیسے دلایا جاسکتا ہے کہ آگے چل کر علم ہیئت کے اکتشافات سے اس اعجاز کی توجیہ نہ ہوسکے گی؟ لہٰذا جو شے آج معجزہ ہے بالفرض کل وہ طبعی واقعہ ثابت ہو جائے تو بھی اس سے آج اس کے معجزہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا اور معجزہ کی غرض و غایت کو پورا کرنے کے لیے اسی قدر کافی ہے۔ (دیکھو ص ۱۶۴ تا ۱۷۲)

(۲) دوسری صورت:

یہ ہے کہ عام طور پر تو کارخانہ کائنات ایک مقررہ سنت یا بندھے ہوئے قوانین ہی کے ماتحت چلتا رہتا ہے' لیکن کبھی کبھی خدا اپنے مرسلین و مقربین کی تائید غیبی کے لیے اس ''سنت جاریہ'' میں مداخلت اور تغیر و تبدل کو بھی جائز رکھتا ہے۔ خواہ یہ تغیر و تبدل فطرت میں کسی نئے حذف و اضافہ کی وساطت سے ہو' یا اس کا منشاء براہ راست ارادۂ الٰہی ہو۔ اور جس طرح اسپنوزا کے نزدیک خدا کی خدائی اس میں نظر آتی ہے کہ عالم ایک بندھے ہوئے غیر متغیر نظام کا پابند ہو' اسی طرح بہت سے فلاسفہ اپنی عقل کو اس پر مجبور پاتے ہیں کہ ہر معلول کی براہ راست علت فطرت کی کوئی قوت نہیں بلکہ ایک ہستی برتر کا ارادہ ہے۔ ان فلاسفہ کے نزدیک وقوع معجزہ کے لیے بھی ارادۂ الٰہی کی براہ راست مداخلت ہی والا احتمال زیادہ قابل قبول ہوگا۔

اس صورت کے مختلف احتمالات:

صورت مداخلت کے ان احتمالات ثلثہ میں اگرچہ کوئی قطعی تفریق ہر جگہ نہیں کی جاسکتی' تاہم جو موٹا سا فرق کیا جاسکتا ہے اس کو ان مثالوں سے سمجھ لینا چاہیے۔

(۱) عام قانون فطرت یہ ہے کہ انسان کا بچہ بلا اتصال جنسی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن اس اتصال جنسی سے جو مادۂ تولید رحم مادر میں داخل ہوتا ہے' اس کو اگر خدا خود رحم کے اندر ہی پیدا کر دے جس طرح کہ اور بہت سی رطوبات جسم میں پیدا ہوتی رہتی ہیں تو بلا اتصال جنسی لڑکا پیدا ہوسکتا ہے اور مداخلت خداوندی کی یہ صورت فطرت میں ایک نئے عارضی اضافہ کی وساطت پر مبنی ہوگی' ممکن ہے کہ ولادت مسیح میں خدا نے اپنی مداخلت کی اسی صورت سے کام لیا ہو۔

(۲) اسی طرح اضافہ کے بجائے حذف کی مثال یہ ہوسکتی ہے کہ چاند کے مختلف اجزاء جس کیمیاوی جذب و اتصال کی قوت سے آپس میں پیوستہ ہیں' ان میں سے صرف اس حصہ قوت کو جو چاند کے نصفین میں موجب اتصال ہے تھوڑی دیر کے لیے خدا حذف یا سلب کر لے جس سے شق قمر کا معجزہ ظاہر ہوسکتا ہے۔

(۳) تیسرا احتمال یہ ہے کہ کسی مادی واسطہ کا حذف و اضافہ کیے بغیر براہ راست خدا نے صرف ارادہ ''کُنْ فَیَکُوْنَ'' سے قمر کو شق اور مسیح کو پیدا کر دیا ہو۔

یہی آخری صورت عمیق النظر فلاسفہ و متکلمین اور اہل حق کا مذہب ہے' بلکہ تنویمی احتمال کی تو خود کلام مجید کی رو

Marfat.com

سے گنجائش نہیں' اس لیے کہ تنویم کا عمل اس کے عامل کے علم و ارادہ کے تحت ہوتا ہے اور معجزات میں انبیاء علیہم السلام کے علم و ارادہ کو قطعاً دخل نہیں ہوتا' اسی لیے وہ فرمائش و تعدی پر کسی آیت یا معجزہ کو خود پیش کر سکنے سے عجز کا صاف اعتراف اور اس امر کا غیر مشکوک اعلان کرتے ہیں کہ آیات تو صرف اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ ﴿اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ' اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ رَبِّی﴾ اور اگر رسول ان کو پیش کرتا یا کر سکتا ہے تو صرف اللہ ہی کے براہ راست حکم و اذن سے' خود کسی رسول میں ہرگز اس کی طاقت نہیں کہ اللہ کی مرضی و مشیت کے بغیر کوئی آیت یا معجزہ پیش کر سکے۔ ﴿وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ اگر عامل تنویم کی طرح انبیاء علیہم السلام اپنے ہی علم و ارادہ سے معجزات ظاہر کرتے ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے عصا کو سانپ کی صورت میں ظاہر فرما کر خود اسی سے کیوں ڈرتے اور پھر اس کے عصا بنا دینے کو اللہ تعالیٰ براہ راست اپنی طرف کیوں منسوب فرماتا کہ ڈرو نہیں ہم اس کو پھر ابھی چھڑی ہی بنا دیں گے۔ ﴿لَا تَخَفْ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی﴾

باقی اور جتنے احتمالات اوپر بیان ہوئے' وہ بھی بس احتمالات و تاویلات ہی کے درجہ میں ہیں لیکن تاویل خواہ بعید ہی ہو تکذیب کے مقابلہ میں اہون ہے۔ لہٰذا یہ درحقیقت ایسے طفل مزاج عقل پرستوں پر اتمام حجت اور انکار و تکذیب کی راہ سے ان کو بچانے کے لیے ہیں' جو بچوں کی طرح مٹھائی دعقل کا نام لیے بغیر کسی اعلیٰ حقیقت کی طرف ملتفت ہی نہیں ہوتے اور جن کی عقل' عقل کے نام سے اتنی مرعوب ہے کہ خود عقل کی نارسائی تک بھی رسائی نہیں پا سکے ہیں۔

اصل بحث و توجہ کی بات ایک ہی ہے کہ سارے کارخانہ فطرت کی اساس و بنیاد کوئی بے شعور و بے ارادہ مبدء ہے یا اندر باہر انفس و آفاق میں جو کچھ بھی ہے اور ہوتا ہے تمام تر بالذات و براہ راست کسی علم و ارادہ والی ذات کی مشیت و قدرت کا ظہور ہے۔ فلسفہ اور فلسفیانہ عقل کے لیے ایک طرف تو یہ بات بہت پرانی ہو چکی ہے کہ جہاں کہیں جو کچھ بھی ہے یا ہو رہا ہے' وہ ایک ہی ہستی کی جلوہ فرمائی و کارفرمائی کے مظاہر ہیں اور فلسفہ تصوریت کی رو سے (جس کا جدید فلسفہ میں خصوصاً دور دورہ رہا ہے) یہ ہستی اسی نوعیت کی ہے' جس کو ہم شاعر الذات' نفس و روح یا انا دالیغو سے تعبیر کرتے ہیں' باقی مادی و طبعی عوامل و قوانین کی ساری تعبیرات و اصطلاحات دفتر بے معنی ہیں۔

تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں دفتر پیدا
ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

نئی بات جو سائنس اور سائنس دانوں کے نام سے مرعوب ذہنوں اور عقلوں کے لیے خصوصاً لائق توجہ ہے یہ ہے کہ مادہ کی بظاہر جس ٹھوس چٹان پر مادیت یا طبعی عوامل و قوانین کی پوری عمارت کھڑی تھی وہ خود نئی طبیعیات ہی میں برف کی طرح پگھل رہی ہے' اب ازلی و غیر فانی مادہ اور ٹھوس سالمات پرانا افسانہ ہو چکے ہیں۔ قائم بالذات جوہر کی حیثیت سے مادہ کو اب کوئی اساسی حقیقت نہیں تسلیم کیا جاتا۔ وہ اب عملاً برقی توانائی یا برقیات میں گم ہو کر رہ گیا ہے۔ لیکن خود برق یا برقیات کی انتہائی حقیقت کیا ہے' کوئی نہیں جانتا' یہی نہیں بلکہ مادہ کو کسی معنی میں بھی موجود جاننے کے لیے عام انسانی ذہن و دماغ کے لیے کم از کم اتنا سہارا ناگزیر تھا کہ وہ کسی جگہ (یا مکان میں) موجود ہے لیکن نظریہ

Marfat.com

اضافیت نے اس آخری سہارے کو بھی چھین لیا۔

''مادہ جو ہماری عام عقل وفہم کے لیے ایک موجود فی المکان اور قائم فی الزمان جوہر تھا اور کائنات نام تھا مادہ کے ڈھیروں ڈلوں یا ایسے مادی جوہروں کا جو خاص خاص قوانین کے مطابق زمان ومکان میں ادھر سے ادھر مارے مارے پھرتے تھے۔ اب جو بڑا انقلاب سائنس کے نقطۂ نظر سے برپا ہوا ہے وہ صحیح معنی میں اسی واقعہ کا نتیجہ ہے کہ مادہ اور زمان ومکان سرے سے تین جداگانہ حقائق ہی نہیں قرار دیئے جاتے۔''(۱)

ایک عام آدمی عریاں الفاظ میں اس کے سوا کیا سمجھ سکتا ہے کہ مادہ نہ کسی جگہ ہے نہ کسی وقت میں یعنی نہ کسی زمان میں تو پھر ''ہے'' کے کیا معنی؟ اضافیت کے اس شاہکار کو پوری طرح سمجھنا سمجھانا تو اعلیٰ ریاضیات کے ماہرین ہی کا کام ہے، ہم عامیوں کو سچ پوچھیے تو ایسے مادہ کی نسبت جو زمان ومکان سے الگ یا مستقل بالذات ہو کر کسی جگہ اور وقت میں یا زمان ومکان کے مظروف کی حیثیت سے نہ پایا جاتا ہو بے ساختہ یہی کہنا پڑتا ہے کہ ''ریاضیات نے تحلیل کرتے کرتے ہماری خارجی (یا مادی) دنیا کو قریباً عدم تک پہنچا دیا ہے۔''(۲) اور یہ تو بہرحال واضح ہو گیا ہے کہ کائنات کو کوئی مشین نہیں قرار دیا جا سکتا۔ پرانی مادیت دیوالیہ ہو چکی ہے یعنی وہ مادیت جو کائنات، زندگی اور ذہن سب کا محض ایک مادی تصور رکھتی تھی۔(۳) اسی طرح سائنس وریاضی کے جھروکوں سے بھی فلسفیانہ تصوریت ہی جھانکنے لگی ہے حتیٰ کہ:

''سائنس دانوں کو طبعی کائنات میں کسی اساسی خارجی یا معروضی حقیقت کی جستجو میں معلوم ہوا ہے کہ کوئی خارجی حقیقت اگر سرے سے ہو بھی، تو وہ کوئی ایسی نہایت ہی عجیب وغریب شے ہو گی جو کبھی خواب وخیال میں بھی نہ آتی تھی۔ ایڈنگٹن نے نظریہ اضافیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو طبعیات کی ایک دوسری جدید ترقی کا اٹم تھیوری تک پہنچ کر ہم نے خارجی حقیقت کی جستجو کے مقصد کو ترک کر دیا ہے اور طبعی کائنات کی ایسے عناصر میں تحلیل کرنا پڑی ہے جو صراحۃً ذہنی (SUBJECTIVE) ہیں، اگر خارجی دنیا کو جاننے میں ہمارے لیے خود اپنے ذہنی عنصر کو جدا کرنا مشکل ہے تو خود ان (SELF KNOWING) شعور کے مسئلہ میں جہاں ذہن وخارج (یعنی جاننے والا اور جانا گیا) حقیقۃً ایک ہو جاتے ہیں اس کو جدا یا ممتاز کرنا کہیں زیادہ مشکل ہو گا۔''(۴)

غرض فلسفہ کے بعد سائنس میں بھی ہوا کا رخ جس طرح تصوریت یعنی اس خیال کی طرف جا رہا ہے کہ ہماری کائنات اور اس کی نیرنگیاں بے شعور مادہ کی میکانکی کارستانیاں نہیں بلکہ ذہن وشعور کی کارفرمائیاں ہیں اور خالص سائنس دان نہ سہی لیکن سائنس دان فلسفی کی حیثیت سے سر جیمس جینز، ماکس پلانک، شرودنگر، آئن سٹائن وغیرہ جیسے

---

(۱) ماڈرن بلیف مقدمہ صفحہ ۱۵۱۔

(۲) ماڈرن بلیف مقدمہ صفحہ ۱۴۳۔

(۳) ماڈرن بلیف مقدمہ ص ۱۴۳۔

(۴) ماڈرن بلیف مقدمہ ص ۸۔

Marfat.com

رجال سائنس کا تصوریت کی جانب رجحان بڑھتا جا رہا ہے اور کائنات کا اساسی سرچشمہ شعور کو قرار دینے لگے ہیں' جیسا کہ سرجیمس جیانس کا صاف اعتراف ہے کہ میرا رجحان تصوریہ کے اسی نظریہ کی طرف ہے کہ اساسی و بنیادی حقیقت شعور ہے اور مادی کائنات اس سے ماخوذ ہے (ماڈرن بلیف ص ۵۲۰)

مذاہب کا وجود اسی ذی شعور و ذی علم اساسی سرچشمہ کائنات کے سوا کیا ہے اور جب ساری کائنات ہی کسی نہ کسی طرح اس کے علم و شعور سے ماخوذ یا اس کی مخلوق ہے تو معجزات کے مادی یا میکانکی عوامل و قوانین کی جستجو خود عقل کی رو سے کون سی عقل مندی کا کارنامہ ہے[1] عقل و دانش کی بات تو بس وہی اکبر الہ آبادی کی ہے۔

تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں دفتر پیدا
ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

یقین معجزہ کے شرائط:

غرض یقین معجزہ کی اولین شرط خدا اور غیب کا یقین ہے اس کے بعد اپنے اپنے علم و مذاق کے مطابق توجیہ معجزات کی جس طرح یہ ''پہلی صورت'' ممکن ہے کہ وہ عام قوانین فطرت (خواہ نفسی یا مادی) ہی کے کسی مخفی عمل کا نتیجہ ہوں' اسی طرح مداخلت کی (خواہ براہ راست ہو یا بواسطہ حذف و اضافہ) ''دوسری طرف'' بھی قابل قبول ہے' انگلستان کے مشہور منطقی ولیم اسٹال جیونس نے ایک نہایت ضخیم کتاب ''اصول سائنس'' [2] کے نام سے لکھی ہے جس میں آخری نتیجہ یہ نکالا ہے۔

''اوپر علم سائنس کی حقیقت و نوعیت کے متعلق جو بحثیں گزری ہیں ان سے ایک نتیجہ جو نہایت صاف طور پر نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم کارخانہ فطرت میں مداخلت خداوندی کے امکان کو کسی طرح باطل نہیں ٹھہرا سکتے' جس قوت نے کائنات مادی کو خلق کیا ہے وہ میرے نزدیک اس میں حذف و اضافہ بھی کر سکتی ہے اس قسم کے واقعات ایک معنی کر کے ہمارے لیے ناقابل تصور کہے جا سکتے ہیں' پھر بھی یہ اس سے زیادہ ناقابل تصور نہیں ہیں جتنا کہ خود عالم کا وجود ہے۔''

مگر جو شخص اس خالق کائنات کی قوت ہی کا قطعاً منکر ہو جو سرے سے غیب ہی پر ایمان نہ رکھتا ہو اور جو آرنسٹ ہیگل (جرمنی کا مشہور ملحد و مادہ پرست) کی طرح خود خدا' روح' حشر و نشر وغیرہ کو معجزات (بمعنی اوہام و خرافات) قرار دیتا ہو' اور جس کے نزدیک ''معجزات کا یقین جہالت و بربریت کی آخری نشانی ہو' جس کا فنا کر دینا ہی علم و تمدن کی فتح ہو گی۔'' [3] تو ایسے آدمی کو آپ کسی معجزہ کا اس معنی میں کیونکر یقین دلا سکتے ہیں کہ وہ کسی غیبی قوت کا آفریدہ ہے' یا جس شخص سے وہ ظاہر ہوا ہے' اس کے عالم غیب کے ساتھ رابطہ و تعلق (نبوت) کی آیت یا نشانی ہے؟۔

یقین کی اوپر جو حقیقت بیان کی گئی ہے' اس کے لحاظ سے معجزہ پر بہ حیثیت آیت نبوت کے یقین کرنے کے

---

(۱) ان مباحث کی کامل و تشفی انشاء اللہ فلسفہ اسلام کے ذیل میں بشرط صحت و حیات ملے گی۔

(۲) THE PRINCIPAL OF SCIENCE (حاشیہ) طبع آخر ۱۹۱۳ء ص ۷۶۶۔

(۳) دیکھو ہیگل کی کتاب WONDARS OF LIFE (عجائبات حیات) باب ۳ معجزات۔

Marfat.com

لیے ضروری ہے کہ غیب پر ایمان ہو جس کے بغیر یقین معجزہ کی خواہش کا پیدا ہونا ناممکن ہے پھر بھی جس شخص کی نسبت کوئی معجزہ بیان کیا جاتا ہو یا جس سے یہ ظاہر ہوا ہو اس کی زندگی ﴿اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم﴾ کی تفسیر اور ظاہری و باطنی کمالات کا بجائے خود ایک معجزہ ہو (یہ چیزیں خواہش یقین کے لیے مؤیدات کا کام دیں گی) اور سب سے آخری لیکن سب سے مقدم شرط یہ ہے کہ فرعون و ابوجہل کی طرح دل میں خصومت و عناد خودی و خود بینی ذاتی اغراض یا ہوا و ہوس کے موانع یقین نہ موجود ہوں جس طرح ان شرائط کی عدم موجودگی میں کوئی دلیل یقین معجزات پر آمادہ نہیں کر سکتی بالکل اسی طرح ان کی موجودگی میں کوئی دلیل یقین معجزات سے باز نہیں رکھ سکتی۔

میرے ایک دوست جن کا شمار کم از کم مسلمانوں میں تعلیم جدید کے مستثنیٰ افراد میں سے ہے آج سے چند برس پہلے مغربی عقل و حکمت کے شدید پرستار تھے اور وجود خدا کا ان سے اقرار کرانا اس لیے ناممکن تھا کہ وہ مل کی منطق اور ہکسلے و ہیگل کی تحقیقات سے نہیں ثابت ہوا تھا۔ قرآن میں ان کے نزدیک علم النفس کے بیسیوں دقائق مزعی تھے اور اس کا پیش کرنے والا پیغمبر اسلام (علیہ السلام) سکندر سیزر سقراط و نپولین وغیرہ قائدین عظام و مصلحین عالم کی صف اول میں اپنی جگہ رکھتا تھا۔ تاہم اگر آیات قرآنی کو بحیثیت کلام الٰہی ان کے سامنے تلاوت کیا جاتا یا پیغمبر اسلام علیہ السلام کی مکارم اخلاق سے معمور زندگی کو آپ کی پیغمبری کے ثبوت میں بیان کیا جاتا تو وہ ''خواب جاہلاں'' کی باتمکین ''خاموشی'' یا زیادہ سے زیادہ ایک خندۂ تحقیر کی سزاوار تھی ظاہر ہے کہ بدعقیدگی کے اس عالم میں روایات معجزہ کی حقیقت اس سے زیادہ کیا ٹھہر سکتی ہے کہ وہ محض اپنے رواۃ کی خوش اعتقادیوں یا جاہلانہ عجائب پرستیوں کا مجموعہ ہیں لیکن ادھر ان کی اس درجہ حیرت انگیز کایا پلٹ ہوئی ہے کہ عقلیات مغرب کا سارا طومار ان کے نزدیک ''صد کتاب و صد ورق در نار کن'' سے زیادہ مستحق نہیں ہے۔ قرآن کریم دقائق نفسیہ کی جگہ ''حقائق الٰہیہ'' کا منبع بن گیا ہے۔ ''سیرت نبویہ'' کا ایک ایک حرف نبوت پر شاہد عدل ہے جو زبان جیمس اور اونٹ کی نفسیاتی تحقیقات سے رطب اللسان رہتی تھی اس کو انتہائی لذت اب صرف بزرگان دین کے مناقب کشف و کرامات اور مسائل تصوف کے ذکر میں ملتی ہے حتیٰ کہ دور اول کے ناصح احباب کو اب خود ان پر ''خوش اعتقادی'' کا گمان ہونے لگا ہے۔

اس قلب ماہیت کا نتیجہ یہ ہے کہ انبیائے عظام علیہم السلام کا ذکر ہی کیا ملک کی موجود تحریک ''ترک موالات'' کے بانی کی ذرا غیر معمولی اخلاق سے آراستہ زندگی بھی ان کو روحانی کمالات ہی کا پرتو نظر آتا ہے انتہا یہ کہ ان کی طرف جو طرح طرح کی کرامتیں منسوب کی جاتی ہیں[1] ان میں ایک مشہور واقعہ بعض درختوں سے روئی جیسی ایک چیز کا نکلنا تھا میرے یہ دوست بھی اس کو تائید غیبی کی ایک نشانی سمجھنے میں شریک تھے میں نے کہا کہ کچھ لوگ اس روئی کو کسی کیڑے کی رطوبت بتلاتے ہیں۔ کہا اس سے کیا ہوتا ہے خدا نے اسی وساطت سے تائید کی ہوگی۔

شرائط یقین و غایت معجزات کے مقدمات بالا کو سامنے رکھ کر اب ذرا ریگستان عرب کے اس اُمّی انسان کی زندگی دعوت اور تعلیمات پر ایک سرسری نظر کرو جس نے ساڑھے تیرہ صدی ادھر کوہ صفا پر کھڑے ہو کر اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا اس قدسی صفات انسان کی امانت و دیانت نے ہم وطنوں کی طرف سے اس کے لیے امین کا لقب حاصل

(۱) یہ تحریر گزشتہ تحریک ترک موالات کے شباب کے زمانہ میں لکھی گئی تھی اس وقت طرح طرح کی یہ کرامتیں ملک میں پھیلی تھیں۔

Marfat.com

کیا تھا' اس کی راست گوئی' دوست و دشمن سب کو یکساں تسلیم تھی' حضرت خدیجہؓ جن کو پچیس برس تک آپؐ کی زوجیت کا شرف حاصل رہا' وہ ایک موقع پر آپؐ کو تسلی دیتی ہیں کہ ہرگز نہیں خدا کی قسم! خدا آپؐ کو کبھی غمگین نہ کرے گا' آپؐ صلہ رحم کرتے ہیں' مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں' غریبوں کی اعانت کرتے ہیں' مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں' حق کی حمایت کرتے ہیں مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔

اس اپنے پرائے کے غم خوار کی دعوت صرف یہ تھی کہ لوگو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو تو نجات پاؤ گے' اس دعوت سے باز رکھنے میں روسائے قریش جب ہر قسم کی تدبیروں سے تھک گئے تو انہوں نے آپؐ کے سامنے حکومت کا تخت زرو جواہر کا خزانہ اور حسن کی دولت پیش کی اور بالآخر وہ وقت آیا جب آخری ہمدم و دمساز یعنی ابو طالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا۔ جس کا جواب اولوالعزم مِنَ الرّسل کی زبان سے فقط یہ ملا کہ چچا جان اگر قریش میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں تب بھی اپنے اعلان حق سے باز نہ آؤں گا۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا' یعنی حق کامیاب ہوا' لیکن کیا اس کامیابی سے داعی حق ﷺ نے خود کوئی فائدہ حاصل کیا؟۔

مسجد نبوی کے صحن میں آپؐ کے سامنے مال غنیمت کے انبار لگ جاتے تھے' مگر خود اس انبار کو تقسیم کرنے والے شاہ کونین ﷺ کی زندگی یہ تھی کہ آپؐ کھال کی چٹائی یا خالی زمین پر آرام فرماتے تھے' کاشانہ نبوت گو انوار الٰہی کا مظہر تھا' تاہم اس میں رات کو چراغ نہیں جلتا تھا' کئی کئی دن تک فاقہ سے شکم مبارک پر دو دو تین تین پتھر بندھے ہوتے' گھر کا کام کاج خود کرتے' کپڑوں میں پیوند خود لگاتے' گھر میں خود جھاڑو دیتے' دودھ دوہ لیتے' بازار سے سودا لاتے' جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے' اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھتے' اس کو چارہ دیتے' غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے' حضرت فاطمہؓ آپ کی محبوب ترین اولاد تھیں جن کی عام خانگی زندگی یہ تھی کہ چکی پیسنے سے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے' بار بار مشک میں پانی بھرنے سے سینہ پر گھٹے پڑ گئے تھے' گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے' لیکن بایں ہمہ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لیے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو آپؐ نے صاف انکار کر دیا کہ یہ فقراء اور یتامیٰ کا حق ہے۔

اتنا ہی نہیں کہ آپؐ دنیاوی عیش و آرام سے دست بردار تھے' بلکہ دشمنان دین طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے تھے' گالیاں دیتے تھے (گو رحمۃ للعالمین کا ہاتھ ان کے حق میں بھی ہمیشہ صرف دعا ہی کے لیے اٹھتا تھا اور ان کے ساتھ نیکی ہی کا حکم فرماتے تھے) راہ میں کانٹے بچھا دیتے تھے' نماز پڑھتے میں جسم مبارک پر نجاست ڈالتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے' عقبہ بن معیط نے آپؐ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپؐ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ یہ سب کچھ تھا لیکن دعوت حق' نوع انسان کی ہدایت اور فلاح و بہبود کی تعلیمات کا کام بلا شائبہ تزلزل جاری تھا۔ کیوں؟ اس لیے کہ آپؐ کو اپنے فرستادہ خدا ہونے کا اذعان ہر وقت اس کی نصرت و معیت پر اعتماد اور بالآخر باطل کے زہوق اور حق کے غلبہ کا اسی طرح یقین تھا جس طرح تم کو رات کی تاریکی کے بعد طلوع صبح کا یقین ہوتا ہے' کفار کی دشمنی اور ایذا رسانی سے تنگ آ کر ابو طالب سمجھاتے ہیں کہ اے جان پدر! ''اس کام سے ہاتھ اٹھا لو'' آپؐ فرماتے ہیں کہ عم محترم! میری تنہائی کا خیال نہ کیجیے۔ حق زیادہ دیر تک تنہا نہیں رہے گا' عجم و عرب ایک دن

Marfat.com

اس کے ساتھ ہو گا۔ کفار قریش ! بدنیتی (قتل) کے ساتھ آپؐ کے تعاقب میں نکلے ہیں۔ غار ثور جس میں آپؐ مخفی ہیں اس کے قریب پہنچ گئے ہیں کہ رفیق فی الغار۔ (حضرت ابوبکرؓ) نے گھبرا کر عرض کی کہ یا رسول اللہ (ﷺ) دشمن اس قدر قریب ہیں کہ ذرا نیچے جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں تو ہم پر نظر پڑ جائے گی۔ آپؐ نے فرمایا۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ ایک موقع پر آپؐ کسی درخت کے نیچے تنہا استراحت فرما رہے تھے کہ ایک بدو جو شاید اسی موقع کی تاک میں تھا چپکے سے آیا اور آپؐ کی تلوار درخت سے اتار کر نیام سے باہر کھینچ لی اور آپؐ کے سامنے آیا کہ دفعۃً آپ ہوشیار ہو گئے۔ دیکھا کہ ایک بدو تیغ بکف کھڑا ہے جس نے پوچھا کہ اے محمد! اب تم کو کون بچا سکتا ہے؟ ایک پراطمینان صدا آئی کہ ''اللہ!''

کیا تشنگان ایمان کے لیے خود یہ صدا معجزہ نہیں ہے؟ اور کیا جن لبوں سے یہ صدا نکلی تھی ان کو کوئی دیکھنے والا کاذب تصور کر سکتا تھا' اسی کا اثر تھا کہ حضرت عبداللہؓ بن سلام پکار اٹھے کہ لَيْسَ هٰذَا بِوَجْهِ كَذَّابٍ۔ (یہ جھوٹے کا منہ نہیں ہے)

یہ سمندر کے صرف چند قطرے تھے اور اگرچہ انسان کا ناقص قلم پیغمبرانہ سیرت کے تمام خط و خال کامل طور پر نمایاں نہیں کر سکتا۔ تاہم ''سیرۃ النبی'' کے گزشتہ دو حصوں میں (جہاں سے یہ چند منتشر قطرات ماخوذ ہیں) انسانی ہاتھ سے جو نا تمام مرقع کھنچ سکا ہے' اسی سے تم بڑی حد تک اندازہ کر سکتے ہو کہ کسی پیکر بشری کے اندر اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ کی اس ''جامعیت کبریٰ'' کا ظہور بجائے خود اتنا بڑا اعجاز ہے جس سے بڑھ کر کوئی معجزہ نہ طلب کیا جا سکتا ہے اور نہ پیش کیا جا سکتا ہے۔

ایسی اعجاز مجسم' جامع ہستی کے متعلق جو صاحب شمشیر و نگیں بھی ہو اور گوشہ نشین بھی' بادشاہ کشور کشا بھی ہو اور گدائے بینوا بھی' فرمان روائے جہاں بھی ہو اور سبحہ گرداں بھی' مفلس قانع بھی ہو اور غنی دریا دل بھی جس کی زبان ہمہ وقت ذکر الٰہی اور تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو' جس کے پاؤں رات رات بھر نماز میں کھڑے رہنے سے آماس کر آتے ہوں' اگر کوئی ایسا واقعہ بیان کیا جائے جو خدا کی طرف سے تائید غیبی کی نشانی یا آیت معلوم ہو تو اس شخص کو اس کے قبول و یقین میں کیا تامل ہو سکتا ہے جو خدا اور غیب پر ایمان رکھتا ہے' لیکن جو شخص ہیگل کی طرح خدا اور غیب ہی کا منکر ہو یا فرعون کی طرح خود اپنے کو خدا کہتا ہو۔ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى۔ یا جس کے قلب کو ابوجہل و ابولہب کی طرح کفر و عناد کی تاریکی نے سیاہ کر رکھا ہو' اس کے سامنے بڑے سے بڑا معجزہ پیش کرنے پر بھی زیادہ سے زیادہ یہ جواب مل سکتا ہے کہ ''سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ''

یہی راز تھا کہ سیرت نبویہؐ کے سارے دفتر میں بمشکل ایک آدھ ایسا واقعہ ملتا ہے کہ معجزات کی بنا پر لوگوں نے رسالت کی تصدیق کی ہو' بلکہ عہد رسالت کے ہزاروں ایمان لانے والے وہی ہیں جن کے دل میں ایمان کا مزہ تھا اور جن کے لیے ''روئے و آواز پیمبر'' ہی اصل معجزہ تھا گو آج ظاہری روئے و آواز ہم سے مستور ہے' لیکن معنوی آدمی قرآن و حقیقی ''روئے پیمبر'' سیرت طیبہ ابدالآباد تک ذوق ایمان رکھنے والوں کے لیے معجزہ نمائی کرتی رہے گی ﷺ

Marfat.com

لُبّ لباب

گزشتہ مباحث کا لب لباب یہ ہے۔

(۱) معجزہ نام ہے پیغمبرانہ اوصاف و مکارم اخلاق کے جامع انسان کے تعلق سے کسی ایسے واقعہ کے ظہور کا جس کی کم از کم بوقت ظہور عام علل و اسباب سے توجیہ نہ ہو سکے۔

(۲) ایسے واقعات بذات خود عقلاً ناممکن نہیں' ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ''انتہائی حیرت انگیز'' یا مستبعد واقعات کی ہوتی ہے' اس لیے بظاہر ان کو قبول کرنے کے لیے بھی نہایت غیر معمولی شہادت کی ضرورت نظر آتی ہے۔

(۳) لیکن دراصل یہ استبعاد ایسا نہیں ہوتا جس کی کافی مثالیں عام زندگی میں بھی نہ ملتی ہوں اور جن کے قبول کرنے کے لیے کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا یقین معجزات کے لیے بھی معمولی درجہ کی قابل اعتماد شہادت کافی ہو سکتی ہے۔

(۴) مگر یقین صرف شہادت وغیرہ خارجی چیزوں سے نہیں پیدا ہوتا بلکہ اس کا دار و مدار زیادہ تر یقین کی خواہش اور اس کے مواقع و مؤیدات پر ہے جس کا تعلق بڑی حد تک خود یقین کرنے والے کے گزشتہ معتقدات اور مزعومات سے ہوتا ہے۔

(۵) یقین معجزات کی خواہش کا پیدا ہونا موقوف ہے ''ایمان بالغیب پر''

(۶) اگر غیب پر ایمان ہے اور فرعون و ابوجہل کی طرح عناد و تعصب کے موانع موجود نہیں ہیں' ساتھ ہی انبیاء کی نبوت کی زندگی اپنے احوال و اخلاق کے لحاظ سے بجائے خود اس کی نبوت کی مؤید ہے تو معجزہ (بمعنی خارق عادت) کا کیا ذکر ہے' خود پیمبر کی آواز و اصوات ہی معجزہ ہے۔

در دل ہر کس کہ دانش را مزہ است
روئے و آواز پیمبر معجزہ است

☆☆☆

Marfat.com

انبیاء اور آیات و دلائل

گزشتہ صفحات میں جو کچھ پھیلایا گیا ہے' وہ انسانی افکار و خیالات کی جہاں تک دسترس ہے اس کی تشریح ہے' لیکن مسلمانوں کے نزدیک ہدایت و ارشاد کا اصلی سرچشمہ قرآن مجید ہے۔ اس لیے آیات و دلائل کی نسبت اخیر فیصلہ اسی کی عدالت میں ہونا چاہیے' قرآن مجید میں اکثر انبیاء کے سوانح و حالات کے ضمن میں ان آیات اور معجزات کا بھی بیان ہے جو ان کو خدا کی بارگاہ سے عطا ہوئے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات اور دلائل انبیاء کے سوانح کا ضروری جز ہیں۔ خصوصاً حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے معجزات سب سے زیادہ تفصیل اور تکرار کے ساتھ قرآن میں بیان ہوئے ہیں کہ نزول قرآن کے وقت ان ہی دونوں انبیاء کی اُمتیں عرب میں موجود تھیں اور ان ہی کے سامنے اسلام اپنے دعووں کو پیش کر رہا تھا۔

قرآن مجید میں جن انبیاء کا تذکرہ ہے ان میں سے کم و بیش حسب ذیل انبیاء کے آیات و دلائل بیان ہوئے ہیں۔ حضرت نوح' حضرت لوط' حضرت صالح' حضرت ہود' حضرت شعیب' حضرت زکریا' حضرت یونس' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ بعض ایسے انبیاء بھی ہیں جن کے آیات و دلائل کے ذکر سے قرآن خاموش ہے۔ مثلاً حضرت اسحٰق' حضرت اسماعیل' ذوالکفل الیسع وغیرہ۔ لیکن اس خاموشی سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ان کو کسی قسم کی نشانی اور دلیل نہیں عطا ہوئی تھی۔ صحیح بخاری [1] اور صحیح مسلم [2] میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

((ما من الانبیاء نبی الا اعطی من الایات ما مثله اومن او امن علیه البشر)) ''ہر نبی کو کچھ ایسی باتیں دی گئیں جس کو دیکھ کر لوگ اس پر ایمان لائے۔''

البتہ انبیائے کرام کے حالات پر نظر ڈالنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غیر معمولی آیات و دلائل ان ہی انبیاء کو مرحمت ہوئے جن کو سخت و شدید معاندین اور منکرین کا سامنا کرنا پڑا اور ضرورت بھی ان ہی کو تھی کہ وہ ان کے عناد و انکار کا وہ ان کے ذریعہ سے جواب دے سکتے' باقی وہ انبیاء جو اپنی جماعتوں میں صرف تجدید و اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے' ان کو اس قسم کے دلائل کی حاجت نہ تھی کہ ان کی جماعتوں نے ان کی دعوت کے مقابلے میں عناد و انکار کا اظہار نہیں کیا تھا۔

قرآن مجید اور اصطلاح آیات و دلائل:

قرآن مجید نے انبیاء کے ان معجزات کو عموماً آیت یعنی نشانی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے:

(۱) کتاب الاعتصام باب قول النبی ﷺ بعثت بجوامع الکلم۔

(۲) کتاب الایمان باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا محمد ﷺ الی جمیع الناس ونسخ الملل بملتہ۔

Marfat.com

﴿ فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مُّوسیٰ بِاٰیٰتِنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًی ﴾ (قصص: ۴)
''جب موسیٰ ان کے پاس ہماری آیات لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو صرف مصنوعی جادو ہے۔''

﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ (اعراف:۱۶)
''تو ہم نے فرعون کی قوم پر طوفان' ٹڈی' جوں' مینڈک اور خون کی کھلی ہوئی آیتیں بھیجیں۔''

فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتا ہے۔

﴿اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَةٍ فَاْتِ بِهَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴾ (اعراف:۱۳)
''اگر تم کوئی آیت لے کر آئے ہو تو اب لاؤ' اگر تم سچے ہو' موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ دفعۃً سانپ بن گئی۔''

کفار معجزہ طلب کرتے ہیں تو اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ (انعام:۴) ''آیتیں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔''

﴿ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ (عنکبوت:۵) ''آیتیں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔''

کفار کہتے ہیں۔

﴿ فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَةٍ كَمَا اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ (انبیاء:۱) ''چاہیئے کہ وہ ہمارے پاس کوئی آیت لائیں جیسے پیغمبر بھیجے گئے۔''

حضرت صالحؑ اپنے معجزہ کی نسبت کہتے ہیں۔

﴿وَ یٰا قَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً (ہود:۶) ''اور اے لوگو! یہ خدا کی اونٹنی آیت ہے۔''

لفظ آیت اور معجزہ کی حقیقت:

آیت کے معنی ''نشانی'' اور ''علامت کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو علم واحساس کے جو ذرائع عطا کیے ہیں وہ حقیقت میں صرف آیات وعلامات کی شناخت اور یاد ہے۔ دنیا میں جس قدر چیزیں ہیں تم ان کو کس طرح جانتے اور پہچانتے ہو۔ صرف آیات وعلامات سے' کلیات سے لے کر جزئیات تک جو کچھ ہم کو خارج سے علم حاصل ہوا ہے وہ محض نشانیوں کو دیکھ کر' ہم جانتے ہیں کہ یہ گھوڑا ہے' یہ انسان ہے' یہ درخت ہے' یہ سیب ہے' یہ انگور ہے' لیکن ہم کیونکر جانتے ہیں؟ اس طرح کہ ان چیزوں کی جو مخصوص نشانیاں ہیں وہ الگ الگ ہمارے ذہن میں محفوظ ہوگئی ہیں اور اب ان ہی کی مدد سے ہم کہتے ہیں۔ کہ یہ فلاں چیز ہے؟ ہم پہچانتے ہیں کہ یہ زید ہے' یہ عمر ہے' یہ میرا عزیز ہے' یہ میرا گھوڑا ہے' یہ میرا گھر ہے۔ مگر یہ تمام شناختیں آیات وعلامات ہی کی مدد سے ہیں اگر دنیا میں ہر شے کی مخصوص آیات وعلامات مٹادی جائیں تو ہم یقیناً کسی چیز کو نہ شناخت کر سکتے' نہ جان سکتے نہ پہچان سکتے ہیں۔

یہی آیات وعلامات کی جان پہچان اور شناخت ہے جو حیوان وانسان اور عقل مند و بےوقوف میں فرق پیدا کرتی ہے جس میں ان آیات وعلامات کی شناخت تمیز اور یاد کی قوت جس قدر زیادہ ہوگی' اسی قدر اس کی عقل ودانائی کا کمال زیادہ ہوگا۔ ہماری منطق کا تمام تر استدلال بجز آیات وعلامات کے اور کیا ہے' ہم اپنے جس دعویٰ پر جو دلیل

Marfat.com

قائم کرنا چاہتے ہیں وہ ان ہی آیات وعلامات کی مدد سے کرتے ہیں۔ بلکہ ہمارے تمام تجربے اور مشاہدے بلکہ طبیعیات، کیمیائیات، نباتات، حیوانات، ارضیات، ھندسیات ریاضیات وغیرہ جو کچھ اور جس قدر علوم بھی ہیں وہ صرف علامات شناسی کا مجموعہ ہیں جن سے ہم براہ راست جزئیات کا علم حاصل کرتے ہیں اور پھر ہم ان سے کلیات تیار کر لیتے ہیں۔

غرض ہمارا تمام تر فن استدلال دراصل ان ہی آیات وعلامات پر موقوف ہے، اگر اشیاء کی علامات وآیات محو کر دی جائیں تو ہم نہ کسی چیز کو پہچان سکیں گے اور نہ کسی دعویٰ پر کوئی دلیل قائم کر سکیں گے، ہم علت سے معلول پر اور معلول سے علت پر استدلال کرتے ہیں۔ مگر ان ہی آثار وعلامات کے ذریعہ سے ہم کو تجربہ سے معلوم ہو گیا ہے کہ یہ شے جب پیدا ہوتی ہے تو اس کے ساتھ یہ آثار وآیات ظاہر ہوتے ہیں۔ اب کبھی ہم اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ یہ شے پیدا ہو گئی ہے اس لیے اس کا''فلاں نشان اور اثر بھی ضرور پیدا ہوا یہ علت سے معلول پر استدلال ہے اور کبھی ہم اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ فلاں نشان اور علامت ظاہر ہے اس لیے وہ شے بھی ہے۔'' یہ معلول سے علت پر استدلال ہے، کبھی ہم آگ کے وجود سے حرارت کے وجود پر اور کبھی حرارت کے وجود سے آگ کے وجود پر استدلال کرتے ہیں۔

ہم کسی غیر آباد مکان میں پہنچ جاتے ہیں، وہاں ہم کو ایک شان دار عمارت نظر آتی ہے، اگرچہ ہم نے اس عمارت کے بنانے والوں کو نہیں دیکھا ہے مگر اس عمارت کو دیکھ کر ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کسی معمار کی صنعت ہے ایک جنگل میں ایک جھونپڑے کے اندر ایک تنہا زخمی پڑا ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے زخم صاف ہیں مرہم پٹی ٹھیک ہے، اس کے آرام وآسائش کے تمام سامان قرینہ سے رکھے ہوئے ہیں، ہم نے گو اس کے تیمار دار کو نہیں دیکھا، مگر آس پاس کے علامات وآثار بتاتے ہیں کہ اس بیمار کا کوئی تیمار دار ہے اور وہ نہایت رحم ومہربانی سے اس کی دیکھ بھال کر رہا ہے، ایک شخص آکر کہتا ہے''میں طبیب ہوں'' اس کے پاس جو مریض آتے ہیں وہ اس کے نسخہ سے شفا بھی پاتے ہیں۔ اب گو ہم نے اس کو طب کی تحصیل کرتے ہوئے نہیں دیکھا مگر اس کے آثار وعلامات کو دیکھ کر اس کے دعویٰ کی تصدیق کر سکتے ہیں، یہی ہمارا فن استدلال ہے اور اسی پر ہمارے تمام حصولی علوم کی بنیاد ہے۔

آیات اللہ:

قرآن مجید میں آیت کا لفظ اس معنی میں اس کثرت سے آیا ہے کہ ہم یہاں ان کا استقصاء بھی نہیں کر سکتے صرف متفرق سورتوں سے چند آیات یہاں نقل کرتے ہیں جن سے مفہوم کی تشریح ہو جائے گی۔

﴿ اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَ فِیْ خَلْقِكُمْ وَ مَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ

''آسمانوں میں اور زمین میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور تمہاری پیدائش میں اور زمین میں جو چوپائے چلتے ہیں۔ ان میں ان کے لیے جو یقین کرتے ہیں نشانیاں ہیں اور رات دن کے الٹ پھیر اور آسمان سے جو خدا روزی برساتا ہے اور جس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے

Marfat.com

تَصْرِيفِ الرِّيحِ ايٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ تِلْكَ ايٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَ ايٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ (جاثیہ:۱)

اور ہواؤں کے پھرنے میں عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں' یہ آیتیں ہیں جن کو ہم سچائی کے ساتھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں تو پھر خدا اور اس کی نشانیوں کے بعد وہ کس چیز پر ایمان لائیں گے۔"

﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (بقرہ:۲)

"بے شک آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے الٹ پھیر اور ان کشتیوں میں جو دریا کے اندر انسانوں کو فائدہ پہنچانے والے سامان لے کر چلتی ہیں اور خدا جو آسمان سے پانی برساتا ہے جس سے وہ زمین کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور زمین میں جو چوپائے اس نے پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کو مختلف سمتوں میں چلاتے ہیں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے بیچ میں مسخر ہیں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔"

﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ (انعام:۱۲)

"اور وہی خدا ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا' پھر ہم نے اس سے ہر چیز کی نشو ونما کو ظاہر کیا پھر اس سے سبزے پیدا کیے جس سے ہم تہ بہ تہ دانہ نکالتے ہیں اور کھجور جن کے خوشے نیچے لٹکے ہوتے ہیں اور انگوروں کے باغوں کو زیتون اور انار کو اس نے پیدا کیا جو باہم ملے جلے ہوتے ہیں اور ان میل بھی ہوتے ہیں' ان کے پھلنے اور پکنے کو دیکھو' ان چیزوں میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔"

﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ﴾ (۲) (یونس:۷)

"اس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو اسے روشن بنایا اس میں ان کے لیے جو سنتے ہیں نشانیاں ہیں۔"

﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ

"اور خدا کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے خود تمہاری ہی جنس سے تمہارے ہی جوڑے بنائے کہ تم کو ان کے پاس سکون اور قرار حاصل ہو اور تم دونوں کے لیے لطف ومحبت پیدا کر دیا' اس میں سوچنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے زمین و آسمان کی پیدائش اور تمہاری زبانوں کا اور رنگوں کا ایک دوسرے سے الگ ہونا ہے اس میں جاننے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں رات اور دن کو تمہاری نیند

Marfat.com

بِاللَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ ابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ (روم:۳)

ہے اور تمہارا اس کی مہربانی (روزی) کی تلاش کرنا ہے اس میں ان کے لیے جو سنتے ہیں نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھاتا ہے جس میں (عذاب) کا خوف اور (رحمت کی) امید دونوں ہیں اور آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ اس میں عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔''

﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ (فصلت:۵)

''اور اس کے نشانیوں میں سے رات، دن، سورج اور چاند ہیں۔''

یہ آیات اللہ یعنی خدا کی نشانیاں، خدا کے وجود اور اس کے صفات کمالیہ کی علامات ہیں جس طرح ویرانہ کی عمارت معمار کے وجود کو اور ایک زخمی کی مرہم پٹی اور اس کے آرام و آسائش کا اہتمام تیمار دار کے رحم و کرم کے صفات کو ظاہر کرتا ہے، اسی طرح اس عالم کی یہ عظیم الشان عمارت جس کی چھت آسمان اور صحن زمین ہے۔ ایک خالق و صانع کے وجود کو بتاتی ہے اور زمین کے اندر و باہر ابر بارش، دن رات، چاند سورج، درخت، میوے، پھل غلہ کے اقسام وغیرہ، زمین کے جانداروں کی زندگی کے سامان آرام و آسائش اس خالق و صانع کے رحم و کرم، عطا و بخشش اور دیگر اوصاف کمال کو نمایاں کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ خالق کو اپنے تمام مخلوقات کے ساتھ ایک خاص تعلق اور اعتناء ہے، کفران ہی کے دلوں میں پرورش پاتا ہے جو ان آیات الٰہی میں غور و فکر نہیں کرتے اور ان کی جلوہ گری سے حقیقی جلوہ آراہستی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

﴿وَ تِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ (ہود:۵)

''اور یہ عاد کا قبیلہ ہے جس نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا۔''

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ (کہف:۱۲)

''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا۔''

﴿وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (یونس:۱۰)

''اور ان لوگوں میں نہ ہو جنہوں نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلایا۔''

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (انعام:۲۰)

''اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جس نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلایا۔''

جس طرح یہ آیات الٰہی عام بندہ اور خدا اور خالق و مخلوق کے تعلق اور رابطہ کو نمایاں کرتی ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کسی خاص بندہ سے اپنے تعلق اور رابطہ کو اپنے مخصوص علامات و آیات کے ذریعہ سے نمایاں کرتا رہتا ہے۔

(۱) انبیاء قوموں کے تاریک ترین زمانوں میں نور الٰہی کا مشعل ہاتھ میں لے کر تنہا مجمعوں کے اندر آتے ہیں،

Marfat.com

لوگ اس نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور تیغ و خنجر سے مشعل کے تھامنے والے کے دست و بازو کو زخمی کرنا چاہتے ہیں مگر وہ شمع الٰہی بجھنے کے بجائے رفتہ رفتہ اپنے دائرہ نورانی کو وسیع کرتی جاتی ہے اور بالآخر سطح ارض کے کناروں تک پہنچ جاتی ہے۔

﴿ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (صف:۱)

''وہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے خدا کے نور کو بجھا دیں اور خدا اپنے نور کو پورا روشن کرنے والا ہے۔ گو کافر اس سے خوش نہ ہوں اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچائی کا مذہب دے کر بھیجا ہے تا کہ وہ اس کو ہر مذہب پر غالب کر دے' گو مشرک اس سے ناراض ہوں۔''

(۲) باوجود تمام معاندانہ کوششوں اور مخالفانہ جدوجہد کے اس نور الٰہی کا پھیلتا جانا خود اس بات کی شہادت ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے اور اس مشعل گیر دست و بازو میں خدا کی غیر مرئی قوت کام کر رہی ہے۔

﴿وَ مَارَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ (انفال:۲)

''اور تم نے وہ مٹھی بھر کنکریاں نہیں پھینکیں بلکہ خدا نے پھینکیں۔''

قدم قدم پر تائیدات الٰہی اس کا ساتھ دیتی ہیں۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (حجر:۱)

''ہم نے اس نصیحت کو اتارا ہے اور بے شک ہم ہیں اس کی حفاظت کرنے والے۔''

(۳) پیغمبر کے صحیفہ زندگی کا صفحہ صفحہ ہر قسم کے اخلاقی داغ سے پاک ہوتا ہے اس کی سچائی اور راست بازی عالم آشکارا اور دوست دشمن سب کے نزدیک بے عیب ہوتی ہے' حضرت صالحؑ کی نسبت کافروں نے گواہی دی۔

﴿يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ﴾ (ہود:۶)

''اے صالح پہلے تم سے بڑی بڑی امیدیں تھیں۔''

حضرت شعیبؑ کی مخالفت کے باوجود ان کو اقرار کرنا پڑا کہ وہ بڑے عبادت گزار ہیں۔

﴿يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ﴾ (ہود:۸)

''اے شعیبؑ! کیا یہ تمہاری عبادت گزاری تم کو کہتی ہے کہ اس کو چھوڑ دیں جس کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔''

آنحضرت ﷺ اپنی شہادت میں خود اپنی زندگی کو پیش کرتے ہیں۔

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (یونس:۲)

''میں نے تمہارے درمیان مدت تک عمر گزاری ہے کیا تم سمجھتے ہو۔''

(۴) سب سے آخر یہ کہ تبلیغ دعوت میں دین الٰہی کی نصرت اور اشاعت میں مخالفین کی شکست اور ہزیمت میں صحابہؓ کو مزید ایمان اور تسکین کے حصول میں عجیب و غریب مافوق فہم نشانات ظہور پذیر ہوتے ہیں' جن کو عرف عام

Marfat.com

میں معجزات کہتے ہیں۔

غرض یہی وہ امور ہیں جو خالق فطرت اور داعی حق کے درمیان رابطہ خاص اور علاقہ مخصوص کو نمایاں کرتے ہیں اور جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرستادۂ الٰہی ہے۔

آیات و دلائل کی دو قسمیں' ظاہری اور باطنی:

تفصیل بالا سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آیات اور نشانات دو قسم کے ہوتے ہیں' ایک ظاہری اور مادی اور دوسری باطنی اور روحانی' ظاہری اور مادی آیات و دلائل تو وہ خوارق ہیں جن کو لوگ عام طور پر معجزات کہتے ہیں۔ مثلاً مردہ کا زندہ کرنا عصا کا سانپ بن جانا' انگلیوں سے پانی کا چشمہ ابلنا' بیمار کو اچھا کرنا وغیرہ' باطنی اور روحانی آیات و دلائل مدعی نبوت کی صداقت' معصومیت' تزکیہ' تاثیر' تعلیم' ہدایت' ارشاد' فلاح اور تائید ہے' اہل نظر اور حقیقت شناسوں کے لیے یہی باطنی آثار و آیات نبوت کی حقیقی نشانیاں ہیں۔ باقی ظاہری نشانیاں صرف سطحی اور ظاہر بین نگاہوں کے لیے ہیں جو ہر چیز کو ظاہری ہی آنکھوں سے دیکھ کر پہچانتی ہیں۔

نبوت کی باطنی نشانیاں واقعات کی روشنی میں:

ہم نے نبوت کی ظاہری اور باطنی دو نشانیاں قرار دی ہیں۔ اور باطنی نشانیوں کو ظاہری علامات پر ترجیح دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ حقیقت شناس صرف باطنی نشانیوں کے طلب گار ہوتے ہیں۔ آگے چل کر ہم بتائیں گے کہ قرآن مجید بھی انہی کو نبوت کی اصلی علامات قرار دیتا ہے۔ یہاں واقعات کی روشنی میں یہ واضح کرنا ہے کہ عہد نبوی میں بھی جو لوگ اہل نظر تھے وہ انہی علامات کی تلاش کرتے تھے' چنانچہ ان لوگوں کو بھی چھوڑ دو جنہوں نے بالآخر نبوت کی تصدیق کی' اس عہد کے ان یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھو جنہوں نے گو کسی سبب سے علی الاعلان اس کی تصدیق کی جرأت نہیں کی' مگر وہ اندرونی طور سے متاثر ہو چکے تھے۔

بنی اسرائیل سے بڑھ کر عرب میں علامات الٰہی کا راز داں کوئی اور نہ تھا' سینکڑوں یہودی مشککانہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے۔ امتحانات لیے' تجربات کیے' مگر ان کا امتحان و تجربہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ وہ آپؐ کے اخلاق کی آزمائش کرتے تھے۔ صحف انبیائے بنی اسرائیل کے سوالات دریافت کرتے تھے' آپؐ کی تعلیمات کا گہرا مطالعہ کرتے تھے' ان میں سے کسی نے آ کر آپؐ سے خارق عادت معجزہ کا مطالبہ نہیں کیا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ تماشے بظاہر اور لوگ بھی دکھا سکتے ہیں اور یہ خوارق نبوت کی باطنی اور اندرونی علامات نہیں ہیں۔ آنے والے نبی کی بشارتیں اور صفتیں توراۃ اور انجیل دونوں میں مذکور تھیں لیکن ان میں سے کسی میں بھی صاحب خوارق ہونا اور ظاہری معجزات دکھانا ان کی صفت نہیں بتائی گئی تھی' بلکہ تورات میں اس کے اوصاف یہ بتائے گئے تھے کہ وہ فاران سے طلوع ہوگا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آئے گا' اس کے ہاتھ میں آتشیں شریعت ہوگی' وہ غریبوں اور مسکینوں کا مددگار ہوگا اور بدکاروں کو جنگی مرد کے مانند ہلاک کرے گا۔ وہ عبادت گزار اور خدا کے احکام کا مطیع ہوگا' مختون قوم (عرب) میں پیدا ہوگا۔ انجیل نے بتایا تھا کہ وہ تسلی کی روح ہوگا' وہ مسیحؑ کی نامکمل تعلیم کی تکمیل کرے گا۔ خدا کی زبان اس کے منہ میں

Marfat.com

ہوگی۔

سینکڑوں یہود و نصاریٰ آپؐ کی خدمت میں آئے اور انہوں نے آپؐ کی نبوت کا امتحان لیا' مگر امتحان کے پرچہ میں مادی معجزات کا سوال شامل نہ تھا' بلکہ عام علمی اور مذہبی باتوں کی نسبت استفسار تھا۔ قرآن مجید نے ان کے دو سوالوں کو دہرایا ﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ﴾ (کہف) اور ﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ﴾ پہلے سوال میں ''ذی القرنین'' کا قصہ پوچھا گیا ہے اور دوسرے سوال میں ''روح'' کی حقیقت دریافت کی گئی ہے' ان کے علاوہ قرآن مجید میں اہل کتاب کے متعدد اعتراضات اور سوالات مذکور ہیں' مگر ان میں سے ایک میں بھی یہ نہیں کہ ہم کو اپنی نبوت کی صداقت کے ثبوت میں کوئی خارق عادت تماشا دکھاؤ' بلکہ وہی سوالات کرتے تھے جس کو پیغمبر کے علم و عمل یا تعلیم و تزکیہ سے تعلق تھا۔ آگے چل کر ایک خاص باب میں ہم نے یہودیوں کے امتحانی سوالات جمع کر دیئے ہیں ان کو پڑھ کر تم بہتر فیصلہ کر سکتے ہو۔ قرآن مجید میں ان کا ایک سوال بے شبہ ایسا مذکور ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ وہ بھی آنحضرت ﷺ سے کسی مادی معجزہ کی خواہش رکھتے تھے اور وہ یہ ہے۔

﴿یَسْئَلُکَ اَهْلُ الْکِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ کِتَابًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ (نساء: ۲۲) ''اہل کتاب تجھ سے فرمائش کرتے ہیں کہ تو ان پر آسمان سے کتاب اتارے۔''

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ یہودیوں کی معجزہ طلبی نہ تھی بلکہ چونکہ توراۃ کے متعلق ان کا یہ خیال تھا کہ اس کی چند لوحیں خود اللہ تعالیٰ نے دست قدرت سے لکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی تھیں اس لیے وہ اسی تخیل کے مطابق قرآن کے منجانب اللہ تعالیٰ ہونے کے لیے اس کے نزول کو بھی اسی طرح چاہتے تھے۔ اب اس عہد کے عیسائیوں کو لو قیصر روم کے دربار میں جب قاصد نبوی پہنچا تو ابوسفیان کو (جو اس وقت تک آنحضرت ﷺ کے دشمن تھے) بلوا کر قیصر نے آنحضرت ﷺ کے متعلق سوالات کیے' وہ حسب ذیل ہیں۔

قیصر:۔ مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟۔

ابوسفیان:۔ شریف ہے۔

قیصر:۔ اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان:۔ نہیں۔

قیصر:۔ اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ابوسفیان:۔ نہیں۔

قیصر:۔ جن لوگوں نے اس مذہب کو قبول کیا ہے وہ کمزور ہیں یا صاحب اثر؟

ابوسفیان:۔ کمزور لوگ ہیں۔

قیصر:۔ اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں۔؟

ابوسفیان:۔ بڑھتے جاتے ہیں۔

قیصر:۔ کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے؟

Marfat.com

ابوسفیان:۔ نہیں۔

قیصر:۔ وہ کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے؟

ابوسفیان:۔ ابھی تک تو نہیں لیکن اب جو معاہدہ ہوا ہے دیکھیں وہ اس پر قائم رہتا ہے یا نہیں۔؟

قیصر:۔ تم لوگوں نے اس سے جنگ کی ہے؟

ابوسفیان:۔ ہاں۔

قیصر:۔ نتیجہ جنگ کیا رہا۔؟

ابوسفیان:۔ کبھی ہم غالب رہے کبھی وہ۔

قیصر:۔ وہ کیا سکھاتا ہے؟

ابوسفیان:۔ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو۔ کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ' نماز پڑھو' پاک دامنی اختیار کرو' سچ بولو' صلہ رحم کرو۔

اس گفتگو کے بعد قیصر روم نے کہا تم نے اس کو شریف النسب بتایا' پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندان سے پیدا ہوتے ہیں' تم نے کہا کہ اس کے خاندان میں کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا' اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا' اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے۔ تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے' تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے' پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں۔ تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے' سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہیں دیا' پیغمبر کبھی فریب نہیں دیتے' تم کہتے ہو کہ وہ نماز تقویٰ اور عفاف کی ہدایت کرتا ہے اور اگر یہ سچ ہے تو وہ یقیناً پیغمبر ہے۔

باوجود طول کلام کے ہم نے یہ تمام سوالات و جوابات نقل کر دیئے ہیں' غور کرو یہ تمام سوالات صرف پیغمبر کے حقیقی آثار و علامات سے متعلق ہیں۔ ان میں سے ایک سوال بھی ایسا نہیں ہے جس میں یہ مذکور ہو کہ یہ مکہ کا مدعی نبوت کوئی معجزہ بھی پیش کرتا ہے؟ حالانکہ اگر نبوت کی حقیقی علامت خوارق عادت ہوتے تو سب سے پہلے عیسائی قیصر کو یہی سوال پوچھنا چاہیے تھا۔

حضرت جعفرؓ' نجاشی کے دربار میں اسلام پر تقریر کرتے ہیں تو فرماتے ہیں ایھا الملک ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے' بت پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے' بدکاریاں کرتے تھے' ہمسایوں کو ستاتے تھے' بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا' قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے۔ اس اثناء میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے' اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں' سچ بولیں' خون ریزی سے باز آئیں' یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ ہمسایوں کو تکلیف نہ دیں' عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں' نماز پڑھیں' روزے رکھیں' زکوٰۃ دیں' ہم ان پر ایمان لائے' شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال بد سے باز

Marfat.com

آئے۔[1]

نجران کے عیسائی علماء جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے قرآن کی آیتیں سنیں مسلمانوں کی روحانی کیفیتوں کا مشاہدہ کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت اسلام کا فیصلہ دریافت کیا' اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے قرآن مجید کے حکم کے مطابق ان سے مباہلہ کرنا چاہا مگر انہوں نے منظور نہیں کیا اور آپس میں کہا کہ اگر یہ واقعی پیغمبر ہے تو ہم تباہ ہو جائیں گے' بالآخر سالانہ خراج پر صلح کر لی' دیکھو انہوں نے اسلام کی تعلیمات کا ہر طرح امتحان کیا لیکن دعویٰ کے ثبوت میں انہوں نے ظاہری نشان نہیں مانگا۔

اب خاص عرب کے حقیقت شناس افراد کا مطالعہ کرو' آنحضرت ﷺ کی نبوت کی ان میں سے ہزاروں اشخاص نے تصدیق کی' جن کے فضل و کمال' عقل و ہوش اور فہم و ذکا پر ان کے حالات و واقعات گواہ ہیں مگر ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو باطنی علامات کے دیکھ لینے کے بعد ظاہری نشانیوں کا طلب گار رہا ہو۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ اسلام لائیں۔ چنانچہ آغاز وحی ہی میں آنحضرت ﷺ نے جب حضرت خدیجہؓ سے اپنے مشاہدات روحانی کا تذکرہ فرمایا تو ایمان لے آئیں' مگر کس اثر سے؟ اس کی توضیح اس سے ہوتی ہے کہ جب آپؐ نے بتقاضائے بشریت ان سے اپنے خوف جاں کا تذکرہ کیا تو انہوں نے جواب دیا۔

والله ما يخزيک الله ابدا انک لتصل الرحم و تحمل الكل و تكسب المعدوم و تقرى الضيف و تعين على نوائب الحق. (بخاری بدء الوحی)

''خدا کی قسم! خدا آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا' آپ صلہ رحم کرتے ہیں اور قرض داروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں' غریبوں کی مدد کرتے ہیں مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں' حق کی مصیبتوں پر لوگوں کی اعانت کرتے ہیں۔''

حضرت ابوذرؓ کو جب آنحضرت ﷺ کی بعثت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا کہ ذرا اس شخص کے پاس جا کر دیکھو جو دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے پاس آسمان سے خبر آتی ہے' وہ مکہ آئے اور تحقیق حال کر کے واپس گئے اور حضرت ابوذرؓ سے جا کر کہا۔

رايته يا مربمكارم الاخلاق و كلاما ما هو بالشعر۔ (مسلم مناقب ابی ذرؓ)

''میں نے اس کو دیکھا وہ مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے اور ایک کلام پیش کرتا ہے جو شعر نہیں۔''

اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں جن سے حقیقت حال کی تشریح ہوتی ہے اور جن کی تفصیل نے ''سیرۃ نبوی'' کی گزشتہ جلدیں بھری پڑی ہیں۔

قرآن مجید اور نبوت کی باطنی علامات:

یہ تمام بیانات درحقیقت قرآن مجید کی ان آیتوں کی تشریح ہیں جن میں نبوت کی حقیقت اور اس کے اصلی آثار و علامات بتائے گئے ہیں۔

(۱) مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۳۰۲۔

Marfat.com

﴿یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ یَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ قَدْ جَآءَ کُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ یَھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِہٖ وَ یَھْدِیْھِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (مائدہ:۳)

''اے یہود و نصاریٰ! تمہارے پاس ہمارا رسول آ چکا جو تمہاری کتاب کی بہت سی باتیں جن کو تم چھپاتے ہو' صاف صاف بیان کرتا ہے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے' اللہ کی طرف سے تمہارے پاس روشنی اور قرآن آ چکا خدا اس کے ذریعے سے ان کو جو اس کی خوشنودی کے پیرو ہیں۔ سلامتی کے راستے دکھاتا ہے اور ان کو اپنے حکم سے وہ اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور ان کو سیدھا راستہ بتاتا ہے۔'

﴿رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ (جمعہ:۱)

''خود امیوں میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان کو خدا کی آیتیں سناتا ہے۔ ان کو پاک و صاف کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی ان کو تعلیم دیتا ہے۔''

﴿رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ (آل عمران:۱۷)

''خود امیوں میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان کو خدا کی آیتیں سناتا ہے ان کو پاک و صاف کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی ان کو تعلیم دیتا ہے۔''

﴿اَلرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ یُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبَاتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبَائِثَ وَ یَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ (اعراف:۱۹)

''اس امی فرستادۂ الٰہی اور پیامبر کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ توراۃ و انجیل میں لکھا پاتے ہیں' وہ ان کو اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اور (رسم و رواج کے) جو بوجھ اور بیڑیاں ان پر پڑی ہوئی تھیں وہ ان سے دور کرتا ہے۔'

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا﴾ (احزاب:٦)

''اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو (اپنا) گواہ اور نیکوکاروں کو خوش خبری سنانے والا اور (بدکاروں کو) ڈرانے والا' خدا کی طرف اس کے حکم سے پکارنے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔''

الغرض نبوت کے اصلی آثار و علامات یہ ہیں کہ وہ آیات الٰہی تلاوت کرتا ہے' زنگ آلود نفوس اور سیہ کار قلوب کو جلا دیتا ہے۔ لوگوں کو کتاب و حکمت اور اخلاق کی تعلیم دیتا ہے' اچھی باتوں کو پھیلاتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے' وہ طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام کرتا ہے' وہ قوموں کے بوجھ کو اتارتا ہے اور ان کے پاؤں کی بیڑیوں کو کاٹ ڈالتا ہے وہ خدا کا گواہ بن کر اس دنیا میں آتا ہے۔ لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیتا ہے نیکوکاروں کو بشارت سناتا ہے

Marfat.com

بدکاروں کو عذاب الٰہی سے ڈراتا ہے اور اس ظلمت کدہ عالم میں وہ ہدایت کا چراغ بن کر چمکتا ہے۔ قریش آنحضرت ﷺ سے معجزہ کے طالب ہوتے ہیں' اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لَا تُسْــَٔـلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ (بقرہ:۱۴)

''اور جن کو علم نہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا خود ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی' ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا' دونوں کے دل ایک ہی قسم کے ہو گئے' ہم نے تو نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو یقین کرتے ہیں کھول کر رکھ دیں۔ (اے محمدؐ!) ہم نے تجھ کو سچائی دے کر نیکوکاروں کو خوش خبری سنانے والا اور بدکاروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور (جن کو اب بھی یہ نشانیاں باور نہ آئیں) ان دوزخیوں کی تم سے باز پرس نہ ہوگی۔''

کفار پیغمبر کی صداقت کی نشانی چاہتے ہیں' اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس کی صداقت کی روشنی تو اس کا سرتاپا وجود ہے اور اہل یقین کے لیے اس کی سچائی کی تمام نشانیاں ظاہر کر دی گئی ہیں' اس کی حقانیت نیکوکاروں کو خوش خبری سنانا اور بدکاروں کو ڈرانا اور متنبہ کرنا اور اس سے انقلاب انسانی اور نتائج روحانی کا ظہور یہ خود اس کی صداقت کی کھلی نشانیاں ہیں۔

﴿وَ قَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ (عنکبوت:۵)

''اور وہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبرؐ) پر اس کے پروردگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتریں' کہہ دے کہ نشانیاں تو خدا کے پاس ہیں اور میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں' ان کافروں کو یہ نشانی کافی نہیں کہ تجھ پر ہم نے کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔''

یعنی خود یہ دعوت الٰہی اور پیغام ربانی آیت و نشانی ہے اور اہل بصیرت کے لیے یہی معجزہ ہے۔

﴿اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (شعراء:۱۱)

''کیا ان کافروں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کے عالم لوگ اس کو جانتے ہیں۔''

یعنی پیغمبر اسلام ﷺ کا معجزہ یہ ہے کہ ایک اُمی ہو کر وہ ایک ایسی کتاب اور ایسی تعلیم پیش کرتا ہے جس کی صداقت کو علمائے بنی اسرائیل جانتے اور سمجھتے ہیں' کیا یہ معجزہ جہلائے قریش کی تسلی کے لیے کافی نہیں ہے کہ بڑے بڑے علماء اس کی سچائی کے دل سے معترف ہیں۔

﴿وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى وَ لَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ (طٰہٰ:۸)

''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا کیا ان کو اگلی کتابوں کی گواہی نہیں پہنچی اور اگر ہم ان کو اس سے پہلے ہلاک کر دیتے تو یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار کیوں تو نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر نہیں بھیجا کہ ہم تیری نشانیوں کی پیروی کرتے۔''

Marfat.com

یعنی گزشتہ انبیاء کی کتابوں میں آنے والے پیغمبر کے جو صفات اور نشانیاں مذکور تھیں، پیغمبر اسلام کا ان کا مصداق کامل ہونا یہی سب سے بڑی نشانی ہے۔ یا اس آیت کا دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ یہ کفار بار بار یہی کہتے ہیں کہ معجزہ دکھاؤ، معجزے تو انہیں دکھائے جا چکے، کیا یہ نہیں معلوم کہ گزشتہ قوموں میں معجزات دیکھ کر بھی جب ایمان نہ لائیں تو ان کا کیا حشر ہوا۔ کفار کا سوال تھا۔

﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (رعد: ۱) ''کہ اس پیغمبر پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری۔''

اس کے جواب میں، خدا نے ارشاد فرمایا۔

﴿ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد: ۱) ''اے محمدؐ! تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر قوم میں ایک ہادی گزرا ہے۔''

مقصود یہ ہے کہ نبوت کی حقیقت معجزہ نہیں ہے بلکہ انذار اور ہدایت ہے۔

ظاہری آیات اور نشانات:

لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انبیاء ظاہری آیات اور مادی نشانات سے خالی ہوتے ہیں، تمام انبیائے کرام کی سیرتیں بیک زبان اس کی تصدیق کرتی ہیں کہ باطنی آیتوں کے ساتھ ان کو ظاہری حصہ بھی ملتا ہے۔ قرآن مجید نے اکثر انبیاء کے سوانح و واقعات کے ضمن میں ان کے ظاہری آثار و دلائل کو بھی بہ تفصیل بیان کیا ہے، بلکہ کہنا یہ ہے کہ یہ مادی اور ظاہری نشانات نبوت کی اصل حقیقت سے خارج ہیں، یہی سبب ہے کہ متعدد مقامات پر قرآن مجید نے کفار کی مادی نشانیوں کی طلب میں آپؐ کی طرف سے یہ الفاظ کہے۔

﴿ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ (بنی اسرائیل) ''میں تو صرف ایک انسان پیغمبر ہوں۔''

ظاہری نشانات صرف معاندین طلب کرتے ہیں:

لیکن نبوت کے ظاہری اور عامیانہ آثار و علامات یعنی خارق عادت معجزات صرف وہ فرقہ طلب کرتا ہے جس کے دل کی آنکھیں اندھی ہوتی ہیں اور جو تعصب و عناد اور جہل کے باعث حق کے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا چنانچہ انبیائے کرام پر ایمان لانے والوں کے حالات پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ معجزات کی طلب نیکوکاروں نے نہیں کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ بنی اسرائیل کے مقابلہ میں نہیں بلکہ فرعون کے مقابلہ میں دیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کے حواریوں نے نہیں بلکہ یہودیوں نے معجزہ طلب کیا' آنحضرت ﷺ سے ابوبکرؓ و عمرؓ نے نہیں بلکہ ابو جہل و ابولہب نے معجزہ مانگا۔ یہی حال دوسرے انبیاء کا بھی ہے۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کی پوری تصریح کی ہے اور طلب معجزہ کے سوال کو ہمیشہ کفار کی طرف منسوب کیا ہے۔

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ﴾ (بقرہ: ۱۴) ''اور جن کو (کتاب الٰہی کا) علم نہیں (یعنی کفار قریش) کہتے ہیں کہ کیوں خدا ہم سے خود باتیں نہیں کرتا یا

Marfat.com

ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔''

﴿وَ قَالُوا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ﴾ (انعام:۴)

''اور کفار نے کہا کہ اس پیغمبر پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی۔''

﴿وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ﴾ (رعد:۱)

''اور کفار کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر کوئی نشانی کیوں نہیں اترتی۔''

﴿وَقَالُوْا لَوْ لَا یَاْتِیْنَا بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (۲) (طہٰ:۸)

''اور کفار نے کہا کہ یہ پیغمبرؐ اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا۔''

دیکھو کہ ہر آیت میں کفار ہی کا معجزہ طلب کرنا ظاہر کیا گیا ہے۔

کفار کا یہ معجزہ طلب کرنا نفی معجزہ کی دلیل نہیں:

کفار کے اس بار بار کے اصرار سے کہ پیغمبر ہم کو معجزہ کیوں نہیں دکھاتے' بعض نادان یہ سمجھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے ان کو کوئی معجزہ نہیں دکھایا کہ اگر وہ کوئی معجزہ دیکھ چکے ہوتے تو بار بار معجزہ کے لیے اصرار کیوں کرتے؟ لیکن یہ استدلال سرتاپا غلط ہے' ان کو نفس معجزہ مانگنے پر بھی بلکہ مادی اور ظاہری معجزات طلب کرنے پر تنبیہ کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ نشانیوں کے ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ عناد سے طلب معجزہ پر مُصر ہیں۔ چنانچہ ان تمام مقامات میں جہاں کفار کی اس طلب معجزہ کا ذکر ہے۔ یہ تصریح موجود ہے اور انہیں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ان خوارق سے انہیں تسلی نہ ہو گی' ان کو چاہیے کہ نبوت کے اصلی آثار و علامات کی طرف توجہ کریں کہ سعادتمند دلوں کی تسلی ان ہی سے ممکن ہے۔

﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُکَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِیْنَآ اٰیَةٌ کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًاوَ لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ﴾ (بقرہ:۱۴)

''اور جو نہیں جانتے وہ کہتے ہیں کہ کیوں خدا ہم سے خود باتیں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی نہیں آتی' ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا دونوں کے دل ایک سے ہو گئے ہیں ہم نے نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو یقین کرتے ہیں کھول کر رکھ دی ہیں اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو سچائی دے کر نیکو کاروں کو خوش خبری سنانے والا اور بدکاروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور (جن کو یہ نشانیاں باور نہ آئیں) ان دوزخیوں کی تم سے باز پرس نہ ہو گی۔''

اس آیت کریمہ میں صاف موجود ہے کہ ہم نشانیاں کھول کر بتا چکے ہیں' لیکن ان نشانیوں سے وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اہل یقین ہیں اور جو ہر امر میں شک کرتے ہیں۔ ان کا علاج صرف دوزخ ہے۔ دوسری آیت میں ہے۔

﴿وَقَالُوا لَوْ لَا یَاْتِیْنَا بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَیِّنَةُ مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی. وَ لَوْ اَنَّآ اَهْلَکْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْ لَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلاً

''اور کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا' کیا ان کے پاس گزشتہ کتابوں کی گواہی نہیں پہنچی اگر ہم اس سے پہلے کسی عذاب سے ان کو ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! کیوں ہمارے پاس

Marfat.com

فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِکَ﴾ (طه : ۱۳۳، ۱۳۴) کوئی رسول تو نے نہیں بھیجا کہ ہم تیری نشانیوں کی پیروی کرتے۔''

اس آیت میں بھی معجزات ظاہر ہونے کے بعد مزید معجزات کی طلب پر گزشتہ قوموں کے واقعات کی طرف جو اگلی کتابوں میں مذکور ہیں متوجہ کیا گیا ہے کہ دیکھ لو دنیا میں ان کا کیا حشر ہوا جنہوں نے معجزوں کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں قبول کیا۔

معجزات تو بہر حال کسی نہ کسی آنی زمانہ اور مخصوص وقت میں ظاہر ہوتے ہیں اور پھر دنیا کے دوسرے حوادث کی طرح فنا ہو جاتے ہیں۔ اس بناء پر اگر ہر معاند کے سوال پر پیغمبر معجزہ ہی دکھاتا رہے تو یہ تسلسل شاید کبھی ختم نہ ہو اور پیغمبر کی زندگی صرف ایک تماشہ گر کی حیثیت اختیار کر لے اس لیے ظاہری معجزہ طلب کرنے والوں کو دائمی اور مسلسل معجزہ کی طرف ملتفت ہونے کی تاکید ہوتی ہے۔

﴿وَقَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ﴾ (۲) (عنکبوت: ۵)

''اور وہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر اس کے پروردگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتریں، کہدے کہ نشانیاں تو خدا کے پاس ہیں اور میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں، ان کافروں کو یہ نشانی کافی نہیں کہ تجھ پر ہم نے کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔''

معاندین کو معجزہ سے بھی تسلی نہیں ہوتی:

نفسیات انسانی کا خاصا ہے کہ جب کسی طرف سے اس کے جذبات مخالفانہ ہوتے ہیں تو وہ اس کی کسی بات کو حسن ظن پر محمول نہیں کرتا اور اس کو اس کی ہر شے کے اندر شر، خبث اور بدی نظر آتی ہے، جلی سے جلی اور واضح سے واضح برہان بھی اس کے دل کے ریب اور قلب کے شک کو دور نہیں کر سکتے۔ معاندین جو انبیاء کے مکارم اخلاق، حسن عمل، حسن تعلیم اور دیگر علمی و عملی تلقینات کو باور نہیں کرتے اور ان کے کھلے اور بدیہی دعووں کو بھی تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے اور ہر قسم کی دلیلوں کے سن لینے کے بعد بھی وہ اپنے لاعلاج مرض شک سے نجات نہیں پاتے تو آخرالحیل کے طور پر وہ پیغمبروں سے خارق عادت معجزوں کا مطالبہ کرتے ہیں اور چونکہ انہیں بدگمانی سے یہ یقین ہوتا ہے کہ ہماری ہی طرح کا ایک مدعی انسان کبھی ایسی عجیب وغریب چیز پر قدرت نہیں رکھتا، اس لیے وہ کبھی کوئی خارق عادت امر پیش نہ کرے گا اور اس طرح اس کی رسوائی عالم آشکارا ہو جائے گی اور خود اسی کے ہاتھوں سے اس کے دعووں کے تار و پود بکھر جائیں گے۔ لیکن قدرت الٰہی آخری حجت کے طور پر ان کے سامنے معجزات اور خوارق عادت بھی پیش کر دیتی ہے تاہم ان کو دیکھ کر بھی معاندانہ روح، ان کے دلوں میں پیغمبروں کی سچائی کا اعتبار نہیں پیدا ہونے دیتی اور بدگمانی انہیں یہ بتاتی ہے کہ گو اس خارق عادت کے ظہور میں تو شک نہیں مگر یہ خدائی طاقت کا کرشمہ نہیں، بلکہ یہ شیطانی عمل اور سحر و جادو کی قوت سے پیدا ہوا ہے اور چونکہ بظاہر معجزہ اور سحر و شعبدہ میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا، اس لیے ان کے بدگمان قلب کو اس سے بھی تسلی نہیں ہوتی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو متعدد معجزے دکھائے۔ مگر ہر ایک کے جواب میں انہیں یہی سننا پڑا کہ ''تم جادوگر ہو۔''

Marfat.com

﴿هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ (۲) (نمل:۱) ''یہ تو کھلا جادو ہے۔''

﴿اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ﴾ (۲) (طہ:۳) ''یہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارونؑ یقیناً جادوگر ہیں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ عصا کو دیکھ کر مصر کے جادوگر سجدے میں گر گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبری پر ایمان لے آئے مگر فرعون یہی کہتا رہا۔

﴿اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ (طہ: ۲) ''یہ موسیٰ علیہ السلام تم سب کا بڑا جادوگر ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔''

توراۃ میں یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کو جب کوئی معجزہ دکھاتے تھے تو ہر معجزہ کے بعد فرعون کے دل کی سختی علیٰ حالہ باقی رہ جاتی تھی' چنانچہ تورات میں تقریباً ہر معجزہ کے بعد مذکور ہے۔ ''لیکن فرعون کا دل سخت رہا اور اس نے ان کی نہ سنی''(۱) انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے زیادہ معجزات دکھائے لیکن خود انجیل میں مذکور ہے کہ تقریباً ہر معجزہ کے بعد حاضرین کی دو جماعتیں ہو جاتی تھیں۔ ایک تو ان کی معتقد ہو جاتی تھی اور یقین کرتی تھی کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور دوسری کہتی تھی کہ یسوع کے ساتھ شیطان رہتا ہے تب یہودیوں کے بیچ ان باتوں کے سبب اختلاف ہوا اور بہتوں نے ان میں سے کہا۔ اس کے ساتھ ایک دیوتا رہتا ہے اور وہ مجنون ہے۔(۲) تم اس کی سنتے کیوں ہو۔ اوروں نے کہا' یہ باتیں اس کی ہیں جس میں دیو ہے' کیا دیوانہ اندھے کی آنکھیں کھول سکتا ہے۔(۳) ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک گونگے کو اچھا کیا۔ لوگ حیرت زدہ ہو گئے۔ لیکن فریسی یہودیوں نے کہا۔ یہ دیوؤں کے سردار کی مدد سے دیوؤں کو نکالتا ہے۔(۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے معاندین کے جواب میں کیا۔ تم کہتے ہو کہ میں دیوتاؤں کو بعل زبول (ایک دیوتا کا نام) کی مدد سے نکالتا ہوں۔(۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے متعدد دفعہ لوگوں سے کہا۔ ''تم معجزات دیکھتے ہو مگر ایمان نہیں لاتے۔''

یسوع نے (عیسیٰؑ) یہ باتیں کہیں اور اپنے تئیں ان سے (فریسی یہودیوں سے) چھپایا' اگرچہ اس نے ان کے روبرو اتنے معجزے دکھائے پر وہ اس پر ایمان نہ لائے۔(۶) تب ان شہروں کو جن میں اس کے بہت سے معجزے ظاہر ہوتے ملامت کرنے لگا کیونکہ انہوں نے توبہ نہ کی تھی۔(۷)

کفار قریش آنحضرت ﷺ سے معجزوں کے طالب ہوتے تھے' مگر جب معجزے دیکھتے تھے تو کاہن اور جادوگر کہنے لگتے تھے۔(۸) عرب میں پیشین گوئی کاہن کیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیوں کو دیکھ معاندین نے آپ کو کاہن کا خطاب دیا تھا۔ اس لیے قرآن مجید نے کہا۔

(۱) تورات کتاب الخروج۔
(۲) یوحنا کی انجیل باب ۱۰۔۱۹۔
(۳) متی کی انجیل باب ۹۔۳۴۔
(۴) لوقا کی انجیل ۱۱۔۱۸۔
(۵) یوحنا کی انجیل ۱۳۔۳۷۔
(۶) متی کی انجیل ۱۱۔۱۰۔
(۷) متی کی انجیل ۱۱۔۱۰۔
(۸) صحیح مسلم مناقب ابی ذر۔

Marfat.com

﴿ فَمَآ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّکَ بِکَاهِنٍ (طور:۲) ''اے پیغمبر! تو اپنے پروردگار کے فضل سے کاہن نہیں ہے۔''

﴿وَ لَا بِقَوۡلِ کَاهِنٍ (حاقہ:۲) ''اور یہ کسی کاہن کی بات نہیں ہے۔''

آنحضرت ﷺ کے معجزات اور خوارق کو وہ دیکھتے تھے تو ان کو جادو کا اثر سمجھتے تھے۔

﴿ ثُمَّ اَدۡبَرَ وَ اسۡتَکۡبَرَ فَقَالَ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ یُّؤۡثَرُ (مدثر:۱) ''پھر پیٹھ پھیر کر چلا اور غرور کیا اور کہا کہ یہ تو جادو ہے جو اگلے وقتوں سے چلا آتا ہے۔''

کفار ایک دوسرے کو منع کرتے تھے کہ محمد ﷺ کے پاس نہ جایا کرو' کیونکہ وہ جادو کیا کرتے ہیں۔

﴿ هَلۡ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ اَفَتَاۡتُوۡنَ السِّحۡرَ وَ اَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ﴾ (انبیآء:۱) ''یہ محمد تو تمہاری ہی طرح آدمی ہیں۔ کیا تم جادو کے پاس آتے ہو اور تم دیکھ رہے ہو۔''

﴿ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلۡحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ﴾ (احقاف:۱) ''حق کے منکرین کے پاس جب حق آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔''

آنحضرت ﷺ نے جب معجزہ شق القمر دکھایا تو کفار نے اس کو بھی جادو کہا۔

﴿اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انۡشَقَّ الۡقَمَرُ وَ اِنۡ یَّرَوۡا اٰیَةً یُّعۡرِضُوۡا وَ یَقُوۡلُوۡا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ﴾ (قمر:۱) ''نزدیک آ گئی قیامت اور چاند پھٹ گیا اور اگر وہ کوئی بھی نشانی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔''

دوسرے معجزات کو دیکھ کر وہ یہی کہتے رہے کہ محمد (ﷺ) تو جادوگر ہے۔

﴿مَا کَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَهُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ قَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیۡنٌ﴾ (۲) (یونس:۱) ''کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک پر وحی اتاری کہ لوگوں کو ڈرا اور ان کو جو ایمان لائے بشارت دے کہ ان کے پروردگار کی بارگاہ میں اس کی بڑے پایگاہ ہے' کافر کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔''

معاندین کو معجزہ سے بھی ایمان کی دولت نہیں ملتی:

چونکہ معاندین کو حق و باطل کی تمیز کی قوت نہیں ہوتی اور یقین کی سعادت سے وہ محروم ہوتے ہیں اس لیے بڑی سے بڑی نشانی بھی شک و شبہ کے گرداب سے ان کو باہر نہیں نکال سکتی' وہ کبھی اس کو بخت و اتفاق کا نتیجہ سمجھتے ہیں' کبھی اس کو سحر و جادو سمجھ کر اس کی تکذیب کرتے ہیں' کبھی فریب اور قوت شیطانی کا ان کو دھوکہ ہوتا ہے اس لیے معجزات سے بھی ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ حجت کے لیے ایک دفعہ معجزہ ان کو دکھایا گیا تو ان کا شبہ رفع نہیں ہوا۔ پھر معجزہ طلب کرتے ہیں تو قرآن کہتا ہے کہ اب بھی ان کو تسلی نہ ہوگی۔ چنانچہ سورۂ انعام کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام مراتب کو بیان کر دیا ہے۔

﴿وَمَا تَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ اٰیَةٍ مِّنۡ اٰیٰتِ رَبِّهِمۡ اِلَّا ''اور خدا کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ان کے پاس

Marfat.com

كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ﴾ (۲)(انعام:۱)

نہیں آتی لیکن یہ کہ اس سے روگردانی کرتے ہیں۔''

﴿وَلَوْنَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَاباً فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ (انعام:۱)

''اے پیغمبر! اگر ہم تجھ پر ایسی کتاب بھی آسمان سے اتار دیں جو اوراق میں لکھی ہو کہ وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھوئیں تو وہ جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ یہ فقط ایک ساحرانہ تماشا ہے۔''

﴿وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا حَتّٰىٓ اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ (۲)(انعام:۳

''اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں گے تو وہ ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ وہ جب تیرے پاس آتے ہیں تو وہ تجھ سے جھگڑا کرتے ہیں اور کافر کہتے ہیں کہ یہ تو صرف اگلوں کی کہانیاں ہیں۔''

﴿وَقَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكاً لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكاً لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلاً وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ﴾ (۲)(انعام:۱)

''اور کہتے ہیں کہ اس پیغمبر کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ کہہ دے کہ اگر فرشتہ اتارا جاتا تو ان کو پھر مہلت نہ دی جا سکتی اور بات پوری ہو جاتی' اگر ہم رسول کا ساتھی کسی فرشتہ کو بناتے تو اس کو بھی انسان ہی کی صورت میں بناتے تو پھر وہی شبہے ان کے دلوں میں ہم پیدا کرتے جو اب یہ کر رہے ہیں۔''

﴿وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلاً مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ﴾ (۲)(انعام:۱۴

''اور اگر ہم ان کے پاس آسمان سے فرشتے بھی اتار کر بھیجیں اور مردے بھی ان سے باتیں کریں اور ہر چیز ان کے سامنے لا کھڑی کر دیں تو وہ ایمان نہ لائیں گے' لیکن یہ کہ خدا کی مشیت ہو۔ لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔''

آنحضرت ﷺ کو فرط شفقت سے یہ خیال بار بار آتا تھا کہ یہ رؤسائے قریش ایمان کی دولت سے محروم نہ رہنے پائیں' خدا نے فرمایا کہ ان کو حقیقت میں براہ راست نبوت سے انکار نہیں بلکہ ان کو نبوت سے اس لیے انکار ہے کہ ان کو اولاً نفس خدا پر یقین نہیں۔ یہ بظاہر نبوت کی نشانیوں کو طلب کرتے ہیں' مگر واقعہ یہ ہے کہ ان کو خدا کی نشانیاں بھی تسلیم نہیں' ایسے لوگوں کی قسمت میں ایمان کی سعادت نہیں' ان کے لیے معجزے بیکار ہیں۔ یہ سعادت ان ہی کو ملتی ہے جو حق کے طالب اور حق باتوں کو سنتے ہیں۔

﴿قَدْنَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ وَ لَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا

''ہم جانتے ہیں کہ ان کافروں کی باتیں تجھ کو غمگین کرتی ہیں لیکن تجھ کو غمگین نہ ہونا چاہیے کیونکہ وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے ہیں بلکہ دراصل ان ظالموں کو خدا کی نشانیوں سے انکار ہے تجھ سے پہلے انبیاء بھی جھٹلائے گئے تو انہوں نے اپنی تکذیب پر صبر کیا اور ان

Marfat.com

كَذَّبُوْا وَ اُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وَ لَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِئ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ وَ الْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (انعام : ۴)

کو بھی ایذا پہنچائی گئی یہاں تک کہ ان کے پاس خدا کی نصرت آئی خدا کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں' گزشتہ پیغمبروں کے واقعات تجھ کو معلوم ہو چکے ہیں اور اگر ان کافروں کی روگردانی تجھ پر گراں ہو تو اگر تجھ میں طاقت ہو تو زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ کر ان کو کوئی نشانی لا کر دے (ان نشانیوں سے ان پر کوئی اثر نہ ہوگا) اگر خدا چاہتا تو ان کو راہ ہدایت پر متفق کر دیتا تو (غمگین ہو کر) جاہلوں میں سے نہ بن' دعوت الٰہی کو وہی قبول کرتے ہیں جو آواز پر کان دھرتے ہیں (اور یہ کافر جو دل کے) مردے ہیں' ان کو خدا ہی اٹھائے گا' پھر اسی کی طرف لائے جائیں گے' یہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی کہہ دے کہ خدا نشانی لانے پر قادر ہے لیکن اکثر لوگ نادان ہیں۔"

لیکن معجزہ دیکھنے پر بھی ان کے قلوب کو اطمینان حاصل نہ ہوگا کیونکہ اس شک وشبہ کا منشاء عناد ہے حق طلبی نہیں' اگر حق طلبی مقصود ہوتی تو پہلی ہی دفعہ دیکھ کر وہ ایمان لے آتے۔

﴿وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَا اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَ نُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ نَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ (انعام: ۱۴)

"اور یہ کافر خدا کی بڑی بڑی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر کوئی نشانی ان کے پاس آجائے گی تو وہ اس پر ایمان لے آئیں گے کہہ دے کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں اور تمہیں کس نے بتایا کہ یہ نشانیاں دیکھ کر ایمان لائیں گے' یہ ایمان نہیں لائیں گے (نشانی کے بعد) ہم ان کے دلوں کو (حصول یقین سے) اور ان کی آنکھوں کو (اپنے دیکھنے پر اعتبار کرنے سے) پھیر دیتے ہیں' جس طرح کہ یہ پہلے اس پر ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی اسی سرکشی کی حالت میں چھوڑ دیں گے کہ بھٹکتے رہیں' اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھی اتار کر بھیجیں اور مردے بھی اٹھ کر ان سے باتیں کریں اور ہر چیز ہم ان کے سامنے بھی کر دیں تو وہ ایمان لانے والے نہیں مگر جو چاہے اللہ' لیکن ان میں اکثر نادان ہیں اور ہم نے اسی طرح ہر نبی کا معاند انسانوں اور جنوں سے بنایا ہے جو ایک دوسرے کو دھوکے کی نمائشی باتیں سکھایا کرتے ہیں (اسی عناد کے باعث وہ نشانیوں کو نہیں مانتے۔"

Marfat.com

اگر رفع حجت کے لیے ان کو معجزہ دکھایا بھی جاتا ہے تو حیلہ جوئی کر کے کہتے ہیں کہ گزشتہ انبیاء کو جیسے معجزے دیئے جب تک وہی معجزے ہم کو نہ دیئے جائیں ہم ایمان نہ لائیں گے۔

﴿فَلْيَاتِنَا بِايَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ (انبیاء:۱) ''چاہیے کہ ہمارے پاس کوئی نشانی لائے جیسے پہلے لوگ پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔''

لیکن فرض کرو کہ وہی معجزات دکھائے بھی جائیں تو ان کی حیلہ جو طبیعت ان سے کب تسلی پائے گی، وہ فوراً یہ کہہ دیں گے جیسا کہ انہوں نے بارہا کہا ہے کہ یہ محض ساحرانہ کرشمہ ہے اور ہماری آنکھوں کو مسحور کر دیا گیا ہے۔

﴿وَقَالُوْا يٰاَيُّهَا الَّذِىْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ. لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ وَ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ قَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ﴾ (حجر:۱)

''اور کافر کہتے ہیں کہ اے وہ جس پر نصیحت اتری ہے تجھ پر کوئی جن سوار ہے کیوں تو فرشتوں کو ہمارے پاس نہیں لے آتا۔ اگر تو سچا ہے (خدا کہتا ہے) ہم فرشتوں کو دنیا میں حق کے ساتھ اتارتے ہیں اگر فرشتے اتار دیئے جائیں تو پھر ان کافروں کو مہلت نہ دی جائے گی، اس نصیحت کو ہم نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں، ہم نے تجھ سے پہلی قوموں میں بھی پیغمبر بھیجے اور ان میں سے کسی کے پاس کوئی پیغمبر نہ گیا لیکن انہوں نے اس سے تمسخر کیا، اسی طرح ہم گنہگاروں کے دلوں میں بٹھا دیتے ہیں، وہ اس پر ایمان نہ لائیں گے یہ اگلوں سے رسم ہوتی آئی ہے اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیں اور وہ اس میں چڑھ بھی جائیں تو یہی کہتے رہیں گے کہ ہماری آنکھوں کو متوالا بنایا گیا ہے بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔''

حاصل یہ کہ ان معاندین کے شکوک و شبہات کا تو بر تو بادل معجزات اور آیات کی روشنی سے بھی نہیں چھٹتا، آنحضرت ﷺ نے جب پہلے پہل اسلام کی دعوت ان کے سامنے پیش کی تو آپ کو انہوں نے ''مجنون'' کا خطاب دیا، قرآن مجید نے ان کی تردید کی۔

﴿مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ﴾ (ن:۱) ''تو اپنے پروردگار کی عنایت سے مجنون نہیں۔''

اس کے بعد آپ نے ان کے سامنے معجزات اور آیات پیش کیے کہ کہیں مجنون سے بھی یہ افعال صادر ہو سکتے ہیں؟ تو انہوں نے آپ کو مجنوں کے ساتھ ''کاہن'' اور ''جادوگر'' کہا۔

﴿ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّ لَا مَجْنُوْنٍ (طور:۱) ''تو اپنے پروردگار کی عنایت سے نہ تو کاہن ہے اور نہ مجنون۔''

﴿قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ﴾ (یونس:۱) ''کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادوگر ہے۔''

Marfat.com

آپ ؐ نے ان کے اس الزام کے جواب میں اپنی تعلیمات وتلقینات کو پیش فرمایا کہ کاہن و جادوگر علم و حکمت کا یہ خزانہ نہیں رکھتے لیکن پُر عناد قلوب کو اس سے بھی تسلی نہ ہوئی اور کہا کہ علم و حکمت کے اسرار انہیں کوئی سکھاتا ہے۔

﴿ وَ قَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴾ (دخان:۱) ''اوران معاندوں نے کہا کہ یہ سکھایا ہوا مجنوں ہے۔''

الغرض انسانوں کے افہام وتفہیم اور ہدایت و رہنمائی کے جو اسلوب اور طریق ہو سکتے تھے وہ سب ان کے سامنے پیش کیے گئے مگر انہیں شک وشبہ کی کشمکش سے نجات نہ ملی۔

بایں ہمہ انبیاء معاندین کو معجزات دکھاتے ہیں اور اعراض کرتے ہیں:

معاندین کی اس پیہم طلب اور اصرار سے خیال ہوسکتا ہے کہ اگر ان کو کوئی معجزہ دکھایا جائے تو شاید ایمان لے آئیں۔ لیکن تمام انبیاء کی سیرتیں شہادت دیتی ہیں کہ ایسا نہیں ہوا۔ انہوں نے معجزات دیکھے' پھر بھی اپنے انکار و اعراض پر نہایت استقلال کے ساتھ قائم رہے' حضرت موسیٰ نے فرعون کو بار بار معجزہ دکھایا لیکن اس کا انکار ایمان سے متبدل نہ ہوا' جیسا کہ توراۃ اور قرآن دونوں میں بہ تکرار بیان ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

﴿ فَلَمَّا جَآءَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ وَ مَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا وَ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴾ (زخرف:۵)

''جب موسیٰ ہماری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس آیا تو وہ ہنستے ہیں اور ہم انہیں کوئی نشانی نہیں دکھاتے ہیں لیکن یہ کہ وہ پہلی نشانی سے زیادہ بڑی ہوتی ہے اور ہم نے ان کو بڑے عذاب میں گرفتار کیا کہ وہ شاید رجوع کریں اور انہوں نے موسیٰ سے کہا اے جادوگر! اپنے خدا سے ہمارے لیے دعا کر جیسا کہ اس نے تجھ سے تیری دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے (کہ وہ ہم سے یہ عذاب دور کر دے) ہم راہ راست کو قبول کیے لیتے ہیں پس جب ہم نے ان سے عذاب ہٹا دیا تو وہ اپنا وعدہ توڑ ڈالتے ہیں۔''

اس موقع پر ایک نکتہ خاص خیال کے لائق ہے۔ یہ حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا ایک ٹکڑا ہے جو زمانہ ماضی کا ایک واقعہ تھا جس کو تمام تر صیغہ ماضی سے ادا ہونا چاہیے تھا' لیکن اس میں تین جگہ اللہ تعالیٰ نے صیغہ مضارع کا استعمال کیا ہے جو واقعہ حال واستقبال کے بیان کے لیے مقرر ہے۔

(۱) جب موسیٰ ہماری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس آئے تو وہ ہنستے ہیں۔

(۲) اور ہم انہیں کوئی نشانی نہیں دکھاتے ہیں' لیکن وہ پہلی نشانی سے بڑی ہوتی ہے۔

(۳) پہلے انہوں نے وعدہ کیا اگر موسیٰ کی دعا قبول ہوگئی تو ہم ایمان لے آئیں گے' لیکن جب دعا قبول ہو کر اس کا اثر ہوا تو وہ اپنا وعدہ توڑ ڈالتے ہیں۔

اس موقع پر صیغہ مضارع کے استعمال سے یہ نکتہ پیدا ہوتا ہے کہ گویہ واقعہ خاص فرعون کے ساتھ پیش آیا مگر یہ مخصوص حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کے فرعون کے ساتھ نہیں بلکہ ہر عہد کے فرعون اور ہر پیغمبر کے معاندین کی نفسی کیفیت یہی ہوتی ہے کہ جب ان کے پیغمبر خدا کے احکام اور نشانیاں لے کر ان کے پاس جاتے ہیں تو وہ صدائے خندہ

Marfat.com

تحقیر بلند کرتے ہیں، لیکن خدا ان کو نشانیوں پر نشانیاں دکھاتا جاتا ہے، تاہم ان سے ان کی تسکین نہیں ہوتی اور دوسری کوئی نشانی مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ نشانی ہم کو دکھا دی گئی، ہم یقیناً ایمان لے آئیں گے لیکن جب وہ نشانی بھی ان کو دکھا دی جاتی ہے تو ان کو اس سے بھی تسکین نہیں ہوتی اور وہ آخر تک ایمان کی سعادت سے محروم رہتے ہیں۔

حضرت صالحؑ کی اُمت نے حضرت صالح سے ایک نشانی طلب کی۔ انہوں نے کہا یہ اونٹنی تمہاری نشانی ہے جو ایک دن میں ان کے چشمہ یا کنویں کا تمام پانی پی جاتی تھی اور دوسرے دن ان کے جانوروں کو پانی ملتا تھا۔ لیکن اس نشانی کو دیکھ کر کہ اونٹنی تمام چشمہ یا کنوئیں کا پانی پی جاتی ہے، انہیں تسکین نہ ہوئی اور اس اونٹنی کو مار ڈالا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی پاداش میں وہ ہلاک کر دیئے گئے، سورۂ شعراء میں ہے۔

﴿مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (شعراء: ۸)

''اے صالح، تم ہماری ہی طرح آدمی ہو، اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو کوئی نشانی لاؤ، صالح نے کہا یہ اونٹنی ہے اس کے لیے پانی پینے کی ایک باری ہے اور تمہارے لیے ایک مقرر دن کا پانی پینا ہے اور اس کے ساتھ کوئی برائی نہ کرو ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب تم کو آئے گا، تو انہوں نے اس کی کونچ کاٹ ڈالی پھر نادم ہوئے تو عذاب نے انہیں آ گھیرا۔ اس واقعہ میں بڑی نشانی ہے صالح کی قوم کے لوگ اکثر مومن نہ تھے۔''

عہد محمدی کے فرعونوں اور معاندوں کی نفسی کیفیت بھی یہی تھی کہ ان کو نشانیاں دکھائی جاتی تھیں مگر انہیں عناد کی کور باطنی کے باعث ان سے تسکین نہیں ہوتی تھی، چنانچہ کفار قریش کے حال میں قرآن مجید کا بیان ہے۔

﴿وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ (انعام: ۱)

''ان کے پاس خدا کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی لیکن وہ اس سے اعراض کرتے ہیں حق ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا تو عنقریب جس چیز کا مذاق اڑاتے ہیں اس کی حقیقت ان کو معلوم ہوگی۔''

ایک موقع پر قرآن مجید نے اسی واقعہ کو بیان کیا ہے کہ جب محمد رسول اللہ ﷺ کے صدق نبوت کی کوئی نشانی ظاہر ہوتی ہے تو معاندین قریش کہتے ہیں کہ ان نشانیوں سے ہم کو تسکین نہ ہوگی جب تک گزشتہ پیغمبروں کی طرح خود ہم کو بھی وہی نشانیاں نہ دی جائیں۔ یعنی نبوت کے تمام آثار و کیفیات خود ہم پر طاری نہ ہوں تا کہ ہم کو دھوکہ اور فریب کا شبہ نہ رہے۔ خدا نے کہا کہ یہ نبوت ہر ایک کا حصہ نہیں۔

﴿وَ اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ (انعام: ۵)

''اور جب ان (کفار قریش) کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس وقت تک نہ مانیں گے جب تک ہم کو بھی وہ کچھ نہ دیا جائے جو خدا کے پیغمبروں کو دیا گیا ہے، خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغامبری کا منصب کس کو عطا کرے۔''

Marfat.com

اس لیے بالآخر معاندین کی طلب معجزہ سے تغافل برتا جاتا ہے:

ان تمام منازل کے طے ہونے کے بعد بالآخر معاندین پر حجت تمام ہو جاتی ہے اور پھر طلب معجزہ کے لیے ان کے پیہم اصرار الحاح اور طلب کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی اور صرف عذاب الٰہی کی آخری نشانی ان کے لیے باقی رہ جاتی ہے۔ انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تمام انبیاء سے زیادہ معجزات اور نشانیاں دکھائیں تاہم فریسی یہودیوں کو معجزہ کی تشنگی باقی رہ گئی اور ہر ملاقات میں انہوں نے معجزہ کی نئی فرمائش کی۔

''تب فریسی نکلے اور اس سے (حضرت عیسیٰ سے) حجت کر کے اس سے امتحان کے لیے کوئی آسمان سے نشان چاہا۔'' (مرقس ۸۔۱۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آہ سرد بھر کر فرمایا۔

''اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں' میں تم سے کہتا ہوں کہ زمانے کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔'' مرقس ۱۸۔۱۲)

ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک گونگے کو اچھا کیا۔ بعضوں نے کہا کہ۔

''یہ بعل زبول دیوتا کی مدد سے ایسے عجیب کام کرتا ہے اور اوروں نے آزمائش کے لیے اس سے ایک آسمانی نشان مانگا۔'' (لوقا۔۱۱۔۱۶)

حضرت عیسیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا۔

''اس زمانہ کے لوگ برے ہیں' وہ نشان ڈھونڈتے ہیں' پر کوئی نشان ان کو نہ دیا جائے گا' مگر یونسؑ نبی کا نشان۔'' (لوقا۔۱۱۔۲۹)

اللہ تعالیٰ نے معاندین قریش کے جواب میں قرآن مجید میں اسی نکتہ کا اظہار فرمایا۔

﴿وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ﴾ (بنی اسرائیل:۶۰)

''اور ہم کو نشانیوں کے بھیجنے سے صرف اس امر نے باز رکھا کہ پہلوں نے ان کو جھٹلایا۔''

قرآن مجید میں چار پانچ مقام پر مذکور ہے کہ عہد محمدی کے معاندین نے کہا۔

﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (رعد:۴)

''محمد پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی۔''

اس کے جواب میں ان کو نبوت کی اصل حقیقت' انذار' تبشیر اور ہدایت کی طرف متوجہ کیا گیا اور خرق عادت کی کسی مزید نشانی کے دکھانے سے تغافل اور احتراز برتا گیا۔ عیسائی معترضین قرآن مجید کی ان آیتوں کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے معجزہ دکھانے سے اس لیے انکار کیا کہ ان کو خدا کی طرف سے کوئی معجزہ نہیں ملا تھا۔ اگر ان آیتوں سے یہ استنباط صحیح ہے تو انجیل کی جو آیتیں ہم نے اوپر نقل کی ہیں ان کا مطلب کیا ہوگا؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فریسیوں کو معجزہ دکھانے سے انکار کرنا بھی یہی نتیجہ ظاہر کرتا ہے کہ نعوذ باللہ ان کو کوئی معجزہ خدا کی طرف سے نہیں ملا تھا۔

Marfat.com

معجزہ کے انکار یا تاخیر کے اسباب:

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کائنات روحانی کو بھی ایک نظام اور اصول کے تحت رکھا ہے اس بناء پر ہم کو ضرورت ہے کہ ان مصالح اور اسباب کا پتہ لگائیں جن کی بناء پر باوجود قدرت اور اشد ضرورت کے معجزات سے کلیتہ انکار کیا گیا ہے یا ان کے ظہور میں تاخیر ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے امعان مطالعہ سے ان اسباب کو ذیل کی صورتوں میں محدود کیا جاسکتا ہے۔

(۱) معجزات کے ذریعہ سے جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کا ایمان محض جبری' تقلیدی اور بالواسطہ ہوتا ہے' وہ لوگ اپنے دل میں انبیاء کے محاسن تعلیم کا کوئی خاص ذوق نہیں پاتے۔ صرف معجزات کی قوت اور اعجوبگی ان کو متحیر اور مبہوت کر دیتی ہیں' حالانکہ انبیاء کی تعلیم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کی جماعت میں ایسے افراد شامل ہوں جو شریعت کے رمز شناس اور اس کے اسرار و حکم سے ذوق آشنا ہوں' یہی حالت ہے جس کو قرآن مجید نے ''شرح صدر'' اور انشراح قلب سے تعبیر کیا ہے۔

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ (انعام:۱۵)

''جس کو خدا ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینہ کو قبول اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔''

اس قسم کے لوگوں کے لیے معجزات کی ضرورت نہیں ہوتی' ان کے لیے آفتاب و ماہتاب' آسمان و زمین دن اور رات غرض دنیا کا ایک ایک ذرہ معجزہ ہوتا ہے اور خدا کے وجود' خدا کی وحدانیت اور پیغمبر کی نبوت پر بلاواسطہ دلالت کرتا ہے' ان کے لیے صرف تفکر اور بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے' یہی گروہ ہے جس پر زیادہ سے زیادہ انبیاء کی نگاہ انتخاب پڑتی ہے اور وہ ان کو صرف تفکر اور اعتبار کی ترغیب دیتے ہیں۔ اس گروہ کے بالمقابل ایک کور باطن فرقہ اور بھی ہوتا ہے' جس پر نظام فطرت کے دوسرے شواہد و آیات کی طرح معجزات کا بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑ سکتا' انبیاء کو ابتدائے بعثت میں ان ہی دو گروہوں سے سابقہ پڑتا ہے اور چونکہ فطرۃ ایک معجزات سے بے نیاز ہوتا ہے اور دوسرے پر معجزات کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا' اس لیے ان دونوں گروہوں کے لیے معجزات بے کار ہوتے ہیں' اور اس بناء پر انبیاء ان کے پیش کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ اسی نکتہ کو خداوند تعالیٰ نے ان آیتوں میں بیان کیا ہے۔

﴿قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (یونس:۱۰)

''کہہ کہ دیکھو زمین و آسمان میں کس قدر نشانیاں ہیں اور نشانیاں اور ڈراوے تو اس قوم کے لیے کچھ بھی مفید نہیں جو ایمان نہیں لانا چاہتی۔''

﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ﴾ (رعد:۴)

''اور کفار کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اترتا' کہہ خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت کرتا ہے۔''

(۲) بعض دفعہ معاندین ایسی نشانیوں کے طلب گار ہوتے ہیں جن کے بار کے متحمل قوت انسانی کے دوش و بازو نہیں ہو سکتے' خدا کا خود انسانوں کے سامنے آنا' خدا کا خود ہر انسان سے باتیں کرنا' فرشتوں کا نظر آنا' آسمان سے

Marfat.com

کوئی مجسم کتاب اتارنا' بازی گر کی طرح پیغمبر کا آسمان پر چڑھنا' کفار کی طرف سے جب اس قسم کے معجزات طلب کیے جاتے ہیں تو' انبیاء کو ہمیشہ انکار کرنا پڑتا ہے اور اس انکار کا منشا خود منکرین کی فطرت ہے۔

﴿ یَسْـَٔلُکَ اَهْلُ الْکِتَابِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ کِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰی اَکْبَرَ مِنْ ذٰلِکَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ﴾ (نساء ۲۲:)

''تم سے یہود کہتے ہیں کہ ان کے اوپر آسمان سے ایک کتاب اتار دو لیکن ان لوگوں نے تو موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا یعنی ان لوگوں نے کہا تھا کہ ہمیں خدا کو کھلم کھلا دکھلا دو' اس ظلم کا جو انہوں نے اپنے اوپر کیا یہ نتیجہ ہوا کہ بجلی کی کڑک نے ان کو دبا دیا۔''

﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُکَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِیْنَآ اٰیَةٌ کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ (بقرہ: ۱۴)

''اور جن لوگوں کو علم نہیں وہ کہتے ہیں کیوں خدا ہم سے باتیں نہیں کرتا یا کوئی نشانی ہمارے پاس نہیں لاتا' اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی کہا دونوں کے دل ایک سے ہیں۔''

﴿ لَوْ مَا تَاْتِیْنَا بِالْمَلٰٓئِکَةِ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ مَا کَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِیْنَ﴾ (حجرات:۱)

''کیوں نہیں فرشتوں کو ہمارے پاس لے آتے اگر تم سچے ہو (خدا کہتا ہے) ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے لیکن حق کے ساتھ' اگر وہ ان کافروں کے سامنے اتریں تو پھر ان کو مہلت نہ دی جا سکے گی۔''

(۳) مادیت کی ترقی کے زمانہ میں تمام فضائل و محاسن کا مرکز صرف دولت' جائیداد' مال و اسباب ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ عام لوگ اخلاق و عادات' تمدن و معاشرت' رسم و رواج غرض تمام چیزوں میں امراء کی تقلید کرتے ہیں لیکن انبیاء ہمیشہ اپنی معاشرت' اپنی وضع اپنے لباس غرض اپنی ایک ایک ادا سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ فضائل کا منبع صرف روح ہے اور زخارف دنیوی سے ان کو کوئی تعلق نہیں۔

اسی بنا پر جب منکرین انبیاء سے اس قسم کے معجزات طلب کرتے ہیں جو امراء کے ساتھ مخصوص ہیں تو انبیاء کو عموماً ان کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

﴿ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَکٌ فَیَکُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا اَوْ یُلْقٰٓی اِلَیْهِ کَنْزٌ اَوْ تَکُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْکُلُ مِنْهَا وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾ (فرقان:۱)

''اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ پیغمبر کیوں کھاتا ہے اور کیوں بازاروں میں چلتا پھرتا ہے کیوں اس پر ایک فرشتہ نہیں اترتا جو اس کے ساتھ لوگوں کو ڈرائے یا اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ کیوں نہیں ہے جس سے وہ کھائے اور ظالموں نے کہا تم صرف ایک ایسے شخص کا اتباع کرتے ہو جس پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔''

(۴) آیت بالا سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس انکار کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کفار کا عام خیال یہ تھا کہ خدا کی

Marfat.com

طرف سے جو قاصد بن کر آئے اس کو مرتبہ بشریت سے بالاتر ہونا چاہیے اور اس کو بے انتہا خدائی قدرتیں حاصل ہونی چاہئیں' اس بنا پر جب اس قسم کے معجزے طلب کیے جاتے ہیں جن سے اس ظن فاسد کی تائید ہوتی ہے تو انبیاء ان سے انکار کرتے ہیں۔

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَیَّ﴾ (انعام: ۵۰)

''کہہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میں نے یہ کہا کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف وحی کا اتباع کرتا ہوں۔''

(۵) متحدی بہ معجزات یعنی وہ معجزات جو کفار کے مطالبہ پر صادر ہوتے ہیں' ان کی تاخیر کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ایسے معجزات پر ایمان نہ لانے کے بعد پیغمبر کو ہجرت کا حکم ہوتا ہے اور منکرین کا گروہ ہلاک کر دیا جاتا ہے' چنانچہ اس کی مثالیں قوم نوح' نمرود اور فرعون سے لے کر قریش تک کی تمام تاریخیں پیش کرتی ہیں اور قرآن مجید نے اس کو بتصریح بیان کر دیا ہے۔ حضرت صالحؑ کی امت نے ان سے نشانی طلب کی۔ خدا نے کہا' نشانی تمہیں دکھائی جائے گی' لیکن اس کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو تمہاری ہلاکت یقینی ہے۔

﴿وَ مَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ وَ اٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا﴾ (بنی اسرائیل: ٦)

''اور ہم نے نشانیاں بھیجنا اس لیے موقوف کیا کہ اگلوں نے ان کو جھٹلایا اور ہم نے ثمود کو اونٹنی کی نشانی دی سمجھانے کو اور پھر اس کا حق نہ مانا اور نشانیاں جو ہم بھیجتے ہیں تو ڈرانے کو۔''

لیکن جس طرح افراد کی موت و حیات کا ایک زمانہ ہے اسی طرح قوموں کی ہلاکت و بربادی کی بھی ایک خاص مُدت معین ہے۔

﴿وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ﴾ (اعراف و یونس)

''ہر قوم کا ایک زمانہ مقرر ہے۔''

اس لیے اس قسم کے معجزات کے ظہور میں اس مدت معینہ تک کے لیے تاخیر کی جاتی ہے اور پیغمبر اور معاندین دونوں اس کے منتظر رہتے ہیں۔

﴿وَ يَقُوْلُوْنَ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ﴾ (یونس: ۲)

''اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ کیوں اس پر خدا کی طرف سے کوئی نشانی نہیں اترتی' کہہ کہ غیب صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے تم لوگ اس کے ظہور کا انتظار کرو' میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔''

یہی سبب ہے کہ جن انبیاءؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا مظہر اتم بنایا' ان کے ہاتھوں سے تحدی اور مطالبہ کے معجزوں کے صدور میں تاخیر برتی جاتی تھی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق انجیل کی آیتیں گزر چکی ہیں کہ یوں تو ان سے بیسیوں معجزے سرزد ہوتے تھے' مگر تحدی اور مطالبہ کے معجزہ سے انہوں نے بالعموم انکار کیا کہ وہ بنی اسرائیل کو تباہ و برباد دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ یہاں تک کہ حواریین نے جب زیادت ایمان اور ترقی ایمان کے لیے معجزہ کی فرمائش کی تو خدا نے جواب دیا۔

Marfat.com

﴿ اِنِّی مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَاباً لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ (مائدہ: ۱۵)

''میں یہ آسمانی خوان تم پر اتار سکتا ہوں لیکن اس کے بعد اگر تم میں سے کسی نے انکار کیا تو میں اس کو ایسا سخت عذاب دوں گا کہ دنیا میں کسی کو نہ دیا ہوگا۔''

غرض کائنات روحانی کا یہی اصول پیش نظر تھا جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کفار کے مطالبہ کی پرواہ نہیں کرتے تھے کیونکہ آپؐ جانتے تھے کہ ان کے مطالبہ اور تحدی کے مطابق معجزہ آنے کے بعد ان کو پھر فرصت نہ دی جا سکے گی اور وہ برباد ہو جائیں گے' چنانچہ معاندین قریش آنحضرت ﷺ سے یہ معجزہ طلب کرتے تھے کہ فرشتوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے لے آؤ' خدا نے کہا کہ اگر وہ سامنے آئیں بھی تو انسانوں کی صورت میں آئیں گے اور تم کو پھر وہی شبہ رہ جائے گا۔ علاوہ ازیں قانون الٰہی میں یہ آخری حجت ہے' اگر فرشتے اتر آئے اور اس سے بھی تمہاری تسلی نہ ہوئی تو پھر تم کو اس مطالبہ کے معجزہ کے بعد مہلت نہ مل سکے گی اور تم ہلاک و برباد کر دیئے جاؤ گے۔

﴿ لَوْ مَا تَاْتِیْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ مَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِیْنَ ﴾ (حجر: ۱)

''کیوں تم فرشتوں کو ہمارے پاس نہیں لے آتے اگر تم سچے ہو۔ خدا کہتا ہے فرشتوں کو حق کے ساتھ اتارتے ہیں اگر وہ اتریں تو پھر تم کو اس وقت مہلت نہ دی جا سکے گی۔''

(۶) معاندین عموماً پیغمبروں کو جھوٹا جان کر یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جس آخری معجزۂ عذاب کی تم دھمکی دیتے ہو وہ آخر کب آئے گا اور وہ جلد کیوں نہیں آتا؟ چونکہ اپنی نافہمی سے ان کو یقین ہوتا ہے کہ یہ معجزانہ عذاب ظاہر نہ ہوگا اس لیے وہ اس کا مطالبہ بار بار کرتے ہیں کہ تا کہ لوگوں میں پیغمبر کی سبکی ہو اور ہماری طرح اور لوگ بھی اس کو کاذب تسلیم کریں۔ چنانچہ قرآن مجید میں بار بار ہر قرن کے کافروں کے اس مقولہ کو دہرایا گیا ہے اور اس کا جواب دیا گیا ہے حضرت شعیبؑ کی امت نے کہا۔

﴿ وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفاً مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴾ (شعراء: ۱۰)

''اور ہمارے خیال میں تم جھوٹے ہو' اگر سچے ہو تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دو۔''

لیکن اس کے لیے خدا کے ہاں ایک قانون مقرر ہے۔

﴿ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ قُلْ اَرَاَیْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَیَاتاً اَوْ نَهَاراً مَّاذَا یَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ آٰلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴾ (۲) (یونس: ۵)

''ہر قوم کا ایک وقت مقرر ہے تو جب اس کا مقرر وقت آ جاتا ہے تو پھر نہ ایک گھڑی وہ دیر کر سکتے ہیں اور نہ جلدی' کہہ دے اے پیغمبر! بھلا دیکھو تو اگر خدا کا عذاب راتوں رات یا دن کو آ پہنچے تو یہ گنہگار جلدی کر کے کیا کر لیں گے' کیا جب آنے والا واقعہ آ جائے گا تب تم ایمان لاؤ گے' اب ایمان لاتے ہو حالانکہ تم تو اسی کی جلدی کر رہے تھے۔''

Marfat.com

عقیدہ ومعجزات کی اصلاح:

قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح اور نمایاں ہو جاتی ہے کہ اس کی نظر میں ان ظاہری معجزات کی چنداں وقعت نہیں، وہ لوگوں کو ہمیشہ اصل روح نبوت کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اس کے خاص اسباب ہیں۔ اسلام دنیا میں دین الٰہی کی تکمیل اور گزشتہ مذہبی اغلاط کی تصحیح کے لیے آیا تھا' ان ظاہری معجزات نے گزشتہ قوموں میں بہت سے فاسد عقیدے پیدا کر دیے تھے' جن انبیاء اور بزرگوں سے بکثرت معجزات صادر ہوئے۔ ان میں الوہیت اور خدائی کا عنصر تسلیم کیا گیا اور اس طرح توحید اور نبوت کی اصلی حقیقت جس پر دین الٰہی کی بنیاد ہے متزلزل ہو گئی اس لیے قرآن مجید نے نہایت وضاحت' نہایت صفائی اور نہایت تصریح کے ساتھ ان غلطیوں کا پردہ چاک کیا اور دنیا میں توحید اور نبوت کی اصلی حقیقت اس استواری اور مضبوطی کے ساتھ قائم کر دی کہ آئندہ فساد اور سوء عقیدہ کے سیل وطوفان سے اس کو گزند پہنچنے کا خطرہ باقی نہ رہا۔

(۱) سب سے پہلے اس نے یہ حقیقت واضح کی کہ نبوت اور ظاہری معجزات میں کوئی تلازم نہیں اور یہ آثار و دلائل اصل نبوت سے خارج امور ہیں۔ نبوت کے اصل لوازم وحی' مخاطبہ الٰہی' تزکیہ' انذار' تبشیر' تعلیم اور ہدایت ہیں۔ جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اس بنا پر جب معاندین نے معجزہ کا مطالبہ کیا ہے تو قرآن مجید نے اکثر اس کے جواب میں نبوت کی اصلی حقیقت کی طرف ان کو متوجہ کیا ہے۔

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ (بقرہ: ۱۴)

''اور جن کو علم نہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا خود ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی' ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا' دونوں کے دل ایک ہی قسم کے ہو گئے' ہم نے تو نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو یقین کرتے ہیں کھول کر رکھ دیں۔ (اے محمد! ہم نے تجھ کو سچائی دے کر نیکوکاروں کو خوش خبری سنانے والا اور بدکاروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور (جن کو اب بھی یہ نشانیاں باور نہ آئیں) ان دوزخیوں کا حال تجھ سے نہ پوچھا جائے گا۔''

﴿وَ قَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ (عنکبوت: ۵)

''اور وہ کہتے ہیں کہ (پیغمبر) پر اس کے پروردگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتریں' کہہ دے کہ نشانیاں تو خدا کے پاس ہیں اور میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں' ان کافروں کو یہ نشانی کافی نہیں کہ تجھ پر ہم نے کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔''

﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ

''کہ اس پیغمبرؐ پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی اے محمدؐ! تو تو ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کا ایک ہدایت

Marfat.com

﴿لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (رعد:۱) کرنے والا ہوتا ہے۔"

(۲) قرآن مجید نے نہایت وضاحت اور تکرار کے ساتھ اس حقیقت کا اعادہ کیا ہے کہ ہمارا پیغمبر بشر اور خالص بشر ہے اس میں الوہیت کا کوئی شائبہ نہیں ہے اور اس لیے وہ اپنی طرف سے خدا کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ﴾ (کہف ۱۲احم السجدہ:) "میں بھی تمہاری طرح ایک آدمی ہوں (البتہ) مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔"

کفار قریش کا خیال تھا کہ پیغمبر کے ساتھ فرشتوں کا پرا ہونا چاہیے' کبھی کبھی خود خدا اس کے سامنے آ کر نمایاں ہو اس کے لیے سونے چاندی کا محل ہو عجیب وغریب اقسام کے باغ اس کے قبضہ میں ہوں' ہمارے سامنے وہ آسمان پر چڑھے اور وہاں سے ہمارے لیے کتاب اتار لائے۔

﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ﴾ (بنی اسرائیل:۱)

"اور کافروں نے کہا ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ نہ بہا دو یا تمہارے قبضہ میں کھجور اور انگور کا ایک باغ نہ ہو اور پھر تم اس کے بیچ میں نہریں نہ بہا دو یا جیسا کہا کرتے ہو آسمان کو ٹکڑے کر کے ہم پر نہ گرا دو یا خدا اور فرشتوں کو ضامن بنا کر لے آؤ یا تمہارے لیے سونے کا ایک گھر نہ ہو جائے یا تم آسمان پر نہ چڑھ جاؤ اور وہاں تمہارے آسمان پر چڑھنے کا یقین اس وقت تک ہم کو نہ آئے گا جب تک وہاں سے کوئی ایسی کتاب نہ اتار لاؤ جس کو ہم پڑھ سکیں۔"

ان سب کے جواب میں قرآن مجید آپ کو سکھاتا ہے۔

﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل:۱۰)

"کہہ دے اے پیغمبرؐ! سبحان اللہ! میں کون ہوں' ایک آدمی پیغمبرؐ۔"

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ.

اے پیغمبرؐ! ان لوگوں سے کہہ دے کہ میں یہ تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں' میں تو اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف الہام کیا جاتا ہے۔

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا

"اے پیغمبرؐ! ان لوگوں سے کہہ دے خود میرا نفع اور نقصان بھی میرے قبضہ اختیار میں نہیں' لیکن جو چاہے خدا' اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو اپنا بہت سا فائدہ

Marfat.com

﴿اِلَّا نَذِیْرًا وَ بَشِیْرًا لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ (اعراف: ۲۳) کر لیتا اور مجھ کو کوئی گزند نہ پہنچتا' میں تو صرف ڈرانے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔''

غور کرو کہ زمین سے باغ کا اگا دینا یا سونے کا محل کھڑا کر دینا یا چشمہ بہا دینا یا آسمان سے لکھی لکھائی کتاب اتار دینا' نہ خدا کی قدرت سے باہر تھا اور نہ اس رسول ﷺ کے ان معجزات سے مافوق مطالبہ تھا جس کے ہاتھ سے چشمے بہہ چکے تھے' جس کے اشارے سے درخت چل چکے تھے یا جو معراج میں ساتوں آسمانوں کی منزلیں طے کر چکا تھا۔ لیکن چونکہ اگر ان کے مطالبہ پر یہ امور واقع ہو جاتے تو وہ اگر بدعقیدگی کو راہ دیتے تو وہ آپ کو جادوگر کہہ دیتے اور اگر خوش عقیدگی کا اظہار کرتے تو آپ کو نعوذ باللہ مافوق بشر تسلیم کر لیتے اور یہ دونوں باتیں اصول اسلام کے منافی ہیں اس لیے سرے سے ان کے اس جاہلانہ مطالبہ کو رد کر دیا گیا کہ چند لوگوں کے ایمان و عدم ایمان کی خاطر نفس پیغام و دعوت کی اصول کی بیخ کنی نہیں کی جا سکتی۔

(۳) عام لوگوں میں انبیاء کی نسبت یہ غلط عقیدہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ براہ راست عالم کائنات کے تصرف پر قادر ہیں چنانچہ موجودہ انجیل کے مصنفوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو جس طرح پیش کیا ہے اس نے عیسائیوں کے دلوں میں یہ یقین پیدا کر دیا ہے کہ یہ تمام کائنات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قبضہ قدرت میں تھی اور وہ اس میں جس طرح چاہتے تھے تصرف کرتے تھے۔ یہی بنیادی پتھر ہے جس پر انجیل کے مصنفوں نے دین حق کی دیوار کج کھڑی کی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ توحید کی عمارت اس پر قائم نہ رہ سکی۔ قرآن مجید نے نہایت شدت اور نہایت اصرار سے یہ حقیقت واضح کی ہے۔ کہ معجزات اور نشانات پیغمبر کی قوت اور ارادہ سے نہیں' بلکہ خدا کی قدرت اور مشیت سے ظاہر ہوتے ہیں۔

﴿قُلْ اِنَّمَا الْاٰیَاتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (انعام: ۱۳) ''کہہ دے اے پیغمبر! کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔''

﴿قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ (عنکبوت: ۵) ''کہہ دے اے پیغمبر! کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔''

﴿قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَةً﴾ (انعام: ۴) ''کہہ دے اے پیغمبر! کہ خدا کو قدرت ہے کہ وہ نشان اتارے۔''

سب سے زیادہ صاف اور تصریح آیت یہ ہے۔

﴿وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (رعد: ٦) ''کسی رسول میں یہ قدرت نہیں کہ وہ خدا کی اجازت کے بغیر کوئی نشانی لائے۔''

انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات جس عبارت اور لب ولہجہ میں بیان ہوئے ہیں ان کا صاف منشا یہ ہے کہ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمام کائنات کی بادشاہی سپرد کر دی گئی تھی' اس لیے وہ خاص اپنی قدرت اور اختیار

Marfat.com

سے جو چاہتے تھے کر دیتے تھے قرآن مجید اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتا' اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزات کو بیان کر دیا ہے مگر اسی کے ساتھ اس عقیدہ باطل کو بھی رد کرتا گیا ہے اور نہایت تصریح کے ساتھ یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہ جو کچھ بھی تھا خدا کی قدرت سے تھا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اختیار سے نہیں۔ چنانچہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے قرآن کہتا ہے۔

﴿اِنِّیۡ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَہَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ فَاَنۡفُخُ فِیۡہِ فَیَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِ اللّٰہِ وَ اُبۡرِیُٔ الۡاَکۡمَہَ وَ الۡاَبۡرَصَ وَ اُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰہِ﴾ (آل عمران: ۵)

''میں تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں کہ میں مٹی سے پرندہ کی صورت کا ایک جانور بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ ہو جاتا ہے اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا اور مردہ کو زندہ کرتا ہوں خدا کے حکم سے۔''

دوسرے موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے احسانات جتاتے ہوئے خدا نے فرمایا۔

﴿وَاِذۡ تَخۡلُقُ مِنَ الطِّیۡنِ کَہَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ بِاِذۡنِیۡ فَتَنۡفُخُ فِیۡہَا فَتَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِیۡ وَ تُبۡرِیُٔ الۡاَکۡمَہَ وَالۡاَبۡرَصَ بِاِذۡنِیۡ وَاِذۡ تُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِیۡ﴾ (مائدہ: ۱۹)

''اور یاد کر جب تو مٹی سے پرندہ کی طرح صورت میرے حکم سے بناتا تھا' پھر اس میں پھونک مارتا تھا تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتا تھا اور تو اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کرتا تھا اور جب مردے کو میرے حکم سے زندہ کرتا تھا۔''

یہ قرآن مجید کے اسی اظہار حقیقت اور خالص تعلیم کا اثر تھا کہ اسلام میں توحید اور نبوت کی حقیقتیں مشتبہ نہ ہوئیں اور پیغمبر اسلام ﷺ میں الوہیت کا ادنیٰ سا شائبہ بھی مسلمانوں نے کبھی تسلیم نہیں کیا اور تمام دنیا کے مذاہب میں توحید کامل کی علمبرداری صرف اسلام کے دست و بازو کو سپرد ہوئی۔

مسئلہ اسباب وعلل میں افراط وتفریط:

عقیدۂ معجزات کے اصلاحات ہی کے تحت میں مسئلہ اسباب وعلل سے بھی تعرض کرنا ہے۔ جس نے دوسرے مذاہب کی طرح اسلام میں بھی دو فرقے پیدا کر دیئے ہیں۔ ایک فرقہ وہ ہے جو دنیا میں صرف اسباب وعلل کے اختیارات کو تسلیم کرتا ہے اور ان اختیارات کو نا قابل نسخ وتغیر مانتا ہے۔ اس کے نزدیک اس عالم میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ان ہی مادی علل واسباب کے ماتحت ہوتا ہے اور ان میں کسی قسم کا رد و بدل اور نسخ وتغیر نہیں ہوتا اور اس لیے وہ خرق عادت کو ممتنع اور محال یقین کرتا ہے کیونکہ یہ اسباب وعلل اور عالم کا یہ نظام کارسنۃ الٰہی ہے اور سنن الٰہی میں تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی حسب ذیل آیتوں سے ثابت ہوتا ہے۔

﴿وَ لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا﴾ (احزاب: ۸) ''تم خدا کی سنت (طریقہ) میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے۔''

﴿وَ لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَحۡوِیۡلًا﴾ (ملئکتہ: ۵) ''تم خدا کی سنت (طریقہ) میں ہرگز تغیر نہ پاؤ گے۔''

﴿لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰہِ﴾ (روم: ۴) ''اللہ کے بنائے کو بدلنا نہیں۔''

Marfat.com

دوسرا فریق اللہ تعالیٰ کو نظام خاص، قوانین فطرت اور اسباب وعلل کا پابند ٹھہرانا اس کی شان قدرت کے منافی سمجھتا ہے اور وہ ان بیچ کے وسائط کے بغیر اس کو فرمان روائے مطلق یقین کرتا ہے' یہ فریق اپنے دعویٰ پر حسب ذیل دلیلیں پیش کرتا ہے۔

﴿ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴾ (بروج) "وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

﴿ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴾ (ال عمران: ۴) "اسی طرح خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

﴿ وَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴾ (ابراہیم: ۴) "اور خدا جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔"

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴾ (حج: ۲) "بے شک خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴾ (البقرۃ: ۳۳) "لیکن خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ﴾ (مائدہ: ۲) "بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔"

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴾ (حج: ۲) "بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

ان آیات کے علاوہ حسب ذیل آیت قرآن مجید میں کم وبیش تغیر کے ساتھ آٹھ مقامات پر مذکور ہے۔

﴿ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ...... "اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔"

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شے کی علت صرف خدا کی قدرت' مشیت وارادہ ہے اور اس لیے ہر قسم کے خرق عادت ممکن ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں فریق افراط وتفریط کے دو کناروں پر ہیں اور انہوں نے قرآن مجید کی تمام آیتوں پر غور وتدبر کی نظر نہیں ڈالی ہے۔ یہی سبب ہے کہ انہوں نے اشیاء کے خواص وطبائع اور عقلی مصالح وحکم کا انکار کیا ہے۔

قرآن مجید اسباب ومصالح کا قائل ہے:

حالانکہ ان آیات بالا کی بناء پر یہ دعویٰ کرنا کہ قرآن اسباب وعلل اور مصالح وحکم کا منکر ہے' کتاب الٰہی سے اپنی جہالت کا ثبوت پیش کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے صفات کمالیہ اور اس کے حکیم ہونے کی نفی کرنا ہے۔ قرآن مجید نے جابجا مخلوقات الٰہی میں تدبر اور تفکر کی دعوت دی ہے' اگر یہ صحیفہ قدرت اسباب ومصالح سے خالی ہوتا تو یہ دعوت بے سود تھی۔ قرآن ان عجائب قدرت کو آیات اللہ کے نام سے تعبیر کرتا ہے اور ان کے اسرار وحکم پر غور وفکر کرنے کا حکم دیتا ہے اور اسی دلیل سے وہ خدا کی قادر وحکیم ہستی کے وجود پر استدلال کرتا ہے۔ اگر یہ چیزیں اسباب ومصالح سے خالی ہوتیں تو ان میں غور وفکر کرنا بے کار ہوتا۔ قرآن نے آسمان وزمین' چاند' سورج' ہوا' بادل' پھول' پھل' جسم وجان' ان میں سے ہر شے کو اللہ کی وسیع قدرت اور دقیق مصلحت کا اعلان عام قرار دیا ہے اور انسان کو بار بار ادھر متوجہ کیا ہے۔

﴿ اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا

"آسمان اور زمین کے بنانے اور رات اور دن کے بدلنے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور جو اللہ کو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے یاد کرتے ہیں اور آسمان وزمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں (اور کہتے ہیں۔) اے

Marfat.com

خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً ﴾ (آل عمران:۲۰)

ہمارے پروردگار! تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا ہے۔"

خدا نے ان لوگوں کو جو اشیاء کی پیدائش کو خالی از مصلحت جانتے ہیں' زجر فرمایا ہے۔

﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثاً وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴾ (مومنون:۶)

"کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور تم ہمارے پاس نہیں لوٹائے جاؤ گے۔"

﴿ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴾ (دخان:۲)

"اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے۔ ان کو محض کھیل کے لیے نہیں بنایا۔"

﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِراً نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِباً وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ. (انعام:۱۲)

"اور اسی خدا نے آسمان سے پانی اتارا' پھر ہم نے اس سے ہر شے کی روئیدگی پیدا کی' پھر ہم نے اس سے ہری کھیتی نکالی اور اس سے تو برتو دانے پیدا کیے اور چھوہاروں کے درخت سے اس کے پھولوں سے لٹکے ہوئے خوشے اور انگور اور زیتون اور سیب کے باغ جن کے میوے ایک ہی قسم کے اور مختلف اقسام کے بھی پیدا کیے جب وہ پھیلتا ہے تو اس کے پھل اور اس کے پکنے کو دیکھو۔"

اگر ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ مصالح و احکام کے آثار پوشیدہ نہ رکھتا تو ان میں نظر و فکر کیوں دیتا۔ متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق الٰہی کے "منافع" کی خاص تصریح فرمائی ہے۔

﴿وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ وَ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً وَ يَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ وَلَوْشَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَ

"اور خدا نے جانوروں کو پیدا کیا ان کے اون میں خوش گوار گرمی اور بہت سے فائدے ہیں ان میں سے بعض جانور تمہاری خوراک ہیں اور تم کو ان سے رونق ہے جب شام کو ان کو پھیر لاتے ہو اور جب چراتے ہو وہ تمہارے مال و اسباب کو اس شہر تک اٹھا لے چلتے ہیں جہاں تم بغیر سخت تکلیف کے نہیں لے جا سکتے تھے بے شک تمہارا رب شفقت والا مہربان ہے اور گھوڑے خچر اور گدھے بنائے کہ تم ان پر سوار ہو اور رونق ہو اور وہ پیدا کرتا ہے۔ جو تم نہیں جانتے' خدا ہی پر ہے سیدھی راہ اور اس سے ہٹنے والے بھی' اسی نے آسمان سے تمہارے لیے پانی اتارا' کچھ اس میں سے پینے کے کام آتا ہے اور کچھ سے درخت اگتے ہیں جس میں تم اپنے جانور چراتے ہو' اس پانی سے خدا تمہارے لیے کھیتی اگاتا ہے اور زیتون' چھوہارے' انگور اور ہر قسم

Marfat.com

الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَی الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (نحل : ۲)

کے پھل پیدا کرتا ہے۔ اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانی ہے اور اسی خدا نے رات اور دن اور سورج اور چاند تمہارے کام میں لگائے اور تارے اس کے حکم سے کام میں لگے ہیں۔ اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور جو بکھیرا ہے تمہارے لیے زمین میں کئی رنگ کے غلے اور دانے' اس میں ان کے لیے جو سوچتے ہیں نشانی ہے اور وہی خدا ہے جس نے دریا کو کام میں لگایا ہے کہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے وہ (موتی اور مونگے) نکالو جس کو زینت کا سامان بنا کر پہنتے ہو اور تم دیکھو کہ کشتیاں اس دریا کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں اور اس واسطے کہ تلاش کرو اس کی روزی کو اور شاید احسان مانو۔''

غور کرو اگر ان چیزوں میں مصالح وحکم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہم انسانوں کو ان چیزوں کی پیدائش پر شکر کا حکم کیوں دیتا؟ بعض اشیاء کے مصالح اور اسباب کو خود قرآن مجید نے نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پہاڑوں کی مصلحت یہ ظاہر کی ہے۔

﴿وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ﴾ (نحل: ۲)

''اور اس نے زمین میں بڑے بڑے پہاڑوں کے گرد ڈال دیئے ہیں کہ زمین تم کو لے کر جھک نہ پڑے۔''

ستاروں کی پیدائش کی یہ غرض بتائی۔

﴿وَ بِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ﴾ (نحل: ۱۶)

''اور ستاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں۔''

رات کی پیدائش کی یہ مصلحت بتائی۔

﴿جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ﴾ (یونس: ۷)

''اور اسی نے رات بنائی کہ تم سکون حاصل کرو۔''

چاند کے گھٹنے بڑھنے کی غایت یہ ظاہر کی۔

(یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ (بقرہ: ۲۴)

''لوگ تجھ سے چاند کی نسبت دریافت کرتے ہیں کہہ دے کہ وہ لوگوں کے لیے وقت اور زمانہ کا معیار ہیں۔

سایہ' آفتاب' رات' دن' ہوا اور پانی کے مصالح یہ تعلیم کیے۔

﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلاً ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ

''کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے سایہ کو کس طرح پھیلا رکھا ہے اور اگر وہ چاہتا تو ایک ہی جگہ ٹھہرا رہتا' پھر سورج کو سایہ کا رہنما بنایا' پھر اس سایہ کو ہم اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیتے ہیں' اسی خدا نے رات کو تمہارا اوڑھنا اور نیند کو

Marfat.com

سُبَاتاً وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا وَهُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیَاحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا لِنُحْیِیَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَ نُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَاماً وَّ اَنَاسِیَّ کَثِیْراً﴾ (فرقان:۵)

آرام اور دن تمہارے جدوجہد کے لیے بنایا' اسی خدا نے اپنے ابر رحمت کے آگے آگے ہواؤں کو خوش خبری سنانے والا بنایا اور ہم نے آسمان سے ستھرا اور نکھرا پانی اتارا کہ اس سے مردہ زمین کو زندہ کردیں اور چوپایوں اور بہت سے انسانوں کو اس سے سیراب کریں۔

قرآن مجید نے اشیاء کے علل واسباب ہونے کا بھی صاف اقرار کیا ہے مثلاً جابجا بارش کو کھیتی اور پھل پھول کے پیدا ہونے کا سبب بتایا ہے۔

﴿وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقاً لَّکُمْ﴾ (بقرۃ:۳)

''اور آسمان سے پانی برسایا اور اس پانی سے تمہاری روزی کے لیے پھل نکالے۔''

تمام ذی روح چیزیں پانی سے زندہ ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ﴾ (نور:٦)

''اور خدا نے ہر چلنے والے کو پانی سے پیدا کیا۔

﴿وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ﴾ (انبیاء:۳)

''اور ہم نے ہر زندہ شے کو پانی سے بنایا۔''

ہر قسم کے نباتات پانی سے اگتے ہیں۔

﴿وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ کُلِّ شَیْءٍ﴾ (انعام:۱۲)

''اسی نے آسمان سے پانی برسایا' پھر ہم نے اس سے ہر چیز کی روئیدگی ظاہر کی۔''

بادصرصر اور آندھی ہلاکت اور بربادی کا ذریعہ ہے۔

﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحاً صَرْصَراً فِیْٓ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِیْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ﴾ (حم السجدہ:۲)

''ہم نے عاد کی قوم پر باد صرصر بھیجا منحوس دنوں میں تا کہ ہم ان کو رسوائی کا عذاب چکھائیں۔''

﴿رِیْحٌ فِیْهَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ تُدَمِّرُ کُلَّ شَیْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا﴾ (احقاف:۳)

''ایسی آندھی جس میں دردناک عذاب تھا جو خدا کے حکم سے ہر شے کو برباد کر دیتی ہے۔''

﴿اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ کَالرَّمِیْمِ﴾ (الذاریات:۲)

''یاد کرو جب ہم نے فائدہ نہ پہنچانے والی آندھی ان پر بھیجی جو جس شے پر گزرتی تھی ان کو بوسیدہ ہڈی کی طرح کر دیتی تھی۔''

آگ جلاتی ہے۔

﴿تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ﴾ (مومنین)

''آگ ان کے چہروں کو جھلسا دیتی ہے۔''

آگ لکڑی سے پیدا ہوتی ہے۔

﴿اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا﴾ (یٰسٓ:۵)

''جس نے ہرے درختوں سے آگ کو پیدا کیا۔''

Marfat.com

قرآن مجید اشیاء کے طبعی خواص کا بھی منکر نہیں، شراب میں خواص ہیں۔

﴿ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ﴾ (بقرہ: ۲۷) ”کہہ دے کہ شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے اور ان میں لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے فائدہ سے زیادہ ہے۔“

اون میں گرمی کی خاصیت ہے۔

﴿ فِیْهَا دِفْءٌ ﴾ (نحل) ”جانوروں کے اون میں خوش گوار گرمی ہے۔“

پانی میں پیاس بجھانے اور درخت اگانے کی خاصیت ہے۔

﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ ﴾ (نحل: ۲) ”وہی خدا آسمان سے پانی برساتا ہے، اس سے پینا ہے اور اس سے درخت ہیں۔“

شہد میں صحت بخشنے اور بیماری دور کرنے کی خاصیت ہے۔

﴿ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ﴾ (نحل: ۸) ”شہد کی مکھیوں کے پیٹ میں سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے کئی رنگ ہوتے ہیں ان میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔“

لیکن علّت حقیقی قدرت و مشیت ہے

غرض ان آیات کریمہ سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ کہ قرآن مجید اسباب و علل مصالح و حکم اور طبائع و خواص کے وجود کو تسلیم کرتا ہے اور اس جماعت کا ساتھ نہیں دیتا جو ان چیزوں کا انکار کرتی ہے اور یہ جانتی ہے کو ان چیزوں کے تسلیم کرنے سے قدرت و مشیت الٰہی کے عقیدہ کا ابطال لازم آتا ہے، حالانکہ یہ تو اس وقت لازم آتا ہے جب ان اسباب و علل، مصالح و حکم اور طبائع و خواص کو خدا سے مستقل اور مستغنی تسلیم کیا جائے اور قرآن اس کی تعلیم نہیں دیتا، قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ اشیاء اسباب و علل سے پیدا ہوتی ہیں اور ان میں طبائع و خواص ہیں، لیکن یہ اسباب و علل اور طبائع و خواص خود خلّاق عالم کے پیدا کردہ اور مقرر کردہ ہیں اور وہ ان ہی پر عموماً کاربند ہوتا ہے۔ لیکن وہ اس درجہ ان کا مجبور اور پابند نہیں کہ وہ ان میں تغیر نہ کر سکتا ہو اور کبھی اپنے خاص حکم و ارادہ سے بھی وہ ان کو شکست نہ کر سکتا ہو کیونکہ اس عقیدہ سے کفر پرورش پاتا ہے اور خدا کی قدرت اور عظمت میں فرق آ جاتا ہے، اسی لیے ہر موقع پر قرآن مجید نے اپنی تعلیم میں اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے کہ اسباب و علل کے ساتھ ساتھ خدا کی مشیت و ارادہ کو پیش نظر رکھتا ہے تاکہ انسانوں میں خدا کی معذوری، مجبوری اور عدم قدرت کا تصور نہ پیدا ہو اور نہ اس کی مشیت و ارادہ پر خود اس کی مشیت و ارادہ کے سوا خارجی پابندیاں عائد ہوں۔ چنانچہ وہ تمام آیتیں جو اللہ تعالیٰ کے مشیت و ارادہ کے متعلق اوپر دوسرے فریق کی طرف سے پیش کی گئی ہیں وہ اسی موقع کی ہیں اور جن سے یہی تعلیم مقصود ہے۔

ہم نے اوپر اسباب و علل اور طبائع و خواص کے ثبوت میں جس قدر آیتیں لکھی ہیں، غور کرو ان سب میں فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف کی ہے، جس کا یہ مطلب ہے کہ ان مسببات کے اسباب و علل اور اشیاء کے طبائع و خواص خود اس نے اپنی مشیت و ارادہ اور اپنے حکم و امر سے بنائے ہیں اور ہر جگہ اس کی توضیح کر دی ہے تاکہ ظاہر میں

Marfat.com

انسان ان ظاہری علل و اسباب اور طبائع و خواص کو دیکھ کر اشیاء کی علت حقیقی کا انکار کر کے بتلائے الحاد یا اسباب و خواص کو مستقلاً شریک تاثیر مان کر گرفتار شرک نہ ہو جائے۔ یہ انبیاء کی تعلیم کا خاص طریقہ ہے اور قرآن نے اس نکتہ کو کہیں فراموش نہیں کیا ہے۔ یہاں تک کہ انبیائے کرام اور بزرگان خاص کو بھی عادت جاریہ اور ظاہری علل و اسباب کے خلاف باور کرنے میں جب استعجاب اور استبعاد ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو متنبہ کیا ہے اور ان کے اس استعجاب اور استبعاد کو اپنی قدرت اور مشیت کو یاد دلا کر رفع کیا ہے' حضرت سارہؓ کو پیرانہ سالی میں جب حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی بشارت دی گئی تو توراۃ اور قرآن دونوں میں ہے کہ ان کو اس پر سخت تعجب ہوا انہوں نے کہا۔

﴿ یَا وَیْلَتٰی ءَ اَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّ ھٰذَا بَعْلِیْ شَیْخاً اِنَّ ھٰذَا لَشَیْ ءٌ عَجِیْبٌ﴾ (ہود:۷)

''اے خرابی! کیا میں جنوں گی اور میں بڑھیا ہوں اور میرا یہ خاوند بوڑھا ہے' یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے۔''

فرشتوں نے جواب میں کہا۔

﴿ اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ﴾ (ہود:۷)

(''اے سارہ) کیا تم خدا کے کام سے تعجب کرتی ہو۔''

اس قدر تنبیہ ان کے ایمان کے لیے کافی تھی۔

حضرت زکریاؑ بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی بیوی بانجھ تھیں۔ حضرت زکریاؑ کو اپنی اور اپنی بیوی کی حالت کا قطعی علم تھا لیکن وہ اپنی اور اپنی بیوی کی ظاہری عدم استعداد اور اسباب و علل کے نہ موجود ہونے کی صورت میں بھی خدا کی قدرت اور مشیت کے مؤثر حقیقی ہونے پر یقین کامل رکھتے تھے' چنانچہ اسی حالت میں انہوں نے ایک وارث کی دعا مانگی' مگر جب ان کو اجابت دعا کی بشارت دی گئی تو تقاضائے بشریت سے کہ انسان ظاہری اسباب و علل کے دیکھنے کا عادی ہے اس کمال ایمان کے باوجود ان کو یہ واقعہ مستبعد معلوم ہوا اور انہوں نے عرض کی۔

﴿رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِراً وَّقَد بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا﴾ (مریم:۱)

''اے میرے رب! کہاں سے میرے لڑکا ہوگا میری بیوی بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو گیا ہوں یہاں تک کہ بڑھاپے سے اکڑ گیا ہوں۔''

خدا نے اس کے جواب میں صرف اسی قدر فرمایا۔

﴿ قَالَ کَذٰلِکَ قَالَ رَبُّکَ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ وَ قَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا﴾ (مریم: ۱)

''کہا یوں ہی ہے تیرے رب نے کہا یہ مجھ پر آسان ہے (زکریا! تجھ کو یاد نہیں) کہ میں نے تجھ کو پیدا کیا اور تو کچھ نہ تھا۔''

حضرت مریمؑ کو جب حضرت عیسیٰؑ کی خوش خبری دی گئی تو انہوں نے بھی ظاہری علل و اسباب کے خلاف ہونے پر حیرت ظاہر کی۔

﴿ قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا﴾ (مریم:۳)

''مریم نے کہا' میرے لڑکا کہاں سے ہوگا' مجھ کو کسی آدمی نے چھوا بھی نہیں اور نہ میں کبھی بدکار تھی۔''

فرشتہ نے جواب میں کہا۔

Marfat.com

﴿قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَ لِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا﴾ (مریم:۲)

''بولا یوں ہی ہے تیرے رب نے کہا وہ مجھ پر آسان ہے اور ہم اس کو لوگوں کے لیے نشانی بنانا چاہتے ہیں اور اپنی طرف سے رحمت۔''

قرآن میں سنت اللہ کا مفہوم

وہ فریق جو خرق عادت اور خلاف اسباب وعلل کے محال ہونے پر قرآن مجید کی ان آیتوں سے استدلال کرتا ہے جن میں سنت الٰہی کے عدم تبدیل کا ذکر ہے' درحقیقت دانستہ یا نادانستہ مفہوم قرآن کی تحریف کا مجرم ہے۔ قرآن مجید میں ''سنت الٰہی'' کا ایک خاص مفہوم ہے اور اسی اصطلاح خاص میں یہ لفظ کئی جگہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے' خیر وشر' حق و باطل' نور وظلمت اور ظلم وانصاف جب باہم ٹکراتے ہیں تو بالآخر اللہ تعالیٰ خیر کو شر پر' حق کو باطل پر نور کو ظلمت پر اور انصاف کو ظلم پر فتح اور کامیابی عطا کرتا ہے' گنہگار اور مجرم قومیں جب حق کی دعوت قبول نہیں کرتیں اور پند و موعظت ان کے لیے مؤثر نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان قوموں پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے اور وہ بالآخر بجلی کی کڑک' آسمان کی گرج' زلزلہ کی تھرتھراہٹ' آندھی کی گڑگڑاہٹ' دریا کے طوفان' پہاڑ کی آتش فشانی یا دشمن کی تلوار سے ہلاک و برباد ہو جاتی ہیں' یہ سنت الٰہی ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی اور اس میں کبھی کوئی فرق پیدا نہ ہوگا' قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے اسی مفہوم میں آیا ہے۔ چنانچہ وہ تمام آیتیں ذیل میں لکھ دی جاتی ہیں تاکہ ناظرین کو شک وشبہ نہ رہے۔ قریش داعی حق کو شہر مکہ سے نکالنے کی تیاری کرتے ہیں اور اس دعوت کو قبول کرنے سے علانیہ انکار کر دیتے ہیں تو خدا فرماتا ہے۔

﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَ اِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل:۸)

''اور وہ (کفار قریش) تو تجھ کو اس شہر سے لگے تھے گھبرانے تاکہ وہ تجھ کو یہاں سے نکال دیں لیکن اگر ایسا ہو تو وہ تیرے بعد کم ٹھہریں گے' یہ دستور پڑا ہوا ہے ان رسولوں کا جن کو ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا اور تو اللہ کے دستور کو ٹلتے نہ پائے گا۔''

مدینہ کے منافقین اپنی شرارت سے باز نہیں آتے۔ خدا فرماتا ہے۔

﴿اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ (احزاب:۸)

''وہ جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے' دستور پڑا ہوا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو پہلے ہو چکے اور تو اللہ کے دستور کو بدلتے نہ پائے گا۔''

اس مفہوم کو واضح کرنے کے لیے سورۃ فاطر کی حسب ذیل آیت سے بڑھ کر اور کون سی آیت ہو سکتی ہے۔

﴿وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّةَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا

''اور بدی کا داؤ پیچ خود داؤ پیچ کرنے والوں کو الٹ جاتا ہے تو کیا اب یہ کافر پہلی قوموں کے دستور ہی کی راہ دیکھتے ہیں تو تم اللہ کے دستور کو ہرگز نہ بدلتے پاؤ گے اور نہ کبھی

Marfat.com

﴿اَوَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ﴾ (فاطر:۵)

اللہ کے دستور کو ٹلتے پاؤ گے' کیا وہ زمین میں پھرے نہیں ہیں کہ دیکھتے کہ اس سے پہلی قوموں کا کیا انجام ہوا۔"

حدیبیہ کے موقع پر کفار قریش کو تنبیہ اور مسلمانوں کو تسکین دی جاتی ہے۔

﴿وَلَوۡ قٰتَلَکُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوَلَّوُا الۡاَدۡبَارَ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا﴾ (فتح:۳)

"اور اگر یہ کافر تم سے لڑتے تو پیٹھ پھیر دیتے پھر وہ کوئی حامی نہ پاتے اور نہ مددگار' اللہ کا دستور یہ پہلے سے چلا آتا ہے اور تم اللہ کے دستور کو بدلتے نہ پاؤ گے۔"

اب ان آیتوں کے پڑھ لینے کے بعد بھی سنۃ اللہ کے مفہوم کے سمجھنے میں کس کو غلطی ہو سکتی ہے۔

قرآن میں فطرۃ اللہ کا مفہوم:

قرآن مجید کی ایک اور آیت ہے جس کو یہ فریق اپنے ثبوت میں پیش کرتا رہتا ہے۔

﴿فِطۡرَتَ اللّٰہِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡھَا لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰہِ﴾ (روم:۴)

"خدا کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو بنایا' خدا کے بنائے میں بدلنا نہیں۔"

اس موقع پر اس آیت کو پیش کرنا قرآن مجید کی معنوی تحریف ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں فطرۃ اللہ سے مقصود توحید ہے جس کو وہ دین فطری سے تعبیر کرتا ہے' چنانچہ اوپر کی پوری آیت اگر پیش نظر ہو تو یہ مفہوم خود بخود آئینہ ہو جاتا ہے' خدا فرماتا ہے۔

﴿فَاَقِمۡ وَجۡھَکَ لِلدِّیۡنِ حَنِیۡفًا فِطۡرَتَ اللّٰہِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡھَا لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴾ (روم:۴)

"سو باطل سے ہٹ کر اپنے آپ کو دین پر سیدھا قائم رکھو' یہی اللہ کی فطرت خاص پر اس نے لوگوں کو بنایا ہے' خدا کے بنائے میں بدلنا نہیں' یہی سیدھا دین ہے' لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔"

قرآن مجید کی اس اصطلاح کی تفسیر ایک صحیح حدیث سے پوری ہو جاتی ہے' حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

((ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ کما تنتج البھیمۃ جمعاء ھل تحسون فیھا من جدعاء ثم یقول فطرۃ اللہ التی فطر الناس. الخ))
(بخاری تفسیر سورہ روم ص۷۰۴: ج۲)

"کوئی بچہ ایسا نہیں ہے جو فطرت پر پیدا نہیں ہوتا' لیکن ماں باپ اس کو یہودی' نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں' جس طرح ہر جانور صحیح و سالم بچہ پیدا کرتا ہے کیا تم نے دیکھا کہ کوئی کان کٹا بچہ بھی وہ جنتا ہے اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی۔ "خدا کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔۔۔۔۔" آخر آیت تک۔"

Marfat.com

معجزہ کا سبب صرف ارادہ الٰہی ہے:

الغرض اس تمام تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید نہ تو اسباب عادیہ کا منکر ہے اور نہ عالم کے نظام کار کو علل و مصالح سے خالی تسلیم کرتا ہے لیکن وہ ان تمام اسباب وعلل سے مافوق ایک اور قادر اور ذی ارادہ ہستی کو فرمان روائے کل یقین کرتا ہے جس کی مشیت اور ارادہ کی قوت سے کائنات کی یہ مشین چل رہی ہے' معجزہ کا سبب اور علت براہ راست اس کی مشیت اور ارادہ ہے' کبھی یہ مشیت اور ارادہ عادات جاریہ اور ظاہری علل واسباب کے پردے میں ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً قوم نوحؑ کے لیے طوفان آنا' قوم ہود کے لیے کوہ آتش فشاں کا پھوٹنا یا زلزلہ آنا' حضرت ایوبؑ کا چشمہ کے پانی سے صحیح وتندرست ہو جانا۔ قوم صالحؑ کے لیے آندھی آنا' مکہ میں قحط عظیم کا رونما ہونا۔ غزوہ خندق میں آندھی چلنا۔ یہ تمام نشانیاں ظاہری اسباب اور عادات جاریہ کے خلاف نہیں لیکن ان اسباب کے ظاہر ہونے کا سبب جس میں حق کی فتح اور باطل کی شکست نیکوکاروں کی نجات اور گناہگاروں کی ہلاکت ہوئی' محض بخت واتفاق نہیں بلکہ ارادہ ومشیت الٰہی نے خاص ان قوموں کے لیے بطور نشانی کے ان کو پیدا کیا اور کبھی یہ مشیت الٰہی عادت جاریہ اور اسباب ظاہری کا نقاب اوڑھ کر نہیں' بلکہ بے پردہ نشان بن کر سامنے آتی ہے۔ مثلاً عصاء کا سانپ بن جانا انگلیوں سے چشمہ کا جاری ہونا' مردہ کا جی اٹھنا' چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا پتھر سے چشمہ ابلنا' درختوں کا اپنی جگہ سے حرکت کرنا' بے جان چیزوں میں آواز پیدا ہونا کہ ان چیزوں کی تشریح موجودہ علم اسباب وعلل کی بنا پر نہیں کی جا سکتی اور نہ ان کو عادات جاریہ کے مطابق کہا جا سکتا ہے' اس لیے نیکی کی علت خدا کی مشیت وارادہ کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی' اسی لیے انبیاء نے یہ تصریح کی ہے کہ جو کچھ ان سے ظاہر ہوتا ہے وہ صرف خدا کی قدرت مشیت اور اذن سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ ظاہری علل واسباب کے مطابق ہوں تو وہ پیغمبر اور خدا کے باہمی ربط وعلاقہ کی دلیل کیوں کر بن سکتے ہیں' کفار ان کو دیکھ کر فوراً کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو فلاں سبب سے ہوا ہے اس لیے خدائی نشانی ہونے کا ثبوت کیونکر بہم پہنچ سکتا ہے۔؟

معجزہ کی باعتبار خرق عادت کے چار قسمیں:

اس بناء پر یہ ضروری ہے کہ معجزات اور نشانیاں کسی نہ کسی حیثیت سے خارق عادت ہوں چنانچہ:۔

(۱) کبھی نفس واقعہ خارق عادت ہوتا ہے' مثلاً عصا کا سانپ بن جانا' چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا' انگلیوں سے چشمہ کا ابلنا' مردہ کا زندہ کرنا وغیرہ۔

(۲) کبھی یہ ہوتا ہے کہ نفس واقعہ خلاف عادت نہیں ہوتا' مگر اس کا اس وقت پر رونما ہونا خرق عادت بن جاتا ہے مثلاً طوفان آنا' آندھی آنا' زلزلہ آنا' کفار کا باوجود کثرت تعداد کے بے یارو مددگار اہل حق سے خوف کھانا وغیرہ' تمام تائیدات الٰہی اسی قسم میں داخل ہیں۔

(۳) ایک صورت یہ ہے کہ نفس واقعہ اور اس کے ظہور کا وقت خاص تو عادات جاریہ کے خلاف نہیں ہوتا۔ مگر اس کا طریقہ ظہور خلاف عادت ہوتا ہے۔ مثلاً انبیاء کی دعاؤں سے پانی کا برسنا' بیمار کا اچھا ہونا' آفتوں کا

Marfat.com

ٹل جانا کہ نہ تو پانی کا برسنا یا بیمار کا اچھا ہو جانا یا کسی آئی ہوئی آفت کا ٹل جانا' خلاف عادت ہے اور نہ اس کے ظہور کا کوئی خاص وقت ہے' لیکن جس طریقہ سے اور جن اسباب وعلل سے یہ معجزات ظاہر ہوئے وہ خارق عادت ہیں' استجابت دعا اسی قسم میں داخل ہے۔

(۴) کبھی نہ تو واقعہ خارق عادت ہوتا ہے اور نہ اس کا طریقہ ظہور خارق عادت ہوتا ہے' بلکہ اس کا قبل از وقت علم خارق عادت ہوتا ہے۔ مثلاً انبیاءؑ کی پیشین گوئیاں' ایک دفعہ زور سے آندھی چلی' آنحضرتؐ مدینہ سے باہر تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ آندھی ایک منافق کی موت کے لیے چلی ہے' چنانچہ جب لوگ مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ مدینہ میں ایک منافق اس آندھی سے مر گیا۔ اس معجزہ میں نہ تو آندھی کا چلنا خارق عادت ہے۔ نہ آدمی کا آندھی کے صدمہ سے مر جانا خلاف اسباب ہے بلکہ واقعہ کا قبل از وقت علم خرق عادت ہے۔

اہل ایمان پر اثر کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں:

انبیاءؑ کی زندگی علم وعمل دونوں کا مجموعہ ہوتی ہے اور ان کے تمام ارشادات وتعلیمات سے صرف ان ہی دونوں کی ترقی اور تکمیل مقصود ہوتی ہے اس لحاظ سے انبیاء کے بعض معجزات کا اثر صرف علم ویقین پر پڑتا ہے۔ ان سے کوئی عملی نتیجہ مترتب نہیں ہوتا' ہاتھ کا چمک اٹھنا' عصا کا سانپ بن جانا' چاند کا شق ہو جانا' اگرچہ نہایت عظیم الشان معجزے ہیں لیکن اس کا نتیجہ صرف اس قدر ہے کہ ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے نے انکار کیا' لیکن انبیاءؑ کے بہت سے معجزے ایسے ہوتے ہیں جن سے نہایت عظیم الشان عملی نتائج ظاہر ہوتے ہیں' مثلاً عصا کے سانپ بن جانے سے بنو اسرائیل کو کوئی عملی فائدہ نہ پہنچ سکا' لیکن اس کے ذریعہ سے پانی کا جو چشمہ ابلا وہ ان کے لیے حیات بخش ثابت ہوا' پہلی قسم کے معجزات کو قرآن میں حجت' برہان اور سلطان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ ان سے علم ویقین کو ترقی ہوتی ہے اور دوسری قسم کے معجزات کو اس نے تائید اور نصرت الٰہی کہا ہے' پہلی قسم کے معجزات طلب اور سوال کے محتاج ہوتے ہیں لیکن تائید اور نصرت الٰہی اس کی پابند نہیں ہوتی۔

آغاز نبوت میں چونکہ انبیاءؑ صرف عقائد کی تعلیم دیتے ہیں اور کفار کی طرف سے ان ہی عقائد کا انکار کیا جاتا ہے اور ان ہی کے اثبات پر دلیل طلب کی جاتی ہے اس لیے اول اول انبیاء سے اسی قسم کے معجزات کا ظہور ہوتا ہے جن کا اثر صرف علم ویقین پر پڑ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اسی قسم کے دو معجزے دے کر فرعون کے پاس بھیجا اور اسی بناء پر آنحضرت ﷺ نے کفار قریش کو معجزہ شق القمر دکھایا لیکن اس کے بعد انبیاء کی تعلیم وہدایت سے مومنین مخلصین کا ایک گروہ پیدا ہو جاتا ہے جو عموماً مفلوک الحال' خانہ بدوش' بے سروسامان اور بے یار ومددگار ہوتا ہے' یہ گروہ اگرچہ صفائے باطن' خلوص نیت اور شدت ایمان کی بنا پر کسی معجزہ کا خواستگار نہیں ہوتا' تاہم تائید الٰہی خود اس کی طلب گار ہوتی ہے اور ہر موقع پر اس کی حفاظت وحمایت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تائیدات الٰہیہ کا ظہور اکثر بغیر طلب وسوال کے ہوتا ہے' مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ سے کسی معجزہ کا سوال نہیں کیا' لیکن آپؐ سے اکثر معجزات کا ظہور ان ہی کے درمیان ہوا' بالخصوص غزوات میں اکثر تائید الٰہی نے مسلمانوں کی مدد کی ہے' غزوۂ بدر وحنین میں

Marfat.com

فرشتوں کا آسمان سے نازل ہونا' تھوڑے سے زادراہ کا تمام فوج کے لیے کافی ہونا' آپؐ کی انگلیوں سے پانی کا نکلنا' یہ اور اس قسم کے بہت سے معجزات غزوات ہی کے زمانہ میں آپؐ سے ظہور پذیر ہوئے اور ان سے تمام مسلمانوں نے ایسی حالت میں فائدہ اٹھایا جب کہ تمام دنیوی اسباب و وسائل منقطع ہو چکے تھے۔

اسی کا نام قرآن مجید کی زبان میں نصر (مدد) اور تائید ہے اور یہ ہر نبی کو آخر وقت میں عطا کی جاتی ہے اور عین اس وقت جب بظاہر اسباب مایوسیوں کے تمام مناظر پیش ہوتے ہیں اور اس تائید حق کا بظاہر کوئی سامان نظر نہیں آتا' دفعتاً نصرت الٰہی توقع کے خلاف گردوپیش کے واقعات کے خلاف بجلی کی طرح ناامیدیوں کے بادل سے چمک اٹھتی ہے۔

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ (بقرہ: ۲۶)

''کیا تم کو خیال ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر وہ حالت گزری نہیں جو تم سے پہلوں پر گزری' ان پر مصیبت اور تکلیف آئی اور اس قدر جھڑ جھڑائے گئے کہ پیغمبر اور اس کے ساتھ مسلمان (گھبرا کر) کہہ اٹھے کہ خدا کی نصرت کہاں ہے؟ ہاں خدا کی نصرت نزدیک ہے۔''

﴿حَتّٰى اِذَا اسْتَايْئَسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّىَ مَنْ نَّشَآءُ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ (یوسف: ۱۲)

''یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے نصرت کا وعدہ پورا نہیں کیا گیا کہ ہماری نصرت آ گئی' پھر ہم نے جن کو چاہا وہ بچا دیئے گئے اور پھیری نہیں جاتی ہماری آفت گناہگار قوم سے۔''

خدا کا یہ قطعی وعدہ ہے کہ وہ حق پرستوں کو ہمیشہ آخر کار نصرت عطا کرے گا۔

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (روم) ''اور ایمان والوں کی مدد ہم پر فرض ہے۔''

یہ نصرت مسلمانوں کو ہر قدم پر تسلی کا پیغام سناتی ہے' بدر ہو کہ احد' خندق ہو کہ حنین ہر جگہ وہی ان کی دستگیر تھی۔

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ﴾ (توبہ: ۴) ''خدا نے بہت سے موقعوں پر تمہاری نصرت کی۔''

لیکن سب سے بڑی نصرت بدر کی تھی' جب تین سو بے برگ و ساز نہتوں نے قریش کی ایک ہزار مسلح فوج کو کامل شکست دے دی۔

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾ (آل عمران: ۱۳) ''اور خدا نے یقیناً بدر میں تمہاری مدد کی جب تمہارے پاس کوئی قوت نہ تھی۔''

لیکن عام معجزات اور نصرت الٰہی میں یہ فرق ہے کہ جو معجزات بطور حجت اور برہان کے پیش کیے جاتے ہیں وہ صرف انبیاء کی روحانی طاقت کا فیض ہوتے ہیں' یعنی ان کا یہ فیض سبب ہوتا ہے ارادہ الٰہی کے ظہور کا' لیکن نصرت الٰہی میں پیغمبر کی روحانی طاقت کے ساتھ مومنین کے کمال ایمان' شدت یقین' تزکیہ نفس اور استعداد قلب کی شرکت بھی

Marfat.com

ضروری ہوتی ہے چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُمت نے جب سخت فاقہ کی حالت میں نزول مائدہ (خوانِ آسمانی) کی درخواست کی تو انہوں نے ان کو تقویٰ اختیار کرنے کی تعلیم دی۔

﴿اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (مائدہ:۱۵)

''یاد کرو جب حواریوں نے کہا۔ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا آپ کا پروردگار ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار سکتا ہے عیسیٰ نے کہا' خدا سے تقویٰ کرو' اگر تم کو یقین ہے۔''

میدانِ جنگ میں آنحضرت ﷺ صحابہؓ کو نزول ملائکہ کی بشارت سناتے ہیں تو ساتھ ساتھ صبر اور تقویٰ کی بھی تعلیم دیتے ہیں۔

﴿اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ﴾ (ال عمران:۱۳)

''یاد کر اے پیغمبر! جب تو مسلمانوں سے کہہ رہا تھا کہ کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے اتار کر تم کو مدد دے (خدا کہتا ہے) ہاں اگر تم مستقل رہو اور تقویٰ کرو اور وہ فوراً آجائیں تو خدا پانچ ہزار سوار فرشتوں کے ذریعہ سے تمہاری مدد کرے گا۔''

یہی وہ معجزات تھے جن کی نسبت صحابہ کرامؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم ان کو برکت سمجھا کرتے تھے۔

کُفار کے لیے نتائج کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں:

جس طرح مومنین پر اثر کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں ہیں' اسی طرح کفار پر نتائج کی حیثیت سے بھی ان کی دو قسمیں ہیں۔ آیت ہدایت اور آیت ہلاک' انبیاء کفار کو پہلے ہدایت کی نشانیاں دکھاتے ہیں اور ان کو حق کی دعوت دیتے ہیں۔ کفار کی کثیر تعداد میں جس قدر صالح اجزا ہوتے ہیں' وہ اس دعوت کو قبول کرتے جاتے ہیں یہاں تک کہ بالآخر وہ وقت آتا ہے جب مادۂ فاسد کے سوا کفار کی جماعت میں کوئی صلاحیت پذیر عنصر باقی نہیں رہ جاتا تو اس وقت آیت ہلاک' آسمان کی بجلی' فضا کی آندھی' زمین کا سیلاب' لوہے کی تلوار بن کر رونما ہوتی ہے اور سطح خالی کو ان کے وجود کی نجاست سے پاک کر دیتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو متعدد معجزے عنایت ہوئے تھے' مگر وہ اس لیے تھے کہ ان کو دکھا کر فرعون کو حق کی طرف دعوت دی جائے' جب ایک مدت کے بعد اہل مصر میں سے جس قدر لوگ ایمان لا سکتے تھے لے آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شق بحر کی آیت ہلاک عنایت ہوئی اور رود احمر کی لہریں فرعون کو اس کے سارے ساز و سامان اور امرائے دربار کے ساتھ ہمیشہ کے لیے نگل گئیں۔ حضرت نوحؑ کو آیت طوفان' حضرت صالحؑ کو آیت ناقہ' حضرت لوطؑ کو بربادی سدوم کی نشانی' حضرت شعیبؑ کو آیت صاعقہ بحر' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آیت رفع اور آنحضرت ﷺ کو معجزۂ بطشۃ الکبریٰ (بدر) جو دیا گیا تھا وہ اسی دوسری قسم میں داخل تھا' ان میں سے ہر معجزہ اور نشانی کے طور کے بعد یا خود اسی معجزہ اور نشانی کے ذریعہ سے معاندین کی ہلاکت استیصال اور بربادی ہوئی اور اسی کو قرآن مجید نے سنۃ

Marfat.com

اللہ (خدا کا دستور) اور سنۃ الاولین (پہلوں کا دستور) کہا ہے کہ ہر پیغمبر کی قوم میں یہ اسی طرح ہوتا چلا آیا ہے۔

﴿ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ (فاطر:۵)

''اور بدی کا داؤ پیچ کرنے والوں پر الٹ جاتا ہے تو کیا اب یہ کافر اگلی قوموں کے دستور ہی کی راہ دیکھتے ہیں۔''

﴿ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ﴾ (احزاب:۸)

''یہ جہاں پائے گئے اور پکڑے گئے اور مارے گئے یہ اللہ کا دستور پڑا ہوا ہے اگلی قوموں میں۔''

اس معجزۂ عذاب کے ظاہر ہونے میں عموماً ایک وقت معین تک تاخیر کی جاتی ہے جس کے اسباب حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہ معجزۂ عذاب اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتا جب تک آیات ہدایت سے قوم کے تمام صالح اجزاء اس کے فاسد عنصر سے الگ نہیں ہو جاتے اور مومنین اور کافرین ایک دوسرے سے پھٹ کر جدا نہیں ہو جاتے اور رسول کو بقیہ عناصر کے ایمان سے قطعی مایوسی نہیں ہو جاتی۔ حضرت نوحؑ نے ایک طویل زمانہ تک اپنی قوم کو دعوت دی اور اس کے بعد ناامید ہو کر انہوں نے آخری معجزہ کی دعا مانگی۔

﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ (نوح : ۲)

''اے میرے پروردگار! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ اگر تو ان کو چھوڑے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور وہ نہ جنیں گے لیکن فاجر اور کافر کو۔''

اس کے بعد طوفان آیا اور قوم نوحؑ کو بہا لے گیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون سے پوری مایوسی ہوگئی تو انہوں نے دعا کی۔

﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ (یونس:۹)

''اے ہمارے رب! تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں شان و شوکت اور دولت عطا کی ہے اے ہمارے رب! (وہ اس سے یہ کام لیتے ہیں کہ وہ) لوگوں کو تیرے راستہ سے گمراہ کرتے ہیں خداوندا ان کی دولت کو سمیٹ دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے جب تک وہ تیرے دردناک عذاب کا مزہ نہ دیکھیں گے ایمان نہ لائیں گے۔''

اس موقع پر اسی قسم کی دعائیں دیگر انبیاء نے بھی کی ہیں۔

(۲) اس منزل پر پہنچ کر پیغمبر کو اپنے مومنین کی جماعت کو ساتھ لے کر ہجرت کا حکم ہوتا ہے' حضرت نوحؑ کو مع رفقاء کے کشتی پر چڑھا کر کفار سے الگ کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نمرود کے ملک سے اپنی ہجرت کا اعلان کرتے ہیں اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ (عنکبوت) (میں خدا کی طرف ہجرت کرتا ہوں) حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل جاتے ہیں' حضرت لوط' حضرت ہود' حضرت شعیب' حضرت صالحؑ سب نے اپنی اپنی جماعتوں کو

Marfat.com

لے کر اپنی نافرمان قوموں سے علیحدگی اختیار کی اور جب تک یہ ہجرت نہیں ہو لیتی اور مومن و کافر الگ نہیں ہو جاتے' معجزۂ عذاب نہیں بھیجا جاتا۔ حضرت نوحؑ جب تک کشتی پر سوار ہو کر علیحدہ نہ ہو لیے طوفان نہ آیا۔ حضرت ابراہیمؑ جب تک کلدانیوں کے ملک (عراق) سے نکل کر شام اور مصر نہ چلے گئے ان پر عذاب نہ آیا' اسی طرح حضرت لوطؑ حضرت ہودؑ حضرت صالح اور حضرت شعیب اپنی اپنی جماعتوں کو لے کر جب تک الگ نہ ہو گئے' ہلاکت کا عذاب نہیں آیا اور جب انہوں نے ہجرت کر لی تو یہ معجزۂ عذاب مختلف صورتوں میں ان قوموں پر نازل ہوا اور مومنین کو نجات اور کافروں کو ہلاکت نصیب ہوئی۔

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں ان واقعات کو بکثرت بیان کیا گیا ہے اور نیز اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا وہ دستور اور قانون فرمایا ہے جس میں تغیر اور تبدل ناممکن ہے' جیسا کہ اس سے پہلے قرآن مجید میں سنۃ اللہ کے مفہوم کے ضمن میں آیات قرآنی کے حوالہ سے اس کی پوری تفصیل گزر چکی ہے' سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ اس اصول کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

﴿فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (یونس:۱۰)

''کیا یہ کافر گزشتہ قوموں کی طرح واقعہ ہلاکت کا انتظار کرتے ہیں۔ کہہ دے کہ انتظار کرو' میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں اور ایسے ہی ایمان لانے والوں کو ہم پر فرض ہے' ہم نجات دیں گے ایمان والوں کو۔''

آنحضرت ﷺ اور معجزۂ ہدایت:

ہدایت کی غرض سے آنحضرت ﷺ سے جو معجزات اور نشانیاں صادر ہوتی رہتی تھیں' ان کا بڑا حصہ غیر معمولی قوت تاثیر استجابت دعا اور تائید و نصرت اور پیشین گوئی کا تھا' اسی غیر معمولی قوت تاثیر کا نتیجہ تھا کہ قریش لوگوں کو آپؐ کے پاس جانے سے روکتے تھے' سیرت کی کتابوں میں اس قسم کے متعدد واقعات مذکور ہیں۔ قرآن مجید کی یہ آیت کفار کے اس باطنی اعتراف کا آئینہ ہے۔

﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ (حم السجدہ)

''اس قرآن کو نہ سنو' اور اس میں شور و غل کرو شاید تم غالب آؤ۔''

قرآن کے اثر کا ان پر یہ رعب چھایا ہوا تھا کہ وہ لوگوں کو اس سے باز رکھنے کی اس کے سوا کوئی تدبیر نہ دیکھتے تھے کہ وہ شور و غل اور ہنگامہ کر کے لوگوں کو سننے نہ دیں' آنحضرت ﷺ کی استجابت دعا کا بھی کفار کو بدرجہ اتم یقین تھا۔ ایک دفعہ صحن حرم میں جب ابوجہل وغیرہ رؤسائے قریش آنحضرت ﷺ کی نماز میں خلل انداز ہوئے اور آپؐ نے ان پر بددعا کی تو بخاری و مسلم میں یہ تصریح ہے کہ وہ اس کو سن کر کانپ اٹھے۔ (۱) ایک دفعہ جب مکہ میں قحط عظیم پڑا تو ابوسفیان نے آپؐ کے پاس آ کر کہا کہ ''محمد تمہاری قوم ہلاک ہو گئی' خدا سے دعا کرو کہ وہ اس بلا کو ان سے دور

(۱) صحیح بخاری آخر کتاب الوضوء' مسلم باب مالقی النبی ﷺ من اذی المشرکین۔

Marfat.com

کرے۔"(۱) چنانچہ آپؐ نے دعا کی اور وہ بلا دور ہوئی۔ اسی طرح آپؐ کی پیشین گوئی کی صداقت کا بھی ان کو دل سے اعتراف تھا' یاد ہوگا کہ غزوۂ بدر سے پہلے جب اُمیہ کو حضرت سعد انصاریؓ کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے مارے جانے کی پیشین گوئی کی ہے تو وہ گھبرا اٹھا اور اس کی بیوی پر یہ اثر ہوا کہ اس نے غزوۂ بدر کے موقع پر اپنے شوہر کا دامن تھام لیا کہ "محمدؐ کی یہ پیشین گوئی تمہیں یاد نہیں۔"(۲) فتح روم کی مشہور پیشین گوئی جس دن پوری ہوئی' بہت سے لوگ اس نشان صداقت سے ہدایت پا کر مسلمان ہو گئے۔(۳)

آنحضرت ﷺ کی تائید و نصرت کے عجائبات بھی قریش کی نظروں سے گزر چکے تھے وہ بار بار آپؐ پر حملے کی تیاریاں کرتے تھے اور ناکام رہتے تھے۔ ایک دفعہ ابوجہل نے یہ ناپاک ارادہ کیا اور اس نیت سے آگے بڑھا تو فوراً ڈر کر پیچھے ہٹ گیا' ساتھیوں نے واقعہ پوچھا تو بتایا کہ مجھے نظر آیا کہ میرے اور محمدؐ کے درمیان آگ کی خندق ہے اور چند پردار ہستیاں کھڑی ہیں۔(۴)

الغرض ہدایت کے متعدد نشانات تھے جو مکہ میں کفار کو اس غرض سے دکھائے گئے تھے کہ ان کو دیکھ کر ان کے قلوب میں قبول حق کی صلاحیت پیدا ہو۔

شق قمر آخری نشان ہدایت تھا:

ہدایت کی ان نشانیوں میں کفار مکہ کے لیے سب سے آخری اور فیصلہ کن نشان شق قمر(۵) تھا جس کے بعد آیات ہلاکت کا آغاز ہونے والا تھا۔ احادیث میں ہے کہ کفار مکہ آپ ﷺ سے معجزہ کے طالب تھے تو آپ ﷺ نے ان کو شق قمر کا معجزہ دکھایا۔ چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا۔ لیکن معاندین کو اس عظیم الشان اور واضح تر معجزہ سے بھی ہدایت نہ ملی۔ بعضوں نے کہا محمد ﷺ نے جادو کیا ہے۔ کسی نے کہا ایسی عجیب عجیب باتیں ہمیشہ ہوتی رہتی ہیں' چنانچہ قرآن مجید نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری تفسیر سورہ دخان۔

(۲) صحیح بخاری اول کتاب المغازی۔

(۳) ترمذی تفسیر سورۂ روم۔

(۴) صحیح مسلم باب قولہ تعالیٰ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ۔

(۵) ہم نے قرآن مجید کے بتائے ہوئے اصول الٰہی کے مطابق اولاً ایسا سمجھا تھا کہ شق قمر کا معجزہ ہجرت سے پہلے ظاہر ہوا ہوگا۔ لیکن سیر و مغازی اور کتب احادیث کا مطبوعہ ذخیرہ اس دعویٰ کے ثبوت اور انکار دونوں سے خاموش تھا' اسی اثناء میں حاکم کی مستدرک کی دوسری جلد حیدرآباد سے چھپ کر پہنچی' اس میں سورۂ قمر کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو واقعہ کے عینی شاہد ہیں یہ تصریح ملی کہ یہ نشان قبل مخرج النبی ﷺ یعنی ہجرت سے پہلے ظاہر ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے کچھ ہی پہلے کا ہے' حاکم کی یہ روایت بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے اور حافظ ذہبی نے تلخیص مستدرک میں اس کی تلخیص کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ روایت مصنف عبدالرزاق میں بھی موجود ہے۔ (مستدرک ج ۲ ص ۴۷۱ حیدرآباد)

Marfat.com

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ وَ اِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَ یَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ (قمر:۱) ''قیامت کا وقت قریب آ گیا اور چاند شق ہو گیا اور اگر یہ کافر کوئی نشانی دیکھیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو تو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔''

اب خداوند ذوالجلال کے رحم و کرم نے دوسری شان اختیار کی یعنی اس کے قہر و غضب نے ان غیر صلاحیت پذیر ہستیوں سے سطح ارضی کو پاک کر دینے کا تہیہ کر لیا اور وہ سنت الٰہی جو تمام گزشتہ اُمتوں کے ساتھ جاری رہی تھی یعنی یہ کہ معجزوں کے دیکھنے کے بعد ایمان نہ لانے پر کفار کی ہلاکت اور بربادی فرض محتم ہو جاتی ہے وہ قریش کے حق میں بھی جاری ہوئی۔ گزشتہ دستور الٰہی کی تفصیل کے مطابق اس ہلاکت کے عذاب کے نازل ہونے کے لیے پہلے دو چیزوں کی ضرورت تھی۔

(۱) مومنین کی جماعت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی شہر مکہ سے ہجرت۔

(۲) ہجرت سے پہلے ہدایت کی کسی آخری کھلی نشانی کا ظاہر ہونا۔

چنانچہ ہجرت سے پہلے شق قمر کا نشان ظاہر ہوا اور اس کو دیکھ کر بھی جب قریش کے رؤساء اسلام نہ لائے تو آنحضرت ﷺ کو مکہ سے ہجرت کا حکم ہوا اور ہلاکت کے عذاب کے نازل ہونے کا وقت قریب آ گیا صحابہؓ میں اسرار نبوت کے جو محرم تھے وہ پہلے ہی سمجھ چکے تھے کہ یہ ہجرت قریش کی بربادی کا پیش خیمہ ہے مستدرک حاکم ج ۳ ص ۷ اور مسند ابن حنبل (جلد ۱ ص ۲۱۶) میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مکہ سے نکلے تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا اِنَّا لِلّٰہِ مکہ والوں نے اپنے پیغمبر کو نکال دیا۔ اب یہ ضرور ہلاک ہو جائیں گے چنانچہ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ والی قتال کی آیت نازل ہوئی۔ (۱)

آنحضرت ﷺ اور معجزۂ ہلاکت

آنحضرت ﷺ نے مکہ میں قریش کو تقریباً تیرہ برس تک دعوت دی اور ان تیرہ سالوں کے اندر اس راہ میں ہر قسم کی مصیبت اور تکلیف برداشت کی اور آیات ہدایت کے مختلف نمونے ان کو دکھائے۔ بالآخر شق القمر کا معجزہ بھی ان کی نگاہوں کے سامنے سے گزرا اور آخر وہ وقت آیا جو اپنے اپنے پیغمبروں کے سامنے دوسری قوموں پر آ چکا تھا یعنی قبیلہ قریش میں سے وہ افراد صالحہ جو بے خوف و خطر حق کو قبول کر سکتے تھے انہوں نے حق کو قبول کر لیا اور صرف وہ رؤسائے قریش رہ گئے جو قبول حق کی مطلق صلاحیت نہیں رکھتے تھے یا وہ ضعفاء تھے جو ان رؤسا کی موجودگی میں حق کا ساتھ دینے کی قوت نہیں رکھتے تھے اور اس لیے ضرورت ہوئی کہ ان رؤساء کے وجود سے ارض حرم کو پاک کیا جائے۔

آنحضرت ﷺ مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے' لیکن وہاں بھی کوئی حق کا سننے والا نہ تھا۔ بازار اور راستہ میں شریروں نے آپ ﷺ کو پتھر مارے' یہاں تک کہ قدم مبارک خون آلود ہو گئے' آپ ﷺ مکہ واپس آ رہے تھے کہ فرشتۂ جبال نے آپ ﷺ کو ندا دی کہ اگر اجازت ہو تو پہاڑوں سے ان کو چکنا چور کر دیا جائے۔ رحمت عالم ﷺ اب بھی مایوس نہ ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ ابھی وہ معجزۂ ہلاکت ظاہر نہ ہو۔ شاید کہ ان کی

(۱) نسائی کتاب الجہاد اور ترمذی تفسیر آیت بالا میں بھی یہ حدیث مذکور ہے ''س''

Marfat.com

نسل سے کوئی توحید کا پرستار پیدا ہو۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اُحد کے علاوہ آپ ﷺ پر سب سے سخت دن کون تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ وہ دن جب میں نے (طائف کے سردار) عبد یالیل کے سامنے اپنے کو پیش کیا اور اس نے انکار کیا۔ میں مغموم واپس آ رہا تھا کہ فرشتۂ جبال نظر آیا اور اس کے بعد آپ ﷺ نے کفار کی ہلاکت کے لیے فرشتۂ جبال کی اجازت طلبی اور اپنا جواب بیان کیا۔(۱) آنحضرت ﷺ اس دن کو ایام مصائب کی تاریخ میں سب سے زیادہ سخت فرماتے ہیں۔ بظاہر ایسا سمجھا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے طائف کی تکلیف کو سخت ترین دن فرمایا لیکن واقعہ یہ نہیں ہے۔ اس سے بھی زیادہ تکلیف اور مصیبت کی گھڑیاں آپ ﷺ پر آئی ہیں بلکہ اس لحاظ سے آپ ﷺ اس کو سخت ترین دن قرار دیتے تھے کہ یہ قریش کی فرصت اور مہلت کی اخیر گھڑی تھی اور اب معجزۂ ہلاک ان کے سر پر تھا اور رحمت عالم ﷺ کو اس کا صدمہ تھا' تاہم قریش کو اب آخری عذاب کی اطلاع دے دی گئی تھی اور وہ نادان استہزاء کرتے تھے' جیسا کہ دوسری قومیں بھی اپنے اپنے پیغمبروں کے ساتھ یہی کرتی آئی ہیں کفار قریش آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جا کر کہتے تھے کہ جس عذاب کی دھمکی دی جاتی ہے وہ کیوں نہیں آتا؟ اگر تم میں قدرت ہے تو وہ عذاب لاؤ اور اپنی صداقت کی یہ آخری نشانی بھی دکھادو۔

﴿وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ﴾ (یونس:۲)

''اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں اترتا؟ اے پیغمبر! کہہ دے کہ غیب کی بات خدا کے پاس ہے تم اس کے ظہور کا انتظار کرو' ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔''

کبھی آ کر کہتے۔

﴿أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا﴾ (بنی اسرائیل)

''یا جیسا تم کہا کرتے ہو' آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرادو یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ۔''

﴿لَّوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ (حجر:۱)

''اگر تم سچے ہو تو کیوں نہیں ہمارے پاس فرشتوں کو لے آتے ہو؟''

خدا نے جواب میں کہا۔

﴿وَمَا كَانُوا إِذًا مُّنظَرِينَ﴾ (حجر)

''جب فرشتے آ جائیں گے تو پھر انہیں مہلت نہ دی جائے گی۔''

کفار قریش کو معجزۂ عذاب کے دیکھنے کی جلدی تھی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ پیشین گوئی سراسر جھوٹ ہے' خدا نے کہا جب تک پیغمبر کی آمد کی برکات ختم نہ ہو جائیں' یعنی تمام افراد صالحہ الگ نہ ہو جائیں عذاب نہیں آئے گا۔

﴿وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِمُ الْمَثُلَاتُ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو

''اور کفار جلدی چاہتے ہیں تجھ سے' بھلائی سے پہلے برائی حالانکہ ان سے پہلے گزشتہ قوموں میں اس قسم کے واقعات گزر

(۱) مسلم باب مالقی النبی ﷺ من اذی المشرکین و بخاری کتاب بدا الخلق۔

Marfat.com

مَغۡفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلۡمِهِمۡ وَاِنَّ رَبَّکَ لَشَدِيۡدُ الۡعِقَابِ﴾ (رعد:۱)

چکے ہیں اور تیرا رب لوگوں کی گنہگاری کے باوجود ان کو معاف کرتا ہے اور تیرا رب بڑے عذاب والا بھی ہے۔"

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے معجزہ کو ذکر کر کے کہتا ہے۔

﴿ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ فَيَاۡتِيَهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ فَيَقُوۡلُوۡا هَلۡ نَحۡنُ مُنۡظَرُوۡنَ اَفَبِعَذَابِنَا يَسۡتَعۡجِلُوۡنَ اَفَرَءَيۡتَ اِنۡ مَّتَّعۡنٰهُمۡ سِنِيۡنَ ثُمَّ جَآءَ هُمۡ مَّا كَانُوۡا يُوۡعَدُوۡنَ مَآ اَغۡنٰى عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يُمَتَّعُوۡنَ وَمَآ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنۡذِرُوۡنَ﴾ (شعراء:۱۱)

"وہ نہ مانیں گے اس کو جب تک دکھ کا عذاب نہ دیکھ لیں گے پھر یہ عذاب اچانک ان پر اس طرح آ جائے گا کہ ان کو خبر نہیں ہونے پائے گی تو اس وقت کہیں گے کہ ہم کو مہلت بھی کچھ مل سکتی ہے؟ کیا یہ کفار ہمارا عذاب جلد مانگتے ہیں بھلا دیکھ تو اگر ہم نے ان کو چند سال فائدہ اٹھانے کا موقع دے بھی دیا' پھر ان پر وہ عذاب آ گیا جس کا وعدہ تھا تو کیا ان کی یہ دولت ان کے کچھ کام آئے گی ہم نے کسی آبادی کو ہلاک نہیں کیا لیکن اس کو ڈرسنانے والے پہلے موجود تھے۔"

یعنی اس اصول کی بناء پر کہ قوموں کی ہلاکت سے پہلے ان کے اندر ایک ڈرسنانے والا مامور ہوا کرتا ہے قریش میں بھی ایک ڈرسنانے والا آیا' اگر وہ اس کی نہ سنیں گے تو پچھلی قوموں کی طرح وہ بھی نیست و نابود ہو جائیں گے سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ قریش کو مختلف قوموں کے حالات سنا کر کہتا ہے۔

﴿فَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوۡشِهَا وَ بِئۡرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصۡرٍ مَّشِيۡدٍ اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَتَكُوۡنَ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ يَّعۡقِلُوۡنَ بِهَآ اَوۡ اٰذَانٌ يَّسۡمَعُوۡنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَلٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ وَ يَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالۡعَذَابِ وَلَنۡ يُّخۡلِفَ اللّٰهُ وَعۡدَهٗ وَ اِنَّ يَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّكَ كَاَلۡفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ وَ كَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَمۡلَيۡتُ لَهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذۡتُهَا وَ اِلَىَّ الۡمَصِيۡرُ قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمۡ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ﴾ (حج: ۷)

"تو کتنی بستیاں ہم نے برباد کیں اور وہ گنہگار تھیں اور اب وہ اپنی چھتوں پر ڈھئی پڑی ہیں اور کتنے کنویں بے کار پڑے ہیں اور کتنے اونچے اونچے محل خراب اور ویران ہیں' کیا یہ کافر زمین پر چلتے پھرتے نہیں ہیں کہ ان کے پاس دل ہوتے جن سے سمجھتے یا کان ہوتے جن سے سنتے' کیونکہ آنکھیں کچھ اندھی نہیں ہوتی ہیں جب کہ ان کو یہ عبرت ناک مناظر سوجھائی نہ دیتے ہوں مگر وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں اور یہ کافر تجھ سے جلدی مانگتے ہیں عذاب اور اللہ ہرگز اپنا وعدہ نہ ٹالے گا اور تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہارے ہزار برس کے برابر ہے اور کتنی بستیاں ہیں کہ میں نے ان کو ڈھیل دی اور وہ گنہگار تھیں پھر ان کو پکڑا اور میری طرف پھر آنا ہے کہہ دے اے لوگو! میں تو صاف صاف تم کو ڈرسنانے والا ہوں۔"

قرآن نے روسائے قریش کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

﴿ فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِيۡنَ﴾ (فاطر:۵) "کیا وہ پہلی قوموں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں۔"

Marfat.com

چنانچہ گزشتہ قوموں کے قانون کے پورے ہونے کے دن آ گئے' یعنی رسول اور مومنین کو گنہگار قوم کی آبادی کے اندر سے نکل جانے کی اجازت ملی' کیونکہ جیسا پہلے گزر چکا ہے' جب تک رسول اپنی قوم سے ہجرت نہیں کرتا' عذاب وہلاکت کا نشان ظاہر نہیں ہوتا' چنانچہ کفار قریش کو جو اس نشان کے دیکھنے کے لیے بے تاب تھے پہلے ہی سے جتا دیا گیا تھا۔

﴿وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَسۡتَفِزُّوۡنَكَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِيُخۡرِجُوۡكَ مِنۡهَا وَاِذًا لَّا يَلۡبَثُوۡنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيۡلًا سُنَّةَ مَنۡ قَدۡ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنۡ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحۡوِيۡلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۷)

''اور اگر وہ اس زمین سے تجھ کو گھبرانے لگے ہیں تاکہ یہاں سے تجھ کو نکال دیں تو یاد رہے کہ تیرے چلے جانے کے بعد وہ بہت کم پھر ٹھہر سکیں گے تجھ سے پہلے جو رسول گزرے ہیں ان کی یہ سنت ہے اور خدا کی سنت کو تم مٹانہ پاؤ گے۔''

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ صحن حرم میں نماز پڑھ رہے تھے' رؤسائے قریش اِدھر اُدھر بیٹھے ہنسی دل لگی کی باتیں کر رہے تھے۔ ابوجہل نے کہا کہ کون مذبح جا کر وہاں سے اونٹ کی اوجھڑی اٹھا لائے گا' چنانچہ ایک شریر نے یہ خدمت انجام دی اور جب آنحضرت ﷺ سجدہ میں گئے تو وہ نجاست آپ ﷺ کی پشت مبارک پر ڈال دی' آنحضرت ﷺ اس بوجھ سے سر نہیں اٹھا سکتے تھے اور کفار اس منظر کو دیکھ کر ہنسی سے بے خود ہوئے جاتے تھے' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو اس موقع پر موجود تھے' کہتے ہیں کہ میں یہ دیکھ رہا تھا لیکن مجھ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ میں ان کے سامنے کچھ کر سکتا' اسی اثنا میں ایک شخص نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو اطلاع دی جو اس زمانہ میں بچی تھیں وہ آئیں اور نجاست کو ہٹایا تو آپ ﷺ نے سر اٹھایا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ سرور عالم ﷺ رؤسائے قریش کے ایمان سے قطعاً مایوس ہوتے ہیں اور یہ اس لیے نہیں کہ آپ ﷺ کے جسم مبارک کو تکلیف پہنچی بلکہ اس لیے کہ وہ نماز (یعنی مشاہدۂ جمال الٰہی) میں جو اس دنیا میں آپ ﷺ کی محبوب ترین چیز تھی خلل انداز ہوئے۔

﴿اَرَاَيۡتَ الَّذِىۡ يَنۡهٰى عَبۡدًا اِذَا صَلّٰى﴾ (علق) ''کیا تو نے دیکھا اس شخص کو جو ایک بندۂ الٰہی کو نماز سے روکتا ہے۔''

یہ رؤسائے قریش کی مہلت کا اخیر لمحہ تھا' آنحضرت ﷺ نے بلند آواز میں بددعا کی اور اس آخری معجزۂ ہلاک کی درخواست کی' مگر پھر بھی رحمت عالم ﷺ کی شفقت دیکھیے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح پوری قوم کی تباہی و بربادی کی دعا نہیں کی بلکہ صرف قریش کے رئیسوں کے حق میں بددعا کی اور ان میں سے بھی صرف سات رئیسوں کے نام لیے اور فرمایا خداوندا! قریش کے سرداروں کو لے' خداوندا! ابوجہل' عتبہ' شیبہ' عقبہ بن معیط' امیہ بن خلف' ولید بن عقبہ اور ابی بن خلف کو پکڑ۔ یہ بددعا سن کر سب کے ہوش اڑ گئے۔ (۱)

اب سنت الٰہی کے مطابق معراج کے ساتھ ہجرت کی دعا آپ ﷺ کو بتائی گئی۔ (۲)

---

(۱) بخاری اور مسلم باب مالقی النبی ﷺ من اذی المشرکین۔

(۲) ترمذی تفسیر آیت مذکور (بنی اسرائیل) اور مستدرک حاکم (باب الہجرۃ) میں تصریح ہے کہ یہ دعائے ہجرت ہے۔

Marfat.com

﴿رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا﴾ (بنی اسرائیل:۹)

''خداوندا! مجھ کو خوبی سے کہیں پہنچا اور خوبی سے نکال اور اپنے پاس سے مجھے ایک مدد کرنے والی طاقت عطا کر۔''

یہ دعا مقبول ہوئی اور بشارت آئی۔

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا﴾ (بنی اسرائیل:۹)

''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کو ہے۔''

انبیاء کی سنت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے اپنے متبعین کے ساتھ ہجرت فرمائی اور جس دن کا انتظار تھا وہ آ گیا۔ قرآن نے کہا کہ رؤسائے قریش پر آیت عذاب کے نازل ہونے کے لیے ہجرت کا انتظار تھا وہ ہو چکی اور اب مزید کوئی انتظار نہیں۔

﴿وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَ یَمْکُرُوْنَ وَ یَمْکُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ کَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِیْهِمْ وَمَا کَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ وَمَا لَهُمْ اَلَّا یُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ یَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا کَانُوْآ اَوْلِیَآءَهٗ اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ (انفال:۴)

''اور جب (اے پیغمبر) منکرین داؤ کر رہے تھے تیری جان لینے کا کہ وہ تجھ کو قید کر دیں یا مار ڈالیں یا جلاوطن کر دیں وہ داؤ کرتے ہیں اور خدا بھی داؤ کرتا ہے اور خدا داؤ کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے اور جب ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کو تو کہتے ہیں' ہاں' ہم نے سنا' اگر چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ سکتے ہیں یہ تو فقط اگلوں کی کہانیاں ہیں اور جب وہ کہتے ہیں کہ اے خدا! اگر یہ قرآن حق ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش کر' یا کوئی اور بڑا عذاب ہم پر لا' اور خدا ان پر ہجرت سے پہلے کیونکر عذاب کرتا جب کہ تو ان میں تھا اور خدا ان پر عذاب کرنے والا نہیں ہے دراں حالیکہ وہ مغفرت چاہتے ہوں' اور خدا ان پر عذاب کیوں نازل نہ کرے' جب وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں حالانکہ وہ اس کی تولیت کے مستحق نہیں' اس کے مستحق صرف پرہیزگار ہیں۔''

غزوہ بدر معجزہ ہلاک تھا:

جس طرح دوسری قوموں کے لیے مختلف معجزات عذاب آئے' اسی طرح جس قوم میں آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تھے اس کے لیے غزوہ بدر معجزہ عذاب تھا۔ ہجرت سے قبل آنحضرت ﷺ کی بددعا سے پہلے قریش پر قحط کا عذاب آیا جو اس قدر سخت تھا کہ بھوک سے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا تھا' آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو دھواں سا نظر آتا تھا بعض رؤساء قریش نے خدمت نبوی میں آ کر کہا کہ محمد ﷺ! تم رحمت و شفقت اور صلہ رحم کی دعوت دیتے ہو' تم دیکھتے ہو کہ اس قحط سے قریش کا کیا حال ہے؟ آنحضرت ﷺ نے دعا کی اور یہ بلا دور ہوئی' مگر

Marfat.com

پھر قریش کی سرگردانی کا وہی عالم ہو گیا تو ان کے لیے معجزۂ عذاب کے سوا کوئی اور طریقہ علاج باقی نہ رہا۔ چنانچہ ہجرت کے بعد بدر کا بطشۂ کبریٰ (بڑی پکڑ) ان کے لیے ہلاکت کی نشانی قرار پائی۔ قرآن مجید نے ہجرت سے پہلے ہی مکہ میں اپنا یہ اعلان عام سنا دیا' جس میں پہلے اس قحط کی' پھر ان کے گڑگڑانے کی اور اس کے بعد غزوۂ بدر کی پیشین گوئی تھی۔

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ يَغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ﴾ (دخان:۱)

''اس دن کی راہ دیکھ جب آسمان صاف دھواں کر لاوے جو لوگوں کو گھیر لے اور اس وقت کہا جائے گا یہ ہے دکھ کی مار' تب گڑگڑائیں گے کہ خداوندا ہم سے یہ عذاب دور کر دے ہم ایمان لاتے ہیں کہاں ہے ان کے لیے سمجھنا حالانکہ ان کے پاس کھول کر سنانے والا رسول ﷺ آ چکا تو اس سے پیٹھ پھیری' اور کہا کہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے' اچھا ہم تھوڑے دنوں کے لیے عذاب دور کر دیتے ہیں تم پھر وہی کرنے والے ہو' انتظار کرو اس دن کا جب ہم بڑی پکڑیں گے ہم بدلہ لینے والے ہیں اور ان سے پہلے ہم فرعون کی قوم کو آزما چکے ہیں۔''

ان آیات کریمہ میں پورے واقعہ کی تصویر کھینچ دی گئی ہے اور آخر میں یہ بھی ظاہر کر دیا گیا ہے کہ بطش اکبر ان روسائے قریش کے لیے وہی حیثیت رکھتا ہے جو فرعون کے لیے غرق بحر کی حیثیت تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا ہے کہ یہ آیتیں قریش کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ قریش نے جب نافرمانی کی تو آنحضرت ﷺ نے خدا سے دعا کی کہ اے خدا! ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے سات برس والے قحط کی طرح قحط نازل کر۔ چنانچہ مکہ میں سخت قحط پڑا۔ یہاں تک کہ بھوک سے آسمان اور قریش کی آنکھوں کے درمیان دھواں سا اڑتا نظر آتا تھا' انہوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے آ کر دعا کی درخواست کی' چنانچہ آپ ﷺ نے دعا کی اور بارش ہوئی۔ خدا نے کہا کہ وہ پھر اپنی پہلی حالت پر آ جائیں گے یعنی ایمان قبول نہ کریں گے' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بطشۃ الکبریٰ (بڑی پکڑ) کا دن مقرر فرمایا یعنی بدر۔ (۱)

یاد ہوگا کہ صحن حرم میں روسائے قریش جو نماز میں خلل انداز ہوئے تھے' آپ ﷺ نے ان کا نام لے کر ہر ایک کے حق میں بددعا کی تھی۔ اس سے پہلے کہ غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آئے' ہجرت کے بعد ہی آپؐ نے ان کی ہلاکت و بربادی کا اعلان کر دیا تھا۔ بدر سے پہلے حضرت سعد انصاریؓ عمرہ کو گئے تھے۔ ابوجہل نے ان کو ردکا' اُمیہ نے بیچ میں دخل دینا چاہا۔ حضرت سعدؓ نے کہا۔ اُمیہ تم دخل نہ دو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم ان کے ہاتھوں سے مارے جاؤ گے۔ یہ سن کر امیہ ڈر گیا۔ چنانچہ جب بدر کا موقع پیش آیا تو اس نے جانے میں پس و پیش کیا' لوگوں کے طعن سے اس نے جانا چاہا تو اس کی بیوی نے دامن تھام لیا اور کہا کیا تم کو اپنے یثربی دوست کی بات یاد نہیں۔ (۲)

(۱) صحیح بخاری سورۂ دخان۔ (۲) صحیح بخاری کتاب المغازی۔

Marfat.com

جب غزوۂ بدر کے لیے آپ ﷺ مسلمانوں کو ساتھ لے کر نکلے تو اس وقت جیسا کہ پہلی جلد میں تفصیل گزر چکی ہے مسلمانوں کے سامنے قریش کی دو جمعیتیں تھیں' ایک قریش کا شامی قافلہ جو مدینہ کی راہ سے گزر کر مکہ کو جارہا تھا دوسرا رؤسائے قریش کا جنگی لشکر جو مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نکلا تھا۔ خدا نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا کہ ان دو جمعیتوں میں سے ایک ان کے ہاتھ لگے گی۔ عام مسلمان یہی سمجھتے تھے کہ تجارتی قافلہ ان کے ہاتھ آئے گا لیکن حضور انور ﷺ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آج معمولی فتح و شکست کا دن نہیں بلکہ اس بطشۃ الکبریٰ کا دن ہے جس کا بارگاہ الٰہی میں مدت سے وعدہ تھا۔ رات کو جب مسلمان بدر کے پڑاؤ پر پہنچے ہیں تو انہیں یہ فکر ہوتی ہے کہ قریش کے تجارتی قافلہ کا پتہ لگایا جائے چنانچہ مسلمان مخبر ادھر ادھر گئے اور ایک چرواہے کو پکڑ لائے اور اس سے قریش کے قافلہ کا حال پوچھنے لگے۔ اس نے جواب دیا کہ قریش کے قافلہ کا تو مجھے علم نہیں' البتہ ان کا لشکر ادھر پڑا ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں نے اس کو مارا یہ ہم سے صحیح حال چھپاتا ہے۔ مار کھانے پر اس نے کہا۔ اچھا ٹھہرو قافلہ کا حال بتاتا ہوں۔ جب لوگ اس کو چھوڑ دیتے تو وہ پھر یہی کہتا کہ مجھ کو قافلہ کی خبر نہیں' البتہ یہ جانتا ہوں کہ ادھر قریش کا لشکر سامنے پڑا ہے۔ آنحضرت ﷺ نماز میں مصروف تھے اس سے فراغت ہوئی تو فرمایا۔ جب وہ جھوٹ کہتا ہے تو تم چھوڑ دیتے ہو اور جب وہ سچ کہتا ہے تو تم مارتے ہو اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قریش کی تباہی کا دن ہے۔ یہ ابوجہل کا مقتل ہے۔ یہ عتبہ کا ہے' یہ ابی کا ہے وغیرہ۔ راوی کہتا ہے کہ آپ ﷺ نے جس کا مقتل جہاں متعین فرمایا تھا۔ ایک سر مو وہاں سے اس نے تجاوز نہیں کیا' جنگ میں وہ وہیں مرا پڑا ملا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو صحن حرم کی بددعا کے دن موجود تھے وہ کہتے ہیں کہ عرب کے ساتوں رئیس جن کے حق میں آپ ﷺ نے بددعا کی تھی کل کے کل بدر کے میدان میں ڈھیر ہو گئے۔ (۱) اور ''بطشۃ الکبریٰ'' کے انتقام کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

سورۂ انفال جس میں بدر کے تمام واقعات کا ذکر ہے' اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہی وہ فیصلہ کا دن تھا جس کا مدت سے انتظار تھا۔

﴿ وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ (انفال:۱)

''اور خدا جو چاہتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں سے مستحکم کر دے اور کافروں کا پیچھا کاٹ دے تا کہ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دے اگرچہ گنہگار اس کو پسند نہ کریں۔''

وسط سورہ میں فرمایا۔

﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ﴾ (انفال:۷)

''یہ ویسا ہی ہوا جیسا فرعون والوں کا اور ان سے پہلے کا کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کے گناہوں کے سبب سے ان کو ہلاک کر دیا۔''

یہ فیصلہ کا دن تھا۔

﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى

''اور جو ہم نے اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن اتارا جس

(۱) یہ دونوں واقعے صحیح بخاری و مسلم میں موجود ہیں۔

Marfat.com

الْجَمْعٰنِ ﴾ (انفال:۵)　دن دونوں لشکر آمنے سامنے بھڑے۔''

اور یہ سب اسی لیے ہوا کہ۔

﴿ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ﴾ (انفال:۵)　''تا کہ خدا اس کام کو پورا کر دے جو۔ پہلے مقرر کیا جا چکا تھا۔''

نکتہ:۔ بدر کے میدان میں جب تین سو بے سر و سامان مسلمان ایک ہزار لوہے میں غرق فوج سے مقابل تھے آنحضرت ﷺ نے بھی اسی قسم کی بد دعا مانگی' جیسی حضرت نوحؑ نے طوفان سے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غرق سے پہلے اپنی اپنی قوم کے لیے مانگی تھی' حضرت نوحؑ نے کہا۔ خداوندا! اب زمین پر کوئی کافر بسنے والا نہ چھوڑ کہ جب تک وہ زندہ رہیں گے تیرے نام کی تقدیس نہ ہوگی اور نہ ان کی نسل سے کوئی تیرے نام لینے والا پیدا ہوگا۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔'' خداوندا! ان کے دل سخت کر دے کہ جب تک عذاب نہ دیکھ لیں گے ایمان نہ لائیں گے۔'' لیکن اس موقع پر آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے جو فقرہ نکلا وہ یہ تھا کہ'' خداوند! اپنا وعدہ پورا کر' اگر یہ مٹھی بھر مسلمان تباہ ہو گئے تو پھر کوئی تیرا نام لینے والا نہ رہے گا۔''

حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے براہ راست اپنی اپنی قوم کی تباہی کی دعا مانگی لیکن رحمت عالم ﷺ نے اب بھی دعا مانگی تو صرف اہل توحید کی فتح و نصرت کی' دشمنوں کی تباہی و بربادی کی نہیں۔

حاکم نے مستدرک (جلد۳ صفحہ۲۱) میں بہ روایت صحیحہ نقل کیا ہے کہ بدر کے قیدی جب گرفتار ہو کر آئے اور آپ ﷺ نے ان کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا اور مختلف صاحبوں نے مختلف رائیں پیش کیں تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ کفار قریش اپنے ان ہی بھائیوں کی طرح ہیں جو ان سے پہلے تھے (یعنی گزشتہ انبیاء کی امتوں میں) نوحؑ نے دعا کی کہ'' خداوندا! زمین پر ان کافروں میں سے کوئی آباد گھر والا باقی نہ رکھ۔'' موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔'' ہمارے پروردگار! ان کی دولت کو میٹ دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے۔'' عیسیٰ نے کہا۔'' الٰہی اگر تو ان (نافرمانوں) پر عذاب بھیجے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو تو غالب اور دانا ہے۔'' اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے قریش کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم لوگ وہ قوم ہو جس میں فریب اور دغا سے قتل کر دینے کا رواج ہے تو تم میں سے کوئی زرفدیہ یا اپنا سر دیئے بغیر لوٹ کر نہ جا سکے گا۔

اس روایت سے ہمارے اصول مذکور کی حرف بہ حرف تائید ہوتی ہے یعنی یہ کہ۔

(۱)　بدر قریش کے لیے ایسا ہی عذاب ہلاکت کا دن تھا جیسا گزشتہ قوموں پر ہلاکت کے دن آیا کیے ہیں۔

(۲)　آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر دو قسم کے انبیاء کے نام اور ان کی دعاؤں کا ذکر فرمایا ہے ایک وہ جنہوں نے سخت گیری کا پہلو اختیار کیا۔ مثلاً حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے' دوسرے وہ جنہوں نے نرمی کا اظہار کیا' مثلاً حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے' آنحضرت ﷺ نے ان دونوں میں سے بیچ کی راہ اختیار کی۔

Marfat.com

سحر اور معجزہ کا فرق اور ساحر اور پیغمبر میں امتیاز:

گزشتہ صفحات میں انبیاء کے جو خصائص و امتیازات اور علامات و آثار بتائے گئے ہیں ان سے خود سحر و معجزہ کا فرق اور ساحر و پیغمبر کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے۔ سحر و شعبدہ صرف دل لگی کے آنی تماشے ہوتے ہیں، لیکن معجزات و آیات قوموں اور جماعتوں کے صلاح و فساد، تعمیر اور تخریب، ترقی اور تنزل کے اسباب و سامان ہوتے ہیں۔ ساحر کا مقصد کسی غیر معمولی واقعہ کا صرف حیرت انگیز طریقہ سے اظہار ہوتا ہے تا کہ وہ دیکھنے والوں کو تھوڑی دیر کے لیے متحیر کر دے لیکن پیغمبر کا مقصد اپنے ان حیرت انگیز اعمال سے دنیا کی اصلاح، قوموں کی دعوت، جماعتوں کی تہذیب اور دین الٰہی کی تقویت کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔ پیغمبر، بشیر، نذیر، مزکی، ہادی، سراج، منیر اور شاہد عالم ہوتا ہے، ساحر ان تمام اوصاف سے خالی ہوتا ہے اور حیرت انگیز تماشا گری کے سوا کوئی اور ممتاز بات اس کے اندر نہیں ہوتی۔

قرآن مجید میں سحر کے متعلق جس قدر بیانات ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ سحر کی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا۔ اور تخیل اور نظر بندی سے زیادہ اس کو وقعت نہیں دیتا، ہاروت و ماروت کے قصہ میں سحر کے زور و قوت کا منتہا یہ بیان کیا ہے۔

﴿مَا یُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ وَمَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ یَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ﴾ (بقرہ: ۱۲)

''سحر کا وہ فن سیکھتے ہیں جس سے خاوند اور اس کی بیوی میں تفریق کر دیتے ہیں اور یہ کسی کو حکم الٰہی کے بغیر نقصان نہیں پہنچا سکتے اور یہ وہ چیز سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچاتی ہے اور نفع نہیں پہنچاتی۔''

غرض سحر و جادو کوئی مؤثر حقیقی شے نہیں، سورہ طٰہ میں نہایت تصریح کے ساتھ یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ خیال سے زیادہ اس کی حقیقت نہیں۔

﴿حِبَالُهُمْ وَ عِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی﴾ (طٰہ: ۳)

''پھر ناگاہ، مصر کے جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کے اثر سے موسیٰ کے خیال میں معلوم ہونے لگیں کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔''

حکم ہوا کہ موسیٰ تم بھی اپنا عصائے اعجاز ڈال دو، نتیجہ یہ ہوا کہ حق نے باطل پر فتح پائی۔

﴿قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِکَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا کَیْدُ سٰحِرٍ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی﴾ (طٰہ: ۳)

''ہم نے کہا موسیٰ ڈرو نہیں تم ہی سربلند ہو گے تمہارے داہنے ہاتھ میں جو ہے تم اس کو ڈال دو، وہ ان کی صنعت کاری کو نگل جائے گا بے شک جادوگروں نے جو صنعت کی تھی وہ جادو کا فریب تھا اور جادوگر جدھر سے بھی آئے وہ فلاح نہیں پا سکتا۔''

ساحر اور نبی میں اللہ تعالیٰ نے جو فرق و امتیاز بتایا وہ یہی ہے کہ نبی فلاح پاتا ہے اور جادوگر فلاح نہیں پاتا نبی کے تمام اعمال، مساعی، جدوجہد اور معجزات کا مرکز و محور فلاح اور خیر ہوتا ہے اور جادوگر کا مقصد صرف فریب دھوکہ اور شر ہوتا ہے۔ دوسری جگہ ایک اور آیت میں اسی مفہوم کو دہرایا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر کے جادوگروں سے

Marfat.com

کہتے ہیں۔

﴿مَا جِئۡتُمۡ بِهِ السِّحۡرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبۡطِلُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصۡلِحُ عَمَلَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ﴾ (یونس:۸)

''جو تم لائے ہو وہ جادو ہے اللہ اس کو باطل کر دے گا بے شک اللہ شریروں کے کام کو نہیں سنوارتا۔''

یعنی سحر و جادو کا ایک آنی تماشا ہوتا ہے اور اعجاز کا اثر دائمی ہوتا ہے اور اس کے نتائج دنیا میں نہایت عظیم الشان ہوتے ہیں۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعجاز کو دیکھ کر کہا کہ ''یہ سب جادو کے کرشمے ہیں۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا۔

﴿اَسِحۡرٌ هٰذَا وَلَا يُفۡلِحُ السّٰحِرُوۡنَ﴾ (یونس: ۸)

''کیا یہ جادو ہے اور جادو کرنے والے تو فلاح نہیں پاتے۔''

غرض ''فلاح'' اور ''عدم فلاح'' سحر اور اعجاز کے درمیان سب سے بڑا فرق ہے۔

کفار آنحضرت ﷺ کی نسبت کہتے تھے کہ یہ شیطان کی قوت سے یہ کلام پیش کرتے ہیں اور ان کے کلام کا سرچشمہ شیطان کی تعلیم ہے' خدا نے اس کے جواب میں کہا کہ اس حقیقت کا امتیاز کہ اس کا منبع اور سرچشمہ خیر ہے یا شر اور یہ شیطان کی قوت کا نتیجہ ہے یا ملکوتی طاقت اس کا مظہر ہے نہایت آسان ہے اور خود مدعی کی زندگی اور اس کے اخلاق و اعمال اس کے شاہد عدل ہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول کے مطابق کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ ان دونوں قوتوں کے درمیان تفریق کچھ زیادہ مشکل نہیں' خدا نے کہا۔ ہم بتائیں شیطان کس پر اترتے ہیں۔

﴿عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيۡمٍ يُّلۡقُوۡنَ السَّمۡعَ وَاَكۡثَرُهُمۡ كٰذِبُوۡنَ﴾ (شعراء:۱۱)

''شیطان اترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر لا ڈالتے ہیں وہ سنی بات اور بہت ان میں جھوٹے ہیں۔''

یعنی نبی اور متنبی کا فرق خود اس کی اخلاقی زندگی ہے۔ علاوہ ازیں افترا پرداز اور شریر کے کام کو مستقل اور دائمی زندگی عطا نہیں ہوتی۔

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُوۡنَ مَتَاعٌ قَلِيۡلٌ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ﴾ (نحل: ۱۵)

''جو لوگ کہ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے' چند روزہ کامیابی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

معجزات اور نشانات سے کن لوگوں کو ہدایت ملتی ہے:

معجزات' دلائل' آیات اور آثار سے ہدایت کن لوگوں کو عطا ہوتی ہے؟ قرآن مجید نے ان کے اوصاف و شرائط بیان کیے ہیں۔

(۱) سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اس کو خدا پر ایمان ہو۔ اگر اس کو سرے سے خدا پر ایمان نہیں تو اس کو معجزہ سے ہدایت نہیں مل سکتی' اس کے لیے اس کی ضرورت ہے کہ پہلے کائنات کے اسرار و عجائب کو دیکھ کر ایک قادر مطلق ہستی کے وجود پر یقین کر لے۔ اس کے بعد معجزات اور نشانیوں کے ذریعہ سے اس کو نبوت کے باب میں ہدایت نصیب ہو گی۔

Marfat.com

﴿قُلِ انظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا تُغْنِي الْاٰيَاتُ وَ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (یونس: ۱۰)

"کہہ اے پیغمبر! کہ غور سے دیکھو کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور کچھ کام نہیں آتیں نشانیاں اور ڈراوے ان لوگوں کے جو ایمان نہیں رکھتے۔"

(۲) دوسری چیز جو آیات اور نشانیوں سے عبرت پذیر نہیں ہونے دیتی وہ خودی اور تکبر ہے' معاندین چونکہ عموماً دولت مند رؤساء اور مدعیان عقل وخرد ہوتے ہیں اس لیے ان کا جذبہ انانیت اور ترفع ان کو داعیان حق کے علم کے نیچے کھڑے ہونے سے باز رکھتا ہے' اس بناء پر آیات اور نشانیوں سے ہدایت پانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس جذبہ سے پاک ہوں۔ معاندین نے ہمیشہ انبیاء کو کہا۔ اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗ. یہ پیغمبر تو ہماری طرح ایک آدمی ہے' کیا ہم اس کی پس روی قبول کرلیں۔ مصر کے بادشاہ اور سرداروں نے اسی جذبہ کی بنا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارونؑ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا اور ان کو گوناگوں معجزات دیکھنے کے بعد بھی ہدایت نہیں ملی۔

﴿ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطَانٍ مُّبِيْنٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَائِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُوْنَ﴾ (مومنون: ۳)

"پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو نشانیاں اور کھلی قوت دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے غرور کیا اور وہ مغرور لوگ تھے تو انہوں نے کہا کیا ہم اپنی ہی طرح کے آدمیوں پر ایمان لائیں' دراں حالیکہ ان کی قوم ہماری رعایا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے منکروں اور خود پسندوں کی نسبت اپنا یہ فیصلہ سنا دیا۔

﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا﴾ (اعراف: ۱۷)

"ہم ان لوگوں کو اپنی نشانیوں کے سمجھنے سے پھیر دیں گے جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر وہ تمام نشانیوں کو دیکھ بھی چکیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے۔"

قریش کے معاندین جو اپنی قوم کے رؤساء' اکابر اور اہل دولت تھے وہ بھی ان نشانیوں سے اسی لیے ہدایت نہ پا سکے کہ ان کو ایک غریب و مفلس اور بے یار و مددگار انسان کی پیروی گوارا نہ تھی۔ وہ کہتے تھے اگر نبوت ہوتی بھی تو مکہ کے یا طائف کے کسی بڑے آدمی کو ملتی۔

﴿وَ قَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ (زخرف: ۳)

"اور انہوں نے کہا یہ قرآن طائف اور مکہ کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اترا۔"

سب سے آخری چیز جو ان آیات اور نشانیوں سے ہدایت پانے کی صلاحیت اور استعداد پیدا کرتی ہے وہ دل کا قبول حق کی طرف میلان ہے۔ بڑے سے بڑے خوارق اور عجیب سے عجیب معجزات ان لوگوں کے نزدیک سحر و جادو سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے' جن کے دل انابت اور رجوع الی الحق کی استعداد سے خالی ہیں۔

﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ

"اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری' کہہ دے کہ خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور اسی کو

Marfat.com

﴿وَ يَهْدِیْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ﴾ (رعد: ۴) اپنی طرف راہ دکھاتا ہے جو خدا کی طرف اپنے کو رجوع کرتا ہے۔"

اگر قبولیت اور اصلاح کی یہ استعداد نہ ہو تو بڑے سے بڑا معجزہ بھی باطل پرستی سے زیادہ نہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر گمراہی کی شقاوت کی مہر لگی ہوئی ہے۔ مشرک جو کسی مذہب حق کو نہیں مانتے اور علم سے بے بہرہ ہیں ان کا یہی حال ہے۔

﴿وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (روم: ٦)

"اور (اے پیغمبر)! اگر تو ان کے پاس کوئی نشانی لائے تو وہ جو منکر ہیں کہیں گے کہ تم فریبی ہو اس طرح اللہ ان لوگوں کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے جو علم نہیں رکھتے۔"

اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ پیغمبر اسلام ﷺ کی صداقت کے طلب ثبوت میں یہ کہتے ہیں کہ اس وقت تک ہم ان کو پیغمبر حق تسلیم نہ کریں گے، جب تک اسی قسم کے معجزے وہ نہ دکھائیں جیسے ان پیغمبروں نے لوگوں کو دکھائے تھے۔ قرآن کہتا ہے کہ فرض کرو کہ صرف ان ہی جیسے معجزوں سے پیغمبری کی سچائی تسلیم کی جاسکتی ہے تو ان پیغمبروں نے تو وہی معجزے دکھائے تھے۔ پھر ان کو دیکھ کر ان کے زمانہ کے کل منکرین کیوں ایمان نہ لے آئے اور آخر تک وہ ان کو جادوگر ہی کیوں سمجھتے رہے۔

﴿فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى اَوَ لَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظَاهَرَا وَ قَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ﴾ (قصص: ۵)

"تو جب ہماری طرف سے سچائی ان کے پاس آئی تو انہوں نے کہا کیوں نہیں (محمد ﷺ کو) ویسی ہی چیز دی گئی جیسی موسیٰ کو دی گئی تھی کیا موسیٰ کو جو چیز دی گئی تھی اس کا انکار منکرین پہلے نہیں کر چکے انہوں نے کہا کہ یہ جادوگر ہیں جو باہم ایک دوسرے کے مددگار ہیں ہم ان سب کے ماننے سے انکار کرتے ہیں۔"

صداقت کی نشانی صرف ہدایت ہے:

قرآن مجید نے اس کے بعد ہی کہا کہ صداقت کی نشانی صرف ہدایت اور رہنمائی ہے کہ مُدعی جو پیغام اور جو احکام پیش کرتا ہے وہ انسانوں کو فلاح نجات اور رُشد کی طرف لے جاتے ہیں اور جو ان سے انکار کرتے ہیں وہ ظالم اور خودسر ہیں' ان کو ہدایت کی سعادت نہیں ملتی۔

﴿قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (قصص: ۵)

"کہہ دے (اے پیغمبر)! کہ اگر توراۃ اور قرآن دونوں کتابیں جھوٹی ہیں اور تم سچے ہو تو ہدایت میں ان سے بڑھ کر کوئی کتاب الٰہی لاؤ تو میں اس کی پیروی کروں' تو اگر وہ تمہارے اعلان کے مطابق نہ کر دکھائیں تو جان لے کہ یہ صرف اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو ہدایت الٰہی کو چھوڑ کر اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتا ہے اللہ خودسر لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔"

Marfat.com

آیات ودلائل نبوی ﷺ کی تفصیل

''معجزہ'' کے ہر پہلو پر کلی حیثیت سے بحث کرنے کے بعد اب موقع آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تمام مافوق فہم بشری سوانح وواقعات کی تفصیل کی جائے۔ یہ سوانح وواقعات دو قسم کے ہیں: ایک وہ جو حقیقت میں لوازم نبوت ہیں اور کم وبیش ہر پیغمبر کو وہ ایک ہی طرح پیش آئے ہیں۔ ہم نے ان کا نام خصائص النبوۃ رکھا ہے دوسری قسم میں وہ جزئی واقعات داخل ہیں جو ہر پیغمبر سے اس کے حالات زمانہ کے مطابق مختلف صورتوں میں صادر ہوئے ہیں اور جن کو اصطلاح عام میں معجزات کہتے ہیں۔

ہم نے ان معجزات کو ان کے استناد اور ماخذ کی حیثیت سے تین مختلف ابواب میں منقسم کر دیا ہے۔ پہلے میں وہ معجزانہ واقعات ہیں جو بنص صریح یا اشارۃً قرآن مجید میں مذکور ہیں' دوسرا باب ان معجزات کا قرار دیا ہے جو صحیح اور مستند روایات سے ثابت ہیں' اور تیسرے باب میں ان معجزات پر بحث کی ہے جن کو گو بعض محدثین اور ارباب سیر نے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے' مگر محدثانہ اصول کی بنا پر وہ تمام تر کمزور اور غیر مستند ہیں۔ اس کے بعد کتب سابقہ کی وہ پیشین گوئیاں درج ہیں جو آنحضرت ﷺ کی آمد کے متعلق ان کتابوں میں پائی جاتی ہیں' اور سب سے آخر میں خصائص محمدی ﷺ کا باب ہے' اس تفصیل کے مطابق آئندہ اوراق کی ترتیب کی حسب ذیل صورت ہوگی۔

(۱) خصائص النبوۃ۔

(۲) وہ آیات ودلائل جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

(۳) صحیح اور مستند روایتوں سے جو آیات ودلائل ثابت ہیں۔

(۴) غیر مستند روایتیں اور ان پر تنقید۔

(۵) کتب سابقہ کی بشارتیں۔

(۶) خصائص محمدی ﷺ۔

Marfat.com

خصائص النبوۃ

دنیا میں ہر جنس اور ہر نوع کی کچھ نہ کچھ خصوصیات ہوتی ہیں جن سے وہ اپنے غیر سے ممتاز ہوتی ہے۔ وہ خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جن سے اس جنس اور نوع کی کوئی فرد خالی نہیں ہوتی۔ اسی طرح نبوت کی بھی کچھ نہ کچھ خصوصیتیں ہیں جو اس کے لیے بمنزلہ لوازم حقیقت کے ہیں۔ چنانچہ دنیا میں جس قدر پیغمبر کسی نہ کسی قوم اور کسی نہ کسی زمانہ میں آئے ہیں وہ ان خصوصیات سے ہمیشہ ممتاز ہوئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ خدا نے کسی نہ کسی طرح ان کو اپنے کلام و ارشاد سے مفتخر اور اپنے احکام سے مطلع فرمایا ہے۔ ان کے ادراک و احساس کی قوتوں کو اس قدر بلند کیا کہ عام انسانوں کو جو چیزیں نظر نہیں آتیں ان کو نظر آتی ہیں۔ عامہ بشر جن آوازوں کو نہیں سن سکتے وہ ان کو سنائی دی ہیں۔ ملائکہ الٰہی خدا کے قاصد بن کر ان کے پاس آئے ہیں، صداقت کے لحاظ سے ان کے خواب اور بیداری کا ایک ہی عالم رہا ہے۔ کیونکہ گو ان کی آنکھیں سوتی ہیں۔ (۱) لیکن ان کے دل نہیں سوتے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں میں سے کوئی نہ کوئی نشانی بھی عطا فرمائی ہے۔ (۲)

آنحضرت ﷺ چونکہ افضل الرسل، خاتم النبیین تھے اس لیے ان خصوصیات میں سے ہر خصوصیت کا وافر حصہ آپ ﷺ کو عنایت ہوا تھا، اسی لیے مکالمہ الٰہی، نزول ملائکہ، مشاہدۂ خواب و بیداری وغیرہ خصائص نبوت کے واقعات آپ ﷺ کی سیرت میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں سے بیشتر اور کامل نظر آتے ہیں۔ (۳) چنانچہ قرآن مجید میں ان کے اشارات اور احادیث صحیحہ میں ان کی تفصیلات مذکور ہیں۔ مختلف انبیاء میں ان خصائص کا کم و بیش ہونا بھی قرآن مجید کا فیصلہ ہے۔

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ (بقرہ: ۳۳)

''ان پیغمبروں میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت بخشی ہے ان میں سے بعض سے خدا نے باتیں کیں بعضوں کے رتبے بلند کیے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو ہم نے کھلی نشانیاں دیں اور روح القدس کے ذریعہ سے اس کی تائید کی۔''

دیکھیے کہ مکالمہ الٰہی، رفع درجات، عطائے نشان، تائید بروح القدس، یہ چاروں باتیں ایسی ہیں جن سے خدا کا کوئی فرستادہ محروم نہ تھا، تاہم چونکہ ان میں سے ہر چیز تمام پیغمبروں میں یکساں نہ تھی بلکہ بعض کو ان میں سے کسی چیز کا حصہ وافر دیا گیا تھا اور بعض کو کوئی دوسری چیز زیادہ ملی تھی اس لیے ہر پیغمبر کی طرف اس خاص چیز کی نسبت مخصوص طور

(۱) صحیح بخاری کتاب المناقب باب صفۃ النبی ﷺ و کتاب التوحید باب وکلم اللہ موسیٰ تکلیما۔
(۲) صحیح بخاری باب الاعتصام۔
(۳) کما قیل حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضاء داری۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔

Marfat.com

سے کی گئی ہے جس کا ان کی قسمت میں بڑا حصہ آیا تھا' اس سے یہ مقصود نہیں کہ نبوت کے ان خصائص سے کوئی پیغمبر محروم بھی تھا۔

ان خصائص میں سے اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ زور وحی اور نزول ملائکہ پر دیا ہے' ہر جگہ رسول اور نبی کی گویا تعریف ہی یہی کی ہے کہ ایک انسان جس کو خدا نے' اپنی پیمبری کے لیے منتخب کیا ہو' اور اس پر اپنی وحی نازل کی ہو۔

چنانچہ سورۂ نحل اور سورۂ انبیاء میں تمام پیغمبروں کا مشترک وصف یہ بتایا ہے۔

﴿وَمَا اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡ اِلَیۡهِمۡ﴾ (یوسف: ١٢) ''اور ہم نے اپنا قاصد بنا کر تم سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا لیکن وہ انسان تھے جن کی طرف ہم نے اپنی وحی بھیجی۔''

نزول ملائکہ کی نسبت بھی خدا نے یہ فرمایا کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فرشتوں کو اس لیے اتارتا ہے کہ وہ اس کی بات کو ان تک پہنچا دیں۔

﴿یُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَةَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ﴾ (نحل: ١) ''خدا اپنی بات کی روح دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فرشتوں کو نازل کرتا ہے۔''

ان کے علاوہ رویت ومشاہدۂ غیب اور سیر ملکوت کے احوال ومشاہد کا بھی اکثر انبیاء علیہم السلام کے سوانح زندگی میں ان کے درجوں اور رتبوں کے مطابق پیش آنا۔ اسفار وکتب الٰہی سے ثابت ہے جیسا کہ آئندہ اوراق کے مطالعہ سے ناظرین پر روشن ہوگا۔

❀❀❀

Marfat.com

مکالمہ الٰہی

﴿وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ﴾ (شوریٰ)

پیغمبروں کی خصوصیات میں سے سب سے بڑی خصوصیت مکالمہ الٰہی ہے قرآن مجید میں بار بار پیغمبروں کے ساتھ مخاطبہ ربانی اور مکالمہ الٰہی کی تصریح ہے اور مجموعہ توراۃ میں ہر پیغمبر کے متعلق اس کی شہادتیں موجود ہیں۔ خدا انبیاء سے کلام کیونکر کرتا ہے؟ قرآن مجید میں ایک آیت میں اس کی حسب ذیل تصریح ہے۔

﴿وَ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَکِیْمٌ﴾ (شوریٰ:۵)

''اور کسی بشر کی یہ تاب نہیں کہ خدا اس سے دو بدو کلام کرے لیکن وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کی آڑ سے یا یہ کہ وہ کسی قاصد کو بھیجے اور اس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے۔''

اس آیت میں مکالمہ الٰہی کی تین صورتیں بیان ہوئی ہیں۔ کلام بالوحی' کلام پس پردہ اور کلام بذریعہ قاصد و فرشتہ ان ہر سہ اقسام میں سے ہر پیغمبر کو کسی نہ کسی طریقہ کلام سے مشرف کیا گیا ہے۔ بعض پیغمبروں کو خصوصیت کے ساتھ کلام پس پردہ کے شرف سے ممتاز کیا گیا ہے' اسی لیے ان کے فضائل میں تکلم الٰہی کی فضیلت کو مستقل حیثیت دی گئی ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کہ ان کی شان میں۔

﴿وَ کَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا﴾ (نساء) ''خدا نے موسیٰ سے باتیں کیں۔''

کی تصریح ہے۔ ان کو وادی سینا کے ایک درخت سے خدا کی آواز سنائی دی۔ سورۂ بقرہ میں اس خاص طریقہ کلام کے دائرہ کو اور بھی وسعت دی گئی ہے۔ چنانچہ پیغمبروں کے وصف میں خدا نے فرمایا۔

﴿مِنْهُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰهُ﴾ (بقرہ) ''ان پیغمبروں میں سے بعض سے خدا نے باتیں کیں۔''

اس آیت کریمہ میں یہ تصریح نہیں کہ کن پیغمبروں کو خدا تعالیٰ نے اس مخصوص طریقہ کلام سے مشرف کیا' اس لیے اس شرف خاص میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دوسرے انبیاء بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو مکالمہ الٰہی کے تینوں مذکورہ طریقوں سے خدا کی ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا ہے' بلکہ واقعہ معراج میں وہ مرتبہ بھی پیش آیا ہے جہاں حبیب و محبوب کے درمیان قاصد و پیامبر سرے سے بیگانہ تھے۔ جہاں زمان و مکان اور جلوہ و نگاہ کی شرکت بھی مخل تنہائی تھی' جہاں نہ کوہ سینا تھا نہ برق طور دشت ایمن تھا نہ نخل وادی' صوت سرمدی سامعہ نواز تھی اور حقیقت محمدی ﷺ گوش سامع ﴿فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی﴾ (نجم) پھر اس نے اپنے بندہ سے چپ چاپ باتیں کیں' جو باتیں کیں۔

❁ ❁ ❁

Marfat.com

وحی

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (نجم)

گو مکالمہ الٰہی کی متعدد صورتیں ہیں جن میں سے ایک وحی بھی ہے، لیکن اسلام کے محاورہ میں وحی کا مفہوم اس قدر وسیع کر دیا گیا ہے کہ مکالمہ الٰہی کی تمام صورتیں اس کے تحت میں داخل ہو گئی ہیں۔ وحی کے معنی لغت میں حسب ذیل ہیں۔

﴿ الوحی الا شارة و الکتابة و الرسالة و الالهام و الکلام الخفی و کل ما القیته الی غیرک﴾ (لسان العرب)

''وحی کے معنی اشارہ کرنا' لکھنا' پیغام دینا' دل میں ڈالنا' چھپا کر بولنا اور جو کچھ تم دوسرے کے خیال میں ڈالو۔''

لکھنا عجاج کا شعر ہے۔

حتی نحاھم جدنا و لناحی
لقدر کان و حاہ الواحی

خط اور کتاب لبید کہتے ہیں۔

فمدافع الریان عری رسمہ
خلقا کما ضمن الوحی سلامھا

''توریان پہاڑ کے نالوں کے آثار پرانے ہو کر ایسے دھندلے ہو گئے جیسے پتھر میں لکھی ہوئی عبارت۔''

حکم دینا۔ عجاج کہتا ہے۔

وحی لھا القرار فاستقرت
و شدھا بالراسیات الثبت

زمین کو ٹھہرنے کا حکم دیا تو وہ ٹھہر گئی اور اسے جمے ہوئے پہاڑوں سے جکڑ دیا۔

چھپا کر بات کرنا۔ ابو ذویب کا شعر ہے۔

فقال لھا و قد اوحت الیہ
الا للہ اُمک ما تضیف

اس مرد نے کہا جب عورت نے اس سے پوشیدہ طریقہ پر گفتگو کی کہ تیری ماں کا کیا کہنا کہ وہ فال بد لیتی ہے۔

اشارہ کرنا۔

Marfat.com

یوحی الیھا بانقاض و نقنقة

وہ مرغ اس مرغی کی طرف کڑ کڑا کے اشارہ کرتا ہے۔

آواز۔ابوزبید۔

مر تجز الجوف بوحی اعجم

گھوڑے کے پیٹ سے نہ سمجھنے والی آواز آتی ہے۔

لیکن اہل لغت کہتے ہیں کہ اس لفظ کے اصلی معنی ''دوسروں سے چھپا کر کسی سے چپکے چپکے بات کرنے کے ہیں' کسائی عرب کا محاورہ بتاتا ہے کہ وحیت الیہ بالکلام واوحیہ الیہ ھوان تکلمہ بکلام تخفیہ من غیرہ یعنی کسی سے اس طرح باتیں کرو کہ اس کو دوسروں سے چھپاؤ۔ ابواسحاق لغوی کہتا ہے۔ واصل الوحی فی اللغۃ کلھا اعلام فی خفاء۔ وحی کا اصل مفہوم اس کے تمام معنوں پر ''چھپا کر اطلاع دینے'' کے ہیں۔

قرآن مجید میں یہ لفظ اپنے اصل مفہوم کے اندر تین معنوں میں آیا ہے۔

(۱) فطری حکم۔

﴿وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ﴾ (نحل) ''تیرے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کو وحی کیا۔''

﴿بِاَنَّ رَبَّکَ اَوۡحٰی لَهَا﴾ (زلزال) ''اس لیے کہ تیرے پروردگار نے ''زمین'' کو وحی کیا۔''

عجاج کے اس شعر میں بھی یہی معنی ہیں۔

وحی لھا القرار فاستقرت

و شدھا بالراسیات الثبت

خدا نے زمین کو ساکن رہنے کی وحی کی تو وہ ساکن ہے اور اس کو مضبوط پہاڑوں سے باندھ دیا ہے۔

(۲) دل میں بات ڈال لینا۔

﴿وَ اِذۡ اَوۡحَیۡتُ اِلَی الۡحَوَارِیّٖنَ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِیۡ وَ بِرَسُوۡلِیۡ﴾ (مائدہ) ''اور جب میں نے حواریوں کو ''وحی کیا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ۔''

﴿وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی اَنۡ اَرۡضِعِیۡهِ﴾ (قصص:۱۰) ''اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو ''وحی کیا'' کہ اس بچہ کو دودھ پلاؤ۔''

(۳) چپکے بات کرنا۔

﴿یُوۡحِیۡ بَعۡضُهُمۡ اِلٰی بَعۡضٍ زُخۡرُفَ الۡقَوۡلِ﴾ (انعام) ''یہ ایک دوسرے کو چکنی چپڑی بات ''وحی'' کرتے ہیں۔''

﴿وَاِنَّ الشَّیٰطِیۡنَ لَیُوۡحُوۡنَ اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓئِهِمۡ﴾ (۴) (انعام) ''اور یہ شیطان لوگ اپنے دوستوں کو ''وحی'' کرتے ہیں۔''

وحی کے ان متفرق معنوں میں ایک مفہوم مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ''منہ سے لفظ نکالے بغیر ایک شخص کا

Marfat.com

دوسرے شخص کو مفہوم سمجھا دینا۔'' یا اگر الفاظ ہوں تو وہ اس قدر پوشیدہ ہوں کہ دوسرے ان کو نہ سن سکیں' اس لیے اشارہ کرنا' لکھنا' دل میں ڈال دینا' حکم فطری' خط و کتابت اور جانوروں کا اپنے حرکات سے اپنا مطلب ظاہر کرنا' سب اس کے معنوں میں داخل ہیں۔ بہر حال اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وحی کا لفظ جس مذہبی معنی میں مستعمل ہے' وہ در حقیقت لغوی معنی کے بہت قریب ہے چنانچہ خود شعرائے جاہلیت نے اس کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے' آنحضرت ﷺ کے مکالمہ الٰہی اور روحی کا آغاز رویا اور خواب سے ہوا' صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔

اول مابدیٔ به رسول الله صلی الله علیه وسلم من الوحی الرویا الصالحة فی النوم فکان لایری رویا الاجاء ت مثل فلق الصبح

''آنحضرت ﷺ کے ساتھ وحی کا آغاز اچھے خواب سے ہوا۔ آپؐ جو خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہوتا تھا۔''

صحیح بخاری کے پہلے ہی باب میں حدیث ہے کہ ایک صحابی نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ پر وحی کیونکر آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔

احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس و هو اشده علی فیفصم عنی و قد وعیت عنه ما قال. و احیانا یتمثل لی الملک رجلا فیکلمنی فاعی ما یقول

''کبھی گھنٹی کی آواز کی طرح میرے پاس آتی ہے اور یہ مجھ پر زیادہ سخت ہوتی ہے اور پھر یہ حالت دور ہو جاتی ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے میں اس کو محفوظ کر لیتا ہوں اور کبھی وہ فرشتہ جبریل میرے لیے انسان کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور مجھ سے باتیں کرتا ہے۔ اور جو وہ کہتا ہے اس کو میں محفوظ کر لیتا ہوں۔''

صلصلة الجرس۔ ''یعنی گھنٹہ کی آواز کی طرح آواز کا ہونا۔'' اس کی تشریح متکلمین اور ارباب باطن نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق کی ہے۔ لیکن ہم اس کا صاف اور صریح مطلب یہ سمجھتے ہیں جو عوام ہاتف غیب یا منادی غیب کے لفظ سے سمجھتے ہیں۔ یعنی یہ کہ آواز سنائی دے' لیکن کوئی صورت نظر نہ آئے۔ بانگ جرس کے ساتھ اس کی تشبیہ محض اس بات میں ہے کہ جس طرح دور سے جرس کی آواز سنائی دیتی ہے اور اس کے متعینہ اشاروں سے انسان کچھ سمجھ جاتا ہے' حالانکہ جرس یا اس کے بجانے والے کی شکل آنکھوں سے اوجھل یا بہت دور ہوتی ہے اسی طرح پیغمبر کبھی دور سے منادی غیب کی آواز سنتا ہے' لیکن کوئی مجسم شکل اس کے سامنے نہیں ہوتی' اسی کے بالمقابل آپؐ نے وحی کی دوسری صورت یہ بیان فرمائی کہ بولنے والا فرشتہ مجسم ہو کر سامنے آتا ہے اور وہ باتیں کرتا ہے۔

حدیثوں میں طریقہ وحی کی اور صورت بھی آئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے۔

((ان روح القدس نفث فی روعی)) ''روح القدس نے میرے دل میں پھونکا۔''

اور کہیں یہ صیغہ مجہول کے ساتھ آیا ہے۔

((نفث فی روعی)) ''میرے دل میں پھونکا گیا۔''

حافظ ابن قیم نے ان ہی حدیثوں کو پیش نظر رکھ کر وحی کی حسب ذیل قسمیں قرار دی ہیں۔

(۱) رویائے صادقہ۔ سچ خواب دیکھنا۔

Marfat.com

(۲) نفث فی الروع یا القاء فی القلب۔ دل میں پھونکنا یا دل میں ڈالنا۔

(۳) صلصلۃ الجرس۔ گھنٹہ کی طرح آواز آنا۔

(۴) تمثل۔ فرشتہ کا کسی شکل میں متشکل ہو کر نظر آنا۔

(۵) فرشتہ کا اپنی اصلی صورت میں نمودار ہونا۔

(۶) وہ طریق مکالمہ جو معراج میں پیش آیا۔

(۷) بلا واسطہ مکالمہ۔

صحیح بخاری بدء الوحی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیسری صورت مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے اور پھر وہ شدت جاتی رہتی ہے۔ آپ ﷺ پر وحی آتی تھی تو آپ ﷺ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی تھی' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وحی اترنے کی حالت میں میں نے آپؐ کو دیکھا کہ جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی تھی تو سخت سردی کے دنوں میں بھی جبین مبارک عرق آلود ہو جاتی تھی۔ (۱)

ایک اور موقع پر حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وحی کی حالت میں آپ ﷺ پر شدت کی جو کیفیت طاری ہوتی تھی وہ ہوئی' اور وحی کے بوجھ سے جاڑوں میں آپ ﷺ کی پیشانی سے موتیوں کی طرح پسینے کے قطرے ڈھلکنے لگے۔ (۲) صحابہؓ کا بیان ہے کہ اس حالت میں جسم مبارک بہت بھاری ہو جاتا تھا۔ سواری کے اونٹ بیٹھ جاتے تھے۔ (۳) حضرت زیدؓ بن ثابت کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ پر وحی آئی اور میرا پاؤں زانوئے مبارک کے نیچے دبا تھا۔ مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا پاؤں بوجھ سے ٹوٹ جائے گا۔ (۴) یعلیٰؓ بن اُمیہ ایک صحابی تھے ان کو بڑا شوق تھا کہ ایک دفعہ وہ نزول وحی کے عالم میں وہ آپ ﷺ کی زیارت کرتے۔ اتفاق سے حج کے سفر میں ان کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا ہے۔ اور آپؐ خراٹے لے رہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں یہ حالت رفع ہو گئی۔ (۵) عبادہؓ بن صامت کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ کو بے چینی ہوتی۔ چہرے کا رنگ بدل جاتا۔ آپ ﷺ سر جھکا لیتے۔ صحابہؓ جو آپ کے ساتھ بیٹھے ہوتے وہ بھی سر نیچے کر لیتے' وحی کے بعد آپ ﷺ سر اٹھاتے۔ (۶)

فرشتہ کی زبانی سب سے پہلی وحی غار حرا میں آئی۔ اس وقت عمر شریف چالیس برس کی تھی اور ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴾ کی ابتدائی آیتیں اس مکتب کا اولین درس تھا۔ اس کے بعد کچھ دنوں تک وحی کا سلسلہ رکا رہا' آپ ﷺ کو سخت صدمہ ہوا۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

---

(۱) بخاری بدء الوحی۔

(۲) بخاری واقعہ افک۔

(۳) مسند ابن حنبل بسند عائشہؓ و مستدرک حاکم تفسیر سورہ مزمل۔

(۴) صحیح بخاری و جامع ترمذی تفسیر سورہ نسا۔

(۵) صحیح بخاری کتاب الحج و باب کیف نزول الوحی۔

(۶) صحیح مسلم باب عرق النبی ﷺ۔

Marfat.com

﴿ وَالضُّحٰی وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَا قَلٰی ﴾ (الضحیٰ)
''قسم ہے دن کی جب کہ وہ پوری روشنی پر ہو اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ سنسان ہو جائے کہ تیرے پروردگار نے نہ تجھ کو چھوڑا ہے اور نہ تجھ سے اس نے اپنی محبت اٹھائی۔''

لیکن صحیح بخاری تفسیر سورۂ والضحیٰ اور باب کیف نزول الوحی میں ہے کہ اس سورہ کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ بیمار تھے۔ چند روز راتوں کو اٹھ کر عبادت الٰہی میں مصروف نہ ہو سکے تو ایک ہمسایہ عورت نے طعن سے کہا کہ ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا کیونکہ وہ دو تین روز سے تیرے پاس نہیں آیا ہے۔'' اس پر یہ سورہ نازل ہوئی۔ اسی موقع پر دوسری روایت ہے کہ اس عورت نے کہا۔ ''میں دیکھتی ہوں کہ تیرے رفیق نے تم سے ملنے میں تاخیر کی ہے۔'' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورۃ اس کے بعد کسی اور زمانہ میں نازل ہوئی ہے۔

تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے۔ (۱) کہ فترۃ الوحی یعنی سلسلہ وحی کے رک جانے (فترۃ) کے بعد سب سے پہلے سورۂ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں۔ آپ ﷺ حرا سے واپس آ رہے تھے کہ راہ میں ایک آواز سنائی دی۔ آپ ﷺ نے ادھر ادھر دیکھا' کچھ نظر نہ آیا' اوپر دیکھا تو وہی فرشتہ نظر آیا۔ آپ ﷺ حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے تو کہا مجھے کمبل اوڑھا دو' اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو' اسی حالت میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

﴿ یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَ رَبَّکَ فَکَبِّرْ ﴾ (سورہ مدثر)
''اے گلیم پوش! اٹھ اور لوگوں کو خدا سے ڈرا۔ اپنے رب کی کبریائی بیان کر۔''

اس کے بعد مسلسل وحی نازل ہونی شروع ہوگئی۔ (۲) اور اس کا تار اس وقت تک نہ ٹوٹا جب تک حیات طیبہ کا ظاہری سلسلہ منقطع نہ ہو گیا۔ یعنی چالیس برس کے سن سے لے کر تریسٹھ سال کے سن تک کل ۲۳ برس نزول وحی کے ہیں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے آخر عمر میں وحی کی کثرت ہو گئی تھی۔ (۳) محدثین نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ چونکہ مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تھی' اطراف ملک سے وفود کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا۔ احکام اور لوگوں کے استفسارات بڑھ گئے تھے اس لیے مخاطبہ الٰہی کی ترقی بھی اس کے ساتھ ضروری تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وفات نبوی ﷺ کے بعد جب ان ایام سعادت کو یاد کرتے تھے' جب مدینہ کی گلیاں روح الامین کی گزرگاہ اور مدینہ کے در و دیوار وحی کے مطلع انوار تھے تو ان کی آنکھیں اشک آلود ہو جاتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ جمعہ کی نماز کے بعد ایک بوڑھی صحابیہؓ تھیں ان کی ملاقات کو تشریف لے جاتے

---

(۱) اس کے برخلاف صرف حضرت جابرؓ کی حدیث ہے۔ (بخاری باب بدء الوحی و باب کیف نزول الوحی کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ سب سے پہلی وحی میں سورۂ مدثر کی یہ آیتیں نازل ہوئیں مگر اجماع عام یہ ہے کہ یہ حضرت جابرؓ کا وہم ہے وہ آیتیں فترۃ وحی کے بعد سب سے پہلے اتریں۔

(۲) صحیح بخاری باب بدء الوحی تفسیر سورۂ بدر۔

(۳) صحیح بخاری باب کیف نزول الوحی۔

Marfat.com

تھے۔آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان کے گھر تشریف لے گئے۔دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔سبب دریافت کیا تو کہا آہ! کہ آنحضرت ﷺ وفات پا گئے اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا' یہ سن کر ان صاحبوں رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ (۱)

قرآن مجید نے وحی کی حقیقت کو اس قدر بلند کیا ہے کہ وہ نبوت کی مرادف ہو گئی ہے' دنیا کے دوسرے مذاہب میں نبوت کی حقیقت یا تو سراسر مفقود ہے اور یا یہ کہ اس کو انسانیت اور بشریت کے پرتو سے اس قدر منزہ سمجھا ہے کہ اس کو الوہیت کا ہم رتبہ قرار دے دیا ہے۔لیکن قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کو کئی دفعہ اس اعلان کی تاکید کی ہے۔

﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾ (۲) (کہف وفصلت) — ''کہہ دو کہ میں تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہوں (فرق یہ ہے) کہ میرے پاس وحی بھیجی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہے۔''

آنحضرت ﷺ جو کچھ خدا کی طرف سے لوگوں کو سناتے تھے۔وہ چیز آپ ﷺ کے نفس وارادہ سے نہیں اٹھتی تھی بلکہ خدا کی طرف سے ان کے اندر آتی تھی۔

﴿ وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾ (نجم:۱) — ''وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا بلکہ وہ وحی ہے جو اس کو بھیجی جاتی ہے۔''

البتہ اس کا مواد اور مہبط آپ ؐ کا پاک اور منزہ قلب تھا۔

﴿فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (بقرہ:۱۲) — ''اسی نے اس کو تمہارے قلب پر خدا کے حکم سے اتارا ہے۔''

﴿نزل به الروح الامین علی قلبک﴾ (۲) (شعراء:۱۱) — ''روح الامین نے اس کو تیرے قلب پر اتارا ہے۔''

اور یہی مجموعۂ وحی آپ ﷺ کی نبوت کا بڑا معجزہ ہے۔ارشاد ہوا کہ دنیا میں کوئی پیغمبر نہیں آیا لیکن اس کو ایسی چیز دی گئی جس کو دیکھ کر لوگ اس پر ایمان لائے لیکن مجھے جو چیز دی گئی وہ وحی ہے جو مجھ پر اتاری گئی۔ (۱) سرمایہ وحی کی جو دولت اسلام کو ہاتھ آئی وہ قرآن کی صورت میں مسلمانوں کے سینوں اور سفینوں میں اب تک محفوظ ہے۔اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ گنج گرانمایہ حدیث صحیح کے اوراق میں مخزون ہے۔حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔''مجھے قرآن عطا کیا گیا اور اتنا ہی اور۔'' (۲) یعنی وہ احکام ومواعظ جن کو جاں نثاروں نے حرز جان بنا کر رکھا اور دوسروں کو سپرد کیا۔یعلیؓ بن امیہ صحابی حجۃ الوداع کے زمانہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جعرانہ میں آپ ﷺ تھے کہ ایک شخص نے آ کر سوال کیا' یا رسول اللہ ﷺ! آپ اس شخص کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں جس نے کپڑوں میں خوشبو مل لینے کے بعد احرام کی نیت کی؟ آنحضرت ﷺ نے کسی قدر انتظار کیا۔آپ ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی جب وہ

---

(۱) صحیح مسلم فضائل حضرت ام ایمنؓ۔

(۲) صحیح بخاری باب کیف نزول الوحی وصحیح مسلم کتاب الایمان۔

(۳) ابوداؤد کتاب السنۃ۔

Marfat.com

کیفیت زائل ہوئی تو آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ وہ آدمی کہاں گیا؟ لوگ اس کو سامنے لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''جو خوشبو تم مل چکے ہو اس کو تین دفعہ دھوڈالو اور اس کپڑے کو اتار ڈالو پھر حسب معمول عمرہ ادا کرو۔''[1]

ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ روح القدس نے میرے دل میں یہ ڈالا ہے کہ کوئی انسان اس وقت تک مر نہیں سکتا جب تک وہ اپنی روزی پوری نہ کرے۔ تو لوگو خدا سے ڈرو اور روزی کی تلاش میں صحیح طریقہ کو کام میں لاؤ' رزق میں تاخیر تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے' کہ گناہ کے ذریعوں سے روزی کو تلاش کرو' کیونکہ جو خدا کے پاس ہے وہ اس کی بندگی ہی سے مل سکتا ہے۔[2] حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ مجھ سے جبرائیل نے کہا کہ آپ ﷺ کی اُمت میں جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے کسی کو خدا کا شریک نہیں کیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔[3]

اور بہت سی حدیثیں ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے یا خدا نے مجھ سے یہ کہا ہے لیکن وہ قرآن مجید کے اجزاء نہیں ہیں۔ اسی لیے فقہاء نے وحی کی دو قسمیں کر دی ہیں۔ وحی متلو یعنی وہ وحی جو تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآن' اور وحی غیر متلو جو تلاوت نہیں کی جاتی۔ مثلاً وہ احکام و نصائح جو بروایت صحیح احادیث میں مذکور ہیں۔ پہلی وحی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ایک ایک حرف تواتر روایت سے ثابت ہے اور وہ اپنے لفظ و معنی دونوں کے لحاظ سے خدا کا کلام ہے' دوسری قسم تواتر سے بہت کم مروی ہے اور وہ اپنے الفاظ کے لحاظ سے خدا کا کلام نہیں بلکہ اپنے معنی کے لحاظ سے خدا کا ارشاد ہے۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀

---

(۱) صحیح بخاری باب نزول القرآن۔

(۲) مستدرک حاکم ج ۲ ص ۴ حیدرآباد۔

(۳) صحیح بخاری کتاب الجنائز باب بدء الخلق۔

Marfat.com

نزول ملائکہ

﴿اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا﴾ (الحج)

لفظ ''ملائکہ'' کا واحد ''ملاک'' ہے جو عربی قاعدہ سے ''ملک'' ہو گیا ہے۔ یہ الوکۃ سے مشتق ہے جس کے معنی پیغام کے ہیں' اس لیے ملائکہ کے معنی پیغام رساں اور قاصد کے ہیں۔

ملائکہ الٰہی خالق اور مخلوق کے درمیان قاصد ہیں۔ قرآن مجید نے متعدد مقامات پر ان کو رسل اور رسل اللہ یعنی قاصدان الٰہی کہا ہے۔

﴿اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا﴾ (الحج:۱۰) ''خدا فرشتوں میں سے اپنے پیغامبر منتخب کرتا ہے۔''

علاوہ ازیں یہ خدا کے حکم سے عالم کی مشین کے پرزوں کو ہلاتے اور چلاتے ہیں اور اسی لیے خدا نے ان کو ''مدبرات امر'' کے نام سے بھی یاد کیا ہے (سورہ والنازعات) ان کی مخصوص صفت یہ ہے کہ خدا کے سراپا مطیع ہیں اور اس کے کسی امر یا اشارہ سے کبھی روگردانی نہیں کرتے۔

﴿عَلَیۡہَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعۡصُوۡنَ اللّٰہَ مَاۤ اَمَرَہُمۡ وَ یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ﴾ (۲) (تحریم:۱) ''اس پر سخت اور مضبوط فرشتے ہیں' اللہ ان کو جو حکم دیتا ہے وہ اس سے روگردانی نہیں کر سکتے اور وہ وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔''

انبیاء علیہم السلام کی تمام سیرتیں فرشتوں کی آمد' ان کی بشارت اور نصرت سے معمور ہیں۔ توراۃ اور انجیل' قرآن ہر کتاب الٰہی ان کے کارناموں کی شاہد ہے۔ حضرت آدمؑ کی بارگاہ میں انہوں نے سجدہ کیا' حضرت ابراہیمؑ کے مہمان خانہ میں یہ بھیجے گئے۔ حضرت لوطؑ کی حفاظت اور ان کی قوم کی بربادی پر یہ مامور ہوئے۔ حضرت حاجرہؓ کو بیابان میں یہ نظر آئے۔ حضرت یعقوبؑ کے خیمہ میں ان کا دنگل ہوا۔ حضرت ایوبؑ کے مناظرۂ جبر و اختیار میں حکم یہ قرار پائے حضرت زکریاؑ اور مریمؑ کو بشارت انہوں نے دی۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں بھی یہ مختلف فرائض پر مامور ہوئے۔ یہ آپ ﷺ کی خدمت میں احکام الٰہی کے قاصد تھے' دشمنوں سے وجود اقدس کی محافظت ان کے سپرد تھی۔ کمزور اور ناتوان مسلمانوں کی دستگیری ان کا فرض تھا۔ ملائکہ کے سرخیل جبریلؑ ہیں اور وہی خدا اور پیغمبروں کے درمیان سفارت پر مامور ہیں' اور یہی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھی آ کر سفارت کا فرض انجام دیتے تھے اور خدا کا پیغام پہنچاتے تھے۔

نزول جبریلؑ:

''جبریل'' عبرانی لفظ ہے جس کے لغوی معنی ''مرد خدا'' کے ہیں۔ لیکن اصطلاح شریعت میں اس فرشتہ کا نام ہے جو خدا اور خاصان خدا کے درمیان پیامبری کی خدمت انجام دیتا ہے توراۃ اور انجیل میں بھی یہ نام اسی حیثیت سے

Marfat.com

مستعمل ہوا ہے چنانچہ دانیال (۸،۱۶،۹،۲۱) میں اس کی پیامبری کا بیان ہے اسی طرح انجیل (لوقا۱،۱۹،۲۶) میں مذکور ہے کہ وہ حضرت زکریا کے پاس حضرت یحییٰ کی بشارت اور حضرت مریم کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت لے کر آیا تھا۔ قرآن مجید نے بتایا ہے کہ وہ پیامبر جو آنحضرت ﷺ اور خدا کے درمیان وحی کا ایلچی تھا وہ یہی جبریلؑ تھا۔

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (بقرہ: ۱۲)

''جو جبریل کا دشمن ہو وہ ہو کیونکہ (اے پیغمبر) اس نے خدا کے حکم سے تیرے دل پر اس کو نازل کیا ہے۔''

اور کہیں اس کو الروح الامین (امانت دار روح) سے تعبیر کیا ہے۔

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ﴾ (شعراء: ۱۱)

''امانت دار روح اس کو لے کر تیرے دل پر اتری تا کہ تو لوگوں کو خدا کے خوف سے ڈرانے والوں میں ہو۔''

سورۂ نحل میں اس کو روح القدس (پاکی کی روح) کہا گیا ہے۔

﴿قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ﴾ (نحل: ۱۴)

''کہہ دے کہ اس کو روح القدس نے تیرے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ اتارا ہے۔''

رسول (فرستادہ) کا لفظ بھی اس کی شان میں استعمال کیا گیا ہے۔

﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ﴾ (الحاقہ)

''یہ تو ایک بزرگ فرستادہ کی بات ہے۔''

سورۂ تکویر میں اس ''رسول'' کے متعدد صفات کا بھی ذکر کیا ہے۔

﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ﴾ (تکویر)

''یہ تو ایک بزرگ فرستادہ کی بات ہے جو قوت والا ہے اور تخت والے خدا کے حضور میں اس کا اعتبار ہے اس کی سب اطاعت کرتے ہیں اور وہ امانت والا ہے۔''

سورۂ نجم میں اس کے کچھ اور صفات بھی مذکور ہیں۔

﴿عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَى﴾ (نجم)

''اس پیغمبر کو بڑی قوتوں والے اور بڑی طاقت والے نے تعلیم دی۔''

آغاز وحی کے واقعہ میں آنحضرت ﷺ نے جبریل کے لیے ''الملک'' کا لفظ فرمایا ہے اور ورقہ نے اس کو ناموس کے لفظ سے ادا کیا ہے۔ ملک کی اصل جیسا کہ ابتدا میں بتایا جا چکا ہے ملاک جو الوکۃ سے نکلا ہے اور جس کے معنی پیام کے ہیں اس لیے ملک کے معنی پیامبر کے ہوئے اور لفظ ناموس کے معنی محرم اسرار اور راز داں کے ہیں۔ بہر حال یہ تمام مختلف الفاظ اور عنوانات ایک ہی مفہوم و معنی کو ادا کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں جبریل کا نام تین مقام پر آیا ہے دو جگہ سورۂ بقرہ میں اور ایک جگہ سورۂ تحریم میں لیکن اس خصوصیت کے ساتھ کہ وہ وحی محمدی کے پیامبر اور قرآن کے حامل ہیں صرف ایک ہی موقع پر قرآن مجید نے اس نام سے ان کو یاد کیا ہے اور وہ اس آیت میں۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ

جو جبریل کا دشمن ہو وہ ہو کیونکہ اس نے تو تیرے قلب

Marfat.com

بِاِذْنِ اللّٰہِ (البقرہ : ۱۳) پر خدا کے حکم سے اس کو اتارا ہے۔

دوسری آیتوں میں قرآن مجید نے حامل فرشتہ کی تعبیر (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) روح الامین' روح القدس۔

اور رسول کریم کے الفاظ سے کی ہے۔ لیکن احادیث اور روایات میں ان الفاظ کے بجائے جبریل ہی کا لفظ عام طور سے مستعمل ہوا ہے۔

ایک پیامبر کی حیثیت سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جبریلؑ کی سب سے پہلی آمد اس وقت ہوئی ہے جب آپ غار حرا میں معتکف تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی زبانی یہ واقعہ ان الفاظ میں ادا ہوا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی وحی کا آغاز خواب میں رویائے صالحہ سے ہوا۔ آپؐ جو رویا دیکھتے تھے وہ سپیدۂ سحر کی طرح (سچا ہو کر) نمودار ہوتا تھا' پھر (طبیعت مبارک میں) تخلیہ پسندیدہ کیا گیا۔ غار حرا میں جا کر آپؐ تنہا کچھ دن بسر کرتے تھے اور عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے جاتے تھے جب وہ سامان ختم ہو جاتا تو گھر واپس آتے اور پھر نیا سامان لے کر غار میں چلے جاتے' یہاں تک کہ حق آپؐ کے سامنے آ گیا اور فرشتہ آپؐ کے سامنے آ گیا اور اس نے کہا ''پڑھ'' آپؐ نے فرمایا۔ ''میں پڑھا نہیں ہوں۔'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس نے مجھ کو پکڑ کر اتنا دبایا کہ وہ تھک گیا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ ''پڑھ'' میں نے پھر وہی جواب دیا۔ اس نے مجھے اتنا دبایا کہ وہ تھک گیا اور چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھ۔ میں نے پھر کہا کہ میں پڑھا نہیں ہوں۔ اس نے تیسری دفعہ دبایا اور چھوڑ دیا اور کہا۔

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾ (علق)

''اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا' پڑھ اور تیرا پروردگار بڑا بزرگ ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے سکھایا اور انسان کو وہ کچھ تعلیم کی جو نہیں جانتا تھا۔''

آنحضرت ﷺ ان آیتوں کے ساتھ واپس گھر آئے' قلب مبارک پر لرزہ تھا۔ حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے اور فرمایا۔ ''مجھے کمبل اوڑھاؤ' مجھے کمبل اوڑھاؤ'' انہوں نے آپؐ کو کمبل اوڑھایا۔ جب آپؐ کو سکون ہوا تو حضرت خدیجہؓ سے تمام ماجرا بیان کر کے فرمایا کہ ''مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔'' حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ ہرگز آپؐ کی جان کو خطرہ نہیں' خدا آپؐ کو کبھی رسوا نہ کرے گا' آپ قرابت داروں کا حق ادا کرتے ہیں' لوگوں کے بوجھ کو آپؐ خود اٹھاتے ہیں۔ فقیروں اور مسکینوں کی مدد کرتے ہیں' مسافروں کی مہمان نوازی کرتے ہیں' انصاف کی خاطر آپؐ لوگوں کی مصیبتوں میں کام آتے ہیں۔ پھر آپؐ کو لے کر وہ ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی یا عربی لکھنا جانتے تھے (شاید توراۃ سے مراد ہو) اور انجیل کو عبرانی یا عربی میں لکھتے تھے [1] اور بہت بڈھے تھے اور آنکھوں کی روشنی بھی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ ''اے ابن عم! اپنے بھتیجے کا ماجرا سنیئے۔'' ورقہ نے

(۱) دو روایتیں ہیں ایک میں ہے کہ عبرانی میں لکھتے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ عربی میں لکھتے تھے۔

Marfat.com

کہا۔''اے میرے بھتیجے بتاؤ تم کیا دیکھتے ہو؟'' آنحضرت ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا بیان فرمایا۔ورقہ نے کہا:'' یہ وہی ناموس (محرم اسرار) ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اتارا گیا تھا' اے کاش کہ میں اس وقت جوان ہوتا' اے کاش کہ میں اس وقت زندہ ہوتا جب کہ تمہاری قوم تم کو نکال دے گی۔'' آپؐ نے پوچھا ''کیا میری قوم مجھ کو نکال دے گی؟'' اس نے جواب دیا'' ہاں جو کچھ تم لے کر آئے ہو اس کو لے کر کوئی آدمی نہیں آیا جس سے لوگوں نے دشمنی نہ کی ہو اور اگر اس زمانہ تک میں زندہ رہا تو تمہاری ہر طرح مدد کروں گا۔'' اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد ورقہ نے وفات پائی۔ (۱)

اس کے بعد جبرئیل کی آمد رکی رہی اور آپؐ بدستور غار حرا میں جاتے رہے' اسی اثناء میں ایک دن آپؐ غار حرا سے نکل کر اور پہاڑی سے نیچے اتر کر جب میدان میں پہنچے تو غیب سے ایک آواز آئی۔آپؐ نے فرمایا۔میں نے آگے پیچھے' داہنے بائیں دیکھا' پھر نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو پہلے غار حرا میں نظر آیا تھا' آسمان اور زمین کے درمیان میں تخت پر بیٹھا ہے۔میں مرعوب ہو کر گھر واپس آیا۔اس کے بعد حضرت جبریلؑ کی پے در پے آمد شروع ہوئی۔

جبریلؑ جب وحی لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آتے تو آپؐ جلد از جلد اپنی زبان سے ان کے الفاظ کو ادا کرنے لگتے اس پر حکم ہوا۔ (۲)

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ﴾ (قیامہ:۱)

''وحی کے الفاظ کے ساتھ اپنی زبان کو عجلت طلبی کے لیے جنبش نہ دو اس کی حفاظت اور قراءت کا فرض ہم پر ہے۔''

اس کے بعد جب جبریلؑ نازل ہوتے تو آپؐ خاموشی سے سنتے اور ان کے چلے جانے کے بعد آپؐ اس کو پڑھتے۔بارگاہ نبویؐ میں جبریلؑ کے آنے کا کوئی وقت معین نہ تھا' صبح و شام' روز و شب' صلح و جنگ ہر وقت فیضان الٰہی کا چشمہ ابلتا رہتا تھا۔حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپؐ نصف شب کو سوتے تھے کہ اٹھ کر بقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے۔صبح کو آپؐ نے فرمایا رات جبریلؑ نے مجھے پیغام دیا کہ میں اس وقت بقیع جا کر لوگوں کی مغفرت کی دعا مانگوں (۳) غزوۂ بدر میں آپؐ نے فرمایا کہ دیکھو یہ جبریلؑ اپنے گھوڑے کی لگام تھامے کھڑے ہیں۔ (۴) غزوۂ خندق سے جب مسلمانوں کی فوج لے کر آنحضرت ﷺ واپس آئے اور ہتھیار کھول کر غسل فرمایا تو جبریلؑ نے سامنے آ کر کہا کہ آپؐ نے ہتھیار کھول دیئے۔حالانکہ ہم اب تک مسلح ہیں اور بنو قریظہ کو ابھی ان کی غداری کا صلہ دینا ہے۔ (۵) بایں ہمہ سب سے زیادہ جبریلؑ کی آمد آپؐ کے پاس ماہ رمضان میں ہوتی تھی' جس میں وہ ہر

(۱) صحیح بخاری بدء الوحی و کتاب التفسیر و تفسیر سورۂ مدثر میں یہ پورا واقعہ مفصل مذکور ہے۔میں نے ان تینوں روایتوں کو تسلسل کے لیے یکجا کر دیا ہے۔چونکہ استاد مرحوم نے جلد اول میں ان تفصیلات کو قلم انداز کر دیا تھا اس لیے یہاں ان کے لکھنے کی ضرورت ہوئی۔

(۲) صحیح بخاری باب بدء الوحی۔

(۳) نسائی باب الاستغفار للمومنین۔

(۴) صحیح بخاری غزوۂ بدر۔

(۵) صحیح بخاری غزوۂ خندق۔

Marfat.com

روز آ کر آپؐ سے قرآن مجید سنتے تھے اور خود آپؐ کو سناتے تھے۔ (۱)

جبریلؑ اس وقت بھی آتے تھے جب آپؐ لوگوں کے مجمع میں بیٹھے ہوتے تھے' لیکن جو کچھ آپ دیکھتے اور سنتے تھے وہ عموماً اوروں کو دکھائی اور سنائی نہیں دیتا تھا۔ ایک دفعہ آپؐ حضرت عائشہؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے آپؐ نے فرمایا۔ ''اے عائشہؓ! جبریلؑ تم پر سلام بھیجتے ہیں۔'' انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ! آپؐ وہ دیکھتے ہیں جو میں نہیں دیکھتی (۲) توراۃ میں انبیائے بنی اسرائیل کے قصوں میں اس فرشتہ غیب کے تجسم اور تشکل کے بکثرت واقعات مذکور ہیں۔ انجیل میں ہے کہ روح القدس کبوتر کی شکل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اتری۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت ﷺ لوگوں کے ساتھ باہر بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آ کر آپؐ کے پاس بیٹھا اور سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ ''ایمان یہ ہے کہ خدا پر' اس کے فرشتوں پر' خدا سے ملنے' پر اور اس کے پیغمبروں پر اور قبر سے پھر جی اٹھنے پر تم یقین رکھو۔'' اس نے پھر پوچھا کہ ''اسلام کیا ہے؟'' جواب دیا یہ کہ ''تم خدا کی اطاعت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور نماز پڑھو' زکوٰۃ مفروضہ دو' روزے رکھو۔'' اسی نے کہا۔ ''اور احسان کیا ہے؟'' ارشاد ہوا ''احسان یہ ہے کہ تم خدا کو اس طرح پوجو کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو' کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔'' اس نے پھر سوال کیا ''کہ قیامت کب آئے گی؟'' آپؐ نے فرمایا۔ مجیب اس باب میں سائل سے زیادہ واقف نہیں' البتہ میں تمہیں اس کی علامتیں بتاتا ہوں' جب لونڈی اپنے آقا کو جنے اور جب اونٹوں کے چرانے والے بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں۔ قیامت کا علم ان پانچوں باتوں میں سے ہے جن کو خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ (۳) پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت کی۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ ''قیامت کا علم خدا ہی کو ہے۔''

وہ شخص اس کے بعد اٹھ کر چلا تو آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ ذرا اس کو واپس بلالو' لوگوں نے ادھر ادھر دیکھا تو کچھ نظر نہ آیا۔ ''یہ جبریلؑ تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔''

صحابہؓ میں دحیہؓ نامی ایک صحابی بہت حسین تھے۔ جبریل اکثر ان ہی کی صورت میں مجسم ہو کر آیا کرتے اور اس حالت میں کبھی کبھی لوگوں کو نظر بھی آ جاتے تھے۔ حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ دحیہؓ آپؐ کے سامنے بیٹھے آپؐ سے باتیں کر رہے ہیں۔ مجھے کچھ بھی شک نہ ہوا کہ یہ دحیہؓ نہیں ہیں۔ اتنے میں مسجد نبوی میں' میں نے آپؐ کے خطبہ کی آواز سنی کہ آپؐ فرما رہے تھے کہ ابھی میرے پاس جبریلؑ آئے' ام سلمہؓ کہتی ہیں۔ تب میں سمجھی کہ وہ اصل میں دحیہؓ نہیں بلکہ جبریل امین تھے۔ (۴)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جبریلؑ کو آنحضرت ﷺ نے ان کی اصلی شکل میں دو دفعہ ملاحظہ فرمایا (۵)

---

(۱) صحیح بخاری باب بدء الوحی۔

(۲) صحیح بخاری باب بدء الوحی۔

(۳) صحیح بخاری باب الایمان۔

(۴) صحیح بخاری کیف نزول الوحی۔

(۵) صحیح بخاری تفسیر سورہ والنجم و صحیح مسلم معراج۔

Marfat.com

ایک دفعہ تو معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور دوسری دفعہ ایک اور مقام پر وہ آسمان کے کناروں میں نظر آئے' سورۂ نجم کی یہ آیتیں اسی کے متعلق ہیں۔

﴿عَلَّمَهُ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى﴾ (نجم:۱)

''بڑی قوتوں والے' طاقتور نے اس کو سکھایا' پھر وہ برابر ہوا اور وہ بہت اوپر آسمان کے کنارہ تھا' پھر قریب ہوا' پھر لٹک آیا تو دو کمانوں کے بقدر تھا یا اس سے بھی قریب تر' تو خدا نے اپنے بندہ پر وحی کی جو وحی کی' دل نے جھوٹ نہیں بولا جو دیکھا کیا تم لوگ اس سے ایک مشاہدہ پر جھگڑتے ہو' حالانکہ اس نے اس کو دوسری دفعہ اترتے دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔''

سورۂ تکویر کی حسب ذیل آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفار آپ ؐ کو مجنون اسی لیے کہتے تھے کہ آپ ؐ اس غیر مشاہد ہستی کے مشاہدہ کا دعویٰ کرتے تھے۔

﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ وَ مَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ وَ لَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ﴾ (تکویر)

''یہ ایک بزرگ پیغام رساں کی بات ہے' قوت والا' جو عرش والے خدا کے پاس معتبر ہے وہاں اس کی اطاعت کی جاتی ہے' وہ امانت دار ہے' تمہارا ساتھی (یعنی پیغمبر) مجنون نہیں ہے' یقیناً اس کو آسمان کے کھلے کنارہ میں دیکھا۔''

وہ ذوق و شوق جو حضور کو اس قاصد الٰہی کی آمد کے ساتھ تھا وہ اس آرزو کی شکل میں ظاہر ہوا کہ آپ ؐ نے جبریلؑ سے فرمایا کہ تم اس سے بھی زیادہ میرے پاس کیوں نہیں آیا کرتے۔ جواب ملا۔

﴿وَ مَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَ مَا خَلْفَنَا وَ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ (مریم:۴)

''ہم تو تیرے پروردگار کے حکم اور اجازت سے اترتے ہیں' ہمارے آگے اور پیچھے اور درمیان سب کا علم اسی کو ہے اور تیرا رب بھول چوک سے پاک ہے۔''

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ شب کو میں نکلا تو دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تنہا چاندنی میں ٹہل رہے ہیں' میں سمجھا کہ شاید آپ ؐ اس وقت تنہائی چاہتے ہیں اور کسی کا یہاں ہونا پسند نہ فرمائیں گے' چنانچہ اسی خیال سے میں سایہ میں ہو گیا' لیکن آپ ؐ کی نگاہ پڑ گئی' پوچھا کون ہے؟ عرض کیا۔ آپ ؐ پر قربان' میں ہوں ابوذر! آپ ؐ نے ساتھ لے لیا اور تھوڑی دیر تک ٹہلتے رہے' پھر فرمایا۔ ''جو آج دولت مند ہیں (وہی کل قیامت میں غریب ہوں گے لیکن وہ شخص کہ جس کو خدا نے جو دولت دی ہو وہ اس کو داہنے بائیں' آگے پیچھے پھینک دے اور اس میں نیکی کے کام کرے۔'' ابوذرؓ کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر تک ساتھ ٹہلتا رہا۔ اس کے بعد ایک خاص جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم یہاں ٹھہرے رہو۔ اور یہ کہہ کر آپ ؐ پہاڑ کی طرف گئے اور میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے' میں نے دور سے آواز سنی تو میں ڈرا' لیکن چونکہ آپ ؐ نے حکم دیا تھا کہ میں اپنی جگہ سے نہ ٹلوں' اس لیے ٹھہرا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ؐ سامنے سے آتے نظر آئے اور زبان مبارک سے یہ فرما رہے تھے کہ ''اگرچہ چوری کرے اور زنا کرے'' میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ ؐ

Marfat.com

پر قربان ہوں۔ آپؐ پہاڑی کی اوٹ میں کس سے باتیں کر رہے تھے؟ فرمایا۔ کیا تم نے آواز سنی؟ عرض کی ہاں! فرمایا جبریلؑ تھے۔ پہاڑی کے بیچ میں مجھے نظر آئے اور کہا کہ اپنی امت کو خوش خبری سنا دیجیے کہ جو اس حال میں مرا کہ اس نے کسی کو خدا کا شریک نہ بنایا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا یا جبریلؑ! کیا اس نے زنا یا چوری ہی کیوں نہ کی ہو۔ جواب دیا "ہاں!" میں نے پھر کہا' اگرچہ زنا' چوری ہی کیوں نہ کی ہو۔ وہی جواب دیا کہ ہاں! میں نے پھر کہا اس نے زنا یا چوری ہی کیوں نہ کی ہو؟ تیسری دفعہ بھی جواب وہی تھا۔ (1)

فرشتہ میکائیل کا نزول:

جبریلؑ کے علاوہ دوسرے ملائکہ کا بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آنا ثابت ہے۔ قرآن مجید میں جبریلؑ کے علاوہ ایک دو اور فرشتوں کے بھی نام آئے ہیں جن میں سے ایک میکائیل ہیں' یہودیوں نے قرآن کے ماننے سے اس لیے اپنا انکار ظاہر کیا تھا کہ یہ جبریلؑ کی وساطت سے نازل ہوتا ہے' خدا نے اس کے جواب میں کہا۔

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ (بقرہ:۱۲)

"جو خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو تو خدا ان کافروں کا دشمن ہے۔"

یہودیوں کے اعتقاد میں یہ عرش الٰہی کے چار مخصوص فرشتوں میں سے ایک کا نام تھا۔ یہ خاص طور پر اسرائیل اور اس کے خاندان کا محافظ سمجھا جاتا تھا اور لڑائیوں میں اس کی مدد کیا کرتا تھا (دانیال: ۱۰' ۱۳' ۲۱) عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق یہی فرشتہ تھا جو کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلام ہوا تھا۔ (اعمال ۷' ۳۸)

میکائیلؑ بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کئی بار حاضر ہوئے ہیں' معراج کے موقع پر جو دو فرشتے آئے تھے وہ جبریلؑ اور میکائیلؑ تھے۔ اسی طرح غزوۂ احد میں جو دو فرشتے دشمنوں سے آپؐ کی حفاظت کرتے تھے وہ بھی جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے جبریلؑ اور میکائیلؑ تھے' بعض روایتوں میں ہے کہ نبوت کے ابتدائی تین سالوں میں میکائیل ہی آپؐ کے ساتھ تھے۔

عام ملائکہ کا نزول:

جبریلؑ اور میکائیلؑ کے ناموں کی تخصیص کے علاوہ دوسرے عام فرشتوں کا بلاتعین نام آپؐ کی خدمت میں آنا بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے اور ان ہی کی روحانی تائیدات کا اثر تھا کہ آپؐ کا دل ہر وقت سکینت الٰہی سے معمور رہتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے دوش مبارک پر جب نبوت کا بار گراں رکھا گیا تو یقیناً آپؐ کو نظر آتا ہوگا کہ ایک طرف بظاہر ایک بے دست و پا انسان ہے جس کے قبضہ میں نہ سونے چاندی کے خزانے ہیں اور نہ اس کے علم کے نیچے خود اس کی ذات کے سوا کوئی دوسرا سپاہی ہے۔ اور دوسری طرف ایک دنیا ہے جس کے ہاتھوں میں دنیاوی دولت کے خزانے ابل رہے ہیں اور جس کے پرچم کے زیر سایہ ہزاروں اور لاکھوں کا ٹڈی دل ہر وقت حق کے مٹانے کو آمادہ

(1) صحیح بخاری کتاب الرقاق۔

Marfat.com

پیکار ہے یہ وہ وقت تھا جب فرشتوں کو حکم پہنچا کہ میرے پیغمبر کو اپنی بشارتوں اور خوش خبریوں سے مطمئن کرو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (احزاب: ۷) ''بے شک خدا اور اس کے فرشتے اس پیغمبرؐ پر رحمت بھیجتے ہیں اے مسلمانو! تم بھی اس پر درود و سلام بھیجو۔''

رئیس قریش اپنی قوت و طاقت پر نازاں ہو کر اعلان کرتا ہے کہ رؤسائے قریش ہمارے ساتھ ہیں پیغمبر کی طرف سے خدا منادی فرماتا ہے۔

﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ﴾ (علق) ''وہ اپنی مجلس کے لوگوں کو بلائے ہم بھی اپنے فرشتوں کو آواز دیں گے۔''

اس وقت جب منافقین آپؐ کی بزم خالص میں نفاق ڈالنا اور گھر میں خانہ جنگی کے سامان بہم پہنچانا چاہتے ہیں۔ بعض ازواج سے آپؐ آزردہ ہیں تو ارشاد ہوتا ہے۔

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ﴾ (تحریم: ۱۱) ''تو خدا پیغمبر کا والی و ناصر ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد فرشتے اس کے مددگار ہیں۔''

ایک بار ابوجہل نے کفار سے پوچھا کہ کیا محمدؐ کبھی تمہارے سامنے سربسجود ہوتے ہیں۔ سبھوں نے کہا ''ہاں'' اس نے کہا۔ لات وعزیٰ کی قسم! اگر میں ان کو سجدہ کرتے دیکھوں گا تو ان کی گردن توڑ ڈالوں گا اور ان کی پیشانی کو زمین میں رگڑ دوں گا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب آپؐ مصروف نماز تھے وہ اسی نیت سے آپؐ کی طرف بڑھا' لیکن فوراً سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔ کفار نے سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ میرے اور محمدؐ کے درمیان آگ کی ایک خندق اور بہت سے پر (یعنی فرشتوں کے) حائل ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ ''اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کی تکا بوٹی کر دیتے۔'' قرآن مجید میں اس آیت میں۔

﴿اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى عَبْدًا اِذَا صَلّٰى﴾ ''تم نے اس شخص کو دیکھا جو ایک بندہ کو نماز سے مانع آتا ہے۔'' اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ (۱)

سفر طائف سے جب آپؐ ناکام واپس آرہے تھے تو حسب اقتضائے بشری آپؐ شکستہ دل تھے جب آپؐ قرن الثعالب میں پہنچے اور سر اٹھایا تو دیکھا کہ ابر کا ایک لکہ سایہ فگن ہے۔ اس میں آپؐ کو ایک فرشتہ نظر آیا جس نے پکار کر کہا یا محمدؐ! میں پہاڑوں پر موکل (ملک الجبال) ہوں' آپؐ کے پروردگار نے آپؐ کی اور آپ کی قوم کی گفتگو سنی۔ مجھے بھیجا ہے کہ اگر آپؐ حکم دیں تو میں پہاڑوں کے نیچے ان کو کچل ڈالوں۔ فرمایا۔ ''شاید ان کی نسل سے کوئی خدا کا پرستار پیدا ہو۔'' (۲)

---

(۱) صحیح مسلم باب قولہ تعالیٰ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ۔

(۲) صحیح بخاری باب ذکر الملائکہ و صحیح مسلم غزوۂ احد۔

Marfat.com

اسلام کی تاریخ میں ابتلاء و امتحان کا سب سے زیادہ سخت اور سب سے پہلا موقع غزوۂ بدر میں پیش آیا۔ مسلمانوں کی تعداد تین سو انیس آدمیوں سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن اس شرذمہ قلیلہ کے مقابلہ کے لیے کفار کا ٹڈی دل امڈا ہوا چلا آتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے جب اس منظر کو دیکھا تو قبلہ رو ہو کر درگاہ الٰہی میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ دفعتاً ایک ہزار فرشتوں کی روحانی فوج مسلمانوں کی صف جنگ میں آ کر کھڑی ہوگئی۔

قرآن مجید میں ہے۔

﴿اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِیْنَ﴾ (انفال: ۱)

"جب تم خدا سے فریاد کر رہے تھے تو خدا نے تمہاری فریاد کو سنا اور کہا کہ میں ایک ہزار ہمرکاب سواروں سے تمہاری مدد کرتا ہوں۔"

اس فوج نے جس طرح مسلمانوں کی مدد کی اس کی کیفیت عبداللہ بن عباسؓ نے اس طرح بیان کی ہے کہ ایک مسلمان ایک کافر کا تعاقب کر رہا تھا کہ اس نے کافر کے اوپر سے کوڑے کی آواز سنی اور سوار کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "آگے بڑھ اے حیزوم۔" یہ کہنا تھا کہ کافر چت زمین پر گر پڑا۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو اس کی ناک میں سوراخ ہو گیا تھا جس میں نکیل لگی ہوئی تھی اور تمام چہرہ پھٹ گیا تھا اور اس میں نیلی بدھیاں پڑ گئی تھیں۔ ان صحابیؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس واقعہ کو بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا سچ کہتے ہو یہ تیسرے آسمان کی مدد ہے۔ (۱)

غزوہ احد میں بھی مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلہ میں بہت کم تھی، مسلمانوں کو یہ دیکھ کر اضطراب ہوا لیکن آنحضرت ﷺ نے تسلی دی کہ "اپنی قلت تعداد اور بے سروسامانی پر نہ جاؤ، خدا اپنے ہزاروں فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔" خدا نے کہا کہ ہاں بے شک اگر مسلمان جرأت و ہمت اور صبر سے کام لیں گے تو میں پانچ ہزار فرشتوں کی فوج ان کی مدد کو اتاروں گا۔ سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بہ تفصیل بیان کیا ہے۔

(اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِیْنَ بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ یَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِیْنَ وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ وَ لِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (آل عمران: ۱۳)

"اے پیغمبر! جب تم مسلمانوں سے کہتے تھے کہ کیا تم کو یہ بس نہیں کرتا کہ خدا تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا ہاں بے شک اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کرو اور تمہارے دشمن بڑے زوروں سے بڑھ کر آئیں تو وہ پانچ ہزار بہادر فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا، خدا نے اس وعدہ کو تمہارے لیے ایک خوش خبری بنایا اور تاکہ تمہارے دلوں میں طمانیت پیدا ہو وہ تو خدا ہی کے پاس سے آتی ہے۔"

لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو مسلمانوں کے ہاتھوں سے صبر کا سررشتہ چھوٹ گیا، اس لیے خدا کے وعدۂ نصرت سے وہ محروم رہ گئے، مگر آنحضرت ﷺ کے وجود اقدس کی حفاظت کے لیے دو فرشتے ساتھ تھے، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فرماتے ہیں۔

(۱) صحیح مسلم ج ۲ کتاب الجہاد باب امداد الملائکہ۔

Marfat.com

''میں نے غزوۂ احد میں دو سفید پوش آدمیوں کو دیکھا جو آپ کی طرف سے سخت جان بازی کے ساتھ لڑ رہے تھے اور میں نے ان کو نہ اس سے پہلے دیکھا تھا' نہ اس کے بعد دیکھا۔''(۱)

صحیح مسلم میں تصریح ہے کہ یہ دونوں فرشتے جبریلؑ و میکائیلؑ تھے۔(۲)

غزوۂ احد کے بعد غزوۂ خندق پیش آیا۔ اس غزوہ میں بھی مسلمانوں کی بے چارگی اور بے سروسامانی کا وہی عالم تھا۔ اسلامی فوج کی رسد کی یہ کیفیت تھی کہ خود مقدس سپہ سالار اپنے سپاہیوں کے ساتھ کئی وقت کا بھوکا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی وہ روحانی فوج نازل کی جو بھوک اور پیاس سے بے نیاز ہے۔ سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر اپنا احسان جتاتا ہے۔

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴾ (احزاب:۲)

''اے ایمان والو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب کفار نے تم کو آ کر گھیر لیا تو ہم نے ان پر بھی ہوا بھیجی اور فوج کو بھیجا جس کو تم نے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا تھا۔''

حضرت ابوذرؓ سے جو قدیم الاسلام صحابی تھے' روایت ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو پہلے پہل کیونکر معلوم ہوا کہ آپ پیغمبر ہیں۔ فرمایا میں ایک دفعہ جا رہا تھا کہ آسمان سے دو فرشتے اترے' ایک آسمان کی طرف گیا اور ایک زمین پر آیا۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ کیا یہ وہی ہے؟ دوسرے نے کہا۔ ہاں یہ وہی ہے۔ پھر اس نے کہا ان کو ایک آدمی سے تولو' تو میرا پلہ بھاری رہا۔ پھر دس سے پھر سو سے' پھر ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں تولا گیا' تب بھی میرا ہی پلہ بھاری رہا۔ دوسرے فرشتے نے کہا کہ اگر ان کی تمام امت کو بھی ایک پلہ میں رکھو اور ان کو دوسرے میں تب بھی ان ہی کا پلہ جھکتا رہے گا۔(۳)

یہ حقیقت میں آنحضرت ﷺ کی فضیلت بشری کی تمثیل تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مکہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شب عشاء کی نماز پڑھ کر لوٹے تو میرا ہاتھ پکڑ کر مکہ کے باہر میدان میں لے گئے اور ایک جگہ خط کھینچ کر فرمایا یہاں ٹھہرو اور اگر تم کو کچھ لوگ نظر آئیں تو ان سے بولنا نہیں' وہ بھی تم سے نہیں بولیں گے' یہ کہہ کر آپ ایک طرف تشریف لے گئے۔ اس اثنا میں مجھے وہ لوگ نظر آئے جو زطی قوم کی طرح معلوم ہوتے تھے نہ وہ برہنہ تھے اور نہ ان کے کپڑے نظر آتے تھے' وہ میری طرف آ کر پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے جاتے تھے اور خط سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ آدھی رات کے بعد آپ واپس تشریف لائے اور

(۱) صحیح بخاری ج ۲ باب غزوۂ احد ص ۵۸۰۔

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ کتاب الفضائل باب قتال جبریل و میکائیل۔

(۳) یہ حدیث سنن دارمی باب کیف کان اول شان النبی ﷺ میں ہے' اس کا سلسلہ سند یہ ہے۔ اخبرنا عبداللہ بن عمر حدثنا ابوداؤد حدثنا جعفر بن عثمان القرشی عن عثمان بن عروۃ بن الزبیر عن لبید عن ابی ذر الغفاری۔ تیسرے راوی جعفر بن عثمان القرشی کا صحیح نام جعفر بن عبداللہ بن عثمان القرشی ہے اور جو محدثین میں معتبر نہیں۔

Marfat.com

فرمایا کہ تم دیکھتے ہو کہ آج شب میں سویا نہیں۔ یہ کہہ کر میرے زانو پر سر رکھ کر سو گئے اتنے میں کچھ لوگ اجلے اجلے کپڑے پہنے جن کے حسن و جمال کا حال خدا ہی جانے کہ کیا تھا پاس آ کر بیٹھ گئے کچھ آپؐ کے سرہانے بیٹھے اور کچھ آپؐ کے پاؤں کے پاس آ کر بیٹھے دونوں نے مل کر آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کی ایک تمثیل بیان کی اور کہا کہ یہ وہ پیغمبر ہے جس کی آنکھیں گویا سوتی ہیں مگر دل ہوشیار رہتا ہے اس کے بعد وہ چلے گئے آپؐ بیدار ہوئے تو فرمایا ان لوگوں نے جو باتیں کیں وہ میں نے سنیں تم جانتے ہو کہ یہ کون تھے؟ عرض کی خدا اور خدا کا رسول زیادہ جانتے ہیں فرمایا یہ فرشتے تھے ان کی تمثیل کی تفسیر یہ ہے۔[1]

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ نماز عشاء پڑھ کر آپؐ چلے تو میں آپؐ کے پیچھے ہو لیا۔ فرمایا۔ ''کون؟ حذیفہ'' عرض کی ''جی ہاں'' فرمایا۔ آج وہ فرشتہ مجھ پر اترا جو آج تک زمین پر نہیں اترا تھا۔ اس نے خدا سے اذن مانگا کہ وہ میرے پاس آ کر مجھے یہ بشارت سنائے کہ ''فاطمہؓ'' جنتی بیبیوں کی اور حسنؓ اور حسینؓ جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔[2]

(۱) ترمذی ابواب الامثال۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب صحیح کہا ہے۔

(۲) ترمذی مناقب حسنین حدیث حسن غریب۔

Marfat.com

عالم رُویا

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ﴾ (فتح)

رُویا اور خواب درحقیقت نفس یا روح کے عجائبات کا ایک حیرت انگیز طلسم ہے' علمائے نفس کہتے ہیں کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے قوائے نفسی و دماغی ہر وقت اور ہر آن اپنے ذہنی اعمال میں مصروف رہتے ہیں۔ جب وہ سو جاتا ہے اور اس کے ظاہری حواس بے کار ہو جاتے ہیں' اس وقت بھی ان کے فکر ونظر کا عمل جاری رہتا ہے۔ مگر چونکہ عموماً انسان عمیق اور پرسکون نیند سوتا ہے' اس لیے جاگنے کے بعد اس کو اپنی حالت خواب کا احساس نہیں ہوتا لیکن کبھی کبھی جب اس کی نیند مستغرق اور گہری نہیں ہوتی تو اس کو اپنی گزشتہ سیر دماغی کے مکمل یا نامکمل مناظر یاد رہ جاتے ہیں' اسی کا نام خواب ہے۔

یہ تو فلسفہ قدیمہ کا فرسودہ خیال تھا۔ اب جدید عہد ترقی میں سائیکالوجی اور نفسیات کے علماء کا مشہور و مقبول نظریہ یہ ہے کہ ہم عالم بیداری میں اپنے جن خیالات' جذبات اور ارادوں اور تمناؤں کو جان کر یا بے جانے کسی سبب سے دبا دیتے ہیں۔ عالم خواب میں جب ہمارے تعقل اور احساس کی جابرانہ حکومت ان سے اٹھ جاتی ہے۔ ان کو ابھرنے کا موقع ملتا ہے اور وہ ہم کو خواب بن کر نظر آتے ہیں۔ بہرحال یہ شاید اس رُویا کی توجیہ ہوگی جن کو ''خواب پریشان'' یا ''اوہام دماغی'' کہنا زیادہ موزوں ہے۔

عرفائے روح اس خواب پریشان یا اوہام دماغی کے منکر نہیں ہیں لیکن رویا کی حقیقت ان کے نزدیک کچھ اور ہے' وہ کہتے ہیں کہ انسان جسم و روح سے عبارت ہے' روح جب تک جسم کے اندر ہے اس کی جلوہ نمائی کے دو رخ ہیں' جسمانی و روحانی' اپنے جسمانی دروازہ سے وہ جھانکتی ہے تو اس کو جسم کے مادہ کی سطح پر رنگارنگ کے نقش و نگار اور گلکاریاں نظر آتی ہیں' یہ اس کے وہ تعلقات اور دلچسپیاں ہیں جو اس کے اس جسمانی و مادی عالم کے ساتھ قائم ہیں۔ لیکن اس کے پیچھے ایک دوسرا دروازہ ہے' جہاں سے وہ روحانیت کے عالم کی سیر کر سکتی ہے جس قدر اس کا تعلق' انس اور دل بستگی' شیفتگی اور مشغولیت عالم جسم سے زیادہ ہوگی' اسی قدر دوسرے عالم کی طرف سے فراموشی غفلت اور بے تعلقی زیادہ ہوگی۔ حالت خواب میں روح کی ظاہری جسمانی مصروفیتیں چونکہ کم ہو جاتی ہیں اس لیے اس کو دوسری کھڑکی کی طرف جھانکنے کی فرصت مل جاتی ہے اور پھر روح کو جس قدر تعلقات خارجی سے بیگانگی زیادہ ہوتی ہے' شہرستان ملکوت میں اس کی سیر بہت آگے تک اور بہت دور تک اور وہاں کے تمثیلی مناظر و مشاہدات سے اس کی اطلاع اور واقفیت زیادہ صحیح اور سچی ہوتی ہے جو روحیں کہ اس عالم جسمانی کی بندشوں میں رہ کر بھی ان میں گرفتار و مقید نہیں' ان کے لیے عالم بیداری بھی اقلیم روح کی گلگشت سے مانع نہیں' اسی کا نام مشاہدہ اور مکاشفہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے مقدس قالبوں میں جو ارواح طیبات ہیں وہ عالم ظاہری کی گرفتاریوں کے بعد بھی جس حد

Marfat.com

تک آزاد و بے تعلق رہتی ہیں، وہ عام حد انسانی سے بہت آگے اور بہت بلند ہے۔ اسی لیے عالم مشاہدہ اور عالم رویا دونوں میں حقائق و اسرار کی بستیاں ان کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں، بیداری تو بیداری وہ سوتے بھی ہیں تو بیدار رہتے ہیں، ان کے جسم سوتے ہیں لیکن ان کی روحیں ہمیشہ جاگتی رہتی ہیں۔

((تنام اعینهم و لا تنام قلوبهم)) (بخاری باب الانبیاء) ''پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن ان کے دل ہمیشہ بیدار رہتے ہیں۔''

غافل انسان ادھر التفات نہیں کرتا، ورنہ درحقیقت نیند اور خواب کا معاملہ ایک سر ملکوتی اور راز الٰہی ہے۔

﴿ وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖ مَنَامُکُمۡ بِالَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ ابۡتِغَآؤُکُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّسۡمَعُوۡنَ ﴾ (روم: ۳)

''خدا کی نشانیوں میں سے (اے انسانو)! راتوں میں اور دنوں میں تمہاری نیند ہے (اور پھر بیدار ہو کر اپنے کاروبار میں تمہارا مصروف ہونا) اور اس کی دولت کو تلاش کرنا ہے اس میں ان لوگوں کے لیے جو سنتے ہیں بڑی بصیرتیں ہیں۔''

موت اور نیند دونوں کم و بیش ایک ہی جنس کی چیزیں ہیں۔ فرق اس قدر ہے کہ موت کی حالت میں جسم سے روح کو دائمی مفارقت ہو جاتی ہے اور نیند میں عارضی، موت میں تمام تعلقات ظاہری کے بند ٹوٹ جاتے ہیں اور نیند میں کچھ نہ کچھ گرہیں باقی رہ جاتی ہیں۔ قرآن مجید نے اسی روزانہ پیش آنے والے حیرت افزاء واقعہ قدرت کی طرف ہم کو اس آیت میں متوجہ کیا ہے۔

﴿ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِہَا وَ الَّتِیۡ لَمۡ تَمُتۡ فِیۡ مَنَامِہَا فَیُمۡسِکُ الَّتِیۡ قَضٰی عَلَیۡہَا الۡمَوۡتَ وَ یُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴾ (زمر: ۵)

''وہ اللہ ہی ہے جو روحوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا ان کو نیند میں ان (کی مصروفیت دنیاوی) کا وقت پورا کر دیتا ہے، پھر جن پر موت کا فرمان جاری ہو چکتا ہے ان کو اپنے پاس روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک وقت مقررہ تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے اس میں سوچنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

حضرت امام ربانیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

''توفی نوم ازاں قبیل است کہ شخصے از وطن مالوف خود بہ شوق و رغبت از برائے سیر و تماشا بیرون آید تا فرح و سرور حاصل کند و خرم و شاداں بہ وطن خود باز رجوع نماید و سیر گاہ او عالم مثال است کہ متضمن عجائب ملک و ملکوت است۔'' (مکتوب سی و یکم۔ جلد سوم)

عربی زبان میں خواب کے لیے دو لفظ ہیں ایک حلم جس کی جمع احلام آتی ہے، اس کے معنی خواب و خیال کے ہیں یعنی محض وہم و تخیل، دوسرا رویا، یہ اس خواب کو کہتے ہیں جس میں حقیقت بینی اور فرض شناسی ہو، ان دونوں لفظوں میں ایک اور فرق یہ ہے کہ پہلے میں وسوسہ شیطانی کا دخل ہوتا ہے اور دوسرا اس سے پاک ہے، فرق سورۂ یوسف کی ان آیتوں میں صاف نظر آئے گا۔ عزیز مصر نے خواب دیکھا ہے، اپنے درباریوں سے اس کی تعبیر پوچھتا ہے، اہل دربار

Marfat.com

کہتے ہیں کہ یہ محض خواب وخیال اور وہم ہے۔

يَآيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِىْ فِىْ رُؤْيَاىَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ وَ مَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ (سورہ یوسف:٦)

''اے درباریو! میرے اس خواب کے بارہ میں مجھے رائے دو اگر خواب کی تم تعبیر بیان کر سکتے ہو انہوں نے کہا یہ تو محض اوہام وخیالات کا مجموعہ ہے ان اوہام اور خیالات کی تعبیر سے ہم واقف نہیں۔''

گو عالم رویا کا نظارہ ہر اس ہستی کو کبھی کبھی پیش آتا ہے جو روح سے وابستہ ہے اور جس میں کالے گورے مومن وکافر شقی وسعید اور نیک وبد کی کوئی تمیز نہیں لیکن جس طرح ایک نہایت نازک اور باریک یا کسی دور سے آنے والی چیز کو بہت سی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور دیکھتی ہیں۔ لیکن ان میں حقیقت اور صحت کے قریب اسی کی رویت ہوتی ہے جس کی بینائی تیز آلات باصرہ صحیح اور فہم واستنباط کی قوت لطیف ہوتی ہے۔ اسی طرح عالم رویا کے مشاہدات کی حقیقی اور صحیح رویت بھی ان ہی کے لیے ہے جن کی روح ودل کی بینائی تیز اور بصیرت کی آنکھیں روشن اور ادراک و عرفان کے حواس لطیف ہوں اور جن کے نفس کے آئینہ میں صلاح وتقویٰ کا صیقل زیادہ ہو۔

﴿ وَ مَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى ﴾ (اسرائیل)

''اور جو یہاں اندھے ہیں وہ وہاں بھی اندھے ہوں گے۔''

﴿ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ (بقرہ)

''خدا سے تقویٰ کرو اور وہ تم کو علم بخشتا ہے اور خدا کو ہر چیز کا علم ہے۔''

اسی لیے دنیا کے تمام مذاہب نے رویا کو خاص اہمیت دی ہے۔ اسلام اور شارع اسلام نے جس طرح دین کے اور شعبوں کی تکمیل کی ہے اس حقیقت کو بھی نہایت واضح اور روشن کر دیا ہے قرآن مجید کی آیت ہے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِى الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ (یونس:٧)

''جو ایمان لائے اور وہ متقی ہیں ان کے لیے اس دنیا میں بشارت ہے اور آخرت میں بھی خدا کی باتوں میں تبدیلی نہیں یہی بڑی کامیابی ہے۔''

جب یہ آیت اتری تو صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! اس دنیا میں بشارت کیا ہے۔ فرمایا کہ وہ رویائے صالحہ ہے جو ایک مرد مسلم دیکھتا ہے۔[1] آپ نے فرمایا کہ نبوت اور رسالت ختم ہوگئی لیکن صرف ایک چیز باقی رہ گئی ہے اور وہ مُبَشِّرات (خوش خبریاں) ہیں۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ! مبشرات کیا ہیں۔؟ فرمایا مسلم کی رویائے صالحہ یہ نبوت کے اجزا میں سے ایک جز ہے۔[2] بخاری مسلم اور ترمذی کی متعدد روایتوں میں مختلف صحابیوںؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مومن کی رویائے صالحہ نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے اس سے زیادہ رویا کی اہمیت اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ نبوت کا ایک حصہ ہے لیکن یہ بھی سمجھ لو کہ وہ کون سی رویا ہے؟ ابھی ہم اوپر لکھ

(۱) صحیح ترمذی کتاب الرویا۔

(۲) صحیح ترمذی کتاب الرویا۔

Marfat.com

آئے ہیں کہ عربی میں خواب کے لیے دو لفظ ہیں۔ حلم (خواب پریشان یا خیالات نفسانی) اور رویا حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔

((الرویا من اللّٰه و الحلم من الشیطان)) ''رویا خدا کی طرف سے اور حلم شیطان کی طرف سے ہے۔''

آغاز مضمون میں علمائے نفس اور عرفائے روح کی تشریحات کی تفصیل ہو چکی ہے۔ ذیل کی حدیث سے یہ حقیقت بہت اچھی طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔ صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ اَصْدَقُکم رُؤیا اَصْدَقُکُمْ حَدِیثًا۔ تم میں سے سب سے سچا خواب دیکھنے والا وہ ہے جو سب سے زیادہ سچ بولتا ہے حقیقت میں انسان کا ظاہر اس کے باطن کا آئینہ ہے' اس کی زبان سچ بولے گی' اس کی روح بھی یقیناً سچ دیکھے گی' علمائے نفسیات حدیث کے اس ایک فقرہ کی گرہ کشائی پورے ایک باب میں کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ خواب تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک رویائے صالحہ' یہ خدا کی طرف سے خوش خبری ہوتی ہے۔ دوسرا غم پیدا کرنے والا خواب۔ یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ تیسرا وہ خواب ہوتا ہے جو انسان کی اپنے دل کی باتیں اور خیالات ہوتے ہیں۔ (۱) اس تقسیم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علمائے نفس اور عرفائے روح جس خواب اور رویا کی تشریح کرتے ہیں وہ اپنی اپنی حقیقت کی رو سے بالکل الگ ہیں۔ اس عالم رُویا کے تحت میں جس قسم سے بحث ہے وہ صرف پہلی قسم ہے۔

عام انسانوں اور انبیاء علیہم السلام کی رویاء میں وہی نسبت ہے جو ان دونوں کی ذات میں ہے' جب عام انسانوں کی آنکھیں سوتی ہیں تو کم و بیش ان کے دل بھی سوتے رہتے ہیں' لیکن انبیائے کرام کی آنکھیں جب سوتی ہیں تو ان کے دل بیدار رہتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ آپؐ نے بڑی دیر تک تہجد کی نماز پڑھی لیکن ابھی وتر نہیں پڑھے تھے کہ لیٹ گئے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا۔ یا رسول اللّٰہ! آپؐ بے وتر پڑھے سوتے ہیں فرمایا۔ اے عائشہؓ! میری آنکھیں سوتی ہیں' لیکن میرا دل نہیں سوتا۔ (۲) معراج کے ذکر میں ہے کہ آپؐ اس حالت میں تھے کہ آپؐ کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن دل بیدار تھا اور انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن ان کے دل بیدار رہتے ہیں۔ (۳)

ان ہی حدیثوں کو پیش نظر رکھ کر جمہور علمائے اسلام کا یہ فیصلہ ہے کہ انبیاء کرام کی رویا بھی اسی قدر قطعی اور یقینی ہے' جس قدر آپؐ کے عام احکام وحی اور مخاطبات الٰہی حضرت ابراہیم علیہم السلام نے جو خواب اپنے پہلوٹے بیٹے کی قربانی کے متعلق دیکھا۔ اس کے حکم الٰہی ہونے میں انہیں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہوا اور انہوں نے اس کی تعمیل ویسی ہی ضروری سمجھی جیسی اس حکم کی جو عالم بیداری میں انہیں خدا کی طرف سے ملتا۔ دوسرے پیغمبروں کے حالات میں بھی یہی نظر آتا ہے کہ ان کو اپنی رویا کی صحت وصداقت اور واجب العمل ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ تھا۔ خود آنحضرتؐ

(۱) صحیح مسلم و ترمذی کتاب الرویا۔

(۲) صحیح مسلم باب صلوۃ اللیل۔

(۳) صحیح مسلم و بخاری باب الاسراء۔

Marfat.com

کے سوانح مبارک میں یہ احوال بکثرت پیش آئے ہیں اور اس عالم میں جو احکام اور علوم آپ ؐ کو دیئے گئے ہیں' وہ بھی اسی طرح قطعی ہیں جس طرح وہ احکام اور علوم جو وحی کے دوسرے طریقوں سے آپ ؐ کو مرحمت ہوئے' چنانچہ ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ رُؤیَا الْاَنبیاء وَحْیٌ انبیاء کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔(۱)

اوپر اشارہ گزر چکا ہے کہ بعض علمائے اسلام اور اصحاب کشف وعرفان عالم غیب اور عالم ملکوت اور اس عالم شہادت اور عالم جسمانیات کے درمیان ایک تیسرے عالم کے قائل ہیں جس کا نام انہوں نے عالم برزخ (درمیانی مقام) اور عالم مثال رکھا ہے' چنانچہ علماء میں امام خطابی' امام غزالی' علامہ سیوطی' شاہ ولی اللہ صاحب اور صوفیہ میں حضرت امام ربانی اور تمام حضرات مُجدِّ دیہ اس عالم کے قائل ہیں' شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس کا ایک خاص باب باندھا ہے' جس میں متعدد احادیث سے اور علامہ سیوطی اور امام غزالی کی تحریروں سے اس عالم کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ عالم مثال ان کے نزدیک گویا ایک صاف پانی کی غیر محدود نہر یا شیشہ ہے جس میں عالم شہادت کی وہ چیزیں جو جاندار یا مجسم نہیں مثلاً صفات' اعراض' نیکی وبدی' ایمان وعلم وغیرہ وہاں اپنی مناسب اور موزوں شکلوں میں جاندار اور مجسم ہوکر نظر آتی ہیں' نیکی ایک حسین وجمیل کی شکل میں' بدی ایک کریہ المنظر صورت میں ایمان آفتاب بن کر' علم دریا کے رنگ میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ اسی طرح عالم غیب کی چیزیں' جنت دوزخ' ملائکہ وغیرہ اسی نہر وآئینہ میں منعکس ہوکر اس عالم شہادت کے لوگوں کو نظر آتی ہیں اور جس طرح تصویر کی شبیہ اور نہر وآئینہ کے عکس میں اور اصل جسمانی شکلوں میں کامل مشابہت اور مُماثلت ہوتی ہے' اسی طرح عالم غیب کی اشیاء اور عالم مثال کی شبیہوں اور تصویروں میں پوری مُماثلت اور مشابہت پائی جاتی ہے۔

بہر حال اس عالم کا مستقل وجود ہو یا نہ ہو' مگر اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں ایسے واقعات' حالات' مشاہدات اور کیفیات مذکور ہیں جن کی تشریح اس عالم میں بخوبی کی جاسکتی ہے۔ انجیل اور قرآن مجید دونوں میں ہے کہ جبریلؑ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت لے کر آئے۔

﴿ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَراً سَوِيًّا﴾ (مریم) ''مریم کے سامنے ایک پورے انسان کی مثال بن کر آئے۔''

احادیث میں ہے کہ ایک دفعہ نماز کی حالت میں آپ ؐ کے سامنے جنت اور دوزخ کی صورتیں جلوہ گر کی گئیں اس موقع پر مختلف صحابیوںؓ نے اس مفہوم کو حسب ذیل مختلف الفاظ میں ادا کیا ہے۔ فرمایا۔

((انه صُوِّرَتْ لی الجنة و النار حتی رایتهما دون الحائط)) بخاری باب التعوذ من الفتن

''میرے لیے جنت اور دوزخ مصور کی گئی یا میرے سامنے جنت اور دوزخ کی صورت پیش کی گئی یہاں تک کہ میں نے ان کو اس دیوار کے پاس دیکھا۔''

((لقد رایت الان منذ صلیت بکم الصلوة الجنة و النار ممثلتین فی قبلة هذا الجدار)) بخاری رفع البصر فی الصلوٰة

''میں نے ابھی جب تم کو نماز پڑھا رہا تھا جنت اور دوزخ کو اس دیوار کے رخ میں ممثل دیکھا یا میرے سامنے جنت اور دوزخ کی مثال پیش کی گئی۔''

---

(۱) ترمذی مناقب عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

Marfat.com

((انی رایت الجنة رایت النار)) (بخاری باب الکسوف) ”میں نے جنت کو دیکھا اور دوزخ بھی مجھے دکھائی گئی۔“

((فعُرِضت علیّ الجنة و عُرِضت علیّ النار)) ”مجھ پر دوزخ اور جنت پیش کی گئی۔“
مسلم باب الکسوف

((لقد جئ بالنار ثم جئ بالجنة)) (مسلم باب الکسوف) ”میرے پاس جنت اور دوزخ لائی گئی۔“

((اطلعت فی الجنة و اطلعت فی النار)) ”میں جنت اور دوزخ میں جانکلا۔“
(بخاری باب صفة الجنته)

ایک ہی مفہوم کو مختلف راویوں نے ان مختلف الفاظ میں ادا کیا ہے' لیکن ہم سب کو معلوم ہے کہ الفاظ کی احتیاط بھی جس قدر امام بخاری کے ہاں ہے کسی اور کے ہاں نہیں' اس لیے امام بخاری کے الفاظ تصویر اور تمثیل یا صورت اور امثال یا امام مسلم کے الفاظ لایا جانا اور پیش کیا جانا پر ذرا تامل درکار ہے حقیقت یہ ہے کہ انسان کی زبان اس درجہ ادائے مطلب میں قاصر ہے کہ وہ اپنے الفاظ سے عالم محسوس کی کیفیتوں کی بھی پردہ دری نہیں کرسکتی پھر اس سے یہ توقع کس قدر بے جا ہے کہ غیر محسوس عالم کی کیفیتوں کو وہ کبھی الفاظ کا جامہ پہنا سکتی ہیں' جو ہم کرسکتے ہیں وہ یہ ہے کہ صحیح' مستند اور محفوظ ذریعہ سے جو کچھ ہم تک پہنچا ہے وہ دوسروں تک پہنچا دیں۔ وحی نبوی کا آغاز رویائے صالحہ سے ہوا۔ آپ کو چیزیں رویا میں دکھائی جاتی تھیں اور وہ سپیدۂ صبح کی طرح ٹھیک ٹھیک پوری اترتی تھیں۔ (۱)

معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد صحابہؓ کی طرف منہ کرکے آپؐ جائے نماز پر بیٹھے رہتے اور ان سے دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ لوگ بیان کرتے' اگر وہ رویائے صالحہ ہوتی تو آپؐ اس کی تعبیر کرتے' اگر وہ خواب و خیال ہوتا تو کہہ دیتے کہ یہ محض خواب و خیال ہے۔ اسی اثناء میں اس شب میں اگر خود آنحضرت ﷺ کو کوئی رویا دکھائی گئی ہوتی تو آپؐ اس کو سناتے۔ (۲)

آنحضرت ﷺ کی جس قدر رویا احادیث میں مذکور ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہیں جو تمثیلی رنگ میں دکھائی گئی ہیں اور آنحضرت ﷺ نے ان کی تعبیر و تشریح خود اپنی زبان سے کردی ہے۔ دوسری وہ رویا ہیں جو بعینہ واقعہ اور حقیقت ہیں اور اسی لیے آنحضرت ﷺ نے ان کو بیان کرتے وقت ان کی تاویل و تشریح نہیں کی اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس میں بعض اوقات دنیا کے متعلق پیش گوئی اور اخبار غیب ہے۔ دوسری وہ جس میں احوال آخرت اور اسرار غیب کا اظہار ہے۔ ذیل میں ہم ہر قسم کے واقعات کو الگ الگ عنوانوں کے تحت میں بیان کرتے ہیں۔

رُویائے تمثیلی:

ابھی آپؐ مکہ معظمہ میں تھے' اسلام پر سختی اور مصیبت کے دن تھے' صدائے حق پر لبیک کہنے والوں کی تعداد کم تھی

(۱) صحیح بخاری بدء الوحی کتاب التعبیر وغیرہ و صحیح مسلم بدء الوحی۔
(۲) ایضاً۔

Marfat.com

کہ آپؐ کو عالم رُویا میں دکھایا گیا کہ آپ اپنی جماعت کے ساتھ عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں اور ابن طاب کی تر و تازہ کھجوریں لا کر آپؐ کو اور آپؐ کے رفقاء کو دی گئی ہیں‘ آپؐ نے اس کی تعبیر یہ کی کہ دنیا میں مسلمانوں کو ترقی اور آخرت میں عاقبت بخیر ہوگی اور ان کا مذہب پھولے اور پھلے گا۔ (۱)

ابھی آپؐ نے ہجرت نہیں کی تھی لیکن ہجرت کا زمانہ قریب تھا کہ آپؐ کو ہجرت اور ہجرت کے بعد کے تمام اہم واقعات رُویا میں دکھائے گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ میری ہجرت کی سرزمین چھوہاروں کا باغستان ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ یمامہ یا ہجر کا شہر ہوگا‘ لیکن وہ شہر یثرب نکلا۔ اسی خواب میں نظر آیا کہ میرے ہاتھ میں تلوار ہے‘ میں نے اس کو ہلایا تو وہ ٹوٹ گئی۔ یہ احد کی شکست کی طرف اشارہ تھا۔ پھر میں نے اس کو ہلایا تو وہ ایک نہایت عمدہ تلوار ہوگئی۔ یہ اس واقعہ کی تمثیل تھی کہ احد کے بعد اللہ تعالیٰ فتح و کامیابی اور مسلمانوں کو اجتماع نصیب کرے گا‘ میں نے اسی خواب میں گائے کو ذبح ہوتے دیکھا۔ یہ وہ مسلمان ہیں جو احد میں شہید ہوئے‘ اس کے بعد بھلائی دیکھی۔ یہ وہ بھلائی ہے جو اسلام کو نصیب ہوئی۔ (۲)

مسلمانوں نے جب مدینہ کو ہجرت کی ہے تو یہاں کی آب و ہوا ان کے موافق نہ تھی‘ وباء بھی پھیلی تھی‘ مہاجرین میں اضطراب سا تھا‘ آپؐ نے خواب میں دیکھا کہ ایک کالی سیاہ عورت جس کے سر کے بال الجھے اور پریشان ہیں‘ وہ مدینہ سے نکل کر جحفہ کی طرف جا رہی ہے۔ اس کی تعبیر یہ ارشاد فرمائی کہ مدینہ کی وبا جحفہ میں منتقل کر دی گئی۔ (۳) چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مدینہ منورہ اس سے پاک ہوگیا۔

ایک دفعہ رُویا میں آپؐ کو دکھایا گیا کہ آپؐ کے دونوں ہاتھوں میں سونے کا ایک ایک کنگن ہے‘ اس سے آپؐ کو تکلیف ہوئی۔ حکم ہوا کہ ان کو پھونک دو۔ آپؐ نے پھونکا تو دونوں کنگن ہاتھوں سے علیحدہ ہو کر اڑ گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ یہ نبوّت کے دو جھوٹے مدعی ہیں (مسیلمہ اور اسود عنسی) جو میرے بعد پیدا ہوں گے۔ (۴)

آپؐ نے دیکھا کہ آپؐ کے سامنے دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا۔ آپؐ نے اس کو اس قدر سیر ہو کر پیا کہ انگلیوں سے دودھ بہنے لگا‘ پیالہ کا بچا ہوا دودھ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو عطا فرمایا۔ آپؐ نے لوگوں سے جب یہ خواب بیان کیا تو انہوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! اس کی تعبیر آپؐ نے کیا کی؟ فرمایا۔ ”علم“ (۵) اسی طرح آپؐ نے ایک دفعہ فرمایا۔ آج شب کو جب میں سویا تھا میرے سامنے کچھ لوگ پیش کیے گئے‘ ان میں سے کسی کے بدن پر کرتہ سینہ تک تھا‘ کسی کا اس سے نیچے تک۔ عمرؓ جب سامنے آئے تو ان کے جسم پر کرتہ اتنا بڑا تھا کہ اس کے دامن زمین پر لوٹ رہے

(۱) صحیح مسلم کتاب الرؤیا و صحیح بخاری کتاب التفسیر۔
(۲) صحیح مسلم کتاب الرویا۔
(۳) صحیح بخاری و ترمذی کتاب الرویا۔
(۴) صحیح بخاری و مسلم و ترمذی کتاب الرویا والتعبیر۔
(۵) صحیح بخاری کتاب التعبیر و مناقب عمرؓ و جامع ترمذی ابواب الرویا۔

Marfat.com

تھے۔ سننے والوں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر کی فرمایا ''دین''۔(۱)

ایک شب میں آپ کو ذات محمدی پر ختم نبوت اور تکمیل دین کی تمثیل دکھائی گئی' آنکھیں خواب آلودہ تھیں لیکن قلب اقدس بیدار تھا' کچھ فرشتے اتر کر آپ کے پاس آ کر بیٹھے اور آپس میں ایک دوسرے سے بولے کہ اس پیغمبر کی کوئی تمثیل بیان کرو' اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی آقا ہو۔ اس نے ایک محل تیار کیا اور اس میں دستر خوان بچھایا اور لوگوں کو کھانے کی دعوت دی' اب جس نے اس کی بات کو قبول کیا وہ آیا اور کھا پی کر سیر ہوا اور جو نہیں آیا اس نے اسی کو سزا دی۔ بیدار ہو کر آپ نے عبداللہؓ ابن مسعود سے فرمایا کہ وہ آقا تو خدا ہے جنت اس کا محل ہے جس نے اس کی دعوت کو قبول کیا وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے انکار کیا اس کو اس نے عذاب دیا۔(۲)

ایک دفعہ آپ کو یہ دکھایا گیا کہ آپ ایک کنوئیں کے اندارے پر کھڑے ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ۔ آپ نے دیکھا کہ میں حوض کوثر پر کھڑا ہوں' اردگرد لوگوں کا جماؤ ہے۔ آپ ڈول سے پانی کھینچ کھینچ کر ان کو پلا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ابو بکرؓ آئے اور انہوں میرے ہاتھ سے ڈول لے کر مجھے سبکدوش کر دیا' اور پھر وہ پانی کھینچ کھینچ کر پلانے لگے۔ مگر خدا ان پر رحم کرے' ذرا کھینچنے میں کمزوری معلوم ہوتی تھی۔ اس کے بعد عمرؓ آئے تو ڈول بڑھ کر بڑا ہو گیا اور عمرؓ نے اس قوت اور تیزی سے پانی کھینچا کہ حوض کناروں کناروں تک پُر ہو گیا اور لوگ پی کر سیراب ہو گئے۔(۳) یہ خواب اتنا واضح تھا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی تعبیر کی ضرورت نہیں سمجھی۔ کون نہیں سمجھا کہ ڈول اور پانی کھینچنے سے مراد خلافت اور خدمت خلق کی بجا آوری ہے۔

حضرت عمرؓ ان چند سعید لوگوں میں ہیں جن کو اسی دنیا میں جنت کی بشارت دی جا چکی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ رات میں نے دیکھا کہ میں جنت میں ہوں' سامنے ایک محل ہے' ایک عورت اس میں بیٹھی وضو کر رہی ہے۔ میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے؟ جواب دینے والے نے جواب دیا کہ یہ عمرؓ کا مسکن ہے۔ میں نے چاہا کہ اندر جاؤں' مگر عمرؓ کی غیرت یاد آئی تو الٹا پھر گیا' حضرت عمرؓ سن کر رو پڑے اور کہا یا رسول اللہ! میں آپ سے غیرت کرتا۔(۴)

ایک دفعہ آپ نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ اے بلالؓ! تم کون سا ایسا نیک عمل کرتے ہو کہ میں جب جنت میں گیا تو تمہارے جوتوں کی چاپ کی آواز سنی۔ عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہمیشہ باوضو رہتا ہوں اور جب نیا وضو کرتا ہوں' دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہوں۔(۵)

ورقہ بن نوفل کا نام آغاز وحی کے ضمن میں ابھی گزر چکا ہے' یہ حضرت خدیجہؓ کے رشتہ دار تھے اور اسلام سے پہلے سچے عیسائی ہو گئے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ سے نزول جبریل کا حال سنا تو انہوں نے

(۱) ایضاً۔
(۲) جامع ترمذی ابواب امثال۔
(۳) صحیح بخاری و مسلم و ترمذی کتاب التعبیر کتاب الرویا مناقب عمرؓ۔
(۴) صحیح بخاری و مسلم۔ ترمذی کتاب التعبیر و کتاب الرویا مناقب عمرؓ۔
(۵) بخاری و مسلم مناقب بلالؓ و ترمذی مناقب عمرؓ۔

Marfat.com

آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی اور کہا کہ اگر زندہ رہا تو اس وقت جب آپؐ کی قوم آپؐ کو شہر بدر کرے گی میں آپؐ کی پوری مدد کروں گا۔ حضرت خدیجہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ! ورقہ جنت میں گئے یا دوزخ میں۔ انہوں نے آپؐ کی تصدیق کی تھی، لیکن آپؐ کے ظہور سے پہلے مر گئے۔ فرمایا مجھے وہ خواب میں دکھائے گئے کہ وہ سپید کپڑے پہنے ہیں، اگر وہ دوزخ میں ہوتے تو ان کے جسم پر یہ لباس نہ ہوتا۔ (۱)

ایک شب کو جب آپؐ مصروف نماز تھے، جمال الٰہی بے نقاب ہو کر سامنے آ گیا، صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ آپؐ صبح کی نماز کے لیے دیر سے برآمد ہوئے۔ نماز کے بعد لوگوں کو اشارہ کیا کہ اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرے رہیں۔ پھر فرمایا کہ ''آج شب کو جب میں نے اتنی رکعتیں پڑھیں جتنی میرے لیے مقدر تھیں تو نماز ہی کے اندر میں اونگھ گیا، میں نے دیکھا کہ جمالِ الٰہی بے پردہ میرے سامنے ہے، خطاب ہوا یا محمدؐ! تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں۔ ''عرض کی'' نہیں! اے میرے رب میں نہیں جانتا۔'' اس نے اپنا ہاتھ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں میری پیٹھ پر رکھا، جس کی ٹھنڈک میرے سینہ تک پہنچ گئی اور آسمان و زمین کی تمام چیزیں نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہو گئیں۔ سوال ہوا۔ یا محمدؐ! تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں؟ عرض کی ہاں، اے میرے رب! ان اعمال کی نسبت گفتگو کر رہے ہیں جو گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ پوچھا۔ وہ کیا ہیں؟ عرض کی۔ نماز باجماعت کی شرکت کے لیے قدم اٹھانا نماز کے بعد مسجد میں ٹھہر جانا اور ناگواری کے باوجود اچھی طرح وضو کرنا، جو ایسا کرے گا اس کی زندگی اور موت دونوں بخیر ہوں گی، وہ گناہوں سے ایسا ہی پاک ہو گا جیسا اس دن تھا جب اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔ پھر سوال ہوا کہ یا محمدؐ! درجات کیا ہیں۔ گزارش کی کھانا کھلانا، نرمی سے باتیں کرنا، جب دنیا سوتی ہو تو اٹھ کر نماز پڑھنا۔ پھر حکم ہوا کہ اے محمدؐ! مجھ سے مانگو۔ میں نے عرض کی۔ خداوندا! میں نیک کاموں کے کرنے اور برے کاموں سے بچنے اور غریبوں سے محبت کرنے کی توفیق چاہتا ہوں، میری مغفرت کر، مجھ پر رحم فرما۔ جب کسی قوم کو تو آزمانا چاہے مجھے بے آزمائے اٹھا لینا میں تیری محبت کا اور تجھ سے جو محبت رکھے اس کی محبت کا اور جو عمل مجھ کو تیری محبت کے قریب کر دے اس کی محبت کا خواستگار ہوں۔ اس کے بعد آپؐ نے لوگوں سے کہا کہ ''یہ جو کچھ تھا حق تھا اور اس دعا کو پڑھا کرو۔ (۲)

آثار قیامت کے بعد واقعات بھی اسی عالم میں آپؐ پر پیش کیے گئے، آپؐ نے صحابہؓ کے مجمع میں ایک دن فرمایا کہ رات مجھے ایک رویا دکھائی گئی، میں نے دیکھا کہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہوں۔ اسی اثناء میں میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کا رنگ گندم گوں تھا۔ بہتر سے بہتر گندم گوں آدمی جو تم نے دیکھا ہو، اس کے گیسو پڑے ہوئے تھے بہتر سے بہتر گیسو جو تم نے دیکھے ہوں، کنگھی سے بال درست کیے تھے اور ان سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر وہ طواف کر رہا تھا، میں نے پوچھا یہ کون ہے جواب ملا کہ مسیحؑ بن مریم! میں ادھر دیکھنے کو مڑا تو ان کے پیچھے ایک اور آدمی نظر آیا۔ سرخ رنگ، موٹا بھدا، بالوں میں بہت گھونگر پڑے ہوئے، ایک آنکھ

(۱) مشکوۃ کتاب الرویا بحوالہ ترمذی کتاب الرویا مسند احمد۔

(۲) بہ روایت جامع ترمذی تفسیر سورہ ص و مسند ابن حنبل بہ سند معاذ ج ۵ ص ۲۴۳ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

Marfat.com

سے کانا، آنکھ ایسی معلوم ہوتی تھی گویا کہ ابھرا ہوا انگور ہے۔ میں نے پوچھا۔ یہ کون ہے؟ معلوم ہوا دجال ہے۔ (۱)

اُم المومنین زینبؓ بنت جحشؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آپؐ سوتے سے جاگ اٹھے، چہرۂ مبارک سرخ تھا اور زبان پر یہ کلمات تھے لا الہ الا اللہ۔ افسوس ہے عرب پر برائی نزدیک آ گئی یاجوج ماجوج کی دیوار میں آج اتنا سوراخ ہو گیا۔ (۲)

حضرت جبریلؑ اور دوسرے فرشتے جس طرح آپؐ کے عام مشاہدہ میں آتے تھے اسی طرح اس عالم میں حاضر ہوتے تھے، حضرت سمرہؓ بن جندب کہتے ہیں کہ ایک دن آپؐ نے فرمایا کہ آج شب کو میں نے خواب میں دو شخص دیکھے جو مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ دوزخ کی آگ کو جو جلاتا ہے وہ مالک داروغہ دوزخ ہے، میں جبریل ہوں اور یہ میکائیل ہیں۔ (۳)

نظارۂ جمال الٰہی کے بعد اس عالم کا سب سے بڑا مشاہدہ وہ تھا جس میں آپؐ کو دوزخ کے مہیب و ہولناک مناظر اور بہشت کی بعض دل کش اور مُسرّت افزا جلوہ آرائیاں دکھائی گئیں۔ حضرت سمرہؓ کہتے ہیں کہ معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد آپؐ ہم لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے اور پھر دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ بہر حال حسب معمول آج بھی آپؐ نے دریافت فرمایا۔ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہؐ! ارشاد ہوا کہ آج شب کو مجھے رویا میں یہ نظر آیا کہ دو آنے والے میرے پاس آئے، انہوں نے مجھے اٹھایا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک مقدس سرزمین میں لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی پڑا ہے دوسرا شخص ایک بڑا پتھر ہاتھ میں لیے اس کے پاس کھڑا ہے، وہ زور سے پتھر اس کے سر پر مارتا ہے جس سے اس کا سر چور چور ہو جاتا ہے اور پتھر لڑھکنے لگتا ہے، وہ دوڑ کر پتھر اٹھاتا ہے تو اس کا سر پھر درست ہو جاتا ہے، وہ پھر آ کر اسی طرح مارتا ہے اور سر کے پرخچے اڑ جاتے ہیں، میں نے پوچھا سبحان اللہ یہ کیا ہے؟ میرے ساتھیوں نے کہا آگے چلو! آگے چلو! میں آگے چلا تو دیکھا کہ ایک آدمی بیٹھا ہے۔ دوسرے شخص کے ہاتھ میں ایک لوہے کا ٹکڑا ہے۔ وہ ایک طرف اس کے منہ میں آنکڑا ڈال کر کھینچتا ہے تو باچھیں پھٹ کر گدی سے مل جاتی ہیں، پھر آنکھ میں، پھر نتھنے میں آنکڑا ڈال کر کھینچتا ہے اور چیر ڈالتا ہے۔ ادھر سے فرصت کر کے دوسری جانب جاتا ہے اور ادھر کے بھی جبڑے اور دانت اور نتھنے کو اسی آنکڑے سے پیچھے تک چیر ڈالتا ہے۔ اسی اثناء میں پہلی طرف سے سب زخم بھر آتے ہیں اور پھر آ کر وہ ان کو چیرتا ہے تو دوسری طرف کے بھر جاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ سبحان اللہ یہ کیا ہے؟ جواب ملا آگے چلو! آگے چلو! میں اور آگے بڑھا، دیکھا کہ ایک تنور ہے، اس میں آگ روشن ہے، کچھ مرد و عورت اس میں ننگے ڈالے گئے ہیں، جب نیچے سے آگ کا شعلہ اٹھتا ہے تو چیختے ہیں، چلاتے ہیں، تھوڑی دیر میں وہ آگ دب جاتی ہے اور پھر بلند ہوتی ہے اور پھر وہ چیختے ہیں اور چلاتے ہیں، میں نے کہا سبحان اللہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے پھر آگے بڑھنے کو کہا۔ اب آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک خون کی سرخ ندی ہے۔ اس میں ایک

(۱) صحیح بخاری کتاب التعبیر و صحیح مسلم باب الاسراء۔
(۲) صحیح بخاری کتاب الفتن، صحیح مسلم باب اشراط الساعۃ۔
(۳) بخاری بدء الخلق۔

Marfat.com

آدمی تیر رہا ہے اور کنارہ پر ایک شخص پتھر لیے کھڑا ہے' وہ آدمی چاہتا ہے کہ تیر کر کنارے لگ جائے' مگر جب وہ قریب آتا ہے تو وہ شخص پتھر اس زور سے تاک کر مارتا ہے کہ وہ اس کے منہ میں جا کر لگتا ہے اور حلق سے نیچے اتر جاتا ہے۔ وہ آدمی ہٹ کر پھر جہاں تھا وہیں پہنچ جاتا ہے اور پھر وہ کنارے پر آنے کا قصد کرتا ہے کہ پھر اسی طرح پتھر آ کر اس پر پڑتا ہے' میں نے دریافت کیا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا آگے چلو! آگے چلو! میں آگے چلا تو ایک شخص نظر آیا۔ کریہہ منظر سے کریہہ منظر آدمی جو تم نے دیکھا ہو' وہ اس سے بھی زیادہ کریہہ منظر تھا' آگ اس کے سامنے دہک رہی تھی اور اس کو وہ اور دہکا رہا تھا اور اس کے چاروں طرف پھر رہا تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے پھر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے آگے بڑھنے کو کہا' میں آگے بڑھا تو ایک ہرا بھرا گنجان باغ نظر آیا جس میں نو بہار کے رنگ برنگ پھول کھلے ہوئے تھے۔ باغ کے بیچ میں ایک نہایت ہی خوب صورت عمارت دکھائی دی کہ میں نے ویسی کبھی نہیں دیکھی تھی' اس میں بچے بوڑھے جوان' عورت' مرد' ہر طرف آگے نظر آئے' آگے بڑھا تو ایک اور عمارت جو پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت تھی نظر آئی' اس میں بھی کچھ لوگ مختلف سن و سال کے دکھائی دیئے' ایک باغ میں ایک درخت کے پاس ایک دراز قد انسان دیکھا جس کا سر اتنا اونچا تھا کہ آسمان تک پہنچ گیا تھا اور مجھے نظر نہیں آتا تھا۔ اس انسان کے چاروں طرف اتنے بچے نظر آئے کہ میں نے اتنے بچے نہیں دیکھے تھے' میں نے اپنے ہمراہیوں سے پھر سوال کیا' مگر انہوں نے اور آگے بڑھایا تو ایک بہت بڑے باغ کے قریب جس سے زیادہ بڑا اور زیادہ خوب صورت باغ میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا' پہنچا' اندر گیا تو ایک شہر نظر آیا جس کی چار دیواری ایک ایک سونے اور ایک ایک چاندی کی اینٹوں سے تعمیر ہوئی تھی' دروازہ کے پاس پہنچ کر دروازہ کھلوایا' دروازہ کھلا اور ہم اس کے اندر داخل ہوئے تو وہاں ہم کو ایسے لوگ نظر آئے جن کا آدھا دھڑ تو نہایت خوب صورت تھا اور آدھا دھڑ نہایت بدصورت' میرے ہمراہیوں نے ان سے کہا کہ جاؤ اس نہر میں غوطے لگاؤ' ناگاہ ایک نہایت صاف شفاف نہر نظر پڑی' وہ گئے اور جا کر اس میں غوطے لگائے۔ غوطے لگا کر باہر آئے تو ان کی بدصورتی جاتی رہی اور نہایت خوب صورت ہو گئے۔ ساتھیوں نے کہا کہ یہ شہر جنت عدن ہے۔ اور آپ کی منزل وہ ہے۔ میری نگاہ اوپر اٹھی تو ایک محل سپید بادل کی طرح دکھائی دیا۔ میں نے کہا خدا تمہارا بھلا کرے مجھے وہاں جانے دو' انہوں نے جواب دیا کہ ابھی نہیں' مگر آپ وہاں یقیناً جائیں گے' پھر میں نے کہا آج رات کو میں نے عجیب عجیب چیزیں دیکھیں۔ بتاؤ یہ کیا تھیں؟ انہوں نے کہا کہ اب ہم آپ کو سب بتا دیں گے۔ پہلا آدمی جس کا سر پتھر سے توڑا جا رہا تھا' وہ تھا جو قرآن پڑھ کر پھر اس کو چھوڑ دیتا ہے اور فرض نماز سے غافل ہو کر سو جاتا ہے' وہ شخص جس کی آنکھ' ناک اور منہ چیرا جا رہا تھا وہ تھا جو جھوٹ بولتا ہے' تنور میں جو عورت مرد ننگے بدن نظر آئے وہ زناکار ہیں' خون کے دریا میں جو غوطے لگا رہا تھا اور پتھر نگل رہا تھا وہ سود خوار ہے (کہ وہ لوگوں کا خون چوس کر حرام کھاتا تھا) کریہہ منظر شخص جو آگ بھڑکا رہا تھا' دوزخ کا داروغہ مالک تھا' باغ میں جو دراز قد انسان اور اس کے چاروں طرف بچے نظر آتے تھے وہ ابراہیمؑ تھے اور یہ بچے وہ کم سن تھے جو دین فطرت پر مرے۔ یہاں پر حاضرین مسجد میں سے ایک مسلمان نے آنحضرت ﷺ کو ٹوک کر کہا۔ یا رسول اللہ! اور مشرکین کے بچے؟ فرمایا! اور وہ بھی (کیونکہ وہ ہوش میں آنے سے پہلے دین فطرت ہی پر مرے) پھر سلسلہ گفتگو آگے فرمایا اور فرشتوں نے بتایا کہ پہلی

Marfat.com

عمارت جس میں ہر عمر کے لوگ تھے' عام اہل ایمان کا مسکن ہے دوسری عمارت جو اس سے بہتر تھی اور جس میں ہر سن و سال کے کچھ آدمی ملے وہ شہیدوں کا مقام ہے اور یہ لوگ جن کا آدھا دھڑ خوب صورت اور آدھا بد صورت تھا' وہ تھے جنہوں نے نیک اعمال کے ساتھ برے اعمال بھی کیے ہیں' خدا نے ان سے درگزر کیا۔ (۱)

☆☆☆☆☆

(۱) صحیح بخاری کتاب التعبیر و کتاب الجنائز باب ما قیل فی اولاد المشرکین۔

Marfat.com

مشاہدات و مسموعات

عالم بیداری

﴿ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ﴾ (نجم)

''پیغمبر جو کچھ دیکھتا ہے کیا اس پر تم اس سے جھگڑتے ہو۔

انبیاء علیہم السلام کے حواس یا عام اصناف انسانی کے حواس سے زیادہ لطیف ہوتے ہیں یا ہمارے حواس کے ماسوا ان کے کچھ اور بھی حواس ہوتے ہیں، جن سے عام انسان اسی طرح بیگانہ ہیں جس طرح مادر زاد نابینا ایک تیز نگاہ نوجوان کی قوت بینائی اور لطف نظر سے ناآشنا ہے۔

مشاہدات نبوی، عام مادی واقعات نہیں جن کی روایت صحابہ کرامؓ خود اپنے علم یا رویت یا سماعت سے کر سکتے، بلکہ وہ ان واقعات سے اسی قدر جان سکتے تھے جن کو آنحضرت ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے کبھی کبھی ظاہر فرمایا۔

اس لیے روایات حدیث میں مشاہدات نبوی کا احاطہ نہیں ہو سکا ہے اور نہ عام امت کے عمل دین کے لیے ان کیفیات مافوق کا علم ضروری ہے، بہر حال لفظ و عبارت کے حدود میں جہاں تک ممکن ہے ہم ان کے احاطہ کی کوشش کرتے ہیں۔

مشاہدات نبوی کی فہرست میں سب سے پہلی چیز روح القدس یا روح الامین یا جبریل نام فرشتہ کی رویت ہے جو سب سے پہلے غار حرا میں نظر آیا اور اس کے بعد کچھ زمانہ تک وہ آپؐ کی نگاہ سے اوجھل رہا[1] اور آنحضرت ﷺ کو اس وجہ سے تکلیف رہی۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مکہ میں آپؐ کے چند سال ایسے گزرے کہ آپؐ کو صرف غیب کی آوازیں سنائی اور روشنی دکھائی دیتی تھی اور کوئی چیز آپؐ کو نظر نہیں آتی تھی۔[2] غالباً یہی فترۃ الوحی کا زمانہ ہے، یہ زمانہ ختم ہو گیا تو آپؐ نے ایک دن آواز سنی، نظر اٹھا کر دیکھا تو آسمان و زمین کے بیچ میں ایک کرسی پر وہی فرشتہ بیٹھا ہوا نظر آیا۔[3] مگر عموماً وہ کسی نہ کسی شکل میں نظر آتا۔ صحیح روایتوں میں ہے کہ جبریلؑ صرف دو دفعہ اپنی اصلی صورت میں آپؐ کو نظر آئے۔ آپؐ نے اس وقت دیکھا کہ ان کے جسم پر چھ سو پر ہیں اور ان کے دونوں بازوؤں نے افق کو گھیر لیا ہے۔[4] جبریلؑ کے علاوہ دوسرے فرشتگان الٰہی بھی بارگاہ نبوت میں آیا کرتے تھے جس کی تفصیل نزول ملائکہ کے عنوان میں گزر چکی ہے۔

فرشتوں کے مقابل دوسری ہستی شیطان کی ہے یہ وہ قوت شر ہے جس سے کوئی انسان محفوظ نہیں رہ سکتا سب

(۱) صحیح بخاری (مسلم باب بدء الوحی۔
(۲) صحیح مسلم باب کم امام النبی ﷺ بمکہ۔
(۳) صحیح مسلم بدء الوحی۔
(۴) صحیح بخاری بدء الخلق و تفسیر والنجم، صحیح مسلم باب الاسرا۔

Marfat.com

سے پہلے اس سے حضرت آدمؑ کی آزمائش ہوئی اور خدا نے یہ نتیجہ ظاہر کیا کہ۔

﴿لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ (طہ: ۲) ''ہم نے آدم میں استقلال نہیں پایا۔''

سفر ایوبؑ اور قرآن میں ہے کہ اس سے حضرت ایوبؑ کی آزمائش ہوئی اور وہ اس امتحان میں پورے اترے انجیل میں ہے کہ حضرت مسیحؑ بھی شیطان سے آزمائے گئے اور انہوں نے کامیابی سے اس میدان کو سر کیا۔ حدیث صحیح میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے' پوچھنے والے نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا آپؐ کے ساتھ بھی ہے؟ فرمایا۔ ہاں۔ لَكِنَّهٗ اَسْلَمَ لیکن وہ مسلمان ہو گیا ہے یا مطیع ہو گیا ہے؟ ایک دفعہ کا واقعہ ارشاد فرمایا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ شیطان مجھے چھیڑنے لگا اور میری نماز توڑنے لگا تو خدا نے مجھے اس پر غلبہ عطا کیا۔ (۱)

جنت و دوزخ گو اور عالم کی چیزیں ہیں لیکن نگاہوں سے پردہ اٹھ جائے تو سامنے آ جائیں' آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک دفعہ سورج گرہن ہوا۔ آپؐ صحابہؓ کے ساتھ نماز کو کھڑے ہوئے اور بہت دیر تک قراءۃ' رکوع اور سجدہ میں مصروف رہے' اسی اثناء میں صحابہؓ نے دیکھا کہ آپؐ نے ایک بار ہاتھ آگے کو بڑھایا۔ پھر دیکھا کہ آپؐ کسی قدر پیچھے ہٹے۔ نماز کے بعد لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا کہ اس وقت میرے سامنے وہ تمام چیزیں پیش کی گئیں جن کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے' جنت اور دوزخ کی تمثیل اسی دیوار کے پاس دکھائی گئی میں نے بہشت کو دیکھا کہ انگور کے خوشے لٹک رہے ہیں' چاہا کہ توڑ لوں' اگر میں توڑ سکتا تو تم تا قیامت اس کو کھا سکتے پھر میں نے دوزخ کو دیکھا جس سے زیادہ کوئی بھیانک چیز میں نے آج تک نہیں دیکھی' لیکن میں نے اس میں زیادہ تر عورتوں کو پایا۔ لوگوں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! یہ کیوں؟ فرمایا کہ اپنے خاوندوں کی ناشکری کے سبب اگر ایک عورت پر تم عمر بھر احسان کرو اور صرف ایک دفعہ وہ تمہارے کسی فعل سے آزردہ ہو جائے تو وہ کہے گی کہ میں نے کبھی تمہارا اچھا برتاؤ نہیں دیکھا۔ میں نے اس دوزخ میں اس چور کو دیکھا جو حاجیوں کا اسباب چرایا کرتا تھا۔ میں نے اس میں ایک یہودی عورت کو دیکھا جس پر اس لیے عذاب ہو رہا تھا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ لیا تھا۔ اس کو نہ کچھ کھانے کو دیتی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ زمین پر گری پڑی چیزیں کھائے۔ آخر اسی بھوک سے اس نے جان دے دی۔ (۲)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ میں جنت میں جا نکلا تو دیکھا یہاں کے باشندوں میں بڑی تعداد ان کی ہے جو دنیا میں غریب تھے اور دوزخ میں جا کر دیکھا تو ان میں بڑی تعداد عورتوں کی پائی۔ (۳)

عمر کے آخیر سال میں آپؐ شہدائے احد کے مقبرے میں تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس آ کر آپؐ نے ایک خطبہ دیا۔ اسی درمیان میں آپؐ نے فرمایا۔ میں اپنے حوض (کوثر) کو یہیں سے دیکھ رہا ہوں اور مجھ کو زمین کے خزانہ کی کنجیاں حوالہ کی گئیں' اے لوگو! مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک کرنے لگو گے لیکن ڈرتا اس سے ہوں کہ اس دنیا کی دولت میں پڑ کر آپس میں رشک و حسد نہ کرنے لگو۔ (۴)

---

(۱) صحیح بخاری بدء الخلق باب سفر ابلیس۔
(۲) صحیح بخاری و صحیح مسلم باب صلوٰۃ الکسوف و صحیح بخاری کتاب الصلوۃ باب رفع البصر و باب التعوذ من الفتن۔
(۳) صحیح بخاری باب صفۃ الجنۃ۔
(۴) صحیح بخاری کتاب الجنائز (باب بخاری زہرۃ الدنیا)

Marfat.com

منبر مبارک مسجد نبوی میں تھا اور اسی سے متصل ازواج مطہراتؓ کے حجرے بھی تھے جن میں سے ایک میں جسد اقدس سپرد خاک ہے۔ آپؐ نے فرمایا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے اور میرا منبر میرے حوض پر رکھا ہے۔ (۱)

محدثین نے اس حقیقت کو مختلف تاویلوں سے ظاہر کرنا چاہا ہے لیکن ہمارے نزدیک اس کی صحیح تشریح یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس کا مشاہدہ کرایا گیا۔

معمول تھا کہ تہجد کی نماز کے لیے جب آپؐ بیدار ہوتے تو امہات المومنینؓ کو بھی جگا دیتے' اُمّ المومنین اُمّ سلمہؓ کہتی ہیں کہ آپؐ ایک شب خواب سے بیدار ہوئے تو فرمایا' سبحان اللہ! آج شب کو کیا کیا دولت کے خزانے اور کیا کیا فتنے نازل ہوئے ہیں۔ ان حجروں میں رہنے والیوں (ازواج مطہراتؓ) کو کون جگائے؟ اے افسوس دنیا میں کتنی عورتیں سامان آرائش سے آراستہ ہیں مگر آخرت میں وہ ننگی ہوں گی۔ (۲) (کہ دنیا میں وہ جامہ عملی سے برہنہ تھیں)

اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آپؐ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے۔ ایک ٹیلے پر چڑھے پھر فرمایا۔ اے لوگو! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ تم دیکھ رہے ہو؟ لوگوں نے عرض کی۔ نہیں یا رسول اللہؐ۔ فرمایا میں تمہارے گھروں کے درمیان فتنوں کو بارش کی طرح برستے دیکھ رہا ہوں۔ (۳) (یہ غالباً حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد کے واقعات کا مشاہدہ تھا)

آنحضرت ﷺ کو ہر حال میں اپنی امت کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے تمام کناروں کو میری نگاہوں کے سامنے کر دیا۔ میں نے ان کے مغرب و مشرق کو دیکھا۔ میری امت کی سلطنت ان تمام کناروں تک پہنچ جائے گی جو مجھے دکھائے گئے ہیں' مجھے سرخ و سپید (سونا چاندی) کے دونوں خزانے دیئے گئے ہیں۔ میں نے خدا کے حضور میں دعا کی کہ بارالٰہا! میری امت کو کسی عالمگیر قحط سے برباد نہ کرنا اور نہ ان پر ان کے سوا کسی غیر دشمن کو مسلط کرنا۔ حکم ہوا کہ میرے دربار میں فیصلہ کی تبدیلی نہیں ہوتی میں نے تمہاری یہ دعا قبول کی' تو اب میری امت کو کوئی تباہ نہ کرے گا بلکہ وہ ایک دوسرے کو تباہ کریں گے۔ (۴) مسلمانوں کی پوری تاریخ اس مشاہدۂ اقدس کی تعبیر ہے۔

گزشتہ انبیائے کرامؑ کی تمثیلیں اکثر آپؐ کو دکھائی گئی ہیں اور معراج اور عالم رویا کے علاوہ بیداری کے عالم میں بھی یہ مشاہدے ہوئے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپؐ سفر میں (غالباً سفر حج) جاتے ہوئے وادی ارزق سے گزرے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا۔ یہ کون وادی ہے؟ لوگوں نے کہا یہ وادی

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الحوض و باب فضل ما بین القبر والمنبر۔
(۲) صحیح بخاری کتاب التہجد۔
(۳) صحیح بخاری صحیح مسلم باب الفتن۔
(۴) صحیح مسلم باب الفتن۔

Marfat.com

ارزق ہے۔ فرمایا۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام گھاٹی سے اتر رہے ہیں اور ان کی زبان پر تلبیہ (صدائے حج) جاری ہے۔ اس کے بعد ہرشا کی گھاٹی آئی۔ فرمایا۔ یہ کون سی گھاٹی ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ ہرشا کی گھاٹی ہے فرمایا۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ متی کے بیٹے یونسؑ سرخ اونٹنی پر سوار ہیں' کمبل کا جبہ پہنے ہیں۔ اونٹنی کی نکیل کھجور کی چھال کی ہے اور وہ لبیک اللّٰھم لبیک کہتے جا رہے ہیں۔ (۱)

معراج کے واقعہ میں یاد ہوگا کہ جب کفار نے بیت المقدس کا نقشہ دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ مجھے اچھی طرح یاد نہ تھا کہ دفعتاً اللہ تعالیٰ نے اس کو میری نگاہوں کے سامنے کر دیا' وہ ایک ایک چیز کو پوچھتے جاتے تھے اور میں جواب دیتا جاتا تھا۔ (۲)

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن آپؐ قبرستان سے گزر رہے تھے' فرمایا کہ ان دو قبروں پر عذاب ہو رہا ہے۔ یہ عذاب کسی گناہ کبیرہ کی پاداش میں نہیں ہے۔ ایک کو اس بات پر سزا دی جا رہی ہے کہ وہ طہارت کے وقت پردہ نہیں کرتا تھا۔ یا یہ کہ پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ دوسرے کے عذاب کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگوں کی چغلی کھایا کرتا تھا' اس کے بعد آپؐ نے ایک درخت کی سبز ٹہنی کو دو ٹکڑے کر کے دونوں پر کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ شاید ان کی تسبیح و تہلیل سے ان کی سزاؤں میں تخفیف ہو۔ (۳)

حضرت ابو ایوبؓ انصاری راوی ہیں کہ ایک دفعہ آپؐ دوپہر کو گھر سے نکلے تو آپؐ کے کانوں میں ایک آواز آئی۔ فرمایا کہ یہ یہود پر ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔ (۴)

طبرانی میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ یہود کو ان کی قبروں میں جو عذاب دیئے جا رہے ہیں اس کی آوازیں میرے کانوں میں آ رہی ہیں۔ (۵)

ایک جہاد میں مسلمانوں کی طرف ایک آدمی مارا گیا تھا۔ لوگوں نے کہا وہ شہید ہوا۔ آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں' میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے کیونکہ اس نے مال غنیمت میں سے ایک عبا چرائی تھی۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ جنت میں صرف اہل ایمان جائیں گے۔ (۶)

عمرو بن عامر خزاعی عرب میں پہلا شخص ہے جس نے جانوروں کو دیوتاؤں کے نام نذر کرنے کی بدعت پیدا کی' بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے جہنم کو دیکھا کہ اس کے شعلے ایک دوسرے کو توڑ رہے ہیں اور اس میں عمرو بن عامر کو دیکھا کہ وہ اپنی آنتیں گھسیٹ رہا ہے۔ (۷)

---

(۱) صحیح مسلم باب الاسراء۔
(۲) صحیح بخاری و صحیح مسلم باب الاسراء۔
(۳) صحیح بخاری کتاب الجنائز۔
(۴) کتاب الجنائز۔
(۵) قسطلانی شرح حدیث مذکور۔
(۶) جامع ترمذی باب ماجاء فی الغلول۔
(۷) مسند ابن حنبل بہ سند جابرؓ بن عبداللہ۔

Marfat.com

صحیح مسلم میں ہے کہ آپؐ ایک دفعہ بنی نجار کے نخلستان میں جا نکلے آپؐ ایک خچر پر سوار تھے اور جانثار ساتھ ساتھ تھے کہ دفعتاً خچر اس زور سے بھڑکا کہ قریب تھا کہ آپؐ گر پڑیں۔ پاس پانچ چھ قبریں تھیں دریافت فرمایا کہ ان قبروں کو کوئی جانتا ہے۔؟ ایک نے کہا ہاں! یارسول اللہؐ میں جانتا ہوں۔ فرمایا۔ یہ لوگ کب مرے ہیں؟ عرض کیا کہ یہ لوگ شرک کی حالت میں مرے ہیں۔ فرمایا۔ ان لوگوں کی ان کی قبروں میں آزمائشیں ہو رہی ہیں اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ تم مردوں سے ڈر کر ایک دوسرے کو دفن کرنے میں ڈرنے لگو گے تو میں خدا سے دعا کرتا کہ تم کو بھی عذاب قبر کی وہ آواز سنائے جو میں سن رہا ہوں۔ (۱)

ایک دفعہ آپ صحابہؓ کے ساتھ کسی طرف کو تشریف لے جا رہے تھے۔ اتنے میں ایک سخت بدبو پھیلی فرمایا جانتے ہو یہ کیسی بدبو ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے جو مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں۔ (۲) حاکم میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت بلالؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ کسی طرف کو جا رہے تھے آپؐ نے فرمایا اے بلالؓ! جو میں سن رہا ہوں تم سن رہے ہو؟ عرض کی نہیں یارسول اللہؐ! فرمایا کہ تم نہیں سنتے کہ مُردوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ مستدرک حاکم۔ (۳) کتاب الزہد امام احمد، بزار اور بیہقی کی شعب الایمان میں ہے کہ حضرت زیدؓ بن ارقم بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تھے، حضرت ابوبکرؓ نے پینے کی کوئی چیز مانگی تو لوگ شہد اور پانی لے آئے، حضرت ابوبکرؓ یہ دیکھ کر رونے لگے لوگوں نے گریہ کا سبب دریافت کیا تو فرمایا۔ ایک دن میں خدمت نبوی میں حاضر تھا تو دیکھا آپؐ ہاتھ سے کوئی چیز ہٹا رہے ہیں؟ اور مجھے کوئی چیز ہٹانے کی نظر نہیں آتی تھی تو میں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! آپؐ کس چیز کو ہٹا رہے ہیں؟ فرمایا یہ دنیا ہے جو میرے سامنے متمثل ہو کر آئی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس سے چلی جا۔ تو اس نے کہا۔ اگر آپؐ مجھ سے بچ گئے تو آپؐ کے بعد کے لوگ مجھ سے نہیں بچ سکتے۔

❁

(۱) مسند ابن حنبل بہ سند جابرؓ بن عبداللہ۔

(۲) ایضاً۔

(۳) مستدرک ج ۴ ص ۳۰۹۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ بخاری وغیرہ نے اس کے ایک راوی (عبدالصمد) کو متروک کہا ہے۔

Marfat.com

اَسراء یا معراج

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ﴾

اسراء کے معنی ''رات کو چلانے یا لے جانے کے ہیں۔'' چونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ حیرت انگیز معجزانہ سفر رات کو ہوا تھا اس لیے اس کو اسراء کہتے ہیں اور قرآن مجید نے اسی لفظ سے اس کو تعبیر کیا ہے ﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا﴾ (پاک ہے وہ خدا جو رات کے وقت اپنے بندہ کو لے گیا)

معراج عروج سے نکلا ہے جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں۔ چونکہ احادیث میں آپؐ سے لفظ عُرِجَ بِیْ مجھ کو اوپر چڑھایا گیا' مروی ہے' اس لیے اس کا نام معراج پڑا۔

انبیاؑ اور سیر ملکوت:

انبیاء علیہم السلام کے روحانی حالات اور واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں کو آغاز نبوت کے کسی خاص وقت اور مخصوص ساعت میں یہ منصب رفیع حاصل ہوتا ہے اور اس وقت شرائط رویت کے تمام مادی پردے ان کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیئے جاتے ہیں' اسباب ساعت کے دنیاوی قوانین ان کے لیے منسوخ کر دیئے جاتے ہیں' قیود زمانی و مکانی کی تمام فرضی بیڑیاں ان کے پاؤں سے کاٹ ڈالی جاتی ہیں' آسمان و زمین کے مخفی مناظر بے حجابانہ ان کے سامنے آتے ہیں اور وہ اس کے بعد نور کا حُلّہ بہشتی پہن کر فرشتوں کے روحانی جلوس کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں پیش ہوتے ہیں اور اپنے اپنے رتبہ اور درجہ کے مناسب مقام پر کھڑے ہو کر فیض ربانی سے معمور اور غرق دریائے نور ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مقربان خاص کو یہ درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ حریم خلوت گاہ قدس میں بار پا کر قاب قوسین (دو کمانوں کے فاصلہ) سے بھی نزدیک تر ہو جاتے ہیں اور پھر وہاں سے اپنے منصب کا فرمان خاص لے کر اسی کاشانہ آب و خاک میں واپس آ جاتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کو جب نبوت عطا ہوئی ہے تو ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿وَ کَذٰلِکَ نُرِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو آسمان اور زمین کی بادشاہی دکھاتے ہیں۔ یہ سیر ملکوت یعنی آسمان و زمین کی بادشاہی کا مشاہدہ کیا ہے؟ یہی اسراء اور معراج ہے۔

حضرت یعقوبؑ کے متعلق توراۃ میں مذکور ہے۔

> ''یعقوب بیر سبع سے نکلا اور حاران کی طرف روانہ ہوا اور وہاں ایک مقام پر جا کر لیٹا کیونکہ سورج ڈوب گیا تھا اور اسی مقام سے کچھ پتھر اپنے سر کے نیچے رکھ لیے اور وہیں سو رہا وہاں خواب دیکھا کہ زمین سے آسمان تک ایک زینہ لگا ہوا ہے جس پر سے خدا کے فرشتے چڑھ اور اتر رہے ہیں اور خدا اس پر کھڑا ہے اور

Marfat.com

اس نے کہا میں ہوں خداوند تیرے باپ ابراہیمؑ اور اسحاقؑ کا خدا جس زمین پر تو سویا ہے وہ تجھ کو اور تیری نسل کو دوں گا۔'' (تکوین۔۲۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر جلوہ حق کا پرتو نظر آیا' وہی ان کی معراج ہے' دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے مشاہدات ربانی اور سیاحت روحانی کی تفصیل سے توراۃ کے صفحات معمور ہیں۔ عیسائیوں کے مجموعہ انجیل میں یوحنا رسول اللہ کا مکاشفہ بہ تفصیل مذکور ہے جس میں ان کو خواب کے اندر بہت سے روحانی مناظر دکھائے گئے ہیں اور قیامت کے واقعات تمثیلی رنگ میں ان کے سامنے پیش کیے گئے ہیں۔ یہ پورا مکاشفہ جس کو ہم سفر نامہ ملکوت کہہ سکتے ہیں ۲۲ بابوں میں ختم ہوا ہے اور ان میں آثار قیامت' جزاء و سزا اور جنت و دوزخ وغیرہ کے متعلق اکثر ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ جو قرآن مجید کے بالکل مطابق ہیں اور ان کو تمام مسلمان پسند کرتے ہیں مجوس اپنے پیغمبر زردشت کے متعلق بھی معراج کا ایک طویل افسانہ سناتے ہیں جس میں زیادہ تر آنحضرت ﷺ کے واقعات معراج کو نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے' پیروان بودھ بھی نخل حکمت کے سایہ میں بودھ کے مشاہدۂ ربانی کا ایک قصہ بیان کرتے ہیں۔

بہر حال اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ ہمیشہ سے یہ سیر ملکوت انبیاءؑ مقربان الٰہی اور مدعیان قرب الٰہی کے سوانح کا جزو رہی ہے اور ہر ایک نے اپنے اپنے منصب اور رتبہ کے مطابق اس عالم کے مشاہدہ کا فیض حاصل کیا ہے۔ اسلام نے اس خزانہ کو یہاں تک عام کیا ہے کہ اہل ایمان کے لیے دن میں پانچ دفعہ اس دربار کے کسی نہ کسی گوشہ تک رسائی ممکن کر دی ہے کہ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

معراج نبویؐ:

لیکن حضور ﷺ چونکہ سرور انبیاء اور سید اولاد آدم تھے اس لیے اس حظیرۂ قدس اور بارگاہ لامکان میں آپؐ کو وہاں تک رسائی حاصل ہوئی جہاں تک کسی فرزند آدم کا قدم اس سے پہلے نہیں پہنچا تھا اور وہ کچھ مشاہدہ کیا جو اب تک دوسرے مقربان بارگاہ کی حد نظر سے باہر رہا تھا۔

معراج نبویؐ کا وقت و تاریخ اور تعداد وقوع:

اس امر میں اختلاف ہے کہ معراج کب اور کس تاریخ کو واقع ہوئی' ایک دفعہ ہوئی یا مختلف اوقات میں۔ صحیح و مستند روایات کے مطابق اور جمہور علماء کی رائے کے موافق معراج صرف ایک دفعہ واقع ہوئی' جو لوگ متعدد کے قائل ہیں' اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ چونکہ روایتوں میں جزئیات معراج کے بیان میں اختلاف ہے اس لیے انہوں نے رفع اختلاف کے لیے متعدد دفعہ معراج کا وقوع تسلیم کیا ہے۔[1] تاکہ ہر مختلف فیہ واقعہ ایک ایک جداگانہ معراج پر منطبق کیا جائے لیکن درحقیقت یہ ایک فرض محض ہے' جس کو واقعیت سے کوئی تعلق نہیں۔ مستند اور صحیح روایات ہمارے سامنے ہیں اور ان میں تعدد معراج کا اشارہ تک نہیں ہے۔ ایک ایسے اہم مافوق مشاہدہ بشری اور طویل واقعہ کے متعلق جو اس وقت واقع ہوا' جب مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی اور جس قدر تھی وہ بھی پراگندہ حال اور منتشر الخیال تھی اور ایک

(۱) امام سہیلی نے روض الانف شرح سیرۃ ہشام میں اسی استدلال کی بناء پر تعدد کا میلان ظاہر کیا ہے ج اول ص ۲۴۴ مصر۔

Marfat.com

ایسے واقعہ کے متعلق جس کے رواۃ اکثر وہ لوگ ہیں جو اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے یا بہت چھوٹے تھے یا مدنی لوگ ہیں جن کو قبل ہجرت کے واقعات کی ذاتی اور بلا واسطہ واقفیت نہ تھی' اگر جزئیات میں معمولی اختلاف یا بعض واقعات کی ترتیب میں تقدم و تاخر واقعہ ہوا ہے تو ان کی تطبیق کے درپے ہونے کی ضرورت نہیں' خود ہمارے سامنے روزانہ واقعات پیش آتے رہتے ہیں' ان کے جزئیات کی تفصیل اگر مختلف راویوں سے سنیں یا مختلف اوقات میں ہم خود بیان کریں تو ترتیب واقعات اور دیگر جزئی امور میں بیسیوں اختلافات پیدا ہو جائیں گے' بایں ہمہ اصل معاملہ اور اس کے اہم اجزاء کے وقوع میں شک وشبہ نہ ہوگا۔

بعض ارباب سیر نے دو دفعہ معراج کا ہونا ظاہر کیا ہے جن میں وہ ایک کو اسراء اور دوسرے کو معراج کہتے ہیں۔ قرآن میں اسراء اور احادیث میں معراج کا نام آیا ہے' انہوں نے اس کی ضرورت اس لیے سمجھی ہے کہ قرآن مجید کے پندرہویں پارہ میں اسراء کا جو بیان ہے اس میں صرف مکہ سے بیت المقدس تک کا سفر مذکور ہے اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جسم کے ساتھ حالت بیداری میں ہوا حالانکہ معراج میں تو آسمان تک کا سفر ہوا ہے اور عجیب و غریب واقعات پیش آئے ہیں اور بعض روایتوں میں تصریح ہے کہ یہ خواب تھا۔ بہر حال یہ بھی استنباط اور قیاس سے آگے نہیں بڑھتا' قرآن مجید کے الفاظ خواب و بیداری دونوں کے متحمل ہیں۔ اس بناء پر اس میں کوئی شک نہیں کہ معراج ایک ہی دفعہ واقع ہوئی ہے۔

علامہ زرقانی نے تصریح کی ہے کہ یہی جمہور محدثین' متکلمین اور فقہاء کی رائے ہے اور روایات صحیحہ کا تواتر بھی بظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے اور اس سے عدول نہیں کرنا چاہیے۔ [1] حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں تعدد معراج کے قول کو بالکل لغو اور بے سند اور خلاف سیاق احادیث ٹھہرایا ہے۔

معراج کے وقت اور زمانہ کی تعیین میں یہ دشواری پیش آتی ہے کہ یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے جب کہ تاریخ اور سنہ کی تدوین نہیں ہوئی تھی اور عرب میں عموماً اسلام سے پہلے کسی خاص سنہ کا رواج نہ تھا تاہم وقت کے متعلق اتنا تو یقینی طور پر معلوم ہے کہ رات کا وقت تھا' خود قرآن مجید میں ہے اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا۔

(یعنی لے گیا اللہ اپنے بندہ کو رات کے وقت) اور تمام روایات بھی اس پر متفق اللفظ ہیں۔ لیکن صحیح دن اور تاریخ کا پتہ لگانا نہایت مشکل ہے۔ محدثین کے ہاں کسی سے بھی بروایت صحیحہ اس کی تصریح موجود نہیں ہے ارباب سیر نے بعض صحابہؓ' تابعین اور تبع تابعین سے کچھ روایتیں کی ہیں لیکن ان کی تصریحات مختلف ہیں تاہم اتنی بات پر بلا اختلاف سب کا اتفاق ہے کہ یہ بعثت اور آغاز وحی کے بعد اور ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ جو مکہ معظمہ میں پیش آیا۔ [2]

مہینہ کی تعیین کے متعلق ارباب سیر کے پانچ اقوال ہیں۔ کوئی ربیع الاول کہتا ہے' کسی نے ربیع الآخر کی روایت

---

(۱) شرح مواہب ج اول ص ۵۵۔

(۲) صحیح بخاری اور کتب حدیث میں معراج کے بیان میں شریک نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ یہ قبل آغاز وحی کے ہوا۔ اس کا مطلب محض فرشتوں کا آنا ہے' نفس معراج نہیں' تفصیل آگے آئے گی۔

Marfat.com

ہے۔ بعض رجب کی تعیین کرتے ہیں۔ بعض رمضان یا شوال کہتے ہیں۔ یہ آخری روایت سدی کی ہے۔ جس کو ابن جریر طبری اور بیہقی نے نقل کیا ہے اس کی روایت ہے کہ معراج ہجرت سے ۱۷ مہینے پیشتر واقع ہوئی ہجرت اوائل ربیع الاول میں ہوئی ہے اس بناء پر ۱۷ مہینے پیشتر آخر رمضان ہوگا۔ یا آغاز شوال لیکن کون نہیں جانتا کہ سدی پایہ اعتبار سے ساقط ہے واقدی سے ابن سعد نے دو روایتیں کی ہیں۔ [1] ایک یہ کہ سنیچر کی شب تھی ۱۷ تاریخ تھی رمضان کا مہینہ تھا ہجرت (ربیع الاول ۱ھ) سے ۱۸ مہینے پیشتر کا یہ واقعہ ہے دوسری یہ ہے کہ یہ ہجرت سے ایک سال پہلے ۱۷ ربیع الاول کا واقعہ ہے۔ واقدی نے ان روایات میں کس قدر تصریح کے ساتھ دن تاریخ اور وقت بتا دیا ہے لیکن ہمارے علمائے رجال کی عدالت میں انکی شہادت کوئی بڑی قدر و قیمت نہیں رکھتی چنانچہ ان روایتوں میں بھی جس روایت میں وقت اور تاریخ کی جس قدر تفصیل زیادہ ہے اسی قدر وہ زیادہ نامعتبر ہے کیونکہ اس کی سند ناتمام ہے دوسرے مہینوں کی روایتیں بھی اسی قسم کی ہیں ابن قتیبہ دینوری (المتوفی ۲۶۷ھ) اور علامہ ابن عبدالبر (المتوفی ۴۶۳ھ) نے رجب کی تعیین کی ہے اور متاخرین میں امام رافعی اور امام نووی نے (روضہ میں) اسی کو تیقن کے ساتھ ظاہر کیا ہے اور محدث عبدالغنی مقدسی نے بھی اسی مہینہ کو اختیار کیا ہے بلکہ ۲۷ تاریخ کی بھی تصریح کر دی ہے اور علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے اور بعض کی رائے ہے کہ یہی قوی ترین روایت ہے۔ کیونکہ اصول یہ ہے کہ جب کسی بات میں اسلاف کا اختلاف ہو اور کسی رائے کی ترجیح پر کوئی دلیل قائم نہ ہو تو بظن غالب وہ قول صحیح ہوگا جس پر عمل درآمد ہو اور جو لوگوں میں مقبول ہو۔ [2] اس مسئلہ کے حل کی ایک صورت یہ ہے کہ متاخرین کے نقل قیاسات استنباطات اور مجادلات سے جو دس سے زیادہ مختلف اقوال پر مشتمل ہیں قطع نظر کر لیا جائے اور دیکھا جائے کہ قدیم راویوں کی اصل تصریحات کیا کیا ہیں اور کثرت روایت اور گمان صحت کا راجح پہلو کس کی جانب ہے چنانچہ یہ تصریحات حسب ذیل ہیں۔

نام راوی	روایت	کیفیت سند
(۱) ابن سعد بواسطہ واقدی از حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص و ام سلمہؓ و عائشہؓ و ابن عباسؓ و ام ہانی رضی اللہ عنہم	۱۷ ربیع الاول ہجرت سے ایک سال قبل	ابن سعدؒ نے یہ روایت متعدد مسلسل طریقوں سے صحابہؓ سے نقل کی ہے۔
(۲) موسیٰ بن عقبہ بواسطہ زہری۔	ہجرت سے ایک سال قبل	موسیٰ بن عقبہ کی سیرت معتبر ترین کتب سیرت میں سے ہے۔
(۳) زہری بواسطہ سعید ابن صہیب	ایضاً	ایضاً
(۴) عروہ بن زبیر از حضرت عائشہؓ	ایضاً	ایضاً
(۵) قتادہ	ایضاً	یہ تابعی ہیں۔
(۶) مقاتل	ایضاً	ایضاً

(۱) ابن سعد ج ۱ ص ۱۴۳۔

(۲) یہ تمام تفصیل زرقانی ج ۱ ص ۳۵۵۔۳۵۸ میں مذکور ہے۔

Marfat.com

(۷) ابن جریج	ہجرت سے ایک سال قبل	ایضاً
(۸) ابراہیم ابن اسحاق الحربی	۲۷ ربیع الآخر' ہجرت سے ایک سال پہلے	ایضاً
(۹) مسلم بن قتیبہ	ہجرت سے ۱۸ ماہ پیشتر	یہ مورخ ہیں
(۱۰) عمرو بن شعیب از حضرت عمروؓ بن العاص	۷ ربیع الاول ہجرت سے ایک سال پہلے	ایضاً
(۱۱) سدی	ہجرت سے ۷ یا ۱۶ مہینے پیشتر	سدی پایہ اعتبار سے ساقط ہے

متاخرین نے امام زُہری کے انتساب سے دو اور مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ایک ہجرت سے پانچ سال قبل اور دوسرا بعثت سے پانچ سال بعد۔ پہلے قول کے ناقل علامہ ابن حجر (فتح الباری جلد ۷ص ۱۵۵ مصر) ہیں اور ان کا بیان ہے کہ قاضی عیاض' امام قرطبی اور امام نووی شارحین صحیح مسلم اسی کے موید ہیں۔لیکن امام نووی کی شرح صحیح مسلم مطبوعہ ہندوستان (ص ۹۱) اور قسطلانی کی سیرت مواہب لدنیہ (مطبوعہ مصر مع زرقانی) میں دوسرا قول منقول ہے۔ زرقانی نے (جلد اول فصل معراج) میں اس اختلاف پر حیرت ظاہر کی ہے' افسوس ہے کہ قلمی نسخے موجود نہیں' ہمارا خیال ہے کہ یہ اختلاف کتابت کی غلطی اور مسامحت سے پیدا ہوا ہے۔اسی طرح اسد الغابہ ابن اثیر مطبوعہ مصر (ص ۲۰) میں سدی کی نسبت لکھا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ معراج ہجرت سے ۶ مہینے (ستہ اشہر) پہلے ہوئی۔ یہ درحقیقت ۱۶ ہے۔ "ستہ اشہر" کے بجائے "ستہ عشر شہرا" چاہیے۔جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے اس سے (تفسیر اسراء) نقل کیا ہے اور جو اس کی ۷ امہینے والی روایت کے قریب قریب ہے جو طبری و بیہقی میں ہے۔چھٹی صدی میں علامہ ابن اثیر نے کسی قیاس یا استنباط تاریخی کی بناء پر ہجرت سے تین سال پہلے معراج کا وقوع تسلیم کیا ہے' مگر جہاں تک ہم کو معلوم ہے کسی اور نے اس کا ساتھ نہیں دیا ہے اور نہ کہیں سیرت کی امہات کتب میں یہ تاریخ مذکور ہے' بجز اس قیاس کے کہ ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں واقعہ معراج کو ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات سے پہلے نقل کیا ہے اور یہ دونوں حادثے ہجرت سے تین سال پہلے پیش آئے تھے۔اس سے اشارۃ یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ابن اسحٰق کا خیال تھا کہ معراج ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی۔ (۱)

ہم نے مقدمہ کی پوری روداد ناظرین کے سامنے رکھ دی ہے جس سے معلوم ہوا ہو گا کہ قدیم راویوں کا بڑا حصہ ایک سال قبل ہجرت کا زمانہ متعین کرتا ہے' ایک دو بزرگ ۷ یا ۸ مہینے کی مدت اور بڑھا دیتے ہیں متاخرین میں سے بعض اصحاب نے جو قیاس تاریخی سے تین سال یا پانچ سال قبل ہجرت کا زمانہ متعین کرنا چاہا ہے اس کا مبنیٰ یہ ہے کہ بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ نماز پنجگانہ کی فرضیت سے پہلے وفات پا چکی تھیں' نماز

(۱) یہ تمام روایات مختلف ماخذوں سے جمع کی گئی ہیں۔اول ابن سعد میں ہے' دوم' چہارم' یازدہم تفسیر ابن کثیر (سورہ اسراء ص ۴۰) میں ہے۔ہشتم تفسیر ابن جریر (۱۵۔۲۷) میں ہے۔پنجم و ششم تفسیر ابن حبان (اسراء ص ۵) میں ہے۔ بقیہ اقوال اور روایات کے لیے فتح الباری' زرقانی' شرح شفائے عیاض' استیعاب' ابن عبدالبر' اسد الغابہ' ابن اثیر اور روض الانف (ذکر معراج) دیکھیے۔

Marfat.com

پنجگانہ بالاتفاق معراج میں فرض ہوئی۔ پھر بخاری ہی میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے ہجرت سے تین سال پہلے وفات پائی اور دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے کہ ہجرت سے پانچ سال پہلے انتقال کیا۔ ان مقدمات کو یکجا کر کے انہوں نے یہ نتیجہ نکالنا چاہا ہے۔ کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے تین سال پہلے (بقول ابن اثیر) یا پانچ سال پہلے (بقول قاضی عیاض وغیرہ) پیش آیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ استدلال اس وقت درست ہوسکتا تھا جب یہ ثابت ہوتا کہ نماز پنجگانہ کی فرضیت اور حضرت خدیجہؓ کی وفات دونوں ایک ساتھ ہوئیں یا کم از کم یہ کہ پہلا واقعہ دوسرے واقعہ کے چند روز بعد پیش آیا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے معراج (فرضیت نماز پنجگانہ) سے پہلے وفات پائی۔ اب یہ نہیں معلوم کہ ایک مہینہ پہلے یا سال بھر پہلے یا چند سال پہلے' اس لیے ان قیاسات سے معراج کی تاریخ متعین نہیں ہوسکتی۔

بہر حال ابتدائی راویوں کی کثیر جماعت جن میں بعض نہایت معتبر اور ثقہ ہیں اسی طرح ہے کہ یہ ہجرت یعنی ربیع الاول ۱ھ سے ایک سال یا ڈیڑھ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ امام بخاری نے جامع صحیح میں گو کوئی تاریخ نہیں بیان کی ہے' لیکن ترتیب میں وقائع قبل ہجرت کے سب سے آخر میں اور بیعت عقبہ اور ہجرت سے متصلاً پہلے واقعہ معراج کو جگہ دی ہے اور ابن سعد نے بھی سیرت میں واقعہ معراج کا یہی موقع ترتیب میں رکھا ہے' اس سے حدیث اور سیرت کے ان دو اماموں کا یہی منشاء ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہجرت سے کچھ ہی زمانہ پہلے خواہ وہ ایک سال ہو یا اور کچھ' کم وبیش' معراج کا زمانہ متعین کرتے ہیں۔ آگے چل کر ہم یہ بتائیں گے کہ ہمارے نزدیک قرآن مجید سے بھی یہی مستنبط ہوتا ہے کہ معراج اور ہجرت کے بیچ میں کوئی زمانہ حائل نہ تھا بلکہ معراج درحقیقت ہجرت ہی کا اعلان تھا۔

مہینہ کی تعیین مشکل ہے جو لوگ ہجرت یعنی ربیع الاول ۱ھ سے ایک سال پہلے کہتے ہیں' ان کے حساب سے اگر یہ ربیع الاول ادھر شامل کر لیا جائے تو ادھر معراج کا ایک مہینہ ربیع الآخر پڑے گا اور اگر شامل نہ کیا جائے تو ربیع الاول رہے گا' اور اگر عام ومشہور و معمول بہ رجب کی تاریخ اختیار کی جائے تو ہجرت سے ایک سال ۶ مہینے بیشتر کا واقعہ تسلیم کرنا ہوگا۔

معراج کی صحیح روایتیں:

واقعہ معراج چونکہ نہایت اہم' ہماری مادی کائنات سے ماوراء اور قیاس استنباط اور عقل انسانی کی سرحد سے بالاتر ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس باب میں صحیح وخالص روایتوں کی پیروی کی جائے' احادیث وسیر کی کتابوں میں اس واقعہ کو کثیر التعداد صحابیوںؓ نے بیان کیا ہے۔ علامہ زرقانی نے ۴۵ صحابیوں کو نام بنام گنایا ہے اور حدیث وتفسیر کی جن جن کتابوں میں ان کی روایتیں مذکور ہیں' ان کی تصریح کی ہے۔ علامہ ابن کثیر نے تفسیر (بنی اسرائیل) میں ان میں سے اکثر روایتوں کو یکجا کر دیا ہے۔ ان میں صحیح مرفوع' قوی' موقوف' مرسل' منکر سبھی قسم کی روایتیں ہیں۔ صحاح ستہ میں معراج کا واقعہ مستقلاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ ترمذی اور نسائی وغیرہ میں ضمناً اور مختصراً یہ واقعات مختلف ابواب میں کہیں کہیں آ گئے ہیں۔ امام بخاری اور مسلم نے اس واقعہ کو حضرت ابوذرؓ' حضرت مالکؓ بن صعصعہ' حضرت انسؓ بن مالک' حضرت عبداللہ بن عباسؓ' حضرت ابوہریرہؓ' حضرت جابرؓ بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سات

Marfat.com

اکابر صحابہ سے روایت کیا ہے۔ان میں چار پچھلے صحابیوں نے صرف چند متفرق جزئیات بیان کیے ہیں۔

صحیحین میں واقعہ معراج کا مسلسل اور مفصل بیان حضرت ابوذرؓ' حضرت مالکؓ بن صعصعہ اور حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے' حضرت انسؓ نے تین طُرق سے روایت کی ہے'ایک طریقہ میں صحیح مسلم باب الاسراء اور صحیح بخاری کتاب التوحید۔اخیر راوی وہی ہیں۔لیکن اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ انہوں نے خود آنحضرت ﷺ سے سنا' یا کسی صحابی نے ان سے بیان کیا۔دوسرے طریقہ میں (صحیح بخاری باب ذکر الملائکہ و باب المعراج اور صحیح مسلم باب الاسراء) یہ تصریح ہے کہ انہوں سے حضرت مالکؓ بن صعصعہ سے سنا اور تیسرے طریقہ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ و کتاب الانبیاء) میں یہ صراحت ہے کہ انہوں نے حضرت ابوذرؓ سے بھی سنا ہے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ نے متعدد اکابر صحابہ سے معراج کا واقعہ سنا تھا اور اسی لیے ان کا بیان سب سے زیادہ جامع اور مفصل ہے۔تابعین میں سے متعدد بزرگوں نے حضرت انسؓ سے اس روایت کو صحیحین میں نقل کیا ہے مثلاً ثابت البنانی ابن شہاب زُہری' قتادہ اور شریک بن عبداللہ بن ابی نمر' ان میں محفوظ تر بیان ثابت کا ہے' شریک کی روایت متعدد امور میں ثقات کی روایت کی مخالف ہے اور اسی لیے امام مسلم نے صحیح مسلم باب الاسراء میں اس کی طرف اشارہ کر کے چھوڑ دیا ہے اور لکھ دیا ہے کہ ان کی روایت میں تقدم و تاخر اور زیادت و نقص ہے۔

حضرت مالکؓ بن صعصعہؓ اور حضرت ابوذرؓ نے یہ تصریح کی ہے کہ انہوں نے معراج کے واقعہ کو لفظ بلفظ اور حرف بحرف آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سنا ہے' گو یہ دونوں ہی بزرگوار جلیل القدر صحابی ہیں' لیکن حضرت ابوذرؓ میں ایک مزید خصوصیت یہ ہے کہ وہ سابقین اسلام میں ہیں اور وقوع معراج سے پہلے ہی مکہ میں آکر اسلام لا چکے تھے' حضرت مالکؓ بن صعصعہؓ انصاری ہیں' اس بناء پر معراج کی تمام روایتوں میں حضرت ابوذرؓ کی روایت کو ہم سب سے مقدم سمجھتے ہیں۔

معراج کا واقعہ:

الغرض جب اسلام کی سخت اور پُر خطر زندگی کا باب ختم ہونے کو تھا اور ہجرت کے بعد سے اطمینان وسکون کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا تو وہ شب مبارک آئی اور اس شب مبارک میں وہ ساعت ہمایوں آئی جو دیوان قضا میں سرور عالم ﷺ کو سیر ملکوت کے لیے مقرر تھی اور جس میں پیش گاہ ربانی سے احکام خاص کا اجراء اور نفاذ عمل میں آنے والا تھا' رضوان جنت کو حکم ہوا کہ آج مہمان سرائے غیب کو نئے ساز و برگ سے آراستہ کیا جائے کہ شاہد عالم آج یہاں مہمان بن کر آئے گا۔روح الامین کو پیغام پہنچا کہ وہ سواری جو بجلی سے زیادہ تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام ہے اور جو خطہ لاہوت کے مسافروں کے لیے مخصوص ہے۔حرم ابراہیم (کعبہ) میں لے کر حاضر ہو۔کارکنان عناصر کو حکم ہوا کہ مملکت آب و خاک کے تمام مادی احکام و قوانین تھوڑی دیر کے لیے معطل کر دیئے جائیں اور زمان و مکان سفر و اقامت' رویت و سماعت' تخاطب و کلام کی تمام طبعی پابندیاں اٹھادی جائیں۔

صحیحین میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ مکہ میں تھے کہ آپؐ کے گھر کی چھت کھلی اور جبریل علیہ السلام نازل ہوئے' انہوں نے پہلے آپؐ کا سینہ مبارک چاک کیا' پھر اس کو آب زمزم سے دھویا' اس کے

Marfat.com

بعد سونے کا ایک طشت ایمان و حکمت سے بھر لائے اور ان کو سینہ مبارک میں ڈال کر بند کر دیا' پھر آپؐ کا ہاتھ پکڑ کر آسمان پر لے گئے' جب آپؐ آسمان پر پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے آسمان کے داروغہ سے کہا کہ "کھولو" اس نے کہا کہ کون؟ انہوں نے جواب دیا۔ "جبریل" اس نے پوچھا' کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ انہوں نے کہا۔ "ہاں میرے ساتھ محمدؐ ہیں۔" اس نے سوال کیا۔ کیا وہ بلائے گئے ہیں۔؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔

بہر حال آپؐ جب پہلے آسمان پر چڑھے تو آپؐ کو ایک شخص بیٹھا ہوا نظر آیا جس کے دائیں بائیں بہت سی پرچھائیں تھیں' جب وہ دائیں جانب دیکھتا تھا تو ہنستا تھا اور جب بائیں جانب نگاہ جاتی تھی تو روتا تھا' آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر اس نے کہا۔ مرحبا اے نبی صالح اور اے فرزند صالح! آنحضرت ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا۔ یہ آدم ہیں اور ان کے دائیں بائیں کی پرچھائیاں ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ دائیں جانب والے جنتی اور بائیں جانب والے دوزخی ہیں۔ اس لیے وہ دائیں جانب دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور بائیں جانب نگاہ کرتے ہیں تو روتے ہیں' اس کے بعد آپؐ دوسرے آسمان پر پہنچے تو اسی قسم کا سوال و جواب ہوا اور ہر آسمان پر کسی نہ کسی پیغمبر سے ملاقات ہوئی۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم اور چھٹے پر حضرت ابراہیم سے (حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوذرؓ نے مجھ سے پیغمبروں کے منازل کی تعیین نہیں بیان کی) بہر حال حضرت جبریل علیہ السلام آپؐ کو ادریس علیہ السلام کے پاس سے لے کر گزرے' انہوں نے آپ کو دیکھ کر کہا۔ مرحبا اے نبی صالح اور برادر صالح! آپؐ نے نام پوچھا۔ حضرت جبریل نے نام بتایا۔ پھر یہی واقعہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی صالح اور برادر صالح کہہ کر اور حضرت ابراہیمؑ نے نبی صالح اور فرزند صالح کہہ کر آپؐ کا خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد حضرت جبریل آپؐ کو اور اوپر لے گئے اور آپؐ اس مقام پر پہنچے جہاں قلم (قدرت) کے چلنے کی آواز آتی تھی۔ اس موقع پر خداوند تعالیٰ نے آپؐ کی اُمت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی۔ آنحضرت ﷺ اس عطیہ رُبانی کو لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے پوچھا کہ خدا نے آپؐ کی اُمت پر کیا فرض کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ پچاس وقت کی نماز۔ انہوں نے کہا کہ خدا کے پاس دوبارہ جائیے کہ آپؐ کی اُمت اس کی متحمل نہیں ہوسکتی' آنحضرت ﷺ گئے اور خدا نے ایک حِصّہ کم کر دیا۔ آپؐ واپس آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ دوبارہ خدا کے پاس جائیے' آپ کی اُمت اس کی بھی متحمل نہیں ہوگی۔ آپؐ گئے تو خدا نے ایک حِصّہ کی پھر تخفیف کر دی' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر کہا کہ آپؐ کی اُمت میں اس کی بھی قوت نہیں۔ آپؐ پھر گئے تو خدا نے اس تعداد کو گھٹا کر پانچ وقت کر دیا اور ارشاد ہوا کہ گو نمازیں پانچ وقت کی ہوں گی لیکن ثواب ان ہی پچاس وقتوں کا ملے گا' کیونکہ میرے حکم میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تخفیف مزید کی غرض سے آنحضرت ﷺ کو پھر خدا کے پاس مراجعت کا مشورہ دیا' لیکن آپؐ نے فرمایا کہ اب تو مجھے شرم آتی ہے' اس کے بعد آپؐ کو سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کرائی گئی جو ایسے مختلف رنگوں سے ڈھکا ہوا تھا جن کو آپؐ جان نہ سکے' پھر آپؐ کو حضرت جبریل علیہ السلام جنت میں لے گئے' وہاں آپؐ کو موتی کی عمارتیں نظر

Marfat.com

آئیں اور آپؐ نے دیکھا کہ اس کی مٹی مشک کی ہے۔ (۱)

کتب حدیث میں واقعہ معراج کے متعلق یہ مقدم ترین اور معتبر ترین روایت ہے اس کے بعد حضرت مالک بن صعصعہؓ کی روایت کا درجہ ہے۔ اس روایت میں بہت سی باتیں پہلی روایت سے زائد ہیں' حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں اس کی تصریح نہیں کہ آپؐ اس وقت بیدار تھے یا خواب میں تھے۔ اس میں یہ ہے کہ آپ خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھے۔ پہلی روایت میں ہے کہ آپ نے دیکھا کہ آپؐ کے گھر کی چھت کھلی اور حضرت جبریلؑ نازل ہوئے۔ اور اس میں ہے کہ آپؐ حطیم یا حجر میں لیٹے ہوئے تھے۔ (۲) کہ حضرت جبریل آئے' حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں براق کا ذکر نہیں' اور اس روایت میں ہے کہ آپؐ براق پر سوار ہو کر گئے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں منازل انبیاء نہیں بیان کیے گئے لیکن اس روایت میں نام بنام تصریح ہے' حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اوقات نماز کی تعداد تین مرتبہ میں گھٹائی گئی۔ (۳) لیکن اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ اس غرض سے خدا کے پاس پانچ بار گئے' ان دونوں روایتوں میں درحقیقت اجمال و تفصیل کا فرق ہے' حضرت ابوذرؓ کی روایت مجمل ہے اور حضرت مالک بن صعصعہؓ کی روایت میں واقعات کی کسی قدر تفصیل ہے' تاہم یہ دوسری روایت بھی معراج کے تمام واقعات و سوانح کو محیط نہیں ہے۔ اب ذیل میں ہم صحیحین کی تمام روایتوں کو ملا کر معراج کے سوانح و مشاہدات کا ایک جامع بیان لکھتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے اصل کعبہ کی جو عمارت بنائی تھی وہ سیلاب سے کئی دفعہ گر چکی تھی اور پھر بنی تھی اسی طرح قریش کے زمانہ میں جب آنحضرت ﷺ ہنوز پیغمبر نہیں ہوئے تھے' سیلاب سے گر گئی۔ قریش نے اس کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو سرمایہ کی کمی کے باعث ایک طرف اندر کی تھوڑی سی زمین چھوڑ کر دیوار کے طول کو کم کر دیا' اس طرح کعبہ کی تھوڑی سی زمین چار دیواری سے باہر رہ گئی اور اب تک اسی طرح ہے اس زمین کا نام حجر اور حطیم ہے۔ قریش کے نوجوان اور رؤساء اکثر یہاں رات کو سویا کرتے تھے آنحضرت ﷺ بھی کبھی کبھی یہاں آرام فرمایا کرتے تھے۔ نبوت سے پہلے بھی آپؐ کو حالت رویا میں فرشتے نظر آتے تھے۔ (۴)

جس شب کو معراج ہوئی آپؐ اسی مقام (۵) پر استراحت فرما رہے تھے' بیداری اور خواب کی درمیانی حالت

(۱) بخاری جلد اول باب کیف فرضیت الصلوٰۃ فی الاسراء۔

(۲) حطیم اور حجر ایک ہی مقام کے دو نام ہیں۔ یہ وہ مختصر سی جگہ ہے جو حضرت ابراہیم کے اصل تعمیر کردہ کعبہ میں سے قریش کے بنائے ہوئے کعبہ کی چار دیواری سے باہر رہ گئی ہے اور اندر داخل نہیں ہو سکی ہے۔

(۳) بخاری باب الانبیاء و باب المعراج۔

(۴) بخاری کتاب التوحید و باب صفۃ ﷺ۔

(۵) اس شب کو جس مقام پر آپ استراحت فرماتے تھے اور جہاں معراج کا واقعہ پیش آیا اس کی تعیین میں اختلاف بیان کیا جاتا ہے۔ صحیحین میں حضرت مالکؓ اور حضرت انسؓ کی جو روایتیں ہیں ان میں بتصریح تمام یہ مذکور ہے کہ آپؐ مسجد حرام (کعبہ) میں تھے اور اسی کے ایک بیرونی گوشہ میں جس کا نام حجر اور حطیم ہے آپ سو رہے تھے' یہ تو صحیحین کا بیان ہے۔ بعض نیچے درجہ کی روایتوں میں ت[illegible]

Marfat.com

تھی' آپؐ نے دیکھا کہ آپؐ کی گھر کی چھت کھلی اور حضرت جبریلؑ نازل ہوئے' ان کے ساتھ چند اور فرشتے بھی تھے۔ پہلے وہ آپؐ کو چاہ زمزم کے پاس لے گئے اور وہاں آپؐ کے سینہ مبارک کو چاک کیا اور قلب اطہر کو نکال کر آب زم زم سے دھویا اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان و حکمت سے معمور لایا گیا۔ جبریل نے اس طشت سے ایمان و حکمت کے خزانہ کو لے کر آپؐ کے سینہ میں رکھ کر اس کو برابر کر دیا۔

اس کے بعد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا سپید رنگ کا ایک لمبا جانور براق نامی لایا گیا (۱) جس کی تیز رفتاری کا یہ حال تھا کہ اس کا ہر قدم وہاں پڑتا تھا جہاں نگاہ کی آخری حد ہوتی تھی۔ آپؐ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور براق کو اس قلابہ میں باندھ کر جس میں انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے' آپؐ نے مسجد اقصیٰ کے اندر قدم رکھا اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی۔ یہاں سے نکلے تو جبریلؑ نے شراب اور دودھ کے دو پیالے آپؐ کے سامنے پیش کیے' آپؐ نے دودھ کا پیالہ اٹھالیا۔ جبریل نے کہا آپؐ نے فطرت کو پسند کیا۔ اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو آپؐ کی اُمت گمراہ ہو جاتی۔ بعد ازیں جبریل آنحضرت ﷺ کو لے کر آسمان پر چڑھے' پہلا آسمان آیا تو جبریل نے دربان کو آواز دی' اس نے کہا کون ہے؟ جبریل نے اپنا نام بتایا۔ پوچھا کہ تمہارے ساتھ اور کون ہے؟ جواب دیا کہ محمد ﷺ ہیں۔ پھر دریافت کیا۔ کیا بلائے گئے ہیں۔؟ کہا ہاں۔ یہ سن کر فرشتہ نے دروازہ کھول دیا اور مرحبا خوش آمدید کہا اور کہا کہ اس خبر کو سن کر آسمان والے خوش ہوں گے۔ خدا اہل زمین کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتا ہے جب تک وہ آسمان والوں کو اس کا علم نہ بخشے وہ جان نہیں سکتے' اب آپؐ پہلے آسمان میں داخل ہوئے تو ایک شخص نظر آیا جس کی داہنی اور

=ہانیؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ کو میرے ہی گھر میں معراج ہوئی۔ ام ہانی کا گھر شعب ابی طالب میں تھا۔ یہ روایت مشہور دروغ گو کلبی کی ہے' اس میں حد درجہ لغو (غریب و منکر) باتیں مذکور ہیں۔ مسند ابو یعلیٰ میں ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ عشاء کی نماز پڑھ کر ہم لوگوں کے ساتھ میرے ہی مکان میں سوئے۔ شب کو میری آنکھ کھلی تو آپؐ کو نہ پایا۔ رؤسائے قریش کی دشمنی کے باعث دل میں عجیب عجیب بدگمانیاں پیدا ہونے لگیں۔ نیند نہ آئی' صبح اٹھ کر آنحضرت ﷺ نے معراج کا واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ میں رؤسائے قریش کو کہنے جاتا ہوں' میں نے آپؐ کا دامن پکڑ لیا کہ خدا کے لیے ان سے یہ نہ کہیے وہ تکذیب کریں گے اور آپؐ کی جان پر حملہ کریں گے لیکن آپؐ نے نہ مانا اور دامن جھٹک کر چلے گئے۔ ان روایتوں میں علاوہ اور لغویات کے عشا اور صبح کی نماز و جماعت کی تصریح کس قدر غلط ہے کہ یہ نماز پنجگانہ تو عین شب معراج میں فرض ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی روایتوں کا صحیحین کے مقابلہ میں کیا درجہ اور کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اس لیے اس میں کوئی شک نہیں کہ معراج کی شب آپؐ خانہ کعبہ میں تھے۔ البتہ بخاری و مسلم میں حضرت ابوذرؓ کی روایت میں ہے کہ میں مکہ میں تھا کہ میرے گھر کی چھت کھلی اور جبریل آئے۔ ہمارے نزدیک اس کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ آپؐ آرام تو خانہ کعبہ ہی میں فرما رہے تھے لیکن مشاہدہ آپؐ کو یہ کرایا گیا کہ آپؐ اپنے گھر میں ہیں اور اس کی چھت کھلی اور حضرت جبریلؑ نازل ہوئے۔

(۱) مسند احمد میں بروایت انسؓ اور ترمذی اور ابن جریر طبری میں ہے کہ جب آپؐ نے براق پر سوار ہونے کا قصد کیا تو اس نے شوخی کی' جبریل نے کہا کیوں شوخی کرتے ہو' تیری پشت پر آج تک محمدؐ سے زیادہ خدا کے نزدیک برگزیدہ کوئی دوسرا سوار نہیں ہوا' یہ سن کر براق پسینہ پسینہ ہو گیا' ابن جریر کی روایت کی نسبت حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس کے بعض الفاظ میں نکارت و غرابت ہے' ترمذی نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ یہ غریب ہے۔ غریب لانعرفہ الا من حدیثہ۔

Marfat.com

بائیں طرف بہت سی پرچھائیں تھیں' جب وہ داہنی طرف دیکھتا تو ہنستا اور جب بائیں طرف دیکھتا تو رو دیتا تھا۔ وہ آپؐ کو دیکھ کر بولا۔ مرحبا اے نبی صالح اے فرزند صالح۔ آپؐ نے جبریل سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ جبریل نے بتایا کہ یہ آپؐ کے باپ آدمؑ ہیں' ان کی دائیں اور بائیں طرف جو پرچھائیں ہیں' یہ ان کی اولادوں کی روحیں ہیں' داہنی طرف والے اہل جنت ہیں اور بائیں طرف والے دوزخی ہیں۔ اس لیے جب ادھر دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور ادھر دیکھ کر آزردہ ہوتے ہیں۔ اسی آسمان میں آپؐ کو آمنے سامنے دو نہریں نظر آئیں پوچھنے پر جبریل نے بتایا کہ نیل اور فرات کی سوتیں ہیں۔ چلتے پھرتے آپؐ کو ایک اور نہر نظر آئی جس پر لولو و زبرجد کا ایک محل تعمیر تھا اور اس کی زمین مشک اذفر کی تھی۔ جبریل نے کہا یہ نہر کوثر ہے جس کو پروردگار نے مخصوص آپؐ کے لیے رکھا ہے۔

اسی طرح ہر آسمان پر گزرتے گئے اور ہر آسمان کے دربان اور جبریلؑ سے اسی قسم کی گفتگو ہوتی گئی اور ہر ایک میں کسی نہ کسی پیغمبر سے ملاقات ہوئی۔ دوسرے میں حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو دونوں خالہ زاد بھائی تھے' ملاقات ہوئی۔ تیسرے میں حضرت یوسفؑ ملے جن کو حُسن کا ایک حصہ عطا ہوا تھا' چوتھے میں حضرت ادریسؑ سے ملاقات ہوئی جن کی نسبت خدا نے قرآن میں فرمایا ہے ﴿ ورفعناه مكاناً علياً﴾ (ہم نے اس کو ایک بلند مقام تک اٹھایا ہے) اور پانچویں میں حضرت ہارونؑ سے ملے اور ہر ایک نے۔ اے پیغمبر صالح اور برادر صالح کہہ کر خیر مقدم کیا۔ چھٹے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا۔ مرحبا اے پیغمبر صالح اور اے برادر صالح! جب آپؐ آگے بڑھے تو حضرت موسیٰ رو پڑے۔ آواز آئی کہ اے موسیٰ علیہ السلام! اس گریہ کا کیا سبب ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی خداوندا! میرے بعد تو نے اس نوجوان کو مبعوث کیا ہے' اس کی اُمت کے لوگ میری اُمت سے زیادہ بہشت میں جائیں گے۔ ساتویں آسمان میں داخل ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ نے مرحبا اے پیغمبر صالح اور اے فرزند صالح! کہہ کر خیر مقدم کیا۔ جبریل نے بتایا کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم ہیں۔ حضرت ابراہیم بیت معمور (آباد گھر) سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں' آپؐ کو جنت کی سیر کرائی گئی جس کی گنبد موتی کے تھے اور زمین مشک کی تھی۔ (1)

اس مقام تک پہنچے جہاں قلم قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ آگے بڑھ کر آپؐ سدرۃ المنتہیٰ (انتہا کی بیری کا درخت) تک پہنچے۔ اس درخت پر شان ربانی (اَمْرُ اللّٰه) کا پرتو تھا۔ جس نے آ کر جب اس کو چھالیا تو اس کی ہیئت بدل گئی اور اس میں حسن کی وہ کیفیت پیدا ہوئی جس کو کوئی زبان بیان نہیں کر سکتی اور اس میں رنگ برنگ کے

---

(1) کتب روایت کی غیر محتاط کتابوں میں مثلاً ابن ابی حاتم (تفسیر) ابن جریر طبری (تفسیر بنی اسرائیل) بیہقی (دلائل النبوہ) میں جنت و دوزخ کے بہت سے عجیب و غریب مناظر و مشاہدات اور پیغمبروں اور فرشتوں کی تعجب انگیز ملاقاتوں اور گفتگوؤں کی تفصیل ہے ان روایتوں کے ناقل ابو ہارون العبدی' ابو جعفر رازی اور خالد بن یزید ہیں۔ ابو ہارون عبدی اور خالد بن یزید تو مشہور دروغ گو ہیں۔ ابو جعفر رازی کو گو بعضوں نے ثقہ کہا ہے لیکن اکثروں کے نزدیک وہ ضعیف اور راوی منکرات ہیں اور ان کی تنہا روایت قبول نہیں کی جاتی۔ نیز ان روایتوں میں بہت سی لغو و منکر باتیں مذکور ہیں جن کو مُحدِّثین تسلیم نہیں کرتے۔ علاوہ ازیں یہ مناظر و مشاہدات جیسا کہ صحیح بخاری (باب رویا) میں ہے کہ معراج کے سوا ایک اور موقع پر آنحضرت ﷺ کو دکھائے گئے تھے سرے سے یہ معراج کے مشاہدات ہی نہیں۔

Marfat.com

ایسے انوار کی تجلی نظر آئی جن کو الفاظ ادا نہیں کر سکتے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے چیزیں نیچے زمین پر اترتی ہیں اور زمین سے چڑھ کر اوپر وہاں جاتی ہیں۔ یہاں پہنچ کر جبریلؑ اپنی اصلی کمالی صورت میں آپؐ کے سامنے نمودار ہوئے۔ پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت الفاظ کے بوجھ کی متحمل نہیں ہو سکتی' فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی

اس وقت آپؐ کو بارگاہ الٰہی سے تین عطیے مرحمت ہوئے۔ سورہ بقرہ کی آخری آیتیں جن میں اسلام کے عقائد وایمان کی تکمیل اور اس کے دور مصائب کے خاتمہ کی بشارت ہے' رحمت خاص نے مژدہ سنایا کہ اُمت محمدیؐ میں سے ہر ایک جو شرک کا مرتکب نہ ہوا ہو' کرم مغفرت سے سرفراز ہو گا اور ندا آئی اُمت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی۔ آپ ان عطیوں کو لے کر واپس پھرے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے دریافت کیا کہ بارگاہ خاص سے کیا احکام عطا ہوئے؟ فرمایا امت پر پچاس وقت کی نماز۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا' میں نے بنی اسرائیل کا خوب تجربہ کیا ہے۔ آپؐ کی اُمت سے یہ بار نہ اُٹھ سکے گا۔ آپؐ واپس جایئے اور عرض کیجئے۔ آپؐ نے مراجعت کی اور عرض پرداز ہوئے کہ بارالٰہا! میری اُمت نہایت کمزور اور اس کے قویٰ نہایت ضعیف ہیں' حکم ہوا کہ دس وقت کی نمازیں معاف ہوئیں لوٹے تو حضرت موسیٰ نے پھر ٹوکا اور دوبارہ عرض کرنے کا مشورہ دیا۔ اس پر دس اور معاف ہوئیں' اسی طرح آپ چند بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے بارگاہ الٰہی میں عرض پرداز ہوتے رہے یہاں تک کہ شب و روز میں صرف پانچ وقت کی نمازیں رہ گئیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر یہی مشورہ دیا کہ اب بھی مزید تخفیف کی درخواست کیجئے' فرمایا! اب مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے۔ ندا آئی کہ اے محمدؐ! میرے حکم میں تبدیلی نہیں ہو گی۔ نمازیں پانچ ہوں گی لیکن ہر نیکی کا بدلہ دس گنہ بخشوں گا۔ یہ پانچ بھی پچاس ہوں گی۔ میں نے اپنے بندوں پر تخفیف کر دی اور اپنا فیصلہ نافذ کر دیا۔

اب آسمان سے اتر کر آنحضرت ﷺ زمین پر تشریف لائے اور بیت المقدس میں داخل ہوئے دیکھا کہ یہاں انبیاء علیہم السلام کا مجمع ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیمؑ نماز میں مصروف ہیں۔ آپؐ نے ان میں سے چند پیغمبروں کی شکل وصورت بھی بیان کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت فرمایا کہ ان کا لمبا قد اور گندمی رنگ تھا اور اُلجھے ہوئے گھونگروالے بال تھے اور شنوءہ کے قبیلہ کے آدمی معلوم ہوتے تھے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قد میانہ اور رنگ سرخ سپید تھا۔ سر کے بال سیدھے اور لمبے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی حمام سے نہا کر نکلے ہیں۔ عروہؓ بن مسعود ثقفی (صحابی) سے ان کی صورت ملتی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کی صورت تمہارے پیغمبر (خود آنحضرت ﷺ) کی سی تھی۔ بہر حال اسی اثنا میں نماز (غالباً صبح کی نماز) کا وقت آ گیا' سرور انبیاء علیہ السلام منصب امامت سے سرفراز ہوئے۔ [1] نماز سے فراغت ہوئی تو ندا آئی کہ اے محمدؐ! دوزخ کا داروغہ حاضر ہے سلام کرو' آپؐ نے مڑ کر دیکھا تو

(۱) مسند احمد اور سیرت ابن اسحاق کی بعض روایتوں میں ہے کہ آسمان پر جانے سے پہلے ہی بیت المقدس میں انبیاء نے آپؐ کی اقتداء میں یہ نماز پڑھی تھی' صحیح بخاری میں اس کا ذکر نہیں۔ صحیح مسلم میں وقت کی تصریح نہیں مگر قرینہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واپسی کا واقعہ ہے' حافظ ابن کثیر نے اسی کو صحیح لکھا ہے (تفسیر سورۂ اسراء) اور ہم نے اسی کی تقلید کی ہے۔ ترمذی (تفسیر سورۂ اسراء) اور مسند ابن حنبل=

Marfat.com

داروغہ دوزخ نے سلام کیا۔ بخاری میں ابن عباس سے روایت ہے کہ شب معراج میں دجّال بھی آپؐ کو دکھایا گیا (باب بدء الخلق)

ان تمام منازل کے طے ہونے کے بعد آپؐ مسجد حرام (کعبہ) میں صبح کو بیدار ہوئے۔ [1]

کفّار کی تکذیب:

خانہ کعبہ کے آس پاس رؤسائے قریش کی نشست رہتی تھی۔ آپؐ بھی وہیں مقام حجر میں تشریف فرما تھے۔ صبح کو آپؐ نے ان سے اس واقعہ کو بیان کیا تو ان کو سخت اچنبھا ہوا جو زیادہ کور باطن تھے' انہوں نے آپؐ کو (نعوذ باللہ) جھٹلایا' بعضوں نے مختلف سوالات کیے' ان میں اکثر شام کے تاجر تھے اور انہوں نے بیت المقدس کو بار ہا دیکھا تھا اور انہیں معلوم تھا کہ آنحضرت ﷺ بیت المقدس نہیں گئے ہیں' اس لیے آخر میں خاتمہ دلائل کے طور پر سب نے کہا کہ اے محمدؐ! تم کہتے ہو کہ صرف ایک شب میں تم خانہ کعبہ سے بیت المقدس گئے اور واپس آئے' اگر یہ سچ ہے تو بتاؤ بیت المقدس کی کیا ہیئت ہے؟ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں عمارت کا صحیح نقشہ نہ تھا بہت بے قراری ہوئی کہ ناگاہ نظر کے سامنے پوری عمارت جلوہ گر کر دی گئی' وہ سوال کرتے جاتے تھے اور میں اس کو دیکھ کر جواب دیتا جاتا تھا۔

اتنا واقعہ تو صحیحین میں مذکور ہے لیکن واقدی' ابن اسحاق' ابن جریر طبری' ابن ابی حاتم' بیہقی اور حاکم میں جن کا مرتبہ کتب روایات میں بلند نہیں ہے۔ اس واقعہ پر لوگوں نے عجیب و غریب حاشیے لگائے ہیں' حضرت اُم ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ صبح اٹھ کر آنحضرت ﷺ نے گھر والوں سے شب کا واقعہ بیان کر کے باہر جانا چاہا کہ' ور لوگوں سے بیان کریں تو میں نے دامن تھام لیا کہ اس کا قصد نہ کیجیے' کفار صریح جھٹلائیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ رات کو جب آپؐ کے اعزّہ نے آپؐ کو بستر پر نہ پایا تو ان کو قریش کا خوف ہوا کہ انہوں نے آپؐ کو گزند تو نہیں پہنچایا۔ اور پہاڑوں اور غاروں میں آپؐ کو ڈھونڈنے لگے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ معراج کی واپسی میں قریش کے ایک تجارتی قافلہ سے آپؐ کی ملاقات ہوئی اور ان کے ساتھ کچھ واقعات پیش آئے' جب لوگوں نے جھٹلایا تو آپؐ نے فرمایا کہ اچھا تمہارا قافلہ کل پرسوں تک آ جائے گا اس سے پوچھ لینا' چنانچہ وہ آیا اور اس نے تصدیق کی۔ ان ہی روایتوں کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ کچھ کفار دوڑے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے کہ آج محمد کعبہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ رات کو وہ بیت المقدس گئے اور آئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ کیا واقعی آپؐ یہ فرما رہے ہیں؟ لوگوں نے کہا۔ ''ہاں'' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ میں تو آپؐ کو

= میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ آنحضرت ﷺ نے مسجد اقصیٰ میں آتے جاتے سرے سے نماز ہی نہیں پڑھی' مگر صحیح مسلم کے مقابلہ میں ان کو کون تسلیم کرے گا۔

(1) معراج کے یہ تمام واقعات صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ کتاب التوحید' کتاب الانبیاء کتاب المعراج باب صفۃ النبی ﷺ اور باب بدء الخلق میں اور صحیح مسلم باب المعراج اور اس کے بعد کے متفرق ابواب متعلقہ معراج میں حرفاً حرفاً مذکور ہیں۔ ہم نے ان واقعات کے لکھنے میں صرف ترتیب و ترجمہ کا فرض ادا کیا ہے۔

Marfat.com

سچا جانتا ہوں اور اس پر ایمان لاتا ہوں۔ کفار نے کہا۔ تم کھلم کھلا ایسی خلاف عقل بات کیوں کر صحیح سمجھتے ہو؟ جواب دیا میں تو اس سے بھی زیادہ خلاف عقل بات پر یقین رکھتا ہوں۔ میں تو یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ہر روز آپؐ کی خدمت میں آسمان سے فرشتے آتے ہیں' اسی دن سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب صدیق ہو گیا۔

لیکن یہ تمام قصے سرتاپا لغو اور باطل ہیں' ابن اسحاق اور ابن سعد نے تو سرے سے ان واقعات کے اسناد ہی نہیں لکھے ہیں۔ ابن جریر طبری' بیہقی' ابن ابی حاتم' ابو یعلیٰ' ابن عساکر اور حاکم نے ان کی سندیں ذکر کی ہیں' ان کے رواۃ ابو جعفر رازی' ابو ہارون عبدی اور خالد بن یزید بن ابی مالک ہیں جن میں پہلے صاحب گو بجائے خود ثقہ ہیں' مگر بے سروپا حدیثوں کے بیان کرنے میں بے باک ہیں۔ بقیہ دو مشہور دروغ گو کاذب اور قصہ خواں ہیں۔ ان ہی لغو قطعوں کا اختتامی جزو یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے معراج کا واقعہ بیان کیا تو بہت سے مسلمانوں کے ایمان بھی متزلزل ہو گئے اور مرتد ہو گئے۔ فارتد کثیرا ممن اسلم

یہ قصہ غالباً قرآن مجید کی اس آیت کی غلط توضیح میں گھڑا گیا ہے۔

﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ (اسراء: ٦) "ہم نے یہ دکھاوا جو تجھ کو دکھایا ہے' اس کو لوگوں کی آزمائش ہی کے لیے کیا ہے۔"

ابن سعد اور واقدی نے اس قصہ کو یوں ہی بے سند بیان کیا ہے۔ طبری' ابن ابی حاتم اور بیہقی وغیرہ کے معتمد ارکان وہی اصحاب ثلثہ ہیں جن کے اوصاف گرامی اوپر گزر چکے ہیں۔ ابن جریر نے اس آیت کے تحت میں جو روایتیں درج کی ہیں' ان میں سے حسن قتادہ اور ابن زید سے یہ واقعہ ارتداد مذکور ہے۔ لیکن ان کا سلسلہ ان سے آگے نہیں بڑھتا۔ اس واقعہ کے انکار کی سب سے پرزور دلیل ہمارے پاس یہ ہے کہ اس وقت تک مکہ میں جو اصحاب اسلام لائے تھے وہ گنے چنے لوگ تھے جو ہم کو نام بنام معلوم ہیں۔ ان میں سے کسی کی پیشانی پر ارتداد کا داغ نہیں' واقعہ کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کافروں میں بعض لوگ ایسے ہوں گے جو اس سے پہلے آپؐ کے سخت مخالف نہ ہوں اور اگر آپؐ کو پیغمبر نہ جانتے ہوں مگر آپ کو مفتری اور کاذب بھی نہ کہتے ہوں' لیکن اس واقعہ معراج کے بعد سے انہوں نے بھی آپؐ کے ساتھ اس نیکی اور حسن ظن کے خیال کو اٹھا دیا ہو۔ قرآن مجید نے اس کو ﴿فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ لوگوں کے لیے آزمائش کہا ہے۔ ﴿فِتْنَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ یعنی مومنوں اور مسلمانوں کے لیے آزمائش نہیں کہا ہے اور اگر ان کے لیے بھی آزمائش ہو تو اس آیت سے یہ کہاں ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ اس آزمائش میں پورے نہیں اترے۔

کیا آپؐ نے معراج میں خدا کو دیکھا:

معراج کے مشاہدات شئون وصفات کی جلوہ انگیزی اور آیات اللہ کی نیرنگی تو آپؐ نے دیکھی' لیکن کیا ذات الٰہی بھی تجلہ حجاب سے باہر آ کر منصہ حقیقت پر رونما ہوئی؟ یعنی دیدار الٰہی سے بھی آپؐ مشرف ہوئے' بعض روایتوں میں اس کا جواب اثبات میں ملتا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شریک بن عبداللہ نے معراج کی روایت کی ہے۔ اس کے آخر میں ہے۔

حتی جاء سدرة المنتهى دنا الجبار رب العزة فتدلى حتى كان منه قاب قوسين او ادنى

Marfat.com

(بخاری کتاب التوحید)

''آنحضرت ﷺ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو عزت والا جبار (خدا) یہاں تک قریب ہوا اور جھک آیا کہ اس کے اور آپ کے درمیان دو کمانوں یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا۔''

محدثین نے شریک کی اس روایت کے اس حصہ پر سخت اعتراضات کیے ہیں اور سب سے پہلے امام مسلم نے اس کی نسبت بے احتیاطی کا الزام قائم کیا ہے' صحیح مسلم باب المعراج میں شریک کی اس سند کو اور کسی قدر متن کو لکھ کر ناتمام چھوڑ دیا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے فقدم فیہ واخروزادونقص۔ شریک نے اس روایت میں واقعات کو آگے پیچھے کر دیا ہے اور گھٹا بڑھا دیا ہے۔ امام خطابی نے لکھا ہے۔ کہ صحیح بخاری میں کوئی حدیث ایسی نہیں جو بظاہر اس قدر قابل اعتراض ہو جس قدر یہ حدیث۔ اس کے بعد اس حدیث کی تاویل بیان کر کے لکھا ہے۔

فانه كثيرا التفرد بمنا كير الالفاظ التى لا يتابعه عليها سائرا لرواة.

''شریک ایسے منکر الفاظ خود تنہا بکثرت روایت کرتے ہیں جن کی تائید ان کے دیگر ہم درس راوی نہیں کرتے۔''

اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے واقعہ معراج کو اور بہت سے لوگوں نے نقل کیا ہے مگر شریک کے سوا کسی اور نے ان الفاظ کی روایت نہیں کی ہے' امام بیہقی نے بھی یہی کہا ہے اور یہی حافظ ابن کثیر کی بھی تحقیق ہے۔[1] علامہ ابن حزم نے بھی اس کے متعلق قریب قریب یہی رائے ظاہر کی ہے۔[2] بعض علمائے رجال نے بھی شریک کی نسبت اچھی رائیں ظاہر نہیں کی ہیں۔ نسائی اور ابن جارود کا قول ہے کہ وہ قوی نہیں۔ یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ اس سے حدیث نہ بیان کی جائے۔ البتہ ابن سعد اور ابوداؤد نے ان کے وثوق کی شہادت دی ہے۔ اس لیے محدثین کا فیصلہ ان کے حق میں یہ ہے کہ جب تک وہ تنہا کسی بات کو بیان کریں تو ان کی وہ بات شاذ اور منکر قرار دی جائے گی۔ چنانچہ اس روایت میں یہ فقرہ بھی اسی قسم کا ہے۔

﴿عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى﴾ (والنجم:۱)

''محمد کو پر زور اور طاقتور نے تعلیم دی وہ آسمان کے بلند تر افق پر تھا۔ پھر قریب ہوا اور جھک آیا' یہاں تک کہ دو تیر پرتاب کے برابر یا اس سے بھی قریب تر ہو گیا' پھر اس کے بندے کی طرف جو کچھ وحی کرنا تھی کی' دل نے جو کچھ دیکھا غلط نہیں دیکھا وہ جو کچھ دیکھتا ہے کیا تم لوگ اس سے اس کے متعلق آپس میں شک کرتے ہو' حالانکہ سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک جس کے پاس جنت الماوی ہے اس نے دوسری مرتبہ یقیناً اور بے شک اترتے ہوئے دیکھا جب کہ سدرہ کو چھالیا تھا جس نے چھالیا تھا نگاہ نہ جھکی نہ بہکی اور اس نے اپنے پروردگار کی عظیم الشان نشانیاں دیکھیں۔''

(۱) بیہقی اور ابن کثیر کا قول تفسیر ابن کثیر سورۂ اسراء میں ہے۔

(۲) امام خطابی اور ابن حزم کے اقوال ابن حجر نے فتح الباری ج ۱۳ص ۴۰۳٬۴۰۴ (مصر) میں نقل کیے ہیں۔

Marfat.com

یہی آیتیں ہیں جن کی بناء پر صحابہؓ میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے' بعضوں کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کو خود خدا نظر آیا اور اکثر صحابہؓ کہتے ہیں کہ وہ فرشتہ تھا۔ ترمذی (تفسیر سورۂ نجم) میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس خود خدا کو دیکھا تھا۔ ترمذی میں ہے کہ ایک مقام پر کعب احبار (نومسلم یہودی عالم) سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات ہوئی۔ کعب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام اور اپنے دیدار کی موسیٰ اور محمد علیہم السلام میں تقسیم کر دی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کو دو بار شرف کلام حاصل ہوا اور آپ دو بار خدا کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ مسروق حضرت عائشہ کے ایک شاگرد نے یہ گفتگو ان سے جا کر نقل کی وہ نہایت برہم ہوئیں۔ اور قرآن مجید کی آیتوں سے انہوں نے اس خیال کی تردید کی کہ خدا خود فرماتا ہے کہ ﴿لا تُدرِ کُهُ الاَبصَار﴾ ''آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک شاگرد عکرمہ نے حضرت ابن عباس کے سامنے اس آیت کو پیش کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں سچ ہے مگر اس وقت جب خدا اپنے اصلی نور میں نمایاں ہو۔ آنحضرت ﷺ نے خدا کو دو دفعہ دیکھا تھا۔ (۱)

صحیح مسلم و ترمذی میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے خدا کو بھی دیکھا ہے؟ فرمایا' وہ تو نور ہے' میں اس کو کہاں دیکھ سکتا ہوں دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں نے صرف ایک نور دیکھا۔ (۲)

اکابر صحابہؓ میں حضرت ابوہریرہؓ' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مذہب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خدا کو نہیں بلکہ جبریلؑ کو دیکھا تھا اور اُن ہی نے آپ ﷺ کی طرف وحی کی تھی' چنانچہ صحیح بخاری و مسلم و ترمذی میں حضرت عبداللہؓ ابن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبریلؑ کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اس قسم کی روایت ہے۔ تمام صحابہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس مسئلہ پر سخت اصرار تھا۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں ہے کہ حضرت مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک بار پوچھا کہ مادر من! کیا آنحضرت ﷺ نے اپنے خدا کو دیکھا تھا' ؟ بولیں یہ سن کر تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ تین باتیں ایسی ہیں جن کے متعلق اگر کوئی شخص روایت کرے تو سمجھنا چاہیے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے' جس نے روایت کی کہ آنحضرت ﷺ نے خدا کو دیکھا تھا' اس نے جھوٹ کہا' خدا خود کہتا ہے۔

﴿لا تدرکه الابصارُ وَهُوَ یُدرِکُ الاَبصَارَ وَ هُو اللَّطِیفُ الخَبِیرُ﴾ (انعام: ۱۰۳) ''خدا کو نگاہیں نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے اور وہ لطیف و خبیر ہے۔''

پھر فرماتا ہے۔

﴿وَ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَن یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحیًا ''اور کسی آدمی میں یہ قوت نہیں کہ وہ خدا سے کلام کرے

(۱) یہ تمام روایتیں ترمذی تفسیر سورۂ والنجم میں ہیں اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔

(۲) مسلم جلد اول ص ۸۳ باب الاسراء و ترمذی تفسیر سورۂ نجم۔

Marfat.com

﴿اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ﴾ (شوریٰ:۵) "لیکن یہ کہ بذریعہ وحی کے یا پردے کی آڑ سے۔"

ان آیتوں کو پڑھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے خدا کو نہیں دیکھا' البتہ حضرت جبریلؑ کو ان کی اصلی صورت میں دوبار دیکھا' امام نووی شارح صحیح مسلم نے لکھا ہے۔ [1] کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول حجت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ انہوں نے قرآن مجید کی آیات سے صرف عقلی استدلال کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ سے کوئی مرفوع روایت نہیں بیان کی کہ آپؐ نے خدا کو نہیں دیکھا تھا۔ لیکن خود صحیح مسلم میں جس کی شرح میں امام نووی نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہے' اسی مقام پر حضرت مسروقؒ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا تھا۔ انہوں نے کہا اے ابو عائشہؒ! تین باتیں ایسی ہیں جن میں سے اگر کسی نے ایک کو بھی کہا تو اس نے خدا پر بڑا بہتان باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کیا باتیں ہیں۔؟ فرمایا جس شخص نے یہ کہا کہ محمد ﷺ نے خدا کو دیکھا تھا' اس نے خدا پر بڑی تہمت لگائی۔ میں ٹیک لگائے بیٹھا تھا' یہ سن کر سیدھا اٹھ بیٹھا اور کہا کہ اے اُم المومنین جلدی نہ کیجیے' کیا خدا خود نہیں فرماتا۔

﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ﴾ (تکویر:۱) "اور اس نے اس کو افق المبین پر دیکھا۔"

﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی﴾ (نجم:۱) "اور اس نے اس کو دوسری مرتبہ اترتے ہوئے دیکھا۔"

بولیں سب سے پہلے خود میں نے اس کے متعلق آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا یہ جبریلؑ تھے۔ میں نے ان دو مرتبوں کے سوا ان کو اصلی صورت میں کبھی نہیں دیکھا۔ [2] اس سے زیادہ مستند مرفوع روایت کیا ہوسکتی ہے؟ برخلاف اس کے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (جن سے روایتیں ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے خدا کو دیکھا) کبھی اپنی روایت میں یہ تصریح نہیں کی ہے کہ انہوں نے خود آنحضرت ﷺ سے اس کو سنا ہے حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ صحابہؓ میں سے کوئی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر کا مخالف نہیں ہے۔ (تفسیر سورۂ اسراء) بلکہ اصل یہ ہے کہ بقول ابن حجر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیال کی تشریح میں بعض راویوں سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ منشاء نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان ظاہری آنکھوں سے خدا کو دیکھا بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دل کی آنکھوں سے جلوۂ ربانی کا مشاہدہ کیا۔ صحیح مسلم (متعلقات اسراء) اور جامع ترمذی (تفسیر والنجم) میں ان کے یہ الفاظ ہیں۔ رای بقلبه رای بفواده دل کی آنکھوں سے دیکھا' چشم قلب سے مشاہدہ کیا۔ مردویہ نے اس سے بھی زیادہ ان کے تصریحی الفاظ نقل کیے ہیں۔

لم یرہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم بعینیہ انما راہ بقلبه (فتح الباری ج ۸ ص ۴۶۸) "آنحضرت ﷺ نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا بلکہ اپنے قلب سے دیکھا۔"

اس تشریح کے بعد اس باب میں کوئی نزاع باقی نہیں رہ جاتی' رہی یہ بات کہ دل کا دیکھنا اور قلب کا مشاہدہ کیا

(۱) شرح صحیح مسلم نووی نولکشور ص ۹۷۔

(۲) صحیح مسلم جلد ۱ ص ۹۸ مصر' باب ذکر سدرۃ المنتہیٰ۔

Marfat.com

ہے تو اس رمز کو وہی سمجھے جس کے دل میں نور بصیرت اور جس کے دل میں مشاہدہ کی طاقت ہو۔

معراج جسمانی تھی یا روحانی‘ خواب تھا یا بیداری:

ہمارے متکلمین اور شراح حدیث نے اس باب میں بے سود مباحث کا ایک انبار لگا دیا ہے فیصلہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ متکلمانہ اعتراضات‘ فلسفیانہ خدشات اور عقلی محالات اور نیز عامیانہ ظواہر پرستی اور جمہور کے خیالات کی بے جا حمایت کے وسوسوں سے خالی الذہن ہو کر صحیح روایتوں کے اصل الفاظ پر غور کیا جائے۔ اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ سورۂ اسراء (معراج) کی اس آیت کی نسبت۔

﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِیْ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ﴾ (بنی اسرائیل)

''ہم نے جو رویا (دکھاوا) تجھ کو دکھایا‘ اس کو ہم نے لوگوں کے لیے صرف آزمائش بنایا ہے۔''

بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ یہ معراج کے متعلق ہے۔ رویا عربی زبان میں ''دکھاوا'' کو کہتے ہیں یعنی ''جو دیکھنے میں آئے'' اور عام طور سے اس کے معنی ''خواب'' کے ہیں۔ اس لیے جو فریق معراج کو خواب بتاتا ہے وہ اس آیت کو اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کرتا ہے۔ لیکن صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس کی اس روایت میں یہ ان کی تصریح ہے کہ اس آیت میں رویا کے معنی مشاہدہ چشم کے ہیں‘ اس سے معلوم ہوا کہ واقعہ معراج خواب نہ تھا بلکہ آنکھوں کا مشاہدہ تھا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِیْ اَرَیْنَاکَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ قَالَ هِیَ رُؤْيَاء عين اريها رسول الله صلى الله عليه وسلم لما اسرى به الى بيت المقدس﴾ (بخاری باب الاسراء)

''ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں کہ ہم نے جو رویا تجھ کو دکھایا اس کو نہیں بنایا لیکن لوگوں کے لیے آزمائش کہتے ہیں کہ یہ آنکھ کا مشاہدہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کو دکھایا گیا جب آپؐ کو رات کے وقت بیت المقدس لے جایا گیا۔''

اس پر یہ لغوی بحث چھڑ گئی کہ رویا لغت میں ''آنکھ کے دیکھنے'' کو نہیں کہتے ہیں۔ مگر ذرا غور کیجیے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر لغت عرب کا واقف کار اور کون ہو سکتا ہے‘ جب وہ رویائے عین کہتے ہیں تو کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں راعی اور متنبی بعض عرب شعراء نے ظاہری آنکھ سے دیکھنے کو بھی ''رویا'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

راعی کہتا ہے۔

فکبر　للرئویا　و　هش　فواده

متنبی کا مصرع ہے۔

و روياک احلیٰ فی الصیون من الغمض

صحیح بخاری‘ صحیح مسلم‘ مسند ابن حنبل اور حدیث کی دیگر معتبر کتابوں میں جن میں معراج کے مسلسل اور تفصیلی وقعات درج ہیں‘ ان سب کو ایک ساتھ پیش نظر رکھنے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ صحیحین کی دو روایتوں

Marfat.com

کے سوا باقی دو روایتوں میں خواب کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم اور مسند ابن حنبل میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو صحیح ترین روایت ہے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ روایت جو ثابت البنانی کے ذریعہ سے ہے، خواب کے ذکر سے قطعاً خالی ہے۔ اس لیے حسب محاورۂ عام اس کو بیداری کے معنی میں سمجھنا قطعی ہے لیکن حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس رویت میں جو شریک کے واسطہ سے ہے، یہ مذکور ہے کہ یہ واقعہ آنکھوں کے خواب اور دل کی بیداری کی حالت میں پیش آیا۔ بخاری میں یہ حدیث کتاب التوحید اور باب صفۃ النبی ﷺ دو مقامات میں ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

سمعت انس بن مالک یقول لیلة اسری برسول الله صلی الله علیه وسلم من مسجد الکعبة انه جاءه ثلثة نفر قبل ان یوحی الیه و هو نائم فی المسجد الحرام فقال اولهم ایهم هو فقال اوسطهم هو خیر هم اخر هم خذوا خیر هم فکانت تلک اللیلة فلم یرهم حتی اتوه لیلة اخری فیما یری قلبه و تنام عینه و لا ینام قلبه و کذلک الانبیاء تنام اعینهم و لا تنام قلوبهم. (کتاب التوحید)

"انس بن مالک کو میں نے اس شب کا واقعہ جب آپ کو کعبہ کی مسجد سے لے جایا گیا (معراج) بیان کرتے ہوئے سنا کہ اس سے پہلے کہ آپ کی طرف وحی بھیجی جائے، آپ کے پاس تین شخص آئے اور اس وقت مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے۔ پہلے نے کہا وہ کون ہے؟ بیچ والے نے کہا (ان سونے والوں میں) جو سب سے بہتر ہے اس کو لے لو، یہ رات ہو گئی، پھر آپ نے ان کو نہیں دیکھا، یہاں تک کہ ایک اور رات کو وہ آئے۔ اس حالت میں کہ آپ کا دل دیکھتا تھا اور آپ کی آنکھ سوتی تھی لیکن آپ کا دل نہیں سوتا تھا اور اسی طرح پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں مگر ان کے دل نہیں سوتے۔"(1)

سمعت انس بن ملک یحدثنا عن لیلة اسری بالنبی صلی الله علیه وسلم من مسجد الکعبة جاءه ثلثة نفر قبل ان یوحی الیه و هو نائم فی المسجد الحرام فقال اولهم ایهم هو فقال اوسطهم هو خیر هم قال اخر هم خذ و اخیر هم فکانت تلک فلم یرهم حق جاء واللیلة اخری فیما یری قلبه و النبی صلی الله علیه وسلم نائمة عیناه و لا ینام قلبه و

"انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم لوگوں سے آپ کی شب معراج کا قصہ بیان کرتے تھے کہ اس سے پہلے کہ آپ پر وحی آئے آپ مسجد حرام میں سو رہے تھے آپ کی پاس تین آدمی آئے، پہلے نے کہا وہ کون ہے؟ بیچ والے نے کہا وہ ان میں سب سے بہتر ہے۔ پچھلے نے کہا جو ان میں سب سے بہتر ہو اس کو لے لو، یہ تو ہو گیا، پھر آپ نے ان کو نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ وہ ایک اور رات آئے اس حالت میں کہ آپ کا دل دیکھتا تھا اور آپ کی آنکھیں سوتی تھیں۔ لیکن آپ کا دل نہیں سوتا تھا۔ انبیاء کا یہی

(1) ان دونوں راتوں میں کم از کم بارہ برس کا فصل ہوگا۔ کیونکہ پہلی رات آغاز وحی سے پہلے کی تھی اور اور دوسری رات جو شب معراج تھی نبوت کے بارہویں سال تھی۔

Marfat.com

كذلك الانبياء تنام اعينهم و لا تنام قلوبهم فتولاه جبريل ثم عرج الى السماء. (باب صفة النبی ﷺ)

حال ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور ان کے دل نہیں سوتے' پھر جبریلؑ نے آپؐ کو اپنے اہتمام میں لیا پھر وہ آپؐ کو لے کر آسمان پر چڑھے۔"

بخاری نے اس باب میں اس حدیث کو یہیں تک لکھا ہے لیکن کتاب التوحید میں اس کے بعد معراج کے تمام واقعات بیان کر کے آخر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فقرہ روایت کیا ہے۔

فاستيقظ و هو فى المسجد الحرام. "پھر آپ بیدار ہوئے تو مسجد حرام میں تھے۔"

صحیح مسلم میں یہ روایت نہایت مختصر ہے' سند کے بعد صرف اس قدر لکھ کر کہ آپؐ مسجد حرام میں سوتے تھے اس کو ختم کر دیا ہے۔ اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ شریک نے اس روایت میں واقعات کو گھٹا بڑھا اور آگے پیچھے کر دیا ہے اسی لیے ائمہ نے جیسا کہ قاضی عیاض نے شفاء میں اور امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ شریک کی اس روایت میں بہت سے اوہام ہیں اور اسی لیے اس کو انہوں نے رد کر دیا ہے' دوسری روایت صحیحین میں وہ ہے جس میں حضرت مالکؓ بن صعصعہ انصاری خود آنحضرت ﷺ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے معراج کا واقعہ دہراتے ہوئے فرمایا۔

((بینما انا عند البيت بين النائم و اليقظان))(۱) "میں کعبہ کے پاس خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھا۔"

صحیح بخاری باب المعراج اور مسند ابن حنبل میں مالک بن صعصعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

((بينما انا فى الحطيم مضطجعاً)) "اس اثنا میں کہ میں (خانہ کعبہ کے مقام) حطیم میں لیٹا ہوا تھا۔"

لیکن یہ شب معراج میں آغاز کی کیفیت کا بیان ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ آرام فرما رہے تھے دلائل بیہقی میں ایک روایت ہے جس میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطہ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں عشاء کے وقت خانہ کعبہ میں سو رہا تھا۔ ایک آنے والا (جبریل) آیا اور اس نے آ کر مجھے جگایا۔ میں جاگا۔ اس کے بعد واقعہ معراج کی تفصیل ہے۔ اس میں سونے کے بعد جگائے جانے کی گو تصریح ہے' لیکن اس کا دوسرا ہی راوی جھوٹا' دروغ گو اور ناقابل اعتبار ہے۔(۲) اور اس میں جو منکرات اور غرائب امور بیان کیے گئے ہیں وہ سرتاپا لغو ہیں۔ ابن اسحاق نے سیرت میں اور ابن جریر طبری نے تفسیر میں (سورہ اسراء) حضرت حسن بصری سے بھی اسی قسم کی روایت کی ہے کہ میں سو رہا تھا کہ جبریل نے پاؤں سے ٹھوکر مار کر مجھے اٹھایا۔ لیکن اس کا سلسلہ حضرت حسن بصری سے آگے نہیں بڑھتا۔ سیرت ابن ہشام اور تفسیر ابن جریر طبری میں محمد بن اسحاق کے واسطہ

(۱) صحیح بخاری ذکر الملائکہ و صحیح مسلم باب الاسراء۔

(۲) حافظ ابن کثیر نے تفسیر سورۂ اسراء ص ۱۹ میں اس روایت کو نقل کیا ہے' اس کے سلسلہ سند میں دوسرا راوی وہی ابو ہارون العبدی ہے جس کو علمائے رجال نے بالاتفاق ساقط الاعتبار قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ هو اكذب من فرعون' وہ فرعون سے بھی زیادہ جھوٹا ہے۔

Marfat.com

سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت معاویہؓ سے دو روایتیں ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ یہ بزرگوار معراج کو روحانی اور رویائے صادقہ کہتے ہیں یہ روایتیں مع سند کے حسب ذیل ہیں۔

((عن محمد بن اسحاق قال حدثنی یعقوب بن عتبة ابن المغیرة ان معاویة بن ابی سفیان کان اذا سئل عن مسری رسول الله صلی الله علیه و سلم قال کانت رویا من الله صادقة))(ابن جریر تفسیر اسراء سیرت ابن اسحاق و ذکر معراج)

''محمد بن اسحاق سے روایت ہے' انہوں نے کہا کہ یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ نے بیان کیا کہ معاویہ بن سفیان سے جب معراج کا واقعہ پوچھا جاتا تو وہ کہتے کہ یہ خدا کی طرف سے ایک سچا خواب تھا۔''

لیکن یہ روایت منقطع ہے' یعقوب نے حضرت معاویہؓ سے خود نہیں سنا ہے کیونکہ انہوں نے ان کا زمانہ نہیں پایا ہے۔ دوسری روایت ہے۔

حدثنا ابن حمید' قال حدثنا سلمة عن محمد قال حدثنی بعض ال ابی بکران عائشة کانت تقول ما فقد جسد رسول الله صلی الله علیه و سلم و لکن اسری بروحه. (حوالہ مذکور)

''ابن حمید نے ہم سے بیان کیا' ان سے سلمہ نے سلمہ سے محمد بن اسحاق نے' انہوں نے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ کے خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں کہ آنحضرت ﷺ کا جسم نہیں کھویا گیا بلکہ آپؐ کی روح شب کو لے جائی گئی۔''

اس روایت کے سلسلہ میں بھی محمد بن اسحاق اور حضرت عائشہؓ کے درمیان ایک راوی یعنی خاندان ابوبکرؓ کے ایک شخص کا نام ونشان مذکور نہیں ہے' اس لیے یہ بھی پایہ صحت سے فروتر ہے' تاہم ان روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج کو رویا یا روحانی کہنا قرن اول میں بعض لوگوں کا قول تھا' ابن اسحاق میں ہے کہ حضرت حسن بصری کے سامنے یہ بیان کیا جاتا تھا کہ یہ رویا تھا تو وہ اس کی تردید نہیں کرتے تھے' لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ معراج جسمانی تھی اور بیداری کی حالت میں تھی۔ قاضی عیاض نے شفا میں اور امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے۔

اختلف الناس فی الاسراء برسول الله صلی الله علیه وسلم فقیل انما کان جمیع ذلک فی المنام و الحق الذی علیه اکثر الناس و معظم السلف و عامة المتاخرین من الفقهاو و المحدثین و المتکلمین انه اسری بجسده صلی الله علیه و سلم و الآثار تدل علیه لمن طالعها و بحث عنها و لا یعدل عن ظاهر ها الا بدلیل و الا ستحالة فی حملها علیه فیحتاج الی تاویل. (شرح مسلم باب الاسراء)

''رسول اللہ ﷺ کی معراج میں لوگوں کا اختلاف کہا گیا ہے کہ یہ سارا واقعہ خواب میں پیش آیا اور حق یہ ہے کہ جس پر اکثر لوگ اور سلف صالحین کا بڑا حصہ اور عامہ متاخرین میں سے فقہاء محدثین اور متکلمین سب متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو جسم کے ساتھ معراج ہوئی اور جو شخص تمام آثار واحادیث کا غائر مطالعہ اور تحقیق کرے گا اس پر یہ حق واضح ہو جائے گا اور اس ظاہر سے بے دلیل انحراف نہیں کیا جائے گا اور نہ ظاہر پر ان کو محمول کرنے میں کوئی محال لازم آتا ہے جو تاویل کی حاجت ہو۔''

Marfat.com

مفسرین میں سے ابن جریر طبری سے لے کر امام رازی تک نے جمہور کے اس مسلک پر چار عقلی دلیلیں بھی قائم کی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) قرآن مجید میں ہے کہ ﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ﴾ پاک ہے وہ خدا جو (شب معراج میں) لے گیا اپنے بندہ (عبد) کو اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اپنے "بندہ" کو لے گیا' بندہ یا عبد کا اطلاق جسم پر یا جسم وروح دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے' تنہا روح کو عبد یا بندہ نہیں کہتے۔

(۲) واقعات معراج میں بیان کیا گیا ہے کہ آپؐ براق پر سوار ہوئے' دودھ کا پیالہ نوش فرمایا' سوار ہونا' پینا یہ سب جسم کے خواص ہیں اس لیے یہ معراج جسمانی تھی۔

(۳) اگر واقعہ معراج رویا اور خواب ہوتا تو کفار اس کی تکذیب کیوں کرتے؟ انسان تو خدا جانے خواب میں کیا کیا دیکھتا ہے' محال سے محال چیز بھی اس کو عالم خواب میں واقعہ بن کر نظر آتی ہے۔

(۴) خدا نے قرآن مجید میں کہا ہے کہ ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْیَا الَّتِیْ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ کہ اس مشاہدہ معراج کو ہم نے لوگوں کے لیے معیار آزمائش بنایا ہے' اگر یہ عام خواب ہوتا تو یہ آزمائش ایمان کیا چیز تھی اور اس پر ایمان لانا مشکل کیا تھا۔

معراج کے بحالت بیداری ہونے پر صحیح استدلال:

میرے نزدیک معراج کے بحالت بیداری کے ثبوت کا صاف وصحیح طریقہ یہ ہے کہ کلام کا فطری قاعدہ یہ ہے کہ جب تک متکلم اپنے کلام میں یہ ظاہر نہ کردے کہ یہ خواب تھا تو طبعاً یہی سمجھا جائے گا کہ وہ واقعہ بحالت بیداری پیش آیا۔ قرآن پاک کے ان الفاظ میں ﴿سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا﴾ (پاک ہے وہ جو اپنے بندہ کو ایک رات لے گیا) میں کسی خواب کی تصریح نہیں' اسی طرح حضرت ابوذرؓ کی صحیح ترین روایت میں بھی اس کی تصریح نہیں۔ اس لیے بے شبہ یہ بیداری کا ہی کا واقعہ سمجھا جائے گا اور یہی جمہور اُمت کا عقیدہ ہے اور وہ بھی بجسم۔ اسی طرح صحیح احادیث میں بھی خواب کی تصریح نہیں' اس لیے زبان کے محاورہ عام کے بناء پر اس کو بیداری کا واقعہ سمجھا جائے گا۔

مدعیان رویا کا مقصود بھی رویا سے عام خواب نہیں:

جو لوگ اس کو رویا کہتے ہیں اس سے ان کا مقصود بھی وہ عام خواب نہیں ہے جو ہر روز ہر شخص دیکھا کرتا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کے رویا کی حقیقت پر غور نہیں کیا ہے۔ وہ غلطی سے انبیاء کے رویا کو بھی عام انسانی خواب سمجھتے ہیں' حالانکہ دراصل صرف لفظ کا اشتراک ہے ورنہ اس کی حقیقت بالکل جداگانہ ہے' یہ وہ رویا ہے جس میں گو آنکھیں بند ہوتی ہیں مگر دل بیدار ہوتا ہے' کیا یہی عام رویا کی حقیقت ہے؟ یہ وہ حالت ہے جو بظاہر خواب ہے مگر دراصل ہشیاری بلکہ مافوق ہشیاری ہے۔ عام خواب اور اس رویا میں مشابہت صرف اس قدر ہے کہ اس عالم مادی اور کاروبار حواس ظاہری سے پہلے میں تغافل ہے تو دوسرے میں تعطل ہے' لیکن پہلے میں عالم روح اور کائنات ملکوت کو دخل نہیں اور دوسرے میں سراپا ہشیاری' بیداری' حقیقت بینی' ہم سفری ناموس سیر سماوات' لقائے

Marfat.com

ارواح 'رویت حق سب کچھ ہے۔ اسی لیے جن لوگوں نے اس کو''منام''یا''رویا'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے' انہوں نے درحقیقت مجاز و استعارہ سے کام لیا ہے' ورنہ اصل مقصود یہی کیفیت روحانی اور یہی حالت ملکوتی ہے اور یہی سبب ہے کہ ہمارے ظاہری حواس کے مادی قوانین طبعی کے رو سے جو چیزیں محال معلوم ہوتی ہیں وہ اس عالم میں محال نہیں ہیں۔

رویائے صادقہ کی تاویل:

بہر حال جو لوگ اس کو رویائے صادقہ کہتے ہیں' ان کو گو یہ مغالطہ بعض روایات حدیث سے پیش آیا ہے جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے اور جن میں سب سے مستند شریک کی روایت ہے جس کے الفاظ میں کمی بیشی پر اکثر محدثین نے اعتراض کیا ہے اور اسی لیے انہوں نے اس کو رد کر دیا ہے' تاہم محدثین میں سے امام خطابی صاحب معالم السنن شریک کی اس روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

و اما من اعتبر اول الحديث باخره فانه يزول عنه الاشكال فانه مصرح فيهما بانه كان رويا لقوله في اوله و هو نائم و في اخره استيقظ و بعض الرويا مثل يضرب ليتا ول على الوجه الذى يجب ان يصرف اليه معنى التعبير في مثله و بعض الرويا لا يحتاج الى ذلك بل ياتى كالمشاهدة. (فتح البارى ج ۱۳ ص ۴۰۲)

''لیکن جو شخص اس حدیث کے ابتدائی الفاظ کو آخری الفاظ سے ملا کر دیکھے گا اس سے یہ اشکال اس لیے دور ہو جائے گا کہ ان میں تصریح ہے کہ یہ رویا تھا کیونکہ اس روایت کے شروع میں ہے کہ آپ سو رہے تھے اور آخر میں ہے کہ آپ جاگ پڑے بعض رویا تمثیلی رنگ میں ہوتے ہیں جن کی تاویل ضروری ہے کہ اسی طرح کی جائے جس طرح اس قسم کے خواب کی تعبیر کی جاتی ہے اور بعض رویا اس کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ مشاہدۂ عینی کی طرح پیش آتے ہیں۔''

رویا سے مقصود روحانی ہے:

لیکن جو لوگ ان میں آشنائے راز ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ وہ ایک عام قسم کا خواب تھا جو ہر انسان تقریباً ہر شب کو دیکھتا ہے' بلکہ وہ اس کیفیت پر رویا کا اطلاق محض مجازی اور انسانی طریقہ ادا کے قصور کے باعث کرتے ہیں۔ انسان روح اور جسم سے مرکب ہے یہ روح جو جسم سے وابستہ ہے اس کا یہ تعلق محض عارضی ہے اور یہی عارضی تعلق عالم نور سے اس کے حجاب کا باعث ہے' جس قدر اس تعلق کا رشتہ ڈھیلا ہوتا جائے گا' اسی نسبت سے وہ حجاب اٹھتا جائے گا۔ انسان جب بیداری میں ہوتا ہے تو حواس ظاہری کی مصروفیت روح کو مشاہدۂ باطن سے باز رکھتی ہے' نیند کی حالت میں کسی قدر اس کو ظاہری مشغولیت سے آزادی ملتی ہے تو اس کو رنگارنگ کی چیزیں نظر آتی ہیں۔ یہ حالت انسان کی باطنی اور روحانی قوئی کی ترقی و تنزل پر موقوف ہے ایک دن تو ہر انسان مر جاتا ہے یعنی اس کی روح کا تعلق اس کے جسم سے منقطع ہو جاتا ہے' لیکن انسانوں کی ایک صف ایسی بھی ہے جس کا طائر روح خدا کے فضل و موہبت کے بازوؤں سے پرزور ہو کر اپنے قفس عنصری کو تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ کر عالم ملکوت کی سیر کرتا پھرتا ہے اور پھر اسی قفس عنصری کی طرف رجعت کر جاتا ہے' یہی حالت ہے جس کو وہ اپنی محدود زبان میں مجازاً رویائے صادقہ یا رویائے نبوت کہتے ہیں اور اسی

Marfat.com

عالم کو عالم رویا کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور ممکن ہے کہ اسی کو قرآن مجید کی آیت ﴿وَ مَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنٰكَ﴾ میں رویا کہا گیا ہے۔ یہی وہ دنیا ہے جس میں آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار ہوتا ہے اور اسی کی طرف وحی کی حدیثوں میں اشارہ ہے اور ابن ہشام میں حضرت عائشہؓ کی طرف جو روایت منسوب ہے کہ :

ما فقد جسد رسول الله صلّى الله عليه وسلّم و لكن اسرى بروحه. ("یعنی حضور انور ﷺ کو معراج روح کے ذریعہ ہوئی۔")

کا مطلب یہی ہے حافظ ابن قیم نے زاد المعاد[1] میں اسی حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

﴿ فصل : و قد نقل ابن اسحاق عن عائشة و معاوية انهما قالا انما كان الاسراء بروحه و لم يفقد جسده و نقل عن الحسن البصرى نحو ذلك و لكن ينبغى ان يعلم الفرق بين ان يقال كان الاسراء مناما و بين ان يقال كان بروحه دون جسده و بينهما فرق عظيم و عائشة و معاوية لم يقولا كان مناماً و انما قالا اسرى بروحه و لم يفقد جسده و فرق بين الامرين فان مايراه النائم قد يكون امثالا مضروبة للمعلوم فى الصور المحسوسة فيرى كانه قد عرج به الى السماء او ذهب به الى مكة و اقطار الارض و روحه لم تصعد و لم تذهب و انما ملك الرويا ضرب له المثال و الذين قالوا عرج برسول الله صلى الله عليه وسلم طائفتان، طائفة قالت عرج بروحه و بدنه و طائفة قالت عرج بروحه و لم يفقد بدنه و هو لاء لم يريد وا ان المعراج كان مناما و انما ارادو ان الروح ذاتها اسرى بها و عرج

"فصل: ابن اسحاق نے حضرت عائشہؓ اور معاویہؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے کہا کہ معراج میں آپ کی روح لے جائی گئی اور آپ کا جسم کھویا نہیں گیا (یعنی وہ اسی دنیا میں اپنی جگہ پر موجود تھا) اور حسن بصری سے بھی اسی قسم کی روایت ہے لیکن یہ جاننا چاہیے کہ یہ کہنا کے معراج منام (خواب) تھا اور یہ کہنا کہ بذریعہ روح کے تھی، جسم کے ساتھ نہ تھی، ان دونوں میں یہ فرق ہے۔ حضرت عائشہؓ اور معاویہؓ نے یہ نہیں کہا کہ وہ منام (خواب) تھا انہوں نے یہی کہا ہے کہ معراج میں آپ کی روح کو لے جایا گیا اور آپؐ کا جسم کھویا نہیں گیا۔ ان دونوں میں بڑا فرق یہ ہے کہ سونے والا جو کچھ دیکھتا ہے کبھی محسوس صورتوں میں، جو کچھ معلوم ہے اس کی تمثیلیں اس کے سامنے کی جاتی ہیں، پس وہ دیکھتا ہے کہ گویا وہ آسمان پر چڑھایا گیا یا مکہ اس کو لے جایا گیا اور زمین کے گوشوں میں اس کو پھرایا گیا، حالانکہ اس کی روح نہ چڑھی نہ گئی نہ پھری۔ صرف یہ ہوا کہ خواب کے فرشتے نے اس کے لیے ایک تمثیل اس کے سامنے کر دی اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو آسمان پر چڑھایا گیا ان میں دو فرقے ہیں ایک فرقہ کہتا ہے کہ آپؐ کو معراج روح و بدن دونوں کے ساتھ ہوئی اور دوسرا کہتا ہے کہ صرف روح کے ساتھ ہوئی اور بدن کھویا نہیں گیا۔ (یعنی اس عالم سے) ان لوگوں کا مقصد یہ نہیں کہ وہ خواب تھا بلکہ یہ مقصد ہے کہ خود بذاتہ روح کو معراج ہوئی

(۱) طبع اول صفحہ ۳۰۴ مصر۔

Marfat.com

بها حقیقة و باشرت من جنس ما تباشر بعد المفارقة و کان حالها فی ذلک کحالها بعد المفارقة فی صعودها الی السمٰوٰت سماء حتی ینتهی بها الی السماء السابعة فتقف بین یدی الله عزوجل فیا مر فیها بما شاء ثم تنزل الارض فالذی کان لرسول الله صلی الله علیه وسلم لیلة الاسراء اکمل مما یحصل للروح عند المفارقة و معلوم ان هذا امرفوق مایراه النائم لکن لما کان رسول الله صلی الله علیه وسلم فی مقام خرق العوائد حتی شق بطنه و هو حی لایتالم بذلک عرج بذات روحه المقدسة فی غیرا ماتة و من سواه لاینال بذات روحه الصعود الی السماء الابعد الموت و المفارقة فالا نبیاء انما استقرت ارواحهم هناک بعد مفارقة الابدان و روح رسول الله صلی الله علیه وسلم صعدت الی هناک فی حال الحیاة ثم عادت و بعد وفاته استقرت فی الرفیق الا علی مع ارواح الانبیاء و مع هذا فلها اشراف علی البدن و اشراق و تعلق به بحیث یرد السّلام علی من سلم علیه و بهذا التعلق رای موسی قائماً یصلی فی قبره و راه فی السماء السادسة و معلوم انه لم یعرج بموسی من قبره ثم رد الیه و انما ذلک مقام روحه و استقرار ها و قبره مقام

اور وہی درحقیقت اوپر چڑھائی گئی اور اس نے اس طرح کیا جس طرح جسم سے مفارقت کے بعد کرتی ہے اور اس میں اس کی حالت وہی تھی جو مفارقت جسم کے بعد آسانوں پر ایک ایک آسمان کر کے چڑھنے میں ہوتی ہے یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر جا کر ٹھہر جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر کھڑی ہو جاتی ہے پھر وہ جو چاہتا ہے اس کی نسبت حکم دیتا ہے پھر زمین پر واپس آ جاتی ہے پس آنحضرت ﷺ کو شب معراج میں جو حاصل ہوا وہ اس سے بھی زیادہ کامل تھا جو روح کو مفارقت جسم کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ درجہ اس سے بڑا ہے جو سونے والے کو خواب میں نظر آتا ہے لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ خرق عادات کے مقام میں تھے یہاں تک کہ آپ کا سینہ چاک کیا گیا اور آپ زندہ تھے لیکن آپ کو تکلیف نہ ہوئی اسی طرح خود روح مبارک بذاتہ اوپر چڑھائی گئی بغیر اس کے کہ آپ پر موت طاری کی جائے آپ کے علاوہ اور کسی کی روح کو موت اور مفارقت تن کے بغیر یہ عروج نصیب نہ ہوا انبیاء کی روحیں جو یہاں ٹھہری تھیں وہ مفارقت جسم کے بعد تھیں لیکن آنحضرت ﷺ کی روح پاک زندگی کی حالت میں وہاں گئی اور واپس آئی اور مفارقت کے بعد انبیاء کی روحوں کے ساتھ "رفیق اعلیٰ" میں جا کر ٹھہر گئی لیکن باوجود اس کے روح پاک کو اپنے جسم کے ساتھ ایک نوع کا تعلق اور رشتہ ہے کہ اگر آپ پر کوئی سلام بھیجے تو آپ سلام کا جواب دیتے ہیں اسی تعلق سے آپ نے شب معراج میں دیکھا کہ موسیٰ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں پھر آپ نے ان کو چھٹے آسمان میں دیکھا حالانکہ معلوم ہے کہ موسیٰ کو اپنی قبر سے اٹھا کر نہیں لے جایا گیا تھا اور نہ پھر واپس کیا گیا تھا۔ اس کی گرہ یوں کھلتی ہے کہ وہاں آسمان پر جو موسیٰ کو آپ نے دیکھا تو وہ ان کی روح کا مقام و مستقر تھا اور قبر ان کے جسم کا جہاں وہ قیامت میں روحوں کے لٹانے کے

Marfat.com

بدنه و استقراره الی یوم معاد الارواح الی اجسادها فراه یصلي في قبره و رأی في السماء السادسة کما انه صلی الله علیه وسلم في ارفع مکان في الرفیق الا علی مستقراً هناک و بدنه في ضریحه غیر مفقود و اذ سلم علیه المسلم رد الله علیه روحه حتی یرد علیه السلام و لم یفارق الملأ الا علی و من کثف ادراکه و غلظت طباعه عن ادراک هذا فلینظر الی الشمس في علو محلها و تعلقها و تاثیر ها في الارض و حیاة النبات و الحیوان بها هذا و شان الارواح فوق هذا فلها شان و لا بد ان شان و هذه النار تکون في محلها و حرارتها تو ثرفي الجسم البیعد عنها مع ان الارتباط و التعلق الذی بین الروح و البدن اقوی و اکمل من ذلک و اتم فشان الروح اعلی من ذلک و الطف﴾

وقت تک رہے گا۔ اس طرح آپؐ نے ان کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے بھی دیکھا اور چھٹے آسمان پر بھی دیکھا جس طرح کہ (بعد وفات) آنحضرت ﷺ اس سے بلندتر مقام یعنی رفیق اعلیٰ میں بھی قرار گیر ہیں اور جسم مبارک قبر شریف میں بھی موجود ہے جب سلام کرنے والا آپؐ پر سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپؐ کی روح کو واپس کرتا ہے تا آنکہ آپؐ جواب دیتے ہیں حالانکہ مقام رفیق اعلیٰ سے آپ علیحدہ نہیں ہوئے جو شب معراج میں حاصل ہوا وہ اس سے بھی زیادہ کامل تھا جو روح کو مفارقت جسم کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ درجہ اس سے بڑا ہے جو سونے والے کو خواب میں نظر آتا ہے لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ خرق عادات کے مقام میں تھے یہاں تک کہ آپؐ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور آپؐ زندہ تھے لیکن آپؐ کو تکلیف نہیں ہوئی' اسی طرح خود روح مبارک بذاتہ اوپر ہے اور اس کی گرمی دور کے جسم پر اثر انداز ہوتی ہے' روح اور بدن کا باہمی تعلق تو اس سے بھی زیادہ قوی اور کامل ہے اس لیے کہ روح آگ سے زیادہ اعلیٰ اور لطیف ہے۔''

فقل للعیون الرمد ایاک ان تری
سنا الشمس فاستغشی ظلام اللیا لیا

(گرد آلود آنکھوں سے کہہ دو کہ وہ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں تو راتوں کی تاریکی کو اوڑھ لیں)

صوفیہ اور ارباب حال نے معراج کے واقعات کی تشریح اپنے مذاق اور رنگ میں کی ہے' علماء اسلام میں کم از کم ایک شخص تو ایسا ہے جو صوفی اور صاحب حال ہے اور مُحدِّث اور متکلم بھی' یعنی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی شاہ صاحب کے متعلق معلوم ہے کہ وہ دیگر اہل باطن کی طرح عالم برزخ اور عالم مثال زمام اور عالم جسد اور عالم روح کے درمیان ایک تیسرے عالم کے قائل ہیں' جہاں جسم پر روح کے خواص طاری ہوتے ہیں اور روح اپنی خصوصیت اور مناسبت کے مطابق جسمانی شکل وصورت میں نمایاں ہوتی ہے۔ شاہ صاحب اس بات کے قائل ہیں کہ معراج بیداری میں اور جسم کے ساتھ ہوئی۔ لیکن یہ عالم برزخ کی سیر تھی جہاں آپؐ کے جسم پر روحانی خواص طاری کیے گئے اور معانی و واقعات مختلف اشکال وصورت میں مشاہدہ کرائے گئے۔ چونکہ ایک بیگانہ کے لیے اس نادیدہ شہرستان کی ہو بہو تشریح

Marfat.com

اپنی زبان میں مشکل ہے اس لیے ہم اس ملک کے ایک سیاح کا بیان نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں معراج کی حقیقت ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

اسری به الی المسجد الاقصی ثم الی سدرة المنتهی و الی ماشاء الله و کل ذلک بجسده صلی الله علیه وسلم فی الیقظة و لکن ذلک فی موطن هو برزخ بین المثال و الشهادة جامع لا حکا مها فظهر علی الجسد احکام الروح و تمثل الروح و المعانی الروحیة اجساداً و لذلک بان لکل واقعة من تلک الوقائع تعبیر و قد ظهر لحزقیل و موسیٰ و غیر هما علیهم السلام نحومن تلک الوقائع و کذلک لاولیاء الامة لیکون علو درجاتهم عند الله کحالهم فی الرؤیا (و الله اعلم)

''آپ کو معراج میں مسجد اقصیٰ میں لے جایا گیا پھر سدرۃ المنتہیٰ اور جہاں خدا نے چاہا اور یہ تمام جسم مبارک کے لیے بیداری کی حالت میں ہوا لیکن اس مقام میں جو عالم مثال اور عالم ظاہر کے بیچ میں ہے اور جو دونوں عالموں کے احکام کا جامع ہے اس لیے جسم پر روح کے احکام ظاہر ہوئے اور روح پر معاملات روحانی جسم کی صورت میں نمایاں ہوئے اور اسی طرح کے واقعات حضرت حزقیل اور موسیٰ وغیرہ علیہم السلام کے لیے ظاہر ہوئے تھے جیسے اولیاء اُمت کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں کہ خدا کے نزدیک ان کے درجہ کی بلندی مثل اس حالت کے ہوتی ہے جو رویا میں ان کو معلوم ہوتی ہے (واللہ اعلم)

اس کے بعد شاہ صاحب نے معراج کے مشاہدات میں سے ایک ایک کی تعبیر کی ہے' خود احادیث صحیحہ اور معتبر روایات میں جہاں یہ واقعہ مذکور ہے کہ آپؐ کے سامنے دودھ اور شراب کے دو پیالے پیش کیے گئے تو آپؐ نے دودھ کا پیالہ اٹھالیا۔ اس پر فرشتہ نے کہا کہ آپؐ نے فطرت کو اختیار کیا۔ اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو آپؐ کی تمام امت گمراہ ہو جاتی۔ اس عالم تمثیل میں گویا فطرت کو دودھ اور ضلالت کو شراب کے رنگ میں مشاہدہ کرایا گیا۔

شاہ صاحب معراج کو عالم برزخ کا واقعہ بنا کر اسی طرح معراج کے تمام واقعات کی تشریح کرتے ہیں فرماتے ہیں۔

اما شق الصدر و ملؤه ایمانا فحقیقة غلبة انوار الملکیة و انطفاء لهیب الطبیعة و خضوعها لما یفیض علیها من حظیرة القدس و اما رکوبه علی البراق فحقیقته استواء نفسه النطقیة علی نسمة التی هی لکمال الحیوانی فاستوی راکباً علی البراق کما غلبت احکام نفسه النطقیة علی البهیمیة و

''لیکن سینہ کا چیرنا اور اس کا ایمان سے بھرنا تو اس کی حقیقت ملکیت کے انوار کا غلبہ اور طبیعت (بشری) کے شعلہ کا بجھنا اور طبیعت کی فرمان برداری اس فیضان کے قبول کرنے کے لیے جو حظیر القدس سے خدا اس پر فائض کرتا ہے لیکن آپؐ کا براق پر سوار ہونا تو اس کی حقیقت آپؐ کے نفس ناطقہ (بشری) کا اپنے اس روح حیوانی پر استیلاء حاصل کرنا ہے جو کمال حیوانی ہے تو آپؐ براق پر اسی طرح سوار ہو گئے جس طرح آپؐ کی روح بشری کے احکام آپؐ کی روح حیوانی

Marfat.com

تسلطت علیها و اما اسرآء ہ الی المسجد الاقصی فلانه محل ظهور شعائر الله و متعلق همم الملا الا علی و مطمح انظار الانبیاء علیهم السلام فکانه کوة الی الملکوت و اما ملا قاته مع الانبیاء صلوات الله علیهم و مفاخرته معهم فحقیقتها اجتما عهم من حیث ارتبا طهم بحظیرة القدس و ظهور و ما اختصن به من بینهم من وجوه الکمال و امارقیه الی السموت سماء بعد سماء فحقیقته الانسلاخ الی مستوی الرحمن منزلة بعد منزلة و معرفة حال الملائکة الموکلة بها من لحق بهم من افاضل البشر و التدبیر الذی اوحاه الله فیها و الا ختصام الذی یحصل فی ملئها و اما بکاء موسیٰ فلیس بجسد و لکنه مثال لفقده عموم الدعوة و بقاء کمال لم یحصله مما هو فی وجهه و اما سدرة المنتهی فشجرة الکون و ترتب بعضها علی بعض و انجما عها فی تدبیر واحد کا نجماع الشجرة فی الغاذیة و النامیة و نحوهما و لم یتمثل حیوانا لان التدبیر الجملی الاجمالی الشبیه بسیاسة الاشیاء به الشجرة دون الحیوان' فان الحیوان فیه قوی تفصیلیة والا رادة فیه اصرح من سنن الطبیعة اما الانهار فی اصلها فرحمة فائضة فی الملکوت حذو

پر غالب آ گئے اور ان پر مسلط ہو گئے' لیکن آپ کا رات کو مسجد اقصیٰ لے جانا تو وہ اس لیے کہ یہ مقام شعائر الٰہی کے ظہور کا مکان ہے اور ملا اعلیٰ کے ارادوں کا تعلق گاہ ہے اور انبیاء علیہم السلام کی نگاہوں کا نظارہ گاہ ہے' گویا وہ اعلیٰ کی طرف ایک روشندان ہے جہاں سے روشنی چھن چھن کر اس روشن دان کے ذریعہ اس کرۂ انسانی پر فائض ہوتی ہے' لیکن آپ کی انبیاء علیہم السلام سے ملاقات اور مفاخرت (اور امامت) تو اس کی حقیقت کو اُن کا اجتماع ہے بحثیت اس کے کہ وہ سب ایک ہی رشتہ میں حظیرۃ القدس سے مربوط ہیں اور آپ کی ان حیثیات کمال کا ظہور ہے جو ان تمام پیغمبروں میں آپ کی ذات سے مخصوص تھیں لیکن آپ کا آسمانوں پر ایک ایک آسمان کر کے چڑھنا (اور فرشتوں اور مختلف پیغمبروں سے ملاقات) تو اس کی حقیقت درجہ بدرجہ (تحت کی منزلوں سے) کھنچ کر عرش الٰہی تک پہنچتا ہے اور ہر آسمان پر جو فرشتے متعین ہیں اور کامل انسانوں میں سے جو جہاں جس جس درجہ تک پہنچ کر ان کے ساتھ مل کر گیا ہے ان کے حالات سے اور اس تدبیر سے جو ہر آسمان میں خدا نے وحی کی اور اس مباحثہ سے جو اس آسمان کے فرشتوں کی جماعت میں ہوتا ہے آگاہی ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا تو از راہ حسد نہ تھا بلکہ وہ اس بات کی تمثیل تھی کہ ان کو دعوت عامہ نہیں ملی تھی اور اس کمال کی بقا ان کو عنایت نہیں ہوئی تھی جو عموم دعوت سے حاصل ہوتی ہے لیکن سدرۃ المنتہیٰ تو وہ وجود کا درخت ہے اس کا ایک دوسرے پر مرتب ہونا اور پھر ایک ہی تدبیر میں مجتمع ہونا ہے جس طرح درخت اپنی شاخوں کے بے شمار افراد کے اختلاف کے باوجود اپنی قوت غاذیہ اور اپنی قوت نامیہ کی تدبیر میں متحد و مجتمع ہوتا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ حیوان کی شکل میں نمایاں نہیں ہوا اس لیے کہ اجمالی اور مجموعی تدبیر اس طرح ہے جس طرح کلی اپنے افراد کی سیاست

Marfat.com

الشهادة و حياة و انماء فلذ الك تعين هناك بعض الامور النافعة فی الشهادة كا لنيل و الفرات و اما الانوار التی عشيتها فتدليات الٰهية و تدبيرات رحمانية تلعلعت فی الشهادة حيثما استعدت لها و اما البيت المعمور فحقيقته التجلی الالٰهی الذی يتوجه اليه سجدات البشر و تضرعاتها يتمثل بيننا علی حذو ما عند هم من الكعبة و بيت المقدس ثم اتی باناء من لبن واناء من خمر فاختار اللبن. فقال جبرئيل هديت للفطرة و لواخدت الخمر لغوت امتک فكان هو صلی الله عليه وسلم جامع امة و منشأ ظهور هم و كان اللبن اختيار هم الفطرة والخمر اختيارهم ذات الدنيا و امر بخمس صلوٰت بلسان التجوز لانها خمسون باعتبار الثواب ثم اوضح الله مرا ده تدريجا يعلم ان الحرج مدفوع و ان النعمة كاملة و تمثل هذا المعنی مستنداً الی موسی عليه السلام فانه اكثر الانبياء معالجة للامة و معرفة بسياستها. (باب الاسراء)

(اجمالی) کرتی ہے اور اس تدبیر اجمالی کی بہترین شبیہ درخت ہے نہ کہ حیوان کیونکہ حیوان میں تفصیلی قوتیں ہوتی ہیں اور خصوصاً اس میں ارادہ قوت طبعی سے زیادہ مصرح صورت میں ہوتا ہے' لیکن نہروں (کی جڑوں اور سوتوں کا وہاں نظر آنا) تو وہ رحمت و حیات ونشو ونما کا منبع ہے جو عالم ملکوت میں اسی طرح جاری ہے جس طرح عالم ظاہر میں' اسی لیے وہاں بھی بعض وہ پُرفیض امور نظر آئے جو یہاں اس عالم میں ہیں جیسے دریائے نیل اور نہر فرات' لیکن وہ انوار جو اس درخت کو ڈھانکتے تھے تو وہ تنزلات الٰہیہ اور تدبیرات رحمانیہ ہیں جو اس عالم ظاہر میں وہاں چمکتی ہیں' جہاں جہاں ان کے قبول کی استعداد ہوتی ہے۔ لیکن بیت معمور تو اس کی حقیقت وہ تجلی ہے' جس کی طرف انسانوں کے تمام سجدے اور بندگیاں متوجہ ہوتی ہیں وہ گھر کی صورت میں اس لیے نمایاں ہوا کہ وہ ان قبلوں کی طرح ہو جو انسانوں کے درمیان کعبہ اور بیت المقدس کی صورت میں ہیں پھر آپؐ کے سامنے ایک دودھ کا پیالہ اور ایک شراب کا پیالہ لایا گیا' آپؐ نے دودھ پسند فرمایا تو جبرئیل نے کہا کہ فطرت کی طرف آپؐ نے ہدایت پائی اگر آپؐ شراب پسند فرماتے تو آپؐ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ آپؐ کے پسند و قبول کو اُمت کی پسند و قبول کہنا اس لیے تھا کہ آپؐ اپنی امت کے جامع و مرکز اور اس کے ظہور کے منشاء مولد تھے اور دودھ کا پیالہ پسند کرنا فطرت کا پسند کرنا تھا۔ اور شراب کو لینا دنیاوی لذتوں کو پسند کرنا تھا اور آپؐ کو بزبان مجاز پانچ وقتوں کی نمازوں کا حکم دیا گیا کیونکہ وہ درحقیقت ثواب کے اعتبار سے پچاس وقت ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقصد کو (کہ پچاس وقتوں سے پانچ وقت مقصود ہیں)' بدفعات اور بتدریج اس لیے ظاہر کیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ (۵۰ وقت کو پانچ کر دینے میں) تنگی دور کر دی گئی ہے اور نعمت پوری ہوئی ہے اور یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے

Marfat.com

مکالمہ کی طرف منسوب ہو کر اس لیے ظاہر ہوئی کہ تمام
پیغمبروں میں اُمت کا تجربہ اور اُمت کی سیاست کی آ گاہی
اُن ہی کو سب سے زیادہ تھی۔"

ہم نے ارباب حال اور محدثین کے یہ انکشافات وحقائق اور جسم وروح کے یہ گونا گوں احوال ومناظر خود انہی کی زبانوں سے بتائے اور دکھائے ہیں ورنہ ہم خود اس باب میں سلف صالحین کا عقیدہ رکھتے ہیں جو ابن اسحاق کی عبارت میں حسب ذیل ہے۔

و کان فی مسراہ و ما ذکر منه بلاء و تمحیص و امر من امر اللّٰه فی قدرته و سلطانه فیه عبرة لا ولی الالباب و هدی و رحمة و ثبات لمن امن باللّٰه و صدق و کان من امر اللّٰه علی یقین فاسری به کیف شاء و کما شاء لیریه من ایات ربه ما اراد حتی عاین ما عاین من امره و سلطانه العظیم و قد رته التی یصنع بھاما یرید۔(سیرت ابن ہشام باب الاسراء)

"آپؐ کے اس سفر شبانہ اور جو کچھ اس کے متعلق بیان کیا گیا ہے اس میں آزمائش اور کافر ومومن کی تمیز ہے اور خدا کی قدرت اور سلطنت میں سے کوئی الٰہی شان ہے اور اس میں اہل عقل کے لیے عبرت ہے اور جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور تصدیق کی اور خدا کے کاموں پر یقین رکھا اس کے لیے اس میں ہدایت رحمت اور ثابت قدمی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو رات کے وقت لے گیا جس طرح چاہا اور جیسے چاہا تا کہ وہ اس کو اس کے پروردگار کی نشانیوں میں سے جو چاہے دکھائے' یہاں تک کہ آپؐ نے خدا کی شان اور اس کی عظیم الشان قوت کے مناظر دیکھے جو کچھ دیکھے اور اس قدرت کو دیکھا جس سے وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔"

Marfat.com

قرآن مجید اور معراج

معراج کے اسرار، اعلانات، احکام، بشارتیں اور انعامات

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں معراج کا بیان سورۂ اسراء (جس کو سورۂ بنی اسرائیل بھی کہتے ہیں) کی صرف ابتدائی تین چار آیتوں میں ہے۔ یعنی:

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ (بنی اسرائیل:۱)

"پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو رات کے وقت مسجد حرام (کعبہ) سے اس مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا، جس کے گرداگرد ہم نے برکت نازل کی ہے تاکہ ہم اپنے بندہ کو اپنی نشانیاں دکھائیں، وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"

لیکن ہم نے اس سورہ کو شروع سے اخیر تک بار بار پڑھا اور ہر بار اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ یہ پوری سورہ معراج کے اسرار و حقائق نتائج و عبر اور احکام و اعلانات سے معمور ہے۔ سب سے پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس سورہ کے جلی عنوانات کیا ہیں۔

(۱) یہ اعلان کہ آنحضرت ﷺ نبی القبلتین (یعنی کعبہ اور بیت المقدس دونوں کے پیغمبر) ہیں۔

(۲) یہود جو اب تک بیت المقدس کے اصلی وارث اور اس کے نگہبان و کلید بردار بنائے گئے تھے ان کی تولیت اور نگہبانی کی مدت حسب وعدۂ الٰہی ختم کی جاتی ہے اور آل اسمٰعیل کو ہمیشہ کے لیے اس کی خدمت گزاری سپرد کی جاتی ہے۔

(۳) کفار قریش کو اعلان کہ تمہارے پند و موعظت کا عہد گزر گیا۔ فیصلۂ حق کے ثبوت کے لیے جس عذاب کو تم مانگتے تھے اب وہ آتا ہے کہ رسول اللہؐ اب ہجرت کرتے ہیں۔

(۴) رسولوں کی سنت کے مطابق اب آنحضرت ﷺ کو ہجرت کا اذن دیا جائے گا، جس کے بعد نافرمان قوم پر عذاب آئے گا۔

(۵) معراج کے احکام شرائع۔

(۶) نماز پنجگانہ کی فرضیت۔

(۷) نبوت، قرآن، قیامت اور معجزات پر اعتراضات کے جوابات۔

(۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات اور واقعات سے استشہاد۔

Marfat.com

آنحضرت ﷺ کا نبی القبلتین ہونا:

حضرت ابراہیمؑ کے گھرانے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی سعادتوں اور برکتوں کا کلید بردار بنایا تھا اور ان کو ارض مقدس کی تولیت کا منصب عطا کیا تھا جس کے حدود خدا نے خواب میں حضرت ابراہیمؑ کو دکھائے تھے' لیکن اسی کے ساتھ تورات میں بار بار اعلان کر کے یہ بھی ان کو سنا دیا گیا تھا کہ اگر انہوں نے خدا کے احکام کی اطاعت اور پیغمبروں کی تصدیق نہ کی تو یہ منصب ان سے چھین لیا جائے گا' حضرت ابراہیمؑ کو اسماعیلؑ و اسحاقؑ دو بیٹے عطا ہوئے تھے اور ارض مقدس کو ان دونوں بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا تھا یعنی شام کا ملک حضرت اسحاقؑ کو اور عرب کا ملک حضرت اسماعیلؑ کو ملا تھا۔ شام میں بیت المقدس اور عرب میں کعبہ واقع تھا۔ حضرت اسحاقؑ کے فرزندوں کو جن کا مشہور نام بنی اسرائیل ہے (اسرائیل حضرت اسحاقؑ کے بیٹے یعقوبؑ کا لقب تھا) بیت المقدس کی تولیت عطا ہوئی تھی اور بنو اسماعیل کو کعبہ کا متولی بنایا گیا تھا حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں جس قدر پیغمبر پیدا ہوئے ان میں سے بنو اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس اور اسماعیل کا کعبہ تھا گویا آنحضرت ﷺ سے پہلے جس قدر انبیاء عرب یا شام میں مبعوث ہوئے تھے وہ ان دونوں قبلوں میں سے صرف ایک کے متولی تھے۔ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمام دوسرے پیغمبروں کے متفرق اوصاف و خصوصیات کا جامع اور برزخ بنایا تھا' اسی طرح حضرت اسحاقؑ اور اسماعیلؑ دونوں کی برکتوں اور سعادتوں کا گنجینہ بھی ذات محمدی ہی کو قرار دیا یعنی حضرت ابراہیمؑ کی وراثت جو صدیوں سے جو بیٹوں میں بٹتی چلی آتی تھی وہ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پھر ایک جگہ جمع ہو گئی اور گویا وہ "حقیقت ابراہیمیہ" جو خاندانوں اور نسلوں میں منقسم ہو گئی تھی ذات محمدی میں پھر یکجا ہو گئی اور آپؐ کو دونوں قبلوں کی تولیت تفویض ہوئی اور نبی القبلتین کا منصب عطا ہوا۔ یہی نکتہ تھا جس کے سبب سے آنحضرت ﷺ کو کعبہ اور بیت المقدس دونوں طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا اور اسی لیے معراج میں آپؐ کو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے جایا گیا اور مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء کی صف میں آپؐ کو امامت پر مامور کیا گیا تاکہ آج اس مقدس دربار میں اس کا اعلان عام ہو جائے کہ دونوں قبلوں کی تولیت سرکار محمدی کو عطا ہوتی ہے اور نبی قبلتین نامزد ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں سورۂ اسراء کی ابتداء اور واقعہ معراج کا آغاز اسی حقیقت کے اظہار سے ہوتا ہے۔

﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ﴾ (بنی اسرائیل:۱)

"پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو رات کے وقت مسجد حرام (کعبہ) سے اس مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا' جس کے گرداگرد ہم نے برکت نازل کی ہے تاکہ ہم اپنے بندہ کو اپنی نشانیاں دکھائیں' وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"

بنی اسرائیل کی مدت تولیت کا قیام:

بنو اسرائیل کو ارض مقدس کی تولیت کا شرف بہت سی شرائط اور معاہدوں کے ساتھ عطا ہوا تھا اور یہ کہہ دیا گیا تھا کہ جب وہ غیر معبودوں کی طرف جھکیں گے اور احکام الٰہی کی عدم پیروی کے ملزم ہوں گے تو یہ منصب اُن سے چھین لیا

Marfat.com

جائے گا اور محکومی و غلامی کی زنجیر ان کی گردنوں میں ڈال دی جائے گی' حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے عہد میں ان کو جو نیابت اور وراثت عطا کی گئی تھی عدم ایفائے عہد کی پاداش میں بابل کے بادشاہ بخت نصر (بنوخذنذر) کے ہاتھوں ان سے چھین لی گئی۔ ارض مقدس سے وہ جلاوطن کر دیئے گئے۔ شہر اور شلیم کھنڈر کر دیا گیا۔ بیت المقدس کی ایک ایک اینٹ چور چور کر دی گئی اور توراۃ کے پرزے پرزے اڑا دیئے گئے۔

اس پرغم سانحہ پر انبیائے بنی اسرائیل نے ماتم کیا' خدا کے سامنے دست تضرع دراز کیا' بنی اسرائیل کو توبہ و انابت کی دعوت دی تو پھر ان کو معاف کیا گیا اور ایرانیوں کے عہد میں ارض مقدس کی دوبارہ تولیت سے وہ سرفراز ہوئے' لیکن اس کے بعد پھر وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہے' بتوں کو سجدے کیے' توراۃ کے احکام سے روگردانی کی تو ان پر یونانیوں اور رومیوں کو مسلط کیا گیا۔ جنہوں نے بیت المقدس کو جلا کر خاکستر کر دیا' یہودیوں کا قتل عام کیا۔ قربان گاہ کے مقدس ظروف توڑ پھوڑ دیئے۔ اب اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوتی ہے اور بنواسرائیل کو توبہ وانابت کا آخری موقع دیا جاتا ہے۔ اگر انہوں نے حق پسندی کو راہ دیا تو خدا ان پر رحم فرمائے گا ورنہ ہمیشہ کے لیے اس منصب سے وہ محروم کر دیئے جائیں گے۔

چنانچہ آیاتِ بالا کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا وَ قَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَ لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَ اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا

''اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت نامہ ٹھہرایا کہ ہمارے سوا وہ کسی کو کارساز نہ بنائیں اے ان لوگوں کی اولاد و! جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھا' دیکھو کہ ان کا جنہوں نے اپنا کارساز دوسروں کو بنا لیا تھا کیا حشر ہوا؟ تم کو اس احسان کا شکر ادا کرنا چاہیے تھا کیونکہ تمہارا باپ نوحؑ شکر گزار بندہ تھا اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کے متعلق فیصلہ کر دیا تھا کہ تم دو دفعہ زمین میں فساد کرو گے اور بڑی زیادتیاں کرو گے جب ان میں سے پہلے فساد کا وقت آیا تو ہم نے تم پر ایسے بندوں کو کھڑا کر دیا جو بڑے سخت گیر تھے وہ تمہارے شہروں کے اندر پھیل گئے اور خدا کا وعدہ پورا ہوا پھر ہم نے تمہارے دن پھیرے اور تم کو مال و اولاد سے مدد دی اور تمہاری تعداد بہت بڑھا دی (اور کہہ دیا کہ) اگر تم نے اچھے کام کیے تو اپنے ہی لیے اور برے کام کیے تو اپنے لیے پھر جب (تمہارے) دوسرے فساد کا وقت آیا (تو پھر ہم نے اپنے دوسرے بندوں کو کھڑا کر دیا) کہ وہ تمہارے چہروں کو خراب کر دیں اور یہ بھی بیت المقدس میں اسی طرح گھس جائیں جس طرح تمہارے پہلے دشمن گھسے تھے اور جس

Marfat.com

تَتْبِيْرًا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل : ۱)

چیز پر وہ قابو پائیں اس کو توڑ پھوڑ ڈالیں (اب محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد) ممکن ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے اور اگر تم نے پھر ویسا ہی کیا تو ہم بھی ویسا ہی کریں گے اور حق کے منکروں کے لیے ہم نے جہنم کا احاطہ بنا رکھا ہے۔''

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ وہاں بنی اسرائیل سے تعلقات نہ تھے اسی لیے مکی سورتوں میں بنو اسرائیل کو عموماً مخاطب نہیں کیا گیا ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ بنو اسرائیل کو مخاطب کیا جا رہا ہے' کیونکہ اب اسلام کے نئے دور کا آغاز ہونے والا ہے اور آپ کو مدینہ کی طرف' ہجرت کی اجازت ملنے والی ہے جہاں ان سے تعلقات کا آغاز ہوگا اور از سر نو خدا کے سامنے اپنی شرم ساری کے اظہار کا موقع ملے گا اور خدا ان پر اپنی رحمت کا دروازہ کھولے گا لیکن اگر انہوں نے قبول حق سے انکار کیا تو ان کے لیے پھر وہی سزا ہے جو ان کو اس سے پہلے دو دفعہ مل چکی ہے لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے عملاً اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا اور حق کو قبول نہیں کیا' حالانکہ خدا نے ان سے کہا۔

﴿وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ﴾ (بقرہ: ۴۰) ''تم میرا عہد پورا کرو تو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔''

اس لیے خدا نے ان پر رحمت کا دروازہ نہیں کھولا اور ان کو تیسری دفعہ بھی وہی سزا ملی اور وہ مدینہ' اطراف مدینہ باغات وغیرہ سے بے دخل کر دیئے گئے اور بیت المقدس کی تولیت مسلمانوں کے سپرد کی گئی۔

کفار مکہ کے نام آخری اعلان:

آج کفار مکہ کے نام آخری اعلان ہے' ان کا مطالبہ تھا کہ اگر اسلام سچا اور ہمارا مذہب باطل ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر عذاب آئے۔ ان کو یہ سنت الٰہی بتائی گئی کہ قوم پر اس وقت تک عذاب نہیں آتا جب تک اس میں مبلغ الٰہی مبعوث نہیں ہو لیتا اور اس کو بالکل اس کی طرف سے مایوسی نہیں ہو جاتی' اس وقت قوم کا دولت مند اور مغرور طبقہ اس حق کی بیخ کنی کے لیے آگے بڑھتا ہے' بہت سے دوسرے لوگ جن کو ان کی قوت پر بھروسہ ہوتا ہے ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ مومنوں کا طبقہ جو بظاہر کمزور و ضعیف ہوتا ہے اس حق کو قبول کر لیتا ہے۔ ایک دنیا کے نفع عاجل کا طالب ہے اور دوسرا آخرت کے نفع جاوید کو ترجیح دیتا ہے دنیا میں بظاہر دونوں کو برابر زندگی کی نعمتیں ملتی ہیں' مگر ایک دن آتا ہے جب رات اور دن کی روشنی الگ ہو جاتی ہے' دنیا میں کوئی ایک دوسرے کا ذمہ دار نہیں' مصلح اور ہادی اپنا فرض ادا کر دیتے ہیں ایمان و کفر کے وہ ذمہ دار نہیں' اس دنیا میں ہر شخص اپنا آپ ضامن ہے' اسی انکار و کفر کی بدولت قریش مکہ بھی تولیت کعبہ سے معزول کیے جاتے ہیں اور مسلمانوں کو فتح مکہ کی خوش خبری سنائی جاتی ہے۔

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا وَ اَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ

''یہ قرآن وہ راستہ بتاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے اور ان مومنوں کو جو نیک کام کرتے ہیں' یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بڑی مزدوری ہے اور یہ بتاتا ہے کہ وہ لوگ جن کو آخرت پر ایمان نہیں ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار

Marfat.com

عَذَابًا اَلِيمًا. وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهٗ بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا۔ (بنی اسرائیل: ۹۔۲۱)

" کیا ہے انسان کبھی برائی (عذاب) کو بھی اسی طرح چاہتا ہے جس طرح بھلائی کو؛ انسان بڑا ہی عجلت پسند واقع ہوا ہے ہم نے دن اور رات کو دو نشانیاں بنایا' نشان شب کو ہم مٹا دیتے ہیں اور نشان روز کو روشن کر دیتے ہیں کہ اس روشنی میں اپنے خدا کی مہربانی کو ڈھونڈو اور ماہ و سال کا شمار اور حساب جانو' ہم نے ہر چیز کھول کر بیان کر دی اور ہر انسان کے نیک و بد کو اسی کی گردن میں ڈال دیا ہے قیامت کے دن ہم اس کے اعمال نامہ کو نکالیں گے جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا اور اس وقت ہم اس سے کہیں گے کہ لو اپنا اعمال نامہ پڑھو! آج تم ہی اپنا حساب آپ لے لو تو جو ہدایت کو قبول کرتا ہے وہ خود اپنے لیے کرتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے وہ اپنے لیے' کوئی ایک دوسرے کے بوجھ کو نہیں اٹھاتا اور ہم اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ایک پیغمبر نہ بھیج لیں اور جب کسی آبادی کو ہلاک کرنا ہوتا ہے تو ہم وہاں کے دولت مندوں کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس میں فسق و فجور کرتے ہیں۔ (تو اس پر قانون الٰہی کے مطابق) سزا واجب ہو جاتی ہے تو ہم اس آبادی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور یاد کرو نوحؑ کے بعد سے ہم کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں' تیرا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھتا ہے اور دیکھتا ہے جو اس دنیا کا نفع عاجل چاہتے ہیں تو ان میں سے جس کے لیے ہم چاہتے ہیں (اسی دنیا کا نفع) عاجل اس کو دے دیتے ہیں پھر دوزخ کو اس کا ٹھکانہ بناتے ہیں جس میں وہ ہر طرح برا ٹھہر کر راندۂ درگاہ بن کر داخل ہوگا اور جو آخرت کو چاہے گا اور آخرت کے لیے کوشش کرے گا اور وہ مومن ہوگا تو اس کی کوشش خدا کے یہاں مشکور ہوگی' ہم نیک و بد ہر ایک کو تیرے پروردگار کے عطیہ سے دیتے ہیں' تیرے پروردگار کا عطیہ محدود نہیں ہے۔ دیکھ! ہم نے کیوں کر دنیا میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے لیکن سب سے بڑا درجہ اور مرتبہ آخرت کا درجہ اور مرتبہ ہے۔"

Marfat.com

معراج کے احکام ووصایا:

یہود اور قریش دونوں کی معزولی کے بعد بیت المقدس اور خانہ کعبہ دونوں کی تولیت کا منصب عطا کرنے کے لیے شہنشاہ عالم اپنے بندۂ خاص کو اپنے حضور میں طلب کرتا ہے اور اس روحانی حکومت کے شرائط واحکام کا ایک نسخہ عطا کرتا ہے جیسا کہ اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کو عطا ہوا تھا۔

﴿ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۔ وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ کِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْ هُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِکُمْ اِنْ تَکُوْنُوْا صَالِحِیْنَ فَاِنَّهٗ کَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًاوَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَ الْمِسْکِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَ کَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ کَفُوْرًا وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّکَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًا وَلَا تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبْسُطْهَا کُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا اِنَّ رَبَّکَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ اِنَّهٗ کَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِیَّاکُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ کَانَ خِطْاً کَبِیْرًا وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً وَ سَآءَ سَبِیْلًا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ اِنَّهٗ کَانَ مَنْصُوْرًا وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَ

’’خدا کے سوا کسی اور کو خدا نہ بنانا ورنہ تو برا ٹھہرے گا اور بے یار و مددگار رہ جائے گا اور تیرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کو نہ پوجنا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اگر ان میں ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کی بات میں اونھ تک نہ کرنا اور ان کو نہ جھڑکنا ان سے ادب کے ساتھ بات کرنا اور ان کے سامنے نرم دلی سے اطاعت کا بازو جھکا دینا اور ان کے حق میں یہ دعا مانگنا کہ پروردگار میرے والدین پر اسی طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے جب میں چھوٹا تھا مجھ پر رحم کیا تھا تمہارا پروردگار تمہارے دلوں کے راز سے خوب واقف ہے‘ اگر تم نیک ہو تو وہ تو توبہ کرنے والوں پر بخشش کرتا ہے اور قرابت دار کو اس کا حق ادا کر اور غریب و مسافر کا حق بھی دے اور فضول خرچی نہ کیا کر‘ فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے آقا کا بڑا ہی ناشکر گزار ہے‘ اگر اپنے پروردگار کے فضل کے انتظار میں جس کی تجھ کو توقع ہو ان مستحقین میں سے کسی سے تجھ کو منہ موڑنا پڑے تو ان کو نرمی سے سمجھا دے اور اپنا ہاتھ نہ اتنا سکیڑ لے کہ گویا گردن میں بندھا ہے اور نہ اتنا پھیلا ہی دے کہ ہر طرف سے لوگ تجھ کو ملامت کریں اور تو تہی دست ہو جائے‘ تیرا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے کم کر دیتا ہے وہ اپنے بندوں کے حال کا دانا و بینا ہے اور تم افلاس کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو‘ ہم ہیں جو ان کو اور تم کو دونوں کو روزی دیتے ہیں‘ ان کا قتل کرنا

Marfat.com

اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلاً وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلاً وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلاً وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلاً كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل : ۴)

در حقیقت بڑا گناہ ہے اور زنا کے پاس بھی نہ جانا کہ وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے اور جس جان کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے ان کو ناحق قتل نہ کرنا اور جو شخص ظلم سے مارا جائے تو اس کے والی وارث کو قصاص کا حق ہم نے دیا ہے تو چاہیے کہ وہ اس میں زیادتی نہ کرے کیونکہ اسی میں اس کی جیت ہے اور یتیم جب تک اپنی عقل وشعور و جوانی کو نہ پہنچ جائے اس کے مال و جائیداد کے قریب بھی نہ جانا لیکن اس طریقہ سے جاسکتے ہو جو ان کے حق میں بہتر ہو' عہد کو پورا کیا کرو کہ اس کی باز پرس ہوگی اور جب ناپ کرو تو پورا کیا کرو اور تول کرو تو سیدھی ترازو سے تول کر دو' یہ طریقہ اچھا ہے اور اس کا انجام بھی بہتر ہے اور جس بات کا تجھ کو علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ ہو لے' کیونکہ کان' آنکھ' دل سب سے مواخذہ ہوگا اور زمین میں اکڑ اکڑ نہ چل کہ تو اس چال سے نہ زمین کو چیر ڈالے گا اور نہ پہاڑوں کے برابر اونچا ہو جائے گا ان تمام باتوں کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک ناپسندیدہ ہے' یہ تمام احکام دانش مندی کی ان باتوں میں سے ہیں جو خدا نے تجھ پر وحی کی ہیں اور خدا کے ساتھ کوئی اور دوسرا خدا نہ بنائے ورنہ تو ملامتی اور راندۂ درگاہ ہو کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔''

ان احکام کی تفصیل کے بعد آخر میں خدا فرماتا ہے۔

﴿ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ﴾ (بنی اسرائیل : ۴)

''یہ تمام باتیں دانش مندی کی ان باتوں میں سے ہیں جو خدا نے تم پر وحی کی ہیں۔''

معراج کے روحانی احوال کی تشریح کے ضمن میں خدا نے جو یہ فرمایا ہے۔

﴿فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى﴾

''پھر خدا نے اپنے بندہ کی طرف وحی کی جو کچھ کہ وحی کی۔''

اس اجمال اور ابہام کے اندر جس قدر احکام وشرائع کا حصہ تھا۔ شاید وہ یہی ہیں جن کی اس مقام پر تفصیل کی گئی ہے۔

ان آیتوں میں جو احکام مذکور ہوئے وہ تعداد میں بارہ ہیں اور یہی احکام دوازدہ گانہ درحقیقت دنیا کے تمام خیرو

Marfat.com

شر کی بنیاد واساس ہیں، کوئی اخلاق کی تفصیل پر دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے تاہم ان احکام دوازدہ گانہ کے حلقہ سے باہر نہ نکل سکے گا، مختصر اور سادہ عبارت میں یہ احکام حسب ذیل ہیں۔

(۱) شرک نہ کرنا (۲) ماں باپ کی عزت واطاعت کر۔ (۳) حق والوں کا حق ادا کر (۴) اسراف نہ کر اور افراط وتفریط کے بیچ میں اعتدال اور میانہ روی کی راہ چل (۵) اپنی اولاد کو قتل نہ کر (۶) زنا کے قریب نہ جا (۷) ناحق کسی کی جان نہ مارنا (۸) یتیم سے بہتر سلوک کر (۹) اپنا عہد پورا کر کہ تجھ سے اس کی پوچھ ہوگی (۱۰) ناپ تول میں پیمانہ اور ترازو کو بھرپور رکھ (۱۱) نامعلوم بات کی پیروی نہ کر (۱۲) زمین پر مغرور نہ بن۔

یہ انہی احکام عشرہ کا نقش ثانی اور تکملہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور کی معراج میں عطا ہوئے تھے۔ (توراۃ سفر استثناء ۵'۶)

(۱) میرے آگے تیرا کوئی دوسرا خدا نہ ہو (۲) تو خداوند اپنے خدا کا نام بے سبب نہ لے (یعنی جھوٹی قسم نہ کھا) (۳) سبت کے دن کی یاد کر (۴) اپنے باپ اور اپنی ماں کو عزت دے (۵) تو خون مت کر (۶) تو زنا نہ کر (۷) تو چوری نہ کر (۸) (۹) تو اپنے ہمسایہ کی جورو کو مت چاہ (۱۰) تو اپنے ہمسایہ کے کسی مال کا لالچ نہ کر۔

سورہ کے آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو یہ احکام عشرہ ملے تھے ان کی طرف اشارہ آئے گا۔

ہجرت اور عذاب:

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس عالم مادی میں کچھ طبعی وفطری قوانین مقرر کر دیئے ہیں جن میں عموماً تخلف نہیں ہوا کرتا، اسی طرح عالم روحانی میں بھی اس نے کچھ اصول وقوانین بنا دیئے ہیں جن کے خلاف نہیں ہوا کرتا۔ منجملہ ان اصول وقوانین کے ایک یہ ہے کہ جب کسی قوم میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا ہے تو ہر طرح اس کو سمجھایا جاتا ہے، تبلیغ کا ہر فرض اس کے سامنے ادا کیا جاتا ہے، شریر قوم معجزات طلب کرتی ہے، بالآخر اس کے سامنے معجزے پیش کیے جاتے ہیں اور جب اس پر بھی وہ ایمان نہیں لاتی تو پیغمبر کو ہجرت کا حکم ہوتا ہے اور اس کے بعد اس بد بخت قوم پر خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے چنانچہ انبیائے کرام کی سیرتیں اس اصول کی بہترین تشریح ہیں، آج اسی قاعدہ کی تعمیل کا آنحضرت ﷺ کو حکم ہوتا ہے آپ کو معراج کی سب سے بڑی نشانی عطا کی گئی مگر اس کو بھی وہ جھٹلاتے ہیں۔

﴿وَ اِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ وَ اٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًاو اِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ

(''دنیا میں نافرمانوں کی) کوئی آبادی ایسی نہیں ہے جس کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کر ڈالیں، اس پر سخت عذاب نہ نازل کریں، یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے اور ہم کو (فرمائشی) معجزات کے بھیجنے سے سوا اس کے کوئی امر مانع نہیں ہے کہ اگلوں نے بھی ان نشانیوں کی فرمائش کی اور جب ہم نے ان کو بھیجا تو انہوں نے جھٹلا دیا۔ ہم نے ثمود کو ناقہ کی سوجھانے والی نشانی دی تو انہوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم ان نشانیوں کو ڈرانے کے لیے بھیجتے ہیں یاد کرو اے پیغمبر (کہ یہ کفار تیری ایذاء بلکہ قتل کے درپے ہیں لیکن) ہم نے تم سے کہہ دیا کہ تیرا

Marfat.com

بِالنَّاسِ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ وَ نُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل : ۶)

رب لوگوں سے تیری حفاظت کیے ہوئے ہے اور ہم نے (معراج کی جو) رویا تجھ کو دکھائی تو وہ لوگوں کے لیے آزمائش ہے اور اسی طرح اس درخت کا ذکر جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے وہ بھی لوگوں کے لیے آزمائش ہے اور ہم ان کو آئندہ عذاب سے ڈراتے ہیں لیکن اس سے ان کی سرکشی میں اور ترقی ہوتی جاتی ہے۔''

اس لیے حضرت آدمؑ اور شیطان کے قصہ سے اس واقعہ پر استدلال ہے' پھر ارشاد ہوتا ہے۔

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ وَاِذًا لَّا تَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل : ۸)

''ہم نے جو تم پر وحی کے ذریعہ سے نازل کیا ہے قریب تھا کہ لوگ تم کو اس سے آزمائش میں ڈال دیں کہ اس وحی کے علاوہ تم کوئی اور وحی بنا کر ہماری طرف جھوٹ منسوب کر دو اور اس وقت وہ تم کو اپنا دوست بنا لیتے اور اگر ہم تم کو ثابت قدم نہ رکھتے تو کچھ ان کی طرف تم جھک چلے تھے اگر تم ایسا کرتے تو ہم تم کو زندگی اور موت کے دوگونہ عذاب کا مزہ چکھا دیتے اور پھر تم کو میرے مقابلہ میں اپنے لیے کوئی مددگار بھی نہ ملتا اور وہ تم کو اس سرزمین (مکہ) سے قریب ہے کہ دل برداشتہ کریں تاکہ تم کو یہاں سے نکال دیں اگر ایسا ہوا تو پھر وہ تمہارے چلے جانے کے بعد اطمینان سے بہت کم رہ سکیں گے' تم سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے ہیں سب کے ساتھ یہی دستور رہا ہے اور تم ہمارے دستور میں رد و بدل نہ پاؤ گے۔''

اس بیان سے یہ بھی واضح ہوگا کہ معراج ہجرت سے کچھ ہی پہلے کا واقعہ ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ معراج آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے خدا کی وہ نشانی تھی جس کے نہ تسلیم کرنے پر عذاب الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔

نماز پنجگانہ کی فرضیت:

اوپر گزر چکا ہے کہ نماز پنجگانہ اسی معراج میں فرض ہوئی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (بنی اسرائیل:۹)

''آفتاب کے ڈھلنے کے وقت (ظہر' عصر' مغرب) سے لے کر رات کے اندھیرے (عشاء) تک نمازیں پڑھا کرو اور صبح کی نماز میں حضور قلب خوب ہوتا ہے اور رات کے ایک حصہ میں تہجد پڑھ لیا کرو' تمہارے لیے نفل ہے' عجب نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تم کو مقام محمود میں پہنچا دے۔''

Marfat.com

لفظ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ (آفتاب کے ڈھلنے کے وقت) میں ظہر، عصر اور مغرب، نماز کے تین اوقات کی تعیین کی طرف لطیف اشارہ ہے، یہ معلوم ہے کہ دین محمدی ملت ابراہیمی کا نقش ثانی ہے، حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں آفتاب پرستی اور ستارہ پرستی عام تھی اور جس کی رسم کہن دنیا میں آج بھی قائم ہے۔ اس مذہب میں آفتاب کی پرستش کے وہ اوقات تھے جن میں اس کی روشنی کا ظہور یا کمال ہوتا ہے اور اسی لیے طلوع سے لے کر نصف النہار تک اس کی پرستش کی جاتی ہے، اُمت ابراہیمی نے اس کے برخلاف اپنے لیے وہ اوقات متعین کیے جو آفتاب کے زوال کے ہیں۔ یعنی سورج ڈھلنے سے لے کر آفتاب کے غروب تک کہ یہ تمام اوقات اس کے انحطاط نور اور زوال کے ہیں۔ آفتاب کے انحطاط اور زوال کی تین منزلیں ہیں، ایک وہ جب سمت راس (سر) سے وہ ڈھلتا ہے۔ (یہ ظہر کا وقت ہے) اور دوسری منزل وہ ہے جب وہ برابر کی نگاہ سے نیچے اترتا ہے یہ عصر کا وقت ہے اور تیسری منزل وہ ہے جب وہ سمت افق سے نیچے گر جاتا ہے اور یہ مغرب کا وقت ہے، چوتھی نماز کا وقت رات کی تاریکی کا مقرر کیا ہے، جب آفتاب کے بقیہ وجود کی سرخ نشانی جس کو عرف عام میں شفق کہتے ہیں وہ بھی مٹ جاتی ہے اور صبح کی نماز وادبار النجوم یعنی ستاروں کی روشنی کے ماند ہونے کے بعد ہے۔ غرض آیات بالا میں پنجگانہ نماز کی فرضیت نہایت لطیف اور خوبی سے ادا کی گئی ہے (یہ نکتہ مخدومی مولانا حمید الدین صاحب مفسر نظام القرآن کا افادہ ہے)

ہجرت کی دعا:

اس کے بعد ہجرت کے لیے دعا بتائی جاتی۔ (۱) اور اس کے بعد فتح مکہ کی فوراً بشارت بھی سنائی جاتی ہے کہ نماز کے ساتھ فوراً قبلہ کا خیال آتا ہے جہاں اس وقت تین سو ساٹھ بت پوجے جا رہے تھے۔

﴿وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا﴾ (بنی اسرائیل: ۹)

''اے پیغمبر! یہ دعا مانگو کہ خداوندا! مجھے اچھی جگہ پہنچائیو اور (مکہ) سے اچھی طرح نکالیو اور دشمنوں پر اپنی طرف سے فتح و نصرت دیجیو اور اے پیغمبر! اعلان کر دے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، باطل کو مٹ ہی جانا تھا۔''

یہ آخری الفاظ اسلام کے ایک نئے دور کی بشارت اور فتح مکہ کی نوید ہیں۔ اس لیے فتح مکہ کے دن جب خلیلؑ بت شکن کا گھر بتوں سے پاک کیا جا رہا تھا، آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر یہی آیت جاری تھی۔ (۲)

نبوت، قرآن، قیامت، معراج اور معجزات پر اعتراض:

کفار مکہ کو ان مسائل پر جو معاندانہ اعتراضات تھے، اس موقع پر جب پیغمبر کی ہجرت اور ان کے لیے عذاب الٰہی کے نزول کا وقت قریب آ رہا ہے، ان کے جوابات دیئے جا رہے ہیں کہ اب بھی ان کی تشفی ہو جائے تو یہ بلائے

(۱) صحیح بخاری و مستدرک حاکم کتاب الہجرت (صحیح ترمذی تفسیر سورۂ مذکور) و مسند احمد عن ابن عباسؓ۔

(۲) صحیح بخاری باب فتح مکہ و تفسیر آیت مذکور۔

Marfat.com

آسمانی جو پیغمبر کے ہجرت کرتے ہی ان پر نازل ہونا شروع ہو جائے گی وہ رک جائے۔

اِذَا اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ نَاٰبِجَانِبِهٖ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا وَ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا

’’(یہ کفار قریش اپنے مال و دولت پر بھولے ہوئے ہیں) انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اس پر انعام کرتے ہیں تو اُلٹا ہم سے منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے اور جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو آس توڑ بیٹھتا ہے' اے پیغمبر ان سے کہہ دے کہ اپنے اپنے طور پر عمل کیے جاؤ' تمہارا پروردگار ان کو خوب جانتا ہے جو زیادہ سیدھے راستہ پر ہیں وہ تم سے روح امین کی [1] (جو قاصد وحی ہے) حقیقت دریافت کرتے ہیں کہہ دے کہ وہ میرے پروردگار کی ایک بات ہے اور تم کو علم نہیں دیا گیا ہے لیکن بہت تھوڑا اسی وحی کے معجزۂ صداقت کے لیے یہ بات کیا کم ہے کہ باوجود اُمّی ہونے کے وہ لفظ بہ لفظ تم کو یاد ہے اگر ہم چاہیں تو جو کچھ ہم نے تم پر وحی کی وہ سب تمہارے سینہ سے لے جائیں پھر تم کو اس کے لیے ہمارے مقابل کوئی حمایتی بھی نہ ملے لیکن یہ تیرے پروردگار کی رحمت ہے (کہ اس کا لفظ لفظ تم کو محفوظ ہے) بے شک اس کی تم پر بڑی مہربانی ہے (ان شک کرنے والوں سے) کہہ دو کہ اگر تمام جن وانس بھی اکٹھے ہو کر چاہیں کہ اس قرآن کی طرح کا کوئی اور کلام بنا لائیں تو یہ ناممکن ہے اگر چہ وہ ایک دوسرے کی پشتی پر کیوں نہ ہوں' باوجودیکہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے سمجھنے کے لیے سبھی قسم کی مثالیں طرح طرح سے بدل کر بیان کیں' مگر اکثر لوگ انکار کیے بدون نہ رہے اور یہ کفار مکہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت تک تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک تم ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ نہ بہا دو یا کھجوروں سے اور انگوروں کا ایک باغ تمہارے لیے ہو جائے اور تم اس میں نہریں بہا دو یا یہ کہ جیسا تم کہتے ہو کہ ہم ایمان نہ لائیں گے تو ہم پر آسمان ٹوٹ پڑے گا تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے لا گرا دو یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے کھڑا کر دو یا یہ کہ تمہارے رہنے کے لیے ایک سونے کا گھر بن

(۱) یہاں مصنف نے روح سے روح امین یعنی جبریلؑ مراد لیا ہے ورنہ عام تر تفاسیر اور روایات میں اس سے مراد روح حیوانی ہی ہے جس کے متعلق یہود نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تو ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بخاری ص ۶۸۶ ج ۲ کتاب التفسیر۔

Marfat.com

رَسُوْلاً وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَ هُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلاً قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلاً. قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا وَ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ وَ نَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ جَعَلَ لَهُمْ اَجَلاً لَّا رَيْبَ فِيْهِ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا (بنی اسرائیل : ۵)

جائے یا آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہاں تمہارے آسمان پر چڑھنے کو بھی ہم اس وقت تک باور نہیں کریں گے جب تک وہاں سے ہم پر کوئی ایسی ایسی کتاب اتار نہ لاؤ جس کو ہم پڑھیں' کہہ دے اے پیغمبر! سبحان اللہ' میں تو خدا کا ایک قاصد بندہ ہوں' ہدایت آ جانے کے بعد لوگوں کو اس کے قبول سے بجز اس کے کوئی امر مانع نہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بشر کو اپنا قاصد بنایا ہے' کہہ دو کہ اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے تو البتہ ہم آسمان سے کسی فرشتہ کو ہی ان کے پاس قاصد بنا کر بھیجتے' کہہ دو کہ اب دلیلوں اور حجتوں کا وقت گزر گیا' اب میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کے لیے خدا بس ہے' وہ اپنے بندوں کے حال کا دانا اور بینا ہے جس کو وہ راستہ دکھائے وہی راہ راست پر ہے اور جس کو وہ گمراہ کرے تو اس کے سوا ان کا کوئی یار و مددگار نہیں پھر ہم انہیں قیامت کے دن اوندھے منہ اندھے اور بہرے کر کے اٹھائیں گے کہ وہ اس دنیا میں حق کے دیکھنے اور سننے سے اندھے اور بہرے تھے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا' جب وہ بجھنے کو ہو گی تو ہم پھر اس کو بھڑکا دیں گے' یہ ہماری نشانیوں کے انکار کا بدلہ ہو گا اور وہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر کر ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر از سرِ نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے' کیا یہ ممکن ہے؟ کیا وہ نہیں سمجھتے کہ وہ خدا جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا وہ بے شک اس پر قادر ہے کہ وہ ان جیسے آدمی پھر پیدا کر دے اور اس نے ان کے لیے ایک میعاد مقرر کر رکھی ہو' جس میں کوئی شک نہیں لیکن یہ ظالم انکار کیے بدوں نہ رہے اے پیغمبر! یہ کفار مکہ حسد سے تم پر ایمان نہیں لائے کہ تم کو اور تمہارے خاندان کو یہ شرف کیوں عطا ہوا ہے' ان سے کہہ دو کہ اگر میرے پروردگار کی رحمت کا خزانہ تمہارے قبضہ میں ہوتا تو بے شک تم اس کے خرچ ہو جانے کے ڈر سے اس کو روکے رہتے' سچ یہ ہے کہ انسان بڑا ہی تنگ دِل ہے۔''

ان آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے آسمان پر تشریف لے جانے پر بھی یقین نہیں رکھتے ہیں یعنی واقعہ معراج کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اس واقعہ کو ہم اس وقت تک تسلیم نہیں کریں گے جب تک آپ

Marfat.com

ہمارے سامنے آسمان پر نہ چڑھ جائیں اور وہاں سے پورا قرآن مکمل لکھا ہوا لا کر ہمارے ہاتھ میں نہ دے دیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات اور حالات سے استشہاد:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کے واقعات زندگی میں متعدد حیثیتوں سے مماثلت ہے اور خود قرآن مجید نے اس مماثلت کو ظاہر کر دیا ہے۔

﴿ اِنَّآ اَرۡسَلۡنَآ اِلَيۡكُمۡ رَسُوۡلًا شَاهِدًا عَلَيۡكُمۡ كَمَآ اَرۡسَلۡنَآ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا ﴾ (مزمل:۱)

(''لوگو)! ہم نے جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا اسی طرح تمہاری طرف بھی ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے۔''

اسی سبب سے قرآن مجید میں بار بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کو دہرایا گیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دشمنوں کے اندر زندگی بسر کی' یہی حال آنحضرت ﷺ کا تھا' جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے اہل دربار کو ہر طرح سمجھایا مگر وہ ایمان نہ لائے اور بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے ہجرت کرنا پڑی۔ اسی طرح صنادید قریش بھی آپؐ پر ایمان نہ لائے اور بالآخر آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو لے کر مکہ سے ہجرت فرمائی' جس طرح ہجرت سے کچھ پہلے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر خدا کی ہمکلامی نصیب ہوئی اور احکام عشرہ عطا ہوئے' اسی طرح آنحضرت ﷺ کو بھی ہجرت سے تقریباً ایک سال پہلے معراج ہوئی اور احکام دوازدہ گانہ عطا ہوئے' جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہجرت کے بعد فرعونیوں پر بحر احمر کی سطح پر عذاب نازل ہوا اسی طرح آنحضرت ﷺ کو ہجرت کے بعد صنادید قریش پر بدر کے میدان میں عذاب آیا اور جس طرح اس کے بعد فرعون کی شامی مملکت پر بنی اسرائیل قابض ہو گئے' اسی طرح مکہ معظمہ کی حکومت بھی ہجرت کے بعد آپؐ کو عطا کی گئی۔

ان امور کو پیش نظر رکھ کر کفار قریش کو معلوم ہونا چاہیے کہ قانون الٰہی معراج کے بعد ہجرت کا حکم دے گا اور اس کے بعد ان پر عذاب الیم کا نزول ہوگا' چنانچہ سورۂ اسراء کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسٰى تِسۡعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسۡـَٔلۡ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِذۡ جَآءَهُمۡ فَقَالَ لَهٗ فِرۡعَوۡنُ اِنِّىۡ لَاَظُنُّكَ يٰمُوۡسٰى مَسۡحُوۡرًا قَالَ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَاۤ اَنۡزَلَ هٰٓؤُلَاۤءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ بَصَآئِرَ وَاِنِّىۡ لَاَظُنُّكَ يٰفِرۡعَوۡنُ مَثۡبُوۡرًا فَاَرَادَ اَنۡ يَّسۡتَفِزَّهُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ فَاَغۡرَقۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ جَمِيۡعًا وَّقُلۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ لِبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اسۡكُنُوا

''اور ہم نے (کوہ طور پر) موسیٰ کو کھلے احکام دیئے (جس طرح محمدؐ کو معراج میں عطا کیے) تو پوچھ لو بنی اسرائیل سے کہ جب موسیٰ بنی اسرائیل کے پاس آیا تو فرعون نے اس سے کہا کہ اے موسیٰ! میں سمجھتا ہوں کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے (تمہاری عقل کھو دی ہے) موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے فرعون! تجھ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ان حکموں کو آسمان اور زمین کے مالک کے سوا کسی اور نے ان کو دانائی بنا کر نہیں اتارا ہے اور اے فرعون! میں سمجھتا ہوں کہ تم اب ہلاک اور برباد ہو جاؤ گے' فرعون نے چاہا کہ بنی اسرائیل کو ملک سے اکھیڑ دے تو ہم نے اس کو اور اس کے

Marfat.com

الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۲) ساتھیوں کو سب کو غرق کر دیا اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اب تم ملک میں رہو جب قیامت کا وعدہ پورا ہو گا تو سب کو سمیٹ کر ہم اپنے حضور میں لائیں گے۔''

ان آیتوں کے آغاز میں جن نو نشانیوں کے دیئے جانے کا حکم ہے بعض مفسرین نے اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات مراد لیے ہیں۔ مگر بعض احادیث میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے' سامنے سے دو یہودی گزرے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو اس پیغمبر سے کچھ سوال کریں دوسرے نے کہا کہ پیغمبر نہ کہو' سن لے گا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی (یعنی خوش ہو گا) اس کے بعد وہ آپؐ کی خدمت میں آئے اور دریافت کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو نو آیتیں کون سی دی گئیں؟ آپؐ نے فرمایا وہ یہ ہیں' کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ' زنا نہ کرو' کسی بے گناہ کو قتل نہ کرو' چوری نہ کرو' جادو نہ کرو' کسی حاکم کے پاس بے جرم کی چغلی نہ کھاؤ' سود نہ کھاؤ' کسی پاک دامن پر تہمت نہ لگاؤ' اور میدان جہاد سے نہ بھاگو (اس نویں حکم میں راوی کو شک ہے) اور خاص تمہارے لیے اے یہود! یہ دسواں حکم ہے کہ ''سبت کے دن زیادتی نہ کرو۔''(۱) یہ سن کر دونوں یہودیوں نے آپؐ کے دست و پا کو بوسہ دیا۔

یہ حدیث جامع ترمذی' مسند احمد' نسائی' ابن ماجہ' ابن جریر میں ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو دو جگہ نقل کیا ہے' ایک بنی اسرائیل میں اور دوسرے باب ماجاء فی قبلة الید و الرجل. میں اور دونوں جگہ کہا ہے کہ ''حدیث حسن صحیح''

اس حدیث میں جن دس احکام کی تفصیل ہے اور موجودہ ترجمہ توراۃ میں یہ احکام جن الفاظ میں مذکور ہیں ان میں کسی قدر فرق ہے۔ خصوصاً حدیث کا نواں حکم جس کے متعلق شعبہ راوی خود اقرار کرتے ہیں کہ اس کو یہ نویں بات اچھی طرح یاد نہیں' یہ نواں حکم دراصل ماں باپ کی اطاعت اور عزت ہے' باقی احکام وہی ہیں جو توراۃ میں مذکور ہیں' صرف طریقہ ادا اور تعبیر کا فرق ہے' توراۃ کے موجودہ تراجم لفظی تو ہیں نہیں علاوہ ازیں اس حدیث کے ایک راوی عبداللہ بن سلمہ کا حافظہ اچھا نہ تھا ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں اس کی تصریح کی ہے۔ بہر حال اس تشریح سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان احکام عشرہ اور آنحضرت ﷺ کے احکام دوازدگانہ میں ایک وجہ مماثلت ہے' اس لیے ان دونوں کے منکروں کا ایک ہی حال ہو گا۔

معراج کے انعامات:

ان احکامات' بشارت اور نماز پنجگانہ کے علاوہ آنحضرت ﷺ کو دو اور خاص عطیے عنایت ہوئے۔ ایک یہ بشارت کہ اُمت محمدیہ میں سے جو شرک کا مرتکب نہ ہو گا' دامن مغفرت کے سایہ میں اس کو پناہ مل سکے گی۔ دوسرے سورۂ بقرہ کا اختتامی رکوع اسی بارگاہ میں فرمان خاص کے طور پر مرحمت ہوا۔(۲) اس رکوع میں سب سے پہلی مرتبہ ایمان کی تکمیل

(۱) سبت کا حکم خاص یہود کے لیے تھا اس لیے شمار میں اس کو چھوڑ دیا گیا ہے جیسا کہ آئندہ حدیث سے معلوم ہو گا۔

(۲) صحیح مسلم باب الاسراء اس روایت میں یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کے خاتمہ کی آیتیں مرحمت ہوئیں۔ یہ تفصیل نہیں کہ وہ کس قدر آیتیں ہیں لیکن حدیث کی دوسری کتابوں میں جن خواتم سورۂ بقرہ کی فضیلت آئی ہے وہ یہی ہیں۔

Marfat.com

کے اصول اور عفو و مغفرت کے سبق انسانوں کو سکھائے گئے ہیں۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ پہلے عطیہ کی بشارت بھی درحقیقت انہی آیات میں مذکور ہے۔

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَ اعْفُ عَنَّا وَ اغْفِرْلَنَا وَ ارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (بقرہ : ۴۰)

''پیغمبر اس پر ایمان لایا جو اس پر اترا اور تمام مسلمان بھی اس پر ایمان لائے، یہ سب کے سب خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور کہتے ہیں کہ ہم خدا کے پیغمبروں میں یہ تفریق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے خدا کے احکام کو سنا اور ان کی اطاعت کی تو اے ہمارے پروردگار! مجھ پر بخشش فرما اور تیری ہی طرف آخر لوٹ کر جانا ہے، خدا کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا جس نے اچھے کام کیے اور اپنے ہی لیے کیے اور برے کام کیے تو اس کا نقصان بھی وہی اٹھائے گا۔ اے ہمارے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں تو اس کی باز پرس ہم سے نہ کر۔ اے ہمارے پروردگار! ہم پر اس طرح کا بوجھ نہ ڈال جس طرح ہم سے پہلوں پر تو نے ڈالا ہے، اے ہمارے پروردگار اور اتنا بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں ہم سے نہ اٹھوا اور ہمارے قصوروں سے درگزر فرما، ہمارے قصوروں کو معاف کر اور ہم پر رحم فرما، تو ہی ہمارا پروردگار ہے تو ان لوگوں کے مقابلہ میں جو تیرے منکر ہیں ہماری مدد فرما۔''

معراج کا پراسرار منظر:

سورۂ اسراء کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے معراج کے روحانی مناظر کا بیان صرف دو لفظوں میں ختم کر دیا ہے۔

﴿لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ (اسراء) ''ہم نے اپنے بندہ کو یہ سیر اس لیے کرائی کہ ہم اپنی کچھ نشانیاں اس کو دکھائیں۔''

یہ ''نشانیاں'' کیا تھیں؟ کیا ان کی تفصیل کے لیے عاجز و درماندہ انسان کی زبان میں کچھ الفاظ ہیں؟ ہاں ہیں مگر ناتمام، ہماری فہم، ہمارا علم، ہمارا خیال، ہمارا قیاس، غرض جو کچھ ہمارے پاس ہے، اس کا دائرہ ہمارے محسوسات اور ہمارے تعقلات سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور ہمارے ذخیرۂ لغت میں صرف ان ہی کے لیے کچھ الفاظ ہیں۔ اس بنا پر وہ معانی جو نہ عام محسوسات انسانی کی حدود میں داخل ہیں اور نہ تعقل و تصور کے احاطہ کے اندر ہیں وہ الفاظ و کلمات میں کیونکر سما سکتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے کمال قدرت سے ان کو حروف و کلمات کا جامہ پہنا بھی دے تو دماغ انسانی ان کے فہم و تحمل کی قدرت کہاں سے لائے گا؟۔

﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (اسراء) ''اے انسانو! تم کو علم کا بہت تھوڑا سا حصہ عطا کیا گیا ہے۔''

Marfat.com

اسی لیے سورہ والنجم میں جہاں ان اسرار کے چہرہ سے کچھ پردہ ہٹایا گیا ہے ایسی تفصیل ہے جو تمام تر اجمال ہے اور ایسی توضیح ہے جو سرتاپا ابہام ہے' دو دو لفظ کے فقرے ہیں' ضمیریں محذوف ہیں' فاعل کا ذکر ہے تو مفعول کا نہیں' مفعول بیان ہوا ہے تو فاعل نہیں' متعلقات فعل کی تشریح نہیں۔ ضمائر کے مرجعوں کی تعیین نہیں کیوں؟ اس لیے کہ اس مقام کا مقتضا یہی ہے۔

عبادت از سخنداں ہم نہ گنجد

﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْمِرَّةٍ فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى﴾ (النجم: ۱)

"قسم ہے ستارہ کی جب وہ گرے کہ تمہارا رفیق (محمدؐ) نہ تو بھٹکا ہے اور نہ بہکا ہے اور نہ وہ یہ باتیں اپنے دل سے بنا کر کہتا ہے بلکہ وہ تو وہی ہے جو اس کو بتایا جاتا ہے اس کو تو بڑی طاقتوں والا اور بڑی عقل والا تعلیم دیتا ہے وہ آسمان کے اونچے کنارے میں سیدھا ہو کر نمودار ہوا' پھر قریب ہوا اور جھکا تو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا' اس سے بھی کم' پھر اس کے بندہ سے جو باتیں کیں کیں' دل نے جو دیکھا اس نے جھوٹ بیان نہیں کیا اے لوگو کیا وہ جو دیکھتا ہے اس پر تم اس سے نزاع اور مناظرہ کرتے ہو اس لیے یقیناً دوبارہ اس کو اترتے دیکھا' انتہا کے درخت کے پاس جس کے قریب (نیک بندوں کے) رہنے کی بہشت ہے جب بیری کے درخت پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا نہ نظر بہکی نہ اچٹی' اس لیے یقیناً اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔"

حضور ﷺ نے جب معراج کے روحانی مشاہدات و مناظر اور ملکوتی آیات و مظاہر کا قریش سے تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ راہ حق سے دیدہ و دانستہ (غوایت) یا نادانستہ (ضلالت) بھٹک گیا ہے یا اپنے دل سے بنا کر یہ جھوٹی باتیں بیان کرتا ہے۔ یہ انہوں نے کیوں کہا؟ اس لیے کہ روحانی جلووں کے دیکھنے کی ان کے پاس آنکھیں نہ تھیں' صوت سرمدی کے سننے کی ان کے کانوں میں طاقت نہ تھی' اسرار ملکوتی کے سمجھنے کے لیے ان کے سینوں میں دل نہ تھے۔ خدا نے کہا یہ جو کچھ تھا اور جو کچھ معلوم ہوا یہ بڑی طاقت و قدرت اور علم و عقل والی ہستی کی جلوہ انگیزیاں تھیں' وہ کبھی اتنا دور تھا کہ آسمان کے کناروں میں نظر آیا اور کبھی اتنا قریب کہ دو کمانوں کے فاصلہ سے بھی قریب تر تھا۔ کون جھکا؟ کون قریب آیا؟ کون دو کمانوں کے فاصلہ تک آ کر رہ گیا؟ کیا خدا؟ نہیں! کیا جلوۂ خدا؟ شاید! کس نے باتیں کیں؟ معلوم نہیں! کیا باتیں کیں؟ بتائی نہیں! سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟ انسانی فہم و ادراک کی سرحد کے اخیر پر ایک درخت [1] کیا اس کو شئون و صفات الٰہی کی نیرنگی نے ڈھانک لیا؟ [2] کیا انسانی فہم و ادراک کی اخیر سرحد کا درخت

(۱) اکابر تابعین سے یہی روایت طبری نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کی ہے۔

(۲) بخاری شریف میں ہے فغشیها من امر الله ما غشی۔ یعنی جلوۂ الٰہی اس پر چھا گیا۔

Marfat.com

صرف شئون وصفات کی نیرنگی کا مظہر ہے؟ کیا یہاں پہنچ کر کون ومکان اور وجوب وامکان کا عقدۂ مشکل حل ہو گیا؟ کیا دل بھی دیکھتا ہے؟ حضورؐ نے دل کی آنکھوں سے کیا دیکھا؟ دیدۂ چشم سے کیا نظر آیا؟ آپؐ کو اس سفر میں آیات ربانی دکھائی گئیں۔ مگر یہ مشاہدۂ قلب تھا یا معائنۂ چشم؟۔

راز ایں پردہ نہان است و نہاں خواہد بود

☆☆☆☆☆

Marfat.com

شرح صدر یا شق صدر

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ﴾

''کیا اے پیغمبر! ہم نے تیرے سینے کو کھول نہیں دیا''

منجملہ نبوت کے ان خصائص کے جو ایک پیغمبر کو عطا ہوتے ہیں، شق صدر یا شرح صدر بھی ہے چنانچہ یہ رتبہ خاص پیش گاہ الٰہی سے آنحضرت ﷺ کو مرحمت ہوا، شق صدر سے مراد یہ ہے کہ سینہ مبارک کو چاک کر کے اس کو بشری آلودگیوں سے پاک اور ایمان و حکمت کے نور سے منور کیا گیا۔ بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ معراج سے پہلے بھی یہ کیفیت آپؐ پر گذری تھی، ان روایتوں میں بعض جزئیات کی تفصیل اور وقت کی تعیین میں اختلافات ہیں، چنانچہ تمام روایتوں کے جمع کرنے سے پانچ مختلف اوقات میں آپؐ پر اس کیفیت کا گزرنا ظاہر ہوتا ہے، ایک جب آپؐ چار پانچ سال کے تھے اور حضرت حلیمہؓ کے ہاں پرورش پا رہے تھے، دوسرے جب عمر شریف دس برس کی تھی، تیسرے جب آپؐ بیس برس کی عمر کو پہنچے، چوتھے جب حضرت جبریلؑ سب سے پہلی دفعہ وحی لے کر آئے پانچویں معراج کے موقعہ پر۔

یہ مسئلہ کہ شق صدر واقع ہوا تمام صحیح روایتوں سے ثابت ہے اور اس کے متعلق کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، البتہ وقت کی تعیین اور بعض جزئیات کی تفصیل میں روایتیں مختلف ہیں۔ تیسری دفعہ کی روایت میں جس میں بیس برس کی عمر میں اس کیفیت کا گزرنا بیان کیا گیا ہے۔ محدثین [1] بلکہ خود ارباب سیر [2] کے نزدیک قطعاً غیر ثابت ہے۔ باقی چار موقعوں کو حافظ ابن حجر وغیرہ نے جو ہر اختلاف روایت کو ایک نیا واقعہ تسلیم کر کے مختلف روایتوں میں توفیق اور تطبیق کی کوشش کرتے ہیں۔ تسلیم کیا ہے، امام سہیلی روض الانف میں صرف دو موقعوں کی روایت کو صحیح سمجھتے ہیں ایک دفعہ صغرسنی میں اور دوسری دفعہ معراج میں۔ اور اس کی مصلحت یہ بتائی ہے کہ صغرسنی میں اس لیے یہ ہوا کہ بچپن ہی سے حضور ﷺ کے قلب مبارک سے دمائم کے حصہ کو نکال دیا جائے اور معراج کے وقت تو ظاہر ہے کہ اس لیے تا کہ حضور ربانی کے موقع پر حکم صلوٰۃ کا جو طہارت محض ہے تحمل کیا جائے اور ملائکہ الٰہی کی امامت نماز میں فرما سکیں (ص ۱۱۰ مصر) لیکن یہ بات ہر شخص کو کھٹک سکتی ہے کہ سینہ مبارک کا آلودگیوں سے پاک و صاف ہو کر منور ہو جانا ایک ہی دفعہ میں ہوسکتا ہے اور وہ ایک دفعہ پاک و منور ہو کر پھر دوبارہ پاکی و طہارت کا محتاج نہیں ہوسکتا۔ اس بنا پر بعض محدثین جیسے قاضی عیاض وغیرہ اس کو ایک ہی دفعہ کا واقعہ سمجھتے ہیں اور وہ صغرسنی میں جب آپؐ حضرت حلیمہؓ کے یہاں پرورش پا رہے تھے اور معراج کے موقعہ پر شق صدر کے واقعہ کو راویوں کا سہو جانتے ہیں۔ [3] لیکن یہ پوشیدہ نہیں کہ واقعہ شق صدر کی

(۱) فتح الباری ج ا ص ۳۸۹ مصر۔ (۲) زرقانی بر مواہب ج ا ص ۱۸۰۔

(۳) فتح الباری کتاب الصلوٰۃ باب کیف فرضیت الصلوٰۃ فی الاسراء ج ا ص ۳۸۹ و کتاب التوحید ج ۳ ص ۳۰۰ باب ماجاء فی قولہ عزوجل و کَلَّمَ اللّٰہُ موسیٰ تکلیما روض الانف سہیلی ص ۱۱۰ مصر زرقانی بر مواہب ج ا ص ۱۷۹ قاضی عیاض شفا میں=

Marfat.com

روایت جن طریقوں کے ساتھ آئی ہے ان میں سب سے صحیح' سب سے مستند اور معتبر طریقہ وہی ہے جس میں اس کا شب معراج میں ہونا بیان ہوا ہے' اس لیے اس موقع پر راویوں کا سہو قرار دینا اور بچپن میں اس کا ہونا تسلیم کرنا اصول روایت سے صحیح نہیں۔

شق صدر کی ضعیف روایتیں:

اصل یہ ہے کہ شق صدر کے وقت یا اوقات کی تعیین اور اس کا مکرر اور بار بار پیش آنا صرف مختلف روایات کے پیش کر دینے سے نہیں ہو سکتا' جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کیا ہے۔ اور قسطلانی اور زرقانی نے اس کی تقلید کی ہے' بلکہ ضرورت ہے کہ ان روایات کے سلسلہ سند پر بھی بحث اور راویوں کی قوت وضعف پر بھی تنقید کی جائے' دس برس کے سن میں شق صدر والی روایت جس میں یہ تصریح ہے کہ سب سے پہلی دفعہ آپؐ پر نبوت کی علامت طاری ہوئی حسب ذیل ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ آپؐ سے نبوت کا ابتدائی نشان پوچھتے ہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں۔

میں دس برس کا تھا کہ میدان میں دو آدمی میرے سر پر آئے۔ ایک نے کہا یہ وہی ہیں' دوسرے نے کہا' ہاں! پھر دونوں نے پیٹھ کے بل مجھے پچھاڑا اور میرے پیٹ کو پھاڑا' ایک سونے کے طشت میں پانی لاتا رہا اور دوسرا پیٹ کو دھوتا رہا۔ پھر ایک نے کہا سینہ کو چاک کرو۔ تو ناگاہ دیکھتا ہوں کہ سینہ چاک ہے اور کچھ تکلیف نہیں معلوم ہوتی' پھر ایک نے کہا دل کو چاک کرو' تو اس نے دل کو چاک کیا پھر اس نے کہا اس میں سے کینہ اور حسد نکال لو' تو اس میں سے جمے ہوئے خون کی طرح کی کوئی چیز نکالی پھر کہا اس میں مہربانی اور رحمت رکھ دو تو اس نے چاندی کی طرح کی کوئی چیز رکھ دی' پھر اس نے چند گھنڈیاں جو اس کے پاس تھیں نکالیں اور وہ گھنڈیاں میرے سینہ میں لگا دیں' پھر میرے انگوٹھے کو کھونٹ کر مجھ سے کہا جاؤ۔ جب میں لوٹا تو اپنے میں وہ لے کر لوٹا جو لے کر نہیں آیا تھا' یعنی چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کے ساتھ نرمی۔

یہ روایت زوائد مسند احمد' ابن حبان' حاکم' ابن عساکر اور ابو نعیم میں ہے' لیکن ان تمام کتابوں میں مرکزی سلسلہ سند ایک ہی ہے یعنی یہ کہ معاذ بن محمد اپنے باپ محمد بن معاذ اور وہ اپنے باپ معاذ ابن محمد سے اور وہ اپنے دادا ابی ابن کعبؓ سے روایت کرتے ہیں۔ محدث ابن المدینی نے اپنی کتاب العلل میں اس حدیث کے تحت میں لکھا ہے۔

حدیث مدنی و اسنادہ مجھول کلہ و لا نعرف محمدا و لا اباہ ولاجدہ. (تہذیب التہذیب ج ۱ص ۱۹۴)	''یہ مدنی حدیث ہے اس کی سند تمام تر مجہول ہے ہم لوگ نہ محمد کو جانتے ہیں اور نہ اس کے باپ کو اور نہ اس کے دادا کو۔''

حافظ ابو نعیم نے دلائل میں جہاں یہ حدیث نقل کی ہے' صاف لکھ دیا ہے۔

و ھذا الحدیث تفردبه معاذ ابن محمد او	''یہ حدیث صرف معاذ بن محمد نے نقل کی ہے اور وہی اس

= لکھتے ہیں۔ وقد خلط فیہ غیرہ لاسیما من روایۃ شریک بن ابی نمر فقد ذکر فی اولہ مجی الملک لہ وشق صدرہ وغسل بماء زمزم وھذا انما کان وھو صبی قبل الوحی۔ (نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض ج ۲ ص ۱۲۶۵)

Marfat.com

تفرد بذکرالسن الذی شق فیه عن قلبه. عمر کی تعیین کے بیان میں جس میں شق صدر ہوا منفرد ہیں
(صفحہ ا ٔ حیدر آباد) (یعنی اس روایت کی کسی اور نے تائید نہیں کی ہے۔"

بیس برس کے سن کی روایت بھی بعینہ ان ہی لوگوں سے تھوڑے تغیر کے ساتھ ان ہی الفاظ میں زوائد احمد صحیح ابن حبان، حاکم بیہقی، اور مختارہ ضیاء میں ہے (کنز العمال جلد ۶ ص ۹۶) لیکن اس سلسلہ روایت کا حال آپ سن چکے ہیں کہ وہ معتبر نہیں۔

آغاز وحی کے موقع پر شق صدر کی روایتیں، دلائل ابو نعیم، دلائل بیہقی، مسند طیالسی اور مسند حارث میں ہیں۔ یہ روایتیں حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی آغاز وحی والی حدیث بخاری، مسلم اور ابن حنبل وغیرہ تمام مستند کتابوں میں مذکور ہے اور اس باب میں یہی روایت سب سے زیادہ مفصل صحیح اور محفوظ ہے، لیکن ان کتابوں میں اس موقع پر شق صدر کا مطلق ذکر نہیں۔ اس سے اس واقعہ کی بے اعتباری ظاہر ہوتی ہے علاوہ بریں ابو نعیم، بیہقی، طیالسی اور حارث والی اس روایت کی مرکزی سند ابو عمران الجونی بن یزید بن بانبوس عن عائشہؓ ہے۔ یزید بن بانبوس مجہول ہے اور اس سے صرف ابو عمران الجونی ہی نے روایت کی ہے کسی اور نے اس کو نہیں لیا ہے۔ طیالسی میں (صفحہ ۲۱۵ حیدر آباد) اس روایت کی سند یہ ہے کہ حماد بن سلمہ ابو عمران جونی سے اور وہ ایک شخص سے اور (وہ حضرت عائشہؓ سے راوی ہے۔ معلوم نہیں یہ نامعلوم شخص کون ہے؟ اور ابو عمران نے اس کا نام کیوں نہیں لیا ہے۔ ابو نعیم میں (ص ۶۹ حیدر آباد) اس روایت کا جو سلسلہ سند ہے اس میں یہ خالی جگہ یزید بن بانبوس کے نام سے پر کی گئی ہے جس کا حال ابھی اوپر گزر چکا، علاوہ ازیں ابو نعیم کی روایت میں اس کے نیچے داؤد بن المحبر ایک شخص آتا ہے جس کو اکثر مُحدِّثین ضعیف بلکہ دروغ گو تک کہتے ہیں۔ اسی کے ساتھ اس روایت کے اندر بعض ایسی لغو باتیں بھی ہیں جو اس کو صحت کے پایہ سے ساقط کرتی ہیں۔

ایک اور روایت حضرت ابو ذرؓ سے ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہؐ! جب آپؐ کو نبی بنانا چاہا گیا تو آپؐ کو اپنی پیغمبری کا حال کیونکر معلوم ہوا؟ اور آپؐ نے کیونکر یقین کیا کہ آپ پیغمبر ہیں؟ فرمایا اے ابو ذرؓ! میں مکہ کی ترائی میں تھا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے۔ ایک زمین پر آیا اور دوسرا آسمان پر تھا۔ ایک نے دوسرے سے کہا یہی وہ ہیں، پھر کہا ان کو تولو، پہلے ایک سے پھر دس سے، پھر سو سے، پھر ہزار سے مجھ کو تولا، لیکن میرا پلہ بھاری رہا تو کہا کہ یہ تمام اُمت سے بھاری ہیں۔ بعد ازیں میرا شکم چاک کیا (اس کے بعد شق صدر کے مختلف واقعات کا ذکر ہے) کہ ان فرشتوں نے پھر میرے شانے پر مہر کی۔

اس روایت میں گو وقت کی تعیین نہیں، مگر یہ ذکر ہے کہ یہ واقعہ مکہ کی ترائی میں پیش آیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرت حلیمہؓ کے پاس بنو ہوازن میں قیام کے زمانہ سے بہت بعد کا واقعہ ہے، پھر اس میں یہ ہے کہ "جب آپؐ کو نبی بنانا چاہا گیا" اور نبوت کی سب سے پہلی علامت کا سوال ہے اور اُمت کا ذکر ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ آغاز وحی کا واقعہ ہے۔ یہ روایت مسند دارمی (صفحہ ۶) اور دلائل ابو نعیم (صفحہ ۷۱) میں ہے، ان کے مشترک راوی بہ ترتیب ابو داؤد، جعفر بن عبداللہ بن عثمان القریشی، عثمان بن عروہ بن زبیر ہیں۔ جعفر بن عبداللہ کی نسبت محدث عقیلی نے تنقید کی ہے

Marfat.com

کہ اس میں "وہم" تھا یعنی الفاظ کی صحیح یادداشت نہ تھی اور اضطراب تھا یعنی ایک ہی واقعہ اور سند کو کبھی کسی طرح اور کبھی کسی طرح بیان کرتا تھا' پھر اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کی متابعت نہیں کی جاتی' یعنی اس کے ہم شیخ اور ہم درس اس کی تائید نہیں کرتے۔ (۱) پھر بعینہ یہی واقعات شداد بن اوسؓ کی روایت سے ابونعیم' ابویعلی اور ابن عساکر نے عتبہ بن عبد سلمی کی روایت سے دارمی اور ابن اسحاق نے (مرسلاً) بچپن کے شق صدر میں بیان کیا ہے جن سے ان کا باہم تعارض واضح ہے۔

اب رہ گئی وہ روایت جس میں حلیمہ سعدیہ کے ہاں قیام کے زمانہ میں شق صدر کا ذکر ہے۔ یہ روایت سات مختلف سلسلوں سے اور مختلف صحابیوں سے لوگوں نے نقل کی ہے' مگر واقعہ یہ ہے کہ ان میں دو سلسلوں کے علاوہ بقیہ سلسلے صحت اور قوت سے تمام تر خالی ہیں اور ان میں بعض ایسی لغو باتیں شامل ہیں جو اس کو درجہ اعتبار سے گرا دیتی ہیں۔

(۱) اس روایت کا سب سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ جہم بن ابی جہم' عبداللہ بن جعفر سے اور عبداللہ بن جعفر خود حلیمہ سعدیہ سے راوی ہیں' اس طریقہ سے یہ روایت ابن اسحاق اور دلائل ابی نعیم میں ہے۔ جہم بن ابی جہم مجہول ہے اور عبداللہ بن جعفر کی حلیمہ سعدیہ سے ملاقات ثابت نہیں اور ابن اسحاق جہم بن ابی جہم کا شک ظاہر کرتا ہے اس نے کہا کہ عبداللہ بن جعفر نے خود مجھ سے کہا یا ان سے سن کر کسی اور نے مجھ سے کہا۔ ابونعیم میں گو یہ شک مذکور نہیں ہے بلکہ اس میں تصریحاً عبداللہ بن جعفر کا نام لیا گیا ہے۔ مگر اس میں اس کے نیچے کے راوی مجروح ہیں۔

(۲) دوسرا طریقہ واقدی کا ہے' ابن سعد نے اس روایت کو اسی سلسلہ سے ذکر کیا ہے' جلد ا ص ۷۰ مگر علاوہ اس کے کہ واقدی کا اعتبار نہیں اس کی تفصیلی سند تک اس میں مذکور نہیں' اوپر کے راویوں کا نام مطلق نہیں بتایا گیا ہے۔

(۳) ابونعیم نے ایک اور سلسلہ سے اس کو بیان کیا ہے جو یہ ہے' عبدالصمد بن محمد السعدی اپنے باپ سے وہ اپنے باپ سے اور وہ ایک شخص سے جو حلیمہ سعدیہؓ کی بکریاں چرایا کرتا تھا' بیان کرتے ہیں' یہ تمام تر مجہول لوگ ہیں۔

(۴) بیہقی اور ابن عساکر نے ایک اور سند سے حضرت ابن عباسؓ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے لیکن اس سند میں محمد بن زکریا الغلابی جھوٹا اور وضاع ہے' اس کا شمار قصہ گویوں میں ہے۔

(۵) ابن عساکر نے شداد بن اوس صحابی کے واسطہ سے ایک نہایت طویل داستان نقل کی ہے جس میں مذکور ہے کہ قبیلہ بنی عامر کے ایک پیر مرد نے خدمت نبوی میں آ کر آپؐ کے ابتدائی حالات دریافت کیے' آپ نے پورا پورا حال بیان کیا' منجملہ انؐ کے ایک واقعہ اپنے بچپن کے شق صدر کا بیان کیا' لیکن خود ابن عساکر اس روایت کو "غریب" (یعنی ثقات کے بیان سے مختلف) کہتے ہیں' اس کے سوا اس سلسلہ سند کے بیچ میں ایک بے نام ونشان راوی ہے' اس سے اوپر ایک اور قابل اعتراض راوی اس میں ابویحیٰ ہے جو شداد بن اوس صحابی سے اس قصہ کو سننا بیان کرتا ہے۔ امام بخاری نے تاریخ صغیر (ص ۱۴۳ الہ آباد) میں اس کی نسبت لکھا ہے فی حدیثہ نظر۔ اس کی حدیث بحث طلب ہے۔ ابوحاکم کہتے ہیں لیس حدیثہ بالقائم۔ یعنی اس کی حدیث ٹھیک نہیں (تہذیب التہذیب ومیزان)۔

(۱) دیکھو میزان الاعتدال ذہبی اور تہذیب التہذیب ابن حجر۔

Marfat.com

حضرت شداد بن اوسؓ سے مکحول شامی کے واسطہ سے ابویعلیٰ اور ابن عساکر نے بعینہ اسی واقعہ کو ایک اور سلسلہ سے نقل کیا ہے جس میں گو کوئی مجہول راوی بیچ میں نہیں آیا ہے مگر اس میں یہ کمی ہے کہ مکحول اور شداد صحابی کے بیچ میں ایک راوی چھوٹ گیا ہے یا چھوڑ دیا گیا ہے یعنی روایت منقطع ہے۔ کیونکہ مکحول نے حضرت شداد کا زمانہ نہیں پایا ہے' مکحول تدلیس میں بدنام تھے یعنی ان کی عادت یہ تھی کہ بیچ میں اگر کوئی کمزور راوی آ جاتا تو وہ اس کا نام چھپا دیتے تھے یا بیچ میں اس کو حذف کر کے اگلے سے سلسلہ جوڑ دیتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ مکحول اور حضرت شدادؓ کے بیچ میں دراصل وہی ابوالعجفاء تھا' مکحول نے یہ دیکھ کر کہ وہ مجروح ہے اس کو بیچ سے نکال دیا ہے اس لیے یہ سلسلہ بھی نامعتبر ہے۔

(۶) عتبہؓ بن عبدالسلمیؓ ایک کم سن صحابی ہیں۔ ان سے ایک ہی سلسلہ سند کے ذریعہ سے حاکم' دارمی' ابویعلیٰ ابن عساکر اور ابن حنبل نے واقعہ کی یوں روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ ایک دن میں اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے گیا' کھانا ساتھ نہ تھا۔ میں نے اس کو ماں (دایہ) کے پاس کھانا لانے کے لیے بھیجا' وہ گیا تو دیکھا کہ گدھ کی طرح کے دو پرندے آئے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہی ہے' دوسرے نے کہا ہاں! پھر دونوں نے جھپٹ کر مجھے پکڑا اور زمین پر پچھاڑ کر میرا پیٹ چاک کیا اور اس میں سے دو سیاہ جمے ہوئے خون کے قطرے نکالے اور برف اور ٹھنڈے پانی سے دھویا۔ یہ حاکم کے الفاظ ہیں' دارمی وغیرہ میں اس کے بعد اتنا زیادہ ہے کہ دھونے کے بعد ایک نے کہا کہ سکینت یعنی تسکین قلبی لاؤ' اس کو لا کر میرے سینہ میں چھڑک دیا! پھر دونوں چھوڑ کر مجھے چلے گئے میں ڈرا اور اپنی ماں کے پاس گیا اور حال کہا۔ وہ ڈری کہ بچہ کی عقل ٹھیک نہیں رہی۔ اس نے کہا میں تم کو خدا کی پناہ میں دیتی ہوں اور پھر وہ مجھے اونٹ پر بٹھا کر میری والدہ کے پاس لائی' والدہ نے کہا تم نے یہ امانت پوری طرح ادا کی۔ دایہ نے میرا حال اور اپنا خوف بیان کیا لیکن والدہ نے واقعہ سن کر کوئی خوف یا تعجب نہیں کیا' فرمایا جب یہ بچہ پیدا ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک نور میرے بدن سے نکلا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے' حاکم نے اس حدیث کو مسلم کی شرط کے مطابق کہا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلہ روایت کا پہلا مشترک راوی بقیہ بن ولید ہے۔ جس کو گو بذات خود بعضوں نے ثقہ کہا ہے تاہم اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ سخت بے احتیاط تھا۔ ابن مبارک کہتے ہیں وہ راست گو ہے' مگر وہ آگے پیچھے کے ہر شخص سے روایت لے لیا کرتا تھا ابن عیینہ کہتے ہیں بقیہ سے احکام کی روایتیں نہ لیا کرو' ثواب (فضائل) کی روایتیں خیر لے لیا کرو۔ امام ابن حنبل اور امام یحییٰ کا قول ہے کہ اگر وہ مشہور لوگوں سے روایت کرے تو خیر ورنہ مت لیا کرو۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ اس کی حدیث لکھی جائے مگر وہ دلیل میں نہ پیش کیا جائے۔ امام نسائی فرماتے ہیں جب وہ اخبرنا اور حدثنا کہے تو خیر اور جب عن عن بیان کرے تو نہ لو (یاد رہے کہ یہ روایت مذکورہ بہ طریق عن عن ہی ہے) ابن عدی کا قول ہے کہ اس کی بعض روایتیں ثقہ اور معتبر راویوں کے خلاف ہیں۔ امام احمد بن حنبل ایک شخص سے فرماتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ بقیہ مجہول الحال لوگوں سے سن کر حدیثیں نقل کرتا ہے۔ لیکن دیکھا تو وہ مشہور لوگوں سے بھی اسی قسم کی حدیثیں بیان کرتا ہے۔ تم نے جانا کہ وہ کہاں سے یہ روایتیں لاتا ہے؟ مخاطب نے جواب دیا۔ ہاں! تدلیس کے ذریعہ سے (یعنی بیچ کے کمزور راوی کو حذف کر کے آگے کے معتبر راوی سے سلسلہ جوڑ دیا کرتا تھا) ابو

Marfat.com

عبداللہ حاکم کہتے ہیں کہ اوزاعی وغیرہ مشہور لوگوں سے وہ اپنی روایتیں کرتا ہے جو موضوعات کے مشابہ ہیں اور اس کی صورت یہ کرتا ہے کہ بیچ کے ضعیف راوی کو حذف کر دیتا ہے۔ خطیب کہتے ہیں کہ اس کی اکثر روایتیں منکر ہیں' گو وہ بذات خود راست گو تھا۔ ابن القطان کا قول ہے کہ وہ ضعیف راویوں سے تدلیس کر کے بیان کرتا ہے اور اس کو وہ جائز سمجھتا ہے۔ یہ الزام اگر اس پر سچ ہے تو اس کے معتبر ہونے میں خلل انداز ہے۔

حماد بن سلمہ کی روایت میں ان کا وہم:

بچپن میں شق صدر کا سب سے صحیح اور محفوظ سلسلہ سند وہ ہے جو حماد بن سلمہ ثابت بنانی سے اور ثابت' انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ روایت صحیح مسلم' مسند احمد' ابن سعد اور دلائل ابونعیم میں ایک ہی سلسلہ سند سے مذکور ہے۔ یعنی حضرت انسؓ سے ثابت البنانی اور ان سے حماد بن سلمہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حضرت جبریلؑ آئے اور آپؐ کو پکڑ کر زمین پر لٹایا اور قلب مبارک کو چاک کیا اور اس کو نکال کر اس میں سے ذرا سا جما ہوا خون نکالا اور کہا کہ یہ شیطان کا اتنا حصہ تم میں تھا پھر اس کو سونے کے طشت میں آب زم زم سے دھویا' پھر شگاف کو جوڑ دیا' پھر اس کو اپنی جگہ پر رکھ دیا' لڑکے دوڑے ہوئے آپؐ کی ماں (دایہ حلیمہ) کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ محمدؐ مار ڈالے گئے' لوگ آپؐ کے پاس پہنچے' دیکھا تو چہرہ کا رنگ متغیر ہے انسؓ کہتے ہیں کہ سینہ مبارک میں زخم کے نشان یعنی ٹانکے مجھ کو نظر آتے تھے' مسند ابن حنبل میں یہی حدیث اسی سلسلہ سند سے حضرت انسؓ سے مروی ہے اور اس میں آخر میں واحد متکلم کے بجائے جمع متکلم ہے یعنی یہ کہ مجھ کو نظر آتے تھے کی جگہ پر یہ ہے کہ ہم کو زخم کے ٹانکے نظر آتے تھے۔

اس سلسلہ سند کے صحیح اور محفوظ ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحاح میں معراج اور شق صدر کی جس قدر روایتیں حضرت انسؓ سے مروی ہیں' ان کے دوسرے راوی تابعین میں حضرت انسؓ کے شاگردوں میں سے قتادہ' زہری' شریک اور ثابت بنانی چار شخص ہیں' ثابت بنانی سے دو آدمی ان واقعات کو نقل کرتے ہیں سلیمان بن خیرہ اور حماد بن سلمہ' حماد کے علاوہ اور جو طرق اوپر مذکور ہوئے ان سب میں معراج کے واقعات کے آغاز میں شق صدر کا ذکر ہے۔ لیکن حماد نے اپنی روایت میں یوں کیا ہے کہ معراج کے سلسلہ میں وہ شق صدر کے ذکر کو ترک کر دیتے ہیں اور شق صدر کے واقعہ کو الگ اور مستقل بچپن کے زمانہ کی تخصیص کے ساتھ بیان کرتے ہیں حالانکہ نہ صرف حضرت انسؓ کے شاگردوں میں سے کوئی بلکہ حماد کے دوسرے ہم درس طلباء میں سے بھی کوئی ان کی تائید نہیں کرتا' غالباً یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے معراج کی حدیث حماد کے واسطہ سے نقل نہیں کی ہے۔ حماد کی نسبت اسماء الرجال کی کتابوں میں لکھا ہے کہ آخر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ اسی سبب سے امام بخاری نے ان کی روایتیں نہیں لی ہیں۔ امام مسلم اپنی سمجھ کے مطابق کوشش کر کے خرابی حافظہ سے پہلے کی جو ان کی روایتیں ہیں ان کو چن کر اپنی کتاب میں لائے ہیں۔ میرا میلان تحقیق یہ ہے کہ حماد کی یہ روایت اسی خرابی حافظہ کے زمانہ کی ہے کہ انہوں نے تمام معتبر راویوں کے خلاف شق صدر اور معراج کے مشترک واقعہ کو دو کر دیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ امام مسلم بھی اپنی ترتیب بیان کے اشارات سے ایسا ہی کچھ بتانا چاہتے ہیں کہ معراج اور شق

Marfat.com

صدر کو دو الگ الگ زمانوں کے واقعات قرار دینے میں حماد سے غلطی ہوئی ہے' چنانچہ واقعات معراج کے ذکر میں امام مسلم یہ کرتے کہ پہلے حضرت انسؓ سے ثابتؒ کے شاگرد حماد کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں جس میں معراج کے شق صدر کا ذکر نہیں۔ پھر حماد کے ساتھی اور ثابت کے شاگرد سلیمان بن مغیرہ کی روایت ہے جس میں شق صدر کے ساتھ معراج کا ذکر ہے اس کے بعد حماد کی وہ روایت ہے' جس میں تنہا بچپن کے شق صدر کا تذکرہ ہے۔ بعد ازیں حضرت انسؓ کے دوسرے شاگردوں کی روایتیں ہیں جس میں شق صدر اور معراج کا ایک ساتھ واقع ہونا مذکور ہے۔

حماد کی اس روایت میں بعض ایسے معنوی وجوہ بھی ہیں جن کی تائید کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں ہوتی مثلاً یہ کہ شق صدر کی یہ کیفیت کسی عمر میں بھی گزری ہو' مگر بہر حال اس کا تعلق روحانی عالم سے تھا۔ گزشتہ تمام مستند اور مجروح روایتوں میں حسد' بغض' حصہ شیطانی' سکینت' تسلی' رحمت' شفقت' ایمان اور حکمت وغیرہ جن امور کا سینہ مبارک سے نکالنا یا اس میں رکھنا بیان ہوا ہے' ان میں سے کسی چیز کا تعلق جسمانیات سے نہیں' بایں ہمہ حماد حضرت انسؓ سے روایت کر کے کہتے ہیں کہ آپؐ کے سینہ پر زخم کے ٹانکے کے نشان مجھ کو (جیسا کہ مسلم میں ہے) یا ہم کو (جیسا کہ مسند احمد میں ہے) نظر آتے تھے۔ اگر یہ جسمانی واقعہ بھی تھا تو حضرت انسؓ کی دیگر مروی روایات میں سے جو حماد کے علاوہ دوسرے راویوں نے نقل کی ہیں' یہ مذکور نہیں علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کی شکل شمائل کا ایک ایک حرف جسم اطہر کے ایک ایک خط و خال کی کیفیت صحابہؓ نے بیان کی ہے' مگر کسی نے سینہ مبارک کے ان نمایاں ٹانکوں کا نام تک نہیں لیا' ایسی حالت میں واقعہ کی یہ صورت کیونکر تسلیم ہو سکتی ہے۔

دو دفعہ شق صدر ہو تو اس کی تاویل:

اس تشریح اور تفصیل کے بعد بھی اگر کسی کو حماد کی اس روایت کے قبول کرنے پر اصرار ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس روایت کے مطابق بچپن میں جب عقل و ہوش کا آغاز ہوا تو سینہ مبارک سے حصہ شیطانی جو ہر انسان کے اندر ہے اس کو نکالا گیا کہ صحیح مسلم کی اس روایت میں اسی قدر ہے' ابھی علم و حکمت کی کوئی چیز رکھی نہیں گئی' مگر معراج کی رات جب اس عقل و ہوش کی تکمیل ہوئی تو وہ دھو کر علم و حکمت سے معمور کیا گیا' جیسا کہ تمام روایتوں میں ہے۔

شق صدر کی صحیح کیفیت:

شق صدر کی صحیح کیفیت حالت معراج کے سلسلہ میں صحیح بخاری' صحیح مسلم اور نسائی وغیرہ میں متعدد روایتوں اور طریقوں سے مذکور ہے کہ ایک شب آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ میں آرام فرما رہے تھے' آنکھیں سوتی تھیں مگر دل بیدار تھا کہ ناگاہ حضرت جبریل چند فرشتوں کے ساتھ نظر آئے' آپؐ کو اٹھا کر وہ چاہ زم زم کے پاس لے گئے یا آب زم زم لے کر کوئی آپؐ کے پاس آیا سینہ مبارک کو چاک کیا' پھر آب زم زم سے دھویا۔ اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا لایا گیا۔ پھر اس طشت کے سرمایہ کو سینہ مبارک میں بھر کر شگاف کو برابر کر دیا گیا' اس کے بعد فرشتے آپؐ کو آسمان کی طرف لے چلے۔ (1)

(1) صحیح بخاری و مسلم و نسائی ابواب معراج یا فرض الصلوٰۃ و مسند احمد روایات انس وغیرہ۔

Marfat.com

شق صدر کی حقیقت:

علمائے ظاہر بین اس واقعہ کے ظاہر الفاظ کے جو عام اور سیدھے سادے معنی سمجھتے ہیں کہ واقعی سینہ چاک کیا گیا اور قلب اقدس کو اسی آب زم زم سے دھو کر ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا اس کو ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے۔ لیکن صوفیائے حقیقت بین اور عرفائے رمز شناس ان الفاظ کے کچھ اور ہی معنی سمجھتے ہیں اور ان تمام غیر محتمل الالفاظ معنی کو تمثیل کے رنگ میں دیکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ عالم برزخ کے حقائق ہیں جہاں روحانی کیفیات جسمانی اشکال میں اسی طرح نظر آتے ہیں جس طرح حالت خواب میں تمثیلی واقعات جسمانی رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں اور جہاں معنی اجسام کی صورت میں متمثل ہوتے ہیں۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

اما شق الصدر و ملؤه ایمانا فحقیقته غلبة انوار الملکیة و انطفاء لهب الطبیعة و خضوعها لما یفیض علیها من حظیرة القدس.

''لیکن سینہ کا چاک کرنا اور اس کو ایمان سے بھرنا اس کی حقیقت انوار ملکیہ کا روح پر غالب ہو جانا اور طبیعت بشری کے شعلہ کا بجھ جانا اور عالم بالا سے جو فیضان ہو تو اس کے قبول کے لیے طبیعت کا آمادہ ہو جانا ہے۔''(۱)

ان کے نزدیک معراج بھی اسی عالم کی چیز تھی' اس لیے شق صدر بھی اسی دنیا کا واقعہ ہوگا۔

ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شرح صدر ہے جیسا کہ صحیح مسلم باب الاسراء میں حضرت مالکؓ بن صعصعہ کی روایت میں مذکور ہے فشرح صدری الی کذا وکذا۔ (میرا سینہ یہاں سے یہاں تک کھولا گیا) اور قرآن مجید کی اسی سورہ میں جیسا کہ ترمذی میں ہے' اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ وَ وَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ﴾ (انشراح) ''کیا ہم نے تیرے لیے سینہ کو کھول نہیں دیا اور تجھ سے تیرے اس بوجھ کو ہٹا نہیں دیا جس نے تیری پیٹھ کو توڑ دیا تھا۔''

شرح کے لغوی معنی عربی میں ''چیرنے پھاڑنے'' کے ہیں۔ اسی سے طب کی اصطلاح ''علم تشریح'' اور ''تشریح اجسام'' نکلی ہے۔ چونکہ چیرنے اور پھاڑنے سے اندر کی چیز کھل کر نمایاں ہو جاتی ہے' اس لیے اس سے ''تشریح امر'' اور ''تشریح کلام'' شرح بیان اور ''شرح کتاب'' وغیرہ مجازی معنی پیدا ہوئے ہیں' اسی سے ایک اور محاورہ ''شرح صدر'' کا پیدا ہوا ہے جس کے معنی ''سینہ کھول دینے'' کے ہیں اور کلام عرب میں اس سے مقصود بات کا سمجھا دینا اور اس کی حقیقت کا واضح کر دینا ہوتا ہے' قرآن مجید اور احادیث میں یہ محاورہ بکثرت استعمال ہوا ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے پاس جانے کی ہدایت ہوئی تو آپ نے دعا مانگی۔ ﴿رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَ یَسِّرْلِیْٓ اَمْرِیْ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ﴾ (اے پروردگار! میرے سینہ کو کھول دے اور میرے کام کو آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھیں۔

(۱) حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۲۰۶۔

Marfat.com

انبیاء علیہم السلام کا علم اور فہم انسانی تعلیم و تعلم اور مادی حکمت و دانائی سے پاک و مبرا ہوتا ہے اور وہ اپنے اخذ نتائج اور اثبات دعویٰ کے لیے گزشتہ تجربات اور منطق کے استقراء و تمثیل اور ترتیب مقدمات کے ممنون نہیں ہوتے بلکہ وہ جو کچھ جانتے ہیں اور جو کچھ سمجھتے ہیں اس کا ماخذ تعلیم الٰہی القائے ربانی اور فہم ملکوتی ہوتا ہے اسی کا نام علم لَدُنّی ہے۔ ''لدن'' کے معنی عربی زبان میں ''پاس اور نزدیک'' کے ہیں۔ چونکہ یہ علم ان کو کسب و تحصیل کے بغیر خدا کے پاس سے اور اس کے نزدیک سے عطا ہوتا ہے اس لیے عرف عام میں علم لدنی کہلاتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

﴿وَ عَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا﴾ (کہف) ''ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا۔''

آنحضرت ﷺ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ کَذٰلِکَ نَقُصُّ عَلَیۡکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ مَا قَدۡ سَبَقَ وَقَدۡ اٰتَیۡنٰکَ مِنۡ لَّدُنَّا ذِکۡرًا﴾ (طٰہٰ:۵) ''اسی طرح ہم تجھ سے گزشتہ زمانہ کی باتیں بیان کرتے ہیں اور ہم نے اپنی طرف سے تجھ کو علم (ذکر) بخشا ہے۔''

حضرت یوسفؑ کے قصہ کے آغاز میں آنحضرت ﷺ کو خطاب ہوتا ہے۔

﴿ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡکَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ وَاِنۡ کُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِیۡنَ﴾ (یوسف:۱) ''ہم تجھ کو قرآن کی وحی بھیج کر ایک بہترین قصہ سناتے ہیں جس سے تو قطعاً اس سے پہلے بے خبر تھا۔''

سورۂ شوریٰ میں ہے۔

﴿ وَ کَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا مَا کُنۡتَ تَدۡرِیۡ مَا الۡکِتٰبُ وَلَا الۡاِیۡمَانُ وَلٰکِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِیۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا﴾ (شوریٰ:۵) ''اور اسی طرح ہم نے اے محمد! (تیری طرف اپنے حکم سے ایک روح کو وحی کیا تو تو پہلے یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان سے واقف تھا لیکن ہم نے اس کو روشنی بنایا ہے جس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہم راستہ دکھا دیتے ہیں۔''

دوسرے پیغمبروں کی نسبت بھی یہی ارشاد ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ سے کہتے ہیں۔

﴿ یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ قَدۡ جَآءَنِیۡ مِنَ الۡعِلۡمِ مَا لَمۡ یَاۡتِکَ﴾ (مریم:۳) ''اے میرے باپ! میرے پاس علم کا وہ حصہ آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔''

حضرت داوٗدؑ و سلیمانؑ کے متعلق ہے۔

﴿وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیۡمٰنَ عِلۡمًا﴾ (نمل:۲) ''اور ہم نے داوٗد و سلیمان کو علم بخشا۔''

حضرت یوسفؑ کی نسبت ارشاد ہے۔

﴿ اٰتَیۡنٰهُ حُکۡمًا وَّ عِلۡمًا﴾ (یوسف:۳) ہم نے یوسف کو حکم اور علم عطا کیا۔

حضرت یوسفؑ کہتے ہیں۔

Marfat.com

﴿ذٰلِکُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیۡ رَبِّیۡ﴾ (یوسف:۴) ''یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہیں۔''

حضرت لوطؑ کے متعلق ہے۔

﴿وَ لُوۡطًا اٰتَیۡنٰهُ حُکۡمًا وَّ عِلۡمًا﴾ (انبیاء:۵) ''اور لوطؑ کو ہم نے حکم اور علم عطا کیا۔''

حضرت سلیمان اور چند دیگر انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے بعد ہے۔

﴿فَفَهَّمۡنٰهَا سُلَیۡمٰنَ ۚ وَ کُلًّا اٰتَیۡنَا حُکۡمًا وَّ عِلۡمًا﴾ (انبیاء) ''ہم نے یہ بات سلیمان کو سمجھا دی اور ہم نے ان سب کو حکم اور علم عطا کیا۔''

الغرض انبیاء علیہم السلام کا یہ علم محض تعلیم الٰہی اور القائے ربانی کا نتیجہ ہوتا ہے اور غور و فکر' تجربہ و امتحان تحصیل و اکتساب اور جمع معلومات اور ترتیب مقدمات کے بغیر ان کے علم کی باتیں ان کے سامنے آئینہ ہو کر آ جاتی ہیں۔ صرف وہم و تمثیل کے لیے یہ سمجھنا چاہیے کہ کبھی کبھی شعراء مصنفین' موجدین اور دیگر عقلاء کے ذہن میں بے غور و تامل ایک بات اس طرح خطور کر جاتی ہے کہ گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ سینہ یا دماغ کا دروازہ یک بیک کھل گیا اور ایک چیز اندر داخل ہو گئی لیکن یہ شرح صدر کی نہایت معمولی مثال ہے۔ اس منصب خاص کے سینکڑوں مدارج ہیں جو انبیاء کو اور دیگر مومنین کو اپنے اپنے رتبہ کے مطابق عطا ہوتے ہیں۔

یعنی بلا حجت و برہان اسلام کی صداقت اس کے سامنے آئینہ ہو جاتی ہے' بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو ان کی خلافت کے زمانہ میں مشورہ دیا اور بہ اصرار کہا کہ قرآن مجید کو اوراق و مصاحف میں لکھوا دیجیے' لیکن حضرت ابو بکرؓ نے مخالفت کی کہ جو کام آنحضرت ﷺ نے خود اپنی زندگی میں نہیں کیا وہ ہم لوگ کیونکر کر سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو اس پر اصرار اور حضرت ابو بکرؓ کو انکار رہا' مگر چند ہی روز میں یک بیک ان کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ اس موقع پر انہوں نے فرمایا۔

﴿حتی شرح اللّٰہ صدری لذلک﴾ (بخاری تالیف القرآن) ''یہاں تک کہ خدا نے اس کام کے لیے میرے سینہ کو کھول دیا۔''

مفسر ابن جریر طبری نے متعدد صاحبوں سے روایت کی ہے کہ صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ! شرح صدر کیونکر ہوتا ہے؟ فرمایا۔ قلب میں ایک نور داخل ہوتا ہے جس سے سینہ کھل جاتا ہے۔ پھر سوال کیا کہ یا رسول اللہؐ! اس کی نشانی کیا ہے؟ ارشاد ہوا۔ حیات جاوید کے گھر کا اشتیاق' اور اس فریب کدۂ عالم سے دل برداشتگی اور موت سے پہلے موت کی تیاری۔ (۱) یہ تو حقیقت ہے اور اس حقیقت کی جسمانی تمثیل سینہ چاک کیا جانا اور اس میں نور و حکمت کا بھرا جانا ہے۔

شرح صدر کے لیے مناسب موقع اور مصلحت:

جن آیتوں میں دیگر انبیاء علیہم السلام کو عطیہ علم کے دیئے جانے کا ذکر ہے ان میں اکثر علم کے ساتھ حکم کا لفظ

(۱) تفسیر ابن جریر طبری' جلد ۸ صفحہ ۱۹ مطبوعہ مصر (حاکم فی المستدرک ج ۴ صفحہ ۳۱۱ بسند قیہ عدی بن الفضل)

Marfat.com

بھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاوہ خالص شرعی ضرورتوں کے نظم و حکومت اور فیصلہ احکام کے لیے بے غور و فکر کے بدیہی صحیح اور حاضر علم کی ضرورت ہے' چونکہ معراج ہجرت کا اعلان اور اسلام کے مستقبل کا عنوان تھا' جس کے بعد آنحضرت ﷺ کو حکم کی طاقت عطا کی جانے والی تھی' اس لیے شرح صدر کے عطیہ کے لیے یہی مناسب موقع تھا۔ علاوہ ازیں معراج کے حقائق و مناظر جو نفوس نبویہ کے ادراکات کی آخری سرحد ہیں ان کے احاطہ کے لیے بھی شرح صدر کی ضرورت تھی۔

آیات و دلائل نبوی قرآن مجید میں

یہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید میں انبیائے سابقین کے معجزے جس تفصیل اور تکرار کے ساتھ بیان ہوئے ہیں' آنحضرت ﷺ کے معجزے اس تفصیل اور تکرار کے ساتھ اس میں مذکور نہیں۔ اس سے ایک طرف تو مخالفین اسلام نے یہ نتیجہ نکالنا چاہا ہے کہ نعوذ باللہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی ذات پاک اس عطیہ الٰہی سے محروم تھی' دوسری طرف اسلام کے عقل پرست فرقہ کو اس سے یہ دھوکہ ہوا ہے کہ اسلام نے خوارق عادت کے ظہور سے انکار کیا ہے۔ کیونکہ جب اس کے نزدیک خاتم الانبیاء ﷺ کی زندگی ان سے خالی تھی تو گزشتہ انبیاء کے سوانح میں جو اعجاز نظر آتا ہے وہ بھی سمجھنے والوں کے لیے وہم کا قصور ہے۔

قرآن مجید میں آپ ؐ کے تمام معجزات کا تفصیلی ذکر کیوں نہیں ہے:

لیکن واقعہ یہ ہے کہ دیگر انبیائے کرام اور آنحضرت ﷺ کے معجزات اور آیات و دلائل میں جو یہ اختلاف منظر نمایاں ہے اس کے متعدد وجوہات اور اسباب ہیں جن پر ان کوتاہ بینوں کی نظر نہیں پڑی' اس لیے وہ مختلف قسم کے شکوک و شبہات میں گرفتار ہو گئے۔

(۱) اس اختلافِ منظر کی پہلی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص جس نے قرآن مجید کا پورے غور سے مطالعہ کیا ہے یا گزشتہ صفحات میں قرآن مجید کے نقطہ نظر سے معجزہ کی جو حقیقت واضح کی گئی ہے اس کو سمجھا ہے' وہ تسلیم کرے گا کہ اسلام نے نبوت کی تصدیق کے باب میں ظاہری اور مادی معجزات کو وہ اہمیت نہیں دی ہے جو خصوصیت کے ساتھ عیسائی مذہب اور اس کے مقدس صحیفہ میں نظر آتی ہے بلکہ وہ انسانوں کو زیادہ تر غور و فکر' فہم و تدبر سوچ اور سمجھ کی دعوت دیتا ہے اور نبوت کی اندرونی خصوصیات اور روحانی دلائل کو ایمان و تصدیق کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ اس بناء پر اس کے لیے اپنے پیش کرنے والے کی سچائی کے ثبوت میں اس کے خوارق اور معجزات کو تفصیل اور تکرار کے ساتھ ہر جگہ پھیلانا اور دہرانا اس کے اصول کے خلاف تھا۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اسلام ان گمراہیوں سے پاک رہا جن کی تاریکیوں کے پردہ میں عیسوی مذہب کا نور چھپ کر رہ گیا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کو جو نشانیاں ملی تھیں وہ چند محدود گنی ہوئی اور متعین شکل میں تھیں' اس لیے قرآن مجید کو جب کبھی ان پیغمبروں کی نشانیوں کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے تو خواہ مخواہ ان کے ان ہی چند حیرت انگیز واقعات کو بار بار دہرانا پڑتا ہے اور اس تفصیل اور تکرار سے کوتاہ بینوں کی نگاہوں میں ان پیغمبروں کی یہ

Marfat.com

نشانیاں اجاگر ہو کر نظر آتی ہیں۔ اس کے برخلاف آنحضرت ﷺ کو جو نشانیاں عطا ہوئیں وہ اس قدر متنوع مختلف اور غیر محدود تھیں کہ ان کے تذکرے کے وقت ایک ہی نشانی کو بار بار پھیلانے اور دہرانے کی حاجت نہ تھی' اس لیے یہ دلائل محمدی قرآن مجید کے سینکڑوں صفحات کے مختلف گوشوں میں اس طرح بکھرے ہوئے ہیں کہ دوسرے انبیاء کے معجزوں کی طرح وہ اجاگر اور نمایاں ہو کر کم سوادوں کو نظر نہیں آتے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ گزشتہ مباحث میں یہ پوری تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر قسم کے معجزات' خوارق اور نشانیاں پیغمبر کی قوت اور اختیار سے نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور اس کے ارادہ ومشیت سے ظہور پذیر ہوتی ہیں' اس بناء پر آنحضرت ﷺ کے آیات و دلائل بھی ذات محمدی ﷺ کی طرف منسوب ہو کر نہیں بلکہ قدرت الٰہی کی طرف منسوب ہو کر بیان ہوئے ہیں۔ اس لیے عام لوگوں کا خیال ان کو دلائل محمدی سمجھنے کی طرف مائل نہیں ہوتا۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے پاس ایک ہی مستند چیز یعنی ان کا صحیفہ ہے۔ جس میں ان کے ربانی احکام' ان کے پیغمبروں کے اقوال' حالات' سوانح' معجزات سب کچھ ملے جلے ہیں' لیکن اسلام کے قبضہ میں دو چیزیں ہیں' ایک صحیفہ الٰہی جس میں صرف خدائی احکام ومطالب ہیں' دوسرے حدیث وسنت جس میں پیغمبر کے حالات' اقوال اور معجزات وغیرہ الگ اور مستقل حیثیت سے مذکور ہیں اور وہ بجائے خود روایتی استناد کے لحاظ سے دوسرے مذاہب کے صحیفوں سے کہیں بلند تر ہے اس لیے خدا نے پیغمبر کے ان دلائل و معجزات کو عدم اہمیت کے باعث بہ تفصیل اپنے صحیفہ میں جگہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ اس کے لیے احادیث کے مستند ذخیرہ روایات کی موجودگی کو کافی قرار دیا۔

قرآن مجید سے آپ ؐ کے صاحب معجزہ ہونے کی دلیل:

غرض یہ اسباب ہیں جن کی بناء پر بعض کم سواد اس دعویٰ کی جرأت کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیتیں آپ ؐ کو معجزات اور نشانیوں سے مُعرّا ظاہر کرتی ہیں' لیکن اس سلسلہ میں غور کے قابل سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے آپ ؐ کے متعلق آپ ؐ کے زمانہ کے کافروں کے جو اقوال تردید کی غرض سے نقل کیے ہیں ان میں متعدد موقعوں پر آپ ؐ کو (نعوذ باللہ) کاہن اور ساحر کہا گیا ہے اور قرآن مجید پر سحر کا الزام لگایا ہے' عرب میں کاہنوں کا کام پیشین گوئی کرنا اور غیب کا حال بتانا تھا اور ساحر کی نسبت تو عام طور پر معلوم ہے کہ وہ عوام کے نزدیک عجائب وخوارق کا پیکر ہوتا ہے۔ اب اگر آپ ؐ امور غیب کی قبل از وقت اطلاع نہیں دیتے تھے اور معجزات اور خوارق کا صدور آپ ؐ سے نہیں ہوا کرتا تھا تو کفار آپ ؐ کو کاہن اور ساحر کے خطابات سے کیوں یاد کرتے تھے؟ اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر حسب ذیل آیتوں پر غور کی ایک نگاہ ڈالیے۔

﴿فَمَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ﴾ (طور: ۲۰) "اے محمد ؐ! تو اپنے پروردگار کے فضل سے کاہن نہیں ہے۔"

﴿وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ﴾ (حاقہ) "یہ قرآن کسی کاہن کا کلام نہیں۔"

آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے خدا کفار قریش کا حال بتاتا ہے۔

Marfat.com

﴿وَ اِذَا رَاَوْا اٰیَةً یَّسْتَسْخِرُوْنَ وَ قَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ (صافات:۱)

''جب وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔''

اس آیت سے صاف ثابت ہے کہ کفار کو جو نشانیاں نظر آتی تھیں وہ ان کا ٹھٹھا اڑاتے تھے اور ان کو جادو کہتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی خارق عادت نشانیاں ان کے مشاہدہ میں آتی تھیں اور دوسری آیتوں میں بھی سحر کی نسبت آپ کی طرف کفار کی زبان سے کی گئی ہے۔

﴿وَ لَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّ اِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ وَ قَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ﴾ (زخرف:۳)

''اور جب ان کے پاس سچی بات آئی تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو نہیں مانتے اور انہوں نے کہا کہ یہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اترا۔''

﴿وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ (احقاف:۱)

''حق کے منکروں نے جب ان کے پاس حق آیا تو کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔''

﴿هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ﴾ (انبیآء)

''یہ محمدؐ تو تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہیں' کیا تم جان بوجھ کر جادو کے پاس آتے ہو۔''

﴿قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ﴾ (یونس:۱)

''کافروں نے کہا کہ یہ (محمدؐ) تو کھلا جادوگر ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپؐ کی آمد کی جو بشارت دی تھی اس کے بعد ہے۔

﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ (صف:۱)

''پس جب وہ آنے والا پیغمبر کھلی آیتیں لے کر آیا تو کافروں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔''

کفار کے ان اقوال سے ثابت ہے کہ آپؐ کی ذات بابرکات سے کچھ تو مافوق العادت باتیں ظاہر ہوتی تھیں جن کی تعبیر کہانت اور جادوگری کے الفاظ سے کر کے وہ اپنے نادان دل کو تسلی دیتے تھے اور اسی سے آپؐ کے صاحب معجزہ ہونے کا ناقابل تردید ثبوت قرآن مجید سے ملتا ہے۔

قرآن مجید میں آپؐ کے دلائل و معجزات مذکور ہیں:

اس اجمالی ثبوت کے بعد ضرورت ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ان آیات و دلائل کے بکھرے ہوئے موتیوں کو جو قرآن مجید کے اوراق میں منتشر ہیں ایک خاص ترتیب کے رشتہ میں منسلک کر دیں کہ وہ نمایاں ہو کر نگاہوں کے سامنے آ جائیں۔تنوع کے لحاظ سے یہ آیات و دلائل تین قسم کے ہیں' ایک تو کفار کی ہدایت و دعوت اور مسلمانوں کی مزید ایمانی تسلی کے لیے معجزانہ نشانیاں۔دوسری مصیبتوں کی گھڑیوں میں تائیدات غیبی کا ظہور اور تیسری وہ پیشین گوئیاں جن کا لفظ لفظ صداقت کے معیار پر صحیح اترا ہے' آئندہ اوراق میں اس اجمال کی تفصیل آئے گی۔

Marfat.com

معجزۂ قرآن

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ﴾ (بنی اسرائیل:۱۰)

آنحضرت ﷺ کو پیش گاہ الٰہی سے جو معجزات عطا ہوئے ان میں سب سے بڑا معجزہ خود قرآن مجید ہے۔ چنانچہ جب کفار نے معجزہ طلب کیا تو خدا نے فرمایا۔

﴿وَ قَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْہِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّہٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ وَ اِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْھِمْ﴾ (عنکبوت:۵)

''اورانہوں نے کہا کہ پیغمبر پر اس کے خدا کی طرف سے نشانیاں کیوں نہ اتریں' کہہ دے کہ نشانیاں خدا کی قدرت میں ہیں میں تو صاف صاف خدا کے عذاب سے صرف ڈرانے والا ہوں کیا ان کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے اس پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔''

اور آنحضرت ﷺ نے بھی دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے مقابلہ میں اپنی اسی وحی آسمانی کو سب سے بڑا معجزہ قرار دیا۔ چنانچہ گویا اسی آیت پاک کی تفسیر میں آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

ما من الانبیاء نبی الااعطی من الایات ما مثلہ او من او امن علیہ البشر و انما کان الذی او تیت وحیا اوحاہ اللہ الی فارجوانی اکثر ھم تابعا یوم القیمۃ. (صحیح بخاری باب الاعتصام)

''پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر معجزات عنایت کیے' جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لائے لیکن جو معجزہ مجھے مرحمت ہوا وہ وحی (قرآن) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتارا۔ اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے پیروؤں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔''

اس حدیث سے متعدد نکتے حل ہوتے ہیں۔

(۱) ہر پیغمبر کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا ہوا ہے۔

(۲) دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات وقتی اور عارضی تھے' ہوئے اور ہو کر مٹ گئے لیکن آنحضرت ﷺ کا معجزۂ اعظم یعنی قرآن مجید قیامت تک دنیا میں قائم اور باقی رہے گا۔

(۳) چونکہ وہ معجزے وقتی اور عارضی تھے اس لیے ان سے جو اثر پیدا ہوا وہ بھی وقتی اور عارضی تھا برخلاف اس کے قرآن مجید چونکہ ہمیشہ دنیا میں قائم رہنے والا ہے اس لیے اس کا اثر بھی دائمی اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور قیامت تک نئے نئے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا رہے گا۔

آنحضرت ﷺ کو جو ربانی نشانیاں خدا کی طرف سے عنایت ہوئیں ان میں صرف یہی ایک معجزہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے تحدی کی ہے اور اعلان عام کیا ہے کہ کوئی اس کی مثال پیش کرے اور پھر خود ہی اس کی پیشین گوئی بھی کر دی ہے کہ دنیا ہمیشہ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز اور درماندہ رہے گی۔

Marfat.com

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل:۱۰)

''کہہ دے اے پیغمبر! اگر تمام جن و انس مل کر بھی چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنا لائیں تو نہیں لا سکتے' اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد پر کیوں نہ ہوں۔''

سورہ ہود میں پورے قرآن کے بجائے صرف دس سورتوں کا جواب مانگا گیا ہے۔

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (ہود:۲)

''کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنے جی سے بنا لیا ہے تو کہہ دے کہ وہ ایسی بنائی ہوئی دس ہی سورتیں لے آئیں اور اپنی مدد کے لیے خدا کے سوا جس کو چاہیں بلالیں اگر وہ سچے ہیں۔''

اس کے بعد کی آیتوں میں دس سورتوں سے گھٹا کر ایک ہی سورہ کا جواب لانے کی تحدی کی گئی ہے۔

﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (بقرہ:۳)

''اور اگر تم کو اس میں بھی کچھ شک ہو تو جو ہم نے اپنے بندہ پر اتارا ہے تو اس جیسی ایک ہی سورۃ لاؤ اور خدا کے سوا اپنے تمام گواہوں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو۔''

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ (بقرہ:۳)

''تو اگر تم ایسی سورہ بنا کر نہ لا سکو اور یقیناً نہ لا سکو گے تو اس آتش دوزخ سے بچو جس کے ایندھن آدمی اور پتھر (جن کو تم پوجتے ہو) سب ہوں گے جو کافروں کے لیے تیار رکھی گئی ہے۔''

اس کے ہم معنی دوسری آیت سورہ یونس میں ہے۔

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (یونس:۴)

''کیا یہ کفار یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس قرآن کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے ان سے کہہ دے کہ اس جیسی ایک سورۃ تم بھی لاؤ۔ خدا کے سوا اور جس کو چاہو مدد کے لیے بلالو اگر تم سچے ہو۔''

پھر سورہ طور میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس جیسی ایک ہی بات پیش کرو۔

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ﴾ (طور:۲)

''کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو گھڑ لیا ہے بات یہ ہے کہ ان کو ایمان نہیں اگر وہ سچے ہیں تو اسی جیسی ایک بات بھی پیش کریں۔''

اس امر پر تو تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ قرآن معجزہ ہے لیکن اختلاف اس میں ہے کہ وہ کس حیثیت سے معجزہ ہے؟ اور وجہ اعجاز کیا ہے۔

(۱) بعض معتزلہ کے نزدیک قرآن مجید کا نظم کلام (اسٹائل) معجزہ ہے یعنی اہل عرب کا کلام جس طرز اور اسلوب پر ہوا کرتا تھا' قرآن مجید نے ان کو چھوڑ کر ایک اور بدیع طرز اور عجیب اسلوب اختیار کیا جو عرب میں موجود نہ

Marfat.com

تھا۔ان کے کلام کا تمام تر نمونہ شعر تھا' قرآن مجید کے نثر کا ایک اسلوب اختیار کیا' کاہنان عرب کا کلام بھی نثر ہوتا تھا' مگر اس میں تکلف اور آورد تھا۔ قرآن مجید نے نظم ونثر کے درمیان ایک ایسا پسندیدہ اسلوب اختیار کیا جو بلغائے عرب کے تخیل میں نہ تھا' قرآن کے مطالعہ' مقاطع اور فواصل یعنی جس طرح قرآن کسی بیان کا آغاز اور اس کا خاتمہ کرتا ہے اور جس طرح ایک ایک آیت کو توڑتا جاتا ہے وہ حد اعجاز میں داخل ہے۔

(۲) معتزلہ سے جاحظ اور تمام اشاعرہ قرآن مجید کو فصاحت و بلاغت کی حیثیت سے معجزہ قرار دیتے ہیں۔

(۳) نظام معتزلی اور ابن حزم ظاہری یہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ [1] اور امام رازی بھی اس کو اقرب الی الصواب کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا اعجاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے تمام بلغائے عرب وعجم کی زبانیں اس کے مقابلہ میں گنگ کردیں اور اس لیے وہ اس کا جواب نہیں لا سکتے۔

(۴) بعض متکلمین کے نزدیک وجہ اعجاز' قرآن مجید کا اظہار غیب اور پیشین گوئیاں ہیں جو انسان کے حیطہ امکان سے باہر ہیں۔

(۵) بعض علماء کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا اعجاز یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دِل کے چھپے ہوئے اسرار کو فاش کرتا تھا جو انسانی دسترس سے باہر ہے۔ [2]

(۶) کسی نے وجہ اعجاز یہ بتائی ہے کہ اور انسانوں کے کلام بلند و پست کامل و ناقص' صحیح و غلط' غرض مختلف المراتب ہوتے ہیں۔لیکن قرآن مجید شروع سے اخیر تک بلندی کمال اور صحت کے لحاظ سے ایک ہی نوعیت کا ہے۔

(۷) ایک دو آدمیوں کی یہ رائے ہے کہ معجزہ یہ ہے کہ ایک اُمی کی زبان سے ایسا کلام بلاغت نظام نکلا۔ [3]

(۸) قرآن مجید کے اعجاز کی ایک وجہ اس کی خارق عادت تاثیر اور قلوب انسانی کی تسخیر بھی قرار دی جا سکتی ہے۔

(۹) بعضوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کا اصلی اعجاز اس کے احکامات' تعلیمات اور ارشادات ہیں۔ [4]

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام اختلافات باہم متضاد نہیں ہیں جو ایک جگہ نہ مجتمع ہو سکیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ وجہ اعجاز صرف ایک ہی محدود ہو' قرآن مجید کے وجوہ اعجاز اس قدر کثیر ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں ہو سکتا' جس شخص کو اپنے مذاق کے مطابق جو بات نمایاں نظر آئی ہے' اسی کو اس نے وجہ اعجاز قرار دے لیا ہے' کوئی حسین اور خوب صورت چیز جب نقادانِ فن کی نگاہوں کے سامنے آتی ہے' تو کوئی اس کے رنگ و روغن کا مداح ہوتا ہے' کوئی اس کے اعتدال قامت کی تعریف کرتا ہے' کوئی اس کی وضع قطع کو سب سے زیادہ پسند کرتا ہے کوئی اس کی زیبائش و آرائش کی مدح کرتا ہے تو

(۱) الفصل فی الملل والنحل ابن حزم جلد سوم باب اعجاز القرآن۔

(۲) تفسیر کبیر جلد اول ص ۳۴۵ تفسیر آیہ وان کنتم فی ریب۔

(۳) متکلمین کے یہ مذاہب شرح مواقف اعجاز قرآن باقلانی الاتقان سیوطی' فصل فی الملل والنحل وابن حزم میں مذکور ہیں۔

(۴) شاہ ولی اللہ صاحب نے فوز الکبیر میں اور مولانا شبلی نے اپنے مضمون اعجاز القرآن میں یہی مسلک اختیار کیا ہے۔

Marfat.com

درحقیقت اس کی ذات ان تمام اوصاف کا مجموعہ ہوتی ہے اور ہر ناقد اپنی چشم اعتبار سے جو کچھ دیکھتا ہے اسی کو اس کے حسن کا معیار قرار دے لیتا ہے۔ حافظ وسعدی کے کلام کا معترف کون نہیں؟ لیکن لوگوں سے ان کے حسن وخوبی کی تفصیل پوچھو تو کوئی ایک بات نہیں کہے گا۔ کسی کے نزدیک ان کے کلام کا حسن یہ ہے کہ وہ اپنی غزلوں کے لیے بحریں نہایت مطربانہ اور موسیقیانہ اختیار کرتے ہیں' کوئی طریقہ ادا اور اسلوب تعبیر کی تعریف کرے گا۔ بعض ناقدین سخن الفاظ کی شیرینی اور ترکیب کی ندرت پیش کریں گے' کوئی تشبیہ واستعارہ کی جدت پر زور دے گا' دوسرے اصحاب ان کی نازک خیالی کے معترف ہوں گے' بعضوں کے نزدیک ان کے معنی آفرینی' عمیق فلسفہ وحکمت اور دل پذیر موعظت ان کے کلام کا تمغائے کمال ہے۔

عباراتنا شتّٰی و حسنک واحد
و کل الی ذاک الجمال یشیر

ہماری عبارتیں گو مختلف ہیں لیکن تیرا حسن ایک ہی ہے ہر شخص اپنی عبارت میں اسی ایک حسن کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

قرآن مجید کی ان آیتوں کا اگر استقصاء کیا جائے جن میں اس کے وجوہ اعجاز کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے تو وہ ہم کو خود مختلف نظر آتی ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کے وجوہ اعجاز میں اس قدر متعدد اور کثیر الاطراف ہیں کہ ان میں کسی ایک میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے کہیں تو اپنی تعلیم وارشاد کی مدح کی ہے کہیں اپنی تاثیر اور قوت جذب کی طرف اشارہ کیا ہے کہیں اپنی یکسانی اور عدم اختلاف کو اپنے خدا کی طرف سے ہونے کی نشانی بتائی ہے' کہیں اس نے اپنی عربیت اور حسن کلام کو ظاہر کیا ہے' کہیں ایک اُمی کا زبان کا پیغام ہونا اپنا معجزہ بتایا ہے' ایک موقع پر اپنی ہدایت ورہنمائی کو مخصوص ترین وصف قرار دیا ہے' کہیں وہ خود کو نور' ہدیٰ' حکمۃ' بینۃ اور دیگر مختلف اوصاف معنوی کا پیکر کہتا ہے۔ چنانچہ ذیل میں ہم ان آیتوں کو بہ ترتیب لکھ دیتے ہیں۔

فصاحت وبلاغت:

﴿لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ﴾ (نحل:۱۴)

''جس کی طرف یہ کفار نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ ایسی زبان ہے جو عربی ہے اور اپنے مدعائے دلی کو خوبی سے ظاہر کرتی ہے۔''

﴿بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ﴾ (شعراء:۱۱)

''یہ قرآن ایک ایسی زبان میں ہے جو اپنے مدعائے دلی کو خوبی سے ظاہر کرتی ہے۔''

﴿قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ﴾ (زمر)

''قرآن عربی زبان میں ہے جس میں کوئی کجی نہیں۔''

﴿قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ﴾ (یسین وحجر)

''اپنے مدعا کو خوبی سے ظاہر کرنے والا قرآن۔''

Marfat.com

یکسانی اور عدم اختلاف:

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا﴾

''کیا یہ کافر قرآن میں غور نہیں کرتے اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں سے بہت سے اختلاف پاتے۔''

قوت تاثیر:

﴿وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ مَا فِیْهِ مُزْدَجَرٌ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ﴾ (قمر:۱)

''ان کو (قرآن کے ذریعہ سے) اگلی امتوں کے اتنے حالات سنائے جا چکے ہیں جو ان کی تنبیہ کو کافی تھے' یہ قرآن دل تک پہنچ جانے والی دانائی ہے لیکن ان کو ڈرانا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔''

کفار قرآن مجید کو سحر اور جادو کہتے تھے' یہ کیوں؟ اس کی اسی تاثیر اور قوت تسخیر کی بنا پر۔

﴿وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ (احقاف:۱)

''جب ان کافروں پر ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو سچائی کے آنے کے بعد اس کا انکار کرتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔''

کفار کہتے تھے کہ جب محمدؐ لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنانے لگیں تو شور کرو تا کہ لوگ سن کر متاثر نہ ہوں۔

﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾

''کفار نے کہا کہ اس قرآن کو سنا نہ کرو اور اس کے پڑھتے وقت شور و غل کرو' شاید تم جیت جاؤ۔''

تعلیم و ہدایت:

﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ﴾ (بقرہ)

''یہی ہے وہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں ہے یہ پرہیز گاروں کے لیے سرتا پا ہدایت ہے۔''

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ﴾ (اسراء:۱)

''یہ قرآن اس تعلیم کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ صحیح اور سیدھی ہے۔''

﴿قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰی مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ﴾ (قصص:۵)

''کہہ دے قرآن اور توراۃ سے بڑھ کر کوئی ہدایت والی کتاب لاؤ تو میں اس کی پیروی کروں۔''

﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ﴾ (مائدہ:۳)

''تمہارے پاس روشنی اور مدعا کو ظاہر کرنے والی کتاب آچکی۔''

﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ﴾ (بقرہ)

''ہم نے تیری طرف کھلی ہوئی آیتیں اتاریں۔''

﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰی طَآئِفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ

''یہ مبارک کتاب ہم نے اتاری تو اس کی پیروی کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے اور یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے یہود و نصاریٰ دو قوموں پر کتاب

Marfat.com

لَغٰفِلِيْنَ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ (الانعام ۱۵۵. ۱۵۷) وَّ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (اسراء : ۹)

اتاری گئی اور ہم ان کے پڑھنے سے بے خبر تھے یا یہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی تو ہم ان دونوں قوموں سے زیادہ راہ راست پر ہوتے تو لو یہ تمہارے رب کی طرف سے دلیل و ہدایت و رحمت آئی ہے اور قرآن سے ہم وہ اتارتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔"

﴿وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّ ذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَ اَعْجَمِيٌّ وَّ عَرَبِيٌّ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ﴾ (حم السجدۃ:۵)۔

"یہ عزت والی کتاب ہے جس کے آس پاس بھی باطل نہیں آ سکتا یہ حکمت اور تعریف والے خدا کی اتاری ہوئی ہے اے پیغمبر! تجھ سے وہی کہا جاتا ہے جو تجھ سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا' تیرا رب بخشش والا بھی ہے اور عذاب والا بھی ہے اگر ہم اس قرآن کی زبان عجمی کرتے تو وہ لوگ یہ کہتے کہ اس کے احکام کیوں نہیں کھول کر بیان کیے گئے ہم عرب ہیں اور کتاب عجمی کہہ دے کہ یہ کتاب مومنوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے۔"

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (یونس:۶)

"لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت آ چکی اور وہ دلوں کے امراض کا علاج ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔"

﴿وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ﴾

"حکمت والا قرآن۔"

﴿وَ الْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ﴾ (ص)

"نصیحت والا قرآن۔"

قرآن کا جواب لانے کی قدرت نہیں:

﴿لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ﴾ (اسراء)

"جن وانس اس کا جواب نہیں لا سکتے۔"

﴿وَ لَنْ تَفْعَلُوْا﴾ (بقرہ)

"یہ کفار ہرگز اس کا جواب نہیں لا سکتے۔"

ایک اُمی کی زبان سے ادا ہونا:

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّا رْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

"قرآن سے پہلے اے پیغمبر نہ تو تو کچھ پڑھ کر سناتا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا' اگر ایسا ہوتا تو البتہ یہ باطل پرست شک کر سکتے بلکہ یہ کھلی آیتیں ہیں جو ان لوگوں کے سینوں

Marfat.com

الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ وَ قَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ (عنکبوت : ۵)

میں ہیں جن کو علم بخشا گیا ہے اور ہماری آیتوں سے صرف گنہگار ہی انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیوں اس (پیغمبر) پر اس کے خدا کی طرف سے نشانیاں نہیں اتریں' کہہ دے کہ نشانیاں خدا کے قبضہ میں ہیں میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں' کیا ان کے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو اُن کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے اس میں ایمان والوں کے لیے رحمت اور نصیحت ہے۔''

حفظ و بقا کا وعدہ:

﴿وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (نحل:۱) ''اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ﴾ (قیامہ:۱) ''ہم پر ہے اس قرآن کا جمع کرنا۔''

﴿لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ﴾ (فصلت) ''اس قرآن کے پاس' آگے اور نہ پیچھے سے باطل آ سکتا ہے۔''

قوّت دلائل:

﴿فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (انعام) ''یقیناً تمہارے پاس تمہارے خدا کی دلیل آ چکی۔''

﴿قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾ (انعام) ''کہہ دے کہ خدا ہی کے لیے وہ دلیل ہے جو دلوں تک اتر جاتی ہے۔''

﴿هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ (اعراف:۲۴) ''یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے سمجھ بوجھ کی باتیں ہیں اور ہدایت ورحمت ہے مومنوں کے لیے۔''

قرآن مجید کی یہ آیتیں صرف چند حیثیتوں کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہیں' اگر کوئی استقصا کرے تو متعدد وجوہ اور بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔

الغرض مقصود یہ ہے کہ قرآن مجید صرف فصاحت و بلاغت ہی کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنی تمام حیثیات کے لحاظ سے معجزۂ کامل ہے' اس کے معجزۂ کامل ہونے پر مختصر ترین دلیل یہ ہے کہ ساڑھے تیرہ سو برس گزرے کہ کوہ صفا کی چٹان پر کھڑے ہو کر ایک اُمی نے دنیا سے یہ غیر متزلزل تحدی کی کہ وہ اس کا جواب پیش کرے تو کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ان تیرہ صدیوں کا ایک ایک سال گزر گیا' مگر ایک آواز بھی اس تحدی کو قبول کرنے کے لیے بلند نہ ہوئی' اگر صرف فصاحت و بلاغت ہی کو معیار اعجاز قرار دیا جائے تو کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ عین اس وقت جب ایک اُمی کی طرف سے جو ایک شعر تک موزوں نہیں پڑھ سکتا تھا'[1] یہ مدعیانہ اعلان عرب میں شائع ہوا' اس وقت عرب کے قبیلہ قبیلہ میں زبان آور شعراء اور آتش بیان خطباء موجود تھے مگر اس ''صوت سرمدی'' کے سامنے سب کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ کفار

(۱) بخاری شریف۔

Marfat.com

عرب نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی تکذیب کی کیا کیا کوششیں نہ کیں انہوں نے اس راہ میں جان و مال قربان کیا' دین و کیش کو برباد کیا' اپنے عزیزوں اور فرزندوں کو نثار کیا' خود اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھیں۔ ان کے سپاہیوں نے میدان جنگ میں پرے جمائے ان کے دولت مندوں نے اپنے خزانے کھول دیئے' ان کے شاعروں اور خطیبوں نے اپنی آتش بیانیوں سے تمام ریگستان عرب کو تنور بنا دیا' یہ سب کچھ کیا' مگر یہ نہ ہو سکا کہ قرآن مجید کی ایک سورۃ کا جواب پیش کریں جو اسلام کے دعوائے حق و صداقت کے کنگرہ کو چشم زدن میں پست کر دیتا' کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس کی مثال لانے سے عاجز تھے اور جب وہ زبان کے اصل مالک اور محاورۂ عرب کے طبعی ماہر تھے اس کے مقابلہ سے عاجز تھے تو اس زمانے کے بعد کے لوگوں کے لیے تو یہ عجز اور درماندگی اور زیادہ نمایاں ہے۔

حسانؓ بن ثابت' عامرؓ بن اکوع' طفیل بن عمر' زید الخلیل' زبرقان' شماس' اسود بن سریع' کعب بن زہیر' عبداللہؓ بن رواحہ وغیرہ عرب کے مشہور زبان آور شاعر تھے' مگر قرآن مجید کے سامنے ان سب نے سر نیاز خم کیا' لبید عرب کے مشہور شاعر تھے اور سبعہ معلقہ کی بزم مشاعرہ کے ایک رکن تھے' اسلام کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے چند اشعار کی فرمائش کی تو انہوں نے جواب دیا۔ جب خدا نے مجھ کو بقرہ اور آل عمران سکھائی تو مجھے شعر کہنا زیبا نہیں۔ (۱)

انیس قبیلہ غفار کے شاعر تھے' انہوں نے جب آنحضرت ﷺ کا چرچا سنا تو چھپ کر مکہ آئے اور آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے کلام ربانی کی کچھ آیتیں سن کر واپس گئے' ان کے بھائی نے پوچھا کہ تم نے کیسا پایا۔ انہوں نے جواب دیا کہ قریش کہتے ہیں کہ وہ شاعر ہیں' ساحر ہیں' کاہن ہیں' ہم نے کاہنوں کا کلام سنا ہے' یہ ان کی بولی نہیں' ہم نے شعر کے ایک ایک وزن کو دیکھ لیا ہے' وہ شاعر بھی نہیں ہیں' خدا کی قسم! محمدؐ سچے اور قریش جھوٹے ہیں۔ (۲)

ضماد ازدی ایک صاحب تھے جو جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے' وہ یہ سن کر کہ محمدؐ (نعوذ باللہ) دیوانے ہو گئے ہیں' آپؐ کے علاج کے لیے آئے' آپؐ نے مختصر سی حمد اور کلمہ شہادت پڑھا' وہ سن کر متحیر ہو گئے تین دفعہ پڑھوا کر سنا' پھر کہا خدا کی قسم! میں نے کاہنوں کی بولی اور جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے قصائد سنے ہیں لیکن تمہارا کلام کچھ اور ہی ہے' یہ تو سمندر تک میں اثر کر جائے گا۔ (۳) جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ابوجہل اور قریش کے دیگر اکابر جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے کہ محمدؐ کی تحریک روز بروز زور پکڑتی جاتی ہے' کسی ایسے آدمی کو تلاش کرنا چاہیے جو جادو' کہانت اور شعر کہنا جانتا ہو' تا کہ یہ معلوم ہو کہ یہ کیا ہے؟ قریش کے سردار عتبہ بن ربیعہ نے کہا میں یہ سب کچھ جانتا ہوں۔ کہو تو میں جا کر دیکھوں' چنانچہ آستانہ نبویؐ میں آ کر اس نے صلح کے کچھ شرائط پیش کیے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے جواب میں سورۂ فصلت پڑھنی شروع کی' کچھ ہی آیتیں پڑھی تھیں کہ اس نے آپؐ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا کہ قرابت کا واسطہ بس کرو' واپس پھرا تو چند روز تک گھر سے باہر نہیں نکلا۔ ابوجہل نے جا کر کہا۔ کیوں عتبہ! محمدؐ کے یہاں

(۱) استیعاب ابن عبدالبر ترجمہ لبید۔
(۲) صحیح مسلم اسلام ابی ذر۔
(۳) صحیح مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ۔

Marfat.com

کھانا کھا کر پھسل گئے۔ عتبہ نے کہا، تم جانتے ہو کہ میں سب سے زیادہ دولت مند ہوں، مجھ کو دولت کی طمع دامن گیر نہیں ہو سکتی، لیکن محمدؐ نے میرے جواب میں جو کلام پیش کیا۔ وہ نہ شعر تھا، نہ کہانت تھی، نہ جادو، میں نے ایسا کلام کبھی نہیں سنا، انہوں نے جو کلام پڑھا اس میں عذاب الٰہی کی دھمکی تھی، میں نے ان کو قرابت کا واسطہ دیا کہ چپ ہو جائیں، میں ڈرا کہ تم پر عذاب نہ آ جائے، لوگوں نے کہا کہ محمدؐ نے اپنی زبان سے عتبہ پر جادو کر دیا۔ (۱)

ولید بن مغیرہ قریش میں بڑا دولت مند اور صاحب اثر تھا، وہ ایک دفعہ آپؐ کی خدمت میں آیا اور فرمائش کی کہ کچھ پڑھ کر سنایئے، آپؐ نے چند آیتیں پڑھیں، اس نے مکرر پڑھوا کر سنیں، آخر بے خود ہو کر بولا خدا کی قسم! اس میں کچھ اور ہی شیرینی اور تازگی ہے اس نخل کی شاخوں میں پھل اور اس کا تنا بھاری ہے، یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔ (۲)

بنو ذہل بن شیبان کے سردار مفروق کے سامنے آپؐ نے چند آیتیں پڑھیں تو گو وہ مسلمان نہ ہوا مگر کلام الٰہی سے متاثر ہوا۔ (۳)

نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ نے جب سورۂ مریم کی تلاوت کی تو اس پر رقت طاری ہو گئی اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر کہا۔ خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔ (۴)

اس قسم کے اور بعض واقعات ابن اسحاق نے ''سیرت'' میں نقل کیے ہیں۔ پہلی جلدوں میں پڑھ چکے ہیں کہ لوگ کیونکر قرآن مجید کی آیتیں سن کر متاثر ہو جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا دل ایک سورہ کی چند آیتیں پڑھ کر (۵) اور سن کر (۶) پتھر سے موم ہو گیا، حضرت جبیرؓ بن مطعم اسیران بدر کو چھڑانے آئے تھے، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سورۂ طور کی ایک دو آیتیں سن لیں تو حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ (۷) حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ کے کانوں میں اتفاقیہ قرآن مجید کی چند آیتیں پہنچ گئیں تو مسلمان ہو گئے۔ (۸) طائف کے سفر میں حضرت خالد العدوانیؓ نے آپؐ کو وَالسَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ پڑھتے سنا تو گو وہ اس وقت مسلمان نہ ہوئے، مگر پوری سورہ ان کے دل میں گھر کر گئی یعنی یاد ہو گئی۔ (۹)

حبش سے بیس آدمیوں کی ایک جماعت حاضر خدمت ہوئی۔ آپؐ نے ان کو قرآن مجید پڑھ کر سنایا ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ (۱۱) حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت ابوسلمہؓ، حضرت ارقمؓ بن ارقم یہ تینوں اصحاب اسی کی

---

(۱) کتاب التفسیر ابن مردویہ مسند ابویعلی و سیرت ابن اسحاق، اخیر فقرہ صرف سیرت ابن اسحاق میں ہے۔

(۲) مصنف عبدالرزاق مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۵۰۶ میں یہ اور اوپر کا واقعہ دونوں مل جل گئے ہیں۔

(۳) روض الانف شرح سیرۃ ابن ہشام جلد اول ص ۲۹۴ مطبوعہ مصر۔

(۴) مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۲۰۲ و مستدرک حاکم ج ۲ صفحہ ۳۱۰۔

(۵) ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۹۱ حصہ اول و ابویعلی و حاکم و بیہقی۔

(۶) مسند ابن حنبل ج ا صفحہ ۱۷۔

(۷) صحیح بخاری تفسیر سورۂ طور۔

(۸) مسند ابن حنبل ج ا صفحہ ۳۱۸۔

(۹) استیعاب تذکرۂ طفیل بنؓ دوسی۔

(۱۰) مسند ابن حنبل ج ۴ صفحہ ۳۳۵۔

(۱۱) سیرت ابن ہشام۔

Marfat.com

کشش مقناطیسی سے کھینچ کر حلقہ اسلام میں آئے۔(۱) اور تو اور خود مہبط وحی اور حامل کلام ربانی کا کیا حال تھا؟ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے ایک دفعہ قراءت شروع کی تو بے اختیار چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے۔(۲) ایک اور موقع پر قرآن مجید کی چند آیتیں زبان مبارک سے ادا ہوئیں اور اس کے بعد آنسوؤں کا تار بندھ گیا۔(۳)

کلام کی یہ شیرینی' یہ نمکینی' یہ تاثیر' یہ تسخیر جو دوست و دشمن' موافق و مخالف' شاہ و گدا' عالم و جاہل پیغمبر و امت سب کو یکساں فریفتہ کرتی ہے' اعجاز نہیں تو اور کیا ہے؟ حکماء فلاسفہ' ادباء' اہل لغت مُفسّرین' محدّثین' فقہاء' صوفیاء' شعراء' متکلمین غرض نوع انسانی کی وہ کون سی صنف ہے جس نے ایک اُمّی کی زبان سے ادا ہونے والے پیغام کے عشق و محبت میں اپنا سرمایہ حیات قربان نہیں کر دیا اور جن کو اس کلام کی تشریح و تفصیل اور تحقیق و توضیح کے خدمات کی لذت میں دنیا کی تمام نعمتیں ہیچ نظر آئیں' کیا یہ اعجاز نہیں۔؟

غور کیجیے کہ ایک اُمّی محض جو اُمیوں کی ہی گودوں میں پلا اور پل کر جوان ہو کر اس نے ہوش سنبھالا تو گرد و پیش تاریکیوں اور ظلمتوں کے سوا اس کو کچھ نظر نہ آیا۔ علوم و فنون اور تمدن و تہذیب سے ایک عاری ملک عاری شہر اور عاری خاندان کے اندر نشو و نما پائی' جہاں اہل فکر اور ارباب عالم کا وجود نہ تھا' وہ خود اس کا خاندان اور اس کا وطن نوشت و خواند کے نقوش و حروف سے آشنا نہ تھا اور گزشتہ صحف انبیاء اور افکار عالیہ کا ایک حرف اس کے کان میں کبھی نہیں پڑا' علماء اور دانشوروں کی صحبت اس نے نہیں اٹھائی' اصول قانون' مبادی اخلاق' محاسن علم و عمل کی کوئی ظاہری تعلیم اس کو نہیں ملی' بلکہ مدرسہ علم و حکمت کے سایہ دیوار تک کبھی اس کا گزر نہیں ہوا اور اس طرح وہ اپنی زندگی کے چالیس دور ے پورے کرتا ہے کہ دفعۃً غار حرا کے ایک دہانے سے اُجالا ہوتا ہے۔ علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کا سرچشمہ ابلتا ہے' ظاہری نوشت و خواند کے نقوش و حروف کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے' صحف انبیاء اور افکار عالیہ کے اوراق اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ اس کے پرتو صحبت سے اُمّی اور جاہل' علمائے دہر اور دانشوران روزگار بن کر نکلنے لگتے ہیں' اصول قانون' مبادی اخلاق اور محاسن علم و عمل کی تعلیم کا غلغلہ اس کی بزم فیض کے گوشہ گوشہ سے بلند ہوتا ہے' کلام ربانی کے پردے میں علم و حکمت کے پوشیدہ اسرار فاش ہونے لگتے ہیں' اس سے زیادہ قرآن مجید کے معجز ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

توراۃ قانون و شریعت ہے لیکن اخلاق و موعظت نہیں۔ انجیل اخلاق و موعظت ہے' لیکن قانون شریعت نہیں' زبور مخاطبات قلبی اور دعاؤں کا مجموعہ ہے' لیکن دیگر صفات سے خالی' مسیحؑ کے صحیفہ میں' خطابت کی ہنگامہ آرائیاں ہیں' مگر استدلال اور فکر و نظر کی دعوت نہیں' صحف بنی اسرائیل پیشین گوئیوں سے لبریز ہیں مگر دقائق حکمت اور اسرار ایمان و عمل سے خالی ہیں' دنیا میں ایک ہی کتاب الٰہی ہے جو قانون و شریعت بھی ہے اور اخلاق و موعظت بھی' مخاطبات قلبی اور دعاؤں کا گنجینہ بھی ہے اور دیگر کتب الٰہیہ کی مجموعی صفتوں کی حامل بھی' خطابت بھی ہے اور استدلال و فکر بھی' اظہار

(۱) اسد الغابۃ تذکرہ ابوسلمہؓ بن عبدالاسد۔
(۲) صحیح بخاری تفسیر فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ۔
(۳) صحیح مسلم باب بکاء صلی اللہ علیہ وسلم لامتہ۔

Marfat.com

غیب اور پیشین گوئیوں سے لبریز بھی ہے اور دقائق حکمت و اسرار ایمان و عمل سے معمور بھی، اور ان سب کے ساتھ عین اس وقت جب اور کتب الٰہی تحریف و تغیر اور تراجم و تعبیر سے اپنی اصل زبان اور اصلی الفاظ کھو چکی ہیں، اس کی بقاء اور حفاظت کی یہ ذمہ داری کہ تیرہ سو برس کے بعد بھی اس کے ایک لفظ، ایک حرف، ایک نقطہ میں تغیر و تبدل نے راہ نہیں پائی وہ اپنی زندگی جاوید کے لیے کاغذ کے نقوش و حروف کی محتاج نہیں کہ لاکھوں انسانوں کے سینے اس خزانہ کے صندوق ہیں اور وہ اسی زبان اور ان ہی الفاظ اور ان ہی حروف کے قالب میں اب تک جلوہ گر ہے جس میں دست قدرت نے اس کو ڈھالا تھا اور جبریل امین نے اس کو اتارا تھا اور محمدؐ عربی نے اس کو اُمت کے ہاتھوں میں سونپا تھا، کیا یہ اعجاز نہیں؟

یہیں سے یہ نکتہ بھی حل ہوتا ہے کہ قرآن مجید اپنی تعلیمات اور معانی کے ساتھ ساتھ اپنے الفاظ کلمات اور عبارت میں بھی معجزہ ہے اور اس کی فصاحت و بلاغت کے معجزانہ کمال کی دوسری آسمانی کتابیں حریف نہیں بن سکتیں، کیونکہ دوسری آسمانی کتابیں اپنے الفاظ کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنے معنی کے لحاظ سے وحی ہیں، چنانچہ نہ تو خود ان کتابوں کو اور نہ ان کے ماننے والوں کو اس کا دعویٰ ہے اور نہ کبھی انہوں نے اپنی کتابوں کو کلام و عبارت کے لحاظ سے معجز کہا ہے، چنانچہ اسی لیے وہ اصل الفاظ اور زبان جس کے قالب میں وحی موسوی (توراۃ) اور عیسوی (انجیل) نے ظہور کیا۔ مُدت ہوئی کہ دنیا ان سے محروم ہوگئی۔ توراۃ کی اصلی عبرانی زبان جو حضرت موسیٰ کی زبان سے نکلی تھی وہ بخت نصر کی آگ کی نذر ہوگئی اور اس نے آرامی اور سریانی زبان کا قالب اختیار کر لیا اور آخر صدہا سال کے بعد حضرت عُزیرؑ نے پھر اس کو عبرانی زبان میں منتقل کیا، انجیل کے متعلق ابھی تک یہی طے نہیں ہوا کہ اس کی اصل زبان کیا تھی؟ اور انجیل پہلے پہل کس زبان میں لکھی گئی تھی؟ انجیل کی سب سے قدیم زبان یونانی زبان ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ وہ زبان نہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلسطین کے ملک میں بولتے تھے، ایسی حالت میں ان کتابوں کی فصاحت و بلاغت کے اعجاز اور اس کے الفاظ کے من جانب اللہ ہونے کا دعویٰ کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ برخلاف اس کے دنیا میں ''وحی محمدی'' سب سے پہلی اور سب سے آخری کتاب ہے، جس نے اس حیثیت سے اپنے اعجاز کا دعویٰ کیا، چنانچہ قرآن مجید کا حرف حرف اور لفظ لفظ وحی ہے اور وہی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان سے ادا ہوا، اور وہ ہر قسم کی تحریف و تغیر سے پاک ہے، اس لیے اس کے الفاظ، کلمات اور عبارات تک معجزہ ہیں اور اس وصف میں دنیا کی کوئی آسمانی کتاب اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ (۱)

☆☆☆☆

---
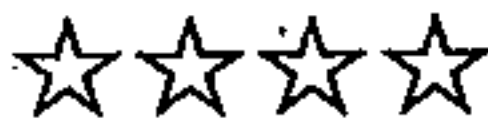
(۱) یہاں مسئلہ اعجاز القرآن پر بحث مقصود نہیں، یہ مباحث مفصل آئندہ کسی جلد میں آئیں گے، یہاں صرف سلسلۂ معجزات میں اس کا محض تذکرہ مقصود تھا۔

Marfat.com

اُمیّت

یعنی

آنحضرت ﷺ کا ظاہری تعلیم اور نوشت وخواند کے داغ سے پاک ہونا

﴿اَلرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ﴾ (اعراف)

یہ واقعہ محتاج بیان نہیں کہ آنحضرت ﷺ ظاہری تعلیم اور نوشت وخواند کے داغ سے پاک تھے' قرآن مجید نے متعدد موقعوں پر اس واقعہ کا اظہار کیا ہے' چنانچہ سورۂ اعراف میں ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ﴾ (اعراف) ''یہ مسلمان وہ ہیں جو ان پڑھ پیغمبر اور فرستادہ الٰہی کی پیروی کرتے ہیں۔''

اسی سورہ میں پھر اس کے بعد ہی ہے۔

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ﴾ (اعراف) ''تو لوگو! خدا پر اور اس کے ان پڑھ پیغمبر اور فرستادہ پر ایمان لاؤ۔''

سورۂ جمعہ میں نہ صرف آپ ؐ کے اُمی بلکہ اغلب آبادی کی حالت کے لحاظ سے تمام قریش اور عرب کے اُمی ہونے کا اظہار ہے۔

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ (جمعہ:۱) ''اسی خدا نے امیوں کے درمیان ان ہی میں سے ایک پیغمبر بنا کر بھیجا۔''

دوسری جگہ سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ (عنکبوت: ۵) ''اور قرآن کے نزول سے پہلے اے پیغمبر نہ تو تم کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اس کو لکھ سکتے تھے اگر ایسا ہوتا تو یہ باطل پرست شک کر سکتے تھے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ؐ کا انسانی تعلیم سے پاک ہونا بھی مصلحت الٰہی کا ایک خاص منشاء تھا' اسی لیے اس کے بعد ہی ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَ قَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَاللّٰهِ وَ اِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ﴾ ''اور معترضین کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانیاں کیوں نہیں اتریں کہہ دے کہ نشانیاں خدا کے قبضہ قدرت میں ہیں اور میں تو صرف خدا سے ڈرانے والا ہوں' کیا ان معترضین کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر (جو امی ہے)

Marfat.com

(عنکبوت:۵) کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔''

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں اس کا اظہار ہے کہ اے محمد ﷺ تمہاری زبان سے آج گزشتہ پیغمبروں اگلی اُمتوں اور عہد ماضی کے واقعات ادا ہوتے ہیں ان واقعات اور حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے تین ہی ذریعے انسان کے ہاتھ میں ہیں ایک یہ کہ وہ اس واقعہ کے وقت موجود ہو دوسرا یہ کہ ان حالات کو کتابوں میں پڑھے تیسرا یہ کہ اوروں سے سنے آنحضرت ﷺ اطلاع کے ان ذرائع سے ناآشنا تھے اول ذریعہ تو ظاہر ہے کہ مفقود تھا۔ قرآن مجید سے آدمؑ سے مولد محمدی تک کے تمام واقعات بیان کیے گئے ہیں آپؐ کی پیدائش سے پہلے وقوع پذیر ہوئے تھے اور آپؐ کے پاس ان کے علم کا کوئی ظاہری ذریعہ نہ تھا اسی لیے قرآن مجید نے متعدد مواقع مثلاً حضرت مریمؑ اور حضرت زکریاؑ کے قصہ میں کہا ہے۔

﴿ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَکْفُلُ مَرْیَمَ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ﴾ (ال عمران:۵)

''یہ گزشتہ زمانہ کی خبروں میں سے ہے جس کو ہم تیری طرف وحی کر رہے ہیں تو ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھا جب وہ اپنا اپنا پانسہ ڈال رہے تھے کہ کون مریم کی کفالت کرے گا اور نہ تو ان کے پاس اس وقت تھا جب وہ جھگڑ رہے تھے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَمَا کُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اِذْ قَضَیْنَآ اِلٰی مُوْسَی الْاَمْرَ وَمَا کُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ وَ لٰکِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا کُنْتَ ثَاوِیًا فِیْٓ اَهْلِ مَدْیَنَ تَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا وَلٰکِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ وَ مَا کُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَیْنَا وَ لٰکِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ﴾ (قصص:۵)

''جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنا فیصلہ دیا تو اس وقت مغربی گوشہ میں موجود نہ تھا بلکہ ہم نے صدیاں اس پر گزار دیں قومیں پیدا کیں جن کی بڑی بڑی عمریں ہوئیں اور نہ تو اہل مدین میں قیام پذیر ہو کر آیات الٰہی ان کو پڑھ کر سناتا تھا بلکہ ہم آئندہ تم کو بھیجنے والے تھے اور نہ تو اس وقت گوشۂ طور میں تھا جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی بلکہ (اس قصہ کا علم جو تجھ کو حاصل ہو رہا ہے) محض تیرے پروردگار کی رحمت ہے۔''

حضرت یوسفؑ کے قصہ میں فرمایا۔

﴿ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ وَ مَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ﴾ (یوسف:۱۱)

''یہ اس گزشتہ زمانہ کا قصہ کا علم ہم تم کو اپنی وحی سے عطا کر رہے ہیں تو اس وقت ان میں موجود نہ تھا جب وہ باہم مشورہ سے بات کر رہے تھے۔''

علم کا دوسرا ذریعہ یہ تھا کہ کتابوں کو پڑھ کر اطلاع حاصل ہو۔ قرآن مجید نے اس کی بھی نفی کی۔

﴿وَ مَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ کِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِکَ﴾ (عنکبوت:۵)

''نہ تو تو اس سے پہلے کوئی کتاب پڑھ کر سناتا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے تو اس کو لکھ سکتا تھا۔''

Marfat.com

﴿مَا كُنتَ تَدرِىْ مَا الكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ﴾ (شوریٰ : ۵)
"تجھ کو تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کس کو کہتے ہیں۔"

تیسری صورت یہ تھی کہ دوسروں سے سن کر یہ علم حاصل کیا جائے' سب کو معلوم ہے کہ نبوت سے پہلے آنحضرت ﷺ کی زندگی تمام تر مکہ معظمہ میں گزری' بجز اس کے کہ چند مہینے بصریٰ وغیرہ کے سفر تجارت میں گزرے ہوں اور خود مکہ معظمہ میں نہ ان واقعات کا کوئی واقف کار تھا اور نہ قریش کو ان سے آگاہی تھی' اس لیے یہ ذریعہ علم بھی ثابت نہیں' چنانچہ قرآن مجید نے علی الاعلان کہا۔

﴿تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا﴾ (هود : ۴)
"یہ گزشتہ زمانہ کی باتیں ہیں جن کی بذریعہ وحی ہم تجھ کو تعلیم کرتے ہیں' تو خود اور تیری قوم اس سے پہلے آگاہ نہ تھی۔"

آنحضرت ﷺ کی جو زندگی مکہ معظمہ میں گزری اور سفر تجارت میں قریش کے شامی قافلوں کے ساتھ جو زمانہ بسر ہوا' اس کا ایک ایک واقعہ قریش کے سامنے تھا' جب آپؐ مکہ میں تھے تب بھی آپؐ قریش کے مجمع میں تھے اور جب کبھی مکہ سے باہر گئے تو بھی قریش ہی کے جھرمٹ میں رہے' اس لیے آپؐ کی زندگی کا کوئی لمحہ ان سے مخفی نہ تھا' اگر آپؐ نے کوئی ظاہری تعلیم پائی ہوتی تو شاعر و مجنون و ساحر کی طرح وہ اس الزام کا اظہار بھی کر سکتے تھے' مگر انہوں نے نہیں کیا' اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اس بات کا یقین تھا کہ محمدؐ کا سینہ ظاہری تعلیم کے عیب سے داغ دار نہیں' چنانچہ قرآن مجید نے بآواز بلند کہا۔

﴿قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (یونس: ۲۷)
"اگر خدا کو منظور ہوتا تو میں تم کو نہ یہ قرآن پڑھ کر سناتا اور نہ خدا تم کو اس قرآن سے آگاہ کرتا' اس سے پہلے میں مدتوں تم میں رہ چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے۔"

قرآن مجید نے ان تمام شکوک اور الزامات کو دہرایا ہے' ان کو یہ شک تھا کہ محمد ﷺ کسی دوسرے سے سن کر یہ قرآن پیش کرتے ہیں' چنانچہ قرآن مجید نے ان کے اس اعتراض کو نقل کیا اور اس کا جواب دیا۔

﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِىْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِىٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (نحل: ۱۴)
"اور ہم کو بہ تحقیق معلوم ہے کہ یہ کفار کہتے ہیں کہ محمدؐ کو کوئی آدمی سکھاتا ہے' اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ فصیح عربی زبان ہے۔"

سورہ فرقان میں چند آدمیوں کی شرکت کا شبہ مذکور ہے۔

﴿وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ افْتَرٰهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا﴾ (فرقان:۱)
"اور کافر کہتے ہیں کہ یہ قرآن من گھڑت چیز ہے جس کو محمدؐ نے گھڑ لیا ہے اور اس افتراء پردازی میں چند اور آدمی بھی شریک ہیں وہ یقیناً غلط اور جھوٹ کہتے ہیں۔"

یہ سب شبہات کیے گئے مگر کفار نے کبھی یہ شبہ نہیں ظاہر کیا کہ محمدؐ نے چپکے سے پڑھنا سیکھ لیا ہے اور دوسری

Marfat.com

آسمانی کتابیں پڑھ کر یہ قرآن بنالیتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ آپؐ کی اُمیت پر ان کو یقین تھا مدینہ آ کر یہودیوں سے معاملہ پڑا روایات میں بکثرت اس قسم کے واقعات مذکور ہیں کہ یہود آپؐ کے پاس آتے تھے اور آپؐ سے وہ سوالات کرتے تھے جو ان کی کتابوں میں مذکور تھے اور کہتے تھے کہ ان کے جواب پیغمبر ہی دے سکتا ہے آنحضرت ﷺ ان کے صحیح جوابات دیتے تھے اور وہ متحیر رہ جاتے تھے اس واقعہ سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ یہود کو بھی یہ یقین تھا کہ محمد رسول اللہ اُمی محض ہیں اور ہماری کتابوں کو نہ انہوں نے پڑھا ہے اور نہ پڑھ سکتے ہیں اور نہ اس جرأت کے ساتھ وہ اپنی کتابوں کے سوالات اس شخص کے سامنے جس کی نسبت ان کو معلوم ہوتا کہ وہ ان کو پڑھ چکا ہے یا پڑھ سکتا ہے نہ پیش کرتے اور نہ اس کو حق و باطل کا معیار قرار دیتے۔

قریش کو جس شخص کی نسبت شبہ تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو سکھاتا ہے اس کے متعلق امام طبری نے تفسیر میں مختلف روایتیں نقل کی ہیں جن سے اس کی شخصیت اور نام کے متعلق کوئی صحیح فیصلہ نہیں ہوسکتا' تاہم مجموعی حیثیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ میں کوئی نصرانی غلام تھا جو اپنی زبان میں کتب مقدسہ کبھی کبھی پڑھا کرتا تھا اور آپؐ راستہ چلتے اس کے پاس کبھی کبھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ اسی پر کفار نے کہا کہ محمدؐ کو یہی قرآن کی آیتیں سکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس غلام کی' اور جو کتابیں وہ پڑھا کرتا ہے۔ ان کی زبان عربی نہیں اور نہ وہ عربی جانتا ہے اور آنحضرت ﷺ عربی کے سوا کوئی اور زبان نہیں جانتے اور خود قرآن کی زبان فصیح عربی ہے' یہ کیونکر ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ غیر زبان کو سمجھ لیں اور وہ عجمی غلام قرآن جیسی فصیح زبان میں کلام کرے۔

آنحضرت ﷺ کے بچپن کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپؐ کو آپؐ کے چچا ابو طالب اپنے ساتھ شام لیے جا رہے تھے۔ راستہ میں بحیرا نام ایک راہب نے آپؐ کو دیکھا اور آثار سے پہچان لیا کہ آپؐ ہی پیغمبر آخر الزمان ہیں' چنانچہ اس نے ابو طالب کو مشورہ دیا کہ ان کو مکہ واپس بھیج دو' ورنہ اگر یہود دیکھ لیں گے تو قتل کر ڈالیں گے۔ اگرچہ یہ واقعہ جیسا کہ سیرت نبوی جلد اول (شام کا سفر) میں بہ تفصیل لکھا جا چکا ہے' صحیح نہیں ہے' تاہم ہمارے عیسائی احباب اس ضعیف روایت پر اپنے شکوک و شبہات کی عظیم الشان عمارت قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے اسی راہب کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ اگر یہ صحیح ہے تو دنیا کے لیے اس سے بڑا معجزہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اور کیا چاہیے کہ ایک ابجد ناشناس طفل دوازدہ سالہ نے چند گھنٹوں میں حقائق و اسرار دین' اصول عقائد' نکات' اخلاق' مہمات قانون اور ایک ''شریعت عظمیٰ'' کی تکمیل و تاسیس کے طریقے سب کچھ سیکھ لیے' کیا ہمارے عیسائی دوست اس معجزہ کو تسلیم کرتے ہیں۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی پورے ۲۳ برس تک قائم رہی' اگر آنحضرت ﷺ کسی انسانی معلم سے فیض پاتے رہتے تو ضرور تھا کہ وہ اس پورے زمانہ تک یا بڑی حد تک خلوت و جلوت میں آپؐ کے ساتھ رہتا کہ وقت ضرورت (نعوذ باللہ) آپؐ اس سے قرآن بنواتے احکام و مواعظ سیکھتے' اسرار و نکات معلوم کرتے اور یہ شخص یقیناً مسلمان نہ ہوتا' کیونکہ جو شخص خود مدعی نبوت کو تعلیم دے رہا ہو وہ کیونکر اس کی نبوت کو تسلیم کرسکتا تھا' اور پھر اس شہرت عام' ذکر جمیل' رفعت مقام کو دیکھ کر جو مدعی نبوت کو حاصل ہو رہی تھی وہ خود پردہ کے پیچھے

Marfat.com

گمنامی پسند کرتا اور صحابہ کرامؓ کی نگاہوں سے اس کا وجود ہمیشہ مستور رہتا' جس عجمی کی نسبت قریش کو شبہ تھا' اگر حقیقت میں آپؐ اس سے تعلیم حاصل کیا کرتے تو قریش جو آپؐ کی تکذیب' تذلیل اور آپؐ کو خاموش کرنے کی ہر تدبیر پر عمل پیرا ہو رہے تھے ان کے لیے آسان تھا کہ اس غلام عجمی کو الگ کر دیتے کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کی وحی اور قرآن کا تمام کاروبار دفعتاً درہم برہم ہو جاتا' علاوہ ازیں زیادہ سے زیادہ اس کا وجود مکہ میں تھا' پھر مدینہ میں ۱۳ برس تک سینہ نبوت سے فیضان الٰہی کا سرچشمہ کیونکر ابلتا رہا' قرآن مجید شریعت اسلام اور احکام کا بڑا حصہ یہیں وحی ہوا ہے مکہ میں تو نسبتاً بہت کم سورتیں نازل ہوئی ہیں۔

جب مدینہ منورہ میں اسلام کا چرچا پھیلا تو یہود و نصاریٰ نے اسلام کو بدنام اور بے اثر کرنے کی ایک تدبیر یہ سوچی کہ لوگ جھوٹ موٹ آ کر پہلے مسلمان اور پھر چند روز کے بعد ہی مرتد ہو جائیں تا کہ محمد ﷺ کی بدنامی ہو اور لوگوں کو خیال ہو کہ اگر یہ مذہب سچا ہوتا تو اس کو قبول کر کے کوئی کیوں چھوڑ دیتا؟

﴿وَ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَ اكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ (آل عمران:۸)

''اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ مسلمانوں پر جو اترا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو اس سے پھر جاؤ شاید کہ وہ لوگ (مسلمان) بھی پھر جائیں۔''

چنانچہ اسی سازش کے مطابق ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا اور سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھی' آنحضرت ﷺ نے کتابت وحی کی خدمت اس کے سپرد کی' چند روز کے بعد وہ مرتد ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں نے محمدؐ کو جو کچھ لکھ دیا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں جانتے' خدا نے اپنی نشانی ظاہر کی اور موت نے بہت جلد اس کی افترا پردازی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ (۱) اور دنیا نے دیکھ لیا کہ محمد ﷺ کے فیضان نبوت کا چشمہ اب بھی اسی طرح جوش زن ہے۔

صلح حدیبیہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان عہد نامہ مرتب ہو رہا تھا' حضرت علیؓ عہد نامہ لکھ رہے تھے' عہد نامہ کی عبارت یہ تھی کہ ''یہ وہ شرائط ہیں جن کو خدا کے رسول محمدؐ نے منظور کیا۔'' قریش نے کہا' اگر ہم آپؐ کو خدا کا رسول مانتے تو اس لڑائی کی نوبت ہی کیوں آتی؟ اس لفظ کو مٹا کر اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھیے' آپؐ نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ ان کی حسب خواہش ترمیم کر دو' حضرت علیؓ نے کہا' مجھ سے یہ گستاخی نہیں ہو سکتی' آپؐ نے پوچھا وہ الفاظ کہاں ہیں' حضرت علیؓ نے انگلی رکھ کر بتایا تو آپؐ نے خود اپنے دست مبارک سے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا اور محمد بن عبداللہ لکھ دیا' یہ واقعہ بخاری' مسلم' نسائی' مسند ابن حنبل اور تمام کتب سیر میں مذکور ہے' اسی کے ساتھ بخاری میں یہ تصریح ہے کہ (۲) و لیس یحسن یکتب۔ اور مسند احمد میں بروایت اسرائیل یہ الفاظ ہیں۔ ولیس یحسن ان یکتب۔ یعنی آپؐ لکھنا نہیں جانتے تھے' لیکن باوجود اس کے تمام احادیث و سیر میں یہ ہے کہ آپؐ نے محمد بن عبداللہ کے الفاظ لکھ دیئے۔ روایت کے ظاہری معنی سے بعضوں کو یہ شبہ ہوا کہ آپؐ نے خود اپنے دست مبارک سے یہ الفاظ لکھے اور آپؐ نے شاید اخیر زمانہ میں لکھنا سیکھ لیا تھا' ابن ابی شیبہ نے مجاہد کے واسطہ سے یہ روایت کی ہے کہ آپؐ نے

(۱) صحیح بخاری علامات النبوۃ فی الاسلام۔

(۲) صحیح بخاری باب عمرۃ القضاء۔

Marfat.com

اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک آپ ؐ کو لکھنا پڑھنا نہ آ گیا اور ایک اور روایت (بواسطہ یونس بن میسرہ عن ابی کبشۃ السلولی عن سہل بن الحنظلیہ) نقل کی ہے کہ آپ ؐ نے حضرت امیر معاویہ ؓ سے ایک فرمان لکھوا کر اقرع اور عیینہ کو عنایت فرمایا' انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے آ کر کہا کہ معلوم نہیں اس میں کیا لکھا ہے؟ آپ ؐ نے اس پر ایک نظر ڈال کر فرمایا' وہی لکھا ہے جو میں نے حکم دیا ہے۔

اگر یہ روایتیں صحیح ہیں تو یہ آنحضرت ﷺ کا ایک اور معجزہ ہوگا کہ انسانی تعلیم کے بغیر اللہ تعالیٰ نے یہ فن بھی اپنی بارگاہ سے عنایت کیا' مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایتیں تمام تر موضوع یا نہایت ضعیف ہیں' اس لیے آپ ؐ کی اُمیت کے متعلق جو متواتر روایتیں' ہیں ان سے ان کی تنسیخ نہیں ہو سکتی' یہ ممکن ہے کہ اُمی سے اُمی آدمی کے ہاں جب شب و روز لکھنے پڑھنے کا کام لگا رہے تو وہ کسی قدر حرف شناس ہو جائے۔ خصوصاً اپنے نام اور دستخط کو پہچان لینا اور ان کو لکیر کھینچ کر لکھ دینا تو معمولی بات ہے' لیکن اصل یہ ہے کہ فاعل مجازی و حقیقی فرامین اور مراسلات لکھاتے ہیں' محاورۂ عام میں ان کو لکھنا ہی کہتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ عالمگیر نے یہ فرمان لکھ کر دیا' شاہ جہان نے جامع مسجد بنوائی' فلاں بادشاہ نے یہ قلعہ تعمیر کیا' حالانکہ لکھنے والے' بنانے والے اور تعمیر کرنے والے کاتب اور معمار تھے' مگر چونکہ ان سلاطین کے حکم سے اور ان ہی کی طرف سے وہ لکھایا بنایا گیا' اس لیے بولنے والے خود سلاطین اور امراء کی طرف فعل کی نسبت کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اسی محاورہ کے مطابق اس موقع پر جب آنحضرت ﷺ نے سلاطین عالم کے نام دعوت نامے بھیجے ہیں تو وہاں عام طور پر یہ الفاظ ہیں وکتب الی قیصر وکتب الی کسریٰ۔ آپ ؐ نے قیصر کو یہ خط لکھا' کسریٰ کو یہ لکھا' مگر سب کو معلوم ہے' کہ آپ ؐ نے دست خاص سے یہ خطوط لکھ کر نہیں بھیجے' مگر چونکہ آپ ؐ ہی نے لکھوائے تھے اس لیے ان کی نسبت آپ ؐ ہی کی طرف کی گئی۔

روزمرہ کی بات ہے کہ ہندوستان کے ادنیٰ طبقے جو نوشت و خواند سے عاری ہیں وہ اپنے اعزہ اور احباب کو خط لکھاتے ہیں' مگر کہنے والے اس کو یوں ہی کہتے ہیں کہ اس نے خط میں لکھا ہے کہ میں آنے والا ہوں' حالانکہ وہ خود لکھنے والا نہیں' اس نے دوسروں سے لکھایا ہے' مگر چونکہ لکھنے والے نے اپنا مدعا نہیں لکھا بلکہ لکھانے والے کی زبان سے اس کا مدعا ظاہر کیا ہے' اس لیے اسی کی طرف فعل کی نسبت کر دی گئی۔

قرآن پاک نے آپ ؐ کو بار بار اور برملا اُمی کہا ہے اس سے زیادہ ثبوت اس کا اور کیا چاہیے' لیکن آپ ؐ اُمی ہو کر امیوں میں پل کر کتب سابقہ کی ظاہری تعلیم سے نا آشنا ہو کر بھی سب کچھ جانتے تھے اور یہ آپ ؐ کا معجزہ تھا' کفار کو خطاب کر کے قرآن کہتا ہے کہ محمد ؐ کی صداقت کی یہ دلیل کافی نہیں کہ وہ نا آشنائے تعلیم ہو کر بھی وہ کچھ جانتا ہے جس کی علمائے بنی اسرائیل کے سوا اور کسی کو خبر نہیں۔

﴿اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾ (شعراء:۱۱)

''یہ باتیں گزشتہ پیغمبروں کی کتابوں میں ہیں' کیا ان کافروں کے لیے یہ نشانی نہیں کہ ان باتوں کو (جو ایک اُمی کی زبان سے ادا ہو رہی ہیں) بنی اسرائیل کے عالم جانتے ہیں۔''

❁ ❁ ❁

Marfat.com

ذاتِ نبویؐ کی حفاظت

﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾

انبیائے کرامؑ جب دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو وہ دنیا کی جہالت وظلمت، جور وستم، گناہ ومعصیت کے خلاف اپنا جہاد شروع کر دیتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہزاروں انسان ان کے دشمن بلکہ ان کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ اس تنہائی و بے کسی کے عالم میں جس سے ہر مصلح کو آغاز دعوت میں دوچار ہونا پڑتا ہے صرف اسی قادر و توانا کا ہاتھ ہوتا ہے جو ان کی تسکین ونصرت کا سہارا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نمرود کے دربار میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی بارگاہ میں، حضرت عیسیٰ رومیوں اور یہودیوں کی عدالت میں ایک ہی گناہ کے مجرم تھے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اس پیغام کی بقاء و قیام کا جس کے لیے وہ پیغمبر کو مبعوث کرتا ہے خود ذمہ دار ہوتا ہے اس لیے اس بے کسی و بے چارگی کے عالم میں اس کی زندگی کا وہی محافظ اور نگہبان بن جاتا ہے کہ وہ بے خوف و خطر اپنے فرائض کو انجام دے سکیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ کو شروع ہی میں تسکین دے دی گئی تھی۔

﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ (طور: ۴۸) ”اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر کیے بیٹھا رہ کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔“

سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب دعوت کا آغاز کیا تو مکہ کا بچہ بچہ آپؐ کا دشمن ہو گیا، آپؐ کو طرح طرح کے آزار پہنچائے گئے، آپؐ کے خلاف سینکڑوں منصوبے باندھے گئے، آپؐ کے قتل کی سازشیں ہوئیں، تلواریں زہر میں بجھا کر رکھی گئیں، سوتے میں آپؐ کے قتل کا ارادہ کیا گیا، میدان جنگ میں آپؐ پر نرغہ کیا گیا، کمین گاہوں سے آپؐ پر حملے کیے گئے، غفلت میں آپؐ کے سر پر پتھر گرانے کی تدبیر سوچی گئی، کھانے میں زہر دیا گیا، مگر ہر موقع پر یہ ظاہر ہوا کہ۔

دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است

اور قرآن مجید کا یہ اعلان صحیح ثابت ہوا۔

﴿إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ﴾ (اسراء:) ”تیرے پروردگار نے لوگوں کو گھیر رکھا ہے کہ تجھ پر دسترس پائیں۔“

یہ خود ایک مستقل معجزہ ہے کہ ان ہنگاموں، فتنوں اور سازشوں کے عالم میں خصوصاً عرب کے ملک میں جہاں اقتدار حکومت یا نظام امن کا نام ونشان تک نہ تھا، کیونکر آپؐ نے بحفاظت تمام اپنے فرض کو انجام تک پہنچایا۔

قریش کی مجلسیں اکثر خانہ کعبہ میں منعقد ہوا کرتی تھیں اور اکثر وہیں ان کی نشست و برخاست رہا کرتی تھی، تاہم آنحضرت ﷺ نماز اور طواف کے لیے بے خوف و خطر وہیں تشریف لے جایا کرتے اور برملا ان کے دیوتاؤں اور بتوں کی برائیاں بیان کیا کرتے تھے، آخر قریش نے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ نعوذ باللہ آپؐ کا خاتمہ کر دیں، یہ خبر آپؐ

Marfat.com

تک پہنچتی ہے مگر اس سے آپؐ کے ارادہ میں کسی قسم کا وہن یا ضعف نہیں پیدا ہوتا۔ ایک دن قریش نے یہ طے کیا کہ آج محمدؐ کی بوٹی بوٹی اڑا دی جائے' اتفاق سے کفار کی یہ تقریر حضرتؓ فاطمہؓ سن لیتی ہیں وہ روتی ہوئی باپ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں' آپؐ تسلی دیتے ہیں اور وضو کر کے حرم کی سمت روانہ ہو جاتے ہیں' دشمنوں کی نگاہیں آپؐ پر پڑتی ہیں تو وہی نگاہیں جو اب تک خون آشامی کے لیے تیار تھیں' دفعۃً سرنگوں ہو جاتی ہیں۔ (۱) حاکم میں ہے کہ اس کے بعد آپؐ نے چند کنکریاں اٹھا کر ماریں جن کو یہ کنکریاں جا کر لگیں وہ بدر میں مارے گئے۔

ایک دفعہ ابوجہل نے ارادہ کیا کہ اگر اب وہ آپؐ کو سجدہ میں دیکھے گا تو آپؐ کی پیشانی کو رگڑ دے گا جب وہ اس ارادہ سے آگے بڑھا تو جھجک کر پیچھے لوٹ گیا' لوگوں نے دریافت کیا تو اس نے کہا مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے اور محمدؐ کے درمیان آگ کی خندق حائل ہے اور چند پہرہ دار ہستیاں کھڑی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا' اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کے ٹکڑے اڑا دیتے۔ (۲)

معلوم ہے کہ جس شب کو آپؐ نے ہجرت کا ارادہ کیا ہے' قریش کے تمام خاندان نے مل کر آپؐ کے قتل کا فیصلہ کر لیا تھا' قریش کے بہادر رات بھر خانہ اقدس کا پہرہ دے رہے تھے' تاہم آپؐ ان کے سامنے سے نکلے' زبان مبارک پر یہ آیت پاک تھی۔

﴿وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ﴾ (یٰسین)

''اور ہم نے ان کے آگے اور پیچھے دیواریں کھڑی کر دیں (ان کی آنکھوں پر) پردہ ڈال دیا کہ وہ نہیں دیکھتے ہیں۔''

پہرہ داروں کی آنکھوں پر قدرت نے مہر لگا دی اور آنحضرت ﷺ ان کے درمیان سے نکل کر چلے گئے' صبح ہوئی تو دشمن آپؐ کے تعاقب میں اس غار تک پہنچ گئے جہاں آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ جا کر چھپے تھے' وہ اس غار کے دہانہ تک پہنچ گئے اور اگر وہ ذرا جھک کر دیکھتے تو ان مقدس پناہ گزینوں پر ان کی نظر پڑ جاتی' مگر خدا نے ان کی عقل اور دور اندیشی کے نور کو بجھا دیا کہ نیچے جھک کر دیکھنے کا خیال تک ان کے دل میں نہیں آیا۔

کفار نے یہ اعلان کیا تھا کہ جو محمدؐ کو گرفتار کر لائے یا ان کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں ملیں گے' یہ سن کر سراقہ بن جعشم اپنے اسپ راہوار پر سوار ہو کر آپؐ کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ اور دم بہ دم اس مختصر قافلہ کے قریب ہو رہا تھا' حضرت ابوبکرؓ پر بتقاضائے بشری اضطراب طاری تھا' مگر آنحضرت ﷺ کی سکینت خاطر میں کوئی فرق نہ آیا' آپؐ نے دعا کی' تین دفعہ اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس دھنس گئے' اس نے فال کے تیر نکال کر دیکھے تو ہر دفعہ نفی میں جواب آیا' بالآخر اس کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی اور ہی راز ہے اور ذات محمدؐ کی ہماری گرفت سے باہر ہے' اس نے اپنے ارادۂ فاسد سے توبہ کی اور آنحضرت ﷺ سے ایک خط امان لے کر واپس پھر گیا (۳) اور بعد کو

(۱) مستدرک حاکم جلد اول صفحہ ۱۶۳' حیدر آباد' مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۳۶۸۔
(۲) صحیح مسلم باب قولہ تعالیٰ و ما کان اللہ لیعذبھم۔
(۳) صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ۔

Marfat.com

مسلمان ہو گیا۔

شروع شروع میں جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو صحابہؓ جان نثاری کی بنا پر راتوں کو آپؐ کے گرد پہرہ دیا کرتے تھے' ایک رات صحابہؓ آپ کے خیمہ کے گرد پہرہ دے رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿وَ اللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ﴾ (مائدہ) ''اور اللہ ان لوگوں سے تیری حفاظت کرے گا۔''

آپؐ نے اسی وقت خیمہ سے باہر سر نکالا اور پہرہ والوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ لوگو! واپس جاؤ' خدا نے میری حفاظت کا فرض خود اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ (۱) یہ وعدۂ حفاظت ہزار ہا مشکلات اور خطرات کے باوجود بھی پورا ہوتا رہا' غزوۂ احد میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ چکے تھے۔ اور ذات مبارک دشمنوں کے نرغہ میں تھی اور آپؐ پر تیغ و تبر و سنگ کی بارش ہو رہی تھی' لیکن دو سفید پوش فرشتے آپؐ کے پاس کھڑے ہوئے آپؐ کی حفاظت کا فرض انجام دے رہے تھے۔ (۲)

ایک دفعہ ایک شخص کو لوگ گرفتار کر لائے' اور عرض کی کہ یہ حضور کے قتل کی گھات میں تھا' فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو کہ اگر یہ مجھ کو قتل کرنا چاہتا بھی تو نہیں کر سکتا۔ اسی طرح سے خیبر میں جب ایک یہودیہ نے گوشت میں زہر ملا کر پیش کیا' تو آپؐ نے پہلا ہی لقمہ اٹھایا تھا کہ فرمایا یہ گوشت نہ کھاؤ' کیونکہ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ اس میں زہر ملا ہے۔ یہودیہ کو بلا کر جب واقعہ کی تحقیق کی اور اس نے اپنی نیت فاسد کا اقرار کیا تو آپؐ نے فرمایا۔ کہ خدا تجھ کو اس پر قابو نہ دیتا۔ (۳)

❁

(۱) جامع ترمذی تفسیر سورۂ مائدہ۔
(۲) صحیح بخاری غزوۂ احد و صحیح مسلم کتاب الفضائل۔
(۳) صحیح مسلم۔

Marfat.com

لیلۃ الجن

جنوں کی انقلاب آسمانی کی تلاش اور ان کا مشرف باسلام ہونا

﴿قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ (جن)

''مخلوقاتِ الٰہی کی تعداد اور اصناف کا کون اندازہ لگا سکتا ہے''

﴿وَ مَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا هُوَ﴾ (مدثر) ''اور تیرے رب کی فوجوں کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں۔''

مخلوقاتِ الٰہی کی ایک صنف کا نام جن ہے' اہل لغت کہتے ہیں کہ عربی میں جن کا لفظ جنٌّ سے مشتق ہے جس کے معنی ''چھپنے'' اور ''چھپانے'' کے ہیں' چونکہ یہ مخلوق انسانوں کی آنکھوں سے عموماً مستور رہتی ہے اس لیے اس کو جن کہتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لفظ اس معنی میں یا اسی کے قریب قریب مختلف قوموں کی زبانوں میں پایا جاتا ہے' فرنچ میں جنی (GENEE) اور انگریزی میں (GENEI) اسی مفہوم میں ہے' جس میں عربی میں جن (دیو' بھوت' پریت) ہے لاطینی میں جینیوس (GENIUS) اور جینی (GENII) وہ مفہوم رکھتا ہے جو ہمارے ہاں ہمزاد کا۔ اور روح نوعی کے معنی میں بھی یہ لفظ رومی اساطیر (میتھالوجی) میں مستعمل ہوا ہے' فارسی میں ''جان'' کے معنی مطلق ''روح'' کے ہیں۔ بہرحال دنیا کی قوموں میں یہ اعتقاد کسی نہ کسی حیثیت سے موجود رہا ہے کہ انسانوں کے سوا اس سطح ارضی پر ایک اور غیر مرئی مخلوق بھی موجود ہے۔ یورپ کے موجودہ دور الحاد میں ارواح سے نامہ و پیام اور ان کے عمل و تسخیر کے کارنامے بڑے بڑے فلسفیوں اور مادہ پرستوں کو آئینہ حیرت بنائے ہوئے ہیں اور روز بروز ان کے انکار اور شک کی جرأت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسلام کے علاوہ دوسری مذہبی کتابوں میں بھی جن اور شیطان کے تذکرے موجود ہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات جو موجودہ انجیل میں مذکور ہیں ان کی بڑی تعداد انسانوں اور حیوانوں کو ان کے پنجہ ظلم سے رہائی ہے۔ قرآن مجید نے بتایا ہے کہ ان کی پیدائش انسانوں سے پہلے ہوئی ہے اور یہ آگ سے بنائے گئے ہیں۔

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ وَالْجَآنَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾ (حجر) ''اور ہم نے آدمی کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا اور جنوں کو اس سے پہلے لو کی آگ سے پیدا کیا۔''

﴿وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ﴾ (رحمٰن:۱) ''اور اس نے جنوں کو آگ کی لو سے پیدا کیا ہے۔''

اسلام سے پہلے عرب میں جنات کا بڑا تسلط تھا' ان کی پوجا کی جاتی تھی۔ ان کی دہائی مانگی جاتی تھی اور بت خانوں میں جو عامل اور کاہن ہوتے تھے ان سے ان کی دوستی ہوتی تھی اور وہ ان کو غیب کی خبریں بتایا کرتے تھے بچوں کے سرہانے اُسترے رکھے جاتے تھے کہ ان سے جنات بھاگ جاتے ہیں' یہ اعتقاد تھا کہ ہر شاعر کے ساتھ ایک جن ہوتا ہے' یہ بھی خیال تھا کہ وہ صورتیں بدل کر لوگوں میں پھرتے ہیں اور ان کو ستاتے ہیں' خدا کے کارخانہ قدرت میں

Marfat.com

بھی ان کے استیلا اور تصرف کو دخل تھا' وہ جنگلوں میں انسانوں کو مار ڈالتے تھے' راستوں سے اٹھالے جاتے تھے' لوگوں کو بیمار ڈال دیتے تھے' ان کے ہوش وحواس کے خزانہ پر قبضہ کر لیتے تھے' غرض جس طرح خدائی الوہیت میں عرب کے بہت سے دیوتا اور دیبیاں شریک تھیں' اسی طرح یہ جنات بھی شریک تھے۔

﴿وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ﴾ (انعام: ۱۲)

''اور ان مشرکوں نے جنوں کو خدا کا شریک بنایا ہے۔''

﴿وَ جَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا﴾ (صافات: ۵)

''اور ان مشرکوں نے خدا اور جنوں کے درمیان رشتے قائم کر رکھے ہیں۔''

﴿بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ﴾ (سبا)

(''خدا ان کو قیامت میں کہے گا) بلکہ یہ لوگ جنوں کی پرستش کرتے تھے اور ان میں اکثر لوگ ان ہی کے معتقد تھے۔''

اسلام آیا تو اس نے ان اعتقادات باطلہ کے تار و پود کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا' اس نے دنیا میں صرف ایک ہی قوت کی تعلیم دی اور وہ خدا کی تھی اس نے بتایا کہ جنات بھی اس کے حضور میں ویسے ہی عاجز اور درماندہ ہیں جیسے انسان۔ وہ بھی اسی طرح اس کی مخلوق ہیں جیسی اس کی دوسری مخلوقات' ان میں لوگ اسی طرح اچھے اور برے' کافر و مومن' سعید اور شقی ہوتے ہیں جس طرح انسانوں میں' وہ بھی توحید و رسالت اور احکام الٰہی کے ماننے کے ویسے ہی مکلف ہیں جیسے عام انسان۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (ذاریات: ۳)

''اور میں نے جن اور انس کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔''

قیامت میں دونوں سے سوال ہوگا۔

﴿يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيَاتِيْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا﴾ (انعام: ۱۶)

''اے جن اور انس (کی جماعت) کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر تمہارے پاس نہیں آئے اور وہ تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر نہیں سناتے تھے اور اس دن کے آنے سے نہیں ڈراتے تھے۔''

قرآن کے تحدی کے جواب سے دونوں عاجز ہیں۔

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ﴾ (اسرائیل)

''کہہ دو کہ اگر انس و جن دونوں مل کر چاہیں کہ ایسا قرآن بنا لائیں تو ان کے لیے یہ ناممکن ہے۔''

خدا کی قدرت اور طاقت کے سامنے دونوں لاچار اور درماندہ ہیں۔

﴿يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا

''اے جن و انس اگر آسمان و زمین کے حدود سے نکل کر باہر جا سکتے ہو تو نکل جاؤ لیکن خدا کی قدرت قاہرہ

Marfat.com

﴿لَا تَنۡفُذُوۡنَ اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ﴾ (رحمٰن) کے بغیر تم نکل نہیں سکتے ہو۔''

کاہنوں اور عاملوں کو جو غیب کی بعض بعض باتیں معلوم ہو جاتی ہیں تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اپنے ملا اعلیٰ میں اس کا ذکر کرتا ہے' ملاء اعلیٰ والے اپنے نیچے کے فرشتوں سے اس کا تذکرہ کرتے ہیں اور اس طرح درجہ بدرجہ ہر آسمان کے فرشتوں کو علم ہو جاتا ہے' یہاں تک کہ آخری آسمان تک بات پہنچ جاتی ہے' جہاں سے نیچے دنیا کی حد شروع ہوتی ہے' یہاں تک کہ جنات و شیاطین سن گن لینے کے لیے ادھر ادھر چھپے رہتے ہیں' ایک دو لفظ انہوں نے سن لیے اور ان میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر کاہنوں اور عاملوں سے کہہ دیتے ہیں وہ اس کو انسانوں میں مشتہر کرتے ہیں۔(1) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آسمان میں بے شمار ستاروں کے شعلے بھڑکا رکھے ہیں کہ ایک تو ان سے آسمان کی زیبائش و آرائش ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب یہ جنات اور شیاطین اپنی سرحد سے آگے بڑھ کر فرشتوں کی باتیں سننا چاہتے ہیں تو فوراً ایک چمکتا ہوا تارا (شہاب ثاقب) ٹوٹ کر ان پر گرتا ہے' مختلف سورتوں میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿وَلَقَدۡ جَعَلۡنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّ زَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیۡنَ وَ حَفِظۡنٰهَا مِنۡ کُلِّ شَیۡطٰنٍ رَّجِیۡمٍ اِلَّا مَنِ اسۡتَرَقَ السَّمۡعَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِیۡنٌ﴾ (حجر:۲)

''اور ہم نے آسمان میں برج بنایا ہے اور ان ستاروں کو دیکھنے والوں کے لیے زینت و آرائش بنایا ہے اور ہر راندہ درگاہ شیطان سے اس کو محفوظ رکھا ہے لیکن اتنا ہے کہ وہ چوری چھپے کچھ سن لے تو ایک چمکتا ستارہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔''

﴿اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِزِیۡنَةِ ۣالۡکَوَاکِبِ وَ حِفۡظًا مِّنۡ کُلِّ شَیۡطٰنٍ مَّارِدٍ لَا یَسَّمَّعُوۡنَ اِلَی الۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰی وَ یُقۡذَفُوۡنَ مِنۡ کُلِّ جَانِبٍ دُحُوۡرًا وَّ لَهُمۡ عَذَابٌ وَّاصِبٌ اِلَّا مَنۡ خَطِفَ الۡخَطۡفَةَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾ (صافات:۱)

''ہم نے آسمان زیریں کو ستاروں کی آرائش سے مزین کیا ہے اور ان کو ہر سرکش شیطان کا نگہبان بنایا ہے وہ ملا اعلیٰ کی باتیں نہیں سن سکتے وہ ہر طرف سے پھینک کر مارے جاتے ہیں اور یہ ان کے لیے لازمی سزا ہے (اس طرح وہ فرشتوں کی باتیں نہیں سن سکتے) لیکن یہ کہ کوئی اچک کر سن لے تو ایک دہکتا ہوا ستارہ اس کے پیچھے لگا رہتا ہے۔''

﴿وَ لَقَدۡ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ وَ جَعَلۡنٰهَا رُجُوۡمًا لِّلشَّیٰطِیۡنِ﴾ (ملک:۱)

''ہم نے آسمان زیریں کو ستاروں کے چراغوں سے مزین کیا ہے اور ان کو شیطانوں کے لیے پھینک کر مارنے کی ایک چیز بنایا ہے۔''

﴿وَ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ ٭ۖ وَ حِفۡظًا ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ﴾ (فصلت:۲)

''ہم نے آسمان زیریں کو ستاروں کے چراغوں سے مزین کیا ہے اور ان کو نگہبان بنایا ہے' یہ غالب و دانا خدا کی تقدیر ہے''۔

دنیا میں اس سلسلہ نبوت کا جو آغاز آفرینش سے جاری تھا اور دین الٰہی کا ہزاروں منزلوں کے طے ہونے کے

(1) صحیح بخاری تفسیر سورۂ حجر و تفسیر سورۂ نساء و بدء الخلق وغیرہ۔

Marfat.com

بعد تکمیل کی منزل میں پہنچ جانا اور نوع انسان کو خدا کی وہ آخری شریعت سپرد ہونا جس کے بعد خاک دان عالم کو وحی و نبوت کے کسی اور حامل کی ضرورت نہ ہوگی۔ ایک ایسا واقعہ تھا جس نے آب وخاک کے عالم میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا' اس نے سطح زمین کے ہزاروں پیغمبروں کے دین وملت کو منسوخ کر دیا' ان کی آسمانی کتابوں کے احکام ورسوم کو بدل دیا' ملکوں کی شاہنشاہیاں ہل گئیں' قیصر وکسریٰ کے تخت الٹ گئے' صومعہ وکلیسا ویران ہو گئے۔ اسی طرح مملکت فلکی اور آسمانی بادشاہی میں بھی انقلاب کا ظاہر ہونا ضرور تھا' آسمانی مخلوقات میں بھی ایک انقلاب پیدا ہوا' مگر اس کو وہی دیکھ سکے جو دیکھ سکتے تھے' انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے موقع پر بھی ایک نئے نورانی ستارہ کے ظہور کی خبر ہے' جس کو دیکھ کر دوسرے ملک کے لوگ ان کی تلاش میں بیت لحم پہنچے اور ان کے دیدار سے مشرف ہوئے' مگر بنی اسرائیل کو آخر تک اس بینائی سے محرومی رہی۔

صحیحین میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نبوت سے سرفراز ہوئے تو ستاروں کی دنیا میں ایک انقلاب پیدا ہوا' جن اور شیاطین اب اوپر چڑھنے سے روک دیئے گئے' ٹوٹنے والے ستاروں کی بھرمار ہو گئی' کاہنوں اور عاملوں کی خبر رسانی کے ذرائع مسدود ہو گئے اور ان باطل پرستیوں کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا۔ اس آسمانی انقلاب نے جنوں اور شیطانوں کی محفلوں میں حیرت پیدا کر دی' سب نے کہا یقیناً روئے زمین پر کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہے' دنیا کی ہر سمت کو انہوں نے چھان ڈالا' اس پر چند سال گزر گئے' آنحضرت ﷺ اسلام کی تبلیغ کے لیے قبائل میں دورے کر رہے تھے اور اسی تقریب سے عکاظ کے میلہ میں تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں رات کے وقت مقام نخلہ میں قیام ہوا' صبح کے وقت حضور انور ﷺ اپنے رفقاء کے ساتھ نماز میں مصروف تھے اور قرآن مجید کی آیتیں جہر کے ساتھ تلاوت فرما رہے تھے کہ اتفاق سے جنوں کی ایک جماعت کا جو تفتیش حال کے لیے تہامہ کی طرف آئی تھی' اس مقام پر گزر ہوا' اس نے جب قرآن مجید کے آیتیں سنیں تو یکبار پکار اٹھی کہ یہی وہ نور حق ہے جو درخشاں ستاروں مین ہمیں نظر آتا ہے وہ لوٹ کر اپنی قوم میں گئی اور ان کو جا کر خاتم نبوت کے ظہور کی بشارت سنائی۔ (۱)

﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا وَأَنَّهُ تَعَالَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّن تَقُولَ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ

''اے پیغمبرؐ! لوگوں سے کہہ دے کہ مجھ کو بذریعہ وحی خبر کر دی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن کو سنا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے عجیب وغریب کتاب الٰہی سنی جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتی ہے تو ہم اس پر ایمان لائے اور اب ہم ہرگز خدا کا کسی کو شریک نہ بنائیں گے خداوند تعالیٰ کی نہ تو کوئی بیوی ہے اور نہ لڑکا ہے ہم میں سے کچھ بیوقوف خدا پر بہت دور از عقل الزام قائم کرتے تھے ہم سمجھتے تھے کہ کوئی انسان یا جن خدا پر جھوٹ الزام نہیں قائم کر سکتا' انسانوں میں کچھ ایسے لوگ تھے جو

(۱) یہ پوری تفصیل صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب الجہر فی الصبح میں ہے اور امام بخاری نے مختلف ابواب میں اس واقعہ کو درج کیا ہے مثلاً تفسیر سورۂ جن و باب الجہر بقراءۃ صلوٰۃ الفجر و مسند ابن حنبل روایات ابن عباس ج ۱ ص ۲۵۲ و صحیح ترمذی تفسیر سورۂ جن۔

Marfat.com

بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا وَ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا وَ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا وَ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا وَ اَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا وَ اَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَ لَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا وَ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا وَ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ (جن : ۱)

بعض جنوں کی پناہ مانگا کرتے تھے تو ان ہی نے ان کو اور زیادہ گمراہ کر دیا' انسان بھی ہماری ہی طرح یہ سمجھتے تھے کہ اب خدا کوئی پیغمبر نہ بھیجے گا' ہم نے آسمان کو خوب ٹٹولا تو ہم نے پایا کہ وہ نگہبانوں سے اور ٹوٹنے والے تاروں سے بھرا ہوا ہے' ہم پہلے اس آسمان کی بعض نشست گاہوں میں سننے کو بیٹھ جاتے تھے۔ اب جو کوئی سننے جاتا ہے تو اپنی تاک میں ٹوٹنے والے ستارہ کو پاتا ہے اور ہمیں نہیں معلوم کہ اس انقلاب سے زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا جا رہا ہے یا ان کا پروردگار ان کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے' ہم میں اچھے بھی ہیں اور ان کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں' ہم جدا جدا راستوں پر تھے اور ہم سمجھتے تھے کہ ہم خدا کو اس زمین میں عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اس کے قبضہ سے نکل سکتے ہیں' اور اب جب ہم نے اس ہدایت کی بات کو سن لیا تو اب ہم اس پر ایمان لاتے ہیں' تو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لے آتا ہے تو پھر گھاٹے ٹوٹے کا اس کو ڈر نہیں رہتا' ہم میں کچھ اطاعت گزار ہیں کچھ گناہ گار ہیں تو جو اطاعت گزار ہیں ان ہی نے حقیقت میں ہدایت کا راستہ ڈھونڈ نکالا ہے اور جو گناہ گار ہیں وہ جہنم کے ایندھن ہیں۔''

پھر سورۂ احقاف میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

﴿وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (احقاف: ۴)

''ہم نے جب جنوں کی ایک جماعت کے رخ کو اے پیغمبر تیری طرف پھیر دیا کہ وہ قرآن کو سنیں تو جب وہ آئے تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا چپ رہو' جب قرآن ختم ہو گیا تو وہ اپنی قوم کے پاس گئے کہ انہیں خبر کر دیں' انہوں نے جا کر کہا بھائیو! ہم نے ایک شریعت کی کتاب کو سنا جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد اتاری گئی ہے اور اس کے پہلے جو کتاب الٰہی آئی اس کی تصدیق کرتی ہے اور سچائی اور سیدھی راہ دکھاتی ہے' اے بھائیو! خدا کے پکارنے والے کو قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ تا کہ وہ تمہارے گناہوں کو معاف کرے اور دردناک عذاب سے تم کو پناہ دے۔''

Marfat.com

صحیح مسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں نے دو دفعہ آنحضرت ﷺ کو کلام مجید پڑھتے سنا اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی یہ دونوں سورتیں الگ الگ واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہوں‘ پہلے واقعہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شریک نہ تھے‘[1] اور آنحضرت ﷺ نے اور نہ کسی صحابی نے ان جنوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔[2] بلکہ آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ایک درخت نے کی۔[1] اور تفصیلی کیفیت وحی آسمانی سے معلوم ہوئی‘ اسی واقعہ کو واقعہ لیلۃ الجن (جن کی رات) کہتے ہیں‘ لیکن یہ دونوں واقعے مکہ معظمہ ہی میں گزرے ہیں‘ صحیح مسلم[2] ترمذی[3] اور مسند طیالسی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ان کے شاگرد خاص علقمہ نے پوچھا کہ آپ صاحبوں میں سے کوئی لیلۃ الجن میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا؟ انہوں نے کہا نہیں‘ لیکن ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ شب کو ہم لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو نہیں پایا‘ میدانوں اور گھاٹیوں میں ہر جگہ ڈھونڈا‘ مگر آپ نہیں ملے‘ ہم لوگوں کو طرح طرح کے خیال آنے لگے کہ آپؐ کو کوئی اٹھالے گیا یا دھوکے سے کسی نے قتل کر دیا‘ سخت اضطراب اور قلق میں ہم نے یہ رات بسر کی۔ صبح ہوئی تو دیکھا کہ آپؐ غار حرا کی طرف سے چلے آرہے ہیں‘ ہم سب نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم نے شب کو ہر جگہ آپؐ کو ڈھونڈا‘ مگر آپؐ کہیں نہیں ملے‘ ہم نے سخت اضطراب اور قلق میں رات بسر کی۔ فرمایا کہ ”رات کو جنوں کا قاصد آیا تھا‘ میں اس کے ساتھ گیا تھا میں نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا۔“ اس کے بعد آپؐ ہم سب کو لے کر اس مقام پر تشریف لے گئے اور وہاں ان کے قیام اور آگ جلانے کے نشانات دکھائے اور فرمایا کہ انہوں نے مجھ سے زاد راہ کی خواہش کی‘ میں نے ان کے لیے دعا کی کہ وہ جس ہڈی اور گوبر پر گزریں ان کے لیے وہ کھانا ہو جائے۔[4]

مسند ابن حنبل کے زیادات میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی جنوں کی آمد کا ایک اور واقعہ مذکور ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ مکہ میں رات کے وقت ہم لوگوں میں بیٹھے تھے کہ یکایک آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی میرے ساتھ چلے لیکن وہ نہ چلے جس کے دل میں ذرا سا بھی کھوٹ ہو‘ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں پانی کا لوٹا لے کر آپؐ کے ساتھ ہولیا۔ آپؐ مجھے ساتھ لیے ہوئے مکہ کے آگے پہنچے‘ وہاں مجھ کو کچھ پرچھائیاں ایک جگہ اکٹھی نظر آئیں۔ آپؐ نے ایک خط کھینچ دیا اور فرمایا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں تم یہیں کھڑے رہو‘ یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ آگے بڑھ گئے‘ میں نے دیکھا کہ وہ پرچھائیاں آپ کی طرف چلیں‘ آپؐ ان کے ساتھ دیر تک بیٹھ باتیں کرتے رہے‘ جب فجر کا اجالا ہوا تو آپؐ میرے پاس آئے اور وضو کا پانی مانگا‘ میں نے دیکھا تو وہ پانی کے بجائے کھجوروں کا

(۱) صحیح مسلم باب الجہر بقراءۃ الصبح۔
(۲) صحیح بخاری و مسلم باب مذکور و مسند احمد جلد اول ص ۲۵۲۔
(۳) صحیح مسلم باب مذکور۔
(۴) صحیح مسلم باب مذکور۔
(۵) ترمذی تفسیر سورۂ احقاف۔
(۶) صحیح مسلم باب الجہر بقراءۃ الصبح‘ صحیح بخاری باب ذکر الجن فی المبعث صحیح بخاری و مسلم و ترمذی باب الاستنجاء۔

Marfat.com

شربت (نبیذ) تھا۔ آپؐ نے فرمایا' اس میں کیا حرج ہے کھجور بھی پاک ہے اور پانی بھی پاک' یہ کہہ کر آپؐ نے اسی سے وضو کیا' اس کے بعد نماز کو کھڑے ہوئے تو ان میں سے دو آدمی پاس آ کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہؐ! ہم بھی آپؐ کے پیچھے نماز پڑھیں گے' چنانچہ وہ بھی میرے ساتھ آپؐ کے پیچھے کھڑے ہوئے' نماز سے فارغ ہو کر میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ! یہ کون لوگ تھے؟ فرمایا یہ شہر نصیبین کے جن تھے' اپنے کچھ معاملات میرے پاس فیصلہ کے لیے لائے تھے' انہوں نے مجھ سے توشہ مانگا تو میں نے دے دیا عرض کی یا رسول اللہؐ! کیا آپؐ کے ساتھ کوئی توشہ کا سامان تھا؟ فرمایا میں نے انہیں گوبر اور ہڈی کا توشہ دے دیا ہے' گوبر ان کے لیے جو اور ہڈی پر گوشت ہو جائے گی' اسی موقعہ پر آپؐ نے گوبر اور ہڈی سے استنجا منع فرمایا۔ (۱)

زیادات مسند اور صحیح مسلم کی دونوں روایتیں کیا ایک ہی واقعہ کی دو تفصیلیں ہیں؟ مگر ان دونوں ہی روایتوں کے جزئیات میں اسی قدر فرق ہے کہ وہ یقیناً ایک نہیں ہو سکتیں' لیکن حقیقت یہ ہے کہ زیادات مسند کی روایت بالکل لغو اور بے سروپا ہے۔ اس روایت کا سلسلہ سند یہ ہے۔ عن ابی فزارۃ عن ابی زید مولی عمرو بن الحریث المخزومی عن عبداللہ بن مسعودؓ۔ اس میں ابو زید مولی عمرو بن حریث ایک مجہول راوی ہے۔ جس سے محدثین میں کوئی واقف نہیں' حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔

ابو زید مولی عمر و بن حریث لایعرف عن ابن مسعود و عنه ابو فزارة لا یصح حدیثه ذکره البخاری فی الضعفاء و متن حدیثه ان نبی الله توضأ بالنبیذ و قال ابو محمد الحاکم رجل مجهول قلت ماله سوی حدیث و احد. (میزان الاعتدال)

''ابو زید غلام عمرو بن حریث اس کو کوئی جانتا نہیں' اس نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے اور اس سے ابو فزارہ نے' اس کی حدیث صحیح نہیں' بخاری میں ضعفاء میں اس کو درج کیا ہے' اس کی حدیث کا متن یہ ہے کہ آنحضرت نے نبیذ سے وضو کیا ابو احمد حاکم کہتے ہیں کہ یہ مجہول الحال آدمی ہے میں کہتا ہوں کہ اس کی یہی ایک حدیث ہے۔''

البتہ ترمذی میں اسی قسم کا ایک واقعہ عبداللہ بن مسعودؓ سے فرشتوں کی آمد اور دیدار کے متعلق بروایت صحیحہ مروی ہے۔

(۱) مسند ابن حنبل جلد اول ص ۴۵۸۔

Marfat.com

شقِّ قمر

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ (قمر)

پیغمبرؐ کی صداقت کی گواہی کائنات کا ذرہ ذرہ دیتا ہے' آسمان اور زمین' چاند اور سورج ہر چیز اس کی صداقت کا ثبوت بن جاتی ہے۔ انجیل (متی ۲۔۲) میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت ایک نیا ستارہ طلوع ہوا اور جب انہوں نے وفات پائی تو تین گھنٹہ کے لیے تمام دنیا میں اندھیرا چھا گیا (متی ۲۷۔۴۵) قرب قیامت کی ایک نشانی یہ بھی تھی کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے' یہ نشانی آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر پوری اتری اور قرآن نے کہا۔

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ وَ اِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَ يَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ (قمر:۱)

''قیامت نزدیک آ گئی اور چاند شق ہو گیا' اگر کافر کوئی سا بھی نشان دیکھیں تو اس سے اعراض ہی کریں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو سدا سے ہوتا آیا ہے۔''

بعض عقل پرست مسلمانوں نے قرب قیامت کی مناسبت سے یہ تاویل کی ہے کہ اس آیت سے آنحضرت ﷺ کے عہد میں شق قمر کا ثبوت نہیں ہوتا بلکہ یہ قیامت کے واقعہ کا ذکر ہے' لیکن اس حالت میں اول تو بے قرینہ ماضی (چاند پھٹ گیا) کو مستقبل (چاند پھٹ جائے گا) کے معنی میں لینا پڑے گا' دوسرے یہ کہ اگر قیامت کا واقعہ ہوتا تو اس کے بعد یہ کیوں ہوتا کہ ''یہ کافر اگر کوئی سی نشانی بھی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور یہ کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہوتا آیا ہے۔'' قیامت سامنے آ جانے کے بعد اس کے انکار کے کیا معنی اور اس کو مستمر جادو کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اس کے علاوہ مستند اور صحیح روایات کی کیونکر تردید کی جا سکتی ہے۔

اس شقِ قمر کا واقعہ صحیح بخاری' صحیح مسلم' جامع ترمذی' مسند ابن حنبل' مسند طیالسی' مستدرک حاکم' دلائل بیہقی' اور دلائل ابونعیم میں بہ تصریح تمام مذکور ہے کہ صحابہؓ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ' عبداللہ بن عباسؓ' عبداللہ بن عمرؓ' انس بن مالکؓ' جبیر بن مطعمؓ' علی بن ابی طالب اور حذیفہؓ بن یمان وغیرہ نے اس واقعہ کی روایت کی ہے ان میں سب سے صحیح اور مستند تر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے جو صحیح بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں مروی ہے' وہ اس واقعہ کے وقت موقع پر موجود تھے' اور اس معجزہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا' چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

انشق القمر و نحن مع النبی ﷺ بمنی فقال اشهدوا و ذهبت فرقة نحو الجبل. (بخاری و ترمذی و مسلم).

''ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ چاند پھٹ گیا اور اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کی طرف چلا گیا آپ نے فرمایا گواہ رہو۔''

صحیحین میں ان کی دوسری روایت یہ ہے۔

انشق القمر علی عهد رسول الله صلی الله

''آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں چاند کے دو ٹکڑے ہو

Marfat.com

علیه وسلم فرقتین فرقة فوق الجبل و فرقة دونه فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اشهدوا. (صحیح بخاری و مسلم)

گئے ایک ٹکڑا تو پہاڑ کے اوپر رہا اور دوسرا اس کے نیچے' آپؐ نے فرمایا گواہ رہو۔"

حضرت انسؓ بن مالک کی یہ روایت بخاری و مسلم دونوں میں ہے۔

ان اهل مكة سالوا رسول الله صلى الله عليه وسلم يريهم آيه فارا هم القمر شقتين حتى راوا حرابينهما.

"اہل مکہ نے آپ سے مطالبہ کیا کہ آپؐ ان کو کوئی معجزہ دکھائیں آپؐ نے ان کو چاند کے ٹکڑے دکھائے' ایک ٹکڑا حرا کے اس طرف تھا دوسرا اس طرف۔"

صحیح مسلم میں ہے۔

ان اهل مكة سالوا النبي صلى الله عليه وسلم ان يريهم اية فاراهم انشقاق القمر فرقتين.

"اہل مکہ نے آنحضرت ﷺ سے کوئی نشانی طلب کی تو آپ نے چاند کو دو ٹکڑے ہونے کو دکھایا۔"

جامع ترمذی میں ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

سال اهل مكة النبي صلى الله عليه و سلم اية فانشق القمر بمكة فرقتين فنزلت.

"اہل مکہ نے آنحضرت ﷺ سے کوئی نشانی طلب کی تو چاند مکہ میں دو ٹکڑے ہو گیا اس پر یہ آیت اتری۔"

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ (قمر)

"قیامت آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔"

جامع ترمذی اور مسند ابن حنبل میں جبیرؓ بن مطعم کی جو روایت ہے اس میں ہے کہ اس معجزہ کو دیکھ کر کفار نے کہا کہ محمدؐ نے ہم پر جادو کر دیا ہے' دوسروں نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کر دیا ہے تو تمام آدمیوں پر تو جادو نہیں کر سکتے' مسند ابو داؤد طیالسی (۱) اور بیہقی میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ محمدؐ تمام دنیا پر تو جادو نہیں کر سکتا' مسافروں کو اور مقامات سے آنے دو' دیکھو وہ کیا کہتے ہیں؟ چنانچہ جب اِدھر اُدھر سے مسافر آئے اور ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے بھی اپنا یہی مشاہدہ بیان کیا۔

بہر حال یہ معجزہ رات کے وقت مکہ میں بمقام منیٰ واقع ہوا۔

عقلی حیثیت سے یہ معجزہ زمانہ قدیم سے معرکۃ الآراء رہا ہے' علمائے متکلمین نے فلسفہ قدیم کے اصول پر اس میں خوب خوب موشگافیاں کی ہیں' مثلاً فلاسفہ قدیم کا یہ اعتقاد تھا کہ اجرام فلکی میں خرق والتیام اور شکست و ریخت محال ہے' اس لیے شق قمر بھی ناممکن ہے' متکلمین نے ثابت کیا کہ اجرام فلکی میں خرق والتیام اور شکست و ریخت ممکن ہے' مگر اب جدید طبیعیات و ہیئت نے ہماری معلومات کے آسمان و زمین کو بدل دیا ہے۔ یہ مباحث بے سود و بے بیکار ہیں۔ اب تو ہر روز نئے ستاروں کے شکست و ریخت اور تصادم کے حادثے سنے جا رہے ہیں اور ہیئت جدید اور علم تکوین میں تو زمین' سورج اور ستاروں کے آغاز آفرینش کی داستان ہی اس باب سے شروع ہوتی ہے۔

(۱) مسند عبداللہ بن مسعود ص ۳۸' حیدر آباد دکن۔

Marfat.com

اس سے دوسرے درجہ پر ایک اور قدیم اعتراض و جواب کتابوں میں لکھا چلا آتا ہے اور ہمارے مسیحی ناظرین نے اس کو نئے آب ورنگ سے شہرت دی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ معجزہ درحقیقت واقع ہوتا تو یہ صرف اہل مکہ ہی کو نظر نہ آتا بلکہ اس کو تمام دنیا دیکھتی اور اس کی روایتیں مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل جاتیں لیکن بجز مکہ کے اور ملکوں میں اس واقعہ کا چرچا نہیں ہوا اور تمام قدیم اہل نجوم اور ہیئت و تاریخ اس کی روایت سے خاموش ہیں۔

لوگوں نے اس شبہ کے یہ جوابات دیئے ہیں کہ اولاً ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ واقعہ کسی دوسرے ملک کے لوگوں کو نظر نہیں آیا' تم اس کے ثبوت میں کہو گے کہ اگر نظر آتا تو اس ملک کے اہل تاریخ اس کا ذکر کرتے' حالانکہ کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں' لیکن سوال یہ ہے کہ ایک ملک کا مشہور واقعہ جو دوسرے ملک کی معاصر تاریخوں میں مذکور نہ ہو' صرف اس کا یہ عدم ذکر کیا اس کے انکار کی سند ہو سکتا ہے اور اگر ایسا ہے تو ہندوؤں کی مہابھارت کا تم انکار کر سکتے ہو' حضرت مسیحؑ کے تمام معجزات بلکہ واقعات زندگی تک کا انکار کر سکتے ہو کہ شام و مصر کے معاصر رومی مورخوں نے ایسے عجیب وغریب واقعات کا ایک حرف بھی قلم بند نہیں کیا' اس کے برخلاف ابھی اوپر کی روایتوں میں بیان کیا جا چکا ہے کہ عرب و شام سے آنے والے مسافروں نے یہ بیان کیا کہ انہوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا تھا۔

فلکی حیثیت سے جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ اہل ہیئت جو اجرام فلکی کے ایک ایک واقعہ کو قلم بند کرتے آئے ہیں' انہوں نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معجزہ رات کے وقت ظاہر ہوا تھا اور اس وقت دنیا کا بڑا حصہ خواب راحت میں مصروف تھا' جو لوگ بیدار بھی ہوں گے' وہ اپنے دوسرے مشاغل میں مصروف ہوں گے اور جنہوں نے دیکھا بھی ہوگا' ان میں کتنا بڑا حصہ ان کا ہوگا جو اپنے مشاہدات کو تحریری صورت میں لانے پر قادر نہ تھے یعنی ناخواندہ تھے اور اگر ان میں چند لکھے پڑھے ارباب ہیئت اور اصحاب تاریخ تھے تو ضروری نہیں کہ انہوں نے اپنے اس مشاہدہ کا تذکرہ بھی کیا ہو یا تذکرہ کیا تو ان کی یادداشت مثل دوسری سینکڑوں علمی یادداشتوں کے ضائع ہو گئی ہو' آغاز آفرینش سے اب تک اجرام فلکی میں لاکھوں انقلابات پیش آئے ہوں گے لیکن کیا وہ سب کے سب دنیا کے اوراق ہیئت میں درج ہیں؟ اور ان کا درج نہ ہونا ان کے عدم وقوع کی دلیل ہے؟ مختلف مذاہب کی کتابوں میں اس قسم کے حوادث فلکی کا ذکر ہے لیکن علم ہیئت و فلک اس کے ذکر سے خاموش ہے' لیکن یہ خاموشی اسی کے عدم وقوع پر شہادت ہے؟ خود تمہاری انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت ایک ستارۂ نبوت طلوع ہوا جس کو یورپ کے لوگوں نے دیکھا اور پھر انجیل میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی تو تمام دنیا دفعتاً تاریک ہو گئی' لیکن کیا ہیئت و افلاک کی کتابوں میں ان انقلابات سماوی کا تذکرہ موجود ہے۔

حوادث فلکی کے حدوث اور وقوع میں بڑی چیز یہ ہے کہ اس کا مشاہدہ مطالع اور مغارب پر موقوف ہے اور ہر جگہ کے مطالع و مغارب دوسری جگہ سے نہایت مختلف ہیں' بالخصوص قمر کے مطالع میں تو اور بھی سخت اختلاف ہے' ایک جگہ چاند ڈوبتا ہے دوسری جگہ نکلتا ہے' ایک جگہ چاندنی ہے دوسری جگہ اندھیرا ہوتا ہے' ایک جگہ چاند کو گہن لگتا ہے اور دوسرے مقامات کے لوگوں کو وہ نظر تک نہیں آتا' اس لیے اگر تمام دنیا نے اس معجزہ کو نہیں دیکھا تو یہ شق قمر کی نفی کی دلیل نہیں' چنانچہ دنیا کی مختلف باخبر قوموں نے اپنی اپنی کتابوں میں مختلف حوادث فلکی کا ذکر کیا ہے' لیکن جس واقعہ کو

Marfat.com

ایک نے بڑے شدومد سے بیان کیا ہے اس کی معاصر قوموں کی کتابیں اس کی شہادت سے قطعاً خالی ہیں' لیکن کیا یہ خاموشی اس کے عدم وقوع کی سند ہو سکتی ہے؟ علاوہ اور وجوہ کے اس خاموشی اور اختلاف کی ایک وجہ یہی ہوتی ہے کہ تمام دنیا کا ایک مطلع نہیں ہے اس لیے ایک جگہ نظر آتی ہے دوسری جگہ نہیں آتی' بعض متکلمین نے جن میں ایک شاہ ولی اللہ صاحب بھی ہیں' لکھا ہے اور امام غزالی کا بھی ادھر ہی رجحان معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت چاند میں شگاف نہیں ہوا تھا بلکہ لوگوں کو ایسا نظر آیا' چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں۔

ان اهل مكة سالوا النبى صلى الله عليه وسلم ان يريهم اية فاراهم انشق القمر فرقتين. (صحیح مسلم)

''اہل مکہ نے آپؐ سے نشانی طلب کی تو آپؐ نے چاند دو ٹکڑے کر دکھایا۔''

ہم ان تمام پُر پیچ راستوں سے گزر کر صرف ایک سیدھی سی بات کہہ دینا چاہتے ہیں کہ شق القمر اہل مکہ کی طلب پر ایک آیت الٰہی تھی' یعنی ان منکروں کو ان کی خواہش کے مطابق ثبوت کی ایک نشانی دکھائی گئی تھی' احادیث میں یہ ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا' خواہ درحقیقت چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ہوں یا خدا نے ان کی آنکھوں میں ایسا تصرف کر دیا ہو کہ ان کو چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا جو خدا انسانوں کی آنکھوں میں خلاف عادت تصرف کر سکتا ہے وہ خود چاند میں بھی خلاف عادت تصرف کر سکتا ہے' پھر چونکہ اللہ نے یہ نشانی اہل مکہ کے لیے ظاہر کی تھی اور ان ہی کے لیے یہ آیہ ثبوت تھی' اس لیے تمام دنیا میں اس کے ظہور اور روایت کی حاجت نہ تھی' اس بنا پر بالفرض اگر دنیا کے دوسرے حصوں میں شق قمر مشاہدہ نہ ہوا تو یہ حیرت اور تعجب کی بات نہیں بلکہ اہل مکہ کے علاوہ اور لوگوں کو دوسرے شہروں اور ملکوں میں اس کا نظر نہ آنا ہی مصلحت الٰہی تھی کہ اگر یہ عام طور سے دوسرے اقطاع عالم کے لوگوں کو بھی نظر آتا تو یہ سمجھا جا سکتا کہ یہ آسمان کے طبعی انقلابات میں سے کوئی انقلاب تھا' جیسا کہ اور سینکڑوں قسم کے تغیرات اس سے پہلے ہو چکے ہیں' جیسا کہ فلکیات اور علم بدء الخلق (کسموگریفی اور نیچر ہسٹری) میں مذکور ہیں' لیکن جب اہل مکہ کے علاوہ جو شہر میں تھے یا باہر قافلہ میں تھے صرف ان ہی کو نظر آیا تو اس بات کی صاف اور صریح دلیل ہے کہ یہ صرف آنحضرت ﷺ کے ایک نشان کے طور پر ظاہر ہوا۔ وللہ الحمد۔

❁

Marfat.com

غلبہ رُوم کی پیشین گوئی

﴿الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ﴾ (روم)

آنحضرت ﷺ نے اپنی الہامی زبان سے جن واقعات کی پیشین گوئی کی ہے ان سب میں سب سے زیادہ شاندار، سب سے زیادہ صاف وصریح، سب سے زیادہ معرکۃ الآراء روم کی پیشین گوئی ہے۔

عرب کے چپ وراست دونوں پہلوؤں میں روم وفارس کی پرزور حکومتیں قائم تھیں، اس وقت ایران کا تاجدار خسرو اور روم کا فرمانروا ہرقل تھا، ان دونوں سلطنتوں میں ایک مدت سے معرکہ آرائیوں کا سلسلہ قائم تھا۔ بعثت نبویؐ کے پانچویں سال یعنی ۶۱۱ء میں ان دونوں ہمسایہ سلطنتوں میں ایک خون ریز جنگ شروع ہوگئی، اگرچہ ان دونوں قوموں میں کسی قوم نے مذہب اسلام قبول نہیں کیا تھا تاہم رومی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو اور اہل کتاب تھے اور ایرانیوں کے عقائد مشرکین مکہ کے ساتھ مطابقت رکھتے تھے، اس لیے لازمی طور سے مسلمانوں کو رومی عیسائیوں کے ساتھ اور مشرکین مکہ کو ایرانیوں کے ساتھ ہمدردی تھی، اس لیے مسلمانوں اور کفار قریش دونوں کو جنگ کے نتیجہ کا شدت کے ساتھ انتظار تھا۔

ان دونوں سلطنتوں کے حدود دریائے دجلہ وفرات کے کناروں پر آکر ملتے تھے، رومی سلطنت مشرق میں ایشیائے کوچک، حدود عراق، شام، فلسطین اور مصر میں پھیلی ہوئی تھی، ایرانیوں نے دو طرفہ حملہ کیا، ایک طرف تو وہ دجلہ فرات کے کناروں سے شام کی طرف بڑھے اور دوسرے طرف ایشیائے کوچک کی جانب آذربائیجان سے آرمینیا ہو کر موجودہ اناطولیہ میں داخل ہوگئے اور دونوں طرف سے رومیوں کو پیچھے ہٹاتے ہٹاتے سمندر میں ان کو دھکیل دیا۔ شام کی سمت میں انہوں نے یکے بعد دیگرے اس ارض مقدس کا ایک ایک شہر رومیوں سے چھین لیا۔

۶۱۴ء میں فلسطین اور اس کا مقدس شہر یروشلم صلیبی علم کے بجائے درفش کاویانی کے زیر سایہ آ گیا، کنیسے مسمار کیے گئے، مذہبی شعائر کی توہین کی گئی، ۲۶ ہزار یہودیوں نے ایرانی فوج میں شامل ہو کر ۹۰ ہزار بے گناہ عیسائیوں کا قتل عام کیا، شہنشاہ ایران کی قصر اقامت کی تیس ہزار مقتول سروں سے آرائش کی گئی، ایرانی فتوحات کا سیلاب اس سے آگے بڑھ کر ۶۱۶ء میں پوری وادی نیل یعنی مملکت مصر پر محیط ہوگیا اور آخر سکندریہ کے ساحل پر جا کر تھما اور دوسری طرف تمام ایشیائے کوچک کو زیر وزبر کرتا ہوا باسفورس کے ساحل پر جا کر رکا اور قسطنطنیہ کی دیواروں سے جا کر ٹکرایا، شہنشاہ روم کے دارالسلطنت کے سامنے ایران کے فاتح لشکر نے جا کر اپنے خیمے کھڑے کر دیئے اور اب رومیوں کے بجائے عراق وشام وفلسطین ومصر وایشیائے کوچک کے وسیع علاقوں میں ایرانی حکومت قائم ہوگئی۔ ہر جگہ آتش کدے تعمیر ہوئے اور مسیح کے بجائے آگ اور سورج کی جبری پرستش کو رواج دیا گیا، رومی سلطنت کی اس تباہی کو دیکھ کر روم شہنشاہی کی وسیع مملکت میں بغاوتیں کھڑی ہوگئیں، افریقہ میں بھی شورش ہوئی، خود قسطنطنیہ کے یورپ میں مختلف قومیں

Marfat.com

قتل وغارت گری میں مصروف ہوگئیں' غرض اس وقت سلطنت رومہ کے پرزے پرزے اڑ گئے تھے۔

جنگ کا نتیجہ جب ایسا خلاف امید ظاہر ہوا تو مسلمانوں کو یقیناً رنج اور کفار کو مسرت حاصل ہوئی اور انہوں نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ جس طرح ہمارے بھائی غالب ہوئے ہیں۔ اسی طرح اگر تم ہم سے لڑتے تو ہم غالب ہوتے اس وقت رومیوں کی جو افسوس ناک حالت تھی وہ آپ سن چکے کہ وہ اپنے مشرقی مقبوضات کا ایک ایک چپہ کھو بیٹھے تھے' خزانہ خالی تھا' فوج منتشر تھی' ملک میں بغاوتیں پیدا تھیں' شہنشاہ روم ہرقل ہمہ تن عیاش' بے پرواہ' سست اور مبتلائے اوہام تھا' ایرانیوں کا فاتح سپہ سالار قسطنطنیہ کے دروازہ پر پہنچ کر رومیوں کے سامنے حسب ذیل شرائط پیش کرتا ہے۔

رومی باج ادا کریں' ایک ہزار ٹالنٹ سونا' ایک ہزار ٹالنٹ چاندی' ایک ہزار حریر کے تھان' ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار باکرہ لڑکیاں ایرانیوں کے حوالہ کریں۔

رومیوں کی کمزوری کی یہ حالت ہے کہ وہ ان شرمناک شرائط کو قبول کرتے ہیں اس پر بھی جب رومی قاصد شہنشاہ ایران کے دربار میں مصالحت کا پیغام لے کر جاتا ہے تو مغرور خسرو جواب دیتا ہے کہ مجھ کو یہ نہیں بلکہ خود ہرقل زنجیروں میں بندھا ہوا میرے تخت کے نیچے چاہیے اور اس وقت تک صلح نہیں کروں گا جب تک شہنشاہ روم اپنے مصلوب خدا کو چھوڑ کر سورج دیوتا کے آگے سر نہ جھکا لے گا۔

کارزار عالم کا نقشہ یہ تھا کہ معرکہ جنگ سے بہت دور ایک خشک اور بنجر زمین کی سنسان پہاڑی سے ایک شہزادہ امن نمودار ہوا اور واقعات عالم کے بالکل خلاف سروش غیب سے نغمہ اقدس میں گویا ہوا۔

﴿الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ وَعْدَ اللّٰهِ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ﴾ (روم)

"رومی قریب تر زمین میں مغلوب ہو گئے' لیکن وہ چند سال میں مغلوب ہو جانے کے بعد پھر غالب ہوں گے خدا ہی کے ہاتھ میں پہلے اور پیچھے سب اختیار ہے اور اس دن مسلمان خدا کی مدد سے خوش ہوں گے وہ جس کی چاہے مدد کرے وہ غالب رحم والا ہے' خدا کا وعدہ ہے خدا اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔"

یہ پیشین گوئی واقعات کے لحاظ سے اس قدر مستبعد اور ناقابل یقین تھی کہ کفار نے اس کے صحیح ہونے کی صورت میں کئی اونٹوں کے ہارنے کی مسلمانوں سے شرط لگائی' اب مسلمانوں اور کافروں کو بڑی شدت سے واقعات کے پہلو کا انتظار تھا' آخر چند سال کے بعد دنیا نے خلاف امید پلٹا کھایا' مورخ گبن کے الفاظ میں شہنشاہ جو اپنی ابتدائی اور آخری زندگی میں سستی' عیاشی اور اوہام کا غلام اور رعایا کے مصائب کا نامرد تماشائی تھا' جس طرح صبح وشام کا کہر آفتاب نصف النہار کی روشنی سے پھٹ جاتا ہے' دفعتہ ۶۲۱ء میں محلوں کا اکارڈیوس میدان جنگ کا سیزر بن گیا اور روم اور ہرقل کی عزت نہایت شاندار طریقہ سے بچالی گئی۔ (۱)

جس وقت ہرقل اپنی بقیۂ فوج لے کر قسطنطنیہ سے چلا ہے' لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ رومۃ العظمٰی کے آخری لشکر کا

(۱) تاریخ زوال روم مصنفہ گبن ج ۳ ص ۳۰۴ مطبوعہ ۱۸۹۰ء۔

Marfat.com

منظر دنیا کے سامنے ہے۔[1] لیکن عرب کے نبی اُمی کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور عین اس وقت جب مسلمانوں نے بدر کے میدان میں قریش کو شکست دی' رومیوں نے ایرانیوں پر غلبہ حاصل کیا' مشرقی مقبوضات کا ایک کا ایک ایک شہر واپس لے لیا اور ایرانیوں کو باسفورس اور نیل کے کناروں سے ہٹا کر پھر دجلہ وفرات کے سواحل کی طرف دھکیل دیا۔

اس عظیم الشان پیشین گوئی کی صداقت کے اثر نے دنیا کو محو حیرت کر دیا' قریش سے بہت سے لوگ اس صداقت کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔[2] واقعہ کے ساڑھے بارہ سو برس کے بعد تاریخ زوال روم کا مشہور مصنف گبن اس حیرت ناک پیشین گوئی کی صداقت سے متحیر ہو کر کہتا ہے۔

''مشرق کی ان دو عظیم الشان سلطنتوں کے ڈانڈے پر بیٹھ کر ان دونوں کی ایک دوسرے کو تباہ کر دینے والی روز افزوں کوششوں کی ترقی کو دلی مسرت کے ساتھ بغور مطالعہ کر رہا تھا اور عین اس وقت جب کہ ایرانیوں کو پیہم کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں اس نے اس پیشین گوئی کی جرأت کی کہ چند سال میں فتح وظفر رومی علم پر سایہ فگن ہو گی' جس وقت پیشین گوئی کی گئی تھی' کوئی پیشین گوئی اس سے زیادہ دور از قیاس نہیں ہو سکتی تھی' کیونکہ ہرقل کی بارہ سال (۶۱۰ء سے ۶۲۲ء تک) کی حکومت نے اس بات کا اعلان کر دیا تھا کہ رومی شہنشاہی کا شیرازہ جلد بکھر جائے گا۔''[3]

ہرقل کی طبیعت میں اس فوری انقلاب اور واقعات کی رو سے اس حیرت ناک تغیر اور اس کے اسباب کی تفصیل میں تاریخ روم کے مصنفین نے عجیب عجیب باتیں پیدا کی ہیں لیکن انہیں کیا معلوم کہ اس خونی معرکہ سے دور ایک پیغمبرانہ ہاتھ رومیوں کی مدد کے لیے دراز تھا اور وہی اس انقلاب اور تغیر کا سب سے بڑا روحانی سبب تھا۔

مستدرک[4] (علی شرط الصحیحین) اور جامع ترمذی[5] میں ہے کہ روم وفارس کی جنگ جب شروع ہوئی تو مشرکین ایرانیوں کے طرف دار تھے' کیونکہ وہ بھی بت پرست تھے اور مسلمان رومیوں کے طرف دار تھے کہ وہ اہل کتاب تھے اس وقت ایرانی روم کو دباتے جا رہے تھے' اس پر سورہ روم کی پیشین گوئی نازل ہوئی' حضرت ابوبکرؓ نے چلا چلا کر تمام مشرکین کو یہ پیشین گوئی سنائی' مشرکین نے کہا کہ اس پیشین گوئی کے لیے کوئی سال مقرر کر دو' حضرت ابوبکرؓ نے پانچ سال کی شرط کی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ بضع کا لفظ ۳ سے ۹ تک بولا جاتا ہے' اس لیے دس سال سے کم کی مدت مقرر کرنی چاہیے تھی' چنانچہ اس تشریح کے مطابق نویں سال غزوہ بدر کے موقع پر پیشین گوئی پوری ہوئی اور رومی غالب آئے۔

غزوہ بدر ہجرت کے پہلے سال اور بعثت کے چودھویں سال پیش آیا' اس سے ۹ برس پہلے بعثت کا پانچواں

(۱) ایضاً۔

(۲) ترمذی تفسیر سورہ روم۔

(۳) تاریخ زوال روم ج ۳ ص ۳۰۲ ص ۳۰۳ طبع مذکور۔

(۴) جلد ۲ تفسیر سورہ روم۔

(۵) تفسیر سورہ روم۔

Marfat.com

سال ہوگا' اس بناء پر پیشین گوئی کا زمانہ ۵ بعثت اور اس کے پورے ہونے کا زمانہ ۱۴ بعثت یا ۱ھ ہے بعض لوگوں نے اس پیشین گوئی کے پورے ہونے کا زمانہ صلح حدیبیہ کا سال یعنی ۶ھ بیان کیا ہے' یہ صحیح نہیں' شاید لوگوں کو اس سے دھوکہ ہوا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ قاصد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جب اسلام کا دعوت نامہ لے کر قیصر کے پاس گیا تو وہ اس وقت فتح کا شکریہ ادا کرنے کے لیے شام آیا ہوا تھا۔ اور معلوم ہے کہ قاصد صلح حدیبیہ کے زمانہ میں روانہ ہوئے تھے' اس لیے لوگوں نے یہ سمجھا کہ حصول فتح کی بھی یہی تاریخ ہے' مگر یہ مغالطہ ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ یہ فتح مکہ کی تاریخ نہیں بلکہ فتح کے جشن کی تاریخ ہے' رومی تاریخ مطابقت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ۶۰۹ء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی' ۶۱۰ء سے روم و فارس کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی' ۶۱۳ء میں اعلان جنگ ہوا۔ ۶۱۴ء سے رومیوں کی شکست کا آغاز ہوا اور ۶۲۵ء میں ان کی فتح تکمیل کو پہنچ گئی' اس ترتیب سے دیکھیے تو ظاہر ہوگا کہ اس پیشین گوئی کی خوبی یہ ہے کہ آغاز شکست سے آغاز فتح تک جوڑیے بھی تو وہی نو برس ہو گئے ہیں اور اگر انجام شکست سے آغاز فتح تک جوڑیے تو بھی وہی نو برس ہوں گے۔

اس فتح کی تکمیل کے بعد ہرقل پھر وہی سست وعیاش قیصر بن گیا جو پہلے تھا' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دست قدرت نے صرف اس پیشین گوئی کے پورا کرنے کے لیے چند سال کے واسطے اس کے دل و دماغ کو بیدار اور دست بازو کو ہشیار کر دیا تھا' پیشین گوئی کی تکمیل کے بعد پھر پہلے کی طرح تعیش اور کاہلی نے اس کو عیش وغفلت کے بستر پر تھپک تھپک کر سلا دیا۔

Marfat.com

دیگر آیات و دلائل نبویؐ

قرآن مجید میں

طیراً ابابیل کی نشانی:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت عام الفیل میں ہوئی جس میں ابرہۃ الاشرم نے ہاتھیوں کی قطار کے ساتھ خانہ کعبہ پر حملہ کرنا چاہا تھا' لیکن قضائے آسمانی کے ایک حقیر پرندہ نے کنکریوں کے ذریعہ سے ان کو ہلاک کر دیا' یہ ایک عظیم الشان نشان تھا جس کا ظہور مسلمان اور عیسائی دونوں تسلیم کریں گے کہ مشرکین عرب کی تائید کے لیے نہیں ہوسکتا تھا' کیونکہ ابرہۃ الاشرم ایک عیسائی بادشاہ تھا جس کا مذہب بہر حال مشرکین سے بہتر تھا' بلکہ یہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا نشان تھا جن کی ذات پاک حقیقی طور پر خانہ کعبہ کی حفاظت کی کفیل تھی' یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس معجزہ کے ذکر میں خاص طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روئے خطاب کیا ہے۔

﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ﴾ (فیل)

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا ان کی چھپی گھاتوں کو بے راہ نہیں کر دیا اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے جو ان کو پتھریلی کنکریوں سے مارتے تھے تو خدا نے ان کو کھائی ہوئی بھس کے مانند کر دیا۔''

یہ سورۃ واقعہ کے تقریباً ۴۵ برس بعد اتری تھی اور غالباً اس وقت متعدد اشخاص اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہوں گے اور ایسے تو ہزاروں ہوں گے جنہوں نے دیکھنے والوں سے براہ راست اور بلا واسطہ اس واقعہ کو سنا ہوگا' کفار جو ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے درپے رہتے تھے' اگر اس صورت واقعہ کے بیان میں کچھ بھی غلطی' یا جھوٹ شامل ہوتا تو وہ اس کی اعلانیہ تردید کر دیتے' مگر ایسا نہیں ہوا' اس لیے اس کی سچائی میں کوئی شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا۔

شہاب ثاقب کی کثرت

آنحضرت ﷺ کو جب نبوت عطا ہوئی تو نظم آسمانی میں ایک خاص انقلاب پیدا ہوا' جنات جو پہلے آسمان کے قریب تک جا سکتے تھے ان کی آمد و رفت مسدود کر دی گئی اور ان پر ٹوٹنے والے تاروں کی بارش ہونے لگی' چنانچہ قرآن مجید میں خود جنات کی زبانی بیان ہے۔

﴿ وَ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ

''ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو پایا کہ وہ سخت پہرہ داروں اور

Marfat.com

﴿حَرَسًا شَدِیْدًا وَّ شُهُبًا وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْلَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا﴾ (جن:۱)

"ٹوٹنے والے تاروں سے بھر دیا گیا ہے اور ہم پہلے سننے کو وہاں ٹھکانوں پر بیٹھتے تھے لیکن اب جو کوئی سنے تو تارے کو اپنی تاک میں پاوے۔"

شرح صدر

شرح صدر یعنی سینہ کا کھول دینا یا اس غرض سے چاک کر دینا کہ وہ نور الٰہی سے معمور کیا جائے ایک دولت ربانی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی ارشاد ہوا۔

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ (شرح)

"اے محمدؐ! کیا ہم نے تیرے سینہ کو کھول نہیں دیا (یا چاک نہیں کر دیا)۔"

احادیث میں گو شرح صدر کی پوری تفصیل مذکور ہے مگر بہر حال قرآن پاک سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ خواہ یہ ظاہری طور سے یا باطنی رنگ میں علم و حکمت اور نور معرفت کی غیر معمولی اور مافوق بشری بخشش ہو ہر صورت میں وہ ایک فہم سے بالاتر کیفیت تھی۔

مکہ سے بیت المقدس تک ایک شب میں سفر:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزانہ طریق پر ایک شب میں مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک جو پُر اسرار سفر کیا' قرآن نے ان الفاظ میں ان کی تصدیق کی ہے۔

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی﴾ (اسراء:۱)

"پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندہ کو خانہ کعبہ سے بیت المقدس تک رات کے وقت ایک شب میں لے گیا۔"

حالانکہ ان دونوں مقامات کے بیچ میں اس زمانہ میں مہینوں کا سفر تھا۔

قریش پر قحط سالی کا عذاب:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے پہلے بھی یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جب قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تو آپؐ نے ان کو بددعا کی کہ خداوندا ان کو سات سال تک قحط میں مبتلا رکھ' جس طرح تو نے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں سات سال تک مستقل قحط کو قائم رکھا تھا' چنانچہ ان پر ایسا سخت قحط پڑا کہ لوگوں نے بھوک کے مارے مردار اور چمڑے کھائے' یہاں تک کہ جب لوگ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو وہ ان کو دھوئیں کی طرح نظر آتا تھا' یہ حالت دیکھ کر ابوسفیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے محمدؐ! تم خدا کی اطاعت اور صلہ رحم کا حکم دیتے ہو' حالانکہ خود تمہاری قوم تباہ ہو رہی ہے اس کے لیے خدا سے دعا کرو' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور بارش ہوئی جس نے قحط کی مصیبت کو دور کر دیا' اس کے بعد پھر قریش نے حسب دستور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت شروع کی تو قیام مکہ ہی کے زمانہ میں خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ پیشین گوئی

Marfat.com

قریش کوسنائی کہ آئندہ اس کا انتقام ایک اور سخت گرفت سے لیا جائے گا' وہ گرفت بدر کی لڑائی تھی چنانچہ سورۂ دخان کی ان آیتوں میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔ (۱)

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ يَّغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَ قَدْ جَآءَ هُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلاً اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ﴾ (دخان:۱)

''اس دن کا انتظار کرو جب آسمان دھواں نمایاں کرے گا جو لوگوں پر چھا جائے گا یہ نہایت تکلیف دہ عذاب ہے' خداوندا یہ عذاب ہمارے اوپر سے ہٹا لے' ہم مسلمان ہیں اور کہاں ان کے لیے ہے نصیحت پکڑنا' حالانکہ ان کے پاس ایک رسول کھلم کھلا آیا پھر ان لوگوں نے اس سے اعراض کیا اور کہا یہ سکھایا ہوا پاگل ہے ہم تھوڑی دیر کے لیے عذاب کو ہٹا لینے والے ہیں' تم لوگ اس قدیم حالت کی طرف عود کر جاؤ گے ہم اس روز انتقام لیں گے جو سب سے بڑی پکڑ کا دن ہوگا۔''

متوقع ہجرت کی معجزانہ نشانیاں:

کفار نے دارالندوہ میں چھپ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل وغیرہ کے مشورے کیے' کوئی مسلمان نہ ان میں شریک تھا اور نہ کسی طرح ہو سکتا تھا' مگر آنحضرت ﷺ کو ہر چیز کی خبر اللہ تعالیٰ نے دے دی' دن' تاریخ' وقت سب سے آگاہی ہوگئی اور پھر یہ کہ جس شب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی' سب کو معلوم ہے کہ اس رات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے چاروں طرف دشمنوں کا پہرہ تھا تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی آنکھوں میں خاک جھونک کر اُن ہی کے درمیان سے نکل کر حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ شہر سے نکل گئے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے قریب ہی غار ثور میں جا کر چھپے' عرب آثار قدم سے اشخاص کے مقام وگزرگاہ کا پتہ لگانے میں نہایت مشاق تھے' صبح کو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ لگاتے ہوئے غار مذکور کے دہانہ تک پہنچ گئے' یہاں تک کہ اگر وہ ذرا جھک کر دیکھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اقتضائے بشری سے گھبرا اٹھے' مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی کہ خدا ہمارے ساتھ ہے' چنانچہ ساتھ والے خدا نے یہ تدبیر کی کہ کافروں سے ان کی یہ سوجھ چھین لی کہ وہ جھک کر دیکھیں اور ان کے دل میں ایسی بات ڈال دی کہ وہ بے دیکھے واپس چلے گئے' سیر کی اکثر ضعیف روایتوں میں اور مسند ابن حنبل کی ایک روایت میں جو زیادہ کمزور نہیں ہے مذکور ہے کہ مکڑی نے غار کے منہ پر جالے تن دیئے تھے' کفار نے کہا اگر کوئی غار میں جا کر چھپتا تو ظاہر ہے کہ یہ جالے ٹوٹ جاتے اور یہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے۔ اس غار سے نکل کر آپ ﷺ مدینہ کی راہ چلے تو قریش کے سوار آپ ﷺ کے تعاقب میں نظر آئے' چنانچہ سراقہ اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آپ ﷺ کے قریب پہنچ گیا' دفعتاً گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے' تین دفعہ یہی واقعہ پیش آیا' سراقہ اس اعجاز کو دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور خط امان لے کر واپس چلا گیا۔

واقعہ ہجرت کے ان معجزانہ واقعات کا تفصیلی بیان احادیث میں ہے' مگر قرآن مجید کا یہ اجمالی اعتراف ان کی

(۱) صحیح مسلم تفسیر سورۂ دخان۔

Marfat.com

تائیدی شہادت ہے۔

﴿وَ اِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَ یَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ﴾ (انفال:۴)

''اور یاد کرو (اے پیغمبر) جب کفار تمہارے ساتھ داؤ کر رہے تھے تا کہ تم کو قید کریں یا قتل کریں یا گھر سے نکال دیں' وہ بھی داؤ کر رہے تھے اور خدا بھی داؤ کر رہا تھا اور خدا سب داؤ کرنے والوں میں سے بہتر داؤ کرنے والا ہے۔''

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَکِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَ اَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ کَلِمَةَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی وَ کَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ﴾ (توبہ:۶)

''اے لڑائی سے پیچھے رہنے والے لوگو! اگر تم اس پیغمبر کی مدد نہ کرو تو وہ تمہاری مدد سے بے نیاز ہے کہ خدا نے اس وقت اس کی مدد کی جب اس کو کافروں نے مکہ سے نکال دیا تھا' دو رفیقوں میں سے ایک نے جب وہ دونوں غار میں تھے اپنے ساتھی سے کہا تھا کہ گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے' پھر خدا نے اس پر اپنی تسکین نازل کی اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کی بات کو نیچا کیا اور خدا ہی کی بات اونچی رہتی ہے اور خدا غالب اور تدبیر والا ہے۔''

خواب میں کفار کا کم دیکھنا:

ہجرت کے بعد سب سے بڑا معرکہ غزوۂ بدر کا پیش آیا' جس میں ایک طرف تین سو تیرہ مسلمان تھے جو ہتھیاروں سے بھی پورے آراستہ نہ تھے' دوسری طرف ایک ہزار قریش کی لوہے میں غرق فوج تھی' دنیا قیاس کر سکتی ہے کہ اس جنگ کا خاتمہ کس کے حق میں ہوتا لیکن چونکہ یہ اسلام کی ہمیشہ کے لیے موت وحیات کی ساعت تھی اس لیے کارساز قدرت نے اپنی عجیب وغریب نشانیوں سے حق کو فتح اور باطل کو شکست دی' چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ بدر سے پہلے آنحضرت ﷺ کو اس معرکہ کا نقشہ عالم رویا میں دکھایا گیا تھا اور اس میں کفار کی تعداد بہت کم دکھائی گئی تھی جو ان کی ذلت اور شکست کی طرف اشارہ تھا' مسلمانوں نے جب یہ خواب سنا تو ان کی ہمت ہوئی' اگر عالم رویا میں کفار کی کثرت دکھائی جاتی تو مسلمانوں کے حوصلے پہلے ہی سے پست ہو جاتے' چنانچہ قرآن مجید نے اس کی تصریح کر دی۔

﴿اِذْ یُرِیْکَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِکَ قَلِیْلًا وَلَوْ اَرٰکَهُمْ کَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ لَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ (انفال:۵)

''خدا کے احسان کو یاد کرو جب وہ تجھ کو تیرے خواب میں ان کافروں کو تھوڑا دکھا رہا تھا' اگر تم کو زیادہ کر کے دکھاتا تو تم ہمت ہار دیتے اور لڑائی کے بارہ میں آپس میں اختلاف کرتے لیکن خدا نے بچا لیا' بے شک خدا سینوں کے راز جانتا ہے۔''

Marfat.com

مسلمانوں کا کافروں کی نظر میں اور کافروں کا مسلمانوں کی نظر میں کم کر کے دکھانا

اس معرکہ میں سن چکے ہو کہ کافروں کی تعداد مسلمانوں سے تگنی تھی' ایسی حالت میں مسلمانوں کا بد دل ہونا لازمی تھا' خدا نے اپنی قدرت کاملہ کا یہ تماشہ دکھایا کہ مسلمانوں کی نگاہوں میں کچھ ایسا تغیر کر دیا کہ وہ مسلمانوں کو بہت تھوڑے معلوم ہونے لگے' ادھر کفار کو مسلمان تھوڑے نظر آتے تھے مقصود یہ تھا کہ روسائے کفار میدان سے بھاگ کر جانیں بچا کر نہ لے جانے پائیں' اس کی یہ تدبیر کی کہ مسلمان اپنی تعداد سے بھی کم ان کو نظر آنے لگے' اس کا اثر یہ ہوا کہ انہوں نے اپنی فتح کو یقینی سمجھ کر حصول نتیجہ کے لیے نہ تو سرفروشانہ کوشش کی اور نہ بھاگنے کی کوئی ضرورت سمجھی اور یہی بات مسلمانوں کے حق میں مفید ہوگئی۔

﴿ وَ اِذْ یُرِیْکُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّ یُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ﴾ (انفال:۵)

''خدا کے اس احسان کو یاد کرو جب تم دشمنوں سے صف آراء ہوئے تو وہ تمہاری نگاہوں میں ان کو تھوڑا کر کے دکھاتا تھا اور تم کو ان کی آنکھوں میں کم کر کے دکھا رہا تھا تا کہ اس کام کو جس کا ہونا مقرر ہے طے کر دے۔''

پھر کافروں کی آنکھوں میں مسلمانوں کا دونا نظر آنا:

پہلے تو خدا نے کافروں کی نگاہوں میں مسلمانوں کو کم کر کے دکھایا تا کہ کفار بے پرواہ ہو کر لڑ پڑیں پھر جب دونوں صفیں گتھ گئیں تو خدا کے حکم سے مسلمانوں کی تعداد دشمنوں کی آنکھوں میں ان کی اپنی تعداد سے بھی دونی نظر آنے لگی اس کا یہ اثر ہوا کہ قریش نے ڈر کر ہمت ہار دی۔

﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰیَةٌ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ وَ اللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ﴾ (آل عمران:۲)

''اے یہودیو! تمہارے لیے ان دونوں فوجوں میں جو صف آراء ہوئیں جن میں ایک خدا کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسری خدا کی منکر تھی' یقیناً ایک نشانی تھی' کافروں کا لشکر آنکھوں دیکھتے اپنی مقابل فوج کو اپنے سے دونا دیکھ رہا تھا اور اللہ جس کی چاہتا ہے اپنی مدد سے تائید کرتا ہے اس واقعہ میں ان لوگوں کے لیے جو چشم بینا رکھتے ہیں' بڑی عبرت ہے۔''

فرشتوں کی آمد:

یہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ کیونکر گئی؟ کیا آسمان سے فرشتے اتر آئے؟ خدا فرماتا ہے!

﴿اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِیْنَ وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَ لِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾

''یاد کرو جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں لگاتار ہزاروں فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا اور خدا نے یہ نہیں کیا' لیکن خوش کرنے کے لیے اور تا کہ تمہارے دل مطمئن ہوں ورنہ

Marfat.com

(انفال : ۲)

فتح تو اللہ ہی کی طرف سے ہے اللہ غالب حکمت والا ہے۔''

﴿اِذۡ یُوۡحِیۡ رَبُّکَ اِلَی الۡمَلٰٓئِکَۃِ اَنِّیۡ مَعَکُمۡ فَثَبِّتُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سَاُلۡقِیۡ فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا الرُّعۡبَ﴾ (انفال:۲)

''یاد کرو جب تیرا پروردگار فرشتوں کو وحی کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم مسلمانوں کے دل مضبوط کیے رہو' کافروں کے دلوں میں' میں عنقریب رُعب ڈال دوں گا۔''

میدان جنگ میں پانی برسانا:

بدر کے میدان میں جہاں مسلمانوں نے اپنی صفیں قائم کی تھیں وہ جگہ بلند تھی اور جہاں سے قریش کی فوج لڑ رہی تھی وہ جگہ نشیب تھی' اللہ تعالیٰ نے کفار کی شکست کا ایک ظاہری سبب یہ پیدا کر دیا کہ عین اس وقت میدان جنگ میں موسلا دھار پانی برسایا' جس نے ادھر تو مسلمانوں کی طرف گردوغبار بٹھا کر ان کے پاؤں جما دیئے اور ادھر کافروں کی طرف پانی کا ریلا ہوا کہ ان کو زمین پر قدم رکھنا مشکل ہو گیا' خدا فرماتا ہے۔

﴿وَ یُنَزِّلُ عَلَیۡکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَکُمۡ بِهٖ وَ یُذۡهِبَ عَنۡکُمۡ رِجۡزَ الشَّیۡطٰنِ وَ لِیَرۡبِطَ عَلٰی قُلُوۡبِکُمۡ وَ یُثَبِّتَ بِهِ الۡاَقۡدَامَ﴾ (انفال:۲)

''اور خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب وہ آسمان سے پانی برسا رہا تھا تا کہ تم کو اس پانی سے پاک کرے اور ناپاکی تم سے دور کرے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کرے اور اس سے قدموں کو جما دے۔''

لڑائیوں میں نیند کا طاری ہونا:

معرکہ جنگ وہ مقام ہے جہاں بڑے بڑے بہادروں کی آنکھ سے نیند اڑ جاتی ہے مگر مایہ تسکین عالم ﷺ کا اعجاز یہ تھا کہ بدر واحد کے کارزاروں میں مسلمان سپاہیوں کی بے خطری اور بے خوفی کے لیے ان کی آنکھوں میں نیند کا غلبہ کر دیا گیا تا کہ کسی خوف و خطر کا خیال کیے بغیر وہ اپنے فرض کو انجام دیں' چنانچہ خدا احسان جتاتا ہے۔

﴿وَ اِذۡ یُغَشِّیۡکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنۡهُ﴾ (انفال:۲)

''یاد کرو جب خدا اپنی طرف سے تمہاری بے خوفی کے لیے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا۔''

﴿ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا یَّغۡشٰی طَآئِفَةً مِّنۡکُمۡ وَ طَآئِفَةٌ قَدۡ اَهَمَّتۡهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ﴾

''پھر خدا نے غم کے بعد بے خوفی کے لیے تم پر نیند اتاری' جو ایک گروہ پر چھا رہی تھی اور دوسرا گروہ تھا جس کو اپنی جان کی فکر غم میں ڈالے تھی۔''

آپ ﷺ کا کنکری پھینکنا:

یہ سب کچھ تھا لیکن عین اس دار و گیر کے معرکہ میں ایک مقدس اور پرسکون دِل اور سر بسجود پیشانی کے ساتھ ظاہری ہتھیاروں سے منزہ ہو کر دعاؤں میں مصروف تھا' اس نے سر اٹھایا' اس حیرت ناک منظر پر نگاہ ڈالی اور زمین

Marfat.com

سے ایک مٹھی کنکری اور خاک اٹھا کر دشمن کی طرف پھینکی' دفعتہً باطل کا طلسم چور چور تھا' قرآن گواہی دیتا ہے۔

﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَ لِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (انفال:۲)

''تو تم نے (مسلمانو) ان کو قتل نہیں کیا' بلکہ خود خدا نے ان کو قتل کیا اور اے پیغمبر تو نے نہیں پھینکا' جب تو نے پھینکا بلکہ خدا نے پھینکا کہ مسلمانوں کو اس سے (فتح کی) اچھی نعمت عطا کرے خدا دعاؤں کا سننے والا اور بھیدوں کا جاننے والا ہے۔''

کوئی رمی کے معنی تیر پھینکنے کے نہ لے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر کیا' تمام عمر میں سخت سے سخت خطرہ میں بھی کبھی تیغ وتبر اور تیر وخنجر سے دست مبارک کو آلودہ نہیں کیا۔

غزوۂ بدر میں دو میں سے ایک کا وعدہ:

پڑھ چکے ہیں کہ بدر کے معرکہ سے پہلے قریش کا ایک تجارتی قافلہ مال واسباب سے لدا ہوا شام سے مکہ جا رہا تھا اور ادھر سے قریش کی فوج بڑے سروسامان کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کو نکلی تھی' مدینہ سے نکلنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اس صورت واقعہ سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ ان دونوں میں سے ایک چیز تم کو ملے گی یا تو یہ قافلہ اور یا قریش کی فوج شکست کھائے گی۔ اور تم کو غنیمت کا مال ملے گا' چنانچہ یہ صورت واقعہ بھی درست نکلی اور وعدہ بھی پورا ہوا۔

﴿وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ﴾ (انفال:۱)

''اور یاد کرو جب تم سے اللہ وعدہ کر رہا تھا کہ ان دو گروہوں میں ایک تمہارا ہے۔''

غزوۂ احزاب کی خبر:

غزوۂ احزاب میں جس میں دفعتہً متحدہ عرب قبائل کا سیلاب مدینہ کے چاروں طرف امنڈ آیا تھا' واقعہ سے بہت پہلے آنحضرت ﷺ کو عالم رویا میں اس کی اطلاع دی جا چکی تھی۔ اور آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو اس مصیبت کے آنے سے پیشتر باخبر کر دیا تھا' چنانچہ جب یہ صورت حال نظروں کے سامنے آ گئی تو اس نشان کے ظاہر ہونے سے مسلمانوں کے ایمان میں اور زیادہ پختگی آ گئی اور ان کے دلوں میں آپ ﷺ کی صداقت کا مزید یقین پیدا ہو گیا۔

﴿وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا﴾ (احزاب:۳)

''اور جب مسلمانوں نے ان متحدہ حملہ آور قبائل کو دیکھا تو کہا کہ یہی وہ ہے جس کا وعدہ ہم سے خدا اور اس کے رسولؐ نے کیا تھا اور خدا اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا تھا اور اس واقعہ نے ان کو ایمان اور اقرار میں اور زیادہ پختہ کر دیا۔''

غزوۂ احزاب میں آندھی:

اس غزوہ میں عرب کے مختلف قبائل نے مل کر مسلمانوں پر متحدہ حملہ کیا تھا اور چاروں طرف سے مدینہ کا محاصرہ

Marfat.com

کر لیا تھا اور ڈیرے خیمے ڈال کر اس بات پر جم گئے تھے کہ اسی محاصرہ کی حالت میں مسلمانوں کو مدینہ میں گھیر کر ان کا خاتمہ کر دیں گے' چنانچہ ۲۰ دن تک وہ محاصرہ کیے پڑے رہے' آس پاس کے یہودی جو پہلے مسلمانوں سے عہد کر چکے تھے دشمنوں سے جا کر مل گئے اور اس قدر زور کا حملہ کیا کہ مسلمان فریضہ نماز بھی وقت پر ادا نہیں کر سکتے تھے' مدینہ میں فاقہ ہونے لگا' منافقین اور کچے دل کے لوگ گھبرا کر ساتھ چھوڑنے لگے کہ عین وقت پر اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے باہر اس زور کی آندھی چلائی کہ دشمنوں کے خیمے اکھڑ گئے' طنابیں ٹوٹ گئیں' ہانڈیاں الٹ گئیں اور ایسی سخت سردی پڑی کہ دشمن ٹھٹھر کر رہ گئے اور ہمت ہار کر خود محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے' خدا نے مسلمانوں کو اپنا یہ احسان جتایا۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا﴾ (احزاب:۲)

''مسلمانو! اپنے اوپر خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب فوجوں نے تم پر حملہ کیا تو ہم نے ان پر ہوا اور ایسی فوجیں بھیجیں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور جو تم کر رہے تھے خدا اس کو دیکھ رہا تھا۔''

غزوہ حنین میں نصرت:

فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین پیش آیا' گو اس میں مسلمانوں کے ساتھ بڑی بھیڑ شامل تھی لیکن اس میں کچھ نوجوان تھے جو لڑائی کا تجربہ نہیں رکھتے تھے' کچھ مکہ کے نومسلم تھے جو ابھی صبر وضبط کے خوگر نہیں ہوئے تھے' فوج میں زرہ پوش بھی کم تھے اور مقابلہ قبیلہ ہوازن سے پڑا جو قدر اندازی میں کمال رکھتے تھے' مسلمان جونہی آگے بڑھے' حریف نے ان کو تیروں پر رکھ لیا' پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے لیکن مرکز نبوت اپنی جگہ پر تھا' آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا' انہوں نے مہاجرین وانصار کو آوازیں دیں وہ پلٹے تو آپ ﷺ سواری سے نیچے اترے اور زمین سے ایک مشت خاک اٹھا کر دشمنوں کی طرف پھینکی' دفعۃً جنگ کا نقشہ بدل گیا' ہوازن شکست کھا کر بھاگ نکلے یہ واقعہ صحیح مسلم اور دیگر معتبر روایتوں سے مذکور ہے۔ اور قرآن کی اس صداقت کی گواہی دیتا ہے۔

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (توبہ:۴)

''خدا نے تمہاری نصرت بہت سے مقامات میں کی اور نیز حنین کے دن جب تمہاری کثرت تعداد نے تم کو مغرور بنا دیا تھا تو یہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی پھر پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹے' پھر اللہ نے اپنی تسکین اپنے رسول پر اور مومنوں پر نازل کی اور وہ فوجیں اتاریں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کفر کرنے والوں کو پوری سزا دی۔''

غیب پر اطلاع:

غیب پر تو ذاتی علم خدا کے سوا کسی اور کو نہیں' مگر وہ جس کو چاہے اپنی بخشش سے سرفراز بھی کر سکتا ہے' چنانچہ

Marfat.com

آنحضرت ﷺ کی نگاہوں کے سامنے کبھی دور دراز مقام کی خبریں، کبھی لوگوں کے دلوں کے حالات کبھی مخفی واقعات آئینہ کر دیئے جاتے تھے، مسلمان تو مسلمان، وہ بھی جو سچے دل سے آپ ﷺ کی صداقت کے قائل نہ تھے اس سے ڈرتے تھے کہ وحی الٰہی جس کے متعلق انہیں تجربہ ہو چکا تھا کہ وہ واقعات غیبی کے پردہ در ہے، کہیں ان کے مخفی جرائم اور دل کے کھوٹوں کو برملا ظاہر نہ کر دے۔

﴿يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ (توبہ: ۸)

''منافقین اس سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں میں کوئی ایسی سورۃ اترے جو ان کو ان باتوں سے آگاہ کر دے، جو منافقوں کے دلوں میں ہیں۔''

بنونضیر کی سازش کی اطلاع:

ایک دفعہ ایک ضروری کام کے لیے آنحضرت ﷺ چند رفقائے خاص کے ساتھ بنونضیر کے قلعہ میں تشریف لے گئے، یہود بنی نضیر نے آنحضرت ﷺ اور دیگر اکابر اسلام کے خفیہ قتل کا اس کو بہترین موقع سمجھا، چنانچہ جس دیوار کے نیچے آپ ﷺ کھڑے تھے اس کی چھت پر ایک شخص چڑھ گیا کہ اوپر سے ایک بھاری پتھر آپ ﷺ پر گرا دے کہ دب کر مر جائیں، اللہ تعالیٰ جو اپنے پیغمبر کی حفاظت کا کفیل تھا اس نے بروقت اطلاع دی اور آپ ﷺ فوراً ان کے دام سے باہر نکل آئے اور ان کو ان کے اس ارادۂ فاسد کی اطلاع بھیج دی، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (مائدہ: ۲)

''اے مسلمانو! خدا کے اس احسان کو جو اس نے تم پر کیا یاد کرو کہ جب ایک گروہ نے تم پر دست درازی کا قصد کیا تو خدا نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک دیا اور اللہ سے ڈرتے رہو اور مسلمانوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔''

مہاجرین حبش کو بشارت:

قریش کے گوناگوں مظالم سے تنگ آ کر مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اپنے ملک و وطن کو خیرباد کہہ کر حبش چلی گئی، اول تو غیر ملک اور بدلیس میں ان مسلمانوں کا جانا ہی فکر و تردد کا باعث تھا اور معلوم نہ تھا کہ حبش کے عیسائی بادشاہ اور امراء نئے مذہب کے ان پیرووں کے ساتھ کیونکر پیش آئیں گے؟ اس سے زیادہ فکر کی چیز یہ تھی کہ روسائے قریش کے تجارتی تعلقات کے باعث حبش کے امراء ان سے شناسا تھے اور باہم ان کے درمیان دیرینہ روابط تھے، اس کے بعد اس سے بھی زیادہ تردد انگیز یہ واقعہ ہوا کہ روسائے قریش نے اپنے گزشتہ تعلقات کی بناء پر نجاشی کے دربار میں تحفے تحائف دے کر اپنے سفراء اس غرض سے بھیجے تا کہ وہ ان بے وطن مسلمانوں کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت نہ دے، یہ تمام اسباب ایسے تھے جن کی بناء پر مسلمانوں کو عموماً اور مہاجرین کو خصوصاً اپنے مستقبل کی نسبت سخت تشویش کا پیدا ہونا ضرور تھا، اس بناء پر سکینت الٰہی نے ان کو امن و امان کا پیام سنانا ضروری سمجھا چنانچہ اسی تشویش ناک اور تردد انگیز

Marfat.com

عہد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾ (نحل:٦)

''اور جن لوگوں نے اللہ کی خاطر مظلومی کی حالت میں ہجرت کی ہم ان کو بالیقین دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا ثواب سب سے بڑا ہے۔''

اگر ہجرت کا لفظ عام ہے اور اس دلیل سے کہ یہ سورہ قیام مکہ کے زمانہ کی ہے اور جن لوگوں نے اس عہد میں ہجرت کی تھی' ان کا ذکر ہے' صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاص مہاجرین حبش کے لیے بشارت ہے' سب کو معلوم ہے کہ خدا کا یہ وعدہ کتنا سچا ہوا؟ نجاشی نے نہ صرف یہ کہ قریش کے سفراء کو خلاف توقع ناکام واپس کر دیا بلکہ مسلمانوں کو اس نے بڑی عزت سے جگہ دی اور خود اسلام کی طرف میلان ظاہر کیا' بعض مسلمان چودہ چودہ برس وہاں رہے اور اس اثناء میں کئی نجاشی سریر آراء ہوئے مگر کسی نے ان سے تعرض نہیں کیا۔

ہجرت کے بعد قریش کو مہلت نہ ملے گی:

آنحضرت ﷺ نے جس بے سروسامانی کے ساتھ ہجرت فرمائی تھی اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے' اس حالت کو دیکھ کر کسی شخص کے دل میں یہ خیال بھی نہ پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ بے خانماں قافلہ ایک دن مدینہ سے اس قدر طاقت ور ہو کر نکلے گا کہ جن لوگوں نے ابتدائے نبوت سے آغاز ہجرت تک اس کی جان لینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی' وہ اس کے ہاتھوں خود ہلاک و برباد ہو جائیں گے' لیکن قرآن مجید دوسری پیشین گوئی کر رہا تھا' چنانچہ ہجرت سے ایک سال پہلے مکہ معظمہ میں یہ آیت اتری۔

﴿وَاِنْ كَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِیُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَ اِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ (بنی اسرائیل . ٨)

''اگر وہ تم کو سرزمین مکہ سے گھبرا چکے تاکہ تم کو اس سے نکال دیں تو وہ تمہارے بعد بہت کم مدت باقی رہیں گے۔''

چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی اور ایک ہی سال کے بعد غزوۂ بدر نے صنادید قریش کا خاتمہ کر دیا اور اہل عرب کی مخالفت کی جڑ کٹ گئی۔

مدینہ میں بڑے بڑے مصائب کا سامنا ہوگا:

عجب نہیں کہ مدینہ آ کر مسلمانوں کو یہ اطمینان ہو گیا ہو کہ ان کی تمام تکلیفوں کا خاتمہ ہو گیا اور اس وقت کوئی ایسا قرینہ بھی نہ تھا جس سے معلوم ہوتا کہ قریش انتقام کے جوش میں نیام سے تلواریں کھینچ لیں گے اور تمام عرب اس مہم میں ان کا ہم آہنگ ہو جائے گا اور متصل آٹھ برس تک لڑائیوں کا سلسلہ قائم رہے گا' جس میں مسلمانوں کو فاقہ تنگ دستی' قتل و خون ریزی' ہر نوع کی مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑے گا' مگر عالم غیب کا پیغام محمد رسول اللہ ﷺ کو پہلے ہی سے پہنچ چکا تھا۔

﴿وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ

''اور ہم یقیناً تم کو کسی قدر خوف' فاقہ اور جانوں کی اور

Marfat.com

﴿نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ﴾ (بقرہ:۱۹)　مال اور پھلوں کی کمی کی مصیبتوں سے آزمائیں گے۔‘‘

دینی اور دنیاوی شہنشاہی کا وعدہ:

لیکن اس بے سروسامانی کے عالم میں اس بے خانماں گروہ کے ساتھ خدا تعالیٰ نے ایک وعدہ اور بھی کیا اور ان کو خلافت ارض یعنی دینی اور دنیاوی شہنشاہی کی بشارت دی' یہ بشارت واقعات موجودہ کے کس قدر خلاف تھی مگر چند ہی سال میں محال نے وقوع کی صورت اختیار کر لی۔

﴿وَعَدَاللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾ (نور:۱)

’’تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا' خدا نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ان کو زمین کا خلیفہ بنائے گا' جیسا کہ اس نے تم سے پہلے کے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور جو دین ان کے لیے پسند کیا ہے اس کو مستحکم کر دے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔‘‘

مسلمانوں کی حالت کے لحاظ سے یہ بشارت کس قدر عجیب و غریب تھی' مسلمانوں کا گروہ ایک مظلوم' بیکس اور ضعیف گروہ تھا' جس کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں دے کر خانماں برباد کر دیا تھا اور اس نے مدینہ میں آ کر خدا کے چند نیک بندوں کے سائے میں پناہ لی تھی' یہاں آ کر بھی اس کو اطمینان و راحت کی نیند نصیب نہ ہوئی' کفار مکہ پہلے ہی سے جان کے دشمن تھے' یہاں آ کر دشمنوں کی تعداد میں منافقین اور یہود کا اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابہؓ کو ہمیشہ کفار کے حملہ کا خوف لگا رہتا تھا اور ذرا سے شور و غل پر مدینہ میں بدحواسی پھیل جاتی تھی' یہاں تک کہ صحابہؓ ہمیشہ سوتے جاگتے مسلح رہتے تھے' چنانچہ اس مظلوم گروہ نے اس حالت سے تنگ آ کر ایک دن کہا کہ کیا کبھی وہ دن بھی آئے گا۔ جب ہم کو اطمینان حاصل ہو گا اور خدا کے سوا کسی اور کا ڈر نہ ہو گا اس پر ان کو قرآن مجید نے خلافت ارض کی بشارت دی۔ (۱) اور وہ پوری ہوئی اور اس گروہ نے دنیا پر اس طرح کامیاب حکومت کی کہ اس کے سامنے تمام متمدن حکومتوں کا شیرازہ بکھر گیا' اس سے بڑھ کر اس پیشین گوئی کی صداقت کیا ہو سکتی ہے۔

قبائل عرب کی شکست ہو گی:

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جو غزوات پیش آئے' اسلام کو جو غلبہ حاصل ہوا' کفار کو جو شکستیں ہوئیں' قرآن مجید نے ان کے متعلق پیشین گوئیاں کیں اور اس حالت میں کیں جب ظاہری اسباب کے لحاظ سے کسی کو اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا' چنانچہ جب ہر طرف سے کفار کا ہجوم تھا اور اس ہجوم کو دیکھ کر ان کو یقین تھا کہ تمام عرب مل کر مسلمانوں کا خاتمہ کر دے گا' خدا نے یہ اعلان عام کر دیا کہ عنقریب خود مسلمان تمام عرب قبائل کی مخالفانہ قوتوں کا خاتمہ کر دیں گے۔

(۱) صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور

Marfat.com

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾ (قمر:۳)

''کیا وہ کفار کہتے ہیں کہ ہم سب ایک اور ایک دوسرے سے مددگار ہیں' یہ جتھا عنقریب توڑ دیا جائے گا اور وہ پشت پھیریں گے۔''

﴿وَ لَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا﴾ (فتح:۳)

''اور اگر کفار تم سے لڑیں گے تو ان کو بھاگنا پڑے گا پھر وہ کوئی حامی اور مددگار نہ پائیں گے۔''

﴿قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَ يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ﴾ (توبہ:۲)

''تم ان سے لڑو' خدا ان کو تمہارے ہاتھ سے عذاب دے گا اور ان کو رسوا کرے گا اور تم کو ان پر فتح دے گا اور مسلمانوں کے دل ٹھنڈے کرے گا اور ان کے دلوں کا غصہ دور کرے گا۔''

اور یہ تمام پیشین گوئیاں آنحضرت ﷺ ہی کے زمانہ میں پوری ہوئیں' اسلام نے عرب کے تمام قبائل کی مخالفانہ قوتوں کا خاتمہ کر دیا اور انہوں نے ہر موقع پر شکستیں کھائیں۔

قریش کی شکست اور بربادی کے وعدے:

مصیبت زدہ اور بے سروسامان مسلمانوں کی تسکین کی خاطر آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے قریش کی تباہی و بربادی اور مسلمانوں کی فتح و کامیابی کے متعدد وعدے کیے گئے تھے' جن میں سے بعض آپ ﷺ کی زندگی میں اور بعض آپ ﷺ کی وفات کے بعد پورے ہونے والے تھے۔

﴿فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ﴾ (زخرف:۴)

''پس اگر ہم تجھ کو اٹھالیں تو بھی ان کافروں سے انتقام لیں گے اور اگر ہم تیری زندگی میں تجھ کو وہ دکھا دیں جس کی دھمکی ان کافروں کو ہم نے دی ہے تو ہم ان پر قدرت رکھتے ہیں۔''

﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ﴾ (مومن:۸)

''تو صبر کر خدا کا وعدہ یقیناً سچا ہے تو جس بات کی دھمکی ہم ان کافروں کو دیتے ہیں اس کو یا تیری زندگی میں دکھا دیں گے یا تجھ کو موت دیں گے تو وہ ہمارے پاس ہی لوٹائے جائیں گے۔''

﴿وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا وَ اللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ﴾ (رعد:۶)

''اور اگر تیری ہی زندگی میں بعض وہ وعدے جو ہم نے ان سے کیے ہیں دکھا دیں یا تجھ کو موت دے دیں تو تیرا فرض صرف پیام پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے کیا یہ کافر نہیں دیکھتے کہ (ہم اسلامی فتوحات کے ذریعہ سے) سرزمین (عرب) کے حدود میں (کافروں کے قبضہ کو) کم کرتے جاتے ہیں' خدا ہی اپنا حکم چلاتا ہے کوئی اس کے حکم کو ردوبدل نہیں کر سکتا۔''

Marfat.com

فتح کی پیشین گوئیاں:

جو چیز مسلمانوں کے دل سے لگی ہوئی تھی وہ فتح مکہ تھی یعنی اس شہر پر قبضہ جہاں سے وہ نہایت بے بسی اور بے کسی کے عالم میں نکلے تھے اور جس کے حدود میں ان کو قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی وہ گو اب مدینہ کے دارالسلطنت میں تھے تاہم وطن کی یاد دلوں سے کم نہیں ہوتی تھی ان کو فتح پر فتح ہوتی جاتی تھی لیکن ان کے دل کی کلی اپنی شگفتگی کے لیے جس موسم بہار کا انتظار کر رہی تھی وہ ہنوز نگاہوں سے دور تھا، مگر بشارت الٰہی ہر قدم پر ان کے لیے تسکین کا نیا پیام لا رہی تھی اور مژدہ فتح سے ان کے دل شاد کرتی جاتی تھی سورہ قصص ﷺ میں یہ آیت اتری۔

﴿اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ﴾ (قصص: ۹)

''جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے وہ تجھ کو ٹھکانے کی طرف پھر لوٹا کر لے جانے والا ہے۔''

یعنی مکہ پھر سورہ صف میں خدا نے مسلمانوں کو آخرت میں جنت کی بشارت دینے کے ساتھ اس دنیا میں بھی ایک بشارت دی۔

﴿وَ اُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (صف: ۲)

''اور دوسری نعمت جس کو تم دل سے چاہتے ہو وہ خدا کی طرف سے نصرت اور عنقریب فتح ہے اور مسلمانوں کو بشارت سنا دے۔''

صلح حدیبیہ سے پہلے خواب میں آپ ﷺ کو خانہ کعبہ کا داخلہ دکھایا گیا۔

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْیَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُؤُسَکُمْ وَ مُقَصِّرِیْنَ لَا تَخَافُوْنَ﴾ (فتح: ۴)

''خدا نے اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دیا، تم لوگ یقیناً مسجد حرام میں اگر خدا نے چاہا تو بے خوف وخطر داخل ہو گے بال منڈا کر یا ترشوا کر کسی سے نہ ڈرو گے۔''

حدیبیہ سے واپس آپ ﷺ آ رہے تھے کہ سورہ فتح نازل ہوئی۔

﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا﴾ (فتح: ۱)

''ہم نے کھلی فتح تم کو دی۔''

آپ ﷺ نے اسی وقت حضرت عمرؓ کو بلوا کر یہ خوش خبری سنائی، اس کے دو برس کے بعد مکہ کی دولت مسلمانوں کو مل گئی۔

خیبر اور حنین کی فتح کی پیشین گوئی:

۶ھ کی صلح حدیبیہ میں فتح مکہ کی پیشین گوئی کی جا چکی تھی جو ۸ھ میں پوری ہوئی لیکن حدیبیہ کی صلح میں مسلمانوں نے رسول اللہ کی اطاعت اور متابعت کا جو بہترین نمونہ پیش کیا تھا اور جس صبر اور تحمل سے صلح حدیبیہ کی شرائط کو مسلمانوں نے تسلیم کر لیا تھا اس کے معاوضہ میں اللہ تعالیٰ نے دوسری فتوحات عظیمہ کا وعدہ مسلمانوں سے کیا جن میں بے شمار مال غنیمت ان کو ہاتھ آنے والا تھا۔

Marfat.com

﴿فَعَلِمَ مَالَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ (فتح:۴)

''تو خدا نے وہ جانا جو تم نے نہیں جانا اور اس (فتح مکہ) سے پہلے ایک عنقریب فتح تمہارے لیے بنائی اور اسی نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور خدا گواہ کافی ہے۔''

یہ خیبر کی فتح تھی جو صلح حدیبیہ کے ایک سال کے بعد اور فتح مکہ سے ایک سال پہلے حاصل ہوئی اور جس پر عرب میں یہودیوں کی قوت کا خاتمہ ہو گیا اور اسلام کو عرب کے تمام مذاہب پر غلبہ حاصل ہو گیا۔

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا وَ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا﴾ (فتح:۳)

''خدا مسلمانوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے تو ان کے دلوں میں جو کچھ تھا (یعنی فتح کے لیے بے چینی) اس کو جان لیا تو اس نے ان پر تسکین نازل کی اور مکہ کے بدلہ میں سر دست ایک فتح ان کو دی اور بہت سامال غنیمت جس پر وہ قبضہ کریں گے۔''

﴿وَ عَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَ لِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (فتح:۳)

''خدا نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جس کو تم لو گے تو یہ ایک غنیمت تم کو جلد عطا کر دی اور لوگوں کی دست درازی کو تم سے روک دیا اور تا کہ مسلمانوں کیلئے ایک نشانی ہو۔''

چنانچہ خیبر کی فتح میں مسلمانوں کو خیبر کی تمام سرسبز و شاداب زمینیں اور ہرے بھرے نخلستان مل گئے اور اس کے ایک سال بعد حنین کی فتح میں مال غنیمت کا بے شمار ذخیرہ (چھ ہزار اسیران جنگ' چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریاں اور چار اوقیہ چاندی' مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

یہود کو اعلان:

عرب کے یہود اگر چہ آنحضرت ﷺ کی مخالفت میں جان و مال سے دریغ نہیں کرتے تھے تاہم یہ آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے کہ قرآن مجید نے یہودیوں کے متعلق بعض پیشین گوئیاں ایسی کیں کہ اگر وہ ہمت سے کام لیتے تو اس کا ابطال خود ان کے امکان میں تھا' مثلاً یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ وہ خدا کے چہیتے ہیں اور جنت ان کے لیے مخصوص ہے' لیکن چونکہ جنت صرف مرنے کے بعد نصیب ہو سکتی ہے اور جن لوگوں کو اس کے ملنے کا یقین کامل ہو وہ اس کے لیے جان دینے سے دریغ نہیں کر سکتے اس لیے قرآن مجید نے یہودیوں کے متعلق کہا۔

﴿قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ وَ لَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ (بقرہ: ۱۱)

''کہہ اگر آخرت کا گھر صرف تمہارے لیے مخصوص ہے تو اگر تم سچے ہو تو موت کی آرزو کرو' لیکن وہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے ہرگز یہ آرزو نہ کریں گے' خدا ظالموں کو خوب جانتا ہے۔''

Marfat.com

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ (جمعہ:۱)

''کہہ اے یہود! اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ صرف تمہیں خدا کے دوست ہو تو اگر تم اس میں سچے ہو تو موت کی آرزو کرو وہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے ہرگز اس کی آرزو نہ کریں گے خدا ظالموں کو خوب جانتا ہے۔''

لیکن باوجود اس کے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی تکذیب کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے تھے اور آرزوئے موت ان کے لیے ممکن تھی تاہم قرآن مجید کی پیشین گوئی پوری ہوئی اور آج تک کسی یہودی نے لقائے الٰہی کی آرزو میں ہاں نہیں دی۔

یہود کی دائمی ناکامی:

یہود سے دم بہ دم مقابلہ درپیش تھا اور پورے سات برس تک یہ مقابلہ درپیش رہا' یہود عرب میں بڑی طاقت رکھتے تھے' تمام مالی کاروباران کے قبضہ میں تھا ان کے پاس بکثرت دولت تھی' عربوں سے تہذیب وتمدن اور علوم و فنون میں علانیہ فائق تھے' ہر طرح کے سامان جنگ رکھتے تھے اور فن جنگ سے بھی کماحقہ واقف تھے' مدینہ سے لے کر حدود شام تک ان کے تجارتی قلعوں کی مسلسل قطاریں تھیں اور ادھر مسلمانوں کے پاس ان میں سے کوئی چیز نہ تھی' بایں ہمہ قرآن مجید نے اپنے پیغمبر کی زبانی یہ اعلان عام کر دیا۔

﴿وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى وَ اِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ﴾

''اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے یہ بہتر ہوتا ان میں بعض ایماندار اور اکثر فاسق ہیں' وہ تم کو سوا تھوڑی تکلیف دینے کے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے' اور اگر وہ تم سے لڑیں تو پشت پھیر دیں' پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی' ان پر ذلت جہاں کہیں وہ ہوں پھینک ماری گئی ہے لیکن خدا کے کسی وسیلہ سے یا لوگوں کی سفارش سے کبھی کبھی اس ذلت سے بچ جائیں' خدا کا غضب لے کر وہ لوٹیں گے اور بیچارگی ان پر چھا جائے گی۔''

اس وقت سے آج تک ان کی ایشیاء افریقہ اور یورپ ہر جگہ کی تاریخ اس صداقت سے معمور پیشین گوئی کی صرف ظرف تصدیق ہے۔

روم کی قوت ٹوٹ جائے گی:

۶ھ کے بعد مسلمانوں کا مقابلہ عرب کے مشرکین اور یہود سے زیادہ سخت اور طاقت ور دشمن رومی عیسائیوں سے آ پڑا۔ رومن امپائر کی وسعت' قوت' سامان' نظام' فوج' خزانہ کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کی حالت پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ایک پر کاہ کا کوہ سے مقابلہ ہے' تاہم اسلام کے پیغمبر کی زبان سے اسی وقت یقین وتسلی کے کلمات دنیا نے سن

Marfat.com

لیے۔

﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ﴾ (صف:۱)

''وہی خدا ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تا کہ اس دین کو تمام دینوں پر غلبہ عطا کرے۔''

دنیا کو اس پیشین گوئی کی تصدیق کے لیے صرف سال کا انتظار کرنا پڑا۔

خلفائے راشدین کے زمانہ کی لڑائیاں:

لیکن قرآن مجید کی پیشین گوئیاں صرف انہی غزوات کے ساتھ مخصوص نہ تھیں جو عہد نبوت میں پیش آئے بلکہ اس کے بعد بھی خلفاء کے زمانہ میں جو عظیم الشان لڑائیاں واقع ہوئیں' ان کے متعلق قرآن مجید نے پہلے سے پیشین گوئی کر دی تھی اور وہ آئندہ زمانہ میں پوری ہوئیں۔ مسلمانوں کو ایرانیوں اور رومیوں سے جو جنگ کرنا پڑی وہ تاریخ اسلام کا ایک نمایاں واقعہ ہے لیکن قرآن مجید نے اس کے نتائج کا پہلے سے اعلان کر دیا تھا۔

﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ﴾ (فتح:۲)

''جہاد میں جان چرانے والے بدوؤں سے کہہ دو کہ تم کو ایک سخت طاقتور قوم سے جنگ کرنے کے لیے بلایا جائے گا تم لوگ ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہوں گے۔''

چنانچہ یہ جنگ ہوئی اور وہی نتیجہ ہوا جس کو قرآن مجید نے دو صورتوں میں یعنی قتل اور اسلام میں محدود کر دیا تھا۔

وفات نبوی ﷺ کی پیشین گوئی:

مکہ کی فتح کے بعد آپ ﷺ کی زندگی کا مقصد پورا ہو گیا اور اس عام اصول کی بناء پر کہ انبیاء اپنی زندگی کا مقصد پورا کرنے کے بعد نہیں رہتے' وہ وقت آیا کہ آپ ﷺ اپنی اصلی مرکز یعنی ملاء اعلیٰ سے جا ملیں' اس لیے خداوند تعالیٰ نے اس راز کو ایک مستقل پیشین گوئی کی صورت میں ظاہر کر دیا۔

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَ اسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا﴾ (النصر)

''جب خدا کی مدد اور فتح آ گئی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ خدا کے دین میں جھنڈ کے جھنڈ داخل ہو رہے ہیں تو خدا کی تسبیح اور استغفار کر' وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

اس سورہ میں آپ ﷺ کے وصال کی پیشین گوئی اگر چہ نہایت مبہم الفاظ میں کی گئی ہے لیکن اشارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مژدۂ فتح نہیں بلکہ مژدۂ وصال ہے۔ کیونکہ مژدۂ فتح کے ساتھ تسبیح و استغفار کو کوئی مناسبت نہیں بلکہ اس کے لیے شکر موزوں ہے' تسبیح و استغفار کا اصلی وقت وہ ہے جب انسان دنیا سے رخصت ہوتا ہے چنانچہ صحابہؓ میں جو لوگ نکتہ دان شریعت تھے وہ اس راز کو سمجھ گئے تھے۔[1]

---

(۱) صحیح بخاری تفسیر سورۂ مذکور۔

Marfat.com

آیات و دلائل نبویہ

بروایتِ صحیحہ

گزشتہ صفحات میں صرف وہی آیات و دلائل پیش کیے گئے ہیں جو صراحۃً قرآن مجید میں مذکور ہیں یا کم از کم ان کے اشارات قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں' لیکن ذیل میں ان آیات و دلائل کا استقصاء مقصود ہے جو صحیح اور مستند روایتوں سے حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں' اس قسم کے آیات و دلائل کا گو بڑا حصہ فرداً فرداً خبر احاد سے ثابت ہے مگر مجموعی حیثیت سے ان کا درجہ خبر مشہور تک پہنچ جاتا ہے' مثلاً تھوڑی سی مقدار کا بڑھ کر زیادہ ہو جانا' ہاتھ سے پانی کے چشمہ کا ابل پڑنا' امراض سے غیر معمولی طور پر شفایابی حاصل کرنا اور دعاؤں کا غیر معمولی طریق سے قبول ہو جانا ان میں سے ہر قسم کے معجزات کے جزئی جزئی واقعے گو صرف ایک ایک دو دو راویوں کی زبانی بیان ہوئے ہیں مگر ان میں ہر قسم کے معجزہ کے متعلق تو بر تو شہادتیں موجود ہیں جن کی بنا پر ان میں سے ہر قسم کے معجزات خبر متواتر نہیں تو خبر مشہور تک ضرور پہنچ جاتے ہیں۔

البتہ بعثت سے پہلے جو عجائبات آپؐ سے صادر ہوئے یا جو غیر معمولی سوانح آپؐ کو پیش آئے' اُن کی صحت محدثانہ اصول سے بہت کم ثابت ہے لیکن اس کی وجہ اس عہد میں اس قسم کے واقعات کا کم ہونا یا غلط ہونا نہیں ہے بلکہ اس عہد کے واقعات کے راوی چونکہ عموماً ماں باپ اور خاندان کے بڑے بزرگ ہوا کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے عہد بعثت کے بعد بلکہ مدینہ کی پُر امن زندگی شروع ہونے کے بعد جب اسلام کے سلسلہ روایت کا صحیح طریقہ سے آغاز ہوا تو آپؐ کے خاندان کے بزرگوں میں سے جنہوں نے آپؐ کے بچپن اور نوجوانی کا عہد دیکھا تھا کوئی موجود نہ تھا' والدین پہلے ہی وفات پا چکے تھے' دادا کا بھی انتقال ہو چکا تھا' چچاؤں میں ابولہب آپؐ کا دشمن ہی تھا' ابوطالب آغاز اسلام ہی میں مر چکے تھے' حضرت حمزہؓ محسن تھے اور ۳ھ ہی میں شہادت پا چکے تھے' حضرت عباسؓ صرف دو برس بڑے تھے' اس بناء پر محدثانہ اصول تنقید کے معیار پر اس زمانہ کے واقعات کا سلسلہ روایت بہت کم صحیح اترتا ہے اور اس لیے وہ غیر مستند ٹھہرتے ہیں۔

بہر حال تمام صحیح معجزات کے استقصاء سے کچھ واقعات بعثت سے پہلے کے معلوم ہوتے ہیں' کچھ مکہ کی زندگی کے اور زیادہ تر مدینہ کے عہد کے جب اسلامی روایتوں کا سلسلہ راویوں کی کثرت کے باعث مستحکم ہو چکا تھا ملتے ہیں' بعثت کے بعد جو معجزات ظاہر ہوئے ہیں وہ نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہیں' مثلاً بعض واقعات اجسام کائنات میں تصرف اور تاثیر کے ہیں' بعض تکثیر اشیاء کے ہیں' بعض استجابت دعا اور شفائے امراض وغیرہ کے ہیں۔ اس لیے ذیل میں ہر نوع کے معجزات کو ہم علیحدہ علیحدہ لکھتے ہیں۔

❁

Marfat.com

علاماتِ نبوت

قبل بعثت

ہر شخص اس کو تسلیم کرے گا کہ ممتاز افراد کے سوانح زندگی میں شروع ہی سے ایسے آثار پائے جاتے ہیں۔ جو ان کے روشن مستقبل کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔ جب یہ ان ممتاز افراد انسانی کا یہ حال ہے جو خاندانوں' قوموں اور ملکوں کے صرف ظاہری رہنما اور رہبر ہوتے ہیں تو اس حیثیت سے ان برتر ہستیوں کی نسبت کیا شبہ ہو سکتا ہو جو قوموں کے روحانی پیشوا اور انسانیت کے حقیقی رہبر اور رہنما ہوتے ہیں' چنانچہ آنحضرت ﷺ کے ابتدائی سوانح زندگی میں اس قسم کے واقعات بکثرت ملتے ہیں۔ کتب سیر و دلائل کے مصنفین نے آنحضرت ﷺ کی ولادت سے لے کر بعثت تک کے ان تمام واقعات کو بڑی شرح و بسط سے بیان کیا ہے' مگر جیسا کہ پہلے گزر چکا محدِ ثانہ اصول کی سخت گیری نے ہمارے لیے ان کا دائرہ بہت تنگ کر دیا ہے' صحیح روایتوں سے اس عہد کے جو واقعات علامات نبوت کے تحت میں آ سکتے ہیں' وہ حسب ذیل ہیں۔

حضرت آمنہ کا خواب:

متعدد صحابیوں سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! اپنا حال بیان فرمایئے! فرمایا۔ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں' میری ماں نے جب میں پیٹ میں تھا' خواب دیکھا کہ ان کے بدن سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے محل روشن ہو گئے' یہ خالد ابن معدان تابعی کی روایت ہے۔[1] جو گو ابن سعد میں مرسل ہے' مگر مستدرک میں ہے کہ انہوں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ سے سنا' حضرت عرباض بن ساریہؓ کی روایت میں کچھ الفاظ زیادہ ہیں انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا کہ میں خدا کا بندہ اور خاتم انبیاء اس وقت سے ہوں کہ میرا باپ (آدم) آب و گل میں تھا' میں اس کی تفصیل بتاتا ہوں' میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا' عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں آمنہ کا خواب ہوں' اور اسی طرح پیغمبروں کی مائیں خواب دیکھا کرتی ہیں' آنحضرت ﷺ کی والدہ نے آپؐ کی ولادت کے وقت خواب دیکھا کہ ایک نور ہے جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔[2] پھر یہ آیت پڑھی۔[3]

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ "اے پیغمبر! میں نے تجھ کو گواہ اور خوش خبری سنانے والا

(۱) ابن سعد جلد اول ص ۹۶ مستدرک حاکم ج ۲ ص ۶۰۰۔
(۲) مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۱۲۷ بیہقی' مستدرک (علی شرط التصحیح) ج ۲ ص ۶۰۰ و ابن سعد ج ا ص ۹۶۔
(۳) مستدرک حاکم (صحیح) جلد ۲ ص ۴۱۸۔

Marfat.com

نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا﴾ (احزاب:٦) اور ڈرانے والا اور خدا کے حکم سے خدا کی طرف پکارنے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔''

ولادت نبوی ﷺ کی پیشین گوئیاں یہود و نصاریٰ میں:

احادیث سیر اور دلائل کی کتابوں میں تو بر تو ایسی روایتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہور نبوی کے عہد میں یہود و نصاریٰ خاص طور سے آنے والے پیغمبر کے منتظر تھے اور اس کے جلد ظہور اور بعثت کی مختلف پیشین گوئیاں کر رہے تھے' ان روایتوں میں سے گو ہر روایت بجائے خود ضعیف ہے' مگر ان کی مجموعی حیثیت سے یہ قدر مشترک ضرور نکلتا ہے کہ یہ عہد ان لوگوں کے نزدیک آنے والے پیغمبر کے خاص انتظار کا تھا اور مدینہ کے لوگوں میں اور مکہ کے جویان حق اشخاص میں اس پیغمبر کے ظہور کا خاص ذکر اور چرچا تھا۔

بت خانوں سے غیبی آوازیں:

اسی طرح ان کتابوں میں بکثرت روایتیں ایسی ہیں جن میں بیان ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش کے بعد لوگوں نے بت خانوں کے اندر غیبی آوازیں سنیں کہ ''اب صنم خانوں کی بربادی کا زمانہ آ گیا۔ پیغمبر صادق کی ولادت ظہور میں آ چکی ہے۔'' ان روایتوں کا اکثر حصہ سخت کمزور اور ناقابل اعتبار ہے' تاہم مجموعی شہادت سے اس قدر اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس عہد میں اس قسم کا کوئی واقعہ ضرور ہوا تھا' چنانچہ صحیح بخاری کے حوالہ سے اس قسم کی ایک روایت آگے آتی ہے۔

شق صدر:

تمام ارباب سیر اور بعض محدثین کی روایت کی بناء پر بچپن کے زمانہ میں جب آپ ﷺ حضرت حلیمہؓ کے ہاں پرورش پا رہے تھے شق صدر کا واقعہ پیش آیا' ایک روایت میں ہے کہ بعض صحابہؓ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کو سب سے پہلا غیبی واقعہ کیا پیش آیا؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے دو فرشتوں کی آمد اور شق صدر کا واقعہ بیان کیا۔ (۱)

اس واقعہ کی سب سے مستند روایت وہ ہے جو حماد بن سلمہ اور ثابت البنانی کے واسطہ سے صحیح مسلم مسند احمد اور ابن سعد وغیرہ میں ہے کہ آپ ﷺ ایک روز بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے آپ ﷺ کو پکڑ کر سینہ مبارک کو چاک کیا اور قلب اقدس سے خون کا ایک لوتھڑا نکال کر پھینک دیا اور کہا کہ یہی حصہ تجھ میں شیطان کا تھا پھر سونے کے طشت میں زمزم کے پانی سے دھو کر برابر کر دیا' لڑکے بھاگے ہوئے حلیمہ کے پاس آئے کہ محمد ﷺ کو کسی نے مار ڈالا' حلیمہ آئیں تو دیکھا کہ آپ ﷺ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے سینہ میں اس زخم کے ٹانکے کے نشان ہم کو نظر آتے تھے' مستدرک میں بھی اسی قسم کی ایک اور روایت خالد بن معدان سے عتبہ بن

(۱) مستدرک حاکم جلد ۲ باب معجزات ابن سعد ج ۱ ص ۹۶' مسند دارمی باب کیف کان اول شان النبی ﷺ و مسند ابو یعلیٰ و ابو نعیم و ابن عساکر و احمد عن یمتہ ابن عبدان۔

(۲) صحیح مسلم باب الاسرا ابن سعد جلد اول ص ۹۷ مسند ابن حنبل روایات حضرت انسؓ ج ۲۔

Marfat.com

عبدالسلمی کے واسطہ سے مذکور ہے (باب دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۱۶)

ارباب سیر اور بعض محدثین کی روایت کے مطابق میں نے اس واقعہ کو یہاں لکھ دیا ہے مگر اس باب میں میری جو ذاتی تحقیق ہے وہ اس سے پہلے (شرح صدر) حوالہ قلم کر چکا ہوں۔

مبارک قدم ہونا:

روایتوں میں آپؐ کے مبارک قدم ہونے کے بہت سے واقعات مذکور ہیں' مگر ان میں سے کوئی بطریق صحیح مروی نہیں' صرف ایک روایت صحیح طریقہ سے مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک صحابیؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اسلام سے پہلے جاہلیت میں حج کرنے گئے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص طواف میں مصروف ہے اور اس کی زبان پر شعر میں دعا ہے۔

ردّا لی راکبی محمدا

یا ربّ ردّ واصطنع عندی یدا

اے میرے پروردگار! میرے سوار محمد کو واپس بھیج اور مجھ پر یہ ایک احسان کر۔

وہ کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ عبدالمطلب ہیں' ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا' انہوں نے اپنے پوتے کو اس کے ڈھونڈنے کے لیے بھیجا ہے اور وہ اب تک لوٹ کر نہیں آیا ہے' ان کا یہ پوتا ایسا ہے کہ انہوں نے جس کام کے لیے اس کو بھیجا ہے ان کو کامیابی ہی ہوئی ہے' کچھ دیر کے بعد آپؐ اونٹ لے کر واپس آتے نظر آئے' عبدالمطلب نے سینہ سے لگا لیا۔ (۱)

بے ستری میں آپؐ کا غش کھا کر گرنا:

آپؐ بچہ تھے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر در پیش ہوئی' تمام شرفائے مکہ اس مقدس گھر کے معمار اور مزدور بنے' بچے اینٹیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے انہی بچوں کی صف میں آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بھی تھے' حضرت عباسؓ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ تہبند کھول کر گردن پر رکھ لو کہ پتھر کی رگڑ سے گردن پر خراش نہ آئے' آنحضرت ﷺ نے چچا کے حکم کی تعمیل کی' دفعتاً آپؐ غش کھا کر گر پڑے اور آنکھیں پھٹ کر آسمان سے لگ گئیں' جب ہوش آیا تو آپؐ کی زبان پر یہ لفظ تھے۔ ''میرا تہبند' میرا تہبند'' ! لوگوں نے تہبند کمر سے باندھ دیا' یہ صحیحین کی روایت ہے۔ (۲)

حاکم اور ابونعیم میں ہے کہ ابو طالب نے اس کے بعد واقعہ دریافت کیا تو فرمایا کہ مجھے ایک سفید پوش مرد نظر آیا جس نے کہا کہ ''ستر پوشی کر'' بیہقی اور ابن سعد میں اور حاکم کی دوسری روایت میں ہے کہ ندا آئی کہ ''محمدؐ اپنے ستر کو چھپا''۔ ان روایتوں میں ہے کہ غیب کی یہ پہلی آواز تھی جو آپؐ کو سنائی دی۔

---

(۱) مستدرک حاکم ج ۲ ص ۶۰۳ ذہبی نے حاکم کی اس روایت کو علیٰ شرط مسلم تسلیم کیا ہے علاوہ ازیں تاریخ بخاری ابن سعد ابو یعلیٰ طبرانی' بیہقی' ابونعیم اور ابن مندہ میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

(۲) صحیح بخاری ج اول کتاب المناقب باب بنیان الکعبہ صحیح مسلم۔

Marfat.com

نیند طاری ہونا:

حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ سے سن کر بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ بعثت سے پہلے صرف دو دفعہ میرے دل میں برا خیال آیا اور دونوں دفعہ خدا نے مجھے بچا لیا' ایک دفعہ رات کو میں نوجوان چرواہوں کے ساتھ مکہ سے باہر تھا' میرے دل میں آیا کہ شہر کے اندر جا کر لطف احباب اٹھاؤں' چلا تو سر راہ شادی کا ایک جلسہ نظر آیا میں دیکھنے کھڑا ہو گیا تو خدا نے مجھ پر نیند طاری کر دی تو اس وقت تک میں نہ جاگا جب تک سورج کی کرنوں نے آ کر میرے شانے نہ ہلائے' دوسری دفعہ جب خیال آیا تو پھر یہی واقعہ گزرا' اس کے بعد میں نے جاہلیت کا کوئی ارادہ نہ کیا یہاں تک کہ خدا نے مجھ کو نبوت سے مشرف کیا۔(۱)

صدائے غیب:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ ایک دفعہ بیٹھے تھے' سامنے سے ایک خوب صورت سا آدمی گزرا' حضرت عمرؓ نے بلوا کر حال پوچھا' اس نے کہا میں جاہلیت میں کاہن تھا' دریافت کیا کہ اس زمانہ میں عجیب ترین واقعہ تم نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا میں بازار میں تھا کہ میرا موکل جن میرے پاس گھبرایا ہوا آیا اور یہ شعر پڑھا۔

الم تر الجن و ابلاسها — و یاسها من بعد انکا سها

و لحوقها بالقلاص و احلابها

حضرت عمرؓ نے فرمایا اس نے سچ کہا' خود مجھ پر اسی قسم کا ایک واقعہ گزرا' ایک دفعہ میں جاہلیت کے بتوں کے پاس سویا تھا کہ ایک آدمی بچھڑا لے کر آیا اور اس کی قربانی کی' ناگاہ اس کے اندر سے بڑے زور سے چیخنے والے کی آواز آئی جس سے زیادہ چیخ کی آواز میں نے کبھی نہیں سنی' آواز یہ تھی۔

یا جلیح' امر جنیح رجل فصیح یقول لا اله الا الله. "اے جلیح! کامیاب بات ایک فصیح آدمی کہتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہیں۔"

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ آواز سن کر سب لوگ کود کود کر بھاگ نکلے' لیکن میں اپنی جگہ سے نہ ٹلا اور دل میں کہا کہ اصل حقیقت دریافت کر کے ٹلوں گا' ناگاہ دوسری دفعہ اور پھر تیسری دفعہ وہی آواز آئی' اس واقعہ کو کچھ ہی دن گزرے تھے کہ مکہ میں یہ شہرہ ہوا کہ آپؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔(۲)

پتھروں سے سلام کی آواز:

آنحضرت ﷺ نبوت کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مجھ کو نبوت سے پہلے سلام کیا کرتا تھا۔ میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں' یہ صحیح مسلم' مسند احمد اور دارمی کی روایت ہے(۳) دوسری روایتوں میں

---

(۱) مسند ابن راہویہ' ابن اسحاق' بزار' بیہقی' ابونعیم' ابن عساکر قال ابن حجر و اسنادہ حسن متصل و رجال ثقاۃ (خصائص کبریٰ سیوطی ج اول ص ۸۸ حیدرآباد' مستدرک حاکم ج ۴' ص ۲۴۵ علی شرط مسلم) (۲) صحیح بخاری باب اسلام عمرؓ۔

(۳) صحیح مسلم کتاب الفضائل' مسند احمد ج ۵ ص ۹ و مسند دارمی صفحہ باب ما اکرم اللہ بہ نبیہ من ایمان الشجر بروایت جابرؓ بن سمرہ۔

Marfat.com

ہے[1] کہ میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری بعثت کے زمانہ میں مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔

خواب میں فرشتوں کی آمد:

نبوت سے پہلے آنحضرت ﷺ کو حالت خواب میں فرشتے نظر آیا کرتے تھے' صحیح بخاری میں ہے کہ آغاز وحی سے پہلے رویا میں تین فرشتے آپؐ کے پاس آئے' آپؐ دوسرے لوگوں کے ساتھ کعبہ کے احاطہ میں آرام فرما رہے تھے کہ ایک فرشتے نے پوچھا۔ ''ان میں وہ کون ہے؟'' بیچ والے نے جواب دیا۔ ''ان میں جو سب سے بہتر ہے'' پچھلے نے کہا'' تو ان میں سے بہتر کو لے لو۔'' تو اس کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔ (۲)

☆☆☆☆

(۱) جامع ترمذی ذکر معجزات وابونعیم ص ۱۴۱۔

(۲) صحیح بخاری کتاب التوحید وباب صفۃ النبی ﷺ کتاب الانبیاء۔

Marfat.com

اشیاء میں اثر

اشیاء میں اثر سے مقصود یہ ہے کہ بحکم الٰہی کبھی کبھی آپؐ کے فیض و برکت کی قوت اثر سے جمادات' نباتات حیوانات اور انسانوں میں ایک ایسا انقلاب پیدا ہو گیا' جس کی بناء پر اشیاء سے ان کی فطرت کے مافوق یا ان کے معمول کے برخلاف افعال' حرکات اور اثرات رونما ہوئے' اس قسم کے معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت میں زیادہ نمایاں ہیں' مثلاً پانی کا خون ہو جانا' عصاء کا سانپ بن جانا' ہتھیلی کا چمکنے لگنا' عصاء کی ضرب سے دریا کا خشک ہو جانا' چٹان سے پانی بہنے لگنا' اوس کے اٹھانے سے دشمن کا شکست کھانا' آنحضرت ﷺ کو بھی یہ نشانیاں ملی تھیں جن میں سب سے مستند معجزہ شق القمر ہے جس کی تفصیل دلائل قرآنی کے ضمن میں پہلے گزر چکی' اس کے بعد ستون حنانہ یعنی مسجد نبوی کے ستون خرما سے گریہ وبکا کی آواز پیدا ہونے کا واقعہ ہے۔

ستون کا رونا:

مسجد نبوی میں پہلے منبر نہ تھا' مسجد میں خرمے کے تنے کا ایک ستون تھا' آپؐ اس سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے' منبر تیار ہوا تو آپؐ نے اس پر کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دینا شروع کیا تو دفعتاً اس ستون سے بچوں کی طرح رونے کی آواز آنے لگی' بعض روایتوں میں ہے کہ اونٹنیوں کی طرح بلبلانے کی آواز آئی' یہ حاضرین کے اختلاف مذاق کی بناء پر رونے کی مختلف تشبیہیں ہیں' راویوں کا مشترک مقصود یہ ہے کہ درد فراق سے اس سے جزع وفزع کی آواز سنائی دینے لگی' یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ منبر سے اتر کر آئے اور ستون پر تسکین کے لیے ہاتھ پھیرا اور اس کو سینہ سے لگایا تو آواز بند ہو گئی' آپؐ نے فرمایا کہ اس کا رونا اس بنا پر تھا کہ یہ پہلے خدا کا ذکر سنا کرتا تھا۔ (۱) یہ واقعہ حدیث کی اور سیر کی کتابوں میں گیارہ مختلف صحابیوںؓ سے منقول ہے۔ (۲)

منبر کا ہلنے لگنا:

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ منبر پر خطبہ دے رہے تھے' جلال و کبریائی الٰہی کا بیان تھا' آپؐ خود بہت متاثر تھے حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا تو آپؐ داہنے بائیں ہل رہے تھے اور نیچے سے منبر اس زور سے ہل رہا ہے

(۱) صحیح بخاری باب علامات النبوۃ و مسند احمد و ترمذی و ابویعلیٰ و ابن ماجہ و دارمی (معجزات) و نسائی (باب خطبۃ الجمعۃ)

(۲) ۱۔ جابرؓ بن عبداللہ (بخاری' نسائی' امام احمد' بزار' ابونعیم' ۲۔ سہیلؓ بن سعد (ابن ابی شیبہ' ابن سعد علی شرط الصحیحین ۳۔ عبداللہ بن عمرؓ (بخاری' امام احمد ترمذی ۴۔ انسؓ بن مالک (ترمذی' امام احمد' ابویعلیٰ' ابن ماجہ' بزار' ابونعیم ۵۔ ابی بن کعبؓ (امام احمد' امام شافعی' ابن ماجہ' دارمی' ابویعلیٰ' ابن سعد ۶۔ عبداللہ بن عباسؓ (امام احمد' ابن ماجہ علی شرط مسلم ابن سعد' بیہقی' دارمی ۷۔ ابوسعید خدریؓ (ابن ابی شیبہ' ابویعلیٰ' دارمی' عبد بن حمید' ابونعیم علی شرط مسلم ۸۔ بریدہؓ (دارمی) ۹۔ مطلب بن دوانہ (زبیر بن بکار فی اخبار المدینہ ۱۰۔ ام سلمہؓ (طبرانی' بیہقی ۱۱۔ عائشہؓ (بیہقی و ابونعیم۔

Marfat.com

کہ مجھے ڈر ہوا کہ آپ کو لے کر نہ گر پڑے۔ (۱)

(۱) صحیح مسلم باب ابتداء الحق ابن ماجہ ذکر المبعث' مسند احمد عن ابن عمر وغیرہ۔

چٹان کا پارہ پارہ ہو جانا:

غزوۂ خندق میں تمام صحابہؓ مل کر مدینہ کے چاروں طرف دشمنوں سے بچنے کے لیے خندق کھود رہے تھے' اتفاق سے ایک جگہ ایک بہت سخت چٹان نکل آئی لوگوں نے ہر چند اس کو توڑنا چاہا' مگر وہ نہ ٹوٹی' کدالیاں اس پر پڑ پڑ کر اچٹ جاتی تھیں' آخر لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر صورت حال عرض کی' آپؐ اٹھ کر خود تشریف لائے اور کدالی ہاتھ میں لے کر ایک ضرب لگائی تو وہ چٹان ریگ ہو کر چور چور ہو گئی۔ (۱)

درختوں اور پہاڑوں سے سلام کی آواز:

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ میں ایک طرف کو نکلا تو میں نے دیکھا کہ جو پہاڑ اور درخت بھی سامنے آتا ہے اس سے السلام یا رسول اللہ کی آواز آتی ہے اور میں ان کو سن رہا تھا۔ (۲)

پہاڑ کا ہلنا:

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دن آپؐ اور آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ' حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور صحیح مسلم میں ہے (۳) کہ حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ (۴) بھی تھے' ایک پہاڑ پر چڑھے' پہاڑ جنبش کرنے لگا آپؐ نے پہاڑ کو پائے مبارک سے ٹھوکر مار کر فرمایا۔ ٹھہر جا! کہ تیری پشت پر اس وقت پیغمبر ہے یا صدیق ہے یا شہید ہے۔ (۵)

صحیح بخاری میں راوی کو شک ہے' یہ پہاڑ کوہ احد تھا یا کوہ حرا۔ مگر صحیح مسلم میں اور مسند احمد میں صرف کوہ حرا کا اور ابویعلیٰ اور بیہقی میں صرف کوہ احد کا نام ہے' بہرحال اگر یہ کوہ احد تھا تو مدینہ کا یہ واقعہ اور اگر کوہ حرا تھا تو مکہ کا ہے۔

آپؐ کے اشارہ سے بتوں کا گر جانا:

فتح سے پہلے خانہ کعبہ تین سو ساٹھ بتوں کا معبد تھا' جب مکہ فتح ہوا تو آپؐ کعبہ میں تشریف لے گئے' دست مبارک میں ایک چھڑی تھی اور زبان اقدس پر یہ آیت کریمہ جاری تھی۔

(۱) صحیح بخاری (غزوۂ خندق' ونسائی' کتاب الجہاد) وبیہقی وابونعیم وابن سعد وابن اسحاق وابن جریر۔

(۲) جامع ترمذی ذکر معجزات بروایت حسن۔

(۳) صحیح بخاری مناقب ابی بکرؓ۔

(۴) صحیح مسلم فضائل حضرت طلحہؓ و زبیرؓ۔

(۵) صحیحین کے علاوہ یہ واقعہ مسند ابن حنبل بروایت بریدہ اور ترمذی نسائی اور دارقطنی بروایت حضرت عثمانؓ اور ابویعلیٰ اور بیہقی میں بروایت سہل بن سعد مذکور ہے۔

Marfat.com

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ (بنی اسرائیل:۹) ''حق آیا اور باطل مٹ گیا' باطل مٹنے ہی کے لیے آیا تھا۔''

آپ چھڑی سے جس بت کی طرف اشارہ کرتے تھے وہ بے چھوئے دھم سے گر پڑتا تھا۔

یہ واقعہ کہ کعبہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت تھے اور آپ دست مبارک میں چھڑی لے کر ان بتوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے اور آیت مذکور تلاوت کرتے جاتے تھے۔ صحیح بخاری و مسلم باب فتح مکہ میں موجود ہے مگر اس اشارہ سے بے چھوئے بتوں کا گر جانا گرتے جانا صحیحین میں مذکور نہیں' البتہ فاکہی میں بروایت عمر اور طبرانی' ابن اسحاق اور ابونعیم میں بروایت ابن عباسؓ موجود ہے' فاکہی کی روایت کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے' صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح میں جو روایت ہے اس سے ضمناً اس کے خلاف یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ نے ان لوگوں سے اکھڑوا کر پھینکوا دیا' اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابن عباس لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم ابى ان يدخل البيت فيه الالهة فامر بها فاخرجت.

''ابن عباس سے روایت ہے کہ جب آپ مکہ آئے تو اس حالت میں کہ خانہ کعبہ کے اندر بت تھے آپ نے اس کے اندر جانے سے انکار کیا تو آپ نے ان کے باہر نکال دینے کا حکم دیا تو وہ باہر نکال دیے گئے۔''

اگر فاکہی' طبرانی' ابن اسحاق اور ابونعیم کی روایت بالا صحیح ہو تو اس میں اور بخاری کی اس روایت میں یہ تطبیق ممکن ہے کہ پہلے جن بتوں کا ذکر ہے وہ حول البیت یعنی خانہ کعبہ کے باہر چاروں طرف تھے' آپ ان کی طرف اشارہ کر کے آیت مذکور کو پڑھتے تھے اور وہ گر جاتے تھے اور خانہ کعبہ کے اندر جو بت تھے اپنے اندر جانے سے پہلے آپ نے ان کو نکلوا کر پھینکوا دینے کا حکم دیا تھا' اسی طرح بخاری و مسلم کی فتح مکہ والی روایت میں جن بتوں کو چھڑی سے کونچے دینے کا ذکر ہے وہ' وہ ہیں جو باہر تھے یعنی حول البیت اور جن کے نکلوانے کا ذکر بخاری کی دوسری روایت میں ہے وہ خانہ کعبہ کے اندر تھے۔

کھانوں سے تسبیح کی آواز:

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ تم لوگ معجزوں کو خوف کی چیز سمجھتے ہو اور ہم لوگ ان کو برکت سمجھتے تھے' ہم کھانوں سے جب وہ کھائے جاتے تھے' تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے۔ (۱)

زمین کا ایک مرتد کو قبول نہ کرنا:

ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا اور سورہ بقرہ و آل عمران پڑھی آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق کتابت وحی کی خدمت کی' چند دنوں کے بعد وہ مرتد ہو کر بھاگ گیا اور عیسائی ہو گیا۔ اور مشہور کیا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے محمدؐ اس کے سوا کچھ نہیں جانتے' اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانی دکھائی یعنی اس کو موت دے دی' اس کے دوستوں نے اسے دفن کیا تو

(۱) صحیح بخاری باب علامات نبوت۔

Marfat.com

صبح کے وقت لاش قبر سے باہر تھی اس کے دوستوں کو معلوم ہوا تو کہنے لگے کہ یہ محمدؐ اور اصحاب محمدؐ کا کام ہے چونکہ وہ ان سے علیحدہ ہو گیا اس لیے قبر کھود کر اس کو باہر پھینک دیا۔ اس خیال سے ان لوگوں نے اب کے خوب گہری قبر کھود کر اس میں اس کو دفن کیا' صبح کے وقت پھر مردہ قبر سے باہر تھا۔ اب ان کا خیال پختہ ہو گیا اور کہنے لگے کہ یہ مسلمانوں ہی کی حرکت ہے' پھر جس قدر وہ گہری قبر کھود سکتے تھے' کھود کر اس میں اس کو دفن کیا صبح کو دیکھا تو پھر وہی منظر سامنے تھا۔ اب ان کو یقین ہوا کہ یہ آدمی کا کام نہیں' چنانچہ اس کو اسی طرح زمین پر چھوڑ دیا۔ (۱)

درختوں کا چلنا:

ایک بار آپؐ سفر میں قضائے حاجت کے لیے نکلے۔ حضرت جابرؓ پانی لیے ہوئے ساتھ تھے آپؐ نے میدان میں ادھر اُدھر دیکھا تو کوئی چیز آڑ کرنے کے لیے نہ ملی' میدان کے کنارے صرف دو درخت تھے' آپؐ ایک درخت کے پاس گئے اور اس کی ایک ڈالی کو پکڑ کر کہا کہ خدا کے حکم سے میری اطاعت کر' وہ فرمان بردار اونٹ کی طرح آپؐ کے ساتھ ہو لیا' پھر دوسرے درخت کے نزدیک تشریف لے گئے اور وہ بھی اسی طرح آپؐ کے ساتھ چل پڑا' پھر آپؐ نے دونوں کو ایک جگہ جمع کیا اور فرمایا کہ خدا کے حکم سے جڑ جاؤ دونوں باہم مل گئے جب ان کی آڑ میں فراغت کر چکے تو پھر دونوں درخت الگ الگ اپنی جگہ پر آ گئے۔ (۳)

اسی قسم کا واقعہ دوسرے سفروں میں بھی پیش آیا ہے' چنانچہ صحابہؓ نے اپنی عینی شہادت کی بناء پر اس کو بیان کیا ہے' حضرت اسامہ بن زیدؓ حجۃ الوداع میں (۴) اور حضرت یعلیٰ بن مرۃؓ نے کسی سفر میں (۵) اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے۔

ایک اور واقعہ ہے کہ آپؐ ایک روز اہل مکہ کی ایذا رسانی سے نہایت غمگین بیٹھے ہوئے تھے' اسی حالت میں حضرت جبریلؑ آئے اور انہوں نے دریافت کیا تو حضرت جبریلؑ نے کہا یا خود آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی' (روایتیں مختلف ہیں۔) کہ مجھے ایک ایسی نشانی دکھا جو اس غم کو مجھ سے دور کر دے' حکم ہوا کہ میدان کے کنارے جو ایک درخت ہے آپؐ اس کو بلایئے' آپؐ نے بلایا تو وہ سامنے آ کر کھڑا ہو گیا' پھر اس کو واپس جانے کو کہا تو وہ اپنی جگہ پر واپس چلا گیا۔ آپؐ نے فرمایا ''اب مجھے کوئی غم نہیں۔'' (۶)

خوشہ خرما کا چلنا:

آپؐ کی خدمت میں ایک بدو آیا اور کہا کہ مجھے یہ کیونکر یقین ہو کہ آپؐ پیغمبر ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اگر میں

(۱) بخاری باب علامات نبوت فی الاسلام۔
(۲) مسلم حدیث جابر الطویل (احمد و داری و بیہقی باختلاف یسیر۔
(۳) مسلم حدیث جابر الطویل (احمد' داری و بیہقی باختلاف یسیر۔
(۴) مسند ابو یعلیٰ و بیہقی و ابو نعیم حافظ ابن حجر نے مطالب عالیہ میں اس روایت کی تحسین کی ہے۔
(۵) امام احمد بروایت یعلیٰ بن مرہ و ابن شیبہ برجال ثقات و حاکم بروایت صحیح۔
(۶) سنن ابن ماجہ باب الصبر علی البلاء و مسند احمد عن انس بن مالکؓ و ابن سعد و بزار و بیہقی عن عمرؓ بن الخطاب۔

Marfat.com

اس خوشہ خرما کو بلالوں تو تم میری نبوت کی شہادت دو گے؟ اس نے کہا ہاں! آپ ؐ نے خوشہ خرما کو بلایا اور وہ درخت سے اتر کر آپ ؐ کے پاس آیا اور پھر آپ ؐ کے حکم سے واپس چلا گیا بدوفوراً اس معجزہ کو دیکھ کر ایمان لے آیا۔ (۱)

درخت کا چلنا اور اس سے آواز آنا:

آپ ؐ ایک سفر میں تھے کہ ایک بدو آتا ہوا نظر آیا' جب وہ آپ ؐ کے قریب آ گیا تو آپ ؐ نے پوچھا کہاں جاتے ہو؟ اس نے جواب دیا' مکان کا ارادہ ہے' پھر آپ ؐ نے فرمایا' ''تمہیں نیکی کی حاجت ہے۔'' اس نے کہا وہ نیکی کیا ہے؟ آپ ؐ نے کلمہ توحید کی تلقین کی' اس نے کہا اس کی شہادت کون دیتا ہے؟ آپ ؐ نے فرمایا' ''سامنے کا یہ درخت' چنانچہ یہ کہہ کر آپ ؐ نے وادی کے کنارے سے اس درخت کو بلایا' وہ دوڑتا ہوا آیا اور آپ ؐ کے سامنے کھڑا ہو گیا' آپ ؐ نے تین بار اس سے کلمہ توحید پڑھایا اور اس نے پڑھا' پھر وہ اپنی جگہ پر واپس چلا گیا اور بدو یہ کہہ کر اپنے مکان کو روانہ ہوا کہ اگر میرے اہل و عیال نے بھی اسلام قبول کر لیا تو ان سب کو لے کر آؤں گا ورنہ تنہا آپ ؐ کے ساتھ قیام کروں گا۔ (۲)

بے دودھ کی بکری نے دودھ دیا:

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نوخیز چھوکرا تھا' عقبہ بن معیط ایک کافر رئیس کی بکریاں مکہ میں چرایا کرتا تھا۔ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کا ادھر سے گزر ہوا۔ (۳)

---

(۱) ترمذی (معجزات نبوی) نے اس کو صحیح کہا ہے' امام بخاری نے تاریخ میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور ابویعلیٰ نے ابن عباسؓ سے اس کی روایت کی ہے۔

(۲) مسند دارمی ص ۷ بسند صحیح و بزار و ابونعیم باختلاف یسیر' وابن سعد جلد اول ص ۱۲۱۔

(۳) یہ روایت ابوداؤد طیالسی' مسند ابن حنبل' ابن سعد اور دلائل ابی نعیم میں ہے' طیالسی و ابونعیم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ جب مشرکین سے بھاگے تھے تب یہ واقعہ پیش آیا یعنی ہجرت کے ایام میں' طیالسی کی اس روایت کا سلسلہ سند ہر طرح سے محفوظ ہے' ابوداؤد حماد بن سلمہ سے اور وہ عاصم ابن مہدلہ سے اور عاصم زر بن حبیش سے اور وہ خود عبداللہ بن مسعودؓ سے اس کی روایت کرتے ہیں' یہ تمام اصحاب ثقہ اور معتبر ہیں' بایں ہمہ اس واقعہ کو زمانہ ہجرت میں قرار دینے سے متعدد خرابیاں نظر آتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس روایت میں کسی صاحب سے بھول ہوئی ہے' اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہجرت کے وقت نوخیز لڑکے تھے اور ابھی تک قرآن مجید سے ناواقف تھے بلکہ مسلمان بھی نہ تھے حالانکہ وہ ہجرت سے بہت پہلے اسلام لا چکے تھے وہ چھٹے مسلمان تھے اور ہجرت کے وقت وہ حبش میں تھے اور وہاں سے اس وقت لوٹے جب آنحضرت ﷺ مدینہ جا چکے تھے جیسا کہ نماز میں سلام کرنے والی روایت ہے جو حدیث کی تمام کتابوں میں ہے سے ثابت ہوتا ہے اس لئے وہ اس وقت مکہ میں سرے سے موجود ہی نہ تھے۔ اس روایت کے ان الفاظ کے متعلق میں اپنے یہ شکوک لکھ چکا تھا کہ رجال اور سیر کی مختلف کتابوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا حال الٹ پلٹ کر پڑھا' سب نے ان کے حال میں اس روایت کو نقل کیا ہے مگر ان شبہات پر کسی کی نظر نہیں پڑی' اسی اثناء میں فتح الباری جلد ہجرت اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ بعینہ یہی اعتراضات حافظ ابن حجرؒ کے ذہن میں بھی گزرے ہیں لیکن انہوں نے حسب دستور مختلف روایات کی تطبیق کے متعلق جو ان کا عام اصول ہے اس سے کام لے کر آگے بڑھ گئے ہیں یعنی یہ کہہ دیا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ =

Marfat.com

آپؐ نے مجھ سے پوچھا لڑکے! تمہارے پاس دودھ ہے؟ ہم کو پلاؤ گے؟ میں نے کہا میں امین ہوں تم کو نہیں پلا سکتا' آپؐ نے پوچھا' اچھا کوئی بکری کا بچہ ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا لے آؤ' حضرت ابوبکرؓ نے بچہ پکڑا اور آنحضرت ﷺ نے تھن میں ہاتھ لگایا اور دعا کی' ابوبکرؓ ایک گہرا پتھر لے آئے اس میں دودھ دوہا گیا' پہلے آپؐ نے خود پیا' پھر حضرت ابوبکرؓ نے پیا' اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ پھر مجھے پلایا۔ دودھ پی کر آپؐ نے فرمایا اے تھن سمٹ جا۔ وہ سمٹ کر خشک ہو گیا۔ اس کے بعد میں آپؐ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ اس عمدہ کلام یعنی قرآن مجید میں سے مجھے کچھ سکھایئے۔ فرمایا تم سیکھنے والے لڑکے ہو تو میں نے خود آنحضرت ﷺ کے منہ سے ستر سورتیں سیکھیں' جن میں کوئی دوسرا میرا مقابلہ نہیں کر سکتا ابن سعد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہا کرتے تھے کہ میرے اسلام لانے میں اسی معجزہ کو دخل ہے۔ (۱)

سست گھوڑے کا تیز رفتار ہو جانا:

ابوطلحہؓ صحابی کا گھوڑا نہایت سست رفتار اور متھا تھا' ایک دفعہ مدینہ میں شوروغل ہوا' آپؐ نے اسی گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کا چکر لگایا' وہ آپؐ کی سواری کی برکت سے اس قدر تیز ہو گیا کہ جب آپؐ واپس تشریف لائے تو فرمایا۔ یہ تو دریا ہے اس کے بعد کوئی گھوڑا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ (۲)

اندھیرے میں روشنی ہونا:

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ دو صحابیؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رات کو دیر تک حاضر رہے' جب واپس ہوئے تو رات بہت اندھیری تھی مگر خدا کی قدرت کہ ان کے سامنے دو چراغوں کی طرح آگے آگے کوئی چیز روشن ہو گئی'

= ہجرت کے علاوہ کسی اور زمانہ کا واقعہ ہو' مگر مشکل یہ ہے کہ ہجرت کے علاوہ کوئی اور زمانہ ایسا نہیں جس میں آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مشرکین سے بھاگے ہوں لیکن الحمدللہ کہ اثنائے تحقیق میں مجھے مسند احمد بن حنبل (جلد اص ۳۷۹) میں یہی روایت اسی قسم کی سند سے مل گئی ہے جس میں ان قابل اعتراض الفاظ کے بجائے مطلق یہ الفاظ ہیں کہ میں بکریاں چرا رہا تھا کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کا گزر ہوا۔ اس میں فرار اور ہجرت کا مطلق ذکر نہیں ہے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ہجرت سے بہت پہلے کا کوئی واقعہ ہے' پہلے الفاظ کے راوی عاصم سے ان کے شاگرد حماد بن سلمہ ہیں اور دوسرے الفاظ کے راوی ان ہی کے شاگرد ابوبکر عیاش ہیں' گو حافظہ کی خرابی اور اغلاط کی کثرت میں یہ دونوں برابر ہیں تاہم ناقدانہ وجوہ ابوبکر بن عیاش کی تائید میں ہیں' پہلی روایت میں فر (بھاگے) کا لفظ ہے اور دوسری جگہ میں مر یعنی گزرے کا لفظ ہے' معلوم ہوتا ہے کہ راویوں میں فر اور مر کے الفاظ میں باہم تشابہ ہو گیا ہے اور بعد کو پھر فر کی مناسبت سے عن المشرکین بڑھ گیا ہے' ابن سعد نے بسند حسن (جلد اول ص ۱۲۲) اس واقعہ کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے جس سے تمام مسئلہ صاف ہو جاتا ہے حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں' میں اپنے سے پہلے کسی کا مسلمان ہونا نہیں جانتا۔ میں گھر کی بکریاں چرا رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے اور دریافت فرمایا کہ تمہاری کسی بکری میں دودھ ہے میں نے عرض کیا نہیں! آپؐ نے ایک بکری کے تھن میں ہاتھ لگایا فوراً دودھ اتر آیا تو میں اپنے سے پہلے کسی کا مسلمان ہونا نہیں مانتا۔

(۱) ابن سعد جلد اول ص ۲۲۲۔

(۲) صحیح بخاری کتاب الجہاد و باب الرکوب علی الدابۃ الصعبۃ ج اص ۴۰۰۔

Marfat.com

جب دونوں الگ ہو کر اپنے اپنے گھر چلے تو ایک چراغ ایک کے ساتھ اور دوسرا دوسرے کے ساتھ ہوگیا' یہاں تک کہ دونوں گھر چلے گئے' یہ صحیح بخاری کی روایت ہے[1] اس میں ان دونوں صحابیوں کے ناموں کی تصریح نہیں' لیکن حاکم' ابن سعد' بیہقی اور ابونعیم میں حضرت انسؓ نے ان کے نام عبادؓ بن بشیر اور اسیدؓ بن حضیر بتائے ہیں اور ان میں یہ اضافہ ہے کہ یہ روشنی ان کی لکڑیوں کے سروں میں پیدا ہوگئی تھی' ابونعیم کی دوسری روایت میں جو حضرت انسؓ ہی سے مروی ہے' عبادؓ بن بشیر اور اسیدؓ بن حضیر کے بجائے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے نام ہیں' روایت کی صحت کی صورت میں ممکن ہے کہ دوسرا واقعہ ہو۔ نیز حاکم' بیہقی اور ابونعیم میں اسی قسم کا واقعہ ابوعبس ابن جبرؓ صحابی جو ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھا کرتے تھے' ان کو بھی ایک دفعہ پیش آنا بیان کیا گیا ہے۔ تاریخ بخاری اور بیہقی میں ایک سفر میں اندھیری رات کو حمزہ الاسلمیؓ کی انگلیوں کا روشن ہو جانا بھی مذکور ہے۔

جانور کا سجدہ کرنا:

حدیث کی اکثر کتابوں میں چند الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے کہ ایک دفعہ ایک انصاری کا اونٹ باؤلا ہوگیا تھا یا بگڑ گیا تھا' لوگوں نے جا کر آپ کو خبر کی' آپ نے اس کے پاس جانا چاہا تو سب نے روکا کہ یا رسول اللہ! "یہ آدمی کو کتے کی طرح کاٹ کھاتا ہے۔" آپ نے فرمایا مجھے اس کا خوف نہیں یہ کہہ کر آپ آگے بڑھے تو اونٹ نے آپ کے سامنے آ کر اپنی گردن ڈال دی' آپ نے اس پر ہاتھ پھیرا اور اس کو پکڑ کر اس کے مالک کے حوالے کر دیا۔ پھر فرمایا۔ ہر مخلوق جانتی ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں' لیکن گنہگار انسان اور نافرمان جن۔[2] صحابہؓ نے یہ منظر دیکھ کر کہا یا رسول اللہ! جب جانور آپ کو سجدہ کرتے ہیں تو انسان کو سب سے پہلے کرنا چاہیے' آپ نے فرمایا اگر انسان کا دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔[3]

جانور کا آپ کے مرتبے کو پہچاننا:

ایک دفعہ آپ ایک انصاری کے باغ میں گئے' ایک اونٹ کھڑا چلا رہا تھا' آپ کو دیکھ کر وہ بلبلانے لگا اور اس کی دونوں آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ آپ نے قریب جا کر اس کے سر اور کنپٹی پر ہاتھ پھیرا تو وہ چپ ہوگیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کا اونٹ ہے؟ لوگوں نے ایک انصاری کا نام بتایا' وہ بلوائے گئے تو آپ نے فرمایا' تم ان جانوروں پر جن کو خدا نے تمہارا محکوم بنایا ہے رحم کیا کرو اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو

(۱) صحیح بخاری باب علامات نبوت۔

(۲) دارمی۔

(۳) امام احمد بن حنبل نے مسند میں متعدد صحابیوں کی سند سے یہ واقعہ نقل کیا ہے چنانچہ کتاب مذکور میں حضرت جابرؓ' حضرت ابن عباسؓ حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ کی مسند دیکھو نیز سنن نسائی وابن شیبہ طبرانی اور بیہقی اہل دلائل نے اس ایک واقعہ کو ذرا ذرا سے لفظی اختلاف کے باعث متعدد واقعات بنا دیا ہے (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۳۹۔)

Marfat.com

اور اس کو تکلیف دیتے ہو۔ (۱)

حافظہ بڑھ جانا:

تمام صحابہؓ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایتیں سب سے زیادہ ہیں حالانکہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں صرف تین چار برس رہے تھے، لوگوں کو آج بھی اس پر تعجب ہے اور خود ان کے زمانہ میں بھی تھا، لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہمارے مہاجر بھائی تو بیوپار میں لگے رہتے تھے اور انصاری بھائی اپنے کھیتوں میں اور میرا آپؐ کی خدمت میں حاضری کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ ایک دن خدمت میں حاضر تھا کہ زبان مبارک سے نکلا کہ جو دامن پھیلا کر اس وقت میری باتیں سینہ میں سمیٹ لے گا وہ پھر کبھی نہ بھولے گا۔ میں نے دامن پھیلایا، جب کلام مبارک ختم ہوا، سینہ میں سمیٹ لیا، اس وقت سے کوئی بات نہ بھولا۔ (۲)

صحیح بخاری میں یہی واقعہ ایک اور طرح سے بھی مذکور ہے چنانچہ وہ آگے آئے گا۔

❀

(۱) ابوداؤد کتاب الجہاد باب الشفقۃ علی البہائم ص ۲۵۴ و مسند احمد بسند عبداللہ بن جعفر و مسلم بسند مہدی بن میمون البدایہ ص ۲۷، ابونعیم وغیرہ میں اسی واقعہ میں نامستند باتیں شامل ہیں۔

(۲) صحیح بخاری و صحیح مسلم مناقب ابوہریرہؓ۔

Marfat.com

شفائے امراض

﴿وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ﴾

پیغمبر دنیا میں درحقیقت بیمار دلوں کے روحانی طبیب بن کر آتے ہیں' مگر کبھی کبھی ارواح وقلوب کے معالجہ میں ان کو جسمانی امراض وعوارض کا علاج بھی کرنا پڑتا ہے' تمام انبیاء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اس وصف میں سب سے ممتاز ہے' آنحضرت ﷺ کو بھی اس قسم کے معجزات کا وافر حصہ ملا۔

حضرت علیؓ کی آنکھوں کا اچھا ہوجانا:

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص' حضرت سلمہؓ بن اکوع اور حضرت سہیلؓ بن سعد تین چشم دید گواہوں سے روایت ہے کہ غزوہ خیبر میں جب آپؐ نے علم عطا فرمانے کے لیے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو طلب فرمایا تو معلوم ہوا کہ ان کی آنکھوں میں آشوب چشم ہے اور یہ آشوب جیسا کہ مسند ابن حنبل میں ہے ایسا سخت تھا کہ ایک صاحب (سلمہؓ بن اکوع) ان کا ہاتھ پکڑ کر لائے تھے' آپؐ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن مل دیا اور دم کر دیا' وہ اسی وقت اچھی ہو گئیں' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی آنکھوں میں کبھی درد تھا ہی نہیں۔ (۱)

ٹوٹی ہوئی ٹانگ کا درست ہونا:

حضرت عبداللہؓ بن عتیک قلعہ میں داخل ہو کر جب ابو رافع یہودی کو قتل کر کے واپس آنے لگے تو کوٹھے کے زینہ سے گر پڑے جس سے ان کی ایک ٹانگ میں سخت چوٹ آئی' پہلے پہل تو یہ چوٹ معلوم نہیں ہوئی' لیکن بعد کو یہ حالت ہوئی جیسا کہ ابن اسحاق میں ہے کہ ان کے ہمراہی اٹھا کر ان کو لائے' آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر واقعہ بیان کیا' آپؐ نے اس ٹانگ پر دست مبارک سے مسح کر دیا اور فوراً بالکل اچھی ہو گئی اور یہ معلوم ہونے لگا کہ کبھی چوٹ لگی ہی نہ تھی۔ (۲)

تلوار کے زخم کا اچھا ہونا:

غزوہ خیبر میں حضرت سلمہؓ بن اکوع کی ٹانگ میں تلوار کا زخم لگ گیا وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے' آپؐ نے اس پر تین مرتبہ دم کر دیا' پھر انہیں کوئی شکایت محسوس نہیں ہوئی صرف نشان رہ گیا تھا۔ (۳)

---

(۱) صحیح بخاری باب غزوہ خیبر و مناقب علیؓ کتاب الجہاد و صحیح مسلم باب فضائل علی و مسند ابن حنبل ج ۳ ص ۵۲' سہیلؓ بن سعد اور سلمہؓ بن اکوع کی روایت بخاری و مسلم دونوں میں ہے اور حضرت سعدؓ کی روایت صرف مسلم میں ہے۔

(۲) بخاری باب قتل ابی رافع میں یہ واقعہ دو طرح بیان ہوا ہے یہاں ان دونوں میں تطبیق کر دی گئی ہے۔

(۳) صحیح بخاری باب غزوہ خیبر و مسند ابن حنبل ج ۴ حدیث سلمہ بن اکوع۔

Marfat.com

غزوۂ حنین میں حضرت خالدؓ بن ولید کے پاؤں میں زخم لگا' جب لڑائی ختم ہو چکی تو آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا' آپؐ حضرت خالدؓ کی فرودگاہ پوچھتے ہوئے ان کے پاس آئے' دیکھا کہ کجاوہ سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں' آپؐ نے ان کے زخم پر ایک نگاہ ڈالی اور اس پر لعاب دہن ڈال دیا' زخم اچھا ہو گیا۔ (۱)

اندھے کا اچھا ہونا:

آپؐ کی خدمت میں ایک اندھا حاضر ہوا اور اپنی تکلیفیں بیان کیں' آپؐ نے فرمایا' اگر چاہو تو دعا کر دوں اور اگر چاہو تو صبر کرو اور یہ تمہارے لیے اچھا ہے' عرض کی دعا کیجیے۔ فرمایا' اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا مانگو کہ خداوندا! اپنی رحمت والے پیغمبر کے وسیلہ سے میری حاجت پوری کر دے' ترمذی (۲) اور حاکم کی ایک روایت (۳) میں اسی قدر ہے مگر ابن حنبلؒ (۴) اور حاکم (۵) کی دوسری روایت میں اس کے بعد ہے کہ اس نے ایسا کیا تو فوراً اچھا ہو گیا۔ (۶) حاکم کی ایک اور روایت میں جو علیٰ شرط البخاری ہے یہ واقعہ ان الفاظ میں منقول ہے حضرت عثمانؓ بن حنیف صحابی کہتے ہیں کہ ایک نابینا صحابی آپؐ کے پاس حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ یا رسول اللہ! میری خدمت کے لیے کوئی آدمی نہیں' مجھے سخت تکلیف ہے۔ فرمایا' وضو خانہ میں جا کر وضو کرو' پھر دو رکعت نماز پڑھو' اس کے بعد یہ دعا مانگو۔ عثمان بن حنیف کہتے ہیں کہ ابھی ہم مجلس سے الگ نہیں ہوئے تھے اور نہ کچھ زیادہ بات کرنے پائے تھے کہ وہ نابینا واپس آیا تو ایسا معلوم ہوا کہ اس کو نابینائی کی بیماری کبھی تھی ہی نہیں۔

حبیبؓ بن فدیک ایک اور نابینا صحابی کے اچھے ہونے کا واقعہ ابن ابی شیبہ طبرانی' بیہقی اور ابو نعیم میں مذکور (۷) ہے مگر چونکہ اس کے سلسلہ سند میں مجہول الاسم اشخاص ہیں اس لیے اس کو قلم انداز کر دیا ہے۔

بلا دور ہونا:

آپؐ ایک سفر میں جا رہے تھے' راستہ میں ایک عورت بچہ کو لیے ہوئے سامنے آئی اور کہا کہ یا رسول اللہؐ اس کو دن میں کئی دفعہ کسی بلا کا دورہ ہوتا ہے' آپؐ نے بچہ کو اٹھا کر کجاوہ کے سامنے رکھا اور تین بار کہا کہ اے خدا کے دشمن نکل میں خدا کا رسول ہوں' پھر لڑکے کو اس کے حوالے کر دیا' سفر سے پلٹے تو وہ عورت دو دنبے لے کر حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسول اللہؐ! میرا ہدیہ قبول فرمائیے' خدا کی قسم پھر بچے کے پاس وہ بلا نہ آئی' آپؐ نے ایک دنبہ قبول فرما لیا اور دوسرے کو واپس کر دیا۔ (۸)

---

(۱) مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۸۸ عبدالرزاق وعبد بن حمید وابن عساکر۔ (۲) ترمذی کتاب الدعوات۔
(۳) مستدرک جلد ا ص ۵۱۹۔ (۴) مسند ج ۴ ص ۱۳۸۔ (۵) مستدرک ج ا ص ۵۲۶۔
(۶) ایضاً۔ (۷) دلائل ابی نعیم ص ۱۶۰ واصابہ ترجمہ حبیبؓ بن فدیک۔
(۸) مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۱۷۰' ۱۷۱ میں دو حسن روایتوں سے حضرت یعلیٰؓ بن مرہ سے یہ واقعہ مذکور ہے' علاوہ ازیں ابن ابی شیبہ اور حاکم میں بھی یہ منقول ہے' دارمی ص ۷ میں یہ واقعہ حضرت جابرؓ سے جس سلسلہ سند سے مذکور ہے وہ مستند نہیں نیز دارمی اور ابو نعیم میں اسی قسم کا ایک اور واقعہ (یعنی) ایک جن کا ایک بچہ پر مسلط ہونا اور آپؐ کے اثر سے ایک کتے کا پلہ کی شکل میں نکل کر بھاگنا' حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ بھی صحیح نہیں۔

Marfat.com

گونگے کا بولنا:

حجۃ الوداع میں آپؐ کی خدمت میں ایک عورت اپنے بچہ کو لے کر حاضر ہوئی اور عرض کی کہ یہ بولتا نہیں آپؐ نے پانی منگایا' ہاتھ دھویا اور کلی کی اور فرمایا کہ یہ پانی اس کو پلا دو اور کچھ اس کے اوپر چھڑک دو' دوسرے سال وہ عورت آئی تو بیان کیا کہ لڑکا بالکل اچھا ہو گیا اور بولنے لگا۔ (۱)

مرض نسیان کا دور ہونا:

ایک دفعہ حضرت علیؓ نے آ کر شکایت کی کہ یا رسول اللہ! قرآن یاد کرتا ہوں تو بھول جاتا ہوں آپؐ نے فرمایا۔ اس طرح نماز پڑھ کر یہ دعا مانگو۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی طرح کیا اور فائدہ ہوا۔ اور جا کر آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ پہلے چار چار آیتیں یاد کرتا تھا اور اب چالیس چالیس آیتیں یاد کر لیتا ہوں' پہلے بات بھول جاتا تھا اور اب حرف حرف یاد رہتا ہے۔ (۲)

حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو آپؐ نے طائف کا عامل مقرر فرمایا' انہوں نے وہاں سے آ کر بیان کیا کہ یا رسول اللہؐ مجھے یہ مرض پیدا ہو گیا ہے کہ نماز میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کیا پڑھتا ہوں؟ آپؐ نے پاس بلا کر ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور منہ میں دم کیا' پھر یہ حالت بالکل زائل ہو گئی۔ (۳)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی ایک دفعہ حافظہ کی شکایت کی تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ دامن پھیلاؤ' انہوں نے پھیلایا' آپؐ نے اس میں ہاتھ ڈالا' پھر فرمایا کہ اب اس کو سمیٹ لو' حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا' تب سے پھر میں کوئی بات نہ بھولا۔ (۴)

بیمار کا تندرست ہونا:

حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کا واقعہ ہے کہ وہ ایک دفعہ سخت بیمار ہوئے' آنحضرت ﷺ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے تو فرمایا کہ یہ دعا سات مرتبہ پڑھو اور ہاتھ بدن پر پھیرو' حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا کیا تو خدا نے میری بیماری دور کر دی اور اب میں اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بھی یہ دعا بتایا کرتا ہوں۔ (۵)

ایک بار حضرت علیؓ اس قدر بیمار ہوئے کہ موت کی دعا کرنے لگے' آپؐ کا گزر ہوا تو ان کو اس پر تنبیہ کی اور دعا فرمائی' پھر ان کو اس مرض کی تکلیف نہ ہوئی۔ (۶)

---

(۱) سنن ابن ماجہ باب النشرہ وابونعیم ص ۱۶۷ ابن ابی شیبہ۔

(۲) جامع ترمذی ابواب الدعوات' مستدرک ج ۱ ص ۳۱۶ ذہبی نے جودت سند کے باوجود اس روایت میں کلام کیا ہے۔

(۳) سنن ابن ماجہ باب الفزع والارق۔

(۴) صحیح بخاری باب علامات نبوت۔

(۵) جامع ترمذی کتاب الطب۔

(۶) جامع ترمذی ابواب الدعوات' بروایت حسن وصحیح حاکم فی المستدرک۔

Marfat.com

ایک جلے ہوئے بچہ کا اچھا ہونا:

محمدؓ بن حاطب ایک صحابی ہیں اور جب بچے تھے تو اپنی ماں کی گود سے گر کر آگ میں گر پڑے اور کچھ جل گئے' ان کی ماں ان کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں۔ آپؐ نے اپنا لعاب دہن ان پر ملا اور دعا پڑھ کر دم کیا' طیالسی اور ابن حنبل میں اسی قدر ہے' مگر امام بخاری نے تاریخ میں بہ سند بیان کیا ہے کہ محمدؓ بن حاطب کی ماں کہتی تھیں کہ بچہ کو لے کر میں وہاں سے اٹھنے بھی نہیں پائی تھی کہ بچہ کا زخم چنگا ہو گیا۔ (۱)

جنون دور ہونا:

ایک شخص نے آ کر درخواست کی یا رسول اللہؐ! میرا بھائی بیمار ہے' دعا کیجیے۔ پوچھا کیا بیماری ہے؟ عرض کی اس پر جنون کا اثر ہے' فرمایا اس کو لے آؤ' وہ آیا تو آپؐ نے قرآن مجید کی متعدد سورتیں پڑھ کر جھاڑ دیا' وہ کھڑا ہوا تو اس پر جنون کا کوئی اثر نہ تھا۔ (۲)

استجابت دعا

منجملہ دیگر علامتوں کے اللہ کی بارگاہ میں دعاؤں کا قبول ہونا بھی ایک بڑی علامت ہے جس سے نیک اور مقبول بندوں کی پہچان اور شناخت ہوتی ہے' انبیائے الٰہی سے بڑھ کر خدا کے نیک اور مقبول بندے اور کون ہو سکتے ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو شرف اجابت بخشتا ہے اور ان کی نداؤں کو جو دل کے اندر سے نکلتی ہیں سمع قبول سے سنتا ہے' حضرت آدمؑ نے ندامت کے ساتھ خدا کو پکارا تو اس نے ان کو معاف کر دیا' حضرت نوحؑ نے طوفانی عذاب کی درخواست کی تو پوری ہوئی' حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کے لیے نبوت اور برکت کی دعا کی تو قبول ہوئی' حضرت یونسؑ نے سمندر کی تہہ میں سے خدا کو پکارا تو اس نے سنا حضرت زکریاؑ نے خانوادۂ نبوت کے لیے ایک وارث مانگا تو دیا گیا۔

آنحضرت ﷺ نے بھی بارگاہ الٰہی میں دعائیں مانگیں' حاجت مندیوں میں اس کے آگے ہاتھ پھیلائے تنہائیوں میں اس کی رفاقت چاہی' بے کسیوں میں اس کی نصرت مانگی' فقر و فاقہ میں اس کے خزانہ غیب کی مدد طلب کی' حق کی اشاعت میں اس کی اعانت کی درخواست کی' نیک بندوں کے حق میں اپنے آپؐ کو اس کے سامنے شفیع بنایا' شریروں کے دفع شر کے لیے اس کی غیبی امداد کا سہارا ڈھونڈا اور ان میں سے ہر موقع پر آپؐ کے لیے قبول و اجابت کا دروازہ کھول دیا گیا۔

مسند احمد میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ جب بھی کسی کے حق میں دعا فرماتے تھے تو وہ نہ صرف اسی کے بلکہ اس کی اولاد در اولاد کے حق میں مستجاب ہوتی تھی۔ (۳) صحیح مسلم میں ہے کہ جب کسی کے متعلق آپؐ رحمہ اللہ یعنی خدا اس پر رحم کرے فرماتے تھے تو صحابہؓ سمجھ جاتے تھے کہ اس کو شہادت نصیب ہوگی۔ (۴) چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا'

(۱) مسند ابوداؤد طیالسی ص ۱۶۵ مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۲۵۹ تاریخ بخاری کی روایت ابن عبدالبر نے بہ سند استیعاب (ترجمہ محمد بن حاطب میں) اور سیوطی نے خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۶۹ میں نقل کی ہے۔　(۲) سنن ابن ماجہ باب الفزع والارق' اس روایت کے سلسلہ سند میں ابوحباب ایک راوی ہیں جن پر تدلیس کا الزام ہے مگر اس روایت میں تو تدلیس کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا۔ واللہ اعلم۔

(۳) مسند احمد بروایت ابو حذیفہ۔　(۴) صحیح مسلم باب غزوہ خیبر۔

Marfat.com

یہاں تک کہ وہ بھی جو آپ ؐ کی دعوت حق کے سخت منکر تھے اس امر کا دل سے یقین رکھتے تھے کہ محمد ﷺ کی دعاؤں میں حیرت ناک تاثیر ہے' مکہ میں جب قحط پڑا تو ابوسفیان نے بھی بحالت کفر اسی آستانہ پر حاضر ہو کر دعائے رحمت کی درخواست کی۔ (۱) ابوجہل وغیرہ رؤسائے قریش کے حق میں جو آپ ؐ کی نماز میں خلل انداز ہوئے تھے جب آپ ؐ نے بددعا کی تو وہ خوف سے کانپ اٹھے۔ (۲) یہ واقعات بتفصیل پہلے گزر چکے ہیں' اس لیے یہاں موضوع سخن کی تقریب سے اختصار پر اکتفا کی جاتی ہے۔

قریش پر عذاب آنا اور اس کا دور ہونا:

قریش نے جب اسلام کی سخت مخالفت کی تو خدا نے ان پر قحط کا عذاب بھیجا اہل مکہ سخت مُصیبت میں مبتلا ہوئے' بالآخر سوا اس کے کوئی چارہ نہ نظر آیا کہ اسی رحمت عالم کی بارگاہ کی طرف رجوع کریں' قریش کے بعض رئیسوں نے خدمت نبویؐ میں جا کر عرض کی کہ اے محمدؐ! تمہاری قوم برباد ہوگئی' خدا سے دعا کرو کہ وہ اس مصیبت سے اس کو نجات دے' رحمت عالم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے' دعا قبول ہوئی' خوب پانی برسا اور اہل مکہ کو قحط کے عذاب سے نجات ملی۔ (۳)

رؤسائے قریش کے حق میں بددعا:

آپؐ ایک دفعہ صحن حرم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بعض رؤسائے قریش نے عین حالت نماز میں آپ ؐ کی گردن مبارک پر نجاست ڈال دی' حضرت فاطمہ ؓ نے آ کر جب یہ نجاست ہٹائی تو آپ ؐ نے سجدہ سے سر اٹھایا تو نام بنام دعا مانگی کہ خداوندا! ان کو تو پکڑ' چنانچہ سب کے سب بدر کی لڑائی میں مارے گئے۔ (۴)

حضرت عمر ؓ کا اسلام:

ایک طرف قریش کے سر برآوردہ اصحاب' اسلام اور داعی اسلام کی عداوت اور دشمنی کی کوششوں میں مصروف تھے اور دوسری طرف داعی اسلام اُن کی ہدایت و رہنمائی کے پُر محبت ولولوں سے معمور تھا' ابوجہل و عمر کہ دونوں آنحضرت ﷺ کی دشمنی میں سب سے زیادہ سخت اور مستقل تھے' ان ہی کی ہدایت کا پرشوق ارمان آپ ؐ کے قلب مبارک میں سب سے زیادہ تھا' جب تبلیغ و دعوت کے دوسرے حربے ان پر کامیاب نہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سب سے کارگر حربہ کو ان کے مقابلہ میں استعمال کیا جس کے وار کی کوئی روک نہیں ہوسکتی تھی' آپ ؐ نے دعا فرمائی کہ خداوندا! ابوجہل میں' عمرؓ میں جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہو اس سے اسلام کو معزز کر۔ (۵) ابن ماجہ اور حاکم میں

(۱) صحیح بخاری و صحیح مسلم تفسیر سورہ دخان وغیرہ۔

(۲) صحیح بخاری آخر کتاب الوضو و مسلم باب مالقی النبی ﷺ من اذی المشرکین۔

(۳) صحیح بخاری تفسیر سورہ دخان و صلوۃ الاستقاء۔

(۴) صحیح بخاری غزوہ بدر۔

(۵) جامع ترمذی مناقب عمرؓ بہ روایت ابن عمر حدیث حسن غریب' ترمذی کے اسی باب میں اسی مضمون کی ایک اور روایت حضرت =

Marfat.com

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے حضرت عمرؓ کا نام لیا تھا' اس دعا کو ابھی چند روز بھی نہیں گزرے تھے کہ حضرت عمرؓ اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے' کارساز قدرت نے اس دعا کے قبول و تاثیر کا سامان کیونکر پیدا کیا؟ روایتوں میں اس کی تفصیل میں کچھ اختلاف ہے۔ استاد مرحوم نے سیرت کی پہلی جلد میں حضرت عمرؓ کے اسلام کا واقعہ جس طرح لکھا ہے وہ حرف حرف الفاروق کی نقل ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بہن سے لے کر جو سورہ پڑھی اور جس سے متاثر ہو کر وہ مسلمان ہوئے وہ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ.

یعنی سورۂ حدید تھی' اس میں شک نہیں کہ بزار' طبرانی' بیہقی اور ابونعیم میں یہ روایت بھی ہے لیکن حد درجہ کمزور ہے۔

علاوہ ازیں حضرت عمرؓ کا اسلام مکہ کا واقعہ ہے اور سورۂ حدید مدنی ہے' اس کو حضرت عمرؓ کیوں کر اس وقت پڑھ سکتے تھے' استاد مرحوم نے الفاروق میں واقعہ کتب رجال و تاریخ کے حوالہ سے نقل کیا ہے لیکن حدیث و سیر کی صحیح روایتوں میں یہ واقعہ دو صورتوں سے مذکور ہوا ہے' ایک تو وہی مشہور صورت ہے کہ حضرت عمرؓ تلوار کمر سے لگا کر آنحضرت ﷺ کے قتل کے ارادہ سے نکلے تھے کہ راہ میں ایک مسلمان سے ملاقات ہوگئی اس نے حضرت عمرؓ کے ارادہ کا حال سن کر کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو' تمہاری بہن اور بہنوئی اس نئے دین میں داخل ہو چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ غصہ میں اپنی بہن کے گھر گئے اور مار پیٹ کی' بالآخر انہوں نے قرآن کی ایک سورۂ بہن سے لے کر پڑھی اور وہ سورہ طٰہٰ تھی اور جب اس آیت پر پہنچے۔

﴿اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ (طه) ''میں ہوں خدا' کوئی خدا نہیں لیکن میں' تو مجھ کو پوجو اور میری یاد کے لیے نماز کھڑی کرو۔''

تو یہ اثر ہوا کہ دل سے لا الہ الا اللہ پکار اٹھے اور در اقدس پر حاضری کی درخواست کی' یہ روایت بسند [1] ابن

=ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے اس میں اس قدر اضافہ ہے کہ اس دعا کے دوسرے ہی دن حضرت عمرؓ مسلمان ہو گئے' مگر اس روایت میں ایک راوی قابل اعتراض ہے' ترمذی کے علاوہ یہ روایت ابن سعد میں تین مختلف سلسلوں میں بہ سند حسن مذکور ہے (ج ۳ حصہ اول ص ۱۶۱) حافظ ابن حجر نے اصابہ میں (ترجمہ عمر) میں لکھا ہے کہ یہ روایت سند ابویعلی اور عبد بن حمید وغیرہ میں بھی ہے' خصایص سیوطی میں ہے کہ یہ روایت حاکم' طبرانی' ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں بھی ہے۔

(۱) طبع اول میں ہم نے اس واقعہ کو لکھا تھا کہ وہ ''بہ سند صحیح'' مذکور ہے مگر تحقیق سے یہ واقعہ اس مرتبہ صحیح'' کا نہیں ثابت ہوا۔'' دار قطنی نے اس روایت کو مختصراً لکھ کر کہا ہے کہ اس کا ایک راوی قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں (باب الطہارۃ للقرآن) ذہبی نے مستدرک حاکم (جلد ۴ ص ۵۹) کے استدراک میں لکھا ہے کہ یہ روایت واہی اور منقطع ہے اور میزان الاعتدال میں قاسم بن عثمان بصری کے حال میں جو اس روایت کا ایک راوی ہے لکھا ہے' اس نے حضرت عمرؓ کے اسلام کا پورا قصہ بیان کیا ہے وہی منکرۃ جداً۔ اور وہ نہایت ہی منکر ہے کنز العمال اور فضائل عمرؓ بن الخطاب) میں بھی اس روایت کی کمزوری ظاہر کی گئی ہے' ان روایتوں کے مشترک راوی اسحاق بن یوسف' قاسم بن عثمان اور اسحاق بن ابراہیم الحسنی اور اسامہ بن زید بن اسلم ہیں اور یہ سب پایہ اعتبار سے ساقط ہیں لیکن بایں ہمہ کہ یہ روایت اپنی سند کے لحاظ سے نہایت کمزور ہے تاہم اس میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں سے متعدد ٹکڑوں کی صحیح روایتوں سے تائید ملتی ہے۔ مثلاً حضرت عمرؓ کا اپنی بہن اور بہنوئی کو ان کے مسلمان ہو جانے پر آزار دینا (بخاری اسلام سعیدؓ بن زید) اور آنحضرت ﷺ کا حضرت عمرؓ کے اسلام کے لیے دعائے خیر کرنا (ترمذی و حاکم) اور متعدد طریقوں سے ایک واقعہ کا ذکر ہونا' گو وہ سب ضعیف ہی کیوں نہ ہوں کچھ نہ کچھ اصلیت کا پتہ دیتا ہے' اس لیے ہم نے اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے۔

Marfat.com

سعد ابویعلیٰ، دار قطنی، حاکم اور بیہقی میں حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے لیکن یہ حد درجہ کمزور ہے، یہ دو طریقوں سے مروی ہے اور ان دونوں میں ایسے رواۃ ہیں جو قبول کے لائق نہیں اور محدثین نے اس کی تصریح کی ہے۔

دوسری روایت [1] مسند ابن حنبل میں خود حضرت عمرؓ سے ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک شب میں آنحضرت ﷺ کے چھیڑنے کو نکلا، آپؐ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہو گئے اور نماز شروع کر دی، اس وقت آپؐ نے سورۂ الحاقہ تلاوت فرمائی، میں کھڑا سنتا رہا اور قرآن کے نظم اور اسلوب سے حیرت میں تھا، دل میں کہا خدا کی قسم یہ شاعر ہے، جیسا قریش کہا کرتے ہیں۔ ابھی یہ خیال تھا ہی کہ آپؐ نے یہ آیت پڑھی۔

﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ﴾ (الحاقہ: ۲) ''یہ ایک بزرگ قاصد کا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں تم بہت کم ایمان رکھتے ہو۔''

میں نے کہا یہ تو کاہن ہے، میرے دل کی بات جان گیا کہ اس کے بعد ہی یہ آیت پڑھی۔

﴿وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الحاقہ: ۲) ''یہ کاہن کا کلام بھی نہیں، تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو، یہ تو جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے۔''

آپؐ نے یہ سورہ آخر تک پڑھی اور اس کو سن کر اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا۔

ابن اسحاق نے ان دونوں روایتوں کو بہت کچھ گھٹا بڑھا کر بغیر کسی سند کے اپنی سیرت میں لکھا ہے اس لیے وہ اس باب میں سند کے قابل نہیں، حافظ ابن حجر نے اصابہ میں یہ دونوں روایتیں لکھ کر چھوڑ دی ہیں اور یہ فیصلہ نہیں کیا ہے کہ ان دونوں واقعوں میں سے مرجح کون ہے؟ اور اگر دونوں قابل قبول ہیں تو ان کی ترتیب کیا ہے؟ میرا خیال یہ ہے کہ اگر یہ دونوں واقعے صحیح ہیں تو ان کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ نے آپ کو نماز میں سورۂ الحاقہ پڑھتے سنا اور اس سے ان کو اسلام کی طرف میلان ہوا جیسا کہ ان کے اس فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ **فوقع الاسلام فی قلبی کل موقع**۔ یعنی اسلام میرے دل میں پوری طرح بیٹھ گیا۔ تاہم چونکہ وہ طبعاً مستقل اور پختہ کار تھے اس لیے اپنے اسلام کا انہوں نے اعلان نہیں کیا بلکہ اس اثر کو شاید روکتے رہے، لیکن اس کے بعد جب ان کی بہن کا واقعہ پیش آیا اور سورۂ طٰہٰ پر نظر پڑی تو پھر دل پر قابو نہ رہا اور جوش حق کا چشمہ ان کی زبان و دل سے بے اختیار ابل پڑا اور فوراً در اقدس پر حاضری کی درخواست پیش کی، حضرت انسؓ کی اس روایت میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنا یہ شوق ظاہر کیا، حضرت خبابؓ جو حضرت عمرؓ کی بہن اور بہنوئی کو سورۂ مذکور کی تعلیم دے رہے تھے اور حضرت عمرؓ کی آواز سن کر گھر میں چھپ گئے تھے۔ [2] بے تامل نکل کر سامنے آ گئے اور بشارت دی کہ اے عمرؓ! نوید مژدہ کہ جمعرات کی رات کو تمہارے حق میں آنحضرت ﷺ نے جو دعا کی تھی شاید اس کے پورے ہونے کا دن آ گیا حضورؐ نے دعا فرمائی تھی کہ خداوندا! عمرؓ بن خطاب یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) سے اسلام کو عزت دے۔

---

(۱) جلد اول ص ۱۷، اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن ابتدائی راوی کی ملاقات حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں اس لیے اس میں انقطاع ہے لیکن حضرت عمرؓ کے اسلام کے بارہ میں سب سے محفوظ روایت یہی ہے۔

(۲) صحیح بخاری جلد اول باب اسلام عمرؓ۔

Marfat.com

غور کرو کہ یہ دعائے نبوی کس طرح حرف بہ حرف پوری ہوئی، نہ صرف یہ کہ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا بلکہ ان کی ذات سے اسلام کو وہ عزت نصیب ہوئی کہ جس کا ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد بھی دنیا کو اعتراف ہے عبداللہ بن مسعودؓ گواہی دیتے ہیں کہ ما زلنا اعزة منذ اسلم عمر. حضرت عمرؓ جب اسلام لائے ہم مسلمانوں کو عزت اور قوت حاصل ہوگئی۔ (۱) اسلام کی اس عزت کو اگرچہ سوانح فاروقی کے کارناموں میں تلاش کرو تو دعائے نبویؐ کے قبول و اجابت کا پُرحیرت سماں نگاہوں کے سامنے گزر جائے گا۔

سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں کا دھنس جانا:

جب آپؐ ہجرت کی غرض سے مدینہ کو روانہ ہوئے تو کفار کے جاسوسوں میں سراقہ نے آپؐ کا پیچھا کیا اور آپؐ سے اس قدر قریب آ گیا کہ حضرت ابوبکرؓ گھبرا گئے بول اٹھے کہ ''ہم آ لیے گئے۔'' آپؐ نے ان کی دل دہی کی اور دعا فرمائی جس کے اثر سے اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، سراقہ نے یہ حالت دیکھ کر کہا کہ تم دونوں نے مجھے بد دعا دی، اب دعا کرو تو میں تمام لوگوں کو تمہارے تعاقب سے واپس لے جاؤں۔ آپؐ نے اس کے لیے دعا فرمائی اور اس نے اس مصیبت سے نجات پائی، وہاں سے واپس آیا تو تمام تعاقب کرنے والوں کو واپس لے گیا۔ (۲)

مدینہ کی آب و ہوا کے لیے دعا:

مدینہ کی آب و ہوا اچھی نہ تھی، وبا کا بھی اثر تھا، اکثر مہاجرین یہاں آ کر بیمار پڑ گئے، اس حالت میں لوگوں کو بار بار اپنا وطن مکہ یاد آنے لگا۔ (۳) یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی کہ الٰہی مدینہ کو بھی ہمارے لیے ویسا ہی محبوب کر دے جیسا کہ ہم کو مکہ محبوب ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب بنا دے، الٰہی ہمارے صاع اور مد میں برکت دے اور اس کو ہمارے لیے صحت بخش بنا دے اور یہاں کا بخار جحفہ میں منتقل کر دے۔ (۴) یہ دعا حرف بہ حرف قبول ہوئی مہاجرین کو اس شہر سے جو محبت ہوگئی وہ ان کی زندگی کے واقعات سے ظاہر ہے، وہی ابوبکرؓ و بلالؓ جو چند روز میں یہاں سے گھبرا اٹھے تھے، اس کے ایسے والہ و شیدا ہوئے کہ پھر مکہ کا نام بھی نہیں لیا اور آنحضرت ﷺ کو یہاں سے وباء کا دور ہونا خواب میں دکھایا گیا۔ (۵)

قحط کا دور ہونا اور پانی کا برسنا:

ہجرت سے پہلے مکہ میں جب قحط پڑا تھا تو مسلمانوں نے نہیں کافروں نے جا کر آپؐ سے درخواست کی کہ دعا

---

(۱) ایضاً۔

(۲) بخاری باب علامات نبوت۔

(۳) صحیح بخاری باب الہجرۃ و صحیح مسلم باب الترغیب فی سکنی المدینۃ و باب صیانۃ المدینۃ۔

(۴) ایضاً۔

(۵) صحیح بخاری کتاب الرویا و التعبیر۔

Marfat.com

کیجیے' آپؐ نے دعا فرمائی تو پانی برسا' (1) حضرت ابوطالب عم رسول اللہ ﷺ نے شاید اسی منظر کو دیکھ کر آپؐ کی مدح میں یہ شعر کہا تھا۔

و ابیض یستسقی الغمام بوجهه

ثمال الیتامی عصمة للارامل

محمد گورے رنگ والا ہے اس کے چہرہ کے وسیلہ سے ابر باراں کی سیرابی مانگی جاتی ہے یتیموں کی جائے پناہ اور بیواؤں کا بچاؤ ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ آپؐ جب پانی برسنے کی دعا مانگتے تو میں آپؐ کے چہرۂ مبارک کو تکتا رہتا اور ابوطالب کا یہ شعر یاد آتا' آپ دعا مانگ کر منبر سے اترنے بھی نہیں پاتے تھے کہ مدینہ کا ہر پرنالہ زور و شور سے بہنے لگتا۔ (2) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے متعدد واقعے حضرت ابن عمرؓ کے سامنے گزرے تھے حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جب قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے دعا مانگی کہ خداوندا! ہم اپنے پیغمبر ﷺ کی زندگی میں اس کو وسیلہ بنا کر تیرے سامنے پیش کرتے تھے تو تو ہم کو سیراب کرتا تھا۔ (3)

ایک دفعہ مدینہ میں خشک سالی ہوئی' آنحضرت ﷺ مسلمانوں کو لے کر نکلے اور کھڑے ہو کر بارگاہ الٰہی میں دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر دعا مانگی پھر قبلہ رخ ہو کر چادر الٹی اور دو رکعت نماز پڑھی' ابر آیا' پانی برسا اور لوگ سیراب ہوئے۔ (4)

دعائے نبویؐ سے پانی برسنے کا سب سے حیرت انگیز لیکن مستند تر واقعہ حسب ذیل ہے جو متعدد طریقوں اور سلسلوں سے احادیث میں مذکور ہے' واقعہ یہ ہے کہ ایک بار مدینہ اور اطراف مدینہ میں قحط پڑا' آنحضرت ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک شخص نے کہا۔ یارسول اللہؐ! مویشی ہلاک ہو گئے' لوگ بھوکوں مر گئے۔ خدا سے دعا فرمائیے کہ ہم کو سیراب کرے۔ آپ ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے' یہ اثر ہوا کہ پہلے تو آسمان آئینہ کی طرح صاف تھا اور اب ایک آندھی چلی' بادل امنڈ آئے اور آسمان کا دہانہ کھل گیا' لوگ مسجد سے نکلے تو پانی میں بھیگتے ہوئے مکان تک پہنچے' ایک ہفتہ تک مسلسل پانی برستا رہا یہاں تک کہ لوگ گھبرا اٹھے اور دوسرے جمعہ کو اسی آدمی نے یا کسی اور نے کہا یارسول اللہؐ! مکانات گر گئے۔ دعا کیجیے کہ خدا پانی کو روک لے' آنحضرت ﷺ مسکرائے اور دعا فرمائی' بادل پھٹ گئے اور مدینہ تاج کی طرح چمک اٹھا۔ (5)

ابن ماجہ باب الاستسقاء میں اس قسم کے دو واقعے اور لکھے ہیں' اگر وہ اس واقعہ سے الگ ہیں تو اس قسم کے دو

(1) صحیح بخاری باب الاستسقاء۔

(2) صحیح بخاری و ابن ماجہ ابواب الاستسقاء۔

(3) صحیح بخاری ابواب الاستسقاء۔

(4) بخاری' مسلم' ترمذی وغیرہ ابواب الاستسقاء۔

(5) صحیح بخاری علامات النبوۃ و ابواب الامر و صحیح مسلم باب صلوٰۃ الاستسقاء بہ طریق متعددۃ۔

Marfat.com

واقعوں کا اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

حضرت انسؓ کے حق میں دعائے برکت:

آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت انسؓ کی والدہ ان کو چادر میں لپیٹ کر لائیں اور آپؐ کی خدمت میں بطور خادم کے پیش کیا اور ان کے لیے دعا کی درخواست کی۔ آپؐ نے ترقی مال و اولاد کی دعا دی۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آج اس دعا کی برکت سے میرے پاس بہ کثرت دولت ہے اور میرے لڑکوں اور پوتوں کی تعداد سو کے قریب پہنچ چکی ہے۔ [1] اس دعا کا یہ اثر تھا کہ حضرت انسؓ بن مالک کا باغ تھا جو سال میں دو بار پھل لاتا تھا اور اس میں ایک پھول کا درخت تھا جس سے مشک کی بو آتی تھی۔ [2]

حضرت ابن عباسؓ کے حق میں دعائے علم:

ایک بار آپؐ قضائے حاجت کے لیے باہر گئے' حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پہلے ہی سے وضو کا پانی بھر کر رکھ دیا' آپؐ نے ان کو تفقہ فی الدین کی دعا دی' [3] چنانچہ ان کو یہ درجہ حاصل ہوا کہ انہوں نے ''خیر الامۃ'' کا خطاب پایا۔

حضرت اُم حرامؓ کے حق میں دعائے شہادت:

ایک روز آپؐ ام حرامؓ کے مکان پر تشریف لے گئے انہوں نے آپؐ کو کھانا کھلایا اور سر سے جوئیں نکالنے لگیں' اسی حالت میں آپؐ کو نیند آ گئی' پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے' تو ام حرامؓ نے ہنسی کی وجہ پوچھی' آپؐ نے فرمایا' میری امت میں سے مجاہدین کا ایک گروہ میرے سامنے پیش کیا گیا جو بغرض جہاد دریا میں اس طرح سوار ہو کر چلے گا جس طرح تخت پر بادشاہ۔ ام حرامؓ نے درخواست کی کہ خدا سے دعا فرمایئے کہ میں بھی انہی میں سے ہوں' چنانچہ آپؐ نے دعا فرمائی اور امیر معاویہؓ کے زمانہ میں ان کو بحری جنگ کا شرف حاصل ہوا اور دریا سے نکل کر خشکی میں آئیں تو سواری سے گر کر درجہ شہادت حاصل کیا۔ [4]

ایک نوجوان کی ہدایت کے لیے دعا:

حضرت ابوامامہ باہلیؓ صحابی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک دن اصحاب کے حلقہ میں تشریف فرما تھے' ایک نوجوان نے آ کر کہا کہ یارسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت دیجیے' یہ سن کر چاروں طرف سے اس پر لوگوں نے ملامت شروع کی' آپ نے روکا' پھر اس نوجوان کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور دلدہی سے پوچھا کہ تم اس فعل کو اپنی ماں کے لیے پسند کرو گے عرض کی' آپؐ پر قربان نہیں یارسول اللہ! فرمایا تو اور لوگ بھی اپنی ماؤں کے لیے نہیں پسند کریں

(۱) مسلم فضائل انس بن مالکؓ۔

(۲) ترمذی مناقب انسؓ۔

(۳) مسلم فضائل عبداللہ بن عباسؓ۔

(۴) بخاری کتاب الجہاد۔

Marfat.com

گے ۔تو کیا تم اپنی بیٹی کے لیے یہ پسند کرو گے؟ عرض کی نہیں یا رسول اللہؐ! فرمایا تو اور لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے اس کو پسند نہیں کریں گے' تو کیا اپنی بہن کے لیے یہ پسند کرو گے' گزارش کی نہیں یا رسول اللہ! فرمایا تو اور لوگ بھی اپنی بہنوں کے لیے یہ پسند نہ کریں گے' پھر اسی طرح خالہ اور پھوپھی کے متعلق آپؐ نے پوچھا' اس نے وہی جواب دیا اور آپ بھی اسی طرح فرماتے گئے' اس کے بعد اس پر ہاتھ رکھ کر دعا کی کہ خداوندا! اس کے گناہوں کو بخش دے اور اس کے دل کو پاک اور اس کو عصمت عطا کر۔ ابو امامہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان کا یہ حال تھا کہ وہ کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔ (۱)

حضرت سعدؓ بن وقاص کی شفایابی کے لیے دعا:

حضرت سعدؓ بن وقاص کہتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی ہم رکابی میں مکہ گیا اور وہاں جا کر ایسا سخت بیمار ہوا کہ مرنے کے قریب ہو گیا' یہاں تک کہ وصیّت کی تیاری کی' آپؐ عیادت کو تشریف لائے تو عرض کی یا رسول اللہؐ! میں اس سرزمین میں مرتا ہوں جس سے ہجرت کی تھی' آپؐ نے فرمایا نہیں ان شاء اللہ! (۲) پھر تین دفعہ دعا کی کہ الٰہی سعد کو شفا دے' سعد کو شفا دے۔ (۳) چنانچہ ان کو شفا ہوئی اور آنحضرت ﷺ کے بعد چودہ پندرہ برس تک زندہ رہے اور لشکر عراق کے امیر مقرر ہوئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا:

ان ہی حضرت سعدؓ بن وقاص کے حق میں آپ نے دعا فرمائی تھی کہ خداوندا! ان کو مستجاب الدعوات بنا (۴) چنانچہ اس کا یہ اثر تھا کہ وہ جس کو دعا دیتے تھے وہ یقیناً قبول ہو جاتی تھی' کوفہ کی امارت کے زمانہ میں بعض شریروں نے بارگاہ فاروقی میں ان کی غلط شکایت کی' حضرت عمرؓ نے تحقیق حال کے لیے آدمی بھیجا وہ ایک ایک مسجد میں جا کر لوگوں سے حضرت سعدؓ کے متعلق حالات دریافت کرتا پھرتا تھا' ایک محلّہ کی مسجد میں ایک شخص نے جھوٹی گواہی دی کہ نماز بھی ٹھیک نہیں پڑھاتے' یہ سن کر حضرت سعدؓ بے اختیار ہو گئے۔ فرمایا خداوندا! اگر یہ جھوٹا ہو تو اس کو آزمائش میں ڈال' اس شخص کا یہ حال ہو گیا تھا کہ بوڑھے ہو کر اس کی پلکیں لٹک آئی تھیں تاہم بازاروں میں چھوکریوں کو چھیڑتا پھرتا تھا اور کہتا تھا کہ سعدؓ کی بددعا مجھے لگ گئی' احادیث وسیر میں ان کی قبولیت دعا کے اور بھی واقعات مذکور ہیں۔ (۵)

حضرت عروہؓ کے حق میں دعائے برکت:

ایک بار آپؐ نے حضرت عروہؓ کو ایک دینار دیا کہ اس کی ایک بکری خرید لائیں' انہوں نے اس سے دو بکریاں

(۱) مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۶ بہ سند صحیح و شعب الایمان بیہقی۔

(۲) نسائی کتاب الوصیۃ۔

(۳) صحیح مسلم کتاب الوصیۃ۔

(۴) ترمذی مناقب سعد بن ابی وقاص۔

(۵) صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ۔

Marfat.com

خریدکیں، ایک کو ایک دینار پر فروخت کرڈالا اور آپ کی خدمت میں دوسری بکری اور دینار کو پیش کیا، آپؐ نے ان کو خرید وفروخت کے معاملات میں برکت کی دعا کی اور اس کا اثر یہ ہوا کہ اگر وہ مٹی بھی خریدتے تھے تو اس میں نفع ہوتا تھا۔ (۱)

ابوامامہ باہلیؓ کے حق میں دعائے سلامتی:

حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کہیں فوج بھیج رہے تھے، میں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ میرے لیے دعا کیجیے کہ شہادت نصیب ہو۔ فرمایا خداوندا! ان کو سالم وغانم واپس لا۔ چنانچہ ہم صحیح وسلامت مال غنیمت لے کر واپس ہوئے۔ پھر کہیں فوج جانے لگی۔ میں نے پھر وہی درخواست کی، آپؐ نے پھر وہی دعا دی اور پھر وہی ہوا، تیسری دفعہ پھر یہی موقع پیش آیا، میں نے عرض کی یارسول اللہؐ! میں نے دو دفعہ دعائے شہادت کے لیے درخواست پیش کی قبول نہ ہوئی، اب یہ تیسرا موقع ہے، آپؐ نے پھر وہی دعا دی اور وہی نتیجہ تھا۔ (۲)

حضرت طلحہؓ کے حق میں برکت اولاد کی دعا:

حضرت ابوطلحہؓ کی بیوی نہایت ہوش مند اور اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ پر دل سے فدا تھیں، ایک دفعہ ان کا بچہ بیمار ہوا، حضرت ابوطلحہؓ گھر سے باہر ہی تھے کہ بچہ نے دم توڑ دیا، بیوی نے بچہ کو ایک گوشہ میں ڈال دیا، ابوطلحہؓ جب گھر واپس آئے تو بیوی سے دریافت کیا کہ بچہ کیسا ہے؟ نیک بخت نے جواب دیا کہ وہ آرام پا گیا، ابوطلحہؓ سمجھے کہ وہ اچھا ہے، دونوں میاں بیوی ایک ہی بستر پر سوئے، ابوطلحہؓ صبح کو اٹھے، غسل کر کے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کو جانے لگے تو بیوی نے اصل حقیقت ظاہر کی، ابوطلحہؓ نے آ کر آنحضرت ﷺ کو شب کا ماجرا سنایا تو فرمایا شاید کہ خدا نے آج شب کو برکت کی ہو، چنانچہ اس شب کی برکت مقررہ مہینوں کے بعد پوری ہوئی۔ (۳) ایک انصاری کہتے ہیں کہ برکت کا یہ اثر ہوا کہ میں نے ابوطلحہؓ کی نو اولادیں دیکھیں اور سب کی سب قرآن خواں تھیں۔ (۴)

حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کے حق میں دعائے ہدایت:

حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کافرہ تھیں، ابوہریرہؓ ان کو دعوت اسلام دیتے تھے لیکن وہ نہیں مانتی تھیں ایک دن انہوں نے حسب دستور دعوت اسلام دی تو انہوں آنحضرت ﷺ کو برا بھلا کہا، حضرت ابوہریرہؓ کو سخت تکلیف ہوئی، وہ روتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس ناگوار واقعہ کا ذکر کیا اور درخواست کی کہ میری والدہ کے لیے ہدایت کی دعا فرمایئے، آپؐ نے دعا کی کہ خداوندا! ابوہریرہؓ کی ماں کو ہدایت نصیب کر۔ حضرت ابوہریرہؓ کو اس دعا کے قبول ہونے کا اس درجہ یقین تھا کہ وہ خوش خوش گھر واپس آئے دیکھا کہ دروازہ بند ہے، ماں

(۱) بخاری باب علامات النبوۃ۔

(۲) مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۸ وابویعلی وبیہقی۔

(۳) صحیح مسلم فضائل ابوطلحہؓ۔

(۴) صحیح بخاری کتاب الجنائز باب من لم یظہر الحزن عند المصیبۃ۔

Marfat.com

نے پاؤں کی آہٹ سنی تو کہا کہ دروازے پر ٹھہرے رہو' حضرت ابوہریرہؓ کو پانی گرنے کی آواز بھی محسوس ہوئی' جب وہ غسل کر کے کپڑے بدل چکیں تو دروازہ کھولا اور کلمہ شہادت پڑھا' حضرت ابوہریرہؓ خوشی کے مارے الٹے پاؤں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں واپس آئے اور آپؐ کو مژدہ سنایا' (۱) آپؐ نے خدا کا شکر ادا کیا اور دونوں کو دعا دی۔

اونٹ کا تیز ہو جانا:

ایک غزوہ میں حضرت جابرؓ کی سواری کا اونٹ اس قدر تھک گیا یا بیمار ہو گیا کہ تقریباً چل نہیں سکتا تھا' آپؐ نے دیکھا تو دعا دی اور اب وہ اس قدر تیز ہو گیا کہ تمام اونٹوں کے آگے آگے رہتا تھا' آنحضرت ﷺ نے آ کر پھر دریافت کیا کہ اے جابر! اب کیا حال ہے؟ عرض کی آپؐ کی دعا کی برکت قبول ہوئی۔ (۲)

بیمار کا اچھا ہونا:

آپؐ ایک صحابی کی عیادت کو تشریف لے گئے جو ضعف سے چور ہو گئے تھے' آپؐ نے فرمایا کیا تم صحت کی حالت میں خدا سے کوئی دعا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں! میں خدا سے دعا کرتا تھا کہ مجھے آخرت میں جو عذاب دینا ہے وہ دنیا ہی میں دے دے۔ آپؐ نے فرمایا سبحان اللہ! تم دنیا کے عذاب کے متحمل نہیں ہو سکتے تو تم نے یہ دعا کیوں نہیں کی۔

﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (بقرہ:۲۵)　''خداوندا ہم کو دنیا و آخرت دونوں میں بھلائی دے اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔''

اس کے بعد آپؐ نے درگاہ خداوندی میں دعا کی اور خدا نے ان کو شفا عطا فرمائی۔ (۳)

سواری میں قوت آ جانا:

حضرت جریرؓ ایک صحابی تھے جو گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر نہیں بیٹھ سکتے تھے' ایک بار آپؐ نے ان کو ذی الخلیفہ کے بت خانے کے ڈھانے کے لیے بھیجنا چاہا' انہوں نے آنحضرت ﷺ سے گھوڑے پر جم کر نہ بیٹھنے کی شکایت کی' آپؐ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور دعا دی کہ خداوندا! اس کو گھوڑے پر بیٹھنے کی قوت دے اور اس کو ہادی و مہدی بنا۔ چنانچہ وہ گئے اور اس میں آگ لگا کر آئے۔ (۴)

ایک مغرور کا ہاتھ شل ہو جانا:

آپؐ کے سامنے ایک شخص نے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا' آپؐ نے فرمایا دائیں ہاتھ سے کھاؤ' اس نے

(۱) صحیح مسلم فضائل ابوہریرہؓ۔

(۲) بخاری کتاب الجہاد۔

(۳) صحیح مسلم کتاب الدعوات باب کراہۃ الدعا بتعجیل العقوبہ فی الدنیا۔

(۴) صحیح مسلم فضائل جریر بن عبداللہ بجلی۔

Marfat.com

غرور سے کہا' میں اس سے کھا نہیں سکتا۔ چونکہ اس نے غرور سے کہا تھا' آپؐ نے فرمایا' خدا کرے ایسا ہی ہو' چنانچہ اس کے بعد ایسا ہوا کہ وہ دائیں ہاتھ کو اٹھا کر واقعی اپنے منہ تک نہیں لے جا سکتا تھا۔ [۱]

قبیلہ دوس کا مسلمان ہونا:

ایک بار حضرت طفیل دوسیؓ اپنے رفقاء کے ساتھ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! دوس کے قبیلہ نے دعوت اسلام کے قبول کرنے سے انکار کیا آپؐ اس پر بد دعا فرمایئے لیکن رحمت عالم ﷺ نے یہ دعا فرمائی۔

بالآخر یہ دعا قبول ہوئی اور پورا قبیلہ مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوا۔

((اللهم اهدد و ساوات بهم)) [۲] ''خداوندا دوس کو ہدایت دے اور ان کو لا۔''

رفع بے پردگی کے لیے دعا:

ایک حبشیہ عورت نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ مجھے صرع کا دورہ ہوتا ہے جس سے میں بے پردہ ہو جاتی ہوں' میرے لیے دعا فرمایئے' ارشاد ہوا اگر صبر کرنا چاہو تو تمہیں جنت نصیب ہو گی اور اگر کہو تو میں دعا کروں کہ خدا تم کو صحت دے۔ اس نے کہا میں صبر کرتی ہوں لیکن ستر عورت کے لیے دعا فرمایئے۔ چنانچہ آپؐ نے اس کے لیے دعا کی۔ [۳]

سلطنت کسریٰ کی تباہی:

پڑھ چکے ہو کہ آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلام کے لیے جب کسریٰ کے پاس خط بھیجا تو اس نے خط کو چاک کر کے پھینک دیا' آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے اس کو بد دعا دی کہ اس کے بھی پرزے پرزے ہو جائیں۔ [۴] چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس کی سلطنت کے پرخچے اڑ گئے۔

دعائے برکت کا اثر:

آنحضرت ﷺ ہمیشہ فوج کو صبح تڑکے روانہ فرماتے تھے اور تمام امت کے لیے دعا کی تھی کہ خداوندا! میری اُمت کو صبح کے سویرے میں برکت دے۔ ایک تجارت پیشہ صحابی نے اس پر عمل کیا اور اپنا سامان تجارت عموماً صبح سویرے روانہ کرنا شروع کیا' چنانچہ اس دعا کی برکت ظاہر ہوئی اور وہ اتنے دولت مند ہو گئے کہ ان کو اپنی دولت کے رکھنے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ [۵]

---

(۱) صحیح مسلم باب آداب الطعام والشراب واحکامہا۔

(۲) صحیح بخاری قصہ دوس (کتاب الجہاد) و مسلم فضائل غفار و اسلم و دوس وغیرہا۔

(۳) صحیح مسلم باب ثواب المومن فیما یصیبہ من المرض (کتاب البر والصلۃ)

(۴) صحیح بخاری کتاب الجہاد۔

(۵) ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ ص ۱۶۳ باب ما یرجی من البرکۃ فی السحور و مسند احمد ج ۳ ص ۴۳۰ عن صخر الغامدی۔

Marfat.com

طول عمر کی دعا

ام قیسؓ ایک صحابیہ تھیں ان کا لڑکا مر گیا تو وہ اس قدر بدحواس ہو گئیں کہ غسل جنازہ دینے والے سے کہا کہ میرے بچے کو ٹھنڈے پانی سے غسل نہ دو ورنہ مر جائے گا' آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو مسکرائے اور ان کو طول عمر کی دعا دی' چنانچہ انہوں نے تمام عورتوں سے زیادہ عمر پائی۔

ایک بچہ کی ہدایت کے لیے دعا:

رافع بن سنان نے اسلام قبول کر لیا لیکن بی بی نے جس کی گود میں ایک لڑکی تھی اس سعادت ابدی سے انکار کیا' اب اختلاف مذہب کی بنا پر لڑکی کے بارے میں نزاع پیدا ہوئی' بارگاہ نبوت میں مقدمہ پیش ہوا' آپؐ نے دونوں کو الگ الگ بٹھایا اور کہا کہ لڑکی کو بلاتے جاؤ دونوں نے بلایا تو لڑکی ماں کی طرف بڑھی' آپؐ نے اس حالت کو دیکھ کر دعا فرمائی کہ خداوندا! اس کو ہدایت دے اس کا یہ اثر ہوا کہ لڑکی کا رخ فوراً باپ کی طرف پھر گیا' یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔[1]

ابن سعد نے اسی قسم کا ایک اور واقعہ ابوسلمہؓ صحابی کی نسبت لکھا ہے کہ وہ بچے تھے ان کے دادا اور نانا میں سے ایک کافر اور ایک مسلمان تھا' دونوں نے بچہ کی تولیت کا دعویٰ کیا' آنحضرت ﷺ نے اس کا فیصلہ خود بچہ کے اختیار پر رکھ دیا' پہلے تو بچہ اپنے کافر رشتہ دار کی طرف بڑھا' آپؐ نے فرمایا' خدا اس کو ہدایت دے۔ فوراً بچہ مسلمان عزیز کی طرف چلا گیا اور فیصلہ اسی کے حق میں رہا۔[2]

❁

(۱) ابوداؤد ص ۲۲۲ کتاب الطلاق باب اذا اسلم الابوان مع من یکون الولد۔

(۲) ابن ماجہ باب تخییر الصبی بین ابویہ میں بھی یہ روایت ہے۔

Marfat.com

اشیاء میں اضافہ

مسلمانوں کی ابتدائی زندگی جس فقر و فاقہ میں گزری تھی، اس کا حال کتاب کے مختلف حصوں میں پڑھ چکے ہو، کئی کئی دن گزر جاتے تھے کہ ان کو کھانے کی کوئی چیز نہیں ملتی تھی، ایسی حالت میں اگر برکت الٰہی ان کو اپنا خاص مہمان نہ بنالیتی تو ان کا کیا حشر ہوتا؟ انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تھوڑی سی روٹی اور مچھلی سے کئی سو آدمیوں کو شکم سیر کر دیا اور یہ ان کا بڑا معجزہ سمجھا جاتا ہے، لیکن آنحضرت ﷺ کے دست مبارک اور فیض روحانی سے ایک دفعہ نہیں متعدد دفعہ اس قسم کے برکات ظاہر ہوئے۔

تھوڑے سے کھانے میں ستر آدمیوں کا سیر ہونا:

ایک دن حضرت ابوطلحہؓ نے آنحضرت ﷺ کی آواز سے محسوس کیا کہ آپ بھوک کی شدت سے ضعیف ہو رہے ہیں، گھر آئے اور بی بی اُم سلیمؓ سے کہا کہ مجھ کو آنحضرت ﷺ کی ضعیف آواز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ بھوکے ہیں، تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے جو کی چند روٹیاں دوپٹے میں لپیٹ کر حضرت انسؓ کے ہاتھ آپؐ کی خدمت میں بھیجیں۔ وہ روٹیاں لے کر آئے تو آپ صحابہؓ کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضرت انسؓ سامنے کھڑے ہوئے تو آپؐ نے پوچھا کہ کیا ابوطلحہؓ نے تمہارے ہاتھ کھانا بھیجا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں، آنحضرت ﷺ تمام صحابہؓ کے ساتھ اٹھے اور حضرت ابوطلحہؓ کے مکان پر تشریف لائے۔ حضرت انسؓ نے ان کو خبر کی تو انہوں نے بی بی سے کہا کہ آنحضرت ﷺ ایک جماعت کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور ہمارے پاس کھلانے کا کوئی سامان نہیں آنحضرت ﷺ ابوطلحہؓ کے ساتھ آئے اور اُم سلیمؓ سے کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہو لاؤ، انہوں نے وہی روٹیاں پیش کیں جو حضرت انسؓ کے ہاتھ بھیجی تھیں، آنحضرت ﷺ کے حکم سے ان کو چورا کیا گیا اور ام سلیمؓ نے گھی کا برتن انڈیل دیا جس نے سالن کا کام دیا، لیکن ان ہی روٹیوں میں یہ برکت ہوئی کہ آپؐ دس دس آدمیوں کو بلا بلا کے کھلاتے تھے اور وہ شکم سیر ہو ہو کے جاتے تھے، یہاں تک کہ ستر اسی آدمی آسودہ ہو گئے۔ (۱)

چھوہارے کے ڈھیر کا بڑھ جانا:

حضرت جابرؓ کے والد نے اپنے اوپر یہودیوں کا قرض چھوڑ کر وفات کی، قرض داروں نے تقاضا کیا تو حضرت جابرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ والد نے اپنے اوپر قرض چھوڑ کر انتقال کیا ہے اور بجز کھجوروں کے میرے پاس ادا کرنے کا کوئی سامان نہیں، صرف کھجوروں کی پیداوار سے کئی برس تک یہ قرض ادا نہیں ہو سکتا، آپؐ میرے ساتھ نخلستان میں تشریف لے چلئے تاکہ آپؐ کے ادب سے قرض دار مجھ پر سختی نہ کریں، آپؐ ان

(۱) صحیح بخاری باب علامات النبوۃ۔

Marfat.com

کے ساتھ تشریف لائے اور کھجوروں کا جو ڈھیر لگا ہوا تھا اس کے گرد چکر لگا کر دعا کی اور اسی پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اپنے اپنے قرض میں لیتے جاؤ' آپؐ کی دعا کی تاثیر سے ان ہی کھجوروں میں یہ برکت ہوئی کہ تمام قرض ادا ہو گیا اور جس قدر کھجوریں قرض داروں کو ادا کی گئی تھیں اتنی ہی بچ رہیں۔ (۱)

کھانے میں حیرت انگیز برکت:

چونکہ اصحاب صفہ بالکل محتاج تھے اور ان کے معاش کا کوئی سامان نہ تھا' اس لیے آپؐ نے ایک بار حکم دیا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کے کھانے کا سامان ہو وہ اصحاب صفہ میں سے ایک کو اور جن کے پاس چار آدمیوں کی غذا ہو وہ دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور کھانا کھلائے' چنانچہ اس اصول کے موافق آنحضرت ﷺ کے حصہ میں دس اور حضرت ابوبکرؓ کے حصے میں تین آدمی آئے' یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں آئے لیکن ابوبکرؓ نے آنحضرت ﷺ ہی کے یہاں کھانا کھایا' اور آپؐ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی' اس لیے کسی قدر رات گزر گئی' وہ گھر میں دیر سے آئے تو ان کی بیوی ام رومان نے کہا کہ مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں رہ گئے؟ انہوں نے کہا کیا تم نے ان کو کھانا نہیں کھلایا وہ بولیں بغیر تمہارے ان لوگوں نے کھانے سے انکار کیا' حضرت ابوبکرؓ نہایت برہم ہوئے اور ان لوگوں کو کھانا کھلانا شروع کیا وہ لوگ جو لقمہ اٹھاتے تھے اس میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہو جاتا تھا' یہاں تک کہ جب وہ لوگ شکم سیر ہو کر کھا چکے تو بچا ہوا کھانا پہلے سے بھی زیادہ نکلا۔

حضرت ابوبکرؓ نے اس برکت کو دیکھ کر ام رومان کی طرف مسرت سے دیکھا اور غصہ میں اگرچہ کھانے کی قسم کھا چکے تھے لیکن قسم توڑنے کے لیے ایک لقمہ اس میں سے کھایا اور تمام کھانا آنحضرت ﷺ کے گھر بھیج دیا' وہ کھانا آپؐ کے گھر صبح تک رہا۔ دوسرے روز آپؐ کی خدمت میں بارہ آدمی آئے' جن میں سے ہر ایک کے ساتھ کئی آدمی خدا جانے کتنے تھے' آپؐ نے وہ کھانا ان کے پاس بھیج دیا اور وہ لوگ بھی سیر ہو گئے۔ (۲)

گھی کی مقدار میں برکت:

ام مالکؓ کا دستور تھا کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہمیشہ ایک برتن میں گھی ہدیۃً بھیجا کرتی تھیں' جب ان کے بچے سالن مانگتے اور گھر میں نہ ہوتا تو وہ اس برتن کو جس میں آپؐ کے خدمت میں گھی بھیجتی تھیں' اٹھا لاتیں اور اس میں سے بقدر ضرورت گھی نکل آتا۔ ایک دن انہوں نے اس برتن کو نچوڑ لیا' پھر آپؐ کی خدمت میں آئیں تو آپؐ نے فرمایا۔ اگر تم نے اس کو نچوڑ کر نہ لیا ہوتا تو ہمیشہ اس میں سے گھی نکلا کرتا۔ (۳)

جو کی مقدار میں برکت:

ایک بار ایک شخص نے آپؐ سے غلہ مانگا' آپؐ نے تھوڑے سے جو دے دیے اس میں اس قدر برکت ہوئی

(۱) صحیح بخاری باب علامۃ النبوۃ

(۲) صحیح بخاری باب علامات النبوۃ۔

(۳) صحیح مسلم باب معجزات النبی ومسند احمد عن جابرؓ۔

Marfat.com

کہ وہ روز اپنے لیے' اپنی بی بی کے لیے' اپنے مہمان کے لیے اس میں سے صرف کرتا تھا اور اس میں کمی نہ ہوتی تھی' ایک دن اس نے اس کو تولا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپؐ نے فرمایا۔ اگر تم اس کو نہ تولتے تو ہمیشہ ایک حالت پر قائم رہتا۔ (۱)

کھانے میں حیرت انگیز اضافہ:

غزوۂ احزاب میں تمام مہاجرین وانصار خندق کھود رہے تھے' حضرت جابرؓ نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ سخت بھوکے ہیں وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے ایک صاع جو نکالا اور گھر میں ایک بکری تھی' حضرت جابرؓ نے اس کو ذبح کیا اور بی بی نے آٹا گوندھا' گوشت دیگچی میں چڑھایا گیا تو حضرت جابرؓ آنحضرت کے لینے کے لیے چلے بی بی نے کہا کہ دیکھو آپؐ کے ساتھ لوگوں کو لا کر مجھے رسوا نہ کرنا' حضرت جابرؓ آئے اور چپکے سے آپؐ کے کان میں کہا کہ ہم نے کھانے کا انتظام کیا ہے' آپؐ چند اصحابؓ کے ساتھ تشریف لے چلیے' لیکن آپؐ نے تمام اہل خندق کو پکارا کہ آؤ جابرؓ نے دعوت عام کی ہے اور حضرت جابرؓ سے کہا کہ جب تک میں نہ آلوں چولہے سے دیگچی نہ اتاری جائے اور روٹی نہ پکے۔ آنحضرت ﷺ تمام لوگوں کو لے کر روانہ ہوئے' حضرت جابرؓ گھر میں آئے تو بی بی نے برا بھلا کہنا شروع کیا' انہوں نے کہا میں کیا کروں' تم نے جو کچھ کہا تھا میں نے اس کی تعمیل کر دی' آپؐ آئے تو بی بی نے آپؐ کے سامنے آٹا پیش کیا' آپؐ نے اس میں اپنا لعاب دہن ملا دیا اور برکت کی دعا دی' اسی طرح دیگچی میں بھی لعاب دہن ڈالا اور دعائے برکت کی' اس کے بعد آپؐ نے روٹی پکانے اور سالن نکالنے کا حکم دیا' کم وبیش ایک ہزار آدمی تھے سب کھا کر واپس گئے لیکن گوشت اور آٹے میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ (۲)

تھوڑی سی زادراہ میں غیر معمولی برکت:

غزوۂ تبوک میں صحابہؓ کو بھوک کی اتنی تکلیف ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے سواریوں تک کے ذبح کرنے کی اجازت دے دی' حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپؐ کے پاس آئے اور کہا کہ اگر ایسا کیا گیا تو سواریاں کم ہو جائیں گی' آپؐ بچا ہوا زادراہ سب سے طلب فرمائیں اور اس پر دعائے برکت کریں' ممکن ہے کہ خدا اس میں ان کا بھلا کر دے' آپؐ نے ایک چادر بچھوائی اور تمام فوج کا زادراہ جمع کرا دیا اور اس پر برکت کی دعا کی' پھر تمام لوگوں سے فرمایا کہ اپنے اپنے برتن بھر لیں لوگوں نے تمام برتن بھر لیے اور خوب سیر ہو کر کھایا' یہاں تک کہ کھانے سے بچ گیا۔ (۳)

تھوڑی سی زادراہ میں عظیم برکت:

آنحضرت ﷺ ایک سفر میں تھے' صحابہؓ بھوک سے اس قدر بیتاب تھے کہ اونٹنیاں ذبح کرنی چاہیں' لیکن

(۱) ایضاً۔

(۲) بخاری ج ۲ ص ۵۸۹ ذکر غزوۂ خندق۔

(۳) صحیح مسلم ج اول ص ۳۲ مصر کتاب الایمان۔

Marfat.com

آپؐ نے تمام لوگوں کے زادِراہ کے جمع کرنے کا حکم دیا' ایک چادر بچھائی گئی اور اس پر تمام زادِراہ ڈھیر کیا گیا' اس تمام سامان کی مجموعی مقدار نے صرف اس قدر زمین کا احاطہ کیا جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی اور اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی لیکن تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھایا اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لیے' کھانے کے بعد آپؐ نے پانی طلب فرمایا' ایک صاحب ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے' آپؐ نے اس کو پیالہ میں انڈیل دیا اور ۱۴سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا۔(۱)

آدھ سیر آٹے اور ایک بکری میں برکت:

آنحضرت ﷺ ایک سفر میں تھے' ۱۳۰ آدمیوں کی جماعت ساتھ تھی' آپؐ نے لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کچھ کھانے کا سامان ہے؟ ایک شخص ایک صاع آٹا لایا اور وہ گوندھا گیا' پھر ایک کافر بکریاں چراتا ہوا آیا' آپؐ نے اس سے ایک بکری خرید فرمائی اور ذبح کرنے کے بعد کلیجی کے بھوننے کا حکم دیا اور ہر شخص کو تقسیم کی' گوشت تیار ہوا تو دو پیالوں میں بھرا گیا اور سب کے سب کھا کر آسودہ ہو گئے اور بچ بھی گیا۔(۲)

تھوڑے سے کھانے میں غیر معمولی برکت:

حضرت انسؓ کی والدہ اُم سلیمؓ نے ایک بار ایک قسم کا کھانا تیار کیا اور حضرت انسؓ کو بھیجا کہ آنحضرت ﷺ کو بلا لائیں وہ گئے تو آپؐ نے پوچھا کہ کیا میرے ساتھیوں کو بھی بلایا ہے؟ حضرت انسؓ نے گھر میں آ کر پوچھا تو حضرت انسؓ نے آپؐ سے آ کر کہا کہ وہ تو ذرا سی چیز ہے جس کو اُم سلیمؓ نے تیار کیا ہے' آپؐ تشریف لائے اور کھانا سامنے رکھا گیا تو فرمایا دس دس آدمیوں کو لاؤ' اس طرح دس دس کر کے چالیس آدمی آئے اور شکم سیر ہو کر کھایا لیکن کھانے میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی۔(۳)

قلیل تعداد میں کثیر برکت:

آنحضرت ﷺ نے جب حضرت زینبؓ سے نکاح کیا تو حضرت انسؓ کی والدہ اُم سلیمؓ نے تھوڑا سا حیس (ایک قسم کا کھانا ہوتا ہے) تیار کیا اور ایک طشت میں حضرت انسؓ کے ہاتھ آپؐ کی خدمت میں بھیجا' حضرت انسؓ کھانا لے کر آئے تو آپؐ نے بہت سے اصحابؓ کو مدعو کیا' تقریباً تین سو آدمی جمع ہو گئے' آپؐ نے حکم دیا کہ دس دس آدمی حلقہ باندھ کر بیٹھ جائیں اور اپنے سامنے سے کھانا شروع کریں' تمام لوگ کھا کر آسودہ ہو گئے' لیکن اس میں اس قدر برکت ہوئی کہ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ جس وقت میں نے طشت کو اٹھا کر رکھا اس وقت کھانا زیادہ تھا یا جب لوگوں کے سامنے رکھا گیا تھا۔(۴)

(۱) مسلم ج ۲ ص ۶۱ مصر باب خلط زوادا ذاقلت۔
(۲) بخاری جلد ۲ ص ۲۱۱ کتاب الاطعمۃ۔
(۳) بخاری جلد ۲ ص ۸۱۹ کتاب الاطعمۃ۔
(۴) صحیح مسلم جلد ۱ ص ۵۵۰ مصر کتاب النکاح۔

Marfat.com

ایک پیالہ میں حیرت انگیز برکت:

سمرہ بن جندبؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ دس دس آدمی صبح سے شام تک آنحضرت ﷺ کے پاس ایک پیالہ سے متصل کھاتے رہے تھے' لوگوں نے پوچھا کہ اس میں اس قدر بڑھتی کیونکر ہوتی جاتی ہے؟ انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ "وہاں" سے۔ (۱)

دودھ کے پیالہ میں برکت:

ایک دن حضرت ابو ہریرہؓ بھوک کی شدت سے بے تاب ہو کر راستہ میں بیٹھ گئے حضرت ابوبکرؓ کا گزر ہوا تو ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی' لیکن اس کا مقصد اپنی حالت زار کی طرف توجہ دلانا تھا' وہ گزر گئے اور کچھ توجہ نہ کی' پھر حضرت عمرؓ گزرے' انہوں نے اسی غرض سے ان سے بھی ایک آیت پوچھی لیکن انہوں نے بھی بے التفاتی کی' اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا گزر ہوا اور آپؐ نے ان کے چہرے کو دیکھ کر اصل حقیقت معلوم کر لی اور ان کو پکارا' حضرت ابو ہریرہؓ نے لبیک کہا اور ساتھ ہو لیے' آپؐ گھر میں داخل ہوئے تو دودھ کا پیالہ بھرا ہوا نظر آیا' پوچھنے سے معلوم ہوا کہ ہدیۃً آیا ہے آپؐ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو حکم دیا کہ اصحابؓ صفہ کو بلا لائیں' حضرت ابو ہریرہؓ کو یہ ناگوار گزرا کہ اس دودھ کا سب سے زیادہ مستحق تو میں تھا' لیکن آپؐ کی تعمیل ارشاد سے چارہ نہ تھا' مجبوراً اصحابؓ صفہ کو بلا لے گئے اور سب کے سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ آپؐ کے حکم سے حضرت ابو ہریرہؓ نے سب کو پلانا شروع کیا' جب سب کے سب سیراب ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے پیالہ ہاتھ پر رکھا اور ابو ہریرہؓ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور کہا کہ اب صرف ہم اور تم باقی ہیں' آؤ بیٹھو اور پینا شروع کرو۔ آپؐ ان کو متصل پلاتے رہے یہاں تک کہ وہ خود بول اٹھے کہ اب گنجائش نہیں' اس کے بعد آپؐ نے خود پیالہ لیا اور جو کچھ بچ گیا تھا بسم اللہ کہہ کر پی گئے۔ (۲)

بکری کے دست میں برکت:

ایک صحابیؓ نے آپؐ کے لیے گوشت پکایا چونکہ آپؐ کو بکری کا دست نہایت مرغوب تھا' انہوں نے آپؐ کو دونوں دست دیئے' جب آپؐ ان کو تناول فرما چکے تو پھر دست مانگا' انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ! بکری کے کتنے دست ہوتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم! اگر تم خاموش رہتے تو میں جس قدر دست مانگتا تم مجھے دیتے رہتے۔ (۳)

بکری کے تھنوں میں برکت:

حضرت مقدادؓ سے روایت ہے کہ میں اپنے دو رفیقوں کے ساتھ سخت عُسرت اور فاقہ زدگی کی حالت میں آیا اور تمام صحابہؓ کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کیا لیکن کسی نے ہماری کفالت منظور نہیں کی' بالآخر ہم سب آنحضرت

(۱) ترمذی ص ۶۰۲ باب ماجاء فی آیات نبوت النبی ﷺ۔
(۲) بخاری جلد ۲ ص ۹۵۶ کتاب الرقاق۔
(۳) شمائل ترمذی باب صفۃ ادام رسول اللہ ﷺ۔

Marfat.com

کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپؐ ہم کو گھر لے گئے' وہاں تین بکریاں بندھی ہوئی تھیں' آپؐ نے فرمایا کہ ان کا دودھ دوھ کر پیا کرو' چنانچہ ہم سب دودھ دوہ کے اپنا حصہ پی لیتے اور آنحضرت ﷺ کا حصہ رکھ دیتے تھے' آپؐ رات کو آتے تو پہلے نرم آواز میں سلام کرتے' پھر مسجد میں آ کر نماز پڑھتے' اس کے بعد اپنا حصہ دودھ پیتے' ایک دن جب کہ میں اپنے حصہ کا دودھ پی چکا تھا' شیطان نے مجھ کو دھوکہ دیا کہ آنحضرت ﷺ انصار کے یہاں سے آتے ہیں' وہ آپؐ کی خدمت میں تحائف پیش کرتے ہیں اور آپؐ ان کو تناول فرماتے ہیں' آپؐ کو اس دودھ کی ضرورت نہیں' میں اس کے دھوکہ میں آ گیا اور تمام دودھ اٹھا کر پی گیا' جب میرے پیٹ میں گنجائش نہ رہی تو شیطان یہ کہہ کر چلتا بنا کہ کم بخت تو آنحضرت ﷺ کا حصہ پی گیا۔ جب آپؐ تشریف لائیں گے اور اپنے حصہ کو نہ پائیں گے تو تجھ کو بددعا دیں گے اور تیرا دین و دنیا سب کچھ برباد ہو جائے گا۔

چنانچہ اس ڈر سے میری آنکھوں کی نیند اڑ گئی' آپؐ تشریف لائے حسب معمول سلام کیا اور نماز پڑھی' اس کے بعد دودھ کو کھولا تو آپؐ کا حصہ غائب تھا' آپؐ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور میں سمجھا کہ آپؐ اب مجھ پر بددعا فرمائیں گے اور میں ہلاک ہو جاؤں گا' لیکن آپؐ نے یہ دعا فرمائی۔ ''خداوندا! جس شخص نے مجھ کو کھلایا' اس کو کھلا اور جس نے مجھے پلایا' اسے پلا۔'' اب میں چادر لپیٹ کے اٹھا' ہاتھ میں چھری لی کہ ان بکریوں میں جو سب سے زیادہ فربہ ہو اس کو ذبح کروں لیکن مجھے معلوم ہوا کہ ان سب کے تھنوں میں دودھ بھرا ہوا ہے' اب میں نے ایک برتن کی طرف ہاتھ بڑھایا جس کے متعلق آنحضرت ﷺ کے اہل وعیال کو یہ خیال بھی نہ آیا تھا کہ کبھی اس قدر دودھ ہو گا کہ اس میں دوہا جائے گا لیکن میں نے اس میں دودھ دوہا تو وہ بھر گیا اور اوپر پھچن نظر آنے لگا' میں نے دودھ کو آپؐ کی خدمت میں پیش کیا تو آپؐ نے فرمایا' کیا تم اپنا حصہ پی چکے' میں نے کہا آپؐ پی لیجیے۔

آپؐ نے پی کر دودھ مجھے عنایت فرمایا' چنانچہ جب مجھے معلوم ہوا کہ آپؐ سیر ہو گئے اور آپؐ کی دعا کی برکت میں میں شامل ہو گیا تو میں ہنستے ہنستے زمین پر گر پڑا اور آپؐ کی خدمت میں اول سے آخر تک تمام واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ (۱)

''یہ خداوند تعالیٰ کی رحمت ہے تم نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کیوں نہیں جگایا کہ وہ بھی پیتے۔''

میں نے کہا کہ ''جب میں نے آپؐ کے ساتھ پی لیا تو مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کسی اور نے پیا یا نہیں؟''

ایک وسق جو کی برکت

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے وفات پائی تو کچھ وسق (ایک پیمانہ) جو کے سوا کچھ گھر میں نہ تھا' تو میں نے اسی کو کھانا شروع کیا تو وہ ختم ہی ہونے پر نہیں آتا تھا تو ہم نے اس کو تولا تو پھر وہ ختم ہو گیا یعنی اس کی وہ برکت جاتی رہی۔ (۲)

(۱) صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۸ مصر باب اکرام الضیف۔

(۲) صحیح بخاری و مسلم۔

Marfat.com

توشہ دان بھرا رہتا:

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجھ پر اسلام میں تین مصیبتیں سب سے سخت پڑیں، پہلی آنحضرت ﷺ کی وفات، دوسری حضرت عثمانؓ کی شہادت، تیسری میرے توشہ دان کا جاتے رہنا، لوگوں نے پوچھا کیوں کیسا توشہ دان؟ انہوں نے کہا۔ آپؐ ایک غزوہ میں تھے، رسد ختم ہوگئی تھی آپؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ ابوہریرہؓ! کچھ تمہارے پاس ہے؟ میں نے عرض کی کہ کچھ کھجوریں ہیں، ارشاد ہوا وہ لے آؤ، میں لایا تو آپؐ نے ان کو دسترخوان پر پھیلا دیا، اکیس کھجوریں تھیں، آپؐ ایک ایک کھجور لے کر اور اس پر خدا کا نام پڑھ کر رکھتے جاتے تھے، پھر آپؐ نے سب کو ملا دیا اور حکم دیا کہ دس دس آدمی آ کر شریک ہوں، چنانچہ اس طرح لوگ آتے گئے اور پوری فوج سیر ہوگئی اور کچھ کھجوریں بچ گئیں، میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ! اس پر میرے لیے برکت کی دعا فرمایئے، آپؐ نے دعا کی، میں نے ان کو اپنے توشہ دان میں ڈال لیا۔ ان کی برکت یہ تھی کہ جب میں ہاتھ ڈالتا تھا اس میں سے کھجوریں نکل آتی تھیں اور ۵۰ وسق تو میں نے اس میں سے راہ خدا میں خیرات کی، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ تک میں اسی سے کھاتا رہا، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ہنگامہ میں جہاں اور چیزیں گئیں، توشہ دان بھی جاتا رہا۔ (۱)

تھوڑی کھجوروں میں برکت:

حضرت دکینؓ اور نعمان بن مقرنؓ صحابی کہتے ہیں کہ ہم لوگ چارسو چودہ آدمی خدمت نبوی میں ایک ساتھ حاضر ہوئے اور ہم سب نے کھانے کی درخواست کی، آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ ان کو کھانا کھلاؤ، انہوں نے عرض کی یا رسول اللہؐ! میرے پاس تو اسی قدر ہے جو بال بچوں کو کافی ہو، ارشاد ہوا جاؤ ان کو کھلا دو، عرض کی جیسا حکم ہو تعمیل میں عذر نہیں، یہ کہہ کر حضرت عمرؓ ہم کو لے کر چلے اور ایک جگہ لا کر بٹھایا اور جو کچھ کھجوریں تھیں وہ سامنے لا کر رکھ دیں، اور ان میں یہ برکت نظر آئی کہ ہم سب سیر ہوگئے لیکن کھجوروں میں کمی نہیں آئی۔ (۲)

پانی جاری ہونا

عرب کے خشک وریگستانی ملک میں سب سے کم یاب جنس پانی کا ایک چشمہ ہے، دنیا کے فاتحوں اور کشور کشاؤں کے حملوں سے یہ ملک جن اسباب کی بناء پر ہمیشہ محفوظ رہا ہے ان میں سے ایک قوی سبب اس میں پانی کے وجود کی کمیابی بھی ہے، چنانچہ یونانیوں، رومیوں اور ایرانیوں کی ہمتیں اسی لیے اس صحرائے لق ودق میں آباد قبائل کے فتح سے قاصر رہیں، غور کرو کہ اسلام کا فاتحانہ لشکر بھی اگر نبوت کے برکات الٰہی کے یہ چشمے اس کے ساتھ ساتھ نہ ہوتے تو اس مشکل کو وہ کبھی حل کر سکتا تھا؟۔

انبیائے عالم میں صرف ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات ہے جن کے لیے ایک دفعہ چٹان کی رگیں پانی کی سوتیں بنیں لیکن رسول عرب کے لیے مشکیزہ کا چہرہ، گوشت و پوست کی انگلیاں، خشک چشموں کے دہانے، سوکھے

---

(۱) مسند احمد، جامع ترمذی، ابن سعد، ابن حبان وبیہقی۔

(۲) مسند احمد عن دکین وابوداؤد وابن حبان وابن سعد عن نعمان بن مقرن۔

Marfat.com

ہوئے کنوؤں کی سوتیں، دہان مبارک کی کلیاں متعدد دفعہ پانی کا خزانہ ثابت ہوئیں۔

مشکیزہ سے پانی ابلنا:

ایک دفعہ آپؐ سفر میں تھے، صبح کو آنکھ کھلی اور آپؐ نے نماز پڑھانی شروع کی تو ایک صحابی جماعت سے الگ ہو گئے، آپؐ نے شریک جماعت نہ ہونے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جنابت کا عذر کیا چونکہ پانی نہ تھا اس لیے ان کو آپؐ نے تیمم کا حکم دیا، اس کے بعد آپؐ نے چند صحابہؓ کو پانی کی جستجو میں روانہ فرمایا، وہ لوگ چلے تو ایک عورت ملی جو اونٹ پر دو مشکیزوں میں پانی لاد کر لیے جا رہی تھی، ان لوگوں نے اس سے چشمہ کا پتہ پوچھا تو اس نے کہا، اس جگہ پانی نہیں ہے، پھر ان لوگوں نے دریافت کیا کہ تمہارے قبیلہ اور چشمہ کے درمیان کس قدر فاصلہ ہے؟ اس نے ایک دن اور ایک رات کی مسافت بتائی، وہ لوگ اس کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے اور آنحضرت ﷺ نے ہاتھ سے مشکیزہ کو چھو دیا، آپؐ کے دست مبارک کی برکت سے اس پانی کی مقدار میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ چالیس آدمیوں نے اس سے خوب سیراب ہو کر پانی پیا اور اپنے اپنے تمام مشکیزے اور برتن بھر لیے، اس کے بعد آپؐ نے کھجور اور روٹی کے ٹکڑے جمع کر کے اس عورت کو دیئے، وہ اپنے گھر آئی تو حیرت و استعجاب سے لبریز تھی، اس نے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے کہا کہ میں نے سب سے بڑے ساحر کو یا اس کے معتقدین کے خیال میں ایک پیغمبر کو دیکھا، آخر اسی خاتون کے اثر سے یہ پورا قبیلہ مع اس عورت کے مسلمان ہو گیا۔ (۱)

انگلیوں سے پانی جاری ہونا:

ایک دن آپؐ مقام زوراء میں تھے، عصر کا وقت آ گیا تو صحابہؓ نے پانی کی جستجو کی، لیکن صرف آنحضرت ﷺ کے لیے پانی ملا، جب آپؐ کی خدمت میں پانی کا برتن پیش کیا گیا تو آپؐ نے اس پر اپنا ہاتھ ڈال دیا اور انگلیوں سے پانی کا فوارہ چھوٹنے لگا، یہاں تک کہ تقریباً تین سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا۔ (۲)

پانی کا بڑھ جانا:

آپؐ صحابہؓ کے ساتھ کسی سفر میں تھے، نماز کا وقت آیا تو صحابہؓ نے پانی تلاش کیا لیکن کہیں نہ ملا، ایک صحابی پیالہ میں تھوڑا سا پانی لائے، پہلے آنحضرت ﷺ نے اس سے وضو کیا پھر پیالے پر آپؐ نے انگلیاں پھیلا دیں، پانی کی مقدار میں اس قدر برکت ہوئی کہ تقریباً ستر آدمیوں کے وضو کے لیے کافی ہوا۔ (۳)

انگلیوں کی برکت:

ایک بار نماز کا وقت آیا تو جن لوگوں کا گھر مسجد کے قریب تھا وہ گھر کے اندر وضو کرنے کے لیے چلے گئے لیکن

(۱) صحیح بخاری باب علامات النبوۃ۔
(۲) صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی باب معجزات۔
(۳) صحیح بخاری و مسلم باب معجزات و مسند احمد عن انسؓ بن مالک۔

Marfat.com

بقیہ لوگ بے وضو رہ گئے' آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک برتن میں وضو کا پانی پیش کیا گیا' آپؐ نے اس کے اندر ہاتھ ڈالنا چاہا تو اس کا دہانہ اس قدر تنگ نکلا کہ آپؐ کی ہتھیلیاں اس کے اندر نہ پھیل سکیں اس لیے آپؐ نے اپنی انگلیاں اس کے اندر ڈالیں اور وہ پانی تقریباً ۸۰ آدمیوں کے وضو کے لیے کافی ہوا۔ (۱)

انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہنا:

صلح حدیبیہ کے دن صحابہؓ پیاس سے بے تاب ہوئے' آنحضرت ﷺ کے سامنے صرف چمڑے کے ایک برتن میں پانی تھا' آپؐ نے اس سے وضو کرنا شروع کیا تو تمام صحابہؓ آپؐ کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھے' آپؐ نے اس بیتابی کی وجہ پوچھی تو لوگوں نے کہا کہ ہماری ضروریات کے لیے صرف یہی پانی تھا' آپؐ نے اس کے اندر ہاتھ ڈال دیا اور آپؐ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمہ کی طرح پانی جاری ہوا' چودہ پندرہ سو آدمی ساتھ تھے' سب نے اس سے وضو کیا اور سیراب ہو کر پانی پیا۔ (۲)

کلی سے پانی کا بڑھ جانا:

دوسری روایت ہے کہ صحابہؓ اس دن اس کنوئیں پر ٹھہرے جس کا نام حدیبیہ تھا اور اس کا تمام پانی اولچ لیا' یہاں تک کہ کنوئیں کے اندر ایک قطرہ پانی نہ رہا' آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو کنوئیں کے کنارے بیٹھ گئے اور تھوڑا سا پانی منہ میں لے کر اس میں کلی کر دی' تھوڑی دیر میں پانی اس قدر ابلا کہ تمام صحابہؓ اور صحابہؓ کے تمام اونٹ سیراب ہو گئے۔ (۳)

ہاتھ منہ دھونے کی برکت:

غزوۂ تبوک کے سفر میں دو دو وقت کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے جا رہے تھے' ایک دن عشاء اور مغرب کی نماز ایک ساتھ ادا کی' پھر فرمایا' کل تم لوگ دوپہر کے وقت تبوک کے پاس پہنچو گے لیکن جب تک میں نہ آلوں کوئی شخص اس کے پانی میں ہاتھ نہ لگائے' لوگ پہنچے تو نہر تسمہ کی طرح تنگ اور باریک نظر آئی' آپؐ کے حکم سے لوگوں نے پانی کو اولیچنا شروع کیا' پانی ایک گڑھے میں جمع ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے اس میں منہ ہاتھ دھوئے' پھر وہ پانی نہر میں ڈال دیا گیا تو وہ پانی سے ابل گئی۔ (۴)

انگلیوں کی برکت:

آپؐ نے ایک سفر میں حضرت جابرؓ سے وضو کا پانی طلب فرمایا' انہوں نے قافلہ میں بہت ڈھونڈا پانی نہیں ملا'

(۱) صحیح بخاری باب معجزات۔

(۲) ایضاً۔

(۳) ایضاً۔

(۴) ایضاً۔

Marfat.com

انصار میں ایک شخص تھے جو خاص طور پر آنحضرت ﷺ کے لیے پانی ٹھنڈا کر کے رکھتے تھے' حضرت جابرؓ نے آپؐ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی اطلاع کی تو آپؐ نے ان کو ان انصاری کے پاس بھیجا' لیکن ان کے پاس بھی اس قدر کم پانی نکلا کہ اگر انڈیلا جاتا تو برتن کے خشک حصّہ میں جذب ہو کر رہ جاتا' حضرت جابرؓ نے آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپؐ نے اس برتن کو منگا بھیجا اور ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھا اور اس کو طشت کے اندر رکھ کے حضرت جابرؓ کو حکم دیا کہ بسم اللہ کر کے ہاتھ پر پانی گرائیں' حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا تو پہلے آپؐ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی امنڈا' پھر طشت بھر گیا' یہاں تک کہ سب لوگ پانی پی کر سیراب ہو گئے' اس کے بعد آپؐ نے اس کے اندر سے ہاتھ نکال لیا تو طشت بھرا کا بھرا رہ گیا۔(۱)

انگلیوں سے پانی کا جوش مارنا:

حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک بار عصر کا وقت آ گیا' صرف تھوڑا سا بچا ہوا پانی رہ گیا تھا' آپؐ نے اپنی انگلیاں اس میں ڈال دیں' اور ان کے اندر سے پانی جوش مارنے لگا' یہاں تک کہ ۱۴۰۰ سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا اور سیراب ہوئے۔(۲)

تھوڑے پانی میں کثیر برکت:

ایک بار آپؐ سفر میں تھے' صبح کے وقت قافلہ سے الگ ہو کر سو گئے اور چند اشخاص سے جو ساتھ تھے کہہ دیا کہ نماز کا خیال رکھنا' لیکن سب کے سب سو گئے اور سب سے پہلے آنحضرت ﷺ بیدار ہوئے تو دن نکل چکا تھا' اب سب کے سب گھبرا کے اٹھے تو آپؐ نے کوچ کرنے کا حکم دیا' دن چڑھا تو آپؐ نے سواری سے اتر کر وضو کیا' تھوڑا سا پانی جو بچ رہا تھا اس کی نسبت ابو قتادہؓ سے فرمایا کہ اس کو محفوظ رکھنا' اس سے ایک عظیم الشان نشان ظاہر ہو گا' جب آفتاب خوب بلند ہو چکا تو آپؐ قافلہ سے جا ملے لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! پیاس نے ہم کو مار ڈالا' آپؐ نے فرمایا تم لوگ تباہ نہیں ہو سکتے' یہ کہہ کر اپنے وضو کا بچا ہوا پانی ابو قتادہؓ سے طلب کر کے لوگوں کو پلانا شروع کیا اور تمام لوگ سیراب ہو گئے۔(۳)

انگلیوں سے پانی ابلنا

حبانؓ بن بح الصدائی کا بیان ہے کہ میری قوم حالت کفر میں تھی' مجھے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے فوجی تیاریاں فرما رہے ہیں اور آپؐ کو اطلاع دی کہ میری قوم مسلمان ہے' پھر میں نے رات بھر آپؐ کے ساتھ سفر کیا' جب صبح ہوئی تو میں نے اذان دی آپؐ نے پانی کا برتن مجھے عطا فرمایا' میں نے اس سے وضو کیا' پھر آپؐ نے اپنی انگلیاں اس میں ڈال دیں اور ان کے درمیان سے چشمہ کی طرح پانی ابلنے لگا' آپؐ نے حکم دیا کہ جو شخص

(۱) مسلم باب حدیث جابر الطویل۔

(۲) بخاری ج ۲ ص ۸۴۲ کتاب الاشربہ۔

(۳) مسلم کتاب الصلوۃ باب قضاء الصلوۃ الفائتۃ۔

Marfat.com

چاہے اس سے وضو کرے۔[1]

ایک اور واقعہ:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ معجزات کو برکت سمجھا کرتے تھے' چنانچہ ایک بار ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے' پانی کی کمی کی شکایت ہوئی تو آپؐ نے بچے ہوئے پانی کو طلب فرمایا' وہ ایک برتن میں آپؐ کے سامنے پیش کیا گیا اور آپؐ نے اس میں ہاتھ ڈال کر فرمایا کہ ''وضو کے مبارک پانی کی طرف دوڑو' خدا کی طرف سے برکت ہوگی۔'' میں نے دیکھا تو آپؐ کی انگلیوں کے درمیان پانی ابل رہا تھا۔[2]

یہ واقعات جو مختلف عنوانوں میں بیان کیے گئے ہیں' ممکن ہے کہ ان میں سے بعض ایک ہی واقعہ کی متعدد حکایتیں ہوں' لیکن چونکہ ہر ایک کے ساتھ خصوصیت میں کچھ فرق و امتیاز محسوس ہوا اس لیے ان کو مستقل واقعات کی صورت دے دی گئی ہے۔

☆☆☆☆☆

---

(۱) مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۱۶۹۔

(۲) صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔

Marfat.com

اطلاع غیب

﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ (جن:۲)

قرآن مجید نے اس حقیقت کو بار بار بے نقاب کیا ہے کہ "غیب کا علم خدا کے سوا کسی اور کو نہیں۔" چنانچہ قرآن مجید میں اس معنی کی بکثرت آیتیں ہیں اور ان کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ علم غیب کی صفت سے خدا کے سوا کسی اور کو متصف نہیں کیا جا سکتا۔

﴿فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ﴾ (یونس) — "کہہ دے (اے پیغمبر) کہ غیب تو خدا ہی کے لیے ہے۔"

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (نحل) — "کہہ دے (اے پیغمبر) کہ خدا کے سوا آسمان و زمین میں کوئی غیب نہیں جانتا۔"

یعنی خدا کے سوا کسی مخلوق کو غیب کا ذاتی علم نہیں اور نہ غیب کی باتیں خدا نے آسمان و زمین میں کسی مخلوق کو بتائی ہیں' چنانچہ قیامت کے دن تمام انبیاء کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا۔

﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾ (مائدہ:۱۵) — "جس دن خدا تمام پیغمبروں کو جمع کرے گا اور کہے گا کہ تم کو کیا جواب دیا گیا' وہ کہیں گے کہ ہم کو کچھ علم نہیں' غیب کی باتوں کا پورا جاننے والا تو ہی ہے۔"

آنحضرت ﷺ جو اعلم الانبیاء تھے' ان کو یہ اقرار کرنے کا حکم ہوتا ہے۔

﴿قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ (انعام:۵) — "کہہ دے اے پیغمبر! کہ میں نہیں کہتا کہ خدا کے تمام خزانے میرے قبضہ میں ہیں اور یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں نہیں جانتا۔"

﴿قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ (اعراف:۲۳) — "کہہ دے (اے پیغمبر)! کہ میں اپنے آپ کے لیے کسی نفع وضرر پر قادر نہیں ہوں لیکن یہ کہ خدا جو چاہے' اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو بہت سے فائدے اٹھا لیتا اور مجھ کو کبھی مصیبت نہ پیش آتی' لیکن میں تو ایمان دار قوم کو ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔"

ان آیتوں نے صاف کھول دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو نہ غیب کا ذاتی علم تھا اور نہ تمام غیب کی باتیں آپ کو بتائی گئی تھیں' البتہ خدا تعالیٰ نے اپنے علم میں سے جو کچھ چاہا اور پسند کیا' آنحضرت ﷺ کو وقتاً فوقتاً اس سے مطلع فرماتا رہا' چنانچہ صاف ارشاد ہوا۔

﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا — "وہ (یعنی مخلوقات الٰہی) خدا کے علم میں سے کسی چیز کا

Marfat.com

شَآءَ﴾ (بقرہ: ۳۴) احاطہ نہیں کر سکتے لیکن اتنے کا جتنے کا خدا چاہے۔"

سورۂ جن میں فرمایا۔

﴿فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًاۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ (جن: ۲) "اللہ تعالیٰ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا لیکن اس پیغمبر پر جس کو پسند کرے۔"

دوسری جگہ سورۂ آل عمران میں فرمایا۔

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ﴾ (۱۸) "اور خدا غیب کی باتیں تم کو نہیں بتا سکتا لیکن وہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے (اس کے لیے) چن لیتا ہے۔"

امور غیب میں سے قیامت کے متعلق تصریح کر دی گئی ہے کہ اس کا علم کسی کو عطا نہیں ہوا ہے۔

﴿یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً یَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (اعراف) ("اے پیغمبر) لوگ تجھ سے قیامت کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کب لنگر انداز ہوگی؟ کہہ دے کہ اس کا علم تو صرف میرے پروردگار ہی کو ہے، وہی اپنے وقت پر اس کو ظاہر کرے گا، وہ وقت آسمان و زمین میں بڑا بھاری ہوگا، وہ دفعتاً آ جائے گا، تجھ سے وہ قیامت کا حال اس طرح پوچھتے ہیں کہ گویا وہ تجھے معلوم ہے اور تو چھپاتا ہے کہہ دے کہ اس کا علم صرف خدا ہی کے پاس ہے لیکن اکثر آدمی نہیں سمجھتے۔"

صحاح میں حضرت جبریلؑ کے ایک مسافر کی صورت میں آنے کی جو روایت ہے اور جس میں انہوں نے ایمان اسلام اور احسان کے متعلق آنحضرت ﷺ سے سوالات پوچھے ہیں اور آپؐ نے ان کے جوابات دیئے ہیں، اس کے آخر میں وہ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی؟ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔

((ما المسئول عنها با علم من السائل و ساحدثک عن اشراطها)) (کتاب الایمان مسلم و بخاری) "جس سے پوچھتے ہو وہ پوچھنے والے سے اس باب میں زیادہ علم نہیں رکھتا، ہاں اس کی علامتیں بتاؤں گا۔"

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ کہا کرتی تھیں کہ جو تم سے یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ غیب کی باتیں جانتے تھے وہ جھوٹا ہے، قرآن مجید نے صاف کہہ دیا ہے۔

﴿وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ "کسی نفس کو یہ علم نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا۔"

ایک دفعہ چند لڑکیاں آپؐ کے سامنے بیٹھی کچھ گا رہی تھیں، گاتے گاتے ایک نے ان میں سے کہا۔

و فینا نبیٌ یعلم ما فی غد۔ "ہم میں سے ایک نبی ہے جو کل کی ہونے والی بات جانتا ہے۔"

آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ [۱] حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ غیب کی کنجی پانچ باتیں ہیں، اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت پڑھی۔ [۲]

(۱) صحیح بخاری تفسیر نجم۔ (۲) صحیح بخاری کتاب النکاح۔ (۳) صحیح بخاری تفسیر لقمان۔

Marfat.com

﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الۡغَيۡثَ وَ يَعۡلَمُ مَا فِى الۡاَرۡحَامِ وَمَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَكۡسِبُ غَدًا وَمَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌ بِاَىِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ﴾ (لقمان: ۴)

''خدا ہی کے پاس اس آنے والی گھڑی کا علم ہے' وہی پانی برساتا ہے' وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا ہے' کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا؟ اور نہ یہ کوئی جانتا ہے کہ کس سرزمین میں وہ مرے گا۔''

یہی روایت بخاری کے دوسرے باب میں اس طرح ہے کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں' جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا' بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ حاملہ عورت کے رحم میں لڑکا ہے یا لڑکی' اور نہ خدا کے سوا کوئی یہ جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا اور نہ خدا کے علاوہ کسی کو اس کا علم ہے کہ پانی کب برسے گا اور نہ بجز خدا کے کسی کو اس کی خبر ہے کہ وہ کہاں مرے گا۔ (۱)

بہرحال ان مخصوص باتوں کے علاوہ جن کا علم صرف عالم الغیب کو ہے' اپنے غیب کی باتوں میں جن باتوں کو وہ مناسب سمجھتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتاً فوقتاً ان کی اطلاع دیتا تھا' سورہ ہود میں بعض انبیاء کے تذکرہ کے بعد خدا فرماتا ہے۔

﴿تِلۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهَاۤ اِلَيۡكَ مَا كُنۡتَ تَعۡلَمُهَاۤ اَنۡتَ وَلَا قَوۡمُكَ﴾ (ہود: ۴)

''یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تیری طرف وحی کر رہے ہیں' نہ تو ان کو جانتا ہے اور نہ تیری قوم جانتی تھی۔''

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہوا۔

﴿وَ مَا هُوَ عَلَى الۡغَيۡبِ بِضَنِيۡنٍ﴾ (تکویر: ۱)

''یعنی آپ کو امور غیب میں سے جن کی تعلیم دی جاتی ہے آپ اپنی امت کو اس کے بتانے میں بخل نہیں فرماتے۔''

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گرہن لگا تھا' آپؐ نے صحابہؓ کے ساتھ نماز کسوف ادا فرمائی تھی اور نماز کے بعد ایک نہایت بلیغ و مؤثر خطبہ ارشاد فرمایا تھا' اس میں ایک فقرہ یہ بھی تھا۔

((یا امة محمد و اللّٰه لو تعلمون ما علمت لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیراً)) (صحیح بخاری باب الصدقة فی الکسوف و تفسیر سورہ مائدہ)

''اے گروہ محمد! خدا کی قسم! اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔''

ایک دفعہ نماز کے بعد آپؐ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا۔

((هل ترون قبلتی ههنا فو اللّٰه ما یخفی علی خشو عکم و لا رکوعکم انی لا راکم من وراء ظهری)) (بخاری)

''تم دیکھتے ہو کہ میرا رخ ادھر ہے' لیکن خدا کی قسم مجھ سے (نماز میں) تمہارا خشوع اور نہ تمہارا رکوع پوشیدہ رہتا ہے میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔''

دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔

((انی لاراکم من و رائی کما ارا کم)) (بخاری باب عظته امام الناس)

''میں جس طرح تم کو دیکھ رہا ہوں اسی طرح میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔''

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الرویا علی الغیب باب عالم الغیب۔

Marfat.com

احادیث میں متعدد صحابہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپؐ خطبہ دے رہے تھے' بعض صاحبوں نے کچھ سوالات کیے' جن کو آپؐ نے پسند نہیں کیا۔ آپؐ کو جوش آ گیا' آپؐ نے فرمایا سلونی شئتم۔ (جو چاہو مجھ سے دریافت کرلو) ایک شخص نے اٹھ کر کہا یا رسول اللہؐ! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا "حذافہ" دوسرے نے اٹھ کر کہا اور میرے باپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا "سالم غلام شیبہ" اور بار بار آپؐ فرماتے جاتے تھے' پوچھو مجھ سے' پوچھو مجھ سے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور عرض کی کہ یا رسول اللہؐ! ہم کو اللہ اپنا پروردگار' محمدؐ اپنا رسول اور اسلام اپنا دین پسند ہے۔ (۱)

صحابہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آپؐ نے صبح کی نماز پڑھ کر تقریر شروع کی' یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر عصر تک پھر تقریر کی' اس کے بعد عصر کی نماز پڑھی' اس سے فارغ ہو کر غروب آفتاب تک پھر تقریر کا سلسلہ جاری رہا' اس طویل خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو گا یعنی آغاز آفرینش سے لے کر قیامت تک کے واقعات' پیدائش عالم' علامات قیامت' فتن' حشر و نشر سب کچھ سمجھایا صحابہؓ کہا کرتے تھے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ بہت کچھ بھول گئے' بعضوں کو بہت کچھ یاد ہے' ان واقعات میں سے کوئی واقعہ پیش آ جاتا ہے تو ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی شخص کی صورت ذہن سے اتر جاتی ہے پھر اس کو دیکھ کر یاد آ جاتی ہے۔ (۲)

نجاشی شاہ حبش جس کے سایہ حکومت میں جا کر مسلمانوں نے پناہ لی تھی اور جس نے اسلام کی صداقت کا اعتراف کیا تھا' جس دن اس نے حبش میں وفات پائی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اس سانحہ کی اطلاع دی آپؐ نے فرمایا کہ آج تمہارے بھائی نجاشی نے وفات پائی اس کے بعد اس کے جنازہ کی نماز غائبانہ ادا فرمائی۔ (۳)

۸ھ میں غزوۂ موتہ میں پیش آیا ہے تو آپؐ نے فوج کا علم زیدؓ بن حارثہ کو عنایت کیا اور فرمایا کہ جب زید شہید ہوں تو یہ امانت جعفرؓ کے سپرد کی جائے' جب وہ بھی جاں بحق ہوں تو عبداللہؓ بن رواحہ اس خدمت کو انجام دیں اور جب یہ بھی کام آ جائیں تو مسلمان اپنے مشورہ سے جس کو چاہیں اپنا سردار بنائیں' یہ افسری اور سرداری کے متعلق ترتیبی بیان درحقیقت واقعہ کا اظہار تھا' میدان جنگ میں پہلے زیدؓ نے شہادت پائی' ان کی جانشینی جعفرؓ نے کی' وہ بھی جب علم نبوت پر قربان ہو چکے تو عبداللہ بن رواحہؓ نے پیش قدمی کی' جب یہ بھی نثار ہو گئے تو مسلمانوں نے خالدؓ بن ولید کو اپنا افسر بنایا' چونکہ اس جنگ میں رومیوں کی عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا' اس لیے مسلمانوں کو بڑا اضطراب تھا' عین اس وقت جب مدینہ سے کوسوں دور شام کی سرحد پر یہ خونی مناظر درپیش تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں منبر پر تشریف فرما تھے۔ دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور فرما رہے تھے علم کو زیدؓ نے لیا وہ شہید ہوئے' پھر جعفرؓ نے لیا وہ بھی جاں بحق ہوئے تو عبداللہ بن رواحہؓ نے لیا' انہوں نے بھی شہادت پائی تو خالدؓ بن ولید نے لیا اور ان کو فتح دی

(۱) صحیح بخاری کتاب العلم باب الغضب فی الموعظۃ والتعلیم۔
(۲) صحیح مسلم باب اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما یکون الی قیام الساعۃ۔
(۳) صحیح بخاری کتاب الجنائز و صحیح مسلم۔

Marfat.com

گئی۔ (۱)

ایک غزوہ میں ایک شخص نہایت جان بازانہ حملے کر رہا تھا' صحابہؓ نے دیکھا تو اس کی بڑی تعریف کی لیکن آنحضرت ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ "یہ جہنمی ہے" صحابہؓ کو اس پر بڑا تعجب ہوا اور ایک صحابیؓ اس کے پیچھے ہو لئے' ایک موقع پر اس کو سخت زخم لگا اور اس نے بے صبری کی حالت میں خودکشی کر لی' وہ صحابیؓ خدمت مبارک میں دوڑے ہوئے آئے اور کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ خدا کے رسول ہیں۔" آپؐ نے فرمایا کہ "کیا واقعہ ہے؟" انہوں نے عرض کیا کہ ابھی حضور نے ایک شخص کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے لوگوں کو اس پر تعجب ہوا تھا' میں اس کے پیچھے ہو لیا' میں نے دیکھا کہ ایک زخم کے صدمہ سے اس شخص نے خودکشی کر لی۔ (۲)

ایک غزوہ میں ایک شخص شریک تھا' وہ قتل ہوا کسی نے آ کر خبر دی کہ یا رسول اللہؐ! فلاں شخص شہید ہو گیا ہے۔ فرمایا کہ ناممکن ہے' شہادت اس کے لیے کہاں' میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے' کیونکہ مال غنیمت میں سے اس نے ایک عبا چرائی تھی۔ (۳)

مسلمانوں نے ۸ھ میں طائف کا محاصرہ کیا تھا (آنحضرت ﷺ کو معلوم ہو چکا تھا کہ طائف کی فتح اس محاصرہ سے مقدر نہیں) اس لیے ایک روز آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کل ان شاء اللہ ہم محاصرہ کو چھوڑ کر کوچ کریں گے' لوگوں کو اتنی محنت وزحمت کے بعد حصول فتح کے بغیر واپسی شاق ہوئی اور انہوں نے کہا ہم فتح حاصل کیے بغیر چلے جائیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ "اچھا کل پھر قسمت آزمائی کر لو" چنانچہ دوسرے دن مسلمان لڑے تو ان کو زیادہ نقصانات ہوئے' شام ہوئی تو آپؐ نے فرمایا۔ "کل ان شاء اللہ ہم محاصرہ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔" مسلمانوں کو اس سے تعجب ہوا اور آپؐ مسکرا دیئے۔ (۴) یہ گویا اس بات کا اظہار تھا کہ تمہیں میری طرح حقیقت حال کا علم نہ تھا۔

عمیر بن وہب اسلام کا سخت دشمن تھا' وہ اور صفوان بن امیہ دونوں خانہ کعبہ میں بیٹھ کر بدر کے مقتولین پر ماتم کر رہے تھے' اور بالآخر ان دونوں میں پوشیدہ طور سے یہ سازش قرار پائی کہ عمیر مدینہ جا کر رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ سے قتل کر آئے اور اگر وہ مارا گیا تو صفوان اس کے تمام قرض اور گھر کے مصارف اور اولاد کی پرورش کی ذمہ داری اپنے سر لے گا۔ عمیر یہاں سے اٹھ کر گھر آیا اور تلوار کو زہر میں بجھا کر مدینہ کو چل کھڑا ہوا' مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے اس کو دیکھ لیا وہ اس کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے' آپؐ نے پوچھا کہ عمیر یہاں کس ارادہ سے آئے ہو؟ اس نے کہا اپنے بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں۔ فرمایا کیوں نہیں! کیا تم نے اور صفوان نے خانہ کعبہ میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی ہے؟ عمیر یہ راز کی بات سن کر سناٹے میں آ گیا اور اس کو سخت تعجب ہوا اور بے اختیار بول اٹھا کہ محمد بے شک تم خدا کے پیغمبر ہو' خدا کی قسم! میرے اور صفوان کے سوا کسی تیسرے کو اس معاملہ کی خبر نہ تھی۔ (۵)

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الجنائز و باب علامات النبوۃ فی الاسلام و غزوہ موتہ۔

(۲) صحیح بخاری کتاب الجہاد ص ۴۰۶' باب العمل بالخواتیم ص ۷۷۱۔

(۳) جامع ترمذی باب ماجاء فی الغلول۔

(۴) صحیح بخاری و مسلم غزوہ طائف۔

(۵) تاریخ طبری بروایت عروہ بن زبیر ص ۱۳۰۴ طبع یورپ۔

Marfat.com

حضرت وابصہؓ اسدی صحابی کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اس غرض سے حاضر خدمت ہوا کہ نیکی اور گناہ کی حقیقت دریافت کروں' لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کہوں' آپؐ نے فرمایا۔ وابصہؓ! میں تمہیں بتاؤں کہ تم کیا پوچھنے آئے ہو؟ عرض کی ارشاد ہو؟ فرمایا۔ تم نیکی اور گناہ کی حقیقت پوچھنے آئے ہو؟ عرض کی قسم اس ذات کی جس نے آپؐ کو بھیجا' آپؐ نے سچ فرمایا' ارشاد ہوا ﷺ نیکی وہ ہے جس کے کرنے کے خیال سے تمہارے دل میں انشراح اور خوشی پیدا ہو اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹک پیدا کرے' اگرچہ لوگوں نے اس کے کرنے کا فتویٰ ہی کیوں نہ دے دیا ہو۔ (۱)

ایک دفعہ ایک صحابیہ نے آپؐ کی دعوت کی' بکری ذبح کی اور آپؐ کو اور دیگر رفقاء کو کھانا کھانے کے لیے بلایا آپؐ تشریف لے گئے اور گوشت کا ایک لقمہ اٹھا کر ابھی چکھا ہی تھا کہ فرمایا یہ بکری اپنے مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کی گئی ہے۔ صحابیہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! آل معاذ اور ہمارے خاندان میں پوچھنے کچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی' وہ ہماری چیز بے تکلف لیتے ہیں اور ہم ان کی چیز۔ (۲) دوسری روایت میں ہے کہ اس نے جواب دیا کہ ہاں یا رسول اللہؐ! میں نے اپنی پڑوسن سے یہ بکری مانگی' اس نے اپنے شوہر سے پوچھے بغیر دے دی۔

غزوۂ خیبر میں ایک یہودیہ نے آپؐ کی دعوت کی' کھانے میں بکری کا گوشت تھا' آپؐ نے چند رفقاء کے ساتھ اس کو کھانا چاہا' ابھی پہلا ہی لقمہ اٹھایا تھا کہ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ ہاتھ روک لو' اس گوشت میں زہر ملایا گیا ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے حکم دیا کہ خیبر کے تمام یہود کو جمع کیا جائے' جب وہ جمع ہو گئے تو آپؐ نے دریافت کیا کہ جو کچھ میں پوچھوں گا سچ سچ بتاؤ گے' انہوں نے کہا ہاں' آپؐ نے فرمایا تمہارے باپ کا کیا نام ہے انہوں نے کچھ بتایا' آپؐ نے فرمایا' تم جھوٹے ہو' تمہارے باپ کا نام یہ ہے۔ اس امتحان کے بعد آپ نے دریافت فرمایا' کیا تم نے بکری کے گوشت میں زہر ملایا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں! آپؐ کو کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا کہ بکری کے اس دست نے مجھ سے کہا۔ (۳)

حضرت صہیبؓ بن سنان جو صہیب رومی کر کے مشہور ہیں' جس شب کو آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی' انہوں نے بھی ہجرت کرنی چاہی لیکن کفار نے ان کو روک لیا' وہ رات بھر کھڑے رہے اور بیٹھنے کا نام بھی نہیں لیا' کفار نے ان کی اس حالت کو دیکھ کر کہا کہ چلو اس کو تو پیٹ کے عارضہ نے خود ہی مجبور کر دیا ہے' یہ کہہ کر وہ چلے گئے' انہوں نے نگہبانوں سے اپنے کو آزاد پا کر مدینہ کا راستہ لیا' کافروں نے ان کو پکڑ لیا' آخر کچھ زر و نقد دے کر ان سے رہائی حاصل کی' آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھنے کے ساتھ فرمایا' اے ابو یحییٰ! تمہاری خرید و فروخت بڑے نفع کی رہی' حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھ سے پہلے کوئی یہاں آیا نہیں جو اس راز کی آپؐ کو خبر کرتا؟ یہ یقیناً آپؐ کو بذریعہ وحی معلوم ہوا۔ (۴)

حضرت حذیفہؓ کی والدہ مکرمہؓ نے ایک دن اپنے بیٹے پر عتاب کیا کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اتنے دن ہو گئے کیوں نہ گئے' انہوں نے معذرت کی اور کہا کہ آج جا کر اپنی اور آپؐ کی مغفرت کی دعا کراؤں گا چنانچہ وہ

(۱) مسند ابن حنبل حدیث وابصۃ الاسدی و ابو یعلیٰ و بیہقی و ابو نعیم فی حلیۃ الاولیاء ذکر وابصۃ بن معبد الجہنی و بزار۔

(۲) سنن نسائی و حاکم فی المستدرک عن جابرؓ۔

(۳) سنن ابو داؤد کتاب الدیات و دارمی کلام الموتی و بیہقی۔

(۴) مستدرک حاکم جلد ثالث ص ۴۰۰ بروایت صحیح ذہبی نے بھی اس کی تصریح کی ہے ذکر ہجرۃ صہیبؓ۔

Marfat.com

مغرب کی نماز میں جا کر حاضر ہوئے' عشاء کی نماز کے بعد جب آپ واپس ہوئے تو یہ بھی پیچھے چلے' آپؐ نے آواز پہچان کر فرمایا۔ ''کون! حذیفہ! خدا تمہاری اور تمہاری ماں کی مغفرت کرے۔ (۱) گویا درخواست سے پہلے ہی حذیفہ کی درخواست سمع اقدس تک پہنچ چکی تھی۔

صحابہؓ کو آپؐ کی اس قوت اطلاع کا اس قدر یقین تھا کہ جب تک آنحضرت ﷺ زندہ رہے صحابہؓ کو اپنے ایک ایک عمل کا خوف لگا رہتا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ خدا آپؐ کو اس کی خبر کر دے' یہاں تک کہ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں' ہم لوگ اپنی بیویوں سے بھی کھل کر ملتے ہوئے ڈرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ ہماری نسبت قرآن میں کچھ نازل ہو جائے تو رسوائی ہو۔ (۲) علاوہ ازیں منافقین کے تمام اندرونی حالات اور ناموں سے بھی آپؐ کو ایک ایک کر کے واقفیت تھی۔ (۳)

اہل کتاب کے سوالات کے جواب دینا

یہ دوست دشمن اور موافق و مخالف سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ لکھے پڑھے نہ تھے' یہود و نصاریٰ کی مذہبی کتابوں سے آپؐ کو تعلیمی واقفیت نہ تھی' توراۃ و انجیل اور علمائے یہود و نصاریٰ نے ان کی شرحوں میں یا اپنی دوسری مذہبی تصنیفات میں جو کچھ لکھا تھا آنحضرت ﷺ نے ان کا ایک صفحہ بھی ملاحظہ نہیں فرمایا تھا اور یہی آخری چیزیں اس وقت یہود و نصاریٰ کے ایمان و عقائد کا جزو ہو گئی تھیں اور عوام میں ان ہی کتابوں کو مقبولیت حاصل تھی' بایں ہمہ آپؐ کا ان کے سوالات کا صحیح جواب دینا آپؐ کی روحانی تعلیم کی کھلی شہادت ہے مکہ میں جب آنحضرت ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو کفار عرب کو عموماً آپؐ کے اس دعویٰ پر یقین نہیں آیا اس لیے انہوں نے معجزات طلب کیے اور جب وہ دکھائے گئے تو ان کو سحر اور جادو کہنے لگے' پھر ان کو خیال آیا کہ یثرب' خیبر اور شام میں جا کر یہودیوں سے ملیں اور ان سے پوچھ کر چند ایسے سوالات دریافت کریں جن کے جوابات محمد (ﷺ) سے مانگے جائیں اور چونکہ وہ لکھے پڑھے نہیں ہیں اور مکہ میں بھی کوئی ایسا نہیں ہے جو ان کو ان کے جوابات بتا سکے گا' اس لیے وہ ان کے جوابات نہ دے سکیں گے اور اس طرح اس مدعی نبوت کی قلعی کھل جائے گی اور اس کا کذب سب پر واضح ہو جائے گا' اس خیال کی بناء پر وہ یہودیوں سے جا کر ملے' ان سے آپؐ کے حالات بیان کیے اور آپؐ سے پوچھنے کے لیے ان سے چند سوالات مانگے' چنانچہ انہوں نے چند سوالات دیئے کہ یہ جا کر اس سے پوچھو' اگر وہ پیغمبر نہ ہوگا تو ہرگز ان کا جواب نہ دے سکے گا۔

یہ تین تاریخی سوالات تھے' اصحاب کہف کا حال' حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضرؑ کی ملاقات کا واقعہ اور ذوالقرنین کا قصہ اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں قصے وحی کے ذریعہ سے آنحضرت ﷺ کو بتا دیئے اور آپؐ نے ان کو پڑھ کر کفار کو سنایا چنانچہ سورۂ کہف میں یہ تینوں قصے مذکور ہیں اور آخری قصہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ کفار کے سوال کے

(۱) جامع ترمذی مناقب حسنینؓ۔

(۲) صحیح بخاری مسند احمد ج ۲ ص ۶۲۔

(۳) صحیح بخاری۔

Marfat.com

جواب میں ہے۔

﴿وَيَسْئَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا﴾ (کہف:۸۳) ''اور کفار تجھ سے (اے پیغمبر) ذوالقرنین کا حال دریافت کرتے ہیں کہہ دے کہ میں اس کا تھوڑا ذکر تم کو سناتا ہوں۔''

آنحضرت ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے جو گویا یہودیوں ہی کا شہر تھا تو انہوں نے بھی مناسب سمجھا کہ اس مدعی نبوت کے دعوائے نبوت کا امتحان ان ہی کتابی سوالات سے لیا جائے' کیونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ ہماری کتابوں سے واقف نہیں' اس لیے وہ ان کے صحیح جوابات نہ دے سکے گا اور اگر اس نے یہ کہہ دیا کہ یہ سوالات یا جن کتابوں سے وہ سوالات مذکور ہیں' وہ غیر معتبر ہیں تو ان سوالوں اور کتابوں کا اثر یہود میں اس قدر ہے کہ ان کی تکذیب سے خود محمدؐ کی جہالت اور کذب دعویٰ (نعوذ باللہ) کا پردہ فاش ہو جائے گا' لیکن اتنے بڑے مجمع میں سب لوگ بدنیت ہی نہ تھے بلکہ ان میں بعض لوگ نیک نیت بھی تھے اور وہ نیک نیتی سے یہ سمجھتے تھے کہ ہماری کتابوں میں جو مخفی اسرار لکھے ہوئے ہیں' اُن کو پیغمبرؑ کے سوا کوئی اور نہیں بتا سکتا۔

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ آئے تو عبداللہ بن سلامؓ مدینہ کے ایک مشہور یہودی عالم آپؐ سے ملنے آئے اور کہا کہ میں آپؐ سے تین سوال کروں گا جن کا جواب پیغمبر کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا۔ یہ بتایئے کہ قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ اور اہل جنت کی پہلی غذا کیا ہوگی؟ اور بچہ کبھی ماں سے اور کبھی باپ سے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب تک لے جائے گی اور اہل جنت کی پہلی غذا مچھلی کا جگر ہے' اور ماں یا باپ سے بچہ کی مشابہت کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جب باپ کا نطفہ سبقت کرتا ہے تو بچہ باپ سے مشابہ ہوتا ہے اور جب ماں کا نطفہ سبقت کرتا ہے تو ماں سے مشابہ ہوتا ہے' عبداللہ بن سلامؓ نے یہ جواب سن کر کہا کہ میں آپؐ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک یہودی عالم خدمت والا میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے محمدؐ! میں تم سے چند سوالات کروں گا تم جواب دو۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے جواب سے تم کو فائدہ ہوگا۔ اس نے کہا سنو! یہ بتاؤ کہ قیامت کے دن جس وقت آسمان اور زمین بدلے جائیں گے' لوگ کہاں ہوں گے؟ فرمایا ''پل کے پیچھے تاریکی میں۔'' دوسرا سوال اس نے کیا کہ سب سے پہلے جنت میں جانے کی اجازت کس کو ملے گی؟ جواب دیا ان غریبوں کو جو راہ حق میں گھر سے بے گھر ہوئے ہیں' اس نے کہا اب میں تم سے وہ بات پوچھتا ہوں جس کا جواب روئے زمین پر صرف پیغمبر یا پیغمبر کے علاوہ ایک دو آدمی ہی دے سکتے ہیں۔ بتاؤ کہ بچہ کبھی لڑکی اور کبھی لڑکا کیوں ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' مرد کا نطفہ سپید اور عورت کا زرد ہوتا ہے' جب یہ دونوں ملتے ہیں تو اگر مرد کا نطفہ غالب ہوتا ہے تو وہ خدا کے حکم سے لڑکا ہوتا ہے اور جب عورت کا نطفہ غالب ہوتا ہے تو وہ لڑکی ہوتی ہے' یہودی نے یہ جواب سن کر کہا کہ بے شک تم نبی ہو اور یہ کہہ کر چلا گیا' آپؐ نے فرمایا۔ یہ جوابات مجھ کو خدا نے القاء کیے' مجھے پہلے سے معلوم نہ تھے۔

مسند ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ ایک دفعہ چند یہودی خدمت اقدس میں آئے اور کہا کہ ہم آپؐ سے چند باتیں

Marfat.com

دریافت کرنا چاہتے ہیں' جن کا جواب پیغمبر کے سوا کوئی اور نہیں دے سکتا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو تم چاہو پوچھ سکتے ہو لیکن وعدہ کرو کہ اگر میں نے ایسے جوابات دیئے جن کو تم نے صحیح سمجھا تو کیا اسلام قبول کر لو گے؟ انہوں نے کہا ہاں ہم کو یہ شرط منظور ہے۔ آپؐ نے فرمایا اچھا پوچھو کیا پوچھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ چار سوالوں کے جواب دیجئے' پہلا یہ کہ حضرت یعقوبؑ نے توراۃ کے اترنے سے پہلے جو کھانا اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کا کیا واقعہ ہے؟ دوسرا یہ کہ ایک ہی نطفہ کبھی نر اور کبھی مادہ کیونکر ہو جاتا ہے؟ تیسرا یہ کہ توراۃ میں نبی اُمی کی کیا پہچان بتائی گئی ہے؟ اور چوتھا یہ کہ فرشتوں میں سے تمہارا دوست یا نگہبان کون ہے؟ آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا تم کو اس خدا کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ نازل کی' تم یہ جانتے ہو کہ ایک دفعہ یعقوبؑ سخت بیمار پڑے تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو کھانے اور پینے کی جو چیز مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے وہ چھوڑ دوں گا' ان کو کھانے میں سب سے زیادہ اونٹ کا گوشت اور پینے میں اونٹنی کا دودھ پسند تھا' چنانچہ صحت کے بعد انہوں نے اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیا۔ یہودیوں نے کہا خدایا سچ ہے۔ آپؐ نے فرمایا' خدایا گواہ رہو۔ پھر فرمایا میں تم کو اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ نازل کی' تم کو یہ معلوم ہے کہ مرد کا نطفہ گاڑھا اور سپید ہوتا ہے اور عورت کا پتلا اور زرد' ان میں جو جنس غالب ہوتی ہے وہ نطفہ بھی خدا کے حکم سے وہی ہو جاتا ہے اور اسی کے مشابہ ہو جاتا ہے' انہوں نے کہا خدایا درست ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ خدایا گواہ رہو۔ پھر فرمایا میں تم کو اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ نازل کی' تم کو یہ معلوم ہے کہ اس نبی کی آنکھیں سوئیں گی اور دل نہیں سوئے گا' انہوں نے کہا خدایا ہاں' آپؐ نے فرمایا۔ خدایا گواہ رہ۔ یہودیوں نے کہا اچھا یہ بتایئے کہ فرشتوں میں آپؐ کا رفیق کون ہے؟ اس جواب کے معلوم کرنے کے بعد ہم آپؐ کے ساتھ ہو جائیں گے' یا آپ سے الگ ہو جائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا میرا رفیق جبرئیل ہے اور دنیا میں کوئی پیغمبر ایسا نہیں ہوا جس کا وہ رفیق نہ ہو۔ یہودیوں نے کہا' تو ہم پھر آپؐ کے ساتھ نہیں ہو سکتے' کیونکہ وہ ہمارا دشمن ہے۔

صحیح بخاری باب التفسیر (بنی اسرائیل) میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک کھیت میں جا رہا تھا کہ راہ میں چند یہودی ملے' انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ محمد سے کچھ پوچھنا چاہیے' بعضوں نے کہا کہ اس کی ضرورت نہیں' شاید وہ کوئی ایسا جواب دیں جو تم کو ناگوار ہو' بالآخر انہوں نے طے کیا کہ بہرحال کچھ پوچھنا چاہیے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ محمدؐ! بتاؤ روح کیا چیز ہے؟ آنحضرت ﷺ خاموش ہو گئے' حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ آپؐ پر وحی نازل ہو رہی ہے' جب وحی نازل ہو چکی تو آپؐ نے یہ آیت پڑھی۔

﴿وَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ (بنی اسرائیل)

''وہ پوچھتے ہیں کہ روح کیا ہے اے پیغمبر! کہہ دے کہ روح میرے پروردگار کی ایک بات ہے اور تم کو علم کا بہت کم حصہ دیا گیا ہے۔''

جامع ترمذی (تفسیر بنی اسرائیل) مستدرک حاکم ج ا ص ۹ اور مسند احمد میں ہے کہ حضرت صفوانؓ بن عسال

Marfat.com

مرادی روایت کرتے ہیں کہ دو یہودی راستہ میں جارہے تھے ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو اس پیغمبر سے کچھ پوچھیں دوسرے نے کہا کہ اس کو پیغمبر نہ کہو تم کو وہ اپنی نسبت پیغمبر کہتے سنے گا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی اس کے بعد وہ دونوں آپؐ کی خدمت میں آئے اور آ کر پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو جو نو احکام ملے تھے وہ کیا تھے؟ آپؐ نے فرمایا یہ تھے کہ شرک نہ کرو زنا نہ کرو ناحق قتل نہ کرو چوری نہ کرو جادو نہ کرو بے گناہ کی چغلی نہ کھاؤ سود نہ کھاؤ پاک دامن عورت پر بہتان نہ باندھو اور میدان جنگ سے فرار نہ کرو (راوی کو اس نویں حکم میں شک ہے) پھر فرمایا اور تمہارے لیے اے یہود خاص حکم یہ ہے کہ سبت مناؤ۔ ان دونوں نے یہ جواب سن کر آپؐ کے دست و پائے مبارک کے بوسے دیئے اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ پیغمبر ہیں آپؐ نے فرمایا تو پھر تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے انہوں نے کہا داؤد نے دعا کی تھی کہ اس کی نسل میں ہمیشہ پیغمبر ہوا کرے گا اور اگر ہم مسلمان ہو جائیں تو ہم ڈرتے ہیں کہ یہود ہم کو مار ڈالیں۔

❁

Marfat.com

اخبار غیب یا پیشین گوئی

فطرت بشری کے عجز اور بے چارگی کا سب سے بڑا دردناک نظارہ مستقبل سے ناواقفیت اور جہالت ہے انسان کی مضطرب اور بے چین فطرت مستقبل کے بحر ظلمات میں ہاتھ پاؤں مارتی ہے اور تھک کر اپنی نادانی اور جہالت کا اعتراف کر لیتی ہے اور اسی لیے وہ اس بات پر مجبور ہے کہ جو انسانیت سے مافوق کسی دعویٰ کی مدعی ہو اس کی آزمائش اور امتحان کے لیے اس بحر بے کراں کی شناوری کو معیار اور سند قرار دے چنانچہ یہی اخبار غیب اور پیشین گوئی کی قدرت نبوت اور رسالت بلکہ عام بزرگی اور ولایت کے ثبوت پر نوع انسانی کے عام افراد کے نزدیک ایک دلیل ہیں اور حجت قائمہ ہے' بنی اسرائیل کے نزدیک یہ وصف نبوت کا اس درجہ لازمہ تھا کہ ان کی زبان میں پیغمبر کا نام ہی ''پیشین گو'' ہے۔ عربی' عبرانی اور دوسری سامی زبانوں میں ''نبی'' یا ''نابی'' جو پیغمبر کے معنی میں مستعمل ہے' اس کے لغوی معنی مخبر اور پیشین گو کے ہیں اور نبوت کے معنی مخبری اور پیشین گوئی کے ہیں' اسی لیے بنی اسرائیل کے نزدیک نبی اور پیغمبر کی صرف اسی قدر حقیقت ہے کہ وہ غیب کا قاصد اور جہان نادیدہ کا مخبر ہے۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب کی یہ کیفیت تھی کہ تمام عرب کاہنوں کے جال میں گرفتار تھا' عرب کے تمام مشرکانہ معابد کاہنوں کے دارالسلطنت تھے' جن میں بیٹھ کر وہ عرب کے دل و دماغ پر حکومت کر رہے تھے' مشہور کاہنوں کے پاس لوگ دور دور سے سفر کر کے آتے تھے اور ان سے مستقبل اور غیب کی باتیں دریافت کرتے تھے' وہ ایک خاص قسم کی مقفیٰ اور مسجع عبارتوں میں ان کو غیب کی اور مستقبل کی باتیں بتاتے تھے' آنحضرت ﷺ جب پیغمبر بنا کر عربوں کے درمیان بھیجے گئے تو ان کے لیے ثبوت نبوت کی سب سے بڑی دلیل یہی اخبار غیب اور پیشین گوئی ہو سکتی تھی' آنحضرت ﷺ نے بیسیوں پیشین گوئیاں کیں اور مستقبل کے واقعات اور باتوں کو رأی العین کی طرح پیش فرمایا اور وہ سب کی سب بے کم و کاست پوری اتریں۔

آنحضرت ﷺ سے ان پیشین گوئیوں کا صدور مختلف حالتوں میں ہوا اور آپ کو ان کی اطلاع مختلف صورتوں میں دی گئی' مثلاً کبھی قرآن مجید کی وحی کی صورت میں' کبھی عالم خواب میں اور کبھی زبان صداقت نشان کے عام الفاظ میں جس میں طریقہ اطلاع کا اظہار نہیں ہے' قرآن مجید کی پیشین گوئیوں کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے خواب کی پیشین گوئیوں کا تذکرہ کچھ عالم رویا کے بیان میں آ چکا ہے' باقی پیشین گوئیاں سطور ذیل میں تحریر ہیں۔

فتوحات عظیمہ کی اطلاع:

اسلام کا آغاز جس بے اطمینانی اور بے سروسامانی کے ساتھ ہوا' اس سے کس کو اس وقت خیال ہو سکتا تھا کہ چند نہتے فاقہ کش' غریب الدیار مسلمانوں کے بازوؤں میں یہ قوت پیدا ہو جائے گی کہ وہ قیصر و کسریٰ کے تخت کو الٹ دیں گے' لیکن پیغمبر صادق نے اسی وقت بشارت سنائی کہ مسلمانو! تم عنقریب قسطنطنیہ فتح کرو گے' مدائن تمہارے ہاتھوں

Marfat.com

میں آئے گا' قیصر و کسریٰ کے خزانے تمہارے دست تصرف میں ہوں گے' مصر تمہاری حکومت میں داخل ہوگا' تم سے اور ترکوں سے جن کی چھوٹی آنکھیں اور چوڑے چہرے ہوں گے (ترکستانی ومنغولی ترک) جنگ ہوگی۔[1] دنیا ان میں سے کس واقعہ کی تردید کر سکتی ہے۔

یہ پیشین گوئیاں الگ الگ بھی کی گئی ہیں' مگر مجموعی حیثیت سے اس وقت کی گئیں جب مسلمان مدینہ میں محصور ہو رہے تھے اور تمام عرب مدینہ کو گھیرنے کے لیے امنڈا چلا آ رہا تھا اور مسلمان ہر آن اپنی موت کا نقشہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے تھے' غزوۂ خندق کے موقع پر جب خندق کھودتے وقت ایک سخت پتھر حائل ہو گیا تھا اور صحابہؓ اس کو توڑنے سے عاجز ہو چکے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے معجز نما ضرب خارا شگاف سے پتھر کے ٹکڑے کر دیئے تھے تو آپؐ نے تین ضربیں ماری تھیں اور ہر ضرب کے بعد ایک چنگاری سی اڑتی تھی اور آپؐ ہر بار نعرہ لگاتے تھے۔

﴿وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ (انعام: ۱۴) "اور تیرے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف سے پوری ہوئیں اس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

بعض صحابہؓ نے حقیقت دریافت کی' فرمایا۔ جب میں نے پہلی ضرب ماری تو کسریٰ کے شہر اور ان کے اردگرد میرے سامنے کر دیئے گئے' یہاں تک کہ میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے ان کو دیکھا' حاضرین نے عرض کی یا رسول اللہ دعا کیجیے کہ وہ فتح ہوں' آپؐ نے دعا فرمائی' پھر فرمایا' دوسری ضرب میں قیصر کے شہر اور اس کے آس پاس کے مقامات دیکھے' حاضرین نے پھر عرض کی یا رسول اللہ! ان کی فتح کی بھی دعا فرمایئے' آپؐ نے دعا کی' پھر ارشاد ہوا کہ تیسری ضرب میں حبشہ کے شہر اور گاؤں نگاہوں کے سامنے آئے۔ پھر فرمایا' حبشہ والے جب تم سے تعرض نہ کریں تم بھی تعرض نہ کرو اور ترکوں کو اس وقت تک چھوڑ دو جب تک وہ تمہیں چھوڑ دیں۔[2]

پیشین گوئی تو تمثیلی شکل میں تھی' آنحضرت ﷺ نے کھلے اور صریح الفاظ میں بھی بشارت سنا دی تھی' فرمایا تم لوگ جزیرۂ عرب میں لڑو گے اور خدا فتح دے گا' پھر فارس سے لڑو گے اور فتح ہوگی' پھر روم سے لڑو گے اور فتح ہو گی۔[3]

قیصر و کسریٰ کی بربادی کی خبر:

عین اس وقت جب کسریٰ و قیصر کی حکومتیں پورے جاہ و جلال سے دنیا پر حکمران تھیں اور بظاہر ان کی بربادی کا کوئی سامان نہ تھا کہ مکہ کے منادی حق نے یہ پیشین گوئی کی اذا ھلک کسری فلا کسری بعدہ و اذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ. جب کسریٰ ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو پھر دوسرا قیصر نہ ہوگا۔[4]

---

(۱) صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام میں یہ حدیثیں ہیں۔
(۲) سنن نسائی کتاب الجہاد۔
(۳) صحیح مسلم کتاب الفتن۔
(۴) صحیح بخاری باب علامات النبوۃ و صحیح مسلم وغیرہ۔

Marfat.com

نہ صرف تاریخ بلکہ آج بھی دنیا کا مشاہدہ اس آواز کی صداقت سے معمور ہے' ایرانی مجوسیوں کی شہنشاہی کی شکست کے بعد کیا پھر کسی ایرانی مجوسی شہنشاہ کا تاج خسروی کسی نے دیکھا اور رومی شہنشاہی کی بربادی کے بعد رومی قوم کا وجود بھی اس سطح زمین پر کہیں نظر آیا۔

ساز وسامان کی بشارت:

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپؐ میرے گھر تشریف لائے اور دریافت کیا کہ کیا قالین ہے؟ عرض کی ہمارے پاس قالین کہاں؟ ارشاد فرمایا کہ عنقریب تم قالینوں اور عمدہ فرشوں پر بیٹھو گے' حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ وہ دن آیا جب ہم قالینوں پر بیٹھے' اب میں اپنی بیوی سے کہتا ہوں کہ قالین ہٹا لے جاؤ' تو وہ کہتی ہیں کہ یہ تو رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی ہے۔(۱)

امن وامان کی بشارت:

عدی بن حاتم کا بیان ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ دو شخص آئے' ایک نے بھوک کی دوسری نے رہزنی کی شکایت کی' آپؐ نے عدی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا' کیوں عدی' تم نے حیرہ کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا' دیکھا تو نہیں' لیکن اس کو جانتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ حیرہ سے ایک ہودج نشین عورت چل کر خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا' اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ کسریٰ کا خزانہ فتح کر لیا گیا' اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک شخص مٹھی بھر سونا چاندی لے کر نکلے گا کہ کسی کو خیرات دے لیکن دولت کی کثرت کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا۔ عدیؓ کے دل میں یہ بات کھٹکی تھی کہ آخر قبیلہ طے کے وہ ڈاکو کیا ہو جائیں گے جنہوں نے تمام ملک میں آگ لگا رکھی ہے۔ لیکن خود عدیؓ کا بیان ہے کہ میں نے دیکھ لیا کہ حیرہ سے ایک پردہ نشین عورت تنہا چل کر آتی ہے اور خانہ کعبہ کا طواف کر کے واپس جاتی ہے اور اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوتا' ان کا بیان ہے کہ جن لوگوں نے کسریٰ کا خزانہ فتح کیا ان میں' میں بھی تھا' صرف تیسری پیشین گوئی میرے سامنے پوری ہونے سے رہ گئی ہے جو لوگ زندہ رہیں گے وہ اس کو بھی پورا ہوتے ہوئے دیکھ لیں گے۔(۲) چنانچہ راویوں کا بیان ہے' کہ بنو اُمیہ کی سلطنت کے زمانہ میں یہ واقعہ بھی بعینہٖ گزرا۔

ابوصفوان کے قتل کی خبر:

ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کو مدینہ منورہ کا دارالامان مل گیا اور اسلام روز بروز ترقی کرنے لگا تو یہ دیکھ کر قریش کے سردار مدینہ پر حملہ کی تدبیریں سوچنے لگے اسی اثنا میں انصار کے ایک رئیس سعدؓ عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ معظمہ گئے اور ابوصفوان (اُمیہ) کے گھر جا کر مہمان ہوئے' ابوصفوان ایک دفعہ موقع پا کر ان کو طواف کرانے لایا' وہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ ابوجہل نکل آیا' اس نے کہا تم مکہ آ کر بے خوف وخطر کعبہ کا طواف کرتے ہو' حالانکہ تم نے

(۱) صحیح بخاری باب علامات النبوۃ۔

(۲) ایضاً۔

Marfat.com

بے دینوں (مسلمانوں) کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے اور سمجھتے ہو کہ خدا اور رسول کی تم نصرت کر رہے ہو۔ خدا کی قسم! اگر ابوصفوان کے ساتھ تم نہ ہوتے تو یہاں سے سلامت گھر نہ جاسکتے' حضرت سعدؓ نے ڈانٹ کر جواب دیا کہ اگر تم ہم کو طواف نہ کرنے دو گے تو ہم تمہارا قافلہ تجارت مدینہ کے راستہ سے گزرنے نہ دیں گے' صفوان نے کہا کہ اے سعدؓ! ان سے سخت لہجہ میں گفتگو نہ کرو' یہ اس وادی کے سردار ہیں۔

حضرت سعدؓ نے کہا اے صفوان! اپنی طرف داری رہنے دو' میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ تم عنقریب مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے' ابوصفوان نے کہا کیا وہ یہاں آ کر مجھے ماریں گے انہوں نے جواب دیا' یہ مجھے نہیں معلوم۔ یہ سن کر ابوصفوان کے بدن پر رعشہ پڑ گیا' وہ گو کافر تھا' لیکن اس کو معلوم تھا کہ دہن رسالت سے آج تک کوئی غلط بات نہیں نکلی' چنانچہ اس کے بعد بدر کی لڑائی کا موقع پیش آیا تو اس کی بیوی نے جانے سے روکا اور سعدؓ کی پیشین گوئی یاد دلائی' ابوصفوان نے بھی ڈر کر اس فوج میں شرکت سے انکار کر دیا' لیکن ابوجہل اس کو سمجھا بجھا کر لے گیا' بالآخر اسی کارزار میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ (۱)

نام بنام مقتولین بدر کی خبر:

بدر کا معرکہ جب پیش آنے والا تھا' آنحضرت ﷺ صحابہؓ کو لے کر میدان میں گئے اور بتایا کہ یہ فلاں کافر کی قتل گاہ ہے' یہ ابوجہل کا مقتل ہے' یہاں قریش کا وہ بڑا سردار مارا جائے گا' یہ عجیب و غریب پیشین گوئی تھی' تین سو ساڑھے تین سو نیم مسلح بے سروسامان سپاہیوں کا افسر ایک ہزار سے زیادہ سپاہیوں کی غرق آہن باساز و سامان فوج کی شکست اور افسروں کے قتل و موت کا اعلان کر رہا تھا' صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہر سردار قریش کے لیے آپؐ نے جو جگہ مقرر فرما دی تھی وہیں اس کی لاش خاک و خون میں لتھڑی پائی گئی۔ (۲)

فاتح خیبر کی تعیین:

خیبر میں یہودیوں کے متعدد مستحکم اور مضبوط قلعے تھے' ہر روز مسلمان افسر علم و فوج لے کر جاتے تھے اور زور آزمائی کرتے تھے اور شام کو ناکام واپس آتے تھے ایک دن آپؐ نے فرمایا کہ کل میں علم اس کے ہاتھ میں دوں گا جس کو خدا اور اس کا رسول پیار کرتا ہے اور اسی کے ہاتھ پر کل فتح ہوگی' اسلام کی صف میں ہر حوصلہ مند شمشیر زن نے کل کی توقع پر بے قراری میں رات بسر کی' کو کبۂ صبح جب طلوع ہوا تو حضرت علیؓ پردۂ غبار سے نمودار ہوئے' حضرت ممدوح کو آشوب چشم تھا اس لیے وہ ساتھ نہ آسکے تھے' آپؐ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ میں علم دیا اور خیبر کا میدان اسی دن ان کے ہاتھوں سے سر ہوا۔ (۳)

---

(۱) صحیح بخاری آغاز کتاب المغازی۔
(۲) صحیح مسلم غزوہ بدر۔
(۳) صحیح بخاری فتح خیبر۔

Marfat.com

حضرت فاطمہ زہراؓ کی وفات کی اطلاع:

آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض الموت میں ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ کو اپنے پاس بلایا اور ان کے کان میں کوئی بات کہی کہ وہ رونے لگیں، تھوڑی دیر کے بعد ان سے ایک اور بات کہی کہ وہ ہنسنے لگیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھ کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا اور ان سے اس کا سبب دریافت کیا، انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہؐ کا راز ظاہر نہیں کر سکتی، جب آپؐ کی وفات ہوگئی تو حضرت عائشہؓ نے دوبارہ ان سے دریافت کیا، حضرت فاطمہؓ نے کہا ہاں اب میں بتا سکتی ہوں، حضور نے پہلے مجھ سے یہ فرمایا کہ میں اسی بیماری میں انتقال کروں گا اور پھر فرمایا، اے فاطمہؓ! میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم آ کر مجھ سے ملو گی۔[1] یہ دونوں باتیں صحیح ثابت ہوئیں آپؐ نے اسی مرض میں وفات پائی اور آپؐ کی وفات کے تقریباً چھ ہی مہینوں کے بعد حضرت فاطمہ زہراؓ بھی اس دنیا سے چل بسیں۔

خود اپنی وفات کی اطلاع:

آنحضرت ﷺ نے جس سال وفات پائی آپؐ نے اسی سال اس دنیا سے اپنی تشریف بری کا عام اعلان کر دیا تھا، حجۃ الوداع سے پہلے معاذؓ کو داعی اسلام بنا کر یمن بھیجا تھا، ان کو رخصت کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا، معاذؓ! اب اس کے بعد تم مجھ سے نہ مل سکو گے، واپس آؤ گے تو میری مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے، یہ سن کر وہ رونے لگے۔[2] حجۃ الوداع کے مجمع میں ہزاروں مسلمانوں کے روبرو آپؐ نے فرمایا ''شاید کہ آئندہ سال تم مجھے نہ پا سکو گے۔'' مرض الموت سے کچھ دن پیشتر فرمایا کہ خدا نے اپنے بندہ کو دنیا اور آخرت کی زندگی کا اختیار دیا تو اس نے آخرت کی زندگی پسند کی۔[3]

فتح یمن کی خبر:

یمن ۸ھ میں فتح ہوا، مگر آنحضرت ﷺ نے اس کی فتح اور وہاں کے مسلمانوں کی دور دراز ملکوں میں ہجرت کی خبر پہلے ہی دے دی تھی، آپؐ نے فرمایا تھا، یمن فتح کیا جائے گا تو لوگ اپنی سواریوں کو ہنکاتے ہوئے اور اہل و عیال اور جوان کا کہا مانیں گے ان کو لے آئیں گے، حالانکہ مدینہ ہی کا قیام ان کے لیے بہتر ہوتا اگر وہ جانتے۔[4] آخر یمن خود آپؐ کی زندگی ہی میں فتح ہوا اور وہاں سے لوگ نکل نکل کر ایک طرف مشرق میں خراسان اور ترکستان تک اور دوسری طرف مغرب میں افریقہ اور سپین تک پھیل گئے اور پھر ان تمام ملکوں میں یمنی اور حجازی قبائل کی باہمی خانہ جنگی کے باعث تباہی تاریخ کے مشہور و معروف واقعات ہیں۔

---

(۱) صحیح مسلم باب الفضائل و صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔

(۲) مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۲۳۵۔

(۳) صحیحین مناقب ابی بکرؓ۔

(۴) صحیح مسلم کتاب الحج و موطا امام مالک و عبدالرزاق و ابن خزیمہ و ابن حبان۔

Marfat.com

فتح شام کی خبر:

پھر فرمایا اور شام مفتوح ہوگا تو لوگ سواریوں کو ہنکاتے ہوئے اور اپنے اہل وعیال اور ہمراہیوں کو لے آئیں گے اور مدینہ ان کے لیے بہتر ہوتا اگر وہ جانتے۔[1] امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔عنقریب تم لوگ شام کی طرف ہجرت کرو گے اور وہ تمہارے لیے فتح کر دیا جائے گا'[2] معلوم ہے کہ شام فتح ہونے کے ساتھ وہ عربوں کا مسکن بن گیا اور آج بھی ان کی آبادی وہاں سب سے زیادہ ہے۔

فتح عراق کی خبر:

پھر ارشاد ہوا کہ عراق مفتوح ہوگا اور لوگ وہاں بھی اپنی سواریوں کو ہنکاتے ہوئے اہل وعیال کو لے کر آئیں حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر تھا اگر وہ سمجھتے۔[3] فتح عراق کی بعض اور روایتیں بھی ہیں۔

خوزستان اور کرمان کی فتوحات اور ترکوں سے جنگ:

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں' کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت سے پہلے تم لوگ ایسے لوگوں سے لڑو گے جن کے جوتے بال کے ہوں گے۔[4] دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک تم خوز و کرمان کے عجمیوں سے نہ لڑو گے' جن کے چہرے سرخ' ناکیں چپٹی' آنکھیں چھوٹی ہوں گی' ان کے چہرے ہتھوڑوں سے پیٹی ہوئی ڈھالوں کے مانند ہوں گے (یعنی چوڑے چپٹے) اور ان کے جوتے بال کے ہوں گے۔[5] اور روایتوں میں یہ الفاظ ہیں' اس وقت تک قیامت نہ آئے گی۔ جب تک مسلمان ترکوں سے نہ لڑ لیں' جن کے چہرے چپٹے ہوں گے' جن کے لباس بال کے ہوں گے اور بال ہی کے موزے (یا جوتے) پہن کر وہ چلتے ہوں گے۔[6] یہ تمام پیشین گوئیاں پہلی ہی صدی کے آخر تک پوری ہوگئیں۔

فتح مصر کی بشارت اور ایک واقعہ کا حوالہ:

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا' تم عنقریب مصر فتح کرو گے جہاں کا قیراط مشہور ہے' جب اس کو فتح کرو تو وہاں کے باشندوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنا کیونکہ تمہارے اور ان کے درمیان تعلق اور رشتہ ہے (حضرت ابراہیمؑ کی بیوی اور حضرت اسمٰعیلؑ کی ماں ہاجرہ مصر کی تھیں اور جب تم دیکھنا کہ وہاں ایک اینٹ بھر جگہ کے لیے دو

(۱) بحوالہ سابق۔

(۲) مسند ابن حنبل روایات معاذؓ۔

(۳) صحیح مسلم کتاب الحج وموطا امام مالک۔

(۴) صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔

(۵) ایضاً۔

(۶) ایضاً۔

Marfat.com

آدمی لڑتے ہوں تو وہاں سے نکل جانا خود حضرت ابوذرؓ نے بعینہ ایسا ہی دیکھا اور وہ وہاں سے واپس چلے آئے۔ (۱)

غزوۂ ہند کی خبر:

ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان یہ سن کر خوش ہوں گے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی زبان قدسی بیان سے ہندوستان میں اسلام کے داخل اور غالب ہونے کی خوشخبری سنائی تھی' آپؐ نے فرمایا میری امت کے دو گروہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ آتش دوزخ سے بچائے گا' ایک وہ جو ہندوستان کے غزوہ میں شریک ہوگا' دوسری روایت میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے (مسلمانوں سے) ہندوستان کے غزوہ کا وعدہ فرمایا تھا کہ اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو اس کی راہ میں اپنی جان و مال قربان کر دوں گا تو اگر میں اس میں شہید ہوا تو بہترین شہید ٹھہروں گا اور اگر زندہ لوٹا تو میں آتش دوزخ سے آزاد ابوہریرہ ہوں گا۔ (۲) یہ پیشین گوئیاں امام نسائی المتوفی ۳۰۲ھ کی سنن میں ہیں جو سلطان محمود کے حملہ ہندوستان (۳۹۲ھ) تقریباً سو برس پہلے لکھی گئی ہے۔

بحر روم کی لڑائیاں:

بحر روم جس کو بحر اخضر اور بحر متوسط (مڈیٹرین سی) بھی کہتے ہیں' یورپ اور ایشیا کی اور اب گویا اسلام اور عیسائیت کی حد فاصل ہے اور اس زمانہ میں یہ رومیوں کی بحری قوت کا جولانگاہ تھا' ایک دفعہ آنحضرت ﷺ خواب راحت سے مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے اور فرمایا اس وقت خواب میں میری اُمت کے کچھ لوگ تخت شاہی پر بادشاہوں کی طرح بیٹھے ہوئے دکھائے گئے' یہ بحر اخضر میں (جہاد کے لیے) اپنے جہاز ڈالیں گے۔ (۳) یہ بشارت سب سے پہلے امیر معاویہؓ کے عہد میں پوری ہوئی اور دیکھا گیا کہ دمشق کی سرزمین پر اسلام میں سب سے پہلے تخت شاہی بچھایا جاتا ہے اور دمشق کا شہزادہ یزید اپنی سپہ سالاری میں مسلمانوں کا پہلا لشکر لے کر بحر اخضر میں جہازوں کے بیڑے ڈالتا ہے اور دریا کو عبور کر کے قسطنطنیہ کی چہار دیواری پر تلوار مارتا ہے۔

بیت المقدس کی فتح:

بیت المقدس اسلام کا دوسرا قبلہ ہے اور اس کی تولیت امت محمدیہ کا حق تھا' آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو اس تولیت کی بشارت دے دی تھی اور فرما دیا تھا کہ میری موت کے بعد یہ واقعہ پیش آئے گا' عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے چند واقعے گن رکھو (اول) میری موت' پھر بیت المقدس (۴) کی فتح۔ اس کے بعد آپؐ نے چار اور باتیں بیان فرمائیں یہ بشارت حضرت عمرؓ کے عہد میں ۱۶ھ میں پوری ہوئی۔

(۱) صحیح مسلم باب الوصیۃ باہل مصر کتاب فضائل الصحابہؓ مسند احمد ج ۵ ص ۱۴۳ (عن ابی ذرؓ) و مسند ابی عوانہ و ابی حبان۔

(۲) یہ دونوں روایتیں سنن نسائی کتاب الجہاد میں ہیں۔

(۳) صحیح بخاری باب کتاب الرؤیا فی النہار' مسلم باب غزوۃ البحر کتاب الامارۃ و ابوداؤد کتاب الجہاد۔

(۴) صحیح بخاری باب الجزیہ۔

Marfat.com

فتح قسطنطنیہ کی بشارت:

فتح قسطنطنیہ کی متعدد بشارتیں ہیں' ایک دفعہ فرمایا کہ تم لوگ یقیناً آئندہ قیصر کے خزانوں پر متصرف ہو گے۔ (۱) اور فرمایا' میری اُمت کی ایک جماعت بحیرہ اخضر (بحیرہ روم جس کے ساحل پر قسطنطنیہ ہے) میں سوار ہو گی۔ (۲) مسلمانوں کی پہلی جماعت اسی قسطنطنیہ کی فتح کے لیے اس دریا میں سوار ہوئی۔ آثار قیامت کے سلسلہ میں فرمایا' یہ ہو گا' یہ ہو گا' پھر تم قسطنطنیہ فتح کرو گے۔ (۳) ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' تم لوگ بے شبہ قسطنطنیہ فتح کرو گے تو اس کا حاکم (مسلمان) کتنا اچھا حاکم ہو گا اور وہ (فتح کرنے والی) فوج کیسی اچھی فوج ہو گی۔ (۴) مسلمان خلفاء اور سلاطین میں سے ہر باہمت نے اس کو پورا کرنے کے لیے قسمت آزمائی کی مگر ازل سے یہ سعادت سلطان محمد فاتح کی قسمت میں آ چکی تھی۔

فتح روم کا اشارہ:

جس طرح قسطنطنیہ مشرقی رومی سلطنت کا پایہ تخت تھا' رومیہ (روم) مغربی رومی سلطنت کا دارالحکومت تھا جو اب اٹلی کا پایہ تخت ہے' جو مغربی عیسائیوں کا مقدس شہر ہے' گو صاف اور صریح الفاظ میں نہیں لیکن اشارہ پایا جاتا ہے کہ آپؐ نے مسلمانوں کو اس کی فتح کی بشارت دی تھی۔ چنانچہ تاریخوں سے ثابت ہے کہ اسپین اور مغرب کے مسلمانوں نے اس کے مناروں کے اوپر بھی اسلام کا علم ایک دفعہ بلند کر دیا تھا' حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص سے کسی نے پوچھا کہ پہلے قسطنطنیہ فتح ہو گا یا رومیہ؟ انہوں نے اپنی یادداشت کے کاغذوں کو دیکھ کر جواب کہ ہم لوگ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے اردگرد حاضر تھے کہ کسی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ! پہلے قسطنطنیہ فتح ہو گا یا رومیہ؟ فرمایا' نہیں پہلے ہرقل کا شہر (۵) فتح ہو گا آنحضرت ﷺ نے رومیہ کے متعلق جو زیادہ وضاحت نہیں فرمائی' اس کی وجہ غالباً یہ ہو کہ مسلمانوں کی حکومت کا وہاں فتح کے بعد قسمت الٰہی میں باقی رہنا منظور نہ تھا۔

فاتح عجم کا اشارہ:

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ کی ہم رکابی میں مکہ معظمہ گئے تھے' وہاں جا کر وہ اس قدر سخت بیمار پڑے کہ ان کو اپنی زندگی کی امید نہ رہی آنحضرت ﷺ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے تو ان کا اضطراب دیکھ کر ان کو تسلی دی اور ان کے حق میں دعا کی اور فرمایا کہ تم اگر خدا نے چاہا تو ابھی نہیں مرو گے' تم اگر خلوص سے کام کرو گے تو درجہ عظیم ملے گا' بہتیرے لوگوں سے تم کو فائدہ اور بہتوں کو تم سے نقصان پہنچے گا' یہ حضرت سعدؓ کے

(۱) صحیح بخاری و صحیح مسلم۔

(۲) صحیح بخاری رکوب البحر و علامات النبوۃ و باب الرویا فی النہار۔

(۳) صحیح مسلم و ترمذی کتاب الفتن۔

(۴) مسند احمد عن ابی عبداللہ بن ابی یسر الخثعمی و حاکم ابن ابی شیبہ۔

(۵) ایضاً عن ابی قبیل التابعی عن عبداللہؓ بن عمرو بن العاص ج ۲ و ابن ابی شیبہ۔

Marfat.com

جمی فتوحات کی بشارت تھی کہ حضرت سعدؓ نے سپہ سالار اسلام بن کر بڑا درجہ پایا اور چند سال میں کسریٰ کا تاج وتخت چھین لیا اور اس طرح مسلمانوں کو ان کی ذات سے فائدہ عظیم اور مجوسیوں کو نقصان عظیم پہنچا۔ (۱)

مرتدین کی اطلاع:

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں عرب کے متعدد اطراف میں دعویٰ داران کاذب پیدا ہو گئے اور بہت سے لوگ جو اسلام کا کلمہ پڑھ چکے تھے ان کے ساتھ ہو گئے' آنحضرت ﷺ نے اس واقعہ کی پہلے ہی اطلاع دے دی تھی' فرمایا کہ حوض کوثر پر بہت سے لوگ آئیں گے' میں کہوں گا کہ یہ میرے ساتھی ہیں' لیکن فرشتے ان کو دھکے دے کر نکال دیں گے اور کہیں گے کہ یا رسول اللہ آپؐ کو معلوم نہیں کہ یہ آپؐ کے بعد بدل گئے تھے۔ (۲)

حضرت زینبؓ کی وفات کی اطلاع:

آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہراتؓ کو اطلاع دی تھی کہ تم میں سب سے پہلے مجھ سے آکر وہ ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا۔ ازواج مطہرات کو آنحضرت ﷺ سے جو محبت تھی اس کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ اس پیشین گوئی کے مطابق وہ اپنے اپنے ہاتھ ناپا کرتی تھیں' حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم میں سے سب سے پہلے حضرت زینبؓ نے وفات پائی تو ہم سمجھے کہ ہاتھ کی لمبائی سے حضور کا کیا مقصد تھا (ہاتھ کا لمبا ہونا عربی میں کشادہ دستی اور فیاضی سے کنایہ ہے) زینبؓ ہم سب سے زیادہ کشادہ دست تھیں۔ (۳)

ام ورقہؓ کو شہادت کی خوش خبری:

ام ورقہؓ ایک صحابیہ تھیں' آنحضرت ﷺ نے جب بدر کا ارادہ کیا تو انہوں نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! مجھ کو بھی اس میں شرکت کی اجازت دیجئے شاید کہ خدا مجھے شہادت نصیب کرے۔ فرمایا تم اپنے گھر ہی میں رہو تمہیں شہادت نصیب ہوگی' چنانچہ وہ زندگی ہی میں اس پیشین گوئی کے مطابق شہیدہ کہلاتی تھیں' ان کے پاس ایک غلام اور ایک لونڈی تھی' حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان دونوں نے مل کر ایک رات ان کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور اس طرح اطلاع نبوی کے مطابق انہوں نے گھر بیٹھے یہ دولت پائی۔ (۴)

خلفاء کی بشارت:

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا' بنی اسرائیل کی سرداری اور نگہبانی انبیاء کرتے تھے جب کوئی نبی مرتا تھا تو دوسرا نبی اس کا قائم مقام ہوتا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں البتہ خلفاء ہوں گے اور

(۱) صحیح بخاری باب الہجرۃ و صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد و نسائی باب الوصایا۔

(۲) صحیحین حدیث کوثر۔

(۳) صحیح مسلم فضائل حضرت زینبؓ۔

(۴) سنن ابی داؤد باب الامامۃ و ابن راہویہ۔

Marfat.com

بہت ہوں گے۔ [1]

بارہ خلفاء:

آپؐ کے بعد بارہ خلفاء کے ہونے کی بشارتیں حدیث کی مختلف کتابوں میں مختلف الفاظ میں آئی ہیں۔ صحیح مسلم [2] میں یہ الفاظ ہیں۔ اس وقت تک یہ اسلامی حکومت اچھی رہے گی جب تک اس پر بارہ آدمی حکومت کریں گے۔ یہ حکومت اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک اس پر بارہ خلیفہ حکمران نہ ہولیں' بارہ خلیفوں تک اسلام معزز اور محفوظ رہے گا۔ میرے بعد قریش میں سے بارہ خلیفہ ہوں گے' پھر چھوٹے لوگ ہوں گے۔ ابوداؤد کتاب المہدی میں یہ الفاظ ہیں۔ یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ اس میں بارہ خلیفہ گزر جائیں' ان سب پر تمام اُمت مجتمع ہوگی' علمائے اہل سنت میں سے قاضی عیاض اس حدیث کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ وہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ متقی تھے' حافظ ابن حجر ابوداؤد کے الفاظ کی بنا پر خلفائے راشدین اور بنی امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گناتے ہیں جن کی خلافت پر تمام اُمت کا اجتماع رہا یعنی حضرت ابوبکرؓ' حضرت عمرؓ' حضرت عثمانؓ' حضرت علیؓ' امیر معاویہؓ' یزید' عبدالملک' ولید' سلیمان' عمر بن عبدالعزیز' یزید ثانی' ہشام' [3] شیعہ فرقہ تو اس حدیث کی تشریح میں اپنے بارہ اماموں کو پیش کردے گا۔

خلافت راشدہ کی مدت:

فرمایا' خلافت (یعنی خلافت راشدہ) میرے بعد تیس برس ہوگی' پھر بادشاہی ہوجائے گی۔ [4] یہ تیس سال کی مدت حضرت علیؓ کی خلافت پر تمام ہوتی ہے۔

خلیفہ کا نام	خلافت کی مدت	خلیفہ کا نام	خلافت کی مدت
حضرت ابوبکرؓ	۱۱ھ تا ۱۳ھ	حضرت عثمانؓ	۲۳ھ تا ۳۵ھ
حضرت عمرؓ	۱۳ھ تا ۲۳ھ	حضرت علیؓ	۳۵ھ تا ۴۰ھ

شیخین کی خلافت کی پیشین گوئی:

آنحضرت ﷺ نے گو صریح اور صاف الفاظ میں اپنے جانشینوں کی تعیین نہیں فرمادی تھی مگر آپؐ کو یہ علم بخشا جاچکا تھا کہ حالات اس طرح رونما ہوں گے' ایک دفعہ آپؐ نے بیان فرمایا کہ میں سویا تھا کہ میں نے اپنے آپؐ کو ایک کنوئیں کی جگت پر دیکھا جس پر ڈول پڑا ہوا تھا' میں نے اس میں سے اتنے ڈول پانی نکالے جتنے خدا نے چاہے' پھر اس ڈول کو ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکرؓ نے لیا' انہوں نے بھی اس سے ایک ڈول پانی کھینچا' مگر ان کے کھینچنے میں کسی قدر

(۱) صحیح مسلم کتاب الامارۃ۔
(۲) صحیح مسلم کتاب الامارۃ۔
(۳) مقدمہ تاریخ الخلفاء سیوطی۔
(۴) جامع ترمذی کتاب الفتن سنن ابی داؤد' حاکم' نسائی' بیہقی۔

Marfat.com

ضعف تھا' خدا ان کو معاف کرے' پھر یہ ڈول ایک بڑا سا ڈول بن گیا' تو خطاب کے بیٹے (عمرؓ) نے اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس طرح کھینچا کہ کسی طاقت ور آدمی کو میں نے ان کے برابر کھینچتے نہیں دیکھا یہاں تک کہ حوض لبالب بھر گیا اور پینے والوں کا چاروں طرف سے ہجوم ہو گیا۔ (۱)

یہ خلافت صدیقی و فاروقی کی تمثیلی پیشین گوئی ہے جس کی آئندہ واقعات نے حرف حرف تصدیق کی۔

مسلمانوں کو دولت کی کثرت اور فتنوں کے ظہور سے آگاہ کرنا:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جن فتنوں کا آغاز ہوا اور مسلمانوں میں جو خانہ جنگیاں پیش آئیں ان کا پورا پورا علم آپؐ کو عطا ہوا تھا اور اسی لیے آپؐ نے بار بار مسلمانوں کو اس سے متنبہ کر دیا تھا' ایک دفعہ آپؐ صحابہ کے ساتھ شہر سے باہر تھے' آپؐ نے ہمراہیوں سے پوچھا کہ مجھ کو جو نظر آ رہا ہے وہ تم دیکھ رہے ہو؟ سب نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں پر بارش کی طرف فتنے برس رہے ہیں۔ (۲) دوسری دفعہ فرمایا۔ خدا کی قسم! مجھ کو تم پر فقر و فاقہ کا خوف نہیں بلکہ دولت کا خوف ہے کہ جس طرح تم سے پہلوں پر دنیا پھیلا دی گئی تھی' تم پر بھی پھیلا دی جائے تو تم اس میں آپس میں رشک و حسد کرنے لگو اور جس طرح اس نے تم سے پہلوں کو غافل کر دیا تم کو بھی غافل کر دے۔ (۳) ایک اور موقع پر ارشاد ہوا۔ دیکھو میرے بعد ایک دوسرے کی گردن نہ مارنے لگنا۔ ایک دفعہ ارشاد ہوا۔ ایک زمانہ آئے گا کہ تمہارے سامنے دن کو ایک کھانے کا پیالہ اور رات کو دوسرے کھانے کا پیالہ آئے گا اور کعبہ کے پردوں کی طرح (بیش قیمت اور عمدہ) تمہارے لباس ہوں گے۔ حاضرین نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم اس حالت میں اچھے ہیں یا اُس حالت میں اچھے رہیں گے؟ فرمایا نہیں تم اس حالت میں اچھے ہو کہ تم سب باہم ایک دوسرے سے محبت اور پیار کرتے ہو اور اُس وقت تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور ایک دوسرے کا گلا کاٹو گے۔ (۴) حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپؐ مجلس میں رونق افروز تھے' فرمایا کہ میرے بعد اختلاف اور فتنہ ہو گا' لوگوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! تو اس وقت ہم کو کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ امیر اور اس کے رفقاء کا ساتھ دینا۔ (۵) ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا' عنقریب میرے بعد کچھ فتنے پیدا ہوں گے جن میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا۔ (۶)

---

(۱) صحیح بخاری کتاب المناقب کتاب الرویا صحیح مسلم مناقب آخری فقرے حتی ضرب الناس بعطن کا مرادی ترجمہ ہے لفظی نہیں (دیکھو فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۶۴)۔

(۲) صحیح بخاری کتاب الفتن و حجۃ الوداع۔

(۳) صحیح بخاری و مسلم کتاب الفتن۔

(۴) مسند احمد حدیث طلحہ (النظری) و مستدرک حاکم۔

(۵) مستدرک حاکم ج ۳ ص ۹۹ ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

(۶) صحیح بخاری کتاب الفتن۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد فتنوں کا ظہور ہوگا:

خلافت راشدہ کے عہد میں جو فتنے برپا ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو پہلے ہی دے دی تھی اور آپ ﷺ نے بعض صحابہؓ کو بتا دیا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے پوچھا کہ حضور نے فتنہ کی نسبت جو فرمایا تھا وہ کس کو زیادہ یاد ہے' حضرت حذیفہؓ نے کہا مجھے یاد ہے' انسان کو اہل و عیال اور دولت و مال میں جو فتنہ پیش آتا ہے وہ نماز' صدقہ' اچھی باتوں کے کہنے اور بری باتوں کے روکنے سے دور ہو جاتا ہے' حضرت عمرؓ نے کہا میں اس کی نسبت نہیں پوچھتا۔ میں اس فتنہ کو پوچھتا ہوں جو سمندر کی موجوں کی طرح لہریں لے گا' حضرت حذیفہؓ نے کہا اے امیرالمومنین! اس فتنہ سے آپؓ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کہ اس کے اور آپ کے درمیان ایک بند دروازہ ہے دریافت فرمایا کہ کیا یہ دروازہ کھول دیا جائے گا یا توڑ دیا جائے گا۔ حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا توڑ دیا جائے گا' حضرت عمرؓ نے کہا تو یہ دروازہ کبھی بند نہ ہو سکے گا' حضرت حذیفہؓ نے کہا ہاں ایسا ہی ہے راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت حذیفہؓ سے پوچھا کہ کیا حضرت عمرؓ کو معلوم تھا کہ وہ دروازہ کون تھا؟ انہوں نے جواب دیا ہاں بے شک ان کو اس کا اسی طرح علم تھا جس طرح اس بات کا علم ہے کہ آج کے بعد کل آئے گا۔ راوی کہتا ہے میں لحاظ سے نہ پوچھ سکا کہ وہ دروازہ کون تھا؟ اس لیے مسروق (تابعی) سے کہا کہ وہ حضرت حذیفہؓ سے اس کو دریافت کریں' مسروقؒ نے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ دروازہ خود حضرت عمرؓ کا وجود تھا۔ [1] یہ دروازہ جب سے ٹوٹا تو کس کو معلوم نہیں کہ اسلام پر فتنوں کا سیلاب امنڈ آیا۔

فتنے مشرق کی جانب سے اٹھیں گے:

مستند اور معتبر حدیثوں میں پوری تصریح کے ساتھ بروایات کثیرہ مذکور ہے [۲] کہ اسلام میں فتنوں کا آغاز مشرق کی طرف سے ہوگا' آپ ﷺ نے انگلی سے اشارہ کر کے بار بار فرمایا کہ ادھر سے جدھر شیطان کی سینگیں یعنی سورج کی کرنیں نکلتی ہیں' یہ اشارہ عرب سے مشرق کی طرف تھا' یعنی عراق کی طرف' دیکھو حضرت عمرؓ کا قاتل عجمی تھا' حضرت عثمان کے عہد کا فتنہ عراق ہی سے اٹھ کر مصر تک پھیلا۔ جنگ جمل اسی سرزمین پر ہوئی' حضرت علیؓ یہیں شہید ہوئے' امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی جنگ صفین یہیں پیش آئی' خوارج اسلام کا پہلا گمراہ کن فرقہ یہیں سے نکلا' جبریہ اور قدریہ وغیرہ اسلام کے دیگر فرقوں کی یہ بدعتیں جنہوں نے اسلامی عقائد کی سادگی کو پارہ پارہ کر دیا یہیں پیدا ہوئے' جگر گوشہ رسول اور خانوادۂ نبوت کا قافلہ یہیں فرات کے کنارے لٹا' مختار نے ادعائے کاذب کا فتنہ یہیں پیدا کیا' شیعیت جس نے اسلام کو دو حصوں میں منقسم کیا یہیں کی پیداوار ہے' حجاج کی سفاکیاں اسی سرزمین پر ہوئیں' ترک و تاتار کی غارت گریوں کے نتائج جنہوں نے اسلام کی رہی سہی طاقت اور عرب و خلافت عربی کا تار تار الگ کر دیا یہیں رونما ہوئے حتیٰ کہ اس جنگ عظیم میں بھی واحد اسلامی طاقت کے ساتھ غداری کے نتائج بھی اولاً یہیں ظاہر ہوئے اور اس کے اثرات بعد کو اور اطراف میں بھی رونما ہوئے۔

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الفتن۔ (۲) صحیح بخاری و مسلم کتاب الفتن وغیرہ۔

Marfat.com

حضرت عثمانؓ کو فتنہ کی اطلاع:

آنحضرت ﷺ مدینہ کے ایک باغ میں ٹیک لگائے بیٹھے تھے حضرت ابوبکرؓ دروازہ کھلوا کر آئے تو آپؐ نے ان کو جنت کی بشارت دی' حضرت عمرؓ آئے اور آپؐ نے ان کو جنت کا مژدہ سنایا' اس کے بعد حضرت عثمان آئے تو آپؐ نے ان کو جنت کی بشارت کے ساتھ فتنہ و امتحان سے دوچار ہونے کی بھی اطلاع دی' چنانچہ ان کو اپنے زمانہ خلافت میں یہ فتنہ و امتحان پیش آیا اور شہادت نصیب ہوئی۔ (۱) حدیث کی کتابوں میں اس قسم کی اور بھی روایتیں ہیں۔

حضرت عمرؓ اور عثمانؓ شہید ہوں گے:

ایک بار مکہ معظمہ میں کوہ ثبیر یا کوہ اُحد پر آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے' آپؐ کی رفاقت میں حضرت ابوبکرؓ' حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی تھے کہ دفعتاً پہاڑ کو جنبش ہوئی' آپؐ نے فرمایا۔ اے ثبیر! ٹھہر جا کہ تیری پشت پر ایک پیغمبر ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ پیغمبر اور صدیق کو تو سب جانتے تھے' لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ دو شہید کون تھے۔ (۲)

حضرت علی مرتضیٰؓ کی مشکلات اور شہادت:

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم سے میری اُمت میرے بعد بے وفائی کرے گی' حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اے علیؓ! خبردار کہ تم کو میرے بعد مُصیبت پیش آئے گی' حضرت علیؓ نے استفسار کیا کہ کیا یہ مصیبت میری سلامتی دین کے ساتھ پیش آئے گی؟ فرمایا' ہاں تمہاری سلامتی دین کے ساتھ۔ حضرت علیؓ اور بعض صحابہؓ ایک سفر میں ایک موقع پر آنحضرت کے ہم رکاب تھے' آپؐ نے فرمایا میں بتاؤں کہ دو سب سے بد بخت انسان کون ہیں۔؟ لوگوں نے عرض کی کہ ہاں یا رسول اللہ بتائیے۔ ایک ثمود کا سرخ رنگ بد بخت جس نے ناقہ کو قتل کیا' دوسرا وہ جو اے علی تمہارے یہاں پر (گردن کی طرف اشارہ کیا) تلوار مارے گا۔ (۳)

جنگ جمل کی خبر:

حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہ کے درمیان جو اتفاقی لڑائی بصرہ میں پیش آ گئی تھی' اس کو جنگ جمل کہتے ہیں' ایک دفعہ آنحضرت ﷺ ازواج مطہراتؓ کے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپؐ نے فرمایا' تم میں سے کسی پر حوأب کے کُتے بھونکیں گے (حوأب عراق میں ایک تالاب کا نام ہے) حضرت عائشہؓ جب اصحاب جمل کے ساتھ روانہ ہوئیں اور حوأب کے تالاب پر پہنچیں اور کُتوں نے بھونکنا شروع کیا تو ان کو آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی یاد

(۱) صحیح مسلم فضائل عثمانؓ۔ (۲) صحیح بخاری مناقب ابی بکرؓ و صحیح ترمذی مناقب عثمانؓ بروایت حسن و سنن نسائی و دار قطنی۔
(۳) یہ تینوں روایتیں مستدرک حاکم میں ہیں' امام ذہبی نے پہلی روایت کو مطلق صحیح' دوسری کو بشرط بخاری و مسلم صحیح اور تیسری کو بشرط مسلم صحیح کہا ہے۔ ج ۳ ص ۱۴۰' ۱۴۱ حیدر آباد۔

Marfat.com

آئی۔(۱)

حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی جنگ:

ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ اس وقت تک قیامت نہ آئے گی' جب تک دو ایسے گروہ باہم جنگ آزمانہ ہوں گے' جن میں سے ہر ایک کا دعویٰ ایک ہی ہوگا۔(۲) علماء کا بیان ہے کہ یہ پیشین گوئی حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی لڑائیوں پر صادق آتی ہے۔(۳)

حضرت عمارؓ شہید ہوں گے:

آپؐ نے غزوۂ خندق میں حضرت عمارؓ کے سر پر دست شفقت پھیر کر فرمایا۔ افسوس تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔(۴) یہ پیشین گوئی متعدد صحابہؓ سے منقول ہے' حضرت عمارؓ حضرت علیؓ کی معیت میں امیر معاویہؓ کے ساتھیوں کے ہاتھ سے جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

امام حسنؓ کی مصالحت:

ایک دفعہ آپؐ حضرت امام حسنؓ کو لے کر گھر سے باہر نکلے اور ان کو گود میں لے کر منبر پر چڑھے پھر فرمایا کہ میرے اس فرزند کے ذریعہ سے خدا مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان مصالحت (۵) کرا دے گا۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی حضرت علیؓ کی شہادت کے چھ مہینے بعد پوری ہوئی اور طرف داران علیؓ اور حامیانِ معاویہؓ میں بعض شرائط پر صلح ہوگئی۔

نوخیز حکمران قریش کے ہاتھوں اسلام کی تباہی:

آنحضرت ﷺ نے جن مخصوص اصحاب کو اسلام کے مستقبل سے باخبر کر دیا تھا' ان میں ایک حضرت ابوہریرہؓ بھی تھے' وہ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ میری اُمت کی بربادی قریش کے چند نوخیزوں کے ہاتھ سے ہوگی' حضرت ابوہریرہؓ کہا کرتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو سب کو نام بنام گنا دوں۔(۶) یہ پیشین گوئی حرف بحرف صحیح نکلی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد کا سیاسی طوفان ان کی شہادت پر' پھر جمل کی لڑائی' یہ سب چند نوخیز قریشی رئیس زادوں کے بے جا امنگوں کے نتائج تھے جیسا کہ عام تاریخوں میں مسطور ہے اور صحیح بخاری میں ہے کہ راوی کہتا ہے کہ ہم نے شام جا کر

(۱) مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۹۲٬۵۲۔
(۲) صحیح مسلم فتن۔
(۳) دیکھو شرح مسلم۔
(۴) ایضاً۔
(۵) صحیح بخاری علامات النبوۃ فی الاسلام و صحیح مسلم و ترمذی باب المناقب و حاکم ترجمہ امام حسنؓ ج ۳۔
(۶) صحیح بخاری کتاب الفتن۔

Marfat.com

بنی مروان کو دیکھا تو ان کو اسی طرح نوخیز نوجوان پایا۔[1]

یزید کی تخت نشینی کی بلا اسلام پر:

امیر معاویہؓ نے ۶۰ھ میں وفات پائی اور ان کے بجائے یزید تخت نشین ہوا اور یہی اسلام کے سیاسی، مذہبی، اخلاقی اور روحانی ادبار ونکبت کی اولین شب ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے متعدد روایتیں ہیں، مسند احمد میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ ۶۰ھ کے شروع ہونے سے اور لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگا کرو، اور دنیا ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ اس پر ایسے ایسے حکمران نہ ہولیں۔[2] حاکم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا عربوں پر افسوس اس مُصیبت سے جو ۶۰ھ کے آغاز پر قریب آئے گی، امانت لوٹ کا مال اور صدقہ وخیرات جرمانہ اور تاوان سمجھا جائے گا اور گواہی پہچان سے دی جائے گی اور فیصلے ہوا وہوس سے ہوا کریں گے، بیہقی میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ مدینہ کے بازار میں یہ کہتے جاتے تھے کہ خداوندا! میں ۶۰ھ اور لڑکوں کی حکومت کا زمانہ نہ پاؤں، خدا نے ان کی یہ دعا قبول کی اور ۵۹ھ میں انہوں نے وفات پائی۔[3]

امام حسینؓ کی شہادت:

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کی متعدد پیشین گوئیاں حاکم، بیہقی، ابن راہویہ اور ابونعیم میں مذکور ہیں، مگر اصولاً ان روایات کا درجہ بلند نہیں، تاہم اتنی بات مجملاً ثابت ہوتی ہے کہ آپؐ کو اس واقعہ کا علم ضرور عطا کیا گیا تھا اور آپؐ نے اہل بیت کو اس کے متعلق کوئی خاص اطلاع دی تھی، اس باب میں بہترین حدیث حاکم کی یہ روایت ہے جس کو اس نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے کہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی تھی کہ میں نے یحییٰ (پیغمبر) کا بدلہ ستر ہزار سے لیا تھا اور میں تیرے نواسے کا بدلہ ستر اور ستر ہزار سے لوں گا، حافظ ذہبی نے اس روایت کو علی شرط مسلم تسلیم کیا ہے۔[4] لیکن روایت خود اس کا اشادہ کرتی ہے کہ اس سے پہلے حضرت حسینؓ کی شہادت کی اطلاع دی جاچکی تھی۔ یہ اطلاع الٰہی حرف بحرف صحیح ہوئی، امام موصوف کی شہادت کے بعد مختار کے ہاتھوں قاتلین حسینؓ سے اسی قدر انتقام لیا گیا۔

خوارج کی اطلاع:

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ مال غنیمت تقسیم فرمارہے تھے، قبیلہ بنوتمیم کا ایک آدمی آیا اور کہا کہ یارسول اللہ! انصاف سے مال تقسیم فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا، میں نہ انصاف کروں گا تو کون کرے گا؟ اس کی گستاخی پر حضرت عمرؓ سخت برہم ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ اجازت دیجیے تو اس کی گردن اڑادوں۔ آپؐ نے فرمایا جانے دو، اس کے ایسے رفقاء ہوں گے جن کے نماز روزے کے مقابل تم کو اپنے نماز

(۱) اوائل کتاب الفتن۔

(۲) مسند احمد احادیث ابی ہریرۃ۔

(۳) یہ روایتیں خصائص کبریٰ سیوطی ج ۲ ص ۱۳۶ کے حوالہ سے نقل کی گئی ہیں۔ (۴) مستدرک ج ۳ ص ۱۷۸۔

Marfat.com

روزے حقیر معلوم ہوں گے' وہ لوگ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن گلے کے نیچے نہ اترے گا' مذہب کے دائرہ سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانہ کے پار نکل جاتا ہے' اس گروہ کی علامت یہ ہے کہ ان میں ایک سیاہ فام شخص پیدا ہوگا جس کے دونوں بازوؤں میں عورت کے سینہ کی طرح گوشت لٹکتا ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے اس گروہ سے جنگ کی اور میں ان کے ساتھ موجود تھا' اس سیاہ فام کی تلاش کی گئی تو آنحضرت ﷺ نے جو علامات بتائی تھیں وہ ان کے ساتھ مُنطَبِق نکلا۔ (۱)

مختار اور حجاج کی اطلاع:

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ قبیلہ ثقیف میں دو شخص پیدا ہوں گے جن میں ایک کذّاب دوسرا مبیر یعنی ہلاک کرنے والا ہوگا' چنانچہ جب حجاج ثقفی نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو پھانسی دی اور ان کی والدہ حضرت اسماءؓ کو بلایا تو انہوں نے جانے سے انکار کیا' بار بار کے انکار کے بعد حجاج خود ان کے پاس آیا' بہت سے سوال و جواب کے بعد انہوں نے کہا کہ قبیلہ ثقیف کے دو شخصوں کے متعلق آپؐ نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی ان میں کذاب (مختار ثقفی) کو تو ہم نے دیکھ لیا اور مبیر کے متعلق میرا خیال ہے کہ وہ تم ہی ہو' یہ سن کر حجاج چپ چاپ الٹے پاؤں واپس چلا گیا۔ (۲)

حجاز میں ایک آگ:

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی' جب تک حجاز میں ایک ایسی آگ نہ نکلے جس کی روشنی بصریٰ کے اونٹوں کی گردنوں کو روشن نہ کردے یہ روایت صحیح مسلم (۳) اور حاکم میں ہے' امام نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ آگ ہمارے زمانے میں ۶۵۴ھ میں مدینہ میں ظاہر ہوئی اور آگ اس قدر بڑی تھی کہ مدینہ کے مشرقی پہلو سے لے کر پہاڑی تک پھیلی تھی اس کا حال شام اور تمام شہروں میں بتواتر معلوم ہوا اور ہم سے اس شخص نے بیان کیا جو اس وقت مدینہ میں موجود تھا۔ (۴) ابوشامہ ایک اور معاصر مصنف کا بیان ہے کہ ہمارے پاس مدینہ سے خطوط آئے جن میں لکھا تھا کہ چہار شنبہ کی رات کو جمادی الثانیہ کی تیسری تاریخ کو مدینہ میں ایک سخت دھماکہ ہوا' پھر بڑا زلزلہ آیا جو ساعت بساعت بڑھتا رہا' یہاں تک کہ پانچویں کو بہت بڑی آگ پہاڑی میں قریظہ کے محلہ کے قریب نمودار ہوئی جس کو ہم مدینہ کے اندر اپنے گھروں سے اس طرح دیکھتے تھے کہ گویا وہ ہمارے قریب ہی ہے اور ترائیاں بہہ نکلیں اور ہم اس کو دیکھنے کو چڑھے تو دیکھا کہ پہاڑ آگ بن کر بہہ رہے ہیں اور ادھر ادھر شعلہ بن کر جا رہے ہیں' آگ کے شعلے پہاڑ معلوم ہوتے تھے' محلوں کے برابر برابر چنگاریاں اڑ رہی ہیں' یہاں تک کہ یہ

(۱) بخاری ج ۱ ص ۵۱۰ باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔

(۲) مسلم کتاب الفضائل باب ذکر کذاب ثقیف و مبیر ہا۔

(۳) شرح مسلم نووی ج ۲ ص ۳۹۳ نولکشور۔

(۴) تاریخ الخلفاء بحوالہ ابوشامہ واقعات ۶۵۴ھ۔

Marfat.com

آگ مکہ معظمہ اور صحرا سے بھی نظر آتی تھی' لوگ گھبرا کر روضہ نبوی میں دعا و استغفار کے لیے جمع ہو گئے تھے' یہ حالت ایک مہینہ سے زیادہ رہی۔ [1] علامہ ذہبی اس واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ اسی سال (۶۵۴ھ) میں مدینہ میں آگ نکلی جو ان بڑی نشانیوں میں سے تھی جن کی آنحضرت ﷺ نے خبر دی تھی' اس آگ میں اس شدت اور روشنی کے باوجود گرمی نہ تھی اور چند روز رہی' اہل مدینہ کا خیال تھا کہ قیامت آ گئی تو انہوں نے خدا کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کیا۔ [2] اس آگ کا حال بتواتر معلوم ہے' حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ متعدد لوگوں سے جو بصریٰ میں اس وقت موجود تھے' یہ شہادت منقول ہے کہ انہوں نے رات کو اس کی روشنی میں بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں دیکھیں۔ [3]

ایک صدی یا ایک دور کے بعد انقلاب:

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اخیر زندگی میں آنحضرت ﷺ نے نماز عشاء کے بعد حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا' آج اس شب میں' میں تم کو بتاؤں کہ اس سے سو برس بعد آج کے لوگوں میں سے کوئی بھی روئے زمین پر باقی نہ رہے گا راوی کہتا ہے کہ اس سے آپ کا مقصود ایک دور (قرن) کا ختم ہو جانا تھا۔ حضرت جابرؓ اسی واقعہ کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے آپؐ نے فرمایا کہ تم قیامت کی نسبت دریافت کرتے ہو' اس کا علم تو خدا کو ہے' میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج روئے زمین پر کوئی سانس لینے والی جان نہیں جو سو برس بعد زندہ رہے گی۔ [4] اس سے مقصود صحابہؓ کے خیر و برکت کے دور کا اختتام تھا' ابوالطفیلؓ صحابی سب سے اخیر میں مرے ہیں ان کا بیان تھا کہ اب میرے سوا کوئی باقی نہیں جس نے جمال محمدی سے آنکھیں روشن کیں' یہ ابوالطفیلؓ پوری صدی کے اختتام پر رحلت گزین ہوئے۔

چار دوروں کے بعد پورا انقلاب:

متعدد راویوں نے آنحضرت ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے علی الاعلان فرمایا کہ بہترین دور (قرن) وہ ہے جس میں' میں ہوں۔ [5] پھر اس دور کے لوگ جو میرے بعد ہیں' پھر اس دور کے لوگ جو ان کے بعد ہیں' پھر اس دور کے لوگ جو ان کے بعد ہیں' پھر ایسے لوگ ہوں گے جو گواہی کے لیے بلائے نہیں جائیں گے خود جا کر گواہی دیں گے' خیانت کار ہوں گے' امین نہ ہوں گے' نذر مانیں گے لیکن ایفا نہ کریں گے' پہلا دور عہد نبوی ہے' دوسرا دور صحابہؓ کا ہے' تیسرا تابعین کا' چوتھا تبع تابعین کا۔ یہ چار عہد اسلام کے روحانی' دینی' اخلاقی' مناقب و مکارم کا اور صلحائے اُمت ائمہ دین اور علمائے خیر کے پے در پے ظہور اور وجود کا اور خالص مذہبی علوم کی نشوونما' ترتیب و تدوین

(۱) مختصر تاریخ الاسلام ذہبی ج ۲ ص ۱۲۱ حیدر آباد۔

(۲) تاریخ الخلفاء واقعات ۶۵۴۔

(۳) یہ تمام حدیثیں صحیح مسلم باب فضل صحابہؓ میں ہیں اور پہلی روایت ابوداؤد کتاب الملاحم میں بھی مذکور ہے۔

(۴) صحیح مسلم فضل صحابہؓ و مسند احمد حدیث بریدہؓ۔

(۵) صحیح مسلم فضل صحابہ و مسند احمد حدیث بریدہؓ۔

Marfat.com

اور نشر و اشاعت کا ہے' اس کے بعد ہی بدعات کا سیلاب امنڈ تا ہے' علمائے سوء اور امرائے جور بیدار ہوتے ہیں' فرق باطلہ کا ظہور ہوتا ہے' فقہاء میں جمود آتا ہے' علماء میں ہوا و ہوس راہ پاتی ہے' ہند' فارس اور یونان کے فلسفیانہ خیالات مسلمانوں میں رائج ہوتے ہیں' اسلام کے اعتقادی و عملی قویٰ سست ہو جاتے ہیں اور تمام نظام ابتر ہو جاتا ہے۔

مدعیان کاذب:

صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے تیس کاذب و دجّال پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے۔ (۱) ایسے مدعیان کاذب کی تعداد اگر مُسیلمہ کے وقت سے لے کر آج تک کی تاریخوں سے چن کر الگ کی جائے تو قریب قریب تیس کے پہنچ جائے گی جن میں سے دو جو ہندوستان اور ایران میں ابھی ابھی گزرے ہیں وہ تمہاری نگاہوں کے سامنے ہیں۔

منکرین حدیث:

ابو داؤد میں ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا۔ میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے (غرور کی شان سے) بیٹھا ہو اور اس کے پاس میرے کاموں میں سے کوئی کام جس کے کرنے کا میں نے حکم دیا یا جس سے میں نے منع کیا' وہ اس سے بیان کیا جائے تو کہے کہ ہم نہیں جانتے جو ہم نے قرآن میں پایا اسی کو مانتے ہیں۔ (۲) بیہقی میں اس سے زیادہ صاف الفاظ ہیں' دور اول میں اگر یہ پیشین گوئی معتزلہ پر صادق آ سکتی تھی تو اب آج کل مصر و ہند کے ان اشخاص پر پوری طرح صادق آتی ہے جو خود کو اہل القرآن کے نام سے موسوم کر رہے ہیں۔

تجارت کی کثرت اور اس میں عورتوں کی شرکت:

قیامت کے آثار اور نشانیوں میں سے ایک یہ واقعہ بھی ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے خصوصیت کا سلام ہو گا اور تجارت کی کثرت ہو گی۔ (۳) یہاں تک کہ عورت بھی اپنے مرد کا ہاتھ اس میں بٹایا کرے گی۔ کیا اس موجودہ دور تمدن سے بڑھ کر اس پیشین گوئی کی صداقت کا کوئی اور زمانہ ہو گا آج سے زیادہ کبھی تجارت کی گرم بازاری تھی اور عورتیں کبھی اس سے پہلے اس بے باکی سے مردوں کے دوش بدوش ہو کر اس پیشہ میں در آئی تھیں۔

اہل یورپ کی کثرت:

آپ ؐ نے صحابہؓ کے سامنے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ قیامت جب آئے گی تو روم سب سے زیادہ ہوں گے۔ (۴)

(۱) صحیح مسلم باب فتن و ابو داؤد (ملاحم) کے علاوہ مسند احمد میں حضرت حذیفہؓ اور ابو یعلی بزار اور طبرانی میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے اس قسم کی روایت ہے۔ (۲) سنن ابی داؤد باب لزوم السنة۔

(۳) مسند احمد جلد اول ص ۴۱۹ مصر و ادب المفرد امام بخاری باب تسلیم الخاصة و مستدرک حاکم و بزار و طبرانی۔

(۴) صحیح مسلم کتاب الفتن۔

Marfat.com

عربوں کے محاورہ میں روم سے مقصود اہل فرنگ یعنی اہل یورپ ہیں۔ آج اہل یورپ کی یہ کثرت ہے کہ ان کے وجود سے دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں اور ان کی قوت و طاقت کا دنیا کی کوئی قوم مقابلہ نہیں کر سکتی' یہ پیشین گوئی آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کی گئی تھی اور آج اس کی صداقت آفتاب کی طرف روشن ہے۔

سود کی کثرت:

پہلے وہی لوگ سود کھاتے تھے اور کھا سکتے تھے جو براہ راست اس کا کاروبار کرتے تھے لیکن آپ نے پیشین گوئی کی تھی کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جس میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو سود نہ کھائے گا اگر وہ براہ راست نہ کھائے گا تو اس کا غبار یا دھواں بھی اڑ کر اس تک ضرور پہنچے گا۔[1] کیا آج وہی زمانہ بعینہ نہیں ہے' آج کی تجارت اور سوداگری تمام تر سود پر مبنی ہے' یہاں تک کہ ہمارے ملک کی ہر چیز جو بازار سے خریدی جاتی ہے وہ بیسیوں سودی معاملوں سے گزر کر ہم تک پہنچتی ہے' تمام وہ لوگ جن کی معیشت سرکاری نوکری ہے اور اکثر غیر سرکاری نوکر بھی بنک کے جمع شدہ روپوں سے معاوضہ حاصل کرتے ہیں اور امراء اور اہل دولت بھی اپنا سرمایہ امانتی منافع سے وصول کرتے ہیں' غرض آج دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں کہی جا سکتی جو تمام تر سود سے پاک اور مبرا ہو اور یہ یورپ کے تمدن کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ عالمگیر اثر ہے' یہ عظیم الشان پیشین گوئی کتنی بڑی صداقت پر مبنی ہے اور جس کو کبھی کوئی انسان صرف قیاس سے اس بلند آہنگی کے ساتھ دنیا کو نہیں سنا سکتا ہے۔

یہودیوں سے جنگ:

صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خبر دی تھی کہ مسلمانوں اور یہودیوں میں ایک عظیم الشان جنگ ہوگی' یہودی شکست کھا کر چٹانوں اور درختوں کے پیچھے چھپیں گے تو وہاں بھی ان کو پناہ نہ ملے گی اور ان میں سے آواز آئے گی کہ اے مسلمان دیکھ! یہ یہودی چھپا ہے۔[2] اس حدیث کو پڑھتے ہوئے پہلے دل میں خطرہ گزرتا تھا کہ الٰہی! یہودیوں میں نہ تو قوت ہے نہ کوئی ان کی سلطنت ہے' نہ مسلمانوں کے درمیان کہیں ان کی بڑی آبادی ہے' یہ لڑائی کیونکر پیش آئے گی؟ مگر پچھلی جنگ نے اپنے نتیجہ کے طور پر فلسطین میں جو صورت نمایاں کر دی ہے اور عہد نامہ بالفور نے فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے اور صیہونی تحریک نے فلسطین کو خالص یہودی ملک بنانے اور بالآخر وہاں یہودی سلطنت قائم کرنے کا جو تہیہ کیا ہے اس نے مخبر صادق علیہ السلام کی پیشین گوئی کی صداقت کے منظر کو آنکھوں کے سامنے کر دیا ہے۔

حجاز کا انقطاع مصر' شام اور عراق سے:

صحیح مسلم میں ہے [3] کہ حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا' عراق نے اپنا نقرئی

(۱) ابوداؤد' نسائی وابن ماجہ باب الربوا مسند احمد عن ابی ہریرہؓ۔

(۲) صحیح مسلم باب الفتن۔

Marfat.com

سکہ (درہم) اور غلہ کا پیمانہ (قفیز) روک دیا' شام نے اپنے غلہ کا پیمانہ (مد) اور اپنا طلائی سکہ (دینار) روک دیا اور مصر نے اپنے غلہ کا پیمانہ (اردب) اور اپنی اشرفی روک دی اور تم وہیں لوٹ گئے جہاں سے چلے تھے' حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ اس حدیث کے ارشاد نبوی ہونے پر ابوہریرہؓ کا گوشت اور خون گواہی دیتا ہے۔

اس حدیث میں درحقیقت دو پیشین گوئیاں ہیں ایک یہ کہ مسلمان ان ممالک کو فتح کریں گے اور حجاز کے تعلقات وہاں سے قائم ہوں گے اور اس خشک اور بنجر خطہ کی پرورش ان ہی ہمسایہ علاقوں سے ہوگی اور پھر وہ زمانہ آئے گا جب یہ علاقے الگ ہو جائیں گے اور حجاز پھر ویسا ہی ہو جائے گا جیسا اسلام سے پہلے یا اسلام کے آغاز میں تھا پہلی پیشین گوئی تو حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں پوری ہوئی اور اس وقت سے لے کر تیرہ سو برس تک برابر یہ حالت قائم رہی' حجاز کے لیے ہر قسم کا سامان ان ہی ممالک کی پیداوار سے آتا تھا' مصر و شام سے برابر غلہ قانوناً بھیجا جاتا تھا' سالانہ نذرانے تقسیم ہوتے تھے' بڑی بڑی جائیدادیں وقف تھیں' لیکن ہمارے خیال میں اس دوسری پیشین گوئی کا محل اس زمانہ سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ تیرہ سو برس کے اندر کبھی ایسا زمانہ پیش نہیں آیا جب حجاز عراق و شام اور مصر سے دفعۃً منقطع ہو گیا ہو۔ آج حجاز کی وہی حالت نہیں جو اسلام سے پہلے یا آغاز اسلام میں تھی جب عراق پر ایرانی اور شام و مصر پر رومی حکمران تھے اور خود عرب کے صوبے پراگندہ و بے نظام تھے اور ہر قطعہ پر ایک حاکم فرمانروا تھا۔ آج عراق و مصر و فلسطین و بحرین وغیرہ پر انگریز اور شام پر فرانسیسی حکمران ہیں' عرب کے تمام صوبے پراگندہ و بے نظام ہیں اور ہر خطہ پر ایک مستقل فرمان روا ہے اور باہمی آتش جنگ و جدل برپا ہے' ایک کو دوسرے کی ماتحتی سے عار ہے' عراق کا غلہ اور نذرانہ بند ہے' شام کی موقوفہ جائیدادیں فرانسیسیوں نے ضبط کر لیں اور آپ نے گزشتہ سال سن لیا کہ مصر نے حجاز کے غلہ اور اشرفیوں کا وہ نذرانہ بند کر دیا جو عہد فاروقؓ سے اب تک کبھی بند نہیں ہوا تھا۔

اہل یورپ سے شام میں جنگ:

صحیح مسلم وغیرہ میں فتن اور آثار قیامت کے سلسلہ میں متعدد حدیثیں ایسی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ نے صاف اور صریح الفاظ میں اپنی اُمت کو یہ اطلاع دی ہے کہ آخر زمانہ میں دجال کے ظہور اور نزول مسیحؑ سے پہلے ملک شام میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان عظیم الشان خونی معرکے پیش آئیں گے' گو اس ملک میں ان دونوں کے درمیان صلیبی جنگوں نے اس قسم کے سینکڑوں خونی معرکے پیش کیے ہیں مگر جنگ عظیم نے شام کی جو صورت حال پیدا کر دی ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام واقعات آنے والے خونی معرکوں کی تقریب و تمہید ہیں۔

مسلمانوں کے خلاف تمام دنیا کی قومیں اٹھ کھڑی ہوں گی:

ابوداؤد[1] اور بیہقی میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ قریب ہے کہ قومیں تم پر حملہ کرنے کے لیے ایک دوسرے کو اس طرح پکاریں گی (یعنی تم پر متحدہ حملہ کریں گی) جس طرح کھانے والے کھانے کے پیالہ پر گرتے ہیں۔ حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ اس لیے کہ اس زمانہ میں ہم مسلمانوں کی تعداد کم ہو جائے گی۔ فرمایا نہیں'

(۱) کتاب الملاحم۔

Marfat.com

تمہاری تعداد ان دنوں بہت بڑی ہوگی لیکن تم ایسے ہو جاؤ گے جیسے سیلاب کی سطح پر کف اور خس و خاشاک ہوتا ہے کہ (سیلاب ان کو بہائے لیے جاتا ہے) اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب دور کر دے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا' کسی نے پوچھا کہ یارسول اللہؐ! وہ کمزوری کیا ہوگی؟ فرمایا۔ دنیا (فوائد دنیا کی محبت اور موت سے کراہت۔ موجودہ دنیائے اسلام کے پیش نظر تاریخ میں کیا حرف بحرف اس کی تصدیق نہیں؟۔

Marfat.com

معجزات نبویؐ کے متعلق غیر مستند روایات

آنحضرت ﷺ کے معجزات کے متعلق جو جھوٹی اور بے سروپا روایتیں مسلمانوں میں مشہور ہو گئی ہیں ضرورت نہ تھی کہ اس کتاب میں ان کو کسی حیثیت سے جگہ دی جائے، مگر چونکہ عام ناظرین کے دلوں میں ان کو اس کتاب میں نہ پا کر مختلف قسم کے شبہے پیدا ہوں گے، اس لیے صرف ان کی تسکین اور کشف حقیقت کی خاطر ان روایتوں سے بھی اس کتاب میں تعرض کرنا ضروری پڑا، یہ رُوایتیں زیادہ تر کتب دلائل میں ہیں، یعنی ان کتابوں میں ہیں جن کو لوگوں نے عام حدیث کی کتابوں سے الگ کر کے صرف آنحضرت ﷺ کے معجزات کے ذکر و تفصیل میں لکھا ہے!

یہی کتابیں ہیں جنہوں نے معجزات کی جھوٹی اور غیر مستند روایتوں کا ایک انبار لگا دیا ہے اور ان ہی سے میلاد و فضائل کی تمام کتابوں کا سرمایہ مہیا کیا گیا ہے، خوش اعتقادی اور عجائب پرستی نے ان غلط معجزات کو اس قدر شرف قبول بخشا کہ ان کے پردہ میں آپؐ کے تمام صحیح معجزات چھپ کر رہ گئے اور حق اور باطل کی تمیز مشکل ہوگئی، حالانکہ اس تمام ذخیرہ سے کتب صحاح اور خصوصاً بخاری و مسلم یکسر خالی ہیں، لیکن تیسری اور چوتھی صدی میں اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ اس درجہ بے احتیاطی کے ساتھ لکھی گئیں کہ محدِّثین ثقات نے ان کو بیشتر ناقابل اعتبار قرار دیا۔ کتب دلائل کے ان مصنفین کا مقصد معجزات کی صحیح روایات کو یکجا کرنا نہیں بلکہ کثرت سے عجیب و حیرت انگیز واقعات کا مواد فراہم کرنا تھا، تاکہ خاتم المرسلین کے فضائل و مناقب کے ابواب میں معتد بہ اضافہ ہو سکے بعد کو جو احتیاط پسند محدثین آئے مثلاً زرقانی وغیرہ، وہ ان روایات کے نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تردید اور تضعیف بھی کرتے گئے، لیکن جو چیز اس وسعت کے ساتھ پھیل گئی ہو جو اسلامی لٹریچر کا ایک جزو بن گئی ہو جو اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی ہو اس کے لیے صرف اس قدر کافی نہیں بلکہ وہ مزید تنقید کی محتاج ہے خصوصاً اس لیے کہ ہمارے ملک میں میلاد کی مجلسوں میں جو بیانات پڑھے جاتے ہیں وہ تمام تر ان ہی بے بنیاد روایتوں سے بھرے ہوتے ہیں۔

اس تنقید کے تین حصے ہو سکتے ہیں۔ اصول روایت کی بنا پر ان کتابوں کا اور محدِّثین میں ان کے مُصنفوں کا درجہ کیا ہے؟ ان کتابوں میں جو غلط موضوع اور ضعیف معجزات مذکور ہیں ان کے پیدا ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ کتابوں کے خاص خاص مشہور اور زبان زد معجزات کی روایتی حیثیت کیا ہے؟۔

کتب دلائل اور ان کے مصنفین کا درجہ:

علمائے اسلام نے روایات کی تنقید اور ان کے اصول کے منضبط کرنے میں جو کوششیں کی ہیں اور جو خدمات انجام دی ہیں ان کی پوری تفصیل کتاب کے مقدمہ میں گزر چکی ہے، اسی سلسلہ میں یہ بات بھی ضمناً آ گئی ہے کہ ان روایات کی جانچ اور تنقید میں جن کا تعلق احکام فقہی سے ہے محدِّثین نے جو سختی اور شدّت اختیار کی ہے وہ مناقب اور فضائل کے باب میں نہیں کی ہے، چنانچہ علم حدیث کے بڑے بڑے اماموں نے اعلانیہ اس کا اعتراف کیا ہے یہی وجہ

Marfat.com

ہے کہ آیات قرآنی کے الگ الگ فضائل، نام بنام تمام خلفاء کے مناقب، مقامات اور شہروں کے محامد اعمال انسانی کے مبالغہ آمیز ثواب وعقاب کے بیانات آنحضرت ﷺ کے متعلق کاہنین عرب کی پیشین گوئیاں اور اشعار اور عجیب و غریب غیر صحیح فضائل معجزات اور برکات وغیرہ کا یہ بے پایاں دفتر روایات میں موجود اور کتابوں میں مدون ہے۔

یہ روایات زیادہ تر تیسرے اور چوتھے درجہ کی کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں، تیسرے درجہ میں بقول شاہ ولی اللہؒ صاحب یہ کتابیں ہیں۔ (۱)

مسند ابو یعلیٰ، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند طیالسی، بیہقی، طحاوی اور طبرانی کی تصنیفات، ان میں سچی جھوٹی، اچھی بری، قوی، ضعیف ہر قسم کی حدیثیں پہلو بہ پہلو درج ہیں، اور چوتھے درجہ میں وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفین صدیوں کے بعد پیدا ہوئے، انہوں نے چاہا کہ اول اور دوم درجوں میں جو روایتیں داخل نہیں کی گئی تھیں ان کو ایک جگہ جمع کر دیں، یہ روایتیں ان لوگوں کی زبانوں پر تھیں جن کی روایتوں کو حدیث کے اماموں نے قلم بند کرنا پسند نہیں کیا تھا اور قصہ گو واعظین محض ان سے رونق محفل کا کام لیتے تھے، اسرائیلیات اقوال حکماء اشارات حدیث، قصص وحکایات اور روایات نامعتبر کو انہوں نے حدیث کا درجہ دے کر کتابوں کے اوراق میں مدون کر دیا، کتاب الضعفاء لابن حبان کامل لابن عدی اور خطیب، ابونعیم، جوزقانی، ابن عساکر، ابن نجار اور دیلمی کی تصنیفات کا اسی طبقہ میں شمار ہے۔

اس تفصیل کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں، صرف اول اور دوم درجہ کی کتابوں پر (یعنی صحاح ستہ پر) محدثین کا اعتماد ہے اور ان ہی پر ان کا مدار ہے، تیسرے درجہ کی کتابوں سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو فن کے ناقد اور جوہری ہیں، جن کو اسماء الرجال پر عبور اور علل حدیث سے واقفیت ہے، غرض جو صحیح اور غلط اور خطا وصواب میں کامل امتیاز رکھتے ہیں، چوتھے طبقہ کی کتابوں کو جمع اور تدوین کرنا اور ان کو کام میں لانا متاخرین کی ایک قسم کی بے فائدہ کی کاوش فکر ہے۔

آنحضرت ﷺ کے آیات و دلائل پر جو مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے کچھ تیسرے طبقہ میں اور بقیہ تمام تر چوتھے طبقہ کی کتابوں میں داخل ہیں، متاخرین نے عام طور سے یہ سرمایہ جن کتابوں سے حاصل کیا ہے وہ طبری، طبرانی، بیہقی، دیلمی، بزار اور ابونعیم اصفہانی کی تصنیفات ہیں، حافظ قسطلانی نے ان ہی روایات کو تمیز اور نقد کے بغیر مواہب لدنیہ میں داخل کیا ہے اور معین فراہی نے ان کو معارج النبوۃ میں فارسی زبان میں اس آب ورنگ سے بیان کیا کہ یہ روایتیں گھر گھر پھیل گئیں اور عوام نے اس شیفتگی اور وارفتگی کے ساتھ ان کو قبول کیا کہ اصلی اور صحیح معجزات اور آیات بھی اس پردہ میں چھپ کر رہ گئے۔

مواہب لدنیہ اور معارج النبوۃ وغیرہ کا سرمایہ جن کتابوں سے ماخوذ ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

کتاب الطبقات لابن سعد، سیرت ابن اسحاق، دلائل النبوۃ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ، دلائل النبوۃ ابواسحاق حربی المتوفی ۲۵۵ھ، شرف المصطفیٰ، ابوسعید، عبدالرحمٰن بن حسن اصفہانی المتوفی ۳۰۷ھ، تاریخ وتفسیر ابوجعفر بن جریر طبری

(۱) حجۃ اللہ البالغہ باب طبقات کتب الحدیث۔

Marfat.com

المتوفی ۳۱۰ھ' مولہ یحییٰ بن عائذ' دلائل النبوۃ جعفر ابن محمد مستغفری المتوفی ۴۳۲ھ دلائل النبوۃ ابو القاسم اسماعیل اصفہانی المتوفی ۵۳۵ھ' تاریخ دمشق ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ' لیکن متاخرین میں ان روایات کا سب سے بڑا خزانہ یہ دو کتابیں ہیں' کتاب الدلائل ابونعیم اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ اور کتاب الدلائل امام بیہقی المتوفی ۴۳۰ھ۔

ان بزرگوں کے بذات خود معتبر اور مستند ہونے میں کسی کو کم کلام ہے' جو کچھ کلام ہے وہ اس میں ہے کہ انہوں نے ہر قسم کے راویوں سے ہر قسم کی روایتیں نقد اور تمیز کے بغیر اخذ کیں اور ان کو کتابوں کے اوراق میں مدوّن کر دیا اور عام لوگوں نے ان مصنفین کی عظمت اور جلالت کو دیکھ کر ان روایتوں کو قبول کر لیا' حالانکہ ان میں نہ صرف ضعیف اور کمزور بلکہ موضوع حدیثیں تک موجود ہیں اور ان کے سلسلہ روایت میں ایسے راوی آتے ہیں جن کو محدثین کے دربار میں صف نعال میں بھی جگہ نہیں مل سکتی' ان مصنفین نے یہ سمجھ کر کہ چونکہ ہر قسم کا سلسلہ روایت لکھ دیا گیا ہے اور لوگ اس سلسلہ روایت کو دیکھ کر صحیح اور غلط' سچی اور جھوٹی روایت کا خود فیصلہ کر لیں گے ان روایتوں کی تدوین میں ضروری احتیاطیں مدنظر رکھیں' یا یوں کہو کہ عشق نبوی نے فضائل و مناقب کی کثرت کے شوق میں ہر قسم کی روایتوں کے قبول کرنے پر ان کو آمادہ کر دیا' حالانکہ خود اسی جذبہ عشق اور اسی ولولہ شوق نے ثقات محدثین اور علم حدیث کے اکابر کو روایتوں اور راویوں کے نقد اور بحث میں اس قدر سخت گیر بنا دیا تھا کہ وہ ایک لفظ بھی تحقیق اور کاوش کے بغیر آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرنا گناہ عظیم سمجھتے تھے اور مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا۔ کی دارو گیر سے ہمیشہ ڈرتے اور کانپتے رہتے تھے۔ محدث ابن مندہ نے کتاب الدلائل کے مصنف حافظ ابونعیم اصفہانی کی نسبت نہایت سخت الفاظ استعمال کیے ہیں' علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں ان دونوں معاصرین کے درمیان محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لا اعلم لهما ذنبا اکثر من روایتهما الموضوعات ساکتین عنها. (ترجمہ ابونعیم)

"مجھے ان دونوں کا اس سے زیادہ کوئی گناہ معلوم نہیں کہ وہ موضوع روایتوں کو خاموشی کے ساتھ روایت کر جاتے ہیں۔"

لیکن ثقات محدثین کی بارگاہ میں یہ کوئی معمولی گناہ ہے؟ یہی ان کی خاموشی خدا انہیں معاف کرے آج ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی گمراہی کی بنیاد بن گئی ہے۔

اس سے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ ہمارے علمائے رجال نے زیادہ تر ان راویوں کی بحث و تدقیق کی ہے جو پہلی تین صدیوں میں تھے' اس لیے چوتھی اور پانچویں صدی کے رُواۃ اور رجال کے نام و نشان ہماری موجودہ اسماء الرجال کی کتابوں میں بہت کم ملتے ہیں' اگر تراجم و انساب میں ان کے کچھ حالات مل جاتے ہیں تو محدثانہ حیثیت سے ان پر نقد و تبصرہ نہیں ملتا' اس لیے ان بزرگوں کے شیوخ اور راویوں میں مجہول الحال اشخاص کی بھی کمی نہیں اس بنا پر ان کتابوں کی روایتوں کی تنقید کرنا نہایت مشکل ہے۔

اسلام میں میلاد کی مجلسوں کا رواج غالباً چھٹی صدی سے ہوا ہے۔[1] تتبع سے یہ ثابت ہوا کہ ان روایتوں کا

(۱) الملک المظفر شاہ اربل مولود ۵۴۹ھ متوفی ۶۳۲ھ نے جیسا کہ ابن خلکان نے اس کے حال میں لکھا ہے مولد شریف بڑی دھوم دھام اور تزک و احتشام سے منایا کرتا تھا یہ جنگ صلیبی کا زمانہ تھا اس کے لیے ابن دحیہ المتوفی ۶۳۳ھ نے ۶۰۴ھ میں کتاب التنویر فی مولد السراج المنیر تصنیف کی۔

Marfat.com

بڑا حصہ ان ہی کتابوں کے ذریعہ سے پھیلا ہے جو ان مجالس کی غرض سے وقتاً فوقتاً لکھی گئیں اور جن کے بکثرت حوالے مواہب لدنیہ میں جابجا آتے ہیں۔

علامہ سیوطی کی خصائص کبریٰ جو حیدر آباد میں چھپ گئی ہے' معجزات کے موضوع پر سب سے زیادہ مبسوط اور جامع تالیف ہے' علامہ ممدوح نے صحاح ستہ کے علاوہ احمد سعید' ابن منصور' طیالسی' ابن ابی شیبہ' حاکم' ابویعلی بلکہ ان سے بھی فروتر' بیہقی' ابونعیم' بزار' ابن سعید' طبرانی' دارمی بلکہ غیر محتاط مصنفوں مثلاً ابن ابی الدنیا ابن شاہین' ابن ابی النجار' ابن مندہ' ابن مردویہ' ابن عساکر' دیلمی' خرائطی' خطیب وغیرہ کی کتابوں کو اپنا ماخذ بنایا' قوی اور ضعیف اور صحیح و غلط ہر قسم کے واقعات کا انبار لگا دیا اور مختلف دفتروں میں جو کچھ پھیلا تھا ان کو خصائص کی دو جلدوں میں یکجا کر دیا' تاہم مصنف کو یہ فخر ہے' جیسا کہ دیباچہ میں تصریح کی ہے کہ اس تالیف میں موضوع اور بے سند روایتوں سے اگرچہ احتراز کیا گیا ہے لیکن ضعیف روایتیں جن کی سندیں ہیں وہ داخل کر لی گئی ہیں۔

غور کے قابل امر یہ ہے کہ بلا امتیاز بھلی بری کسی سند کا موجود ہونا' روایت کی معتبری کی حجت کیونکر ہو سکتی ہے؟ اس سے زیادہ یہ ہے کہ کتاب میں صحیح و غلط' قوی اور ضعیف' مشہور و منکر ہر قسم کی روایتوں کو ان کے درجہ اور مرتبہ کے ذکر کے بغیر پہلو بہ پہلو وہ لکھتے چلے گئے ہیں' اس لیے عام ناظرین کو یہ پتہ نہیں لگتا کہ اس انبار خانہ میں جہاں جواہرات کا خزانہ ہے وہیں خزف ریزوں کا بھی ڈھیر لگا ہے' پوری کتاب میں شاید دس بیس مقام سے زیادہ نہیں جہاں مصنف نے اپنی روایتوں کے درجہ استناد کا پتہ دیا ہو' اس سے زیادہ یہ کہ بعض واقعات کے متعلق باوجود ان کی شدید روایت پرستی کے' ان کو بہ تحقیق معلوم تھا کہ صحیح نہیں تاہم چونکہ وہ پہلی کتابوں میں مندرج تھے' ان کی نقل سے احتراز نہیں کیا' چنانچہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے موقع پر عام کتب میلاد میں جو عجیب و غریب واقعات مذکور ہیں ان کو تمامہا دلائل ابو نعیم سے نقل کر کے آخر میں لکھتے ہیں۔

هذا الاثر والا ثران قبله فيها نكارة شديدة و لم اوردفي كتابي هذا اشد نكارة منها و لم تكن نفسي تطيب بايرادها لكن تبعت الحافظ ابانعيم في ذلك. (خصائص ج ا ص ۴۹)

''اس روایت اور اس سے پہلے دو روایتوں میں سخت نامعتبر (منکر) باتیں ہیں اور میں نے اپنی کتاب میں اس سے زیادہ نا قابل اعتبار روایتیں نہیں لکھیں' میرا دل ان کے لکھنے کو نہیں چاہتا تھا لیکن حافظ ابونعیم کی پیروی کر کے لکھ دیں۔''

ایک اور جگہ خطیب کی ایک کتاب سے وفد نجران کے متعلق ایک واقعہ نقل کرتے ہیں' حالانکہ وہ خود اس روایت کو بے اعتبار سمجھتے ہیں' چنانچہ لکھتے ہیں۔

و اخرج الخطيب في المتفق و المفترق بسند فيه مجاهيل. (ج ۲ ص ۲۵)

''خطیب نے المتفق والمفترق میں ایسی سند سے جس میں مجہول الحال راوی ہیں بیان کیا ہے۔''

ایک اور مقام پر ایک گدھے کا واقعہ نقل کرتے ہیں جو گدھے کی صورت میں ایک جن تھا اور آپ ؐ کی سواری میں آنے کا مشتاق تھا' یہ لوگوں کے گھروں میں جا کر اشارہ سے ان کو بلا لاتا تھا' یہ عجیب جانور آپ ؐ کو خیبر میں ملا تھا' اس نے

Marfat.com

آنحضرت ﷺ کو یہودیوں کے مظالم کی داستان سنائی اور جب آپؐ نے وفات پائی تو فرطِ غم سے اپنے کو کنوئیں میں گرا کر جان دے دی، حافظ سیوطی نے ابن عساکر سے یہ واقعہ خصائص میں نقل کیا ہے اور اس پر بے تعرض کیے گزر گئے ہیں، حالانکہ بعینہ اسی واقعہ کے متعلق ابن حبان کے حوالہ سے اپنی دوسری تصنیف اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ میں لکھتے ہیں کہ یہ سرتاپا موضوع ہے۔

مُحدِّث صابونی نے معجزہ کی ایک روایت لکھ کر پھر خود ہی اس پر جرح کی ہے کہ اس کی سند اور متن دونوں غریب ہیں، بایں ہمہ وہ اس کے متعلق آخری رائے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ۔

ھو فی المعجزات حسن۔[۱] ''معجزات میں وہ حسن (اچھی) ہے۔''

اس پر علامہ زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں۔

لان عادۃ المحدثین التساھل فی غیر الاحکام و العقائد. (ج ۱ ص ۱۷۲) ''یہ اس لیے کہ مُحدِّثین کی عادت ہے کہ عقائد اور احکام کے علاوہ دیگر روایتوں میں وہ نرمی برتتے ہیں۔''

لیکن کیا یہ اصول صحیح ہے؟ اور مَنْ کَذِبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا کی تہدید سے خالی ہے؟ معجزات ہوں یا فضائل! ضرور ہے کہ آپؐ کی طرف جس چیز کی نسبت بھی کی جائے وہ شک وشبہ سے پاک ہو، جیسا کہ امام نووی، حافظ عسقلانی ابن جماعۃ، طیبی، بلقینی اور علامہ عراقی نے اپنی اپنی تصنیفات میں اس کی تصریح کی ہے۔[۲]

معجزات کے متعلق غلط اور موضوع روایتوں کے پیدا ہونے کے اسباب:

(۱) ان روایتوں کے پیدا ہونے کا بڑا سبب یہ ہے کہ مقبولیّت عام کی بناء پر یہ کام واعظوں اور میلاد خانوں کے حصّہ میں آیا، چونکہ یہ فرقہ علم سے عموماً محروم ہوتا ہے اور صحیح روایات تک اس کی دسترس نہیں ہوتی اور ادھر گرمی محفل اور شورِ احسنت کے لیے اس کو دلچسپ اور عوام فریب باتوں کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی، اس لیے لامحالہ ان کو اپنی قوت اختراع پر زور دینا پڑا، ان میں جو کسی قدر محتاط تھے انہوں نے ان کو لطائف صوفیانہ اور مضامین شاعرانہ میں ادا کیا، سننے والوں نے ان کو روایت کی حیثیت دے دی یا بعد کو ان ہی بیانات نے روایت کی حیثیت اختیار کر لی اور جونڈر اور بے احتیاط تھے انہوں نے یہ پردہ بھی نہیں رکھا بلکہ ایک سند جوڑ کر انہوں نے براہ راست اس کو حدیث وخبر کا مرتبہ دے دیا، حافظ سیوطی علامہ ابن جوزی کی کتاب الموضوعات کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

احد ھما القصاص و معظم البلا منھم یجری لانھم یریدون احادیث یتفق و ترقق و الصحاح یقل فیه ھذا ثم ان الحفظ یشق علیھم و تیفق عدم الدین و ''جھوٹی حدیثیں بنانے والوں میں ایک واعظوں کا گروہ ہے اور سب سے بڑی مصیبت ان ہی سے پیش آتی ہے کیونکہ وہ ایسی حدیثیں چاہتے ہیں جو مقبول عام اور مؤثر ہو سکیں اور صحیح حدیثوں میں یہ بات نہیں اس کے علاوہ صحیح حدیثوں کا یاد

(۱) زرقانی ج ۱ ص و خصائص سیوطی ج ۱ ص ۵۳۔

(۲) دیکھو موضوعات ملا علی قاری ص ۹ مطبوعہ مجتبائی دہلی۔

Marfat.com

هم یحضرهم جهال. (آخر کتاب اللالی المصنوعہ ص ۲۴۹) | رکھنا ان کو مشکل ہے اس کے ساتھ ان میں دین داری نہیں ہوتی اور ان کی محفلوں میں جاہلوں ہی کا مجمع ہوتا ہے۔"

چنانچہ فضائل و مناقب عذاب و ثواب بہشت و دوزخ وقائع میلاد اور معجزات و دلائل کا جو جعلی دفتر پیدا ہو گیا ہے وہ زیادہ تر ان ہی جاہلوں کا ترتیب دیا ہوا ہے۔

علامہ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ تاویل مختلف الحدیث میں جواب مصر میں چھپ گئی ہے کہتے ہیں کہ احادیث و روایات میں فساد تین راستوں سے آیا منجملہ ان کے ایک راستہ واعظین ہیں۔

و القصاص "فانهم یمیلون وجوه العوام الیهم و یستدرون ما عندهم بالمنا کیر و الغرائب و الا کا ذیب من الا حادیث و من شان العوام القعود عند القاص ما کان حدیثه عجیبا خارجاً عن فطر العقول او کان رقیقا یحزن القلوب و یستفرز العیون. (ص ۳۵۶)

"اور واعظین کیونکہ وہ عوام کا رخ اپنی طرف پھیرنا چاہتے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس کو لغو، منکر اور عجیب و غریب باتیں بیان کر کے وہ وصول کرتے ہیں اور عوام کی حالت یہ ہے کہ وہ اسی وقت تک ان واعظین کے پاس بیٹھتے ہیں جب تک وہ خارج از عقل باتیں یا ایسی مؤثر باتیں بیان کیا کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں اثر پیدا کریں اور ان کو رلائیں۔"

آپؐ کی برتری اور جامعیت کا تخیّل:

(۲) ان روایات کے پیدا ہونے کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ مسلمانوں کے نزدیک آنحضرت ﷺ افضل الانبیاء ہیں، آپؐ کامل ترین شریعت لے کر مبعوث ہوئے ہیں، آپؐ تمام محاسن کے جامع ہیں، یہ اعتقاد بالکل صحیح ہے، لیکن اس کو لوگوں نے غلط طور پر وسعت دے دی ہے اور انبیائے سابقین کے تمام معجزات کو آنحضرت ﷺ کی ذات میں جمع کر دیا اور وہ اس اعتقاد کی بدولت تمام مسلمانوں میں پھیل گئے، بیہقی اور ابونعیم نے دلائل میں اور سیوطی نے خصائص میں اعلانیہ دوسرے انبیاء کے معجزات کے مقابل میں ان ہی کے مثل آپؐ کے معجزات بھی ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے ہیں اور ثابت کرنا چاہا ہے کہ جس طرح آپؐ کی تعلیم تمام انبیاء کی تعلیمات کا اثر خلاصہ اور مجموعہ ہے، اسی طرح آپؐ کے معجزات بھی تمام دیگر انبیاء کے معجزات کا مجموعہ ہے اور جو کچھ عام انبیاء سے متفرق طور پر صادر ہوا وہ تمام کا تمام مجموعاً آپؐ سے صادر ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس مماثلت اور مقابلے کے لیے تمام تر صحیح روایتیں دستیاب نہیں ہو سکتیں اس لیے لوگوں نے ان ہی ضعیف اور موضوع روایتوں کے دامن میں پناہ لی، کہیں شاعرانہ تخیّل کی بلند پروازی اور نکتہ آفرینی سے کام لیا، مثلاً حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے تمام اسماء کی تعلیم کی، دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بھی تمام اسماء کی تعلیم دی، حضرت ادریسؑ کے متعلق قرآن میں ہے کہ خدا نے ان کو بلند جگہ میں اٹھایا، لیکن رسول اللہ ﷺ کی بلندی اس سے بھی آگے قاب قوسین تک ہوئی، حضرت نوحؑ کی طوفان کی دعا اگر قبول ہوئی تو آپؐ کی قحط کی دعا قبول ہوئی، حضرت صالحؑ کے لیے اونٹنی معجزہ تھی تو آنحضرت ﷺ سے اونٹ نے باتیں کیں، حضرت ابراہیمؑ آگ میں نہ جلے، آپؐ سے بھی آتشیں معجزے صادر ہوئے حضرت اسماعیلؑ کے گلے پر اگر

Marfat.com

چھری رکھی گئی تو آپؐ کا سینہ بھی چاک کیا گیا' حضرت یعقوبؑ سے بھیڑیے نے گفتگو کی' روایت کی گئی ہے کہ آپؐ سے بھی بھیڑیا ہم کلام ہوا' ابونعیم میں حکایت ہے کہ حضرت یوسفؑ کو حسن کا آدھا حصہ عطا کیا گیا لیکن آنحضرت ﷺ کو پورا حصہ دیا گیا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے پتھر سے نہریں جاری ہوئیں تو آپؐ کی انگلیوں سے پانی بہا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی معجزہ دکھاتی تھی تو آپؐ کے فراق میں چھوہارے کا درخت بھی رویا اور چھوہارے کی خشک ٹہنی تلوار بن گئی' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے بحر احمر شق ہوا تو آپؐ کے لیے معراج میں آسمان و زمین کے درمیان کا دریائے فضا بیچ سے پھٹ گیا۔ یوشعؑ کے لیے آفتاب ٹھہر گیا تو آپؐ کے اشارے سے آفتاب ڈوب کر نکلا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارہ میں کلام کیا تھا' یہ روایت وضع کی گئی کہ آپؐ نے بھی گہوارے میں کلام کیا اور آپؐ کی زبان سے پہلے تکبیر و تسبیح کی صدا بلند ہوئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا معجزہ مُردوں کو زندہ کرنا ہے اور صرف اُن ہی کے ساتھ مخصوص ہے لیکن آنحضرت ﷺ کی طرف بھی یہ معجزہ منسوب کیا گیا' ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی' اس نے کہا جب تک آپؐ میری لڑکی کو زندہ نہ کر دیں گے میں ایمان نہ لاؤں گا' چنانچہ آپؐ نے اس کی قبر پر جا کر آواز دی اور وہ زندہ نکل کر باہر آئی اور پھر چلی گئی' اسی طرح یہ روایت بھی گھڑی گئی ہے کہ آپؐ کی والدہ بھی آپ کی دعا سے زندہ ہوئیں اور آپؐ پر ایمان لائیں۔

(۳) قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاء کے گزشتہ صحیفوں میں آنحضرت ﷺ کے ظہور کی پیشین گوئیاں ہیں اور ان کے مطابق یہود و نصاریٰ کو ایک آنے والے پیغمبر کا انتظار تھا' اس واقعہ کو دروغ گو راویوں نے یہاں تک وسعت دی کہ یہودیوں کو دن' تاریخ' سال' وقت اور مقام سب کچھ معلوم تھا چنانچہ ولادت نبوی سے قبل علمائے یہود ان سب کا پتہ بتایا کرتے تھے اور عیسائی راہبوں کو تو ایک ایک خط و خال معلوم تھا بلکہ پرانے گھرانوں اور ویرانوں اور کنیسوں میں ایسی مخفی کتابیں موجود تھیں' جن میں آپؐ کا تمام حلیہ رکھا تھا اور اگلے لوگ ان کو بہت بہت چھپا کر رکھتے تھے بلکہ بعض دیروں میں تو آپؐ کی تصویر تک موجود تھی' توراۃ و انجیل میں آنحضرت ﷺ کے متعلق بعض پیشین گوئیاں حقیقت میں موجود تھیں اور وہ آج بھی ہیں لیکن وہ استعارات و کنایات اور مجمل عبارتوں میں ہیں' ان کو ضعیف و موضوع روایتوں میں صاف صاف آپؐ کے نام و مقام کی تخصیص و تعیین کے ساتھ پھیلایا گیا۔

عرب میں بت خانوں کے مجاور اور کاہن تھے جو فال کھولتے تھے اور پیشین گوئیاں کرتے تھے' ان کا ذریعہ علم جنات اور شیاطین تھے' چنانچہ جب آپؐ کے قُرب ولادت کا زمانہ آیا تو عموماً بت خانوں سے اور بتوں کے پیٹ سے آوازیں سنائی دیتی تھیں' کاہن مقفیٰ اور مسجع فقروں میں اور جنات شعروں میں یہ خبر سنایا کرتے تھے کہ محمد ﷺ کی پیدائش کا زمانہ قریب آ گیا' یمن کے ایک بادشاہ کی طرف آپؐ کی منقبت میں پورا ایک قصیدہ منسوب کیا گیا' ملوک یمن' شاہان فارس اور قریش کے اکابر نے آپؐ کو خواب میں دیکھا' پتھروں پر اسم مبارک لوگوں کو منقوش نظر آتا تھا۔ قریش کا مورث اعلیٰ کعب بن لوئی ہر جمعہ کو اپنے قبیلہ کے لوگوں کو یکجا کر کے ان کے سامنے خطبہ دیتا تھا جس میں مسجع فقروں اور شعروں میں آپؐ کے ظہور کی خوش خبری ہوتی تھی۔ مکہ کے لوگ احبار اور راہبوں کی زبان سے محمدؐ آپؐ کا

Marfat.com

نام سن کر اپنے بچوں کا یہی نام رکھتے تھے کہ شاید یہی پیغمبر ہو جائے' مدینہ کے لوگوں کو ان ہی یہودیوں کی زبانی یہ معلوم ہو چکا تھا کہ شہر یثرب آپ کا دارالہجرت ہوگا اسی لیے وہ آپ کے ورود کے منتظر تھے' سطیح کاہن کا آپ کی پیشین گوئی میں ایک طویل افسانہ ہے لیکن اس دفتر کا بڑا حصہ موضوع اور جعلی ہے اور باقی نہایت ضعیف اور کمزور ہے اور ان میں جو ایک آدھ صحیح ہے وہ پہلے گزر چکا ہے۔

شاعرانہ تخیل کو واقعہ سمجھ لینا:

(۴) آنحضرت ﷺ کی پیدائش عالم کی رحمت کا باعث تھی' اس لیے کائنات کا فخر و ناز اس پر بجا ہو سکتا ہے' اگلے واعظوں اور میلاد خانوں نے اس واقعہ کو شاعرانہ انداز میں اس طرح ادا کیا کہ آمنہ کا کاشانہ نور سے معمور ہو گیا' جانور خوشی سے بولنے لگے' پرندے تہنیت کے گیت گانے لگے' مغرب کے چرندوں اور پرندوں نے مشرق کے چرندوں اور پرندوں کو مبارک باد دی' مکہ کے سوکھے درختوں میں بہار آ گئی' ستارے زمین پر جھک گئے' آسمانوں کے دروازے کھل گئے' فرشتوں نے ترانہ مسرت بلند کیا' انبیاء نے روئے روشن کی زیارت کی' فرشتوں نے بچہ کو آسمان و زمین کی سیر کرائی' شیطانوں کی فوج پابہ زنجیر کی گئی' پہاڑ غرور سے اونچے ہو گئے' دریا کی موجیں خوشی سے اچھلنے لگیں' درختوں نے سبزی کے نئے جوڑے پہنے' بہشت و جنت کے ایوان نئے سرو سامان سے سجائے گئے وغیرہ' بعد کے واعظوں اور میلاد خوانوں نے اس شاعرانہ انداز بیان کو واقعہ سمجھ لیا اور روایت تیار ہو گئی۔

آئندہ واقعات کو اشارات میں ولادت کے موقع پر بیان کرنا:

(۵) آنحضرت ﷺ کے عہد رسالت میں یا بعد کو جو واقعات ظہور پذیر ہوئے ان کا وقوع آنحضرت ﷺ کی ولادت کے زمانہ میں تسلیم کر لیا گیا ہے اور ان کو بحیثیت معجزہ کے آئندہ واقعات کا پیش خیمہ بنا لیا گیا ہے' مثلاً آپ کے زمانہ میں بت پرستی کا استیصال ہو گیا' کسریٰ و قیصر کی سلطنتیں فنا ہو گئیں' ایران کی آتش پرستی کا خاتمہ ہو گیا' شام کا ملک فتح ہوا' ان واقعات کو معجزہ اس طرح بنایا گیا کہ جب آپ کی ولادت ہوئی تو کعبہ کے تمام بت سرنگوں ہو گئے قصر کسریٰ کے کنگرے ہل گئے' آتش کدہ فارس بجھ کر رہ گیا' نہر ساوہ خشک ہو گئی' ایک نور چمکا جس سے شام کے محل نظر آنے لگے۔

(۶) بعض واقعات ایسے ہیں جن کو کسی حیثیت سے معجزہ نہیں کہا جا سکتا لیکن تکثیر معجزات کے شوق میں ذرا بھی کسی بات میں عجوبہ پن ان کو نظر آیا تو اس کو مستقل معجزہ بنا لیا۔ مثلاً حضرت عائشہؓ سے ایک روایت ہے اور وہ مسند امام احمد بن حنبل میں بھی مذکور ہے کہ آپ کے گھر میں کوئی پالتو جانور تھا' جب آپ اندر تشریف لاتے تو وہ نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ ایک جگہ بیٹھا رہتا تھا' جب آپ باہر چلے جاتے تو وہ ادھر ادھر دوڑنے لگتا تھا' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حیوانات کو بھی آپ کی جلالت قدر اور حفظ مراتب کا پاس تھا اور آپ کی عظمت و شان سے واقف تھے لیکن درحقیقت یہ کوئی معجزہ نہیں بلکہ عام لوگوں سے بھی بعض جانور اسی طرح ہل مل جاتے ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت جابرؓ سخت بیمار تھے آنحضرت ﷺ ان کی عیادت کو گئے تو وہ بے ہوش

Marfat.com

تھے' آنحضرت ﷺ نے وضو کر کے ان کے منہ پر پانی چھڑکا تو ان کو ہوش آ گیا' یہ ایک معمولی واقعہ ہے مگر کتب دلائل کے مصنفین نے اس کو بھی معجزہ قرار دے دیا ہے۔[1]

اسی طرح یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ مختون پیدا ہوئے تھے' یہ روایت متعدد طریقوں سے مروی ہے' مگر ان میں سے کوئی بھی ضعف سے خالی نہیں ہے' حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ آپ کا مختون پیدا ہونا متواتر روایتوں سے ثابت ہے اس پر علامہ ذہبی نے تنقید کی ہے کہ تواتر تو کجا صحیح طریقہ سے ثابت بھی نہیں (مستدرک ۲ باب اخبار النبی) اور بقول علامہ ابن قیم (زادالمعاد) اگر یہ ثابت بھی ہو تو یہ آنحضرت ﷺ کی کوئی فضیلت نہیں ہے کیونکہ ایسے بچے اکثر پیدا ہوئے ہیں۔

روایات صحیحہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تھے یا سجدہ میں جاتے تھے تو آپ کی بغل کی سپیدی نظر آتی تھی' یہ ایک معمولی بات ہے مگر محب طبری' قرطبی اور سیوطی وغیرہ نے اس کو بھی معجزہ اور آپ کا خاصہ قرار دے دیا ہے۔

معجزات کی تعداد بڑھانے کے شوق میں کتب دلائل کے مُصنفین نے یہ بھی کیا ہے کہ ایک ہی واقعہ کی روایت میں اگر مختلف سلسلہ سند کے راویوں میں باہم موقع' مقام یا کسی اور بات میں ذرا سا بھی اختلاف نظر آیا تو اس کو چند واقعات قرار دے دیا' مثلاً ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک اونٹ جو دیوانہ ہو گیا تھا یا بگڑ گیا تھا آنحضرت ﷺ جب اس کے پاس گئے تو اس نے مطیعانہ سر ڈال دیا' صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ! جب جانور آپ کے سامنے سر جھکاتے ہیں تو ہم کو انسان ہو کر ضرور آپ کے سامنے سربسجود ہونا چاہیے' آپ نے فرمایا' اگر میں کسی انسان کو سجدہ کرنا روا رکھتا تو بیوی کو کہتا کہ شوہر کو سجدہ کرے۔ یہ ایک ہی واقعہ ہے جو ذرا ذرا سے اختلاف بیان کی بناء پر چودہ پندرہ واقعات بن گئے ہیں۔

الفاظ کے نقل میں بے احتیاطی:

(۷) ان کتابوں میں بعض معجزات ایسے مذکور ہیں جن کی اصل صحاح میں مذکور ہے اور اس طرح مذکور ہے کہ وہ کوئی معجزہ نہیں بلکہ معمولی واقعہ ہے لیکن نیچے درجے کی روایتوں میں بے احتیاط راویوں نے الفاظ کے ذرا الٹ پھیر سے اس کو معجزہ قرار دے دیا صحاح کی متعدد روایتوں میں ہے کہ شانہ مبارک پر ابھرا ہوا گوشت تھا جس کو ''خاتم نبوت'' کہتے تھے اور آپ کی انگشت مبارک میں جو نقرئی خاتم (چاندی کی انگوٹھی) تھی' اس پر ''محمد رسول اللہ'' منقوش تھا' بے احتیاط راویوں نے ان دونوں واقعوں کو ملا دیا اور اس طرح واقعہ کی صورت حاکم کی تاریخ نیشاپور' ابن عساکر کی تاریخ دمشق اور ابونعیم کی دلائل میں جا کر یوں ہو جاتی ہے کہ پشت مبارک کے گوشت کی خاتم نبوت پر کلمہ وغیرہ کی عبارتیں لکھی تھیں۔

مشہور عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت:

دلائل و معجزات کے باب میں موضوع' منکر' ضعیف' غرض ہر قسم کی قابل اعتراض روایات کا اتنا بڑا انبار ہے کہ

(۱) خصائص کبریٰ سیوطی جلد دوم ص ۷۱ حیدر آباد دکن۔

Marfat.com

اگر ایک ایک کر کے اس کی جانچ پڑتال کی جائے تو ایک مستقل ضخیم جلد تیار ہو جائے لیکن یہاں اس کا موقع نہیں' اس لیے ہم صرف ان روایتوں کی تنقید پر قناعت کرتے ہیں جو عام طور سے ہمارے ملک میں مشہور ہیں اور میلاد کی محفلوں میں ان کو بصد شوق و ذوق پڑھا اور سنا جاتا ہے۔

(ا) اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ روایت آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح وقلم' عرش و کرسی' جن وانس غرض سب سے پہلے نور محمدی کو پیدا کیا اور پھر لوح وقلم' عرش و کرسی' آسمان و زمین' ارواح ملائکہ سب چیزیں اسی نور سے پیدا ہوئیں۔ اس کے متعلق اول ما خلق اللہ نوری۔ یعنی ''سب سے پہلے خدا نے میرا نور پیدا کیا'' کی روایت عام طور سے زبانوں پر جاری ہے مگر اس روایت کا پتہ احادیث کے دفتر میں مجھے نہیں ملا' البتہ ایک روایت مصنف عبدالرزاق میں ہے یا جابر اول ما خلق اللہ نور نبیک من نورہ. اے جابر سب سے پہلے خدا نے تیرے پیغمبر کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔ اس کے بعد ذکر ہے کہ اس نور کے چار حصے ہوئے اور انہیں سے لوح وقلم' عرش و کرسی' آسمان و زمین اور جن وانس کی پیدائش ہوئی۔ (۱)

زرقانی وغیرہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے مگر افسوس ہے کہ اس کی سند نہیں لکھی' ہندوستان میں مصنف عبدالرزاق کی گو دوسری جلد ملتی ہے مگر پہلی نہیں ملتی' دوسری جلد دیکھ لی گئی اس میں یہ حدیث مذکور نہیں اس لیے اس روایت کی تنقید نہ ہو سکی' اور چونکہ کتاب مذکور میں صحیح حدیثوں کے ساتھ ساتھ موضوع حدیثیں تک موجود ہیں اور فضائل و مناقب میں اس کی روایتوں کا اعتبار کم کیا جاتا ہے' اس لیے اصولی حیثیت سے اس روایت کے تسلیم کرنے میں مجھے پس و پیش ہے' اس تردد کو قوت اس سے اور بھی زیادہ ہوتی ہے کہ صحیح احادیث میں مخلوقات الٰہی میں سب سے پہلے ''قلم تقدیر'' کی پیدائش کا تصریحی بیان ہے کہ اول ما خلق اللہ القلم۔ (۲)

(۲) روایتوں میں ہے کہ یہ نور پہلے ہزاروں برس سجدہ میں پڑا رہا' پھر حضرت آدمؑ کے تیرہ و تار جسم کا چراغ بنا' پھر آدمؑ نے مرتے وقت شیثؑ کو اپنا وصی بنا کر یہ نور ان کے سپرد کیا' اسی طرح یہ درجہ بدرجہ ایک سے دوسرے پیغمبر کو سپرد ہوتا رہا اور حضرت عبداللہ کو سپرد ہوا اور حضرت عبداللہ سے حضرت آمنہ کو منتقل ہوا' نور کا سجدہ میں پڑے رہنا اور اس کا موجود ہونا بالکل موضوع ہے اور نور کا ایک دوسرے وصی کو درجہ بدرجہ منتقل ہوتا رہنا بے سروپا ہے' طبقات ابن سعد اور طبرانی اور ابونعیم اور بزار میں اس آیت پاک

﴿الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ وَ تَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ﴾ (شعراء) ''وہ خدا جو تجھ کو دیکھتا ہے جب تو (تہجد کی نماز میں) کھڑا ہوتا ہے اور سجدہ کرنے والوں میں تیرے الٹ پھیر کو بھی دیکھتا ہے۔''

(۱) بعض ارباب سیر نے اس بنا پر کہ فضائل میں ہر قسم کی روایات قبول کر لی جاتی ہیں اور خصوصاً وہ جن کی تائید ان کے خیال میں دوسرے طریقوں سے ہوتی ہے' اس روایت کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے زرقانی علی المواہب ج ا ص ۴۳ مگر جو علماء ہر قسم کی روایت میں صحت کے پہلو کا خیال ضروری سمجھتے ہیں ان کو اس میں کلام ہے البتہ حضور انور ﷺ کا تمام انبیاء میں اول مخلوق ہونا ثابت ہے۔

(۲) جامع ترمذی کتاب القدر' ان علماء نے جنہوں نے اول ما خلق اللہ نوری کو قبول کر لیا ہے' نور محمدی اور قلم کی اولیت پیدائش پر تطبیق کی کوشش کی ہے۔

Marfat.com

کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا پیغمبروں کی پشت بہ پشت منتقل ہونا خدا دیکھ رہا تھا' لیکن اول تو پوری آیت کے الفاظ اور سیاق و سباق اس مطلب کا ساتھ نہیں دیتے اور دوسرے یہ روایت اعتبار کے قابل نہیں۔

(۳) روایت ہے کہ یہ نور جب (بلوغ کے وقت) عبدالمطلب کو سپرد ہوا تو وہ ایک دن خانہ کعبہ میں سوئے ہوئے تھے سو کر اٹھے تو دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں سرمہ اور بالوں میں تیل لگا ہے اور بدن پر جمال و رونق کا خلعت ہے' یہ دیکھ کر وہ ششدر رہ گئے' آخر کار ان کے باپ ان کو قریش کے ایک کاہن کے پاس لے گئے اس نے کہا کہ آسمانوں کے خدا نے اجازت دی ہے کہ اس لڑکے کا نکاح کر دیا جائے' اس نور کے اثر سے عبدالمطلب کے بدن سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور وہ نور ان کی پیشانی میں چمکتا تھا' قریش پر قحط وغیرہ کی جب کوئی مصیبت آتی تھی تو وہ اس نور کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے تو قبول ہوتی تھی۔

یہ روایت ابو سعد نیشاپوری المتوفی ۴۰۷ھ نے اپنی کتاب شرف المصطفیٰ میں ابوبکر بن ابی مریم کے واسطہ سے کعب احبار (نو مسلم یہودی) تابعی سے نقل کی ہے اول تو یہ سلسلہ ایک تابعی تک موقوف ہے اور آگے کی سند نہیں' علاوہ ازیں کعب احبار گو نو مسلم اسرائیلیوں میں سب سے بہتر سمجھے جاتے ہیں تاہم امام بخاری ان کے کِذب کا تجربہ بیان کرتے ہیں' اسلام میں اسرائیلیات اور عجیب و غریب حوادث کی روایات کے سرچشمہ یہی ہیں' بیچ کا راوی ابوبکر ابن ابی مریم باتفاق مُحدِّثین ضعیف ہے' ان کا دماغ ایک حادثہ کے باعث ٹھیک نہیں رہا تھا۔

(۴) ابونعیم' حاکم' بیہقی اور طبرانی میں ایک روایت ہے کہ عبدالمطلب یمن گئے تھے' وہاں ایک کاہن ان کے پاس آیا اور ان کی اجازت سے ان کے دونوں نتھنوں کو دیکھ کر بتایا کہ ایک ہاتھ میں نبوت اور دوسرے میں بادشاہی کی علامت ہے' تم بنو زہرہ کی کسی لڑکی سے جا کر شادی کرو۔ ان مصنفوں کا مشترک راوی عبدالعزیز بن عمران الزہری ہے' اس کی نسبت میزان میں ہے کہ امام بخاری نے کہا۔ اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ نسائی نے کہا متروک ہے۔ یحییٰ نے کہا۔ شعر و شاعری کا آدمی ہے' ثقہ نہ تھا۔ عبدالعزیز کے بعد کا راوی اس میں یعقوب بن زُہری ہے جس کی نسبت ابن معین کہتے ہیں کہ اگر ثقات سے روایت کرے تو خیر لکھو۔ ابو زرعہ نے کہا' وہ کچھ نہیں وہ واقدی کے برابر ہے' امام احمد نے کہا وہ کچھ نہیں اس کی حدیث لاشے کے برابر ہے' ساجی نے کہا وہ منکر الحدیث ہے' علاوہ ازیں اس روایت میں بعض اور مجہول بھی ہیں' حاکم نے مستدرک میں اس کو روایت کیا ہے لیکن امام ذہبی نے نقد مستدرک میں یعقوب اور عبدالعزیز دونوں کو ضعیف کہا ہے۔

(۵) روایت ہے کہ حضرت عبداللہ کی پیشانی میں جب یہ نور چمکا تو ایک عورت جو کاہنہ تھی' اس نے نور کو پہچانا اور چاہا کہ وہ خود عبداللہ سے ہم بستر ہو کر اس نور کی امین بن جائے مگر یہ سعادت اس کی قسمت میں نہ تھی' اس وقت عبداللہ نے عذر کیا اور گھر چلے گئے' وہاں یہ دولت آمنہ کو نصیب ہوئی' عبداللہ نے واپس آ کر اس کاہنہ سے اب خود درخواست کی تو اس نے رد کر دی کہ اب وہ نور تمہاری پیشانی سے منتقل ہو چکا۔

یہ روایت الفاظ اور جزئیات کے اختلاف کے ساتھ ابن سعد' خرائطی' ابن عساکر' بیہقی اور ابونعیم میں مذکور ہے'

Marfat.com

ابن سعد میں تین طریقوں سے اس کی روایت ہے' ایک طریقہ میں پہلا راوی واقدی ہے' دوسرے میں کلبی ہے' یہ دونوں مشہور دروغ گو ہیں' تیسرا طریقہ ابو یزید مدنی تابعی پر جا کر ختم ہو جاتا ہے' ابو یزید مدنی کی اگر چہ بعض ائمہ نے توثیق کی ہے مگر مدینہ کے شیخ الکل امام مالک فرماتے ہیں کہ میں اس کو نہیں جانتا۔ ابوزرعہ نے کہا مجھے معلوم نہیں' ابونعیم نے چار طریقوں سے اس کی روایت کی ہے لیکن کوئی ان میں قابل وثوق نہیں' ایک طریقہ میں نضر بن سلمہ اور احمد بن محمد بن عبدالعزیز بن عمروالزہری اور یہ تینوں نامعتبر ہیں' تیسرے سلسلہ میں مسلم بن خالد الزنجی ہیں جو ضعیف سمجھے جاتے ہیں اور متعدد مجاہیل ہیں' چوتھا طریقہ یزید بن شہاب الزہری پر ختم ہے اور وہ اپنے آگے کا سلسلہ نہیں بتاتے اور ان کا حال بھی نہیں معلوم' بیہقی کا سلسلہ وہی تیسرا ہے' خرائطی اور ابن عساکر کا یوں بھی اعتبار نہیں۔

(۶) حضرت عباسؓ سے روایت کی گئی ہے کہ عبد مناف اور قبیلہ مخزوم کی دوسو عورتیں گنی گئیں کہ جنہوں نے اس غم میں کہ عبداللہ سے ان کو یہ دولت حاصل نہ ہوئی وہ مر گئیں' لیکن انہوں نے شادی نہ کی (یعنی عمر بھر کنواری رہیں) اور قریش کی کوئی عورت نہ تھی جو اس غم میں بیمار نہ پڑ گئی ہو' یہی حکایت ہے جس کا غلط ترجمہ اردو مولفین میلاد نے یہ کیا ہے کہ اس رات دوسو عورتیں رشک وحسد سے مر گئیں' یہ روایت سند کے بغیر زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں بصیغہ روی یعنی بیان کیا گیا ہے' مذکور ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود مصنف کو بھی اس کی صحت میں کلام ہے' یہ درحقیقت بالکل بے سند اور بے اصل روایت ہے اور کسی معتبر کتاب میں اس کا پتہ نہیں۔

(۷) روایت ہے کہ اس رات کو کسریٰ کے محل میں زلزلہ پڑ گیا اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے اور ساوہ کی نہر واقع (فارس) اور بعض روایتوں میں طبریہ کی نہر (واقع شام) خشک ہو گئی اور فارس کا آتش کدہ جو ہزاروں برس سے روشن تھا' بجھ گیا اور کسریٰ نے ایک ہولناک خواب دیکھا جس کی تعبیر یمن کے ایک کاہن سطیح سے دریافت کی گئی' یہ قصہ بیہقی' خرائطی' ابن عساکر اور ابونعیم میں سند اور سلسلہ روایت کے ساتھ مذکور ہے' ان سب کا مرکزی راوی مخزوم ابن ہانی ہے جو اپنے باپ ہانی مخزومی (قریش) سے جس کی ڈیڑھ سو برس کی عمر تھی' بیان کرتا ہے' ہانی کے نام کا کوئی صحابی جو مخزومی قریشی ہو اور جو ڈیڑھ سو برس کی عمر رکھتا ہو معلوم نہیں' اصابہ وغیرہ میں اسی روایت کے سلسلہ میں ان کا نام مشکوک طریقہ سے آیا ہے' ان کے صاحبزادہ مخزوم بن ہانی سے محدثین میں بھی کوئی شناسا نہیں' نیچے کے راویوں کا بھی یہی حال ہے' یہاں تک کہ ابن عساکر جیسے ضعیف روایتوں کے سرپرست بھی اس روایت کو غریب کہنے کی جرأت کرتے ہیں اور ابن حجر جیسے کمزور روایتوں کے سہارا اور پشت پناہ بھی اس کو مرسل ماننے کو تیار ہیں' ابونعیم کی روایت میں محمد بن جعفر بن اعین مشہور وضاع ہے۔

(۸) روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی ماں شفا بنت اوس ولادت کے وقت زچہ خانہ میں موجود تھیں' وہ کہتی ہیں کہ جب آپ پیدا ہوئے تو پہلے غیب سے ایک آواز آئی' پھر مشرق ومغرب کی ساری زمین میرے سامنے روشن ہو گئی' یہاں تک کہ شام کے محل مجھ کو نظر آنے لگے میں نے آپ کو کپڑا پہنا کر لٹایا ہی تھا کہ اندھیرا چھا گیا اور میں ڈر کر کانپنے لگی' پھر داہنی طرف سے کچھ روشنی نکلی تو آواز سنی کہ ''کہاں لے گئے تھے؟'' جواب ملا کہ ''مغرب کی سمت'' ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ پھر وہی کیفیت پیدا ہوئی میں ڈر کر کانپی اور

Marfat.com

آواز آئی کہ کہاں لے گئے تھے؟ جواب ملا کہ مشرق کی سمت۔ یہ حکایت ابونعیم میں ہے اس کے بیچ کا راوی احمد بن محمد بن عبدالعزیز زہری نامعتبر ہے اور اس کے دوسرے رواۃ مجہول الحال ہیں۔

(۹) روایت ہے کہ حضرت آمنہ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے' اے آمنہ تیرا بچہ تمام جہان کا سردار ہوگا' جب پیدا ہو تو اس کے نام احمد اور محمد رکھنا اور یہ تعویذ اس کے گلے میں ڈالنا۔ جب وہ بیدار ہوئیں تو سونے کے پتر پر یہ اشعار لکھے ملے (اس کے بعد اشعار ہیں) یہ قصہ ابونعیم میں ہے جس کا راوی ابوغزیہ محمد بن موسیٰ انصاری ہے جس کی روایتوں کو امام بخاری منکر کہتے ہیں' ابن حبان کا بیان ہے کہ دوسروں کی حدیثیں چرایا کرتا تھا اور ثقات سے موضوع روایتیں بنا کر بیان کیا کرتا تھا۔ متاخرین میں حافظ عراقی نے اس روایت کو بےاصل اور شامی نے بہت ہی ضعیف کہا ہے' ابن اسحاق نے بھی اس کو بے سند روایت کہا ہے' ابن سعد میں یہ روایت واقدی کے حوالہ سے ہے جس کی دروغ گوئی محتاج بیان نہیں۔

(۱۰) روایت:۔ عثمانؓ بن ابی العاص صحابی کی ماں ولادت کے وقت موجود تھیں' وہ کہتی ہیں کہ جب آمنہ کو دردزہ ہوا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام ستارے زمین پر جھکے آتے ہیں' یہاں تک کہ میں ڈری کہ کہیں زمین پر نہ گر پڑیں اور جب پیدا ہوئے تو جدھر نظر جاتی تھی تمام گھر روشنی سے معمور تھا' یہ قصہ ابونعیم' طبرانی اور بیہقی میں مذکور ہے' اس کے رواۃ میں یعقوب بن محمد زہری پایہ اعتبار سے ساقط ہے اور عبدالعزیز بن عمر بن عبدالرحمٰن بن عوف ایک محض داستان گو اور جھوٹا تھا۔

(۱۱) روایت:۔ حضرت آمنہ کہتی ہیں کہ مجھے ایام حمل میں حمل کی کوئی علامت معلوم نہ ہوئی اور عورتوں کو ان ایام میں جو گرانی اور تکلیف محسوس ہوتی ہے وہ بھی نہ ہوئی' بجز اس کے کہ معمول میں فرق آ گیا تھا' قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اس قصہ کو ابن اسحاق اور ابونعیم کے حوالہ سے بیان کیا ہے' لیکن ابن اسحاق کا جو نسخہ ابن ہشام کے نام سے مشہور اور چھپا ہوا ہے اور نیز دلائل ابونعیم کے مطبوعہ نسخہ میں تو اس قسم کا کوئی واقعہ مذکور نہیں' قسطلانی کی پیروی میں دوسرے بے احتیاط متاخرین مثلاً صاحب سیرت حلبیہ اور مصنف خمیس نے بھی ابن اسحاق اور ابونعیم ہی کی طرف اس روایت کی نسبت کی ہے' لیکن ابن سیدالناس نے عیون الاثر میں بجا طور سے اس روایت کے لیے واقدی کا حوالہ دیا ہے' دراصل یہ قصہ ابن سعد نے نقل کیا ہے اور اس کی روایت کے دو سلسلے لکھے ہیں' مگر ان میں سے ہر ایک کا سر سلسلہ واقدی ہے اور اس کی نسبت محدثین کی رائے پوشیدہ نہیں علاوہ ازیں ان میں سے کوئی سلسلہ بھی مرفوع نہیں' پہلا سلسلہ عبداللہ بن وہب پر ختم ہوتا ہے جو اپنی پھوپھی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ ہم یہ سنا کرتے تھے ۔۔۔۔ دوسرے سلسلہ کو واقدی زہری پر جا کر ختم کر دیتا ہے۔

(۱۲) ایک روایت اس کے بالکل برخلاف ابن سعد میں یہ ہے کہ غالباً آنحضرت ﷺ کی جلالت وعظمت کے باعث حضرت آمنہ کو سخت گرانی اور بار محسوس ہوتا تھا' وہ کہا کرتی تھیں کہ میرے پیٹ میں کئی بچے رہے' مگر اس بچہ سے زیادہ بھاری اور گراں مجھے کوئی نہیں معلوم ہوا' اول تو یہ روایت معروف اور مسلم واقعہ کے خلاف ہے' حضرت آمنہ کے ایک کے سوا نہ کوئی اور بچہ ہوا اور نہ حمل رہا' دوسرے یہ کہ اس روایت کا سلسلہ ناتمام ہے' اسی معنی کی ایک اور روایت

Marfat.com

شدادؓ بن اوس صحابی کی زبانی منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں اپنے والدین کا پہلوٹا ہوں' جب شکم میں تھا تو میری ماں عام عورتوں سے بہت زیادہ گرانی محسوس کرتی تھیں (کنزالعمال کتاب الفضائل) معافی بن زکریا القاضی نے اس روایت میں اتنی ہی جرح کی ہے کہ یہ منقطع ہے یعنی شداد بن اوس اور ان کے بعد کے راوی مکحول میں ملاقات نہیں' اس لیے بیچ میں ایک راوی کم ہے حالانکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس کا پہلا راوی عمر بن صبیح کذاب' وضاع اور متروک تھا۔

(۱۳) روایت:۔ جب ولادت کا وقت آیا' خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آسمانوں اور بہشتوں کے دروازے کھول دو' فرشتے باہم بشارت دیتے پھرتے تھے' سورج نے نور کا نیا جوڑا پہنا' اس دنیا کی تمام عورتوں کو یہ رعایت ملی کہ سب فرزند نرینہ جنیں' درختوں میں پھل آ گئے' آسمان میں زبرجد و یاقوت کے ستون کھڑے کیے گئے' نہر کوثر کے کنارے مشک خالص کے درخت اگائے گئے' مکہ کے بت اوندھے ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔

یہ حکایت مواہب لدنیہ اور خصائص کبریٰ میں ابونعیم کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے' لیکن ابونعیم کی دلائل النبوۃ کے مطبوعہ نسخے میں جہاں اس کا موقع ہو سکتا تھا وہاں یہ روایت مجھ کو نہیں ملی' ممکن ہے کہ ابونعیم نے اپنی کسی اور کتاب میں یہ روایت لکھی ہو یا یہ مطبوعہ نسخہ نامکمل ہو' بہر حال اس روایت کی بنا صرف اس قدر ہے کہ ابونعیم چوتھی صدی کے ایک راوی عمرو بن قتیبہ سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد قتیبہ جو بڑے فاضل تھے یہ بیان کرتے تھے' قسطلانی نے مواہب میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ وہ مطعون ہے' حافظ سیوطی نے خصائص میں اس کو منکر کہا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام تر بے سند اور موضوع ہے۔

(۱۴) روایت:۔ آنحضرت ﷺ کے حمل میں ہونے کی جو نشانیاں تھیں' ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس رات کو قریش کے سب جانور بولنے لگے اور کہنے لگے کہ کعبہ کے خدا کی قسم! آنحضرت ﷺ شکم مادر میں آ گئے' وہ دنیا جہان کی امان اور اہل دنیا کے چراغ ہیں' قریش اور دیگر قبائل کی کاہنہ عورتوں میں کوئی ایسی عورت نہ تھی کہ اس کا جن اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو گیا ہو اور ان سے کہانت کا علم چھین لیا گیا اور دنیا کے تمام بادشاہوں کے تخت اوندھے ہو گئے اور سلاطین اس دن گونگے ہو گئے' مشرق کے وحشی جانوروں نے مغرب کے وحشی جانوروں کو جا کر بشارت دی' اسی طرح ایک دریا نے دوسرے دریا کو خوش خبری سنائی اور پورے ایام حمل میں ہر ماہ آسمان و زمین سے یہ ندا آنے لگی کہ بشارت ہو کہ حضرت ابوالقاسم ﷺ کے زمین پر ظاہر ہونے کا زمانہ قریب آیا' حضرت کی والدہ فرماتی تھیں کہ جب میرے حمل کے چھ مہینے گزرے تو خواب میں کسی نے مجھ کو پاؤں سے ٹھوکر دے کر کہا کہ اے آمنہ! تمام جہان کا سردار تیرے پیٹ میں ہے' جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھنا اور اپنی حالت کو چھپائے رکھنا۔ کہتی ہیں کہ جب ولادت کا زمانہ قریب آیا تو عورتوں کو جو پیش آتا ہے وہ مجھ کو بھی پیش آیا اور کسی کو میری اس حالت کی خبر نہ تھی' میں گھر میں تنہا تھی' عبدالمطلب خانہ کعبہ کے طواف کو گئے تھے تو میں نے ایک زور کی آواز سنی جس سے میں ڈر گئی' میں نے دیکھا کہ ایک سپید مرغ ہے جو اپنے بازو کو میرے دل پر مل رہا ہے' اس سے میری تمام وحشت دور ہو گئی اور درد کی تکلیف بھی جاتی رہی' پھر ایک طرف دیکھا کہ سپید شربت ہے' پیاسی تھی دودھ سمجھ کر اس کو پی گئی' اس کے پینے سے ایک

Marfat.com

نور مجھ سے نکل کر بلند ہوا پھر میں نے دیکھا کہ چند عورتیں جن کے قد لمبے لمبے ہیں گویا عبدالمطلب کی بیٹیاں ہیں' وہ مجھے غور سے دیکھ رہی ہیں' میں تعجب کر رہی ہوں کہ ان کو کیسے میرا حال معلوم ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان عورتوں نے کہا' ہم فرعون کی بیوی آسیہ اور عمران کی بیٹی مریم اور یہ حوریں ہیں' میرا درد بڑھ گیا اور ہر گھڑی آواز اور زیادہ بلند تھی اور خوف ناک ہوتی جاتی تھی' اتنے میں ایک سپید دیبا کی چادر آسمان وزمین کے درمیان پھیلی نظر آئی اور آواز آئی کہ' اس کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپالو' میں نے دیکھا کہ چند مرد ہوا میں معلق ہیں' ان کے ہاتھوں میں چاندی کے آفتابے ہیں اور میرے بدن سے موتی کی طرح پسینہ کے قطرے ٹپک رہے تھے جس میں مشک خالص سے بہتر خوشبو تھی اور میں دل میں کہہ رہی تھی کہ کاش عبدالمطلب اس وقت پاس ہوتے' پھر میں نے پرندوں کا ایک غول دیکھا جو نہیں معلوم کدھر سے آئے تھے وہ میرے کمرے میں گھس آئے' ان کی منقاریں زمرد کی اور بازو یاقوت کے تھے' میری آنکھوں سے اس وقت پردے اٹھا دیئے گئے تو اس وقت مشرق و مغرب سب میری نگاہوں کے سامنے تھے' تین جھنڈے نظر آئے ایک مشرق میں ایک مغرب میں اور ایک خانہ کعبہ کی چھت پر' اب درد زیادہ بڑھ گیا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ مجھے کچھ عورتیں ٹیک لگائے بیٹھی ہیں اور اتنی عورتیں بھر گئیں کہ مجھے گھر کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی' اسی اثنا میں بچہ پیدا ہوا' میں نے پھر کر دیکھا تو وہ سجدہ میں پڑا تھا اور دو انگلیوں کو آسمان کی طرف دعا کی طرح اٹھائے تھا' پھر ایک سیاہ بادل نظر آیا جو آسمان سے اتر کر نیچے آیا اور بچہ پر چھا گیا اور بچہ میری نگاہ سے چھپ گیا' اتنے میں ایک منادی سنی کہ محمد (ﷺ) کو زمین کے پورب اور پچھم گھما دو اور سمندروں کے اندر لے جاؤ کہ سب اس کے نام نامی اور شکل وصورت کو پہچان لیں اور جان لیں کہ یہ مٹانے والے ہیں' یہ اپنے زمانہ میں شرک کا نام ونشان مٹا دیں گے' پھر تھوڑی ہی دیر میں بادل ہٹ گیا اور آپؐ دودھ سے زیادہ سفید کپڑے میں لپٹے نظر آئے جس کے نیچے سبز ریشم تھا' ہاتھوں میں سفید موتیوں کی تین کنجیاں تھیں۔ اور ایک آواز آئی کہ محمدؐ کو فتح ونصرت اور نبوت کی کنجیاں دی گئی ہیں۔

میں نے دل پر جبر کر کے یہ پوری حکایت نقل کی ہے' یہ اس لیے کہ میلاد کے عام جلسوں کی رونق ان ہی روایتوں سے ہے' یہ روایت ابونعیم میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے اور سند کا سلسلہ بھی ہر طرح درست ہے مگر اگر کسی کو اسماء الرجال سے آگاہی نہ بھی ہو اور وہ صرف ادب عربی کا صحیح ذوق رکھتا ہو تو وہ فقط روایت کے الفاظ اور عبارت کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر دے گا کہ یہ تیسری چوتھی صدی کی بنائی ہوئی ہے اس روایت میں یحییٰ بن عبداللہ البابلی اور ابوبکر بن ابی مریم ہیں' پہلا شخص بالکل ضعیف ہے اور دوسرا نا قابل حجت ہے اور ان کے آگے کے راوی سعید بن عمرو الانصاری اور ان کے باپ عمرو الانصاری کا کوئی پتہ نہیں۔

(۱۵) اسی قسم کی ایک اور روایت حضرت عباسؓ سے نقل کی جاتی ہے وہ کہتے ہیں کہ میرے چھوٹے بھائی عبداللہ جب پیدا ہوئے تو ان کے چہرے پر سورج کی سی روشنی تھی اور والد نے ایک دفعہ خواب دیکھا۔ بنومخزوم کی ایک کاہنہ نے یہ خواب سن کر پیشین گوئی کی کہ اس لڑکے کی پشت سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو تمام دنیا پر حکومت کرے گا' جب آمنہ کے شکم سے بچہ پیدا ہوا تو میں نے ان سے پوچھا کہ ولادت کے اثنا میں تم کو کیا کیا نظر آیا؟ انہوں نے کہا کہ جب مجھے درد ہونے لگا تو میں نے بڑے زور کی آواز سنی جو انسانوں کی آواز کی طرح نہ تھی اور سبز ریشم کا پھریرا

Marfat.com

یاقوت کے جھنڈے میں لگا ہوا آسمان وزمین کے بیچ میں گڑا نظر آیا اور میں نے دیکھا کہ بچہ کے سر سے روشنی کی کرنیں نکل نکل کر آسمان تک جاتی ہیں' شام کے تمام محل آگ کا شعلہ معلوم ہوتے تھے اور اپنے پاس مرغابیوں کا ایک جھنڈ دکھائی دیا جس نے بچہ کو سجدہ کیا' پھر اپنے پروں کو کھول دیا۔ اور سعیرہ اسد یہ دیکھا کہ وہ کہتی ہوئی گزری کہ تیرے اس بچہ نے بتوں اور کاہنوں کو بڑا صدمہ پہنچایا' ہائے سعیرہ ہلاک ہوگئی پھر ایک بلند و بالا' سپید رنگ جوان نظر آیا جس نے بچہ کو میرے ہاتھ سے لے لیا اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن لگایا' اس کے ہاتھ میں سونے کا طشت تھا بچہ کے پیٹ کو پھاڑا' پھر اس کے دل کو نکالا' اس میں سے ایک سیاہ داغ نکال کر پھینک دیا۔ پھر سبز حریر کی ایک تھیلی کھولی' اس میں سے ایک انگوٹھی نکال کر مونڈھے کے برابر مُہر کی اور اس کو ایک کرتہ پہنا دیا۔ اے عباس یہ میں نے دیکھا۔

اس روایت کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے کہ ناقلین نے اس کے ضعف کو خود تسلیم کیا ہے اور حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ اس روایت اور اس سے پہلے کی دو روایتوں (۱۳' ۱۴) میں سخت نکارت ہے اور میں نے اپنی اس کتاب (خصائص) میں ان تینوں سے زیادہ منکر کوئی روایت نقل نہیں کی اور میرا دل ان کے لکھنے کو نہیں چاہتا تھا لیکن میں نے محض ابونعیم کی تقلید میں لکھ دیا ہے' جن روایتوں کو حافظ سیوطی لکھنے کے قابل نہ سمجھیں' آپ ان کے ضعف کے درجہ کو سمجھ سکتے ہیں' سیوطی اس روایت کا ماخذ ابونعیم کو بتاتے ہیں مگر یہ روایت دلائل ابی نعیم کے مطبوعہ نسخے میں نہیں ملی' یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عباسؓ آنحضرت ﷺ سے ایک دو ہی سال بڑے تھے' جب آمنہ نے وفات پائی تو وہ سات آٹھ برس کے بچہ ہوں گے۔

(۱۶) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آمنہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کا قصہ بیان کر رہی تھیں کہ میں حیرت میں تھی کہ تین آدمی دکھائی دیئے جن کے چہرے سورج کی طرح چمک رہے تھے' ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ تھا جس سے مشک کی سی خوشبو آ رہی تھی' دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت تھا جس کے چار گوشے تھے اور ہر گوشہ میں سپید موتی رکھا تھا اور ایک آواز آئی اے حبیب اللہ! یہ پوری دنیا پورب پچھم' خشکی و تری سب مجسم ہو کر آئی ہے' اس کے جس گوشہ کو چاہیے مٹھی میں لے لیجئے۔ آمنہ کہتی ہیں کہ میں نے گھوم کر دیکھا کہ بچہ کہاں ہاتھ رکھتا ہے؟ میں نے دیکھا کہ اس نے بیچ میں ہاتھ رکھا تو کہنے والے کی آواز سنی کہ محمدؐ نے کعبہ کے خدا کی قسم! کعبہ پر قبضہ کر لیا' ہاں یہ کعبہ اس کا قبلہ اور مسکن بنے گا۔ تیسرے کے ہاتھ میں سپید حریر لپٹا تھا' اس نے اس کو کھولا تو اس میں ایک انگوٹھی نکلی جس کو دیکھ کر دیکھنے والوں کی آنکھیں حیرت کرتی تھیں' پھر وہ میرے پاس آیا تو طشت والے نے اس انگوٹھی کو لے کر اس آفتابہ سے سات بار اس کو دھویا اور بچہ کے مونڈھے پر مُہر کر دی' اور حریر میں اس کو لپیٹ کر مشک خالص کے تاگے سے اس کو باندھ دیا اور تھوڑی دیر تک اپنے بازوؤں میں لپٹائے رکھا' ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ رضوان جنت تھا۔ پھر بچہ کے کان میں کچھ کہا۔ جس کو آمنہ کہتی ہیں کہ میں سمجھ نہ سکی اور پھر اس نے کہا' اے محمدؐ! بشارت ہو کہ کسی نبی کو کوئی ایسا علم عطا نہیں کیا گیا جو تم کو نہیں بتا دیا گیا' تم سب پیغمبروں سے زیادہ شجاع بنائے گئے' تم کو فتح و نصرت کی کنجی دی گئی اور رعب و داب بخشا گیا جو تمہارا نام سنے گا اس نے تم کو کبھی دیکھا بھی نہ ہو تو وہ کانپ جائے گا کہ اے خدا کے خلیفہ!

اس روایت کا ماخذ یہ ہے کہ یحییٰ بن عائذ المتوفی ۳۶۷ھ نے اپنی کتاب میلاد میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ابن

Marfat.com

دحیہ محدِّث نے بڑی جرأت کر کے اس خبر کو "غریب" کہا ہے' لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کو غریب کہنا بھی اس کی توثیق ہے' یہ تمام تر بے اصل اور بے بنیاد ہے۔

(۱۷) روایت:۔ آمنہ کہتی ہیں کہ جب ولادت ہوئی تو ایک بہت بڑا ابر کا ٹکڑا نظر آیا جس میں سے گھوڑے کے ہنہنانے اور پروں کے پھڑپھڑانے اور لوگوں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں' وہ ابر کا ٹکڑا بچہ کے اُوپر آ کر چھا گیا اور بچہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا' البتہ منادی کی آواز سنائی دی کہ محمد کو ملکوں ملکوں پھراؤ اور سمندروں کی تہوں میں لے جاؤ کہ تمام دنیا ان کے نام ونشان کو پہچان لے اور جن وانس چرند وپرند ملائکہ بلکہ ہر ذی روح کے سامنے ان کو لے جاؤ' ان کو آدمؑ کا خلق' شیثؑ کی معرفت' نوحؑ کی شجاعت' ابراہیمؑ کی دوستی' اسماعیلؑ کی زبان' اسحاقؑ کی رضا' صالحؑ کی فصاحت' لوطؑ کی حکمت' موسیٰ علیہ السلام کی سختی' ایوبؑ کا صبر' یونسؑ کی طاعت' یوشعؑ کا جہاد' داؤدؑ کی آواز' دانیالؑ کی محبت' الیاسؑ کا وقار' یحییٰؑ کی پاک دامنی اور عیسیٰ علیہ السلام کا زُہد عطا کرو اور تمام پیغمبروں کے اخلاق میں ان کو غوطہ دو' آمنہ کہتی ہیں کہ پھر یہ منظر ہٹ گیا تو میں نے دیکھا کہ آپؐ سبز حریر میں لپٹے ہیں اور اس کے اندر سے پانی ٹپک رہا ہے' آواز آئی ہاں محمدؐ تم نے تمام دنیا پر قبضہ کر لیا اور کوئی مخلوق ایسی نہ رہی جو ان کے حلقہ اطاعت میں نہ آ گئی ہو' کہتی ہیں کہ پھر میں نے دیکھا تو نظر آیا کہ آپؐ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے اور مشک خالص کی سی خوشبو آپؐ سے نکل رہی ہے۔ دفعۃً تین آدمی نظر آئے' ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ ہے' دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت ہے اور تیسرے کے ہاتھ میں سپید ریشم ہے' اس نے سپید ریشم کو کھول کر اس میں سے انگوٹھی' جس کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں' نکالی۔ پہلے اس نے انگوٹھی کو سات دفعہ اس آفتابہ کے پانی سے دھویا' پھر مونڈھے پر مہر کر کے بچہ کو تھوڑی دیر کے لیے اپنے بازوؤں میں لپیٹ لیا اور پھر مجھے واپس کر دیا۔

اس حکایت کی بنیاد یہ ہے کہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں السعادۃ والبشریٰ نامی ایک میلاد کی کتاب سے اس کو نقل کیا ہے اور السعادۃ والبشریٰ کا مصنف کہتا ہے کہ اس نے خطیب سے اس کو لیا ہے روایات کے لحاظ سے خطیب کی تاریخ کا جو درجہ ہے وہ کس کو معلوم نہیں' قسطلانی نے اس روایت کو ابونعیم کی طرف بھی منسوب کیا ہے' مگر دلائل ابونعیم کے مطبوعہ نسخہ میں تو اس کا پتہ نہیں' غنیمت ہے کہ قسطلانی نے خود تصریح کر دی ہے کہ اس میں سخت نکارت ہے۔

(۱۸) روایت:۔ آمنہ کہتی ہیں کہ جب آپ پیدا ہوئے تو ایک روشنی چمکی جس سے تمام مشرق ومغرب روشن ہو گیا اور آپؐ دونوں ہاتھ ٹیک کر زمین پر گر پڑے' (شاید مقصود یہ کہنا ہے کہ آپؐ سجدہ میں گئے) پھر مٹھی سے مٹی اٹھائی (اہل میلاد اس سے یہ مطلب لیتے ہیں کہ آپؐ نے روئے زمین پر قبضہ کر لیا) اور آسمان کی طرف سر اٹھایا۔

یہ حکایت ابن سعد میں متعدد طریقوں سے مذکور ہے مگر ان میں سے کوئی قوی نہیں' اسی کے قریب قریب ابونعیم اور طبرانی میں روایتیں ہیں' ان کا بھی یہی حال ہے۔

(۱۹) روایت:۔ جس شب کو آپؐ پیدا ہوئے۔ قریش کے بڑے بڑے سردار جلسہ جمائے ہوئے تھے' ایک یہودی نے جو مکہ میں سوداگری کرتا تھا ان سے آ کر دریافت کیا کہ آج تمہارے یہاں کسی کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے؟ سب نے اپنی لاعلمی ظاہر کی' اس نے کہا اللہ اکبر! تم کو نہیں معلوم تو خیر' میں جو کہتا ہوں اس کو سن رکھو' آج شب کو اس

Marfat.com

پچھلی اُمت کا نبی پیدا ہو گیا' اس کے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں ایک نشانی ہے' اس میں گھوڑے کی ایال کی طرح کچھ اوپر تلے بال ہیں' وہ دو دن تک دودھ نہ پیئے گا' کیونکہ ایک جن نے اس کے منہ میں انگلی ڈال دی ہے جس سے وہ دودھ نہیں پی سکتا' جب جلسہ چھٹ گیا اور لوگ گھروں کو لوٹے تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مطلب کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے' لوگ اس یہودی کو آمنہ کے گھر لائے' اس نے بچہ کی پیٹھ پر تل دیکھا تو غش کھا کر گر پڑا' جب ہوش آیا' لوگوں نے سبب پوچھا' اس نے کہا' خدا کی قسم اسرائیل کے گھرانے سے نبوت رخصت ہوگئی' اے قریش! تم اس کی پیدائش سے خوش ہو' ہشیار! خدا کی قسم! ایک دن یہ تم پر ایسا حملہ کرے گا جس کی خبر چار دانگ عالم میں پھیلے گی۔

یہ روایت مستدرک حاکم میں ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے' مگر اہل علم جانتے ہیں کہ حاکم کا کسی روایت کو صحیح کہنا ہمیشہ تنقید کا محتاج رہتا ہے' چنانچہ حافظ ذہبی نے تلخیص مستدرک (جلد ۲ ص ۶۲۰) میں حاکم کی تردید کی ہے' اس کا سلسلہ روایت یہ ہے کہ یعقوب ابن سفیان فسوی ابوغسان محمد یحییٰ کنانی سے اور یہ اپنے باپ (یحییٰ بن علی کنانی) سے اور وہ محمد بن اسحاق (مصنف سیرت) سے روایت کرتے ہیں' سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ابن اسحاق نے خود اپنی سیرت سے یہ روایت نہیں لی ہے' ابوغسان محمد بن یحییٰ کو گو بعض مُحدِثین نے اچھا کہا ہے مگر محدث سلیمانی نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے (ایسی باتیں بیان کرنے والا جن کی تصدیق دیگر معتبر بیانات سے نہیں ہوتی) ابن حزم نے ان کو مجہول کہا ہے' بہر حال ان تک غنیمت ہے' مگر ان کے باپ یحییٰ بن علی کا کہیں کوئی ذکر نہیں کہ یہ کون تھے اور کب تھے؟ اسی قسم کی ایک اور روایت عیص راہب کے متعلق ابوجعفر بن ابی شیبہ سے ہے اور ابونعیم نے دلائل میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں اس کو ذکر کیا ہے' لیکن زرقانی نے لکھ دیا ہے کہ ابوجعفر بن ابی شیبہ نامعتبر ہے۔

(۲۰) روایت :۔ حضرت عباسؓ آنحضرت ﷺ سے ذکر کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! مجھ کو جس نشانی نے آپؐ کے مذہب میں داخل ہونے کا خیال دلایا وہ یہ ہے کہ جب آپؐ گہوارہ میں تھے تو میں نے دیکھا کہ آپؐ چاند سے اور چاند آپؐ سے باتیں کرتا تھا اور انگلی سے آپؐ اس کو جدھر اشارہ کرتے تھے ادھر جھک جاتا تھا' فرمایا۔ ہاں میں اس سے اور وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا اور رونے سے بہلاتا تھا اور عرش کے نیچے جا کر جب وہ تسبیح کرتا تھا تو میں اس کی آواز سنتا تھا۔

یہ حکایت دلائل بیہقی' کتاب المائتین صابونی' تاریخ خطیب اور تاریخ ابن عساکر میں ہے' مگر خود بیہقی نے تصریح کر دی ہے کہ یہ صرف احمد بن ابراہیم جبلی کی روایت ہے اور وہ مجہول ہے' صابونی نے روایت لکھ کر کہا ہے کہ یہ سند اور متن دونوں لحاظ سے غریب ہے۔ علاوہ ازیں حضرت عباسؓ آنحضرت ﷺ سے شاید ایک دو سال ہی بڑے تھے' آنحضرت ﷺ کی شیر خوارگی کے عالم میں وہ خود شیر خوار ہوں گے۔

(۲۱) حافظ ابن حجر نے فتح الباری (ج ۶ ص ۳۴۴) میں واقدی کی سیر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے گہوارہ میں کلام کیا' ابن سبع المتوفی سہ کی خصائص میں ہے کہ فرشتے آپؐ کا گہوارہ ہلاتے تھے اور (پیدائش کے بعد) سب سے پہلا فقرہ زبان سے یہ نکلا الحمدللّٰہ کبیرا والحمدللّٰہ کثیرا ابن عائذ وغیرہ میلاد کی بعض اور کتابوں میں اور فقرے بھی منسوب ہیں مثلاً کہ آپؐ نے پڑھا۔ لا الہ الا اللّٰہ یا جلال ربی الرفیع۔

Marfat.com

واقدی کی سیر سے مراد اگر واقدی کی مغازی ہے تو اس کا مطبوعہ کلکتہ نسخہ جو میرے پیش نظر ہے اس میں یہ واقعہ مذکور نہیں اور اگر ہوتا بھی تو واقدی کا اعتبار کیا ہے؟ ابن سبع اور ابن عائذ وغیرہ زمانہ متاخر کے لوگ ہیں اور قدماء سے روایات کی نقل میں بے اختیار ہیں، کسی قدیم ماخذ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی، معلوم نہیں انہوں نے یہ روایتیں کہاں سے لیں۔

(۲۲) آنحضرت ﷺ کی رضاعت اور شیر خوارگی کے زمانہ کے فضائل اور معجزات جب آپؐ کو حلیمہ سعدیہؓ اپنے گھر لے جاتی ہیں، ابن اسحاق، ابن راہویہ، ابویعلی، طبرانی، بیہقی، ابونعیم، ابن عساکر اور ابن سعد میں بہ تفصیل مذکور ہیں، حلیمہ سعدیہؓ کا آنا اور آپؐ کا ان کو دیکھ کر مسکرانا، حلیمہؓ کے خشک سینوں میں دودھ بھر آنا۔ آپؐ کا صرف ایک طرف کے سینہ سے سیر ہو جانا اور دوسری طرف کا اپنے رضاعی بھائی کے لیے بنظر انصاف چھوڑ دینا آپؐ کے سوار ہوتے ہی حلیمہؓ کی کمزور اور دبلی پتلی گدھی کا تیز رو، طاقت ور اور فربہ ہو جانا اور حلیمہؓ کے قبیلہ کی قحط زدہ زمین کا سرسبز و شاداب اور ہرا بھرا ہو جانا، حلیمہؓ کی بکریوں کا موٹا ہونا اور سب سے زیادہ دودھ دینا، آپؐ کا غیر معمولی نشوونما پانا، دو برس کے سن میں آپؐ کے سینہ کا چاک ہونا، حلیمہؓ کا اس واقعہ سے ڈر کر آپؐ کو آمنہ کے پاس واپس لانا، آمنہ کا حلیمہ کو تسلی دینا، یہ تمام واقعات ان کتابوں میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔

یہ واقعات دو طریقوں سے مروی ہیں ایک طریقہ کا مشترک راوی جہم بن ابی جہم ایک مجہول شخص ہے اور دوسرے کا مشترک راوی واقدی ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

پہلے طریقہ سے اس کو ابن اسحاق، ابن راہویہ، ابویعلی، طبرانی اور نعیم نے روایت کیا ہے، اس کا سلسلہ یہ ہے کہ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے جہم بن ابی جہم مولیٰ حارث بن حاطب جمحی نے کہا اور وہ کہتا ہے کہ مجھ سے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب نے خود بیان کیا یا کسی ایسے شخص نے بیان کیا جس نے عبداللہؓ بن جعفر سے سنا اور عبداللہ بن جعفر نے حلیمہؓ سعدیہ سے سنا، اس روایت میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جہم کا اس روایت کا خود عبداللہؓ بن جعفر سے سننا یقینی نہیں، بلکہ وہ کہتا ہے کہ عبداللہؓ بن جعفر یا کسی نے ان سے سن کر مجھ سے کہا، معلوم نہیں وہ کون تھا؟ اور کیسا تھا؟ ابونعیم وغیرہ متاخرین نے اس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ شک سرے سے نظر انداز ہو گیا ہے، اگر بالفرض جہم نے عبداللہ بن جعفر سے سنا تو عبداللہؓ بن جعفر کا جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں آٹھ نو برس کے تھے اور ؁ھ کے بعد حبش کے ملک سے مدینہ آئے تھے، حلیمہؓ سے ملنا اور ان سے نقل روایت کرنا محتاج ثبوت ہے بلکہ علمائے سیر و رجال میں خود حلیمہ سے ملنا اور ان کے بعد آپ سے ملاقات میں اختلاف ہے، صرف ایک دفعہ غزوۂ ہوازن کے موقع پر ان کا آنا کسی کسی نے بیان کیا ہے، مگر اس موقع پر عبداللہؓ بن جعفر کا جو کم سن تھے موجود ہونا اور ان سے ملنا مطلق ثابت نہیں، جہم بن ابی جہم جو اس روایت کا سر بنیاد ہے، ذہبی نے میزان الاعتدال میں اسی روایت کی تقریب سے اس کا نام لکھ کر لکھا ہے لا یعرف یعنی معلوم نہیں یہ کون تھا۔

دوسرا طریقہ وہ ہے جس کا مرکزی راوی واقدی ہے۔ اس سلسلہ سے ابن سعد، ابونعیم اور ابن عساکر نے اس واقعہ کو لکھا ہے، یہ سلسلہ علاوہ ازیں کہ واقدی کے واسطہ سے ہے موقوف بھی ہے یعنی کسی صحابی تک وہ نہیں پہنچتا۔ اس کو

Marfat.com

واقدی زکریا بن یحییٰ بن یزید سعدی سے اور وہ اپنے باپ یحییٰ بن زید سعدی سے نقل کرتا ہے ابن سعد نے دوسری جگہ (ج اول ص ۹۷) ایک اور سلسلہ سے اس کو واقدی سے روایت کیا ہے اور واقدی عبداللہ بن زید بن اسلم سے اور عبداللہ اپنے باپ زید بن اسلم تابعی سے نقل کرتے ہیں یہ سلسلہ بھی علاوہ ازیں کہ اس کا پہلا راوی وہی واقدی ہے اور روایت بھی موقوف ہے زید مذکور کی نسبت اہل مدینہ کلام کرتے تھے اور ان کے بیٹے عبداللہ کو اکثر محدثین نے ضعیف کہا ہے اس لیے یہ سلسلہ بھی استناد کے قابل نہیں ہے ابونعیم نے تیسری روایت میں واقدی کے واسطہ سے ان واقعات کو بے سند لکھا ہے۔

(۲۳) شق صدر یعنی سینہ مبارک کے چاک ہونے کا واقعہ معراج میں پیش آنا مسلم ہے مگر بعض لوگوں نے بچپن کے زمانہ میں بھی اس واقعہ کا پیش آنا بیان کیا ہے بچپن کے وقت کی تعیین میں ان روایتوں میں اختلاف ہے اکثر روایتوں میں یہ ہے کہ حضرت حلیمہؓ کے پاس قیام کے زمانہ میں یہ پیش آیا جب عمر شریف صرف غالباً چار برس کی تھی ایک دو روایتوں میں ہے کہ اس وقت آپؐ دس برس کے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ عہد طفولیت میں شق صدر کی جس قدر روایتیں ہیں صحیح مسلم کی روایت کے علاوہ وہ تمام تر ضعیف ہیں۔ صحیح مسلم کی روایت میں حماد بن سلمہ کی غلطی سے معراج کا واقعہ عہد طفولیت میں بیان ہو گیا ہے اس بارہ میں میں نے اپنی تحقیق شرح صدر کی بحث میں مفصل بیان کی ہے۔

(۲۴) حضرت حلیمہؓ کے پاس قیام کے زمانہ میں ایک اور واقعہ بھی راویوں نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر بعض یہودیوں نے یا عرب قیافہ شناسوں نے (روایت میں اختلاف ہے) یہ معلوم کر لیا کہ یہ نبی آخر الزمان ہیں اور یہی ہمارے آبائی کیش اور مذہب کو دنیا سے مٹائیں گے یہ سمجھ کر انہوں نے آپؐ کو خود قتل کرنا چاہا یا دوسروں کو آپؐ کے قتل پر آمادہ کرنا چاہا (روایت میں اختلاف ہے) ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب حلیمہؓ آپؐ کو پہلے پہل مکہ معظمہ سے لے کر عکاظ کے میلہ میں آئیں وہاں قبیلہ ہذیل کا ایک قیافہ شناس بڈھا تھا عورتیں اپنے اپنے بچوں کو لے کر اس کے پاس آتی تھیں اور فال نکلواتی تھیں اس کی نظر جب آنحضرت ﷺ پر پڑی تو وہ چلا اٹھا کہ اس کو قتل کر ڈالو مگر آپؐ لوگوں کی نظر سے غائب ہو چکے تھے حلیمہؓ آپؐ کو لے کر چل دی تھیں۔ لوگوں نے بڈھے سے واقعہ پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے ابھی وہ بچہ دیکھا جو تمہارے اہل مذہب کو قتل کرے گا اور تمہارے بتوں کو توڑے گا اور وہ کامیاب ہوگا۔ اس کے بعد لوگوں نے آپؐ کو بہت ڈھونڈا مگر آپؐ نہ ملے حضرت حلیمہؓ نے اس کے بعد پھر آپؐ کو کسی قیافہ شناس یا فال دیکھنے والے کے سامنے پیش نہ کیا ایک اور روایت میں ہے کہ اس کے بعد اس بڈھے کی عقل جاتی رہی اور وہ کفر ہی کی حالت میں مر گیا۔

دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت آمنہؓ نے حلیمہؓ کو کہہ دیا تھا کہ میرے بچہ کو یہودیوں سے بچائے رکھنا اتفاق سے جب وہ آپؐ کو لے کر چلیں تو کچھ یہودی راستہ میں مل گئے انہوں نے آپؐ کا حال سن کر ایک دوسرے سے کہا کہ "اس کو مار ڈالو" پھر انہوں نے دریافت کیا کہ کیا یہ بچہ یتیم ہے؟ حلیمہؓ نے کہا نہیں! میں اس کی ماں ہوں اور اپنے شوہر کو بتایا کہ وہ اس کا باپ ہے انہوں نے کہا کہ یہ یتیم ہوتا تو ہم اس کو قتل کر ڈالتے (یعنی

Marfat.com

آخری پیغمبر کی ایک علامت یتیمی بھی تھی اور چونکہ ان کو یہ معلوم ہوا کہ یہ علامت بچہ میں پائی نہیں جاتی' اس سے ان کا یقین جاتا رہا)

یہ روایتیں ابن سعد جلد اول صفحہ ۹۸'۷۱ میں ہیں مگر حالت یہ ہے کہ پہلی روایتوں کا ماخذ واقدی کی داستانیں ہیں اور اس پر بھی ان کے سلسلے ناتمام ہیں' آخری روایت کا سلسلہ یہ ہے کہ عمرو بن عاصم کلابی' ہمام بن یحییٰ' اسحاق بن عبداللہ' گو یہ تینوں عموماً ثقہ اصحاب ہیں مگر ان کی یہ روایت موقوف ہے یعنی آخری راوی اسحاق بن عبداللہ گو تابعی ہیں' مگر وہ کسی صحابی سے اس کا سننا ظاہر نہیں کرتے' معلوم نہیں یہ روایت ان کو کہاں سے پہنچی۔

تقریباً اسی واقعہ کو ابونعیم نے دلائل میں اس طرح بیان کیا ہے کہ حلیمہ جب آپؐ کو مکہ سے لے کر روانہ ہوئیں تو ایک وادی میں پہنچ کر ان کو حبش کے کچھ لوگ ملے (جو غالباً عیسائی ہوں گے) حلیمہؓ ان کے ساتھ ہو گئیں' انہوں نے جب آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو آپؐ کی نسبت کچھ دریافت کیا' اس کے بعد بہت غور سے انہوں نے آپؐ کو دیکھنا شروع کیا' دونوں مونڈھوں کے بیچ میں جو مہر نبوت تھی وہ دیکھی' آپؐ کی آنکھوں میں تھوڑی سرخی تھی' اس کو دیکھتے رہے' پھر پوچھا کہ کیا بچہ کی آنکھوں میں یہ سرخی کسی بیماری سے ہے۔ حلیمہؓ نے کہا نہیں' یہ ہمیشہ سے اسی طرح ہے۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم! یہ پیغمبر ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے چاہا کہ بچہ کو حضرت حلیمہؓ سے چھین لیں' لیکن خدا نے آپؐ کی حفاظت کی۔ ابونعیم کی اس روایت کا سلسلہ نہایت ضعیف اور کمزور ہے اور اس کے رواۃ مجہول الحال لوگ ہیں۔

(۲۵) کہتے ہیں کہ پیار اور محبت سے حضرت حلیمہؓ آپؐ کو دھوپ میں نکلنے نہیں دیتی تھیں' ایک دن آپؐ اپنی رضاعی بہن کے ساتھ دھوپ میں نکل پڑے' حلیمہؓ نے دیکھا تو لڑکی پر خفا ہوئیں کہ تم دھوپ میں کیوں لے گئیں؟ لڑکی نے کہا اماں جان میرے بھائی کو دھوپ نہیں لگتی' میں نے دیکھا کہ اس پر بادل سایہ کیے تھے جدھر وہ جاتا تھا وہ بھی چلتے جاتے تھے اور جہاں وہ رک جاتا تھا وہ بھی رک جاتے تھے۔ اس کیفیت سے وہ یہاں تک پہنچا ہے۔ ابن سعد نے دو طریقوں سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے' ایک میں تو صرف واقدی کا حوالہ ہے اور اس کے آگے کوئی نام نہیں دیا ہے۔ (ص ۷ ج اول) اور دوسرے میں ہے کہ واقدی نے معاذ بن محمد سے اور اس نے عطاء سے اور عطاء نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا' ابن سعد کے علاوہ' ابونعیم' ابن عساکر اور ابن طرماح نے بھی اسی سلسلہ سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے مگر اس سلسلہ میں واقدی کے علاوہ معاذ بن محمد مجہول اور نامعتبر ہے۔

یہاں تک تو ہم نے فضائل و معجزات کی غلط اور ضعیف روایتوں کی مسلسل تنقید کی ہے' اگر اسی طرح ہم آخر تک نبھانا چاہیں تو یہ دفتر ان اوراق میں نہیں سما سکتا' اس لیے ہم صرف مشہور ترین روایتوں کی تنقید پر قناعت کرتے ہیں۔

(۲۶) سب سے مشہور بحیرا راہب کا قصہ ہے' جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپؐ دس بارہ برس کے تھے تو اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کا سفر کیا' راہ میں ایک عیسائی خانقاہ ملی' جس میں بحیرا نام ایک راہب رہا کرتا تھا' اس نے آپؐ کو دیکھ کر اور علامتوں سے پہچان کر یہ جان لیا کہ پیغمبر آخر الزمان اور سردار عالم یہی ہیں' اس نے دیکھا کہ ابر آپؐ پر سایہ فگن ہے' جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے ہیں اس کی شاخیں آپ پر جھکی آتی ہیں' اس نے آپؐ کی خاطر قافلہ کی دعوت کی اور ابوطالب سے باصرار کہا کہ اس بچہ کو مکہ واپس لے جاؤ' ورنہ رومی اگر اس کو پہچان گئے تو اس کو قتل کر ڈالیں

Marfat.com

گے (شاید اس لیے کہ آپؐ کے ہاتھوں ان کی سلطنت کا خاتمہ ہوگا) ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ رومیوں کا ایک گروہ پہنچ گیا' دریافت سے ظاہر ہوا کہ رومیوں کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ پیغمبر آخر الزمان کے ظہور کا وقت آ گیا ہے اس لیے رومیوں نے تحقیق حال کے لیے ہر طرف اپنے دستے روانہ کیے ہیں' بحیرا نے ان سے کہا کہ خدا کی تقدیر ٹل نہیں سکتی' اس لیے بہتر ہے کہ تم واپس جاؤ۔ وہ رک گئے اور ادھر ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کو مکہ واپس بھیج دیا اور حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ کو آپؐ کے ساتھ کر دیا اور بحیرا نے کیک اور ناشتہ آپؐ کے ساتھ کیا۔

یہ روایت اختصار اور تفصیل کے ساتھ سیرت کی اکثر کتابوں میں اور بعض حدیثوں میں بھی مذکور ہے مگر ابن اسحاق اور ابن سعد وغیرہ کتب سیر میں اس کے متعلق جس قدر روایتیں ہیں' ان سب کے سلسلے کمزور اور ٹوٹے ہوئے ہیں' اس قصہ کا سب سے محفوظ طریقہ سند وہ ہے جس میں عبدالرحمان بن غزوان جو ابو نوح قراد کے نام سے مشہور ہے' یونس بن اسحاق سے اور وہ ابو بکر بن ابی موسیٰ سے اور وہ اپنے باپ ابو موسیٰ اشعریؓ سے اس کی روایت کرتے ہیں۔

یہ قصہ اس سلسلہ سند کے ساتھ جامع ترمذی' مستدرک حاکم' مصنف ابن ابی شیبہ' دلائل بیہقی' اور دلائل ابی نعیم میں مذکور ہے' ترمذی نے اس کو حسن غریب اور حاکم نے صحیح کہا ہے' استاذ مرحوم نے سیرت کی پہلی جلد (طبع اول ص ۱۳۰ وطبع دوم ۱۶۸) میں اس روایت پر پوری تنقید کی ہے اور عبدالرحمان بن غزوان کو اس سلسلہ میں مجروح قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ اس روایت کو موضوع سمجھتے تھے' واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلہ سند میں نہ صرف عبدالرحمان بن غزوان بلکہ دوسرے رواۃ بھی جرح کے قابل ہیں۔

(۱) سب سے اول یہ کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ مسلمان ہو کر ۷ھ میں یمن سے مدینہ آئے تھے اور یہ واقعہ اس سے ۵۰ برس پہلے کا ہے' حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نہ تو خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے اور نہ کسی اور شریک واقعہ کی زبان سے اپنا سننا بیان کرتے ہیں' اس لیے یہ روایت مرسل ہے۔

(۲) اس واقعہ کو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کے صاحبزادے ابو بکر روایت کرتے ہیں' مگر ان کی نسبت کلام ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے کوئی روایت سنی بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ ناقدین فن کو اس باب میں بہت کچھ شک ہے' امام ابن حنبل نے اس سے قطعی انکار کیا ہے۔ بنا بریں یہ روایت منقطع ہے اس کے سوا ابن سعد نے لکھا ہے کہ وہ ضعیف سمجھے جاتے ہیں۔

(۳) ابو بکر سے یونس بن اسحاق اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں' گو متعدد مُحدِّثین نے ان کی توثیق کی ہے تاہم عام فیصلہ یہ ہے کہ وہ ضعیف ہیں' یحییٰ کہتے ہیں کہ ان میں سخت بے پروائی تھی' شعبہ نے ان پر تدلیس کا الزام قائم کیا ہے' امام احمد ان کی اپنے باپ سے روایت کو ضعیف اور ان کی عام روایتوں کو مضطرب اور "ایسی ویسی" کہتے ہیں۔ ابو حاتم کی رائے ہے کہ وہ راست گو ہیں' لیکن ان کی اپنے باپ سے حدیث حجت نہیں' ساجی کا قول ہے کہ وہ سچے ہیں اور بعض مُحدِّثین نے ان کو ضعیف کہا ہے' ابو حاکم کا بیان ہے کہ اکثر ان کو اپنی روایتوں میں وہم ہو جاتا تھا۔

(۴) چوتھا راوی عبدالرحمٰن بن غزوان ہے جس کا نام مستدرک اور ابو نعیم میں ابو نوح قراد ہے' اس کو اگرچہ بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے' تاہم وہ متعدد منکر روایتوں کا راوی ہے' ممالیک والی جھوٹی حدیث اسی نے روایت کی

Marfat.com

ہے، ابو احمد حاکم کا بیان ہے کہ اس نے امام لیث سے ایک منکر روایت نقل کی ہے ابن حبان نے لکھا ہے کہ وہ غلطیاں کرتا تھا اور امام لیث اور مالک سے ممالیک والی حدیث نقل کرنے کی وجہ سے اس کی طرف سے دل میں خلجان ہے۔

(۵) حافظ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن غزوان کی منکر روایتوں میں سب سے زیادہ منکر بحیرا راہب کا قصہ ہے، اس قصے کے غلط ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس میں یہ ہے کہ ابوبکرؓ نے بلالؓ کو آپؐ کے ساتھ کر دیا حالانکہ حضرت ابوبکرؓ اس وقت بچہ تھے اور حضرت بلال پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

(۶) حاکم نے مستدرک میں اس واقعہ کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے، حافظ ذہبی مستدرک کی تلخیص میں اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ میں اس روایت کو بنایا ہوا خیال کرتا ہوں، کیونکہ اس میں بعض واقعات غلط ہیں (مستدرک ج ۲ ص ۶۱۵)

(۷) امام بیہقی اس کی صحت کو صرف اس قدر تسلیم کرتے ہیں کہ یہ قصہ اہل سیر میں مشہور ہے، حافظ سیوطی نے خصائص میں امام موصوف کے اس فقرہ سے یہ سمجھا ہے کہ وہ بھی اس کے ضعف کے قائل ہیں، اس لیے اصل روایت میں ابن سعد وغیرہ سے چند اور سلسلے نقل کیے ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔

(۲۷) اسی قسم کا ایک اور واقعہ دوسری دفعہ کے سفر شام میں جب آپؐ حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لے کر بصریٰ تک تشریف لے گئے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ آپؐ کے ساتھ اس سفر میں حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی تھا، اس کی زبانی روایت ہے کہ ہر جگہ ابر آپؐ پر سایہ افگن رہتا، کبھی فرشتے اپنے پروں کا سایہ کرتے تھے، ایک عیسائی خانقاہ کے قریب جہاں نسطورا راہب رہتا تھا، آپؐ نے ایک درخت کے نیچے آرام کیا راہب نے یہ دیکھا تو میسرہ سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ اس نے نام و نشان بتایا، راہب نے کہا کہ اس درخت کے نیچے پیغمبر کے سوا اور کوئی نہیں ٹھہرا ہے۔ پھر دریافت کیا کہ ان کی آنکھوں میں ہمیشہ یہ سرخی رہتی ہے؟ غلام نے اثبات میں جواب دیا۔ راہب نے کہا تو یہ یقیناً آخر زمانہ کا پیغمبر ہے، تم کبھی اس کی رفاقت نہ چھوڑنا، اسی درمیان میں ایک شخص سے خرید و فروخت میں کوئی جھگڑا پیش آیا، خریدار نے آپؐ سے کہا کہ تم لات و عزیٰ کی قسم کھاؤ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں ان کی قسم نہیں کھاتا۔ راہب نے میسرہ سے کہا خدا کی قسم! یہ پیغمبر ہے، اس کی صفتیں ہماری کتابوں میں لکھی ہیں، میسرہ کا بیان ہے کہ جب دوپہر کی سخت دھوپ پڑتی تو دو فرشتے آپؐ پر سایہ کر لیتے، جب آپؐ تجارت سے فارغ ہو کر مکہ آ رہے تھے اتفاق سے اس وقت حضرت خدیجہؓ چند سہیلیوں کے ساتھ کوٹھے پر تھیں، حضرت خدیجہؓ کی نظر آپؐ پر پڑی کہ آپؐ اونٹ پر سوار ہیں اور دو فرشتے آپؐ پر سایہ افگن ہیں، انہوں نے یہ منظر اپنی سہیلیوں کو دکھایا اور میسرہ سے اس کا تذکرہ کیا، میسرہ نے کہا پورے سفر میں یہی تماشا دیکھتا آیا ہوں اور اس کے بعد اس نے نسطورا راہب کی گفتگو بھی ان سے دہرائی۔

یہ واقعہ ابن اسحاق، ابن سعد، ابونعیم اور ابن عساکر میں ہے، ابن اسحاق میں اس روایت کی کوئی سند نہیں ہے، بقیہ کتابوں میں اس کی سند یہ ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین واقدی سے اور واقدی موسیٰ بن شیبہ سے اور وہ عمیرہ بنت عبداللہ بن کعب سے اور عمیرہ ام سعد بنت کعب سے اور وہ یعلی بن منیہ صحابی کی بہن نفیسہ بنت منیہ سے جو صحابیہ تھیں،

Marfat.com

روایت کرتے ہیں، واقدی کی بے اعتباری تو محتاج بیان نہیں اس کے علاوہ موسیٰ بن شیبہ کی نسبت امام احمد بن حنبل کہتے ہیں احادیثہ مناکیر۔ کہ اس کی حدیثیں منکر ہیں، عمیرہ بنت ابن کعب اور ام سعد کا حال معلوم نہیں۔

(۲۸) ابن سعد، ابن اسحاق، بیہقی اور ابونعیم میں ہے کہ قریش نے جب بنو ہاشم کا مقاطعہ کر کے شعب ابی طالب میں محصور کیا اور باہم ایک معاہدہ مرتب کر کے خانہ کعبہ میں رکھ دیا تو چند سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے دیمک کو بھیجا جس نے کاغذ کو کھالیا، ایک روایت میں ہے کہ خدا کا نام چھوڑ کر باقی عبارت کو جس میں بنو ہاشم کے مقاطعہ کا عہد تھا اس نے کھالیا تھا اور دوسری روایت میں ہے کہ خدا کا نام کھالیا تھا اور بقیہ عبارت چھوڑ دی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ سے مطلع فرمایا، آنحضرت ﷺ نے ابوطالب سے اس کا ذکر کیا، ابوطالب نے قریش کو اس کی خبر کی اور بالآخر اس واقعہ کے جھوٹ سے سچ ہونے پر معاہدہ باقی رہنے یا ٹوٹ جانے کا فیصلہ قرار دیا، کفار نے جب کاغذ کو اتار کر دیکھا تو آنحضرت ﷺ کے قول کی تصدیق ہوگئی۔

ابن اسحاق کی روایت بے سند ہے، بقیہ تمام روایتیں یا واقدی اور ابن لہیعہ سے ہیں جن کا اعتبار نہیں اور یا ثقات سے ہیں تو وہ تمام تر مرسل ہیں، ان مرسل روایتوں میں اگر کوئی بہتر روایت ہے تو وہ بیہقی میں موسیٰ بن عقبہ کی ہے جو امام زہری سے اس کو روایت کرتے ہیں، مگر وہ زہری تک پہنچ کر رہ جاتی ہے کسی صحابی تک نہیں پہنچتی۔

(۲۹) مشہور ہے کہ ہجرت میں جب آپؐ نے غار ثور میں پناہ لی تو خدا کے حکم سے فوراً غار کے منہ پر ببول یا ببول کا درخت اگ آیا، جس کی ڈالیاں پھیل کر چھا گئیں، کبوتر کے ایک جوڑے نے آ کر وہاں انڈے دے دیئے اور مکڑی نے جالے تن دیئے تاکہ مشرکین کو آنحضرت ﷺ کے اس کے اندر ہونے کا گمان نہ ہو، درخت کے اگنے، کبوتر کے انڈے دینے، مکڑی کے جالا تننے، ان تینوں کا ذکر صرف ابومصعب مکی کی روایت میں ہے، بقیہ روایتوں میں صرف کبوتروں کے انڈے دینے اور مکڑی کے جالا تننے کا بیان ہے۔ بہرحال یہ واقعہ کتب سیر میں ابن اسحاق، ابن سعد، دلائل بیہقی اور ابونعیم میں اور کتب حدیث میں سے ابن مردویہ اور بزار میں ہے، ابن مردویہ، بزار اور بیہقی میں جو روایت ہے، نیز ابن سعد اور ابونعیم کی ایک روایت ابومصعب مکی سے ہے جو متعدد صحابہؓ سے اس واقعہ کا سننا ظاہر کرتا ہے، ابومصعب سے عون بن عمرو القیسی اس کی روایت کرتا ہے لیکن یہ دونوں صاحب پایہ اعتبار سے گرے ہوئے ہیں، ابومصعب مکی مجہول ہے اور عون بن عمرو کی نسبت ابن معین کہتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں، امام بخاری فرماتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث اور مجہول ہے۔ ابونعیم میں عون بن عمرو کے بجائے عوین بن عمرو القیسی لکھا ہے، یہ عوین بن عمرو بھی بے اعتبار ہے، عقیلی نے اس کا ضعفاء میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی روایتوں کی تصدیق نہیں ہوتی اور اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ ابومصعب مجہول ہے۔[1]

استاذ مرحوم نے سیرت جلد اول واقعہ ہجرت میں صرف ابومصعب کی روایت پر تنقید کی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ ابومصعب کے علاوہ اور دوسرے سلسلوں سے بھی یہ مروی ہے، چنانچہ ابن سعد نے ایک اور طریقہ سے اس واقعہ کی روایت کی ہے، مگر اس روایت کا سرسلسلہ واقدی ہے جس نے متعدد روایتوں کو یکجا کر کے ان کی ایک مشترک روایت ہجرت

(۱) دیکھو لسان میزان ترجمہ ابومصعب مکی و عون بن عمرو اور میزان الاعتدال ترجمہ عون بن عمرو اور عوین بن عمرو۔

Marfat.com

تیار کی ہے اس واقعہ کی بہترین روایت وہ ہے جو مسند ابن حنبل میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں۔

﴿فمروا بالغار فرأوا علی بابه نسج العنکبوت فقالوا لو دخل ههنا لم یکن نسج العنکبوت علی بابه﴾ (ج ۱ ص ۳۴۸)

''کفار آپؐ کی تلاش میں غار کے منہ تک پہنچ گئے دیکھا کہ منہ پر مکڑی کے جال ہیں تو انہوں نے کہا کہ اگر محمدؐ اس کے اندر جاتے تو یہ جال نہ ہوتے۔''

لیکن ان الفاظ سے اس واقعہ کا غیر معمولی ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ البتہ اس روایت کی بناء پر اس کو تائیدات میں جگہ دی جاسکتی ہے تاہم یہ روایت بھی قوی نہیں اس کے راوی مقسم ہیں جو اپنے کو مولی ابن عباسؓ کہتے ہیں اور ان سے عثمان الجزری نامی ایک شخص روایت کرتا ہے مقسم کی اگرچہ متعدد محدثین نے توثیق کی ہے اور امام بخاری نے صحیح میں ان سے حجامت کی روایت نقل کی ہے مگر وہ خود کتاب الضعفاء میں ان کو ضعیف کہتے ہیں ابن سعد نے بھی ان کو ضعیف کہا ہے ساجی نے لکھا ہے کہ لوگوں نے ان کی روایت میں کلام کیا ہے۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ وہ قوی نہیں۔ اور عثمان الجزری جو عثمان بن عمرو ساج الجزری ہے اور کہیں عثمان بن ساج کے نام سے مشہور ہے۔ گو ابن حبان نے اپنے مشہور تساہل کی بنا پر اس کو ثقات میں داخل کیا ہے مگر مُحدِّث ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس کی حدیث لکھی جائے حجت میں پیش نہ کی جائے علامہ ذہبی میزان میں اور حافظ ابن حجر نے لسان میں صرف ابو حاتم کا قول نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نسبت مُحدِّثین کا آخری فیصلہ یہی ہے۔

(۳۰) روایتوں میں ہے کہ اسی سفر میں راہ میں ایک جگہ بکریوں کے ایک چرواہے سے آپؐ نے دودھ طلب کیا اس نے معذرت کی کہ کوئی دودھ والی بکری نہیں لیکن آپؐ نے اس کی اجازت سے ایک دودھ والی بکری کے تھن میں ہاتھ لگایا فوراً دودھ نکل آیا چنانچہ سب نے دودھ پیا چرواہا یہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ چرواہا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے لیکن عام معجزات کے تحت میں ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا واقعہ زمانہ ہجرت کا نہیں بلکہ وہ کسی اور زمانہ کا ہے عبداللہ بن مسعودؓ کا واقعہ مسند طیالسی اور مسند احمد میں خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی صحیح روایات کے ساتھ مذکور ہے۔ مسند ابویعلی مستدرک حاکم اور طبرانی میں بجائے عبداللہ بن مسعودؓ کے صرف ''عبد'' یعنی ایک غلام کا ذکر ہے جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا صحابہؓ میں سے اس کے راوی قیس بن نعمان سکونی ہیں یہ صرف ایک دفعہ ایک وفد کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور ان سے صرف یہی ایک روایت مروی ہے بعضوں نے ان سے ایک اور روایت ہدیہ کی بھی نقل کی ہے مگر ظاہر ہے کہ وہ شریک واقعہ نہ تھے انہوں نے یہ واقعہ کس سے سنا؟ معلوم نہیں اس لیے یہ روایت مرسل ہے اس کے ایک راوی عبید اللہ بن ایاد بن لقیط کی گو اوروں نے توثیق کی ہے مگر بزار نے لکھا ہے کہ وہ قوی نہیں تاہم ذہبی نے تلخیص مستدرک (جلد ۳ ص ۹) میں اور حافظ ابن حجر نے اصابہ (ترجمہ قیس بن نعمان سکونی میں اس کو صحیح کہا ہے مگر یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ خود حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جو واقعہ ہجرت کی مفصل روایت صحیحین میں ہے اس میں ایک غلام کے بکری کے دودھ پلانے کا واقعہ مذکور ہے مگر اس معجزہ کا وہاں نام و نشان بھی نہیں۔

ہجرت کے موقع پر بے دودھ والی بکری کے تھنوں میں دودھ پیدا ہو جانے کا مشہور ترین معجزہ اُم معبد کے خیمہ

Marfat.com

کا ہے۔ کہتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ کی راہ میں قبیلہ خزاعہ کے ایک خاندان کا میدان میں خیمہ تھا اُم معبد اور ابو معبد دونوں میاں بیوی اس خیمے میں رہتے تھے اور مسافروں کو آرام پہنچایا کرتے تھے' بکریوں کی پرورش پر ان کا گزارہ تھا' صبح کو ابو معبد تمام اچھی دودھ دینے والی بکریاں لے کر چراگاہ کو نکل گیا تھا صرف بے دودھ والی دبلی بکریاں خیمہ میں رہ گئی تھیں' اتنے میں آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کا ادھر سے گزر ہوا' کھانے پینے کی کچھ چیزیں آپؐ نے بقیمت طلب کیں جو نہیں ملیں' خیمہ کے ایک گوشہ میں ایک بکری نظر آئی' آپؐ نے پوچھا کہ اُم معبد یہ بکری کیسی ہے؟ اس نے کہا یہ لاغری سے بکریوں کے ساتھ نہ جا سکی' پھر فرمایا کہ اس کے کچھ دودھ ہے؟ جواب دیا یہ دودھ سے معذور ہے' راوی کا بیان ہے کہ امسال خشک سالی تھی اور لوگ قحط میں مبتلا تھے' فرمایا کہ مجھے اس کے دوہنے کی اجازت ہے؟ عرض کی میرے ماں باپ قربان اگر اس کے دودھ ہو تو دوہ لیجئے۔ آپؐ نے دعا فرمائی اور پھر بسم اللہ کہہ کر تھن میں ہاتھ لگایا' فوراً اس کے تھنوں میں دودھ اتر آیا' دودھ سب نے پی لیا اور کچھ بچ گیا اور قافلہ نبویؐ آگے روانہ ہوا' کچھ دیر کے بعد ابو معبد آیا دیکھا کہ گھر میں دودھ رکھا ہے' تعجب سے پوچھا' یہ دودھ کہاں سے آیا بکریاں تو سب میرے ساتھ تھیں' اُم معبد نے سارا قصہ بیان کیا' ابو معبد نے کہا ذرا اس شخص کی شکل وصورت بیان کرو؟ ام معبد نے نہایت تفصیل سے آپؐ کی حسن و جمال اور شکل وشمائل کی تصویر کھینچی جس کو سن کر ابو معبد نے کہا یہ تو خدا کی قسم! قریش والا آدمی معلوم ہوتا ہے' جس کا کچھ حال میں سن چکا ہوں' میری آرزو ہے کہ مجھے اس کی صحبت میسر ہوتی اور جب ان شاءاللہ موقع مل گیا میں یہ کروں گا' اسی وقت مکہ میں کچھ اشعار غیب سے سنے گئے' یہ اشعار بھی روایت میں ہیں' ان اشعار میں اُم معبد کا اس واقعہ کا بیان ہے' حضرت حسانؓ نے جب ہاتف کی یہ آواز سنی تو ان اشعار کے جواب میں اشعار کہے (یہ جوابی اشعار بھی روایت میں مذکور ہیں)

یہ روایت بغوی' ابن شاہین' ابن سکن' ابن مندہ' طبرانی' بیہقی' ابونعیم اور حاکم میں اُم معبد کے بھائی حبیش بن خالد کی زبانی مذکور ہے اور حاکم نے نہ صرف یہ کہ اس کو صحیح کہا ہے بلکہ اور دیگر طریقوں سے بھی اس کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے' مگر معلوم ہے کہ حاکم کے صحیح کہنے کی علماء کی نگاہ میں کوئی قدر و قیمت نہیں چنانچہ حافظ ذہبی نے اس روایت پر تنقید کرتے ہوئے تصریح کر دی ہے کہ ان میں سے کوئی طریقہ سند صحیح کے شرائط کے مطابق نہیں' حافظ ذہبی نے مجملاً اسی قدر لکھا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت حاکم کے علاوہ اور کتابوں میں بھی اسی سلسلہ سند سے مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ حزام اپنے باپ ہشام سے اور ہشام اپنے باپ حبیش بن خالد خزاعی سے ناقل ہیں' حزام مجہول ہیں' حبیش بن خالد سے صرف یہی ایک روایت تمام کتب حدیث میں مذکور ہے' حبیش اصل واقعہ کے وقت موجود نہ تھے' معلوم نہیں انہوں نے کس سے سنا' اس لیے یہ روایت اگر ثابت بھی ہو تو مرسل ہے' حاکم نے دو طریقوں سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے ایک انہی حزام اور ہشام بن حبیش کے ذریعہ سے اور دوسرے حر بن صباح سے اور وہ اُم معبد کے شوہر ابو معبد سے راوی ہیں' پہلے طریقہ میں حاکم نے یہ کمال کیا ہے کہ حبیش کے بجائے خود ہشام ابن حبیش بن خویلد (بجائے خالد) کو اصل راوی اور صحابی قرار دیا ہے' ظاہر ہے کہ اس طریق سے روایت کا ارسال اور بڑھ گیا ہے ہشام کا صحابی ہونا بھی مشکوک ہے' دوسرے طریقہ میں حر بن صباح گو ثقہ ہیں' مگر ابو معبد سے ان کی سماعت ثابت نہیں' چنانچہ ابن حجر

Marfat.com

نے تہذیب میں لکھا ہے کہ حرابو معبد سے مرسل روایتیں کرتے ہیں' یہ تو ان تمام روایتوں کے اوپر کے راویوں کا حال ہے' نیچے کے راویوں میں اکثر مجہول لوگ ہیں' حر والی روایت میں نیچے ایک شخص محمد بن بشر سکری ہے جس کو ازدی نے منکر الحدیث اور ابن عدی نے واہی کہا ہے۔ (۱) ابو نعیم نے دلائل میں ایک اور صحابی سلیط ابو سلیمان انصاریؓ بدری سے اس کی روایت کی ہے' سلیط سے ان کے بیٹے سلیمان اور ان سے ان کے بیٹے محمد بن سلیمان بن سلیط انصاری روایت کرتے ہیں لیکن ان سلیط کا نام صرف اسی روایت کے راوی کی حیثیت سے بعض مؤلفین سیر صحابہؓ نے کیا ہے' ورنہ ان کا کوئی حال ہم کو معلوم نہیں' سلیط انصاریؓ بدری جو مشہور ہیں وہ سلیط بن قیس انصاری خزرجی بدری ہیں' ان کے بیٹے کا نام عبداللہ تھا جس سے کو نسل چلی نہیں لیکن ان سے روایت نسائی میں موجود ہے' مگر سلیط ابو سلیمان انصاریؓ بدری سے کوئی روایت اس کے سوا موجود نہیں' اسی لیے اسماء الرجال صحابہ کے مؤلفین میں سے بعض نے ان کو اور سلیط بن قیسؓ انصاری بدری کو ایک سمجھا ہے' اگر ایسا ہے تو سلیمان ان کے بیٹے اور محمد ان کے پوتے کا نام نہ تھا اور اگر دو ہیں تو اصحاب بدر کے سب نام گنے ہوئے ہیں' ان میں سلیط بن قیس خزرجی کے سوا کوئی دوسرا سلیط نام نہیں' پھر یہ مدینہ کے باشندہ تھے اور ام معبد قبیلہ خزاعہ کی تھی جو مکہ اور مدینہ کے بیچ آباد تھا' معلوم نہیں کہ سلیط انصاریؓ نے کس سے سنا؟ پھر ان کے بیٹے سلیمان اور پوتے محمد سے ہم کو کوئی واقفیت نہیں' حافظ ابن حجر لسان المیزان میں محمد بن سلیمان بن سلیط انصاری کے تحت میں لکھتے ہیں۔

قال العقیلی مجهول بالنقل روی عن ابیه عن جده فذكر قصة ام معبد و هو واه و قال ليس هذا الطريق محفوظا في حديث ام معبد قال ابن منده مجهول.

علاوہ ازیں ان روایتوں کے الفاظ ام معبد اور آنحضرت ﷺ کے باہم طرز تخاطب اور اشعار کی زبان اور ابو معبد کی گفتگو میں ایک خاص غرابت ہے جس کو ناقدین حدیث اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں' یہ بھی عجیب بات ہے کہ ہاتف غیب نے تو اشعار مکہ میں لوگوں کو سنائے اور حسان نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے' مدینہ میں بیٹھے بیٹھے ان کا جواب کہا' ہجرت کے سال میں مکہ کے آس پاس قحط کا پڑنا اور خشک سالی ہونا بھی ثابت نہیں۔

مجھے ہجرت کے موقع پر ان دودھ والی روایتوں کے تسلیم کرنے میں اس لیے بھی پس و پیش ہے کہ ہجرت کے رفیق سفر حضرت ابوبکرؓ سے واقعات ہجرت کی جو روایت صحیح بخاری میں مذکور ہے اس میں ایک جگہ چرواہے سے دودھ مانگ کر پینے کا ذکر موجود ہے مگر اس معجزہ کا مطلق ذکر نہیں ہے' چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرؓ کی زبانی یہ قصہ ان الفاظ میں مذکور ہے۔ دفعتہ ایک چرواہا نظر آیا جو اپنی بکریوں کو ہانکے لیے جا رہا تھا میں نے اس سے پوچھا تم کس کے غلام ہو؟ اس نے قریش کے ایک آدمی کا نام لیا جس کو میں جانتا تھا' پھر میں نے کہا تمہاری بکریوں کے دودھ ہے؟ اس نے کہا ہاں! میں نے کہا اپنے ہاتھ اور بکری کے تھن جھاڑ کر پیالہ میں دودھ تو دوہو' اس نے دوہا تو میں آنحضرت ﷺ کے لیے ایک برتن میں رکھ کر اور تھوڑا پانی ملا کر کہ دودھ ٹھنڈا ہو جائے آپؐ کے پاس لایا' آپؐ نے نوش فرمایا۔ (۲)

(۱) لسان المیزان ترجمہ محمد بن بشر بن ابان السکری۔

(۲) صحیح بخاری باب مناقب المہاجرین۔

Marfat.com

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کی ایک اجتماعی زندگی شروع ہوگئی تھی اور خلوت وجلوت میں ہر موقع پر جاں نثاروں کا ہجوم رہتا تھا' اس لیے آپؐ کے واقعات وسوانح کا ایک ایک حرف پہلے سے زیادہ روشن ہو جاتا ہے' اس بناء پر اس زمانہ کے دلائل ومعجزات زیادہ محفوظ طریقہ سے احادیث میں مذکور ہیں اور اس عہد کے متعلق جو غلط اور مشتبہ روایات بعد کو پیدا ہوئی ہیں محدثین نے موضوعات میں اعلانیہ ان کی پردہ دری کردی ہے' [1] اس لیے فن موضوعات پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کی اس میں تفصیل موجود ہے مثلاً۔

(۱) وہ تمام روایتیں جن میں آنحضرت ﷺ کے معجزہ سے حضرت آمنہ یا کسی اور مردہ کے زندہ ہونے کا بیان ہے وہ سب جھوٹی اور بنائی ہوئی ہیں۔

(۲) وہ معجزے جن میں گدھے' اونٹ' بکری' ہرن' گوہ' بھیڑیئے' شیر وغیرہ جانوروں کے انسانوں کی طرح بولنے یا کلمہ پڑھنے کا ذکر ہے بروایت صحیحہ ثابت نہیں ہیں۔[2]

(۳) ایسی روایتیں جن میں آنحضرت ﷺ کے لیے آسمان سے خوان نعمت یا جنت سے میووں کے آنے کا ذکر ہے موضوع یا ضعیف ہیں۔[3]

(۴) وہ روایتیں جن میں حضرت خضرؑ یا الیاسؑ سے ملنے یا ان کے سلام و پیام بھیجنے کا بیان ہے صحت سے خالی ہیں۔

(۵) عوام میں مشہور ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سایہ نہ تھا لیکن یہ کسی روایت سے ثابت نہیں۔

(۶) روایت ہے کہ آپؐ قضائے حاجت سے واپس آتے تھے وہاں کوئی نجاست باقی نہیں رہتی تھی' یہ سرتاپا موضوع ہے۔

(۷) واعظوں میں مشہور ہے کہ ابوجہل کی فرمائش سے اس کے ہاتھ کی کنکریاں آنحضرت ﷺ کے معجزہ سے کلمہ پڑھنے لگیں' لیکن یہ ثابت نہیں۔

(۸) وہ تمام حکایات جن سے ہماری زبان میں کتب وفات نامہ اور ہرنی نامہ ترتیب پائی ہیں' تمام تر جھوٹی ہیں۔

---

(۱) علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ کی پانچویں جلد میں ان روایتوں کو مع تنقید کے جمع کردیا ہے۔

(۲) یعنی ضعیف روایتوں میں گو یہ آیا ہے لیکن ان کو صحیح درجہ حاصل نہیں' ان میں سے ایک بھیڑیئے کے بولنے کا قصہ زیادہ مشہور ہے جو دلائل بیہقی' مسند احمد' حاکم اور ترمذی میں بطرق متعددہ مذکور ہے' جن میں سب سے قوی حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے' حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے بشرط مسلم کہا ہے (مستدرک ج ۴ ص ۴۶۷) لیکن امام بخاری نے کہا ہے کہ اس کی سند قوی نہیں (زرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۱۹۳)

(۳) اس قسم کی ایک روایت مسند احمد (ج ۴ ص ۱۰۴) دارمی ص ۱۲' نسائی' حاکم' بزار' ابویعلیٰ' اور طبرانی میں سلمہ بن نفیل سکونی سے مروی ہے' حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے' لیکن ذہبی نے اس کے استدراک میں اس کو سنداً صحیح کہا ہے لیکن غرائب صحاح میں قرار دیا ہے (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۴۴۷' ۴۴۸ وخصائص کبریٰ سیوطی ج ۲ ص ۵۶ حیدرآباد)

Marfat.com

(۹) ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دفعہ حضرت علیؓ کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرما رہے تھے‘ آفتاب ڈوب رہا تھا اور نماز عصر کا وقت ختم ہو رہا تھا لیکن حضرت علیؓ نے ادباً آپؐ کو جگانا مناسب نہ سمجھا‘ جب آفتاب ڈوب گیا تو دفعۃً آپ بیدار ہوئے اور دریافت فرمایا کہ تم نے نماز پڑھی‘ عرض کی نہیں۔ آپؐ نے دعا کی فوراً آفتاب لوٹ کر نکل آیا۔ یہ روایت بھی صحیح طریقہ سے ثابت نہیں ہے۔ (۱)

(۱۰) ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا چہرۂ مبارک اس قدر روشن تھا کہ اندھیرے میں آپؐ جاتے تھے تو اجالا ہو جاتا‘ چنانچہ ایک دفعہ رات کو حضرت عائشہؓ کے ہاتھ سے سوئی گر گئی‘ تلاش کی نہیں ملی دفعۃً آپؐ تشریف لے آئے تو چہرہ مبارک کی روشنی میں سوئی چمک اٹھی اور مل گئی‘ یہ بالکل جھوٹ ہے۔

گو ان میں سے بعض روایتوں کو اہل سیر اور مصنفین نے فضائل نبویؐ میں اپنی کتابوں میں درج کیا ہے مگر اس سے ان کی صحت ثابت نہیں ہوتی‘ اور اگر ان میں کوئی روایت سنداً صحیح ثابت ہو جائے تو اس خاکسار ہیچمدان کو ان کے قبول میں کوئی عذر نہیں۔ وفوق کل ذی علم علیم۔

ان روایتوں کی تنقید سے غرض نعوذ باللہ فضائل نبویؐ میں کلام نہیں ہے بلکہ یہ اعتقاد ہے کہ حضور انور ﷺ کی ذات پاک کی طرف جو بات منسوب کی جائے وہ ہر طرح صحیح ہو۔ (۲)

بشارات

﴿یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَ هُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَ الْاِنْجِیْلِ﴾ (اعراف) ”جس پیغمبر کو وہ اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔“

یہود و نصاریٰ میں یہ خیال ہے کہ کسی پیغمبر کا دعوائے نبوت اس وقت تک مُسلّم نہیں جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ پہلے پیغمبروں نے اس کی آمد کی پیشین گوئی کی ہے اور جو اس کی نشانیاں بتائی ہیں وہ مدعی نبوت میں پائی جاتی ہیں‘ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کو بھی وہ اسی معیار پر پرکھتے تھے اور بہت سے یہود و نصاریٰ جن کو اس معیار سے تشفی کی دولت حاصل ہوئی‘ وہ علی الاعلان ایمان لائے اور جو اپنی کمزوری سے اپنے ایمان کا اعلان نہ کر سکے‘ انہوں نے اسلام کی صداقت کا اعتراف کیا‘ لیکن جن کے قلوب عناد و تعصب کے گرد و غبار سے تیرہ و تار تھے وہ اس ظلمات سے باہر نہ آ سکے اور آب حیات کا سرچشمہ ان کے ہاتھ نہ آ سکا۔

---

(۱) بعض علمائے اہل سنت مثلاً قاضی عیاض‘ ابوحفص طحاوی اور عام علمائے روافض نے اس روایت کے ضعف کو دور کرنے کی کوشش کی ہے مگر عام ائمہ رجال کا رجحان اس روایت کے موضوع یا کم از کم ضعیف ہونے کی طرف ہے‘ ابن جوزی نے موضوعات میں شمار کیا ہے‘ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ہمارے استاذ حافظ مزی اور امام ذہبی نے بھی اس کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۸۲)

(۲) اس کتاب کے تصنیف کے برسوں بعد حافظ ابن کثیر کی کتاب البدایہ والنہایہ مصر سے چھپ کر آئی ہے جو سیرت پر بڑی مفصل کتاب ہے‘ اس کی چھٹی جلد میں حافظ موصوف نے معجزات نبویہ کی ہر قسم کی روایتوں کو جمع کر دیا ہے اور ان پر کلام بھی کیا ہے اور ان کے اسناد کی جرح و تعدیل بھی کی ہے‘ اہل تحقیق حضرات اس کی طرف توجہ فرمائیں۔

Marfat.com

آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کے جواب میں فرمایا' کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔[1] اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ نے جب کعبہ کی تعمیر سے فراغت پائی تو مقدس باپ بیٹوں نے مل کر دعا مانگی کہ ہماری اولاد میں ایک پیغمبر اس سرزمین میں مبعوث ہو۔

﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی وَ عَهِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ (بقرہ:۵)

''اور یاد کر جب ابراہیمؑ کے پروردگار نے ابراہیمؑ کا چند باتوں میں امتحان لیا' پس ابراہیمؑ نے ان کو پورا کیا' خدا نے کہا کہ اے ابراہیمؑ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا' ابراہیمؑ نے کہا اور میری اولاد میں سے' خدا نے کہا میرا وعدہ گنہگار نہ پائیں گے اور یاد کرو جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا مرجع اور مامن بنایا اور حکم دیا کہ ابراہیمؑ کے قیام گاہ کو نماز کی جگہ مقرر کرو اور ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو فرمایا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک وصاف کرو اور یاد کرو جب ابراہیمؑ نے دعا کی کہ میرے پروردگار! اس (مکہ) کو امن کا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں میں سے جو خدا اور آخرت پر یقین رکھتے تھے ان کو پھل روزی دے' خدا نے کہا جو ان میں سے خدا کا منکر ہوگا اس کو بھی ہم چند روزہ زندگی میں بہرہ مند کریں گے پھر اس کو مجبور کر کے عذاب دوزخ میں لے جائیں گے اور بہت برا ٹھکانہ ہے اور یاد کرو جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ خانہ کعبہ کی بنیاد رکھ رہے تھے' تو انہوں نے دعا کی خداوندا! ہماری یہ خدمت قبول کر' تو ہی دعا کا سننے والا ہے' نیتوں کا جاننے والا ہے خداوندا ہم کو اپنا فرمان بردار بنا اور ہماری نسل میں بھی ایک گروہ اپنے فرمان برداروں کا پیدا کر اور ہم کو ہماری عبادت کے طریقے سکھا' ہم سے درگزر کر تو ہی بڑا درگزر کرنے والا اور مہربان ہے' خداوندا ان ہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کر جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کا تزکیہ کرے تو غالب اور حکمت والا ہے۔''

ان آیات میں بتصریح یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے مل کر خدا کے حضور میں دعا کی اس شہر میں ہماری نسل سے ایک پیغمبر مبعوث فرما' چونکہ مقام بعثت کہ مقرر کیا گیا اور دعا میں حضرت اسماعیلؑ کی بھی شرکت تھی' اس

(۱) صفحات ذیل میں صرف ان ہی بشارات سے بحث ہے جن کے حوالے قرآن وحدیث میں مذکور ہیں۔

Marfat.com

لیے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس دعا کا مقصود یہ تھا کہ یہ پیغمبر اسماعیل سے ہوگا اور مکہ میں اس کی بعثت ہوگی۔

موجودہ توراۃ کی کتاب پیدائش باب ۱۶ کے آخر اور باب ۱۷ کے اول میں بھی کچھ اس کے اشارات پائے جاتے ہیں۔

''اور ہاجرہؓ ابراہیمؑ کے لیے بیٹا جنی' اور ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کا نام جو ہاجرہ جنی اسماعیلؑ (خدا نے دعا سنی) رکھا (پیدائش ۱۶'۱۵)

جب ابراہیم ننانوے برس کا ہوا تب خداوند ابرام کو نظر آیا اور اس نے کہا کہ میں خدائے قادر ہوں تو میرے حضور میں چل اور کامل ہو اور اپنے اور تیرے درمیان عہد کرتا ہوں کہ میں تجھے نہایت بڑھاؤں گا تب ابرام منہ کے بل گرا اور خدا اس سے ہم کلام ہو کر بولا کہ دیکھ میں جو ہوں' ہوں' تیرا عہد ہے میرے ساتھ ہے اور تو بہت قوموں کا باپ ہوگا اور تیرا نام پھر ابرام نہ کہلایا جائے گا بلکہ تیرا نام ابرہام ہوگا' کیونکہ میں نے تجھے بہت قوموں کا باپ ٹھہرایا اور میں تجھے بہت پھل دوں گا اور قومیں تجھ سے پیدا ہوں گی' اور بادشاہ تجھ سے نکلیں گے اور میں اپنے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ان کے پشت در پشت کے لیے اپنا عہد جو ہمیشہ کا عہد ہے کرتا ہوں کہ میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا ہوں گا اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے' دیتا ہوں کہ ہمیشہ کے لیے ملک ہو اور میں ان کا خدا ہوں گا۔'' (پیدائش: ۱۷:۱ تا ۱۸)

خدا کا حضرت ابراہیمؑ سے یہ عہد' حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش کے بعد ہی اور حضرت اسحاقؑ کی ولادت سے پہلے ہوتا ہے جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ بشارت اسماعیلؑ کے لیے ہے اسحاق کے لیے نہیں' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاقؑ کی بشارت دی' حضرت ابراہیمؑ کو وہم ہوا کہ اس نئی بشارت سے یہ مراد تو نہیں ہے کہ اسمٰعیلؑ زندہ نہ رہیں گے اور وہ عہد اسحاق کے ساتھ پورا ہوگا' فوراً بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔

''کاش کہ اسمٰعیل تیرے حضور جیتا رہے۔'' (پیدائش ۱۷:۱۸)

خدا نے جواب دیا۔

''اور اسمٰعیلؑ کے حق میں' میں نے تیری سنی' دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے بارور کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔ (پیدائش ۱۷:۲۰)

حضرت ہاجرہؓ جب حاملہ ہونے کے بعد حضرت سارہؓ سے خفا ہو کر بیر سبع چلی گئیں تو فرشتہ نے آواز دی' میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنی نہ جائے گی اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو بیٹا جنے گی' اس کا نام اسمٰعیل رکھنا کہ خدا نے تیرا دکھ سن لیا۔ (پیدائش ۱۶:۱۰)

حضرت ابراہیمؑ نے جب حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیلؑ کو فاران (مکہ) کے بیابان میں رخصت کیا اور مشکیزہ کا پانی چک گیا اور حضرت ہاجرہ نے گریہ وزاری شروع کی۔

''تب خدا نے اس لڑکے (اسمٰعیل) کی آواز سنی اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے

Marfat.com

کہا کہ اے ہاجرہ! تجھ کو کیا ہوا؟ مت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے خدا نے سنی اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا' پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں (بیر زم زم) دیکھا۔ خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان (عرب)[1] میں رہا۔۔۔۔۔۔۔۔اور وہ فاران کے بیابان میں رہا۔"[2] (پیدائش: ۲۱٬۱۷ تا ۲۱)

موجودہ توراۃ میں حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش اور ان کی نسل کی برومندی' کثرت اور برکت اور ان کی نسل کے بارہ سرداروں کے پیدا ہونے کی بشارتیں مذکور ہیں اور ان سے قرآن مجید کے بیان کردہ دعاء ابراہیمی اور عہد الٰہی کی تائید ہوتی ہے' الغرض اسی لیے روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ میں تمہیں بتاؤں کیا ہوں؟ انا دعوۃ ابی ابراھیم۔ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں۔ [3]

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی نسل میں جس رسول کے پیدا ہونے کی دعا مانگی تھی' اس کے اوصاف یہ گنائے تھے۔

﴿رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ ايٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيهِمْ﴾ (بقرہ: ۱۵)

"اے ہمارے خداوندا! ان میں (یعنی اسماعیل کی اولاد میں) ایک پیغمبر کو مبعوث کرنا جو ان کو تیرے احکام پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک وصاف کرائے۔"

قرآن مجید نے متعدد مقامات پر آنحضرت ﷺ کے یہی اوصاف ظاہر کیے ہیں۔

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيِّيْنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ (جمعہ)

"اسی خدا نے ان پڑھوں میں ان ہی کی قوم سے ایک پیغمبر مبعوث کیا جو ان کو خدا کے احکام پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک وصاف کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ (ال عمران)

"خدا نے مومنوں پر یقیناً یہ احسان کیا کہ ان میں ایک پیغمبر خود ان ہی کی قوم سے مبعوث کیا جو ان کو خدا کے احکام سناتا ہے اور ان کو پاک وصاف کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"

اس سے یہ اشارہ صاف واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا وجود مبارک دعائے ابراہیمی کی قبولیت کا مظہر ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کی جو بشارت دی ہے وہ اس سے بھی زیادہ صاف ہے۔

﴿وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ﴾ (صف)

"اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس خدا کا قاصد بن کر' اور مجھ سے پہلے جو توراۃ آئی' میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور اپنے بعد احمد نام ایک پیغمبر کی خوش خبری لے کر آیا ہوں۔"

---

(۱) عرب کے لفظی معنی بیابان کے ہیں۔

(۲) قرآن مجید نے اس کو وَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ۔ بن کھیتی کے میدان سے تعبیر کیا ہے۔

(۳) طبقات ابن سعد ومستدرک۔

Marfat.com

انجیل یوحنا باب ۱۴ میں ایک آنے والے کی بشارت ان الفاظ میں ہے۔

''اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں دوسرا ''فارقلیط'' بخشے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے۔'' (۱۴:۱۶)

آگے بڑھ کر پھر ہے۔

''لیکن وہ ''فارقلیط'' جو روح القدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا اور سب باتیں جو کچھ کہ میں نے کہی ہیں تمہیں یاد دلائے گا۔'' (۱۴:۲۶)

اسی انجیل کے باب ۱۵: ۱۶ میں ہے۔

''پر جب وہ ''فارقلیط'' جسے میں تمہارے لیے باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کی روح جو باپ سے نکلتی ہے تو وہ میرے لیے گواہی دے گا۔''

اسی انجیل کے باب ۱۶: ۷ میں ہے۔

''لیکن میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لیے میرا جانا ہی فائدہ ہے' کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو ''فارقلیط'' تمہارے پاس نہ آئے گا' پر اگر میں جاؤں تو میں اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آن کر دنیا کو گناہ سے اور راستی سے اور عدالت سے قصوروار ٹھہرائے گا' گناہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے راست بازی کے بارے میں اس لیے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہیں دیکھو گے عدالت کے بارے میں اس لیے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے' میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں' پر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے' لیکن جب وہ سچائی کی روح آئے گی تو وہ تمہیں ساری سچائی کی بات بتائے گی' اس لیے کہ وہ اپنی نہ کہے گی لیکن جو کچھ وہ سنے گی سو کہے گی اور تمہیں آئندہ کی خبر دے گی' وہ میری بزرگی کرے گی' اس لیے کہ وہ میری چیزوں سے پائے گی اور تمہیں دکھائے گی۔''

انجیل کی ان آیتوں میں حضرت عیسیٰؑ نے جس آنے والے پیغمبر کی بشارت بار بار دی ہے اس کو لفظ ''فارقلیط'' سے تعبیر کیا ہے' یہ لفظ عبرانی یا سریانی ہے' جس کے لفظی معنی ٹھیک محمدؐ اور احمدؐ کے ہیں' یونانی کے قدیم تراجم میں اس کا ترجمہ ''پیریکلیوطاس'' کیا گیا تھا جو بعینہٖ فارقلیط اور احمد کا ہم معنی ہے' مگر یہ دیکھ کر کہ اس سے اسلام کی تصدیق ہوتی ہے' ذرا سے تغیر سے پیریکلیوطاس کے بجائے ''پیریکلیطاس'' کر دیا گیا ہے جس کا ترجمہ اب عام طور سے ''تسلی دہندہ'' کیا جاتا ہے۔ عیسائی اور مسلمان علماء کے درمیان اس لفظ کی تحقیق پر سینکڑوں برس سے مناظرہ قائم ہے اور مسلمان علماء نے خود قدیم عیسائی علماء کی تحریروں سے یہ ثابت کیا ہے کہ صحیح لفظ پیریکلیوطاس'' ہے' سب سے زیادہ سیدھی بات یہ ہے کہ یہ فقرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے نکلے تھے ان کی زبان سریانی آمیز عبرانی تھی' یونانی نہ تھی' اس لیے جو لفظ ان کی زبان سے نکلا ہو گا وہ عبرانی یا سریانی ہو گا اس لیے یہ بالکل صاف ہے کہ انہوں نے فارقلیط کا لفظ کہا ہو گا جو احمد یا محمد کا مرادف ہے جیسا کہ اوپر کی آیت میں قرآن کا دعویٰ ہے۔[1]

(۱) خطبات احمدیہ خطبہ بشارات محمدی' منقول از گاڈفری ہیگنس صاحب۔

Marfat.com

گزشتہ صفحات میں یہ کہیں ثابت کیا جاچکا ہے کہ آنحضرت ﷺ توراۃ وانجیل کی انسانی تعلیم سے قطعاً ناآشنا تھے' بایں ہمہ یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس آنے والے پیغمبر کی جو صفتیں گنائی ہیں وہ حرف بحرف آنحضرت ﷺ پر صادق آتی ہیں۔

''لیکن وہ فارقلیط (احمد) جوروح القدس (پاکیزگی کی روح) ہے جسے باپ (خدا) میرے نام سے بھیجے گا وہ تمہیں سب چیزیں سکھائے گا اور سب باتیں جو میں نے تم سے کہی ہیں تمہیں یاد دلائے گا۔'' (یوحنا ۱۴: ۲۶)

''وہ فارقلیط (احمد) جو باپ (خدا) سے نکلتی ہے آئے تو میرے لیے گواہی دے گا۔'' (یوحنا ۱۵: ۲۶)

''اور وہ (فارقلیط) آن کر دنیا کو گناہ سے راستی اور عدالت سے قصور وار ٹھہرائے گا' گناہ سے اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے' راست بازی کے بارے میں اس لیے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہیں دیکھو گے عدالت کے بارے میں اس لیے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے' میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں' پر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے' لیکن جب وہ سچائی کی روح آئے گی تو وہ تمہیں ساری سچائی کی بات بتائے گی' اس لیے کہ وہ اپنی نہ کہے گی لیکن جو کچھ وہ سنے گی سو کہے گی اور تمہیں آئندہ کی خبر دے گی' وہ میری بزرگی کرے گی۔'' (یوحنا ۱۶: ۸)

انجیل کے ان فقروں میں آنے والے پیغمبر کی یہ صفات گنائی گئی ہیں۔

(۱) مسیح کی اصلی تعلیم لوگ بھول جائیں گے' اس لیے وہ پیغمبر آ کر اس کو یاد دلائے گا۔

(۲) وہ مسیح کی ناتمام باتوں کی تکمیل کرے گا اور وہ ساری سچائی کی باتیں بتائے گا اور سب باتوں کی خبر دے گا۔

(۳) مسیح کی عظمت کو دنیا میں قائم کرے گا اور ان کی گواہی دے گا اور ان پر ایمان نہ لانے پر دنیا کو گنہگار ٹھہرائے گا۔

(۴) اس کی باتیں خود اس کی نہ ہوں گی بلکہ جو کچھ خدا کی طرف سے ان کو سنایا جائے گا وہی کہے گا۔

اس صداقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مسیح کی اصلی تعلیم عیسائی بھلا چکے تھے' توحید کی جگہ تثلیث تھی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعلیمات صادقہ میں ابنیت' الوہیت مسیح' مجسمہ پرستی اور بیسیوں عقائد فاسدہ کا اضافہ کر دیا گیا تھا وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات مبارک ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھلائی ہوئی باتوں کو پھر یاد دلایا اور بتایا کہ ان کی اصلی تعلیم کیا تھی۔ قرآن مجید نے پورے واشگاف طریق سے نصاریٰ کے عقائد فاسدہ اور غلط تعلیمات کی تشریح کی اور دنیا میں تثلیث کے بجائے توحید کا علم نصب کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریمؑ کی الوہیت کی تردید کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت اور ان کی موت وحیات کے مسئلہ کو صاف کیا۔

اس کے بعد حضرت مسیحؑ نے کہا کہ وہ میری ناتمام باتوں کی تکمیل کرے گا' یہ خصوصیت بھی خاتم النبیین کے سوا اور کسی پر صادق نہیں آ سکتی' مسیح کے اس فقرے سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں' ایک یہ کہ مسیح تک دین الٰہی ناتمام ہے

Marfat.com

اور دوسری یہ کہ آئندہ آنے والے پیغمبر کے ہاتھ سے اس کی تکمیل ہوگی اور وہ سچائی کی تمام راہیں دکھائے گا اور ساری باتوں کی خبر دے گا۔ یہ پیشین گوئی آنحضرت ﷺ کی ذات سے پوری ہوئی' آپ ؐ کی ذات سے دین الٰہی تکمیل کو پہنچا اور آپ ؐ نے عقائد' عبادات' اخلاق' احکام' آثار قیامت' جنت' دوزخ' سزا' جزا وغیرہ کی باتوں کو اس تفصیل' تشریح اور تکمیل کے ساتھ بتایا جس کی مثال دنیا کے کسی پیغمبر کی تعلیم میں نہیں ملتی' اس لیے آپ ؐ کو خاتم النبیین کا لقب دیا گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس پیغمبر کی تیسری نشانی یہ بتائی کہ وہ دنیا میں میری عظمت کو قائم کرے گا اور میرے لیے گواہی دے گا۔ یہ نشانی بھی آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کے سوا کسی اور پر صادق نہیں ہو سکی' وہ آنحضرت ﷺ ہی ہیں' جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصلی شخصیت اور عظمت کو دنیا میں آشکارا کیا اور دوستوں اور دشمنوں کی طرف سے ان پر جو غلط اتہامات قائم کیے گئے تھے ان کی پردہ دری کی اور ان کی نبوت اور رسالت کی گواہی دی اور ان کی صداقت کو تسلیم کرنا اسلام کا ضروری رکن قرار دیا' ان کے حقیقی اوصاف و محامد کی تصویر کو جسے یہود نے دشمنی سے اور نصاریٰ نے مُحبت سے دھندلی کر دیا تھا' اپنی روشنی سے اجاگر کر دیا' یہودیوں نے ان پر اور ان کی ماں پر جو بہتان باندھے تھے ان کی علی روس الاشہاد تردید کر دی اور نصاریٰ نے ان کی ولادت' وفات' ابنیت' الوہیت اور تعلیمات پر رومی مشرکانہ اعمال و عقائد کا جو پردہ ڈال رکھا تھا اس کو چاک کر دیا اور قرآن کی بیسیوں آیتوں میں نہایت صفائی کے ساتھ ان امور کی تشریح کی گئی اور اب کروڑوں دلوں میں ان کی اصلی عظمت اور حقیقی بزرگی کا نقش کندہ ہے۔

چوتھی نشانی حضرت مسیحؑ نے یہ بتائی کہ وہ خود اپنی طرف سے نہیں کہے گا بلکہ وہی کہے گا جو اس کو اوپر سے سنایا جائے گا' یہ آنحضرت ﷺ کا خاص وصف ہے۔ قرآن نے کہا:

﴿وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (نجم:1)
''اور وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا بلکہ وہ جو کچھ بولتا ہے وہی بولتا ہے جو اس پر وحی کی جاتی ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص آنحضرت ﷺ جو کچھ ارشاد فرمایا کرتے تھے اس کو لکھ لیا کرتے تھے' لوگوں نے کہا آپ ؐ کبھی غصہ میں کچھ کہہ دیتے ہیں' ان کو لکھا نہ کرو' حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے جا کر آنحضرت ﷺ سے عرض کی' آپ ؐ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس سے رضامندی اور نارضامندی دونوں حالتوں میں حق اور سچائی کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا' قرآن مجید نے اپنی نسبت بارہا کہا کہ وہ سچائی کی روح ہے' وہ حق ہے وہ تذکرہ ہے' وہ ہدایت ہے' اور اس کا پیغمبر چراغ ہدایت ہے' رہنمائے عالم ہے' مذکر (یاد دلانے والا ہے) اس تفصیل کے بعد کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی پیشین گوئی آنحضرت ﷺ کے ظہور سے حرف بحرف پوری نہیں ہوئی اور آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی اور ہستی نہیں جس پر یہ اوصاف صادق آ سکیں' قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور کی پیشین گوئی توراۃ اور انجیل دونوں میں مذکور ہے اور یہود و نصاریٰ دونوں اس پیشین گوئی کو جانتے تھے۔

﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ
''جو لوگ اس ان پڑھ پیغام رساں قاصد کی پیروی

Marfat.com

﴿يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِى التَّوْرٰةِ وَ الْاِنْجِيْلِ﴾ (اعراف:۱۹)	کرتے ہیں جس کو وہ اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔''

انجیل میں گزشتہ بشارت فارقلیط کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی دو اور بھی پیشین گوئیاں مذکور ہیں' انجیل لوقا میں ہے۔ حضرت مسیحؑ نے آسمان پر چلے جانے سے تھوڑی دیر پہلے فرمایا۔

''دیکھو میں اپنے باپ خدا کے اس موعود کو تم پر بھیجتا ہوں' لیکن جب تک عالم بالا سے تم کو قوت عطا نہ کی جائے یروشلم میں ٹھہرو۔'' (لوقا ۴۲:۴۹)

اس کی چند سطروں کے بعد لوقا کی انجیل ختم ہو گئی ہے اور اس موعود کے ظہور کا کوئی ذکر نہیں' وہ رسول موعود کون تھا؟ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی پیغمبر نہیں ہوا' انجیل کے اس فقرہ میں یہ الفاظ غور کے قابل ہیں کہ حضرت مسیحؑ کہتے ہیں کہ اس قوت آسمانی کے ظاہر ہونے کے وقت تک شہر یروشلم میں ٹھہرو' اس سے مقصود اس قوت آسمانی کے ظہور تک شہر یروشلم میں محض اقامت نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس رسول موعود کے ظہور تک تمہارا کعبہ اور قبلہ بیت المقدس رہے گا لیکن جب وہ آئے گا تو رخ شہر مکہ کی طرف بدل جائے گا' اسی لیے قرآن مجید نے تحویل قبلہ کے موقع پر یہ کہا ہے۔

﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ (بقرہ ۵)	''تو تو اپنا منہ مسجد حرام (کعبہ) کی طرف پھیر اور تم جہاں بھی ہو اسی کی طرف اپنے منہ پھیرو اور جو اہل کتاب ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے' ان کے پروردگار کی جانب ہے۔''

اس تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپؐ کی آمد کی بشارت کس قدر کھلے لفظوں میں دی تھی' اسی لیے احادیث میں ہے کہ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ میں اپنے بھائی عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ انجیل کی دوسری بشارت حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ظہور کے موقع پر مذکور ہے' حضرت یحییٰ علیہ السلام جب ظاہر ہوتے ہیں تو لوگ ان سے پوچھتے ہیں کہ تین آنے والے پیغمبروں میں سے تم کون ہو؟

''یہودیوں نے یروشلم سے کاہنوں اور لاویوں کو بھیجا کہ اس سے پوچھیں کہ تو کون ہے؟ اور اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں' تب انہوں نے اس سے پوچھا تو اور کون ہے؟ کیا تو الیاس ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں' پس آیا تو وہ ''نبی'' ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں اور انہوں نے اس سے سوال کیا اور کہا کہ اگر تو نہ مسیح ہے اور نہ الیاس اور نہ ''وہ نبی'' ہے تو کیوں بپتسمہ دیتا ہے۔'' (یوحنا ۱:۹)

اس فقرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ توراۃ کی پیشین گوئی کے مطابق یہود کو تین پیغمبروں کا انتظار تھا' جن میں سے دو کے نام الیاسؑ اور مسیحؑ تھے' لیکن تیسرے کا نام صرف وہ ''نبی'' ہے لیا گیا ہے' یہ تیسرا نبی محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا کون ہے کہ یہود و نصاریٰ دونوں یقین رکھتے ہیں کہ اب مسیحؑ کے سوا کوئی اور آنے والا نہیں صرف آنحضرت ﷺ کی ہی ذات ہے جو نبی اور پیغمبر کے مطلق نام سے دنیا میں مشہور ہے' مسلمان آپؐ کو ''آنحضرتؐ'' وہ حضرتؐ یعنی پیغمبر

Marfat.com

کہتے ہیں اور مسیحیوں میں آپ ؐ کا نام ''دی پرافٹ'' وہ پیغمبر مشہور ہو گیا ہے۔

صحابہ کرامؓ اور تابعین میں جن لوگوں کو توراۃ سے واقفیت تھی یا علمائے یہود میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے۔ ان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آنحضرت ﷺ کی بشارت گزشتہ صحف انبیاء میں مذکور ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص گو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کم سن تھے، مگر وہ مطالعہ کتب کے شائق تھے اور وہ توراۃ پڑھا کرتے تھے، سورۂ فتح میں آنحضرت ﷺ کی شان میں ہے۔

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا﴾ (فتح:۱)

''ہم نے تجھ کو گواہ خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تا کہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی عظمت کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو۔''

سورۂ احزاب میں کچھ اوصاف اور زیادہ مذکور ہیں۔

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا﴾ (احزاب:۶)

''اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو گواہ، خوش خبری دینے والا، ڈرانے والا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا کہ اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے جو اوصاف گنائے گئے ہیں وہ بعینہ توراۃ میں ہیں۔

عن عبدالله بن عمرو ان هذا الاية التى فى القران يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا قال فى التوراة يايها النبى انا ارسلناک شاهد او مبشر او حرز الامين انت عبدى و رسولى و سميتک المتوكل ليس بفظ و لا غليظ و لا سخاب بالا سراق و لايد فع السيئة بالسيئة و لكن يعفر و يصفح و لن بقبضه الله حتى يقيم به الملة العوجآء بان يقولوا لا اله الا الله فيفتح بها اعينا عميا و اذانا صما و قلوباً غلفاً (بخاری تفسیر سورہ فتح)

''عبداللہ بن عمرو نے کہا کہ قرآن کی یہ آیت کہ اے پیغمبر میں نے تجھ کو گواہ اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا، توراۃ میں یونہی ہے کہ اے نبی! میں نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور امیوں کا ماوی و ملجا بنا کر بھیجا۔ تو میرا بندہ ہے اور میرا رسول ہے اور میں نے تیرا نام خدا پر بھروسہ رکھنے والا رکھا وہ سخت اور سنگدل نہ ہو گا اور بازاروں میں وہ شور نہ کرے گا، اور برائی کا بدلہ برائی نہ کرے گا بلکہ عفو و درگزر کرے گا اور اس وقت تک خدا اس کی روح قبض نہ کرے گا جب تک اس کے ذریعہ سے وہ کج دین کو سیدھا نہ کر لے گا کہ لوگ کہنے لگیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خدا نہیں، پس وہ اس دین سے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور نافہم دلوں کو کھول دے گا۔''

صحابہؓ کے زمانہ میں کعبؓ ایک مشہور یہودی عالم تھے جو مسلمان ہو گئے تھے تفسیر طبری میں ہے کہ حضرت عطا تابعی نے ان سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کی کوئی بشارت توراۃ میں مذکور ہے؟ انہوں نے کہا ہاں ہے اور اس کے

Marfat.com

بعد انہوں نے توراۃ کی اسی عبارت کا ترجمہ پڑھا' چنانچہ اس وقت توراۃ کے جو نسخے موجود ہیں ان میں اشعیا نبی کی کتاب میں کسی قدر الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ پیشین گوئی اب تک موجود ہے اور جس پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت کعبؓ نے اپنی پیشین گوئی کو اختصار اور اجمال کے ساتھ اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے' اشعاء نبی کی پیشین گوئی یہ ہے۔

''دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا' میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی روح اس پر رکھی' وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا' وہ نہ چلائے گا اور اپنی صدا نہ بلند کرے گا اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا' وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑے گا اور دھکتی ہوئی بتی کو نہ بجھادے گا وہ عدالت کو جاری کرائے گا کہ دائم رہے' اس وقت زوال نہ ہوگا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے اور بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں' خداوند خدا جو آسمانوں کو خلق کرتا اور انہیں تانتا جو زمین کو اور انہیں جو اس سے نکلتے ہیں پھیلاتا اور ان لوگوں کو جو اس پر ہیں۔ انس دیتا اور ان کو جو اس پر چلتے ہیں روح بخشتا ہے' یوں فرماتا ہے' میں خداوند نے تجھے صداقت کے لیے بلایا' میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور میں تجھ کو لوگوں کے لیے عہد اور قوموں کے لیے نور بناؤں گا[1] کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور بند ہوؤں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں' قید خانہ سے چھڑائے یہودا میں ہوں' یہ میرا نام ہے اور اپنی شوکت دوسرے کو نہ دوں گا اور وہ ستائش جو میرے لیے ہوتی کھودی ہوئی مورتوں کے لیے ہونے نہ دوں گا' دیکھو تو سابق پیشین گوئیاں بر آئیں اور میں نئی باتیں بتاتا ہوں' اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں' خداوند کے لیے ایک نیا گیت گاؤ' اے تم جو سمندر پر گزرتے ہو' اور تم جو اس میں سے ہو' اے بحری ممالک اور ان کے باشندو تم زمین پر سرتاسر اسی کی ستائش کرو' بیابان اور اس کی بستیاں' قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے' سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے' پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے' وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے اور بحری ممالک میں اس کی ثناخوانی کریں گے' خداوند ایک بہادر کے مانند نکلے گا' وہ جنگی مرد کے مانند اپنی عزت کو اس کائے گا' وہ چلائے گا' ہاں وہ جنگ کے لیے بلائے گا وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہوگا' میں بہت مدت سے چپ رہا' میں خاموش ہو رہا اور آپ کو روکتا گیا' پر اب میں اس عورت کی طرح جسے درد زہ ہو چلاؤں گا اور ہانپوں گا اور زور زور سے ٹھنڈی سانس بھی لوں گا میں پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کر ڈالوں گا اور ان کے سبزہ زاروں کو خشک کروں گا اور ان کی ندیاں بسنے کے لائق زمین بناؤں گا اور تالابوں کو سکھادوں گا اور اندھوں کو اس راہ سے کہ جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا' میں انہیں ان رستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے جاؤں گا' میں ان کے آگے تاریکی کو روشنی اور اونچی نیچی جگہوں کو میدان کر دوں گا' میں ان سے یہ سلوک کروں گا اور انہیں ترک نہ کروں گا۔ وہ پیچھے ہٹیں

(1) اس فقرے کا اردو ترجمہ میرے پیش نظر اردو نسخہ میں صحیح نہ تھا میں نے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۹۰ء سے درست کیا ہے۔

Marfat.com

اور نہایت پشیمان ہوں' جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے الٰہ ہو' سنو اے بہرو! اور تاکو اے اندھو! تاکہ تم دیکھو اندھا کون ہے' مگر میرا بندہ؟ اور کون ایسا بہرہ ہے جیسا میرا رسول جسے میں بھیجوں گا' اندھا کون ہے؟ جیسا کہ وہ جو کامل ہے اور خداوند کے خادم کی مانند اندھا کون ہے؟ تو نے بہت چیزیں دیکھی ہیں' پر ان پر لحاظ نہیں رکھا اور کان تو کھلے ہیں پر کچھ نہیں سنتا خداوند اپنی صداقت کے سبب راضی ہوا اور وہ شریعت کو بزرگی دے گا اور اسے عزت بخشے گا۔'' (باب ۴۲)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور حضرت کعبؓ کی پیش کردہ بشارت میں جو الفاظ ہیں وہ حرف بحرف اس میں موجود ہیں' پہلا لفظ اس بشارت میں ''شاھد'' ہے یعنی خدا کی طرف سے دو قوموں کے درمیان گواہ اور شاہد ہوگا' اشعیاء میں ہے وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرے گا اور اس عدالت کا وہ گواہ ہوگا۔ اس کے بعد ''مُبَشِّر'' کی صفت ہے یعنی وہ نیکوکاروں کو خدا کی بادشاہی کی خوش خبری سنائے گا' اشعیاء کے اس پورے باب میں اس آنے والے پیغمبر کے یہی اوصاف بیان ہوئے ہیں' بعد ازیں ''حرز الامیین'' اُمیوں کا ماویٰ اور پناہ ہے اُمی وہ ہیں جن کو اب تک کوئی شریعت نہیں ملی تھی' چنانچہ اشعیاء میں ہے کہ اس رسول کے ذریعہ سے اندھوں کو اس راہ سے کہ جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا' میں ان ہی رستوں (شریعت) پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا ''اَنْتَ عَبْدِیْ وَ رَسُوْلِیْ'' یعنی تو میرا بندہ اور رسول ہے۔ اشعیاء کے شروع میں ہے ''دیکھو میرا بندہ۔'' اور آخر میں ہے' میرا بندہ میرا رسول جسے میں بھیجوں گا ''سَمَّیْتُکَ بِالْمُتَوَکِّل'' میں نے تیرا نام خدا پر بھروسہ کرنے والا رکھا۔ اشعیاء میں ہے۔ میرا بندہ جسے میں سنبھالتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔ میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا'' لیس بفظ و لا غلیظ و لا یدفع السیئۃ بالسیئۃ و لکن یعفوا و یصفح'' وہ سنگ دل اور سخت نہ ہو گا' یعنی کمزوروں اور ضعیفوں کو نہ ستائے گا اور برائی کا بدلہ برائی نہ دے گا بلکہ معاف کرے گا' اشعیاء تمثیل و استعارہ میں کہتے ہیں' وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑے گا اور دھیمی بتی کو نہ بجھائے گا وہ عدالت کو جاری کرائے گا۔۔۔۔۔۔ ''ولاسخاب بالاسواق'' وہ بازاروں میں نہ چلائے گا' یعنی وہ متین اور سنجیدہ ہوگا' اشعیاء نے کہا وہ نہ چلائے گا اپنی صدا نہ بلند کرے گا اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا۔ ''ولن یقبضہ اللہ حتی یقیم بہ الملۃ العرجاء'' خدا اس وقت تک اس کی روح قبض نہ کرے گا جب تک اس کے ذریعہ سے کج دین کو سیدھا نہ کرا لے گا' اشعیاء میں ہے اس وقت تک اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائے گا' جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے گا۔ ''فیقولوالا الہ الا اللہ'' تو لوگ کہیں کہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اشعیاء کہتے ہیں' میں خدا (یہودا) اپنی شوکت دوسرے معبودان باطل کو نہ دوں گا اور وہ ستائش جو میرے لیے ہوتی ہے کھودی ہوئی مورتوں کے لیے ہونے نہ دوں گا۔۔۔۔۔۔۔ وہ پیچھے ہٹیں اور نہایت پشیمان ہوں جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے الٰہ ہو ''فیفتح بہ اعینا عمیا واذانا صما وقلوبا غلفا'' وہ اس کے ذریعے سے اندھی آنکھوں' بہرے کانوں اور زیر پردہ

Marfat.com

دلوں کو کھول دے گا۔ اشعیاء کہتے ہیں کہ لوگوں کے عہد اور قوموں کی روشنی کے لیے تجھے دوں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے جو بند ہیں ان کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں ہیں قید سے نکالے ۔۔۔۔۔ سنو اے بہرو! تاکو اے اندھو!۔

حضرت اشعیاء کی یہ بشارت حرف بحرف آنحضرت ﷺ پر صادق آتی ہے' حضرت اشعیاء نے ان فقروں میں جس نبی کی پیشین گوئی کی ہے وہ یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں کہ نہ تو وہ عیسائیوں میں خدا کے بندہ اور رسول کی حیثیت سے تسلیم ہوتے ہیں اور نہ وہ ایک جنگی مرد کی طرح دنیا میں آئے نہ انہوں نے توحید کو دنیا میں قائم کیا اور نہ بت پرستی کا استیصال کیا' علاوہ ازیں اس پیشین گوئی میں اس کی طرف بھی خاص اشارہ ہے کہ وہ آنے والا نبی قیدار بن کر اسمٰعیل کی نسل سے اور قیدار کے دیہاتوں میں پیدا ہوگا۔ قیدار بن اسماعیل کا مشہور خاندان قریش تھا اور قیدار کا دیہات مکہ معظمہ ہے' اس باب ۴۲ سے پہلے جس میں یہ بشارت ہے باب ۴۱ میں بھی اس بشارت کا ایک حصہ مذکور ہے۔

کس نے اس راست باز کو پورب کی طرف سے برپا کیا اور اپنے پاؤں کے پاس بلایا اور اُمتوں کو اس کے آگے دھر دیا اور اسے بادشاہوں پر مسلط کیا' کس نے انہیں (کافروں) خاک کے مانند اس کی تلوار کے' اور اڑتی بھوسی کے مانند اس کی تلوار کے حوالہ کیا۔

اس درس میں یہ تصریح ہے کہ وہ راست باز پورب کی طرف سے مبعوث ہوگا۔ توراۃ کے محاورہ میں پورب کی سرزمین سے عموماً عرب مراد ہوتا ہے (1) اس سے ثابت ہوا کہ وہ راست باز بندہ اور رسول ملک عرب میں مبعوث ہو گا۔

اس بشارت میں آنے والے پیغمبر کے سب سے پہلے وصف کا ترجمہ ''برگزیدہ'' کیا گیا ہے جو آنحضرت کے لقب مصطفیٰ کا ترجمہ ہے' دوسرا وصف ''راست باز'' ہے یہ امین کا وہ لقب ہے جو نبوت سے پہلے اہل مکہ کی زبان سے آپؐ کو ملا تھا' اب حضرت اشعیاء کی بشارت کے ایک ایک لفظ پر غور کرو تو آنحضرت ﷺ کے اوصاف وحالات سے اس کی عجیب مطابقت ہوتی ہے۔

سب سے پہلے یہ کہ اس پیغمبر کو بندہ اور رسول کے وصف سے یاد کیا ہے' یہ وہ وصف ہے جو آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص ہے' آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی پیغمبر اس وصف خاص کے ساتھ شہرت نہیں رکھتا' یہ اسلام ہی کا پیغمبر ہے جس کا طغرائے فخر عبدیت اور رسالت ہے' اس نے دنیا میں اپنے نام کا اعلان ہی ان الفاظ کے ساتھ کیا کہ عبدہ ورسولہ کسی مسلمان کی کوئی نماز اس وقت تک ختم نہیں ہوتی جب تک وہ اپنی زبان سے تشہد میں یہ نہیں ادا کر لیتا' اشھد ان محمدا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بندہ اور اس کے رسول ہیں۔ اس موقع پر ایک خاص نکتہ بیان کے لائق ہے کہ دیگر انبیاءؑ جس طرح خلیل اللہ' کلیم اللہ' روح اللہ وغیرہ کے خطابات سے مشرف ہیں' آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا خطاب ''عبداللہ'' خدا کا بندہ ہے' معراج میں جو تقرب الٰہی کی آخری

(1) میں نے اپنی تصنیف ارض القرآن ج اول میں جغرافیہ عرب میں توراۃ کے حوالہ سے اس کو بہ تفصیل دکھایا ہے۔

Marfat.com

منزل اور انسانی رتبہ کی آخری شرف یابی تھی، آنحضرت ﷺ اسی لقب خاص سے پکارے گئے۔

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ﴾ (نبی اسرائیل) ''پاک ہے وہ خدا جو معراج میں اپنے ''بندہ'' کو لے گیا۔''

اس کے علاوہ اور متعدد روایتوں میں آپ کو اس خطاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

﴿وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا﴾ (بقرہ) ''اگر تم کو اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے ''بندہ'' پر اتارا۔''

﴿تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ﴾ (فرقان) ''بابرکت ہے وہ خدا جس نے اپنے ''بندہ'' پر قرآن اتارا۔''

﴿وَ اَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ﴾ (جن) ''اور جب خدا کا ''بندہ'' اس کو پکارتے ہوئے کھڑا ہوا۔''

آنحضرت ﷺ دونوں زانوں کھڑے کر کے کھانا تناول فرماتے تھے اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ میں خدا کا بندہ ہوں، اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا دوسرا وصف ''رسول'' ہے گو دنیا میں پیغمبر ہزاروں آئے مگر لفظ رسول سے ان کے نام کو شہرت نہیں، یہ صرف آنحضرت ﷺ ہی کا وصف ہے جو تمام مسلمانوں کی زبان پر رسول اللہ ﷺ کے نام سے ملقب ہیں، یہاں تک کہ عیسائیوں میں بھی دی ''پرافٹ'' یعنی پیغمبر مخصوص آپؐ کا نام ہے۔

قرآن نے بتصریح کہا۔

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ﴾ (فتح) ''محمد خدا کا رسول۔''

﴿یَسْتَغْفِرْلَکُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ﴾ (منافقون) ''خدا کا رسول تمہاری مغفرت چاہے۔''

﴿لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ﴾ (توبہ) ''تمہارے پاس خود تمہاری قوم کا رسول آیا۔''

﴿اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ﴾ (حجرات) ''تم میں خدا کا رسول ہے۔''

﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ﴾ (احزاب) ''تمہارے لیے خدا کے رسول کے اندر اچھی پیروی ہے۔''

﴿یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ﴾ (مائدہ) ''اے رسول تجھ پر جو کچھ اتارا گیا ہے اس کو لوگوں تک پہنچا دے۔''

ان مقامات کے علاوہ اور بیسیوں جگہ آنحضرت ﷺ کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا ہے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو بشارت دی ہے، وہ بھی اسی رسول اللہ کے لفظ کے ساتھ دی ہے ﴿مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ﴾ اَحْمَدُ میرے بعد احمد نام ایک رسول آنے والا ہے۔

حضرت اشعیاء نے آنے والے پیغمبر کا تیسرا وصف برگزیدہ بتایا ہے، کون نہیں جانتا کہ آنحضرت ﷺ مصطفیٰ (برگزیدہ) کے لقب سے عام طور پر مشہور ہیں، حدیث صحیح میں ہے۔

Marfat.com

ان اللّٰه اصطفیٰ کنانة من ولد اسماعیل و اصطفیٰ قریشا من کنانة و اصطفیٰ بنی هاشم من قریش و اصطفانی من بنی هاشم۔ (۱)

''بے شک خدا نے اولاد اسماعیل میں سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ کیا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو برگزیدہ کیا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو برگزیدہ کیا۔''

چوتھی صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ جس سے میرا جی راضی ہوا' یہ صرف آنحضرت ﷺ کے لیے بلکہ آپ کے وسیلہ سے تمام پیروان محمدی میں عام ہے۔

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ ...... یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا﴾ (فتح)

''محمد خدا کا رسول اور جو اس کے ساتھ ہیں۔ وہ خدا کی رضا اور مہربانی کو ڈھونڈتے ہیں۔''

﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ (مائدہ' توبہ' مجادلہ' بینہ)

''خدا ان سے راضی ہوا اور وہ خدا سے راضی ہوئے۔''

﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (فتح)

''بے شک خدا مومنوں سے راضی ہوا۔''

تمام انبیاءؑ کی اُمتوں سے یہ مخصوص وصف اُمت محمدیؐ ہی کا ہے اس کے پیرو رضی اللہ عنہ کی دعا سے ہمیشہ مخاطب ہوتے ہیں' اس کے بعد اشعیاء اس پیغمبر کا وصف بتاتے ہیں کہ خدا اس سے کہتا ہے۔ میں نے اپنی روح اس پر رکھی۔ قرآن نے اس وصف سے بھی آنحضرت ﷺ کو متصف کیا ہے۔

﴿وَ کَذٰلِکَ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ (شوریٰ)

''ہم نے تیری طرف اپنی شان کی ایک روح وحی کی۔''

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ﴾ (شعریٰ)

''امانت دار روح اس کو لے کر اتری۔''

﴿قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ﴾ (نحل)

''کہہ دے کہ روح القدس نے اس کو اتارا ہے۔''

پانچواں وصف یہ بتایا گیا کہ وہ نہ چلائے گا اور اپنی صدا بلند نہ کرے گا اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا۔ صحابہؓ نے آپؐ کی سیرت کے خط و خال کی بھی تصویر کھینچی ہے' متعدد صحابہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ کبھی زور سے نہیں ہنستے تھے بلکہ صرف مسکراتے تھے' (۱) شمائل ترمذی میں حضرت ہندؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ اکثر چپ رہتے' بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے' ایک ایک فقرہ الگ الگ اور صاف اور واضح ہوتا' ہنستے بہت کم تھے' ہنسی آتی تو مسکرا دیتے۔ حضرت عائشہؓ سے ایک شخص نے آپؐ کے اخلاق پوچھے' انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ بدگو نہ تھے اور نہ بازاروں میں شور کرتے تھے' حضرت علیؓ سے حضرت حسینؓ نے دریافت کیا کہ آپؐ کے اوصاف کیا تھے؟ فرمایا۔ آپ شور و غل نہیں کرتے تھے۔ (۲)

---

(۱) جامع ترمذی فضل النبی ﷺ۔ (۲) جامع ترمذی باب ماجاء فی صفة النبی ﷺ۔

(۳) یہ دونوں روایتیں شمائل ترمذی باب خلق النبی ﷺ میں ہیں حضرت عائشہؓ والی روایت مسند ابوداؤد طیالسی ص ۲۱۴ اور مستدرک حاکم میں بھی ہے۔

Marfat.com

سفر اشعیاء میں اس کے بعد ہے' وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑے گا اور دہکتی ہوتی بتی کو نہ بجھائے گا' مسکینوں' غریبوں اور کمزوروں کو نہ ستائے گا' وہ نرم دل اور نیک خو ہوگا' قرآن مجید نے آپؐ کے اس وصف کو نمایاں طریق سے بتایا ہے۔

﴿وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ (ن) ''اور بے شک تو بڑے خلق پر ہے۔''

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (آل عمران) ''خدا کی رحمت کے سبب سے تو ان کے ساتھ نرم ہے اگر تو کڑوا اور دل کا سخت ہوتا تو یہ تیرے اردگرد سے ہٹ جاتے۔''

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (التوبه : ۱۲۸) ''تمہاری قوم سے تمہارے پاس ایک پیغمبر آیا جس کو تمہاری تکلیف شاق ہوتی ہے' تمہاری بہی خواہی کا حریص ہے اور مسلمانوں پر مہربان اور رحمت والا ہے۔''

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپؐ نے کبھی کسی سے اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا' آپؐ برائی کے بدلہ برائی نہیں کرتے تھے بلکہ معاف کرتے تھے اور درگزر فرماتے تھے' آپؐ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا' حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ آپؐ خندہ جبین' نرم خو' مہربان طبع تھے' سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے' ہند بن ابی ہالہؓ جو گویا آپؐ کے آغوش پروردہ تھے' بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نرم خو تھے' سخت مزاج نہ تھے' خود اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہ فرماتے اور نہ کسی سے انتقام لیتے۔ (۱)

حضرت انسؓ خادم خاص کہتے ہیں کہ میں نے دس برس آپؐ کی خدمت کی' مگر آپؐ نے کبھی کسی معاملہ کی مجھ سے باز پرس نہ فرمائی' (۲) مالک بن حویرثؓ جو ۲۰ دن تک آپؐ کی صحبت میں رہے تھے کہتے ہیں کہ آپؐ رحیم المزاج اور رقیق القلب تھے۔ (۳)

حضرت اشعیاء اس کے بعد کہتے ہیں کہ وہ عدالت کو قائم کرے گا کہ دائم رہے' چنانچہ آنحضرت ﷺ نبی آخر الزمان ہیں' آپؐ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور نہ آپؐ کی شریعت منسوخ ہوگی' آپؐ دین لے کر آئے جو قیامت تک دائم رہے گا' پھر کہتے ہیں کہ اس وقت تک اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ بلایا جائے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے' یعنی جب تک اس کی شریعت اور تعلیم قائم نہ ہو جائے گی' اس کو موت نہ آئے گی' ظاہر ہے کہ یہ وصف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر صادق نہیں آتا کہ وہ اپنی تعلیم و شریعت کے استحکام سے پہلے اس دنیا سے اٹھ گئے' یہ مخصوص وصف آنحضرت ﷺ کا ہے جو اس وقت تک اس دنیا میں تشریف فرما رہے جب تک کہ آپؐ کی تعلیم و شریعت نے ظہور تام اور استحکامات کامل نہیں حاصل کر لیا' چنانچہ جب یہ بات حاصل ہوگئی تو آپؐ کو اس دنیائے فانی سے رخصت ہونے کی اجازت ملی' حضرت اشعیاء کی یہ پیشین گوئی قرآن مجید کے اس سورہ کے مطابق ہے۔

(۱) یہ تمام روایات شمائل ترمذی میں مذکور ہیں۔
(۲) صحیح مسلم وابوداؤد کتاب الادب۔
(۳) صحیح بخاری رحمۃ الناس۔

Marfat.com

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَ اسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا﴾ (نصر: ۱)

''جب خدا کی نصرت اور فتح آ چکی اور تو نے لوگوں کو گروہ در گروہ دین الٰہی میں آتے دیکھ لیا (تو تیرا فرض انجام پا چکا اور اس دنیا سے تیری رخصت کے دن قریب آ گئے) اب خدا کی حمد واستغفار میں مصروف ہو کہ وہ رحم کرنے والا ہے۔''

جب یہ سورہ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے تمام صحابہؓ کو جمع کر کے فرمایا کہ خدا کے ایک بندہ کو اختیار دیا گیا تھا کہ چاہے وہ اس دنیا کو قبول کرے یا دوسری دنیا کا سفر اختیار کرے مگر اس بندہ نے آخرت کو پسند کیا۔ حضرت ابوبکرؓ یہ سن کر رو پڑے' وہ سمجھ گئے کہ یہ بندہ کون ہے۔ حضرت عمرؓ نے ابن عباسؓ سے امتحاناً اس سورہ کا مطلب پوچھا' انہوں نے جواب دیا کہ اس میں آنحضرت ﷺ کی وفات کا اشارہ ہے' حضرت عمرؓ نے بھی اس کی تصدیق کی۔ (۱)

اس کے بعد اشعیاء کہتے ہیں کہ تمام بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں۔ یہ اسلام ہی تھا جس کی شریعت نہر سیحون اور جیحون سے دجلہ وفرات ہو کر بحیرہ روم تک اور بحر ہند سے بحر ظلمات تک پھیل گئی' اور بڑے بڑے جزیرے اس کے نور سے منور ہو گئے' بعد ازیں اشعیاء خدا کا وعدہ سناتے ہیں کہ میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا۔ یہ وعدہ بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ پورا ہوا۔ آپؐ نے یکہ وتنہا دعوت توحید کی۔ اس وقت تک اشاعت کی جب کہ ملک عرب کا ذرہ ذرہ آپؐ کے خون کا پیاسا تھا اور خدا کے سوا کوئی آپؐ کا دوسرا دست گیر نہ تھا' اس نے دشمن کے نرغہ میں نازک سے نازک اور خطرناک سے خطرناک حملوں سے آپؐ کی ذات گرامی کو محفوظ رکھا اور سفر اشعیاء کے وعدے کو قرآن کے ذریعہ سے دوبارہ دہرایا اور مکہ میں عین اس وقت جب دشمنوں کی عداوت کا آفتاب پوری تمازت پر تھا یہ آیت اتری۔

﴿وَاِذْ قُلْنَا لَکَ اِنَّ رَبَّکَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ﴾ (اسراء)

''اور یاد کر اے محمدؐ! جب ہم نے تم سے فرمایا کہ تمہارے پروردگار نے لوگوں کو ہر طرف سے روک رکھا ہے کہ تم پر ہاتھ ڈالیں۔''

﴿وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا﴾ (طور)

''اپنے رب کے حکم کا صبر کے ساتھ انتظار کر کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔''

مدینہ میں آ کر یہ وعدہ مکرر دہرایا گیا۔

﴿وَ اللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ﴾ (مائدہ)

''اور خدا لوگوں سے تیری حفاظت کرے گا۔''

صحابہؓ اپنی جان نثاری سے آنحضرت ﷺ کے گرد پہرہ دیا کرتے تھے' جب یہ آیت اتری تو آپؐ نے خیمہ سے سر مبارک باہر نکال کر فرمایا' لوگو! واپس جاؤ کہ خدا نے میری حفاظت کا خود وعدہ کیا ہے اس وصف کے مستحق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہو سکتے' جو عیسائیوں کے اقرار کے مطابق رومیوں کے ہاتھ گرفتار ہو کر سولی پر لٹکائے گئے۔

بشارات اشعیاء میں اس کے بعد ہے میں تجھ کو لوگوں کے لیے عہد اور قوموں کے لیے نور بناؤں گا کہ تو اندھوں

(۱) صحیح بخاری تفسیر سورہ مذکور۔

Marfat.com

کی آنکھوں کو کھولے اور بندھے ہوؤں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید سے نکالے' تاریخ گواہ ہے کہ بشارت کا یہ حصہ بھی پیغمبر اسلام کے وجود سے پورا ہوا ہے' قرآن مجید نے بھی بشارت کے اس حصہ کو ان الفاظ میں مکمل کیا۔

﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰاةِ وَ الْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا﴾ (اعراف : ۱۹)

''وہ لوگ جو اس ان پڑھ فرستادہ پیغمبر کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے ہاں توراۃ وانجیل میں لکھا پاتے ہیں وہ ان کو نیکی کا حکم کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور اچھی چیزیں ان کے لیے حلال کرتا ہے اور بری چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور ان سے ان کی ان پابندیوں اور زنجیروں کو جو ان پر ہیں ہلکا کرتا ہے تو جن لوگوں نے اس کو مانا اور اس کی مدد و نصرت کی اور اس روشنی کے پیچھے چلے جو اس کے ساتھ اتاری گئی ہے وہی کامیاب ہوں گے کہہ دے (اے پیغمبر) اے لوگو! میں تم سب کے پاس خدا کا بھیجا ہوا ہوں۔''

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا﴾ (احزاب)

''اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو گواہ' خوش خبری دینے والا' ہشیار کرنے والا اور خدا کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔''

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا﴾ (نساء)

''اے لوگو! تمہارے پاس خدا کی طرف سے دلیل آ چکی ہے ہم نے تمہاری طرف وہ نور اتارا جو ہر چیز کو روشن کرتا ہے۔''

﴿وَ النُّوْرَ الَّذِیْۤ اَنْزَلْنَا﴾ (تغابن)

''اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا۔''

﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ (انبیاء)

''اے محمد! ہم نے تجھ کو تمام دنیا کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔''

﴿کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ﴾ (ابراهیم)

''یہ کتاب ہے جس کو ہم نے تیری طرف اتارا ہے تاکہ تو لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لائے۔''

﴿وَ لٰکِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَ اِنَّکَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ (شوریٰ)

''لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے تاکہ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں راہ دکھائیں اور تو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔''

Marfat.com

اس کے بعد اس بشارت میں ہے کہ آنے والا پیغمبر توحید کامل کا مبلغ، بت شکن اور باطل پرستی کا دشمن ہو گا اور بت پرست کفار و مشرکین کو وہ شکست عظیم دے گا۔

''یہودا (اللہ) میرا نام ہے اور اپنی شوکت دوسرے (معبودان باطل) کو نہ دوں گا اور وہ ستائش جو میرے لیے ہوتی ہے کھودی ہوئی مورتوں کے لیے نہ دوں گا۔۔۔۔۔۔ وہ پیچھے ہٹیں اور نہایت پشیمان ہوں جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے الٰہ ہو۔''

حضرت اشعیاء کے بعد دنیا میں وہ کون پیغمبر آیا جس نے توحید کامل کی تعلیم، اسلام سے واضح تر اور کامل تر دی ہو، جس نے بت پرستی کی بیخ کنی کی ہو، جس نے بت خانوں کو منہدم کیا ہو، جس نے مشرکین کی صفوں کو درہم برہم کیا ہو اور باطل پرستی کے علم کو ہمیشہ کے لیے سرنگوں کر دیا ہو، قرآن اور آپ کی تعلیمات کا بڑا حصہ شرک و بت پرستی کے خلاف جہاد عظیم ہے اور تمام دنیا کو اعتراف ہے کہ اس فرض کو محمد رسول اللہ ﷺ نے جس خوبی اور تکمیل کے ساتھ ادا کیا وہ کسی اور سے نہ ہو سکا۔

بعد ازیں حضرت اشعیاء بتاتے ہیں کہ وہ آنے والا پیغمبر مجاہد اور تیغ زن ہو گا اور باطل پرستیوں کے خلاف اپنی تلوار اٹھائے گا۔

''خداوند ایک بہادر کے مانند نکلے گا، وہ جنگی مرد کی طرح اپنی غیرت کو اکسائے گا، وہ چلائے گا، ہاں وہ جنگ کے لیے بلائے گا، وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہو گا۔''

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفت نہیں ہو سکتی، یہ صرف بدر و احد اور حنین و خندق کے سپہ سالار پیغمبر کی شان ہے۔

''بیابان (عرب) اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے۔''

اس فقرہ میں آنے والے پیغمبر کا وطن (بیابان عرب) اور خاندان (قیدار بن اسماعیل) بھی بتا دیا گیا ہے آخر میں ہے۔

''اور اندھوں کو اس راہ سے جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا، میں انہیں ان رستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا۔''

اس فقرہ میں یہ ارشاد ہے کہ وہ اُمیوں کا پیغمبر اور اس قوم کا داعی ہو گا جس کو کبھی راہ راست کی ہدایت نہیں ملی، یہ صفت اہل عرب کی ہے جن کو آپ سے پہلے کوئی صاحب شریعت پیغمبر نہیں ملا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے تھے جن کو شریعت مل چکی تھی، اس لیے یہ ان کی صفت نہیں ہو سکتی بلکہ یہ صرف پیغمبر عرب کا وصف ہے۔

چنانچہ قرآن مجید نے صاف کہا۔

﴿لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيرٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ (قصص)

''تا کہ ان کو ہشیار کرے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ہشیار کرنے والا نہیں آیا۔''

﴿اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾

''تو یقیناً پیغمبروں میں سے ہے اور سیدھی راہ پر ہے اور

Marfat.com

تَنۡزِیۡلَ الۡعَزِیۡزِ الرَّحِیۡمِ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اُنۡذِرَ اٰبَآؤُھُمۡ فَھُمۡ غٰفِلُوۡنَ﴾ (یٰسٓ:۱)

یہ غالب مہربان خدا کی طرف سے اترا ہے تا کہ تو ان کو ہشیار کرے جن کے باپ دادا ہشیار نہیں کیے گئے تو وہ غفلت میں ہیں۔''

﴿ھُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡھُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡھِمۡ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیۡھِمۡ وَ یُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ﴾ (جمعہ)

''وہی خدا جس نے ان پڑھوں میں پیغمبر بنا کر بھیجا ان ہی میں سے کھڑا کیا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور کتاب اور دانائی سکھاتا ہے اگرچہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

﴿وَ ھٰذَا کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوۡہُ وَ اتَّقُوۡا لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ اَنۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اُنۡزِلَ الۡکِتٰبُ عَلٰی طَآئِفَتَیۡنِ مِنۡ قَبۡلِنَا وَ اِنۡ کُنَّا عَنۡ دِرَاسَتِھِمۡ لَغٰفِلِیۡنَ اَوۡ تَقُوۡلُوۡا لَوۡ اَنَّاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡنَا الۡکِتٰبُ لَکُنَّاۤ اَھۡدٰی مِنۡھُمۡ فَقَدۡ جَآءَکُمۡ بَیِّنَۃٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ ھُدًی وَّ رَحۡمَۃٌ﴾ (انعام:۲۰)

''یہ کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا ہے جو برکت والی ہے تو اس کی پیروی کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے (یہ کتاب تم کو اس لیے دی گئی) تا کہ یہ نہ کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے یہود اور نصاریٰ دو قوموں کو عطا ہوئی اور ہم اس کے پڑھنے سے غافل تھے' یا کہو کہ اگر خاص ہم پر کوئی کتاب اترتی تو ہم ان سے زیادہ راہ راست پر ہوتے' تو لو تمہارے پاس خدا کی طرف سے کھلی دلیل ہدایت اور رحمت آ چکی۔''

﴿وَ مَاۤ اٰتَیۡنٰھُمۡ مِّنۡ کُتُبٍ یَّدۡرُسُوۡنَھَا وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡھِمۡ قَبۡلَکَ مِنۡ نَّذِیۡرٍ﴾ (سبا)

''اور ہم نے ان کو نہ تو کتابیں دیں جن کو وہ پڑھیں اور نہ تجھ سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا بھیجا۔''

اس بشارت کے تمام فقروں پر جو شخص اس تفصیل سے نظر ڈالے گا اور اس کے ایک ایک فقرہ کی قرآن پاک' احادیث شریف اور سوانح نبویؐ کے ساتھ حرف حرف تطبیق پر غور کرے گا وہ اس یقین کے پیدا کرنے پر مجبور ہوگا کہ اس بشارت کا مصداق محمد بن عبداللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا۔

﴿ھُوَ الَّذِیۡ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبۡدِہٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخۡرِجَکُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ﴾ (حدید:۱)

''وہی جو اپنے بندہ پر کھلی آیتیں اتارتا ہے تا کہ وہ تم کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جائے۔''

سورۂ فتح میں جس میں آنحضرت ﷺ کو فتح مکہ کی بشارت دی گئی ہے' توراۃ اور انجیل کی ایک اور پیشین گوئی کا حوالہ دیا گیا ہے۔

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ تَرٰىھُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانًا سِیۡمَاھُمۡ فِیۡ وُجُوۡھِھِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ

''محمد خدا کا بھیجا ہوا اور جو لوگ اسکے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بھاری آپس میں مہربان ہیں' دیکھتے ہو' تم ان کو کہ (خدا کے سامنے) رکوع اور سجدہ میں گرتے رہتے ہیں اور خدا کی رحمت اور خوشنودی کے جویاں رہتے ہیں' انکے چہروں میں سجدہ

Marfat.com

﴿ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰةِ﴾ (فتح:۱) کرنے کے اثر سے نور ہے انکی حالت کا بیان توراۃ میں ہے۔"

آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کرام کا یہ مجموعی وصف فتح مکہ کے موقع پر بیان کیا گیا ہے جو اسلام کی دعوت کی تکمیل، توحید الٰہی کے انجام، خانہ خلیل کی کامل آزادی اور معبودان باطل کی دائمی شکست کا دن ہے اور اس کے بعد کوئی نیا پیغام سنانے والا دنیا میں آنے والا نہ تھا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی کی آخری وصیت، جس پر ان کی توراۃ اور صحیفہ حیات دونوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ بنی اسرائیل کو یہ فرمائی۔

"یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ علیہ السلام مرد خدا نے اپنے مرنے سے پہلے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا، اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کے لیے تھی، ہاں وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے، اس کے سارے مقدس (ہمراہی) تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے۔" (استثناء ۳۳، ۱، ۲، ۳)

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آخری کلام ہے جس میں آخری پیغمبر کی بعثت کی خبر دی ہے، اس بشارت میں کوہ فاران سے نور الٰہی کے طلوع ہونے کی خوش خبری ہے۔ اس میں چار باتیں بیان کی گئی ہیں جو قرآن مجید کے بیان کے عین مطابق ہیں۔

(۱) وہ دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا۔

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ﴾ (فتح:۴) "محمد خدا کے فرستادہ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں۔"

(۲) اس کے ہاتھ میں ان کے لیے آتشیں شریعت ہوگی۔

﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ (فتح:۴) "وہ خدا کے منکروں پر سخت ہوں گے۔"

(۳) وہ اپنے لوگوں سے محبت کرے گا۔

﴿رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ﴾ (فتح:۴) "آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہوں گے۔"

(۴) (اے خدا) اس (آنے والے پیغمبر) کے سارے مقدس لوگ (یعنی صحابہؓ) تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے۔

﴿تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ (فتح:۴) "دیکھتے ہو تم ان کی خدا کے آگے رکوع اور سجود میں جھکے ہوئے خدا کی مہربانی اور خوشنودی کے طلب گار ہیں، اطاعت و عبادت کے اثر سے ان کے چہروں پر نورانیت ہے۔"

ایک عجیب بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس آنے والے پیغمبر کے مقدس ساتھیوں کی تعداد دس ہزار فرماتے ہیں، فتح مکہ کے دن بعینہ یہی دس ہزار مقدسین تھے جو اس فاران سے آنے والے نورانی پیکر کے ساتھ شہر خلیل (مکہ) کے دروازہ میں داخل ہوئے اور اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کہا تھا وہ پورا ہوا۔

Marfat.com

سورۂ فتح میں اس کے بعد ہے۔

﴿وَ مَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ﴾ (فتح: ۴)

''اور ان کی مثل انجیل میں مثل کھیت کے ہے جس نے ٹہنی نکالی پھر اس کو مضبوط کیا' پھر موٹا ہوا' پھر اپنی ٹہنیوں پر کھڑا ہوا' کھیت والوں کو خوش اور مسرور کر رہا ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ تمثیل آسمانی بادشاہی کی دی ہے' چنانچہ انجیل کے مختلف نسخوں میں یہ تمثیل ان مختلف الفاظ میں مذکور ہے۔

''آسمان کی بادشاہت رائی کے دانہ کے مانند ہے جسے ایک شخص نے لے کے اپنے کھیت میں بویا' وہ سب بیجوں میں چھوٹا ہے' پر جب اُگتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا پیڑ ہوتا ہے کہ ہوا کی چڑیاں آ کے اس کی ڈالیوں پر بسیرا کریں۔'' (متی ۱۳: ۳۱' مرقس ۴: ۳۰)

''خدا کی بادشاہت ایسی ہے جیسا ایک شخص جو زمین میں بیج بوئے اور رات دن وہ سوئے' اٹھے اور بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے' اس لیے کہ زمین آپ سے آپ پھل لائی ہے' پہلے سبزی' پھر بال' بعد اس کے بال میں تیار دانے' اور جب دانہ پک چکا تو وہ فی الفور ہنوا بھجواتا ہے' کیونکہ کاٹنے کا وقت آ چکا ہے۔'' (مرقس ۴: ۲۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آسمانی بادشاہت کی جو تمثیل دی ہے' قرآن مجید نے اس کو سورۂ فتح میں دہرایا ہے کون نہیں جانتا کہ اسلام کی جسمانی اور روحانی' ظاہری و باطنی دونوں بادشاہیوں کے جلوس و شوکت کا دن فتح مکہ کا دن ہے اور آسمانی بادشاہی کی یہ تمثیل پوری ہوئی کہ محمدؐ نام ایک کاشت کار نے ایک بیج زمین میں ڈالا اور اس سے سینکڑوں ہزاروں خوشے پیدا ہو گئے اور اس نے آسمانی بادشاہی کی منادی کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو نصیحت کرتے ہیں۔

''خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی برپا کرے گا' تم اس کی طرف کان دھرو۔'' (استثناء: ۱۸-۱۵)

''میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اس سے کہوں گا وہ سب اُن سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا' لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے گا اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ میں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں تو جان لے کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور جو اس نے کہا ہے واقع نہ ہو یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی بلکہ اس نبی نے گستاخی سے کہی ہے تو اس سے مت ڈرو۔'' (استثناء: ۱۸' ۱۹)

عیسائیوں نے اس بشارت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ثابت کرنا چاہا ہے' مگر ظاہر ہے کہ اس کے

Marfat.com

مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہو سکتے' اس بشارت میں ہے کہ یہ نبی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے مبعوث ہوگا' بنی اسرائیل کے بھائی بنو اسماعیل تھے' اس سے یہ مفہوم ہے کہ وہ پیغمبر نسل اسماعیل سے ہوگا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسماعیلی نہ تھے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ''وہ آئندہ نبی میرے مانند ہوگا۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں کوئی وجہ مماثلت نہیں ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت تھے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تھے' حضرت موسیٰ علیہ السلام جنگ جو اور مجاہد تھے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تھے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو غلامی سے نکال کر بادشاہی تک پہنچایا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایسا نہیں کیا' حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ظاہری و معنوی دونوں معنوں میں بادشاہ تھے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تھے' حضرت موسیٰ علیہ السلام صرف واعظ نہ تھے' عمل فرما اور کار پرداز بھی تھے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف واعظ تھے' حضرت موسیٰ علیہ السلام قوموں اور ملکوں کے فاتح تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک چپہ زمین پر بھی قابض نہ تھے' برخلاف اس کے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ ﷺ میں یہ تمام اوصاف مشترک تھے' اس لیے وہ موعود نبی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مانند پیدا ہونے والا تھا وہ آنحضرت ﷺ ہی تھے' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بشارت میں جو کچھ فرمایا ہے' قرآن نے اس کی حرف حرف تصدیق کی ہے' قرآن مجید کا بیان ہے کہ خدا نے روز اول تمام انبیاء سے یہ عہد لیا تھا کہ ہر نبی دوسرے نبی کی تائید کرتا جائے اور اپنی اُمت کو یہ نصیحت کر جائے کہ جب کوئی پیغمبر ان کے پاس آئے تو وہ اس کی تصدیق کرے۔

﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ﴾ (آل عمران: ۹)

''اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ ہم جو تم کو کتاب اور دانائی دیں اور پھر کوئی پیغمبر تمہارے پاس آئے جو کتاب اور شریعت تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق کرتا اور ضرور اس کو ماننا اور اس کی مدد کرنا اور فرمایا کہ کیا تم نے اس کا اقرار کر لیا اور ان باتوں پر جو ہم نے تم سے عہد و پیمان لیا ہے اس کو تسلیم کیا؟ پیغمبروں نے عرض کیا کہ ہاں ہم اقرار کرتے ہیں' فرمایا تو تم گواہ رہو اور تمہارے ساتھ ہم بھی گواہ ہیں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو آنے والے پیغمبر کی اطاعت کی جو نصیحت فرمائی وہ اس ازلی عہد و پیمان کا ایفا تھا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آنے والے پیغمبر کی نسبت ارشاد فرمایا کہ وہ میرے مانند ہوگا' قرآن مجید نے بھی اس کی تصدیق کی۔

﴿اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا ۙ۬ شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا﴾ (مزمل)

''ہم نے تمہارے پاس ایک پیغمبر کو بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے جس طرح کہ ہم نے فرعون کے پاس ایک پیغمبر بھیجا تھا۔''

اس پیغمبرؐ کا وصف یہ ہوگا کہ ''خدا اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالے گا۔'' قرآن مجید نے اپنے پیغمبر کی نسبت کہا۔

Marfat.com

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوحٰى﴾ (نجم: ۱)

''اور اپنی خواہش نفسانی سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہی کہتا ہے جو اس سے خدا کی طرف سے کہا جاتا ہے۔''

توراۃ میں ہے۔

''اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کے کہے گا' نہ سنے گا' تو میں اس کا حساب لوں گا۔''

قرآن مجید نے بھی یہی اعلان کیا کہ جو محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی سے منکر ہوگا اس کو اپنے حساب کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

﴿وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ (رعد: ٦)

''اور اے پیغمبر عذاب وغیرہ کے جو وعدے (ان کفار سے) ہم کرتے ہیں' ان میں سے بعض تو تمہاری زندگی ہی میں تم کو پورا کر کے دکھائیں گے یا ان کے پورا ہونے سے پہلے تم کو دنیا سے اٹھالیں گے تمہارا کام ہمارے احکام کو ان کو پہنچا دینا تھا اور ان کا حساب لینا میرا کام ہے۔''

توراۃ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی اس بشارت میں یہ کہا۔

''لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جسے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے گا۔''

قرآن مجید نے بھی اس فرمان کی صداقت پر اپنی مُہر ثبت کردی۔

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ﴾ (حاقه: ۴۰)

''اگر پیغمبر (محمد) کچھ جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر کہتا تو ہم اس کا ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کی گردن کی شہ رگ کاٹ ڈالتے پھر تم میں سے کوئی اس کو مجھ سے نہ بچا سکتا۔''

توراۃ نے اس آنے والے پیغمبر کی نشانی یہ بتائی کہ اس کی تمام پیشین گوئیاں سچی ہوں گی۔ سیرت نبویؐ کے تمام ابواب تمہارے سامنے ہیں' دیکھو کہ اس نشانی کی صداقت میں ایک ذرّہ بھی کبھی کمی ہوئی' حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رویا میں جو کچھ آپؐ دیکھتے تھے وہ سپیدہ صبح کی طرح ظاہر ہوتا تھا۔ (۱) مسلمان تو مسلمان خود کفار تک کو اس پر یقین تھا کہ آنحضرت ﷺ کی کوئی پیشین گوئی غلط نہیں ہوتی' یاد ہوگا کہ غزوۂ بدر سے پہلے ایک صحابیؓ عمرہ ادا کرنے مکہ گئے تھے انہوں نے قریش کے رئیس اُمیہ سے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمادیا ہے کہ تو قتل ہوگا۔ اس پیشین گوئی کا یہ اثر اس پر ہوا کہ کانپ گیا' معرکہ بدر میں وہ گھر سے نکلتے ہوئے ڈرتا تھا جاتے ہوئے اس کی بیوی نے دامن پکڑ لیا کہ کہاں جاتے ہو' تم کو اس مدینہ والے کی پیشین گوئی یاد نہیں۔ (۲) آنحضرت ﷺ نے سینکڑوں پیشین گوئیاں کیں اور ان میں سے ایک ایک سچائی کے معیار پر پوری اتری۔

---

(۱) صحیح بخاری بدء الوحی۔

(۲) صحیح بخاری مغازی۔

Marfat.com

صحیح بخاری میں ہے کہ ابن ناطور جو قیصر روم کا محرم راز اور شام کا اسقف (بشپ) تھا' اس نے بیان کیا کہ ہرقل قیصر روم منجم تھا' ایک دن وہ دربار میں آیا تو چہرہ متغیر تھا' کسی درباری نے سبب دریافت کیا تو اس نے کہا رات ستاروں کو دیکھ کر یہ نظر آیا کہ ''ملک الختان'' ختنہ کا بادشاہ یا فرشتہ) ظاہر ہوگیا' تو تحقیق کرو کہ ختنہ کس قوم میں رائج ہے' درباریوں نے کہا کہ ختنہ تو صرف یہود کرتے ہیں' اس لیے آپ مضطرب نہ ہوں' صوبوں میں حکم جاری کر دیجئے کہ امسال یہودیوں کے یہاں جس قدر بچے پیدا ہوں سب قتل کر دیے جائیں' اسی اثناء میں حدود شام کے عرب رئیس غسان نے یہ خبر پہنچائی کہ عرب میں ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے' قیصر نے کہا دریافت کرو کہ کیا عرب ختنہ کرتے ہیں؟ اس کا جواب جب اس کو اثبات میں ملا تو اس نے کہا۔ ہاں! یہ اس امت کا ملک (بادشاہ یا فرشتہ) ہے اور اس کے بعد اہل دربار سے مخاطب ہو کر بولا کہ اگر تم کو اپنی سلطنت بچانی منظور ہے تو اس پر ایمان لاؤ' درباریوں نے قیصر کی اس گفتگو کو سخت ناپسند کیا' مگر رومیہ میں قیصر کا ایک اور صاحب علم دوست تھا' قیصر نے اس کو لکھا تو اس نے بھی قیصر کی رائے کی تائید کی۔

ہمارے مُحدِّثین اس خبر کی صحیح حقیقت نہیں سمجھ سکے ہیں اور اسی لیے ملک الختان کا تلفظ نہ ملک (بادشاہ) ہے اور نہ ملک (فرشتہ) ہے بلکہ ملاک ہے' جس کے معنی فرستادہ اور پیامبر کے ہیں جس کی اصل عربی میں لوکہ بمعنی پیغام ہے' اگر یہ لفظ عربی تلفظ میں ملک پڑھا جائے تو یہ لفظ اس موقع پر ''فرشتہ'' کے اصطلاحی معنی میں نہیں بلکہ فرستادہ کے لغوی معنوں میں مستعمل ہوا ہے' قیصر کا یہ لفظ ملاک الختان (ختنہ کا پیامبر) استعمال کرنا درحقیقت توراۃ کی ایک پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہے' ملاخیا نبی کی کتاب میں یہ پیشین گوئی ان الفاظ میں مذکور ہے۔

> ''دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے میری راہ کو درست کرے گا اور وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو' ہاں ''ختنہ کا رسول'' جس سے تم خوش ہو وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آئے گا' رب الافواج فرماتا ہے۔ پر اس کے آنے کے دن کو کون ٹھہر سکے گا' اور جب وہ ظاہر ہوگا کون ہے جو کھڑا رہے گا' کیونکہ وہ سنار کی آگ اور دھوبی کے صابن کی مانند ہے اور وہ روپیہ کا سیل کاٹتے ہوئے اور اسے خالص کرتا ہوا بیٹھے گا۔'' (باب۔۳)

آج کل کے ترجموں میں ''ختنہ کے رسول'' کے بجائے ''عہد کا رسول'' لکھا ہے' یہ ترجمہ صحیح بھی ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے جواب میں جس رسول کی بعثت کا وعدہ فرمایا تھا' اس کے متعلق یہ بشارت ہے' لیکن اصل یہ ہے کہ توراۃ کی زبان میں ''ختنہ'' نسل ابراہیمی کے جسم پر خدا اور ابراہیم کے باہمی ''عہد و میثاق'' کی مہر کا نام ہے' توراۃ میں جہاں ختنہ کا حکم ہے مذکور ہے۔

> ''اور میرا عہد جو میرے اور تمہارے درمیان ہے' جسے تم یاد رکھو یہ ہے کہ تم میں ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کرو' اور یہ اس کا عہد کا نشان ہے جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔'' (پیدائش: ۱۷،۱۰)

اس بنا پر ''ختنہ'' کے بجائے مترجمین نے ''عہد'' کا لفظ رکھ دیا ہے' معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قرب

Marfat.com

مولد کے زمانہ میں اس پیشین گوئی کے مطابق اس ''رسول الختان'' کا یہود و نصاریٰ دونوں کو انتظار تھا اور قیصر روم اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کا منتظر تھا' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں نہ تھی' کیونکہ اگر ان کے حق میں ہوتی تو عیسائی قیصر اس کی آمد کا منتظر نہ ہوتا ''رسول الختان'' کے لفظ سے اس بات کا اشارہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ وہ مختون قوم میں ظاہر ہوگا اور عیسائی مذہب نے اس رسم کو باطل قرار دیا ہے۔ یہودیت کے بعد اسلام ہی ہے جس نے نسل ابراہیمؑ کے اس عہد کو دنیا میں ہمیشہ برقرار رکھا ہے تو راۃ میں ایک اور بشارت ہے۔

''خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔'' (استثناء ۳۳۔۲)

اس بشارت کا ایک ٹکڑا حضرت حبقوق نبی کے صحیفہ میں پھر دہرایا گیا ہے۔

''خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا' اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور اس کی حمد سے زمین معمور ہوگئی۔'' (۳۔۳)

صحیفہ استثناء کی بشارت میں خداوند کا مظہر تین پہاڑوں کو قرار دیا گیا ہے' کوہ سینا' کوہ سعیر اور کوہ فاران یہ درحقیقت خورشید نبوت کے تین مطلع ہیں' ان میں بہ ترتیب کوہ سینا سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ سعیر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کوہ فاران سے محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں کہ وہ مکہ کی پہاڑیوں کا نام ہے' حضرت حبقوق اس بشارت میں کہتے ہیں کہ وہ تیمان سے آیا' تیمان کے لغوی معنی جنوب کے ہیں اور استعمال میں ملک یمن کو کہتے ہیں اور یہاں یہ دونوں معنی ٹھیک ہیں' پھر کہتے ہیں' ''اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا۔'' یہ معراج آسمانی کی تشریح ہے' پھر کہتے ہیں۔ ''اس کی حمد سے زمین معمور ہوگئی۔'' زمین کا کون سا گوشہ ہے جو محمدؐ کے حمد سے معمور نہیں' لفظ حمد' کہ محمد کا مادہ اور عبادات اسلامی کا آغاز (الحمد الخ) ہے محمد رسول اللہؐ کی تلمیح سے لبریز ہے۔

توراۃ کی اس بشارت کو قرآن مجید نے سورۂ والتین کے ان الفاظ میں ادا کیا۔

﴿وَالتِّينِ وَ الزَّيْتُونِ وَ طُوْرِ سِينِيْنَ وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ﴾ (تین) ''قسم ہے انجیر اور زیتون کی' طور سینا کی اور اس امن والے شہر کی۔''

سب کو معلوم ہے کہ انجیر اور زیتون والا ملک شام ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مولد اور کوہ سعیر کا مبدا ہے' طور سینا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عبارت ہے اور بلد امین یعنی مکہ سے محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ ہے۔

علمائے اسلام نے توراۃ اور انجیل کی اور بھی بشارتوں کا تذکرہ کیا ہے' لیکن ہم نے صرف ان ہی بشارتوں کا ذکر کیا ہے جن کی طرف قرآن مجید اور احادیث میں اشارے پائے جاتے ہیں' کتب سیر و دلائل میں بہت سی پیشین گوئیاں عرب کے کاہنوں اور بت خانوں کے پجاریوں سے منقول ہیں' لیکن چونکہ ان کا بڑا حصہ اصول روایت کے رو سے کمزور ہے اس لیے ہم ان کی تفصیل غیر ضروری سمجھتے ہیں' تاہم ان روایات کا قدر مشترک اس قدر ضرور نکلتا ہے کہ عرب بھی ایک پیغمبر کے وجود کا تشنہ تھا' روم و فارس کی وہ سالہ جنگ نے مشرق و مغرب کی سرزمین کو لالہ زار بنا دیا تھا اور خیالات میں تلاش امن کی شورش برپا کر دی تھی اور عرب میں اصحاب الفیل کا واقعہ دلوں میں لرزش پیدا کرنے کے لیے کافی تھا اور عین یہی موسم دنیا میں روح اعظم کے ظہور کا ہوتا ہے' اس لیے مولد نبی کے قریب زمان میں عرب و

Marfat.com

روم اور یہود و نصاریٰ سب کو توراۃ و انجیل کی بشارتوں کے مطابق ایک آنے والے کا انتظار تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوسفیانؓ کی زبانی مروی ہے کہ جب قاصد نبوی دعوت نامہ اسلام لے کر قیصر کے پاس پہنچا ہے اور قیصر نے ابوسفیان کو بلا کر جو اس وقت تک کافر تھے آنحضرت ﷺ کے متعلق چند استفسارات کیے ہیں اور ابوسفیان نے ان کے جو جوابات دیئے ہیں ان کو سن کر اس نے بھرے دربار میں کہا' تم نے جو کچھ بیان کیا اگر وہ سچ ہے تو ایک دن یہ میرے پاؤں کے نیچے کی مٹی اس کے قبضے میں ہوگی' مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا' اگر ممکن ہوتا میں خود جا کر اس کی زیارت کرتا اور اگر وہاں ہوتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا۔ (۱)

قیصر کے محرم راز اور شام کے بشپ ابن ناطور کا بیان اوپر پڑھ چکے ہو کہ قیصر کا خیال تھا کہ ختنہ والے رسول کی پیدائش کا زمانہ قریب ہے اور رومیہ کے ایک مسیحی عارف نے بھی خط لکھ کر قیصر کے خیال کی تائید کی' مقوقس شاہ مصر کے دربار میں جو قاصد نبوی خط لے کر گیا تھا' وہ بھی یہ جواب لایا کہ ہاں ہم کو بھی یقین تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن خیال تھا کہ وہ شام میں پیدا ہوگا۔ حبش کے عیسائی بادشاہ نے لکھا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ سچے پیغمبر ہیں۔ (۲)

یاد ہوگا کہ یمن کے شہر نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا تھا اور فیصلہ حق کے لیے قرار پایا تھا کہ دونوں فریق مباہلہ کریں' لیکن وفد کے سمجھ دار عیسائیوں نے وفد کو آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں مباہلہ سے منع کیا اور کہا کہ خدا کی قسم! اگر یہ سچے پیغمبر ہیں تو ہم ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائیں گے۔ (۳) اس سے معلوم ہوا کہ ان کو بھی پیغمبر کی آمد کا گمان تھا۔ اسلام سے پہلے زید ایک عرب موحد تلاش حق میں مدتوں سے سرگرداں رہے' وہ پہلے یثرب (مدینہ کا پہلا نام) گئے' دیکھا تو وہاں کے یہودی بھی توحید کامل پر قائم نہ تھے' یہاں سے نکل کر خیبر کے یہودیوں کے پاس گئے اور ان کا بھی یہی حال پایا وہاں سے شام کے عیسائیوں میں گئے دیکھا کہ وہ بھی مشرک ہیں' آخر شام کے ایک راہب نے کہا کہ اگر تمہیں دین حق کی تلاش ہے تو عراق جاؤ' وہاں ایک بزرگ ہیں' زید جب ان کے پاس پہنچے اور لب سوال وا کیا تو دریافت کیا کہ تم کہاں سے آئے ہو' زید نے کہا کہ حرم مکہ سے' ان بزرگ نے کہا جاؤ تم اپنے وطن کو لوٹ جاؤ۔ دین حق کا وہیں ظہور ہونے والا ہے' وہ لوٹ کر مکہ آئے' لیکن اسلام سے پہلے ان کی وفات ہوگئی۔ (۴)

ورقہ بن نوفل کا واقعہ تم سیرت جلد اول میں پڑھ چکے ہو کہ وہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے' بعثت کے پہلے ہی روز جب حضرت خدیجہؓ آپؐ کو لے کر ورقہ کے پاس گئی ہیں تو ورقہ نے آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی اور آرزو ظاہر کی کہ کاش میں آپؐ کی ہجرت تک زندہ رہتا تو آپؐ کی مدد کرتا' اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کو آنے والے پیغمبر کا اس وقت تک انتظار تھا۔

ابن سعد' ابن اسحاق' مسند احمد' تاریخ بخاری' مستدرک حاکم' دلائل بیہقی' معجم طبرانی' دلائل ابونعیم وغیرہ میں

---

(۱) صحیح بخاری کیف کان بدء الوحی۔

(۲) سیرت نبوی جلد اول۔

(۳) سیرت نبوی جلد دوم۔

(۴) مسند ابوزرعہ۔

Marfat.com

روایتیں ایسی ہیں جن سے مجموعی طور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے مدینہ کے یہودیوں میں بھی ایک آنے والے پیغمبر کے جلد ظاہر ہونے کے چرچے رہا کرتے تھے اور ان ہی سے سن سن کر اوس وخزرج کے کانوں میں پیغمبر کی بعثت کی خبر پڑی ہوئی تھی' اور اکثروں کے لیے یہ خبر ہدایت کا باعث بنی' چنانچہ ابن سعد کے علاوہ دیگر کتب مذکورہ میں ایک نوجوان انصاری کا واقعہ بسند صحیح مذکور ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا تو مدینہ میں ایک یہودی واعظ تھے' اثنائے وعظ میں اس نے ایک پیغمبر کے ظہور کی بشارت دی' لوگوں نے پوچھا کہ وہ کب تک ظاہر ہوگا؟ اس نے ان انصاری کی طرف جو اس مجمع میں سب سے چھوٹے تھے' اشارہ کر کے کہا کہ اگر یہ لڑکا جیتا رہا تو وہ اس کا زمانہ پائے گا' انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ ایک یہودی کا لڑکا آپؐ کی خدمت میں رہا کرتا تھا' اتفاق سے وہ بیمار پڑا' آنحضرت ﷺ اس کی عیادت کو گئے' اور اس کے باپ سے پوچھا کہ کیا میرا ذکر تم توراۃ میں پاتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ لڑکے نے فوراً جواب دیا ہاں یا رسول اللہ! آپؐ کا ذکر ہم نے توراۃ میں پڑھا ہے۔ اور یہ کہہ کر اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔ (۱) عربوں اور یہودیوں میں جب لڑائی ہوتی تو یہودی کہا کرتے تھے کہ ایک پیغمبر آنے والے ہیں' ان کے عہد میں ہم کو کامل فتح ہوگی' قرآن مجید نے ان کے اسی عقیدہ کو دہرا کر ان کے عدم اسلام پر ملامت کی ہے۔

﴿وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ (بقرہ: ۱۱)

''اس سے پہلے کافروں پر اسی آنے والے پیغمبر کا نام لے کر فتح چاہا کرتے تھے' پس جب وہ سامنے آ گئے جس کو انہوں نے پہچان لیا تو انکار کر دیا' کافروں پر خدا کی لعنت ہو۔''

قرآن مجید نے اس کے علاوہ اور بھی متعدد مقامات پر یہودیوں کو ان کے اس سابق یقین کے خلاف ان کے موجودہ اظہار کفر پر ان کی سرزنش کی ہے۔

﴿وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ (بقرہ: ۱۷)

''جن کو کتاب پہلے دی جا چکی ہے وہ یقیناً (ان نشانیوں کی بنا پر جو اس کتاب میں مذکور ہیں) جانتے ہیں کہ یہ حق ہے ان کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے۔''

﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ (بقرہ: ۱۷)

''جن کو ہم پہلے کتاب دے چکے ہیں اسلام کی صداقت کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں لیکن ان میں سے ایک فریق جان کر حق کو چھپاتا ہے۔''

﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ (انعام: ۲)

''جن کو ہم پہلے کتاب دے چکے ہیں وہ اس کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو۔''

یہ ان ہی بشارتوں اور پیشین گوئیوں کا اثر تھا کہ علمائے یہود آنے والے نبی کے متعلق توراۃ کی بیان کردہ مختلف

---

(۱) بیہقی باسناد صحیح' مگر یہ روایت صحیح بخاری (کتاب الجنائز) سے کسی قدر مختلف ہے' صحیح بخاری میں ہے کہ وہ لڑکا اپنے باپ کے مشورہ سے مسلمان ہوگیا۔

Marfat.com

علامات اور نشانیوں کو اپنے ذہن میں رکھ کر حاضر خدمت ہوتے تھے اور سوالات کرتے تھے اور آپ ؐ کا امتحان لیتے تھے اور جب ان کی تشفی ہو جاتی تو وہ مسلمان ہو جاتے تھے۔

نجاشی کے دربار میں جب حضرت جعفر طیارؓ نے اسلام پر تقریر کی اور سورۂ مریم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں تو نجاشی پر رقت طاری ہوگئی اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور کہا۔ خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔ اور اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت اسلام کا جو عقیدہ سنا تو نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ واللہ! جو تم نے کہا عیسیٰ علیہ السلام اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں۔ (1)

کفار عرب کو مخاطب کر کے قرآن مجید نے کہا کہ اس کی صداقت کی دلیل یہ ہے کہ علمائے بنی اسرائیل اس کی سچائی کی گواہی دیتے ہیں۔

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَ اسْتَكْبَرْتُمْ﴾ (احقاف: ۱)

''اے پیغمبر! ان سے کہو کہ غور کرو اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہو اور تم اس سے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس طرح کی ایک کتاب نازل ہونے کی گواہی بھی دی اور ایمان بھی لایا اور تم مغرور بنے رہے تو اسی صورت میں تمہارا کیا انجام ہوگا۔''

﴿اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ﴾ (شعراء: ۱۱)

''کیا ان کفار کو یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ اس کو علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں۔''

---

(۱) مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۲۰۲۔

Marfat.com

خصائص محمدیؐ

خصائص وہ امور ہیں جو کسی ذات کے ساتھ خاص ہوں' آنحضرت ﷺ کو بہت سی چیزیں ایسی دی گئی تھیں جو اوروں کو نہیں ملی تھیں' یہ خصائص محمدیؐ دو قسم کے ہیں' ایک وہ جو صرف آپؐ کے لیے تھے اور آپؐ کی اُمت میں سے کسی اور کے لیے نہ تھے۔ دوسرے وہ جو صرف آپؐ کو عطا ہوئے اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو مرحمت نہیں ہوئے' غرض پہلی خصوصیتیں امت کے مقابلہ میں اور دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں تھیں۔ ہم نے پہلے کا نام ''خصائص ذاتی'' اور دوسرے کا نام ''خصائص نبوی'' رکھا ہے۔

ارباب سیر نے ان خصائص کی توسیع اور کثرت کو آنحضرت ﷺ کی فضیلت کا بڑا معیار قرار دیا ہے کہ اس سے بارگاہ الٰہی میں آپؐ کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے' چنانچہ انہوں نے معمولی معمولی سی باتوں کو خصوصیت میں شمار کر کے خصائص نبویؐ کا ایک انبار لگا دیا ہے' مثلاً حافظ ابوسعید نیشاپوری نے شرف المصطفیٰ میں آپؐ کے خصائص کی تعداد ساٹھ لکھی ہے' حافظ سیوطی نے خصائص کبریٰ میں اس پر سینکڑوں کا اور اضافہ کیا ہے' حالانکہ ان میں اکثر کا ماخذ' تاویل بعید' نکتہ آفرینی اور ضعیف روایتیں ہیں۔

بعض ایسی باتیں بھی خصائص میں شمار کر لی گئی ہیں جو گو عام افراد اُمت کے لیے نہیں' لیکن امراء اور خلفائے اسلام کا ان سے اتصاف یا تعلق جائز ہے۔

مُحدِّثین نے خصائص ذاتی کو یہ وسعت دی ہے کہ انہوں نے یہ اصول بنالیا ہے کہ حدیث قولی اور عملی میں اگر تصادم ہو تو حدیث قولی کو حدیث عملی پر ترجیح ہوگی' یعنی اگر ایک امر آنحضرت ﷺ کے قول سے ثابت ہے اور اس کے مخالف دوسرا امر آپؐ کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے تو عام اُمت کو آپؐ کے ذاتی عمل کی تقلید کے مقابلہ میں آپؐ کے قول کی تعمیل کرنی چاہیے' کیونکہ ممکن ہے کہ وہ عمل محض آپؐ کے لیے مخصوص اور آپؐ کے خصائص ذاتی میں ہو لیکن ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا میں اپنی اُمت کے لیے نمونہ اور عملی مثال ہی بن کر آتے ہیں' خصوصاً حضرت مقتدائے اعلم ﷺ کو ان کے متعلق فرمان الٰہی نے اعلان کر دیا ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ''اور تمہارے لیے (اے مسلمانو)! رسول اللہ میں بہترین اقتدا ہے۔''
(احزاب)

تو جب آپؐ مقتدائے عالم اور امام اعظم بن کر آئے اور تمام لوگوں کو آپؐ کی تقلید اور پیروی کا حکم دیا گیا تو ایسی حالت میں آپؐ کا ہر فعل ہمارے لیے قابل تقلید اور لائق پیروی ہے' بے شک بعض امور ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو بحیثیت پیغمبر آپؐ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہوں' لیکن ضرورت ہے کہ دفع التباس اور رفع شک کے لیے ان تمام مخصوص امور

Marfat.com

کے متعلق ساتھ ساتھ یہ اعلان عام بھی کر دیا جائے کہ یہ مخصوصات نبوی ہیں اور یہ عام اُمت کے لیے نہیں ہیں۔

اس بنا پر اس کے تسلیم کر لینے سے چارہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے جس قدر خصائص ذاتی تھے شریعت نے ان کو برملا واضح کر دیا ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ یہ صرف آپؐ کے ساتھ مخصوص ہیں اس لیے جن امور کے متعلق یہ تصریح موجود نہیں کہ یہ مخصوصات نبویؐ ہیں' ان کو ہرگز خصائص کے باب میں جگہ نہیں دی جا سکتی' اور اس طرح یہ معلوم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کے جو خصائص ذاتی ہیں' وہ چند محدود امور ہیں اور کتاب و سنت نے ان کا مخصوص ہونا عالم آشکارا کر دیا ہے۔

Marfat.com

خصائص ذاتی

نبوت اور لوازم نبوت:

سب سے پہلی چیز جو آپ ؐ کی ذات مبارک کے ساتھ مخصوص تھی اور جس کا کوئی حصہ افراد اُمت کو نہیں ملا وہ نبوت اور اس کے لوازم وحی، تشریع، اخبار الٰہی، نزول جبریلؑ نسخ احکام وغیرہ ہیں، یعنی آپ ؐ کے سوا نہ تو کسی فرد اُمت پر کوئی وحی آئی اور نہ آ سکتی ہے، نہ کسی کو کوئی نئی شریعت لانے اور نئے مذہبی قانون وضع کرنے کا اختیار ہے، نہ وہ بے گناہ اور معصوم ہے، نہ اللہ تعالیٰ سے سن کر وہ خبر دے سکتا ہے، نہ اس کے پاس قاصد الٰہی آ سکتا ہے، نہ وہ احکام شرعی کو منسوخ کر سکتا ہے وغیرہ، صرف دو چیزیں ایسی ہیں جو افراد اُمت کے لیے باقی ہیں اور وہ رویائے صادقہ اور کشف والہام ہیں۔

امور متعلقہ نکاح:

مسئلہ نکاح میں آنحضرت ﷺ کے لیے چند امور مخصوص کر دیئے گئے ہیں، جن کی رخصت عام امت کے لیے نہیں۔

(۱) عام مسلمان بشرط عدل صرف چار بیویاں ایک وقت میں رکھ سکتے ہیں، آنحضرت ﷺ چار سے زیادہ رکھ سکتے تھے۔

(۲) آنحضرت ﷺ کے لیے اس کی رخصت تھی کہ اگر کوئی عورت اپنی خوشی سے مہر کے بغیر آپ ؐ کی زوجیت میں آنا چاہتی اور آپ ؐ اس کو قبول کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے، گو ایسا واقع نہیں ہوا، لیکن افراد اُمت کے لیے بغیر مہر نکاح ممکن ہی نہیں۔

یہ دو رخصتیں تھیں، لیکن ان کے مقابلہ میں اس باب میں آپ ؐ پر کچھ قیدیں بھی تھیں، جو عام افراد اُمت پر نہیں۔

(۳) آپ ؐ پر وہی عورتیں حلال تھیں جن کو ادائے مہر یا مہر کے بغیر آپ ؐ اپنی زوجیت میں اب تک لے چکے تھے اور رشتہ کی بہنوں میں سے صرف وہی عورتیں آپ ؐ کی زوجیت میں رہ سکتی تھیں، جنہوں نے آپ ؐ کے ساتھ ہجرت کی تھی، عام مسلمانوں پر قید نہ تھی۔

(۴) عام مسلمان اہل کتاب کی عورتوں سے جنہوں نے گو اسلام نہ قبول کیا ہو نکاح کر سکتے تھے اور کر سکتے ہیں مگر آپ ؐ کو اس کی اجازت نہ تھی۔

(۵) جو بیویاں آپ ؐ کے پاس تھیں، ان میں سے اب کسی کو نہ آپ ؐ طلاق دے سکتے تھے اور نہ ان کے بعد آپ ؐ اور کسی سے اب نکاح کر سکتے تھے۔

(۶) آپ ؐ کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ ان بیویوں میں سے چند کو اپنے قریب کر لیں اور باقی کو پیچھے کر دیں چنانچہ آپ ؐ نے چار کو یعنی حضرت عائشہؓ، حفصہؓ، زینبؓ اور ام سلمہؓ کو پاس رکھ لیا تھا اور بقیہ کو شرف زوجیت بخشنے کے

Marfat.com

ساتھ اپنے سے علیحدہ رکھا تھا اور ان میں آپ ردوبدل بھی کر سکتے تھے۔

(ز) آنحضرت ﷺ کی بیویوں کو آپ کی وفات کے بعد کسی دوسرے کے نکاح میں جانے کی اجازت نہ تھی۔

﴿وَ لَا تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا﴾ (احزاب)　''اور نہ یہ مناسب ہے کہ اپنے پیغمبروں کی بیویوں سے اس کے بعد کبھی نکاح کرو۔''

یہ تمام احکام سورۂ احزاب میں بتصریح تمام مذکور ہیں اور ان کے خاص وجوہ و مصالح ہیں، اصل یہ ہے کہ عرب میں نکاح کی تعداد متعین نہ تھی، بلکہ بنی اسرائیل میں بھی اس کی تحدید نہ تھی، توراۃ میں ایسے انبیاء اور بزرگوں کے نام بھی ہیں جن کی متعدد بلکہ سینکڑوں بیویاں تھیں، آنحضرت ﷺ نے پورے عہد شباب میں یعنی ۲۵ سال سے ۵۰ برس کی عمر تک صرف ایک بی بی (حضرت خدیجہؓ) پر کفایت کی۔ حضرت خدیجہؓ کے بعد ایک ساتھ دو نکاح کیے۔ حضرت سودہؓ سے جو کبیر السن تھیں اور حضرت عائشہؓ سے جو صرف ۶ برس کی تھیں، اتنی چھوٹی لڑکی سے نکاح ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ صرف دو خاندانوں میں محبت اور یک جہتی کی ترقی ہی کے لیے ہو سکتا تھا، مدینہ میں آکر آپ نے چند نکاح کیے، ان نکاحوں پر ایک عمیق نظر ڈالنے سے خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان میں دو قسم کی عورتیں تھیں، ایک وہ جو روسائے قبائل کی لڑکیاں تھیں اور جن سے نکاح کا مقصد اسلام کی بہتری کے لیے تعلقات کی توسیع اور اضافہ تھا، حضرت عائشہؓ صدیق اکبرؓ کی اور حضرت حفصہؓ فاروق اعظمؓ کی صاحبزادی تھیں، حضرت اُم حبیبہؓ ابوسفیان رئیس بنو اُمیہ کی بیٹی تھیں، حضرت جویریہؓ قبیلہ بنی المصطلق کی رئیسہ تھیں، حضرت صفیہؓ رئیس خیبر کی دختر تھیں۔

ازواج مطہراتؓ میں دوسری وہ بیوہ عورتیں تھیں جن کا سن زیادہ تھا اور گویا اس طرح ان کی کفالت کا بار آپ نے اٹھایا تھا، چنانچہ حضرت سودہؓ حضرت ام سلمہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت زینبؓ اُم المساکین یہ سب بیوائیں تھیں، ایک اور بیوی حضرت زینبؓ بنت جحش تھیں جو گو بیوہ نہ تھیں لیکن مطلقہ تھیں، ان کے شوہر نے ان کو طلاق دے دی تھی، اس تفصیل سے آپ کی کثرت ازواج کے اسباب منکشف ہوئے ہوں گے۔

اس کی تصریح نہیں ملتی کہ سورۂ احزاب میں یہ مخصوص احکام کب نازل ہوئے، لیکن اس بنا پر کہ آپ نے آخری سے آخری نکاح حضرت میمونہؓ سے ۷ھ میں ادائے عمرہ کے زمانہ میں کیا ہے اور اس کے بعد آپ کا کوئی نکاح ثابت نہیں۔ (۱) اس لیے ان احکام کے نزول کی تاریخ اسی ۷ھ کو قرار دیا جا سکتا ہے کہ ۸ھ میں اسلام کی طاقت اپنے کمال کو پہنچ گئی تھی اور خیبر، طائف اور مکہ معظمہ فتح ہو چکا تھا اور آنحضرت ﷺ کو ان تعلقات کے ذریعہ سے کسی نئے قبیلہ کو مطیع کرنے کی ضرورت نہ تھی اور غریب سن رسیدہ مسلمان بیواؤں کی کفالت کی حاجت نہ تھی۔

اس تمہید کے بعد یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام نے ازواج مطہرات کو وقار نبوت کے برقرار رکھنے اور ان کو تمام تر احکام اسلامی کے نشر و اشاعت میں مصروف رہنے کا حکم دے کر ان کا آئندہ نکاح ناجائز قرار دیا اور ان کو تمام مسلمانوں کی ماؤں کا رتبہ دیا وَ اَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ. (سورۂ احزاب) اب ایسی حالت میں چار سے زیادہ نکاح کرنے

(۱) طبقات ابن سعد، جزء نساء، ص ۹۴۔

Marfat.com

کی ممانعت کا حکم نازل ہوتا ہے اب جناب رسالت مآب کے لیے اس سے سوا چارۂ کار کیا ہوتا کہ وہ انہی بیویوں پر محدود رہیں کہ اگر ان میں سے کچھ کو طلاق دے دی جائے تو چونکہ وہ دوسرے مسلمانوں کے نکاح میں نہیں آ سکتیں اس لیے یہ ان پر صریح ظلم ہوتا۔ بنابریں آنحضرت ﷺ کو موجودہ بیویوں کو آپؐ کی زوجیت میں رکھنے کی اجازت ہوتی ہے اور طلاق کی رخصت آپؐ سے سلب کر لی جاتی ہے اور ان محدود ازواج میں سے بھی چند کو قریب رکھنے اور بقیہ کو شرف زوجیت کے ساتھ علیحدگی (ارجاء) کا حکم دیا جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ چار کو یعنی حضرت عائشہؓ حفصہؓ ام سلمہؓ زینبؓ کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت سودہؓ حضرت جویریہؓ حضرت میمونہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ سے ارجاء کرتے ہیں۔(۱) کتابیہ سے آنحضرت ﷺ کو اس لیے نکاح کی اجازت نہیں دی گئی کہ نبوت محمدی پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے امور دین میں اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا اور نہ اس کو محرم راز ہونے کا شرف بخشا جا سکتا تھا۔

نماز شبانہ:

شروع میں جب نماز پنجگانہ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے مسلمانوں پر رات کی نماز (تہجد) فرض تھی اس کے بعد معراج میں جب پانچ وقت کی نماز فرض ہوگئی تو تہجد کی نماز عام اُمت پر فرض نہیں رہی بلکہ صرف مستحب رہ گئی لیکن خود آنحضرت ﷺ کے لیے یہ نماز شبانہ فرض مزید کے طور پر باقی رہی چنانچہ آنحضرت ﷺ پوری پابندی کے ساتھ اس کو ادا کرتے رہے یہی وہ نماز تھی جس میں دیر تک کھڑے رہنے سے پائے مبارک میں ورم آ جاتا تھا سورۂ بنی اسرائیل جو معراج کی سورہ ہے اس میں نماز پنجگانہ کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔(۲)

﴿وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾

''اور رات کے حصہ میں بیدار ہو کر نماز پڑھ یہ تیرے لیے مزید ہے قریب ہے کہ تیرا پروردگار تجھ کو مقام محمود (مرتبہ شفاعت) میں اٹھائے۔''

نماز چاشت اور قربانی:

اسی طرح چاشت کے وقت نماز عام مسلمانوں کے لیے نفل ہے مگر احادیث میں ہے کہ یہ نماز آپؐ پر بمنزلہ فرض کے تھی اور اسی کے ساتھ قربانی کا حکم بھی غالباً یہ حدیثیں سورۂ کوثر کی تفسیریں ہیں۔

﴿اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ (کوثر)

''اے پیغمبر! میں نے تجھے کوثر عطا کیا تو تو (اس کے شکرانے میں) اپنے رب کی نماز (چاشت) پڑھ اور قربانی کر۔''

مگر یہ بطریق صحاح مذکور نہیں اسی لیے ہمیں ان کو خصائص نبوی میں شمار کرنے میں اب بھی تامل ہے۔

عصر کے بعد نماز دوگانہ:

عام اُمت کے لیے نماز عصر کے بعد سے غروب تک نماز پڑھنا ممنوع ہے مگر آنحضرت ﷺ کو آخر میں بعض

(۱) تفسیر ابن جریر طبری تفسیر سورۂ احزاب جلد ۲۲ ص ۱۶ مصر۔

(۲) بحوالہ خصائص کبریٰ سیوطی جلد دوم طبع حیدر آباد۔

Marfat.com

ازواج مطہراتؓ نے عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا۔ دریافت کیا تو فرمایا کہ ایک وفد کی ملاقات میں ظہر کے بعد کی دو رکعتیں مجھ سے رہ گئی تھیں یہ میں ان کی قضا پڑھتا ہوں۔ [۱] عام اُمت کے لیے تو اس کی قضا واجب نہ تھی اگر ہوتی تو بھی ایک دفعہ قضا پڑھ لینا کافی تھا، مگر آپؐ اپنے لیے ایک نماز سنت کے ترک عمد کی تلافی کی شاید آخر عمر تک کوشش کرتے رہے۔

صوم وصال:

یعنی کئی کئی دن کا متصل افطار کیے بغیر روزہ رکھنا عام اُمت کے لیے ممنوع ہے لیکن آنحضرت ﷺ کئی کئی دن کا روزہ رکھتے تھے اور بیچ میں افطار کے وقت کچھ کھاتے پیتے نہ تھے بعض صحابہؓ نے آپؐ کی پیروی میں اس طرح کا روزہ رکھنا چاہا تو آپؐ نے روک دیا اور فرمایا، تم میں کون میری طرح ہے، مجھ کو تو میرا پروردگار کھلاتا اور سیراب کرتا ہے۔ [۲]

صدقہ وزکوٰۃ کھانے کی حرمت::

آنحضرت ﷺ اور اہل بیت پر کئی کئی دن کے فاقے گزر جاتے تھے۔ عام مسلمان غربت اور تنگدستی کی حالت میں اس سرمایہ سے فائدہ اٹھاتے تھے، مگر آپؐ نے اپنے اور اپنے خاندان کے لیے اس مد کی ہر شے حرام کردی اور کبھی صدقہ کا مال ذاتی مصرف میں لانا گوارہ نہ فرمایا یہاں تک کہ اگر حسنین علیہما السلام لڑکپن کے اقتضاء سے صدقہ و فطر کی کوئی کھجور بھی اپنے منہ میں ڈال لیتے تھے تو آپؐ اگلوا دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے [۳] کہ یہ لوگوں کے مال و دولت کا میل ہے، اس کا لینا اہل بیت نبوت کو روا نہیں۔ [۴] چنانچہ سادات کے لیے قیامت تک اس قسم کے صدقات کا لینا جائز نہیں۔ آپؐ کے پاس جب کوئی ناواقف شخص کوئی چیز لے کر جاتا تھا کہ اس کو آپؐ کی خدمت میں پیش کرے تو آپؐ دریافت فرمالیا کرتے تھے کہ یہ صدقہ ہے یا تحفہ؟ اگر تحفہ کہتا تو قبول فرماتے اور اگر معلوم ہوتا کہ صدقہ ہے تو اجتناب فرماتے۔ [۵] اس طرح آنحضرت ﷺ نے مخالفین کی اس بدگمانی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کردیا کہ پیغمبر اسلام کی صدقہ وخیرات کی اس تاکید کا مقصود (نعوذ باللہ) اپنی اور اپنے خاندان کی ذاتی پرورش کا سامان تھا۔

❁

---

(۱) ابوداؤد و ترمذی باب الصلوٰۃ بعد العصر۔
(۲) صحیح بخاری کتاب الاعتصام۔
(۳) صحیح بخاری و مسلم کتاب الزکوٰۃ۔
(۴) صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ۔
(۵) صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ و صحیح بخاری کتاب الہدایا۔

Marfat.com

خصائص نبویؐ

دیگر انبیاءؑ کے مقابلہ میں جس قدر خصائص آپؐ کو عطا ہوئے ہیں وہ متعدد معتبر حدیثوں میں مختلف تعدادوں میں نام بنام خود زبان اقدس سے ادا ہوئے ہیں، صحیحین میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا، مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں، مجھے رعب اور دھاک کے ذریعہ سے فتح و نصرت دی گئی، میرے لیے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی، غنیمت کا مال میرے لیے حلال کیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کے لیے حلال نہ تھا، مجھے شفاعت کا مرتبہ عنایت ہوا، مجھ سے پہلے انبیاء خاص اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور میں تمام دنیا کے لیے مبعوث ہوا۔ (۱) صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ کی زبانی چھ باتیں گنائی ہیں، مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے، رعب وداب سے نصرت دی گئی، مال غنیمت میرے لیے حلال کیا گیا، تمام روئے زمین میرے لیے مسجد بنی، میری بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ میری ذات پر ختم ہوا۔ (۲)

احادیث کی دیگر روایتوں میں بعض اور خصائص بھی زبان اقدس سے بیان ہوئے ہیں، مثلاً یہ کہ میرا معجزۂ وحی قیامت تک کے لیے ہے، میرے پیرو تمام انبیاء سے زیادہ ہیں، میری نبوت اولین ہے، مجھ کو فلاں فلاں سورتیں دی گئیں جو کسی اور کو نہیں ملیں، فلاں فلاں وقت کی نمازیں خاص میری اُمت کے لیے فرض ہوئیں مگر حقیقت میں ان میں بعض جزئیات ایسی ہیں جو ان ہی چھ عنوانوں کے تحت میں کسی نہ کسی حیثیت سے درج ہیں، سورتوں کی خصوصیت جوامع الکلم میں داخل ہے، بعض نمازوں کے اوقات کا اضافہ ختم نبوت کے مدارج کے اندر ہے۔ قرآن مجید میں آپ کی دو خصوصیتیں مذکور ہوئی ہیں وہ ان سب کو جامع ہیں یعنی تکمیل دین اور ختم نبوت بہر حال اجمال کو چھوڑ کر ذیل میں ہم کو نمایاں خصوصیات پر قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں ایک تفصیلی نظر ڈالنا ہے۔

رُعب ونصرت:

آنحضرت ﷺ سے پہلے جو انبیاء دنیا میں آئے وہ دو قسم کے ہیں، یا وہ بظاہر کمزور اور بے یار و مددگار تھے اور ان کو دنیاوی طاقت کا کوئی حصہ عطا نہیں ہوا تھا، پیغمبروں کی بڑی تعداد ایسی ہی تھی، دوسرے وہ انبیاء ہیں جن کو دنیا کی ظاہری طاقت بھی ملی تھی اور وہ صرف چند ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ مگر ان میں سے کسی کو بھی نام نامی کے رُعب اور ہیبت کا انعام عطا نہیں ہوا اور تاریخ اس بیان پر شاہد ہے، آنحضرت ﷺ کا آغاز گو ایوبی بیچارگی اور مسیحی غُربت سے ہوا مگر انجام موسوی طاقت اور داؤدی سلطنت اور سلیمانی شان وشکوہ پر ہوا اور سب سے مافوق یہ تھا کہ آپؐ کی تمام تر قوت، طاقت، رُعب وہیبت سب خدا کی راہ میں صرف ہوئی، اس سے گم گشتوں نے

(۱) صحیح بخاری کتاب الصلوۃ باب جعلت فی الارض کلھما مسجدا و کتاب التیمم و صحیح مسلم باب المساجد و نسائی باب التیمم۔
(۲) صحیح مسلم باب المساجد، ترمذی کتاب السیر و نسائی۔

Marfat.com

راستہ پایا' بھولوں نے یاد کیا' سننے والوں نے آواز دی اور یہ اثر پیدا ہوا کہ آپؐ جس راستہ سے نکل جاتے' گناہ گار اور مجرم سر اطاعت خم کر دیتے اور اپنی سیہ کاریوں پر ندامت کا اظہار کرتے تھے۔

متعدد حدیثوں میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے فتح و نصرت' رعب و ہیبت کے ذریعہ بخشی گئی' یہاں تک کہ میری دھاک ایک مہینہ کی مسافت تک کام کرتی ہے۔[1] علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں فنون جنگ پر بحث کرتے ہوئے نہایت خوبی سے بتایا ہے کہ لڑائیوں میں کسی ایک فریق کو جو فتح ہوتی ہے وہ اسی وقت ہوتی ہے جب دوسرے فریق پر پہلے کی خداداد مرعوبیت چھا جاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی کو یہ شرف اس لیے عطا ہوا تا کہ مزید خون ریزی کے بغیر ملک میں امن و امان اور سکون و اطمینان پیدا ہو جائے اور صدائے حق کے لیے راستہ صاف ہو' قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس وصف کے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔

﴿سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ﴾ ''عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈالوں گا۔''
(انفال)

چنانچہ یہ وعدہ پورا ہوا اور قرآن نے شہادت دی۔

﴿فَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ﴾ (احزاب و حشر) ''اور خدا نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔''

چنانچہ بڑے بڑے دل گردہ کے بہادر زہر میں تلواریں بجھا بجھا کر آئے مگر جب روئے روشن پر نظر پڑی کانپ کر رہ گئے' بڑے بڑے سرکش قبائل آپؐ کا نام سن کر دم بخود ہو جاتے تھے' مدینہ کے آس پاس کے یہود جو بڑے بڑے قلعوں میں بیٹھ کر فرمان روائی کرتے تھے اور جن کو اپنی فوجی قوت اور جنگی سامانوں پر ناز تھا۔ جب انہوں نے سرتابی کی' بے لڑے بھڑے آپؐ کے سامنے اطاعت کی گردن ڈال دی' خیبر کے قلعہ نشین یہود جو سب سے زیادہ مضبوط تھے' جب ایک صبح کو ان کے قلعوں کے سامنے دفعۃً کوکبہ اسلام طلوع ہوا تو ان کے منہ سے چیخ نکل گئی کہ ''محمد کا لشکر'' ابوسفیان جو بار ہا ایک فریق مقابل کی حیثیت سے میدان جنگ میں فوجوں کے پرے لگا تا رہا' فتح مکہ کے دن جب حضرت عباسؓ اس کو لے کر اسلام کے موجزن دریائے الٰہی کا نظارہ دکھا رہے تھے اور رنگ برنگ کے علم نگاہوں کے سامنے سے گزر رہے تھے تو ہر نئے دستہ اور ہر نئے علم کو دیکھ کر کانپ کانپ جاتا تھا' بایں ہمہ اس مجسمہ ہیبت کا حال کیا تھا' نا آشنا ڈرتے تھے اور وہ ان کو تسکین دیتا تھا' بے خبر اس سے رعب کھاتے تھے' اور آگاہ' پروانہ تھے کہ۔

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ﴾ ''محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی کافروں پر بھاری اور آپس میں رحم دل ہیں۔''

ایک بدوی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جیسے ہی چہرہ مبارک پر نظر پڑی' کانپ گیا فرمایا ڈرو نہیں' میں بادشاہ نہیں ہوں' ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔[2] حضرت مخرمہ صحابیؓ

---

(۱) صحیح بخاری و مسلم عن ابی ہریرہؓ' احمد' ابن ابی شیبہ' بیہقی و بزار عن علی۔
(۲) شمائل ترمذی۔

Marfat.com

نے اپنے بیٹے اسود سے کہا کہ آنحضرت ﷺ زنان خانہ میں ہیں' آپ کو آواز دو' وہ ہچکچانے لگے۔ باپ نے کہا جان پدر! محمد ﷺ جبار نہیں۔ (۱) یہ ہیبت' یہ وقار' یہ دبدبہ' یہ رعب' تیغ و سنان کی چمک' فوج و عسکر کے تلاطم' جلادوں کی صف بندی اور تیغ بکف سپاہیوں کی نمائش سے نہیں پیدا ہوا بلکہ۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست
ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست (رومی)

سجدہ گاہ عام:

اسلام کے علاوہ جس قدر مذاہب ہیں وہ اپنے مراسم عبادت کے ادا کرنے کے لیے چند گھری ہوئی چار دیواریوں کے محتاج ہیں' گویا ان کا خدا ان ہی کے اندر بستا ہے یہود اپنے صومعوں اور قربان گاہوں سے باہر نہ خدا کو پکار سکتے ہیں' اور نہ قربانی کے نذرانے پیش کر سکتے ہیں' عیسائی اپنے کنیسوں کے بغیر خدا کے آگے نہیں جھک سکتے' یہاں تک کہ بت پرست قومیں بھی اپنے بت خانوں ہی کی چار دیواروں کے اندر اپنے دیوتاؤں کو خوش کر سکتے ہیں' لیکن اسلام کے عالمگیر مذہب کا خدا اس آب و گل اور سنگ و خشت کی چار دیواریوں میں محدود نہیں' وہ ہر جگہ ہے اور ہر جگہ سے پکارا جا سکتا ہے' کوہ و صحرا' خشکی و تری' مسجد و کنشت ہر جگہ اس کے سامنے سجدہ کیا جا سکتا ہے' (۲) وہ جس طرح مسجدوں کے اندر ہے' مسجدوں کے باہر بھی ہے' اس کی قربانی مشرق و مغرب ہر جگہ گزرانی جا سکتی ہے۔

﴿اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ ''جدھر منہ پھیرو' ادھر ہی خدا کا منہ ہے۔''

ہر جا کنیم سجدہ بآں آستاں رسد

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لیے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی۔ (۳) یہ مسئلہ ہر چند ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے' مگر اس کے اندر وہ صداقت پنہاں ہے جو اسلام کی عالمگیری اور اس کے آخری مذہب ہونے کا اعلان عام کرتا ہے۔

پیرووں کی کثرت:

دنیا میں لاکھوں پیغمبر آئے' مگر آج دنیا میں ان کی تعلیم و ہدایت کی ایک یادگار باقی نہیں یہاں تک کہ تاریخ کے اوراق میں بھی ان کا نام و نشان نہیں' وہ انبیاء جن کے صرف حالات معلوم ہیں' ان کی نسبت وہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان کی آواز پر لبیک کہنے والے چند سے آگے نہ بڑھ سکے' حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک ایک پیغمبر کا کارنامہ دیکھ جاؤ' حضرت موسیٰ کے سوا ایک بھی ایسا نہ ملے گا جس کے ماننے والے سو بھی ہوں' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کوششوں کے جولانگاہ صرف بنی اسرائیل کے چند ہزار نفوس تھے جو قدم قدم پر راہ حق سے ہٹ ہٹ

---

(۱) صحیح بخاری جلد دوم ص ۸۷۱۔

(۲) صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی البیع میں ہے کہ حضرت ابن عباس ان گرجاؤں میں جن میں تصویریں نہ ہوتیں' نماز پڑھ لیتے۔

(۳) صحیح بخاری و مسلم و نسائی و ترمذی باب المساجد۔

Marfat.com

جاتے تھے، کہیں گوسالے کو پوجتے ہیں، کہیں خدا کو ان آنکھوں سے دیکھنے پر اصرار کرتے ہیں، کہیں سرفروشی اور جان بازی سے گھبرا کر میدان جنگ میں جانے سے انکار کر بیٹھتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزانہ کارنامے صرف اسی قدر اثر دکھاتے ہیں کہ چند ماہی انسان ان کی شیریں گفتاری کا دم بھرتے ہیں مگر اس سے پہلے کہ مرغ بانگ دے ابن آدم کو دشمنوں کے پنجہ میں اسیر کراتے ہیں اور تین دفعہ اس کے پہچاننے سے منکر ہوتے ہیں، لیکن آنحضرت ﷺ کا یہ حال ہے کہ مکہ کی گلیوں میں آپؐ نے تن تنہا بے یار و مددگار متلاشیان حق کو صدائے توحید دی، جواب میں ایک آواز بھی بلند نہ ہوئی، لیکن ۲۳ سال نہ گزرنے پائے تھے کہ ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ لا الہ الا اللہ سے پرشور ہو گیا اور جب آپؐ نے اسی مکہ کی سرزمین کے لیے حجۃ الوداع کا اعلان کیا تو کم و بیش ایک لاکھ جان نثار و فدا کار دائیں بائیں کھڑے تھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا، جس قدر میری نبوت کی سچائی کا اعتراف کیا گیا کسی اور پیغمبر کی سچائی کا نہیں کیا گیا کہ بعض انبیاء ایسے بھی ہیں جن کو سچا کہنے والا ان کی اُمت میں صرف ایک ہی نکلا۔ (۱)

صحیحین میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا، ایک دفعہ مجھ پر (عالم مثال میں) قومیں پیش کی گئیں، بعض پیغمبر ایسے تھے کہ ان کے پیچھے صرف ایک ہی دو آدمی تھے، بعض تنہا ہی تھے ان کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا، اتنے میں ایک بڑی بھیڑ نظر آئی، خیال ہوا کہ یہ میری امت ہوگی، تو بتایا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے، پھر کہا گیا کہ دوسرے کنارہ کی طرف دیکھو تو اتنا سواد اعظم نظر آیا کہ اس سے افق چھپ گیا، پھر کہا گیا اسی طرح ادھر دیکھو بڑی تعداد کثیر دکھائی دی، کہا گیا کہ یہ سب تیری اُمت ہے۔ (۲)

دعوت عام:

محمد رسول اللہ ﷺ کے پیروؤں اور حلقہ بگوشوں کی کثرت تعداد کا ایک اور سبب یہ ہے کہ آپؐ سے پہلے جس قدر انبیاء آئے وہ خاص خاص قوموں اور قبیلوں کی طرف بھیجے گئے ان کی دعوت عام نہ تھی، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے کو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی گلہ بانی تک محدود رکھا، لیکن آنحضرت ﷺ کی بعثت روئے زمین کی ہر قوم اور ہر جنس کی طرف ہوئی کالے گورے، رومی، حبشی، عرب، عجم، ترک، تاتار، چینی، ہندی سب آپؐ میں برابر کے حق دار ہیں۔

قرآن نے کہا۔

﴿وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ﴾ (سبا) ''اے محمدؐ! ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بھیجا ہے۔''

﴿تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا﴾ (فرقان) ''بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندہ پر قرآن اتارا تا کہ وہ تمام دنیا کو ہشیار کر دے۔''

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الایمان۔

(۲) ایضاً و بخاری کتاب الطب و باب وفات موسیٰ و کتاب الرقاق۔

Marfat.com

صحیحین میں ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے نبی خاص اپنی قوم میں بھیجا جاتا تھا اور میں تمام دنیا کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ (۱) اس معنی کی بکثرت روایتیں حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی آئی ہیں' اس کی عملی دلیل یہ ہے کہ تمام پیغمبروں کے حالات پڑھ جاؤ' سب کے پیروؤں کو اس کی زندگی میں خود اسی قوم وملک کے اندر محدود پاؤ گے' لیکن آپ ؐ کے حلقہ بگوشوں میں خود آپ ؐ کی زندگی میں عرب کے علاوہ سلمان عجمیؓ' صہیب رومیؓ' بلال حبشیؓ سب کو پاؤ گے' سلاطین عالم کے نام آپ ؐ کا دعوت نامہ بھی اسی تعمیم دعوت کی مستحکم عملی دلیل ہے۔

جوامع الکلم:

دنیا میں ہی آسمانی صحیفے اب بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں' مگر ان میں ایک کے سوا وصف جامعیت سے سب محروم ہیں۔ توراۃ اقوام کی تاریخ اور احکام وقوانین کا مجموعہ ہے' عقیدہ توحید ورسالت کے سوا تمام دیگر ضروری عقائد سے اور رسم قربانی کے علاوہ تمام دیگر مسائل عبادات سے اور چند معمولی باتوں کو چھوڑ کر تمام دقائق اخلاق سے یکسر خالی ہیں۔ زبور صرف دعاؤں اور مناجاتوں کا ذخیرہ ہے' سفر ایوبؑ میں صرف عقیدۂ تقدیر ورضا کی تعلیم ہے۔ امثال سلیمان صرف مواعظ وحکم ہیں۔ دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے صحیفے صرف توبہ وندامت پیشین گوئی اور ماتم ہیں' انجیل کا صحیفہ صرف حضرت مسیحؑ کی سرگزشت اور تعلیمات اخلاقی کا مجموعہ ہے' لیکن محمد رسول اللہ ؐ کو جو صحیفہ ملا وہ جوامع الکلم ہے یعنی وہ تمام باتوں کی جامع ہے' وہ توراۃ بھی ہے زبور بھی اور انجیل بھی اور کچھ ان سے زیادہ بھی' اس لیے آپ ؐ نے اپنے خصائص میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے۔ (۲) بیہقی میں (۳) حضرت واثلہؓ ابن اسقع سے روایت ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا۔ مجھے توراۃ کی جگہ سبع طول (سات بڑی سورتیں) اور زبور کی جگہ مئین (تقریباً سو آیتوں والی سورتیں) انجیل کے قائم مقام مثانی دی گئیں اور سور مفصلات زیادہ ملیں۔ (۴) ابونعیم میں یہی روایت ان الفاظ میں ہے کہ مجھے مثانی توراۃ کی جگہ مئین انجیل کی جگہ' حوامیم زبور کی جگہ اور مفصلات علاوہ بریں ملیں۔ (۵)

اس لیے قرآن مجید' توراۃ' زبور اور انجیل کو جامع ہے اور ان کے سوا کچھ اور بھی ہے' وہ تاریخ اقوام بھی ہے' اخلاق ومواعظ بھی ہے' دعا ومناجات بھی ہے' اس میں دین کامل کے تمام عقائد ہیں' تمام مراسم عبادات ہیں' تمام

(۱) بخاری ومسلم کتاب المساجد۔ (۲) صحیح بخاری کتاب الاعتصام وباب التعبیر ومسلم کتاب المساجد۔

(۳) بحوالہ خصائص کبریٰ ج ۶ ص ۱۹۸۔

(۴) سبع طوال مئین اور مفصلات' قرآن مجید کی کئی کئی سورتوں کے مختلف مجموعوں کے نام ہیں۔

(۵) ابونعیم عن ابی عباس (بحوالہ خصائص سیوطی ج ۲ ص ۲۲۴' دوسری روایت کے الفاظ پہلے سے زیادہ قرین قیاس ہیں' کیونکہ مثانی اور سبع طوال ہماری تحقیق میں ایک ہی ہیں اور پہلی روایت میں ان کو دو بتایا گیا ہے حالانکہ خود قرآن نے سبعا من المثانی۔ (مثانی کی سات سورتیں) کہا ہے۔ حوامیم وہ سورتیں ہیں جن کے شروع میں حم ہے سبعا من المثانی کی تفصیل میں روایات اور علماء کی تشریحات میں بہت سے اختلافات ہیں' بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سبعا من المثانی سورہ فاتحہ کو کہا گیا ہے جس میں سات آیتیں ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ''س''

Marfat.com

معاملات کے احکام وقوانین ہیں' اس میں ایک مسلمان کی زندگی کے ہر دور اور ہر شعبہ کے لیے کامل ہدایات اور صحیح تعلیمات موجود ہیں' صرف توراۃ کے اسفار خمسہ یہود کی مذہبی زندگی کا کامل مجموعہ نہیں' صرف انجیل عیسائیوں کی مذہبی حیات کا سرمایہ نہیں' یہاں تک کہ ان کے عقائدہ وعبادات بھی ان کے صحیفوں کے رہین منت نہیں اور وہ ان کی صحیح تعلیم سے یکسر خاموش ہیں' لیکن اسلام قرآن سے باہر کچھ نہیں' باہر جو کچھ ہے (احادیث) اس کی عملی توضیح وتفسیر ہے' وہی تنہا مسلمانوں کی ہر ضرورت کا کفیل اور ہر سوال کا مجیب ہے اور اسی لیے اس کے پیرو کامل حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰہ۔[1] (ہم کو خدا کی کتاب کافی ہے) کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔

قرآن جوامع الکلم ہے کہ اس کی ایک ایک آیت کے اندر سینکڑوں لطائف ہیں' اس کے ایک ایک لفظ سے متکلمین اور فقہاء نے چند در چند مسائل نکالے ہیں اور صوفیاء اور ارباب حال نے متعدد نکتے پیدا کیے ہیں' تاہم اس کی لطافتوں اور نزاکتوں کا خاتمہ نہیں ہوا اور اس کی جوامع الکلمی کا حصر نہ ہو سکا۔

تکمیل دین:

اسلام کا صحیفہ جب ایسا جامع ہے تو یقیناً وہ دین بھی جس کو لے کر وہ آیا کامل ہوگا' قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے قریب عین مسلمانوں کے اجتماع عظیم کے دن (حجۃ الوداع) یہ اعلان عام کیا۔

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (مائدہ)

''آج کے دن میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو دین کی حیثیت سے میں نے تمہارے لیے پسند کیا۔''

اسلام قرآن کے عقیدہ کے مطابق اس صحیح مذہب کا نام ہے جو اپنے اپنے وقت میں ہر پیغمبر کو عطا ہوا اور عہد بعہد دنیا کی عمر کے ساتھ مختلف پیغمبروں کے ہاتھوں سے تکمیل کو پہنچتا رہا' یہاں تک کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت وتبلیغ کی تکمیل پر وہ اپنے معراج کمال کو پہنچ کر تمام ہو گیا اور یہ منصب خاص صرف آپ ؐ کی ذات پاک کے لیے روز اول سے مقدر ہو چکا تھا' آپ ؐ نے فرمایا انا خاتم النبيين و آدم منجدل في طينته. میں پیغمبر آخر تھا اور آدم ابھی آب وگل میں پڑے تھے' آنحضرت ﷺ نے ایک بلیغ تمثیل میں اسلام کی تکمیل دین کی تشریح فرمائی ہے۔ فرمایا میری اور دوسری انبیاء کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی' لوگ اس کے اندر جاتے ہیں اور اس کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں لیکن دیکھتے ہیں کہ اس کی ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے تو میں وہ آخری اینٹ ہوں۔ عمارت دین ونبوت ہے اس کی ایک ایک اینٹ' ایک ایک پیغمبر کا وجود اور اس کا دین وشریعت ہے اور اس کی تکمیل کا آخری پتھر نبی امی علیہ السلام کا وجود اقدس ہے۔

دائمی معجزہ:

وہ دین جو مختلف انبیاء علیہم کی وساطتوں سے دنیا میں آتا رہا' چونکہ وہ محدود زمانوں کے لیے آیا کیا' اس لیے

(۱) بخاری ومسلم وترمذی باب خاتم النبیین۔

Marfat.com

ان کے معجزے بھی محدود الوقت تھے یعنی ایک خاص وقت میں پیدا ہوئے اور مٹ گئے اب عصائے موسیٰ علیہ السلام لحن داوٗدؑ تعبیر یوسفؑ ناقہ صالحؑ نفس عیسیٰ علیہ السلام کا کہاں پتہ ہے؟ لیکن جو دین محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے آیا کامل تھا اور قیامت تک کے لیے آیا تھا بنابریں اس کے لیے ایک دائمی اور مستقل معجزہ کی ضرورت تھی اور وہ خود صحیفہ اسلام ہے۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کو وہ معجزہ ملا جس پر اس کی اُمت ایمان لائی لیکن جو مجھے ملا وہ وحی ہے جو خدا نے بھیجی تو مجھے امید ہے کہ میرے پیرو تمام انبیاء سے زیادہ ہوں گے۔ (1) یہ خیال مبارک اسی لیے تھا کہ آپ کا معجزہ وحی قیامت تک کے لیے ہے اس لیے اس کو دیکھنے والے اور اس پر ایمان لانے والے سب سے زیادہ ہوں گے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے صحیفے بجائے خود معجزہ نہ تھے اسی لیے وہ تحریف وتغیر سے پاک نہیں رہے اور قرآن دین کا کامل صحیفہ خاتم الانبیاء کی وحی اور دائمی معجزہ بن کر آیا اسی لیے وہ ہمیشہ کے لیے اپنی حفاظت کا سامان اپنے ساتھ لایا وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ. (حجر) اور ہم ہیں اس کے محافظ۔

ختم نبوت:

یہ رعب ونصرت یہ پیرووں کی کثرت یہ سجدہ گاہِ عام یہ اعجاز دوام یہ جوامع الکلم یہ دعوت عمومی یہ تکمیل دین یہ آیات مبین خود اس بات کے دلائل ہیں کہ آپ کے وجود اقدس پر تمام پیغمبرانہ نعمتوں کا خاتمہ ہو گیا اور نبوت اور رسالت کا سلسلہ منتہی ہو گیا اور اب دنیا کسی نئے آنے والے وجود سے مستغنی ہو گئی اسی لیے قرآن پاک نے عہد نبوت کے سب سے بڑے مجمع میں یہ اعلان عام کیا کہ!

﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (مائدہ)

''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو دین کی حیثیت سے میں نے تمہارے لیے پسند کیا۔''

یہ آیت جو ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ کو نازل ہوئی اس بات کی بشارت تھی کہ نبوت جس کا مقصد دین کی عمارت میں کسی نہ کسی اینٹ کا اضافہ تھا وہ آج تکمیل کو پہنچ گئی لیکن اس سے پہلے ۵ھ میں بھی یہ بشارت ان الفاظ میں گوش گزار ہو چکی تھی۔

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ﴾ (احزاب)

''محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن خدا کے پیغمبر اور تمام نبیوں کے خاتم ہیں۔''

ختم کے لغوی معنی کسی چیز کو اس طرح بند کرنے کے ہیں کہ نہ اس کے اندر کی چیز باہر نکل سکے اور نہ باہر کی چیز اس کے اندر جا سکے۔ (2) اسی سے اس کے دوسرے معنی کسی شے کو بند کر کے اس پر مہر کرنے کے ہیں جو اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اندر سے نہ کوئی چیز باہر نکلتی ہے اور نہ کوئی باہر کی چیز اس کے اندر گئی ہے اور چونکہ یہ عمل مہر سب سے آخر میں کیا جاتا ہے اس کے معنی انتہا اور ختم کرنے کے بھی آتے ہیں قرآن مجید میں یہ معنی مستعمل ہوئے ہیں

(1) صحیح بخاری کتاب الاعتصام وصحیح مسلم کتاب الایمان۔
(2) دیکھو لسان العرب وصحاح جوہری واساس البلاغہ زمخشری۔

Marfat.com

مثلاً:

﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ﴾　''آج (قیامت کے دن) ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے (یعنی بند کر دیں گے) کہ بول نہ سکیں۔''

یہاں ختم کے معنی ''بند کر دینے'' کے بالکل ظاہر ہیں۔

﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ (بقرہ)　''خدا نے ان (کافروں) کے دلوں پر مہر لگا دی ہے (یعنی ان کے دلوں کے دروازے بند کر دیئے)

کہ باہر سے جو نصیحت اور ہدایت کی باتیں وہ سنتے ہیں' وہ ان کے دلوں کے اندر نہیں گھستیں اور بے اثر رہتی ہیں۔

﴿وَ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ﴾ (جاثیہ)　''اور خدا نے اس کے کان پر اور دل پر مہر لگا دی (یعنی اس کے کان اور دل بند کر دیئے)

کہ اس کے کان کے اندر دعوت رسول کی آواز اور اس کے دل کے اندر اس آواز کا اثر نہیں جاتا۔

﴿يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ﴾ (مطففین)　''اہل جنت پلائے جائیں گے وہ شراب جس پر مہر لگی ہوگی۔''

وہ سربمہر یعنی بند ہوگی جو اس بات کا ثبوت ہوگی کہ یہ خالص شراب ہے' یہ کھلی نہیں کہ اس کے اندر کی خوشبو باہر نکل گئی ہو اور نہ اس کے باہر سے کوئی چیز کسی نے ملا دی ہے جس سے اس کی تیزی کم ہوگئی ہے اس کے بعد یہ آیت ہے۔

﴿خِتٰمُهٗ مِسْكٌ﴾　''اس کی مہر مشک ہوگی (یا) اس شراب کا آخر مشک ہوگا۔''

یعنی اس کے ہر گھونٹ کے پینے کے بعد مشک کی بو اس میں سے نکلے گی یا یہ معنی کہ بوتل یا صراحی کا منہ غایت صفائی اور نزاہت کی غرض سے دنیا کی طرح مٹی' لاکھ یا موم کے بجائے مشک خالص سے بند ہوگا۔

بہر حال ان تمام استعمالات سے یہ بالیقین معلوم ہوگا کہ اس لفظ کے عمومی اور مشترک معنی کسی چیز کے بند کرنے کے ہیں' لفظ خاتم کی دو قراءتیں ہیں' مشہور قراءت تو خاتِم[1] (بکسر تا) کی ہے جس کے معنی ختم کرنے والے اور بند کرنے والے کے ہوئے' اور دوسری قراءت خاتَم کی ہے جس کے معنی ہیں وہ شے جس کے ذریعہ سے کوئی شے بند کی جائے اور اس پر مہر لگائی جائے تا کہ وہ کھولی نہ جا سکے اور نہ اس کے اندر کوئی چیز باہر سے جا سکے۔ الغرض دونوں حالتوں میں آیت پاک کا حاصل معنی ایک ہی ہوگا کہ آپؐ کا وجود پیغمبروں کے سلسلہ کو بند کرنے والا اور ان پر مہر لگا دینے والا ہے کہ پھر آئندہ کوئی نیا شخص اس جماعت میں داخل نہ ہو سکے۔

آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ تمہارے وہ ظاہری باپ نہیں ہیں جس کے رشتہ کی بناء پر وراثت اور حرمت نکاح وغیرہ کے احکام جاری ہوتے ہیں' بلکہ وہ روحانی باپ (رسول اللہؐ) اور سب سے آخری روحانی باپ (خاتم النبیین) ہیں' اس لیے باپ ہونے کے ظاہری احکام کے بغیر آپؐ سے وہی پدرانہ محبت رکھنی

(۱) تفسیر ابن جریر طبری و تفسیر ابن حبان اندلسی تفسیر آیت مذکور۔

Marfat.com

چاہیے اوراسی طرح آپؐ کی پدرانہ اطاعت کرنی چاہیے۔

احادیث صحیحہ میں لفظ خاتم النبیین کی تشریح بالکل صاف اور واضح ہے' مسند احمد میں حضرت ثوبانؓ اور حضرت حذیفہؓ[1] اور ترمذی[2] میں حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میرے بعد تیس کے قریب جھوٹے نبی پیدا ہوں گے۔

و انا خاتم النبیین لا نبی بعدی.

''بہ تحقیق میں نبیوں کا خاتم ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔''

لا نبی بعدی خاتم النبیین کی تفسیر وتشریح ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاتم النبیین کے یہی معنی ہیں کہ آپؐ کے بعد پھر کوئی نبی نہ ہوگا' اس کے علاوہ آپؐ نے تکمیل دین اور ختم نبوت کی جو مشہور تمثیل بیان کی ہے اور جس کو ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں اس سے بھی لفظ خاتم النبیین کی پوری تفسیر ہوتی ہے' آپؐ نے فرمایا کہ میری اور دیگر انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کوئی عمدہ محل بنوایا ہو' لوگ اس کو آ آ کر دیکھتے ہیں اور اس کی عمدگی اور اس کی خوب صورتی پر عش عش کرتے ہیں' لیکن اس کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے تو کہتے ہیں کہ اگر یہ اتنا نا تمام نہ رہ جاتا تو خوب ہوتا۔ اس کے بعد مختلف روایتوں میں حسب ذیل الفاظ ہیں۔

فانا تلک اللبنة.	''تو میں وہی آخری اینٹ ہوں۔''
فانا اللبنة و انا خاتم النّبیّن.[3]	''تو میں وہی آخری اینٹ ہوں اور سب پیغمبروں کا خاتم ہوں۔''
فانا موضع اللبنة فجئت فختمت الانبیاء.[4]	''تو اسی آخری اینٹ کی جگہ ہوں' میں آیا تو پیغمبروں کا سلسلہ ختم کر دیا۔''
و انا فی النّبیّن موضع تلک اللبنة.[5]	''میں پیغمبروں میں اسی آخری اینٹ کی جگہ ہوں۔''

آنحضرت ﷺ نے دیگر انبیاء کے مقابلہ میں اپنے جو مخصوص فضائل گنائے ہیں' ان میں ایک ختم نبوت بھی ہے' چنانچہ صحیح مسلم (کتاب المساجد) ترمذی کتاب السیر باب الغنیمۃ) اور نسائی میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔

((و ختم بی النّبیون))　''اور انبیاء مجھ سے ختم کیے گئے۔''

سنن دارمی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔

((و انا خاتم النبیین و لا فخر)) (باب اکرم الله نبیه ص ١٦)　''اور پیغمبروں کا خاتم ہوں اور اس پر فخر نہیں۔''

(۱) جلد۵ ص ۲۷۸۔　(۲) جلد۵ ص ۳۹۶۔ اس روایت میں ۲۷ تعداد لکھی ہے جن میں چار عورتیں ہوں گی۔

(۳) بخاری باب خاتم النبیین و صحیح مسلم عن ابی ہریرہؓ و عن ابی سعید خدریؓ باب خاتم النبیین۔

(۴) صحیح مسلم باب مذکور عن جابرؓ۔

(۵) باب فضائل النبی ﷺ ترمذی عن ابی بن کعبؓ۔

Marfat.com

آپ ؐ خاتم نبوت ہونا کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا' بلکہ یہ آپ ؐ کی وہ خصوصیت تھی جو آپ ؐ کے لیے روز اول سے مقرر ہو چکی تھی' آپ ؐ نے ارشاد فرمایا۔ (۱)

((انی عبداللّٰہ خاتم النبیین و ان آدم لمنجدل فی طینتہ)) ''میں خدا کا بندہ اور خاتم انبیاء تھا اور آدم ہنوز اپنے عنصر خاکی میں پڑے تھے۔''

حضرت علیؓ کو جب آپ ؐ نے اہل بیت کی نگرانی کے لیے مدینہ چھوڑ کر تبوک جانا چاہا اور حضرت علیؓ نے ہمرکاب نہ ہونے پر ملال خاطر ظاہر کیا تو آپ ؐ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا۔

((الا ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارونؑ من موسٰی الا انہ لیس نبی بعدی)) (صحیح بخاری غزوہ تبوک) ''کیا تم اس پر خوش نہیں کہ تم میں اور مجھ میں وہ نسبت ہو جو ہارون اور موسیٰ میں تھی' لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

صحیح مسلم (مناقب علی) میں یہ الفاظ ہیں۔

((غیر انہ لا نبی بعدی)) ''لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

((الا انہ لا نبوۃ بعدی)) ''لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبوت نہیں۔''

صحیح بخاری (کتاب الانبیاء) اور صحیح مسلم (کتاب الامارۃ) میں ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا کہ بنو اسرائیل کی نگرانی اور سیاست انبیاء کرتے تھے' ایک نبی جب مرتا تھا تو دوسرا نبی پیدا ہوتا تھا۔

((و انہ لا نبی بعدی)) ''اور بہ تحقیق میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔''

جامع (۲) ترمذی اور مستدرک (۳) حاکم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کی مدح میں فرمایا۔

((لو کان نبی بعدی لکان عمر بن الخطاب)) ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو وہ خطاب کے بیٹے عمر ہوتے۔''

عربی جاننے والے کو معلوم ہے کہ ''لو'' امر محال کے لیے آتا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ آپ ؐ کے بعد کسی دوسرے نبی کا آنا محال ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمدؐ ہوں' میں احمدؐ ہوں' میں ماحی ہوں کہ خدا میرے ذریعہ سے کفر کو محو کرے گا' میں حاشر ہوں کہ خدا میرے پیچھے سب کو جمع کرے گا اور میں عاقب (آخری) ہوں الذی

(۱) یہ حدیث حسب ذیل کتابوں میں ہے' مستدرک حاکم تفسیر سورۂ احزاب ج ۱ص ۴۱۸' حاکم اور ذہبی نے اس کی تصحیح کی ہے' تاریخ امام بخاری' بحوالہ فتح الباری ج ۶ ص ۴۰۷ و حلیۃ الاولیاء ابی نعیم و شعب الایمان بیہقی (بحوالہ کنز العمال ج ۶ ص ۱۰۴ حیدر آباد) و مسند احمد ص ۱۲۷' ۱۲۸۔

(۲) مناقب عمرؓ حدیث غریب حسن۔

(۳) مناقب عمرؓ ج ۳ ص ۸۵ حیدر آباد حدیث صحیح' صححہ الذہبی۔

Marfat.com

لیس بعدہ نبی. جس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ (۱) جامع ترمذی اور بعض دوسری کتابوں میں آخری فقرہ ان الفاظ میں ہے۔الذی لیس بعدی نبی۔یعنی میں وہ عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ (۲)

صحیح بخاری میں آپؐ کا ارشاد ہے کہ خوش خبریوں کے سوا نبوت کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا' صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ! خوش خبریاں کیا ہیں؟ فرمایا۔رویائے صالحہ۔ (۳) (یعنی سچے خواب) پڑھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو اپنے امور غیب سے مطلع کرنے کے متعدد ذرائع مقرر کیے ہیں' منجملہ ان کے ایک رویائے صالحہ بھی ہے' اسی لیے احادیث میں آیا ہے کہ نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو مومن کا رویائے صالحہ ہے۔ (۴) ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلے قوموں میں مُحدِّثین (بات کیے گئے) ہوا کرتے تھے' اگر میری امت میں کوئی محدث ہوگا تو وہ عمرؓ ہیں۔ (۵) ائمہ حدیث نے محدث کے معنی ملھم کے لکھے ہیں۔

غرض ختم نبوت کے بعد اب جو نعمت اہل ایمان کے لیے باقی رہ گئی ہے وہ صرف دو ہیں' رویائے صالحہ اور الہام' لیکن چونکہ نبی کے سوا کوئی انسان معصوم نہیں اور نہ اس کی سچائی کی کوئی قطعی شہادت موجود ہے اس لیے کسی مومن کے رویائے صالحہ اور الہامات کسی دوسرے شخص پر بلکہ خود اس پر بھی حجت نہیں اور ان کے منجانب اللہ ہونے کا یقین کامل کرنا اور ان کی اطاعت و پیروی کرنا اور ان کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اور ان کی صداقت پر تحدی کرنا ضلالت و گمراہی ہے' ان رویائے صالحہ اور الہامات کے ذریعہ سے جو چیز مومن کو دی جاتی ہے وہ احکام نہیں ہوتے بلکہ صرف خوش خبریاں ہوتی ہیں' یعنی امر غیب اور مستقبل کے کچھ اطلاعات و مناظر۔

مسند ابن حنبل میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے مرض الموت میں حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھایا حضرت ابوبکرؓ امام تھے اور صحابہ کرامؓ صف بستہ پیچھے' اس وقت یہ آخری اعلان فرمایا۔

((یایھا النّاس لم یبق من مبشرات النبوۃ الا الرویا الصالحۃ یراھا المسلم او تری لہ)) (ج ۱ ص ۲۱۹) ''اے لوگو! نبوت کی خوش خبریوں (غیبی ذرائع علم و خبر) میں سے اب کوئی چیز باقی نہیں رہی لیکن ایک رویائے صالحہ جو مسلمان اپنے متعلق آپ دیکھے یا کوئی دوسرا اس کے متعلق دیکھے۔''

اس سے صاف ہو گیا کہ رویائے صالحہ شخصی احوال و مناظر سے متعلق ہے' اسی کتاب میں حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہمارے مقصد کے اثبات کے لیے اس سے بھی زیادہ صاف اور واضح ہے' حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن مجلس نبوی میں خدام حاضر تھے' آپؐ نے فرمایا۔

---

(۱) جامع ترمذی و صحیح مسلم باب اسماء النبی ﷺ صحیح بخاری میں عاقب کی تفسیر مذکور نہیں' مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۸۴ میں یہ حدیث اور عاقب کی یہ تفسیر امام زہری سے مذکور ہے۔

(۲) فتح الباری شرح بخاری ج ۶ ص ۴۰۶۔

(۳) صحیح بخاری کتاب التعبیر۔

(۴) صحیح بخاری کتاب التعبیر و صحیح مسلم کتاب الرویا و مسند ابن حنبل ج ۳ ص ۱۴۹ عن انسؓ۔

(۵) بخاری مسلم ترمذی' مناقب عمرؓ۔

Marfat.com

((انّ الرّسالة و النبّوة قد انقطعت فلا رسول بعدی و لا نبّی)) ''رسالت اور نبوت کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو میرے بعد نہ کوئی رسول ہو گا اور نہ کوئی نبی۔''

صحابہؓ پر یہ بات سخت گزری تو آپؐ نے فرمایا ولکن المبشرات لیکن خوش خبریاں باقی ہیں' لوگوں نے عرض کی' یا رسول اللہ! خوش خبریاں کیا ہیں؟ فرمایا۔ مرد مومن کی رویائے صالحہ' وہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے۔[1]

یہ تمام حدیثیں حقیقت میں جیسا کہ ترمذی و حاکم میں ہے'[2] اس آیت کی تفسیر ہیں۔

﴿الآ اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ﴾) ''ہاں اولیائے الٰہی کو کوئی خوف اور غم نہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ کرتے تھے' ان کو دنیا و آخرت میں بشارت ہے۔''

صحابہؓ نے پوچھا کہ دنیا میں ان کے لیے بشارت کیا ہے؟ فرمایا۔ رویائے صالحہ! اس آیت پاک سے دو باتیں معلوم ہوئیں' ایک یہ کہ ان مبشرات کے حصول کا ذریعہ ایمان اور تقویٰ کی تکمیل ہے اور دوسری یہ کہ ایسے لوگوں کا نام جن کو یہ مرتبہ حاصل ہوا' اولیاء اللہ ہے اور اس لیے ان کے اس رتبہ کا نام ولایت ہو گا' اس کو جزئی نبوت' لغوی نبوت' مجازی نبوت' نبوت ناقصہ وغیرہ کے الفاظ سے ادا کرنا ایسی لفظی گمراہی ہے جو معنوی گمراہی کی طرف مفضی ہے اور اس سے شرک فی النبوۃ کی اسی طرح برائیاں پیدا ہوں گی بلکہ ہوئیں اور ہو رہی ہیں' جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مجازی معنوں میں ابن اللہ کہہ کر حقیقی معنوں میں عیسائی شرک فی التوحید میں مبتلا ہو گئے' کیونکہ ہر قسم کی نبوتوں کا خاتمہ ہو چکا' دین کی تکمیل ہو چکی' دنیا میں خدا کا آخری پیغام دعوت محمدی نے ذریعہ سامعہ نواز ہو چکا' معمار قدرت اپنی عمارت میں اس آخری پتھر کو اپنی جگہ پر رکھ کر اپنی تعمیر پوری کر چکا' درجہ بدرجہ ستاروں کے طلوع کے بعد وہ خورشید انور طالع ہوا جس کے لیے غروب نہیں' طرح طرح کی بہاروں کے آنے کے بعد باغ کائنات میں وہ سدابہار موسم آ گیا جس کے بعد خزاں نہیں۔

شفاعت اولین:

عرصہ دار و گیر محشر میں جب جلال الٰہی کا آفتاب پوری تمازت پر ہو گا اور گناہگار انسانوں کو امن کا کوئی سایہ نہیں ملے گا' اس وقت سب سے پہلے فخر موجودات' باعث خلق کائنات سید اولاد آدمؑ' خاتم الانبیاء' و رحمت عالم ﷺ ہاتھوں میں لوائے حمد لے کر اور فرق مبارک پر تاج شفاعت رکھ کر گناہگاروں کی دستگیری فرمائیں گے۔

لفظ ''شفاعت'' اصل لغت میں شفع سے نکلا ہے' جس کے معنی جوڑا بننے' ایک کے ساتھ دوسرے کے ہونے کے ہیں' چونکہ شفاعت اصل میں یہی ہے کہ کسی درخواست کنندہ اور عریضہ گزار کے ہم آہنگ ہو کر کسی بڑے کے سامنے اس کی عرض و درخواست کو قبول کر لینے کی خواہش کا اظہار کرنا۔ آپؐ کی شفاعت بھی یہی ہو گی کہ آپؐ گناہگاروں کی زبان بن کر ان کی طرف سے خداوند ذوالجلال کے اذن سے اس کے سامنے ان کی بخشائش و مغفرت

(۱) مسند ابن حنبل عن انسؓ جلد ۳ و ترمذی کتاب الرویا۔

(۲) تفسیر سورۂ یونس و کتاب الرویا و مستدرک۔ اکم تفسیر یونس (صحیح)

Marfat.com

کی درخواست پیش کریں گے' سورۂ اسراء میں ہے۔

﴿عَسٰٓی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا﴾ ''قریب ہے کہ خدا تجھے مقام محمود میں اٹھائے۔''

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تمام صحیح روایتوں میں متعدد صحابہ کبارؓ سے منقول ہے کہ مقام محمود سے مراد رتبہ شفاعت ہے۔ (۱) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انسؓ نے شفاعت کے تمام واقعات بیان کر کے یہ آیت بالا تلاوت کی' پھر حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا' یہی وہ مقام محمود ہے جس کا تمہارے پیغمبر سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (۲) صحیح مسلم میں ہے کہ بصرہ کے کچھ خوارج جو گناہ کبیرہ کے مرتکب کو دائمی جہنمی سمجھتے ہیں یعنی ان کے حق میں شفاعت کے اثر کے قائل نہیں' مدینہ منورہ آئے' یہاں مسجد نبوی میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ صحابی قیامت کے واقعات بیان کر رہے تھے' ان میں سے ایک صاحب نے بڑھ کر کہا۔ اے رسول اللہ ﷺ کے صحابیؓ! آپ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ خدا تو قرآن میں یہ کہہ رہا ہے۔ کہ قرآن پاک کی ایک آیت پڑھی' جس کا یہ مطلب ہے کہ دوزخی جب دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں ڈال دیئے جائیں گے۔

حضرت جابرؓ نے پوچھا' تم نے قرآن پڑھا ہے' اس نے جواب دیا' ہاں۔ فرمایا' تم نے اس مقام محمود کا حال سنا ہے جس میں اللہ تعالیٰ تمہارے پیغمبر کو مبعوث کرے گا' اس نے کہا۔ ہاں سنا ہے۔ فرمایا تو یہی محمد رسول اللہ ﷺ کا مقام محمود ہے' جس کے ذریعہ سے خدا دوزخ سے جس کو نکالنا چاہے گا نکالے گا۔ یہ سن کر ایک کے سوا باقی سب اپنے اپنے عقیدۂ باطل سے تائب ہو گئے اور بولے کہ کیا یہ بوڑھا صحابی رسول پر جھوٹ بولے گا۔ (۳)

بخاری (۴) میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز ہر اُمت اپنے اپنے پیغمبر کے پیچھے چلے گی اور کہے گی کہ اے وہ! خدا کی درگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے۔ یہاں تک کہ شفاعت کا معاملہ آنحضرت ﷺ تک پہنچے گا' یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ آپؐ کو مقام محمود میں اٹھائے گا' جابرؓ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر یہ دعا مانگے کہ اے خدا جو پوری دعا اور کھڑی ہونے والی نماز کا مالک ہے' محمدؐ کو وسیلہ اور فضیلت اور وہ مقام محمود عطا فرما جس کا تو نے وعدہ فرمایا تو قیامت کے دن اس کے لیے میری شفاعت اترے گی۔ (۵) آپؐ نے فرمایا کہ ہر نبی کو کوئی نہ کوئی مستجاب دعا دی گئی' میں نے اپنی اس دعا کو اپنی امت کے لیے چھپا رکھا ہے۔ (۶) پھر فرمایا ہے کہ مجھ کو دیگر انبیاء پر چند فضیلتیں عطا ہوئیں ان میں سے ایک یہ کہ مجھے شفاعت عطا کی گئی۔ (۷)

---

(۱) صحیح بخاری و جامع ترمذی و مستدرک تفسیر آیت مذکورہ صحیح مسلم کتاب الایمان باب الشفاعۃ۔

(۲) صحیح بخاری کتاب الرد علی الجہمیہ ص ۸۔۱۱۔

(۳) صحیح مسلم کتاب الایمان باب الشفاعۃ۔

(۴) صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور۔

(۵) ایضاً و باب الدعاء عند النداء۔

(۶) صحیح بخاری کتاب التوحید و باب الدعوات و صحیح مسلم باب الشفاعۃ۔

(۷) صحیح بخاری و مسلم کتاب المساجد۔

Marfat.com

(یعنی شفاعت اولین) موطا امام مالک اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے متعدد تابعیوں نے یہ متفقہ روایت نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ہر نبی کو ایک مقبول دعا مانگنے کا موقع عطا کیا گیا تو انہوں نے وہ دعا مانگ لی اور وہ قبول کر لی گئی' لیکن میں نے اپنی دعا کا یہ موقع قیامت کے دن کے لیے چھپا رکھا ہے اور وہ اپنی اُمت کی شفاعت ہے۔[1] فرمایا کہ میں سب سے پہلا شفیع ہوں گا اور سب سے پہلا وہ شخص جس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔[2] اور فرمایا کہ میں پہلا ہوں گا جو جنت کی شفاعت کرے گا۔[3]

اس دن جب دنیا کی گناہ گاریاں اپنی عریاں صورت میں نظر آئیں گی اور آدم کی اولاد ترساں ولرزاں کسی شفیع کی تلاش میں ہوگی' کبھی آدم علیہ السلام کا سہارا ڈھونڈے گی' کبھی نوحؑ و ابراہیمؑ کو یاد کرے گی' کبھی موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بے تابانہ لپکے گی' مگر ہر جگہ نفسی نفسی کی آواز بلند ہوگی' بالآخر شفیع المذنبین سید الاولین و الآخرین آگے بڑھیں گے اور تسکین کا پیام سنائیں گے۔

حدیث کی اکثر کتابوں میں خصوصاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ' حضرت انسؓ بن مالک' حضرت جابرؓ بن عبداللہ' حضرت حذیفہؓ سے متعدد طریقوں سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کی ایک مجلس میں بیان فرمایا کہ قیامت کے ہولناک میدان میں لوگوں کو ایک شفیع کی تلاش ہوگی' لوگ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں' خدا نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو آپ کے سجدہ کا حکم دیا' آپؐ خدا کے حضور میں ہماری سفارش کیجیے؟ وہ جواب دیں گے کہ میرا یہ رتبہ نہیں' میں نے خدا کی نافرمانی کی تھی' آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا تھا اور نہ کبھی ہوگا! نفسی! نفسی! (اے میری جان! اے میری جان) لوگ حضرت نوحؑ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ روئے زمین کے پہلے پیغمبر ہیں' خدا نے آپ کو شکر گزار بندہ کا خطاب دیا ہے آج خدا کے حضور ہماری سفارش کیجیے' وہ کہیں گے ہمارا یہ رتبہ نہیں' آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا تھا اور نہ کبھی ہوگا' مجھ کو ایک مستجاب دعا کا موقع عنایت ہوا تھا وہ اپنی قوم کی تباہی کے لیے مانگ چکا۔ نفسی! نفسی! تم ابراہیمؑ کے پاس جاؤ' مخلوق ان کے پاس جائے گی اور اپنی وہی درخواست پیش کرے گی کہ آپ تمام انسانوں میں خدا کے دوست ہوئے' اپنے پروردگار سے شفاعت کیجیے' وہ بھی کہیں گے' میرا یہ رتبہ نہیں آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا اور نہ کبھی ہوگا' نفسی! نفسی! تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ اے موسیٰ علیہ السلام! آپ خدا کے پیغمبر ہیں' خدا نے اپنے پیام و کلام سے آپؐ کو لوگوں پر برتری بخشی ہے۔ اپنے خدا سے ہمارے لیے سفارش کیجیے' کیا آپ ہماری مصیبتوں کو نہیں دیکھتے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے کہیں گے کہ آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہیں ہوا اور نہ ہوگا' میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا' نفسی نفسی! تم لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ

(۱) صحیح بخاری کتاب التوحید و کتاب الدعوات صحیح مسلم باب الشفاعۃ۔
(۲) صحیح مسلم کتاب فضائل النبی ﷺ وغیرہ۔
(۳) صحیح مسلم کتاب الایمان باب الشفاعۃ۔

Marfat.com

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس لوگ جا کر کہیں گے کہ اے عیسیٰ علیہ السلام آپ خدا کے وہ رسول ہیں جس نے گہوارہ میں کلام کیا اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں' اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کیجیے' وہ بھی کہیں گے یہ میرا رتبہ نہیں آج خدا کا وہ غضب ہے کہ جو نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا نفسی نفسی' تم محمدؐ کے پاس جاؤ' مخلوق آپؐ کے پاس آئے گی اور کہے گی' اے محمد! آپؐ خدا کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور وہ ہیں جن کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہیں' آپؐ اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کیجیے۔ آپؐ اٹھ کر عرش کے پاس آئیں گے اور اذن طلب کریں گے' اذن ہوگا تو سجدہ میں گر پڑیں گے' آپؐ کے سامنے وہ کچھ کھول دیا جائے گا جو کسی اور کے لیے نہیں کھولا گیا' اللہ تعالیٰ اپنے محامد اور تعریفوں کے وہ معنی اور وہ الفاظ آپؐ کے دل میں القاء فرمائے گا جو اس سے پہلے کسی کو القاء نہ ہوئے۔ آپؐ دیر تک سربسجود رہیں گے' پھر آواز آئے گی اے محمد! سر اٹھاؤ' کہو سنا جائے گا' مانگو دیا جائے گا' شفاعت کرو قبول کی جائے گی' عرض کریں گے الٰہی! امتی امتی! خداوندا میری امت' میری امت' حکم ہوگا' جاؤ جس کے دل میں جو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اس کو نجات ہے۔ آپؐ خوش خوش جائیں گے اور اس کی تعمیل کرکے اور پھر حمد و ثنا کر کے عرض پرداز ہوں گے اور سجدہ میں گر پڑیں گے' پھر صدائے غیب آئے گی کہ اے محمد! سر اٹھاؤ' کہو سنا جائے گا' مانگو دیا جائے گا' شفاعت کرو قبول کی جائے گی' عرض کریں گے الٰہی! امتی امتی! خداوندا میری امت' میری امت' حکم ہوگا' جاؤ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا وہ بخشا گیا۔ حضور جائیں گے اور پھر واپس آ کر عرض گزار ہوں گے' حمد و ثنا کریں گے اور سربسجود ہوں گے پھر آواز آئے گی جاؤ جس کے دل میں چھوٹی سے چھوٹی رائی کے برابر ایمان ہو' اس کو بھی دوزخ سے نکالو گا' آپؐ پھر جا کر واپس آئیں گے اور گزارش کریں گے اور حمد و ثناء کر کے سجدہ میں گر پڑیں گے' پھر ندا آئے گی' اے محمد! سر اٹھاؤ' کہو سنا جائے گا' مانگو دیا جائے گا' شفاعت کرو قبول کی جائے گی' عرض کریں گے جس نے بھی تیری یکتائی کی گواہی دی اس کی شفاعت کا اذن عطا ہو' صداء آئے گی' اس کا اختیار تم کو نہیں' لیکن مجھے اپنی عزت و کبریائی اور اپنی عظمت و جبروت کی قسم ہے میں دوزخ سے ہر اس شخص کو نکالوں گا جس نے مجھے ایک کہا اور اپنے لیے دوسرا معبود نہیں بنایا۔ (1) مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

کمزور انسانوں کو تسکین کا یہ پیام محمد رسول اللہؐ کے سوا کس نے سنایا۔

فضائل اخروی:

آنحضرت ﷺ کے یہ وہ خصائص تھے جو آپؐ کو پیغمبر' مبلغ دین صاحب مذہب اور پیشوائے اُمت ہونے کی حیثیت سے عطا ہوئے تھے' علاوہ بریں آپؐ کو آخرت کی دنیا میں بھی مزید فضائل عنایت ہوئے ہیں' چنانچہ آپؐ نے فرمایا' قیامت میں' میں پیغمبروں کا نمائندہ' امام اور ان کی شفاعت کا پیرو کار ہوں اور اس پر فخر نہیں۔ (2) پھر فرمایا ہے۔ میں قیامت کے دن تمام بنی آدم کا سردار ہوں اور اس پر فخر نہیں' اور میرے ہی ہاتھ میں لوائے حمد ہوگا اور اس پر فخر نہیں'

(1) یہ پوری حدیث صحیح بخاری باب تفسیر بنی اسرائیل کتاب الانبیاء ذکر نوح و صحیح مسلم باب الشفاعۃ میں مختلف صحابیوں سے تھوڑے تھوڑے الفاظ کے تغیر سے مروی ہے ہم نے سب کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

(2) ترمذی' مناقب نبوی' حدیث حسن' صحیح غریب۔

Marfat.com

اور قیامت کے دن آدمؑ وغیرہ تمام پیغمبر میرے علم کے نیچے ہوں گے اور اس پر فخر نہیں اور سب سے پہلے میں ہی قبر سے باہر آؤں گا۔ (۱) نیز ارشاد ہے۔ لوگ قبروں سے جب اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلا اٹھنے والا میں ہوں گا' جب وہ خدا کے سامنے حاضر ہوں گے تو ان کی طرف سے بولنے والا میں ہوں گا' جب وہ نا اُمید ہوں گے تو ان کو خوش خبری سنانے والا میں ہوں گا اس دن خدا کی حمد کا علم میرے ہاتھ میں ہوگا۔ (۲)

وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ سَلَّمَ

تمت الجزء الثالث من السيرة النبويّة على

صاحبها الصّلٰوة و التّحيّة

یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ

سیّد سلیمان ندوی

(۱) حوالہ مذکور حدیث حسن۔

(۲) حوالہ مذکور حدیث حسن غریب۔

Marfat.com

اردو زبان میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر جامع ترین کتاب

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

جلد چہارم

اسلامی کتب خانہ

فضل الٰہی مارکیٹ چوک اردو بازار لاہور

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب سیرۃ النبی ﷺ

مصنف علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر اسلامی کتب خانہ

اردو بازار لاہور

پرنٹرز لٹل سٹارز پرنٹرز

نوٹ

ہماری قارئین سے درخواست ہے کہ ہماری تمام تر کوشش (اچھی پروف ریڈنگ، معیاری پرنٹنگ) کے باوجود اس بات کا امکان ہے کہ کہیں کوئی لفظی غلطی یا کوئی اور خامی رہ گئی ہو تو ہمیں مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں اس غلطی یا خامی کو دور کیا جائے۔ شکریہ!

(ادارہ)

Marfat.com

فہرست مضامین

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

دیباچہ طبع اول

اَلْحَمْدُ للهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْن.

اے باز کن در معانی برما بکلید آسانی
ہرچہ از تو گمان برم بچونی آن من بوم و توز آن برونی
شاہ رسل و شفیع مرسل خورشید پسیں و نور اول
سلطان ممالک رسالت طغرائے صحیفہ جلالت
خسرو

پیش نظر کتاب ''سیرت النبی'' کے سلسلہ کی چوتھی جلد ہے' اس کا موضوع منصب نبوت ہے' اس تقریب سے سب سے پہلے اس میں ایک مقدمہ ہے جس میں نبوت کی حقیقت اور اس کے لوازم و خصوصیات کی تشریح ہے' اس کے بعد دیباچہ ہے جس میں آنحضرت ﷺ کی ولادت اور ظہور اسلام کے وقت دنیا کی مذہبی و اخلاقی و روحانی حالت کا مرقع دکھایا گیا ہے۔ بالخصوص آنحضرت ﷺ سے پہلے ملک عرب کی جو مذہبی و اخلاقی حالت تھی اور اس کی اصلاح میں جو دقتیں درپیش تھیں شرح و بسط کے ساتھ ان کی تفصیل کی گئی ہے۔ اس کے بعد آپؐ کے تعلیمات و ارشادات کی تفصیل سے اصل کتاب کا آغاز ہوا ہے۔

آنحضرت ﷺ کو پیش گاہ باری سے جو شریعت کاملہ اور قانون ابدی عطا ہوا' وہ درحقیقت چار عنوانوں پر منقسم ہے۔ عقائد' عبادات' اخلاق اور معاملات۔ خیال تھا کہ عقائد و عبادات کی ایک جلد ہو اور اخلاق و معاملات دوسری جلد میں ہوں' مگر جیوں جیوں مسافر قلم اس دشوار گزار مرحلہ میں آگے بڑھتا گیا' راستہ اس قدر وسیع اور مسافت اتنی ہی بعید نظر آنے لگی' ناچار اس جلد کو صرف عقائد کے بیان پر محدود رکھا گیا' دوسری جلد میں عبادات اور ان کی حقیقت اور فرائض چہارگانہ کے حقائق و فوائد سے بحث ہوگی اور تیسری جلد کا عنوان اخلاق و معاملات ہوگا۔ جس میں ہم ان شاء اللہ یہ تفصیل بتائیں گے کہ تمدن و معاشرت بالخصوص قوانین نکاح' طلاق' وراثت' حقوق نساء' غلامی' جہاد' اصول حکومت اور اقتصادیات وغیرہ کے متعلق تمام دنیا کے مذاہب کے کیا اصول اور تمام سلطنتوں اور قوموں کے کیا قوانین تھے اور آج مغرب نے اس انتہائی تہذیب تک پہنچ کر کس حد تک ان امور میں ترقی کی ہے۔ پھر موازنہ کر کے ہم دکھائیں گے کہ شریعت اسلام کے مقابلہ میں مغرب کی معراج ترقی شریعت کا پایہ اولین ہے۔

حضرت الاستاد مرحوم نے اس جلد کا کام شروع ہی کیا تھا اور مذکورۂ بالا مباحث میں سے صرف عرب جاہلیت کے مذہبی و اخلاقی حالات کے پچیس تیس صفحے لکھنے پائے تھے کہ وفات پائی۔ یہ صفحے بھی ان اوراق میں شامل ہیں' مگر

Marfat.com

چونکہ ان میں بکثرت اضافہ وترمیم کی ضرورت پیش آئی ہے اس لیے ان صفحات کو ان کے اسم گرامی کی طرف منسوب کرنے میں احتیاط کرتا ہوں۔ بقیہ پوری کتاب کی ذمہ داری خاکسار ہی کے خطا کار قلم پر ہے۔

کوشش ہے کہ ان اوراق میں پیغمبر اسلام علیہ السلام کے پیغام وتعلیم کی پوری تشریح' استناد' استدلال اور دلچسپی کے ساتھ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جائے' قرآن پاک کے استناد کو ہر موقع پر سب سے آگے رکھا گیا ہے اور اسی کے پرتو میں احادیث صحیحہ سے فائدہ اٹھایا گیا ہے' مناظرانہ پہلو سے بچ کر ہر پیش نظر مسئلہ میں اسلام کا دوسرے مذاہب سے اس غرض سے موازنہ کیا گیا ہے تاکہ اسلام کی تکمیلی شان نمایاں ہو جائے ان اوراق کے لکھنے والے کے نزدیک نسخ شریعت کے معنی کسی حکم کو اس کے غلط یا غیر مفید ہونے کے سبب سے سرے سے مٹا کر کسی دوسرے حکم کو نافذ کرنے کے نہیں ہیں بلکہ محرف احکام کی جگہ پر اصل احکام کے دوبارہ نازل ہونے اور دنیا کے حسب حال ناقص کی جگہ کامل اور کامل کے بدلہ کامل تر تعلیمات دینے کے نہیں بلکہ ان کی تکمیل کرنے والے کے ہیں' مذاہب کی تاریخ جب سے شروع ہوئی ہے ہر مذہب اور اس کی کتاب انسانی عروج وترقی کی ایک ایک منزل ہے اور اسلام اس عروج ترقی کی وہ انتہائی منزل مقصود ہے جس کے بعد تکمیل دین کی سرحد ختم ہو جاتی ہے اور جیسا کہ خود اس کا دعویٰ ہے اور اس دعویٰ میں کوئی اور دین اس کا شریک نہیں ہے کہ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾

ان کی تکمیلی مباحث میں سے یہ جلد صرف عقائد پر مشتمل ہے اور کون نہیں جانتا کہ مذاہب میں اعتقادات کی حیثیت کتنی اہم اور ان کی بحث کتنی نازک ہے' اس لیے اس خارزار سے کسی آبلہ پا کا بسلامت گزر جانا کس قدر مشکل ہے' تاہم میں نے جدوجہد اسی کی' کی ہے کہ کسی آبلہ کو ٹھیس لگے بغیر اس راستہ کو طے کرلوں' چلنے والا تو تھک کر چور ہے اب یہ دیکھنے والوں کو فیصلہ کرنا ہے کہ اس نے رہروی کی یہ شرط کہاں تک پوری کی۔

ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ اسلامی فرقوں میں سے کسی فرقہ کے مطابق بھی اگر عقائد کی کتاب لکھی جاتی تو یہ منزل نہایت آسان تھی کہ ان میں سے ہر ایک کی مدون اور مرتب کتابیں سامنے ہیں لیکن مجھے اس جلد میں کسی خاص فرقہ کے نہیں' اسلام کے وہ عقائد لکھنے تھے جن پر ایمان لانے کا قرآن نے ہم سے مطالبہ کیا ہے اور جن کی تعلیم محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو دی تھی' چنانچہ ان اوراق میں انہی چند عقائد کی تشریح ہے اور یہ وہی ہیں جو ﴿اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى﴾ میں مذکور ہیں یعنی خدا' اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں اس کے رسولوں پر اور آخری دن اور قضا وقدر پر ایمان' چنانچہ اس جلد میں مقدمہ و دیباچہ کے بعد ان ہی چھ باتوں کی تفصیل وتشریح ہے۔

میں نے اپنے جانتے اس کی پوری احتیاط کی ہے کہ کسی مسئلہ کی تشریح میں قلم صراط مستقیم سے تجاوز نہ کرے۔ لیکن عالم الغیب جانتا ہے کہ قدم نے کہاں ٹھوکر کھائی ہے' اس لیے اس کی بارگاہ میں نہایت عجز سے دعا ہے کہ خداوندا میری لغزش کو دوسروں کی لغزش کا سبب نہ بنا' اور ہم کو سیدھی راہ دکھانا۔

﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ﴾ (اعراف : ۱۸۶) ''جس کو خدا راہ دکھائے وہ راہ پایا ہوا ہے۔''

Marfat.com

﴿وَ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ﴾ (زمر) ''اور جس کو خدا راہ دکھائے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔''

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ (بقرہ) ''ہمارے پروردگار ہماری بھول چوک کی باز پرس ہم سے نہ فرمانا۔''

این نامہ کر خامہ کرد بنیاد توقیع قبول روز لیش باد

طالب رحمت ۔۔۔۔۔سلیمان ندوی
(۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ) (دارالمصنفین اعظم گڑھ)

☆☆☆

Marfat.com

دیباچہ طبع ثانی

سیرت النبیؐ جلد چہارم

سیرت جلد چہارم کو جو اسلام کے اصول وعقائد پر ہے جس وقت پہلی دفعہ ناظرین کرام کے ہاتھوں میں دے رہا تھا۔ میرا دل اضطراب کے عالم میں تھا کہ ایسے مشکل اور پیچیدہ راستہ میں معلوم نہیں' میرا قلم کہاں کہاں بہکا اور قدم نے کہاں کہاں ٹھوکر کھائی' لیکن الحمدللہ والمنۃ کہ سوائے دوزخ کی ابدیت وغیر ابدیت کے ایک مسئلہ جس میں جمہور کی رائے ہمارے ساتھ نہ تھی' ہر مسئلہ میں اس کتاب کی تحریر کو قبولیت عام حاصل ہوئی' جن جن حوصلہ افزا طریقوں سے خواص علماء اور عام مسلمانوں نے اپنی تحسین وآفرین کی عزت بخشی اس سے جی چاہتا تھا کہ یہ قیاس کروں کہ ملأ اعلیٰ کی خوشنودی ورضامندی بھی اس حقیر مؤلف کے شامل حال ہے۔

اس کتاب کی طبع ثانی چھوٹی تقطیع پر چھاپی جارہی ہے اس میں طبع اول کے مطبعی اغلاط کی تصحیح کردی گئی ہے۔ کہیں کہیں عبارت کی خوبی وشستگی کے لیے لفظی تبدیلیاں بھی کی گئی ہیں اور مسئلہ ابدیت نار میں جمہور کے خیال کی ترجمانی کا اضافہ بھی کردیا گیا ہے تاکہ ناظرین کو اس کے دونوں پہلوؤں سے واقفیت ہوجائے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے فائدہ پہنچائے تاکہ ناچیز مؤلف کو اپنی مغفرت کا وسیلہ ہاتھ آئے۔

کتاب کی طبع اول چونکہ بڑی تقطیع پر چھپی تھی اس لیے ۶۸۶ صفحوں کی ایک جلد رہنے دی گئی لیکن چھوٹی تقطیع پر اس کی ضخامت ۸۸۸ صفحوں تک پہنچ گئی ہے جس کا ایک جلد میں سمانا مشکل تھا' اس لیے گو صفحوں کا شمار مسلسل رکھا گیا ہے مگر صفحہ ۴۰۵ سے کتاب دو حصوں میں علیحدہ بھی کردی گئی ہے تاکہ اگر کسی کا جی چاہے تو اس کو دو جلدوں میں کرلے تاکہ پڑھنے میں اور سفر میں ساتھ رکھنے میں آسانی ہو۔

جامع :
سید سلیمان ندوی
۲۷ رجب ۱۳۵۳ھ

☆☆☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

منصب نبوتؐ

کتاب کا موضوع' آپؐ کے پیغمبرانہ کارنامے:

سیرت کی عام کتابوں میں آنحضرت ﷺ کے واقعات زندگی کے اندر جو چیز سب سے زیادہ ممتاز ہو کر نظر آتی ہے وہ غزوات اور لڑائیاں ہیں لیکن یہ غزوات اور لڑائیاں ظاہر ہے کہ مقصود بالذات نہ تھیں۔ بلکہ وہ سلسلۂ دعوت میں اتفاقاً پیش آ گئیں' آنحضرت ﷺ نے عرب کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی' انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا اور نہ صرف انکار کیا بلکہ اس کے مٹانے کی پرزور کوشش کی' اس کے قبول کرنے والوں کو ستایا اور ان کو ان کے گھروں سے نکال دیا' وہ اپنی جان بچا کر دوسرے شہر کو چلے گئے' وہاں ان کی دعوت نے فروغ پایا' اور بہت بڑی تعداد نے ان کی سچائی کو قبول کیا' یہ دیکھ کر مخالفوں نے ہر طرف سے یورش کی' اور چاہا کہ اس جماعت کو بزور شمشیر مٹا دیں' اس نے اپنی جان کے بچاؤ کی تدبیریں کیں اور ان کی پرزور سازشوں اور کوششوں کے سیلاب کو پہاڑ بن کر روکا' اس کشمکش نے خون ریز لڑائیوں کا ایک سلسلہ چھیڑ دیا جو مسلسل دس سال تک قائم رہا۔ رفتہ رفتہ اعجاز نبوت' حسن تدبیر' لطف اخلاق سے تمام معرکے سر ہوئے اور پھر ایک پرامن نظام قائم ہو گیا بے شبہ یہ کارنامہ بھی کچھ کم مستوجب منقبت نہیں لیکن ناظرین اس نکتہ کو پیش نظر رکھتے ہوں گے کہ ہم کس (ذات اقدس) کے سوانح لکھ رہے ہیں۔

یہ جو کچھ ہوا اور پیش آیا' وہ گو نہایت عجیب' حیرت انگیز اور کرشمہ ربانی کا پورا مظہر ہے۔ تاہم وہ درحقیقت آنحضرت ﷺ کا اصلی براہ راست اور مقصود بالذات کارنامہ نہیں' وہ اتفاقی حوادث ہیں' جو اسلام کی دعوت و اشاعت کی راہ میں دشمنوں کی مخالفت سے پیش آ گئے۔ آپ کے اصلی پیغمبرانہ کارنامے وہ ہیں جو اگر یہ اتفاقی واقعات رونما نہ ہوئے ہوتے تب بھی ظاہر ہی ہوتے اور وہی آپؐ کی سیرت مبارکہ کے اصلی وقائع اور سوانح ہیں۔ یعنی عرب میں سرتاپا روحانی و اخلاقی انقلاب پیدا کر دینا تمام عالم کے سامنے کامل ترین اور اخیر شریعت کو پیش کرنا' دنیا کے گوشہ گوشہ کو ترانہ توحید اور سرور و محبت سے معمور کرنا' ظلمت کدہ عالم کو سراج منیر بن کر بقعہ نور بنا دینا' گمراہوں کو راستہ بتانا' بھولوں کو یاد دلانا' بندوں کا رشتہ خدا سے جوڑنا' غلط اوہام کو مٹانا' اخلاق فاضلہ کا سکھانا گناہوں کے دفتر کو دھونا' انسانوں کو شیطان کے دام فریب سے نکال کر فرشتوں کی صف میں کھڑا کرنا۔ دنیا کو رفق و محبت' لطف و شفقت اور برادرانہ مساوات کی تعلیم دینا' حکمت و دانائی' پند و موعظت اور تہذیب و تمدن کے رموز سکھانا' روحانیت کی بربادشدہ دنیا کی

Marfat.com

دوبارہ تعمیر اور قلوب وارواح کے ویران گھروں کی از سرنو آبادی' الغرض خاتم النبیین کا اصلی کام ایک شریعت ابدی کی تاسیس' مذاہب عالم کی اصلاح' فن اخلاق کی علمی و عملی تکمیل' قانون الٰہی کا اظہار و عرض اور تہذیب نفوس کی معراج اخیر تھی' اور یہ سب اسی پر آشوب زمانہ میں ہوتا رہا جس کے لیل و نہار بظاہر صرف حملوں کے تیر باراں کے روکنے میں صرف ہو گئے' پیش نظر جلد آنحضرت ﷺ کی سیرت مبارکہ کے ان ہی واقعات اور کارناموں پر مشتمل ہے۔

نبی اور مصلح اور حکیم:

بظاہر نظر آتا ہے کہ اس قسم کے کچھ کام ایسے لوگوں سے بھی انجام پاتے ہیں جو نبوت اور رسالت کے منصب پر فائز نہیں ہوتے' وہ اپنی قوم و ملک کے سامنے اپنی اصلاح کی دعوت پیش کرتے ہیں اور سعی و محنت اور متواتر جدوجہد سے ان میں کوئی سیاسی' اجتماعی' تعلیمی' اقتصادی اور معاشرتی انقلاب پیدا کرتے ہیں اور ان کو قعر مذلت سے نکال کر ترقی کی سطح مرتفع تک پہنچا دیتے ہیں ایسے لوگوں کو مصلح اور ریفارمر کہتے ہیں اور ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے منہ سے اخلاق و حکمت اور پند و موعظت کے موتی جھڑتے ہیں' جن کو حکیم کہتے ہیں' اس حالت میں ایک پیغمبر اور ایک مصلح اور ایک حکیم میں کیا فرق ہوگا؟ اس التباس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے کوتاہ نظر ایک پیغمبر اور ایک مصلح اور ایک حکیم میں کوئی امتیاز نہیں کرتے اس بنا پر اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں' اس فرق و امتیاز کو نمایاں کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

نبوت کی حقیقت اور خصوصیت:

اس فرق کو پوری طرح واضح کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے نبوت کی حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لی جائے۔ نبوت کی فلسفیانہ حقیقت کی بہترین تشریح امام غزالی نے معارج القدس [1] اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں کی ہے' یہ دونوں بزرگ تصوف فلسفہ' نقلیات تینوں کوچوں سے باخبر ہیں اس لیے یہ جو کچھ بتائیں گے اس میں کچھ کچھ ذاتی ذوق و مشاہدہ کا حصہ بھی شامل ہوگا۔

امام صاحب فرماتے ہیں۔

''نبوت انسانیت کے رتبہ سے بالاتر ہے جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالاتر ہے' وہ عطیہ الٰہی اور موہبت ربانی ہے' سعی و محنت اور کسب و تلاش سے نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ﴾ (انعام: ۱۲۴)

''اللہ بہتر جانتا ہے کہ جہاں وہ اپنی پیامبری کا منصب بنائے۔''

﴿وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ [2] (شوریٰ: ۵)

''اور اسی طرح ہم نے تیرے پاس اپنے حکم سے ایک روح بھیجی تو پہلے نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا؟ لیکن اس کو ہم نے ایک نور بنایا ہے' جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں راہ سوجھائیں۔''

---

(۱) معارج القدس کا یہ حصہ حضرت الاستاذ مرحوم نے الکلام کے آخر میں بطور ضمیمہ شائع کر دیا ہے۔

(۲) امام صاحب نے آیت پوری نہیں لکھی ہے میں نے اپنی طرف سے آیت پوری لکھ دی ہے۔

Marfat.com

اس موقع کے لیے صریح آیت یہ ہے۔

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (جمعہ: ۱)　"یہ (نبوت) خدا کا فضل ہے جس کو وہ چاہے دے۔"

گو یہ صحیح ہے کہ وہ عبادات و ریاضات جو فکر و مراقبہ پر مشتمل اور ریا اور شہرت طلبی سے پاک ہوں' نفس میں آثار وحی کے قبول کرنے کی استعداد پیدا کر دیتے ہیں' تاہم نبوت کا منصب خاص محض اتفاقی نہیں جو محنت اور کوشش سے کسی کو حاصل ہو جائے بلکہ جس طرح نوع انسان کا انسان اور فرشتوں کا فرشتہ بن جانا ان کے افراد کی سعی و محنت کا مرہون منت نہیں اسی طرح نوع انبیاء کا نبی بن جانا' ان کے افراد کی کوشش اور محنت سے ممکن نہیں' ہر انسان کا بچہ اپنی ذاتی محنت سے نہیں بلکہ فیاض عالم کی بخشش سے انسانیت کا رتبہ حاصل کرتا ہے۔ مگر انسانیت کے ممکن کمالات کو بالفعل حاصل ہو جانے کے لیے اس کو یقیناً کچھ نہ کچھ جد و جہد کرنی پڑتی ہے' اسی طرح نبوت نوع انبیاء کے لیے اکتسابی چیز نہیں' لیکن منشائے نبوت کے مطابق ریاضت اور عمل' قبول وحی کی استعداد اور تیاری کے لیے البتہ ضروری ہیں۔

چنانچہ اسی اصول کے مطابق اکثر پیغمبروں کے آغاز وحی کے حالات میں آپ کو یہ ملے گا کہ انہوں نے ایک زمانہ تک عبادت و مراقبہ میں بسر کی' ایک ایک مہینہ' ایک ایک چلہ اس طرح گزارا کہ وہ مادی دنیا کی آلائشوں سے یکسر الگ ہو گئے تورات میں حضرت موسیٰ کی نسبت ہے کہ کتاب ملنے سے پہلے چالیس روز تک کوہ طور میں روزے کی حالت میں رہے۔ اسی طرح انجیل میں حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے کہ وہ ایک سنسان جنگل میں چالیس روز تک روزہ رکھ کر عبادتوں میں مصروف رہے اور وحی سے پہلے آنحضرت ﷺ کا غار حرا میں مہینوں عزلت گزین رہنا اور فکر و مراقبہ اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہنا سب کو معلوم ہے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نبوت سے پہلے حرا میں جا کر عبادات میں مشغول ہوئے تو رویائے صادقہ دیکھنے لگے جس کی سچائی مثل سپیدۂ صبح کے صاف نمایاں ہوتی تھی' وحی کے بعد بھی آپ اس قدر عبادت میں مصروف رہتے تھے کہ آپ کے دونوں پاؤں سوج جاتے تھے۔ اسی لیے قرآن نے آپ کو خطاب کر کے کہا۔

﴿طٰهٰ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى﴾ (طه: ۱)　("اے پیغمبر)! ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لیے نہیں اتارا کہ تو تکلیف اٹھائے۔"

اس عبادت و ریاضت کے ساتھ نبوت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے حال میں حسن صورت' اعتدال مزاج' نشوونما کی پاکی۔ حسن تربیت' طہارت نسب' کرم اخلاق' نیک طینتی' متانت' سنجیدگی' دوستان الٰہی کے ساتھ نرم جوئی اور تواضع اور دشمنان حق کے ساتھ شدت قوت پائی جائے' علاوہ بریں وہ راست گفتار امانت دار' تمام برائیوں سے پاک' فضائل و محاسن سے آراستہ اور ذلیل باتوں سے مبرا ہوتا ہے۔ وہ ظلم کرنے والوں کو معاف اور اپنے ساتھ برائی کرنے والوں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے۔ قرابت مندوں اور ہمسایوں کے ساتھ احسان' مظلوموں کی اعانت' فریاد خواہوں کی فریاد رسی' اس کی طینت اور نیکی سے محبت اور بدی سے نفرت اس کی فطرت ہوتی ہے' اس کی شان جیسا کہ قرآن نے بتایا ہے یہ ہوتی ہے کہ:

﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى﴾ (نجم: ۱)　"تمہارا ساتھی (پیغمبر) نہ گمراہ ہوا اور نہ بھٹکا۔"

Marfat.com

اس کی یہ صفت اس دنیاوی عالم میں ہے کہ وہ ہر گمراہی و بے راہ روی سے پاک ہوتا ہے۔

﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى﴾ (نجم : ۱) ''اس کی نگاہ نہ کج ہوئی اور نہ سرکش ہوئی۔''

یہ اس دنیا کے مناظر اور مشاہدات کے متعلق اس کی کیفیت ہوتی ہے۔

تمام دنیا کے قوتیں اس کی قوت کے سامنے بالآخر طوعاً و کرہاً سرنگوں ہو جاتی ہیں' بایں ہمہ وہ مغرور' جابر' جفا پیشہ' بدخواہ اور درشت مزاج نہیں ہوتا۔ وہ پیغمبری اور رسالت کے بار عظیم کو اٹھاتا ہے اور اس کا پورا حق ادا کرتا ہے اور تمام عالم میں اپنی رحمت کا فیض جاری کرتا ہے۔

نبوت ورسالت کے ثبوت کا اجمالی طریقہ:

نبوت کے ثبوت کے دو طریقے ہیں' ایک اجمالی اور دوسرا تفصیلی' اجمالی طریقہ یہ ہے کہ جس طرح انسان کو حیوان پر نفس ناطقہ کی بنا پر فضیلت حاصل ہے کہ یہ عقلی و دماغی خصوصیت حیوان میں نہیں پائی جاتی' جس کے بل پر انسان' حیوان پر حکمرانی کرتا ہے اور اس کا مالک بنا ہوا ہے اور اس کو اپنے کام میں لگائے ہوئے ہے' اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو اپنے نفوس قدسیہ کی بنا پر تمام انسانوں پر برتری حاصل ہے' وہ اپنے ان قدسی نفوس و پیغمبرانہ قوت سے دوسروں کو راہ راست سوجھاتے اور خود راہ راست پر قائم رہتے ہیں' ان کی پیغمبرانہ عقل وفہم تمام انسانی عقلوں سے بالاتر ہوتی ہے اور ان کو وہ ربانی خصوصیت حاصل ہوتی ہے۔ جس کی بناء پر وہ تمام انسانی نفوس کی تدبیر کا فرض انجام دیتے اور ان پر قابو پاتے اور ان کو کام میں لگاتے ہیں اور جس طرح انسانوں کے عجیب وغریب کام حیوانوں کو حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں' اسی طرح پیغمبروں کے عجیب وغریب کام انسانوں کو معجزہ نظر آتے ہیں۔

اور اگرچہ نبی عام انسانوں کے ساتھ بشریت اور انسانیت میں برابر کا شریک ہوتا ہے مگر عقلیت ومعنویت میں وہ ان سے بالکل الگ ہوتا ہے کیونکہ اس میں وحی کے قبول کرنے کی جو صلاحیت ہوتی ہے وہ دوسرے انسانوں میں نہیں ہوتی' اسی مفہوم کو قرآن نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ﴾ (کہف : ۱۲) ''میں تمہاری ہی طرح بشر ہوں مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔''

دیکھو کہ بشریت میں گو پیغمبر کو دوسرے انسانوں کے مثل کہا ہے مگر ساتھ ہی وحی کے فرق وامتیاز کو دونوں میں حد فاصل قرار دے دیا ہے نبوت کے تفصیلی ثبوت کے تین طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ:

انسان میں تین قسم کے اختیاری حرکات پائے جاتے ہیں' فکری' قولی' عملی' ان تینوں سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی' فکر یعنی رائے صحیح بھی ہوتی ہے اور غلط بھی' قول سچ بھی ہوتا ہے اور جھوٹ بھی' عمل اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحیح اور غلط' سچ اور جھوٹ اور اچھے اور برے میں تمیز کیونکر ہو؟ پھر کیا یہ تمیز ہر شخص کر

Marfat.com

سکتا ہے یا کوئی نہیں کر سکتا' یا بعض کر سکتے ہیں اور بعض نہیں' پہلے دو احتمال بداہۃً غلط ہیں' اب رہ گیا تیسرا احتمال' یعنی بعض انسان ایسے ہوتے ہیں جو ان حدود کو متعین کر سکتے ہیں کہ فلاں رائے وعقیدہ صحیح اور فلاں غلط ہے فلاں قول سچ ہے فلاں جھوٹ ہے اور فلاں فعل اچھا اور فلاں برا ہے' جس شخص کو خالق فطرت اپنے فضل و کرم سے یہ قوت عطا فرماتا ہے وہی پیغمبر اور صاحب شریعت ہوتا ہے۔

دوسرا طریقہ:

نوع انسان کو اپنے اختیاری اعمال وحرکات اور مصلحتی معاملات میں باہمی اجتماع اور تعاون کی ضرورت ہے اگر انسانوں میں باہم یہ اجتماع اور تعاون نہ ہو تو نہ انسان کا کوئی فرد زندہ رہے نہ جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ہو سکے' اسی بقائے نفس اور جان و مال و آبرو کے تحفظ کے اصول و آئین کا نام شریعت ہے انسان کو اس کے لیے دو قسم کے کاموں کی ضرورت ہے ایک یہ کہ اچھے کاموں میں سب مل کر ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں' اس کو تعاون کہتے ہیں اور دوسرے یہ کہ برے کاموں سے ایک دوسرے کو باز رکھنے کی کوشش کریں اس کو تمانع کہتے ہیں' اسی تعاون کے ذریعہ سے انسان کھانے پینے پہننے اور رہنے کے سامان و اسباب فراہم کرتا ہے۔ تعاون کے ذریعہ نکاح و قرابت اولاد واعزہ اور احباب و دوست کے حقوق و تعلقات پیدا ہوتے ہیں اور تمانع کے ذریعہ سے نوع انسانی اور افراد انسانی کی زندگی' اور ان کی دولت و جائیداد اور عزت و آبرو کے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے' اس تعاون اور تمانع کے اصول ضرور ہے کہ مرتب محدود اور معلوم ہوں اور وہ اس طرح بنائے جائیں' جن میں کسی شخص' خاندان' قبیلہ' قوم اور ملک کے فوائد کی ترجیح نہ ہو' بلکہ ان میں سب کا برابر فائدہ ہو' یہ ظاہر ہے کہ ایسا قانون انسانوں کے ذریعہ نہیں بلکہ وحی ربانی اور تعلیم الٰہی سے بن سکتا ہے' مطلب یہ ہے کہ محض کسی انسان کی عقل سے جو بہرحال کوئی خاص شخص یا کسی خاص خاندان قبیلہ' قوم اور ملک کا ہوگا۔ ایسا غیر جانبدارانہ قانون جس میں تمام مخلوقات کی حیثیت یکساں ہو اور کسی طرف پلہ جھکنے نہ پائے اور تمام عالم کے لیے یکساں واجب العمل ہو محال ہے اس لیے ضرور ہے کہ یہ اصول اس کی طرف سے وحی ہوں' جس کے ہاتھ میں نظام عالم کی باگ ہے اور جو پورے نوع انسانی کے اندرونی و بیرونی احوال و کیفیات کے رموز سے باخبر ہے۔ یہ اصول خلاق عالم کی طرف سے جس شخص پر وحی ہوتے ہیں وہی پیغمبر اور رسول ہوتا ہے۔

تیسرا طریقہ:

یہ وہ طریقہ ہے کہ جس نے اس کو نہیں جانا اس نے نبوت کی حقیقت نہیں پہچانی' پہلے یہ جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے دو کام ہیں' خلق (پیدا کرنا' نیست سے ہست کرنا) اور امر (جو موجود ہست ہے اس کو اپنی مصلحت کے مطابق حکم دینا) کائنات ان ہی دو چیزوں سے عبارت ہے تو جس طرح فرشتے خالق اور مخلوق' اور مخلوق کے درمیان خلق و ایجاد و پیدائش اور پیغام رسانی میں واسطہ ہیں' اسی طرح پیغمبر' خدا اور بندہ کے درمیان احکام کے پہنچانے میں واسطہ ہیں اور جس طرح خدا پر بحیثیت خالق اور آمر (پیدا کرنے والے اور حکم دینے والے) کے ایمان لانا واجب ہے اسی طرح فرشتوں پر اس حیثیت سے کہ وہ خالق و مخلوق کے درمیان ایجاد و پیدائش اور پیغام رسانی کے واسطہ ہیں' ایمان لانا

Marfat.com

ضروری ہے اور اسی طرح پیغمبروں پر اس حیثیت سے ایمان لانا فرض ہے کہ وہ خدا اور بندہ کے درمیان حکم کے پہنچانے میں واسطہ ہیں۔

اس کے بعد حسب ذیل مقدمات ذہن نشین رکھنے چاہئیں۔

(۱) چونکہ ممکن کا وجود اور عدم برابر ہے اس لیے ممکن ہے کہ وجود میں آنے کے لیے ایک مرجح کا ہونا ضروری ہے جس کی وجہ سے وجود کو عدم پر ترجیح ہو اور وہ شے عدم سے وجود میں آ سکے' یہی امر مرجح ممکن کی علت ہوتا ہے۔

(۲) ہر قسم کے حرکات کے لیے ایک محرک کی ضرورت ہوتی ہے جو دم بدم حرکت کی تجدید کرتا رہے' حرکات کی بھی دو قسمیں ہیں طبعی اور ارادی ارادی حرکت کے لیے ضرور ہے کہ اس کے محرک میں ارادہ اور اختیار پایا جائے' اسی طرح طبعی حرکت کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ اس کا محرک عقل اور تدبیر والا ہو' آفتاب و ماہتاب اور دوسری آسمانی مخلوقات کی حرکات گو طبعی ہیں تاہم ان کو حرکت دینے کے لیے کسی عاقل و مدبر کی ضرورت ہے اسی لیے قرآن نے ان کے لیے کہا۔

﴿وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا﴾ (حم السجدۃ) ''خدا نے ہر آسمان میں اس کا فرض اور کام وحی کیا۔''

(۳) اب جس طرح انسانی حرکات کو ارادہ اور اختیار کی حاجت ہے یعنی ارادہ اور اختیار کے بغیر وہ وقوع میں نہیں آ سکتیں' اسی طرح ان حرکات کو ایسے رہنما کی ضرورت ہے جو ان اعمال و حرکات کا ٹھیک راستہ اور صحیح طریقہ بتائے اور حق کو باطل سے سچ کو جھوٹ سے اور خیر کو شر سے ممتاز کر دے۔

(۴) خدا کے حکم دو قسم کے ہیں' تدبیری اور تکلیفی' پہلا حکم تمام نظام عالم میں جاری ہے۔ جس کی بنا پر تمام عالم میں تدبیر اور انتظام کا سلسلہ نظر آتا ہے' قرآن مجید میں ہے۔

﴿وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ (اعراف : ۷) ''اور سورج اور چاند اور ستارے اس کے حکم کے تابعدار ہیں اسی کا کام ہے بنانا اور حکم فرمانا۔''

تکلیفی حکم صرف انسان کے لیے ہے' چنانچہ قرآن میں ہے۔

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ﴾ (بقرہ : ۴) ''اے انسانو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا۔''

مقدمات مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ انسان کے تمام حرکات ممکن ہیں' اسی لیے مرجح کی ضرورت ہے' اختیاری ہیں' اس لیے عقل کی ضرورت ہے' خیر و شر کے محتمل ہیں' اس لیے رہنما کی ضرورت ہے اسی رہنما کا نام پیغمبر ہے۔

نظام عالم میں خدا کا جو تدبیری حکم نافذ ہے وہ ملائکہ کے ذریعہ سے ہے' اسی قیاس پر انسانوں میں خدا کا جو تکلیفی حکم نافذ ہے وہ بھی ایسے ہی نفوس قدسیہ کے ذریعہ سے ہوگا' اور ان ہی کا نام پیغمبر ہے۔

شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ کے چھٹے مبحث کے دو ابتدائی بابوں میں اس پر بحث کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کمال نکتہ سنجی سے کی ہے' شاہ صاحب کی تقریر کو ہم اپنے الفاظ میں لکھتے ہیں۔

Marfat.com

نبی کی ضرورت:

انسان میں دو قسم کی قوتیں ہیں۔ بہیمی اور ملکوتی۔ کھانا' پینا' شہوت' حرص وطمع' استیلا و جبر وغیرہ' افعال بہیمی قوت کے آثار ہیں۔ اور غور وفکر' علم ومعرفت' حسن اخلاق' صبر وشکر' عبادت وطاعت وغیرہ ملکوتیت کے نتائج ہیں' انسان کی روحانی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اس کی بہیمی قوت' اس کی ملکوتی قوت کے تابع ہو' اگرچہ عقل سلیم ان اصول اور طریقوں کو معلوم کر سکتی ہے جن کے ذریعہ سے بہیمیت کے تابع ملکوتیت ہونے کے فائدے اور گناہ عصیان کے نقصانات ظاہر ہوں۔ عقل سلیم کے اس علم سے انسان فائدہ اٹھا کر اپنی اصلاح کر سکتا ہے' مگر یہ تو امکان عقلی ہے عملی کیفیت یہ ہے کہ انسان کی آنکھوں پر موجودہ دنیاوی لذائذ' حرص وطمع اور بے جا خواہشوں اور غفلتوں کے اتنے تو برتو پردے پڑ جاتے ہیں کہ اس کے اصلی اور فطری وجدان اور قوت احساس کا مادہ فاسد ہو جاتا ہے۔ جیسے بیماری میں انسان کی زبان کا ذائقہ بدل جاتا ہے تو میٹھی سے میٹھی چیز اس کو کڑوی معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح اندرونی وجدان و احساس کے فاسد ہو جانے سے بھی وہ حق و باطل' خیر وشر اور نیک و بد کی تمیز کو بھول جاتا ہے۔ اس لیے نوع انسان کو ایسے صحیح رہنماؤں اور روحانی معلموں کی ضرورت ہے جن کے احساس وجدان کا آئینہ گرد آلود نہ ہو۔

اگر افراد' جماعات اور اہل ملک کو ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اپنی سیاست کے زور سے ان میں صلح و آشتی اور امن وامان پیدا کر دے تو ایک قوم کی قوم بلکہ کل دنیا کے لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت کیوں نہ ہو۔ جو ہر گروہ کی استعداد کو پیش نظر رکھ کر اس کے مطابق۔ اس کے حقوق وفرائض کی تعیین کرے' ایسے لوگ جو ایسے اہم فریضہ کو انجام دے سکیں' اسی طرح کم ہیں جس طرح دوسرے اصناف کے اہل کمال' انسانوں کے معمولی پیشوں' نجاری اور لوہاری کو دیکھو کہ کس قدر معمولی ہیں' مگر ان کو کرنا بھی ہر شخص کا کام نہیں یہ پیشے بھی ایسے لوگوں کے بغیر وجود میں نہیں آئے' جن کو ان کاموں کا خاص ذوق و وجدان تھا اور ان کو ان کاموں کی خاص فطری استعداد ملی تھی' جس کے ذریعہ انہوں نے اس فن کو تکمیل تک پہنچایا اور اس کے اصول وقواعد وضع کیے اور بعد کے آنے والوں نے ان کی تقلید کی اور اس تقلید سے مدارج علیا تک پہنچے' پھر اخلاق اور روحانیت اور ملک وملت کے مصالح وفوائد عامہ کا فن جس قدر اہم اور نازک ہے کیا اس کو سمجھنا اور وضع کرنا ہر کس وناکس کا کام ہو سکتا ہے۔

نبی کی عصمت:

پھر اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جو شخص اس رہنمائی کے منصب کا مدعی ہو' وہ اپنی نسبت یہ بھی ثابت کرے کہ وہ ان اصول وقواعد سے بخوبی واقف ہے اور وہ اپنے علم اور تعلیم میں غلطی اور گمراہی سے محفوظ ہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کے علم اور تعلیم کا ماخذ اور سرچشمہ غلطیوں سے پاک اور محفوظ نہ ہو' اس کو ان امور کا علم اسی طرح وجدانی ہو جس طرح انسان کو بھوک اور پیاس کا وجدان ہوتا ہے' کیا کسی کو اس علم میں کہ اس کو بھوک یا پیاس معلوم ہوتی ہے کوئی غلطی ہو سکتی ہے' اسی طرح اس کو حق و باطل' خیر وشر اور نیک و بد امور کے درمیان فیصلہ اسی طرح قطعی معلوم ہوتا ہے' جس میں نہ دلیل کی حاجت ہوتی ہے اور نہ عقل معاش کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے ہمارے اندر بھوک اور پیاس ہونے کا علم اس طرح رکھ دیا کہ ہمارے سامنے کوئی معاند کتنی ہی دلیلیں پیش کرے کہ ہم کو بھوک یا پیاس نہیں ہے۔ ہم کبھی اپنے اس وجدانی یقین سے جس کو خدا نے ہمارے اندر پیدا کر دیا ہے' اس معاند کے ان عقلی دلائل سے متاثر ہو کر دست بردار نہیں ہو سکتے' اور اپنے یقین کو غلط نہیں کہہ سکتے' بعینہ اسی طرح ان نفوس قدسیہ کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے خاص قسم کا وجدان و ذوق سلیم رکھ دیا ہے' جس کا عمل ہمیشہ صحیح اور جس کا احساس ہمیشہ درست اور جس کا فیصلہ ہمیشہ ناطق ہوتا ہے۔

نبی کی محبوبیت:

ایسا شخص جب لوگوں کے سامنے آتا ہے اور لوگوں کو بار بار کے تجربہ سے اس کی صداقت' سچائی اور راست بازی کا یقین ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ سے جو تصرفات صادر ہوتے ہیں' ان سے اس کا مقرب بارگاہ الٰہی ہونا بھی ظاہر ہو جاتا ہے تو ہر طرف سے لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اس کی محبت کی راہ میں جان و مال اور اہل و عیال سب کو قربان کر دیتے ہیں شاہ صاحب اس کے بعد دوسری فصل میں اسی بحث نبوت کو ایک اور انداز سے لکھتے ہیں۔ جس کا ماحصل یہ ہے۔

مصلحین:

فضل و کمال اور علم و عمل کے لحاظ سے انسانوں کے مختلف درجے ہیں' ان میں سب سے بڑا درجہ مفہمین کا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی قوت ملکیہ نہایت بلند ہے اور جن میں یہ قدرت ہوتی ہے کہ سچے اور صحیح جذبہ سے ایک خاص نظام کو دنیا میں قائم کر دیں اور ان پر بارگاہ الٰہی سے ایسے علوم اور احوال کا ترشح ہوتا ہے جن میں ربانی آثار نظر آتے ہیں ایسے لوگ معتدل مزاج اور اپنی صورت و سیرت میں درست اور عقل و ذکاوت میں متوسط ہوتے ہیں' نہ اس قدر بلید کہ جزئیات سے کلیات تک ان کا پہنچنا مشکل ہو نہ اس قدر تیز کہ جزئیات اور محسوسات سے قطع نظر کر کے ہمیشہ ذہنیات اور تخیلات میں مبتلا رہیں' صحیح فطرت پر وہ قائم رہتے ہیں' طور و طریق ان کے پسندیدہ ہوتے ہیں' خدا کے ساتھ ان کا تعلق عبادت و طاعت سے اور بندوں کے ساتھ عدل و انصاف سے قائم رہتا ہے وہ اپنے فیصلوں میں شخصی اور جزئی بھلائی اور منفعت کا لحاظ نہیں کرتے بلکہ منفعت عامہ اور تدبر کلی کا لحاظ کرتے ہیں' اور براہ راست کسی کو تکلیف نہیں دیتے' الا یہ کہ منفعت عامہ کا حصول اور بڑی تعداد کا فائدہ چھوٹے سے نقصان سے حاصل ہو تو وہ اس جزئی تکلیف اور شخصی نقصان کو گوارا کر لیتے ہیں' وہ ہمیشہ اپنے کاروبار میں عالم غیب کی طرف مائل رہتے ہیں جس کا اثر ان کی بات چیت' کام کاج اور معاملات میں نمایاں ہوتا ہے کارکنان عالم ان کی تائید و نصرت میں رہتے ہیں' معمولی ریاضت سے ان کے لیے قرب و سکینت کے وہ دروازے کھل جاتے ہیں جو دوسروں کے لیے نہیں کھلتے۔

مصلحین کے اقسام:

مفہمین کے درجہ بدرجہ مختلف اصناف ہیں اور ان کی مختلف استعدادیں ہیں اور اس بنا پر ان میں سے ہر ایک کے الگ الگ اصلاحی نام ہیں' جو زیادہ تر عبادات کے ذریعہ سے تہذیب نفس کے علوم پاتا ہے' وہ کامل ہے' اور جو

Marfat.com

اخلاق فاضلہ اور تدبیر منزل کے اصول حاصل کرتا ہے وہ حکیم ہے جو عمومی تدبیر و سیاست کے علوم کا فیض پاتا ہے ان کے مطابق اس کو لوگوں میں عدل کے قیام اور ظلم کے دور کرنے کی توفیق ملتی ہے وہ خلیفہ ہے اور جس پر ملاء اعلیٰ کا نزول ہو اور وہ اس سے تعلیم پائے اور اس کو مخاطب کرے اور مختلف قسم کے تصرفات اس سے صادر ہوں وہ مؤید بروح القدس کہلاتا ہے اور وہ جس کی زبان اور دل میں نور ہو کہ لوگ اس کی صحبت اور پند و موعظت سے نفع اٹھائیں اور وہ نور اس سے منتقل ہو کر اس کے رفقائے خاص میں منتقل ہو۔ جس سے وہ بھی کمال کے درجہ تک پہنچ جائیں۔ اس کا نام ہادی اور مزکی (پاک کرنے والا) ہے اور جس کے علم کا بڑا حصہ ملت کے اصول و قواعد اور اس کی مصلحتوں کی واقفیت ہو اور ملت کے منہدم ارکان کو دوبارہ قائم کرنے کی طاقت ہو وہ امام کہا جائے گا اور جس کے قلب میں یہ ڈالا جائے کہ وہ لوگوں کو ان کی اس مصیبت عظمیٰ سے خبردار کرے جو اس دنیا میں ان کے لیے ان کے اعمال کے نتیجہ کے طور پر مقدر ہے اور ان کی بداعمالی کے سبب سے ان سے حق تعالیٰ کی رحمت کو جو دوری ہے یا قبر اور حشر میں ان پر جو مصیبتیں آنے والی ہیں اس کا نام منذر (ڈرانے والا ہشیار کرنے والا) ہے۔

اور جب حکمت الٰہی کا یہ اقتضا ہے کہ مخلوق کی ہدایت و اصلاح کے لیے ان مفہمین میں سے کسی کو بھیجے تو اس کی آمد مخلوق کی تاریکی سے نکل کر روشنی میں آنے کا سبب ہو جاتی ہے اور وہ بندوں پر یہ فرض قرار دیتا ہے کہ وہ دل و جان سے اس کی اطاعت کریں اور بارگاہ الٰہی سے تاکید ہوتی ہے کہ جو اس کی اطاعت کرے اور اس سے خوشنودی اور جو اس سے مخالفت کرے وہ اس سے ناخوشی ظاہر کرے یہی شخص نبی ہوتا ہے۔

نبی کی دو بعثتیں:

نبیوں میں بڑا درجہ اس کا ہوتا ہے جس کو اس پیغمبرانہ بعثت کے ساتھ ایک اور بعثت ملتی ہے اور وہ یہ کہ مراد الٰہی یہ ہوتی ہے کہ اس نبی کے ذریعہ سے اس کی قوم اور اس کی قوم کے ذریعہ سے دوسری قومیں ظلمت سے نکل کر نور میں آئیں تو اس نبی کی ذاتی بعثت کا نام بعثت اولیٰ اور اس کی قوم کی دوسری قوموں کی ہدایت کے لیے نامزدگی بعثت ثانیہ ہے۔

نبی کی پہلی بعثت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ (جمعه : ۱)

''وہی خدا جس نے ان پڑھوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں سناتا اور ان کو پاک بناتا اور ان کو کتاب اور دانائی سکھاتا ہے۔''

اور دوسری بعثت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔

﴿كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (آل عمران : ۱۲)

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے وجود میں لائی گئی نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے باز رکھتے ہو۔

''اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ کی پیغمبرانہ بعثت ان کی امت کے لیے ہوئی ویسی

Marfat.com

ہی ان کی امت کی بعثت دوسری قوموں کی طرف ہوئی اور اسی معنی میں قرآن پاک کی یہ آیت بھی ہے۔"

﴿لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (حج : ۱۰) "تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو۔"

اسی لیے احادیث میں ہے کہ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا تھا۔

"تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو سختی کرنے والے بنا کر نہیں۔" آنحضرت ﷺ سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام آئے وہ ان مختلف مذکورہ بالا مناصب میں سے ایک یا دو منصب کے ساتھ مبعوث ہوئے لیکن آنحضرت ﷺ ان تمام منصبوں پر ایک ساتھ سرفراز ہوئے اور یہ تمام فنون آپ کی واحد ذات میں جمع کر دیئے گئے اور آپ کو یہ دونوں بعثتیں بھی بکمال استحقاق عطا ہوئیں۔"

بعثت کے لیے کسی قوم کا انتخاب:

یہ بھی واضح ہو کہ رسول کی بعثت کے لیے حکمت الٰہی کا اقتضاء اس لیے ہوتا ہے کہ عالم کی عمومی تدبیر و نظم و نسق میں جو اضافی خیر معتبر ہے وہ ان دنوں اسی رسول کی بعثت میں منحصر ہوتا ہے اور اس بعثت کے حقیقی سبب کا علم اسی دانائے غیب کو ہے مگر اتنی بات ہم قطعاً جانتے ہیں کہ کچھ اسباب ایسے ہیں جو بعثت کے ساتھ ضرور پائے جاتے ہیں اور امت پر اس رسول کی اطاعت اسی لیے فرض ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی تمام قوموں سے جس قوم کی نسبت یہ جانتا ہے کہ اس میں خدا کی اطاعت و پرستش کی استعداد اور اس میں اللہ تعالیٰ کے فیضان اٹھانے کی صلاحیت زیادہ ہے اس میں وہ رسول مبعوث ہوتا ہے اور چونکہ اس قوم کی اصلاح اسی پیغمبر کی پیروی اور اتباع میں منحصر ہوتی ہے اس لیے بارگاہ الٰہی کا یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت سب پر واجب کی جائے۔

بعثت کا زمانہ:

اس موقع پر چند باتیں اور قابل لحاظ ہیں اگر یہ وقت وہ وقت ہوتا ہے کہ کوئی نئی حکومت اس لیے قائم کی جائے تاکہ اس کے ذریعہ سے ان دوسری حکومتوں کو جو دنیا میں فساد اور شر کا موجب بنی ہوئی ہیں مٹا دیا جائے تو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھیجتا ہے جو پہلے قائم ہونے والی اس سلطنت کی قوم کی اصلاح کرے اور اس دین کو درست کرے تاکہ اس کے ذریعہ سے دوسری قوموں کی اصلاح ہو جس طرح سے ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی زندگی کی بقا اور اس کو اپنا برگزیدہ بنانا چاہتا ہے تو اس میں وہ ایک ایسے شخص کو بھیجتا ہے جو اس کی کجی کو دور کر دے اور اس کو کتاب الٰہی کی تعلیم دے کر اس کو اس کا مستحق بنا دے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بنی اسرائیل میں بعثت ہوئی یا کسی قوم کے متعلق قضائے الٰہی کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو مزید زندگی ملتی رہے اور اس کا دین و سلطنت برقرار رہے تو مجددین نبوت پیدا ہوتے ہیں جیسے بنی اسرائیل کے مختلف زمانوں میں حضرت داؤدؑ حضرت سلیمان اور پیغمبروں کے ایک گروہ کی بعثت ہوتی رہی۔

Marfat.com

نبی کی یقینی کامیابی:

ہر نبی کی بعثت کے دور میں اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ اس کو اور اس کے دوستوں کو کامیابی اور اس کے دشمنوں کو پے در پے ناکامی ہو (یہاں تک کہ حق استوار اور دعوت مکمل ہو جائے) قرآن پاک میں ہے۔

﴿وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ (الصفت: ۵) ''اور ہماری بات اے پیغمبر بندوں کے متعلق پہلے ہی طے ہو چکی ہے کہ انہی کی مدد کی جائے گی اور ہمارا ہی لشکر غالب ہوگا۔''

ان دونوں بزرگوں (امام غزالی اور شاہ ولی اللہ صاحب) نے اپنے اپنے الفاظ میں جو کچھ کہا ہے وہ حرف بحرف صحیح ہے انبیائے کرام علیہم السلام کے احوال مبارکہ اور سوانح مقدسہ پر جس کی نظر عمیق وسیع ہوگی' ان کو ان اصول کے تسلیم کرنے میں ذرہ بھر شک نہیں ہو سکتا اور ان پر استدلال' واقعات اور حوادث سے اسی طرح کیا جا سکتا ہے' جس طرح نفسیات اجتماع (سائیکولوجی آف پیپل) یا نفسیات رہنمائی (سائیکولوجی آف لیڈر شپ) پر واقعات کے تسلسل اور تواتر سے کرتے ہیں' اسی طرح امام غزالی اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اوپر کے صفحات میں جو کچھ کہا ہے ہم مجازاً کہہ سکتے ہیں کہ ''وہ نفسیات نبوت'' کے گویا ابواب ہیں۔

موجودہ زمانہ میں خیالات' طرز گفتار' اسلوب تحریر اور طریقہ استدلال' غرض ہر چیز میں فرق ہو گیا ہے' اس لیے ضرورت ہے کہ اہل زمانہ سے ان کی اصطلاح میں گفتگو کی جائے اور جو اصول قائم کیا جائے' اس پر قرآن مجید سے بھی ساتھ ساتھ استدلال کیا جائے کہ عقل و نقل دونوں درباروں میں کہنے والے کی بات کا اعتبار ہو۔

غور کرنے سے یہ معلوم ہوگا کہ دنیا کا ذرہ ذرہ جس غرض و مقصد کے لیے پیدا ہوا ہے وہ اپنے ذاتی ارادہ اور قصد کے بغیر خود بخود اس کو پورا کر رہا ہے اور اس کے خالق نے اس کے روز پیدائش سے اس کو جو حکم دے دیا ہے اس کی تعمیل سے وہ سر مو انحراف نہیں کرتا' آسمان سے لے کر زمین تک ہر چیز اپنے اپنے کام میں لگی ہوئی ہے آفتاب دنیا کو گرمی اور روشنی دینے پر مامور ہے اور ہر آن اور ہر لحہ وہ اس میں مصروف ہے' زمین کو سرسبزی اور شادابی کا کام سپرد ہے اور وہ اس کو انجام دے رہی ہے ابر کو سیرابی اور گوہر باری کا حکم ہے اور وہ اس کی تعمیل کر رہا ہے' درخت پھل دینے پر مقرر ہیں اور وہ اس کام میں لگے ہوئے ہیں' حیوانات جن کاموں پر مامور ہیں وہ بخوشی ان کو کر رہے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا انسان بھی اس دنیا میں کسی کام پر اسی طرح مقرر ہو کر آیا ہے یا نہیں؟ اگر آیا ہے تو اس کو انجام دے رہا ہے؟۔

آؤ انسان کو غور سے دیکھیں' بظاہر وہ بھی کھاتا پیتا' چلتا پھرتا' اٹھتا بیٹھتا زندگی گزارتا ہے اور پھر مر جاتا ہے' کیا اس کی زندگی کا بس اسی قدر مقصد ہے' اگر یہی ہے تو پھر انسان اور حیوان میں کیا پہچان اور ذی ارادہ اور غیر ذی ارادہ میں کیا امتیاز؟ اور صاحب عقل اور بے عقل میں کیا فرق؟ چنانچہ قرآن پاک اسی لیے انسانوں سے سوال کرتا ہے اور بجا سوال کرتا ہے۔

﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا﴾ (مومنون: ٦) ''کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا۔''

Marfat.com

﴿اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی﴾ (قیامہ : ۲)　"کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ وہ بیکار چھوڑ دیا جائے گا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی کسی غرض ومقصد کے لیے پیدا ہوا ہے لیکن وہ غرض ومقصد کیا ہے۔

انسان کی پوری ہستی اگر کائنات کے صفحہ سے مٹ جائے تو بھی آفتاب اسی طرح چمکتا رہے گا۔ سمندر اسی طرح ابلتے رہیں گے ہوائیں اسی طرح چلتی رہیں گی۔ پانی اسی طرح برستا رہے گا' سبزے اگتے رہیں گے اور درخت اسی طرح پھلتے رہیں گے' لیکن اگر درخت نہ پھلیں تو انسان کی ہستی معرض خطر میں پڑ جائے' سبزیاں نہ اگیں تو انسان بھوکا مر جائے' پانی نہ برسے تو انسان پیاسا تڑپ جائے اگر ہوا نہ چلے تو انسان گھٹ کر مر جائے' اگر زمین نہ ہو تو انسان کو کھڑے ہونے کی جگہ نہ ملے' اگر آفتاب نہ چمکے تو انسان کی ہستی کا چراغ فوراً بجھ جائے' سمندر نہ ہو تو نہ پانی برسے نہ سبزیاں اگیں' نہ انسانی غذا میسر آئے نہ پانی برس کر پھر زمین کو خشک ہونا نصیب ہو' الغرض دنیا کی کوئی ہستی اپنے وجود کے لیے انسان کی محتاج نہیں' لیکن انسان اپنے وجود کے لیے کارخانہ ہستی کے ایک ایک پرزے کا حاجت مند ہے' تو پھر کیا یہ نتیجہ صحیح نہیں کہ اس کارخانہ کے ہر پرزہ کی غرض وغایت انسان کا وجود اور اس کی بقا ہے' لیکن خود انسان کے وجود کی غرض کوئی دوسری ہے' جو دیگر موجودات کے وجود کی غرض سے زیادہ اہم ہے۔

قرآن پاک دوسرے موجودات ومخلوقات کی نسبت تو یہ کہتا ہے۔

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ (بقرہ : ۳)　"اس نے تمہارے لیے (اے انسانو)! وہ سب پیدا کیا جو زمین میں ہے۔"

پھر یہ بھی بتایا۔

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ﴾ (حج : ۹)　"اے انسان! کیا تو غور نہیں کرتا کہ زمین میں جو کچھ ہے اس کو تمہارے کام میں اس نے لگا رکھا ہے۔"

زمین کے بعد آسمان کی نسبت بھی اس نے اعلان کیا۔

﴿وَ سَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ﴾ (نحل : ۲)　"اور (اے انسانو)! اس نے رات اور دن کو اور سورج کو اور چاند کو تمہارے کام میں لگایا ہے اور ستارے بھی اس کے حکم سے کام میں لگے ہیں۔"

ہستیاں دو ہی ہیں' خالق کی اور اس کی مخلوقات کی' مخلوقات کے حالات پر غور کرنے سے نظر آتا ہے کہ ان میں ہر ادنیٰ چیز اپنے سے اعلیٰ چیز کے کام آرہی ہے۔ جمادات' نباتات کے' نباتات حیوانات کے اور جمادات اور نباتات اور حیوانات تینوں انسان کے کام آرہے ہیں' آخر انسان کو بھی اپنے سے کسی اعلیٰ ہستی کے کام آنا چاہیے' مخلوقات میں تو اب اس سے کوئی اعلیٰ ہستی نہیں' تو لامحالہ اس کی تخلیق خود خالق کے لیے ہوئی ہے۔

الغرض دنیا کی ساری چیزوں کی غرض وغایت بواسطہ یا بلاواسطہ انسانوں کی بقاء زندگی اور آسائش ہے لیکن خود انسان کی زندگی اس کے لیے نہیں بلکہ خدا کے لیے ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔

Marfat.com

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ ''اور میں نے جن اور انسان کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری اطاعت کریں۔''
(ذاریات : ۳)

عقل وفہم اور ارادہ واختیار کے لحاظ سے مخلوقات کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) ایک وہ جو ان صفات سے یکسر محروم ہیں۔ آفتاب' ماہتاب' زمین' مٹی' پتھر' پھل' پھول' درخت۔

(۲) دوسری وہ جو صرف ابتدائی احساس اور علم وفہم رکھتی ہیں' لیکن قیاس واستقراء تمثیل اور حاضر پر غائب کو قیاس کر کے کسی نئے علم کا استخراج کرنا ان کی قدرت سے باہر ہے ان کا ارادہ واختیار بھی صرف ظاہری محسوس اشیاء تک محدود ہے جیسے حیوانات۔

(۳) تیسری وہ مخلوق ہے جو عقل وادارک رکھتی ہے' قیاس آرائی کرتی ہے' استقراء وتمثیل کے ذریعہ سے استنباط کرتی ہے جزئیات سے کلیات بناتی اور کلیات سے جزئیات پر حکم لگاتی ہے۔ بدیہیات سے نظریات تک پہنچتی اور غائب کو حاضر پر قیاس کرتی ہے۔

پہلی قسم کی مخلوقات سے جو حرکات اور آثار پیدا ہوتے ہیں وہ اضطراری اور غیر ارادی ہوتے ہیں اور کبھی ان میں تخلف نہیں ہوتا اسی لیے ان کو فطری آثار اور طبعی خصائص کہتے ہیں' جن کا صدور ان مخلوقات سے ہمیشہ یکساں اور بلا ارادہ ہوتا رہتا ہے دوسری قسم کی مخلوقات سے جو آثار وحرکات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ وہ گو ارادہ اور احساس اور ابتدائی فہم کے ماتحت صادر ہوتے ہیں لیکن ان کے ہر فرد سے ایک ہی قسم کے افعال' حرکات اور آثار کو جبلت' فطرت اور طبیعت کہتے ہیں' ان کے صدور میں بھی وہ مخلوقات اپنی فطرت اور طبیعت کے تقاضے سے مجبور ہیں' جیسے حیوانات کے افعال' ان کے مختلف انواع کے الگ الگ نوعی کام کہ وہ ازل سے قیامت تک یکساں' ایک ہی طرح' اور وہ بھی کسی غایت اور انجام ومآل کے پہلے سے سوچے بغیر ان سے صادر ہوتے ہیں۔

تیسری مخلوق کے بعض افعال گو طبیعت وجبلت کے مطابق ہوتے ہیں جو دیگر مخلوقات کی طرح ویسے ہی بے ارادہ اور اضطرار اُسرزد ہوتے ہیں مگر اس کے اور دوسرے افعال وحرکات تمام تر اس سے ارادہ اختیار اور فہم سے صادر ہوتے ہیں صرف یہی آخری قسم کے افعال وہ ہیں' جن پر خیر وشر اور نیک وبد کا حکم جاری ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے تمام عاقلانہ کام' عاقبت بینی انجام اور مآل کار کو خیال کر کے اس کے ارادہ سے صادر ہوتے ہیں اور یہیں سے اس کی ذمہ داری کا سوال پیدا ہو جاتا ہے۔

جن وانس کے علاوہ تمام دوسری مخلوقات خیر وشر کی ذمہ داری سے بری ہیں جمادات ونباتات تو اس لیے کہ ان کے افعال وحرکات تمام تر مجبورانہ' بے ارادہ اور فکر انجام کے بغیر صادر ہوتے ہیں' یا یوں کہو کہ ان احکام کے بموجب ہمیشہ ہوتے ہیں جو خدا نے ان کو اول ہی دے دیے ہیں' حیوانات بھی اس لیے اس ذمہ داری سے بری ہیں کہ ان کے افعال وحرکات بھی تمام تر جبلی وطبعی ہیں' اور وہ جبلت وطبیعت پر مجبورانہ بے ارادہ اور انجام کے خیال کے بغیر عامل ہیں' یا یوں کہو کہ وہ اپنے خالق کے احکام پر ہمیشہ اضطراراً عمل پیرا ہیں اسی طرح فرشتے بھی اس تکلیف سے سبکدوش ہیں کیونکہ وہ بھی اپنی خلقت اور جبلت سے اطاعت پر مجبور ہیں اور اسی لیے ان سے عصیان نہیں سرزد ہوتا' صرف ایک

Marfat.com

انسان ایسی مخلوق ہے جو بہت سی باتوں میں ارادہ اختیار اور علم رکھتا ہے نیکی بدی اور خیر وشر ان دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک کے اختیار پر قطعی مجبور نہیں ہے بلکہ وہ عقل وفہم سے سوچ سمجھ کر مآل کار اور انجام پر غور کر کے یا اپنے جذبات کے تحت کوئی کام کرتا ہے اس لیے وہی خیر وشر کے امتیاز اور حق وباطل کے فرق کے لیے پیغام الٰہی کا محتاج قرار پایا۔

جمادات ونباتات اور دیگر مخلوقات سے احکام الٰہی کی مجبورانہ اطاعت یعنی جبلت یا فطرت یا خاصیت کو قرآن پاک یوں ادا کرتا ہے۔

﴿وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ (نحل : ٦)

''اور خدا ہی کے آگے سر جھکاتے ہیں جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے جانداروں میں سے اور فرشتے وہ سرکشی نہیں کرتے اپنے پروردگار کا اوپر سے ڈر رکھتے ہیں اور کرتے ہیں جو حکم پاتے ہیں۔''

اسی فطری اطاعت الٰہی کا دوسرا نام فطری وحی بھی رکھ لو جیسا کہ قرآن میں ہے۔

﴿وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا يَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا﴾ (نحل : ٩)

''اور تیرے پروردگار نے شہد کی مکھیوں پر وحی بھیجی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور جہاں چھت ڈالتے ہیں اپنے لیے گھر بنالے پھر ہر پھل میں سے کھا پھر اپنے پروردگار کی راہوں پر (مقررہ احکام پر) چل مطیع ہو کر۔''

دیکھو اس آیت پاک میں طبعی الہام کی مجبورانہ پیروی کو اطاعت الٰہی کہا گیا ہے اور دوسری ان کی اپنے خالق اور پیدا کرنے والے کے حکم کی اسی طبعی اطاعت اور فطری تعمیل کو ان کی زبان حال کی نماز اور تسبیح فرمایا گیا ہے۔

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ﴾ (نور : ٦)

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ آسمان وزمین میں جو کوئی ہے وہ اڑتے جانور پر کھولے اس کی یاد کرتے ہیں ہر ایک نے جان رکھی ہے اپنی طرح کی نماز اور اس کی پاکی کی یاد اور خدا کو معلوم ہے جو وہ کرتے ہیں۔''

لیکن انسان کو دوسرے موجودات ومخلوقات کی طرح مجبور محض نہیں پیدا کیا گیا ہے بلکہ جیسا کہ بتایا جا چکا وہ احساس اور ارادہ جو جمادات میں معدوم نباتات میں محل بحث اور حیوانات میں متحرک ہے۔ انسان میں پوری طرح بیدار اور کارفرما ہے اسی طرح وہ ارادی قدرت واختیار جو جمادات میں معدوم نباتات میں مفقود اور حیوانات میں محدود ہے انسان میں ایک حد تک وسیع ہے۔ علاوہ ازیں ہر کام میں عاقبت بینی اور مآل اندیشی صرف انسان کا خاصہ ہے اس لیے تمام مخلوقات میں وہی ''ارادی تکلیف'' کا مستحق قرار پایا اور غیر ذی ارادہ مخلوقات کی طرح بالاضطرار اور مجبورانہ اطاعت الٰہی کے لیے نہیں بلکہ بارادہ اطاعت کے لیے اس کی تخلیق ہوئی فرمایا۔

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

''ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر اور زمین پر اور

Marfat.com

وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ﴾ (احزاب : ۹) — پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے انکار کیا اور اس سے ڈرے اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔"

یہ امانت اس کی نیکی و بدی کی تمیز اور خیر و شر کا فرق ہے جس کے نتیجہ کے طور پر شریعت الٰہی کا نزول ہوا ہے' انسان کو اپنی اس امانت سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بااراده اور با اختیار انعال میں بھی بے ارادہ بے اختیارانہ افعال کی طرح احکام الٰہی کی اطاعت کرنا ضروری ہے یعنی جس طرح بے اختیارانہ افعال میں فطرت و جبلت کی مجبورانہ اطاعت کر کے حکم الٰہی کی تعمیل کی جاتی ہے اسی طرح بااراده اور اختیاری افعال میں بھی شریعت کی بالا رادہ اطاعت کر کے حکم الٰہی کی تعمیل ضروری ہے۔

اس مطلب کو دوسرے لفظوں میں یوں ادا کر سکتے ہیں کہ غیر ارادی افعال و حرکات میں جس طرح ہم اپنے فطری الہام و وحی کی مجبورانہ پیروی کرتے ہیں' اسی طرح ارادی افعال میں بھی شرعی الہام و وحی کی بالا رادہ پیروی کریں۔

لیکن کسی کی اطاعت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کے احکام و اوامر سے ہم کو واقفیت نہ ہو' انبیاء و رسول وہی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اپنے ان احکام اور اوامر کی شریعت کو وحی کرتا ہے اور وہ ان ذی ارادہ بندوں کو اس سے آگاہ و باخبر کرتے اور اس کی اطاعت کی دعوت دیتے ہیں۔

یہ نکتہ کہ انسان کے علاوہ تمام دیگر بے ارادہ مخلوقات خدا کی اطاعت پر طبعاً مجبور اور مجبول ہیں اور کسی قدر با اختیار انسان کے افراد اپنے اسی تھوڑے سے اختیار اور ارادہ کے بل پر اپنے خالق سے سرکشی کرنے پر آمادہ ہیں خود قرآن پاک کے الفاظ میں موجود ہے' فرمایا۔

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَ الدَّوَآبُّ وَ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَ کَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ﴾ (حج : ۲) — "کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کے آگے سر جھکاتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان اور بہت سے (انسان) ہیں جن پر عذاب ٹھہر چکا۔"

دیکھو کہ انسان کے علاوہ تمام دوسری بے ارادہ اور بے عقل مخلوقات کی کلی اطاعت اور سرافگندگی کا اعلان ہے لیکن خاص بااراده اور باعقل اور انجام بیں انسانوں کی دو قسمیں کر دی گئیں' مطیع اور سرکش۔

کائنات کے صحیفہ کا تدریجی مطالعہ کرو تو معلوم ہوگا کہ جمادات' نباتات' حیوانات اور انسان میں سے جس صنف مخلوقات میں احساس' ارادہ اور اختیار کا دائرہ اصناف ہستی میں بڑھتا جاتا ہے' اسی قدر معلم فطرت اپنے فرائض سے کنارہ کش ہوتا جاتا ہے اور وہ صنف کائنات اپنی ذمہ داری آپ قبول کرتی جاتی ہے' جمادات اپنی نشو و نما کے لیے بیرونی غذا کے محتاج نہیں' نباتات جن میں ان اوصاف کی ہستی صرف آنکھیں کھولتی ہے ان کی غذا خود ان کے پاؤں کے نیچے ہوتی ہے اور وہ خود اڑ کر اور چل کر ان تک پہنچ جاتی ہے' حیوانات جن میں یہ اوصاف جاگ کر کروٹیں بدلتے

Marfat.com

ہیں۔ان کی غذا بے جوتے' بے بوئے' بے چنے نکھارے بن پکے پکائے' ہر قدم پر ہر وقت تیار ملتی ہے لیکن انسان جس میں یہ تینوں اوصاف بیٹھ کر حکمران اور کارفرما ہوتے ہیں' اس کے منہ تک غذا کا ایک دانہ بھی اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اس کی جدوجہد محنت و جانفشانی کے پسینہ کا گرم قطرہ پیشانی سے چل کر اس کے پاؤں تک نہیں پہنچتا۔

جہاں احساس' ارادہ اور اختیار جیسے جیسے کم ہے' اسی قدر طبیعت' فطرت اور جبلت کی اضطراری حکومت زیادہ قائم ہے لیکن جیسے جیسے ان تینوں اوصاف کی ترقی و تکمیل ہوتی جاتی ہے' طبیعت فطرت اور جبلت کی حکومت کا دائرہ تنگ ہو کر' احساس' ارادہ اور اختیار کی شہنشاہی قائم ہوتی جاتی ہے اور حرکات و اعمال کی باگ فطرت و جبلت کے مضبوط اور ناممکن التغیر ہاتھوں سے نکل کر اختیار و ارادہ کے کمزور اور ہر آن بدل جانے والے ہاتھوں میں آ جاتی ہے' جمادات ہمیشہ وہی کریں گے جو ان کو کرنا چاہیے۔عموماً وہی بنیں گے جو ان کو بننا چاہیے' حیوانات وہی کام انجام دیں گے جو ان کے سپرد کر دیا گیا ہے' لیکن انسان کسی قدر اختیار اور ارادہ پا کر اکثر اپنی راہ سے ہٹ جاتا ہے اور حدود اعتدال سے قدم باہر نکال دیتا ہے اور اپنے اس اختیار و ارادہ کی ذمہ داری کی امانت کو بھول جاتا ہے' انبیاء اور رسول وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس ذی ارادہ اور با اختیار مخلوق کو اس کی اس ذمہ داری کے فرائض سمجھانے کے لیے آتے ہیں۔

اس اختیار و ارادہ کے مرکز کا نام مذاہب کی زبان میں ''دل'' ہے جو انسان کے سر سے لے کر پاؤں تک کی رگ رگ اور ریشہ ریشہ کی ایک ایک جنبش و حرکت پر حکمران ہے اور اسی کے حکم سے اس جسم کے اندرونی عالم میں سب کچھ ہوتا اور سرانجام پاتا ہے' انبیاء اسی دل کے نظام کو درست کرنے کے لیے آتے ہیں۔

انسان کو اپنے وجود' بقاء' ترقی اور تکمیل کی ہر منزل میں قدم قدم پر ہزاروں چیزوں کی احتیاج ہوتی ہے ان چیزوں کے مہیا اور تیار کرنے کے لیے ہر انسان میں استعداد و قوت الگ الگ ہوتی ہے اور یہ استعداد و قوت فیاض قدرت کی طرف سے پیدائش بلکہ پیدائش سے پہلے ہی آب و گل کے عالم میں اس میں ودیعت رکھی جاتی ہے یہی سبب ہے کہ ہر انسان میں جس قسم کا میلان ہوتا ہے اسی کی استعداد اس میں پائی جاتی ہے اور پھر بعد کو خاص خاص فنی الہامات کے ذریعہ سے جن کو تم ایجادات و اختراعات کہتے ہو' ہر پیشہ ور اپنے متعلقہ کام کو بڑھاتا ہے اور ترقی دیتا ہے اور تمہاری ضرورت کے مطابق تمہارے لیے سامان فراہم کرتا ہے۔

ان مادی ضروریات کے بنانے والوں کے حسب استعداد اور حسب حیثیت مختلف درجے اور مرتبے ہیں' بعض ان میں سے محض مقلد ہوتے ہیں' جو وہی بنا سکتے ہیں جو بنانا سیکھا ہے' بعض چابک دست اور ذہین ہوتے ہیں جو اچھے کاری گروں کے صرف نمونوں کو دیکھ کر اچھی چیزیں تیار کر سکتے ہیں' بعض ایسے ذہین اور فطین ہوتے ہیں کہ وہ نئی نئی چیزیں بناتے' دریافت کرتے اور ایجاد کرتے ہیں اور بعد کے آنے والے مدت تک ان ہی کی تقلید کرتے رہتے ہیں' کاشت کاری کے اصول ازالۂ مرض کی تدبیریں کھانے پکانے کے طریقے' سواری کی ضروریات' رہنے سہنے کے سامان' پہننے کے کپڑے' لڑنے کے آلات ان میں سے ہر شے کی ضرورت ہے اور ان میں ہر ضرورت کے لیے خالق فطرت نے ایک ایک گروہ پیدا کر دیا ہے اور وہ اپنے اپنے کام انجام دیتا رہتا ہے۔ان ضرورتوں کے فراہم ہو جانے سے انسان کی مادی زندگی کی تکمیل ہو جاتی ہے اب اس کے بعد اس کی روحانی اور اخلاقی زندگی کی ضروریات کا جن کو تم

Marfat.com

اصول تمدن' طریقہ معاشرت' آئین عدل و انصاف' اخلاق حسنہ اور دین وتقویٰ کے نام سے موسوم کرتے ہو دور شروع ہوتا ہے' اگر یہ اصول اور تعلیمات انسانوں کے سامنے نہ ہوں تو آدم کے بیٹوں کی یہ جنت دوزخ ہو جائے اور اشرف المخلوقات کی یہ جماعت جانوروں کا گلہ اور درندوں کا غول بن جائے۔

جو تمہارے لیے غلہ پیدا کرتا ہے وہ کاشت کار ہے جو اوزار بناتا ہے وہ لوہار ہے' جو زیور گھڑتا ہے وہ سونار ہے جو تمہارے لیے کپڑے بنتا ہے وہ بنکر ہے' جو تمہارے مکان بناتا ہے وہ معمار ہے' جو تمہاری حفاظت کرتا ہے وہ سپاہی ہے جو تمہاری نگہبانی کرتا ہے وہ حاکم ہے' جو تمہارے آپس کے جھگڑے چکاتا ہے وہ قاضی ہے' جو تمہارے ملک کے اندر امن و امان کا ضامن ہے وہ بادشاہ ہے جو تمہاری جسمانی بیماریوں کا معالج ہے وہ طبیب ہے' جو اپنی صناعیوں سے تمہاری ضرورتوں کے لیے کاری گری کی چیزیں بناتا ہے وہ صناع ہے اور جو تمہارے لیے مادی کائنات کے چہرے سے اسرار کا پردہ ہٹا کر تم کو ہر چیز سے باخبر کرتا ہے وہ حکیم ہے۔

اسی طرح جو برگزیدہ افراد تمہارے روحانی و اخلاقی و اجتماعی حالات کے معلم و نگران ہیں' ان کی بھی ایک جماعت ہے لیکن جس طرح تمہارے مادی ضروریات کے بنانے والوں کے حسب استعداد اور حسب حیثیت درجے ہیں' اسی طرح ان روحانی ضروریات کے فراہم کرنے والوں میں بھی مرتبے اور درجے ہیں' بعض وہ ہیں' جو صرف اگلے روحانی معلمین کی نقل وتقلید کرتے ہیں۔ یہ عام علماء ہیں' بعض وہ ہیں جو اچھے روحانی نمونوں کو دیکھ کر خود بھی ان کی عمدہ نقل اتارتے ہیں اور دوسروں کو بھی بتاتے ہیں۔ یہ مجددین ہیں' بعض ایسے ہیں جو الہام ربانی سے فیض پا کر روحانیت کے لیے نئے نئے اصول وضع کرتے اور دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں' یہ انبیاء ہیں ان کے مقدس ہاتھ تمہارے لیے غلہ پیدا کرنے' مکان بنانے' کپڑا بننے اوزار بنانے اور صناعی کرنے کے لیے نہیں بلکہ ان سے بدرجہا بلندتر اور بہتر کام کے لیے ہیں' ان کی مبارک انگلیاں تمہارے ان تاروں پر پڑتی ہیں جن سے یہ صدہا قسم کے نغمے نکل رہے ہیں' یعنی تمہارے دل کی رگوں پر غور کرو کہ یہ اصل مرکز جس پر تمہارے اعمال و افعال اور ہر قسم کے حرکات و سکنات اور ہر طرح کی جدوجہد کا مدار ہے یعنی ''دل'' کیا انبیاء اور ان کے متبعین کے سوا نوع انسانی کا کوئی طبقہ اس کی نشوونما' حفاظت' ترقی' تکمیل اور اصلاح کے لیے بھی کام کر رہا ہے اور کیا خالق فطرت کا یہ فرض نہ تھا کہ وہ مادی ترقی و اصلاح کی طرح تمہاری روحانی ترقی و اصلاح کی بھی فکر کرتا اور ایسا سمجھنا کہ اس نے اس کی ترقی و تکمیل و اصلاح کی خدمت نوع انسانی کے کسی کارکن طبقہ سے متعلق نہیں کی ہے' کیا اس کی شان ربوبیت کے ساتھ سوء ظن نہیں ہے۔

یہی وہ طبقہ ہے جو تمام متفرق اور مختلف انسانی طبقوں کو باہم جوڑ کر ایک عام انسانی تمدنی سطح پر لایا ہے' وہ ان سب کو جو تمہارے لیے روٹی تیار کرتے ہیں' کپڑے بنتے ہیں' جھونپڑے بناتے ہیں اور سامان اور اوزار درست کرتے ہیں' ایک دوسرے کے ساتھ مشارکت اور معاونت اور نیکی پر آمادہ کر کے ان میں روحانی برادری پیدا کرتے ہیں' اور مٹی سے پیدا ہونے والے ایک آدم کے بیٹوں کو جن کو دولت وغربت' سوسائٹی اور مجلس' حکومت اور اقلیم اور جغرافی و قومی تقسیم نے پارہ پارہ کر رکھا ہے' باہم جوڑ دیتے ہیں اور ان تمام مصنوعی امتیازات کو مٹا کر پوری زمین کو ایک ملک' تمام اقوام عالم کو اولاد آدم' اور کل بلند و پست طبقوں کو ایک انسانی طبقہ قرار دیتے ہیں' اور ان کے اخلاق و روحانی عالم

Marfat.com

میں اصلاح وترقی اور امن وامان پیدا کرتے ہیں' ان کے دلوں سے بغض وکینہ کو نکال کر اخوت ومحبت کا نور بھرتے ہیں' ان کے احساس' ارادہ اور اختیار کی باگ پر ان کے دل کو قابو حاصل کرنے کی تدبیر بتاتے ہیں اور ان کو اعتدال کی حد بتا کر صحیح وغلط کی تمیز عطا کرتے ہیں۔

یہی وہ انسانی طبقہ ہے' جس کو ہم نبی' رسول اور پیغمبر کہتے ہیں' ان کو گو براہ راست جسم وجسمانیات سے تعلق نہیں ہوتا بلکہ صرف دل اور قلب وروح کے عالم سے سروکار ہوتا ہے' تاہم اس دل اور قلب وروح کی اصلاح کے لیے جسم وجسمانیات کی کسی قدر اصلاح بھی اس حد تک ان کے فرائض میں داخل ہے جہاں تک ان کو دل اور قلب وروح کے کاموں کی اصلاح میں اس کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔

ایک شبہہ اور اس کا جواب:

اس مقام پر ایک شبہہ یہ ہوتا ہے کہ افراد انسانی کے درمیان امن وامان اور اطمینان پیدا کرنے کا کام تو بادشاہ بھی کرتے ہیں' اخلاق کا ایک معلم بھی کرتا ہے' ایک فلسفی اور اجتماعیات کا ایک حکیم بھی کرتا ہے مگر ان کے کاموں کے درمیان جو عظیم الشان فرق ہے اس کو سمجھ لینا ہی اس شبہہ کا ازالہ ہے۔ علمی اصطلاح میں یوں سمجھو کہ مختلف فنون کے ماہر' ایک ہی چیز پر مختلف حیثیتوں سے نظر ڈالتے ہیں اور اسی اختلاف نظر سے ان کا فن بھی علیحدہ علیحدہ ہو جاتا ہے' کسی جسم کے اجزائے ترکیبی سے اگر بحث کی جائے تو کیمسٹری ہے' اگر اس کی زندگی اور اسباب زندگی پر غور کیا جائے تو بیالوجی (علم الحیات) ہے' اگر اس کے دماغی قویٰ اور ان کے آثار کی تحقیق کی جائے تو سائیکالوجی (علم النفس) ہے اگر اس کے جذبات اور جذبات کے مطابق اس کے شخصی افعال واعمال کے حدود اور ان کے اسباب وعلل اور غرض وغایت پر نظر ڈالی جائے تو یہ ایتھکس (فلسفہ اخلاق) ہے اگر اس کے جماعتی خصائص اور لوازم کی تفتیش کی جائے تو یہ سوشیالوجی (علم اجتماع ومعاشرت) ہے' اگر جسم کی صحت ومرض کے اسباب کی جستجو کی جائے تو یہ طب ہے۔ دیکھو کہ ایک ہی جسم یا متعلق جسم پر کتنی حیثیتوں سے بحثیں کی گئی ہیں اور ان سے کتنے مختلف علوم پیدا ہو گئے ہیں تاہم وہ سب کے سب جسم اور جسمانیات ہی سے متعلق اور وابستہ ہیں اور بایں ہمہ ان میں سے ہر ایک علم وفن علیحدہ اور ہر ایک علم وفن کے جاننے والے علیحدہ ہیں۔

اسی طرح ایک نبی اور ایک رسول کا کام بھی بادشاہوں' فلاسفروں اور حکیموں کی طرح انسانوں ہی کی اصلاح ہے مگر ان میں سے کسی ایک کا کام بھی دوسرے سے ملتا جلتا نہیں ہے' بادشاہ صرف اس کا ذمہ دار ہے کہ وہ اپنے زور وقوت سے بازاروں' گلیوں' آبادیوں اور میدانوں میں امن وامان اور انصاف کو قائم رکھے۔ فلاسفر انسانوں کے تمام اعمال وخیالات کے اسباب وعلل کی تفتیش اور ان میں نظم وتسلسل اور علت ومعلول کا ربط پیدا کرنے کا کفیل ہے' فلسفہ اخلاق کے معلم تمہارے اخلاق وعادات کے اسباب علل تم کو بتاتے اور نا قابل فہم جذبات کی تشریح کرتے ہیں۔ اس سے آگے ان کا کوئی کام نہیں' حکیم اور واعظ تمہارے اعمال واخلاق کی اصلاح کے لیے نہایت شیریں' خوش گوار اور ڈھلے ہوئے فقرے سناتے ہیں' مگر ان میں سے کوئی نہیں جو تمہارے دلوں کا رہنما ہو' جو تمہارے احساس' ارادہ اور اختیار کے قدم کو غلط روی سے روک سکے' وہ نہ صرف تمہارے اخلاق وعادات اور جذبات کے اسباب وعلل بتائے بلکہ

Marfat.com

تمہارے اخلاق و عادات اور جذبات میں خیر و شر کی تمیز کرے اور خیر کے حصول اور شر سے حفاظت کی تدبیر بتائے بلکہ اس کے ہاتھ اور زبان میں یہ قوت ہو کہ اپنی تعلیم و تلقین و فیض صحبت سے تمہارے اخلاق و عادات و جذبات بلکہ احساس ارادہ اور اختیار کی غرض و غایت بلکہ پوری دل کی قوتوں میں انقلاب پیدا کر دے اور شر کے تخم کو دلوں کی سرزمین سے نکال کر خیر کا برگ و بار پیدا کرے البتہ نبی یہ تمام کام سرانجام دیتا ہے وہ انسانوں کو ان کے احساس ارادہ اور اختیار کی بھولی ہوئی ذمہ داری یاد دلاتا ہے اور ان کے قویٰ کے مرکز یعنی دل کو خدا کے حکم سے درست کر دیتا ہے۔

وہ بادشاہوں کی طرح صرف بازاروں مجمعوں اور آبادیوں کا امن و اطمینان نہیں چاہتا بلکہ وہ لوگوں کے دلوں کے اندر کا امن و اطمینان چاہتا ہے وہ معلمین اخلاق کی طرح اسباب و علل کی تلاش و جستجو و تشریح کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ اخلاق سیئہ خواہ کسی سبب سے ہوں وہ ان کی بیخ کنی کرتا ہے اور اخلاق حسنہ خواہ وہ کسی علت کے معلول ہوں وہ ان کو انسانوں کے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ انسانی اوہام کے طلسم کو توڑ دیتا ہے اور غلط رسم و رواج کی بندشوں کو کھولتا ہے اور انسانوں کی غلامی سے آزاد کر کے صرف خدا کی غلامی میں دیتا ہے۔

﴿یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ یُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ یَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ﴾ (اعراف : ۹)

''وہ ان کو بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور اچھائیوں کو ان کے لیے حلال اور خبیث چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے اور ان کے اس بندھن اور زنجیروں کو جو ان پر ہوتی ہیں ان سے اتارتا ہے۔''

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (نساء : ۲۳)

''ایسے رسول بھیجے جو نیکوں کو خوش خبری دیتے اور بدکاروں کو ہشیار کرتے ہیں تاکہ رسولوں کے اس وعظ و تذکیر کے بعد پھر انسانوں کو خدا پر الزام دینے کا موقع نہ ملے کہ ہم بھولے تھے تو خدا نے ہم کو کیوں نہ یاد دلایا۔''

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (حدید : ۳).

''ہم نے رسولوں کو کھلی ہدایتیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اتاری اور (عدل کی) ترازو تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم رہیں اور دنیا میں امن و امان کی زندگی بسر کریں۔''

نوع انسانی کے دوسرے تمام خدام اور کارکن اپنے فرائض کو جن اغراض سے انجام دیتے ہیں ان کا دائرہ موجودہ زندگی کی بھلائی اور برائی سے آگے نہیں بڑھتا مگر انبیاء اور رسول نوع انسانی کی خدمت کے یہ کام بھی اس کی موجودہ زندگی کی بھلائی اور برائی کو اس لحاظ سے سامنے رکھ کر کرتے ہیں کہ ان کا اثر اس کی دوسری دائمی و پائیدار زندگی پر کیا پڑے گا وہ جسم کی خدمت جسم کے لیے نہیں بلکہ روح کے لیے کرتے ہیں اور مخلوق کی خدمت خالق کے منشاء کے مطابق بجالاتے ہیں وہ صرف ایک مخلوق کو دوسری مخلوق ہی سے نہیں بلکہ مخلوق کو خالق سے اور خالق ہی کے لیے ایک مخلوق کو دوسری مخلوق سے جوڑتے ہیں۔

وہ صرف اچھی اچھی اور میٹھی میٹھی باتیں لوگوں کو نہیں سناتے بلکہ خود بہتر سے بہتر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو

Marfat.com

اس کا عامل بناتے ہیں‘ وہ خیال آرا شاعروں اور جھوٹے حکیموں کی طرح نہیں ہوتے‘ جو کہتے ہیں اور کرتے نہیں‘ دماغ ہوتے ہیں مگر دل نہیں ہوتے‘ زبانیں ہوتی ہیں مگر ہاتھ نہیں ہوتے۔

﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ﴾ (شعراء : ١١)

''اور شاعروں کے پیرو کار گم کردہ راہ ہوتے ہیں تم دیکھتے نہیں کہ وہ ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں اور وہ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔''

وہ اس دعویٰ کے ساتھ انسانوں میں آتے ہیں کہ ان کے خالق نے جس نے ان کے ذرہ ذرہ کا سامان راحت فراہم کیا ہے اور جوان کے قلب وروح کا سامان راحت بھی بہم پہنچاتا ہے‘ ان کو اس لیے بھیجا ہے کہ انسانوں کے قلب وروح کو اس سامان کا برتنا سکھائیں‘ اور ان کے رب کا پیغام ان کو سنائیں اور بتائیں کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اپنے احساس‘ اپنے ارادہ اور اپنے اختیار کو اس طرح اس عالم میں صرف کریں کہ وہ پریشانی و بے اطمینانی کی تاریکی سے نکل کر سکون واطمینان اور امن وسعادت کی روشنی میں داخل ہوں۔

﴿هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖ اٰيٰتٍ ۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (حدید : ١)

''وہی خدا ہے جو اپنے (رسول) بندے پر کھلی آیتیں اتارتا ہے۔ کہ تم کو (اے انسانو) وہ تاریکی سے نکال کر روشنی میں لائے (اور اللہ نے ایسا اس لیے کیا) کہ تم پر شفقت کرنے والا مہربان ہے۔''

انبیاء بھی ایک بادشاہ کی طرح جماعتوں کا انتظام کرتے ہیں‘ مگر ملک کے خراج اور زمین کی آبادی کے لیے نہیں بلکہ خدا کے لیے وہ بھی جان و مال کی حفاظت کے لیے مقنن کی طرح قانون بناتے ہیں اور قاضی کی طرح سزا و جزا کا حکم سناتے ہیں مگر انعام شاہی اور تنخواہ ماہانہ پا کر کسی دنیاوی بادشاہ کے فرمان کی تعمیل کے لیے نہیں‘ بلکہ جسم و جان کے شہنشاہ اور کائنات کے مالک کے فرمان کی تعمیل میں۔ وہ بھی فلاسفر کی طرح رموز واسرار کا پردہ فاش کرتے ہیں مگر تجربہ استقراء اور قیاس سے نہیں‘ بلکہ عالم اسرار کے مبدء علم سے فیض پا کر‘ وہ بھی حکیم وواعظ کی طرح پرتاثیر کلام کرتے ہیں‘ مگر ان کے مانند اپنے دل سے جوڑ کر نہیں بلکہ خدا سے سن کر‘ اور وہ صرف کہتے نہیں‘ بلکہ جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں‘ اور دوسروں سے کراتے ہیں وہ خدا سے ہیں‘ خدا سے پاتے ہیں اور اسی سے سنتے ہیں اور وہی اوروں کو سناتے ہیں‘ غرض اوپر آسمان سے ان کو جو کچھ ملتا ہے وہی نیچے زمین پر سب کو بانٹتے ہیں۔

﴿وَ النَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْمِرَّةٍ فَاسْتَوٰى وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى﴾

''قسم ہے اس ستارہ کی جب وہ نیچے گرے کہ تمہارا ساتھی (پیغمبر) نہ بھولا‘ نہ بھٹکا اور نہ نفس کی خواہش ہی سے بات کرتا ہے وہ تو وہ ہے جو اس کو وحی کے ذریعہ کہا جاتا ہے‘ اس کو بڑی بڑی قوتوں والے ہی نے سکھایا طاقت والا‘ تو وہ سیدھا ہوا۔ (درآنحالیکہ وہ آسمان کے سب کے اوپر کناروں میں تھا۔''

﴿فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى مَا كَذَبَ

''تو اس نے اپنے بندہ پر وحی کی جو وحی کی‘ نہ اس کے دل نے

Marfat.com

الْفُؤَادُ مَا رَاٰی اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ...... مَازَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی﴾ (النجم : ۱)

جواس نے دیکھا۔اس کو جھوٹ کہا' کیا وہ جو دیکھتا ہے تم اس پر اس سے جھگڑتے ہو...... نہ بینائی نے کجی کی اور نہ سرکشی کی' اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے دیکھا۔''

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًی وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ (اعراف : ۲۴)

''کہہ دے (اے پیغمبر) کہ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے' یہ (اے انسانو) تمہارے رب کی طرف سے بصیرتیں ہیں' اور ان کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں' ہدایت اور رحمت ہیں۔''

﴿وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ﴾ (شعراء:۱۱)

''یہ تو عالم کے پرورش کرنے والے کی طرف سے اتارا گیا ہے اس کو امانت والی روح نے تیرے دل پر اتارا تا کہ تو ہشیار کرنے والے میں سے ایک ہو' فصیح عربی زبان میں۔''

نکتہ : بالکل ممکن' بلکہ واقعہ ہے کہ ایک ہی قسم کا کام مختلف لوگ مختلف غرض و نیت سے کرتے ہیں' کسی قوم کی اصلاح ہی کا کام ہے کہ اس کو مختلف لوگ مختلف غرض و نیت سے کرتے ہیں' خود غرضی کے غیر مخلصانہ اغراض سے قطع نظر کر کے صرف مخلصانہ اغراض کو لو۔کوئی یہ سمجھتا ہے کہ قوم کی مالی حالت کی درستی سے قوم بن سکتی ہے' کوئی اصلاح کی جڑ تعلیم کو قرار دیتا ہے کوئی رسم و رواج و معاشرت پر زور دیتا ہے' کوئی ظاہری تمدن پر مدار رکھتا ہے' کوئی جسمانی قوت پر بھروسہ رکھتا ہے' کوئی سیاسی کامیابی کو قومی اصلاح کا مرکز ٹھہراتا ہے لیکن انبیاء کے نزدیک یہ سب ثانوی درجہ کی باتیں ہیں' وہ اپنی بنیاد صرف قلب کی اصلاح پر رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہی اصلی چیز ہے اور تمام دوسری ترقیوں اور اصلاحوں کو وہ یکسر اسی ایک اصل کی فروع اور اسی ایک جڑ کی شاخیں جانتے ہیں۔

یہی سبب ہے کہ ان کی دعوت کی کامیابی سے قوموں کو سلطنت بھی ملتی ہے' دولت بھی ہاتھ آتی ہے' علم بھی حاصل ہوتا ہے' زور اور قوت بھی پیدا ہوتی ہے اور دنیاوی عظمت و جلال کا ہر منظر خادمانہ اس کے استقبال کے لیے آگے بڑھتا ہے۔مگر یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ سیاسی مصلحین کی طرح قوت و طاقت ان کا مطمح نظر نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ ان کے سامنے ہوتا ہے وہ صرف خدا کی اطاعت' خدا کی محبت خدا کی خوشنودی ہوتی ہے اور باقی تمام چیزیں ان کی نگاہ میں فرعی۔ثانوی اور ضمنی ہوتی ہیں۔

نبی اور غیر نبی کے امتیازات:

سطور بالا سے ہویدا ہے کہ انبیاء اور ان کے مشابہ اشخاص میں کتنا عظیم الشان فرق ہے یہ فرق چار حیثیتوں سے نمایاں ہے' مبدء اور منبع کا فرق' غرض و غایت کا فرق' طریق دعوت کا فرق اور علم و عمل کا فرق۔نبی کے علم کا مبدء' منبع' ماخذ اور سرچشمہ جو کچھ کہو وہ تعلیم ربانی' شرح صدر اور وحی و الہام ہوتا ہے اور حکیم کے علم کا ماخذ و منبع تعلیم انسانی' گزشتہ تجربہ استقراء اور قیاس ہوتا ہے یعنی حکیم عقل سے جانتا ہے اور نبی خالق عقل سے' اسی طرح ایک حکیم کے تمام اقوال اور جدوجہد کا منشاء اپنی شہرت طلبی' علم کا اظہار' قوم یا ملک کی محبت کی خاطر اس کی اصلاح ہوتا ہے۔مگر ایک نبی کا مقصد

Marfat.com

خدا کے حکم کا اعلان اور خالق کی رضامندی کے لیے مخلوق کی بھلائی ہوتا ہے۔ طریق دعوت کا فرق یہ ہوتا ہے کہ حکیم اپنی دعوت کی عمارت کو تمام تر حکمتوں' مصلحتوں اور علل و اسباب کے ستونوں پر کھڑا کرتا ہے' لیکن نبی اپنی دعوت کو زیادہ تر خالق کی اطاعت محبت اور رضاجوئی پر قائم کرتا ہے۔ حکیم کہتا ہے لیکن اس کا کرنا اس کے لیے ضروری نہیں' نبی جو کہتا ہے وہ کرتا ہے اور اس کا کر کے دکھانا اس کے لیے ضروری ہے' وہ صرف جلوت کے منبر پر جلوہ نما نہیں ہوتا بلکہ وہ جلوت وخلوت اور ظاہر و باطن میں یکساں حسنات سے آراستہ اور برائیوں سے پاک ہوتا ہے' دنیا میں سقراط' افلاطون' ارسطو' دو جانیس وغیرہ ایک طرف اور ابراہیمؑ' موسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوسری طرف ہیں اور دونوں کے سوانح اور سیرتیں اور کارنامے بالکل نمایاں اور ایک دوسرے سے اس طرح ممتاز ہیں کہ ان میں ذرا التباس نہیں۔

بادشاہ اپنی تلوار کے زور اور اپنی فوج ولشکر کی قوت سے رعایا کو اپنے قانون کا پابند بناتے ہیں تاکہ فتنہ وفساد رک جائے فلاسفر اپنے دعوؤں کو صرف استدلال کی قوت اور عقل کے خطاب سے ثابت کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کی بات لوگ تسلیم کریں۔ لیکن پیغمبر اپنے پیروؤں کے قلب کو اس طرح بدل دینا چاہتے ہیں کہ وہ از خود برائی کو چھوڑ کر نیکی اختیار کرلیں' وہ اگر کبھی قانون وحدود سزا کو اختیار کرتے ہیں یا ساتھ ساتھ عقل کو بھی مخاطب کرتے ہیں تو ان کا یہ ضمنی یا ثانوی کام ہوتا ہے' اولین نہیں' ان کی اولین غرض یہ ہوتی ہے کہ ان کے پیروؤں کو خدا کی قدرت اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کا اتنا محکم اور پختہ یقین ہو جائے کہ وہ اس کے حکموں اور نصیحتوں کو جو ان کے ذریعہ آتی ہیں' بے چون و چرا تسلیم کرلیں۔

دنیا کے بادشاہ اور فاتح اور کشور کشا اپنے زور بازو اور تلوار کی قوت سے دنیا کے طبقے الٹ دیتے ہیں' انہوں نے کبھی کبھی چار دانگ عالم پر حکمرانی کی' قوموں کی جان و مال پر اپنا قبضہ اقتدار جمایا' ان کی تلوار کی دھاک نے آبادیوں اور مجمعوں کے مجرموں کو روپوش کر دیا اور بازاروں اور راستوں میں امن وامان پیدا کر دیا' لیکن کیا انہوں نے دلوں کے طبقے بھی الٹے' اپنی سلطنت کے دائرہ سے باہر کسی کمزور سے کمزور انسان سے اپنے حکم منوا سکے' وہ لوگوں کے دلوں کو بھی اپنے قبضہ اقتدار میں لا سکے؟ وہ آبادیوں اور مجمعوں کے روپوش مجرموں کو بھی فنا کر سکے؟ وہ دلوں کی بستیوں میں بھی امن وامان پیدا کر سکے' وہ روحوں کی مملکتوں کا بھی نظم ونسق قائم کر سکے؟

حکماء اور فلاسفر جو اپنی عقل رسا کے ذریعہ سے عجائبات عالم کی طلسم کشائی اور کائنات کے مخفی اسرار کے فاش کرنے کے مدعی ہیں' کیا وہ قلب وروح کے عجائبات کو بھی دریافت کر سکے' وہ ماورائے مادہ اسرار ورموز کو بھی حل کر سکے؟ وہ انسانوں کی اصلاح وہدایت کا بھی کوئی سامان اپنی تحقیق وتفتیش سے فراہم کر سکے؟ ان کی دقیق نکتہ سنجیوں اور خیال آرائیوں کے پیچھے ان کے ذاتی حسن عمل کا بھی کوئی نمونہ ہے؟ ارسطو نے فلسفہ اخلاق کی بنیاد ڈالی۔ دوسرے حکماء نے اخلاق کے اسباب وعلل کے حدود' ظہور اثر اور نتیجہ کے ایک ایک حرف کی تحقیق کی مگر کیا اس سے کسی انسان کے دل سے برائی کا تخم دور ہوا؟ اچھائی کے بیج نے نشوونما پائی؟ ان کے اخلاق وتعلیمات کے فلسفیانہ رموز واسرار کا دائرہ ان کی درس گاہوں کی چہار دیواریوں سے کبھی آگے نہ بڑھ سکا' کیونکہ وہ اپنے درس کے کمروں سے نکل کر جب انسانی صحبتوں میں داخل ہوتے ہیں تو ان کی اخلاقی زندگی اور قلبی صفائی عام انسانی افراد سے ایک انچ بھی بلند نہیں

Marfat.com

ہوتی، حکمائے یونان میں سقراط سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ مگر کیا یہ وہی نہیں ہے جو بازار کی فاحشہ عورتوں سے ارتباط رکھتا تھا اوران میں ایک پیشہ کے فروغ اور کامیابی کے لیے کوشاں رہتا تھا۔ یہی یونان کے دوسرے حکماء کا حال تھا اور توحید پرستی کا درجہ تو اس سے بدرجہا بلند ہے جس کی ان کو ہوا بھی نہیں لگی تھی۔

ان سطروں سے انداز ہوا ہوگا کہ ہر شیریں نوا واعظ، ہر موثر بیان خطیب، ہر دقیقہ رس، مقنن، ہر کشور کشا فاتح اور ہر نکتہ داں حکیم اس لائق نہیں کہ نبوت ورسالت کا اہم اور بلند اور مقدس منصب اس سے منسوب کیا جائے۔ اس منصب کے ساتھ کچھ ایسے شروط، لوازم اور خصوصیات بھی وابستہ ہیں، جو اس کے ضروری اجزاء اور عناصر ہیں۔

(۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس کا تعلق پر اسرار عالم غیب سے ہو وہ غیب کی آوازیں سنتا ہو، غیب کی چیزیں دیکھتا ہو۔ غیب سے علم پاتا ہو عالم ملکوت کی تائید اس کے ساتھ ہو، روح القدس اس کا ہم سفیر وہمنوا ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام بندوں میں سے اس لیے چنا ہو کہ وہ اس بلند منصب پر سرفراز ہو۔

(۳) اس سے خدا کے حکم سے عجیب وغریب اور حیرت انگیز تصرفات صادر ہوں۔ جن سے ان کا مقبول بارگاہ ہونا ثابت ہو۔

(۴) فضائل اخلاق کے پھولوں سے اس کا دامن بھرا ہو، اور ہر قسم کے گناہ کے خس وخاشاک سے پاک و صاف ہو کہ گندے ہاتھوں سے میلے کپڑے پاک وصاف نہیں ہو سکتے۔

(۵) وہ لوگوں کو خدا اور عالم غیب پر یقین کی دعوت اور فضائل واخلاق کی تعلیم دے اور روز الست کا بھولا ہوا عہد ان کو یاد دلائے۔

(۶) نہ صرف تعلیم، بلکہ اس میں یہ قوت ہو کہ وہ شریروں کو نیک اور گمراہوں کو راست بنا دے اور جو خدا سے بھاگتے ہوں ان کو پھیر کر پھر اس کے آستانہ پر لے آئے۔

(۷) اپنے سے پہلے خدا کی طرف سے آئے ہوئے صحیح اصول کو انسانی تصرفات سے پاک وصاف کر کے پیش کرے۔

(۸) اس کی دعوت، جدوجہد اور تعلیم وتلقین سے مقصود کوئی دنیاوی معاوضہ، شہرت، جاہ طلبی، دولت مندی، قیام سلطنت وغیرہ نہ ہو، بلکہ صرف خدا کے حکم کی بجا آوری اور خلق خدا کی ہدایت ہو۔

یہ نبوت ورسالت کے وہ اوصاف اور لوازم ہیں جو دنیا کے تمام پیغمبروں میں یکساں پائے جاتے ہیں، مذاہب عالم کے صحیفوں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت منکشف اور آشکارا ہو جاتی ہے، خصوصاً قرآن پاک نے جو دنیا کی نبوت کا سب سے آخری اور سب سے مکمل صحیفہ ہے اور جس نے نبوت ورسالت کی حقیقت اور شرائط ولوازم کی سب سے بہتر تشریح کی ہے سورۂ انعام میں اکثر پیغمبروں کا ذکر کر کے یہ حقائق ان الفاظ میں بیان کیے ہیں۔

﴿وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ وَوَ هَبْنَالَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ

”اور یہ تھی ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں دی ہم جس کو چاہتے ہیں کئی درجے بلند کرتے ہیں، بے شبہ تیرا پروردگار تدبیر والا خبردار ہے اور ہم نے

Marfat.com

كُلًّا هَدَيْنَا وَ نُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَ سُلَيْمَنَ وَ اَيُّوبَ وَ يُوسُفَ وَ مُوسٰى وَ هَارُونَ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَ عِيسٰى وَ اِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَ يُونُسَ وَ لُوْطًا وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ وَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَ هَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَ كَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿ (انعام : ۱۰)

ابراہیم کو اسحاق اور یعقوبؑ بخشے اور ہر ایک کو ہدایت دی اور نوحؑ کو اس سے پہلے ہدایت دی تھی اور اس کی اولاد میں داؤدؑ اور سلیمان اور ایوبؑ اور یوسفؑ اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارونؑ کو اور اسی طرح ہم نیکو کاروں کو بدلہ دیتے ہیں اور زکریاؑ اور یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام اور الیاس کو کہ ہر ایک نیکو کاروں میں سے ہے اور اسمٰعیلؑ اور الیسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو ہر ایک کو بزرگی بخشی' دنیا والوں پر اور ان کے باپ دادوں اور بھائیوں میں سے' اور ہم نے ان کو چن کر پسند کیا اور ان کو سیدھی راہ پر چلایا' یہ اللہ کی ہدایت ہے اس پر وہ جس کو چاہے چلاتا ہے' اگر وہ شرک کرتے تو ان کا سارا کیا برباد ہو جاتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حق و باطل میں فیصلہ کرنا (حکم) اور نبوت دی تو' اگر کوئی ان باتوں کا انکار کرے تو ہم نے ان باتوں پر ایسے دوسرے کو مقرر کیا ہے جو ان کا انکار نہیں کرتے' یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی' اے محمدؐ! تو بھی انہی کی راہنمائی کی پیروی کر اور کہہ میں اپنے کام کی تم سے مزدوری نہیں چاہتا' یہ قرآن تو دنیا والوں کو یاد دہانی ہے۔''

ان آیتوں میں اکثر پیغمبروں کے نام لے کر ان کے پیغمبرانہ اوصاف گنائے ہیں' اگر ہم ان کو یکجا کر دیں تو نبوت ورسالت کے عام اوصاف' خصوصیات اور لوازم واضح ہو جائیں۔

(۱) فرمایا۔ ''ہم نے ابراہیم کو دلیل دی اور ہم نے ان کو ہدایت بخشی۔'' جس سے معلوم ہوا کہ ان کے علم اور ہدایت کا سرچشمہ عالم ملکوت سے ہوتا ہے۔

(۲) ارشاد ہوا کہ۔ ''ہم نے ان کو سیدھی راہ چلایا اور یہ سب نیکو کار تھے۔'' اس سے ثابت ہوا کہ وہ معصوم اور گناہوں سے بے داغ ہوتے ہیں۔

(۳) یہ بھی کہا کہ ''ہم نے ان کو چن کر پسند کیا اور اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں یہ ہدایت عطا کریں۔'' جس سے یہ مقصود ہے کہ یہ منصب سعی ومحنت سے نہیں بلکہ خدا کی مرضی اور انتخاب سے ملتا ہے۔

(۴) فرمایا کہ ''ہم نے ان کو کتاب حق و باطل کے فیصلہ کی طاقت (حکم) اور احکام غیب کی تعلیم (نبوت) دی'' اس سے معلوم ہوا کہ ان منصب والوں کو کیا کیا چیزیں عطا ہوتی ہیں۔

(۵) حکم ہوا کہ ''ان کی رہنمائی کی پیروی کر۔'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی اور دعوت پر مامور

Marfat.com

ہوتے ہیں اور لوگ ان کی پیروی سے نیکوکار اور صالح بنتے ہیں۔

(۶) فرمایا کہ ''اے پیغمبر! یہ کہہ دے کہ میں اپنے کام کا کوئی معاوضہ یا بدلہ تم سے نہیں چاہتا۔ یہ تو اہل دنیا کے لیے نصیحت اور یاد دلانا ہے اس سے ثابت ہوا کہ خالق کی خوشنودی اور اس کے ذریعہ سے مخلوق کی خیر خواہی کے علاوہ ان کا کوئی دوسرا مقصد اور مطمح نظر نہیں ہوتا۔

دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ خاص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق وبست سے ان حقیقتوں کو قرآن پاک نے کئی دفعہ بتصریح بیان کیا ہے' جن میں سے چار باتیں سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔

(۱) اشیائے غیب' امور خیر اور فلاح وسعادت کے اسباب پر اس کا علم خدا کی تعلیم سے کامل ہو۔

(۲) وہ اپنے علم کے مطابق اپنے عمل میں کامل اور راست باز ہو۔

(۳) وہ دوسروں کو ان امور کی تعلیم دیتا ہو۔

(۴) اور ان کو بھی اپنی تعلیم اور صحبت کے فیض سے حسب استعداد کامل بناتا ہو قرآن پاک میں متعدد موقعوں پر آپ کی نسبت یہ فرمایا گیا۔

﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ (بقرہ و جمعہ) ''وہ رسول ان پڑھوں کو خدا کی باتیں سناتا اور ان کو پاک و صاف بناتا' اور ان کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔''

اس مختصر سی آیت میں ان چاروں مذکورہ بالا امور کو یکجا ذکر کیا ہے' جاہلوں کو آیات الٰہی پڑھانے اور کتاب و حکمت سکھانے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ خود اس کو آیات الٰہی پڑھائی اور کتاب وحکمت سکھائی گئی ہوں اور دوسروں کو پاک وصاف بنانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود پاک وصاف ہو' کہ ایک جاہل اپنے ہی جیسے دوسرے جاہل کو عالم' اور ایک ناپاک اپنے ہی جیسے دوسرے ناپاک کو پاک نہیں بنا سکتا' ایک دوسری آیت میں ہے۔

﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَ مَا يَخْفٰى وَ نُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى وَ يَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقٰى﴾ (اعلیٰ) ''ہم تجھے پڑھائیں گے تو تو نہیں بھولے گا۔ مگر جو اللہ چاہے' وہ جانتا ہے پکار اور چھپا' اور ہم تجھے آہستہ آہستہ آسانی تک پہنچائیں گے' اور تو سمجھا' اگر تیرا سمجھانا فائدہ دے جس کو خدا کا لحاظ ہوگا' وہ سمجھے گا اور جو بد بخت ہوگا وہ اس سے پرہیز کرے گا۔''

ایسا پڑھانا جس میں بھول نہ ہو' پیغمبر کی روحانی تعلیم ہے اور آسانی کی منزل کی طرف اس کو آہستہ آہستہ لے چلنا اور اس کے لیے اس کٹھن منزل کو آسان کر دینا اس کے ذاتی عمل کو کمال کے درجہ تک اس طرح پہنچا دینا ہے کہ تمام امور خیر اس سے بسہولت از خود صادر ہونے لگیں' پھر اس کو دنیا کے ''سمجھانے'' پر مامور کرنا' اس رمز کو آشکارا کرنا ہے کہ دوسروں کی تعلیم وتذکیر کا منصب اس کو ملا ہے' اس کے بعد یہ فرمانا کہ ''متقی اس نصیحت سے فیض پائیں گے' اور بد بخت محروم رہیں گے۔'' اس کی تشریح یہ ہے کہ ناقصوں کی تکمیل اور ذی استعداد لوگوں کو ان کی استعداد کے مطابق پہنچانا بھی اس کا فرض ہے۔[1]

---

(۱) یہ تشریح اور طریقہ استدلال امام رازی نے اپنی تفسیر اور بعض کتب کلامیہ میں اختیار کیا ہے۔

Marfat.com

نبوت کے لوازم اور خصوصیات:

نبوت کی شرح حقیقت اور اس کے لوازم اور خصوصیات کے اجمالی بیان کے بعد ضرورت ہے کہ نبوت کی چند اہم خصوصیات پر تفصیل سے گفتگو کی جائے تا کہ وقت کی بہت سی غلط فہمیوں کا سد باب ہو لیکن ان خصوصیات کے ذکر سے پہلے خود ہم کو ''خصوصیت'' کو سمجھنا ہے کہ اس سے مقصود کیا ہے۔

دنیا میں ہر نوع اور ہر نوع کے ماتحت ہر صنف میں کچھ نہ کچھ مخصوص صفات ہوتی ہیں' یہ مخصوص صفات اس نوع اور صنف کے ہر فرد میں یکساں پائی جاتی ہیں' ان ہی کو ہم لوازم اور خصوصیات کہتے ہیں' پھل پھول' چوپائے' پرندے انسان تمام انواع میں کچھ نہ کچھ ایسی خصوصیات ہیں جو دوسروں میں نہیں پائی جاتیں اور انہی خصوصیات کی بنا پر ہر نوع دوسری نوع سے ممتاز اور ہر صنف دوسری صنف سے علیحدہ ہے' گلاب میں خاص قسم کا رنگ' خاص قسم کی خوشبو اور خاص قسم کے پتے ہوتے ہیں' یہ ناممکن ہے کہ کوئی گلاب ہو اور اس میں یہ چیزیں نہ پائی جائیں' لیکن گلاب کی بھی مختلف صنفیں ہیں' اور ان میں سے ہر ایک میں کچھ ایسی لازمی صفات ہوتی ہیں' جن سے گلاب کی ہر صنف (قسم) دوسری صنف (قسم) سے علانیہ الگ نظر آتی ہے۔

اسی طرح انسانیت کے کچھ خاص لوازم ہیں' دو ہاتھ' دو پاؤں' سید ھاقد' بولنے کی طاقت' سمجھ بوجھ اور غور وفکر کی اہلیت' ایجاد و اختراع کی قوت' انجام بینی اور مآل اندیشی کی صلاحیت وغیرہ اس کے خواص ہیں اور جس طرح شہد میں مٹھاس' حنظل میں کڑوا پن' آگ میں گرمی اور برف میں ٹھنڈک' نوعی خواص کی حیثیت سے خود بخود پیدا ہوگئی ہیں۔ اسی طرح انسان میں انسانیت کی مذکورہ بالا خاصیتیں فطرۃً ودیعت ہیں لیکن اس وصف انسانیت میں اشتراک کے ساتھ گلاب کے اصناف کی طرح نوع انسانی کے بھی مختلف اصناف ہیں جیسے ہندی' چینی' حبشی' رومی' ایشیائی' یورپین' دیکھو کہ ان میں سے ہر ایک صنف میں انسانیت کے اشتراک کے باوجود قد و قامت' چہرہ مہرہ' رنگ و روغن' صورت شکل' اخلاق و عادات وغیرہ بیسیوں چیزوں کا نمایاں امتیاز ہوتا ہے اور یہ تمام انسانی اصناف جو مختلف آب و ہوا' مختلف مرز و بوم' مختلف نسل اور مختلف ماحول سے تعلق رکھتے ہیں' انسان ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے صریحاً ممتاز ہیں۔ اسی طرح ہر صنف انسانی کے اندر مختلف افراد ہیں خلاق فطرت نے ان میں سے ہر ایک کو مختلف قابلیتیں عطا کی ہیں۔ شاعری' زبان دانی' فلسفہ' ریاضی' صنائی' باغبانی' معماری' پہلوانی' سینکڑوں مختلف قسم کی انسانی استعداد کی خصوصیتیں دوسروں سے الگ ہیں۔ ایک تخیل پسند شاعر اور ایک حقیقت شناس ریاضی دان میں عظیم الشان فرق ہوتا ہے' ادب وانشاء کے خیالی بلند پرواز' عموماً ریاضیات جیسے ٹھوس اور واقعی علوم سے کورے ہوتے ہیں اور واقعیات سے لبریز ریاضیات کے جاننے والے' ادب و شاعری سے بیگانہ' پہلوانی کے جوہر باغبانی سے الگ ہیں' اور ایک صناع کی طبیعت ایک فلسفی سے متضاد ہوتی ہے۔

اسی کے ساتھ صنف شعراء میں خاص دماغی قابلیت کا اتحاد ہوتا ہے' نظم کی قوت' تخیل کی بلندی' محاکات کی قدرت' الفاظ کا زور' معانی کا جوش' یہ تمام شعراء کی مخصوص صفات ہیں' اسی طرح تمام فلسفیوں کی ایک خاص دماغی کیفیت ہوتی ہے' خاموشی غور وفکر' دقت نظر' خارجی عالم سے بے پروائی' تصور میں انہماک' خلوت گزینی' اخلاق کی خشکی'

Marfat.com

الغرض مرز و بوم اور آب و ہوا کے اختلاف کی بناپر جو اصناف انسانی پیدا ہوتے ہیں' ان میں بھی یہ اختلاف و امتیاز نظر آتا ہے' ہنیبال و نپولین' تیمور و چنگیز دم کے دم میں آبادی کو ویرانہ اور ویرانہ کو آبادی' پہاڑ کو میدان اور میدان کو پہاڑ بنا سکتے تھے مگر وہ بیٹھ کر فلسفہ اخلاق پر چند صفحے نہیں لکھ سکتے تھے افلاطون تنہائی میں بیٹھ کر جمہوریت کا فلسفیانہ خاکہ تیار کر سکتا تھا مگر ایتھنز کے تخت پر بیٹھ کر ایک لحہ حکمرانی کا فرض انجام نہیں دے سکتا تھا۔ سلطان محمود کے درباری شاعر فردوسی نے اپنی طبیعت کے زور سے سینکڑوں خیالی سومنات کے معرکے فتح کیے لیکن پتھر کی ایک چٹان پر کلہاڑی نہ مار سکا' اس کے برخلاف سلطان محمود فوجوں کے دل بادل کے ساتھ پہاڑوں کو چیرتا' دریاؤں کو پھاڑتا اور ریگستانوں میں پانی بہاتا ہوا غزنی سے چل کر گجرات کے کناروں تک پہنچ گیا اور سومنات کے سنگی قلعہ اور مجسمہ کو چکنا چور کر ڈالا مگر فردوسی کی طرح تنہا بیٹھ کر وہ خیالی شاہنامہ کا ایک معرکہ بھی فتح نہیں کر سکتا تھا۔

ان مثالوں سے یہ ثابت ہے کہ نوع انسانی میں اشتراک ہونے کے باوجود اصناف انسانی کی ہزاروں قسمیں ہیں اور ان میں سے ہر قسم و صنف کے الگ الگ خصوصیات' صفات اور لوازم ہیں' انہی مختلف اصناف انسانی میں انبیاء علیہم السلام کی بھی ایک صنف ہے اور نوع انسانی کی اس مقدس صنف کے بھی چند خاص اوصاف' خصوصیات اور لوازم ہیں' جو ان کو دوسرے اصناف انسانی سے علانیہ ممتاز بناتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد اب ہم کو اس مسئلہ کی طرف توجہ کرنی چاہیے کہ نبوت و رسالت کے اہم لوازم اور خصوصیات کیا ہیں۔

وہبی استعداد:

ان میں سے سب سے پہلی چیز وہبی استعداد ہے' اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مختلف انسانوں میں مختلف قسم کی فطری استعدادیں پائی جاتی ہیں' اور انہی کی طرف ان کا طبعی میلان ہوتا ہے اور جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے جاتے ہیں' ان کی استعداد اور میلان طبع کا جوہر برگ و بار پیدا کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ ایک خاص مقررہ مدت میں جا کر وہ پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے جس طرح ہر درخت سے آم کا پھل پیدا نہیں ہو سکتا' بلکہ اسی سے ہوگا۔ جس کو خدا نے آم کا درخت بنایا ہے پھر آم کے درخت کے آثار' خواص' پھل' اس کا مزہ' اس کا رنگ و بو غرض جملہ خصوصیات خود اس درخت میں اسی وقت موجود ہوتے ہیں جب وہ ہنوز تخم کی صورت میں ہوتا ہے وہی تخم پودا بنتا ہے' پودا بڑھتا ہے' کونپل اور شاخیں پیدا کرتا ہے اور چند سال میں پھل دینے لگتا ہے لیکن اپنی ترقی کے ہر دور میں وہ اپنے مخفی خصوصیات وہی رکھتا ہے جو ایک دن اس سے آخر میں ظاہر ہونے والے ہیں اور اس پھل کی صفت ہمیشہ اس میں بالقوہ موجود تھی۔

اسی تمثیل کے مطابق یہ سمجھنا چاہیے کہ ہر انسان کوشش سے نبی نہیں ہو سکتا' بلکہ وہی ہو سکتا ہے جس کو خدا نے نبی بنایا ہے اور نبوت کے یہ آثار' خواص اور کیفیات اس میں بالقوہ اور استعداد کی صورت میں اسی وقت سے موجود رہتے ہیں جب وہ ہنوز آب و گل کے عالم میں ہوتا ہے' شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا کہ میں اس وقت نبی تھا جب آدم ہنوز آب و گل میں تھے۔ [1] اسی قسم کا مطلب ہوگا۔

---

(۱) جامع ترمذی مناقب نبوی (مستدرک حاکم مناقب محمدی ج دوم ص ۶۰۰ حیدر آباد۔

Marfat.com

انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سے وہ عرصۂ وجود میں قدم رکھتے ہیں اسی زمانہ سے آنے والے وقت اور ملنے والے منصب کے آثار ان سے ظاہر ہونے لگتے ہیں وہ حسب ونسب اور سیرت وصورت میں ممتاز ہوتے ہیں شرک وکفر کے ماحول میں ہونے کے باوجود اس کی گندگی سے بچائے جاتے ہیں' اخلاق حسنہ سے آراستہ ہوتے ہیں ان کی دیانت' امانت' سچائی راست گفتاری مسلم ہوتی ہے اور یہ تمہیدیں اس لیے ہوتی ہیں تاکہ منصب ملنے کے بعد ان کے دعوائے نبوت کی تصدیق اور لوگوں کے میلان خاطر کا سامان پہلے ہی سے موجود رہے' حضرت ابراہیمؑ' حضرت اسمٰعیلؑ' حضرت اسحاقؑ' حضرت یوسفؑ' حضرت موسیٰؑ' حضرت سلیمانؑ' حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حالات و واقعات قبل نبوت پڑھو تو ہمارے اس دعویٰ کی سچائی تم کو نظر آئے گی' حضرت ابراہیمؑ کا نبوت پانے سے پہلے ہی سے آسمان وزمین کے خالق کی تلاش' سورج' چاند اور ستاروں پر متفکرانہ نظر اور بت پرستی کے خلاف نفرت کا شدید جذبہ کس بات کی شہادت ہے حضرت اسمٰعیلؑ کا بے آب وگیاہ میدان میں پرورش پانا' چاہ زمزم کا ظہور' آنے جانے والے قافلوں کا اس کی آبادی کی طرف میلان' چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو مقدس باپ کے ساتھ مقدس سفر کے لیے تیاری اور اس کم سنی میں باپ کے خواب کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پوری آمادگی اور صبر وشکر اور تسلیم ورضا کا اظہار کس مستقبل کی خبر دیتا ہے؟ حضرت اسحاقؑ کا فرشتوں کی بشارت سے پیدا ہونا اور پیدائش سے پہلے ہی غلام علیم (حجر۴) کا خطاب پانا پھر مقدس باپ کی جانشینی اور اور شلیم کی مسجد کی پاسبانی کے لیے انتخاب' کس مقصود کا دیباچہ ہے۔

حضرت یوسفؑ کا بچپن میں رویائے صادقہ اور صبر وشکر اور پاک دامنی کس بات کی گواہی دیتی ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عین خطرہ میں پیدائش' حفاظت' پرورش' اور نبوت سے پہلے ہی فرعونیوں سے تن تنہا مجاہدانہ آویزش' کس مبتداء کی خبر ہے؟ حضرت سلیمانؑ کا آغاز عمر میں علم وفہم فصل مقدمات کی قوت کس نتیجہ کے آثار ہیں؟ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی دعائیہ پیدائش بچپن ہی میں ان کی نیکی سعادت مندی' نرم خوئی' پاکی' کس مقصد کی تمہید ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور بچپن ہی میں نیکی' سلامت روی' تورات کی حقیقت رسی' کس روز روشن کی صبح ہے؟ اور خود محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے دعائے خلیل' نوید مسیحا' رویائے آمنہ اور احوال ولادت وتربیت مراسم شرک سے اجتناب' اخلاق حسنہ دیانت امانت' آثار خیر وبرکت' نبوت سے پہلے ہی تنہائی پسندی خلوت گزینی' حقیقت کی تلاش اور غور وفکر کس خورشید جہانتاب کا مطلع انوار ہے۔

حضرت اسماعیلؑ کا یہ حال ہے۔

﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (صفت: ۳)

''تو ہم نے ابراہیم کو ایک بردبار لڑکے کی خوش خبری دی تو جب وہ اس کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا تو اس نے کہا کہ اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھ کو میں ذبح کر رہا ہوں اس نے جواب دیا اے میرے باپ کر ڈال جو تجھ سے کہا گیا' تو مجھے خدا نے چاہا تو صبر کرنے والوں میں پائے گا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خطاب ہے۔

﴿وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى اِذْ اَوْحَيْنَآ

''اور ہم نے تجھ پر دوسری دفعہ احسان کیا جب تیری

Marfat.com

اِلٰی اُمِّکَ مَا یُوْحٰی﴾ (طه : ۲) حفاظت اور پرورش کے متعلق، تیری ماں کے دل میں بات ڈال دی جو ڈالی گئی۔"

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نسبت یہ ارشاد ہے۔

﴿یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّةٍ وَ اٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا وَ حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَکٰوةً وَ کَانَ تَقِیًّا وَ بَرًّا بِوَالِدَیْهِ وَ لَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا وَ سَلَامٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ﴾ (مریم : ۱)

"اے یحییٰ! کتاب (توراۃ) کو مضبوطی سے پکڑ، اور ہم نے اس کو فیصلہ کرنے کی قوت بچپن ہی میں دے دی اور اپنے پاس سے رحم و مہر اور ستھرائی اور تھا پرہیزگار، اور اپنے ماں باپ کا فرمان بردار اور نہ تھا زبردستی کرنے والا، نافرمان، سلامتی ہو اس پر جس دن پیدا ہوا۔"

نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے۔

﴿کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْکِتَابَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَ جَعَلَنِیْ مُبَارَکًا اَیْنَمَا کُنْتُ﴾ (مریم : ۲)

"ہم کیسے اس سے بات کریں جو ہنوز گہوارہ میں بچہ ہے عیسیٰ علیہ السلام نے کہا میں خدا کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب الٰہی دی اور مجھے نبی ٹھہرایا، اور مبارک بنایا، میں جہاں ہوں۔"

اور مکہ کا "الامین" نبوت کے پہلے کی اپنی پوری زندگی موقع شہادت میں بے خطر پیش کر دیتا ہے۔

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (یونس : ۲)

"تو اس (پیغمبری کے دعویٰ) سے پہلے میں تم میں ایک عمر گزار چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے۔"

انبیاء علیہم السلام کے احوال مبارکہ کے یہ جزئیات، باہم مل کر اپنی نسبت خود کلیہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔

غیبی علم:

نبوت کا دوسرا سب سے اہم خاصہ اس کا غیبی علم ہے یعنی وہ علم جو عام انسانوں کی طرح وجدان، احساس یا عقل و قیاس سے نہیں بلکہ براہ راست صدائے غیب یا رویائے صادقہ یا فرشتوں کے ذریعہ سے خدائے پاک سے حاصل ہوتا ہے اسی کے آغاز سے نبوت کی استعداد بالقوہ کا عملی ظہور شروع ہو جاتا ہے اس مسئلہ کو پوری طرح سمجھنے کے لیے کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے۔

علم انسانی کے ماخذ:

علم انسانی کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو بلا واسطہ ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو کسی واسطہ سے حاصل ہوتا ہے بے واسطہ علم کی بھی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وجدان: انسان کو اپنے جسمانی وجود اور اس جسمانی وجود کے اندرونی کیفیات کا علم سب سے زیادہ یقینی طور سے ہوتا ہے ہر شخص کو اپنے وجود کا یقین ہے اور اس کے اندر بھوک، پیاس، بیماری، صحت، غم، خوشی، خوف وغیرہ

Marfat.com

اندرونی تغیرات کا علم اس کو بلاواسطہ از خود ہو جاتا ہے۔

(۲) فطرت: اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ ہر نوع مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسی نوعی خصوصیتیں عطا ہوتی ہیں، جو دوسری نوعوں میں نہیں پائی جاتیں اور ان ہی سے باہم نوعوں کا اختلاف اور امتیاز ظاہر ہوتا ہے، ان نوعی خصوصیتوں کا علم ہر نوع کے افراد کو بلا کسی ذریعہ اور واسطہ کے از خود ہوتا ہے اور اسی کو بعض علماء کی اصطلاح میں فطری یا نوعی الہام اور اہل فلسفہ کی اصطلاح میں ''جبلت'' کہتے ہیں، حیوانات کو اپنے متعلق بہت سی باتوں کا علم از خود فطرۃً ہوتا ہے، پرندوں کے بچوں کو دانہ چگنا اور اڑنا کون سکھاتا ہے، آبی جانوروں کو تیرنے کی تعلیم کون دیتا ہے۔ شیر کے بچہ کو درندگی کا سبق کس معلم نے پڑھایا، انسان کے بچہ کو پیدا ہوتے ہی رونا، سونا، دودھ پینا کون سکھا دیتا ہے۔

(۳) بداہت اولیت انسان کو کچھ ہوش وتمیز آنے کے بعد بلا دلیل بعض ایسی باتیں از خود یا بادنیٰ تامل اس طرح معلوم ہو جاتی ہیں کہ ان میں پھر کسی قسم کا شک وشبہ راہ نہیں پاتا۔ دو اور دو چار ہوتے ہیں، برابر کا برابر، برابر ہوتا ہے۔ ایک ہی وقت میں ایک ہی چیز سیاہ وسپید دونوں نہیں ہو سکتی، ہر بنی ہوئی چیز کا کوئی بنانے والا ہوتا ہے، وغیرہ بہت سے ایسے ضروری مقدمات اور کلیات جن پر انسان کے استدلال کا تمام تر مدار ہے۔ اس کو بداہۃً معلوم ہو جاتے ہیں۔

یہ تو بلاواسطہ علم کی تین قسمیں تھیں۔ اس کے بعد علم انسانی کی وہ قسمیں ہیں جن کا علم اس کو کسی واسطہ سے ہوتا ہے انسان کے پاس اس قسم کے دو واسطے ہیں ایک احساس اور دوسرا عقل، پہلے سے وہ گردوپیش کی مادی چیزوں کا اور دوسرے سے ان مادی چیزوں کا جو سامنے موجود نہیں یا سرے سے خارج ہیں، موجود نہیں بلکہ عالم الغیب میں ہیں یا صرف ذہن میں ہیں علم حاصل کرتا ہے۔

(۴) انسان کے جسم کے اندر پانچ قسم کی جسمانی قوتیں ہیں، باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ، لامسہ باصرہ دیکھتی، سامعہ سنتی، شامہ سونگھتی، ذائقہ چکھتی اور لامسہ چھوتی ہے، ان ہی کا نام حواس خمسہ ہے، انسان کے پاس یہی پانچ آلات ہیں جن کے ذریعہ سے وہ ان مادی چیزوں کے متعلق علم حاصل کرتا ہے جو اس کے ان آلات سے آ کر ٹکراتی ہیں، اسی کا نام احساس ہے، ہم چکھ کر مزا پاتے، سن کر آواز پہچانتے، دیکھ کر صورت جانتے چھو کر سختی ونرمی دریافت کرتے اور سونگھ کر بو معلوم کرتے ہیں، ان حواس کے ذریعہ سے بھی جو علم ہم کو ہوتا ہے وہ اکثر یقینی اور شاذ ونادر غلط بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ کبھی کبھی کسی سبب سے دھوکا بھی کھاتے ہیں اور دریافت میں غلطی بھی کرتے ہیں اور دلائل سے ان کا یہ دھوکا اور ان کی غلطی ثابت ہوتی ہے، بیماری میں قوت ذائقہ بدل گئی ہے اور اس نے میٹھے کو کڑوا بتایا ہے، تیز حرکت میں قوت باصرہ نے ہم کو دھوکہ دیا ہے، ریل میں ہم کو ساکن اور ٹھہری ہوئی چیز چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، چلتا ہوا جہاز ہم کو ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے، متحرک چنگاری کا نقطہ تیز سیدھی حرکت میں ہم کو آتشیں خط اور گول حرکت میں آتشیں دائرہ معلوم ہوتا ہے۔ آسمان کے چمکتے ہوئے بڑے بڑے ستارے کتنے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں لیکن کیا درحقیقت وہ ایسے ہی چھوٹے ہیں؟

(۵) علم بالواسطہ کی دوسری قسم وہ ہے جس کو ہم اپنی عقل وقیاس، غور وفکر اور استدلال کے ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں، اس کی بنیاد درحقیقت ان ہی معلومات پر ہوتی ہے جن کا علم ہم کو اپنے وجدان، الہام فطری (یا جبلت)

Marfat.com

بداہت اولیہ اور احساس سے پہلے ہو چکا ہے اور ان ہی معلوم شدہ امور پر غیر معلوم امور کو تمثیل یا استقراء کے ذریعہ سے قیاس کر کے ان معلوم شدہ امور کے خصوصیات اور آثار کا حکم ان غیر معلوم لیکن مشابہ و مماثل امور پر لگا کر نیا نتیجہ حاصل کرتے ہیں' وہ غیر معلوم امر جس پر معلوم امور کے ذریعہ ہم کوئی حکم لگاتے ہیں' اگر مادی ہوتا ہے تو نتیجہ چنداں غیر مشکوک نہیں ہوتا' سوائے اس کے کہ جزئیات کا استقراء پورا نہ کیا گیا ہو یا تمثیل تام نہ ہو' یا تجربہ و مشاہدہ نے دھوکہ دیا ہو یا کوئی اور اصولی غلطی ہوگئی ہو' طبیعیات اور سائنس کے مسائل اکثر اسی طرح معلوم کیے گئے ہیں لیکن اگر وہ امر مجہول غیر مادی ہے تو مادی امور پر اس غیر مادی کو قیاس کر کے اس کی نسبت جو کچھ کہا جائے گا۔ اس کا مرتبہ ظن و تخمین سے آگے نہیں بڑھتا مگر یہ کہ وہ تمام تر فطریات یا بدیہیات و محسوسات پر علانیہ منتہی ہو مابعد الطبیعۃ اور فلسفہ الٰہیات کے مسائل اسی طریقہ استدلال سے حاصل ہوتے ہیں اور اسی لیے ان میں اختلافات کی بڑی گنجائش نکلتی ہے کہ ان کے آخری نتیجہ اور ابتدائی بنیادی وجدانی یا بدیہی یا حسی مقدمات کے درمیان قیاسات کی کئی منزلیں ہیں اور ان میں سے ہر منزل خطروں سے لبریز ہے' مشابہت و مماثلت میں دھوکا ہو سکتا ہے' عقلی اور وجدانی اور حسی اشیاء کے خواص کے درمیان اختلاف اور فرق ہو سکتا ہے' غور و فکر' بحث و نظر' تحقیق و جستجو اور ترتیب مقدمات جو قیاس عقلی کے کارکن اور فاعل ہیں' وہ اپنے کام میں دھوکا کھا سکتے ہیں اسی لیے یہ علوم شکوک و شبہات سے لبریز ہیں۔

ذرائع علم کے حصول کے زمانے اور ان کے مراتب:

سطور بالا سے ہویدا ہے کہ ہمارے سب سے زیادہ یقینی علوم ہمارے وجدانیات اور فطریات ہیں جو ہم کو قدرت کی طرف سے سب سے پہلے عنایت ہوتے ہیں کہ ہمارے وجود کی بقا اس علم پر موقوف ہے جیسے بھوک اور پیاس کا احساس اور اس علم کا یقینی ہونا بھی ضروری ہے ورنہ ہم اپنا وجود قائم نہ رکھ سکیں گے' ہم کو جو بھوک پیاس لگتی ہے' کیا اس کے یقینی اور قطعی علم میں ہم سے غلطی ہو سکتی ہے اور کیا کسی کے شک دلانے سے کہ ممکن ہے کہ تم کو بھوک نہ ہو ممکن ہے کہ تم کو پیاس نہ ہو' کبھی بھوکے یا پیاسے' کو اپنی بھوک اور پیاس کے متعلق شک ہو سکتا ہے اور یہ احساس اور علم وجود کے ساتھ ساتھ انسان کو ملتا ہے' یہاں تک کہ آج کا پیدا شدہ بچہ بھی اس کا احساس کرتا اور علم رکھتا ہے ورنہ وہ اپنے وجود کو قائم نہ رکھ سکے۔

وجدانیات و فطریات کے بعد محسوسات کا علم انسان کو ملتا ہے۔ دیکھنا' سننا' چکھنا' سونگھنا' چھونا یہ ہمارے پانچ حواس ہیں جو ہمارے مادی علم کے آلات ہیں اور جن کے بغیر کوئی باہر کا علم ہمارے اندر نہیں آ سکتا' یہ احساسات بھی ایک ہی دفعہ نہیں کمال پا جاتے بلکہ ضرورت کے مطابق حسب استعداد ملتے اور ترقی پاتے ہیں اور پیدائش کے چند ماہ بعد یہ تکمیل کو پہنچتے ہیں' کیونکہ وجود کی بقا اور ضروریات کی تکمیل ابھی سے ان پر رفتہ رفتہ موقوف ہوتی جاتی ہے۔

محسوسات کے بعد بدیہیات اولیہ کا درجہ آتا ہے' انسان کو اپنے اس علم میں بھی وہی اذعان و قطعیت ہوتی ہے۔ دو دو چار ہوتے ہیں' دس پانچ کا دونا ہے' ایک چیز ایک ہی وقت میں دو جگہ نہیں ہو سکتی' ایک چیز ایک ہی وقت میں سیاہ و سپید نہیں ہو سکتی' ان بدیہی علوم کو ہر شخص مانتا اور تسلیم کرتا ہے مگر اس کا علم انسان کو بچپن میں نہیں ہوتا بلکہ تمیز و رشد کے بعد ہوتا ہے کیونکہ اسی وقت اس کی ضرورت پیش آتی ہے' اگر یہ علوم اس سن میں اس کو عطا نہ ہوں تو وہ دنیا کے

Marfat.com

ضروری کاروبار چلانے کے لائق ہو نہ دوسرے علوم کی دریافت کی اس میں استعداد پیدا ہو فطری احمق اور بے وقوف ان ہی کو کہتے ہیں۔ جن میں ان بدیہیات کا علم کم یا بالکل نہیں ہوتا۔

سب سے اخیر میں اس علم کا درجہ آتا ہے جو وجدانیات' فطریات یا بدیہیات، محسوسات پر قیاس کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اور جس کو علم معقولات کہتے ہیں۔ اسی علم اور اسی قوت کی کمی بیشی کا نتیجہ ہے کہ انسانی عقلیں درجہ اور مرتبہ میں متفاوت ہوتی ہیں' ایک طرف تو (کمی کی سمت میں) وہ حماقت تک پہنچ جاتی ہیں اور دوسری طرف (سمت کمال میں) عاقل' عاقل تر اور عاقل ترین طبقہ تک اونچی ہو جاتی ہیں' یہاں تک کہ وہ درجہ بھی آتا ہے کہ کسی کی عقل اس مرتبہ تک جا پہنچتی ہے جہاں کوئی اس کا دوسرا حریف اور ہمسر نہیں ہوتا' ایک جاہل حبشی سے لے کر ارسطو اور بوعلی سینا تک سب انہی عقلی مدارج کے مختلف انسانی نظائر ہیں' بایں ہمہ یہ ظاہر ہے کہ اس علم کا طریقہ نہایت پر خطر اور منزل مقصود ہمیشہ مشکوک رہتی ہے۔

عام طور سے انسانی علم کے پانچ ذریعے اور طریقے سمجھے جاتے ہیں لیکن درحقیقت ایک اور ذریعہ بھی ہے' جس کا تعلق تمام تر ماورائے مادہ سے ہے' غور کیجیے کہ آپ کا سب سے پہلا علم یعنی وجدانیات آپ کے اندرونی حواس کا نتیجہ ہے دوسرا یعنی فطریات کا علم خالق فطرت خود آپ کے اندر ودیعت رکھتا ہے' تیسرا علم یعنی محسوسات کا علم آپ کے ان ظاہری حواس کا نتیجہ ہے جو گو باہر ہیں مگر آپ کے جسم کے اندر ہیں' آپ کا چوتھا ذریعہ علم یعنی بدیہیات اولیہ آپ کے حواس اور ذہن کا ایک مشترکہ فیصلہ ہیں' پانچواں ذریعہ علم جو آپ کی عقل و ذہن کی قیاس آرائی ہے وہ آپ ہی کے اندر کے دماغی قوی کا عمل ہے تھوڑے سے تامل سے معلوم ہوگا کہ آپ کا علم وجدان سے لے کر ذہن تک بتدریج مادیت سے ترقی کر کے ماورائے مادہ کے قریب تک پہنچتا ہے وجدان تمام تر ہماری اندرونی جسمانی مادیت ہے جس میں کوئی شک نہیں' محسوسات بھی ہمارے ہی جسم کے مادی آلات علم کے نتائج ہیں' بدیہیات ہمارے حواس سے جو مادی ہیں اور ہمارے ذہن سے جو غیر مادی ہیں مشترک تعلق رکھتے ہیں' یعنی بدیہیات مادی اور غیر مادی ذرائع علم کے بین بین ہیں اور معقولات تمام تر ذہنی اور غیر مادی ہیں۔ تاہم اس غیر مادی قوت کا مرکز ہمارا مادی جسم ہی ہے اور اس حد تک اس غیر مادی قوت کا ارادہ سے تعلق بہر حال ہوتا ہے۔

غیر مادی علم:

اب اس کے بعد اس علم کا درجہ آتا ہے جس کی سرحد اس کے بعد آتی ہے اور جس کا تعلق مادہ سے اتنا بھی نہیں ہوتا جتنا معقولات اور ذہنیات کا ہے' وہ تمام تر مادہ اور مادیات سے پاک ہوتا ہے اس کو مادہ سے اسی قدر لگاؤ ہوتا ہے کہ وہ علم مادی دل و دماغ کے آئینہ پر اوپر سے آ کر اپنا عکس ڈالتا ہے۔

اس غیر مادی علم کے بھی بہ ترتیب مختلف درجے ہیں' جن کو فراست' حدس' کشف' الہام اور وحی کہتے ہیں اور جس طرح انسانی علم کے مذکورہ بالا پانچوں ذریعے انسان کے جسمانی قوی سے متعلق تھے' اسی طرح یہ غیر مادی ذرائع انسان کے روحانی قوی سے وابستگی رکھتے ہیں اور جس طرح آپ نے دیکھا ہے کہ وجدانیات سے لے کر عقلیات تک بہ ترتیب ہمارا ذریعہ علم خالص مادی' کامل مادی' کم مادی اور برائے نام مادی تک ترقی کرتا چلا گیا ہے' اسی طرح

Marfat.com

فراست، حدس، کشف، الہام اور وحی بھی برائے نام مادی و روحانی سے لے کر پھر روحانی، کامل روحانی اور خالص روحانی کے ذریعہ تک ترقی کرتے چلے گئے ہیں۔

فراست کے لفظی معنی ''تاڑ جانے'' کے ہیں، تاڑ جانے کی قوت ہر شخص میں نمایاں نہیں ہوتی، مگر جس میں نمایاں ہوتی ہے اس کی یہ کیفیت ایک ملکہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے، جو تجربہ کی کثرت اور عمل کی مہارت اور کمال کے بعد انسان کو حاصل ہو جاتا ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کے دیکھنے، سننے، چکھنے، سونگھنے یا چھونے کے ساتھ ہی صرف بعض علامتوں کے جان لینے سے دوسری متعدد ضروری علامتوں پر تفصیلی نظر ڈالے بغیر اتنی جلدی انسان صحیح نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ غیب کی بات بیان کر رہا ہے حالانکہ اس کا علم تمام تر ظاہری علامتوں اور نشانوں پر مبنی ہوتا ہے جن کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے مگر دیکھتا نہ تھا، ایسے ماہر فن اور ذی فراست اشخاص برابر ہر شخص کے مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں جس کو جس چیز یا فن میں یہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے، اس کی فراست اس کو حاصل ہو جاتی ہے، جرائم کے پتہ لگانے والے ماہرین اور جاسوس اپنے فن کی فراست میں یہ کمال رکھتے ہیں کہ صورت دیکھی اور تاڑ گئے، اسی طرح ہر علم و فن کے ماہروں کو اپنے اپنے فن کے اندر یہ ملکہ حاصل ہو جاتا ہے، اخیار اور نیکو کاروں کو اپنی جماعت کے افراد کے پہچان لینے اور جان لینے کی طاقت بھی اسی طرح حاصل ہوتی ہے اور اسی کو ایک حدیث میں ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے۔

((اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله)) ''مومن کے تاڑ لینے سے ڈرو کہ وہ خدا کی روشنی سے دیکھتا ہے۔''
(ترمذی)

(۲) فراست کے بعد حدس کا درجہ ہے فراست کے ابتدائی مقدمات حواس پر مبنی ہوتے ہیں لیکن حدس کے ابتدائی مقدمات ذہنی اور عقلی ہوتے ہیں اور ان ہی ذہنی اور عقلی مقدمات کے غور و فکر، تلاش اور ترتیب سے نتیجہ حاصل ہوتا ہے مگر فطری کمال یا فن کی حاصل کردہ مہارت کے سبب سے غور و نظر، فکر و تلاش اور ترتیب مقدمات کے منطقیانہ مرحلوں کو ذہن رسا اس تیزی اور سرعت کے ساتھ طے کر کے آخری نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ خود اس کو بھی اس کا احساس نہیں ہوتا کہ اس نتیجہ کے حاصل کرنے میں اس نے کوئی دماغی عمل بھی کیا ہے، یہ چیز بھی اکثر کامل العقل اور صائب الرائے انسانوں کو فطرۃً عطا ہوتی ہے اور دنیا کے مشہور عقلاء اور دانایان روزگار کے واقعات میں اس کی کثرت سے مثالیں ملتی ہیں۔

(۳) کشف کے لفظی معنی تو کھولنے اور پردہ اٹھانے کے ہیں، مگر اس سے مقصود یہ ہے کہ مادیت کے ظلمانی پردہ کو چاک کر کے مادی چیز روحانی عالم میں مشاہدہ کے سامنے آ جاتی ہے وہ کبھی اصلی صورت میں اور کبھی اپنی مثالی صورت میں نظر آتی ہے، عام لوگوں کے سمجھنے کے لیے اس کی بہترین مثال خواب کی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ خواب عالم خواب کی بات ہے اور کشف عالم بیداری کی، جس طرح عام لوگوں کو خواب میں جب ظاہری حواس بیکار ہو جاتے ہیں، ایسی چیزیں معلوم ہوتی ہیں جو کبھی کبھی عین واقعہ ثابت ہوتی ہیں، اس طرح خاص لوگوں پر بیداری ہی میں ظاہری حواس کے تعطل سے ایسا سماں پیش آتا ہے ہر شخص کے تجربہ میں ایسے متعدد حیرت انگیز واقعات گزرتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

(۴) الہام کے لفظی معنی دل میں ڈالنے کے ہیں اور اس سے مراد وہ علم ہے جو محنت تلاش تحقیق غور اور ترتیب مقدمات کے بغیر دل میں آ جاتا ہے اور ممکن ہے کہ اس کی صحت بعد کو حسی تجربوں اور عقلی دلیلوں سے بھی ثابت ہو جائے مگر خود وہ علم پہلے پہل ذہن میں کسی حسی تجربہ یا عقلی دلیل کے نتیجہ کے طور پر نہیں آتا بلکہ خود بخود دل میں آ جاتا ہے کیوں آتا ہے اور کہاں سے آتا ہے اس کے جوابات مختلف ہو سکتے ہیں مگر یہ واقعہ ہے کہ وہ آتا ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اس کی ابتدائی معمولی مثالیں وہ خیالات ہیں جو محققین علماء شعراء اور موجدین کے ذہن میں پردۂ عدم سے پہلے پہل آتے ہیں اور وہ ان کو دنیا کے سامنے اپنی ایجادات کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔

(۵) وحی کے لغوی معنی کسی کا اپنے دلی منشا کو لبوں کو جنبش دیئے بغیر اخفاء اور آہستگی کے ساتھ دوسرے پر ظاہر کر دینا ہیں اور اصطلاحاً اس کے معنی خدا کا اپنے دلی منشاء سے اپنے خاص بندوں کو کسی غیبی ذریعہ سے مطلع کرنا ہیں یہ علم اطلاع کے روحانی ذریعوں کی آخری سرحد ہے۔

جس طرح علم کی تین جسمانی قسمیں یعنی وجدانیات حسیات اور بدیہیات عام انسانوں کے ذریعہ یقینی ہیں اسی طرح روحانی ذرائع علم کے یہ تین ذریعے کشف الہام اور وحی انبیاء علیہم السلام کے لیے یقینی ہیں اور جس طرح علم کے مادی ذریعوں میں سے یقین کا سب سے پہلا ذریعہ وہ ہے جو تمام تر مادی ہے یعنی وجدان پھر حس ظاہر اور پھر بدیہیات اسی طرح علم روحانی واسطوں میں سب سے زیادہ یقینی وہ ہے جو تمام تر روحانی ہے یعنی وحی پھر الہام پھر کشف۔

ہم نے علم کے روحانی ذرائع کی جو تین قسمیں کی ہیں یعنی وحی الہام اور پھر کشف یہ قرآن پاک کی اصطلاحیں نہیں ہیں اس کی اصطلاح میں روحانی ذریعہ علم کا نام مکالمہ الٰہی (خدا سے بات کرنا) اور اس کی حسب ذیل تین قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) وحی (اشارہ) سے بات کرنا یعنی دل میں کسی معنی کا بغیر آواز اور الفاظ کے آ جانا یہ اگر حالت بیداری میں ہے تو کشف ہے اور اگر خواب میں ہے تو رویا ہے۔

(۲) خدا کا پردہ کے پیچھے سے بات کرنا یعنی متکلم نظر نہیں آتا مگر غیب سے آواز آتی ہے اور الفاظ سنائی دیتے ہیں اس کو الہام کہہ لو۔

(۳) فرشتہ کے ذریعہ سے بات کرنا یعنی فرشتہ خدا کا پیغام لے کر سامنے نظر آتا ہے اور اس کے منہ سے وہ الفاظ ادا ہوتے ہیں جن کو سن کر نبی محفوظ کر لیتا ہے اسی کو عام طور سے وحی کہتے ہیں کیونکہ قرآن پاک کا نزول اسی آخری طریقہ سے ہوا ہے لیکن اس شہرت عام کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ اور دوسرے دو طریقے وحی کی قسمیں نہیں ہیں وحی کی ان اقسام کا ذکر سورۂ شوریٰ میں ہے۔

﴿وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ

''اور کسی آدمی کی یہ تاب نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے لیکن وحی (اشارہ) سے یا پردہ کے پیچھے سے یا کسی قاصد کو بھیجے تو وہ خدا کے حکم سے خدا جو چاہے اس کو وہ وحی کر دیتا ہے بے شک

Marfat.com

حَکِیْمٌ﴾ (.........) اللہ بلند اور حکمت والا ہے۔''

مکالمہ الٰہی کے یہ تینوں طریقہ یعنی وحی (اشارہ) سے بات کرنا' پردہ کے پیچھے سے بات کرنا اور فرشتہ کے ذریعہ سے بات کرنا' وحی کی یہ تین مختلف قسمیں بھی ہیں اور پھر ان تینوں کا اجمالاً مشترک نام بھی وحی ہے یعنی یہ منقسم بھی ہے اور اپنی تین قسموں میں سے بھی ایک پر اس کا اطلاق ہوتا ہے' اسی آیت میں دیکھو کہ فرشتے کے ذریعہ سے کلام کو بھی وحی فرمایا گیا ہے اور تینوں مذکورہ بالا طریقوں میں جس طریقے سے بھی آنحضرت ﷺ کو غیبی تعلیم و اطلاع دی گئی ہے۔ اس کو بھی وحی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے یعنی وہ عام مکالمہ الٰہی کے مرادف بھی مستعمل ہوا ہے۔

﴿ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی﴾ ''نبی خواہش نفس سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہ وحی ہوتی ہے جو اس کو کی جاتی ہے۔'' (نجم : ۱)

الغرض اس امتیاز کے لیے علمی اصطلاحات میں ان تینوں طریقوں کے لیے کشف' الہام اور وحی کے تین علیحدہ علیحدہ الفاظ وضع کر دیئے گئے ہیں تا کہ بول چال میں ہر روحانی طریقہ گفتگو دوسرے سے ممتاز ہو جائے' بیداری میں اشارہ سے بات کرنا کشف ہے اور خواب کے عالم میں رویا ہے' پردہ کے پیچھے سے آواز کا آنا الہام ہے اور فرشتہ کی درمیانگی سے بات کرنا وحی ہے۔ (۱)

نکتہ: اوپر کی آیت میں جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ کی یہ تاب نہیں کہ خدا اس سے بات کرے لیکن ان طریقوں سے اس کے آخر میں فرمایا ہے کہ وہ سب سے بلند اور حکیم ہے یعنی اس کی بلندی و برتری کا اقتضا تو یہ ہے کہ وہ کسی کو اپنے مکالمہ کے شرف کا مستحق نہ سمجھے' مگر اس کی حکمت کا اقتضا یہ ہے کہ وہ اپنے بندگان خاص سے عام بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ان تین غیر معمولی طریقوں میں سے کسی طریقہ سے گفتگو فرمالے۔

بہر حال غیبی ذریعہ اطلاع کی یہ سب سے بلند قسم جس کو اصطلاح میں وحی کہتے ہیں' اس کا تجربہ عام لوگوں کو نہیں لیکن اس سے نیچے درجہ کے غیبی ذرائع اطلاع کا تجربہ ہر شخص کو تھوڑا بہت ہے اور ہر انسان کی زندگی میں جو بعض پر اسرار اور نا قابل فہم واقعات پیش آتے ہیں ان پر غور کرنے سے غیب کے اس اعلیٰ ترین ذریعہ علم کا دھندلا سا خاکہ ذہن میں آ سکتا ہے جس سے غیر جسمانی اور غیر حسی مادی ذرائع علم کے سمجھنے اور باور کرنے میں جو استبعاد معلوم ہوتا ہے وہ دور ہو سکتا ہے خصوصاً اس عہد میں جب سائیکالوجی کی تحقیقات سے نفس کی بہت سی نامعلوم طاقتوں کا پتہ چل رہا ہے اور اسپر یچولزم کے ذریعہ ارواح سے خطاب و کلام کی سلسلہ جنبانی ہو رہی ہے اور جدید روحانیات کا فن ایک مستقل سائنس کی صورت اختیار کر رہا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کو اپنے کشف' الہام اور وحی پر اتنا ہی یقین ہوتا ہے جس قدر عام انسانوں کو اپنے وجدانیات محسوسات فطریات اور بدیہیات پر انبیاء کا یہ روحانی علم ایسا ہی اندرونی ہوتا ہے جیسا عام انسانوں میں وجدانیات' فطریات اور بدیہیات و محسوسات کا علم ہوتا ہے جس طرح کسی شخص کو اس علم میں دھوکا نہیں ہو سکتا کہ اس کو بھوک یا

(۱) ان اصطلاحات کی بحث کے لیے اصول فقہ کی اہم کتابوں کی طرف توجہ کرنی چاہیے' کم از کم اس موقع پر تحریر ابن ہمام المتوفی ۸۶۱ھ کی شرح التقریر والتحریر ابن امیر الحاج المتوفی ۸۷۹ھ جلد سوم ص ۲۹۵ مطبوعہ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۷ھ دیکھنی چاہیے۔

Marfat.com

پیاس معلوم ہو رہی ہے یا اس کو غم یا خوشی ہے۔ اسی طرح نبی کو بھی اپنے روحانی وجدانیات میں دھوکہ نہیں ہوتا اور جس طرح تم کو اپنے فطریات میں یہ مغالطہ نہیں ہوتا کہ دو اور دو چار نہیں ہوتے۔ اسی طرح اس کو بھی پیغمبرانہ فطریات میں مغالطہ واقع نہیں ہوتا اور جس طرح تم کو اپنے محسوسات میں اگر کسی کو سامنے دیکھ رہے ہو یا کسی کی آواز سن رہے ہو شبہ نہیں ہوا کرتا۔ اس کو بھی اپنے روحانی محسوسات میں شبہ نہیں ہوا کرتا غرض وہ اپنے ان جملہ غیبی اور روحانی ذرائع علم میں ہر لغزش فریب خطا اور غلطی سے اسی طرح پاک ہوتا ہے جس طرح تم اپنے وجدانیات فطریات محسوسات اور بدیہیات میں غلطی اور خطا سے پاک ہوتے ہو۔

علم غیب:

اسلام کے عقیدہ میں غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں قرآن پاک میں بار بار آنحضرت ﷺ کو اس اعلان کی ہدایت ہوئی ہے۔

﴿فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰہِ﴾ (یونس : ۲) ''تو کہہ دے اے پیغمبر کہ غیب خدا کے لیے ہے۔''

﴿قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ (نمل : ۵) ''کہہ دے کہ آسمانوں میں اور زمین میں خدا کے سوا کوئی نہیں جس کو غیب کا علم ہو۔''

رسول کہتے ہیں۔

﴿وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ﴾ (انعام : ۵) ''اور میں غیب نہیں جانتا۔''

لیکن اسی کے ساتھ دو موقعوں پر یہ بھی کہا گیا ہے کہ بایں ہمہ خدا اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو غیب کی اطلاع دیتا ہے۔ سورہ جن میں ہے۔

﴿فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ (جن : ۲) ''تو اللہ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا لیکن اس پیغمبر پر جس کو پسند کرے۔''

دوسری جگہ سورۂ آل عمران میں ہے۔

﴿وَ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ﴾ (آل عمران : ۱۸) ''اور تھا اللہ کہ غیب کی باتوں پر تم کو مطلع کرتا لیکن یہ کہ اللہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہے چن لیتا ہے۔''

ان دو آیتوں سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ پیغمبروںؑ کو غیب کی باتوں کی اطلاع دیتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جن آیتوں میں غیب دانی کی کلیۃً اور قطعاً نفی کی گئی ہے اس سے مراد ذاتی اور حقیقی علم ہے یعنی خدا کے سوا بالذات کسی کو غیب کا علم نہیں البتہ خدا کے واسطہ اور ذریعہ سے اور اس کی تعلیم و اطلاع سے پیغمبروں کو اس کا علم حاصل ہوتا ہے ساتھ ہی آیت الکرسی میں فرما دیا گیا۔

﴿وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ﴾ (بقرہ : ۳۴) ''اور وہ خدا کے ذرہ علم کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے لیکن اتنے کا جتنے کا وہ چاہے۔''

Marfat.com

یعنی اپنے علوم غیب سے جتنا اور جس قدر وہ پسند کرتا ہے اور مصلحت سمجھتا ہے وہ ان کو بذریعہ وحی ان سے واقف کرتا رہتا ہے باایں ہمہ بعض باتوں کی نسبت جیسا کہ سورۂ ہود اور لقمان میں ہے اللہ تعالیٰ نے قطعی طور سے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ ان کا علم کسی کو نہیں۔ مثلاً قیامت بارش موت شکم مادر میں لڑکا ہے یا لڑکی؟ کل کیا ہوگا؟ ان باتوں کو خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اسی طرح بعض آیتوں میں آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ اس کا تم کو علم نہ تھا' جیسا کہ غزوۂ تبوک میں عدم شرکت کے بعض عذر خواہ لوگوں کے متعلق سورۂ توبہ میں ہے کہ انہوں نے جھوٹی قسمیں کھا کر اجازت حاصل کر لی خدا نے فرمایا۔

﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ (توبہ : ۷)

''خدا نے تجھ سے درگزر کیا' کیوں تو نے ان کو اجازت دی تا آنکہ تجھے معلوم ہو جائے جو سچ بولے اور جھوٹوں کو جان لیتا۔''

﴿لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ﴾ (توبہ)

''انہوں نے پہلے فتنہ پیدا کرنا چاہا اور تیرے سامنے واقعات الٹ دیئے یہاں تک کہ حق بات آ گئی اور خدا کی بات کھل گئی اور وہ ایسا نہیں چاہتے تھے۔''

آگے چل کر ہے۔

﴿مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ (توبہ : ۱۳)

''یہ نفاق پر اڑے ہیں' تو ان کو نہیں جانتا ہم جانتے ہیں۔''

ان آیتوں سے یہ واضح ہے کہ پیغمبروں کو غیب کا کلی علم نہیں ملتا' بلکہ ان کو غیب کی اطلاع دیئے جانے کے موقع کی دونوں آیتوں میں رسول ہی کا لفظ استعمال کرنا اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جن امور غیب کی اطلاع پیغمبروں کو دی جاتی ہے ان کا تعلق فریضہ رسالت اور اس کی مصلحتوں اور شریعتوں سے ہے۔

غیب کی حقیقت:

علم غیب کے اس نادیدہ راستہ میں اتنی منزل طے کر لینے کے بعد یہ سوال سامنے آتا ہے کہ قرآن پاک کی اصطلاح میں غیب کس کو کہتے ہیں؟ قرآن مجید کے اس لفظ کے استعمال کے تمام مواقع پر غور کرنے سے اس کی اجمالی اور تفصیلی دونوں معنی واضح ہوتے ہیں' اجمالاً اس کا اطلاق ان امور پر ہوتا ہے جن کا علم انسان اپنے علم کے عام اور طبعی و فطری ذریعوں سے حاصل نہیں کر سکتا۔ گزر چکا ہے کہ انسانی علم کے طبعی ذریعے' وجدان' حواس اور عقل و استدلال وغیرہ ہیں' ان طبعی ذریعوں سے جو ہر انسان کو ملے ہیں' جو علم حاصل نہیں ہوتا' اس کو علم غیب کہتے ہیں یعنی اس شے یا ان اشیاء کا علم جو انسان کے ظاہری و باطنی حواس اور دماغی قوی کی نگاہوں کے سامنے سے غائب ہیں اور اس کا مقابل لفظ ''شہادت'' ہے۔ جس کے معنی حاضر ہونے کے ہیں یعنی وہ اشیاء جو ہر انسان کے حواس اور قوائے دماغی کے سامنے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کو بار بار ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ﴾ کہا ہے (انعام' رعد' حشر' تغابن) یعنی انسانوں کے طبعی ذرائع علم کے سامنے جو حاضر ہیں' اور غائب ہے ان سب کا عالم اور واقف کل وہی ہے' الغرض اجمالاً

Marfat.com

علم غیب اسی غیبی طریقہ علم کا نام ہے جو عام انسانوں کو نہیں ملا ہے۔

تفصیلی حیثیت سے قرآن پاک میں غیب کا اطلاق چار چیزوں پر ہوا ہے۔

(۱) زمانہ ماضی کے واقعات جن کا علم بعد کو نہ تو حواس کے ذریعہ ہو سکتا ہے کہ حواس سے صرف شاہد (سامنے موجود) کا علم ہوتا ہے اور نہ عقل وفکر کے ذریعہ ہو سکتا ہے اگر ہو سکتا ہے تو تحریر و روایت کے ذریعہ لیکن جس کے لیے تحریر و روایت کا ذریعہ یقینی طور سے مسدود ہو اس کے لیے ان کا علم اگر ہو سکتا ہے تو غیبی ہی ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔

حضرت نوحؑ کے مختصر قصہ کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿تِلْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْکَ مَا کُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا﴾ (هود : ۴)

''یہ غیب کی بعض خبریں ہیں ہم ان کو وحی کرتے ہیں' تیری طرف تو تو ان کو پہلے سے جانتا ہی نہ تھا اور نہ تیری قوم جانتی تھی۔''

حضرت مریمؑ کے قصہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَکْفُلُ مَرْیَمَ وَ مَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ﴾ (آل عمران : ۵)

''یہ غیب کی خبروں میں سے ہے اس کو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں اور نہ تو ان کے پاس موجود تھا جب وہ اپنے قلم (قرعہ کے طور پر) ڈال رہے تھے کہ کون مریم کو پالے اور نہ تو ان کے پاس اس وقت تھا جب وہ جھگڑ رہے تھے۔''

دیکھو کہ محسوس واقعات کے علم کا طبعی طریقہ اس وقت موجود رہ کر دیکھنا اور سننا تھا' اس کی آنحضرت ﷺ سے نفی کی گئی کہ آپ وہاں یقیناً اس وقت موجود نہ تھے' اب رہ گیا کسی دوسرے انسانی ذریعہ سے سننا' اس کی بھی نفی پہلے ہی سے ہے کہ تیری قوم میں سے بھی کسی کو معلوم نہ تھا' اور نہ دوسروں سے معلوم کیا' اب اس کا علم جس غیر طبعی طریقہ سے رسول کو دیا گیا' وہ وحی کا ذریعہ ہے۔

اسی طرح حضرت یوسفؑ کے پورے واقعہ کے ذکر کے بعد فرمایا۔

﴿ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ وَ مَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ یَمْکُرُوْنَ﴾ (یوسف : ۱۱)

''یہ غیب کی خبروں میں سے ہے ہم اس کو تیری طرف وحی کرتے ہیں اور تو اس وقت ان کے پاس نہ تھا جب وہ اپنا کام طے کرنے لگے اور چال چل رہے تھے۔''

اس میں بھی علم شاہد کی نفی کر کے علم غائب کو ثابت کیا گیا ہے' بہر حال ان تینوں آیتوں سے واضح ہے کہ ماضی کے واقعات کے غیر طبعی طریقہ علم کو بھی علم غیب کہا گیا ہے۔

(۲) اسی طرح آئندہ مستقبل میں جو واقعات ہونے والے ہیں ان کو بھی غیب کہا گیا ہے ان کا علم دلائل و قیاس کے طبعی ذرائع کے علاوہ غیر طبعی ذریعہ سے ہوا ہو' تو اس کو بھی علم غیب کہیں گے' قرآن پاک میں ایک موقعہ پر ان کفار کے جواب میں جو نشانیوں کے طالب تھے یہ کہا گیا۔

﴿فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَکُمْ

''تو کہہ دے کہ غیب کا علم خدا ہی کے لیے ہے' انتظار کرو

Marfat.com

﴿مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ﴾ (یونس : ۲) میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔"

مستقبل کے منتظرہ واقعات کو اس آیت میں "غیب" کہا گیا ہے' اسی طرح قیامت کو بار بار غیب کہہ کر غیر خدا سے اس کے علم کی نفی کی گئی ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ (لقمان : ۴) "خدا ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔"

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ﴾ (اعراف : ۲۳) "وہ قیامت کو پوچھتے ہیں' کہہ دے کہ اس کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے۔"

اسی طرح مستقبل کے دوسرے واقعات کے علم کی بھی انسانوں سے نفی کی گئی ہے۔

﴿وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَّ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ﴾ (لقمان : ۴) "کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا اور نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا۔"

(۳) ان چیزوں پر بھی غیب کا اطلاق کیا گیا ہے جو گو ماضی اور مستقبل نہیں بلکہ زمانہ حال میں موجود ہیں' تاہم انسان کے حواس خمسہ اور عقل کی محدود طاقت سے ان کا علم نہیں ہوسکتا' ہم کو دیکھنے اور سننے کی طاقت دی گئی ہے مگر اس کے لیے کسی نہ کسی مسافت عدم حجاب اور دیگر چند شرائط کی قید لگادی گئی ہے' جن کے بغیر ہماری یہ طاقت بالکل بیکار ہے' ہم دلی میں بیٹھ کر' بمبئی کے پیش نظر مناظر کو نہیں دیکھ سکتے' اور نہ بغیر آلات کے ہم یہاں سے وہاں کی آواز آج بھی سن سکتے ہیں اس لیے زمانہ حال کے علم کے لیے بھی جو طبعی شرائط اور قیود ہیں' ان کے بغیر جو علم حاصل ہوگا' وہ غیب ہوگا۔

حاملہ عورت سامنے موجود ہے مگر اس کے بطن کے پے در پے حجابات کے اندر رحم کو آنکھیں چاک نہیں کرسکتیں' کیا ہے کس کو معلوم۔

﴿وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ﴾ (لقمان : ۴) "اور اللہ جانتا ہے رحموں کے اندر جو ہے۔"

آسمان و زمین میں اس وقت جو کچھ ہے وہ سب زمانہ حال میں سب کے سامنے موجود ہے تاہم اس کا علم ہمارے حواس اور عقل کی محدود دسترس سے اس وقت تک باہر ہے' جب تک ہمارے دیکھنے' سننے اور جاننے کے لیے خدا نے جو طبعی شرائط بتادیے ہیں' وہ پورے نہ ہوں۔

﴿وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (ہود : ۱۰) "اور خدا ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کا غیب۔"

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (حجرات) "بے شک خدا جانتا ہے آسمانوں اور زمین کا غیب۔"

(۴) عالم غیب کی آخری چیز وہ امور ہیں' جو غیر مادی ہونے کی وجہ سے ہمارے حواس اور عقل کے تنگ دائرہ عمل سے قطعاً باہر ہیں' ہم فرشتوں کو نہیں دیکھتے' خدا کی رویت کی صلاحیت نہیں رکھتے' جنت اور دوزخ ہم کو یہاں نظر نہیں آسکتی یہ تمام امور بھی غیب ہیں۔

﴿اَلَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ﴾ (انبیاء : ۴) "تو جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں' غیب میں۔"

Marfat.com

﴿اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ﴾ (بقرہ : ۱) ''وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں غیب میں۔''

﴿الَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَیْبِ﴾ (مریم : ۴) ''وہ جنت جس کا وعدہ اس مہربان نے اپنے بندوں سے کیا ہے' غیب میں۔''

غیب ''میں'' کے معنی ہیں بے جانے' بن دیکھے' حواس سے علم حاصل کیے بغیر اور باوجود اس کے کہ وہ چیزیں اس عالم میں دیکھی نہیں جاسکتی ہیں۔

پیغمبر کو اللہ تعالیٰ غیب کی جن باتوں سے آگاہ کرتا ہے وہ ان چاروں قسم کے امور غیب ہوتے ہیں بعض گزشتہ قوموں اور پیغمبروں کے عبرت انگیز اور نصیحت آمیز حالات سے بھی روایت اور تحریر کے ذریعہ کے بغیر وحی کے واسطہ سے ان کو مطلع کرتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کے حوالوں سے اوپر گزر چکا' آئندہ مستقبل میں دنیا کے فتنوں' امت محمدیہ کے انقلابات' قیامت کے مناظر اور اس کے بعد کے پیش آنے والے واقعات کا علم آپ کو دیا گیا' جیسا کہ ان دنیاوی پیشین گوئیوں اور قیامت ومحشر کے ان مناظر سے ظاہر ہے جو قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں بتصریح مذکور ہیں' اسی طرح حال کے ان احوال ومناظر کا علم بھی ثابت ہے جو باوجود سامنے موجود ہونے کے احساس وتعقل کے طبعی شرائط نہ پائے جانے کے سبب سے عام انسانوں کو نظر نہیں آتے' قبروں کا انکشاف' پس پردہ روایت' دوسروں کے موجودہ احوال سے واقفیت وغیرہ' اس علم غیب میں سے بھی پیغمبروں کو عطا ہوتا ہے اور سب سے آخر میں وہ مغیبات ہیں جن کا احساس وتصور ہمارے مادی ذرائع علم سے قطعاً خارج ہے' تاہم وہ بھی اس کو دکھائے اور بتائے جاتے ہیں' خود خدا کا دیدار' فرشتوں کی رویت' جنت ودوزخ کا مشاہدہ وغیرہ' ان تمام امور غیب میں سے اللہ تعالیٰ جس رسول کے لیے جس قدر مناسب اور سزاوار سمجھتا ہے' اس کا علم وحی کے مختلف اقسام کے ذریعہ سے اس کو عطا فرماتا ہے۔

وحی اور ملکہ نبوت:

حکمائے اسلام نے وحی کی حقیقت ''ملکہ نبوت'' کے لفظ سے ظاہر کی ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ ترتیب کائنات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں علم اور تعقل نے پستی سے بلندی کی طرف رفتہ رفتہ ترقی کی ہے۔ جمادات بے حس ہیں ان کے اوپر نباتات ہیں جن میں صرف محدود احساس ہوتا ہے اور دماغی قویٰ حافظہ' تذکر اور غور وفکر کی قوت سے وہ محروم ہیں' ان سے اونچے حیوانات ہیں' جن میں یہ تمام قویٰ ناقص طریقے سے نمودار ہوتے ہیں اور آخر میں ان سے بالاتر ہستی یعنی انسان میں جا کر یہ قویٰ پورے کمال میں ظاہر ہوتے ہیں' ان قویٰ کی ترقی یہیں تک محدود نہیں ہے بلکہ جس طرح نباتات میں قوت احساس ہے' جس سے جمادات محروم ہیں اور حیوانات میں حافظہ' تصور' تعقل وغیرہ کی وہ قوتیں ہیں جو نباتات میں نہیں' انسان میں وہ دماغی وذہنی قویٰ ہیں' جو حیوانات میں نہیں' اسی طرح انبیاء میں علم وتعقل کی ایک ایسی قوت موجود ہوتی ہے جو عام انسانوں میں نہیں ہوتی اور اسی کا نام ملکہ نبوت ہے۔

حواس صرف مادیات کو دریافت کرتے ہیں۔ دماغی قویٰ مادیات سے بلند ذہنیات اور عقلیات کو اور ملکہ نبوت اس سے بھی اونچا جاتا ہے' وہ ذہنیات وعقلیات سے بلندتر حقائق یعنی غیبیات کو دریافت کرتا ہے' اس ذریعہ علم میں غور وبحث اور منطقیانہ فکر ونظر اور ترتیب مقدمات کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ حقائق اس طرح سامنے آتے ہیں جس

Marfat.com

طرح وجدانیات' فطریات' بدیہیات اور محسوسات سامنے آتے ہیں اور اُن ہی کی طرح وہ یقینی بھی ہوتے ہیں اور چونکہ اس ذریعہ میں علم انسانی کے عام ذریعے اور طریقے یعنی وجدان' فطرت نوعی' بداہت اولیہ' احساس اور غور وفکر سے معلومات حاصل نہیں کیے جاتے بلکہ خود علام الغیوب وہ علم ان انسانی وسائط کے بغیر ان کو عطا کرتا ہے' شرع کی زبان میں اسی کو وحی والہام کہتے ہیں' علم کلام کی اصطلاح میں ملکہ نبوت اور عام محاورہ میں اس کو غیبی علم کہہ لیجیے۔

لیکن اہل نقل کی اصطلاح میں وحی کی یہ صورت نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو وقتاً فوقتاً احکام اور ارادوں سے براہ راست فرشتوں کے ذریعہ سے مطلع کرتا رہتا ہے۔ یہی وحی ہے۔

امعان نظر سے معلوم ہوگا کہ اہل عقل ونقل کے اختلاف کا منشا یہ ہے کہ آیا یہ وحی خود پیغمبر کے مافوق اور غیر معمولی وہبی علم وفہم کا نتیجہ ہوتی ہے یا خود براہ راست وقتاً فوقتاً تعلیم ربانی کا دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ جس طرح عام انسانوں میں علم وفہم کی قوت آغاز پیدائش ہی میں فطرۃً ودیعت کردی جاتی ہے۔ اسی طرح انبیاء میں منشائے الٰہی جاننے کی قوت بھی شروع ہی میں ودیعت کردی جاتی ہے یا یہ کہ وہ فطرۃً تو ویسے ہی عام انسانی طریقہ کا طبعی علم وفہم رکھتے ہیں' مگر اللہ تعالیٰ نبوت کے بعد اپنے منشائے الٰہی سے ان کو کسی غیبی ذریعہ سے وقتاً فوقتاً آگاہ کرتا رہتا ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ حقیقت' عقل کی نقل سے اور نقل کی عقل سے علیحدگی میں نہیں بلکہ اتحاد میں ہے وہ لوگ جو عقل ونقل دونوں کے جامع ہیں' وہ ان دونوں کو مجتمع کرتے ہیں۔

یار ما ایں وارد و آں نیز ہم

انبیاء علیہم السلام میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بدءِ فطرت اور آغاز پیدائش سے ان امور کے متعلق جن کا ان کی رسالت ونبوت سے تعلق ہے اور جن کو دین کہتے ہیں وہ کلی استعداد اور عمومی فہم ہوتی ہے' جس سے غیر انبیاء محروم ہیں اور اس پوشیدہ قوت کا عملی ظہور اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب وہ نبوت کے منصب پر عملاً سرفراز ہوتے ہیں' اسی کا نام ''ملکہ نبوت'' ہے اور اہم امور دین کے متعلق ان کو وقتاً فوقتاً جو غیبی اطلاع ملتی رہتی ہے' اس کا نام ''وحی'' ہے۔

آج کل قرآن فہمی اور عقل کے مدعیوں اور نقل کے لفظی پابندوں میں جو اختلاف ہے وہ دراصل انہی دو قوتوں کے درمیان تمیز نہ کرنے کا نتیجہ ہے' نقل کے لفظی پابند یہ سمجھتے ہیں کہ ہر لفظ جو نبی کے منہ سے نکلتا ہے وہ اس معنی میں وحی ہے جس معنی میں قرآن ہے کہ وہ براہ راست خدا کی غیب کی اطلاع ہے اور عقل کے مدعی یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن بے شک خدا کی براہ راست وحی ہے۔ مگر اس کے ماسوا رسول جو کچھ کہتا ہے وہ اس کے پیغمبرانہ نہیں بلکہ انسانی وبشری علم و فہم کا نتیجہ ہے لیکن حقیقت ان دونوں کے ماوراء ہے جیسے وحی قرآنی' وحی براہ راست ہے اسی طرح نبی کے دوسرے احکام اس کے عام انسانی وبشری علم وفہم کا نہیں بلکہ اس کی پیغمبرانہ وہبی قوت علم وفہم کا نتیجہ ہیں' جو وحی کی ایک دوسری قسم اس لیے کہی جاسکتی ہے کہ اس کا منشاء ملکہ نبوت کے ذریعہ وحی ربانی کی ترجمانی ہے اس لیے پیغمبر کی وحی اور ملکہ نبوت دونوں کے احکام واجب الاتباع ہیں۔

کتاب اور سنت:

اس تقریر کا منشا یہ ہے کہ پیغمبر کو جو علم حاصل ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں' ایک وحی حقیقی یعنی وہ علم جس کو اللہ

Marfat.com

تعالیٰ وقتاً فوقتاً اپنے خاص الفاظ میں پیغمبر پر نازل کرتا رہتا ہے اور جس کے مجموعہ کو کتاب الٰہی‘ صحیفہ ربانی‘ توراۃ‘ انجیل‘ زبور اور قرآن کا نام دیا گیا ہے‘ دوسرا وہ علم جو پیغمبر کے ملکہ نبوت یا نور نبوت یا فہم نبوت کا نتیجہ ہوتا ہے پہلا علم اصلی اور دوسرا ضمنی ہے یا یوں کہو کہ پہلا اصولی اور دوسرا فروعی ہے یعنی علم اول پیغمبر پر شریعت کے غیر متبدل اور ازلی احکام کلیہ اور مہمات کو واضح کرتا ہے اور دوسرا علم پہلے علم کے غیر متبدل کلی اصول کے ماتحت اس کے مقصود کی صحیح تشریح اور اس کے جزئیات کی ضروری تفصیل کرتا ہے اور غیر اہم متبدل امور کے متعلق ہنگامی اوقات میں مصلحتی احکام بتاتا ہے اور اسی دوسری قسم کا علم ہے جو روایات اور احادیث کی صورت میں ہے اور جس کو اہل اصول اصطلاحاً سنت کہتے ہیں‘ کتاب اصولی احکام ہیں اور سنت ان اصولی احکام کی عملی تشریح اور بیان ہے‘ کتاب براہ راست وحی الٰہی کا نتیجہ ہے اور سنت ملکہ نبوت اور فہم نبوی کا‘ کتاب بلفظہ وحی ہے اور سنت بالمعنی۔

وحی متلو اور وحی غیر متلو:

بعض علمائے اصول نے کتاب اور سنت دونوں کو وحی مانا ہے اور ان دونوں کے درمیان تفریق یہ کی ہے کہ کتاب اس وحی کا نام ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور سنت اس وحی کو کہتے ہیں جس کی تلاوت نہیں کی جاتی‘ اس تشریح کا مقصود حقیقۃً تلاوت و عدم تلاوت کا فرق نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ کتاب میں معنی کے ساتھ الفاظ بھی وحی کیے گئے ہیں اور وہ الفاظ بھی محفوظ ہیں ان کا حرف حرف اور نقطہ نقطہ ﴿و انا له لحافظون﴾ کی پیشین گوئی میں داخل ہے اور اس لیے اس میں الفاظ کی کمی بیشی اور حذف و اضافہ محال ہے اور سنت میں الفاظ کی نہیں بلکہ صرف معانی کی حفاظت ہے اسی لیے کتاب کی وحی مدون‘ مکتوب اور محفوظ کی گئی ہے اور نماز میں اس کی قراءت کا حکم ہے اور یوں بھی عام طور سے اس کی تلاوت مسنون ہے اور سنت کی وحی بالفاظہا مقصود نہیں‘ اس لیے اس کی لفظی حفاظت کو اتنی اہمیت نہیں دی گئی اور نہ نماز میں اس کے الفاظ قراءت کیے جاسکتے ہیں‘ اور نہ ان کی تلاوت کی جاتی ہے اور نہ ان کو کتاب الٰہی کہا جاسکتا ہے مگر معنی اصولی حیثیت سے ان کی حفاظت خود قرآن نے اپنے اندر کرلی ہے اور جزئیات کی حیثیت سے گو الفاظ میں نہیں مگر عمل میں خود رسول اور اس کے پیرووں اور پھر ان کے پیرووں کے مسلسل تعامل سے‘ یہاں تک کہ آج بھی تمام مسلمانوں کے عمل درآمد سے عملی تواتر کی صورت میں محفوظ ہے اور بعد کے اماموں نے اچھی طرح تحقیق کر کے الفاظ اور کتب حدیث کے اوراق میں بھی ان کو محفوظ کردیا ہے۔

سنت کو وحی کہنا اس لحاظ سے ہے کہ اس کے جزئیات اصولاً وحی حقیقی یعنی کتاب کے اندر داخل ہیں اور اس کی کلیت میں سنت کے تمام احکام مندرج ہیں۔ بنابریں چونکہ سنت وحی کے کلی منشا کے اندر داخل ہے‘ وہ بھی ضمنی حیثیت سے وحی کہی جاسکتی ہے لیکن چونکہ اس میں الفاظ کی تعیین خدا کی طرف سے نہیں‘ اس لیے وہ غیر متلو ہے۔

اس فرق کا راز یہ ہے کہ کتاب کی اصلی حیثیت کلی قانون کی ہے۔ قانون کے اصل منشا کی حفاظت اور وضاحت کے لیے نہ صرف اس کے ایک ایک لفظ کے محفوظ رہنے کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ اس کے ایک ایک نقطہ‘ شوشہ‘ وقف‘ وصل‘ فصل‘ عطف‘ قطع‘ تقدم‘ تاخر یعنی آج کل کی اصطلاح میں ایک ایک ڈیش اور کامے کی بعینہٖ حفاظت کی ضرورت ہے ورنہ ذرا سے تغیر میں قانون کا مطلب کچھ کا کچھ ہوجاسکتا ہے‘ اور سنت کی یہ کلی قانونی حیثیت نہیں ہے بلکہ وہ اس کلی

Marfat.com

قانون کی تشریحات، تفصیلات اور جزئیات ہیں، جو درحقیقت اس کلی قانون کے اندر مندرج تھے مگر چونکہ عام لوگوں کی فہم میں نہیں آتے تھے یا عام لوگ ان کو نہیں سمجھتے تھے، اس لیے صحابہ کے دریافت پر یا خود حضور ﷺ نے اس کی ضرورت محسوس فرما کر اس کو کھول کر بیان فرما دیا کہ پھر اشتباہ نہ رہ جائے۔

اسی مقام پر ایک اور نکتہ بھی ہے کہ کتاب الٰہی میں جو حکم جن الفاظ میں ادا ہوا ہے وہ اگر بعض کم فہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کی تشریح چاہی اور انہیں نہیں معلوم ہوا کہ اس خاص جزئی واقعہ کا کیا حکم ہے، اور قرآن پاک کی کس اصل سے ماخوذ مستنبط ہوگا اور اس لیے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا۔ تو اس کے جواب میں اگر آنحضرت ﷺ قرآن پاک کے بعینہ ان ہی الفاظ کو بے کم وبیش دہرا دیتے تو یہ بیکار ہوتا کہ انہی الفاظ کے نہ سمجھ سکنے کے سبب سے تو سوال کی نوبت آئی اس لیے ضرور تھا کہ آنحضرت ﷺ الفاظ کو بدل کر اور طریقہ تعبیر کو تغیر دے کر ان الفاظ کی تشریح فرمائیں اور یہی احادیث ہیں۔

درحقیقت احادیث میں قانون الٰہی اور کتاب ربانی ہی کے مفہوم ومنشا کو رسول اللہ ﷺ نے سمجھنے والوں کی سہولت، گمراہوں کی تکمیل ہدایت اور اصل منشائے الٰہی کی پوری توضیح اور کہیں پوری تاکید کی خاطر مختلف لفظوں، مختلف عبارتوں اور مختلف تعبیروں سے ادا فرمایا ہے۔ اس لیے اصل مفہوم ومنشاء کے لحاظ سے احادیث کے معانی ضمناً وحی ہیں لیکن الفاظ عبارت اور تعبیر کی حیثیت سے یعنی لفظاً وحی نہیں ہیں بلکہ فہم نبوی، اجتہاد نبوی اور ملکہ نبوت کے غیر خطا پذیر نتائج ہیں، اسی لیے ان کو اصطلاح میں ''وحی غیر متلو'' کہتے ہیں۔

ہم اس فرق کی ایک مثال دے کر اپنے مطلب کو زیادہ واضح کر دینا چاہتے ہیں، قرآن پاک میں والدین کی خدمت اور اطاعت کا حکم ہے اور ساتھ ہی یہ بھی اشارہ ہے کہ والدین کی رضامندی گناہوں کی مغفرت کا سبب ہے،[1] یہ وحی الٰہی کا حقیقی منشاء ہے آنحضرت ﷺ نے اس منشاء الٰہی کو ان الفاظ اور مختلف تعبیروں سے ادا فرمایا ''ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے'' کبھی ارشاد ہوا ''رب کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے۔'' ایک صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ فرمایا ''تیری ماں، تیری ماں، تیری ماں۔'' ایک دفعہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے، صحابہؓ حضوری کے شرف سے ممتاز تھے کہ زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے۔ ''وہ ذلیل ہو، وہ ذلیل ہو'' حاضرین نے عرض کی یا رسول اللہ! کون؟ ارشاد ہوا وہ جس نے اپنی ماں یا باپ کی ضعیفی پائی اور پھر ان کی خدمت گزاری کر کے جنت نہ حاصل کر لی۔ ایک اور مجلس میں صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ نیکی کے کاموں میں خدا کو سب سے زیادہ کون کام پسند ہے۔ فرمایا۔ وقت پر نماز ادا کرنا۔ دریافت کیا اس کے بعد، فرمایا۔ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔

---

(۱) مجھے بھی شبہ تھا کہ میں اس رائے میں منفرد ہوں۔ مگر بحمد اللہ کہ تلاش وتفحص سے ثابت ہوا کہ دیگر متعدد علمائے اصول کا یہی مسلک ہے چنانچہ یہ خیال اجمالاً سب سے پہلے امام شافعی کی کتاب الرسالۃ (ص ۲۔۲۹، ۶۲) مطبعہ علمیہ مصر ۱۳۱۲ھ میں موجود ہے اور سب سے زیادہ مفصل امام شاطبی اندلسی المتوفی ۷۹۰ھ کی اہم تصنیف الموافقات فی اصول الاحکام جلد اول ص ۵ / ۲۲۱ مطبعہ سلفیہ ۱۳۲۸ھ میں موجود ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ میں بھی اس کا ایک باب ہے۔

Marfat.com

ان تمام احادیث پر معمولی سی غور وفکر کی نظر بھی یہ راز ظاہر کر دے گی کہ یہ کل حدیثیں ذیل کی آیتوں کی تشریح و بیان ہیں۔

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ (بقرہ : ۹ نساء : ۶) ''ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔''

﴿وَ لَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ﴾ (اسرائیل : ۳) ''وہ بوڑھے ہو جائیں تو ان کو اف نہ کہو۔''

﴿وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ﴾ ''یہ (ماں باپ کے خدمت گزار) وہ ہیں جن کی بدیوں سے ہم درگزر کرتے ہیں۔''

یہی حال دوسرے قرآنی احکام کے بیان و تشریحات کا ہے۔

احادیث' قرآن کا بیان ہیں:

قرآن پاک اور احادیث دونوں پر جن کی عمیق و وسیع نظر ہے ان کو یہ برملا معلوم ہوتا ہے کہ احادیث صحیحہ کے تمام فرعی اور ثانوی احکام قرآن پاک کے عمومی اور کلی احکام کے تحت میں مندرج ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے الفاظ میں صرف ان کی تشریح فرمائی ہے۔ اس قسم کی حدیثوں کی عموماً تین شکلیں ہیں۔ ایک وہ جن میں آنحضرت ﷺ نے اپنے الفاظ میں حکم بیان فرمانے کے بعد خود قرآن پاک کی کوئی آیت اس کے ساتھ پڑھ دی۔ اس قسم کی حدیثوں کے بیان ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے' دوسری شکل یہ ہے کہ آپ نے آیت نہیں پڑھی' مگر خود اس حکم میں ایک دو لفظ ایسے فرما دیئے جو کسی آیت کا جزو ہیں جس سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ یہ حکم فلاں آیت کی تشریح ہے' اس صورت میں بھی اصل و فرع کی تمیز اہل علم کے لیے آسان ہے' تیسری شکل یہ ہے کہ آپ نے کسی آیت یا اشارہ کے بغیر صرف حکم بیان فرما دیا' اس قسم کی حدیثوں کے ماخذ کی تلاش دقت نظر کا کام ہے' ان کا پتہ زبان نبوت اور فہم رسالت کے طرز اسلوب کے سمجھنے والے راسخین فی العلم ہی پا سکتے ہیں۔

الہام واجتہاد وحکمت:

امام شافعی نے کتاب الرسالۃ میں احادیث وسنن کی تین قسمیں بیان کی ہیں' ایک وہ جو بعینہ قرآن پاک میں مذکور ہیں' دوسری وہ جو قرآن پاک کے مجمل حکم کی تشریح ہیں' تیسری وہ جن کا ذکر (بظاہر) قرآن پاک میں تفصیلاً ہے نہ اجمالاً' یہی تیسری قسم قابل بحث ہے' امام صاحب نے اس کے متعلق ائمہ سلف کے چار نظریئے نقل کیے ہیں۔ (۱)

(۱) اللہ تعالیٰ نے رسول کی کلی اطاعت فرض کی ہے اور اس کے علم میں پہلے ہی سے یہ ہے کہ رسول جو کچھ کہے اور کرے گا۔ اس میں رضائے الٰہی کی توفیق اس کے ساتھ شامل ہوگی' حاصل یہ ہے کہ پہلے ہی سے رسول کو یہ توفیق ربانی عنایت کی گئی کہ وہ رضائے الٰہی کو دریافت کرے۔

(۲) رسول نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا ہے جس کی اصل کتاب اللہ میں نہ ہو (مقصود یہ ہوا کہ اس کے احکام بھی دراصل کتاب اللہ ہی سے ماخوذ ہیں' گو بظاہر کم بینوں کو ایسا نظر نہ آئے)

---

(۱) کتاب الرسالۃ امام شافعی ص ۸۔

Marfat.com

(۳) تمام احادیث نبوی القاء فی الروع ہیں (یعنی رسول کے دل میں خدا نے ڈال دیئے ہیں' اور یہ اس حکمت کا نتیجہ ہیں جو آپ کے دل میں ڈالی گئی۔

(۴) اس قسم کے تمام امور جو احادیث میں ہیں۔ کتاب الٰہی سے جداگانہ' مستقل پیغام ربانی کے ذریعہ رسول کو معلوم ہوئے ہیں۔

چوتھے نظریہ کو چھوڑ کر بقیہ تین رائیں میرے خیال میں تقریباً ایک ہی ہیں' پہلے نظریہ کا منشا یہ ہے کہ صریح وحی کے علاوہ جو وقتاً فوقتاً نبی پر آتی رہتی ہے اس کو ابتدا ہی سے ایک توفیق ازلی بھی عنایت ہوتی ہے جس سے وہ پیش آمدہ امور میں رضائے الٰہی کو دریافت کر کے فیصلہ کرتا ہے' تیسرے نظریہ میں اسی توفیق علم کو الہام' القاء فی الروع اور دل میں ڈال دیئے سے تعبیر کیا گیا ہے اور دوسرے نظریہ کا منشاء یہ ہے کہ رسول کے جو احکام بظاہر کتاب اللہ میں نہ ہوں' ان کی اصل بھی درحقیقت کتاب اللہ میں ہے اور رسول اسی اصل سے اپنے احکام مستنبط کرتا ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ استنباط' عام انسانی و بشری فہم سے نہیں ہوتا' ورنہ اس کا غلطی سے پاک ہونا مشتبہ رہے گا' بلکہ وہ ''پیغمبرانہ قوت فہم'' کا نتیجہ ہوگا اور جب ایسا ہے تو اس ''پیغمبرانہ قوت فہم'' کی تعبیر خواہ الہام سے کرو' القاء سے کرو یا اس کو حکمت نبوی کا نتیجہ کہو یا توفیق الٰہی کہو' بات ایک ہی ہوئی۔

میرے نزدیک صحیح مسلک یہ ہے کہ رسول کے تمام صحیح ربانی احکام بھی عموماً اس کے صحیفہ ربانی سے ماخوذ و مستنبط ہیں اور ان کے جزئیات کتاب الٰہی کے کلیات کے تحت میں مندرج ہیں اور رسول کا یہ اخذ' استنباط' اور فہم اس کی پیغمبرانہ قوت علم کا نتیجہ ہیں جس کو حکماء ملکہ نبوت اور اہل شرح حکمت' الہام اور شرح صدر وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں اور جو خطا اور غلطی سے یکسر پاک ہے۔

اجتہاد نبوت:

اس موقع پر علمائے اصول کی ایک اور اصطلاح ''اجتہاد نبوی'' کی تشریح ضروری ہے' علمائے اصول لکھتے ہیں۔ کہ جب کوئی نیا واقعہ آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش آتا اور وحی نازل نہ ہوتی تو آنحضرت ﷺ اجتہاد فرماتے یعنی گزشتہ وحی شدہ احکام کے تطابق سے آپ حکم دے دیتے تھے (یہ فقہاء کا طریقہ تعبیر ہے ورنہ یوں کہنا چاہیے کہ رسول اپنی اس حکمت ربانی کے فیض سے مدد لے کر جو خدا نے ان کے سینہ میں ودیعت رکھی تھی' گزشتہ وحی کے کلیات کی روشنی میں اس کا فیصلہ فرماتے تھے) بہر حال خواہ فقہاء کے طریق پر اجتہاد نبوی کو نصوص قرآنی سے مستنبط سمجھئے یا شاہ ولی اللہ صاحب کے نظریہ کے مطابق رسول کے علم سینہ اور وحی شدہ اصول کلی کے جزئیات تسلیم کیجئے' ہر حال میں وہ نتیجہ امت کے لیے واجب العمل اور خطا سے پاک ہے کیونکہ یہ مقدمہ اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ انبیاء گناہوں سے معصوم' ضلالت و گمراہی سے پاک اور ہوائے نفسانی سے مبرا ہوتے ہیں' اس لیے امور رسالت اور امور دین میں ان کی کوئی رائے غلط نہیں ہو سکتی کہ ان کی غلطی سے پوری امت کا غلطی پر قائم ہو جانا مسلم ہے' حالانکہ ان کی بعثت کی غرض ہدایت ہے' ضلالت نہیں' ان وجوہ سے ان کا اجتہاد اگر کبھی کسی ایسے نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے جو مصلحت الٰہی کے مطابق نہیں ہوتا تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ اس پر تنبیہ فرما کر ان کو اپنی مرضی سے مطلع فرما دیتا ہے۔

Marfat.com

(اس کی مثالیں آئندہ آئیں گی) الغرض بعض امور میں خیر کے کسی خاص پہلو کو پیش نظر رکھ کر اس سے بہتر پہلو سے تغافل ہونے یا غیب اور مستقبل سے عدم واقفیت کے سبب سے نبی کا اجتہادی خطا کرنا ممکن ہے' مگر اس خطا پر نبی کا قائم رکھا جانا ناممکن ہے' ایسی صورت میں نبی کا ہر ایسا اجتہادی حکم جس پر وحی الٰہی نے فوراً کوئی تنبیہ نہیں کی' یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ حکم حکم الٰہی کے منشاء کے مطابق اور خطاء و غلطی سے مبرا ہے اور اس کے دوسرے معنی وحی خفی یا باطنی وحی کے ہیں۔ (۱)

میری رائے میں یہ اصطلاح بھی معنی گزشتہ اصطلاحوں کے قریب قریب ہے اس لیے اس اجتہاد نبوی کے معنی الہام حکمت ملکہ نبوت' فہم نبوی وغیرہ گزشتہ اصطلاحات سے عملاً الگ نہیں کہ اس کی حیثیت بھی وحی ثانوی کی قرار پا جاتی ہے۔

اس مبحث پر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں جو خیال ظاہر فرمایا ہے اس کا ترجمہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

☆☆☆

---

(۱) سطور بالا میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کے حوالہ کے لیے دیکھو شرح تحریر ابن ہمام المتوفی ۸۶۱ھ مسمی بہ التقریر والتحبیر للعلامہ ابن امیر الحاج المتوفی ۸۷۹ھ ج ۳ ص ۲۹۴' ۲۹۹ مطبعہ امیریہ مصر ۱۳۱۷ھ اور التلویح فی کشف حقائق التنقیح والتوضیح فی حل غوامض التنقیح ج ۲ ص ۴۵۲ مطبع مکتب صنائع قسطنطنیہ ۱۳۱۰ء۔ ۲۰۷ الرکن الثانی فی السنۃ۔

Marfat.com

ساتواں مبحث احادیث نبوی سے شریعت کے اخذ کرنے میں علوم نبوی ﷺ کے اقسام!

رسول اللہ ﷺ کی جو روایتیں حدیث کی کتابوں میں جمع کی گئی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ایک وہ جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے ہے۔ اور یہ آیت:

﴿مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (حشر) ''پیغمبر تم کو جو کچھ دے اس کو لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز آؤ۔''

اسی قسم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

علوم معاد یعنی قیامت اور آخرت کے احوال بہ جزا اور سزا اور عجائب الملکوت (یعنی دوسرے عالم کے احوال و کیفیات) اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سب کا دار و مدار صرف وحی پر ہے اور ان اصولوں کے مطابق جن کا ذکر اوپر گزر چکا' قوانین شریعت اور عبادات و معاملات کی جزئیات کا ضبط بھی اسی قسم میں داخل ہے' لیکن ان میں سے بعض چیزوں کا دار و مدار وحی پر اور بعض کا اجتہاد پر ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کا اجتہاد بھی وحی کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو غلط رائے قائم کرنے سے محفوظ رکھا ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ آپؐ کا ہر اجتہاد کسی خاص نص و آیت سے استنباط کا نتیجہ ہو جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے بلکہ آپ کے اجتہاد کی زیادہ تر صورت یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے شریعت اور وضع قانون کے مقاصد' انسانوں کی آسانی اور بھلائی اور اصولی مقاصد کا قانون آپؐ کو تعلیم کر دیا تھا' وہ مقاصد جن کا ماخذ وحی تھا آپ اس کلی و اصولی قانون کے ذریعہ سے جو آپ کو سکھایا گیا تھا۔ ان کی تشریح فرما دیا کرتے تھے' حکمت کی متفرق باتیں اور عام مصلحتیں جن کے لیے آپؐ نے نہ کوئی وقت مقرر کیا نہ ان کے حدود بتائے مثل اخلاق صالحہ اور اخلاق غیر صالحہ کا بیان بھی تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتا ہے لیکن ان میں اکثر کا دار و مدار اجتہاد پر ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو باہمی معاملات و اجتماع کا کلی قانون تعلیم کر دیا تھا اور آپ نے حکمت کی باتیں اسی کلی قانون سے جو آپ کو تعلیم کر دیا گیا تھا مستنبط کیں اور ان کے متعلق ایک کلیہ بنایا' فضائل اور ان پر عمل کرنے والوں کے مناقب بھی اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں اور میرے خیال میں ان میں بعض کا دار و مدار وحی پر اور بعض کا اجتہاد پر ہے' ان قوانین کا بیان اوپر گزر چکا اور ہم اسی قسم کی شرح کرنا اور ان کے معانی کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

(۲) دوسری وہ روایتیں ہیں' جو تبلیغ رسالت سے تعلق نہیں رکھتیں' رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ میں صرف ایک آدمی ہوں' جب تمہارے دین کے متعلق تم کو کوئی حکم دوں تو اس پر عمل کرو اور جب میں تم کو اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو یہ سمجھو کہ میں صرف ایک آدمی ہوں۔ اور چھوہاروں کے جوڑ لگانے کے واقعہ میں آپ کا یہ فرمانا کہ میں نے ایک

Marfat.com

خیال قائم کیا تھا میرے خیال پر تم لوگ عمل نہ کرو۔ البتہ جب خدا کی کوئی بات بیان کروں تو اس پر عمل کرو کیونکہ میں خدا پر جھوٹ نہیں باندھتا۔ اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے' طب کے متعلق حدیثیں اور آپ کا ارشاد کہ تم سیاہ رنگ اور ایسے گھوڑے پر سوار ہو جس کی پیشانی میں تھوڑی سی سفیدی ہو۔ اسی قسم میں داخل ہے اور اس کا دار و مدار تجربہ پر ہے۔

آپ نے جو کچھ عادۃ کیا' عبادتً نہیں' اتفاقاً کیا' قصداً نہیں' وہ بھی اسی قسم میں داخل ہے' آپ نے جو واقعات ایسے بیان کیے جن کا تمام قوم میں چرچا تھا مثلاً ام زرع اور خرافہ کے قصے' وہ بھی اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی بات کو حضرت زیدؓ بن ثابت نے جب ان سے چند لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں بیان کرنے کی درخواست کی' اس طرح بیان کیا ہے کہ میں آپ کا پڑوسی تھا' اور جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپؐ مجھ کو بلا بھیجتے تھے اور میں آپ کے حکم سے اس کو لکھا کرتا تھا لیکن جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تھے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر فرماتے تھے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تھے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تھے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے' تو کیا میں ان تمام چیزوں کو بطور حدیث بیان کروں؟

اسی میں وہ چیزیں بھی داخل ہیں جن کو آپ نے اپنے زمانہ کی جزئی و عارضی مصلحت کے طور پر کیا ہے اور وہ تمام امت کے لیے ضروری نہیں ہیں مثلاً فوجوں کی آراستگی اور جنگی علامت کی تعیین کے وہ احکام جن کو خلیفہ دیتا ہے اور حضرت عمرؓ کے اس قول کے کہ اب ہم کو حج میں اکڑ کر چلنے کی کیا ضرورت؟ ہم ایک قوم (کفار قریش) کے سامنے اس کی نمائش کرتے تھے لیکن اب خدا نے ان کو ہلاک کر دیا۔ بھی یہی معنی ہیں کہ وہ اس کو ایک خاص جزئی و عارضی مصلحت سمجھتے تھے' لیکن چونکہ اپنے اس اجتہاد پر پورا اطمینان نہ تھا۔ اس لیے ان کو یہ خوف ہوا کہ خاص اس کا کوئی اور سبب ہو' اس لیے اس میں دست اندازی نہیں کی' اسی طرح دوسرے احکام بھی اسی پر محمول کیے گئے ہیں' مثلاً آپ کا یہ ارشاد کہ ''جو شخص جس کو قتل کرے۔ اس کا ہتھیار اسی کا حق ہے' نیز آپ کے مخصوص فیصلے بھی اسی قسم میں داخل ہیں کہ آپ مقدمات کے ان فیصلوں میں گواہوں اور قسموں کے مطابق فیصلے کرتے تھے آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جو یہ فرمایا تھا کہ ''واقعہ میں حاضر جو کچھ دیکھتا ہے اس کو غائب نہیں دیکھتا'' اس کے معنی بھی یہی ہیں۔ انتہیٰ کلامہ)

شاہ صاحب کے نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات کی دو قسمیں ہیں' ایک وہ جن کا تعلق پیغمبرانہ فرائض' تبلیغ رسالت اور مہمات امور دین سے ہے' یہ تمام باتیں براہ راست وحی و تعلیم سے ماخوذ ہیں دوسری وہ جو عام انسانی باتیں ہیں' ان کی متعدد صورتیں ہیں۔

(۱) کسی جزئی عارضی مصلحت کی بنا پر کوئی حکم جیسے حج میں آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ قریش کے سامنے اکڑ کر سعی کریں' تا کہ قریش یہ نہ سمجھیں کہ مدینہ کی آب و ہوا نے ان کو کمزور کر دیا ہے۔

(۲) وہ امور جن کو دین رسالت سے براہ راست کوئی تعلق نہیں' بلکہ زمانہ کے حالات کے ساتھ وہ بدلتے رہتے ہیں مثلاً جنگ کا طریق' ہتھیار کے اقسام' حکومت کے صیغوں کی ترتیب وغیرہ۔

(۳) وہ امور جن کو آپ اپنی شخصی' قومی یا ملکی عادت کے مطابق کرتے تھے' جن کو دین و رسالت سے کوئی واسطہ نہیں مثلاً وضع و لباس' فرش پر نشست' کمل اوڑھنا' دستر خوان اور چمچوں کا عدم استعمال' عمامہ باندھنا' تہبند پہننا'

Marfat.com

اونٹ پر سوار ہونا وغیرہ۔

(۴) وہ امور جو عرب میں بطور قصہ کے مشہور تھے اور آپ نے بھی ان کو اسی تفنن طبع کے لیے یا کسی اخلاقی نتیجہ کی خاطر بیان فرمایا' مثلاً ام زرع اور ان کی نو سہیلیوں کی کہانی' خرافہ کی داستان' بنی اسرائیل کی بعض حکایتیں۔

(۵) عربوں کے بعض تجربی مسلمات اور علاج و معالجہ کی بعض باتیں۔

(۶) زراعت وغیرہ کے متعلق بعض ذاتی رائیں' مثلاً مدینہ میں قاعدہ تھا کہ فصل کے موقع پر نر چھوہاروں کے پھول مادہ چھوہاروں کے درختوں میں ڈالے جاتے تھے۔ آپ نے یہ طریقہ دیکھا تو اس کو محض رسمی بات سمجھ کر فرمایا کہ اگر ایسا نہ کیا کرو تو کیا ہو۔ مدینہ والوں نے آپ کے اس ہلکے سے اشارہ کو حکم کے طور پر مانا اور اس سال یہ ترکیب چھوڑ دی' نتیجہ یہ ہوا کہ اس سال پیداوار کم ہو گئی' لوگوں نے آ کر عرض کی' فرمایا میں نے ایسا خیال کیا تھا۔ انتم اعلم بامور دنیا کم تم اپنے دنیاوی کاروبار اور معاملات سے زیادہ واقف ہو۔ یہ امور تغیر اور رد و بدل کے قابل ہو سکتے ہیں۔

الغرض یہ وہ امور ہیں جن میں رسول کے ارشادات کی حیثیت' انسانی باتوں کی ہے لیکن ان کے علاوہ دوسرے امور جن کا تعلق دین و رسالت و نبوت سے ہے مثلاً عقائد' عبادات' اخلاق اور اخبار معاد اور معاملات کے بعض ضروری حصے یہ سب کے سب وحی اور تعلیم ربانی سے ہیں جو دائمی اور ناقابل تغیر ہیں۔

ان ناقابل تغیر امور کی تعلیم و اطلاع کی دو صورتیں ہیں' ایک براہ راست وحی الٰہی جو وقتاً فوقتاً پیغمبر کی تعلیم و اطلاع کے لیے خدا کی طرف سے آیا کرتی تھی اور دوسری اجتہاد نبوی' یہاں بحث اسی دوسری چیز سے ہے۔ شاہ صاحب اس کے متعلق دو باتیں فرماتے ہیں۔

(۱) یہ کہ اجتہاد نبوی کی صورت و حقیقت مجتہدین کے اجتہاد کی طرح نہیں ہے' مجتہدین کا اجتہاد کسی خاص نص سے استنباط کا نام ہے اور پیغمبروں کے اجتہاد کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اجمالی طور سے شریعت کے کلی اصول و قواعد کا علم' منصب نبوت کے ساتھ ساتھ عطا فرما دیا ہے' اسی علم کے مطابق آپ وحی کی توضیح' احکام منصوصہ کی تفصیل' کسی کلی کے جزئیات مسائل کی تشریح' اپنے الفاظ میں فرما دیا کرتے تھے۔

(۲) پیغمبروں کا یہ اجتہاد دوسرے عام انسانی مجتہدین کے اجتہادات کے برخلاف خطا و غلطی سے یکسر پاک و منزہ ہوتا ہے کیونکہ ان کی رائے خطا و غلطی پر باقی رکھے جانے سے محفوظ بنائی گئی ہے' اسی لیے ان کا پیغمبرانہ اجتہاد بھی بمنزلہ وحی کے ہے۔

''پیغمبرانہ اجتہاد'' کی جو تشریح شاہ صاحب نے فرمائی ہے' اس کو پیش نظر رکھ کر یہ فیصلہ نہایت آسان ہے کہ دوسرے لوگ ملکہ نبوت' الہام' القاء' حکمت ربانی' فہم نبوی سے جو کچھ مراد لیتے ہیں اس میں اور اجتہاد نبوی میں عملاً کوئی فرق نہیں ہے کہ اس اجتہاد سے مقصود وہ قوت علمیہ یا الہامیہ یا نبویہ ہے' جس کو اللہ تعالیٰ خاص پیغمبر کے سینہ میں ودیعت رکھتا ہے' اس لیے مجتہدانہ اجتہاد اور پیغمبرانہ اجتہاد کے درمیان صرف لفظ کی مشارکت ہے معنی کی نہیں' مزید بحث آگے آئے گی۔

ایک نکتہ کی طرف یہاں اور اشارہ کر دینا ہے' آنحضرت ﷺ کے سوا اور جتنے صاحب کتاب انبیاء آئے ان

Marfat.com

کی وحی کتاب اور نتائج حکمت نبوی میں فرق و امتیاز باقی نہیں رہا' چنانچہ توراۃ وانجیل وزبور میں یہ سب باتیں ملی جلی ہیں جیسا کہ ان کے پڑھنے سے ہر شخص کو نظر آ سکتا ہے۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ چونکہ آخری اور غیر منسوخ کتاب لے کر آئے تھے اس لیے آپ کی کتاب کی ہر طرح حفاظت کی گئی اور ہر تخلیط اور آمیزش سے محفوظ رکھی گئی' بلکہ اسی لیے آغاز اسلام میں آپ نے نتائج حکمت نبوی کی تحریر سے لوگوں کو باز رکھا تا کہ کتاب کے ساتھ ان کی آمیزش نہ ہو' بعد کو جب یہ خطرہ باقی نہیں رہا تو اکثروں کے نزدیک یہ ہے کہ آپؐ نے ان کی تحریر کی اجازت دے دی اور بعض متشدد صحابہ اور علماء کے نزدیک یہ اجازت مخصوص لوگوں کے لیے تھی۔ عام نہیں' لیکن یہ اختلاف تحریر و کتابت میں ہے' ان کی صحیح طور سے حفاظت و روایت و تبلیغ میں نہیں' اس لیے اس خدمت کو تمام صحابہؓ' تابعین اور تبع تابعین اور علمائے صالحین نے ہمیشہ ادا کیا۔

عصمت و بے گناہی:

نبی کی تیسری اہم خصوصیت اس کی معصومی اور بے گناہی ہے' یہود میں چونکہ پیشین گو ہونے کے علاوہ نبی کا کوئی صحیح تخیل نہیں' اس یے ان کی کتابوں میں انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں جو ان کی شان نبوت کے سراسر منافی ہیں' عیسائیوں میں صرف ایک مسیح کی ذات معصوم مانی جاتی ہے لیکن اسلام میں یہ عقیدہ ہر نبی اور رسول کی نسبت عام ہے اس کے نزدیک تمام انبیاء اور رسول گناہوں سے پاک اور معصوم تھے ان سے بتقاضائے بشریت بھول چوک ہو سکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنی وحی سے ان کی ان غلطیوں کی بھی اصلاح کرتا رہتا ہے نبوت کے متعلق عقلی حیثیت سے بھی جب تک عصمت کا اصول مان نہ لیا جائے' نبی اور عام حکیم و مصلح میں فرق نمایاں نہیں ہو سکتا اور نہ نبیوں اور رسولوں کی کامل صداقت وصحت پر اعتبار کیا جا سکتا' اسی لیے اسلام نے اس عقیدہ کا بھی بڑا اہتمام کیا ہے ایک ایک کر کے تمام پیغمبروں کے مقدس احوال کا تذکرہ کیا ہے اور ان واقعات کی تردید کی ہے جو شان عصمت کے خلاف ہیں اور جن کو لوگوں نے ان کے سوانح میں شامل کر دیا ہے۔

عرب کے مشرکوں کا یہ عقیدہ تھا کہ کاہن جو غیب کا حال بتاتے ہیں اور شاعر جو پر جوش اور پر تاثیر کلام نظم کرتے ہیں یہ شیطانوں سے سیکھ کر بتاتے اور کرتے ہیں اور یہی بات وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی نسبت بھی (نعوذ باللہ) کہتے تھے قرآن نے ان کے جواب میں کہا' درخت اپنے پھل سے اور شے اپنے آثار سے پہچانی جاتی ہے۔

﴿اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ﴾ (نحل : ۱۴)

''شیطان کا زور ایمان والوں پر نہیں چلتا اور نہ ان پر جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں اس کا زور انہی پر چلتا ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور اپنے رب کا شریک ٹھہراتے ہیں۔''

اس کے بعد آخر تک اس خیال کی تردید کی ہے اور پھر خاتمہ اس پر ہے۔

﴿وَاصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ اِنَّ

''اور صبر کر اور تیرا صبر کرنا بھی خدا ہی کی مدد سے ہے اور نہ تو ان پر غمگین ہو اور نہ ان کے فریب سے تنگدل ہو

Marfat.com

اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴿ (نحل : ۱۶)

بے شک خدا ان کے ساتھ ہے جو پرہیز گار ہیں اور جو نیکو کار ہیں۔''

اس آیت سے ظاہر ہوا کہ انبیائے کرام شیطانوں کے فریب سے آزاد متقی پرہیز گار اور نیکو کار ہوتے ہیں۔

سورہ شعراء میں اسی شبہ کا جواب تمام پیغمبروں کے حالات کو سنا کر آخر میں یہ کہہ دیا ہے۔

﴿ھَلْ اُنَبِّئُکُمْ عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَکْثَرُھُمْ کٰذِبُوْنَ﴿ (شعراء : ۱۱)

''کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں ان پر اترتے ہیں جو جھوٹ گھڑتے ہیں' گنہگار ہوتے ہیں لوگوں کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ وہ غیب کی باتیں سن رہے ہیں' کان ڈالتے ہیں اور وہ اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔''

سورۂ جاثیہ میں مخالفین کے جواب میں کہا گیا ہے۔

﴿وَیْلٌ لِّکُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُتْلٰی عَلَیْہِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَکْبِرًا کَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْھَا فَبَشِّرْہُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴿ (جاثیہ : ۱)

''پھٹکار ہو اس پر جو جھوٹ گھڑنے والا گنہگار ہے خدا کی آیتوں کو جو اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں' وہ سنتا ہے' اور پھر اپنے غرور پر اڑا رہتا ہے' گویا اس نے سنا نہیں تو اس کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔''

اس کے معنی یہ ہوئے کہ انبیاء علیہم السلام جھوٹ گھڑنے والے اور گنہگار نہیں ہوتے کہ اگر ایسے ہوں تو فرشتوں کے بجائے وہ شیطانوں کے قرین و رفیق ثابت ہوں اور ان کی سچائی اور صداقت مشتبہ ہو جائے اور نیز یہ کہ نبوت کی حقیقت کذب و گنہگاری کے صریح منافی ہے۔

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا۔

﴿مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَہُ اللّٰہُ الْکِتٰبَ وَ الْحُکْمَ وَ النُّبُوَّۃَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴿ (آل عمران : ۸)

''اس آدمی کے جس کو اللہ کتاب اور فیصلہ اور نبوت دے یہ شایاں نہیں کہ وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔''

یعنی پیغمبروں کی دعوت کا منشاء خدا کی بندگی کا اعلان ہے نہ کہ لوگوں کو اپنا بندہ اور پرستار بنانا' اور یہ گناہ ان سے سرزد نہیں ہوتا اور ایک آیت میں فرمایا۔

﴿وَ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ وَ مَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰہِ کَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ مَاْوٰہُ جَھَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰہِ وَ اللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ لَقَدْ

''کسی پیغمبر کا یہ کام نہیں کہ وہ کچھ چوری سے چھپا لے اور جو کوئی چھپا لے گا' قیامت کے دن لے کر اس کو حاضر ہو گا' پھر اس وقت ہر شخص کو اس کے کام کا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر ظلم نہ ہو گا' کیا جو خدا کی خوشنودی کی پیروی کرے وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو خدا کا غضب کمائے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے' انسانوں کے خدا کے نزدیک کئی درجے ہیں اور

Marfat.com

مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (آل عمران : ۱۷)

وہ خدا ان کے کام سے خبردار ہے بے شبہ اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا کہ ان میں انہی میں سے ایک ایسے رسول کو بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک و صاف بناتا اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔‘‘

ان آیتوں میں گو ہر نبی سے غلول (مال چھپانے) کی نفی کی ہے اور فرمایا ہے کہ نبی جو خدا کی خوشنودی کی ہمیشہ پیروی کرتے ہیں وہ ان کے مانند نہیں ہو سکتے جو خدا کی خفگی کماتے ہیں، مگر خصوصیت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ ہے اور بتایا گیا ہے کہ نبی کی یہ شان نہیں کہ اس سے ایسا جرم سرزد ہو سکے، کیونکہ اللہ کی رضامندی کا طالب اس کی ناخوشی کے کام کا مرتکب نہیں ہو سکتا، اور جو دوسروں کو احکام الٰہی سنائے، خود اس سے ان احکام کی خلاف ورزی ممکن نہیں اور جو دوسروں کو پاک و صاف کرنے پر مامور ہے وہ خود گنہگار و ناپاک نہیں ہو سکتا۔

انبیاء علیہم السلام کے لیے بار بار قرآن نے ’’چن کر پسند کرنے‘‘ کا لفظ استعمال کیا ہے جو سرتاسر ان کی عصمت اور گناہوں سے محفوظ پاک رہنے پر دلالت کرتا ہے، عام پیغمبروں کے متعلق یہ آیت ہے۔

﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ﴾ (حج : ۱۰)

’’خدا فرشتوں میں اپنے پیغمبر چن کر پسند کرتا ہے اور آدمیوں میں سے۔‘‘

چند مخصوص پیغمبروں کی شان میں ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ (آل عمران : ۴)

’’اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام اہل دنیا سے چن کر پسند کیا۔‘‘

خاص حضرت ابراہیم کے متعلق ارشاد ہوا۔

﴿وَ لَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا﴾ (بقرہ : ۱۶)

’’ہم نے اس کو دنیا میں چن کر پسند کیا۔‘‘

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت فرمایا۔

﴿اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَ بِكَلَامِيْ﴾ (اعراف : ۱۷)

’’ہم نے تجھ کو اپنے کلام اور پیغاموں کے لیے لوگوں میں سے چن کر پسند کیا۔‘‘

ایک آیت میں پیغمبروں کے لیے اصطفاء کے ساتھ خیر (بہتر اور نیکوکار) کی صفت ظاہر کی گئی ہے۔

﴿وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَ الْاَبْصَارِ اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ﴾ (ص : ۴۵)

’’ہمارے خاص بندوں ابراہیم اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ کو یاد کرو۔ جو ہاتھوں (قوت عمل) والے اور آنکھوں (قوت علم) والے تھے ہم نے ان کو آخرت کی خالص نصیحت کے لیے خالص کیا اور وہ ہماری بارگاہ میں چنے ہوئے نیکوکاروں میں تھے۔‘‘

Marfat.com

سورۂ انبیاء میں اکثر پیغمبروں کے تذکرہ کے بعد فرمایا۔

﴿و کُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ وَ جَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْھِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَآءَ الزَّکٰوۃِ وَ کَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ﴾ (انبیاء : ۵)

''ان میں سے ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا اور ہم نے ان کو وہ پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کو راہ دکھاتے تھے اور ہم نے ان کو نیک کاموں کے کرنے کی اور نماز کھڑی کرنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی اور وہ ہمارے پرستار تھے۔''

کیا اس سے زیادہ ان کی عصمت اور بے گناہی کی شہادت ہو سکتی ہے کہ وہ امام و پیشوا اور صالح اور خدا کے پرستار بنائے گئے۔ سورۂ انعام میں بہت سے پیغمبروں کے نام گنا کر سب کو صالح فرمایا گیا۔

﴿کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ (انعام : ۸۵)

''یہ سب صالحوں میں تھے۔''

پھر آگے چل کر فرمایا ﴿کُلًّا فَضَّلْنَا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴾ (انعام : ۱۰) ہر ایک کو دنیا والوں پر فضیلت دی۔ پھر ان کا ذکر کر کے فرمایا ﴿وَ اجْتَبَیْنٰھُمْ وَ ھَدَیْنٰھُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ اور ہم نے ان کو برگزیدہ کیا اور ان کو سیدھی راہ چلایا۔ صالح ہونا برگزیدہ ہونا اور راہ راست پر ہونا سراسر عصمت اور بے گناہی ہے۔

شقی و سعید اور گنہگار و نیکوکار دونوں کی سیرتوں اور زندگیوں کا فرق اتنا نمایاں ہے کہ ان میں التباس اور اشتباہ ممکن نہیں تاریخ و سیر کی خاموشی اور خلق کی گویا زبانیں چیخ چیخ کر اس فرق و امتیاز کی منادی کرتی رہتی ہیں' اس اصول کو قرآن پاک نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَھُمْ کَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاھُمْ وَ مَمَاتُھُمْ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ﴾ (جاثیہ : ۲)

''کیا وہ جو گناہوں کے مرتکب ہیں' یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان کی طرح جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے بنائیں گے ان دونوں کی زندگی اور موت یکساں ہو' یہ ان کا فیصلہ کتنا برا ہے۔''

اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کی زندگی اور موت دونوں ممتاز ہوتی ہیں۔

انبیاء کے وصف میں فرمایا۔

﴿اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَ یَخْشَوْنَہٗ وَ لَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ﴾ (احزاب : ۵)

''جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔''

آنحضرت ﷺ کے اہل بیت اور بیویوں کو جو عزت اور شرف حاصل ہے وہ نبوت و رسالت ہی کی نسبت سے ہے' ازواج مطہرات کی شان میں ہے۔

﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ﴾ (احزاب : ۴)

''اے پیغمبر کی بیویو! تم عام عورتوں میں سے کسی ایک کی طرح نہیں ہو' اگر تم متقی ہو۔''

پھر اہل بیت نبوی کو خطاب کر کے فرمایا کہ ارادہ ربانی یہ ہے کہ وہ تم کو برائی سے پاک اور صاف ستھرا بنائے۔

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ

''اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دور کر دے اے

Marfat.com

الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (احزاب : ۴) نبی کے گھر والواور تم کو بالکل صاف ستھرا بنادے۔"

ظاہر ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام کے ازواج واولاد کی شرافت کے لیے گناہ اور بدی کی نجاست مخل ہے تو خود انبیاء کا کیا ذکر ہے' ایک دوسری آیت میں حضرت عائشہؓ کو تہمت سے بری کر کے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

﴿الْخَبِيثٰتُ لِلْخَبِيثِينَ وَ الْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثٰتِ وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِينَ وَ الطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبٰتِ أُولٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ﴾ (نور ۳) "گندیاں' گندوں کے واسطے اور گندے گندیوں کے لیے اور ستھریاں ستھروں کے واسطے اور ستھرے ستھریوں کے واسطے یہ ان کی تہمت سے پاک ہیں۔"

یہاں طیب' پاک اور ستھرے سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ ہے اور اسی ستھرے پن' پاکی اور طہارت سے ازواج مطہرات کے اخلاقی ستھرے پن' پاکی اور طہارت پر استدلال کیا گیا ہے۔

انبیاء درحقیقت مقتدیٰ اور پیشوا اور نمونہ بن کر اس دنیا میں بھیجے جاتے ہیں' اسی لیے فرمایا۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (احزاب : ۳) "تمہارے لیے خدا کے رسول میں اچھی پیروی ہے۔"

نیز ان کی اطاعت واجب ہے۔

﴿وَ مَآ أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ (نسآء : ۹) "ہم نے کوئی نبی نہیں بھیجا لیکن اس لیے کہ خدا کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔"

اور خاص آنحضرت ﷺ کی نسبت تصریح ہے کہ آپ کی پیروی خدا کا محبوب بننے کا مستحق ٹھہراتی ہے۔

﴿إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران : ۳) "اگر تم خدا کو چاہتے ہو تو تم میری پیروی کرو' خدا تم کو چاہے گا۔"

کیا کسی گنہگار اور عصیان کار کی زندگی' پیروی' اتباع اور نمونہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے' تاریکی سے روشنی کبھی نکلی' اور گندگی سے پاکی کبھی پیدا ہوئی اور گنہگاروں کی دعوت سے کبھی نیکوکاری پھیلی ہے؟ برائی اور گنہگاریوں کا اصلی سرچشمہ اور منبع شیطان یا انسان کی خود قوت شر ہے' لیکن خدا کے خاص بندے اس کے دام فریب سے آزاد ہیں۔

﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيلًا﴾ (اسرائیل : ۷) "یقیناً میرے بندوں پر تیرا (اے شیطان) کوئی زور نہیں' تیرا پروردگار (اپنے بندوں کی طرف سے) سب کچھ کر دینے کو بس ہے۔"

کیا انبیائے کرام علیہم السلام سے بڑھ کر کوئی بندہ رب ہو سکتا ہے۔

انسانوں کی گمراہی اور عصیان کاری' وسوسہ شیطانی کا نتیجہ ہوتی ہے' خواہ یہ شیطان خود اپنے دل کے اندر (خناس) چھپا ہو' یا انسان اور جن کی صورت میں ہو۔ ہر ایک کے فتنہ سے اس کی ذات پاک اور بلند ہے۔

آنحضرت ﷺ کو بعض خودغرض لوگوں نے بعض مشوروں میں پھسلانا چاہا' مگر خدا نے پھسلنے نہ دیا اور فرمایا کہ میری جو رحمت اور مہربانی تجھ پر مبذول ہے' وہ ہر وقت تیری دست گیر ہے اور گمراہی سے تیری نگہبان ہے اور کتاب

Marfat.com

الٰہی اور حکمت و دانائی جو تجھے عطا ہوئی وہ تیری پاسبان ہے۔

﴿وَ لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ وَ مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ (نساء : ۱۷)

''اور اگر تجھ پر اللہ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی' تو ایک گروہ نے تیرے گمراہ کرنے کا ارادہ کیا تھا اور وہ گمراہ نہیں کریں گے لیکن خود اپنے آپ کو اور تجھے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور خدا نے تجھ پر کتاب اور حکمت اتاری ہے اور اس نے وہ سکھایا جو تو نہیں جانتا تھا اور تجھ پر خدا کا بڑا فضل ہے۔''

اور یقیناً موقع ومحل کی شہادت سے اس سب سے بڑے فضل سے یہاں مراد عصمت ہے۔

خود نفس انسانی بھی اپنی جھوٹی تمناؤں خود غرضانہ آرزوؤں اور خوش نما خیالوں سے لوگوں کو دھوکا دیتا ہے لیکن انبیاء علیہم السلام اس فریب تمنا سے بھی پاک ہیں' بشریت کے اقتضاء سے یہ تو ممکن نہیں کہ خود اپنے مشن اور جس دعوت حق کو لے کر وہ آتے ہیں۔ اس کی جلد از جلد کامیابی اور لوگوں کے بسرعت قبول ایمان کے متعلق ان کے دل میں تمنائیں اور آرزوئیں نہ پیدا ہوتی ہوں' لیکن وہ مصلحت الٰہی کے مطابق نہیں ہوتیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ان خیالات اور تمناؤں کو ان کے دلوں سے نکال دیتا ہے اور اپنے فیصلہ کو برجا رکھتا ہے' فرمایا۔

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (حج : ۷)

''اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی نبی یا رسول نہیں بھیجا لیکن یہ کہ جب وہ خیال باندھتا ہے تو شیطان اس کے خیال میں کچھ ملا دیتا ہے تو خدا شیطانوں کی ملاوٹ کو مٹا دیتا ہے اور اپنے حکموں کو مضبوط کر دیتا ہے اور خدا دانا اور حکمت والا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام غلط خیال آرائی کے گناہ سے بھی محفوظ رکھے جاتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق فرمایا گیا۔

﴿مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى﴾ (نجم : ۱) ''اے مسلمانو! تمہارا صاحب نہ گمراہ ہوا نہ بھٹکا۔''

اس عدم گمراہی اور عدم ضلالت کا تعلق کسی خاص عہد اور وقت سے نہیں ہے' بلکہ اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے ہر عہد سابق اور زمانہ ماضی سے ضلالت اور غوایت کی پوری نفی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ کا دامن سدا ان کانٹوں سے پاک رہا۔

بعض شبہات کا ازالہ:

قرآن پاک میں بعض ایسے الفاظ ہیں جن سے ایک ظاہر بین کو یہ دھوکا ہوسکتا ہے کہ بعض پیغمبروں کے دامن پر عدم معصومیت کے بھی داغ ہیں مگر علمائے محققین نے ان میں سے ہر ایک شبہ کا تشفی بخش جواب دے دیا ہے اور خصوصیت کے ساتھ علامہ ابن حزم اندلسی نے الفصل فی الملل والنحل۔ (جلد چہارم) میں قاضی عیاض مالکی نے شفاء (قسم ثالث' باب اول) میں خفاجی نے شرح شفا (جلد چہارم) میں اور متاخرین میں ملا دوست محمد کابلی نے تحفۃ الاخلاء

Marfat.com

فی عصمۃ الانبیاء۔ میں ایک ایک شبہ کو پوری طرح رد کیا ہے جس سے ظاہر بینی کا پردہ آنکھوں کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے اور اصل حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے' ان میں سے ہر شبہ کا ذکر کرنا اور اس کا رد کرنا ایک طول عمل ہے مختصراً اصولی طور سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مسئلہ میں جو غلط فہمیاں کسی کو پیش آتی ہیں۔ ان کے دو اسباب ہیں' اور ان اسباب کی تشریح کر دینا ہی ان غلط فہمیوں کو دور کر دینا ہے۔

(۱) سب سے پہلی بات یہ ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام کا پایہ بندوں میں بلکہ تمام مخلوقات میں خواہ کس قدر بلند ہو' اور ان کا دامن گناہ و عصیان کے گرد و غبار سے کتنا ہی پاک ہو' تاہم اس ذوالجلال والاکرام کے سامنے ان کی حیثیت ایک عبد۔ ایک بندہ اور ایک عاجز مخلوق کی ہی ہے' ایک عبد و غلام خواہ کس قدر اطاعت کیش' کتنا ہی وفا شعار اور مطیع و فرمان بردار ہو' تاہم اپنے آقا کے سامنے اس کو اپنے قصور کا معترف اپنی تقصیر کا مقر اپنی کوتاہیوں پر خجل اور اپنی فروگزاشتوں پر نادم ہی ہونا چاہیے' اسی لیے حضرت ابراہیم جن کی نیکی اور پاکی کی شہادت سے قرآن بھرا ہوا ہے وہ خدا کی عظمت و جلال اور اس کی رحمت و شفقت کے ذکر میں فرماتے ہیں۔

﴿وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَلِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ﴾ (شعراء : ۵)

''اور وہ خدا جس سے جزا کے دن اپنی بھول چوک کی معافی کی پوری امید رکھتا ہوں۔''

نبی کا یہ اعتراف و اقرار اور خجالت و ندامت' اس کا نقص نہیں بلکہ اس کی بندگی اور عبودیت کا کمال ہے اور آقا کو حق پہنچتا ہے کہ اس کے غلام' اطاعت و فرمان برداری کے جس حیرت انگیز رتبہ تک بھی پہنچے ہیں' وہ ان سے اطاعت کیشی اور وفا شعاری کے اس سے بھی بلند رتبہ کا مطالبہ کرے کہ اس کے دربار میں ان کے عروج و ترقی کی کرسی اور بھی اونچی ہوتی جائے' بعض آیتوں میں اگر کسی پیغمبر کو خدا سے مغفرت مانگنے کی ہدایت کی گئی ہے تو اس کا سبب گناہ کا وجود نہیں بلکہ ہر قدم پر گزشتہ رتبہ اطاعت پر قناعت کر لینے پر تنبیہ اور مزید اطاعت کا مطالبہ ہے تاکہ وہ اس کے مزید تقریب کا ذریعہ بن سکے آنحضرت ﷺ کو خطاب ہوتا ہے۔

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا﴾ (نصر)

''جب اللہ کی مدد آ چکی اور (مکہ) فتح ہو چکا اور لوگوں کو اللہ کے دین میں گروہ در گروہ جاتے دیکھ چکا تو اپنے پروردگار کی پاکی بیان کر اور اس سے معافی چاہ کہ وہ بندے کے حال پر رجوع ہونے والا ہے۔''

غور کرو کہ خدائی مدد آنا' مکہ فتح ہونا' بت پرستی کی بیخ کنی اور لوگوں کا مسلمان ہو جانا کوئی جرم ہے جس سے کوئی معافی چاہے' اسی طرح سورۂ فتح میں فرمایا۔

﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا لِیَغْفِرَلَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ یُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکَ وَ یَهْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًاوَ یَنْصُرَکَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا﴾

''ہم نے تجھ کو کھلی فتح دی تا کہ اللہ تیری اگلی پچھلی خطا کو معاف کرے اور اپنا احسان تجھ پر پورا کرے اور تجھ کو سیدھی راہ چلائے اور تجھ کو مضبوط مدد دے۔''

Marfat.com

دوبارہ غور کرو کہ مکہ کی فتح کامل نصیب ہونے کی معافی سے بجز اس کے کیا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے حسن خدمت کو قبول فرما کر اپنی خوشنودی کا اظہار فرماتا ہے۔

اس استغفار سے مقصود نعوذ باللہ پیغمبر کی گنہگاری کا ثبوت نہیں بلکہ اس کی عبدیت کاملہ کا اظہار ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کے خدا کے بیٹے ہونے کے عیسائی اور فرشتے جن کے خدا کی بیٹیاں ہونے کے اہل عرب قائل تھے اور ان کو خدا کا درجہ دیتے تھے ان کے متعلق قرآن نے کہا۔

﴿لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللّٰه و لا الملٰئکة المقربون و من یستنکف عن عبادته و یستکبر فسیحشرهم الیه جمیعا﴾ (نساء : ۴۴)

''مسیح کو ہرگز اس سے عار نہ آئے گا کہ وہ خدا کا بندہ ہو اور نہ مقرب فرشتوں کو اور جو اس بندگی سے عار کرے گا اور بڑائی چاہے گا تو خدا ان سب کو اپنے پاس اکٹھا کرے گا۔''

اس سے مقصود نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین نہیں بلکہ ان کی عبدیت اور بندگی کا اعلان ہے۔

الغرض انبیاء کا خدا کے حضور میں اپنی کوتاہی کا اعتراف ان کی گنہگاری کا ثبوت نہیں بلکہ ان کی عبدیت کاملہ کا اظہار ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کسی پیغمبر کی نسبت یہ فرمانا کہ میں نے تجھے معاف کیا' اس کی گنہگاری کا اعلان نہیں بلکہ اپنی پسندیدگی رضا اور قبول تام کی بشارت ہے' سورۂ فتح کی جو آیتیں اوپر گزریں' ان کو پڑھو' تو ظاہر ہوگا کہ چونکہ بت پرستی کی آلائش سے مکہ کی تطہیر اور کل جزیرۂ عرب میں حق و باطل کی تمیز' مکہ کی فیصلہ کن فتح پر موقوف تھی۔ اس لیے جب وہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کی مسلسل کوششوں اور جان فروشیوں سے حاصل ہوئی تو خدا نے اعلان فرمایا کہ آج اس فتح سے نبوت کے فرض کی اور تجھ پر میرے سلسلہ احسانات کی تکمیل ہوئی' پھر خدا آپ سے صراط مستقیم کی طرف ہدایت کا اور اپنی زبردست مدد کا وعدہ کرتا ہے حالانکہ ان میں سے ہر چیز آپ کو پہلے ہی عنایت ہو چکی تھی' کیا فتح مکہ سے پہلے آپ صراط مستقیم یعنی اسلام پر نہ تھے یا آپ کو زبردست مدد نہیں مل چکی تھی' یہ سب مرتبے حاصل تھے' مگر ان باتوں کے یہاں ذکر سے اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ اس موقع پر اس طرح اپنی مزید رضامندی کا اظہار فرمائے اور رسول کی اگلی پچھلی تمام فروگزاشتوں پر (اگر ہوں) خط عفو پھیرنے کا اعلان کر کے ان کو نیا خلعت فاخرہ عطا اور نئے مراتب جلیلہ عنایت فرمائے۔

عبدیت کاملہ کا یہی راز و نیاز ہے جو حضرت مسیح کے اس فقرہ میں نمایاں ہے' ایک سرداران کو اے نیک استاد کہہ کر خطاب کرتا ہے' اس کے جواب میں وہ فرماتے ہیں۔

''تو کیوں مجھ کو نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں' مگر ایک یعنی خدا۔'' (لوقا: ۱۸:۱۹)

حضرت مسیح کے اس فقرہ سے کسی کا یہ قیاس کرنا کہ وہ نیک نہ تھے' کس قدر غلط ہوگا' اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی مشہور دعا میں یہ کہنا کہ:

''اور جس طرح ہم اپنے قرض داروں کو بخشتے ہیں' تو اپنے دین ہم کو بخش دے۔'' (متی ۶' ۱۲)

ان کی گنہگاری کی دلیل نہیں بلکہ عبدیت کاملہ کے اظہار کا ثبوت ہے۔

Marfat.com

نکتہ: عربی زبان میں گناہ کے لیے مختلف الفاظ ہیں مثلاً ذنب، اثم، حنث، جرم وغیرہ ان میں سے ذنب کے سوا دوسرے الفاظ کا اطلاق اس حقیقی گناہ پر کیا جاتا ہے جو بالقصد اور جان بوجھ کر کیا جائے، لیکن ذنب کا اطلاق ہر غلط فعل پر ہوتا ہے خواہ وہ جان بوجھ کر کیا جائے یا بن جانے غلط فہمی سے ہو یا سوچ سمجھ کر، بھول چوک سے ہو یا قصداً، اور ان کاموں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو درحقیقت عام امت کے لیے گناہ نہیں، لیکن انبیاء کے حق میں اتنی غفلت بھی مواخذہ کے قابل ہے اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ حسنات الابرار سیات المقربین۔ نیکوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

انبیاء علیہم السلام کے استغفار کے موقع پر ہمیشہ ''ذنب'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، جرم، اثم یا حنث کا نہیں۔

ذنب کا لفظ بھول چوک اور غفلت سے لے کر عصیاں تک کو شامل ہے [1] اس لیے کسی نبی کو اگر خدا کی طرف سے استغفار ذنب کی ہدایت کی گی تو اس کے معنی صریح عصیان و گناہ کے نہیں بلکہ یہی انسانی بھول، چوک اور فرو گزاشت ہے جس کی اصلاح و تنبیہ اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم اور لطف و عنایت سے فرماتا رہتا ہے اور اسی کے لیے استغفار کا حکم ان کو ہوتا رہتا ہے۔

اسی سے ایک اور نکتہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ بھول چوک اور بلا ارادہ غفلت گو امت کے حق میں قابل مواخذہ نہیں مگر انبیاء علیہم السلام کے بلند مرتبہ کے لحاظ سے یہ چیزیں بھی گرفت میں آتی ہیں کیونکہ ان کا قول و فعل شریعت بن جاتا ہے اس لیے شریعت کی حفاظت کے لیے ان کے ہر قول و فعل کی حفاظت بھی ضروری ہے، اس بنا پر اگر ان سے احیاناً کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے تو فوراً اس پر تنبیہ کی جاتی ہے اور ان کو ہشیار کر دیا جاتا ہے اور اسی کے ساتھ ان کی یہ چیز معاف کر کے ان کو بشارت سنا دی جاتی ہے اور اس طرح ہر چھوٹے بڑے دانستہ اور نادانستہ تمام گناہوں سے ان کا دامن پاک و صاف رکھا جاتا ہے۔

﴿فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ (بقرہ: ۴) ''تو آدم نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں تو وہ اس کی طرف رجوع ہوا۔''

﴿ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ (طہ: ۷) ''پھر خدا نے اس (آدم) کو برگزیدہ کیا، پھر اس کی طرف رجوع ہوا۔''

---

(۱) اس فرق کو عام لغت نویسوں نے ملحوظ نہیں رکھا ہے مگر جن علمائے لغت نے الفاظ کے فروق پر کتابیں لکھی ہیں۔ انہوں نے اس کی تصریح کی ہے ہم یہاں پر بیروت کے مشہور عیسائی لغت نویس و ادیب الاب ہنریکوس لا کی کتاب فرائد اللغۃ فی الفروق کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ الاثم الذنب الذی یستحق العقوبة علیه و لا یوصف به الا المجرم و بین الاثم و الذنب فرق من حیث ان الذنب مطلق الجرم عمدا کان او سهو ابخلاف الاثم فانه ما یستحق فاعله العقاب فیختص بما یکون عمدا و الحنث ابلغ من الذنب لان الذنب یطلق علی الصغیرة و الحنث و الکبیرة، و الجرم لا یطلق الا علی الذنب الغلیظ. (ص ۹۶۔۹۷ مطبوعہ کاتھولیکیہ ۱۸۸۹ء)

Marfat.com

﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ﴾ (توبہ : ۱۴) ''یقیناً اللہ نبی کی طرف رجوع ہوا۔''

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ﴾ (انبیاء : ٦) ''پھر ہم نے اس (یونس) کی دعا قبول کی اور اس کو غم سے رہائی دی۔''

﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ﴾ ''تاکہ اللہ تیری اگلی پچھلی فروگزاشت معاف کرے۔''

کامل اور عام عفو و مغفرت کا یہ مرتبہ بلند خود بندہ کی زندگی میں انبیاء کے سوا کسی دوسرے کو نصیب نہیں۔

(۲) انبیاء کی معصومیت کے مسئلہ میں غلط فہمی کا دوسرا سبب یہ ہے کہ انبیاء کی قبل از نبوت اور بعد از نبوت زندگیوں میں قوت اور فعل کا جو فرق ہے اس کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا' علم اور جہل' ضلالت اور ہدایت' اضافی الفاظ میں سے ہیں' علم کی ہر حد کو علم کے مافوق درجہ کے لحاظ سے جہل اور ہدایت کے بلند سے بلند رتبہ کو اس سے بھی اوپر کے مرتبہ کے لحاظ سے ضلالت کہہ سکتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی قبل از نبوت اور بعد از نبوت زندگیوں میں قوت اور فعلیت کا فرق ہے جس طرح تخم میں تمام برگ و بار پوشیدہ ہوتا ہے لیکن وہ اس وقت درخت نہیں ہوتا اور نہ اس میں تنا' شاخیں' پتے' پھول اور پھل ہوتے ہیں اور نہ اس کا عالم پناہ سایہ ہوتا ہے لیکن ایک وقت آتا ہے جب وہی تخم بڑھ کر ایک نیا درخت بن جاتا ہے' اس کے پتے آنکھوں میں ہریالی پیدا کرتے ہیں۔ اس کے پھول مشام جاں کو معطر کرتے ہیں اس کے پھل کام و دہن میں شہد ٹپکاتے ہیں۔ اس کے سایہ میں تھکے ماندے مسافر آرام پاتے ہیں' اسی طرح نبوت کی سابقہ اور لاحقہ زندگیوں میں عظیم الشان فرق ہے اور اسی فرق کی بنا پر اس کی قبل از نبوت زندگی' ظہور نبوت کے بغیر تاریکی اور ضلالت' اور بعد کی زندگی نور اور ہدایت معلوم ہوتی ہے جس طرح عام افراد کی زندگی اسلام و ایمان کے بغیر ضلالت اور اسلام و ایمان کے بعد ہدایت بن جاتی ہے اسی طرح انبیاء کی زندگی ان کی نظر میں نبوت کے بغیر ضلالت اور نبوت کے بعد ہدایت ہوتی ہے۔ غرض یہ ہے کہ ظہور نبوت سے پہلے کا زمانہ ان کی ضلالت کا اور بعد کا زمانہ ان کی ہدایت کا عہد کہلاتا ہے لیکن ضلالت اور ہدایت کا یہ مفہوم اس مفہوم سے بالکل مختلف ہے جو غیر انبیاء کے حق میں مستعمل ہے اللہ تعالیٰ جہاں آنحضرت ﷺ پر اپنے احسانات گناتا ہے فرماتا ہے۔

﴿اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝ وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى﴾ (ضحیٰ : ۱) ''کیا اللہ نے تجھ کو یتیم نہ پایا' پھر پناہ دی اور اس نے تجھ کو بھولا پایا تو رہنمائی کی اور تجھ کو محتاج پایا تو بے نیاز کیا۔''

سطور بالا سے ظاہر ہے کہ یہاں ہدایت سے نبوت اور ضلالت سے قبل نبوت کی زندگی مراد ہے' جو نبوت کے بعد کی زندگی کے مقابلہ میں نسبتاً ضلالت ہی ہے۔

''ضلالت'' کے معنی عربی میں صرف صریح گمراہی ہی کے نہیں ہیں بلکہ نادانستہ بھولنے' بھٹکنے اور غفلت کرنے کے بھی ہیں عورتوں کی شہادت کے موقع پر ہے۔

Marfat.com

﴿اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى﴾ (بقرہ : ۲۹) ''بھول جاوے ایک عورت تو یاد دلا دے اس کو دوسری۔''

ایک اور آیت میں علم الٰہی کی تعریف میں ہے۔

﴿لَا يَضِلُّ رَبِّىْ وَ لَا يَنْسٰى﴾ (طٰہٰ : ۲۰) ''نہ چوکتا ہے میرا رب نہ بھولتا ہے۔''

ان آیتوں میں لفظ ضلالت کا استعمال بتاتا ہے کہ ''ضال'' کے معنی عربی زبان اور محاورہ قرآن میں صرف گمراہ کے نہیں بلکہ بھول چوک کے بھی ہیں۔ اسی طرح اس حالت کے بھی ہیں جس میں گمراہی گو گمراہی معلوم ہوتی ہے لیکن ہنوز ہدایت الٰہی کا نور اس کے سامنے نہیں چمکا، غلطی کا احساس ہوتا ہے، مگر اس غلطی کی جگہ ہنوز صحت نظر نہیں آئی ہے جہل کی برائی تو معلوم ہوگئی ہے مگر ہنوز علم کا دروازہ نہیں کھلا ہے اور یہی قبل نبوت کی کیفیت ہوتی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت سے پہلے ایک ستم شعار قبطی کو گھونسا مارا تھا جس کے صدمہ سے وہ اتفاقیہ مر گیا تھا، نبوت پا کر جب وہ لوٹے تو فرعون نے ان کو طعنہ دیا کہ تم میرے فراری مجرم ہو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا۔

﴿فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ﴾ (شعرآء : ۲) ''میں نے اس حالت میں کیا تھا کہ میں چوکنے والوں میں سے تھا۔''

اس چوک اور ضلالت سے مقصد صرف یہی ہے کہ اس وقت میں نبوت کی عزت سے سرفراز نہ تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوت سے پہلے کوئی گمراہی کی بات نہیں کی تھی۔ نہ بت کو پوجا تھا نہ فرعون کو سجدہ کیا تھا۔ نہ کوئی اور شرک کیا تھا کسی کے طمانچہ مارنے سے اتفاقیہ کسی کمزور کا مر جانا، مارنے والے کا کوئی بالقصد گناہ نہیں، جس کو ضلالت کہیں، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے کو اس وقت ضال کہنے سے مراد نبوت سے سابقہ زندگی ہے۔ اس قبل نبوت کی زندگی کو بعد نبوت کی زندگی کے لحاظ سے یہاں ''ضلالت'' کہا گیا ہے، دوسری جگہ اس کو ''غفلت'' (بےخبری) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت یوسفؑ کے قصہ میں آپ کو خطاب ہے۔

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ (یوسف : ۱) ''ہم تجھے بہترین قصہ سناتے ہیں، کیونکہ ہم نے تیری طرف یہ قرآن اتارا، اگرچہ اس قرآن کی وحی سے پہلے تو بےخبروں میں تھا۔''

اس ''بےخبری'' کے عالم کی تفسیر دوسری آیت میں ہے جس میں پیغمبر کی قبل از نبوت اور بعد از نبوت کی زندگی کا فرق ظاہر فرما دیا ہے۔

﴿وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَ اِنَّكَ لَتَهْدِىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (شوریٰ : ۵) ''اور اسی طرح ہم نے اپنے (خلوت خانہ) راز سے ایک روح تیری طرح وحی کی، تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان لیکن ہم نے اس کو نور بنا دیا جس سے جس کی چاہتے اپنے بندوں میں سے رہنمائی کرتے ہیں اور بےشک تو سیدھی راہ دکھاتا ہے۔''

Marfat.com

''کتاب وایمان'' کے نور و ہدایت ملنے سے پہلے کی یہی وہ کیفیت و حالت ہے جس کو کہیں ضلالت اور کہیں غفلت کہا گیا اس سے مقصود حقیقی گنہگاری' عصیان کاری اور باطنی گمراہی نہیں ہے' بلکہ طلب حق' تلاش معرفت اور انتظار حقیقت ہے کہ وہی ان کے حق میں ضلالت اور غفلت کا حکم رکھتا ہے' آخر وہ وقت آتا ہے جب روشنی چمکتی ہے روحانی سکون کا چشمہ بہتا ہے اور منزل رسی کے بعد دوسرون کی رہنمائی کا منصب عطا ہوتا ہے' یہ ہدایت کا دور ہے' چنانچہ ایک موقع پر انبیاء کے نبوت ملنے کو ہدایت کے لفظ سے ادا فرمایا گیا ہے۔

﴿وَ وَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَ نُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ﴾ (انعام ۱۰)

''اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب بخشے اور ان میں ہر ایک کو ہدایت دی اور ان سے پہلے نوح کو ہدایت دی۔''

اس ہدایت دینے سے اگر نبوت عطا کرنا مراد ہے تو ظاہر ہے کہ عدم نبوت کا عہد ''ضلالت'' ہی کہلائے گا مگر اس سے مقصد صرف وہ حالت ہوگی جس میں ان کو ہنوز نبوت نہیں ملی تھی اور اس مرتبہ بلند کا انتظار تھا۔

اس تشریح سے یہ واضح ہو گیا کہ انبیاء کے حق میں ضلالت سے مقصود گنہگاری' عصیان کاری اور گمراہی نہیں بلکہ عدم نبوت کا دور اور رسالت کی زندگی سے پہلے کا عہد ہے جو نبوت و رسالت کی ہدایت کے مقابلہ میں نسبتہً ضلالت ہے۔

نبی کی بشریت:

نبی کی معصومیت اور اس کے دوسرے مقدس خصوصیات کے باوجود اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ نبی خدا کا مخلوق خدا کا بندہ اور آدمی ہی ہوتا ہے۔ وہ خدا خدا کا اوتار' دیوتا یا فرشتہ نہیں ہوتا' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی ان مسائل میں سے ہے جن کی اصل حقیقت محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے افراط و تفریط کی تاریکی میں گم تھی اور آپ کے فیض علم سے وہ روشن ہوئی' اسلام سے پہلے یہودیوں کی طرح ایسے اہل مذہب بھی تھے جو پیغمبروں کی ایک پیشین گوئی کی صفت کے سوا وہ ہر حیثیت سے معمولی انسان سمجھے جاتے تھے' وہ ہر قسم کے گناہ بھی کرتے تھے وہ بد اخلاقیوں کے بھی مرتکب ہوتے تھے وہ کفر بھی کرتے تھے تاہم پیغمبر سمجھے جاتے تھے۔ دوسری طرف عیسائی بھی تھے جو اپنے نجات دہندہ کو انسانیت سے الگ خود خدا یا خدا کا جزء یا ناسوت و لاہوت کا ایک مجموعہ سمجھتے تھے۔ اور ہندو بھی تھے جو اپنے رہنمایوں کو دیوتا اور اوتار یعنی مجسم خدا یا انسان کے بھیس میں خدا سمجھتے تھے اور جن کو ہر قسم کی خدائی طاقتیں حاصل تھیں۔

اسلام نے اپنی تعلیم ان دونوں کے وسط میں پیش کی' وہ ایک طرف رسولوں کو مخلوق محض صرف انسانوں اور پورا بندہ اور خدا کے حکم کے سامنے عاجز و درماندہ تسلیم کرتا ہے لیکن دوسری طرف وہ ان کو خدا کا برگزیدہ' معصوم' نیک اور خدا کی قدرت سے فیض پا کر برکتوں' سعادتوں اور ہدایتوں کا مرکز اور اس کی اجازت سے عجیب و غریب امور صادر کرنے والا بتاتا ہے اور بے اعتدالی کے ان دونوں خیالات کی جو غلط فہمی پر مبنی ہیں' علانیہ تردید کرتا ہے۔ اہل عرب بھی ہندوؤں' یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح یہ سمجھتے تھے کہ انسان کی رہنمائی کے لیے خود انسان نہیں بلکہ انسان سے مافوق ہستی ہونی چاہیے اور وہ ہستی صرف فرشتوں کی ہے قرآن نے ان کے اس خیال کی بار بار تکذیب کی ہے اور کہا ہے کہ اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے تو فرشتہ کو ان کے پاس رسول بنا کر بھیجا جاتا اور انسانوں میں فرشتہ آتا بھی تو انسانیت ہی پیکر

Marfat.com

میں آتا تو ایسی حالت میں تم اس فرشتہ کو فرشتہ کب مانتے۔

حقیقت یہ ہے کہ پیغمبروں کے دو رخ ہوتے ہیں' ایک طرف تو وہ بشریت کے جامہ میں ہوتے ہیں اور انسانوں ہی کی طرح کھاتے پیتے' چلتے پھرتے' سوتے جاگتے' شادی بیاہ کرتے اور پیدا ہوتے اور مرتے ہیں' دوسری طرف وہ اپنی روحانیت بے گناہی' پاک دامنی اور اختصاص نبوت میں انسانوں سے بلند تر ہیں' یہودیوں کی طرح جن کی نظر ان کے انسانی رخ پر پڑتی ہے وہ ان کو ہر طرح معمولی انسان سمجھتے ہیں اور عیسائیوں کی طرح جن کی نظر ان کے مافوق انسانی مفادوں پر پڑتی ہے وہ ان میں الوہیت کے اوصاف ثابت کرنے لگتے ہیں حالانکہ حق ان دونوں کے بیچ میں ہے' وہ اپنے بشری اوصاف کے لحاظ سے بلاشبہ انسان ہوتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ وہ اپنے مافوق بشری خصوصیات کی بنا پر فوق البشر ہوتے ہیں' یہی مغالطہ اپنے اپنے پیغمبروں کے متعلق کفار کو ہوتا تھا' پیغمبر ان کے سامنے جب اپنی نبوت اور خدا کی طرف سے آنے کا دعویٰ پیش کرتے تھے' تو وہ ان کی بشری خصوصیتوں کو دیکھ کر کہتے تھے کہ تم تو ہماری ہی طرح آدمی ہو تم خدا کے قاصد اور پیامبر کیسے ہو سکتے ہو' چنانچہ کفار نے بار بار پیغمبروں سے کہا۔

﴿اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ (اسرائیل : ۱) ''کیا خدا نے بشر کو قاصد (رسول) بنا کر بھیجا۔''

وہ بشریت کو رسالت کے منافی سمجھتے تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا۔

﴿هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ (اسرائیل: ۱) ''میں تو نہیں ہوں مگر انسان رسول۔''

ان کو شبہ تھا کہ کیا گمراہ انسانوں کی رہنمائی انسان ہی کر سکتا ہے۔

﴿اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا﴾ (تغابن : ۱) ''کیا انسان ہماری رہنمائی کریں گے۔''

یہ وہی شبہ تھا جس میں پھنس کر عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انسانیت سے منکر ہوئے کہ موروثی گنہگار انسان کو انسان کا بیٹا کیونکر نجات دے سکتا ہے اور یہ نہیں سمجھے کہ انسان موروثی گنہگار نہیں بلکہ وہ گنہگار بھی ہو سکتا ہے اور بے گناہ بھی' بے گناہی اور معصومیت کے لیے انسانیت سے پاک ہونا ضروری نہیں' یہی بات اور کفار کی سمجھ میں بھی نہیں آتی تھی۔ اور انبیاء کو ظاہری اور جسمانی طور سے اپنے ہی طرح انسان سمجھ کر' ان کو نبوت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے اور کہتے تھے۔

﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ (ابراھیم : ۲) ''تم تو نہیں ہو لیکن ہماری ہی طرح ایک بشر۔''

دوسروں کو نبی کے انکار کرنے پر اس طرح آمادہ کرتے تھے کہ:

﴿هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ (انبیاء: ۱) ''نہیں ہے یہ لیکن تمہاری ہی طرح بشر۔''

﴿مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ (مومنین : ۲) ''نہیں ہے یہ لیکن تمہاری ہی طرح بشر۔''

انبیاء کے سامنے وہ یہی دلیل پیش کرتے تھے۔

﴿مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ (شعراء:۸) ''تم تو ہماری ہی طرح بشر ہو۔''

﴿مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ (یس : ۲) ''تم لوگ تو ہماری ہی طرح بشر ہو۔''

اور وہ اپنے اس دعویٰ کی صداقت کو بداہت اور مشاہدہ سے ثابت کرتے تھے۔

Marfat.com

﴿مَا نَرٰکَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا﴾ (ھود : ۳) "ہم تو تم کو اپنی طرح بشر دیکھتے ہیں۔"

انبیاء علیہم السلام نے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ ہاں تمہاری ہی طرح ہم بشر ہیں' لیکن خدا کے فضل وکرم سے سرفراز ہیں۔ اور یہی تم میں اور ہم میں فرق ہے۔ فرمایا۔

﴿قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ (ابراھیم : ۲) "ان کے رسولوں نے جواب دیا کہ ہم تمہاری ہی طرح بشر ہیں لیکن خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے۔"

ان کفار کی نظر صرف ان کے ایک رخ یعنی عام انسانی پہلو پر پڑتی تھی' انبیاء نے جواب میں اس پہلو کے ساتھ اپنے دوسرے رخ کو بھی پیش کر دیا اور کہا کہ ہاں ہم انسان ہیں لیکن ایسے انسان جن پر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی بارش ہے یعنی نبوت سے سرفراز اور اس کی خصوصیتوں سے ممتاز ہیں۔

دوسرے نبیوں کی طرح ختم المرسلین محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی یہ بار بار ارشاد فرمایا بلکہ وحی الٰہی نے آپ کی زبان سے یہ اعلان کر دیا کہ میں تمہاری ہی طرح ایک آدمی اور بشر ہوں' اس اعلان نے جو درحقیقت اس غلط عقیدہ کو مٹانے کے لیے تھا جو انبیاء کی شان الوہیت کے متعلق عیسائیوں کے اثر سے لوگوں میں پھیل گیا تھا اور افسوس ہے کہ اس قسم کا غلط خیال اس نبی کی امت کے ایک گروہ میں بھی پایا جاتا ہے جو دنیا میں خدا کی توحید کامل کا مبلغ بن کر آیا تھا' دوسری طرف اس اعلان سے ایک تفریط پسند گروہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ پیغمبر اور عام انسانوں میں فرق وامتیاز نہیں اور نہ پیغمبروں کو عام انسانوں پر کوئی بلندی وبرتری حاصل ہے۔ الا یہ کہ پیغمبروں پر وحی آتی رہتی ہے اور عام انسان اس سے محروم ہیں' گویا اس کا منشا یہ ہے کہ پیغمبر صرف اس لحہ اور آن میں منصب نبوت کا امتیاز پاتا جاتا ہے جس وقت کسی قسم کی وحی نازل ہوتی ہے اور اس سے پہلے اور اس کے بعد وہ عام انسان ہوتا ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر اسی لیے ایک اور مختصر سے فرقہ نے یہ دعویٰ کیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا پیغمبرانہ حکم صرف وہی ہے جو وحی قرآنی کی صورت میں آیا۔ اس کے علاوہ آپ کے تمام احکام جو قرآن سے باہر ہیں' وہ صرف حاکمانہ اور انتظامی امور ہیں جن کی پیروی کرنا نہ اسلامی شریعت ہے نہ اسلام کا جزو ہے' یہ خیالات حقیقت میں دوسرے فرقہ کے مفرطانہ خیالات کے مقابلہ میں تفریطانہ ہیں اور یہ دونوں اعتدال کی حد سے باہر ہیں اور حقیقت ان کے بیچ میں ہے۔

قرآن پاک میں تین جگہ وہ آیتیں ہیں جن میں خاص آنحضرت ﷺ کی بشریت کا اعلان ہے مگر یہ ہر جگہ توحید کامل کے بیان اور خدا کے مقابلہ میں رسولوں کی عبدیت کی تشریح اور اس عقیدۂ باطل کی تردید میں ہیں کہ رسولوں کے ہاتھوں میں یہ قوت ہونی چاہیے کہ وہ خدا سے زبردستی کسی بات کو منوا لیں اور سعی وسفارش کر کے قصور معاف کرا دیں' قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ ان کو جو کچھ حاصل ہے وہ خدائے تعالیٰ کی اجازت' اذن اور عطا سے ہے۔

سورۂ کہف میں ان مشرکوں کا ذکر ہے جو خدا کے بندوں کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

﴿اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ "کیا وہ جنھوں نے کفر کیا' یہ سمجھتے ہیں کہ وہ میرے بندوں (رسولوں اور فرشتوں) کو میرے سوا اپنا حمایتی بنائیں گے.

Marfat.com

لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا۝ (کہف : ۱۲) ہم نے ان کافروں کے لیے جہنم تیار کی ہے۔''

قرآن اس خیال کو کفر قرار دیتا ہے یہ رکوع کا شروع ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے غیر محدود اوصاف وکمالات کا ذکر ہے پھر ارشاد ہے۔

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ (کہف : ۱۲) ''کہہ دے کہ میں تو تمہاری طرح ایک بشر ہوں مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔''

دوسری جگہ یہی تعلیم بعینہ سورۂ حم السجدہ (فصلت) میں ہے۔

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَ اسْتَغْفِرُوْهُ وَ وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ﴾ (حم السجدہ) ''کہہ دے کہ میں تو تمہاری طرح ایک بشر ہوں مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے اس کی طرف سیدھے رہو اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو خرابی ہے شرک کرنے والوں کے لیے۔''

اس آیت کا منشا بھی یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں رسول اسی طرح ایک بندہ ہے جس طرح خدا کے دوسرے بندے۔ دعائیں خدا ہی سے مانگنی چاہئیں اور اسی سے اپنے گناہوں کی درخواست کرنی چاہیے یہ اختیارات خاص خدا کے بندوں کے نہیں اس تعلیم سے مقصود حقیقت میں عیسائیوں کے مسئلہ کفارہ اور ان کے عقیدہ کی تردید ہے کہ گناہوں کا معاف کرنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اختیار میں ہوگا اور مسلمانوں کو اپنے رسول کی نسبت اس قسم کی باطل عقیدت مندیوں سے بچانا ہے چنانچہ تیسری جگہ قرآن پاک میں جہاں آنحضرت ﷺ سے کفار کا یہ مطالبہ مذکور ہے کہ تم خدا کے پیغمبر ہو تو ہمارے لیے سونے کی چھت بنا دو جہاں نہریں نہیں وہاں نہریں جاری کر دو ہمارے سنسان جنگلوں کو باغ و بہار بنا دو اپنے ساتھ جلو میں فرشتوں کے پرے لے کر چلو ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جاؤ اور وہاں سے ہاتھ میں کتاب لے کر سامنے اترو۔

﴿وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ﴾ (بنی اسرائیل : ۱۰) ''اور انہوں نے کہا کہ ہم تم پر ایمان اس وقت تک نہیں لائیں گے جب تک تو ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ نہ بہا دو یا تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ نہ ہو جائے یا جیسا کہ تم کہتے ہو آسمان کے ٹکڑے کر کے ہم پر نہ گرا دو یا خدا کو اور فرشتوں کو ضامن بنا کر نہ لے آؤ یا تمہارے لیے سونے کا ایک گھر نہ ہو جائے یا تم آسمان پر نہ چڑھ جاؤ اور ہاں تمہارے آسمان پر چڑھنے کا ہم کو اس وقت تک یقین نہ آئے گا۔ جب تک تم وہاں سے ایک نوشتہ نہ ہم پر اتار لاؤ جس کو ہم پڑھ لیں۔''

یہ امور مشکل ومحال نہ تھے لیکن نبوت کے اوصاف کو ان بازی گرانہ تماشوں سے تعلق نہ تھا اور اس سے زیادہ یہ

Marfat.com

کہ اس غلط عقیدہ کا ابطال کرنا تھا کہ پیغمبر میں براہ راست کچھ خدائی اختیارات ہوتے ہیں اس لیے آپ کو یہ جواب سکھایا گیا کہ آپ فرمائیں۔

﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلاً و مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلاً قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلاً﴾ (بنی اسرائیل ۔ ۱۱)

''کہہ دے اے پیغمبر! سبحان اللہ میں تو ایک بشر ہوں' رسول۔ اور لوگوں کو جب اس کے پاس ہدایت آئی ایمان لانے سے باز نہیں رکھا' مگر اس خیال نے کہ کیا خدا نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے کہہ دے کہ اگر زمین پر فرشتے ہوتے تو ہم آسمان سے فرشتہ کو رسول بنا کر ان پر اتارتے۔''

آنحضرت ﷺ سے بہ تمام خدا معجزات بھی صادر ہوئے اور ان کی حیرت انگیزی کو انہوں نے تسلیم بھی کیا پھر بھی یہ خیال کہ ایک بشر رسول کیونکر ہو سکتا ہے' قائم رہا۔

کفار نے معجزات دیکھنے کے بعد بھی یہی کہا۔

﴿هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ﴾ (انبیاء)

''یہ تو تمہاری ہی طرح بشر ہے کیا تم دیکھ بھال کر بھی جادو کے پاس آتے ہو۔''

معجزات کی حیرت انگیزی کو جادو کہہ کر تسلیم کیا' مگر پھر بھی ان کو بشریت رسالت کے منافی ہی معلوم ہوئی' ان سے کہا گیا کہ نبوت و رسالت کے اوصاف و خصائص تم سے زیادہ ان کو معلوم ہیں جن کو تم سے پہلے آسمانی کتابیں عطا ہوئیں یعنی یہود ان سے پوچھ لو کہ رسول اور نبی بشر ہی ہوتے آئے ہیں۔

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالاً نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

''اور ہم نے نہیں بھیجا رسول بنا کر تم سے پہلے لیکن انسانوں ہی کو جن کو ہم وحی کرتے تھے' جاننے والوں سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔''

یہی جواب سورۂ یوسف میں دیا گیا۔

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالاً نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾ (یوسف : ۱۲)

''اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجے' وہ بشر ہی تھے آبادیوں کے رہنے والے ہم ان پر وحی کرتے تھے۔''

اس سے زیادہ تفصیل سورۂ نحل میں ہے۔

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالاً نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (نحل : ۶)

''اور ہم نے نہیں بھیجا تم سے پہلے لیکن انسانوں کو جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے تو پوچھ لو کتاب والوں سے اگر تم نہیں جانتے۔ کھلی نشانیاں اور کتابیں دے کر اور ہم نے تم پر کتاب (ذکر) اتاری تا کہ تم کھول کر لوگوں سے بیان کرو جو ان کی طرف اتارا گیا اور تا کہ وہ سوچیں۔''

Marfat.com

ہر شخص جو مثلیت اور بشریت کی ان آیتوں پر ایک نگاہ ڈالے گا وہ یہی سمجھے گا کہ ان آیتوں میں جس قسم کی مثلیت اور بشریت کا ذکر ہے اس کا تعلق ظاہری جسمانیت اور جسمانی قویٰ اور مخلوقیت سے ہے ورنہ اخلاقی روحانی دماغی قلبی علمی اور عملی حیثیت سے ایک پیغمبر انسان رہ کر بھی غیر نبی انسانوں سے بلندتر اور علانیہ ممتاز ہوتا ہے نبی اور غیر نبی میں صرف وحی کے امر فارق ہونے کے یہ معنی نہیں کہ نبی القائے ربانی سے متصف ہونے کے علاوہ بقیہ تمام اوصاف وکمالات یا عیوب ونقائص میں عام انسانوں کے برابر ہوتا ہے یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ عالم وجاہل میں صرف علم کا فرق ہے ورنہ دونوں برابر کے انسان ہیں تو اس کے معنی یہ نہیں کہ علم وجہل کے علانیہ ممتاز ومتضاد اوصاف میں بھی وہ دونوں برابر ہیں اور ان میں عقل اخلاق تہذیب سلیقہ رائے اور حکمت ودانائی کا کوئی فرق نہیں حالانکہ ان میں علم وجہل کا فرق کہہ کر درحقیقت ان دونوں کے درمیان علم اور جہل کے سینکڑوں اوصاف لوازم اور خصائص کا فرق وامتیاز تسلیم کرنا ہے۔

اسی طرح نبی اور غیر نبی میں وحی کا فرق مان کر وحی والے اور بے وحی والے انسانوں میں خود وحی اور عدم وحی کے سینکڑوں لوازم خصائص اور اوصاف کا فرق تسلیم کرنا پڑے گا وحی ورسالت کو چھوڑ دو دوسرے انسانی کمالات کو مثالاً لو تو بھی یہی ماننا پڑے گا کہ انسان کے لیے جتنے اوصاف وکمالات ممکن ہیں ان سب کی اعلیٰ سے اعلیٰ جانب کمال تک پہنچنا ممکن ہے اور جو وہاں تک پہنچ جاتے ہیں وہ اپنے جسمانی اوصاف وخصائص کے لحاظ سے انسان ہونے کے باوجود اپنے دوسرے قویٰ میں عام انسانوں سے یقیناً بلند اور ممتاز ہوتے ہیں کوئی کہہ سکتا ہے کہ جسمانی قوت کا ایرانی ہیرو رستم انسان نہ تھا علم وعقل کا یونانی مجسمہ ارسطو انسانیت سے پاک تھا اور موجودہ دنیا کی بہت سی حیرت انگیز ایجادوں کا مخترع اڈیسن بشر نہیں لیکن اس انسانیت اور بشریت کے اشتراک کے باوجود اپنے اپنے دائرہ میں وہ عام انسانوں سے بلندتر اور ممتاز تر ہیں اور با ایں ہمہ وہ اپنے جسمانی خصائص چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے سونے جاگنے دیکھنے بھالنے صورت شکل ہاتھ پاؤں ہر ایک چیز میں وہ ایسے ہی انسان ہیں اور مخلوق انسان بلکہ مجبور انسان ہیں جیسے دوسرے کمزور جاہل اور بلید الذہن انسان یہی مثال ایک معنی میں انبیائے کرام علیہم السلام کی بھی ہے کہ وہ غیر نبی انسانوں کے ساتھ بہت سے انسانی اوصاف میں شریک ہونے کے باوجود وحی اور اس کے خصائص اور لوازم میں ان سے صریحاً الگ بلند اور اعلیٰ بلکہ بعض جسمانی خصائص میں بھی ان سے ممتاز ہیں آنحضرت ﷺ کو صوم وصال رکھتے دیکھ کر جب صحابہ بھی آپ کی پیروی میں کئی کئی دن تک کا متصل روزہ رکھتے ہیں تو آپ ان کو منع کرتے ہیں اور اپنی نسبت فرماتے ہیں ((اَيُّكُمْ مِثْلِىْ اَبِيْتُ يُطْعِمُنِىْ رَبِّىْ وَ يَسْقِيْنِىْ)) [1] تم میں کون میرے مثل ہے میں رات گزارتا ہوں تو میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے)۔ کیا تم انسانوں کو بھی یہ روحانی غذا اور روحانی سیرابی میسر آتی ہے اور وحی کے علاوہ بعض دوسری حیثیتوں سے بھی مثلیت کی اس میں نفی نہیں ہے۔

اسی طرح نیند کی حالت میں بھی نبی کے قلب اور اس کے احساسات کا غافل نہ ہونا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے آپ نے فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا ﴿وَ كَذٰلِكَ الْاَنْبِيَآءُ تَنَامُ اَعْيُنُهُمْ وَ لَا تَنَامُ

(۱) صحیح بخاری کتاب الصوم۔

Marfat.com

قُلُوْبُهُمْ﴾[1] اور اسی طرح سب انبیاء ہیں کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں مگر ان کے دل نہیں سوتے' کیا یہی کیفیت عام انسانوں کی نیند کی بھی ہے؟ آنحضرت ﷺ لوگوں کو نماز میں صفوں کو درست رکھنے کی تاکید کرتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی ویسے ہی دیکھتا ہوں جیسے سامنے سے' کیا عام انسانوں کی قوت بصارت کا یہی عالم ہوتا ہے قرآن پاک میں ہے۔ ﴿اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى﴾ کیا پیغمبر جو دیکھتا ہے۔تم اس میں اس سے جھگڑتے ہو ﴿وَ لَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ﴾ اور اس نے اس (فرشتہ) کو آسمان کے کناروں میں دیکھا کیا عام انسان بھی یہ مشاہدہ کرتے ہیں' آنحضرت ﷺ کے انتساب سے امہات المومنین کو جو شرف حاصل ہوا۔اس کا اقتضا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے امہات المومنین کو خطاب کر کے فرمایا ﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ﴾ اے پیغمبر کی بیویو تم ایسی نہیں ہو' جیسی ہر عورت اگر خدا کا ڈر رکھو۔تو اگر پیغمبر کی بیویاں تقویٰ کے بعد عام عورتوں کے مثل نہیں ہیں تو خود پیغمبر تو بدرجہا اس کا سزاوار ہے کہ وہ ﴿كَاَحَدٍ مِّنَ الرِّجَالِ﴾ نہ ہو اور اپنے خصائص میں عام انسانوں سے بدرجہا بلند تر اور ممتاز ہو۔

الغرض نبی اور غیر نبی میں صرف وحی ونبوت کا جو فرق ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ ان دونوں میں وحی ورسالت کے تمام لوازم خصوصیات اور ضروری اوصاف میں فرق اور امتیاز ہے' اس لیے کسی انسان کو صاحب وحی ہونے کے ساتھ ہی اس کو ان تمام اوصاف ولوازم اور خصوصیات کا مالک بھی ضرور ہی ماننا پڑے گا۔

اجتہاد نبوی میں خطا:

شبہ کا ایک اور سبب یہ ہے کہ قرآن مجید میں بعض جگہ آنحضرت ﷺ کو آپ کی چند فروگزاشتوں پر متنبہ کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاص وحی الٰہی کے علاوہ آپ اپنی عقل ومصلحت سے جو حکم دیتے تھے وہ غلطیوں سے پاک نہیں ہوتا تھا' اس سلسلہ میں یہ بات تمام مسلمانوں کو تسلیم ہے کہ جن بعض امور میں آپ پر وحی قرآن نازل نہیں ہوتی تھی۔ان میں آپ اپنے پیغمبرانہ علم وحکم اور فہم نبوی سے فیصلہ فرماتے تھے لیکن غور کے قابل یہ بات ہے کہ اگر آپ کو آپ کے اس فیصلہ پر خدائے تعالیٰ کی طرف سے کبھی کوئی تنبیہ نہ ہوئی ہوتی تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ آپ کے تمام فیصلے صحیح اور منشائے الٰہی کے مطابق ہوتے تھے' مگر یہ بھی کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ اجتہاد نبوی کے فیصلوں کی صحت وخطا کی ذمہ داری خدا نے نہیں لی تھی اس لیے تنبیہ نہ فرمائی گئی۔مگر واقعہ ان دونوں کے خلاف ہے صورت یہ ہے کہ بعض فیصلوں پر تنبیہ کی گئی ہے۔اور بعض پر نہیں اور اس سے بداہۃً ثابت ہوتا ہے کہ اجتہاد نبوی میں غلطی ہو جانا ممکن ہے' مگر اس غلطی پر چند لمحوں کا قرار بھی ممکن نہیں' ادھر لغزش ہوئی اور ادھر علام الغیوب کی بے خطا وحی نے اس کی تنبیہ اور اصلاح کی۔اس واقعہ سے دوسرا نتیجہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام امور واحکام جن کو آپ نے اپنے پیغمبرانہ اجتہاد وعلم وحکمت سے ارشاد فرمایا ان پر عمل کیا اور وحی الٰہی نے ان پر خاموشی برتی تو منشائے الٰہی نے گویا ان کی صحت وصداقت پر اپنی خاموشی سے مہر کر دی اور ان کی حیثیت بمنزلہ وحی کے ہو گئی۔

آنحضرت ﷺ کی نبوت کی عمر ۲۳ سال ہے ان پورے ۲۳ سالوں میں ہزاروں واقعات اور امور پیش آئے

---

(۱) صحیح بخاری باب الاسراء۔

Marfat.com

جن پر آپ نے اپنے اجتہاد اور شرح صدر سے فیصلے صادر کیے مگر ان میں سے کل پانچ باتیں ایسی ہیں جن پر وحی الٰہی نے تنبیہ کی اور عجیب تر یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے، جس کا تعلق حکم دینی، شریعت ابدی، اعتقاد، عبادات یا شرعی معاملات سے ہو بلکہ وہ کل کے کل ایسے امور ہیں، جن کی حیثیت تمام تر شخصی یا جنگی ہے، اس سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ دین اور شریعت میں آپ کے یہ پیغمبرانہ اجتہادی فیصلے خطا و غلطی سے تمام تر پاک تھے۔

اس خطا کے معنی:

عام انسانوں کے اجتہادات میں جن اسباب سے غلطیاں واقع ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ جن مقدمات پر ان کا اجتہاد مبنی ہوتا ہے وہ غلط ہوتے ہیں یا ان کا علم ان کو قطعی طور سے نہیں ہوتا، یا استقراء تام نہیں ہوتا تمثیل پوری نہیں ہوتی، علت مشترکہ صحیح نہیں معلوم نہیں ہوتی مگر یہ تمام صورتیں اجتہاد نبوی میں نہیں ہیں، کیونکہ اجتہاد نبوی نہ ان طریقوں پر مبنی ہوتا ہے نہ وہ غور و فکر نظر و استدلال اور استقراء و تمثیل کے منطقی اور اصولی ذرائع پر قائم ہوتا ہے بلکہ وہ نور رسالت فہم نبوت، حکمت ربانی اور شرح صدر پر مبنی و قائم ہوتا ہے، جن میں یہ بیچ کی منزلیں سرے سے نہیں ہوتی ہیں اسی لیے لفظ ''اجتہاد'' جو عام طور پر پہلے معنی میں مستعمل اور مشہور ہے اس سے اس مقام پر التباس سے بچنے کی خاطر احتراز کرنا بہتر ہے۔

ایک اور نکتہ بھی پیش نظر رہے، آنحضرت ﷺ کے پیغمبرانہ اجتہاد میں اگر غلطی ہوئی ہے تو اس غلطی کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ آپ نے جو پہلو اختیار فرمایا، وہ کوئی گناہ یا بدی یا بداخلاقی کا پہلو تھا، بلکہ یہ ہے کہ دو بہتر راستوں میں سے آپ نے بہترین راستے کو چھوڑ کر بہتر راستے کو اختیار کیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی اور بہتر کی جگہ بہترین کی تلقین کی۔

اس قسم کے جو چند واقعات پیش آئے ہیں ان پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ بہترین کو چھوڑ کر جس بہتر کو آپ نے اختیار فرمایا۔ اس کا منشا ہمیشہ امت پر رحم و کرم اور شفقت کی نگاہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اس ظاہری یا عارضی رحم و کرم و شفقت کی جگہ ان احکام کی تلقین فرمائی جن میں گو بظاہر سختی معلوم ہوتی ہے مگر علام الغیوب کی دائمی مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ سخت پہلو اختیار کیا جائے۔

ذیل میں ہم ان اجتہادی امور کی تشریح کرتے ہیں، جن پر وحی الٰہی نے تنبیہ کی ہے۔

پانچ اجتہادی امور پر تنبیہ الٰہی:

جن اجتہادی امور پر وحی الٰہی نے تنبیہ کی ہے ان میں۔

(۱) پہلا واقعہ یہ ہے کہ ہجرت کے قبل مکہ معظمہ میں جب آنحضرت ﷺ اپنی دعوت کی تبلیغ فرما رہے تھے تو ایک دن قریش کے بڑے بڑے روساء آپ کی مجلس میں بیٹھے آ کر آپ ان کو سمجھا بجھا رہے تھے بت پرستی کی برائیاں اور توحید کی خوبیاں ان پر ظاہر فرما رہے تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ وہ اس دعوت کو قبول کر لیں کہ اتنے میں ایک مخلص لیکن غریب اور نابینا مسلمان عبداللہؓ بن ام مکتوم بھی آ کر بیٹھ گئے اور کچھ دریافت کرنا چاہا، قریش کے یہ روساء

Marfat.com

حد مغرور اور خود پسند تھے، وہ آپ کے جلسوں میں صرف اس لیے آنا پسند نہیں کرتے تھے کہ آپ کی مجلس میں بدحال بے حیثیت اور ادنیٰ درجہ کے لوگ آیا کرتے ہیں۔ اس لیے اس موقع پر جب آنحضرت ﷺ کو ان رئیسوں کی اثر پذیری کے کچھ امکانات نظر آ رہے تھے۔ عبداللہ ابنؓ مکتوم کا آنا جانا اور پوچھنا ناگوار ہوا کہ ان کے آنے سے ان رئیسوں کی خود پسندی اور بڑائی کے جذبہ کو اشتعال ہوا، اور راستہ سے بدک گئے۔

عبداللہ بن ام مکتوم کی آمد اور دریافت پر یہ ناگواری جو بالکل نیک نیتی سے تھی، یعنی اس لیے تھی کہ آپؐ جانتے تھے کہ عبداللہ بن ام مکتوم تو مسلمان ہی ہیں۔ اس وقت ان کی بات کا جواب نہ دینے میں چنداں ہرج نہیں، لیکن ان رئیسوں کی ناگواری پورے باشندگان مکہ پر اثر انداز ہوگی، اگر یہ مسلمان ہو گئے تو مکہ میں اسلام کی اشاعت کی راہ میں پھر کوئی روک باقی نہیں رہے گی یہ سمجھ کر آنحضرت ﷺ عبداللہ بن ام مکتوم کی طرف سے بے التفات ہو کر ان رئیسوں کی تبلیغ و موعظت کی طرف سرتاپا متوجہ رہے۔ اس پر وحی الٰہی نے حسب ذیل الفاظ میں تنبیہ کی۔

﴿عبس و تولّی ان جآء الاعمٰی و ما یُدریک لعلّہ یزّکّی او یذّکّر فتنفعہ الذکرٰی امّا من استغنٰی فانت لہ تصدّٰی و ما علیک الّا یزّکّی و امّا من جآءک یسعٰی وھو یخشٰی فانت عنہ تلھّٰی کلّآ انّھا تذکرۃ فمن شآء ذکرہ﴾ (عبس : ۱)

''تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا کہ وہ اندھا آیا اور تجھے کیا خبر کہ شاید وہ سنورتا یا سوچتا تو تیرا سمجھانا کام آتا، وہ جو پروا نہیں کرتا، تو تو اس کی فکر میں ہے اور اس کے نہ سنورنے کا تجھ پر کوئی الزام نہیں، وہ جو تیرے پاس دوڑا آیا اور (خدا سے) ڈرتا ہے تو اس سے تغافل کرتا ہے، یوں نہیں، یہ تو نصیحت ہے جو چاہے اس کو یاد کرے۔''

ان آیتوں میں آنحضرت ﷺ کے اس اجتہاد پر کہ ایک پرانے لیکن غریب مسلمان کی مزید ہدایت سے قریش کے رئیسوں کا سمجھانا زیادہ بہتر ہے، تنبیہ کی گئی اور اس نکتہ کو ذہن نشین کیا گیا کہ اسلام کی اصولی بنیادوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے نزدیک امیر و غریب، آقا و غلام، اونچے اور نیچے کی کوئی تمیز نہیں۔ اس کی نگاہ میں بینا اور نابینا دونوں برابر ہیں یہ نکتہ تو اس وقت کے فیصلے میں آپ کے پیش نظر رہا کہ ایک مسلمان اندھے کی دل جوئی سے ان رئیسوں کی جائز دلجوئی کر کے ان کو اسلام کی طرف مائل کرنا زیادہ بہتر ہے، مگر یہ نکتہ نظر انداز ہو گیا کہ اس طرز عمل سے خود اسلام کی بنیادی تعلیم پر کیا اثر پڑے گا۔ اس لیے وحی الٰہی نے تنبیہ کی کہ اسلام کا یہ پیغام دنیا کے لیے صدائے عام ہے جو چاہے قبول کرے۔ اس میں کوئی تمیز و تخصیص نہیں، علاوہ ازیں اس کا بھی اشارہ کیا کہ یہ رؤسائے قریش جن کے مسلمان ہونے کی آپؐ اس قدر کوشش فرما رہے ہیں وہ ایمان سے محروم ہی رہیں گے۔ اس لیے ان کی طرف مزید توجہ بے سود ہے اور ظاہر ہے کہ آپؐ ان کے حق میں دانائے غیب کے اس فیصلہ سے پہلے آگاہ نہ تھے اس لیے آپ اپنے موجود علم کے مطابق اپنے فعل کو صحیح سمجھ رہے تھے۔

دوسرا واقعہ:

(۲) سب سے پہلی لڑائی میں مسلمانوں کے مال غنیمت حاصل کرنے اور بدر کے قیدیوں سے زرفدیہ قبول کرنے کا ہے، اس وقت تک ظاہر ہے کہ مال غنیمت اور فدیہ کا قانون نازل نہیں ہوا تھا کہ ابھی اس کا موقع ہی نہیں آیا

Marfat.com

تھا، مسلمانوں کو مدینہ منورہ آ کر سب سے پہلے سریہ نخلہ میں مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اس کے بعد ہی بدر کے معرکہ میں پھر مال غنیمت ملا، اور ساتھ ہی قریش کے ستر قیدی بھی ہاتھ آئے جن میں اکثر مکہ کے دولت منداور شرفاء تھے، ان قیدیوں کی نسبت مسلمانوں کی مختلف رائیں تھیں، بعضے، ان کو آگ میں زندہ جلادینا چاہتے تھے، کچھ لوگ فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دینا چاہتے تھے جس سے ان کو چالیس ہزار درہم ملنے والے تھے، نفسیات کے ماہر جانتے ہیں کہ جو قوم مدت سے ہر قسم کی مصیبت اور تکلیف اٹھاتی رہتی ہے وہ بیکسی مظلومیت، مغلوبیت اور غربت کے دور سے نکل کر جب پہلے پہل غالب اور دولت مند ہوتی ہے اور اس کو ملکی اور مالی قوت پر دسترس حاصل ہوتی ہے تو وہ لمحہ اس کی زندگی میں اخلاقی حیثیت سے بڑا ہی نازک ہوتا ہے۔ غلبہ، قوت اور دولت پاکر بھی اس کے نشہ میں وہ سرشار نہ ہو اور اپنے دل و دماغ پر قابو رکھے، یہ بڑا ہی مشکل کام ہے جو مظلوم تھا وہ غالب ہو جائے اور جو ظالم تھا وہ مغلوب ہو جائے اور اس وقت ردعمل اپنا کام کر کے مظلوم غالب میں اپنے ظالم مغلوب سے شدید انتقام لینے کا جذبہ نہ پیدا کرے، یہ کوئی آسان کام نہیں، سیاسی و مذہبی تاریخوں سے تین صدیوں تک برابر سخت سے سخت تکلیفیں اٹھائیں، لیکن قسطنطین کے زمانہ میں جب دفعۃً جو مظلوم تھے وہ غالب اور جو ظالم تھے وہ مغلوب ہو گئے، تو عیسائی قوم کا پچھلا جو ہر ایک ایک کر کے رخصت ہو گیا اور ان لوگوں نے جو پہلے مظلوم تھے، انتقام کے نشہ میں چور ہو کر یہودیوں اور رومی بت پرستوں کے ساتھ وہ کچھ کیا جس سے اخلاق انسانی کی تاریخ آج بھی شرماتی ہے۔

غزوہ بدر کی غیر متوقع فتح نے مظلوم و بے کس مسلمانوں کے لیے تاریخی دور کا وہی نازک موقع پیدا کر دیا، غریب و تنگ دست مسلمانوں کو جو سالہا سال سے کسب معاش سے محروم اور معمولی ضروریات کے بوجھ سے دبے ہوئے تھے، ان کو غنیمت اور فدیہ کی دولت ہاتھ آئی اور وہی قریش جن کے ظلم وستم سے ان کے بدن زخمی اور ان کے سینے داغ دار تھے، وہ دفعۃً مغلوب ہو گئے ان کے بڑے بڑے سرداران کے ہاتھوں سے لڑائی میں مارے گئے اور ان کے ہاتھوں میں قید ہو کر ستر سردار صرف ان کے رحم و کرم پر زندہ تھے۔

اب تک مسلمان نہایت یک دلی، یک جہتی اور خلوص سے اپنی راہ طے کر رہے تھے اور یہ اخلاقی جوہر مظلوموں کی برادری میں اکثر پیدا ہو جاتے ہیں، لیکن دولت آ کر ان کے بجائے ان میں اختلاف، تفریق و حرص و طمع اور ذاتی اغراض کے جذبات پیدا کر دیتی ہے اس اتفاقی دولت اور غیر متوقع فتح و غلبہ نے صحابہ کرام کے لیے امتحان کا وہی نازک موقع پیش کر دیا اور دنیا کے سب سے بڑے رہنما کی قوت رہنمائی کے اظہار کا بھی یہی موقع تھا، چنانچہ اس وقت مال غنیمت، زر فدیہ اور قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کے متعلق غالب و فاتح مسلمانوں میں اختلاف رائے رونما ہو گیا، آنحضرت ﷺ کے سامنے اس وقت اہم ترین کام تھا۔ آپ نے امر اول کی طرف توجہ فرمائی کہ مظلوم فاتح قوت پا کر اپنا جوہر نہ کھو بیٹھیں چنانچہ حضرت عمر فاروق نے ان قیدیوں کے قتل کی جو تجویز پیش کی تھی آپ نے رد فرما دی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تجویز کہ فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیا جائے قبول فرمائی اور ان سے فرمایا کہ اے ابوبکرؓ تمہاری مثال ابراہیم اور عیسیٰ علیہ السلام کی ہے اور اے عمر تمہاری مثال نوحؑ اور موسیٰ علیہ السلام کی۔ [1] آپ نے حضرت

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۱ کتاب المغازی حیدر آباد دکن۔

Marfat.com

ابراہیم کی نیک دلی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رحم دلی کی مثال کی پیروی کی اور بدر کے ان قیدیوں کی جان بخشی فرمائی اور قتل کے بجائے زرفدیہ ادا کردینے پر رہائی کا حکم دے دیا اور جو ان میں نادار تھے ان کو چند مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے پر آزادی کا فرمان عطا کردیا اور صحابہ کو تاکید کی کہ ان کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کریں' چنانچہ بعضوں کا یہ حال تھا کہ وہ کھجور پر قناعت کرتے تھے اور اپنے قیدیوں کو روٹی کھلاتے تھے۔

لیکن وحی الٰہی کی نگاہ میں اس سے زیادہ اہم پہلو ان غریبوں کا دفعتہً مال و دولت کی حرص و طمع میں مبتلا ہو جانا تھا چنانچہ یہی صورت پیش آئی' مال غنیمت کے فراہم کرنے والوں نے دعویٰ کیا کہ اس پر ہم نے لڑائی میں قبضہ کیا ہے' اس لیے ہمارا ہے' لڑنے والے نوجوانوں نے دعویٰ کیا کہ ہماری تلواروں سے فتح حاصل ہوئی ہے اس لیے اس کے اصلی حق دار ہم ہیں' جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے وہ کہتے تھے کہ سب سے نازک اور خطرناک فرض ہمارا تھا۔ اس لیے ہم کو ملنا چاہیے۔ (۱) یہی اختلاف زرفدیہ کی ملکیت کی نسبت بھی ہوا ہوگا۔ جیسا کہ سورۂ انفال کی ابتدائی آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (انفال)

(''اے پیغمبر) تجھ سے (تیرے ساتھی) غنیمت کا حکم پوچھتے ہیں تو کہہ دے کہ مال غنیمت اللہ کا ہے اور رسول کا ہے تو اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح کرو اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔''

حضرت عبادہؓ بن صامت سے پوچھا گیا کہ سورۂ انفال کے نزول کی کیا وجہ ہے' تو کہا۔

فينا اصحاب بدر نزلت حين اختلفنا في النفل و ساء ت فيه اخلاقنا فنزعه الله من ايدينا فجعله الله الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقسمه رسول الله صلى الله عليه وسلم بين المسلمين عن سواء.

''یہ سورت ہم بدر والوں کے متعلق نازل ہوئی جب مال غنیمت میں ہم نے باہم اختلاف کیا اور اس میں ہمارے اخلاق برے ہو گئے تو خدا نے اس کو ہمارے ہاتھوں سے چھین لیا اور رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں دے دیا تو آپ نے تمام مسلمانوں کے مابین برابر تقسیم فرما دیا۔'' (۲)

یہی وہ تنبیہ ہے جو وحی الٰہی نے آنحضرت ﷺ کے اس فیصلہ پر کی اور آیت اتری۔

(۱) سیرت ابن ہشام ذکر الفئی ببدر والاساری ج ۱ ص ۳۹۱ مطبوعہ محمد علی۔

(۲) سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۹۱۔

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا

''کسی پیغمبر کو زیبا نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں تاکہ زمین میں فساد کریں' تم لوگ دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب اور دانا ہے' اگر خدا کی طرف سے یوں ہونا مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو تمہارے اس لینے پر تم کو بڑی سزا ملتی تو اب جو تم نے لوٹ میں پایا حلال

Marfat.com

وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (انفال : ۹) و پاک کر کے کھاؤ، اور اللہ کا ادب کرو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

اسی قدر نہیں بلکہ ان قیدیوں کو جن سے زرفدیہ وصول ہوا یا وصول کیا جا رہا تھا' اس کے بعد ہی یہ تسلی دی گئی۔ (۱)

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (انفال : ۱۰) ''اے پیغمبر! تمہارے ہاتھوں میں جو قیدی ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں نیکی پائے گا تو تم کو اس سے بہتر چیز دے گا جو تم سے لی گئی اور تم کو معاف کرے گا اور اللہ معاف کرنے اور رحم کرنے والا ہے۔''

بعضوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ یہ تنبیہ قیدیوں کے زرفدیہ لے کر رہا کرنے اور قتل نہ کیے جانے پر ہوئی حالانکہ ظاہر ہے کہ جن قیدیوں سے زرفدیہ لیے جانے پر اللہ تعالیٰ نے ان سے ہمدردی فرمائی اور اگر وہ حسن نیت سے ظاہر کریں تو ان کی مغفرت کا وعدہ اور اس دنیاوی خزف ریزہ سے جو ان سے بطور فدیہ لیا گیا۔ ان کو بہتر دولت دیے جانے کی امید دلائی' کیا ان کا قتل زرفدیہ لینے سے کم سزا ہوتی؟ اور جن سے فدیہ لیا گیا ان کے قتل کیے جانے پر ان کے قاتلوں پر اس سے زیادہ سرزنش اور ان مقتولوں سے اس سے زیادہ ہمدردی نہ کی جاتی۔

بہر حال وہی مال غنیمت اور زرفدیہ جس کو اس وقت آنحضرت ﷺ نے صاف و صریح وحی آنے سے پیشتر قبول فرما لیا تھا اور جس پر تنبیہ ہوئی' وہ آخر کار ''اجتہاد نبوی'' کے مطابق مناسب موقع پر جائز اور حلال و طیب ہی ٹھہرا لیا اور غلطی' غلطی باقی نہیں رہی' مال غنیمت لینے کے متعلق کلوا مما غنمتم۔ کا حکم اسی وقت آ گیا اور فدیہ لینے کی اجازت ﴿اما منا بعد و اما فدآء﴾ کے الفاظ میں بعد کو مناسب زمانہ میں آ گئی اور اس مال و دولت کی حرص و طمع سے اس وقت جو بداخلاقی پیدا ہونے والی تھی اس کا ازالہ ہمیشہ کے لیے اس طرح کر دیا کہ اس کی تقسیم کا ابدی قانون بنا دیا گیا۔ اس میں تمام ضروری مستحقین کے حصے لگا دیئے گئے۔

تیسرا واقعہ:

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ آپ غزوۂ تبوک کے لیے جا رہے تھے جس میں بکثرت مسلمانوں کی شرکت کی ضرورت تھی کہ مقابلہ رومیوں کی دل بادل فوج سے تھا اور کسی منظم سلطنت سے ٹکر لینے کا یہ پہلا موقع مسلمانوں کو پیش آیا تھا اور موسم بھی نہایت گرم اور سخت تھا' تیس ہزار مسلمانوں کی جمعیت روانہ ہوئی' مگر کچھ مخلص مسلمان مجبوراً چھوٹ گئے اور اکثر منافقین نے جان بوجھ کر اس کی شرکت سے جی چرایا' آپ واپس آئے تو عدم شرکت کے قصوروار منافقین آ آ کر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنے عذرات بیان کرنے لگے' آپ نے ان کا اعتبار کر کے رحم فرما کر ان کے قصور سے درگزر کیا' اس پر تنبیہ ہوئی۔

﴿سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا ''وہ خدا کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم مقدور رکھتے تو ضرور

(۱) مزید تفصیل کے لیے دیکھو سیرت النبی جلد اول میں غزوۂ بدر کا بیان۔

Marfat.com

معکم یھلکون انفسھم و اللّٰہ یعلم انھم لکذبون عفا اللّٰہ عنک لم اذنت لھم حتی یتبین لک الذین صدقوا و تعلم الکذبین﴾ (توبہ : ۶ . ۷)

تمہارے ساتھ نکلتے وہ اپنی جانوں کو برباد کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں اللہ تجھ کو بخشے تو نے ان کو رخصت کیوں دی جب تک تجھ پر وہ کھل نہ جاتے جو ان میں سچ بولتے اور تو جان لیتا جھوٹ بولنے والوں کو۔''

ظاہر ہے کہ آپ علم غیب سے واقف نہ تھے اور ان کے واقعی حالات سے بے خبر تھے۔ اس لیے بظاہر ان کے قول پر اعتبار ہی کرنا تھا اور وہی آپ نے کیا' مگر علام الغیوب نے حقیقت حال سے باخبر فرما کر ان کے جھوٹ کا پردہ چاک کیا' بہر حال یہاں بھی منشائے خطا اگر خطا سمجھی جائے' تو وہی ترحم کی شان تھی۔

چوتھا واقعہ:

منافقین کی نسبت آپ کو اطلاع دے دی گئی تھی کہ ان کے حق میں آپ کی دعائے مغفرت قبول نہ ہوگی۔ اور فرما دیا گیا تھا کہ:

﴿استغفر لھم او لا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللّٰہ لھم ذلک بانھم کفروا باللّٰہ و رسولہ﴾ (توبہ : ۱۰)

''تو ان کی مغفرت کی دعا مانگے یا نہ مانگے اگر ستر دفعہ بھی ان کی مغفرت کی دعا مانگے تو ہرگز ان کو خدا نہ بخشے گا یہ اس لیے کہ انہوں نے خدا کا اور اس کے رسول کا انکار کیا۔''

اس حکم کے آنے کے بعد عبداللہ بن ابی سلول کا انتقال ہوا' یہ منافقوں کا سردار تھا۔ اس کا لڑکا مخلص مسلمان تھا اس نے آ کر آپ سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی جس کو آپ فرط کرم سے رد نہ فرما سکے' حضرت عمرؓ نے عرض بھی کی کہ یا رسول اللہ اس کی عدم مغفرت کے متعلق تو حکم ہو چکا ہے' فرمایا میں ستر دفعہ سے بھی زیادہ اس کی مغفرت کی دعا مانگوں گا' بہر حال آیت بالا میں کو آپ کے مغفرت مانگنے اور نہ مانگنے دونوں کو بیکار و بے سود بتایا گیا تھا' مگر ان کے حق میں سرے سے دعائے مغفرت نہ مانگنے کی کوئی ممانعت نہ تھی۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے آیت شفقت سے اس بیکار فرض کو انجام دیا تا کہ اس کے مخلص مسلمان فرزند کی دل شکنی نہ ہو اور اس لیے تغافل فرمایا کہ ایک مخلص کی دل جوئی تو ہوگی مگر بیسیوں منافقین کو اپنے چھپانے میں کامیابی ہو جائے گی اور وہ مسلمانوں کے اندر رہ کر فتنوں کا باعث بنیں گے اس لیے حکم ہوا۔

﴿و لا تصل علی احد منھم مات ابدا و لا تقم علی قبرہ انھم کفروا باللّٰہ و رسولہ و ماتوا و ھم فسقون﴾ (توبہ : ۱۱)

''اور نہ کبھی ان میں سے کسی کے جنازہ کی نماز پڑھ اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہو بے شک انہوں نے خدا اور اس کے رسول کا انکار کیا اور اسی گنہگاری کی حالت میں مرے۔''

پانچواں واقعہ:

اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی بعض بیویوں کی خوشنودی اور رضا مندی کے لیے کسی مباح چیز کو جو آپ کو بہت مرغوب تھی اپنے اوپر حرام کر لیا تھا یعنی اس کے کبھی نہ استعمال کرنے کا عہد فرما لیا تھا' ظاہر ہے کہ

Marfat.com

ہر شخص پر مباح چیز کا کھانا فرض نہیں‘ اس کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی خوشی سے یا کسی دوسرے کی رضامندی کے لیے اس کے نہ کھانے کا عہد کرے اس لیے اگر آنحضرت ﷺ نے بعض بیویوں کی خاطر جن کو وہ شے پسند نہ تھی‘ اس کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ تو ظاہر ہے کہ آپؐ کا اپنی بیویوں کی خاطر داری کے لیے ایسا کرنا الزام کے قابل نہیں کہ آپ نے بحیثیت شوہر کے ان کی اتنی دلجوئی کو بھی عورتوں کے ساتھ عدل و انصاف کے مناسب سمجھا‘ مگر اس مسئلہ کی ایک دوسری حیثیت بھی تھی‘ اور وہ یہ کہ بحیثیت ایک پیغمبر کے ایک حلال و جائز چیز کو اپنے اوپر حرام کرنے اور اس کے نہ کھانے کا عہد کرنے سے آپ کی اقتداء میں امت کے عام افراد بھی اس کو ناجائز نہیں تو ناپسند ضرور ہی کرتے‘ اور یہ ایک طرح سے شریعت الٰہی میں تبدیل و تحریف کا مرادف ہو جاتا‘ اس لیے حکم آیا کہ ان امور میں پیغمبر کو کسی کی دل جوئی اور خاطر داری کی پروانہ چاہیے فرمایا۔

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (تحریم : ۱)

’’اے پیغمبر! جس کو اللہ نے تیرے لیے حلال کیا ہے اس کو حرام کیوں کرتا ہے‘ اپنی بیویوں کی مرضی چاہتا ہے اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا آپ کو نبی کہہ کر خطاب کرنا یہ واضح کرتا ہے کہ بحیثیت ایک انسان اور شوہر ہونے کے آپ ایسا کر سکتے تھے‘ مگر پیغمبر کی حیثیت سے آپ کو یہ اختیار نہیں۔

الغرض یہی وہ پانچ واقعے ہیں جن میں آپ کی اجتہادی خطا ثابت کی گئی ہے مگر تفصیلات سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ ان کو خطا کہنا درحقیقت مجاز ہے کہ پیغمبر کی بلندی معصومی کو پیش نظر رکھ کر اس کو اس مجازی خطا کی بھی اجازت نہیں۔ اور اسی وحی الٰہی نے ان میں سے ہر موقع پر تنبیہ کی اور اپنے صحیح فیصلہ سے رہنمائی فرمائی۔ اب کیا کسی کا شبہ یہ بھی ہے کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کو یہ معمولی مسامحات پیش آئے جن کی تنبیہ و اصلاح ہر وقت وحی الٰہی نے کی‘ ایسے ہی ممکن ہے کہ آپؐ کو اور بھی ایسے مسامحات پیش آئے ہوں جن کی تنبیہ و تصحیح کی حکمت الٰہی نے پروانہ کی اور خاموشی برتی‘ اگر کسی کو یہ شبہ ہے تو درحقیقت رسالت و نبوت کی مرتبہ شناسی اور دین الٰہی و شریعت ربانی کی حقانیت اور اللہ تعالیٰ کے طرق رشد و ہدایت کی معرفت سے وہ کوسوں دور ہے‘ رسولوں کی بعثت اس لیے ہے کہ وہ غلط کار انسان کو ان کی غلطی سے نکال کر حق و صواب کی تعلیم دیں نہ اس لیے کہ ان کے ذریعہ الٹے ہدایت کے بجائے مزید ضلالت کا اضافہ ہو‘ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ!!! اس لیے ناممکن ہے کہ رسولوں کے ہاتھوں اور زبانوں سے کوئی ایسا کام صادر ہو جو حکمت الٰہی کے مطابق نہ ہو اور پھر اللہ اس کی تصحیح اور رہنمائی سے تغافل برتے اور انسانوں کو اپنے رسولوں کے ذریعہ گمراہ ہونے دے۔

پیغمبرانہ اجتہاد و رائے علم کا وہ کوثر ہے جس کی دھاریں دماغ سے نہیں بلکہ دل کے سرچشمہ سے بہتی ہیں‘‘ جو انسانی رائے و تجربہ سے نہیں بلکہ الہام الٰہی‘ القائے ربانی‘ حکمت یزدانی‘ فہم رسالت بلکہ نبوت سے ماخوذ ہے اور جس کی نسبت محرم اسرار شریعت عمر فاروق رضی اللہ عنہ برسر منبر فرماتے ہیں۔

یا ایھا الناس ان الرای انما کان من رسولہ صلی

’’اے لوگو! آنحضرت ﷺ کی رائے غلطی سے

Marfat.com

الله عليه وسلم مصيبا لان الله كان يريه و انما هو منا الظن و التكلف. (ابوداؤد كتاب الاقضية) پاک تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو راہ دکھاتا تھا اور ہماری رائے ہمارا گمان اور از خود کہنا ہے۔"

وہ رائے نبوی جو خدا کے بتانے اور دکھانے سے قائم ہوئی ہو ظاہر ہے کہ بمنزلہ وحی کے ہے اور اس کا نام بشری اجتہاد اور انسانی رائے نہیں بلکہ نبوی اجتہاد اور پیغمبرانہ رائے ہے جو عملاً وحی الٰہی کی ہم مرتبہ اور کلام ربانی کی ہم پایہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس خطبہ میں جو کچھ کہا ہے درحقیقت وہ خود کلام پاک سے مستنبط ہے' قرآن پاک میں ہے۔

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۚ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾ (نساء : ۱۶) "ہم نے تجھ پر کتاب سچائی کے ساتھ اتاری تاکہ لوگوں کے درمیان جو اللہ تجھ کو سوجھائے فیصلہ کرے اور تو نہ ہو دغابازوں کی طرف سے جھگڑنے والا۔"

اس سے ظاہر ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو جو دکھایا' سوجھایا' اور رائے پیدا کرائی جاتی تھی' وہ خدا کی طرف سے ہوتی تھی یہی پیغمبرانہ رائے ہے جس کی نسبت خود آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

انا اقضی بینکم برأیی فیما لم ینزل علی. (ابوداؤد' اقضیہ) "میں تم لوگوں کے درمیان اس مسئلہ میں جس کی نسبت مجھ پر وحی نہیں ہوئی اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہوں۔"

یہ فیصلہ اگر غلط ہوتا تو فوراً وحی الٰہی دست گیری کرتی اور صحیح راستہ پر لے آتی جیسا کہ گزشتہ پانچوں واقعات سے ظاہر ہے۔

ایک غلط استدلال:

اس آیت پاک سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مقدمات کے فیصلوں میں آپ کو اراءت الٰہی ہوتی تھی یعنی خدا کی طرف سے آپؐ کو رائے سوجھائی جاتی تھی اور ظاہر ہے کہ اراءت الٰہی (خدا کی طرف سے سجھایا جانا) تاکہ آپ کتاب الٰہی کے مطابق فیصلہ کریں' غلط نہیں ہوسکتی' لیکن ابوداؤد وغیرہ میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اہل مقدمہ سے فرمایا۔

"میں ایک بشر ہوں' تم لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لے کر آتے ہو۔ اور شاید تم میں سے بعض زیادہ زبان آور ہوں۔ جو اپنی دلیل کو خوبی سے بیان کر سکتے ہوں' تو میں جیسا سنتا ہوں ویسا فیصلہ کر دیتا ہوں تو میں اگر کسی کو وہ حق دلا دوں جو اس کا نہیں' بلکہ اس کے بھائی کا ہے تو وہ نہ لے کہ میں اس کو آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔" (کتاب الاقضیہ)

اس سے ایک غلط فہم یہ استدلال کر سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے فیصلے ہمیشہ غلطی سے پاک نہیں ہوتے تھے اس لیے امت آپ کے قضایا اور فیصلوں کی پیروی پر مجبور نہیں' لیکن ایسا خیال کرنا سراسر مغالطہ ہے' اصل یہ ہے کہ مقدمات میں دو چیزیں ہوتی ہیں' ایک واقعہ کی اصلی روداد جس کو ہر مدعی اور مدعا علیہ اپنے دعویٰ کے مطابق بنا کر اپنے اپنے رنگ میں بیان کرتا ہے' اس کے بعد دوسری چیز اس بیان کردہ روداد کے مطابق صحیح اور عادلانہ حکم اور فیصلہ ہے جو تمام تر مقدمہ کی اس روداد پر مبنی ہوتا ہے جو حاکم و قاضی کے سامنے بیانات اور شہادتوں کے ساتھ پیش ہوتی ہے' یہ

Marfat.com

بات کہ واقعہ کی اصلی روداد کیا ہے اوران میں سے کون صحیح کہہ رہا ہے' علم غیب سے تعلق رکھتی ہے جس کا دعویٰ کسی نبی کو نہیں' اور اگر ہو بھی تو یہ دعویٰ بجائے خود مسلم ہے کہ قاضی کا ذاتی علم دو انسانوں کے درمیان فیصلہ کا مبنی نہیں قرار پا سکتا' اس کے لیے فریقین کے بیانات' شہادتیں اور دلائل ہی بکار آمد ہیں' آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امر اول کے متعلق عموماً آپ کو غیب کا علم عطا نہیں ہوا' لیکن دوسری چیز یعنی جس روداد کو آنحضرت ﷺ نے صحیح باور کیا اس کے مطابق آپ کا فیصلہ کبھی کبھی صحیح وصواب اور عادلانہ نہیں ہوتا تھا' یہ کہنا رسول و نبی کی شان کی توہین وتحقیر ہے اور اس ''اراءت الٰہی'' کے خلاف ہے جس کا شرف مقدمات کے فیصلہ میں آپ کو بخشا جاتا تھا۔ اس لیے جو غلطی فیصلوں میں آپ سے ہو سکتی تھی وہ فریقین میں کسی ایک کی دلیل وشہادت کو سن کر اس کے صحیح یا غلط کے مطابق واقعہ یا مخالف واقعہ سمجھنے میں لیکن جس کو آپ نے صحیح باور فرما لیا اس کے مطابق مناسب وصحیح حکم وفیصلہ کرنے میں آپ سے کبھی غلطی نہ ہوئی اور نہ ہو سکتی تھی اور امت آپ کی پیروی آپ کے ان قضایا اور فیصلوں میں کرتی ہے نہ کہ نزاع مذکور کے گزشتہ واقعات اور گزشتہ مقدمات کے صحیح یا غلط باور کرنے میں ﴿فشتان بينهما﴾

آنحضرت ﷺ کے اس اعلان میں نکتہ یہ ہے کہ شاید فریقین میں سے کوئی غلط بیان یا جھوٹا یا برسر باطل جو اپنے مقدمہ کی روداد زیادہ خوبی سے بنا کر آپؐ کی عدالت سے موافق فیصلہ حاصل کرے' یہ سمجھے کہ گو حقیقت میں میرا حق نہ تھا۔ لیکن جب عدالت نبوی نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا تو میری ملکیت ثابت ہو گئی اور غصب حق کے گناہ سے براءت ہو گئی تو اس کا ایسا سمجھنا صحیح نہ ہوگا' گو قانوناً حکم نافذ ہو جائے گا۔ مگر عنداللہ جو برسر حق تھا' وہ حق ہی رہے گا اور جو برسر باطل تھا وہ باطل ہی رہے گا اور جو اصل مالک تھا وہی مالک رہے گا۔ اور جو غاصب ہے وہ غاصب ہی ٹھہرے گا' اسی اعلان کا اثر تھا کہ جب آنحضرت ﷺ نے ایک مقدمہ میں فریقین کو اس حقیقت سے مطلع فرمایا تو دونوں رو پڑے اور دونوں ایک دوسرے کے حق میں دست بردار ہونے پر آمادہ ہو گئے۔ (ابوداؤد کتاب الاقضیہ)

آنحضرت ﷺ روداد مقدمہ کو سامنے رکھ کر جو فیصلے صادر فرماتے تھے وہ تمام تر حق منصفانہ اور صحیح ہوتے تھے اوران کی اطاعت سے انحراف' کفر ونفاق تھا' اسی لیے ارشاد ہوا کہ:

﴿فلا وَ رَبِّکَ لا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (نساء : ۹)

''سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے جب تک وہ تجھ کو حکم نہ مانیں' پھر اپنے دلوں میں تیرے فیصلہ سے تنگی نہ پاویں اور مان کر قبول کریں۔''

﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (احزاب : ۵)

''اور کسی ایمان دار مرد یا عورت کا یہ کام نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دے تو بھی اس کو اپنے کام کا اختیار رہے اور جو خدا اور اس کے رسول کے بے حکم چلا وہ صریح گمراہ ہوا۔''

کیا امت کو رسول کی اطاعت اور اس کے فیصلوں کے بے چون وچرا قبول کر لینے کا خدا کی طرف سے تاکیدی

Marfat.com

حکم برسرِ باطل پہلو پر ہوسکتا ہے چنانچہ دوسری آیت میں اس کی تصریح کردی گئی ہے کہ آپ کا کوئی فیصلہ کبھی ظالمانہ اور غلط نہیں ہوسکتا۔

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ مُّعْرِضُوْنَ وَ اِنْ یَّکُنْ لَّھُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْٓا اِلَیْہِ مُذْعِنِیْنَ اَفِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَ رَسُوْلُہٗ بَلْ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (نور : ٦)

''اور جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تا کہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کردے تو ان میں کا ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے اور اگر ان کو کوئی حق پہنچتا ہو تو قبول کر کے چلے آئیں' کیا ان کے دلوں میں روگ ہے یا وہ ڈرتے ہیں۔ کہ خدا اور اس کا رسول ان کے ساتھ ناانصافی کرے گا بلکہ وہی بے انصاف ہیں۔''

عقل بشری:

اس میں بھی شک نہیں کہ وحی اور ملکہ نبوت کے علاوہ نبی میں نبوت ورسالت کے فرائض سے باہر کی چیزوں میں وہی عقل ہوتی ہے جو عام انسانون کی ہوتی ہے اور جس میں اجتہادی غلطی کا ہر وقت امکان ہے شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک اجتہاد کی یہی وہ دوسری قسم ہے جس میں نبی سے بھی غلطی ہوسکتی ہے کہ اس کا مدار وحی والہام اور ملکہ نبوت پر نہیں۔ بلکہ انسانی علم وتجربہ پر ہوتا ہے اور یہی وہ قسم ہے جس کا اتباع پیرووں پر واجب نہیں' اور اس کی بہترین مثال کھجور کی کاشت کا واقعہ ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ کے بعض باغوں میں گزرے تو دیکھا کہ کچھ لوگ کھجوروں کے درختوں پر چڑھ کر کچھ کر رہے ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا کر رہے ہیں؟ ایک ہمراہی نے کہا کہ یہ مادہ کھجوروں میں نر کھجوروں کے پھول ڈالتے ہیں کہ پھل زیادہ آئیں۔ فرمایا میں تو نہیں سمجھتا کہ اس سے کچھ فائدہ ہوگا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر ایسا نہ کرتے تو بہتر ہوتا۔ اس نے جاکر باغ والوں سے آپ کا یہ فقرہ بیان کردیا' صحابہ نے جو سرتاپا اطاعت تھے' اس پر عمل کیا' اور ایسا کرنا چھوڑ دیا' پھل اس سال کم آئے یا کم ٹھہرے آپؐ کا پھر گزر ہوا تو ان لوگوں نے صورت حال عرض کی' آپؐ نے فرمایا میں نے تو یوں ہی ایک بات سمجھ سے کہہ دی تھی' اگر ان کو اس عمل سے فائدہ ہوتا ہے تو کریں' پھر فرمایا۔

﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ مِّنْ دِیْنِکُمْ فَخُذُوْا بِہٖ وَ اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ مِّنْ رَّاْیِیْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ﴾

''میں تو ایک آدمی ہی ہوں' جب تمہارے دین کا کوئی حکم دوں تو اس کو قبول کرو اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں ایک آدمی ہوں۔''

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ (۱)

﴿اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ﴾ ''تم اپنے دنیا کے کاموں کو زیادہ جانتے ہو۔''

(۱) یہ تینوں روایتیں صحیح مسلم باب وجوب امتثال ما قالہ شرعاً دون ماذکرہ من معائش الدنیا علی سبیل الرای ج ۲ ص ۳۰۵ مصر میں ہیں وص ۲۶۴ طبع کراچی۔

Marfat.com

تیسری روایت کے یہ الفاظ ہیں۔

فانی انما ظننت ظنا فلا توا خذونی بالظن و لکن اذا حدثتکم عن اللہ شیئا فخذوا بہ فانی لن اکذب علی اللہ عزو جل.

''میں نے ایک گمان سا کیا تھا' گمان پر مجھ کو نہ پکڑو' ہاں جب خدا کی طرف سے کوئی بات کہوں تو اس کو لو کہ میں خدا پر جھوٹ نہ کہوں گا۔''

ان تینوں روایتوں میں آپ نے اپنے اس ارشاد کو ظن (گمان) رائے اور امر دنیا سے تعبیر فرمایا ہے اس سے یہ کلیہ سمجھ میں آتا ہے کہ امور دین و شریعت میں آپ کا ہر حکم واجب اور من جانب اللہ ہے' لیکن کھیتی باڑی' علاج و معالجہ وغیرہ خالص دنیاوی امور میں اگر آپ نے کچھ کہا ہے تو اس کی حیثیت فقط مشورہ اور رائے کی ہے یہی سبب ہے کہ صحابہ کرام جن باتوں میں اپنا مشورہ آپؐ کو دینا چاہتے تھے' پوچھ لیتے تھے کہ یا رسول اللہ! یہ وحی سے ہے یا رائے ہے' آپ جب فرما دیتے تھے کہ رائے سے ہے تو وہ اپنا مشورہ پیش کرتے اور آپ پسند فرماتے تو قبول فرماتے' غزوۂ بدر میں آپ نے ایک مقام پر پڑاؤ ڈالنا چاہا' ایک صحابی نے آ کر عرض کی یا رسول اللہ! اس مقام کا انتخاب وحی سے ہے یا رائے سے ہے' فرمایا محض رائے سے ہے۔ تو عرض کی کہ جنگی نقطہ نظر سے یہ مقام بہتر نہیں' فلاں مقام بہتر ہے۔ آپ نے ان کی رائے پسند کی اور اس پر عمل فرمایا' اسی طرح صلح و جنگ اور حکومت کے دوسرے معاملات میں بھی صحابہ سے مشورہ لیا۔ اور عمل فرمایا ہے اور اسی میں خود حضور ﷺ کو ﴿و شاورھم فی الامر﴾ (آل عمران) یعنی امور حکومت یا عام امور میں صحابہ سے مشورہ لے لو۔ کا حکم خدا کی طرف سے ہے' چنانچہ غزوۂ احزاب میں خندق کھودنے میں سلمان فارسیؓ کی رائے پر عمل کیا۔ لیکن امور جنگ و سیاست میں بھی جس بات کا حکم عقل بشری سے نہیں بلکہ وحی الٰہی یا فہم نبوی سے ہوا تھا۔ اس میں آپ نے نہ کسی سے مشورہ لیا اور نہ کسی کے مشورے کو قبول فرمایا' صلح حدیبیہ کے شرائط اور دفعات جو سراسر مصلحت الٰہی اور حکمت ربانی پر مبنی تھے' ان کے بدلنے پر حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ نے کیا کیا زور نہیں لگایا۔ مگر آنحضرت ﷺ نے کچھ التفات نہ فرمایا۔ اور آخر مستقبل نے بتایا کہ فہم نبوت سراسر صحیح تھا اسی طرح غزوۂ احد جیسے نازک موقع پر عبداللہ بن ابی کا تین سو آدمیوں کے ساتھ پھر جانا گوارا کیا مگر مدینہ سے باہر جا کر صف آراء ہونے سے باز نہ آئے اور پھر مستقبل نے مصلحت الٰہی کے راز کو فاش کیا۔

ایک ادنیٰ سا تامل عقلی حیثیت سے بھی یہ راز بتا دے گا کہ دنیا میں ہر صاحب فن کی ایک نہیں دو عقلیں ہوتی ہیں ایک اس فن کے متعلق جس کی استعداد اس کے اندر رکھی جاتی ہے اور پھر تعلیم و تربیت' مشق اور کثرت عمل سے وہ اتنی بلند اور پختہ ہو جاتی ہے کہ وہ اس فن کے بڑے بڑے عمیق اور مشکل دقائق کو ایک نظر میں معلوم کر لیتی ہے اور اس کے لاینحل عقدوں کو اشاروں میں حل کر دیتی ہے لیکن اس دائرہ کے باہر اس کی دوسری عقل عام انسانوں ہی کی طرح معمولی ہوتی ہے' ایک شخص جو فن تعمیر کی مہارت اور ہندسہ اور انجینئرنگ کی صنائع میں غیر معمولی عقل و ذہانت رکھتا ہے' بالکل ممکن ہے کہ کھجور کی کاشت میں اس کی عقل معمولی انسانوں سے بھی کم درجہ ہو' ایک فلسفی جو اپنے زور و فکر سے افلاطون و ارسطو کی غلطیاں نکالتا ہو' وہ تعمیر کے فن میں ایک معمولی مزدور سے زیادہ کم عقل ہو' یہ روزمرہ کی پیش آنے والی مثالیں ہیں۔ اسی طرح وہ برگزیدہ انسان جو روحانیت کے اسرار' معرفت ربانی کے حقائق' تزکیہ نفس کے رموز

Marfat.com

اخلاق و معاشرت کے آداب اور حقوق و شریعت کے مسائل میں دقیقہ رس فہم اور نکتہ داں عقل رکھتا ہو اس کو تعمیر و کاشت کاری کے مسائل میں محض معمولی درک ہو بلکہ بالکل نہ ہو۔

اسی طرح انبیاء علیہم السلام امور دین و شریعت میں وحی اور ملکہ نبوت سے جو کچھ فرماتے ہیں وہ عین مصلحت، عین حکمت، خطا اور غلطی سے سرتاپا مبرا اور پاک ہوتا ہے لیکن دوسرے امور مثلاً پہننے اوڑھنے، کھانے پینے، رہنے سہنے، سلطنت و سیاست، نظم و نسق، صلح و جنگ سامان و اسلحہ، جنگ و سواری، صنعت و حرفت، طب و علاج وغیرہ دنیاوی امور کی نسبت کلی مصلحتیں بتا کر، جزئیات کی تفصیل سے انہوں نے احتراز فرمایا، اور کسی قطعی فیصلہ کا مسلمانوں کو پابند نہیں کیا، پہننے اوڑھنے کے متعلق صرف تین باتیں فرمائیں، پہلی یہ کہ وہ لباس اور طرز لباس نہ اختیار کیا جائے جس سے ستر عورت نہ ہو دوسری یہ کہ مرد وہ لباس اختیار نہ کریں جو عورتوں کے لیے زیبا ہے، نہ عورتیں وہ لباس اختیار کریں جو مردوں کے لیے مناسب ہے تیسری بات یہ ہے کہ وہ لباس پسندیدہ نہیں جس سے غرور و نخوت نمایاں ہو۔ کھانے پینے میں چند حرام چیزوں کے سوا کسی کی ممانعت نہیں، نظم و نسق اور نظام حکومت و سلطنت میں چند کلی اصول تعلیم فرمائے، شہنشاہانہ اور جابرانہ حکومت نہ ہو، لوگوں میں مساوات ہو اور اہم امور میں اہل حل و عقد کا باہمی مشورہ ہو، وعلی ہذا القیاس۔

الغرض یہی وہ امور ہیں جن میں زمانہ اور تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ تغیر و انقلاب ہوتا ہے۔ اس لیے ان کو ہمیشہ کے لیے محدود کر دینا مصلحت الٰہی کے خلاف تھا۔

ملکہ نبوت یا عقل نبوت کا شرعی ثبوت:

گزشتہ مباحث سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ نبی میں علم و فہم کے تین درجے میں وحی ملکہ نبوت اور عام عقل بشری ان میں سے اول و آخر کے ثبوت کے لیے اب کسی استدلال کی ضرورت نہیں کہ اول تو یہ مسلمات سے ہیں اور دوسرے اوپر کی تشریحات میں مستقل طور سے ان پر بحثیں ہو چکی ہیں لیکن اب تک ہم نے دوسری چیز یعنی ملکہ نبوت کے لیے کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کی ہے اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ کہنی ہے کہ جن علماء نے اس کی حقیقت ظاہر کی ہے انہوں نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کے لیے الگ الگ اصطلاحیں قائم کی ہیں۔ مگر مفہوم و معنی کے لحاظ سے وہ دراصل ایک ہیں، سلف صالحین میں سے بعض نے اس کو القاء فی الروع (دل میں ڈالنا) نبی کی حکمت قلبیہ، توفیق ازلی اور قوت تبیین سے تعبیر کیا ہے، [1] امام غزالی و امام رازی اور دوسرے متکلمین نے اس کو ملکہ نبوت سے ادا کیا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب اور علمائے اصول نے اس کو "پیغمبرانہ قوت اجتہاد" کہا ہے اور صوفیہ کی عام پسند اصطلاح میں اس کو علم لدنی کہا جاتا ہے، مگر ان سب کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں یعنی نبی کے اندر کی وہ پیغمبرانہ عقلی قوت جو بشری عقل سے فوق ہے اور جس کے ذریعہ سے وہ وحی کی تشریح اسرار شریعت کا بیان اور دقائق حکمت کی اپنی زبان سے توضیح کرتا ہے۔

انبیائے کرام کے ان ربانی انعامات کی فہرست پڑھیے، جن کا تذکرہ قرآن نے جابجا کیا ہے، تو وحی کی مخصوص

(1) یہ تمام الفاظ امام شافعی کی کتاب الرسالہ میں مذکور ہیں۔

Marfat.com

نعمت کے بعد فہرست انعامات میں جو چیز نظر آئے گی وہ "علم نبوت" ہے جس کو کہیں ذکر (یادداشت) کہیں حکم (حق و باطل میں تمیز کا ملکہ) کہیں حکمت (دانائی) کہیں شرح صدر (سینہ کا کھول دینا) کہیں تفہیم (سوجھ بوجھ دینا) کہیں تعلیم (سکھا دینا) کہیں اراءت (دکھا دینا' سوجھا دینا) کہا گیا ہے ان سب مختلف الفاظ کا مفہوم وحی سے نیچے اور عقل بشری سے اوپر عقل نبوی کے سوا اور کیا ہے' ان سے مراد وحی تو اس لیے نہیں کہ ان کا ذکر وحی سے الگ ہوتا ہے اور عقل بشری اس لیے نہیں کہ عقل بشری خاص نبی پر کوئی انعام نہیں کہ یہ نعمت تو ہر انسان کو کچھ نہ کچھ ملی ہے اس بنا پر اس سے مراد عقل نبوی اور حکمت نبوی کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔

حکمت:

انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتیں عطا ہوتی ہیں ان میں ایک خاص نعمت کا ذکر قرآن پاک میں بار بار آتا ہے اور وہ حکمت ہے آل ابراہیم پر اللہ تعالیٰ نے جو احسانات کیے ان کا ذکر وہ ان الفاظ میں فرماتا ہے۔

(۱) ﴿فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا﴾ (نساء)

"تو بے شبہ ہم نے ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت دی اور ان کو بڑی سلطنت بخشی۔"

حضرت لقمان کی نسبت ہے۔

(۲) ﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ﴾ (لقمان : ۲)

"اور یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت دی۔"

حضرت داؤد کی شان میں ہے۔

(۳) ﴿وَ شَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَ اٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ﴾ (ص : ۲)

"اور ہم نے داؤد کی سلطنت مضبوط کی اور اس کو حکمت اور قول فیصل عطا کیا۔"

(۴) ﴿وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ﴾ (بقرہ : ۳۳)

"اور داؤد نے جالوت کو مارا اور خدا نے داؤد کو سلطنت اور حکمت بخشی اور جو چاہتا ہے' اس میں سے کچھ سکھایا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔

(۵) ﴿قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَ لِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ﴾ (زخرف : ۶)

"میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں تاکہ جن باتوں میں تم باہم اختلاف رکھتے ہو کچھ باتیں ان میں سے کھول دوں۔"

خود اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنا احسان جتاتا ہے' تو فرماتا ہے۔

(۶) ﴿وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰةَ وَ الْاِنْجِيْلَ﴾ (مائدہ : ۱۵)

"اور (یاد کر) جب میں نے تجھ کو کتاب اور حکمت اور توراۃ اور انجیل کی تعلیم دی۔"

عام انبیاء کے متعلق ہے۔

Marfat.com

(۷)﴿واذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب و حکمۃ﴾ (آل عمران : ۹)

''اور جب اللہ نے نبیوں سے وعدہ لیا کہ جو میں تم کو کوئی کتاب اور حکمت دوں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کے ظہور کی یہ دعا مانگی تھی۔

(۸)﴿ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیٰتک و یعلمھم الکتٰب و الحکمۃ و یزکیھم انک انت العزیز الحکیم﴾ (بقرہ : ۱۵)

''ہمارے پروردگار! اور ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیج جو ان کو تیری آیتیں سنائے اور کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کو سنوارے بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی۔

(۹)﴿کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم یتلوا علیکم اٰیٰتنا و یزکیکم و یعلمکم الکتٰب و الحکمۃ و یعلمکم مالم تکونوا تعلمون﴾ (بقرہ : ۱۸)

''جس طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں سناتا اور تم کو سنوارتا ہے اور تم کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور وہ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔''

اس دعائے ابراہیمی کے مطابق آنحضرت ﷺ کے ظہور کا احسان اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں ہم پر جتایا ہے۔

(۱۰)﴿لقد منّ اللّٰہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم اٰیٰتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین﴾ (آل عمران : ۱۷)

''یقیناً اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

اللہ تعالیٰ اپنا یہی احسان انہی الفاظ میں سورۂ جمعہ میں دہراتا ہے۔

(۱۱)﴿ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیٰتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتٰب و الحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین﴾ (جمعہ : ۱)

''وہی اللہ جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں سناتا ہے اور ان کو پاک وصاف کرتا ہے اور کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

خود آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے اپنا یہ احسان ان پر ظاہر فرمایا ہے۔

(۱۲)﴿ولولا فضل اللّٰہ علیک و رحمتہ لھمت طآئفۃ منھم ان یضلوک و ما یضلون الا انفسھم و ما یضرونک من شیء و انزل

''اور اگر خدا کا فضل و کرم تجھ پر نہ ہوتا تو ان میں سے ایک جماعت ارادہ کر چکی تھی کہ وہ تجھے گمراہ کر دے اور وہ گمراہ نہیں کرتے لیکن اپنے آپ کو اور تجھے نقصان

Marfat.com

اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ (نساء : ۱۷)

نہیں پہنچا سکتے خدا نے تجھ پر کتاب اور حکمت اتاری اور تجھ کو وہ سکھایا جو تو نہیں جانتا تھا اور تجھ پر خدا کا بڑا فضل تھا۔''

آنحضرت ﷺ سے خطاب ہے۔

(۱۳) ﴿ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ﴾ (اسرائیل : ۴)

''یہ وہ ہے جو خدا نے حکمت کی باتوں میں سے تم پر وحی کی ہے۔''

عام مسلمانوں سے ارشاد ہے۔

(۱۴) ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ﴾ (بقرہ : ۹)

''اور اللہ کا جو احسان تم پر اور اس نے تم پر جو کتاب اور حکمت اتاری ہے ان کو یاد کرو' خدا تم کو اس سے سمجھاتا ہے۔''

خاص طور پر ازواج مطہرات کو خطاب کیا ہے۔

(۱۵) ﴿وَاذْكُرْنَ مَايُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ﴾ (احزاب : ۴)

''اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں' ان کو یاد رکھو۔''

یہ نعمت حسب تعداد عام مسلمانوں کو بھی ملا کرتی ہے۔

(۱۶) ﴿يُؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ (بقرہ : ۳۷)

''اور خدا جس کو چاہتا ہے حکمت بخشتا ہے اور جس کو حکمت بخشی گئی اس کو بڑی دولت (بھلائی) دی گئی۔''

اسی کے ذریعہ تبلیغ و دعوت کا حکم بھی ہوتا ہے۔

(۱۷) ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ (نحل : ۱۶)

''اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف تو حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ سے بلا اور ان سے عمدہ طریقہ سے مناظرہ کرو۔''

ایک جگہ قیامت اور عبرت کے واقعات پر حکمت کا اطلاق ہوا ہے۔

(۱۸) ﴿وَلَقَدْ جَآءَ هُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ﴾ (قمر : ۱)

''اور ان کو اتنے احوال جتنے میں ڈانٹ ہو سکتی ہے پہنچ چکے ہیں مؤثر حکمت تو ان کو ڈر سنانے والے فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔''

اوپر کی سطروں میں وہ تمام آیتیں لکھ دی گئی ہیں جن میں حکمت کا لفظ آیا ہے' ان میں کہیں ''حکمت'' کا لفظ تنہا آیا ہے۔ اور کہیں ''کتاب'' کے بعد آیا ہے' کتاب کے دو معنی قرآن میں ہیں ایک ''صحیفہ ربانی'' اور یہ اکثر آیا ہے اور دوسرے ''نوشتہ الٰہی'' اور علم الٰہی جیسے ﴿لو لا كتاب من الله سبق﴾ (اگر خدا کا نوشتہ یا علم پہلے نہ ہوتا) مذکورہ بالا

Marfat.com

آیتوں میں تو کتاب سے تو بے شبہ آسمانی کتاب اور صحیفہ ربانی یا یوں کہو کہ وحی سے کتاب مراد ہے جیسے توراۃ و قرآن وغیرہ لیکن حکمت کا مفہوم ان آیتوں میں کیا ہے۔

حکمت کے لغوی معنی دانائی کی بات اور کام کے ہیں، مگر یہاں اس سے کیا مقصود ہے اس تحقیق کے لیے ضرورت ہے کہ مستند اہل لغت اور ماہرین قرآن کے اقوال نقل کر کے تبصرہ کیا جائے' سب سے قدیم لغت نویس ابن درید المتوفی ۳۲۱ھ اپنی کتاب ''جمہرۃ اللغۃ'' میں حکمت کے حسب ذیل معنی لکھتا ہے۔

فکل کلمة وعظتک او زجرتک او دعتک الی مکرمة او نہتک من قبیح فھی حکمة و حکم (جلد۲ص۱۸۶حیدرآباد)

''ہر وہ بات جو تجھ کو سمجھائے یا تجھ کو تنبیہ کرے یا کسی اچھی خصلت کی طرف بلائے یا کسی بری چیز سے روکے وہ حکمت اور حکم ہے۔''

لغت کا امام جوہری اپنی صحاح اللغۃ میں لکھتا ہے۔

الحکمة من العلم و الحکیم العالم و صاحب الحکمة و الحکیم المتقن للامور. (جلد۲ص ۱۷۶مصر)

''حکمت یعنی علم' اور حکیم یعنی عالم اور حکمت والا اور حکیم کاموں کو خوبی سے کرنے والا۔''

عربی لغت کی مبسوط و مستند کتاب لسان العرب میں ہے۔

و الحکمة عبارة عن معرفة افضل الاشیاء بافضل العلوم. (ج۱۵ص۳مصر)

''اور حکمت بہترین چیز کو بہترین علم کے ذریعہ سے جاننے کو کہتے ہیں۔''

لغت قرآن کے مشہور امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں کہتے ہیں۔

و الحکمة اصابة الحق بالعلم و العقل فالحکمة من اللہ تعالیٰ معرفة الاشیاء و ایجادھا علی غایة الاحکام من الانسان معرفة الموجودات و فعل الخیرات. (ص ۱۲۶مصر)

''اور حکمت' علم اور عقل کے ذریعہ سے سچی اور صحیح بات کو پہنچنا ہے تو اللہ تعالیٰ کی حکمت چیزوں کا جاننا اور ان کو بکمال خوبی پیدا کرنا ہے اور انسان کی حکمت موجودات کو جاننا اور اچھی باتوں کا کرنا ہے۔''

یہ تو عربی لغت کے اماموں کی تصریحات تھیں' اب ان بزرگوں کے اقوال پر غور کرنا ہے جو زبان دانی کے ساتھ قرآن اور شریعت کے استدلالات اور محاوروں سے بھی کامل طور سے آگاہ تھے' ابن حبان اندلسی نے اپنی تفسیر بحرالمحیط میں ان کے اکثر اقوال کو یکجا کر دیا ہے۔[1]

قال مالک و ابو رزین الحکمة الفقه فی الدین و الفھم الذی ھو سجیة و نور من اللہ تعالیٰ.

(۱) ''امام مالک اور ابورزین کا قول ہے' حکمت دین میں سمجھ اور اس فہم کو کہتے ہیں جو ایک فطری ملکہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور ہے۔''

(۱) زیر آیت ﴿و ابعث فیھم رسولا منھم﴾ (الآیۃ) ج۱ص۳۹۲ مطبوعہ سعادت مصر۔

Marfat.com

(۲) و قال مجاهد: الحكم فهم القرآن.

(۲) ''مجاہد کا قول ہے حکمت یعنی قرآن کا فہم۔''

(۳) و قال مقاتل : العلم و العمل به لا يكون الرجل حكيما حتى يجمعهما.

(۳) ''مقاتل کا قول ہے' حکمت علم اور اس کے مطابق عمل کو کہتے ہیں' کسی شخص کو حکیم اس وقت تک نہیں کہا جاتا جب تک وہ علم اور عمل دونوں کا جامع نہ ہو۔''

(۴) وقيل: الحكمة' القضاء.

(۴) بعضوں کا قول ہے: حکمت فیصلہ کرنا ہے۔

(۵) وقيل: ما لا يعلم الا من جهة الرسول.

(۵) ''کسی کا قول ہے۔ حکمت وہ ہے جو رسولوں کے سوا کسی اور ذریعہ سے معلوم نہ ہو سکے۔''

(۶) وقال ابو جعفر محمدبن يعقوب: كل صواب من القول ورث فعلاً صحيحاً فهو حكمة.

(۶) ''ابو جعفر کا قول ہے۔ ہر وہ صحیح بات جو صحیح عمل پیدا کرے حکمت ہے۔''

(۷) و قيل وضع الاشياء مواضعها.

(۷) ''کسی کا قول ہے چیزوں کو اپنی اپنی جگہ پر رکھنا حکمت ہے۔''

(۸) و قيل: كل قول و جب فعله.

(۸) ''ایک اور شخص کا قول ہے۔ ہر وہ بات جس کا کرنا ضروری ہو' حکمت ہے۔''

امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں حسب ذیل اقوال لکھے ہیں۔

(۱) قال (مالک) المعرفة بالدين و الفقه في الدين و الاتباع له.

(۱) ''مالک کا قول ہے: دین کی معرفت اور دین میں سمجھ اور اس کی پیروی حکمت ہے۔''

(۲) قال ابن زيد: الحكمة الدين الذى لا يعرفونه الا به صلى الله عليه وسلم يعلمهم اياها قال و الحكمة العقل فى الدين و قرء و من يوت الحكمة فقد اوتى خيرا كثيرا و قال يعيسى و يعلمه الكتب و الحكمة و التوراة و الا نجيل و قرا ابن زيد و اتل عليهم نبا الذى اتينه ايتنا فانسلخ منها قال لم ينتفع بالايات حين لم تكن معها حكمة قال و الحكمة شى يجعله الله فى القلب نور له به.

(۲) ''ابن زید کا قول ہے' حکمت دین کا وہ حصہ ہے جو صُرف رسول سے معلوم ہوتا ہے وہی اس کو سکھاتا ہے نیز انہی کا قول ہے کہ حکمت دینی عقل کا نام ہے اور اس پر یہ آیت پڑھی کہ جس کو حکمت دی گئی اس کو بڑی دولت دی گئی اور خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا کہ خدا ان کو کتاب اور حکمت اور توراۃ اور انجیل سکھاتا ہے۔ ابن زید نے یہ آیت بھی پڑھی کہ ان کو اس کا حال سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں تو وہ ان سے الگ ہو گیا۔ یعنی ان آیتوں سے نفع نہیں اٹھایا کیونکہ ان کے ساتھ حکمت نہ تھی' انہی کا قول ہے کہ حکمت وہ چیز ہے' جس کو اللہ اپنے بندہ کے قلب میں رکھتا ہے اور اس سے اس کو روشن کرتا ہے۔''

(۳) عن قتادة: و الحكمة اى السنة.

(۳) ''قتادہ سے مروی ہے' حکمت یعنی سنت نبوی۔''

Marfat.com

آخر میں امام طبری اپنا فیصلہ سناتے ہیں۔

(۴) قال ابن جریر الطبری: و الصواب من القول عندنا فی الحکمة انها العلم باحکام الله التی لا یدرک علمها الابیبان الرسول صلعم و المعرفه. بها و ما دل علیه ذلک من نظائره و هو عندی ماخوذ من الحکم الذی بمعنی الفصل بین الحق و الباطل.

(۴) ''ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حکمت ان احکام الٰہی کے علم کا نام ہے جو صرف رسول کے بیان (تشریح) سے معلوم ہوتے ہیں اور ان کی اور جو ان کی مثالیں اور نظیریں ہیں' ان کی معرفت کو کہتے ہیں اور ''حکمت'' کا لفظ میرے نزدیک حکم سے ماخوذ ہے جس کے معنی حق و باطل میں تمیز کرنے کے ہیں۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف کتاب الرسالہ میں قتادہ کے مسلک کو پسند کیا ہے' لکھتے ہیں۔

(۵) و سمعت من ارضی من اهل العلم بالقرآن یقول: الحکمة سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم. (ص ۲۴)

(۵) ''میں نے قرآن کے ان اہل علم سے جن کو پسند کرتا ہوں یہ سنا کہ حکمت آنحضرت ﷺ کی سنت کا نام ہے۔''

امام شافعی اس کتاب میں آگے چل کر بعضوں کا قول نقل کرتے ہیں۔

و سنة الحکمة التی فی روعه عن الله عز و جل. (ص ۲۸)

''اور آپ کی سنت وہ حکمت ہے جو آپ کے دل میں خدا کی طرف سے ڈالی گئی۔''

ائمہ لغت اور علمائے قرآن کے ان تمام اقوال پر ایک غائر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ یہ کل کے کل ایک ہی مفہوم کی مختلف تعبیریں اور ایک ہی حقیقت کی متعدد تفسیریں ہیں' حکمت عقل و فہم کی اس کامل ترین حقیقت کا نام ہے جس سے صحیح و غلط صواب و خطا' حق و باطل اور خیر و شر کے درمیان تمیز و فیصلہ بذریعہ غور و فکر' دلیل و برہان اور تجربہ و استقراء کے نہیں بلکہ منکشفانہ طور سے ہو جاتا ہے اور اسی کے مطابق اس صاحب حکمت کا عمل بھی ہوتا ہے۔

ہر فن کے واقف کار دو قسم کے ہوتے ہیں' ایک وہ جو کسی فن کو باقاعدہ حاصل کرتے اس کی مشق کرتے اور اس میں مہارت و کمال بہم پہنچاتے ہیں' دوسرے وہ جو اس فن کی فطری استعداد اور قابلیت رکھتے ہیں اور تجربہ و دلیل کے بغیر خود اپنی فطری صلاحیت صحیح وجدان، سلیم ذوق سے اس فن کی کسی شے کو دیکھنے کے ساتھ ہی اس کے متعلق جچی تلی رائے دیتے ہیں اور حرف حرف صحیح دیتے ہیں' اسی کا نام آپ صحت وجدان اور سلامت ذوق رکھتے ہیں' شاعری انشاء پردازی اور دوسرے فنون لطیفہ میں اس کی مثالیں بکثرت دیکھی اور سنی جاتی ہیں۔ اسی طرح بعض لوگوں میں اشیاء کے حق و باطل اور افعال کے خیر و شر کی تمیز کا صحیح وجدان اور صحیح ذوق ہوتا ہے' وہ ان امور کے دقیق سے دقیق مسئلہ کے متعلق اپنے ربانی ذوق و وجدان سے ایسی صحیح رائے دیتے ہیں جو دوسرے لوگ وسیع مطالعہ اور غور و فکر کے بعد بھی نہیں دے سکتے' یہی وہ معرفت اور نور الٰہی ہے جو جد و جہد اور سعی و محنت سے نہیں بلکہ عطا و بخشش سے حاصل ہوتی ہے اور اسی کا نام ''حکمت'' ہے۔

دوسری ربانی استعدادوں اور فطری بخششوں کی طرح حکمت کا عطیہ بھی سب کو یکساں نہیں ملتا بلکہ حسب

Marfat.com

استعداد اور معمولی حکمت سے لے کر اعلیٰ ترین اور کامل ترین حکمت تک لوگوں کو عطا ہوتی ہے۔ اس کے مختلف درجے اور مرتبے عام انسانوں کو مل سکتے ہیں اور ملتے ہیں، لیکن اس کا اعلیٰ ترین اور کامل ترین درجہ اور مرتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتا ہے۔

مگر یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح اس ربانی عطیہ آسمانی فہم، دینی عقل اور نورانی قوت پر ''حکمت'' کا اطلاق ہوتا ہے اسی طرح اس قوت (حکمت) کے آثار و نتائج اور اس کی تعلیمات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ دوسری آیت جس میں حضرت لقمانؑ کو حکمت دیئے جانے کا بیان ہے، اس کے بعد اس حکمت لقمانی کی حسب ذیل تعلیمات کا ذکر بھی کیا گیا ہے، اللہ کا شکر ادا کرنا، شرک کی ممانعت، والدین کی خدمت اچھوں کی پیروی خدا کا ہمہ گیر علم، نماز کا حکم، صبر کی تلقین، فخر و غرور کی ممانعت، میانہ روی، آہستہ بولنا، اسی طرح تیرہویں آیت میں حکمت محمدی کی حسب ذیل تعلیمات کی تفصیل بھی کی گئی ہے۔ شرک کی ممانعت والدین کے ساتھ احسان قرابت داروں اور بیکسوں سے نیک سلوک، اسراف کی برائی، نرمی کی بات کرنا۔ میانہ روی، اولاد کے قتل کی مذمت، کسی کی جان نہ لینا، مقتول کا بدلہ لینا، یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ، عہد پورا کرنا، ناپ تول ٹھیک رکھنا۔ بے جانی چیز کی پیروی نہ کرنا، فخر و غرور کی مذمت، ان تمام باتوں کو بیان فرما کر اللہ کہتا ہے۔

﴿ذٰلِکَ مِمَّآ اَوْحٰٓی اِلَیْکَ رَبُّکَ مِنَ الْحِکْمَةِ﴾ (اسراء : ۴) ''یہ ہیں حکمت کی وہ بعض باتیں جو خدا نے تجھ پر وحی کی ہیں۔''

حکمت کی ان بعض باتوں کی تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکمت کے مظاہر اور نتائج کس قسم کی باتیں ہوتی ہیں یہ عموماً وہی باتیں ہوتی ہیں جن کی عالمگیر صداقت اور سچائی کو خود فطرت انسانی اور حس اخلاق تسلیم کرتی ہے، یہی سبب ہے کہ تیسری اور چوتھی آیت میں حکمت کا اطلاق زبور پر اور پانچویں اور چھٹی آیت میں انجیل پر ہوا ہے کہ ان میں اسی قسم کی دلآویز نصیحتوں اور عالمگیر صداقتوں کی تعلیم ہے اور خود قرآن پاک نے بھی اپنی صفت ''حکمت والا قرآن'' ظاہر کی ہے ﴿تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ﴾ (لقمان و یونس) ﴿وَ الْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ﴾ (یٰس) ﴿وَ الذِّکْرِ الْحَکِیْمِ﴾ ان آیتوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ''حکمت'' کی بعض اہم تعلیموں کو وحی الٰہی خود اپنے اندر بھی شامل کر کے ان کو آپ مقطر بنا دیتی ہے، یہ چیز انبیاء کو کتاب الٰہی کے ساتھ ساتھ عام طور پر ملتی ہے فرمایا۔

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَةٍ﴾ (آل عمران) ''اور یاد کرو جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ البتہ جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں۔''

بہر حال یہ حکمت کی قوت انبیاء علیہم السلام کو بدرجہ اتم حاصل تھی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کی ہر بات دانائی اور ان کا ہر کام دانش مندی پر مبنی ہوتا تھا اور چونکہ یہ قوت ان کو حاصل تھی، اس لیے اس کے آثار اور نتائج بھی اقوال و اعمال کی صورت میں ظاہر ہوئے جن کا نہ صرف اقرار و اعتراف بلکہ ان پر عمل بھی نبوت کی تصدیق میں داخل ہوا۔ پندرہویں آیت میں ہے۔

﴿وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ ''(اے محمد رسول اللہ کی بیویو) تمہارے گھروں میں خدا کی

Marfat.com

اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ﴾ (احزاب : ۴) جو آیتیں اور حکمت کی باتیں سنائی جاتی ہیں۔ان کو یاد رکھو۔''

محمد رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کو آیات الٰہی کے علاوہ کس حکمت کے یاد رکھنے کا حکم دیا گیا۔ظاہر ہے۔کہ وہ خود محمد رسول اللہ ﷺ کی حکمت و دانائی کی باتیں تھیں' اب اگر وہ باتیں امور دین سے متعلق نہ ہوتیں تو ان کے لیے ان کا یاد رکھنا کیوں ضروری قرار دیا جاتا' اسی طرح آٹھویں' نویں' دسویں اور گیارہویں آیت میں آنحضرت ﷺ کی صفت میں ہے۔

﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ (جمعه : ۱) ''وہ مسلمانوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

محمد رسول اللہ ﷺ کتاب کے بعد کس حکمت کی تعلیم دیتے تھے؟ ظاہر ہے کہ خود اپنی حکمت کی' تو جس حکمت کی تعلیم وہ دیتے تھے وہ خود ان کے اندر بھی تھی کہ جو چیز ان کے پاس نہ تھی دوسروں کو کیا بخش سکتے تھے اور جب یہ قوت آپ کے پاس تھی تو اس کے آثار و نتائج بھی اقوال و افعال کی صورت میں نمایاں ہوں گے۔جن کی آپ تعلیم فرماتے تھے اور اپنے ان امور حکمت کی تعلیم سے آپ کا مقصد بھی یہی ہو سکتا تھا کہ مسلمان ان پر عمل کریں۔

پانچویں آیت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔

﴿قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَ لِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ﴾ (زخرف : ۶) ''میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں تاکہ جن باتوں میں تم باہم اختلاف رکھتے ہو کچھ باتیں ان میں سے کھول دوں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حکمت کا ایک فریضہ تبیین بھی ہے یعنی کسی مجمل' ذو معنیین اور مختلف فیہ مسئلہ کی تشریح و تفصیل جس سے وہ اجمال اور اختلاف جاتا رہے اور اصل مقصود کی تشریح ہو جائے۔چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تورات کے بعض احکام کی جن میں یہود مختلف الرائے تھے' تفصیل فرمائی اور ان کی غلطی دور کی۔

بارہویں آیت میں ہے۔

﴿وَ لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ وَ مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ وَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ (نساء : ۱۷)

''اگر خدا کا فضل و کرم تجھ پر نہ ہوتا تو ان میں سے ایک گروہ نے چاہا تھا کہ تجھ کو گمراہ کرے اور وہ گمراہ نہیں کرتے لیکن اپنے آپ کو اور تجھے ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔اللہ نے تجھ پر کتاب اور حکمت اتاری اور تجھ کو سکھایا جو تو نہیں جانتا تھا۔اور اللہ کا فضل تجھ پر بڑا ہے۔''

ان آیتوں میں بیان ہے کہ منافقین کا ایک گروہ آپ کو غلط رائے دے کر بہکانا چاہتا تھا مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کی یہ چال کارگر نہ ہوئی اور وہ تجھ کو بہکا نہ سکے' اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ کا تجھ پر فضل و کرم ہے اور وہ فضل و کرم یہ ہے کہ اس نے تجھ پر کتاب اور حکمت اتاری اور تجھے وہ علم بخشا جو پہلے نہ تھا' اس سے ظاہر ہوا کہ گمراہی سے آپ کی یہ حفاظت' خطاب سے یہ عصمت اور علم کی یہ بخشش آپ کو کتاب اور حکمت دونوں کے ملنے کے سبب سے حاصل ہوئی ہے۔الغرض اس حفاظت و عصمت کے حصول میں کتاب الٰہی کے ساتھ' حکمت ربانی کے انعام کو بھی دخل کامل ہے۔

Marfat.com

یہ تو وہ نبوی حکمت تھی جس کا سرچشمہ صرف سینۂ نبوت تھا۔ لیکن یہ فیض حسب استعداد پیغمبر کی اتباع میں دوسروں کو بھی ملتا ہے جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ سچی اور صحیح بات کو بہت آسانی سے سمجھ لیتے' قبول کر لیتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔

تبلیغ اسلام کے تین ذریعوں حکمت' موعظت اور خوش خلقی سے مناظرہ کرنے میں سب سے اول حکمت کو جگہ دی گئی ہے۔

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ (نحل : ۱۶)

''تو اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دے اور ان سے مناظرہ بطریق احسن کر۔''

سچی' صحیح اور صاف بات دل تک پہنچ جاتی اور بہت جلد اپنا اثر دکھاتی ہے' فرمایا۔

﴿حِکْمَةٌ بَالِغَةٌ﴾ (قمر : ۱)

''دل کو پہنچ جانے والی حکمت۔''

یہ حکمت ہر نیکی کی جڑ اور ہر بھلائی کی اصل ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر دنیا میں اور کیا دولت ہو سکتی ہے اس لیے ارشاد ہوا۔

﴿وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا﴾ (بقرہ : ۳۷)

''جس کو حکمت دی گئی اس کو بہت نیکی (دولت) دی گئی۔''

اس سلسلہ میں دو مشہور اور مستند حدیثوں کا حوالہ بھی مناسب ہے جس سے حکمت کی حقیقت واضح ہو گی اور کم از کم قرن اول میں اس لفظ کا مفہوم ظاہر ہو گا۔ آنحضرت ﷺ نے وفد کے ایک خطیب کا بیان سن کر فرمایا۔

((اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَةً اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا))

''بعض شعر حکمت ہوتے ہیں اور بعض تقریریں جادو ہوتی ہیں۔''

ایک حدیث میں بعض اشعار کو حکمت اور بعض تقریروں کو جادو کہا گیا ہے اس تقابل سے ظاہر ہے کہ حکمت کا عربی مفہوم اس کے اردو مفہوم سے بلند تر ہے لیکن سحر و جادو کے مافوق انسانی تصور کی طرح ''حکمت'' کے عربی مفہوم میں کوئی مافوق بشری تخیل ضرور ہے۔ اسی سے سمجھ میں آ سکتا ہے کہ عربی میں حکمت کے معنی عقل و فہم وغیرہ کے معمولی الفاظ سے کوئی بلند اور غیر معمولی حقیقت ہے اور اردو میں اس حقیقت کو ''حکمت'' کے ساتھ لفظ ''الہامی'' بڑھا کر ادا کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ''الہامی حکمت''۔[1]

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا' رشک و حسد اگر جائز ہے تو صرف دو شخصوں پر' ایک اس پر جس کو مال کی دولت ملی تو وہ اس کو صحیح مصرف میں لٹاتا ہے اور دوسرے ﴿رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْحِکْمَةَ فَهُوَ یَقْضِیْ بِهَا وَ یُعَلِّمُهَا﴾ (صحیح بخاری کتاب العلم) اس شخص پر جس کو حکمت ملی ہے' تو وہ اس کے ذریعہ سے فیصلہ کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے' اور اس میں معلم ہونے کی شان پیدا ہوتی ہے' جب

(۱) قرآن پاک میں حرف علت سے قبل اور آیا کرتا ہے جیسے۔ ﴿و لیکون من الموقنین﴾ یہ حرف عطف نہیں۔

Marfat.com

عام انسان کا یہ درجہ ہے تو انبیا علیہم السلام کو یہ دولت کس بہتات سے ملی ہوگی اور وہ یقیناً آنحضرت ﷺ کے حصہ میں بھی آئی اب اس حصول دولت یعنی عطائے حکمت کا نتیجہ بھی آپ سے ظاہر ہونا چاہیے اور وہ فیصلہ اور تعلیم ہے' آپ کے یہ ملہمانہ فیصلے اور حکیمانہ تعلیمات تمام تر وحی ربانی کی عملی اور زبانی شرح اور بیان ہیں۔

کتاب و حکمت کی تعلیم:

اوپر کی چار آیتوں ۹۸' ۱۰' ۱۱ میں خفیف سے تغیر کے ساتھ حسب ذیل آیت ہے۔

﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ (جمعه : ۱) ''وہ رسول ان (ان پڑھوں) کو خدا کی آیتیں سناتا اور ان کو سنوارتا اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔''

ان آیتوں میں آنحضرت ﷺ کے تین کاموں کا ذکر ہے۔

(۱) خدا کی آیتوں کو پڑھنا اور دوسروں کو سنانا۔

(۲) ان کو شرک اور بد اخلاقی کی نجاستوں سے پاک وصاف کرنا اور سنوارنا۔

(۳) ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دینا۔

سوال یہ ہے کہ پہلی اور تیسری آیتیں ایک ہی معنی رکھتی ہیں یا دو۔ اگر ایک معنی رکھتی ہیں تو اس بے سود تکرار کا فائدہ کیا کیوں نہ دوسری جگہ بھی یتلوا (یعنی تلاوت کرتا ہے) ہی کا لفظ رکھ دیا گیا اور اگر دو الگ الگ معنی رکھتی ہیں جیسا کہ ہر صاحب نظر سمجھ سکتا ہے تو ان دونوں معنوں میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوگا۔ اگر رسول کا فرق محض وحی کی زبان سے سنی ہوئی آیتیں پڑھ کر دوسروں کو سنا دینا ہے اور اسی پر اس کی تبلیغ کا فریضہ ختم ہو جاتا ہے' تو اس کا تیسرا فرض الفاظ کی تلاوت سے آگے بڑھ کر کتاب اور حکمت کے سبق کی تعلیم کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے' بالکل ظاہر ہے کہ تعلیم کا مفہوم تلاوت سے بہت کچھ زیادہ ہے' خصوصاً جب کہ تعلیم کا لفظ تلاوت کے بعد آیا ہے' وحی کے الفاظ سنا دینے سے تلاوت کا فرض ادا ہو جاتا ہے مگر تعلیم کا فرض ہنوز باقی رہتا ہے' کتاب کی تعلیم کے معنی تلاوت کی طرح کتاب کے الفاظ سنا دینا اور پڑھا دینا یا دوسروں کو یاد کرا دینا نہیں بلکہ الفاظ قرانی کی تلاوت کے بعد جو آپ کا پہلا کام تھا' اس کے مشکل مطالب کو حل کرنے' مجمل معنی کو سمجھانے اور اپنی زبان اور عمل سے ان کی شرح و تفصیل کر دینے کا نام کتاب و حکمت کی تعلیم ہے اور یہ آپ کا دوسرا یا تیسرا فریضہ تھا اور یہی وہ تعلیم تھی جس کا ان آیتوں میں بار بار ذکر ہے۔ اب جب ان مطالب و معانی کی شرح و تفسیر بھی آپ کے فرائض نبوت میں داخل تھی تو اس پیغمبرانہ شرح و تفصیل کی حیثیت بھی دینی ہوگی' اور اس کی تعمیل بھی امت کے لیے ضروری ہوگی' آپ کی اسی زبانی و عملی شرح و تفصیل کو صحابہؓ اور تابعین نے اپنی روایت و عمل کے ذریعہ سے محفوظ رکھا اور وہ ''احادیث و سنن'' کے نام سے موسوم ہے۔

اس تفصیل کے بعد ''حکمت'' کے ان معنوں پر ایک نظر دوبارہ ڈال لیجیے جو ائمہ لغت اور علمائے قرآن نے بیان کیے ہیں تو آپ کو یقین آ جائے گا کہ وہ کل ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں اور ایک ہی معنی کی متعدد تفسیریں ہیں' آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال جن کے اصطلاحی نام احادیث و سنن ہیں' کتاب الٰہی کی عملی و زبانی تشریحات ہیں' کتاب الٰہی' وحی ربانی کا نتیجہ ہے اور احادیث و سنن سینۂ نبوی کی ملہمانہ حکمت کا' اس مقام پر امام شافعی کی یہ تحقیق پیش

Marfat.com

نظر رہے۔

((و سنته الحکمة التی القی فی روعه عن الله عزوجل)) (کتاب الرسالة مصر ص ۲۷) ''اور آپ کی سنت وہ حکمت ہے جو آپ کے قلب میں خدا کی طرف سے ڈالی گئی۔''

اور اسی مفہوم کو مجاہد اس طرح ادا کرتے ہیں کہ الحکمة فهم القران. حکمت فہم قرآن کا نام ہے دوسری عبارت میں یوں کہو کہ قرآن کے معانی و مطالب کی تشریح حکمت ہے اور اس تشریح کا نام جو رسول کے قول و عمل سے ادا ہوئی' سنت ہے اور اس معنی کو امام مالک اور ابورزین اور ابن زید وغیرہ دوسری صدی کے علمائے قرآن ان عبارتوں میں ادا کرتے ہیں کہ حکمت' معرفت دین' فقہ دین اور اس علم دین کو کہتے ہیں' جس کو رسول نے بیان کیا اور حکمت اس نور کا نام بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کسی قلب میں پیدا کر کے اس کو منور کر دیتا ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ اصل حکمت نبوی وہ نور نبوت اور الہامی معرفت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب وسینہ میں ودیعت کیا تھا اور چونکہ آپ کے سنن واقوال آپ کی اسی ودیعت شدہ حکمت نبوی کی پیداوار اور آثار ونتائج ہیں اس لیے ان پر بھی حکمت کا اطلاق جائز ہے' اس تفصیل کے بعد ظاہر ہوگا کہ بعض اماموں اور عالموں نے حکمت کی تشریح میں اصل معنی کی طرف توجہ کی ہے اور بعض نے ثانوی معنی کو بیان کیا ہے اور دونوں حق پر ہیں۔

علم:

علم کے لغوی معنی جاننے کے ہیں مگر ہر فن کے تعلق سے جاننے کی نوعیت اور معلومات کی حیثیت مختلف ہوگی' انبیاء کے تعلق سے جب اس کا استعمال ہوگا تو اس سے طبعاً خدا کی توحید' ذات وصفات' دین وشریعت کے احکام اور اخلاقی تعلیمات مراد ہوگی' حضرت ابراہیمؑ توحید پر استدلال کر کے اپنے باپ سے فرماتے ہیں۔

﴿یٰٓاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَ نِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَالَمْ یَاْتِکَ﴾ (مریم : ۳) ''اے میرے باپ! میرے پاس علم کا وہ حصہ آیا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا۔''

حضرت خضرؑ کے متعلق ہے۔

﴿وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ (کھف : ۹) ''اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا۔''

خدا کے پاس سے تو ہر چیز ہے پھر ''اپنے پاس سے علم سکھانے'' کا مفہوم کیا ہے؟ ہر وہ شے جو انسان کی ذاتی محنت کوشش اور جدوجہد وغیرہ معمولی ذرائع کے بغیر حاصل ہوتی ہے وہ من جانب اللہ کہی جاتی ہے' اسی طرح خدا کے پاس سے علم عطا ہونے کے معنی اس علم کے ملنے کے ہیں' جو انسان کے طبعی ذرائع علم واستدلال اور تلاش وتحقیق کے بغیر خود بخود عطا ہو۔ یہی علم خداداد ہے اور اسی لیے صوفیاء کی اصطلاح میں اس کو علم لدنی (پاس والا علم) کہتے ہیں۔

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی نسبت ہے۔

﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا﴾ (نمل : ۲) ''اور بے شبہ ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا۔''

حضرت یوسف کے آغاز نبوت کے موقع پر ہے۔

Marfat.com

﴿وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ﴾ (یوسف : ۱)

''اور اسی طرح تیرا پروردگار تجھ کو نوازے گا اور تجھ کو باتوں کی حقیقت رسی (تاویل) سکھائے گا اور تجھ پر اپنا انعام پورا کرے گا۔''

ان آیتوں میں اس علم کا ذکر نہیں جس کا منشاء وحی موقت ہے' کیونکہ ان میں سیاق کلام سے علم کے یک بارگی دیئے جانے کا ذکر ہے جو وحی موقت کی شان نہیں' خصوصاً آخری آیت میں تو تاویل احادیث کا علم بیک دفعہ دیئے جانے کی تصریح ہے۔ اسی لیے حضرت یوسفؑ ایک خواب کی تعبیر بیان کر کے دوسرے موقع پر کہتے ہیں۔

﴿ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ﴾ (یوسف : ۵) ''یہ وہ ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھایا ہے۔''

یہ کہیں بیان نہیں کیا گیا ہے کہ خواب کی تعبیر بتلاتے وقت ان پر وحی آکر حقیقت سے ان کو مطلع کرتی تھی بلکہ خود ان کے اندر یہ علمی قوت ہمیشہ کے لیے ودیعت کردی گئی تھی' اسی قسم کا وہ علم ہے جس کی نسبت سے بعض انبیاء کو بچپن ہی میں علیم (جاننے والے) کا خطاب ملا۔

﴿وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ﴾ (ذاریات: ۲) ''اور فرشتوں نے اس کو ایک بڑے صاحب علم فرزند کی خوش خبری دی۔''

﴿اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ﴾ (حجر: ۴) ''ہم تجھے ایک بڑے صاحب علم فرزند کی خوش خبری دیتے ہیں۔''

یہاں لفظ علیم اختیار کیا گیا ہے' عالم نہیں' اور یہ لفظ عالم سے زیادہ علم پر دلالت کرتا ہے' ان آیتوں سے ظاہر ہوا کہ وحی موقت جو گاہ گاہ آتی ہے' اس کے علاوہ علم کا ایک دائمی عطیہ بھی نبی کی شان ہے۔

علم و حکم:

بہت سے انبیاء کے متعلق علم کے ساتھ حکم کا عطا ہونا بھی بیان ہوا ہے' حکم کے معنی لغت میں فیصلہ اور حق و باطل میں تمیز کرنے کے ہیں جس کا ترجمہ اردو میں سمجھ اور بوجھ کا نتیجہ (یعنی فیصلہ) کر سکتے ہیں' امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں۔

والحكم بالشى ان تقضى بالشى بانه كذا اوليس كذا سواء الزمت ذلك غيره اولم تلزمه. (۱۲۶ . مصر)

''کسی شے پر حکم کرنا' یہ فیصلہ کرنا ہے کہ یہ شے ایسی ہے یا ایسی نہیں ہے۔ عام اس سے کہ اس فیصلہ کا تم دوسرے کو پابند کرسکو یا نہ کرسکو۔''

عربی لغت کی مشہور کتاب لسان العرب میں ہے۔

الحكم العلم و الفقه و القضاء بالعدل. (ج۱۵: ۳) ''حکم کے معنی علم' سمجھ اور منصفانہ فیصلہ کرنا ہے۔''

ان انبیاء علیہم السلام کو جن پر کسی کتاب کا نازل ہونا ثابت نہیں' اس علم اور حکم کا عطا ہونا ثابت ہے' اس سے یہ معلوم ہوا کہ وحی کتاب کے علاوہ کسی اور عطیہ علم و حکم کی طرف اشارہ ہے چنانچہ حضرت یوسفؑ کی شان میں ہے۔

﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا﴾ ''اور جب یوسفؑ جوانی کی قوت کو پہنچا تو ہم نے اس کو

Marfat.com

(یوسف : ۳) حکم اور علم دیا۔"

حضرت لوطؑ کی شان کے متعلق ہے۔

﴿و لُوطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا﴾ (انبیاء : ۹) "اور لوط کو ہم نے حکم اور علم دیا۔"

حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کے ذکر میں ہے۔

﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ وَ كُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا﴾ (انبیاء : ۲) "تو ہم نے سلیمان کو وہ فیصلہ سمجھایا اور ہر ایک کو ہم نے حکم اور علم دیا تھا۔"

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نسبت ہے۔

﴿یٰیَحْیٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ وَ اٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا﴾ (مریم : ۱) "اے یحییٰ! کتاب (توراۃ) کو مضبوطی سے پکڑ اور ہم نے اس کو حکم بچپن میں عطا کر دیا۔"

ایک جگہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنی نعمتیں ان الفاظ میں شمار کرتا ہے۔

﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ﴾ (جاثیہ : ۲) "اور بالاشک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور نبوت دی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اور حکم اور نبوت تین چیزیں ہیں' یہاں کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ ان آیتوں میں حکم سے مراد دنیاوی حکومت اور سلطنت ہے کہ اس معنی میں یہ لفظ خالص اور قدیم عربی میں نہیں آیا ہے۔ یہ اہل عجم کا محاورہ ہے قرآن نے ہر جگہ اس کو فیصلہ اور قوت فیصلہ کے معنی میں استعمال کیا ہے جیسے۔

﴿فَاحْكُمْ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ﴾ (ص:۲) "ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر۔"

﴿فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ (ص:۲) "تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو۔"

﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ﴾ (مائدہ : ۲) "اور تو ان کے درمیان فیصلہ کرے تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کر۔"

حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ ایک مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہیں۔

﴿وَ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ﴾ (انبیاء : ۱۲) "اور داؤد اور سلیمان کو جب وہ دونوں کھیت کا فیصلہ کر رہے تھے۔"

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ (شوریٰ : ۲) "اور جس کسی چیز میں تم نے اختلاف کیا تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف ہے۔"

سب سے بڑھ کر یہ کہ یہی تین باتیں سورۂ انعام میں بہت سے پیغمبروں کے نام گنا کر کہی گئی ہیں۔

﴿اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ﴾ (انعام : ۱۰) "یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت بخشی۔"

جن پیغمبروں کے نام اوپر گنائے گئے ہیں اور جن کی طرف وہ لوگ کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے یہ ہیں ابراہیم اسحٰق

Marfat.com

یعقوب نوح داؤد سلیمان یوسف ایوب موسیٰ ہارون زکریا یحییٰ عیسیٰ الیاس اسماعیل الیسع یونس لوط علیہم السلام ان اٹھارہ ناموں میں حکم بمعنی حکومت و سلطنت اگر ہو تو اس کے مستحق صرف دو ہیں سلیمان اور داؤد اور چاہے کسی طرح کسی تاویل سے یوسف اور موسیٰ کو بھی شامل کر لیجیے۔ باقی چودہ نام ان پیغمبروں کے ہیں جن کو اس کا کوئی حصہ نہیں ملا تھا۔ اس لیے لامحالہ حکم کا لفظ قرآن میں عربیت کے اصلی اور صحیح و صریح معنی میں مستعمل ہے اور اس لفظ سے خدا کا جو مقصود ہے وہ کتاب کے ساتھ ساتھ ان پیغمبروں کو برابر حیثیت میں ملا تھا۔ غلط فہمی کا پردہ چاک کرنے کے لیے ایک اور آیت کریمہ پر نظر ڈالیے۔

﴿ما كان لبشر ان يؤتيه الله الكتب و الحكم و النبوة ثم يقول للناس كونوا عبادا لي من دون الله ولكن كونوا ربانيين بما كنتم تعلمون الكتب و بما كنتم تدرسون﴾ (آل عمران : ۸)

”کسی بشر کے لیے یہ زیبا نہیں کہ اللہ اس کو کتاب حکم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بنو بلکہ جو تم کتاب (توراۃ) سکھاتے تھے اور جو تم پڑھتے تھے اس کے ذریعہ سے تم خدا والے بنو۔“

ان آیتوں میں مخاطب اہل کتاب ہیں اور جس مقدس بشر کا ان میں ذکر ہے بظاہر اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں وہ نہ ہوں تو خود محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور یہ اس وقت کی بات ہے جب یہود کی پوری قوت مدینہ کے اطراف اور حجاز میں موجود تھی اور اسلام ہنوز ان کے مقابلہ میں کمزور و ناتواں تھا ایسی صورت میں جس حکم کے ملنے کا ذکر ان آیتوں میں ہے وہ کتاب اور نبوت ہی کی جنس کی کوئی چیز ہو سکتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو حکومت و سلطنت کا ادنیٰ شائبہ بھی عطا نہیں ہوا تھا۔ اور آنحضرت ﷺ کو اس وقت تک جب بنی اسرائیل اپنی ممتاز قوت کے ساتھ مدینہ اور حجاز میں موجود تھے یہ رتبہ نہیں ملا تھا آیت ﴿ان الحكم الا لله﴾ میں بھی حکم سے مراد وہی فیصلہ اور قضائے ربانی ہے حکومت و سلطنت نہیں تسکین کے لیے اس آیت کے آگے پیچھے کے الفاظ پر نظر ڈالو۔

﴿قل انی علی بینة من ربی و کذبتم به ما عندی ما تستعجلون به ان الحكم الا لله يقص الحق وهو خير الفاصلين﴾ (انعام : ۷)

”کہہ دے (اے پیغمبر)! کہ میں اپنے پروردگار کی کھلی دلیل پر ہوں اور تم اس کو جھٹلاتے ہو۔ میرے پاس وہ نہیں جس کی تم جلدی کرتے ہو فیصلہ کسی کا نہیں لیکن اللہ کا وہ حق بیان کرتا ہے اور سب فیصلہ کرنے والوں سے وہ بہتر ہے۔“

ان وجوہ سے اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ انبیاء علیہم السلام کو منصب نبوت اور وحی کتاب کے ساتھ حکم کی سند بھی ملتی ہے جس سے صاف و صریح معنی کلام عرب اور لغت اور قرآن کے قرینوں سے علم و فہم فیصلہ اور حق و باطل میں تمیز ہے اور اس لیے رسول کی اس قوت و طاقت کے نتائج بھی ہمارے لیے واجب العمل ہیں۔

شرح صدر:

ربانی علم و معرفت کا ایک اور مقام شرح صدر ہے شرح صدر کے معنی ”سینہ کھول لینے“ کے ہیں عام خیال یہ ہے کہ سینہ کی تنگی اور ضیق جہل و نادانی کی علامت ہے اور سینہ کی کشادگی اور فراخی علم کی وسعت اور معرفت کی فراوانی پر

Marfat.com

دلالت کرتی ہے۔ اسی لیے شرح صدر کے اصطلاحی اور مجازی معنی علم کی کثرت اور آ گاہی کی وسعت کے ہیں اور خاص طور سے اس علم و معرفت اور اطلاع و آ گاہی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جو کسی دقیق اور مشکل مسئلہ کے متعلق دفعۃً اور یک بیک قلب میں وارد ہو جاتی ہے اور اس حل سے اس کی تسلی و تسکین ہو جاتی ہے اور اس کے شکوک و شبہات دور ہو کر اس کو یقین کی راحت و مسرت حاصل ہو جاتی ہے جمہرہ ابن درید میں ہے۔

و الشرح من قولهم شرحت لک الامر ای اوضحته و کشفته و شرح الله صدره فانشرح اذا اتسع بقبول الخير. (۲:۳۴)

''شرح اہل عرب کے اس محاورہ سے ہے کہ میں نے تیرے لیے بات کی شرح کر دی یعنی اس کو واضح کر دیا اور کھول دیا اور اللہ نے اس کے سینہ کو کھول دیا تو وہ کھل گیا یعنی جب نیکی کے قبول کرنے کے لیے وسیع ہو گیا۔''

صحاح جوہری میں ہے۔

الشرح الكشف تقول شرحت الغامض اذا فسرته.

''شرح یعنی کشف (کھولنا) تم کہتے ہو میں نے اس پوشیدہ مسئلہ کی شرح کر دی یعنی اس کی تفسیر کر دی۔''

لسان العرب میں ہے۔

الشرح الكشف يقال شرح فلان امرى اوضحه و شرح مسئلة مشكلة بينها و شرح الشئ بشرحه شرحاً و شرحه فتحه بينه و كشفه و كل مافتح من الجواهر فقد شرح ايضاً تقول شرحت الغامض اذا فسرته و شرح الله صدره بقبول الخير بشرحه شرحا فانشرح وسعه بقبول فاتسع قال ابن الاعرابى الشرح الحفظ و الشرح الفتح و الشرح البيان' و الشرح الفهم.

''شرح یعنی کشف ہے' کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اس کی بات کی شرح کر دی یعنی اس کو واضح کر دیا اور مشکل مسئلہ کی شرح کر دی یعنی اس کو بیان کر دیا' اور کسی چیز کی شرح کر دی یعنی تفصیل کر دی اور کھول دیا اور جواہر میں ہے جو کھولا جائے تو اس کی شرح کی گئی تم بولتے ہو پوشیدہ مسئلہ کی شرح کر دی یعنی تفسیر کر دی اور خدا نے اس کے سینہ کو کھول دیا کسی نیک بات کے قبول کرنے کے لیے تو وہ کھل گیا یعنی اس کو قبول حق کے لیے وسیع کر دیا تو وہ وسیع ہو گیا ابن اعرابی نے کہا' شرح کے معنی ہیں' یاد رکھنا' کھولنا' بیان کرنا سمجھنا۔''

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوت کا منصب ملتے وقت دعا مانگی۔

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَ يَسِّرْلِيْٓ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ﴾ (طه: ۲)

''اے میرے رب! میرے سینہ کو میرے لیے کھول دے اور میرے کام کو میرے لیے آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ لوگ میری بات کو پوری طرح سمجھیں۔''

دعا کے پہلے جملہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لیے شرح صدر کی استدعا کی ہے اور آخر میں فصاحت بیان کی یعنی اول میں صحیح معنی کے القاء اور آخر میں ان کے لیے صحیح الفاظ کے انتخاب کی دعا کی ہے تا کہ ان کی دعوت

Marfat.com

تبلیغ کو مخاطب سمجھ سکیں لیکن یہ دولت محمد رسول اللہ ﷺ کو بن مانگے ملی' خدا نے فرمایا۔

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ﴾ (انشراح : ۱) ''کیا ہم نے (اے محمد) تیرے لیے سینہ کو کھول نہیں دیا اور تیرے بوجھ کو تجھ سے اتار لیا۔''

شرح صدر اور ''سینہ کھولنے'' کی جو تشریح احادیث صحیحہ میں مذکور ہے اس کے لیے عام اصطلاح شق صدر ہے یعنی عالم رویا یا بیداری میں فرشتوں نے آ کر سینہ مبارک کو واشگاف کیا' اس کو آب زم زم سے دھویا اور سونے کے طشت میں ایمان اور حکمت بھر کر لائے اور ان سے سینہ مبارک کو معمور کر کے شگاف کو برابر کر دیا۔[1] اگر یہ واقعہ اپنی ظاہر حقیقت پر محمول کیا جائے تو بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ سینہ مبارک کو واقعاً چاک کر کے اور زم زم کے پانی سے پاک وصاف کر کے ایمان اور حکمت اس میں بھری گئی اور اگر تمثیل کے رنگ میں لیا جائے تو بھی یہ حقیقت ماننی پڑے گی کہ سینہ صافی ایمان وحکمت سے معمور کیا گیا' بہرحال شرح صدر کی حقیقت ایمان اور حکمت کی ربانی بخشش ہے۔

شرح صدر کے اس مذکور بالا معنی کو جو شق صدر کے واقعہ کی تفصیل سے واضح ہے اگر کوئی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہو تو بھی بحمد اللہ کہ اس کی تسکین کا سرمایہ قرآن پاک میں موجود ہے۔ سورۂ زمر میں ہے۔

﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (زمر : ۲۲) ''بھلا جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا تو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشنی میں ہے۔''

اسلام کے لیے سینہ کے کھول دینے سے مقصود یہ ہے کہ اسلام کی حقیقت مؤثر طریقہ سے اس پر اس طرح کھل گئی کہ اس کو اسلام کی سچائی کا پوری طرح یقین آ گیا' اور اس کو اپنے اس یقین پر کامل تسکین حاصل ہو گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کو اپنی منزل مقصود کے ہر قدم پر اللہ کی روشنی حاصل ہے یہی شرح صدر کی حقیقت ہے اور اس روشنی کی کمی و بیشی درجوں اور منصبوں کے مطابق ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں حدیث کے دو ایسے موقعوں کا ذکر کرنا ہے جن سے لفظ ''شرح صدر'' کے معنی کی پوری تشریح ہو جاتی ہے یہاں یہ نکتہ پیش نظر رہے کہ ان حدیثوں سے معنوی احتجاج یہاں مقصود نہیں' بلکہ صدر اول کے کلام عرب سے شرح صدر کے محاورہ کی تشریح مقصود ہے۔

(۱) پہلا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عرب کے بعض قبیلے زکوۃ ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ ان پر فوج کشی کا ارادہ کرتے ہیں' حضرت عمر فاروقؓ آ کر عرض کرتے ہیں کہ یا خلیفۂ رسول اللہ! ان سے جہاد کیونکر ممکن ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا اس نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچا لیا' حضرت صدیقؓ جواب دیتے ہیں خدا کی قسم! میں اس سے لڑوں گا جو زکوۃ اور نماز میں فرق کرتا ہے۔ نماز خدا کا حق ہے اور زکوۃ بندوں کا حق ہے' اگر وہ بکری کا ایک بچہ بھی جس کو وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دیتے تھے۔ اب نہ دیں گے تو میں ان سے لڑوں گا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔

فو اللہ ما ھوا لا ان قد شرح اللہ صدر ابی بکر فعرفت انہ الحق. ''تو خدا کی قسم' نہ تھا یہ لیکن یہ کہ کھول دیا تھا اللہ نے ابوبکرؓ کے سینہ کو تو میں نے جان لیا وہی حق ہے۔''

---

(۱) صحیح بخاری و صحیح مسلم ونسائی ابواب معراج واسراء فرائض الصلوۃ ومسند احمد بروایت انس بن مالک وسنن ترمذی تفسیر سورۂ انشراح۔

Marfat.com

(۲) دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جنگ یمامہ میں قرآن کے بہت سے حافظ شہید ہوئے۔اس وقت حضرت عمرؓ نے آکر حضرت ابوبکرؓ کو مشورہ دیا کہ قرآن پاک کو ایک ترتیب سے کاغذ پر لکھ لیا جائے' حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ میں وہ کام کیونکر کروں جس کو خود رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا' لیکن حضرت عمرؓ اپنے مشورہ کے بہتر ہونے پر اصرار کرتے رہے' یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کی سمجھ میں بھی بات آ گئی اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں۔

فلم یزل عمر یراجعنی حتی شرح الله صدری لذلک و رایت فی ذلک الذی رای عمر. (صحیح بخاری جمع القرآن)	''تو عمرؓ بار بار مجھ سے کہتے رہے یہاں تک کہ خدا نے اس کے لیے میرے سینہ کو کھول دیا اور میں نے بھی وہی دیکھا جو عمرؓ دیکھتے تھے۔''

ان دونوں موقعوں پر لفظ شرح صدر اپنے استعمال کا محل اور اپنی حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے یہی شرح صدر ہے جس کو قرآن نے جیسا کہ اوپر سورۂ زمر کے حوالہ سے گزرا' نور ربانی یا نور بصیرت کہا ہے۔

آنحضرت ﷺ کو شرح صدر کی جو وسعت عطا ہوئی تھی۔اس کے سمجھنے سے پہلے بلاغت کا ایک مسئلہ سمجھ لینا چاہیے' جب کوئی لفظ متعلقات کے صلہ اور مفعول کے ساتھ مقید ہو کر بولا جاتا ہے تو اس سے معنی کی تخصیص و تحدید ہو جاتی ہے لیکن وہی لفظ جب متعلقات کے صلہ اور مفعول کی قید کے بغیر بولا جائے گا تو وہ عموم کے ساتھ فعل کے ثبوت کا فائدہ دے گا مثلاً علم (جاننا) مفعول کو چاہتا ہے۔جس چیز کا علم ہوتا ہے اس کو عبارت میں مفعول بناتے ہیں اور اس عبارت میں اس علم سے مقصود اسی خاص شے کا علم ہوتا ہے جس کو مفعول بنایا ہے لیکن اگر مفعول کو حذف کر دیں تو اس کا مقصد کسی خاص علم کے بجائے مطلق اور عام علم کا ثبوت ہوگا' ایک جگہ قرآن میں ہے ﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (روم) وہ' حیات دنیا کا ظاہری پہلو جانتے ہیں'' ظاہر ہے کہ اس علم کا تعلق صرف ایک چیز کے علم سے ہے یعنی دنیا کی ظاہری زندگی کے علم سے عام علم سے نہیں' لیکن دوسرے جگہ ہے۔ ﴿الذین یعلمون و الذین لا یعلمون﴾ کیا وہ جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے (یعنی جو علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے) دونوں برابر ہو سکتے ہیں'' یہاں یہ ذکر نہیں کہ کس خاص بات کو جانتے ہیں بلکہ مقصود عام علم ہے' تو یہاں معنی یہ ہوں گے کہ جو ہر طرح کے علم والے ہیں اور جو مطلق بے علم ہیں دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔بلاغت کی کتابوں میں ﴿هُوَ يَامُرُ وَ يُعْطِي وَ يَمْنَعُ هُوَ اَضحک و ابکی﴾ کی مثالوں سے اس مفہوم کی توضیح کی گئی ہے۔

اس تمہید کے بعد شرح صدر کے گزشتہ استعمالوں اور مثالوں پر نظر ڈالیے ہر جگہ آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ جس بات کے سمجھنے کے لیے سینہ کھولا جاتا ہے اس پر لام آتا ہے یا قرینہ سے سمجھا جاتا ہے کہ مثلاً اسلام کے لیے سینہ کھول دیا' جمع قرآن کے لیے سینہ کھول دیا' مانعین زکوٰۃ کے قتال کے لیے سینہ کھول دیا' مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کے لیے قرآن میں جس شرح صدر کا ذکر ہے اس میں اس بات کا ذکر نہیں ہے جس کے لیے ان انبیاء علیہم السلام نے سینے کھولے گئے' اس سے یہ مقصود ہے کہ ان انبیاء کو امور دین میں مطلق اور عمومی شرح صدر عنایت ہوا اور یہیں سے عام امت اور انبیاء کے فرق مراتب کا اظہار ہوتا ہے کہ امت کے عام افراد کو خاص خاص امور کے سمجھنے کے لیے شرح صدر ملتا ہے اور انبیاء کو اپنے دائرہ میں کلی اور عمومی حیثیت سے یہ چیز عنایت ہوتی ہے۔

Marfat.com

ایک اور لطیف پہلو بھی یہاں ذکر کے قابل ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر احسان دونوں موقعوں پر لی اور لک ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں میرے لیے سینہ کو کھول دے۔ اور آنحضرت ﷺ کے لیے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا میں نے تیرے لیے تیرے سینہ کو کھول نہیں دیا۔ سوال یہ ہے کہ ''میرے لیے'' اور تیرے لیے'' کے اضافہ کی ضرورت اور اس ''لام'' کی حاجت کیا تھی؟ مفسرین میں امام زمخشری نے اس سوال کے جواب دینے کی کوشش کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ صرف تاکید کے لیے ہے حالانکہ یہ لام تملیک کے بجائے لام افادہ ہے جیسا کہ ﴿خلق لکم مافی الارض جمیعا﴾ میں ہے مقصد یہ ہے کہ یہ شرح صدر کی دولت تجھ کو تیرے لیے ملی ہے یعنی تیرے کشف علم کے لیے یا تائید کے لیے یا فائدہ کے لیے اور یہ کشف علم اور شرح صدر خود تیری ذات کے لیے ہے کہ وہ کامل سے کامل تر ہو کر ظاہر ہوا۔

اب آخری سوال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو دین کا جو یہ عمومی شرح صدر عنایت ہوا اس کا کوئی اثر و نتیجہ بھی تو نمایاں ہوگا دراصل اسی کے یہ آثار و نتائج ہیں جو افعال و اقوال اور ''احادیث و سنن'' کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں۔

تبیین کتاب:

آنحضرت ﷺ دنیا میں جس شریعت کو لے کر آئے وہ آخری اور ابدی تھی اور ایسی آخری اور ابدی شریعت کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ زیادہ تر زور شریعت کے کلی اور ابدی اصول و مبادی پر دے چنانچہ اس آخری وحی الٰہی نے اپنی کتاب کو صرف اصول و کلیات تک محدود رکھا اور جزئیات کے لیے اپنی آیتوں میں ایسے اشارے رکھے جن کے سہارے سے وہ دل جو علم و معرفت سے پر نور اور حکم و حکمت سے معمور اور شرح صدر اور تائید ربانی سے فیض یاب ہوں۔ وہ علیٰ قدر مراتب جزئیات کو صحیح طور سے جان لیں چنانچہ یہ رتبہ سب سے پہلے خود نبی کو ملا اور چونکہ وہ خطا سے معصوم ہے اس لیے اس کے اس منصب کے نتائج بھی خطا سے محفوظ ہیں پھر رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے یہ منصب خلفائے راشدین اکابر صحابہ ائمہ تابعین و تبع تابعین و مجتہدین عظام اور علمائے اعلام کو ہمیشہ ملتا رہا۔ اسی کا اصطلاحی نام اجتہاد ہے جس کو ہر زمانہ کے فیض یابان علوم نبوت اور حاملین اسرار شریعت خدا کی دی ہوئی بصیرت کے مطابق اس کی وحی کی روشنی میں ہمیشہ انجام دیتے رہے ہیں اور دیتے رہیں گے یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی توضیح و تفسیر کی ذمہ داری بھی خود اپنے اوپر لی ہے فرمایا۔

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾ (قیامہ : ۱)

''تو قرآن کی وحی کے ساتھ اپنی زبان کو اس غرض سے حرکت نہ دے تاکہ تو اس کی (تلاوت و اشاعت میں) جلدی کرے بےشک ہم پر ہے قرآن کا جمع کرنا اور اس کو پڑھانا اور جب ہم نے اس کو پڑھا دیا تو تو اس کی پڑھائی کی پیروی کر پھر ہم پر ہے اس کی شرح کرنا۔''

اس بیان و شرح کی ذمہ داری کبھی بذریعہ وحی ادا ہوئی ہے جو قرآن میں مذکور ہے پھر کبھی رسول کی تقریر و عمل سے پوری ہوئی ہے جو عملی تواتر سے منقول اور احادیث و سنن کے مستند دفتر میں موجود ہے۔

Marfat.com

یہ امر کہ اس بیان وشرح کی طاقت اور اس شرح و بیان کا اختیار رسول کو خدا کی طرف سے عطا ہوا تھا۔ حسب ذیل آیت سے ثابت ہے۔

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ﴾ (نحل : ٦)

''اور ہم نے تیری طرف یہ نصیحت (کی کتاب) اتاری تا کہ لوگوں کی طرف جو اتارا گیا ہے تو اس کو کھول کر بتا دے شاید وہ سوچیں۔''

بیان اور تبیین کے لفظی معنی کھولنے اور واضح کرنے کے ہیں اور ان کا استعمال دو معنوں میں ہوتا ہے' ایک اعلان اور اظہار کے معنی میں یعنی اخفاء کے مقابل دوسرے توضیح وتفسیر کے معنی۔ قرآن پاک میں یہ لفظ ''تبیین'' اپنے دونوں معنوں میں آیا ہے اب یہ تمیز کہ کس آیت میں کیا معنی مراد ہیں۔ سیاق وسباق اور موقع ومحل سے ہو سکتی ہے مثلاً ایک جگہ قرآن پاک میں ہے۔

﴿یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ یَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ﴾ (مائدہ : ٣)

''اے کتاب والو! تمہارے پاس ہمارا رسول آیا کہ کتاب کی جو باتیں تم چھپاتے تھے وہ ان کو تمہارے لیے ظاہر کر دے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرے۔''

یہاں ''تبیین'' صریح طور سے اخفاء کے مقابلہ میں ہے اس لیے یہاں ''تبیین'' کے معنی یقینی طور پر اظہار و اعلان کے ہیں' لیکن یہی لفظ دوسری جگہ سورۂ نحل میں اس طرح آیا ہے۔

﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَھُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَ ھُدًی وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ (نحل : ٨)

''اور ہم نے تجھ پر کتاب نہیں اتاری لیکن اس لیے تا کہ تو واضح کر دے اس کو جس میں انہوں نے اختلاف کیا اور ایمان والوں کے لیے رہنمائی اور رحمت بنا کر اس کو اتارا۔''

اختلاف کے مقابلہ میں اظہار اور اعلان کی نہیں بلکہ توضیح وتشریح کی ضرورت ہے کہ جس امر میں اختلاف ہو وہ اس توضیح وتفسیر کے بعد دور ہو جائے' اب پہلی آیت پر غور کرنا چاہیے جو اسی سورہ میں ایک اور مقام پر ہے۔

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ﴾ (نحل : ٦)

''اور ہم نے اے پیغمبر! تیری طرف نصیحت کی کتاب (قرآن) کو اتارا کہ لوگوں کی طرف جو اتارا گیا' تو اس کو ان کے لیے کھول کر بتا دے شاید کہ وہ سوچیں۔''

سوال یہ ہے کہ اس آیت پاک میں بیان کرنے کے معنی ظاہر کرنے کے ہیں یا تشریح وتفصیل کرنے کے! ہمارا دعویٰ ہے کہ ظاہر کرنے کے بجائے یہاں غور وفکر کی مناسبت اور قرینہ کے سبب سے تشریح وتفصیل کے معنی لینا صحیح ہے' امر مخفی کا اظہار سننے اور ماننے کے تو مناسب ہو سکتا ہے مگر سوچنے اور غور وفکر کرنے کے لیے یہاں تشریح وتفصیل کی ضرورت ہے نہ کہ اظہار واعلان کی۔ اب جب کہ آنحضرت ﷺ کے لیے تفصیل وتبیین کا منصب خدا کی طرف سے ثابت ہے تو اس تفصیل وتبیین کی پیروی اور اتباع بھی خدا ہی کے احکام کی پیروی ہوگی اور آپ کی یہ تبیین وتشریح آپ کے نور حکمت کا فیضان ہوگا' جس کے اشارے خود کتاب الٰہی کے اندر آپ کو موجود نظر آتے تھے۔

Marfat.com

اراءت:

انسانی الفاظ میں یہ قدرت نہیں کہ ان کے ذریعہ سے کوئی ایسا قانون وضع کیا جا سکے جو ایک طرف اختلاف فہم سے محفوظ رہے اور دوسری طرف اس میں یہ وسعت ہو کہ تمام آئندہ پیش آنے والے واقعات پر جن کے جزئیات کی کوئی حد نہیں۔ پوری طرح حاوی ہو سکے' لیکن فہم انسانی کے اختلاف کے جو نقائص قانون میں ہوتے ہیں گو ان کو تمام تر دور نہیں جا سکتا' تاہم ان کو کم کیا جا سکتا ہے' اسلام نے اپنے قانون الٰہی سے جو بہر حال انسانی بول چال کے الفاظ میں ہے اس اختلاف فہم کے نقص کو کم کرنے کے لیے یہ کیا کہ اپنے رسول کی معرفت زبانی اور عملی طور سے اس کی تشریح و تبیین کرا دی' گو انسانی ذرائع حفظ و روایت کی فطری کمزوریوں کے سبب سے اس تشریح و تبیین میں بھی اختلاف فہم پیدا ہو گیا' مگر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر یہ تشریح و تبیین نہ ہوتی تو اختلافات کی خلیج اس سے زیادہ عمیق اور وسیع ہوتی۔

روزمرہ کے پیش آتے رہنے والے جزئیات کے فیصلہ کی یہ صورت رکھی گئی کہ آنحضرت ﷺ کی عدالت میں روزانہ اس قسم کے واقعات اور مقدمات پیش ہوتے رہے اور آپؐ وحی کتاب کے اصول و کلیات کے ماتحت اپنے نور بصیرت اور فہم حکمت سے ان کے فیصلے فرماتے رہے' خلفائے راشدین نے اپنے اپنے عہد میں ان نو بہ نو اور تازہ بتازہ واقعات کے فیصلوں کے لیے اولاً وحی کتابی کو اور اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے ان قضایا اور فیصلوں کو جو فہم نبوت' نور بصیرت اور اراءت الٰہی کے ذریعہ فیصل ہوئے تھے اپنا ماخذ قرار دیا' اور یہی اصول بعد کے فقہاء اور مجتہدین نے اختیار کیا اور نئے واقعہ کو وحی کتاب اور فیصلہ نبوی کے معصوم و مسلم معیار پر جانچ کر ان میں سے کسی نہ کسی مماثل اور مشابہ فیصلہ پر قیاس کر کے اپنے فیصلے دیئے اور جو چیزیں ان میں نہ ملیں ان کو معمولی عدل و انصاف' رسم و رواج' عقل و فکر و استحسان وغیرہ کے اصول پر سمجھ کر ان کا فیصلہ کیا' یہی مجموعہ آج فقہ اسلامی کہلاتا ہے۔

وحی الٰہی قرآن پاک میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قضایا اور فیصلے احادیث و سنن کی صحیح روایتوں میں محفوظ ہیں' وحی الٰہی کی صداقت میں تو کلام نہیں ہو سکتا۔ اب رہ گئی آنحضرت ﷺ کے قضایا اور فیصلوں کی پیروی تو اس کے متعلق بھی وحی الٰہی ناطق ہے۔

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰكَ اللّٰهُ﴾ (نساء : ۱۶)

"(ہم نے اے پیغمبر)! تیری طرف سچائی کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ لوگوں کے درمیان جو تجھ کو اللہ سوجھائے اس کے ذریعہ فیصلہ کرے۔"

اس کتاب الٰہی کے نزول کی غرض ہی یہ بتائی گئی ہے کہ تو اے پیغمبر! اس کے احکام اور قوانین کو لے کر اس فہم کے ذریعہ جو کچھ اللہ تعالیٰ تجھ کو سمجھائے اور دکھائے تو لوگوں کے درمیان فیصلہ اور انصاف کرے' اللہ تعالیٰ کا اپنے پیغمبر کو یہی سوجھانا اور دکھانا جو کچھ تھا' وہ آپ کے عمل اور قضایا اور فیصلوں کی صورت میں محفوظ ہے اور اسلام کے قانون کا وحیٔ الٰہی کے بعد دوسرا ماخذ ہے۔

آنحضرت ﷺ کے عدل و انصاف پر خود منافقین تک کو بھروسہ تھا' چنانچہ ان کا قاعدہ تھا کہ جب ان کا حق کسی پر ہوتا تو دوڑے عدالت نبوی میں حاضر ہوتے' کیونکہ سمجھتے تھے کہ یہ حق آپ ہی کی عدالت سے ہم کو ملے گا' لیکن

Marfat.com

جب ان پر کسی کا حق نکلتا تو وہ ٹال جاتے اور دوسرے طریقہ سے فیصلہ چاہتے' اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی سرزنش کی۔

﴿وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَهُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ وَ اِنْ یَّکُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْٓا اِلَیْهِ مُذْعِنِیْنَ اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ بَلْ اُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَخْشَ اللّٰهَ وَ یَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ (نور : ۷)

''اور جب وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف بلائے جائیں کہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو ان میں سے کچھ لوگ منہ موڑتے ہیں اور اگر ان کو کچھ حق پہنچتا ہو تو فرماں بردار بن کر رسول کے پاس چلے آئیں۔ کیا ان کے دل میں بیماری ہے یا وہ شک میں ہیں یا وہ ڈرتے ہیں کہ خدا اور اس کا رسول ان کے ساتھ بے انصافی کرے گا' بلکہ وہی لوگ بے انصاف ہیں' ایمان والوں کی بات یہ تھی کہ جب ان کو خدا اور رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا' انہی لوگوں کا بھلا ہے اور جو کوئی اللہ کے اور اس کے رسول کے حکم پر چلے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور اللہ سے بچ کر نکلے وہی لوگ ہیں مراد کو پہنچے۔''

ان آیات سے معلوم ہوا کہ رسول کے تمام فیصلے منصفانہ ہوتے تھے اور رسول کے فیصلوں کی اطاعت خود خدا کے حکم کی اطاعت ہے بلکہ ایمان کی دلیل اور نشانی ہے۔

﴿فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ (نساء : ۹)

''تو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے جب تک وہ تجھے اپنے جھگڑوں کا منصف نہ بنائیں اور پھر جو تو فیصلہ کرے اس سے اپنے دل میں خفگی نہ پائیں اور پوری طرح تسلیم کریں۔''

﴿وَ مَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا﴾ (احزاب : ۵)

''اور مومن مرد یا مومن عورت کا یہ کام نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کر دے تو ان کو اپنے کام کا اختیار رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلا گمراہ ہوا۔''

یہ اطاعت اور مطلقا سر افگندگی اور تمام فیصلوں کے قطعی حق اور منصفانہ فیصلہ ہونے کی ربانی ذمہ داری ہر حاکم وقت اور سلطان زمانہ کے لیے نہیں' یہ انبیاء کے لیے خاص ہے' دو شخصوں کے باہمی جزئی وشخصی مقدمات کا فیصلہ ظاہر ہے کہ خود اللہ تعالیٰ وحی قرآنی کے ذریعہ نہیں کرتا تھا بلکہ رسول کے فہم نبوت' نور نبوت' فیض حکمت' شرح صدر تبیین حقیقت اور اراءت (دکھانا اور سوجھانا) کے ذریعہ فرماتا تھا' لیکن کلیات کی حیثیت سے وہ یقیناً وحی قرآنی کے مطابق ہوتا تھا اور ان کلیات کے مطابق ان جزئیات کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ آپ کو سوجھاتا تھا۔

آپ کے ان قضایا اور فیصلوں کی رضامندانہ اطاعت ہر مسلمان پر قیامت تک ضروری ہے' آپ کی زندگی کے

Marfat.com

بعد ان فیصلوں کی اطاعت یہ ہے کہ اس قسم کے مقدمات اور معاملات میں ہم وہ ہی فیصلے جاری کریں جو آپ نے اپنی زندگی میں ان کے متعلق کیے کہ آپ کے فیصلے بحکم خدا غلطی سے پاک ظلم سے بری اور بے انصافی سے منزہ تھے اور دنیا میں رسول کے سوا کسی انسان کو اس بے گناہی اور عصمت کا درجہ اور رتبہ حاصل نہیں۔

رسول کا وجود مستقل ہدایت ہے:

اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو امام و پیشوا اور ہادی و رہنما فرمایا ہے یعنی نبوت اور وحی سے سرفراز ہونے کے بعد ان کی ذات مجسم ہدایت و رہنمائی اور امامت و پیشوائی کے لیے خاص ہو جاتی ہے ان کی بعثت اسی لیے ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی راہنمائی فرمائیں اور ان کو ضلالت و گمراہی سے بچائیں جس امت میں مبعوث ہوتے ہیں۔ اس کے سامنے ہدایت و رہنمائی کے دو چراغ روشن ہوتے ہیں ان دونوں کی روشنی مل کر ایک ہوتی ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جنہیں یہودی اپنی شرارت اور سازش سے گمراہ بنانا چاہتے تھے خطاب کر کے فرماتا ہے۔

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ وَ کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ اٰیٰتُ اللّٰهِ وَ فِیْکُمْ رَسُوْلُهٗ﴾ (ال عمران: ۱۰)

''اے مومنو! اگر تم اہل کتاب کے کسی گروہ کا کہا مانو گے تو وہ ایمان لا چکنے کے بعد تمہیں مرتد کر کے کافر بنا دیں گے اور تم کو کیونکر کفر کرنا چاہیے در آں حالیکہ تم کو اللہ کی آیتیں سنائی جاتی ہیں اور تم میں اللہ کا رسول موجود ہے۔''

آیت کے آخری ٹکڑے سے ثابت ہوا کہ کفر سے بچانے والی دو مستقل چیزیں مسلمانوں کے پاس تھیں ایک تو آیات الٰہی جو ان کو سنائی جاتی تھیں اور دوسری خود رسول کا مستقل وجود جو اپنی تعلیم و تلقین فیض صحبت اور اثر سے ان کو بہکنے نہ دیتا اور ضلالت سے مانع آتا تھا اگر صرف کتاب الٰہی اہم کام کو انجام دے سکتی تو رسول کے ذکر کی حاجت بلکہ خود بعثت کی ضرورت کیا تھی اس سے یہ واضح ہوا کہ اللہ کی کتاب صامت (قرآن) اس کی کتاب ناطق (رسول) سے مل کر اپنے فریضہ کو انجام دیتی ہے اور غالباً اس حدیث صحیح کے بھی یہی معنی ہیں جس کا اعلان آپ نے حجۃ الوداع سے واپسی میں اپنی وفات سے کچھ مہینوں پہلے فرمایا۔

﴿انی تارک فیکما الثقلین کتاب الله و سنتی﴾

''مسلمانو! میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ جاتا ہوں اللہ کی کتاب اور اپنی سنت (یعنی اپنی عملی زندگی)۔''

ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپؐ کا ظاہری وجود چھپ گیا مگر آپ کی عملی زندگی جس کو سنت کہتے ہیں قائم و باقی ہے اور وہ بھی قرآن کے بعد ہماری ہدایت کا دوسرا سرچشمہ ہے۔

تزکیہ:

انبیاء علیہم السلام کا عموماً اور آنحضرت ﷺ کا خصوصاً ایک اور امتیازی وصف تزکیہ ہے تزکیہ کے معنی پاک و صاف کرنے کے ہیں نبوت محمدیہ کے اس وصف کا ذکر ان آیتوں میں ہے جن میں آپ کی یہ توصیف کی گئی ہے ایک رسول جو لوگوں پر خدا کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور ان کو پاک و صاف کرتا ہے۔

Marfat.com

ظاہر ہے کہ آپ کا یہ تیسرا وصف دو پہلے اوصاف سے الگ ہے' یہ پاک وصاف کرنا آیات الٰہی کی تلاوت اور کتاب و حکمت کی تعلیم کے بعد نبی کی عملی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے کہ آپؐ کی تعلیم وتربیت' فیضان صحبت' حسن اخلاق پند و موعظت اور تبلیغ و دعوت کی تاثیر سے برے اچھے' بد نیک اور اشرار اخیار بن جاتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی ہر تاریخ اس واقعہ کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ بدکار اور گمراہ قوموں میں مبعوث ہوئے' ہر طرح کی اذیتیں اٹھائیں' تکلیفیں سہیں' مصیبتیں جھیلیں اور آخر تاریکی کو روشنی سے' جہالت کو علم سے اور کفر کو توحید سے بدل کر رہے اور مدت تک ان کی تاثیر کا فیض جاری رہا' ان کا یہ وصف تزکیہ وحی والہام کے علاوہ ان کے جسم و جان اور زبان و دل کی کیمیا اثری کا نام ہے' خواہ ان کی زبان اس وقت وحی الٰہی سے مترنم ہو یا خاموش' ہر آن آفتاب حق کی کرنیں مطلع نبوت سے نکل نکل کر دلوں کی سرزمین کو روشن کرتی رہتی تھیں۔

نور:

اسی لیے نبوت کا سینہ صدق وصفاء کا آئینہ ہوتا ہے' نبی کا مجسم پیکر ظلمت کدۂ عالم کا چراغ اور علم وہدایت کا مطلع نور ہوتا ہے جس طرح اس کا صحیفہ الہامی اور وحی ربانی نور ہوتی ہے' وہ خود بھی سراپا نور ہوتا ہے۔ جس سے اندھے دیکھتے گمراہ راہ پاتے اور ان کے طالب روشنی حاصل کرتے ہیں' خود آپ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا۔

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا﴾ (احزاب : ٦)

''اے نبی! ہم نے تجھ کو بتانے والا خوش خبری سنانے والا' چوکنا کرنے والا' خدا کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن کرنے والا چراغ بنا کر بھیجا۔''

یہ آس پاس کی چیزوں کو روشن کرنے والا چراغ خود رسول کی ذات ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر آپ کے جسم و جان زبان' و دل' خلق وعمل' علم وفہم میں روشنی نہیں تو آپ کی ذات جو ان ہی چیزوں کا مجموعہ ہے' روشن چراغ کیونکر ثابت ہوگی اور جب آپ کی ذات مبارک کی یہ تمام چیزیں انوار الٰہی ہیں' تو ان انوار میں سے ہر نور کی روشنی میں چلنا ہدایت ہے اور ان میں سے کسی سے قطع نظر کرنا بھی ظلمت کے ایک گوشہ میں قدم دھرنا ہے۔

آیات وملکوت کی رؤیت:

جس طرح انبیاء علیہم السلام اپنی قوت سامعہ سے ندائے غیب کو سنتے اور صدائے وحی کی سماعت کرتے ہیں۔ اس طرح ان کی آنکھیں بہت کچھ دیکھتی ہیں جو عام انسان نہیں دیکھتے حضرت ابراہیمؑ کے ذکر میں ہے۔

﴿وَ کَذٰلِکَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ﴾ (انعام:٩)

''اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی مملکت دکھاتے تھے تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں ہو۔''

استعداد نبوت کی تربیت اور نشوونما کے لیے یہ رویت وبصیرت کی مافوق قوت ان کو عطا ہوئی' حضرت موسیٰ کو طور پر جو کچھ نظر آیا وہ جلوہ گری حسن وعشق کی مشہور کہانی ہے' آنحضرت ﷺ کے مشاہدات روحانی کا تذکرہ معراج کے تعلق سے ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

Marfat.com

﴿لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا﴾ (اسرائیل: ۱) ''تا کہ ہم اس (رسول بندہ) کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔''

دوسری جگہ ہے۔

﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى﴾ (نجم: ۱) ''دل نے جھوٹ نہیں بولا جو اس نے دیکھا' کیا اس پر اس سے جھگڑتے ہو؟ اور دوسری بار اس کو اترتے دیکھا۔''

﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى﴾ (نجم: ۱) ''نگاہ نہ بہکی اور نہ سرکش ہوئی' اس نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔''

ایک اور مقام پر ہے۔

﴿وَ لَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ﴾ (تکویر) ''اور اس نے یقیناً اس کو آسمان کے کھلے کنارے میں دیکھا۔''

یہ مشاہدہ وحی والہام کے علاوہ نبوت کے دوسرے حاسہ بصارت کے امتیاز کو ظاہر کرتا ہے۔

سماع غیب:

جس طرح آیات وملکوت کا مشاہدہ انبیاء کے حاسہ بصارت کا امتیازی وصف ہے' اسی طرح غیب کی آواز اور وحی کی صدا کو سننا بھی ان کے حاسہ سماعت کا خصوصی امتیاز ہے قرآن پاک میں اس کی تصریحات موجود ہیں کہ انبیاء خدا سے ہم کلام ہوتے تھے اور وحی کو پاتے تھے ﴿وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ (نساء: ۲۳) ''اور خدا نے موسیٰ سے بات کی۔''

حضور کو حکم ہوا۔

﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ﴾ (طه: ۲) ''اور اس سے پہلے کہ قرآن کی وحی تجھ پر پوری ہو قرآن کے پڑھنے میں جلدی نہ کرو۔''

خدا نے پیغمبروں کو پکارا اور انہوں نے اس کی آوازیں سنیں ﴿نادینا﴾ ہم نے پکارا' بار بار یہ مضمون قرآن میں پیغمبروں کے متعلق آئے ہیں۔

تبلیغ ودعوت:

نبی کا سب سے پہلا اور اہم فرض تبلیغ اور دعوت ہے یعنی جو سچائی اس کو خدا سے ملی ہے اس کو دوسروں تک پہنچا دینا اور جو علم اس کو عطا ہوا ہے اس سے اوروں کو بہرہ ور کرنا' خدا کا جو پیغام اس تک پہنچا ہے وہ لوگوں کو سنا دینا اس نے اس کو جس صداقت سے آگاہ کیا ہے اس سے اپنے ہم جنسوں کو باخبر کرنا' جو مالی' جانی' زبانی' دماغی روحانی اور اخلاقی طاقتیں اس کو بخشی گئی ہیں' ان کو اس راہ میں صرف کرنا اور اس سمجھانے بجھانے اور راہ راست پر لانے میں صداقت کی ہر تاثیر سے کام لینا' اس اعلان اور دعوت میں جو تکلیف بھی پیش آئے اس کو راحت جاننا' جو مصیبت بھی درپیش ہو اس کو آرام سمجھنا' جو کانٹے بھی اس وادی میں اس کے تلووں میں چبھیں' ان کو رگ گل سمجھنا۔ اس حق کی آواز کو دبانے کے لیے جو قوت بھی سر اٹھائے اس کو کچل دینا' اور مال ومنال اہل وعیال' غرض جو چیز بھی اس سفر میں سنگ راہ ہو کر سامنے

Marfat.com

آئے اس کو ہٹا دینا اور اس کی اس ساری کوشش و کاوش کا مقصد خدا کی رضامندی، مخلوق کی خیر خواہی اور اپنے فرض رسالت کی ادائیگی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

یہ ہے انبیاء کی تبلیغ و دعوت کا مفہوم، دنیا میں جس قدر پیغمبر آئے انہوں نے اپنے فرض کو اسی ایثار و قربانی کے ساتھ انجام دیا اور ایک لحہ بھی اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی نہ کی اور آج دنیا میں جو کچھ خدا کی محبت، بھائیوں کا پیار، انسانوں کی ہمدردی بے کسوں کی مدد، غریبوں کی اعانت اور دوسری نیکیوں کا اس سطح زمین پر وجود ہے وہ سب بواسطہ یا بلاواسطہ، دانستہ یا نادانستہ انہی کی دعوت و تبلیغ اور جدوجہد کا اثر اور نتیجہ ہے۔

دنیا کے بڑے سے بڑے مفکر، بڑے سے بڑے شاعر، بڑے سے بڑے حکیم اپنا فرض خود سمجھ لینا یا زیادہ سے زیادہ دوسروں کو سمجھا دینا سمجھتے ہیں، لیکن انبیاء علیہم السلام جس صداقت کو پاتے ہیں، اس کو دوسروں کے سمجھانے اور ہر ممکن طریق سے اس کے پھیلانے اور اہل دنیا کو اس کے باور کرانے میں اپنی پوری قوت صرف کر دیتے ہیں، وہ ہر مشکل کو جھیل کر نافہموں کو حقیقت سمجھاتے اور اندھوں کو راہ راست دکھاتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی تعریف میں خدا فرماتا ہے۔

﴿اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ یَخْشَوْنَهٗ وَ لَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیْبًا﴾ (احزاب : ۵)

”جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ بس ہے حساب (اعمال) کے لیے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے۔

﴿اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی﴾ (طٰہ)

”فرعون کے پاس جا کہ اس نے سرکشی کی۔“

آنحضرت ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ پیغام ربانی کی بے محابا تبلیغ کریں اور دشمنوں سے نہ ڈریں کہ ان کی حفاظت کا خود شہنشاہ دو عالم ذمہ دار ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (مائدہ:۱۰)

”اے پیغمبر! تیرے رب کے پاس سے جو تیری طرف اترا ہے اس کو پہنچا دے اور تو نے نہ کیا تو اس کے پیغام کے پہنچانے کا فرض ادا نہیں کیا، اور اللہ تجھ کو لوگوں سے بچائے گا۔“

انبیاءؑ کی تبلیغ و دعوت میں تبشیر اور انذار دونوں ہوتے ہیں، تبشیر یعنی بشارت دینا اور خوش خبری سنانا اور انذار یعنی خدا کے جلال سے ڈرانا، عذاب الٰہی کا خوف دلانا اور لوگوں کو ان کے انجام بد سے آگاہ کرنا، اور انبیاء کی آمد اس شان سے ہوتی ہے کہ خدا کی حجت بندوں پر تمام ہو جائے۔

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (نساء : ۲۳)

”یہ سب پیغمبر خوش خبری سناتے اور ہشیار و بیدار کرتے ہوئے آئے تا کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کے لیے خدا پر کوئی حجت نہ رہے۔“

ان سب نے پیغام الٰہی پہنچانے کے ساتھ اپنی خیر خواہی، دل سوزی و اخلاص مندی کا اعلان کیا۔

Marfat.com

﴿اُبَلِّغُکُم رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَکُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ﴾ (اعراف : ۶۸)
''میں تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا امانت دار خیر خواہ ہوں۔''

﴿یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسَالَۃَ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَکُمْ وَ لٰکِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ﴾ (اعراف : ۷۹)
''اے میرے لوگو! میں نے اپنے رب کا پیام تم کو پہنچا دیا' اور تمہاری خیر خواہی کر چکا لیکن تم خیر خواہوں کو پیار نہیں کرتے۔''

﴿یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَکُمْ فَکَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ کٰفِرِیْنَ﴾ (اعراف : ۹۳)
''اے میرے لوگو! میں نے اپنے رب کے پیام تم کو پہنچا دیئے اور تمہاری خیر خواہی کر چکا تو پھر کیسے نہ ماننے والے لوگوں پر میں غم کھاؤں۔''

یہ بھی فرمایا کہ۔

﴿لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ﴾ (هود : ۵۱)
''میں اپنی نصیحت کی تم سے مزدوری نہیں مانگتا' میری مزدوری تو اس پر ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا۔''

﴿لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مَالًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ﴾ (هود : ۲۹)
''میں اپنی تبلیغ کے بدلہ تم سے مال و دولت کا خواہاں نہیں ہوں میری مزدوری تو خدا پر ہے۔''

ایک شبہ کا ازالہ:

اس سلسلہ میں ہم کو ایک اور غلط فہمی کو دور کرنا ہے جو بعضوں کو حضورؐ کی صفت تبلیغ کے سمجھنے میں پیش آئی ہے قرآن مجید میں متعدد آیتیں اس معنی کی آئی ہیں کہ رسول کا فرض صرف پیغام پہنچا دینا (ابلاغ) ہے۔ اس سے آج کل کے بعض کوتاہ بینوں کو یہ دھوکہ ہوا کہ رسول کا فرض صرف وحی الٰہی کی تبلیغ ہے۔ یعنی قرآن پاک کے الفاظ کو بعینہ انسانوں تک پہنچا دینا اس کا کام ہے۔۔۔۔۔ اس کے معانی کی تشریح اور مطالب کی توضیح نہ اس کا منصب ہے نہ اس کا اس کو حق ہے ان کے نزدیک مبلغ رسول کی حیثیت صرف ایک قاصد اور نامہ بر کی ہے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ خط تو پہنچا دیتا ہے مگر اس خط کے مفہوم و معنی کی تشریح کا اس کو حق نہیں ہوتا' بلکہ اس کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اس بند لفافہ میں کیا ہے۔

شاید ان کو یہ دھوکہ اس آیت کے علاوہ لفظ رسول سے بھی ہوا ہے جس کے لفظی معنی پیغامبر اور قاصد کے ہیں' لیکن وہ لوگ یہ خیال نہیں کرتے کہ جہاں اس کو رسول کہا گیا ہے ''نبی'' (خبر پانے والا) بھی تو کہا گیا ہے۔ مبشر (خوش خبری سنانے والا) نذیر (ڈرانے والا) سراج منیر (روشن کرنے والا چراغ) صاحب حکمت' صاحب خلق عظیم' صاحب مقام محمود' مجتبیٰ (مقبول) مصطفیٰ (برگزیدہ) مبین (بیان اور شرح کرنے والا) معلم (سکھانے والا) مزکی (پاکی و صاف کرنے والا) داعی الی اللہ (اللہ کی طرف بلانے والا) حاکم (فیصلہ کرنے والا) مطاع (واجب الاطاعۃ) آمر (حکم دینے والا) اور ناہی (روکنے والا) بھی تو کہا گیا ہے کیا یہ اوصاف و القاب اس کی اسی حیثیت کو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ صرف ایک پیغام پہنچانے والا قاصد ہے جس کو اصل پیغام کے مفہوم و معنی سے ایک معمولی قاصد اور نامہ بر کی

Marfat.com

طرح کوئی سروکار نہیں اس کے پیغام کے مفہوم و معنی کی تشریح و تفسیر کا آج تو ہر عربی داں کو حق حاصل ہے اور اس کی اصل حقیقت تک پہنچ جانے کا ہر مدعی کو دعویٰ ہے' مگر خود صاحب پیغام کو اپنی پیغامبری کے وقت نہ مفہوم و معنی کا علم تھا اور نہ اس کی تشریح کا اس کو حق تھا۔ ﴿ان ھٰذا لشی ء عجاب﴾ ہم نے پچھلے صفحات میں جو کچھ لکھا ہے اس سے اس غلط خیال کی پوری تردید ہو جاتی ہے۔

اس کے اشتباہ کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اسلام میں شرع اور وضع قانون کا حق صرف اللہ تعالیٰ کے لیے تسلیم کیا گیا ہے کہ وہی اصلی شارع ہے۔ اب اگر رسول کے لیے بھی وحی کتابی سے الگ شرع بنانے کا حق تسلیم کیا جائے تو خدا کے سوا ایک اور شارع تسلیم کرنا ہوگا۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ہم رسول کو شارع نہیں شارح قرار دیتے ہیں' کیا عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر جج جب حکومت کے قانون کی توضیح و تشریح کرتا ہے' تو وہ اپنے اس عمل سے سلطان وقت بن کر واضع قانون کا منصب حاصل کرتا ہے یا صرف قانون کے مفہوم کا شارح ہوتا ہے؟ یہی حیثیت آسمانی عدالت کے اس قاضی کی ہے جس کو ہم نبی اور رسول اور معلم اور مبین کہتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر پیام اور مقصد اور مفہوم اور فیصلہ سے صرف وحی کے اسی طریقہ خاص کے ذریعہ اپنے پیغمبر کو مطلع نہیں فرماتا جس طریق خاص سے قرآن مجید نازل ہوا ہے بلکہ وہ اپنی تینوں قسموں کے ذریعہ سے اپنے اغراض اس رسول پر واضح کرتا ہے اور ان میں سے ہر طریق کی وحی کی اطاعت تمام امت پر فرض ہے' خواہ وہ وحی ہو' جو الفاظ الٰہی کی قید کے ساتھ آئی ہو' جس کو قرآن کہتے ہیں' یا ربانی مفہوم و معنی رسول کے الفاظ میں ادا ہوں' جس کو حدیث و سنت کہتے ہیں' الغرض خواہ وہ کتاب الٰہی کے ذریعہ سے ہو یا حکمت ربانی کے فیض سے ہو۔

قرآن مجید کی وہ آیتیں جن کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے رسول پر صرف پیغام پہنچانا ہے' ان کا یہ منشا نہیں کہ وہ صرف پیغام پہنچانے والا ہے' خوش خبری سنانے والا نہیں' ہشیار و بیدار کرنے والا نہیں' پیغام الٰہی کے الفاظ سنانے کے بعد ان کی تعلیم دینے والا نہیں' آیات الٰہی کی تبیین و تشریح کرنے والا نہیں' رہنما و ہادی نہیں۔ نجاستوں سے پاک و صاف کرنے والا نہیں' ایسا کہنا قرآن کا انکار اور عقل و فہم کا ماتم ہے' قرآن میں کئی جگہ ہے۔

﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ﴾ (ص: رعد: نازعات) ''تو تو صرف ڈر سنانے والا ہے۔''

ایک جگہ ہے۔

﴿اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ﴾ (ص: ۵) ''میں تو صرف ڈر سنانے والا ہوں۔''

کیا ان آیتوں کا مفہوم یہی ہے کہ ڈر سنانے کے سوا' رسول کا کام بشارت اور خوش خبری سنانا نہیں اور وہ صرف منذر ہے مبشر نہیں' اصل یہ ہے کہ اس قسم کی آیتوں۔

﴿اِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ﴾ (مائدہ) ''ہمارے رسول پر صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔''

کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ وہ صرف پیغام رساں اور قاصد ہے مبین اور شارح نہیں بلکہ یہ ہے کہ اس کا کام صرف خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے' زبردستی لوگوں کے دلوں میں اس پیغام کا اتار دینا نہیں' بزور لوگوں کو مسلمان بنا دینا نہیں' جبراً منوالینا نہیں' اور نہ پیغام پہنچا دینے کے بعد لوگوں کے کفر و انکار اور عدم ایمان کی ذمہ داری اس پر ہے' قرآن میں جہاں

Marfat.com

جہاں اس معنی کی آیتیں آئی ہیں ان کا منشا یہی اور صرف یہی ہے۔قرآن پاک کی تیرہ مختلف آیتوں میں یہ بات کہی گئی ہے اور ہر جگہ یہی ایک مفہوم ہے۔

﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ (آل عمران : ۲)

''کتاب والوں اور ان پڑھوں سے کہہ دے کیا تم نے اسلام قبول کیا' اگر کیا تو ہدایت پائی اور اگر منہ پھیرا تو تجھ پر (اے رسول) صرف پیام پہنچانا ہے اور اللہ بندوں کا دیکھنے والا ہے۔''

مفہوم بالکل صاف ظاہر ہے کہ اسلام کی ہدایت قبول کرنے میں کوئی زبردستی نہیں۔اگر لوگ قبول کریں تو انہوں نے حق کی راہ پائی اور اگر انکار کریں تو رسول کا کام صرف پیغام پہنچا دینا تھا' وہ اس نے پہنچا دیا' اس کا فرض ادا ہو چکا' اب خدا جانے اور اس کے بندے جانیں۔

﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾

''تو تیرا فرض صرف پیغام پہنچا دینا ہے اور ہمارا فرض ان سے حساب لینا ہے۔''

اس کی مزید تفصیل سورہ غاشیہ میں ہے:

﴿فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ﴾ (غاشیہ : ۱)

''تو (اے پیغمبر)! تو نصیحت کر' تو تو صرف نصیحت کرنے والا ہے ان پر داروغہ نہیں لیکن جس نے منہ پھیرا اور انکار کیا تو خدا اس کو بڑی سزا دے گا' بے شک پھر ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور ہمیں پر ان کا حساب ہے۔''

یہی مفہوم سورہ شوریٰ میں ہے کہ رسول کا کام صرف سمجھانا اور تبلیغ کرنا ہے' وہ سلطان' کارفرما اور فرماں روا بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ لوگوں سے بزور اپنی بات منوا لے۔

﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾ (شوریٰ : ۵)

''تو اگر وہ انکار کریں تو ہم نے تجھ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا تیرا کام صرف پہنچا دینا ہے۔''

کافروں نے جب کبھی رسولوں کو جھٹلایا' انہوں نے یہی کہا کہ ہمارا کام پہنچا دینا ہے' ماننے نہ ماننے کا تمہیں اختیار ہے۔

﴿قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَ مَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ وَ مَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ (یسین : ۲)

''کافروں نے کہا تم تو ہماری ہی طرح آدمی ہو' خدا نے کچھ نہیں اتارا تم جھوٹ کہتے ہو' رسولوں نے کہا ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ ہم بے شبہ تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اور ہمارا فرض صرف کھول کر پہنچا دینا ہے۔''

خود اللہ تعالیٰ نے بھی رسولوں کو تسلی دی ہے کہ ان منکروں کے انکار سے دل شکستہ نہ ہوں' اگلے پیغمبروں کے

Marfat.com

منکروں نے بھی یہی کیا تھا' پیغمبروں کا فرض لوگوں سے منوانا نہیں بلکہ ان تک خدا کا پیام پہنچانا ہے۔

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَ لَآ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ (النحل : ۳۵)

''اور مشرکوں نے کہا' اگر خدا چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی اور کو نہ پوجتے' نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا' اور نہ اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام کرتے (خدا کہتا ہے) کہ ایسا ہی کیا تھا ان کے پہلوں نے' تو ہمارے پیغمبروں پر کھول کر پہنچا دینے کے سوا کچھ ہے۔''

﴿وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ (عنکبوت:۲)

''اگر تم جھٹلاؤ تو (کیا ہے) تم سے پہلے بھی قومیں جھٹلا چکی ہیں' اور رسول پر نہیں لیکن کھول کر پہنچا دینا۔''

رسول کا کام پہنچا دینا ہے' باقی علام الغیوب جو چاہے سو کرے۔

﴿مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ﴾ (مائدہ : ۱۳)

''رسول پر نہیں ہے لیکن پہنچا دینا' اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔''

بقیہ آیتیں حسب ذیل ہیں' جو ایک ہی مفہوم کو ادا کرتی ہیں۔

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ (مائدہ : ۹۲)

''اور اللہ کا فرماں اور رسول کی بات مانو اور بچو' اور اگر تم نے منہ پھیرا تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف کھول کر پہنچا دینا ہے۔''

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ (نور : ۷)

''کہہ دے اے پیغمبر! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر وہ منہ پھیریں تو رسول پر وہ ہے جس کا بوجھ اس پر ہے اور تم پر وہ ہے جس کا بوجھ تم پر ہے اور اگر اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور رسول پر نہیں لیکن کھول کر پہنچا دینا۔''

﴿كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ (نحل : ۱۱)

''اسی طرح اللہ تم پر اپنا احسان پورا کرے گا تا کہ تم مسلمان ہو جاؤ اور اگر انہوں نے منہ پھیرا تو تجھ پر کچھ نہیں ہے مگر کھول کر پہنچا دینا۔''

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾

''اور خدا کا کہا مانو اور رسول کی فرمان برداری۔ اگر تم نے منہ پھیرا تو ہمارے رسول پر صرف کھول کر پہنچا دینا ہے۔''

پیغمبر کا قول ہے۔

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَيْكُمْ﴾ (ہود : ۵)

''تو اگر تم منہ پھیرو تو میں جو پیام دے کر تمہارے پاس بھیجا گیا تھا وہ میں نے تم کو پہنچا دیا (یعنی میرا فرض ختم ہو چکا)۔''

Marfat.com

ان تمام آیتوں کا تعلق نبوت کے منکروں سے ہے یہاں یہ نکتہ بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جولوگ ہنوز نبوت کے منکر ہوں ان سے رسول کا تعلق صرف تبلیغ و نصیحت' پند و موعظت اور سمجھانے کا ہے لیکن جو خوش قسمت اقرار نبوت کی سعادت حاصل کرلیں تو پھر ان کا تعلق رسول سے اتباع و پیروی اور اطاعت کا ہو جاتا ہے اور اس کے بعد رسول ان کو تبلیغ ہی نہیں بلکہ امر و نہی بھی کرتا ہے۔ کوئی حکومت دوسرے ملک کے باشندے کو زبردستی اپنی رعایا نہیں بناتی' لیکن اگر کوئی شخص ازخود اس حکومت کی رعایا بن جائے تو پھر اس کو اس کے قانون کی پیروی پر بزور مجبور کیا جائے گا کہ رعایا بننے کے معنی ہی اس کے قانون کے قبول کرنے کے ہیں۔

انبیاء کی تعلیم کا امتیازی نتیجہ:

دنیا میں جس قدر پیغمبر آئے وہ ایک ہی دین اور ایک ہی عقیدہ لے کر آئے' وہی توحید' وہی نبوت' وہی عبادت' وہی اخلاق' وہی جزا و سزا اور عمل کی پرسش' اس لحاظ سے انبیاء کی تعلیم میں کوئی اصولی فرق نہیں' اس لیے فرمایا کہ ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا﴾ (الآیۃ) یعنی خدا نے تمہارے لیے وہی دین مشروع کیا جو نوحؑ وغیرہ دوسرے پیغمبروں کو دیا تھا اور اسی کا نام اسلام ہے' لیکن انبیاء کی تعلیم کا اہم الاصول اور سب سے ضروری جزو توحید ہے اور وہی نبوت کے ساز کا اصلی اور ازلی ترانہ ہے۔

ممکن ہے کہ دنیا میں اسلام سے پہلے بہت سے اچھے لوگ گزرے ہوں اور ان کی دعوت بھی مفید ہو' ان کے اخلاقی وعظ بھی دل پسند ہوں' وہ یونان کے حکیم ہوں یا ہندوستان کے اوتار لیکن ان کی تعلیم میں اگر توحید کی دعوت شامل نہیں تو وہ نبوت کے رتبہ کے قابل نہیں کہ پیغمبرانہ تعلیم کی پہچان ہی توحید کی دعوت ہے' اگر یہ نہیں تو نبوت بھی نہیں فرمایا۔

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ (انبیاء : ۲)

''اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا لیکن اس کو یہ وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں' میری ہی پرستش کرو۔''

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ (نحل : ۵)

''اور ہر قوم میں ہم نے ایک رسول بھیجا کہ خدا کی عبادت کرو اور بتوں سے پرہیز کرو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ تعلیمی حیثیت سے نبوت کی شناخت اسی سے ہو سکتی ہے اسلام سے پہلے جس مدعی نبوت کی تبلیغ کا اہم ترین جزو توحید نہیں' اس کو دعوائے نبوت کا کوئی حق نہیں۔

نبوت کی غرض و غایت:

انبیاء علیہم السلام کی آمد کی غرض و غایت کو شاعرانہ زبان اور خطیبانہ جوش بیان میں بہت کچھ بتایا جا سکتا ہے لیکن یہاں مقصود یہ ہے کہ ان اغراض کو گنایا جائے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی وحی مبارک کی زبان سے ادا ہوئے ہیں' اصل دعویٰ وہی ہے جس کو مدعی ظاہر کرتا ہو نہ کہ گواہ۔

Marfat.com

انبیاء کی بعثت کی سب سے پہلی غرض اس روز الست کے بھولے ہوئے ازلی عہد و پیان بندگی کی یاد دہانی ہے۔

﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ﴾ (اعراف : ۲۲)

''اور جب تیرے رب نے بنی آدم کو پیٹھوں سے ان کی نسلوں سے عہد لیا اور ان کو خود اپنے اوپر آپ گواہ کیا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں' انہوں نے کہا کیوں نہیں تو ہے' ہم نے گواہی دی کہ قیامت کے دن یہ نہ کہو' ہم اس کو بھول گئے تھے۔''

اس لیے ضرور ہوا کہ ان کو موقع بموقع ان کا یہ وعدہ یاد دلایا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول کی بعثت کی ایک غرض یہ بھی بتائی گئی ہے کہ اس کا وجود بنی آدم پر اتمام حجت ہے' ممکن ہے کہ آدم کے فرزند یہ بجا عذر کریں کہ ہمارے پاس کوئی یاد دلانے والا نہیں آیا اس لیے فرمایا۔

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (نساء : ۲۳)

''رسول خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے تاکہ رسولوں کی آمد کے بعد لوگوں کے لیے خدا پر کوئی حجت باقی نہ رہے۔''

تذکیر کے بعد نبی کا فرض اولین ہدایت اور رہنمائی ہے کہ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفت ہادی کا مظہر اور مورد ہے اسی لیے ایک آیت میں نبی اور رسول کے لیے ہادی کا لفظ آیا ہے' فرمایا۔

﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (رعد : ۱) ''اور ہر قوم کے لیے ایک راہ دکھانے والا آیا۔''

سورۂ شوریٰ میں فرمایا۔

﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (شوریٰ:۵) ''اور تو اے پیغمبر سیدھی راہ دکھاتا ہے۔''

سورۂ انبیاء میں بہت سے پیغمبروں کے ذکر کے بعد ہے۔

﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا﴾ (انبیاء:۵) ''اور ہم نے ان پیغمبروں کو ایسا پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے راہ دکھاتے تھے۔''

اسی طرح ان آسمانی کتابوں کو جو ان کو دی گئی تھیں بار بار ہدی (ہدایت) کہا گیا ہے اور کہیں ان کو ضیاء اور نور (روشنی) کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔

اس ہدایت و رہنمائی کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ وہ بندگان الٰہی کو باطل کے اندھیرے سے نکال کر حق کی روشنی میں لاتے ہیں۔ لوگ جب فاسد خیالات' بے ہودہ افکار' بے سود اعمال کی تاریکیوں میں پھنس کر فطری بصیرت اور روحانی معرفت کے نور سے محروم ہو جاتے ہیں' انبیاء ان اندھوں کے ہاتھ پکڑ کر ان کو ظلمات سے انوار میں لاتے ہیں' ان کو شک کی جگہ یقین' جہل کی جگہ علم' باطل کی جگہ حق اور ظلمت کے بجائے نور عطا کرتے ہیں۔

﴿هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ''وہی اللہ جو اپنے بندہ پر کھلی آیتیں اتارتا ہے تاکہ وہ تم

Marfat.com

لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ (حدید:۱) کو تاریکیوں سے نور میں لائے۔"

اس دنیا کی نجات صرف اعتدال میں ہے‘ جب کبھی مزاج انسانی کی طرح اس کے ان عناصر میں جن سے اس کی ترکیب ہوئی ہے افراط و تفریط پیدا ہوگئی‘ روئے زمین پر فساد رونما ہوگا‘ انسانی جماعتوں اور قوموں میں بھی یہ ترازو جب اعتدال کے معیار پر پوری نہ ہوگی‘ کبھی دونوں پلے برابر نہ ہوں گے‘ آسمان سے زمین تک ایک ایک ذرہ اعتدال کی ترازو میں تلا ہوا ہے کیمسٹری اور علم الفلک کا واقف کار اس ترازو کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور حیرت کرتا ہے کہ کہیں ایک ذرہ کی کمی بیشی نہیں ہے‘ جس طرح اس مادی دنیا میں یہ حیرت انگیز توازن ہے ٹھیک اسی طرح روحانی اور اخلاقی دنیا میں بھی اس توازن کی ضرورت ہے۔ عقائد ہوں کہ عبادات اخلاق ہوں کہ معاملات اسی توازن کا نام حق اور عدل ہے۔ فرمایا۔

﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الْمِيْزَانَ اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ وَ اَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ﴾ (رحمٰن: ۱)

"اور آسمان کو اونچا کیا اور ترازو رکھی کہ اس ترازو میں کمی بیشی نہ کرو اور تول کو ٹھیک رکھو اور ترازو کو گھٹاؤ نہیں۔"

یہ توازن اور برابر تول جو بے ارادہ اور بے اختیار دنیا کے ذرہ ذرہ اور اس کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک کام میں خالق فطرت کے اندازہ اور تقدیر سے قائم ہے یہی توازن اور برابر کی تول رسولوں کے ذریعہ آئی ہوئی میزان شریعت کے مطابق ذی ارادہ اور خود اختیار انسانوں کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک جنبش میں ہونی چاہیے بے ارادہ دنیا کی میزان کا نام قانون فطرت ہے‘ اور بالا رادہ دنیا کی میزان کا نام قانون شریعت ہے‘ بے ارادہ دنیا کا تمام نظام عدل اسی خدائی میزان فطرت سے چل رہا ہے اگر اس میزان میں ایک ذرہ بھی کمی بیشی ہو جائے تو عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے‘ اسی طرح انسانی دنیا کی سکینت طمانیت اور امن و امان کا نظام اسی میزان شریعت کے ذریعہ قائم ہوسکتا ہے اگر یہ نہ ہو تو اس کے نظام کا درہم برہم ہونا بھی لازمی ہے۔ فرمایا۔

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (حدید: ۳)

"ہم نے بے شبہ اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ عدل کو قائم کریں۔"

انبیاء کی بعثت کی یہ غرض و غایت کہ لوگ شریعت کی میزان کے مطابق عدل اور توازن کو قائم رکھیں‘ اس موجودہ دنیا ہی کے نظام کی امن و سلامتی کے لیے ہے‘ آج یورپ کے اتحاد کی گونج نے دنیا کے گوشہ گوشہ کو پرشور بنا دیا ہے‘ آج رسولوں کی اہمیت اور ان کی تعلیمات کی ضرورت پر شکوک و شبہات کی ژالہ باری ہو رہی ہے لیکن وہمی و خیالی مباحث سے قطع نظر کر کے عملی حیثیت سے دنیا کی ایک ایک اقلیم اور ایک ایک آبادی کا جائزہ لو‘ آج جہاں کہیں بھی سچائی کی روشنی اور حقیقت کی کوئی کرن چمکتی ہے وہ اسی مطلع خورشید سے چھن کر نکلی ہے کوئی دیندار ہو یا ملحد‘ خوش عقیدہ ہو یا بے عقیدہ‘ یونان کا حکیم ہو یا افریقہ کا جاہل‘ یورپ کا متمدن ہو یا صحاری کا وحشی‘ رومی ہو یا زنگی‘ عیسوی ہو یا موسوی‘ بت پرست ہو یا موحد‘ مجوسی ہو یا ہندو‘ مسلم ہو یا غیر مسلم‘ شہری ہو یا دیہاتی‘ ہمالیہ کی چوٹی پر آباد ہو یا زمین کی گہرائی میں‘

Marfat.com

نہیں بھی ہو کوئی بھی ہو اگر وہ اللہ کے نام کی عظمت سے واقف ہے اور نیکی اور بدی کی تمیز سے آشنا ہے تو وہ خدائی رسولوں اور ربانی پیغمبروں کے علاوہ کس معلم کی کوششوں کا ممنون ہے' آج جہاں بھی عدل و میزان کا وجود ہے وہ کسی یونانی حکیم یا یورپین فلاسفر کی تعلیم و تصنیف اور تقریر و خطبہ کا اثر نہیں ہے بلکہ طبقہ انبیاء ہی کی بے واسطہ یا بواسطہ تعلیمات کا نتیجہ ہے آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں کیسے ہی بدترین مبلغ سہی' مگر نیکی' عدل' احسان' ہمدردی' نیکوکاری' حسن خلق کی تعلیم' تبلیغ اور دعوت ان ہی کی زبانوں سے ہو رہی ہے جو رسولوں کے پیرو اور پیغمبروں کے تابع ہیں جو عقیدہ کے ملحد ہیں ان کو بھی نیکوکاری ان ہی پیغمبروں کے نادانستہ فیضان تعلیم کا نتیجہ ہے' اس بناء پر جو لوگ ذہنی طور پر پیغمبروں کے منکر ہیں وہ بھی عملی طور سے ان کی تعلیم کے مقر اور معترف ہیں' اس لیے انبیاء کا وجود تمام دنیا کے لیے رحمت بن کر ظاہر ہوا ہے اور قرآن نے آسمانی کتابوں کو بار بار ﴿رَحْمَةً وَ هُدًى﴾ رحمت اور رہنمائی کی غرض سے بھیجنے کا جو اعلان کیا ہے وہ تمام تر اسی غرض و غایت کی تشریح ہے اور اسی لیے خاتم نبوت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات والا صفات تمام عالم کے لیے رحمت بن کر آئی۔ خدا نے فرمایا۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ (انبیاء : ۷) ''اور ہم نے تجھ کو (اے محمد ﷺ) تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

تائید و نصرت:

انبیاء علیہم السلام جو مقصد لے کر آتے ہیں' خواہ کسی قدر مشکلات پیش آئیں' کتنی ہی رکاوٹیں ہوں' کتنی ہی تکلیفوں اور زحمتوں کا سامنا ہو' بالآخر وہ مقصد کامیاب ہی ہوتا ہے' پیغمبروں کی سیرت اور ان کی دعوت کی تاریخ خود اس دعویٰ پر گواہ صادق ہے' قرآن نے کہا۔

﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ (الصفت : ۵) ''اور ہماری بات اپنے رسول بندوں کے لیے پہلے ہی طے ہو چکی ہے کہ یقیناً انہی کی مدد ہونی ہے اور ہمارا ہی لشکر غالب ہوتا ہے۔''

نہ صرف اس دنیا میں بلکہ حشر کے دن بھی انہی کو اور ان کے ذریعہ اہل ایمان کو کامیابی ہوگی۔

﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ﴾ (مومن : ۲) ''بے شبہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد اس دنیا میں کرتے ہیں اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے جس دن گنہگاروں کو ان کے بہانے کام نہ دیں گے ان پر پھٹکار ہوگی اور ان کے لیے برا گھر ہوگا۔''

پیغمبروں پر ایسے بھی سخت وقت آتے ہیں' جب ان کو اپنی قوم کے قبول ہدایت کی طرف سے پوری مایوسی ہو جاتی ہے اور امید کی روشنی کسی طرف سے دکھائی نہیں دیتی اور عذاب میں دیر ہونے کے سبب ان کے منکر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ان کو عذاب کی دھمکی جھوٹ دی گئی تو دفعۃً امید کا دروازہ کھلتا ہے اور خدا کی تائید و نصرت کے پرے اس طرح آتے دکھائی دیتے ہیں کہ صالح لوگوں کے دل قبول کے لیے کھول دیے جاتے ہیں اور معاندوں پر کسی نہ کسی طرح

Marfat.com

عذاب آ کران کا استیصال ہو جاتا ہے۔فرمایا۔

﴿حَتّٰی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا﴾ (یوسف : ۱۲)

”یہاں تک کہ پیغمبروں کو اپنی قوم کے ایمان سے مایوسی ہونے لگی اور ان کے منکروں کو یہ خیال ہونے لگا کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تو ہماری مدد آ گئی۔“

اللہ تعالیٰ کی اسی تائید و نصرت اور حفاظت دعوت کا یہ یقین ان کو ہوتا ہے کہ وہ ہر مشکل کو اس راہ میں جھیل لیتے ہیں اور اپنے سروں کو ہتھیلیوں پر لیے پھرتے ہیں' مخالفوں کی فوج و لشکر تیغ و خنجر اور خوف و خطر کے باوجود اپنی دعوت و تبلیغ کے فریضہ سے باز نہیں آتے اور کسی دام پر بھی مخالفوں سے صلح پر آمادہ نہیں ہوتے' منکروں کو شروع میں ان کی ظاہر بیچارگی اور تنہائی کو دیکھ کر ان کی ناکامی کا گمان ہوتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ ان کے سوءِ ظن کی تردید کر کے فرماتا ہے۔

﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ﴾ (ابراھیم : ۷)

”سو مت خیال کر کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا۔“

ازل کے دن ہی یہ قانون بن چکا ہے کہ سچائی کے ان پکارنے والوں ہی کو آخر جیت ہو گی۔

﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ﴾ (مجادلہ)　”اللہ لکھ چکا کہ میں ہی غالب ہوں گا اور میرے رسول۔“

خاتمہ:

اس تفصیل اور تشریح سے مقصود ناظرین کو نبوت کے اصلی کمالات کا ایک جلوہ دکھانا تھا۔

فلسفی را از پیمبر ناشناس　　آبگینہ راز گوہر ناشناس
آبگینہ رانہ پنداری بدست　　جزدمے کہ گوہرے آری بدست
چوں گہر آمد بدستت شب چراغ　　آبگینہ شد سیہ چوں پر زاغ
فلسفی اندر بن چاہ نشر ندا!　　نردباں دار و بخورشید بلند
نرد بانش می برد تا چند ارش　　پس بخاک افتد نگوں گشتہ سرش
واں پیمبر خود زبام آسماں　　رشتہ افگندہ سوئے خاکیاں
رشتہ جاں رابدیں رشتہ تباب　　پس بر آتا بارگاہ آفتاب
ز آسمان پیغمبر آوازت دہد　　فلسفی از خاک پروازت دہد

ایں ز دورت رہ نماید سوئے جاں
واں نخواند خود تراز کوئے جاں [1]

(۱) از دیوان فارسی مولانا حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۹ جمادی الثانیہ ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۰ء ص ۴۶' ۴۷ مطبوعہ مطبع شمسی' حیدرآباد دکن۔

Marfat.com

شب ظلمت

پیغمبر اسلام کی بعثت کے وقت دنیا کی مذہبی اور اخلاقی حالت!

اگر یہ سچ ہے کہ دنیا کی ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے' بارش کی خنکی سخت امس کے بعد ہی زیادہ خوش گوار معلوم ہوتی ہے' روشنی کی پوری قدر شب تار ہی میں ہوتی ہے اور فضا جس قدر تاریک ہو بجلی کی چمک اتنی ہی زیادہ درخشاں نظر آتی ہے تو اس میں شبہ نہیں کہ ہر اصلاحی تحریک کی وقعت اور عظمت کے جانچنے میں یہ لحاظ رکھنا چاہیے کہ دنیا اس وقت کتنی گمراہی میں مبتلا اور اصلاح کی محتاج تھی' اور ایسی اصلاح کی محتاج تھی' جس کے لیے پیغمبرانہ دست و بازو کی حاجت تھی اور وہ بھی ایک ایسے پیغمبر کے دست و بازو کی جس کے متعلق خود خدا یہ فرما چکے۔

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ﴾ (فتح : ۱)

''جو تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ خدا کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اور ان کے ہاتھوں کے اوپر خدا کا ہاتھ ہے۔''

اسلام یا محمد رسول اللہ ﷺ کے پیغام اور تعلیم کے متعلق ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ وہ دنیا کی ایک عظیم الشان روحانی و اخلاقی و معاشرتی دعوت تھی' اس بنا پر ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت دنیا کی کیا حالت تھی؟ اس وقت کی دنیا کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ وہ ایک ایسا کرۂ ارضی تھا جس پر آفتاب نہیں چمکتا تھا تو بالکل سچ ہوگا' تمام دنیا میں سچے اور صحیح عقیدہ کا کہیں وجود نہ تھا' توحید کی روشنی سے دنیا کا ذرہ ذرہ محروم تھا' مصر و یونان و روم میں سورج چاند اور مختلف سیاروں اور ستاروں کی خدائی تھی' ان ہی کے معبد تھے اور انہی کے ناموں پر بے گناہ انسانوں اور جانوروں کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں' ہر جگہ پتھر کی مورتوں اور مٹی کی صورتوں اور سونے چاندی اور جواہرات کے بتوں کی پوجا کی جاتی تھی۔

اس وقت کی دنیا میں اخلاق کے تین معلم تھے' رواقی' عیسائی اور بودھ مت کے پیرو۔ اور یہ تینوں کے تینوں تجرد رہبانیت اور جوگی پن میں مبتلا ہو کر اس طرح عضو معطل ہو گئے تھے کہ دنیا کا دست ترقی شل ہو کر رہ گیا تھا اور ایسی سخت سنگ دلانہ ریاضتوں کو نیکی اور عبادت کا مترادف سمجھ رکھا تھا کہ آج ان کی تفصیلات سننے سے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ مسیحؑ نے چھ صدی قبل تزکیہ نفس کے کچھ درس دیئے تھے لیکن مدت ہوئی دنیا اس سبق کو بھلا چکی تھی یہ بھی سچ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس سے بھی پیشتر ہدایت و نجات کی ایک شمع جلائی تھی' لیکن فتنوں اور ہنگاموں کی آندھی میں چراغ طور بھی جل کر گل ہو گیا تھا۔ اور پھر یہ بھی سچ ہے کہ مدت مدید ہوئی کہ زردشت نے روحانیت کی

Marfat.com

آگ سلگائی تھی، لیکن یہ شعلہ بھی انسانی خون کے چھینٹوں سے سرد ہو چکا تھا، یہ بھی سچ ہے کہ اس سے پہلے بودھ نے آریہ ورت کے پہاڑوں اور غاروں میں روح کا دارالامن ڈھونڈ نکالا تھا، مگر حوادث کے طوفان نے ان پہاڑوں کو بے نام ونشان صحرا اوران غاروں کو درندوں کا بھٹ بنا دیا تھا، ہر قوم دوسری قوم سے برسر پیکار اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا تھا، حرص وطمع اور کشت وخون کی گرم بازاری تھی نفس انسانی کی ملکوتی طاقت جذبات خبیثہ کے دیوتا کے سامنے پامال ہو چکی تھی، عدل وراستی اور پاک بازی وپارسائی کے عطر معنبر کی خوشبو انسان کے جامہ خاکی سے اڑ چکی تھی، توحید اور خدا پرستی کا نور دیوتاؤں، دیبیوں، ستاروں، شہیدوں، ولیوں اور مجسموں کی پرستش کی عالم گیر تاریکی میں چھپ گیا تھا، غرض دنیا کے حالات ہر طرح سے اس ضرورت کے متقاضی تھے کہ کوئی عالم کا مصلح، اخلاق کا معلم، حق کا داعی، بنی نوع انسان کا نجات دہندہ آخری بار وجود میں آئے اور انسانیت کے شیرازہ میں جو عرصہ دراز سے پراگندہ اور منتشر ہو رہا تھا پھر نظم وانتظام پیدا کر دے اور روحانیت وخدا پرستی کے خزاں رسیدہ باغ کو ازسرنو پر بہار بلکہ سدا بہار اور دنیا کے ظلمت کدہ کو پھر مطلع انوار بنا دے۔

یہ اس عہد کی دنیا کی حالت کا ایک اجمالی خاکہ تھا تفصیل کے لیے ہمیں مختلف قوموں اور ان کے مذہبوں میں سے ایک ایک قوم اور اس کے مذہب کی تاریخ پر نظر کرنی چاہیے۔

ظہور اسلام کے وقت دنیا کی تمدنی اور مذہبی حالت کیا تھی:

محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت مصر یونان، کلدانیا، اسیریا اور بابل کی عظمت افسانہ پارینہ بن چکی تھی، خود عرب ومضافات عرب میں جو نامور حکومتیں بھی تھیں مثلاً نابتی، حمیری، سبائی وغیرہ مدت گزری ان کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

اس موقع پر صرف یہ دیکھنا مقصود ہے کہ صبح سعادت کے طلوع کے وقت کون کون سی قومیں دنیا میں حکمران تھیں اور ان کی مذہبی واخلاقی حالت کیا تھی اور دنیا کے مذاہب اس وقت کی روحانی حالت کے سنبھالنے کی کہاں تک استطاعت رکھتے تھے، اس وقت روئے زمین کی اہم طاقتیں دو ہی تھیں، فارس اور روم فارس کا مذہب مجوسیت تھا جس کا دائرہ عراق سے لے کر ہندوستان کی سرحد تک محیط تھا اور روم کا مذہب عیسوی تھا جو یورپ، ایشیا اور افریقہ کے تینوں براعظموں کو گھیرے تھا، لیکن مذہبی حیثیت سے دو اور قومیں بھی ذکر کے قابل ہیں جن میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ قدامت کا دعویٰ ہے اور وہ یہود اور ہندو ہیں۔

مجوس فارس:

عرب کی پہلی ہمسایہ سلطنت فارس تھی، جس کے تمدن کا ستارہ ایک زمانہ میں اوج کمال پر تھا مگر عہد بعثت سے سو ڈیڑھ سو برس پہلے سے ساسانی شان وشوکت اور کیانی جاہ وجلال مٹتے مٹتے سایہ سا رہ گیا تھا، مسلسل بغاوتوں، سفاکانہ خون ریزیوں اور سیاسی بدامنیوں نے اس کو تہ وبالا کر دیا تھا، بادشاہوں کے ظلم وستم اور ادور امراء کی عیاشیوں اور خود غرضیوں نے صداقت، اخلاص اور ہر قسم کے اخلاقی جوہر کو جس کے خمیر سے قوم کی زندگی تعمیر ہوتی ہے فنا کر دیا تھا۔

Marfat.com

ایران میں بابل کے اثر سے ستارہ پرستی بہت عام تھی' اسی کا اثر ہے کہ فارسی لٹریچر میں افلاک اور ستاروں کی کار فرمائی آج تک نمایاں ہے' زردشت نے اس تاریکی میں اپنی آگ روشن کی' اور نور وظلمت یا خیر وشر کے دو خالق یزدان واہرمن اس کے دو خدا اور آگ اس کی مسجود بنی' اسلام سے کچھ صدیاں پیشتر مانی نے مسیحیت اور مجوسیت کی آمیزش سے مذہب کا ایک نیا مرقع تیار کیا تھا جس میں نور وظلمت کے فلسفہ کا ایسا گورکھ دھندا بنایا تھا جس سے اخیر تک اس قوم کو نکلنا نصیب نہ ہوا'[1] اس کی تعلیم یہ تھی کہ دنیا سے گوشہ گیری کر کے اس کو ویران' برباد اور ترک ازدواج سے نسل انسانی کو منقطع کر دیا جائے تاکہ بدی کا خاتمہ ہو جائے۔[2] اخلاقی حیثیت سے محرکات کا وجود ہمیشہ ان کے ہاں مختلف فیہ رہا' باپ کا بیٹی کو اور بھائی کا بہن کو اپنی زوجیت میں لینا وہاں کوئی غیر معمولی بات نہ تھی'[3] یہ سن کر کس قدر حیرت ہوگی کہ یزدگرد ثانی جو پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں وہاں کا بادشاہ تھا' اس نے اپنی بیٹی سے اپنا عقد کیا پھر اس کو قتل کر ڈالا'[4] عورتوں کو اس قوم اور اس مذہب میں جو حیثیت حاصل تھی' وہ ان افسانوں اور مقولوں سے ظاہر ہے جو ایرانی ادبیات کا اب بھی جزو ہیں اور جو شاہنامہ کے اوراق میں اب بھی ہر شخص کو نظر آ سکتی ہے' عورتوں کی بےوفائی' بداخلاقی اور ان پر عدم اعتماد پرانے ایرانی تمدن کا سب سے بڑا جزو تھا۔

سلاطین اور امراء درجہ بدرجہ رعایا کے خدا اور دیوتا تھے جن کو سجدے کیے جاتے تھے'[5] ان کی الوہیت کے گیت گائے جاتے تھے' ان کے دربار میں کوئی بیٹھ نہیں سکتا تھا' ان کے خلاف کوئی لب کشائی کی جرأت نہیں کر سکتا تھا' ان کے جرائم پر ان کو سزا نہیں دی جا سکتی تھی' رعایا ان کے مظالم کے سامنے دم نہیں مار سکتی تھی۔

ملک کا بڑا حصہ رومی عیسائیوں کی دائمی جنگ سے پریشان حال تھا اور گرجاؤں اور آتش کدوں کی باہمی آویزش کا غیر مختتم سلسلہ قائم تھا' جب رومی فاتح ہوتے تو آتش خانے ٹوٹ کر کلیسے بن جاتے اور جب ایرانی غالب آتے تو کلیسے ٹوٹ کر آفتاب دیوتا کے معبد اور آتش خانے تعمیر ہو جاتے' یہودیوں پر جو مظالم توڑے جاتے تھے' اس کا ایک مختصر سا نقشہ توراۃ کے قصۃ البر میں نظر آتا ہے اور بعد کو مفتوح عیسائیوں پر وہ جس جس طرح ظلم کرتے تھے' اس کی تفصیل گبن کے اوراق میں منتشر طور پر ملے گی۔

بعثت سے پہلے جہانبانی کا قرعہ قباد اول بن فیروز کے نام پڑا' بیرونی حملوں اور اندرونی بدنظمیوں کا سلسلہ روز بروز بڑھتا گیا۔ آخر رعایا نے قباد کو قید کر دیا۔[6] قباد نے قید خانہ سے بھاگ کر تاتاریوں کے پاس پناہ لی اور ان کی

---

(۱) کتاب الفہرست ابن ندیم ذکر مانی و کتاب البدء والتاریخ مقدسی ذکر فرقہ مانویہ۔

(۲) تاریخ عزر اخبار الفرس ثعالبی مطبوعہ پیرس ص ۵۰۲۔

(۳) تاریخ عزر اخبار الفرس ثعالبی مطبوعہ پیرس ص ۲۷' ابوداؤد میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں حکم دیا کہ مجوسیوں کو اس فعل شنیع سے باز رکھا جائے (کتاب الخراج والامارۃ والفئی جلد دوم ص ۲۶۔

(۴) مورخوں' تاریخ عالم ج ۸ ص ۸۴۔

(۵) عزر اخبار الفرس ثعالبی ص ۵۰۰' پیرس۔

(۶) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم جلد ۲۱ ص ۲۲۳۔

Marfat.com

اعانت سے دوبارہ تاج حاصل کیا' لیکن ملک پر اس سے بھی زیادہ یہ مصیبت نازل ہوئی کہ اس کے عہد میں مزدک نام ایک شخص پیدا ہوا جو اس امر کی تعلیم دیتا تھا کہ دولت اور عورت کسی خاص شخص کی ملک نہیں' بلکہ ان کو تمام جماعت میں مشترک ہونا چاہیے۔ چنانچہ ایک شخص کی بیوی مزدک کے عقائد کی رو سے ہر شخص کے ساتھ ہم بستر ہوسکتی تھی' عیش پرست اور ہوس پرست امراء اور عوام دونوں نے اس کو خوشی خوشی قبول کیا'[1] اس مذہب نے بہت جلد شاہی سایہ میں ترقی حاصل کی اور خود قباد نے اس دین کی ترویج و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا' قوم کی اخلاقی حالت پر اس تعلیم کا جو اثر پڑ سکتا ہے وہ ظاہر ہے' نتیجہ یہ ہوا کہ سارا ملک عیش پرستی اور ہوس رانی کے نشہ میں سرشار ہوگیا۔

۵۳۱ء میں قباد کی جگہ خسرو نوشیرواں نے لی' ایرانیوں میں اس کی عدل پروری اب تک مشہور ہے مگر اس کو یہ مبارک لقب اپنے عزیزوں اور افسروں اور ہزاروں بے گناہوں کے قتل کی بدولت ملا' مزدکی فتنہ کو اس نے تلوار کے زور سے دبانا اور کیشِ زردشتی کو دوبارہ فروغ دینا چاہا' مگر خود اس کا بیٹا نوشزاد تثلیث پرستی کی طرف مائل تھا اس کی پاداش میں قید ہوا اور قید سے بھاگ کر ایک عیسائی فوج لے کر زردشتیوں سے صف آرا ہوا اور مارا گیا۔

۵۷۹ء میں نوشیرواں نے وفات پائی اور ایران کا پایہ تخت ہرمز چہارم کے حصہ میں آیا' اغیار کی دست اندازیوں کے ساتھ اندرونی بدنظمی اور باہمی خانہ جنگی' بادشاہوں کی تغافل شعاری' امراء کی عیش پرستی اور عوام کے اخلاقی انحطاط میں برابر ترقی ہی ہوتی گئی' یہاں تک کہ ۶۳۶ء میں مجاہدین اسلام کی فتح مندی کی طوفانی صرصر کے سامنے ملک فارس کی یہ ٹمٹماتی ہوئی شمع ہمیشہ کے لیے بجھ گئی۔

اوپر کے بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ ایران کی سرزمین نغمۂ توحید سے کبھی گوش آشنا نہیں ہوئی' اخلاق کے متعدد ابواب ہیں جو ان کے آئین میں کبھی داخل نہیں ہوئے' یزدان واہرمن نور و ظلمت اور خیر و شر کی بھول بھلیوں نے ان کو ہمیشہ سرگرداں رکھا حکومت اور شاہی کے متعلق ان کا تخیل خدائی کا ہم رتبہ تھا' اسلام و فارس کی جنگ میں مغیرہ بن شعبہ مسلمانوں کی طرف سے سفیر بن کر جب سپہ سالار ایران کی بارگاہ میں گئے اور آزادی کے ساتھ جا کر اس کے برابر بیٹھ گئے تو ایرانی امیروں کو اس میں اپنے نائب السلطنت کی توہین نظر آئی اور مغیرہ کو سامنے سے ذلت کے ساتھ اٹھا دیا' انہوں نے جواب میں کہا' ہم عربوں میں دستور نہیں کہ ایک خدا بن کر بیٹھے اور دوسرے اس کے سامنے غلامی اور بندگی کریں۔[2]

آنحضرت ﷺ کی ولادت سے تقریباً ڈیڑھ صدی پیشتر سے ایران میں جس قسم کا سیاسی انحطاط شروع ہوگیا تھا وہ روز بروز بڑھتا ہی گیا' اس سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ فارس کے روحانی آتش کدہ میں اب زندگی کی کوئی چنگاری باقی نہیں رہ گئی تھی۔ اسی لیے جب اسلام کا نور طلوع ہوا تو اس کے شیوع کے لیے کوئی دوسرا پردہ بیچ میں حائل نہ ہوا' ہرجان ملکم جن کا مسیحی تعصب عساکر اسلامی کو ان کی زبان سے قزاقان عرب کا لقب دلواتا ہے' فتح فارس کے متعلق حسب ذیل رائے دیتے ہیں۔

(۱) غرر اخبار الفرس ثعالبی ص ۵۹۸ پیرس۔

(۲) تاریخ طبری واقعات ۱۴ھ ص ۲۲۷۴ مطبع بریل۔

Marfat.com

''یزدجرد ثالث کا عہد حکومت اس لیے یادگار ہے کہ اسی زمانہ میں فارس کی قدیم شہنشاہی کا تختہ برہنہ تن ''سوسمار خواروں'' کے ایک دستہ نے الٹ دیا کہ اسی تحقیر آمیز لقب کے ساتھ عرب قبائل کے یہ مغرور ہمسائے ان کا ذکر کرتے تھے ان انقلاب عظیم کی علت کوئی معمولی سبب نہیں ہوسکتا (مسلمان) فارسی مؤرخین کچھ تو اپنے حب وطن اور کچھ اہم وہم پرستی کی بنا پر اس واقعہ کو ایک معجزہ عظیم خیال کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے خدا نے محمد کی صداقت کو ظاہر کر دیا لیکن جو لوگ دنیاوی حیثیت سے اس واقعہ پر غور کرتے ہیں انہیں فوراً نظر آ جاتا ہے کہ فارس کی ایسی سلطنت جو عیش پرستی کے ہاتھوں لاغر و نحیف ہو چکی ہو جس میں اندرونی مناقشات کے باعث بدنظمیاں پھیلی ہوئی ہوں جو بیرونی محاربات سے یکسر خستہ و ناتواں ہو اور جو اپنی کبرسنی اور نقاہت سے قعر زوال کی جانب خمیدہ پشت ہو اس کے لیے پر جوش قزاقان عرب کی مدافعت کرنا سخت دشوار تھا۔''(۱)

مگر سوال یہ ہے کہ پاک نژاد ساسانیوں کی خستگی و ناتوانی' نقاہت و کمزوری'' قزاقان عرب'' ہی کی ترقی کی کیوں تمہید بنی؟ کیا نہتے عربوں کے پاس اس سے زیادہ سامان جنگ اور سپاہی تھے' جو عراق و ایران کے آخیر آخیر معرکوں میں بھی ایرانی عربوں کے مقابلہ میں لاتے رہے واقعہ یہ ہے کہ زرتشت کی آگ میں اب گرمی نہیں باقی رہی تھی نور و ظلمت' خیر و شر' نیکی و بدی کے فلسفہ نے ایران کی ہر قسم کی عملی طاقت فنا کر دی تھی ''یزدان اور اہرمن'' کی دو عملی حکومت نے روحانی امن و امان کی سلطنت برباد کر دی تھی' بیسیوں چھوٹے بڑے فلسفیانہ مذہبی فرقے پیدا ہو گئے تھے جن میں سب سے اہم مانوی فرقہ تھا جو عیسائیت اور مجوسیت کا معجون مرکب تھا' آخر میں مزدکی فرقہ کی بہیمانہ تعلیم نے ایران کی اخلاقی روح کو اور بھی موت کے قریب کر دیا۔(۲) نوشیرواں نے تلوار کی نوک سے اس فتنہ کو دبایا اور اس کے صلہ میں ''بادشاہ عادل و دادگر'' کا خطاب بھی پایا' تاہم ایران کی روحانی زندگی ان خون کے چھینٹوں کے بعد بھی اسی طرح تشنہ لب رہی جس طرح پہلے تھی اور منتظر تھی کہ دنیا کے خشک صحرائے عرب سے چشمہ ابل کر ادھر آئے تو وہ اپنی پیاس بجھائے۔

عیسائی روم:

آغاز اسلام کے وقت جس قدر ایران کی جسمانی و روحانی شہنشاہی کے اوراق منتشر و پراگندہ تھے' روم کی قبائے سلطنت اس سے کچھ کم کرم خوردہ نہ تھی' حالانکہ یہ وہی رومۃ الکبریٰ ہے جو یونان کے زوال کے بعد دنیا کی سب سے بڑی سلطنت سمجھی جاتی تھی اور جس کے ایک تاجدار جولیس سیزر کا نام ہمیشہ کے لیے قیصر کی صورت میں بادشاہ و شہنشاہ کا مرادف بن گیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی سلطنت میں مبعوث ہو کر دنیا کو امن و سلامتی کا پیام سنا کر رخصت ہوئے ان کے رفع وصعود کے بعد ہی ان کے شاگردوں میں فرقہ آرائیاں شروع ہوئیں۔ بالآخر پال نے جو ایک نو عیسائی یہودی تھا اس طرح عیسائیوں پر غلبہ پایا کہ اس کے بدعات کی خاک میں اصلی عیسویت ہمیشہ کے لیے دفن ہو

(۱) ملکم صاحب کی تاریخ ایران جلد اول ص ۱۳۳۔
(۲) تفصیل کے لیے فہرست ابن ندیم دیکھو ص ۴۴۲ مصر۔

Marfat.com

گئی اور باپ بیٹے اور روح القدس کا مشرکانہ عقیدہ اس میں داخل ہو گیا اور توراۃ جس کا کوئی نقطہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مٹا نہیں سکتے تھے۔[1] وہ ان کی روحانی شاگردی کے مدعی (پال) کے ہاتھوں ہمیشہ کے لیے لغت قرار پائی۔[2] ۳۲۵ء میں رومی سلطنت کے مشرقی و مغربی دو حصے ہو گئے' مشرقی حصہ کے تاجدار قسطنطین اعظم نے عیسائی مذہب اختیار کیا اور رفتہ رفتہ پوری رومی حکومت میں یہ مذہب پھیل گیا مگر درحقیقت اس مشرقی تاجدار روم کے اس قبول مذہب کا جذبہ اخلاص و صداقت سے زیادہ سیاست اور سلطنت کی مصلحت پر مبنی تھا' نتیجہ یہ ہوا کہ اب باپ بیٹے اور روح القدس کی تثلیثی الوہیت میں ہر نیا ملک جو فتح ہوتا اس کا دیوتا کسی نہ کسی نام اور رسم سے اس مذہب میں شامل ہو جاتا تخت سلطنت کے غیر متوقع حصول نے مذہبی خاکساروں میں یہ حوصلہ پیدا کر دیا'

اس کے لیے عقائد کی وہ لڑائیاں کھڑی کی گئیں کہ شاہانہ سایہ میں بیٹھ کر کونسلوں نے خدا کے دین کا خاکہ تیار کیا' اتحاد اور اجتماع کی ہر نئی کوشش نئی مذہبی تفریق کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور ایک عیسوی مذہب ایک صدی کے اندر اندر بیسیوں فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔

۳۳۷ء میں قسطنطین کی وفات پر مذہبی خانہ جنگی کے ساتھ ساتھ رومیوں کی سیاسی خانہ جنگیوں کی زیر خاکستر آگ بھی زور وشور سے شعلہ زن ہوئی' اعیان سلطنت میں مختلف گروہ بندیاں ہو گئیں اور باہمی نفاق اور فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو گیا بالآخر سلطنت روم مختلف صوبوں میں منقسم ہو کر مختلف دعویداران حکومت کے حصہ میں آئی'[3] نا قابل فرمان رواؤں کی کمزوری دیکھ کر ایک طرف گوتھ' ونڈال وغیرہ بعض وحشی قوموں نے حملے شروع کیے اور دوسری طرف خود دور افتادہ صوبوں کی رعایا بغاوت پر آمادہ ہو گئی' نتیجہ یہ ہوا کہ پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں سلطنت روم کا مغربی بازو جو برطانیہ اور فرانس وغیرہ پر مشتمل تھا بالکل کٹ گیا اور خود روم کا دارالحکومت دشمنوں کے حملوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔[4] اس وقت یعنی پانچویں صدی کے بیچ میں لوگوں کو صاف نظر آ رہا تھا کہ ان کے مورث اعلیٰ نے جو بارہ کرگسوں کو خواب میں دیکھا تھا اور جس کی بناء پر اس زمانے کے کاہنوں نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ یہ سلطنت بارہ صدیوں تک قائم رہے گی' اب اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کا وقت آ گیا' مؤرخ گبن اس زمانہ کی تصویر ان لفظوں میں کھینچتا ہے۔

''اس پیشین گوئی نے جس پر اس قوم نے اپنے عروج و اقبال کے زمانہ میں کبھی اعتناء بھی نہ کی تھی' اب بارہ صدیوں کے خاتمہ پر جب کہ ہر طرف سے ذلت اور بدقسمتی کا سامنا تھا اہل روم کو یاس آمیز جذبات سے پر کر دیا لیکن ان کے زوال کی علامتیں کرگسوں کے خواب سے زیادہ واضح و نمایاں موجود تھیں' رومن حکومت مخالفوں کی نظروں میں روز بروز زیادہ کمزور اور خود اپنی رعایا کی نظر میں ظالمانہ اور نا قابل

---

(۱) انجیل متی ۵/۱۷۔
(۲) یہ مضامین عیسائیوں کی انجیل کے حصہ اعمال اور خطوط میں جا بجا بتصریح مذکور ہیں۔
(۳) گبن کی تاریخ زوال و انحطاط سلطنت روم جلد اول ص ۴۸۸' ۴۹۱۔
(۴) گبن کی تاریخ زوال سلطنت روم جلد دوم باب ۳۶' و باب ۳۸۔

Marfat.com

برداشت ہوتی جاتی تھی، کفایت شعاری جتنی زیادہ ضروری ہوتی جاتی تھی، اسی نسبت سے اس کی جانب سے بے اعتنائی بڑھتی جاتی تھی اور جس نسبت سے رعایا کے مصائب روز افزوں تھے اسی نسبت سے ٹیکس میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔"(۱)

امراء نے اپنے مصارف کا بار بھی عام رعایا پر ڈالنا شروع کیا، جس کے باعث وہ اپنی قلیل آمدنی سے بھی محروم ہو گئی، محصول کی عدم ادائیگی کی صورت میں رعایا پر اس قدر جبر کیا جاتا تھا کہ اس کے دل میں حکومت کی طرف سے نفرت وعداوت پیدا ہو گئی یہاں تک کہ وہی رومن قوم جو کبھی اپنے اس لقب پر فخر کرتی تھی اب اپنے کو اس قوم کی طرف منسوب کرتے شرمانے لگی اور رومن حکومت پر ہر وحشی سے وحشی سلطنت کی محکومیت کو ترجیح دینے لگی، امراء، وزراء اور سلاطین خود اپنی ناعاقبت اندیشیوں سے رعایا کو اپنا دشمن بناتے اور جب بغاوت ہوتی تو فوج کشی کرتے اور ناکام رہتے، غرض اندرونی بدنظمیوں سے ملک کی یہ نوبت پہنچ گئی تھی کہ گبن کے الفاظ میں۔

"اگر اس وقت روم کے تمام بیرونی وحشی مخالفین فنا بھی ہو جاتے تو ان کی مجموعی معدومیت بھی سلطنت کے مغربی بازو کو زوال و بربادی سے نہیں بچا سکتی تھی۔"(۲)

پانچویں صدی کے خاتمہ پر مغربی حصہ کے نکل جانے کے بعد مشرقی صوبوں تک یعنی ڈینوب سے لے کر دجلہ و نیل تک کی سرزمین روم کے ماتحت رہ گئی تھی، لیکن اس کی حالت بھی روز بروز نازک سے نازک تر ہوتی جاتی تھی، مؤرخین کا بیان ہے کہ رومن فوج کی مجموعی تعداد جو ایک زمانہ میں ۶۴۵۰۰۰ تھی اب شاہ جسٹینین کے زمانہ (یعنی ۵۲۷ء) میں گھٹ کر ایک چوتھائی سے بھی کم یعنی ۱۵۰۰۰۰ رہ گئی تھی اور وہ بھی نہایت متفرق و ابتر حالت میں رعایا کی جیبیں خالی تھیں، فوج کی تنخواہیں چڑھی ہوئی تھیں اور امراء و اعیان سلطنت اپنے ذاتی مصارف کے لیے ہر طرح کے جعل وفریب، رشوت ستانی اور لوٹ مار کو جائز رکھتے تھے۔ فوج میں یوں تو بہت سے سپاہیوں کے نام لکھے ہوئے تھے لیکن میدان جنگ میں جانے کے وقت بہت تھوڑے سے لوگ تیار ہوتے فوجی افسر فن جنگ کے بجائے اپنا وقت باہمی حسد و رقابت میں صرف کرتے اور ہر افسر کی یہ کوشش رہتی کہ دوسرے افسر کی بدنامی و ذلت سے فائدہ اٹھا کر خود ترقی و منصب خود حاصل کرے۔ (۳)

اندرونی بدنظمیوں پر مستزاد یہ تھا کہ بیرونی غنیم اہل روم کو ایک دم کے لیے چین سے بیٹھنے نہیں دیتے تھے، روم و فارس کے درمیان مدت سے لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ جاری تھا۔ پھر لومباڑوس، گوتھیس، ونڈالس وغیرہ کے پیہم حملے روم کی رہی سہی قوت کو اور بھی پامال کر رہے تھے۔

الغرض چھٹی صدی عیسوی کے خاتمہ پر یعنی خاتم النبیین ﷺ کی ولادت سے دو چار سال بعد روم بقول گبن کے اپنے زوال کے پست ترین نقطہ تک پہنچ گیا تھا اور گبن کی زبان میں اس کی مثال بعینہ اس عظیم الشان درخت کی ہو

(۱) ایضاً ص ۱۶۱۔

(۲) گبن کی تاریخ وانحطاط وسلطنت روم ج ۲ ص ۱۶۱۔

(۳) حوالہ مذکور ج ۳ ص ۱۱۳۔

Marfat.com

گئی تھی جس کے سایہ میں ایک وقت تمام اقوام عالم آباد تھیں' مگر اس پر ایسی خزاں آئی کہ برگ و بار کے ساتھ اس کی شاخیں اور ٹہنیاں بھی رخصت ہو گئی تھیں اور اب خالی تنا خشک ہو رہا تھا' خود پایہ تخت کے اندر غنیم کے گھس آنے کا ایسا خوف تمام آبادی پر چھایا ہوا تھا کہ تقریباً کل کاروبار بند ہو گئے تھے' وہ بازار اور تماشا گاہیں جہاں دن رات چہل پہل رہتی تھی' اب ویران اور سنسان پڑی تھیں' عیش پرستی کا یہ عالم تھا کہ لوگ ایک عرصہ سے تاہل کے بجائے تجرد کی زندگی زیادہ پسند کرتے تھے تاکہ زیادہ آسانی اور آزادی کے ساتھ اپنے شہوانی جذبات کی تشفی کر سکیں۔ (۱)

ملک کی عام سیاسی و اخلاقی حالت سے قطع نظر کر کے جب ہم مذہبی پہلو پر نظر کرتے ہیں تو اس سے بھی زیادہ دلخراش تصویر نظر آتی ہے' بت پرست رعایا کو چھوڑ کر جو ستاروں' دیوتاؤں اور بتوں کی پوجا میں بدستور مصروف تھی اور لوگ جنہوں نے عیسائیت قبول کر بھی لی تھی وہ بھی باپ بیٹا' روح القدس اور مریم کی خدائی کے معتقد تھے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم و روح القدس کی شخصیت اور مرتبہ کی تعیین نے بیسیوں فرقے پیدا کر دیئے تھے' جن میں زبانی مناظروں سے گزر کر جنگ و جدل کی نوبت آ گئی تھی' یہاں تک کہ ۵۱۴ء میں خود عیسائیوں کے دو گروہوں کے درمیان ایک عظیم الشان مذہبی جنگ چھڑی جس میں ۶۵۰۰۰ عیسائیوں کو خارج البلد ہونا پڑا۔ (۲) اس جنگ عظیم کے علاوہ ہمہ وقت ہر فریق دوسرے فریق کے خون کا پیاسا رہا کرتا اور بار بار چھوٹی چھوٹی باتوں پر کشت و خون کی نوبت آ جاتی' پادریوں نے اپنے منصب مذہبی کو حصول جاہ کا ایک ذریعہ قرار دے لیا تھا۔ اس بناء پر محض حب جاہ کی خاطر وہ ہر طرح کی ناجائز کوششوں میں مصروف رہتے' ان پادریوں کے ایک اسقف اعظم' سینٹ سرل نے جو سفاکیاں کی ہیں' ان کی تفصیل کے لیے ایک پوری کتاب درکار ہے' ایک مرتبہ اس نے اپنے مریدوں کو ہمراہ لے کر غیر مسلح یہودیوں پر دھاوا کیا' اور ان سب کو جلاوطن کر دیا' ان کا مال و اسباب سرل کے مریدوں کے ہاتھ لگا اور ان کے معابد زمین کے برابر کر دیئے گئے' سرل کا حریف ارسٹس نامی پادری تھا۔ ایک روز جب ارسٹس راستہ سے گزر رہا تھا تو ۵۰۰ راہبوں کی جماعت اس پر ٹوٹ پڑی اور اپنی سنگ باری سے اس کو خون میں نہلا دیا۔ (۳) سرل کی ایک خاتون دوست بلیشیا نامی تھی' ایک روز وہ اپنی درس گاہ سے واپس آ رہی تھی۔ کہ راہبوں کے ایک بہت بڑے گروہ نے اس پر حملہ کر دیا' گاڑی سے اتار کر برہنہ کی گئی اور اس حالت میں تمام شہروں کی سڑکوں پر گھسیٹتے ہوئے اس کلیسا میں لائے جہاں پہنچ کر پادری پیٹر کے گرز سے اس کا خاتمہ کر دیا گیا' قتل کے بعد اس کا گوشت ہڈیوں سے جدا کیا گیا' نعش کے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے اور آلائش جسم کو آگ میں ڈال دیا گیا' (۴) یہ واقعات ایسے ہیں جن کے ذکر سے آج قلم لرزتا ہے مگر یہ عیسائی مذہب کے علم برداروں کا سب سے روشن کارنامہ ہے۔

یہی حالت ان تمام ملکوں کی تھی جہاں رومیوں کے زیر سایہ عیسوی مذہب پھیلا ہوا تھا' یعقوبی' نسطوری اور

(۱) گبن ج ۳ ص ۳۷۲۔

(۲) گبن ج ۳ ص ۳۴۴۔

(۳) ایضاً ص ۳۲۷۔

(۴) ایضاً ص ۳۲۳ نیز ڈریپر تاریخ معرکہ آرائی مذہب و سائنس ص ۱۵۵۔

Marfat.com

دوسرے فرقے جو سرکاری عیسوی مذہب سے الگ تھے، وہ دور دراز صوبوں اور ملکوں میں اپنی اپنی پناہ ڈھونڈتے تھے نائیس کی کونسل کے بعد جو آریوس اور اس کے حریفوں میں جو معرکہ آرائیاں ہوئیں انہوں نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ "شہزادۂ امن" کا مذہب ان جنگجوؤں کے ہاتھوں تباہ برباد ہونے سے بچ نہیں سکتا۔

مسٹر مارس جو پیغمبر اسلام کو نعوذ باللہ بہت بڑا مکار قرار دیتے ہیں، اپنی تاریخ ہندوستان میں ضمناً ایک موقع پر تحریر کرتے ہیں۔

"اس نازک موقع پر (یعنی ظہور اسلام کے وقت) ان بے باکانہ بدعات کے درمیان جو چرچ کو نجس کر رہے تھے اور اختلافات کے اس غیر منقطع سلسلہ کے درمیان جو چرچ میں ایک ہلچل ڈالے ہوئے تھے اگرچہ مشرق میں اصلی مسیحیت کی شعاع نظر آتی تھی لیکن بہت ہی مدھم، روم کے قیصروں کی قوت کچھ تو اندرونی نزاعوں اور کچھ بیرونی حملوں کے باعث اپنی بنیاد سے اکھڑ کر قعر فنا کی طرف تیز رفتاری کے ساتھ جارہی تھی، یہود بے صبری کے ساتھ گلیلی کے اس حقیر شخص کے مذہب پر نظر کر رہے تھے جس کے دین کو اب شاہ قسطنطین کے مسیحی ہو جانے کے بعد پوری شان و شوکت اور شاہی عظمت حاصل ہوگئی تھی، اور ہر اس تحریک کی مدد کے لیے تیار تھے جو ایسے قابل نفرت مذہب کا خاتمہ کرنا چاہے، اہل فارس نہایت غیظ و غضب کے ساتھ ان پر جوش و ناروادار فتح مند عیسائیوں کو دیکھ رہے تھے جنہوں نے ان کے معبود آتش شمسی کی بے حرمتی کی تھی اور شرک کی ساری دنیا اپنے برباد شدہ معبودوں اور ڈھے ہوئے معبودوں پر ماتم کر رہی تھی، ان کے انتقام کے لیے آمادہ اور مستعد تھی۔ (۱)

مارس صاحب واقعات کی نقشہ کشی میں خواہ کتنا ہی مسیحی رنگ بھریں لیکن نفس واقعات کی صحت ان کو شاید ہم سے بھی زیادہ مسلم ہے۔

بہر حال مؤرخین کا بیان ہے کہ تیسری صدی سے لے کر ساتویں صدی تک مسیحیت کی جو حالت رہی ہے وہ اس کے لیے باعث ننگ ہے، مشرکانہ رسوم نے مذہب کی جگہ لے لی تھی اصل رومی بت پرستانہ عقیدوں نے مسیحی مذہب کا روپ بھر لیا تھا حضرت مسیحؑ کے ناسوتی اور لاہوتی دو عنصروں کی کلیل مصر کو قابو میں لانے کے لینے کی گئی، جس سے حضرت مسیح کے وہی ایک ہے" کی تعلیم ہمیشہ کے لیے ان کے مذہب سے ہٹ گئی، ضعیف الاعتقادی اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ قبر پرستی عام ہوگئی تھی اور ہر بڑے پادری سے اس کی وفات کے بعد دعا مانگی جاتی تھی، ملک شام میں جو بڑے پادری اور بطریق تھے، ان کے معتقدان کو سجدے کرتے تھے (۲) مسیح و مریم، روح القدس اور حواریین اور مسیحیت کے دیگر اساطین کے مجسمے بنا کر ان کی پرستش اس کثرت سے ہونے لگی کہ اس کی نظیر زمانہ بعد کے رومن کیتھولک فرقہ کی بت پرستی میں بھی نہیں ملتی۔ (۳)

---

(۱) مارس کی تاریخ ہندوستان ج اول ص ۱۸۳۔

(۲) سنن ابن ماجہ باب حق الزوج علی المراۃ۔

(۳) سیل صاحب کا انگریزی ترجمہ قرآن مقدمہ ص ۲۵، ۲۶۔

Marfat.com

سیل صاحب اپنے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

''گرجا کے پادریوں (CLERG) نے مذہب کے ٹکڑے کر ڈالے تھے اور امن و محبت اور نیکی کو مفقود کر دیا تھا' اصل مذہب کو بھول گئے تھے اور اس کے متعلق اپنی خیال آرائیوں پر جھگڑتے تھے اسی تاریک زمانہ میں اکثر وہ توہمات جو دمن چرچ کے لیے باعث ننگ ہیں' مذہبی صورت میں قائم کیے گئے' خصوصاً ولیوں اور مجسموں کی پرستش نہایت بے شرمی سے ہونے لگی' کی نیس کاؤنسل کے بعد مشرقی چرچ روزانہ کے مناظرات میں مشغول ہو گیا اور ایرینس سلینس نسطورینیس اور یوٹکلینیس کے جھگڑوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا' انصاف علانیہ فروخت کیا جاتا تھا اور ہر طرح کی بدعنوانیاں ہوتی تھیں۔ مغربی چرچ میں ڈینس اور ارسلیسی نس نے بشپ کی جگہ حاصل کرنے کے لیے قتل تک نوبت پہنچا دی اور آخر ڈینس کی فتح ہوئی' اس موقع پر کہا جاتا ہے کہ سیسی نینس (Sicininus) کے گرجا میں ایک روز میں ۱۳۷ آدمی قتل کیے ہوئے پائے گئے اور کوئی حیرت نہیں کہ یہ لوگ ان جگہوں کے اس قدر خواہاں ہوتے تھے اس لیے اس ذریعے سے ان کو گراں بہا تحفے ملتے تھے۔ اپنی گاڑیوں پر نہایت تزک واحتشام سے نکلتے تھے اور ان کے دستر خوان پر بادشاہوں سے زیادہ شان وشوکت ہوتی تھی۔ ان مناقشات کا سبب زیادہ تر شہنشاہ ہوا کرتے تھے' جسٹنین کے وقت میں حالت اور زیادہ خراب ہو گئی' اس کے نزدیک اپنے عقیدہ کے مخالفوں کو مار ڈالنا کوئی جرم نہ تھا۔

بادشاہوں اور پادریوں میں عقائد اور اخلاق کی جو خرابیاں پھیلی تھیں اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ عوام کی حالت بھی متبذل ہو گئی ان کا مقصد صرف روپیہ پیدا کرنا رہ گیا خواہ کسی ذریعہ سے ہو اور اس روپیہ کو وہ نفاست اور عیاشی میں اڑاتے تھے' عقائد کی خرابی کے علاوہ روم و فارس کی سلطنتیں بھی کمزور ہو گئی تھیں' شہنشاہ قسطنطین کے بعد روم کی سلطنت روز بروز کمزور ہوتی گئی' عام طور سے اس کے جانشین بزدلی اور مظالم کے لیے مشہور تھے آنحضرت ﷺ کے وقت تک ملک کا مغربی حصہ ''گلاتھ لوگوں نے روند ڈالا تھا' یونانیوں کی عیش پسندی اور اخلاقی خرابیوں نے ان کی قوت کو زائل کر دیا تھا۔'' رومیوں نے عیسوی مذہب کو جس صورت میں قبول کیا تھا' اس کی تصویر ڈریپر کے الفاظ میں حسب ذیل ہے ''دونوں (عیسائیت اور بت پرستی) کی باہمی کشمکش کا یہ نتیجہ ہوا کہ دونوں کے اصول شیر وشکر ہو گئے اور ایک نیا مذہب پیدا ہو گیا جس میں بت پرستی و عیسائیت دونوں کی شانیں پہلو بہ پہلو جلوہ گر تھیں۔ [1] جوں جوں زمانہ گزرتا گیا وہ مذہبی عقائد جن کی تفصیل ٹرٹلین نے بیان کی ہے' متغیر ہو کر ایک عام پسند مگر پایہ اخلاق سے گرے ہوئے مذہب کی شکل اختیار کرتے گئے' ان عقائد میں قدیم یونانی اصنام پرستی کا عنصر مخلوط ہو گیا' عقیدہ تثلیث قدیم مصری روایات کے سانچہ میں ڈھال لیا گیا مریم عذرا کو خدا کی ماں کا لقب دیا گیا۔ [2]

(۱) معرکہ مذہب و سائنس' ڈریپر ص ۶۲۔

(۲) ایضاً ص ۶۵۔۶۶۔

Marfat.com

اسی زمانہ میں ایک گروہ "مریمی" کے نام سے پیدا ہوا جو حضرت مریمؑ کو بھی شریک الوہیت کر کے بجائے اقانیم ثلاثہ کے اقانیم اربعہ کا اعتقاد رکھتا تھا' جس کی تردید قرآن پاک نے سورۂ آل عمران میں فرمائی ہے اسی کے ساتھ اور بہت سے معتقدات رومی بت پرستوں سے لے کر عیسائیت میں داخل کیے گئے اور نام بدل بدل کر رومی بت پرستوں کے دیوتاؤں کے رسوم مقدس عیسائی کلیساؤں میں جگہ پانے لگے اور ان مسائل میں مختلف فرقوں کے اندر اختلافات باہمی نہایت شدومد سے پیدا ہوئے' یہاں تک کہ ان مذہبی مناقشات کے تصفیہ کے لیے حکومت کو بار ہا دست اندازی کرنا پڑتی تھی' رفتہ رفتہ رشوت ستانی کا بازار گرم ہو گیا۔ اور یہ حالت ہو گئی کہ جو شخص کسی بڑے دنیاوی عہدہ دار کے پاس جتنا رسوخ و تقرب حاصل کر سکتا اسی نسبت سے اس کو بڑی دینی خدمت مل جاتی۔ (۱)

یہ تو مسیحی دنیا کے مشرقی حصہ کا حال تھا' مغربی حصہ کی حالت اس سے بھی زیادہ خراب تھی' یہاں رومن امپائر کی ماتحتی میں مذہبی مناصب کے لیے کشت و خون ایک عام و معمولی واقعہ تھا' یہاں تک کہ بعض دفعہ مقتولین کی تعداد کسی سخت خون ریز جنگ کے مقتولوں کے مساوی پہنچ جاتی' چنانچہ ایک مرتبہ جب ایک اعلیٰ مذہبی عہدہ کے لیے دو پادریوں کے درمیان مقاتلہ ہوا تو صرف ایک دن میں ۱۳۷ آدمی کام آئے۔ (۲) اس سفاکانہ جدوجہد کا باعث صرف یہ تھا کہ اس زمانہ کے مذہبی عہدے اکتساب زر حصول لذائذ اور کسب جاہ کے بہت بڑے ذرائع تھے' چنانچہ جتنی نفیس غذائیں پادریوں کے دستر خوان پر رہتی تھیں۔ اتنی بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتی تھیں۔ (۳)

سلاطین اور مذہب کے حاملین کے اخلاق کا پرتو عام رعایا اور پیروؤں پر لازمی طور پر پڑتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ بداخلاقی اسراف اور ہوس پرستی' مسیحی دنیا کی آب و ہوا میں سرایت کر گئی۔ لوگ ہر طرح کے ناجائز وسائل سے روپیہ کماتے اور کمال بیدردی کے ساتھ اپنے مسرفانہ لہو و لہب اور عیاشیوں میں اڑا ڈالتے۔ (۴)

پوپوں نے اور ان کے بعد درجہ بدرجہ مذہبی عہدہ داروں نے اپنی اپنی جگہ پر شہنشاہانہ بلکہ خدائی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے تھے' جو وہ زمین پر کھولتے تھے' وہ آسمان پر کھولا جاتا تھا اور جو یہاں بند کرتے تھے وہ وہاں بھی بند ہو جاتا تھا قرآن مجید نے ان کی اسی حالت کا ذکر اس آیت میں کیا ہے کہ ﴿اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون الله﴾ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو اپنا خدا بنا لیا تھا۔

دینداری کا سب سے اہم جزو تجرد کی زندگی اور رہبانیت تھی' ہر قسم کے آرام و آسائش سے جسم کو محروم کر کے قسم کی تکلیف و عذاب میں اپنے کو تمام عمر مبتلا رکھنا بہترین عبادت تھی' کسی نے تمام عمر غسل نہ کرنے کی قسم کھائی تھی کسی نے اپنے کو دلدل میں ڈال دیا تھا' کوئی اپنے کو بوجھل زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھا' کسی نے سایہ میں بیٹھنے کو اوپر حرام کر لیا تھا کسی نے اپنے کو اندھیری کوٹھڑی میں بند کر لیا تھا۔ ماں باپ' عزیز و اقارب' اہل و عیال' دیندار کی

(۱) سیل صاحب کا انگریزی ترجمہ قرآن مقدمہ ص ۲۶۔

(۲) ایضاً ص ۲۶۔

(۳) ایضاً ص ۲۶' ۶۸۔

(۴) تاریخ اخلاق یورپ لیکی کی دوسری جلد میں یہ واقعات مفصل لکھے ہیں۔

Marfat.com

تقویٰ شعاری کی راہ کے کانٹے تھے'ان سے پرہیز بلکہ ان سے نفرت کمال تقویٰ سمجھا جاتا تھا اور اسی پر فخر کیا جاتا تھا۔

ہندوستان:

دنیا کے ان متمدن ملکوں میں جہاں کوئی با اثر مذہب قائم تھا' ایک ہندوستان بھی ہے' ہندوستان کے تمدن کے پانچ مختلف دور گزرے ہیں' ایک اصلی ہندو' ویدک عہد جو دو ہزار سال ق م' سے لے کر تقریباً چودہ سو سال ق م تک رہا' دوسرا دور جنگ یعنی جس میں گوروؤں اور پانڈوں وغیرہ کے مناقشات رہے اور جو چودہ سو ق م سے لے کر تقریباً ایک ہزار قبل مسیح تک رہا' تیسرا دور عقلیت جس میں حکماء و عقلیین کا عروج تقریباً دو سو پچاس قبل مسیح سے لے کر پانچویں صدی عیسوی کے خاتمہ تک رہا' پانچواں دور پرانک جس میں بجائے' ویدیا گوتم بدھ کی تعلیمات کے پرانوں کی تلقین پر عمل درآمد تھا اور یہ عہد تقریباً پانچویں صدی عیسوی کے اواخر سے لے کر مسلمانوں کے داخلہ ہند تک قائم رہا۔

مؤرخین کا اجماع ہے کہ قدیم ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ تاریک اور نقائص سے معمور آخری دور ہے جو تقریباً ۵۰۰ء سے شروع ہوتا ہے' اس دور کے نمایاں خصوصیات حسب ذیل تھے۔

(۱) شرک جو ابتداء ہی سے ہندوستان کے خمیر میں داخل تھا' اب وہ حد اعتدال سے باہر ہو گیا چنانچہ وید میں جو ۳۳ دیوتاؤں کی تعداد تھی وہ اب بڑھتے بڑھتے ۳۳ کروڑ دیوتاؤں تک پہنچ گئی۔ (۱)

(۲) ویدک عہد میں اصنام کی پرستش کا رواج نہ تھا لیکن اس زمانہ میں مندروں کے اندر بت پرستی علی العموم رائج ہو گئی تھی۔ (۲)

(۳) مندروں کے محافظین بد اخلاقی کے سرچشمے تھے جو لاکھوں کروڑوں ناواقف پرستش کرنے والوں کو مذہب کے نام سے خوب لوٹتے۔ (۳)

(۴) ویدک عہد میں ساری ہندو قوم میں یگانگی تھی' لیکن اب ذات پات کی تفریق شروع ہو گئی جو نظام معاشرت کے لیے تباہ کن تھی۔ (۴)

(۵) عورتوں کو محکومیت و غلامی کا درجہ دیا گیا۔ (۵)

قوانین اس قدر غیر معقول و نا منصفانہ وضع کیے گئے جن سے علانیہ بعض ذاتوں کی پاس داری و حمایت اور بعض پر جبر و ستم مقصود تھا' مثال کے لیے چند قوانین درج ذیل ہیں۔

(ا) برہمن کو کسی حالت میں خواہ وہ کتنے ہی سنگین جرائم کا مرتکب رہ چکا ہو' سزائے موت نہیں دی جا سکتی۔

(ب) کسی اونچی ذات کے مرد کا کسی نیچی ذات کی عورت کے ساتھ زنا کرنا کوئی جرم نہیں۔

---

(۱) آر سی دت کی ہندوستان قدیم ج ۳ ص ۲۷۶۔
(۲) ایضاً ص ۲۸۱۔
(۳) ایضاً ص ۲۸۳۔
(۴) ایضاً ص ۳۰۷۔
(۵) ایضاً ص ۳۳۔

Marfat.com

(ج) کسی بودھ راہبہ تک کی عصمت دری کی سزا میں کچھ جرمانہ کافی تھا۔

(د) اگر کوئی اچھوت ذات کا شخص کسی اعلیٰ ذات والے کو چھولے تو اس کی سزا موت ہے۔

(ہ) اگر کوئی نیچی ذات والا اپنے سے اونچی ذات والے کو مارے تو اس کے اعضاء قطع کر ڈالنے چاہئیں اگر اسے گالی دے تو اس کی زبان کاٹ ڈالنی چاہیے اور اگر اسے تعلیم دینے کا دعویٰ کرے تو گرم تیل اس کے منہ میں ڈالنا چاہیے۔[1]

(۶) راجاؤں کے محل میں بادہ نوشی کثرت سے رائج تھی اور رانیاں اسی حالت خمار میں جامہ عصمت اتار ڈالتی تھیں۔[2]

(۷) شاہراہوں پر آوارہ گرد جرائم پیشہ افراد کا مجمع لگا رہتا تھا۔[3]

(۸) خدا کی تلاش آبادیوں اور بازاروں میں کرنے کے بجائے جنگلوں اور پہاڑوں میں کی جاتی تھی، جسم کو سخت سے سخت ایذا اور تکلیف ان کی بہترین عبادت تھی۔

(۹) اوہام اور خیالات فاسدہ، بھوتوں، پلیتوں اور سینکڑوں قسم کے ظنون و اوہام ان کا مذہب تھا اور آسمان سے لے کر زمین تک ہر چیز ان کا خدا تھی، اور ہر ایک کے سامنے سربسجود ہونا ان کا دھرم تھا، بتوں، دیوتاؤں، دیبیوں کا شمار اندازہ و قیاس سے باہر تھا اور ان کے افسانوں کا گیت ان کا ترانہ حمد تھا، ظہور اسلام کے بعد بھی جو عرب سیاح یہاں آتے رہے انہوں نے تپشا کرنے والے جوگیوں کے وہ دردناک حالات لکھے ہیں جن کو پڑھ کر ان کی حالت پر رحم و افسوس آتا ہے۔[4] اور اسی طرح وہ عرب سیاح جو سندھ اور دکن کے شہروں اور ساحلوں سے گزرے ہیں، انہوں نے معبدوں میں پجاری عورتوں اور دیوداسیوں کی جو اخلاقی کیفیتیں لکھی ہیں[5] وہ حد درجہ شرمناک ہیں اور اس سے زیادہ شرمناک یہ ہے کہ یہ سب خدا کی خوشنودی اور مذہبی عقیدہ کی رو سے انجام دیا جاتا تھا۔

عورتیں جوؤں میں ہاری جاتی تھیں، ایک عورت کے کئی شوہر ہوتے تھے۔[6] وہ بیوہ ہو کر زندگی کی ہر لذت سے عمر بھر کے لیے قانوناً محروم کر دی جاتی تھیں، اور اسی لیے شوہر کے مرنے پر بعض عورتیں زندہ در آتش ہونا پسند کرتی تھیں، لڑائی میں شکست کے خوف کی صورت میں ان کو خود ان کے باپ بھائی اپنے ہاتھوں سے قتل کر ڈالتے تھے، یہاں کے بعض فرقوں میں عورتیں مرد کو اور مرد عورتوں کو ننگا کر کے ان کی پوجا کرتے تھے۔[7] اور مذہبی تہواروں میں شراب

(۱) آرسی دت کی ہندوستان قدیم ص ۳۴۲، ۳۴۳۔

(۲) ایضاً ص ۴۶۹

(۳) ایضاً ص ۴۶۹۔

(۴) دیکھو ابوزید سفرنامہ ص ۱۱۵، ۱۱۸، پیرس و آثار البلاد قزوینی ص ۸۱۔

(۵) سفرنامہ ابوزید ص ۱۳۰ و احسن التقاسیم مقدسی ص ۴۸۳۔

(۶) مہابھارت کے قصہ کا آغاز پڑھو۔

(۷) ستیارتھ پرکاش سموالاس گیارہ ص ۳۷۸، ۳۷۹ مطبوعہ سیوک اسٹیم پریس لاہور ۱۹۱۲ء۔

Marfat.com

پی پی کر ایسے بدمست ہوتے تھے کہ پھر انہیں ماں، بہن، بیٹی اور اپنی پرائی کی تمیز باقی نہیں رہتی تھی اور اس کو وہ نیکی کا کام سمجھتے تھے، شودروں کے نام سے ایک پوری قوم کی قوم ایسی غلامی میں مبتلا تھی کہ تعلیم و تربیت، تہذیب و اخلاق اور دین و ایمان ہر چیز سے محروم رہنا اس کا فرض تھا، وید کی آواز بھی اس کے کان میں پڑ جائے تو اس میں سیسہ پگھلا کر ڈال دینے کا حکم تھا۔

راجاؤں کی بیویوں کی کوئی تعداد قانوناً مقرر نہ تھی، قانون کی بنیاد مساوات انسانی پر نہیں بلکہ ذاتوں پر تھی، عورتیں فروخت کی جاتی تھیں۔

اس مختصر خاکہ سے معلوم ہوگا کہ بدء اسلام سے ایک صدی پیشتر سے دیوتاؤں کی یہ جنم بھومی بھی شیطانوں کے اس جال میں گرفتار تھی جس کے شکار فارس و روم ہو رہے تھے۔

یہود:

دنیا کی آبادی اور اصلاح کی سب سے زیادہ امید اس قوم سے ہو سکتی ہے جو سام کی اولاد میں سب سے پہلے وحی الٰہی کی امانت دار بنی، اسی لیے قرآن نے ان سے کہا ﴿وَلَا تَكُونُوٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ﴾ (بقرہ: ۵) اور سب سے پہلے تم ہی پیغام الٰہی کے منکر نہ بنو'' مگر یہ قوم سخت جان ہونے کے ساتھ سنگ دل بھی ثابت ہوئی۔ اس نے پتھروں کے سینوں کو پھٹتے اور ان کی چھاتیوں سے میٹھے پانی کا دودھ بہتے دیکھا اور پیا، مگر پھر بھی اس کے سینہ کا دل پتھر ہی رہا، قرآن نے اپنے زمانہ میں اس کو طعنہ دیا۔

﴿فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً﴾ (بقرہ: ۹) ''ان کے دل پتھروں کے مانند بلکہ ان سے بھی بڑھ کر سخت ہیں۔''

اس نے مختلف زمانوں میں اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا، ان کو تکلیفیں دیں۔ بلکہ ان کو قتل تک کر ڈالا، حضرت موسیٰ اور ان کے بعد کوئی پیغمبر ان میں ایسا نہ آیا جس نے ان کی سنگ دلی کا ماتم نہ کیا ہو اور ان کی سرکشی پر ان کے حق میں بد دعا نہ کی ہو چنانچہ قرآن مجید نے کہا۔

﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ (مائدہ: ۱۱)

''بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤدؑ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے لعنت کی گئی یہ اس لیے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے آگے بڑھتے تھے اور ایک دوسرے کو اس برائی سے جو وہ کرتے تھے، منع نہیں کرتے ان کا کام کتنا برا ہے۔''

حضرت داؤدؑ نے زبور میں کئی دفعہ بنی اسرائیل کی سرکشی اور نافرمانی کا ماتم اپنے سوز و گداز کی لے میں کیا ہے زبور ۷۸ میں ہے۔

اے میرے گروہ! میری تعلیم پر کان رکھ، میرے منہ کی باتیں کان دھر کے سن، تاکہ آنے والی پشت سے وہ فرزند جو پیدا ہوں سیکھیں اور وہ خدا پر توکل کریں اور خدا کے کاموں کو بھلا نہ دیں بلکہ اس کے حکموں کا تحفظ کریں اور اپنے

Marfat.com

باپ دادوں کی طرح ایک شریر اور سرکش نسل نہ ہوں نہ ایسی نسل کہ جس نے اپنا دل مستعد نہ کیا اور ان کے جی خدا سے نہ لگے رہے باوجود اس سبب کے پھر انہوں نے گناہ کیے اور اس کے عجائب قدرتوں کے سبب اعتقاد نہ کیا' لیکن انہوں نے اپنے منہ سے اس کے (خدا کے) ساتھ ریاکاری کی اور اپنی زبانوں سے اس سے جھوٹ بولے اور وہ اس کے عہد میں وفادار نہ رہے کیونکہ ان کے دل ان کے ساتھ قائم نہ رہے کتنی بار انہوں نے بیابان میں اس (خدا) سے بغاوت کی اور وہ ویرانہ میں اسے بیزار کیا' تس پر بھی انہوں نے خدا تعالیٰ کو آزمایا اور اسے بیزار کیا اور اس کی شہادتوں کو حفظ نہ کیا بلکہ برگشتہ ہوئے اور اپنے باپ دادوں کے مانند بے وفائی کی' وہ ٹیڑھی کمان کے مانند ایک طرف چلے گئے۔''

زبور ۸۱ میں ہے۔

''اے میرے لوگو! سنو کہ میں تجھ پر گواہی دوں گا' اے اسرائیل اگر تو میری سنے گا تو تیرے درمیان کوئی دوسرا معبود نہ ہوتو کسی اجنبی معبود کو سجدہ نہ کر' خداوند تیرا خدا میں ہوں جو تجھے مصر کی زمین سے باہر لایا۔ اپنا منہ کھول کہ اسے بھر دوں گا پر میرے لوگوں نے میری آواز پر کان نہ دھرا اور اسرائیل نے مجھے نہ چاہا' تب میں نے ان کے دلوں کی سرکشی کے بس میں چھوڑ دیا۔''

بہت سے بنی اسرائیل جو حضرت داؤدؑ سے باغی ہو کر لڑنے پر آمادہ تھے' حضرت داؤدؑ نے ان کے متعلق یہ دعا کی کہ:

''تو وہ خدا نہیں جو شرارت سے خوش ہو' شریر تیرے ساتھ رہ نہیں سکتا' جو شیخی باز ہیں تیری آنکھوں کے سامنے کھڑے نہیں رہ سکتے' تو سب بدکرداروں سے عداوت رکھتا ہے تو ان کو جو جھوٹ بولتے ہیں' نابود کر دے گا' اے خداوند اپنی صداقت میں میرا رہبر ہو' میرے دشمنوں کے سبب سے میرے سامنے اپنی راہ کو سیدھا کر' ان کے باطن میں سراسر کھوٹا پن ہے' اے خدا تو انہیں ملزم جان ایسا ہو کہ وہ اپنی مشورتوں سے آپ ہی گر جائیں ان کو ان کے گناہوں کی کثرت کے سبب نکال پھینک کہ انہوں نے تجھ سے سرکشی کی ہے۔'' (زبور: ۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی انجیل میں بنی اسرائیل کو لعنت کی اور فرمایا۔

''اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھیری قبروں کے مانند ہو جو باہر سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں پھر بھتیر مردوں کی ہڈیوں' اور ہر طرح کی ناپاکی سے بھری ہیں' اسی طرح تم بھی ظاہر میں لوگوں کو راست باز دکھائی دیتے ہو باطن میں ریاکار اور شرارت سے بھرے ہو۔

''اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کیونکہ نبیوں کی قبریں بناتے اور راست بازوں کی گوریں سنوارتے ہو اور کہتے ہو کہ ہم اپنے باپ دادوں کے دنوں میں ہوتے تو نبیوں کے خون میں ان کے شریک نہ ہوتے' اسی طرح تم اپنے اوپر گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو' بس اپنے باپ دادوں کا پیمانہ بھر دو' اے سانپو' اے سانپوں کے بچو! تم جہنم کے عذاب سے کیونکر بھاگو گے۔'' (متی ۲۳' ۲۷' ۳۴)

بعینہ یہی الزام قرآن نے بھی ان کو دیا ہے۔

Marfat.com

﴿وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴾ (بقرہ : ۷) ''اور وہ ناحق پیغمبروں کو مارڈالتے ہیں اس لیے کہ وہ نافرمان اور حد سے بڑھنے والے ہیں۔''

﴿قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (بقرہ : ۱۱) ''کہہ کہ پھر کیوں اللہ کے نبیوں کو تم پہلے قتل کرتے رہے اگر تم مومن تھے۔''

آل عمران میں اس سے بھی بڑھ کر ہر حق کے داعی اور خیر کے مبلغ کے قتل کر دینے کا ان پر بجا الزام ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (آل عمران : ۳) ''بے شک وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے اور ہر اس شخص کی زندگی کے دشمن بن جاتے ہیں جو ان کو عدل و نیکی کی بات سمجھائے تو ان کو دردناک سزا کی خوش خبری سنادے۔''

سورۂ بقرہ اور آل عمران میں یہودیوں کے ایک ایک عیب کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دین وملت کا قوام کتنا بگڑ گیا تھا۔ ان کی مذہبی سنگ دلی اور تعصب کا سب سے دردناک سانحہ وہ ہے جو اسلام سے ۵۰ '۶۰ برس پہلے یمن میں پیش آیا کہ یہودی حمیریوں نے نجران کے عیسائیوں کو گڑھوں میں آگ جلا کر ان میں جھونک دیا اور وہ کنارے بیٹھے اس حسرت ناک منظر کا تماشا دیکھتے رہے' چنانچہ قرآن مجید نے اس پر درد داستان کو ان لفظوں میں انہیں یاد دلایا۔

﴿قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ وَّ مَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ (بروج : ۱) ''گڑھے والے لوگ مارے گئے' بھڑکتی آگ کے گڑھے جب وہ ظالم ان کے کنارے بیٹھے ایمان والوں کے ساتھ جو کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے' ان کا گناہ یہی تھا کہ وہ غالب اور خوبیوں والے خدا پر ایمان رکھتے تھے۔''

جزئیات کو چھوڑ کر کلی طریقہ سے ان میں حسب ذیل نقائص تھے۔

(۱) ان کو اپنے محبوب خدا اور خاص خدا کے کنبہ ہونے پر بے انتہا غرور تھا وہ سمجھتے تھے کہ ہم کچھ کریں ہمیں قیامت میں مواخذہ نہ ہوگا۔

﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ﴾ (مائدہ:۳) ''ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔''

﴿وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ (بقرہ:۹) ''اور کہا کہ ہم کو دوزخ کی آگ ہرگز نہیں چھوئے گی لیکن چند روز۔''

وہ سمجھتے تھے کہ جنت کی نعمتیں صرف انہی کے لیے خاص ہیں' قرآن نے کہا۔

﴿قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ ''کہہ دے کہ اگر آخرت کا گھر تمام لوگوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے ہی لیے ہے تو موت کی آرزو کیوں نہیں

Marfat.com

﴿كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (بقرہ : ۱۱) کرتے' اگر تم سچے ہو۔''

وہ سمجھتے تھے کہ نبوت اور رسالت صرف ان کے گھر کی چیز ہے کسی دوسرے کا اس میں حق نہیں' قرآن نے ان کے جواب میں کہا۔

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (جمعہ :۱) ''یہ خدا کی مہربانی ہے وہ جس کو چاہے دے۔''

جو ان میں پڑھے لکھے عالم تھے وہ خدا کے احکام کو اپنے منشا اور دولت مندوں کی خوشنودی کے لیے اپنی باطل تاویلوں سے ادلتے بدلتے رہتے تھے اور اپنی تصنیفات اور اجتہادات کو کتاب الٰہی کا درجہ دیتے تھے۔

﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ﴾ (مائدہ:۶) ''وہ لفظوں کو اپنی مناسب جگہوں سے ہٹا دیتے ہیں۔''

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ﴾ (بقرہ : ۹) ''تو پھٹکار ہو ان پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں' یہ خدا کی طرف سے ہے تا کہ وہ اس سے دنیا کا معمولی فائدہ اٹھائیں تو پھٹکار ہے ان پر جو وہ لکھتے ہیں اور پھٹکار ہو ان پر جو وہ کماتے ہیں۔''

جو ان میں ان پڑھ اور جاہل تھے وہ اپنے سنے سنائے قصوں پر ایمان رکھتے تھے۔

﴿وَ مِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ﴾ (بقرہ:۹) ''اور ان میں بعض ان پڑھ ہیں جن کو تورات کا علم نہیں لیکن بناوٹی باتیں معلوم ہیں' وہ صرف ان کے خیالات ہیں۔''

احکام الٰہی میں سے جو آسان اور ضرورت کے مطابق حکم ہوتا اس کو قبول کرتے اور دوسرے حکموں کو پس پشت ڈالتے۔

﴿نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (بقرہ :۱۲) ''جن کو خدا کی کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایک فریق اللہ کی کتاب پس پشت ڈالتا ہے' گویا کہ وہ جانتا ہی نہیں۔''

﴿اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ﴾ (بقرہ : ۱۱) ''کیا جب کوئی رسول تمہارے پاس وہ لے کر آیا جو تمہاری نفسانی خواہش کے موافق نہ ہو' تم نے غرور کیا تو کچھ کو جھٹلایا اور کچھ کو مار ڈالتے ہو۔''

ایک دفعہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لا چکے تھے اور یہود نے بھی آپ کی ملکی سرداری کو ایک گونہ قبول کرلیا تھا تو ایک زنا کا مقدمہ آپ کی عدالت میں لائے' آپ نے پوچھا کہ تمہارے مذہب میں اس جرم کی سزا کیا ہے' بولے ہم مجرم کو کوڑے مارتے ہیں' اور اس کی تشہیر کرتے ہیں' آپ نے ان سے توراۃ طلب فرمائی جب وہ لائے اور اس جرم کے متعلقہ حکم کی آیتوں کو پڑھ کر سنانے لگے تو بیچ سے سنگ ساری کا حکم چھپا دیا مگر ایک نومسلم یہودی عالم نے اس حکم کو پڑھ کر بتا دیا۔ آپ نے فرمایا خداوندا میں پہلا شخص ہوں گا جو تیرے مردہ حکم کو زندہ کرے گا (صحیح بخاری و مسلم کتاب الحدود وابوداؤد باب رجم الیہودیین۔)

Marfat.com

آپس میں قتل وخون ریزی کا بازار ان میں گرم تھا۔ ایک طاقت ور قبیلہ دوسرے کمزور قبیلہ کو گھر سے بے گھر کر دیتا تھا اور پھر کوئی گرفتار ہو جاتا تو فدیہ دے کر اس کو چھڑا بھی لیتے تھے' قرآن نے کہا۔

﴿ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ (بقرہ: ۱۰)

''پھر تم ہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے اور ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو' ان کے برخلاف گناہ اور ظلم سے مدد کرتے ہو' اور اگر وہ گروہ تمہارے پاس قیدی بن کر آتے تو تم فدیہ دے کر چھڑاتے ہو' حالانکہ ان کا نکالنا تم پر حرام تھا' کیا تم کتاب کے کچھ حکموں کو مانتے اور کچھ کا انکار کرتے ہو۔''

(۲) دوسری چیز مال و دولت کی حرص وطمع تھی۔ اس کی وجہ سے ان میں ہر قسم کا لالچ اور اخلاقی کمزوری پیدا ہو گئی تھی کسی بڑے کام کی خاطر وہ اپنی راحت و آرام اور جسم و جان کو قربان نہیں کر سکتے تھے۔

﴿وَ لَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ وَّ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ (بقرہ: ۱۱)

''ان کو سب لوگوں سے زیادہ زندگی کا لالچی پاؤ گے مشرکوں سے بھی زیادہ' ان میں ایک ایک چاہتا ہے کہ اس کو ہزار برس کی زندگی ملے۔''

عربوں کے ساتھ ان کے لین دین کے تجارتی تعلقات قائم تھے' مگر وہ سخت نادہند تھے اور سمجھتے تھے کہ عربوں کے ساتھ جس قدر سختی اور بددیانتی کا برتاؤ کیا جائے وہ مذہباً منع نہیں' قرآن نے اس معاملہ میں عیسائی اہل کتاب کی تعریف کے بعد اسرائیلی اہل کتاب کی نسبت فرمایا۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ وَ يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ (آل عمران: ۸)

''کتاب والوں میں بعض ایسے ہیں کہ اگر ان کو ایک دینار بھی امانت رکھنے کے لیے دو' وہ تم کو اس وقت تک واپس نہ دیں جب تک تم ان کے سر پر کھڑے نہ رہو اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان جاہل عربوں کا ہم پر حق نہیں' اور وہ جان بوجھ کر خدا پر جھوٹ بولتے ہیں۔''

توراۃ میں ''اپنے بھائی'' کے علاوہ ''اجنبی'' سے سود لینے کی اجازت کا مطلب وہ یہ لیتے تھے کہ یہود' یہود سے نہ لیں اور اہل عرب جو یہود نہ تھے' ان سے بھاری بھاری شرح سود وصول کرنا جائز سمجھتے تھے اور تعجب پر تعجب یہ تھا کہ ان کے علماء ان کو اس سے باز نہیں رکھتے تھے' اس حرام خوری اور ان کے علماء کی اس خاموشی پر ان کو قرآن نے بار بار ٹوکا۔

﴿وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ

''اور ان میں سے بہتوں کو تو دیکھے گا کہ وہ گناہ اور ظلم کرنے میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے کرتوت کتنے برے ہیں' ان

Marfat.com

قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ (مائدہ:۹ ۱)

کے درویش اور عالم گناہ کی بات بولنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں باز رکھتے ان کے کام درحقیقت کتنے خراب ہیں۔''

﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ﴾ (مائدہ:٦)

''جھوٹ کو سننے والے اور حرام کو کھانے والے ہیں۔''

﴿وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ﴾ (نساء: ۲۲)

''اور ان کے سود لینے کے سبب' حالانکہ وہ اس سے روکے گئے تھے اور لوگوں کا مال ناجائز طریقوں سے کھا جانے کی وجہ سے۔''

اسی لیے وہ تورات کی آیتوں میں تحریف اور ان کے معنوں میں تاویل کر کے ایسے فقہی حیلے تراشتے تھے کہ ان سے ہر حکم کو اپنے مطلب کے مطابق بنالیتے تھے' خدا نے فرمایا۔

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰاةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ (مائدہ:۷)

''ہم نے توراۃ اتاری جس میں ہدایت اور روشنی ہے اسی کے مطابق نبی جو تابعدار تھے یہودیوں کا فیصلہ کرتے تھے' ان کے درویش و عالم بھی خدا کی کتاب کے جن حصوں کو انہوں نے بچار کھا تھا ان میں سے فیصلہ کرتے۔''

اس کے بعد اس کے احکام کے اجراء اور خاص کر قصاص کا ذکر کیا اور فرمایا۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (مائدہ:۷)

''اور جو خدا کے اتارے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں۔''

ان میں مشرکانہ بت پرستی کے بھی بعض اثرات پیدا ہو گئے' وہ جبت اور طاغوت کی پرستش میں مبتلا تھے' قرآن ان کو خطاب کر کے کہتا ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ ...... اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (نساء: ۷)

''اے کتاب والو! ہم نے جو اتارا وہ تمہاری کتاب کی تصدیق کرتا ہے اس پر ایمان لاؤ...... بے شک خدا شرک کو معاف نہیں کرتا اور اس کے سوا جس کو چاہے معاف کر دے۔''

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا﴾ (نساء: ۸)

''کیا تو نے ان کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا' وہ بتوں اور شیطانوں پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کافر مسلمانوں سے زیادہ صحیح راستہ پر ہیں۔''

اوہام و خرافات پر ان کا ایمان تھا۔ تعویذ' گنڈا' جادو اور عملیات پر فریفتہ تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ حضرت سلیمانؑ کی

Marfat.com

تعلیم ہے۔(بقرہ ۱۲) لبید اعصم وغیرہ مدینہ میں بہت سے عامل تھے جو کنگھیوں اور بالوں میں منتر پڑھ کے پھونکتے تھے۔(۱)

عرب سے باہر یہودی یونانیوں اور رومیوں کی حکومتوں میں یورپ افریقہ اور ایشیا کے مختلف ملکوں اور شہروں میں اس طرح پراگندہ اور منتشر تھے کہ عرب سے باہر دنیا کی قوموں میں ان کا کوئی شمار نہ تھا' عرب کے اندر جو یہود زمانہ دراز سے آباد تھے ان کا بڑا شغل زراعت اور تجارت تھا' سودی کاروبار کرتے تھے' غریب عربوں کو اپنے گراں شرح سود اور قرضوں کے بار میں اس طرح دبائے تھے کہ ان کی حالت ان کے سامنے غلاموں کی سی تھی' اس سلسلہ میں صرف ایک واقعہ کا ذکر پوری حالت کے اندازہ کے لیے کافی ہوگا۔

محمدؓ بن مسلمہ انصاری اور ان کے رفقاء جو مدینہ کے یہودی سردار کعب بن اشرف کے قتل پر مامور ہوئے تھے' وہ اس سے ملنے اور بات چیت کرنے گئے' انہوں نے اس سے کہا۔ اے کعب! اس شخص (محمد رسول ﷺ) نے تو صدقہ وصول کر کے ہم کو دق کر ڈالا' اب میں تم سے کچھ قرض لینے آیا ہوں۔ اس نے کہا خدا کی قسم! مجھے معلوم تھا کہ تم اس سے آخر بیزار ہو جاؤ گے'(۲) انہوں نے کہا کہ میں نے اس کی پیروی اختیار کی ہے لیکن میں اس کو چھوڑنا نہیں چاہتا' انتظار ہے کہ معاملہ کی صورت کس رخ پلٹتی ہے میں تم سے کچھ غلہ قرض لینے آیا ہوں' اس نے کہا مگر تم کفالت میں کیا چیز رہن رکھو گے' انہوں نے کہا تم بتاؤ کیا چاہتے ہو' اس نے کہا اپنی بیویاں گروی رکھو' انہوں نے جواب دیا ہم اپنی بیویاں کیسے گروی رکھ سکتے ہیں کہ تمام عرب میں تمہارے حسن کا جواب نہیں' بولا اچھا تو اپنے لڑکوں کو گروی رکھو' کہا ہم اپنے لڑکوں کو کیسے گروی رکھیں' ان کی کوئی بے عزتی نہ کرے یہ ہمارے لیے بڑی شرم کی بات ہے' ہاں اپنے ہتھیار گروی رکھ سکتے ہیں۔(۳)

اس سوال و جواب سے اندازہ ہوگا کہ یہود کی اخلاقی حالت کتنی پست اور ذلیل ہو چکی تھی کوئی غیر عورت اگر ان کے بازار کی طرف جا نکلتی تو اس کی عزت بچنی مشکل ہو جاتی۔(۴) کسی بچہ کو معمولی سے زیور کے لالچ میں موقع پاتے تو بیدردی سے قتل کر کے زیور اتار لیتے۔(۵) علماء اور پیشوایان دین کی وہی کیفیت تھی' جس کا ماتم اس وقت سے چھ سو برس پیشتر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا' لفظی موشگافیوں اور ظاہری دینداری کے سوا روح و اخلاق کا جوہر ان سے کھو گیا تھا' اسلام جو ابراہیم حنیف کے ترانہ توحید اور طور کی صدائے غیبی کی آواز بازگشت تھا' وہ ان کے نزدیک عرب کے بت پرستوں کے جاہلانہ مذہب سے زیادہ برا تھا وہ کہتے تھے' کہ ''ان سلمانوں سے یہ مشرک زیادہ راہ راست پر ہیں(۶) اسلام کی اس مصالحانہ دعوت۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد دوم کتاب الطب باب السحر ص ۸۵۷۔

(۲) صحیح بخاری جلد دوم قتل کعب بن اشرف ص ۵۷۶۔

(۳) دیکھو کتب سیر میں غزوہ بنی نضیر کے اسباب۔

(۴) صحیح بخاری جلد دوم باب من اقاد بحجر ص ۱۰۱۶۔

(۵) نساء ۸۔ (۶) سیرت ابن ہشام ذکر بیعت عقبہ۔

Marfat.com

﴿يَاۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (آل عمران : ۷)

''اے کتاب والو! آ ؤ اس ایک بات پر ہم سب متحد ہو جائیں جو ہم میں تم میں مشترک ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کو اپنا معبود نہ بنائیں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ ہم خدا کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو اپنا رب بنائیں۔''

میں بھی عداوت اور دشمنی ہی کی جھلک دکھائی دیتی تھی اس لیے مدینہ میں اسلام کی صلح کی ہر کوشش کو وہ ٹھکراتے رہے کیونکہ روحانی عظمت کے مقابلے میں اس دعوت کے قبول میں ان کو اپنی قومی و مالی وتجارتی عظمت کی بربادی نظر آتی تھی۔

عیسائیوں کی نقل میں وہ بھی عزیر (عزرا) کو خدا کا بیٹا کہتے تھے ﴿وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِۨ ابْنُ اللّٰهِ﴾ (توبہ ۵) اپنی دولت وثروت کے غرور میں وہ کہتے تھے ﴿يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ﴾ (مائدہ: ۶۴) خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔'' قرآن کی دعوت کے جواب میں کہتے تھے کہ ہم پر اس دعوت کا اثر نہیں ہوسکتا کہ ہمارے دل نامختون ہیں ﴿وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ﴾ (بقرہ: ۸۸) ان فقروں سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ اب دنیا میں نیابت الٰہی کے منصب کے قابل نہیں رہے تھے۔

عرب کے باہر یہودیوں کی پراگندہ ٹولیاں مختلف سلطنتوں کے سایہ میں پناہ گزین تھیں' ان کا مذہبی مرکز ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا' سیاسی اہمیت وہ مدت ہوئی کہ کھو چکے تھے' ان کے مذہبی فرقوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی جن میں باہمی عداوت قائم تھی اور اس وقت سے چھ سو برس پہلے کی طرح بنی اسرائیل اب پھر ایک نبی اعظم کی بعثت کا بے تابانہ انتظار کر رہے تھے (بقرہ: ۱۱) خود عرب میں یہود اس وقت اسی نبی کے جلد پیدا ہونے کی بشارت کا اپنی مجلسوں میں تذکرہ کرتے رہتے تھے جس کی پیشین گوئیوں سے توراۃ کے صحیفے بھرے تھے اور ان ہی سے سن سن کر یثرب کے اوس وخزرج ایک نبی کی آمد پیشین گوئی سے باخبر تھے۔

دنیا کی ان مختلف قوموں کے حالات پر ایک اجمالی نظر ڈالنے کے بعد ضرورت ہے کہ اس قوم کے حالات پر ایک تفصیلی نظر ڈالی جائے' جس کے وطن کے افق سے نبوت کی صبح سعادت طلوع ہونے والی تھی۔

ظہور اسلام کے وقت عرب کی مذہبی واخلاقی حالت

یمن میں جب وہ مشہور سیلاب آیا جس کی بلندی سطح زمین سے ایک سو بیس فٹ تھی تو اس کا پائے تخت مآرب اور اس کے اضلاع دفعۃً برباد ہو گئے' یہ دوسری صدی عیسوی کا واقعہ ہے'[1] قرآن مجید نے اسی سیلاب کو سیل عرم کہا ہے' اس سیلاب کا ایک یہ نتیجہ ہوا کہ آٹھ بڑے بڑے خاندان جلاوطن ہو کر ادھر ادھر نکل گئے جس سے نظام سلطنت

(۱) اس بند کے انہدام کی تاریخ کی تعیین مشکل ہے اور اسی لیے اس کی تعیین میں کئی نظریے ہیں' ایک اس کو دوسری صدی عیسوی کا واقعہ بتاتا ہے تو دوسرا پانچویں صدی عیسوی کا' اصلیت معلوم ہوتی ہے کہ اس بند کے مختلف حصے مختلف زمانوں میں منہدم ہوتے رہے اور بنتے رہے آخری دفعہ پانچویں صدی عیسوی میں بالکل برباد ہو گیا۔ (سلیمان)

Marfat.com

میں ضعف آ گیا' چھٹی صدی عیسوی میں یہاں کے فرماں روا ذونواس سے جو مذہباً یہودی تھا رعایا نے بغاوت کی اور شاہ حبش سے اعانت چاہی اس نے ۵۰۹ء میں ایک فوج بھیجی جس نے ذونواس کو معزول کر دیا اور اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا' ۶۰۳ء میں قبیلہ حمیر کے ایک باحوصلہ شخص ذویزن نے فارس کی مدد سے اپنا ملک واپس لیا' لیکن چند روز کے بعد وہ قتل کر دیا گیا' اور یمن شاہنشاہی فارس کا ایک معمولی صوبہ رہ گیا۔

جو قبیلے یمن سے نکلے' ان میں سے ایک نے دوسری صدی عیسوی میں حیرہ میں جہاں اب کوفہ آباد ہے ایک سلطنت قائم کی لیکن وہ فارس کے زیر اثر اور مذہبی خیالات میں مجوس سے متاثر تھی' دوسرا قبیلہ شام میں جا کر آباد ہوا جو غسانی خاندان کہلاتا ہے'[1] چونکہ یہ خاندان رومیوں کے زیر اثر تھا' اس لیے رفتہ رفتہ عیسائی ہو گیا' اور اسلام کے زمانہ تک عیسائی رہا۔

غرض عرب کے اصلی تمدن پر بیرونی اثر جو کچھ پڑا تھا وہ مجوسیت یا نصرانیت کا تھا' یہودی معتقدات اور خیالات کا اثر بھی بہت کچھ تھا' جس کی وجہ یہ تھی کہ عرب کا ایک بڑا حصہ یعنی وادی القریٰ اور خیبر و فدک تمام تر یہودی آبادیاں تھیں اور خود مدینہ میں یہودی ہی صاحب اقتدار اور صاحب حکومت تھے' باقی تمام ملک میں مشرکانہ رسوم جاری اور جاہلانہ مذاہب پھیلے تھے' لوگ بتوں' پتھروں' درختوں' ستاروں' فرشتوں اور جنوں کی پرستش کرتے تھے۔

خدا کا اعتقاد:

تاہم اس میں شبہ نہیں کہ عرب زمانہ دراز سے ایک خدائے برتر پر اعتقاد رکھتے تھے' آج کل عرب کے جو قدیم کتبات دستیاب ہوئے ہیں اس پر اللہ کا لفظ خدا کے معنی میں لکھا ہوا ہے البتہ اس کا املا اللہ نہیں بلکہ ھلہ ہے' عرب شمال کے عرب جو نباتی کہلاتے ہیں ان کے ناموں کے ساتھ اللہ کا لفظ بھی شامل ہوتا تھا مثلاً زید اللہی عبد اللہی۔[2] خود قرآن مجید میں خدا کفار کی نسبت کہتا ہے۔

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ (لقمان: ۲۵)

''اور جو تم ان سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو بول اٹھیں گے کہ خدا نے' تم کہو کہ خدا کا شکر ہے۔''

یہ اصل میں حضرت ابراہیم کی تعلیم تھی' لیکن رفتہ رفتہ شرک کا اعتقاد پیدا ہوا' یعنی یہ کہ خدائے اعظم کے سوا اور بھی چھوٹے چھوٹے خدا ہیں گو اللہ ان سب میں بڑا ہے' یہ اعتقاد اس قدر راسخ ہو گیا کہ معبودوں کے انکار سے اسی قدر رنج ہوتا تھا جس قدر خود خدا کے انکار سے ہو سکتا تھا بلکہ چونکہ ان کے نزدیک دنیا کا کاروبار اور روزمرہ کی ضرورتیں ان ہی چھوٹے چھوٹے خداؤں سے انجام پاتی تھیں اور کام اکثر ان ہی خداؤں سے پڑتا تھا اس لیے اللہ کا خیال کچھ یونہی سا رہ گیا تھا' ان ہی خداؤں کی پرستش کرتے تھے' ان ہی پر قربانی چڑھاتے تھے' ان ہی سے حاجتیں مانگتے تھے' اللہ تو زمین و آسمان بنا کر بے کار سا ہو چکا تھا' جو کچھ کرتے تھے یہی خدایان اصغر کرتے تھے' یہی سبب تھا کہ کوئی شخص اللہ کا

---

[1] اکثر علمائے اسباب کا بیان ہے کہ یہ قبائل یمن سے آئے تھے لیکن میں نے ارض القرآن میں بدلائل اس سے اختلاف کیا ہے (سلیمان)

[2] مذاہب و اخلاق کی انسائیکلو پیڈیا ج اول ص ۳۷۲ بحوالہ پروفیسر نولدیکی۔

Marfat.com

خالی نام لیتا تھا تو لوگ بہت کبیدہ ہوتے تھے۔

﴿وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ (زمر:۵)

''اور جب خالی اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو یہ لوگ جو قیامت کے معتقد نہیں ہیں ناک بھوں چڑھاتے ہیں لیکن جب خدا کے سوا اوروں (معبودوں) کا بھی ذکر کیا جائے تو دفعۃً وہ کھل جاتے ہیں۔''

اور سمجھتے تھے کہ ان چھوٹے معبودوں کی نذر و نیاز و قربانی سے خدا خوش ہوگا اور وہ اس کے دربار میں سفارش کریں گے چنانچہ وہ کہتے تھے۔

﴿مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (زمر:۱)

''اور ہم ان بتوں کو اس لیے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا کے قریب کردیں۔''

ملائکہ کی الوہیت:

شرک کے علاوہ خدائے اعظم کی نسبت یہ مانتے تھے کہ اس کے بال بچے بھی ہیں چنانچہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَايُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى﴾ (نجم : ۲) ﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَ لَهُ الْاُنْثٰى تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى﴾ (نجم: ۱)

''جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں' تمہارے تو لڑکے ہوں اور خدا کے لڑکیاں یہ تو کچھ اچھی تقسیم نہیں۔''

اس لیے جس طرح بعض یہود حضرت عزیرؑ کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی کا مستحق سمجھتے تھے وہ فرشتوں کو خدا کی اولاد سمجھ کر ان کی الوہیت کے بھی قائل تھے۔

﴿وَ لَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَ النَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا﴾ (آل عمران:۸)

''اور نہ خدا تم کو اس کا حکم دیتا ہے کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا ٹھہراؤ۔''

﴿وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ......وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَ يُسْئَلُوْنَ وَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ﴾ (زحرف : ۱.۲)

''اور ان مشرکوں نے خدا کے بندوں میں سے خدا کا ایک حصہ بنایا' بے شک انسان کھلا نافرمان ہے' کیا خدا جو پیدا کرتا ہے وہ اپنے لیے لڑکیاں لے اور تم کو لڑکے دے کر عزت دے......اور ان مشرکوں نے فرشتوں کو جو رحمت والے خدا کے بندے ہیں' لڑکیاں قرار دیا' کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے ان کی گواہی لکھی اور باز پرس کی جائے گی اور کہتے ہیں کہ اگر خدا نہ چاہتا تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے۔''

﴿فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنٰتُ وَ لَهُمُ الْبَنُوْنَ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّ هُمْ شٰهِدُوْنَ اَلَآ اِنَّهُمْ

''تو ان سے پوچھو کہ کیا تیرے رب کی لڑکیاں ہوں اور ان کے لڑکے ہوں' کیا ہم نے فرشتوں کو لڑکیاں پیدا

Marfat.com

﴿مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ وَلَدَ اللّٰهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ (صفت : ۵) کیا اور وہ حاضر تھے ہاں یہ ان مشرکوں کی بناوٹ ہے وہ کہتے ہیں کہ خدا کے اولاد ہوئی اور وہ جھوٹے ہیں۔‘‘

ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ یہ فرشتے خدا کے ہاں اپنے پرستاروں کے سفارشی بنیں گے' خدا نے اس کی تردید میں کہا۔

﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا﴾ (الآیۃ : نجم : ۲) ’’اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں کہ ان کی سفارش خدا کی اجازت کے بغیر کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔‘‘

قیامت میں فرشتوں سے پرسش ہوگی کہ یہ مشرک تمہاری پوجا کرتے تھے۔

﴿ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ﴾ (سبا: ۵) ’’پھر خدا فرشتوں سے کہے گا کہ کیا یہ انسان تم ہی کو پوجتے تھے۔‘‘

جنات کی الوہیت،

فرشتوں کی طرح وہ جنات کو بھی خدا کا عزیز و قریب سمجھتے تھے اور خدا کے ان سے رشتے لگاتے تھے۔

﴿وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا﴾ (صفت:۵) ’’اور مشرکوں نے خدا اور جنوں کے درمیان رشتہ داری بنائی۔‘‘

اسی لیے وہ جنات کو خدا کی خدائی میں شریک کرتے تھے۔

﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَ خَلَقَهُمْ وَ خَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (انعام : ۲) ’’انہوں نے جنوں کو خدا کا شریک بنایا اور وہ خدا کی مخلوق ہیں اور بن جانے خدا کیلئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑیں۔‘‘

اور جب وہ خدا کے رشتہ دار اور خدائی کے شریک ٹھہرے تو ان کی عبادت اور پرستش بھی ضروری ہوئی' چنانچہ جاہلیت میں اہل عرب ان جنوں کی بھی پوجا کرتے تھے'[1] ﴿بل كانوا يعبدون الجن اكثرهم بهم مومنون﴾ بلکہ یہ جن کو پوجتے تھے اور ان میں اکثر انہی پر ایمان رکھتے تھے' مسافر جب راستہ میں کہیں قیام کرتے تھے تو پہلے وہاں کے جنوں کی دہائی پکار لیتے تھے' قرآن میں ہے ﴿و انه كان رجال من الانس يعوذون برجال من الجن فزادوهم رهقا﴾ (جن) اور بات یہ تھی کہ کچھ انسان بعض جنوں کی دہائی پکارا کرتے تھے اور انہوں نے ان کو اور مغرور بنا دیا۔ چنانچہ بعض خوفناک مقامات میں خاص طور سے ان کے نام کی قربانی کی جاتی تھی' ان میں سے ایک مشہور مقام دراہم تھا۔ جہاں کے رہنے والے جنوں (مکان الدراہم) جانور ذبح کر کے چڑھائے جاتے تھے تاکہ قربانی کرنے والے ان کی شرارت سے محفوظ رہیں۔[2] قبیلہ خزاعہ کی شاخ بنو ملیح خاص طور سے جنوں کی پوجا کرتی تھی اور کلبی کا بیان ہے کہ انہیں کے متعلق یہ آیت اتری ہے۔[3]

---

(۱) صحیح مسلم کتاب التفسیر۔

(۲) لسان العرب لفظ ’’سکن‘‘

(۳) کتاب الاصنام ہشام الکلبی مطبوعہ مصر ص ۳۴

Marfat.com

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ (اعراف : ۲۴) ''خدا کو چھوڑ کو پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح بندے ہیں۔''

بت پرستی:

جن خداؤں کو یہ لوگ مانتے تھے' ان کے بت بنا لیے تھے اور جا بجا عظیم الشان بت کدے قائم ہو گئے تھے' یہ رواج اس قدر عام ہو گیا تھا کہ جہاں کوئی خوب صورت پتھر مل گیا' اٹھا لیا اور اس کی پرستش شروع کر دی اس سے زیادہ خوب صورت مل گیا تو اس کو پھینک دیا اور اس کی پرستش کرنے لگے' جہاں کوئی پتھر نہ ہاتھ آیا' خاک کا ایک تودہ بنا لیا' ایک بکری لا کر اس کا دودھ اس پر دوہا' پھر اس کے گرد طواف کیا' اور اب وہ ایک معبود بن جاتا تھا' چنانچہ صحیح بخاری کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفہ میں یہ پوری تفصیل مذکور ہے۔

اس بت پرستی کی ابتدا یوں ہوئی کہ قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص جس کا نام عمرو بن لحی تھا اور جو قبیلہ جرہم کو شکست دے کر کعبہ کا متولی بن گیا تھا' ایک دفعہ بلقاء گیا۔ وہاں لوگوں کو بت پرست دیکھ کر بت پرستی کی طرف مائل ہوا اور وہیں سے ایک بت لا کر کعبہ میں نصب کیا' چونکہ اس کا اثر تمام عرب پر تھا۔ اس لیے تمام عرب نے بت پرستی قبول کر لی اور گھر گھر بت خانے بن گئے' ان میں ہبل سب سے بڑا تھا۔ اس سے اتر کر منات' لات اور عزیٰ تھے۔

منات مدینہ منورہ سے سات میل پر تھا' انصار کے قبیلے یعنی اوس و خزرج اور آس پاس کے اور قبائل اسی کا حج کرتے تھے کعبہ کا حج بھی جب یہ لوگ کرتے تھے تو احرام یہیں آ کر اتارتے تھے حلفیہ معاہدے بھی یہیں ہوتے تھے' عبدالعزیٰ مزنی کہتا ہے۔[1]

انی حلفت یمین صدق برة بمنات عند محل آل الخزرج. ''میں نے مناۃ کی سچی قسم کھائی۔ اہل خزرج کے احرام اتارنے کی جگہ کے پاس۔''

لات قبیلہ ثقیف کا معبود تھا جو مقام طائف میں نصب تھا۔ اہل طائف اس کو کعبہ کے برابر تسلیم کرتے تھے۔

عزیٰ ایک درخت تھا۔ اس کے پاس ایک بت تھا۔ یہ قبیلہ غطفان کا بت تھا لیکن قریش بھی اس کی نہایت عزت کرتے تھے اور اس کی زیارت کو جاتے تھے۔ قریش جب کعبہ کا طواف کرتے تھے تو یہ پڑھتے تھے۔[2]

وَاللَّاتَ وَالْعُزّٰى وَ مَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى اِنَّهُنَّ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَ اِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى. ''لات' عزیٰ اور تیسرا مناۃ یہ بڑے برگزیدہ ہیں اور ان کی سفارش کی خدا کے ہاں امید ہے۔''

بت پرستی نے رفتہ رفتہ اور بہت سی برائیاں پیدا کر دیں' جانوروں سے گزر کر انسانوں کی قربانیاں ان پر چڑھائی جانے لگیں آنحضرت ﷺ کے جد امجد عبدالمطلب نے اپنے صاحبزادے (عبداللہ) کی قربانی کرنی چاہی تھی' وہ اسی کہنہ رسم کی تقلید تھی۔

بحیرہ' سائبہ' حام کے نام سے بتوں کے نام پر سانڈ چھوڑتے تھے کعبہ کے سامنے جو قربانی کرتے تھے' اس

(۱) یہ پوری تفصیل معجم البلدان لفظ مناۃ میں ہے۔

(۲) معجم البلدان لفظ لات و کتاب الاصنام للکلبی مطبوعہ دار الکتب المصریہ ۱۳۴۳ھ ص ۱۹۔

Marfat.com

خون کعبہ کی دیواروں پر ملتے تھے[1] بتوں کے سامنے شگون کے تیر رہتے تھے ان میں سے ایک پر "ہاں" ایک پر "ناں" لکھا رہتا تھا جو کام کرنا چاہتے پجاری سے کہتے کہ فال نکالے "ہاں" کا تیر نکلتا تو اس کام کو کرتے ورنہ باز رہتے۔

جاہلیت میں جن چیزوں کی پرستش کی جاتی تھی وہ مختلف قسم کی تھیں' اصنام واوثان' انصاب اور بیوت (اصنام و اوثان جن کا واحد صنم اور وثن ہے یہ انسانی شکل وصورت کے بت تھے اگر وہ لکڑی کے ہوتے تو بغیم کہلاتے اور اگر رنگ اور مسالہ سے بنتے تو ان کو دمیہ کہتے اور انصاب اور نصب بن گھڑے پتھر ہوتے تھے جن کو کھڑا کر کے ان پر چڑھاوے چڑھاتے اور جانور ذبح کرتے تھے' بیوت جس کا واحد بیت ہے چند گھر تھے جیسے رضا' رمام' قلیس وغیرہ جن میں بت پرستانہ رسوم ادا کیے جاتے تھے' جن بتوں کے اردگرد چکر لگاتے تھے' ان کو دوار کہتے تھے اور ان پر جو قربانی کی جاتی تھی' اس کو عتیرہ کہتے تھے' پتھروں کا ڈھیر لگا کر اس کے چاروں طرف چکر لگاتے تھے اس ڈھیر کو رجمہ کہتے تھے' جاہلی شاعر کہتا ہے۔

کما طاف بالرجمة المترتجم. "جیسے پتھروں کے ڈھیر کا طواف کرنے والا طواف کرے۔"[2]

جن بتوں کی پرستش کی جاتی تھی' ان کی کوئی انتہا نہ تھی۔

قبیلہ قبیلہ کا اک بت جدا تھا

خاص خانہ کعبہ اور اس کے اطراف میں تین سو ساٹھ بت تھے'[3] ان میں سے قرآن پاک میں جن کے نام بتائے گئے ہیں وہ یہ ہیں۔ لات' عزیٰ' مناۃ' یغوث' یعوق' نسر' ود' سواع' بعل' لیکن جاہلیت کے پرانے مؤرخوں اور لغت نویسوں نے جاہلیت کے شخصی ناموں اور شعراء کے اشعار سے بہت سے نام ذکر کیے ہیں' ہشام کلبی کی کتاب الاصنام میں جو اس موضوع پر پہلی کتاب ہے اور جو اب مصر میں چھپ بھی گئی ہے تقریباً تیس بتوں کے نام ہیں' علامہ ذکی پاشا جنہوں نے کلبی کی اس کتاب کو ۱۳۴۳ھ ۱۹۲۴ء میں تحشیہ اور تکملہ کے بعد شائع کیا ہے' اب تکملہ میں چھیالیس نام اور بڑھائے ہیں' یمن اور حجاز میں آثار قدیمہ کے محققوں نے عہد جاہلیت کے جو کتبے پڑھے ہیں' ان میں المقہ' عشتار' نکرہ' قینان وغیرہ بہت سے اور ناموں کا پتہ لگایا ہے' میں نے ارض القرآن کی دوسری جلد میں جو ۱۳۳۶ھ ۱۹۱۸ء میں چھپی ہے' ان معلومات کو یکجا کر دیا ہے۔

ذیل میں ہم ان بتوں کی فہرست درج کرتے ہیں جن کے نام اب تک معلوم ہو چکے ہیں۔

بتوں کے نام	قبیلوں کے نام جو ان کو خاص طور سے پوجتے تھے
لات	ثقیف۔
عزیٰ	قریش و بنوشیبان بن جابر۔

(۱) نیل المرام فی تفسیر آیات الاحکام ص ۱۱۰' ۱۱۱۔

(۲) ان الفاظ کے لیے دیکھو لسان العرب۔

(۳) صحیح بخاری باب فتح مکہ۔

Marfat.com

مناۃ	اوس وخزرج اور عام عرب۔
یغوث	بنومدحج واہل جرش۔
یعوق	بنوہمدان واہل خیوان۔
نسر	حمیر۔
ود	بنوکلب۔
سواع	بنولحیان۔
اساف	بت، جس پر حج میں قربانی ہوتی تھی۔
نائلہ	بت، جس پر حج میں قربانی ہوتی تھی۔
اقصیر	قضاعہ ولخم وجذام وعاملہ وغطفان۔
باجر	ازدوطی وقضاعہ۔
ذوالخلصہ	بنوامامہ، خثعم، بجالہ، ازوالسراۃ۔
رضا، یارضی	بنوربیعہ کابت خانہ
رمام	حمیر کابت خانہ
سبحہ	
سعد	بنی لمکان بن کنانہ
سیعر	عنزہ
ذوالشریٰ	بنوحارث
عائم	ازدالسراۃ
عم انس (یا) عمیانس	خولان
قلس	طی
ذوالکفین	بنودوس
مناف	قریش
نہم	مزنیہ
ہبل	قریش
بعل	قبائل بنی عدنان
یعبوب	حدیلہ (بنی طی)
اشہل	بنوعبدالاشہل
اوال	بکروتغلب

Marfat.com

بس — غطفان کا بت خانہ
بعیم — ایک لکڑی کا بت
بلج — ایک بت۔
جبہ — ایک بت۔
جریش یا حریش — ایک بت جس کی طرف عبد جریش کی نسبت ہے۔
جلسد — ایک بت کا نام۔
جہار — ہوازن کا معبود۔
دار — بنو عبد الدار۔
دوار — ایک بت کا نام
ذوالرجل — حجاز کا ایک بت
شارق — ایک بت کا نام جس کی طرف عبد الشارق کی نسبت ہے۔
شمس — بنو عبد شمس
صدا — عاد کا بت
صمودا — عاد کا بت
ضمار — عباس بن مرداس سلمی کا قبیلہ
ضیزن — منذر اکبر
عبعب — قضاعہ
عوض — بکر بن وائل
عوف — ایک بت کا نام
غبغب — اس پر جانور ذبح کیے جاتے تھے۔
فراض — سعد العشیرہ
کثریٰ — جدیس وطسم
کسعہ — ایک بت کا نام
محرق — بکر بن وائل
مدان — عبد المدان
مرحب — حضرموت
منہب — ایک بت کا نام
ہبا — عاد

Marfat.com

ذات الوداع — ایک بت کا نام

یالیل — عبد یالیل

ستارہ پرستی:

عرب میں ستارہ پرستوں کا بھی ایک گروہ تھا' مختلف قبیلے مختلف ستاروں کی پوجا کرتے تھے' ان میں سب سے اہم سورج اور چاند تھے اسی لیے قرآن پاک نے خصوصیت کے ساتھ کہا۔

﴿لا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ﴾ (حم سجدہ : ۵) ''نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو۔''

یمن میں سبا کی قوم سورج ہی کو دیبی مانتی تھی (نحل : ۳) یمن کے بادشاہ شمر لیرعش نے سورج دیبی کا مندر بنوایا تھا۔ (۱) سورج اور چاند کے بعد ستاروں میں شعریٰ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ اسی لیے قرآن پاک نے کہا۔

﴿وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی﴾ (النجم : ۱) ''اور وہی خدا شعریٰ کا مالک ہے۔''

صاعد اندلسی المتوفی ۴۶۲ھ نے اپنی کتاب طبقات الامم میں عرب کے حسب ذیل قبیلوں کو مختلف ستاروں کا پرستار بتایا ہے

قبیلہ حمیر سورج کو پوجتا تھا' کنانہ چاند کو' تمیم و بران کو' لخم اور خدا مشتری کو' طی سہیل کو قیس شعری العبور کو اسد عطارد کو۔ (۲)

جن اور شیاطین اور بھوت پلیت:

جن اور شیطان کی نسبت عرب کے عجیب عجیب اعتقاد تھے وہ جن شیطان اور بھوت پلیت سب کو ایک ہی جنس سمجھتے تھے' گو اختلاف صورت اور اشغال کی وجہ سے ان کے الگ الگ نام پڑ گئے تھے جو اجنہ جنگلوں اور میدانوں میں رہتے تھے اور مسافروں کو اپنی صورتیں یا لباس بدل بدل کر دھوکا دیتے تھے' ان کا نام غول تھا' یہ مذکر بھی ہوتے تھے اور مؤنث بھی۔

عبید بن ایوب الغیری۔

و غولا قفرة ذكر و انثى كان عليهما قطع البجاد. ''اور بیابان کے دو غول' مرد بھی اور عورت بھی' گویا کہ ان دونوں پر کمل کے ٹکڑے پڑے ہیں۔''

مؤنث کو سعلاۃ کہتے تھے۔

ازل و سعلاة و غول بقفرة اذا الليل و ارى الجن فيه ارنت. ''میں پھسلتا ہوں اور چڑیل اور غول بیابان میں جب رات پردہ پوش ہوتی تھی تو اس میں آواز دیتے تھے۔''

---

(۱) تاریخ الملوک الارض حمزہ اصفہانی ص ۱۱۱ کلکتہ۔

(۲) طبقات الامم قاضی صاعد اندلسی ص ۴۳ بیروت۔

Marfat.com

عمرو بن یربوع ایک ممتاز شخص تھا اس نے سعلاۃ سے نکاح بھی کیا تھا اور اس سے اولاد بھی ہوتی تھی‘ راجز کہتا ہے۔

یا قاتل اللہ بنی السعلاۃ. ”خدا سعلاۃ کے فرزندوں کو مارے۔“

بلقیس ملکہ یمن (ان کے زعم میں) سعلاۃ ہی کے پیٹ سے تھی۔

یہ اکثر گانے گاتے تھے اور اہل عرب ان کے نغموں سے محظوظ ہوتے تھے۔

کم جبت دونک من بھماء مظلمۃ اتیہ ”کتنی اندھیری گھپ راتوں میں! میں نے صحرا کو قطع کیا‘
اذا ما مغنی جنہ سمرا. جب وہاں کے جنات کا مغنی افسانہ گوئی کر رہا تھا۔“

یہ صحرانشین بدؤوں کی صحبتوں میں شریک ہوتے تھے‘ جاڑوں میں جب بدو آگ جلا کر بیٹھتے تھے تو یہ بھی آگ تاپنے کو آ جاتے تھے لیکن جب ان کو کھانے پر بلاتے تھے تو وہ عذر کرتے تھے کہ ہم آدمیوں کی غذا نہیں کھا سکتے۔

اتو اناری فقلت ممنون انتم فقالوا الجن ”وہ لوگ رات کو میرے پاس آئے تو میں نے کہا تم کون ہو‘
قلت عموا ظلاما دعوت الی الطعام انہوں نے کہا ہم جن ہیں‘ میں نے کہا اس تاریکی میں خوش ہو‘
فقال منھم زعیم نحسد الانس الطعاما. میں نے ان کو کھانے کے لیے بلایا تو ان میں سے ایک سردار نے کہا ہم انسانوں کے کھانے پر حسد کرتے ہیں۔“

یہ زیادہ تر جہاں آباد تھے ان موضعوں کے نام بدی‘ بقار اور عبقر تھے۔

ع: جن البدی رواسیا اقدامھا بدی کے جن‘ جن کے قدم جمے تھے

ع: تحت السنور جنتہ البقار زرہوں کے نیچے بقار کے بھوت تھے

ع: علیھن فتیان کجنۃ عبقر اور ان پر شہسوار جوان عبقر کے بھوت معلوم ہوتے تھے

ان کے اقسام حسب ذیل تھے۔

جو آدمیوں کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے‘ ان کو عامر کہتے تھے۔

جو بچوں کو ستاتے تھے‘ ان کا نام روح تھا۔

جو زیادہ شریر تھے ان کو شیطان کہتے تھے۔

اس درجہ سے بڑھ کر جو شریر ہوتا تھا اس کو عفریت کہتے تھے۔

یہ اکثر بچوں اور جوانوں کو اٹھا لے جاتے تھے‘ حضرت علیؓ کے ایک بھائی طالب تھے‘ یہ ان کو اٹھا لے گئے اور پھر ان کا پتہ نہ لگا‘ عمرو بن عدی لخمی جو عرب کا بادشاہ تھا اس کو بھی اٹھا لے گئے لیکن کئی برس کے بعد جذیمہ ابرش کو لا کر دے گئے۔

اسی طرح خرافہ کا قصہ ہے جس کو جن اٹھا لے گئے‘ مدت کے بعد وہ واپس آیا تو عجیب عجیب باتیں بیان کرتا تھا۔(1)

(1) شمائل ترمذی باب السمر۔

Marfat.com

ان اجنہ یا شیاطین سے جن لوگوں کے تعلقات زیادہ بڑھ گئے تھے ان میں سے تابط شرا اور ابوالبلاد طھوی زیادہ مشہور ہیں طھوی نے ایک دفعہ ایک بھوت کو مار ڈالا تھا۔ اس کے واقعات ایک نظم میں لکھے ہیں۔

لقیت الغول تسری فی ظلام فصدت و انتحیت لھا بغضب حسام غیر موتشب یمانی فقد سراتھا و البرد منھا فخرت للیدین و للجوان۔ (۱)

"میں غول بیابانی سے ملا جو رات کو اندھیرے میں چلتے ہیں گواس نے روکا اور میں یمن کی بنی ہوئی اصیل تلوار لے کر اس کی طرف بڑھا تو اس نے اس کے سر کو اور اس کی زرہوں کو کاٹ ڈالا اور وہ دور دونوں ہاتھوں اور سینہ کے بل زمین پر گر پڑا۔"

ان ہی اجنہ اور شیاطین کا زور توڑنے کے لیے قرآن نے قیامت کے اس سوال و جواب کا انداز اختیار کیا کہ ان کے دوست انسان وہاں بھی ان کی دوستی کا دم بھرتے جائیں گے اس سے اندازہ ہوگا کہ جاہل عربوں پر ان کا کس قدر استیلاء تھا۔

﴿یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِاسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ وَ قَالَ اَوْلِیٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ﴾ (انعام : ۱۵)

"اے جنوں کے گروہ! تم نے انسانوں سے بہت کچھ وصول کیا۔ اور ان کے دوست دار انسان بولے اے ہمارے رب! ہم میں سے ایک نے دوسرے کا کام نکالا۔"

کہانت:

کہانت ایک سخت بلا تھی جو تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی ہر جگہ ایک یا کئی کاہن ہوتے تھے جو آئندہ واقعات کی پیشین گوئیاں کرتے اور آسمانی خبریں بتاتے تھے اہل عرب کا اعتقاد اور خود کاہنوں کا دعویٰ تھا کہ ان کے ساتھ ایک ایک جن رہتا ہے (۲) اور وہی ان کو القا کرتا ہے وہ اپنی شکل و صورت بناتے تھے کہ پہچان لیے جاتے تھے چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ کے پاس سے ایک آدمی گزرا انہوں نے قیافہ سے پہچان لیا کہ وہ کاہن ہے اس کو بلا کر پوچھا کہ تیرے جن نے تجھ سب سے عجیب تر بات کیا بیان کی اس نے کہا میں ایک روز بازار میں پھر رہا تھا کہ میرا جن گھبرایا ہوا آیا اور کہا۔

الم ترالی الجن و ابلا سھا و سھا من بعد ان کاسھا و لحو قھا بالقلاص و احلاسھا۔

"کیا تم جن کی سراسیمگی ان کی ناامیدی اور ان کے کاروبار کی ابتری نہیں دیکھتے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا سچ ہے میں ایک روز زمانہ جاہلیت میں بتوں کے پاس سویا ہوا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی نے ایک گوسالہ لا کر ذبح کیا۔ اس کے بعد ایک شخص زور سے چلایا۔

(۱) یہ تمام تفصیل کتاب الحیوان جاحظ سے ماخوذ ہے۔ اس نے کئی ورق میں نہایت تفصیل سے یہ واقعات لکھے ہیں دیکھو کتاب مذکور از ص ۱۴۸ تا صفحہ ۱۸۰ جزششم مطبوعہ مطبع سعادت مصر۔

(۲) کتاب البیان والتبیین للجاحظ جلد اول ص ۱۱۳ مطبوعہ مطبع علمیہ مصر۔

Marfat.com

یا جلیح امر نجیح رجل فصیح یقول لا اله الا الله۔ ''اے جلیح' کامیاب امر' ایک فصیح شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے۔''

اس کے چند ہی دنوں کے بعد آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی'(۱) صحیح بخاری و تفسیر سورۂ والضحیٰ' میں روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کچھ علیل ہو گئے اور دو تین دن رات میں عبادت کے لیے نہیں اٹھے اس پر ایک عورت (یہ ابولہب کی زوجہ تھی) نے آ کر آنحضرت ﷺ سے کہا۔

﴿انی ارجوا ان یکون شیطانک قد ترکک﴾ ''میرا خیال ہے کہ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا۔''

یہ وہی خیال تھا۔ چونکہ کفار آپ کو کاہن خیال کرتے تھے اس لیے ان کا خیال تھا کہ آپ کے ساتھ کوئی جن یا شیطان رہتا ہے' قرآن پاک نے اسی کی تردید اس آیت میں کی ہے۔

﴿هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ﴾ (شعراء : ۱۱) ''کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں؟ شیطان ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں وہ سنی سنائی بات القاء کرتے ہیں وہ اکثر وہ جھوٹے ہوتے ہیں۔''

یہ کاہن تمام مقدمات اور نزاعات کا فیصلہ بھی کرتے تھے اور اس بناء پر تمام ملک پر ان کا اثر چھایا ہوا تھا' ان میں سے حازی' شق' سطیح' عزیٰ بہت مشہور تھے' جاحظ نے ان کے کاہنانہ فقرے کتاب البیان میں نقل کیے ہیں۔

و الارض و السماء و العقاب و الصقعاء واقعة للبقعاء لقد نفر المجد بنی العشراء للمجد و المناء۔ ''قسم ہے زمین اور آسمان کی اور عقاب اور آفتاب کی' ایک واقعہ میدان میں واقع ہوا کہ بزرگی بنو عشرا پر غالب آ گئی بوجہ بڑائی اور بلندی کے۔''

یہ کاہن جو خبریں بتاتے یا تلقین کرتے وہ بڑے تکلف کے مقفیٰ اور مسجع فقرے ہوتے' اس لیے جب ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک ساقط الحمل بچہ کا مقدمہ پیش ہوا اور آپ نے اس کی دیت کا فیصلہ کیا تو ایک شخص نے عرب کے دستور کے مطابق اعتراضاً کہا۔

اریت من لا شرب و لا اکل و لا صاح فاستهل الیس دمه بطل۔ ''غور فرمایئے کہ جس بچے نے کھایا نہ پیا نہ چیخا نہ رویا کیا اس کا خون معاف نہ ہوگا۔''

آپ نے فرمایا یہ کاہنوں کے بھائیوں میں سے ہے (صحیح مسلم دیۃ الجنین و صحیح بخاری باب الکہانۃ) یہ کاہن بت خانوں میں رہتے تھے اور کسی خاص بت کے پجاری ہوتے تھے' جب لوگ ان سے غیب کی باتیں پوچھتے یا خود آئندہ کے متعلق پیش گوئی کرنے لگتے تو ایک خاص کیفیت اپنے اوپر طاری کرتے' مرد بھی کاہن ہوتے تھے اور بعض عورتیں بھی ہوتی تھیں جو کاہنہ کہلاتی تھیں یہ مصیبتوں اور بلاؤں کے دور کرنے کے لیے بت پرستانہ علاج اور تدبیر بتاتے تھے' یہ اپنی کہانت کی اجرت میں بڑی بڑی رقمیں اور نذرانے وصول کرتے تھے۔ اسلام کے بعد ان میں جو

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۴۶۔

Marfat.com

مسلمان ہو گئے تھے وہ علانیہ اپنے خدع وفریب کا اعتراف کرتے تھے۔ (۱) ان کو نذر نیاز اور اجرت کی جو رقم یا تحفہ ملتا اس کا نام حلوان الکاہن تھا۔ یعنی کاہن کا منہ میٹھا کرنے کے لیے تحفہ اسلام نے آ کر اس کو روک دیا۔ (۲)

غرض ان کاہنوں نے عوام فریبی کا بڑا جال پھیلا رکھا تھا اور یہ ان ہی کا اثر تھا کہ ملک کا ملک سینکڑوں قسم کی وہم پرستیوں میں مبتلا ہو گیا تھا۔

شعراء کی نسبت بھی عرب کا یہ خیال تھا کہ ہر شاعر کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے اور وہی اس کو اشعار القاء کرتا ہے۔ چنانچہ مخبل شاعر کی شیطانہ عمرو کی بیٹی تھی اور اعشیٰ جو عرب کا مشہور شاعر تھا اس کے شیطان کا نام مسحل تھا۔ اعشیٰ خود کہتا ہے۔

﴿دعوت خليلي مسحلا و دعواله بجهنام يدعى للهجين المذمم حباني اخي الجني نفسي فداء ه يا قبح جياش العشيات مرجم﴾ (۳)	ترجمہ: ''میں نے اپنے دوست مسحل کو پکارا اور انہوں نے اس کے لیے جہنام کو پکارا اور یہ کمینہ بد اطوار کیلئے بلایا جاتا ہے مجھ کو میرے جن دوست نے میری جان اس پر فدا ہو شاموں کے وقت سب سے بڑے جوش مارنے والا اور سخت پتھراؤ کرنے والے کو دیا۔''

جو اعلیٰ درجہ کا شاعر ہوتا تھا اس کا شیطان یا جن مذکر ہوتا تھا' ابو النجم کہتا ہے۔

انی و كل شاعر من البشر شيطانة انثى و شيطاني ذكر.	''ہر شاعر کا شیطان تو مؤنث ہے مگر میرا شیطان مذکر ہے۔''

شنقنان اور شیصبان' روسائے شیاطین تھے جو شاعری سکھلاتے تھے' ایک شاعر کو اس پر فخر تھا کہ اس کا معلم اسی شیصبان کی اولاد سے ہے۔ (۴)

و لى صاحب من بنى الشيصبان فطور اقول و طوراً هولا.	''میرا ساتھی شیصبان کی اولاد ہے' تو کبھی میں شعر کہتا ہوں کبھی وہ۔''

اوہام پرستی:

سانپ کو قتل نہیں کرتے تھے یہ اعتقاد تھا کہ سانپ مارا جائے' تو اس کا جوڑ آ کر بدلہ لیتا ہے' (۵) یہ اعتقاد تھا کہ مرنے کے بعد روح ایک پرند بن کر اڑتی رہتی ہے اس کو ہامہ کہتے تھے' یہ اعتقاد تھا کہ پیٹ میں ایک سانپ رہتا ہے جو بھوک کے وقت کاٹتا ہے' جو کام کرنا چاہتے تھے پہلے شگون لے لیتے تھے مثلاً اس وقت کوئی پرندہ داہنی جانب سے اڑا تو مبارک سمجھتے تھے اور بائیں جانب سے اڑا تو اس وقت اس کام سے باز رہتے تھے' بکری کے جب بچہ پیدا ہوتا تو اگر نر

(۱) بخاری ج ا ص ۵۴۲ کتاب الطب باب الکہانۃ۔

(۲) صحیح بخاری ج ا ص ۵۴۰ کتاب الطب باب الکہانۃ۔

(۳) اعشیٰ کے دیوان مطبوعہ دیانا ص ۶۵ میں صرف پہلا شعر ہے اور اس کا بھی دوسرا مصرعہ اس طرح ہے جہنام جدعا للهجین المذمم۔

(۴) ابو داؤد مطبوعہ مجتبائی جلد ۲ ص ۳۶۶۔

(۵) یہ باتیں بلوغ العرب اور اطوار العرب وغیرہ کتابوں میں مذکور ہیں۔

Marfat.com

ہوتا تو بت پر چڑھا دیتے' اونٹنی جب دس بچے جن لیتی اس کو چھوڑ دیتے' وہ سانڈ کی طرح چھوٹی پھرتی۔

کسی شخص کے پاس جب اونٹوں کی تعداد ہزار تک پہنچ جاتی تو ایک اونٹ کی ایک آنکھ پھوڑ دیتے کہ نظر نہ لگ جائے جب کبھی قحط پڑتا تو بھیڑ یا دنبہ کی دم میں گھاس پھونس باندھ کر آگ لگا دیتے اور سمجھتے کہ اس سے پانی برسے گا۔ سفر میں جاتے تو کسی درخت میں ڈورا وغیرہ باندھ کر گرہ لگا دیتے' واپس آکر دیکھتے اگر گرہ کھل گئی ہے تو سمجھتے کہ ان کی بیوی نے بدکاری کی' سفر میں راستہ بھول جاتے تو کپڑے الٹ کر پہن لیتے اور سمجھتے کہ اس سے راستہ مل جائے گا' یہ خیال تھا کہ جو شخص لات وعزیٰ کو گالی دیتا ہے اس کو برص یا جذام ہو جاتا ہے۔[1] ہاتھوں میں پیتل کی انگوٹھی پہنتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس سے ضعف جاتا رہتا ہے۔[2]

اس قسم کے سینکڑوں اوہام پھیلے ہوئے تھے جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

یہ تو ان کے مذہبی حالات وخیالات تھے ان کی اخلاقی کیفیت بھی ایسی ہی پست تھی' ان کے اخلاقی معائب میں سب سے نمایاں چیز ان کی جنگجوئی تھی جس نے ان کو حد درجہ خونخوار' سنگدل' اور سفاک بنا دیا تھا۔

جنگجوئی:

ذرا ذرا سی بات پر لڑنا اور ایک دوسرے کا سر کاٹ لینا' ان کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھی' ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے اور ہر خاندان دوسرے خاندان سے برسر پیکار تھا' ہر بچہ اپنے باپ اور عزیزوں کے قاتل سے انتقام لینے کے جذبہ میں پرورش پاتا تھا اور جوان ہو کر اس مقدس فرض کو انجام دیتا تھا اور اس طرح ایک ایک لڑائی کا سلسلہ برسوں تک قائم رہتا تھا۔ ان ہی لڑائیوں کو مورخین اور اہل ادب ایام العرب کہتے ہیں جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے' میدانی نیشا پوری المتوفی ۵۱۸ھ نے کتاب الامثال میں ان میں سے ۱۳۲ لڑائیوں کے نام بتانے کے بعد یہ لکھا ہے۔

هذا الفن لا يتقصاه الاحصاء فاقتصرت على ماذكرت (جلد ۲ ص ۳۷۱ خیریه مصر)

"یہ فن شمار کا استقصاء نہیں کر سکتا اس لیے جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اسی پر میں نے قناعت کی۔"

یہ تمام لڑائیاں وہ ہیں جو اسلام سے چالیس پچاس برس پیشتر سے اسلام تک ہوئیں' ان میں سب سے زیادہ مشہور لڑائی جبس وذبیان کی ہے' جس کا واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں قبیلوں کے دو گھوڑے داجس اور غبرا کا باہمی مقابلہ تھا' ان میں سے ایک فریق نے گھوڑ دوڑ کے قواعد کی خلاف ورزی کی اور لڑائی ہو پڑی' یہ لڑائی ان دونوں قبیلوں میں پورے چالیس برس تک قائم رہی دوسری مشہور لڑائی حرب بسوس ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ بسوس نامی ایک قبیلہ کی عورت کی اونٹنی کلیب بن وائل کی چراگاہ میں جا پڑی' کلیب نے اپنے تیر سے اس کے تھن کو زخمی کیا۔ اس بات نے قبیلہ میں آگ لگا دی کلیب جان سے مارا گیا اور بکر وتغلب میں خونریز جنگ ہوئی۔ عکاظ کے میلہ میں سلیم اور غطفان کے سرداروں میں کچھ مناقشہ ہوا چند روز کے بعد موقع پا کر ایک قتل کر دیا گیا۔ اس کے انتقام میں خون کی ندیاں بہہ گئیں' بکر وتمیم میں ایک چراگاہ کے معاملہ میں خونریز لڑائی ہوئی' اوس وخزرج مدینہ کے دونوں قبیلوں میں جو ہولناک لڑائیاں ہوتی رہیں۔ ان میں سب سے مشہور یوم بعاث ہے جس میں دونوں قبیلوں کے اکثر سردار کام

(۱) مسند دارمی ص ۸۹۔ (۲) ابن ماجہ ص ۸۸ الفتیق التمائم ابواب الطب۔

Marfat.com

آ ئے اس لڑائی کا خاتمہ انصار مدینہ کی بیعت پر ہوا قریش کی مشہور لڑائیوں کا نام ایام فجار ہے ایک مشہور لڑائی کا نام ذی قار ہے۔

الغرض معمولی سے اشتعال سے قتل تک نوبت پہنچتی تھی۔قتل سے انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا تھا اور لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا تھا۔[1] ان میں لڑنا اور مر جانا اور مارنا جاہلیت کا شرف اور قبیلہ کی آن سمجھی جاتی تھی اور اس خون آشامی کا ذوق ان کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی' ان لڑائیوں میں سفاکی' بے رحمی اور قتل و غارت کی بدترین مثالیں پیش آتی رہتی تھیں۔

شراب خوری:

شراب جو ہر قسم کے فسق و فجور اور مظالم اور بدکاری کا سرچشمہ ہے' عربوں میں اس کا اس قدر رواج تھا کہ ہر گھر ایک میکدہ بن گیا تھا۔اس کا نہ پینا اس قدر نامانوس بات تھی کہ جن چند آدمیوں نے اسلام سے پہلے اس کے پینے سے پرہیز کیا تھا ان کے نام یادر کھے گئے ہیں' دوست واحباب کسی گھر میں جمع ہوتے' شراب کا دور چلتا' ساتھ ہی جواء کھیلتے اس میں اونٹوں کی ہار جیت ہوتی جو جیتتا وہ جیتے ہوئے اونٹوں کو اسی وقت ذبح کر کے کھلا دیتا۔کبھی نشہ میں سرشار ہو کر خود صاحب خانہ اٹھ کھڑا ہوتا اور اپنے اونٹوں کو کاٹ کاٹ کر ڈھیر کر دیتا' لوگ گوشت بھونتے' کباب لگاتے اور کھاتے کھلاتے اور اپنی اس بے جا فیاضی پر فخر کرتے رہتے' سامنے فاحشہ عورتیں گاتی بجاتیں اور وہ اسی مخموری کے عالم میں بے شرمی کی باتیں کرتے' جاہلیت کا مشہور شاعر طرفہ کہتا ہے۔

فان تبغنی فی حلقة القوم تلقنی و ان تقتنصنی فی الحوانیت تصطه

پس اگر تو مجھے لوگوں کے حلقہ میں ڈھونڈے تو پائے گا۔اور اگر شراب خانوں میں مجھے شکار کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

متی تاتنی اصبحک کاسا رویه و ان کنت عنها غانبا فاغن و ازود

جب بھی تو میرے پاس آئے میں تجھے شراب کا پیالہ پلاؤں گا' اور اگر تو اس سے بے نیاز ہو کر آئے تو جا اور بے نیازی کر۔

ندا مای بیض کا لنجوم و قینة تروح الینا بین بردو مجد

میری محفل شراب کے ہم نشین ستاروں کی طرح گورے چٹے ہیں اور ایک مغنیہ ہے جو شام کو ہمارے پاس یمنی چادر اور زعفرانی کپڑوں میں آتی ہے۔

رحیب قطاب الجیب منها وفیقة بجس الندامی' بضة المتجرد

اس کے گریبان کا شگاف بڑا ہے' شرابی رفیقوں کی دست درازی سے مانوس اور اس کے بدن کے برہنہ حصے لطیف ہیں۔

اذا نحن قلنا اسمعینا انبرت لنا علی رسلها مطروقة لم تشدد

---

(1) ان لڑائیوں کے مفصل حالات کے لیے دیکھو عقد الفرید ابن عبدربہ جلد ۳ اور امثال میدانی لفظ "یوم"

Marfat.com

جب ہم کہتے ہیں کہ ہمیں سناؤ تو آہستہ آہستہ نزاکت کے ساتھ آگے بڑھتی ہے۔

و ما زال تشرابی الخمور و لذتی و بیعی و انفاقی طریفی و متلدی

اور میری شراب نوشی اور لذت اندوزی اور اپنی حاصل کردہ اور موروثی دولت کو خرچ کرنا میرا اشعار ہے۔

و لولا ثلث هن من لذة الفتی و جدک لم احفل متی تام عودی

اور اگر تین باتیں نہ ہوتیں، جو ایک شریف کا لطف ذوق ہیں تو تیری قسم، میں اپنی موت کی پرواہ نہ کرتا۔

فمنهن سبقی العاد لات بشربة کمیت متی ماتمل بالماء تزبدی

ان میں سے ایک تو نصیحت کرنے والیوں کی بات کا خیال کیے بغیر سرخ وسیاہ رنگ کا پیالہ پی لینا جس میں پانی ملانے سے جوش آئے۔

و تقصیر یوم الدجن و الدجن معجب ببهکتة تحت الخباء المعمد

اور دوسری بات گھنگھور گھٹا کے دن کو اور وہ کیسا پر لطف دن ہوتا ہے کسی بلند خیمہ کے نیچے حسین معشوقہ سے لطف اندوزی میں چھوٹا کرتا ہے۔

کریم یروی نفسه فی حیاته ستعلم ان متنا غدا اینا الصدی

میں وہ فیاض ہوں جو اپنی زندگی میں اپنے آپ کو شراب پلا کے سیراب کرتا ہوں موت کے بعد معلوم ہوگا کہ ہم میں پیاسا کون ہے۔

و برک هجور قد اثارت مخافتی بواد بها امشی بعضب مجرد

اور کتنے بیٹھے ہوئے سوئے اونٹ تھے کہ میرے خوف نے ان کے اگلوں کو بھڑکا دیا، جب میں تلوار لے کر چلا۔

فمرت کهات ذات خیف جلالة عقیلة شیخ کالوبیل یلتدد

تو ایک موٹی اونٹنی جو ایک بڈھے کی جو لٹھ کی طرح جھگڑالو تھا، قیمتی چیز تھی، سامنے آ گئی۔

و قال الا ماذا ترون بشارب شدید علینا بعینه متحمد

اور جب میں نے تلوار سے کونچیں کاٹ کر اونٹنی کو گرا دیا، تو اس بڈھے نے کہا کہ اس بدمست کو دیکھو جو جان بوجھ کر ہم پر ظلم کر رہا ہے۔

فظل الاماء یمتللن خوارها و یسعی علینا بالسدیف المسراهد

تو لونڈیاں اونٹنی کے بچہ کو (جو اس کے پیٹ سے نکلا تھا) بھوننے لگیں اور چربی دار کوہان کا گوشت لے کر ہمارے پاس دوڑا جانے لگا۔

لبید بن ربیعہ جو عرب کا مشہور شاعر اور سبعہ معلقہ کی محفل کا چوتھا ممبر ہے کہتا ہے۔

بل انت لا تدرین کم من لیلة طلق لذیذ لهوها و ندامها

۔۔۔۔ بلکہ تو نہیں جانتی کہ کتنی کھلی ہوئی راتیں جن کی دلچسپی اور ہم نوشی پر لطف تھی۔

قدبت سامرها و غایة تاجر و افیت اذ رفعت و عزامدامها

Marfat.com

میں ان کا قصہ گو تھا اور شراب نوش کی منزل میں آتا جاتا رہا جب جھنڈا بلند ہوا اور اس کی شراب گراں ہو گئی۔

اعلی السبا بکل ادکن عاتق   اوجونة قدحت و فض ختامها

میں اس کی قیمت کو اور گراں کر رہا تھا' پرانی خاکی رنگ کی مشک یا خم کو خرید کر جو پیالوں میں بھری جاتی اور اس کی مہر توڑی جاتی۔

و صبوح صافية و جذب كرينة   بموتر تاتاله ابها مها

اور کتنی صبح کی صاف شراب اور مغنیہ کا عود کو کھینچ کر اپنے انگوٹھے سے دبانا۔

بادرت حاجتها الدجاج بسحرة   لاعل منها حين هب نيامها

میں نے شراب کی ضرورت مرغ سحر کی آواز سے پہلے پوری کی تا کہ میں اس کے سونے والوں کے جاگنے سے پہلے دہرالوں۔

تغلب ان قبیلوں میں تھا۔ جنہوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا لیکن اس مذہب نے بھی عربوں کو اس بری عادت سے باز نہیں رکھا تھا بلکہ شراب کی درآمد زیادہ تر انہی عیسائیوں کے ملک شام سے ہوتی تھی' تغلب کا سب سے بڑا شاعر اپنے فخریہ میں کہتا ہے۔

الا هبى بصحنك فاصبحينا   و لا تبقى خمور الا ندرينا

ہاں اپنا پیالہ لے کر اٹھ جا اور مجھے صبح کی شراب پلا اور اندریں (شامی گانوں) کی کوئی شراب چھوٹنے نہ پائے۔

مشعشة كان الحص فيها   اذا ما الماء خالطها سخينا

پانی میں ملی ہوئی گویا اس میں کسم کے پھول پڑے ہیں' جب گرم پانی اس میں ملاؤ۔

تجور بذى اللبانه عن هواه   اذا ماذا قها حتى يلينا

غرض مند کو اس کی غرض بھلا دے' اگر اس کو چکھ لے یہاں تک کہ اس کو نرم کر دے۔

ترى اللحر الشحيح اذا مرت   عليه لما له فيها مهينا

تنگ دل بخیل پر بھی اگر اس کا ایک دور گزار دیا جائے تو وہ اپنی دولت کو لٹا دے۔

صبنت الكاس عنا ام عمرو   و كان الكاس مجراها اليمينا

اے عمرو کی ماں! تو نے ہم سے پیالہ ہٹا لیا حالانکہ پیالہ کا دور داہنی طرف سے تھا۔

و ما شر الثلثة ام عمرو   بصاحبك الذى لا تصبحينا

حالانکہ تیرا وہ ہم نشین جس کو تو نہیں پلاتی تین میں سب سے بدتر نہیں۔

كاس قد شربت ببعلبك   و اخرى فى دمشق و قاصرينا

اور کتنے پیالے بعلبک میں پئے اور کتنے دمشق اور قاصرین میں۔

Marfat.com

ان اشعار سے اندازہ ہوگا کہ جاہلیت میں شراب نوشی کا کیا عالم تھا' شراب فروشوں کی دوکانیں کسی ممتاز مقام پر ہمیشہ کھلی رہتی تھیں اور نشان کے لیے وہاں جھنڈا اڑا کرتا تھا جس کو غایۃ کہتے تھے (دیکھو اوپر لبید کا دوسرا شعر) انتہا یہ ہے کہ تجارت کا لفظ ''شراب نوشی'' مترادف بن گیا تھا۔ ایک جاہلی شاعر عمرو بن قمیہ کہتا ہے۔

اذا سحب الریط و المروط الی　　ادنی تجاری و انفض اللمم

یاد ہے وہ دن جب میں اپنی چادر گھسیٹتا ہوا قریب ترین شراب خانہ میں جاتا تھا اور اپنے گیسوؤں کو جھاڑتا تھا۔

بدر میں قریش کے دولت مند روسا مارے گئے تھے' ان کے مرثیے میں قریش کا ایک شاعر خاص طور سے ان کی بزم شراب اور مجلس رقص وسرود کی بربادی کا ماتم کرتا ہے۔

و ماذا بالقلیب قلیب بدر　　من القینات و الشر الکرام (۱)

بدر کے گڑھے میں (جس میں مقتولین کی لاشیں ڈالی گئی تھیں) ناچنے والیوں اور فیاض شرابیوں کا ماتم ہے۔

شراب کے رواج عام کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ عربی زبان میں شراب کے ڈھائی سو نام ہیں اور علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے خاص ان ناموں پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے' تمام گھروں میں شراب کی مجلسیں قائم ہوتیں۔ گھر کی عورتیں اور چھوٹے بچے ساقی بنتے تھے۔ یہ شعر اوپر گزر چکا ہے جس میں شاعر اپنی بیوی سے کہتا ہے۔

صبنت الکاس عنا ام عمرو　　و کان الکاس مجراھا الیمینا

اے ام عمرو! تو نے ہم سے شراب کا پیالہ ہٹالیا حالانکہ پیالہ کی گردش داہنی طرف سے تھی۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے میں اپنے باپ (عباس) کی زبان سے کم سنی میں سنا کرتا تھا۔

اِسقِنا کَاسًا دِھَاقًا.　　''شراب کا ایک لبریز پیالہ ہم کو پلا۔'' (۲)

صحیح بخاری کتاب الاشربہ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب شراب حرام ہوئی۔ تو اس وقت ایک مجلس قائم تھی جس میں حضرت ابو دجانہؓ' ابوطلحہؓ' سہیل بن بیضاء شریک تھے اور میں جو کہ سب سے کم سن تھا ساقی گری کی خدمت انجام دے رہا تھا۔

شراب کس بے تکلفی سے پی جاتی تھی' کس درجہ کے لوگ پیتے تھے' کس قسم کے افعال اس حالت میں سرزد ہوتے تھے' اس کا اندازہ صحیح بخاری کی ایک روایت سے ہوگا۔ (۳) جو حرمت شراب سے قبل کا واقعہ ہے۔

غزوہ بدر میں حضرت علیؓ کو مال غنیمت میں سے ایک اونٹنی ملی تھی' خمس میں سے ایک اور اونٹنی آنحضرت ﷺ نے عطا فرمائی' حضرت علیؓ کا نکاح حضرت فاطمہؓ سے ہو چکا تھا۔ اور وہ دعوت ولیمہ کی تیاری کر رہے تھے' ارادہ تھا کہ

(۱) صحیح بخاری باب الہجرۃ جلد اول ص ۵۵۸۔

(۲) ایضاً باب ایام الجاہلیۃ جلد اول ص ۵۴۱۔

(۳) صحیح بخاری کتاب المغازی غزوہ بدر ص ۵۷۔

Marfat.com

جنگل میں جا کر اذخر (ایک گھاس کا نام ہے) لائیں اور زرگروں کے ہاتھ فروخت کریں اس ارادہ سے باہر نکلے تو دیکھا کہ ان کی اونٹنیوں کے کوہان کسی نے کاٹ لیے ہیں اور پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکال لیا ہے لوگوں سے پوچھا یہ کس کا کام ہے؟ معلوم ہوا کہ پاس ہی ایک گھر میں حضرت حمزہؓ چند انصاریوں کے ساتھ شراب پی رہے تھے ایک مغنیہ نے گاتے گاتے یہ مصرع گایا۔

الا یا حمز للشرف النواء ''اے حمزہ! موٹی اونٹنیوں کے لیے۔''

حضرت حمزہؓ تلوار لے کر اٹھے اور اونٹنیوں کے پیٹ چاک کر کے ان کے کلیجے نکال لیے حضرت علیؓ نے جا کر آنحضرت ﷺ کو خبر کی اور یہ ماجرا بیان کیا۔ آنحضرت ﷺ نے چادر اوڑھی اور حضرت علیؓ اور زیدؓ کو لے کر حضرت حمزہؓ کے پاس گئے حضرت حمزہؓ مخمور تھے آنحضرت ﷺ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور کہا ''تم سب میرے باپ کے غلام ہو۔ آنحضرت ﷺ یہ حالت دیکھ کر چلے آئے۔

حضرت حمزہؓ نے ۳ھ میں شہادت پائی ہے اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔

شراب کی حرمت جس تدریج سے نازل ہوئی ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ تمام ملک کس طرح اس میں مبتلا تھا کس طرح وہ مقبول عام ہو چکی تھی کہ اس کی حرمت کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا تھا اور کنائے اور اشارے سے گزر کر جب تک صاف صاف ممانعت نہیں کر دی گئی لوگ سمجھ نہیں سکے۔

ابوداؤد کتاب الاشربہ میں روایت ہے کہ جب شراب کی ممانعت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے کہا۔ اے خدا! شراب کے بارہ میں ہم کو صاف صاف بتا دے۔ ان کے اصلی الفاظ یہ ہیں۔

اللھم بین لنا فی الخمر بیانا شفاء. ''اے خدا! شراب کے بارے میں ہمارے لیے شافی بیان کر دے۔''

اس پر سورۂ بقرہ کی یہ آیت اتری۔

﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ (بقرہ : ۲۷) ''لوگ تم سے شراب اور قمار بازی کی نسبت سوال کرتے ہیں تو کہہ دو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں لیکن فائدے سے گناہ بڑھ کر ہے۔''

اس آیت کے اترنے کے بعد بھی لوگ شراب پیتے پلاتے رہے یہاں تک کہ ایک دفعہ ایک انصاری نے حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف وغیرہ کی دعوت کی شراب کا دور چل رہا تھا کہ مغرب کی نماز کا وقت آ گیا۔ ایک صاحب [1] نے امامت کی مگر نشہ کے سبب نماز میں ﴿یاایھا الکافرون﴾ کے سورۃ کو کچھ کا کچھ پڑھ گئے اور اس پر یہ آیت اتری۔

---

(۱) شراب کی حرمت کی یہ تاریخی صورت حضرت عمرؓ (ترمذی تفسیر مائدہ ابوداؤد کتاب الاشربہ) حضرت ابوہریرہؓ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۱) اور حضرت علیؓ (ابوداؤد کتاب الاشربہ) سے مروی ہے یہ بات کہ وہ کون صحابی تھے جنہوں نے نشہ کی حالت میں غلط ملط سورۃ پڑھ دی تھی روایات سے صاف طور پر ظاہر نہیں ہوتی ایک روایت میں حضرت علیؓ کا نام ہے اور دوسری میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا نام اور تیسری میں کوئی مہاجر مذکور ہے حضرت الاستاذ نے سیرۃ جلد دوم (تاریخ احکام ذکر حرمت شراب) میں ابوداؤد کتاب الاشربہ کے حوالہ سے =

Marfat.com

=حضرت علیؓ کا نام لکھ دیا تھا مگر مزید تحقیق سے یہ نسبت مشکوک معلوم ہوتی ہے۔اس خاص روایت کا مرکزی راوی عطاء بن السائب بن ابی عبدالرحمٰن ہے ابوعبدالرحمٰن سلمی حضرت علیؓ سے روایت کرتا ہے اس سے یہ روایت مختلف طریقوں سے آئی ہے اور ہر ایک میں شراب پینے والوں اور حالت نشہ میں نماز پڑھانے والے کے نام کا اختلاف ہے چنانچہ ہر روایت کے اصلی الفاظ ہیں۔

وہ روایتیں جن میں حضرت علیؓ کا نام ہے۔

۱. عن ابی جعفر الرازی عن عطاء بن السائب عن ابی عبدالرحمن السلمی عن علی بن ابی طالب قال صنع لنا عبدالرحمن بن عوف طعاما فدعانا و سقانا من الخمر فاخذت الخمر منا و حضرت الصلوة فقد مونی فقرأت قل یایها الکافرون لا اعبد ما تعبدون و نحن نعبد ما تعبدون فانزل الله یا ایها الذین امنوا لا تقربوا الصلوۃ و انتم سکاری. (ترمذی تفسیر نساء)

''ابوجعفر رازی نے عطا بن سائب سے عطاء نے ابوعبدالرحمٰن سلمی سے ابوعبدالرحمٰن سلمی نے حضرت علیؓ بن ابی طالب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ہمارے لیے کھانا تیار کرایا اور ہم کو مدعو کیا اور شراب پلائی جب ہم شراب کے نشہ میں چور ہو گئے اور نماز کا وقت آیا تو لوگوں نے مجھ کو امام بنایا اور میں نے ﴿قل یایها الکفرون لا اعبد ما تعبدون و نحن نعبد ما تعبدون﴾ پڑھی اس پر خدا نے یہ آیت اتاری ﴿یایها الذین امنو لا تقربوا الصلوٰۃ و انتم سکاری﴾ یعنی مسلمانو! نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔''

۲. عن سفیان حدثنا عطاء بن السائب عن ابی عبدالرحمن السلمی عن علی علیه السلام ان رجلا من الانصار دعاہ و عبد الرحمن بن عوف فسقا هما قبل ان تحرم الخمر فامهو علی فی المغرب ﴿فقرا قل یایها الکفرون﴾ فخلط فیها فنزلت لا تقربوا الصلوۃ و انتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون. (ابو داؤد کتاب الاشربه)

''سفیان نے عطاء بن سائب سے عطا نے ابوعبدالرحمٰن سلمی سے ابوعبدالرحمٰن سلمی نے حضرت علی علیہ السلام سے یہ روایت کی ہے کہ انصار کے ایک شخص نے ان کو اور عبدالرحمٰن بن عوف کو مدعو کیا اور تحریم شراب سے پہلے ان دونوں کو شراب پلائی پھر علیؓ نے نماز مغرب کی امامت کی اور ﴿قل یایها الکفرون﴾ پڑھی لیکن اس میں گڈمڈ کر دیا اس پر آیت اتری۔ ﴿لا تقربوا الصلوۃ و انتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون﴾ نشے کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ جو کچھ کہتے ہو اس کو جان لو۔''

وہ روایتیں جن میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا نام ہے۔

۳. عن سفیان عن عطاء بن السائب عن ابی عبدالرحمن السلمی عن علی رضی الله عنه قال دعانا رجل من الانصار قبل ان تحرم الخمر فتقدم عبدالرحمن ابن عوف و صلی بهم المغرب فقرا قل یایها الکافرون فالتبس علیه فنزل ﴿لاتقربو الصلوۃ و انتم سکاری﴾ (مستدرک حاکم کتاب الاشربه)

''سفیان نے عطاء بن سائب سے عطاء نے ابوعبدالرحمٰن سلمی سے ابوعبدالرحمٰن سلمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ تحریم شراب سے پہلے انصار کے ایک شخص نے ہم کو مدعو کیا تو عبدالرحمٰن بن عوف نے امامت کی اور ان کو مغرب کی نماز پڑھائی اور ﴿قل یا ایها الکفرون﴾ پڑھی لیکن اس میں خلط ہو گیا۔اس پر یہ آیت اتری ﴿لا تقربوا الصلوۃ و انتم سکاری﴾ نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔''

۴۔سفیان بن عطاء بن السائب عن بن (۹) عبدالرحمن و رجل آخر یشربون الخمر فصلی بهم عبد الرحمن=

Marfat.com

=بن عوف فقرا قل یا ایها الکفرون فخلط فیها فنزلت ﴿لا تقربوا الصلوة﴾ (مستدرک حاکم کتاب الاشربہ)

''سفیان نے عطا بن السائب سے عطاء نے ابن عبدالرحمٰن سے ابن عبدالرحمٰن نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ اور عبدالرحمٰن ابن عوف اور ایک دوسرے آدمی شراب پی رہے تھے اور ان کو عبدالرحمٰن بن عوف نے نماز پڑھائی اور ﴿قل یا ایھا الکافرون﴾ پڑھی جس میں خلط ملط کر دیا اس پر یہ آیت اتری۔'' لا تقربوا الصلوٰۃ

۵۔ خالد بن عبدالله عن عطاء بن السائب عن ابی عبدالرحمن ان عبدالرحمن صنع طعاما فدعا ناسا من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم فام علی بن ابی طالب رضی الله عنه فقرا ﴿قل یا ایها الکافرون و لا اعبد ما تعبدون و نحن عابدون ما عبدتم فنزلت لا تقربوا الصلوة الاية﴾ (مستدرک حاکم کتاب الاشربه)

اور صحابہ میں سے چند لوگوں نے کہ جن میں علی بن ابی طالبؓ بھی تھے بلایا پھر انہوں نے ﴿قل یا ایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون و نحن عابدون ما عبدتم﴾ تم پڑھی اس پر یہ آیت اتری۔'' لا تقربوا الصلوٰۃ الایة

وہ روایت جس میں نام کی تعیین نہیں۔

۶۔ سفیان عن عطاء بن السائب عن ابی عبدالرحمن عن علی رضی الله عنه قال دعا نا رجل من الانصار قبل تحریم الخمر فحضر صلوة المغرب فتقدم رجل فقرأ قل یاایها الکفرون فالتبس علیه فنزلت لا تقربوا الصلوة الایة. (مستدرک حاکم تفسیر نساء)

''سفیان، عطاء بن سائب سے، عطاء ابوعبدالرحمٰن سے وہ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، تحریم شراب سے پہلے ہم کو انصار کے ایک شخص نے مدعو کیا نماز مغرب کا وقت آیا تو ایک آدمی نے امامت کی اور ﴿قل یا ایھا الکافرون﴾ پڑھی لیکن اس میں خلط ملط کر دیا اس پر یہ آیت اتری ﴿لا تقربوا الصلوٰۃ﴾ (الایۃ)۔''

ان چھ روایتوں میں مختلف قسم کے اختلافات ہیں۔

(۱) پہلی اور پانچویں روایت میں ہے کہ داعی عبدالرحمٰن بن عوفؓ تھے، دوسری، تیسری اور چھٹی میں ہے کہ داعی کوئی انصاری تھے، چوتھی میں دعوت کے بغیر مجلس شراب کا ذکر ہے۔

(۲) پہلی اور دوسری میں ہے کہ امام حضرت علیؓ تھے، جنہوں نے نشہ میں کچھ کا کچھ پڑھ دیا، تیسری، چوتھی، پانچویں میں ہے کہ وہ امام عبدالرحمٰن بن عوفؓ تھے اور چھٹی میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ کوئی آدمی امام تھا۔

(۳) اور روایتوں میں ہے کہ وہ اس دعوت کی مجلس میں شراب تھی، چھٹی میں شراب کا مطلق ذکر نہیں ہے بلکہ وہ شخص جو امام بنا تھا وہی شاید کہیں سے پی کر آیا ہو گو کہ حرمت شراب سے پہلے پینا کوئی شرعی جرم نہیں تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پینا جو بچپن سے آنحضرت ﷺ کی صحبت و تربیت میں پل کر جوان ہوئے قیاس کے خلاف ہے، خصوصاً اس آیت کے بعد (کہہ دے کہ شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے) حضرت علیؓ کا پینا اور بھی زیادہ واقعہ کی صورت میں شک پیدا کرتا ہے، پھر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس روایت میں مختلف قسم کے ایسے اختلافات ہیں جو ناقابل تطبیق ہیں ان اختلافات کا راز اس وقت کھل جاتا ہے۔ جب ان کے راویوں پر نظر ڈالی جاتی ہے، سب سے پہلا راوی ابوعبدالرحمٰن سلمی جس کا نام عبداللہ بن حبیب ہے۔ وہ پہلے حضرت علیؓ کا طرف دار حامی (شیعہ) تھا، بعد کو عثمانی (بنوامیہ کا طرف دار) اور حضرت علیؓ کا مخالف ہو گیا۔ پھر اس کا یہ دعویٰ کہ اس نے حضرت علیؓ سے سنا ہے، محدثین میں مسلم نہیں، بخاری نے اس کو مانا ہے لیکن ابن ابی حاتم نے اس سے انکار کیا ہے، روایت کے دوسرے راوی عطاء بن سائب کا حافظہ خراب ہو گیا تھا، اس لیے لوگوں نے=

Marfat.com

=اس کو چھوڑ دیا تھا' گو سفیان کی اس سے روایتیں حافظ کی خرابی سے پہلے کی سمجھی جاتی تھیں' مگر اوپر کی روایتوں میں دیکھو کہ خود سفیان کی روایتوں میں بھی وہی ناقابل تطبیق اختلاف موجود ہے' ان وجوہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف فیہ جزئیات غیر مسلم ہیں اور واقعہ کی اصلی صورت وہی ہے جو چھٹی روایت میں ہے کہ وہ مجلس محض دعوت کی تھی جس میں حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ موجود تھے کہ نماز کا وقت آ گیا اور ایک صاحب جو مخمور تھے۔ نماز پڑھانے کھڑے ہو گئے اور آیتیں غلط ملط پڑھ دیں چونکہ اس واقعہ کے راوی حضرت علیؓ تھے اور وہ دعوت میں شریک تھے۔ اس لیے یا تو ابو عبدالرحمن سلمی عثمانی نے فرقہ داری کے جذبہ میں یا عطاء نے ذرا سی بھول میں واقعہ کی نسبت ادھر سے ادھر کر دی۔

اس آخری چھٹی روایت کی تائید حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ہوتی ہے جس کی سند پورے سلسلہ سے الگ اور مستقل ہے۔

۷۔ عن ابی هریرة قال حرمت الخمر ثلاث مرات قدم رسول الله صلی الله علیه و سلم المدینة و هم یشربون الخمر و یاکلون المیسر فسالوا رسول الله صلی الله علیه وسلم عنهما فانزل الله علی نبیه صلی الله علیه وسلم ﴿یسئلونک عن الخمر و المیسر قل فیهما اثم کبیر و منافع للناس و اثمهما اکبر من نفعهما الایة﴾

فقال الناس ماحرم علینا انما قال فیهما اثم کبیر وٌ کانوا یشربون الخمر حتی اذا کان یوم من الایام صلی رجل من المهاجرین ام اصحابه فی المغرب خلط فی قراء ته فانزل الله فیهما اية اغلظ منها یا یها الذین امنوا لاتقربوا الصلوة و انتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون و کان الناس یشربون حتی یاتی احدهم الصلوة و هم مغلق ثم انزلت اية اغلظ من ذلک یایها الذین امنوا انما الخمر و المیسر و الانصاب و الا زلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه لعلکم تفلحون فقالوا انتهینا ابنار مسند احمد جلد ۲ .)

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ شراب تین بار حرام کی گئی رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ شراب پیتے تھے اور جوئے کا مال کھاتے تھے لوگوں نے آپ سے ان دونوں کے متعلق سوال کیا خدا نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی ﴿یسئلونک عن الخمر و المیسر قل فیهما اثم کبیر و منافع للناس و اثمهما اکبر من نفعما الایه﴾ یہ لیکن لوگوں نے کہا خدا نے ہم پر حرام نہیں کی صرف یہ کہا کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے۔ اب بھی لوگ شراب پیتے رہے یہاں تک کہ ایک دن ایک مہاجر نے نماز مغرب پڑھائی اور اپنی قراءت میں خلط کر دیا' اس لیے خدا نے شراب کے متعلق اس سے زیادہ سخت آیت اتاری ﴿یایها الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰة و انتم سکاریٰ حتی تعلموا علیٰ ما تقولون﴾ اب بھی لوگ شراب پیتے رہے البتہ جب کوئی نماز پڑھنے جاتا تھا' تو ہوش کی حالت میں جاتا تھا' پھر اس سے زیادہ سخت آیت نازل ہوئی ﴿یایها اللاین امنوا انما الخمر و المیسر و الانصاب و الازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه لعلکم تفلحون﴾ اب لوگوں نے کہا کہ خداوندا ہم باز آئے۔"

اس میں حضرت علیؓ کا کہیں ذکر بھی نہیں' حضرت علیؓ جیسے قرآن کے صاحب فہم کی نسبت یہ خیال کرنا کہ پہلی آیت کے اشارہ سے وہ شراب کی حرمت کو نہ سمجھ سکے تھے' قبول کے قابل نہیں' محدثین میں حاکم نے مستدرک میں چھٹی روایت کو لکھ کر بیان کیا ہے کہ اس واقعہ میں حضرت علیؓ کا نام شامل کرنا خوارج کی کارستانی ہے جس کی تردید اس روایت سے ہو جاتی ہے جس کو خود علیؓ روایت فرماتے ہیں' حاکم کہتے ہیں۔

وفی هذا الحدیث فائدة کثیرة و هی ان الخوارج تنسب هذا السکر و هذه القراء ة الی امیر المومنین علی بن ابی طالب دون غیره و قد براه الله منها فانه راوی هذا الحدیث (مستدرک تفسیر نساء ج ۲ ص ۳۰۷)=

Marfat.com

﴿لا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ ''نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ تم جو کہو اس کو سمجھ بھی سکو۔''

اس کے بعد جب نماز کا وقت آتا تو منادی اعلان کرتا تھا کہ کوئی مخمور نماز میں شامل نہ ہونے پائے۔

''۵: خالد بن عبداللہ عطاء بن سائب سے عطاء ابی عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے کھانا تیار کرایا

لیکن چونکہ اب بھی ممانعت کا کوئی عام حکم نہ تھا اس لیے نماز کے علاوہ اور اوقات میں لوگ پیتے پلاتے رہتے تھے حضرت عمرؓ نے پھر دعا کی' اتفاق سے اسی زمانہ میں بعض انصار نے حضرت سعدؓ بن وقاص کی دعوت کی' اس میں شراب کا دور بھی چلا' یہ پی کر بدمستی میں کہنے لگے کہ مہاجر انصار سے بہتر ہیں اس پر بات بڑھی اور مار پیٹ تک نوبت پہنچی' اس پر حکم آیا (صحیح مسلم فضائل سعدؓ بن وقاص)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (مائده : ا) ''اے ایمان والو! بے شک شراب' جوا' بت اور پانسے ناپاک اور شیطان کے کام ہیں' تو ان سے بچو تاکہ فلاح پاؤ۔''

اس کے بعد شراب قطعاً حرام ہوگئی' حرمت شراب کی یہ آخری آیت جس وقت اتری ہے حضرت ابو عبیدہؓ امین اور ابی بن کعبؓ جو سید القراء تھے' ابوطلحہؓ کے گھر میں مہمان تھے اور شراب کا دور چل رہا تھا' ساقی گری کی خدمت حضرت انسؓ سے متعلق تھی۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب الاشربہ میں خود حضرت انسؓ سے زبانی روایت ہے۔

كنت اسقى ابا عبيدة و ابا طلحة و ابى بن كعب فجاء هم ات فقال ان الخمر حرمت. ''میں ابو عبیدہ اور ابوطلحہ اور ابی بن کعب کو شراب پلا رہا تھا کہ ایک شخص نے آ کر کہا کہ شراب حرام ہوگئی۔''

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں صحیح مسلم اور دیگر حدیث کی کتابوں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس جلسہ میں گیارہ بزرگ شریک تھے جن میں حضرت معاذ بن جبلؓ بھی شریک تھے۔ اس موقع پر لحاظ کے قابل یہ بات ہے کہ اگرچہ یہ مدتوں کی عادت تھی اور اس وقت بھی سب خمار میں جھوم رہے تھے۔[1] تاہم جوں ہی یہ آواز آئی کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب کی ممانعت کر دی' کسی نے پوچھ گچھ تک نہ کی اور دفعتہً جام و سبو توڑ ڈالے یہ صرف ابوطلحہؓ کے گھر کا حال نہ تھا بلکہ تمام مدینہ کے گلی کوچوں میں شراب کی ندیاں بہہ گئیں' بخاری باب المظالم میں ہے۔

فجرت فى سكك المدينة. ''مدینہ کی گلیوں میں شراب بہتی پھرتی تھی۔''

ان ندیوں کی روانی سے اندازہ ہوگا کہ عرب میں شراب نوشی کی کثرت کا کیا عالم تھا۔

= ''اور اس حدیث میں بہت بڑا نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ خوارج نے نشہ اور اس غلط قراءت کو امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب ہی کی طرف منسوب کیا تھا تو خدا نے ان کو اس الزام سے بری کر دیا کہ وہی اس حدیث کے راوی ہیں۔''

درحقیقت واقعہ کے صرف راوی تھے لیکن عثمانی اور خارجی راوی نے خود حضرت علیؓ کو صاحب واقعہ بنایا۔

(۱) فتح الباری جلد (۱۰) مطبوعہ مصر طبع اول ص ۳۱ بحوالہ روایت ابی عاصم۔

Marfat.com

قمار بازی:

شراب خوری کے ساتھ ساتھ ان میں قمار بازی کا بھی عام رواج ہو گیا تھا' عرب کے مال و دولت کا تمام تر سرمایہ اونٹوں کے چند گلوں تک محدود تھا اس لیے جوا بھی انہی کے ذریعہ سے کھیلا جاتا تھا' چنانچہ ایک جاہلی شاعر۔ اپنے حریف سے کہتا ہے۔

اعیرتنا البانها و لحومها
و ذلک عار یا بن ریطة ظاهر

کیا تو ہم پر عیب لگاتا ہے کہ ہم اونٹ کا دودھ اور گوشت کھاتے ہیں اے ابن ریطہ ہم پر یہ عیب نہیں لگ سکتا۔

نحابی بها اکفاء نا و نهینها
و نشرب فی اثمانها و نقامر

ہم ان کو اپنے ہمسروں کو بطور عطیہ کے دیتے ہیں اور ان کو مہمانی میں صرف کرتے ہیں اور ان کی قیمت سے شراب پیتے اور جوا کھیلتے ہیں۔

اس غرض سے اونٹوں کو ذبح کر کے ان کے گوشت کو دس ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور ان ہی ٹکڑوں پر پانسے ڈالتے تھے' ان پانسوں کی صورت یہ تھی کہ دس تیر مقرر کر لیے تھے جن کے نام یہ ہیں۔ فذ' توام' رقیب' حلس' مسبل' معلیٰ' منافس' ملیح' سفیح وغیرہ ان میں ہر تیر کے مختلف حصے معین کر لیے تھے اور جب جوا کھیلتے تھے تو ان کو ایک تھیلے میں ڈال کر ایک منصف شخص کے ہاتھ میں دے دیتے تھے' وہ ان کو گڈمڈ کر کے ایک ایک تیر کو ایک ایک شخص کے نام پر نکالتا جاتا تھا' جن کے نام پر وہ تیر نکلتے تھے' جن جن کے حصے مقرر تھے' وہ کامیاب ہوتے تھے اور جن تیروں کا کوئی حصہ نہ تھا وہ جن کے نام پر نکلتے ان کو ناکامیابی ہوتی تھی۔ اس طرح گوشت کے جو ٹکڑے جمع ہو جاتے تھے ان کو فقیروں اور محتاجوں اور دوستوں میں تقسیم کر دیتے تھے چونکہ یہ فیاضی کے اظہار کا ایک طریقہ تھا' اس لیے قمار بازی کی مجلسوں میں شریک نہ ہونا ایک قومی عار تھا اور اس قسم کے لوگوں کو نہایت بخیل خیال کرتے تھے اور ان کو ''برم'' کا خطاب دے رکھا تھا'[1] جو لوگ یہ خطاب حاصل کر لیتے تھے' ان سے شادی بیاہ کرنا ننگ و عار خیال کیا جاتا تھا' چنانچہ ایک جاہلی شاعر اپنی بیوی کو وصیت کرتا ہے۔

و اذا هلکت فلا تریدی عاجزا
غسا و لا برما و لا معز الا

اگر میں ہلاک ہو جاؤں تو عاجز' کمزور اور جوئے میں نہ شریک ہونے والے اور سفر میں قوم سے علیحدہ رہنے والے سے نکاح نہ کرنا۔

جوئے کی ایک صورت جس کو ''رہان'' کہتے تھے یہ تھی کہ کسی شرط پر بازی لگاتے تھے اور جب وہ شرط پوری

(1) یہ پوری تفصیل تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۳۳ میں ہے۔

Marfat.com

نہیں ہوتی تھی جو جس چیز پر بازی لگائی جاتی تھی اس کو لے لیتے تھے چنانچہ جب رومیوں اور ایرانیوں میں جنگ ہوئی اور باوجود رومیوں کی شکست کے قرآن مجید نے پیشن گوئی کی کہ ان کو چند سال میں ایرانیوں پر غلبہ حاصل ہو جائے گا تو کفار نے حضرت ابوبکرؓ سے اسی قسم کی شرط لگائی اور اس فتح کے لیے چھ برس کی مدت مقرر کی چنانچہ جب یہ مدت گزر چکی اور رومیوں کو فتح وظفر نصیب نہیں ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ کو بازی ہار جانا پڑی۔ (۱) رفتہ رفتہ اس قمار بازی کا مذاق ان میں اس قدر عام ہو گیا تھا کہ لوگ مال و دولت کھو چکنے کے بعد بی بی اور بال بچوں پر بازی لگا دیتے تھے (۲) یہ قمار بازی اور وہ بھی شراب کی بدمستی کے عالم میں اکثر مار پیٹ اور لڑائی پر ختم ہوتی تھی عبس وذبیان کی چہل سالہ جنگ گھوڑ دوڑ ہی کی قمار بازی کا نتیجہ تھی، حصول دولت اور کسب شہرت کے اس غلط طریقہ سے خاندان کے خاندان تباہ ہو جاتے تھے۔

سودخوری:

عرب میں سود خواری کا عام رواج تھا۔ تمام دولت مند سود پر لین دین کرتے تھے حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے جو قریش کے سردار اور آنحضرت ﷺ کے چچا تھے تجارت کا کاروبار نہایت وسیع پیمانہ پر پھیلا رکھا تھا اور اس تعلق سے سودخواری میں نہایت شہرت رکھتے تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جب حجۃ الوداع میں سود کی حرمت کا اعلان کیا تو سب سے پہلے انہی کے سود کو باطل قرار دیا حضرت عثمانؓ اور خالدؓ بن ولید سود پر قرض دیتے تھے مسعود ثقفی طائف کا مشہور رئیس تھا اور اس کے بھائی عبد یالیل اور حبیب بن ربیعہ نہایت دولت مند تھے۔ بنو مغیرہ ان ہی لوگوں میں سود پر داد و ستد کرتے تھے چنانچہ جب طائف فتح ہوا اور یہ چاروں بھائی اسلام لائے تو انہوں نے مغیرہ سے سود کا تقاضا کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (بقرہ : ۳۸) ''مومنو! خدا سے ڈرو اور بقیہ سود کو اگر تم مسلمان ہو تو چھوڑ دو۔''

ان کے علاوہ طائف ایک سرسبز اور دولت مند شہر تھا اس لیے وہاں کے لوگ عموماً سود پر بیوپار کرتے تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان سے جن شرائط پر مصالحت کی ان میں ایک ضروری شرط یہ بھی تھی کہ وہ لوگ سود خواری نہ کریں گے۔ (۳) اسی طرح یمن کے نجرانی سوداگر بھی سودی کاروبار کرتے تھے ان سے بھی یہی شرط کی گئی۔ (۴)

سود کا عام اور متداول طریقہ تو یہ تھا کہ ایک معین شرح پر قرض دیتے تھے اور راس المال کے ادا کرنے کے لیے میعاد مقرر کر دیتے تھے جب میعاد گزر جاتی تھی تو اس کا تقاضا کرتے تھے اگر مدیون اس کو ادا نہیں کر سکتا تھا تو میعاد میں اور اضافہ کر دیتے تھے اور اس کے عوض میں شرح سود بڑھا دیتے تھے لیکن اس نے ترقی کر کے ایک نہایت ظالمانہ

(۱) ترمذی ص ۱۶۰ جوئے کی صورت کو رہان کہتے تھے اور اب تک وہ حرام نہیں ہوئی تھی۔

(۲) تفسیر کبیر ج ۲ ص ۵۴۱۔

(۳) فتوح البلدان بلاذری فتح طائف۔

(۴) ابوداؤد کتاب الامارت۔

Marfat.com

صورت اختیار کر لی تھی' جو سود در سود سے بھی زیادہ خطرناک تھی یعنی ایک متعینہ مدت کے لیے کسی کو مثلاً سو روپیہ دیتے تھے لیکن مدت گذر چکتی اور تقاضا کرنے پر مدیون اس رقم کو ادا نہیں کر سکتا تھا تو میعاد اور بڑھا دیتے تھے۔ لیکن اس کے معاوضہ میں راس المال میں بھی اضافہ کروا لیتے تھے' یہاں تک کہ کبھی کبھی یہ اضافہ دوگنی چوگنی مقدار تک پہنچ جاتا تھا' اس طرح اضافہ ہوتے ہوتے مدیون کی کل جائیداد مستغرق ہو جاتی تھی' یہ معاملہ زیادہ تر غریبوں اور کاشت کاروں کے ساتھ پیش آتا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ غریبوں اور کاشت کاروں کا تمام طبقہ چند دولت مندوں اور خصوصاً یہودیوں کے ہاتھ میں گرو تھا۔ قرآن مجید کی یہ آیت اسی طریقہ سود کو مٹانے کے لیے نازل ہوئی۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ''مسلمانو! دونا' چار گنا' سود نہ کھاؤ' اور خدا سے ڈرو' یقین ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

(آل عمران : ۱۴)

سود کے علاوہ قرض کے متعلق اور بھی مختلف قسم کی ناجائز سختیاں پیدا ہو گئی تھیں مثلاً اگر راہن میعاد کے اندر مال مرہونہ کو چھڑا نہ سکتا تھا تو مرتہن اس کا مالک ہو جاتا تھا۔[1] مال و دولت سے گزر کر عورتیں اور بال بچوں تک کو رہن رکھواتے۔[2]

لوٹ مار:

عرب میں روز کی لوٹ مار نے اگرچہ ہر قبیلہ کو غارت گر اور راہزن بنا دیا تھا' تاہم بعض قبائل میں اس قسم کے خاص خاص جتھے قائم ہو گئے تھے جنہوں نے راہزنی کو اپنا ذریعہ معاش اور عام مشغلہ بنا لیا تھا اس قسم کے لوگوں کو ''لصوص'' کہتے تھے اور قبیلہ طے کو عرب میں عام طور پر جو شہرت حاصل تھی' وہ اس گروہ کی بدولت تھی۔

یہ گروہ شہر سے باہر میدانوں میں جنگلوں میں پہاڑوں کے کھوؤں میں رہتا تھا اور ادھر سے جو مسافر یا قبیلے گزرتے تھے۔ ان کو لوٹ لیتا تھا۔ اس کا استیصال صرف ایک پرزور نظام حکومت ہی سے ہو سکتا تھا جو عرب میں مفقود تھا' چنانچہ قبیلہ طے کے عیسائی سردار عدی بن حاتم مسلمان ہو کر جب آپ سے ملنے آئے اور آپ نے ان سے یہ پیشین گوئی کی کہ وہ دن آئے گا جب حیرہ سے ایک پردہ نشین عورت بے خوف و خطر حضر موت تک کا سفر کرے گی' تو چونکہ وہ قبیلہ طے کے ایک رئیس تھے اور ان کو اس قبیلہ کے ڈاکوؤں کا حال معلوم تھا۔ اس لیے ان کو تعجب ہوا کہ ہیں! طے کے لصوص کیا ہو جائیں گے۔

ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے مال و دولت' مویشی بلکہ اہل و عیال تک پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے تیار رہتا تھا تاجروں اور سوداگروں کے قافلے بغیر کسی بھاری انعام کے کسی میدان سے بسلامت گزر نہیں سکتے تھے' ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کی عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا تھا اور مویشیوں کو ہانک کر لے جاتا تھا' چنانچہ ''صبح'' کا وقت جب کہ رات بھر چلنے کے بعد مسافر آرام کرتے تھے' اس کام کے لیے مخصوص ہو گیا تھا' چنانچہ صبح کا وقت عربی

(۱) موطا امام مالک ص ۳۰۴۔
(۲) بخاری قتل کعب بن اشرف۔

Marfat.com

میں لوٹنے کے معنی میں جاہلیت میں عام طور سے بولا جاتا تھا' کامیاب ڈاکو اپنے کارناموں کو نظم کرتے تھے اور فخریہ پڑھتے تھے' ایک قبیلہ کا شاعر حارث نامی ڈاکو کے سلامت نکل جانے پر کہتا ہے۔

یا لهف زيابة للحارث

الصابح فالغانم فالائب

اے زیابہ کا افسوس حارث کے لیے جو صبح کو ڈاکہ ڈالنے والا' پھر لوٹنے والا' پھر بسلامت واپس جانے والا ہے۔

حج کے تین مہینوں میں البتہ وہ اس پیشہ سے باز رہتے تھے' لیکن اس سے زیادہ مدت پر وہ صبر نہیں کرتے تھے اور چونکہ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے مال و دولت اور مویشی پر موقع پا کر اسی طرح تصرف کرتا تھا' اس لیے وہ اس کو عیب نہیں بلکہ بہادری کا کام سمجھتے تھے اور اس طرح ملک میں مسلسل قتل و غارت اور لوٹ مار کا طریقہ جاری تھا۔

چوری:

ڈاکہ کے علاوہ اقتصادی حالات کی مجبوری سے بدوؤں میں چوری کا رواج بھی تھا' مختلف قبیلوں کے ایسے بہادر جو قبیلہ میں کوئی نمایاں حیثیت نہیں رکھتے تھے وہ خصوصیت کے ساتھ اس پیشہ کو اختیار کرتے تھے اور تنہا بڑے بڑے خطرناک موقعوں پر جا کر اس کام کو انجام دیتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے' ان میں سے سلیک بن السلکہ اور تابط شرا شہرت عام رکھتے تھے' تابط شرا کا ایک قصہ حماسہ میں ہے جس میں اپنی چوری اور حیلہ گری کا ذکر بڑے فخر سے کیا ہے۔

قریش میں تجارت کے سبب سے دولت بھی تھی اور خود خانہ کعبہ میں تحفوں اور نذرانوں کا خزانہ جمع رہتا تھا' اس لیے ان میں چوری کے مواقع بھی زیادہ تھے' چنانچہ کلبی نے متعدد ممتاز قریشیوں کے نام بتائے ہیں۔ جنہوں نے اس خزانہ سے سونے کا ہرن چرالیا تھا۔ [1] بلکہ اس کے لیے خاص طور سے ابولہب کا نام لیا جاتا ہے۔ [2]

عام بدو عربوں میں یہ برائی جتنی عام ہوگئی تھی' اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ آنحضرت ﷺ ان مردوں اور عورتوں سے جو اسلام قبول کرنے آتے تھے' دوسری باتوں کے ساتھ یہ معاہدہ بھی لیتے تھے کہ آئندہ وہ چوری نہ کریں گے۔ [3] بلکہ خود قرآن پاک نے آپ کو اس کا معاہدہ لینے کا حکم دیا تھا۔ [4]

چوری کرنے کے عجیب عجیب طریقے ایجاد کر لیے تھے' ایک شخص نے اپنی چھڑی کے کنارے ایک ٹیڑھا لوہا (محجن) لگا رکھا تھا حج کے زمانہ میں آتا اور جب حاجیوں کو غافل پاتا تو اس لوہے کے سہارے سے ان کے اسباب کو کھینچ لیتا۔ [5]

---

(۱) فتح الباری جلد ۱۲ ص ۷۷۔

(۲) کتاب المعارف ابن قتیبہ۔

(۳) صحیح بخاری کتاب الحدود ص ۱۰۰۳' ۱۰۰۴۔

(۴) سورہ ممتحنہ رکوع ۲۔ (۵) مسلم باب فی صلوۃ الکسوف۔

Marfat.com

جس طرح عرب میں طے کے ڈاکو لوٹ مار میں مشہور تھے اسی طرح بعض قبائل چوری میں شہرت عام رکھتے تھے چنانچہ اسلم غفار مزینہ اور جہینہ کے قبیلے تمام عرب میں اس بناء پر بدنام تھے کہ وہ خاص طور پر حاجیوں کے مال و اسباب کی چوری کیا کرتے تھے۔ (۱)

چونکہ یہ چوری عربوں کی اقتصادی کمزوری کا نتیجہ تھی۔ اس لیے اس کے لیے غیر و بیگانہ کی تخصیص نہ تھی' بلکہ اس کا اثر اعزہ و اقارب' ہمسایہ' دوست و آشنا' خاندان' غرض سب پر پڑتا تھا' چنانچہ مدینہ میں بشر' بشیر' مبشر تین آدمی تھے جن کو بنی ابیرق کہا جاتا تھا' ان میں بشیر منافق تھا اور آنحضرت ﷺ کی ہجو میں شعر کہہ کر دوسروں کی طرف منسوب کر دیتا تھا' یہ لوگ نہایت تنگ دست اور فاقہ مست تھے' انہوں نے رفاعہ نامی ایک شخص کے بالا خانہ سے جس میں ہتھیار و تلوار اور زرہ وغیرہ بھی رکھی ہوئی تھی نقب لگا کر چوری کی' آپ نے رفاعہ کے ہتھیار واپس دلائے۔ لیکن رفاعہ نے ان کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا اور بشیر بھاگ کر مشرکین سے جاملا۔ (۲)

مردوں کے علاوہ عورتیں بھی اس مرض میں گرفتار تھیں' اسی لیے قرآن پاک نے عورتوں سے بیعت لیتے وقت یہ عہد لینے کی بھی تاکید کی کہ ﴿و لا یسرقن﴾ (ممتحنہ: ۲) یعنی وہ چوری نہ کریں گی' شرفاء اگر اس الزام میں پکڑے جاتے تو وہ چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ اس لیے یہ برائی رکنے نہیں پاتی تھی۔ چنانچہ اسلام کے بعد بھی جب قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی تو اس پر قریش کو سخت تردد ہوا اور لوگوں نے کہا اس کے متعلق آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کون سفارش کرے گا؟ لوگوں نے اسامہ بن زیدؓ کو منتخب کیا جن کو آپؐ بہت پیار کرتے تھے' انہوں نے سفارش کی تو آپؐ نے فرمایا تم حدود اللہ کے متعلق سفارش کرتے ہو؟ پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ گزشتہ قومیں صرف اسی لیے ہلاک ہو گئیں کہ جب شریف آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے' اور ضعیف چوری کرتا تھا تو اس کو سزا دیتے تھے' خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ لیتا۔ (۳)

خود شہر کے اندر اس قسم کی وارداتوں کی یہ حالت تھی کہ صفوان بن امیہ ایک روز ایک بیش قیمت چادر اوڑھ کر سو رہے تھے ایک شخص نے موقع پا کر اس کو اڑالیا وہ گرفتار کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا صفوان کو اس پر رحم آیا اور آ کر عرض کی کہ یا رسول اللہ ایک چادر کے لیے ایک عرب کا ہاتھ کاٹا جائے گا' آپؐ نے فرمایا میرے پاس لانے سے پہلے ہی اس کا خیال رکھنا تھا۔ حاکم تک معاملہ پہنچنے کے بعد کسی کو سفارش کا حق حاصل نہیں۔ (۴)

سفاکی و بے رحمی و وحشت:

رات دن کی لوٹ مار اور کشت و خون سے ان میں درندوں کے تمام اوصاف پیدا ہو گئے تھے زندہ اونٹ اور

(۱) مسلم و بخاری کتاب "المناقب باب اسلم و غفار۔

(۲) ترمذی ص ۴۹۴ کتاب التفسیر سورہ نون۔

(۳) بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۳ کتاب الحدود۔

(۴) دار قطنی ص ۳۴۷ کتاب الحدود۔

Marfat.com

دنبہ کے کوہان اور چکیاں کاٹ کر کباب لگاتے اور یہ ان کی بڑی مرغوب غذا تھی۔

زندہ جانوروں کو درخت وغیرہ سے باندھ دیتے اور ان پر تیر اندازی کی مشق کرتے' لڑائیوں میں حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالتے اور عورتیں ان کے ہار بنا کر پہنتیں' منت مانتے کہ دشمن کو قتل کریں گے تو اس کی کھوپڑی میں شراب پئیں گے۔

سزا دینے کا ایک یہ طریقہ تھا کہ مجرم کو دو درختوں کی ٹہنیاں جھکا کر اس کے اعضاء ان میں باندھ دیتے اور پھر ٹہنیوں کو چھوڑ دیتے' مجرم کا بدن چر کر ٹہنیوں کے ساتھ رہ جاتا۔

کبھی کبھی عورتوں کو گھوڑے کی دم سے باندھ کر گھوڑے کو سرپٹ دوڑا دیتے' ان کے بدن کے ٹکڑے اڑ جاتے اس قسم کی سزائیں اکثر عرب کے سلاطین اور رؤساء دیا کرتے تھے۔

کبھی آدمی کو کسی کوٹھری میں قید کر کے اس کا کھانا پانی بند کر دیتے تھے' یہاں تک کہ وہ اسی طرح بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جاتا تھا۔ اس طریقہ سزا کا نام ان کے یہاں ''صبر'' تھا' مردوں کی قبر پر اونٹ باندھ دیتے تھے اور اس کو کھانے کو نہیں دیتے تھے وہ چند روز میں مر جاتا' سمجھتے تھے کہ یہ مردے کی سواری بنے گا' اس اونٹ کو ''بلیہ'' کہتے تھے۔

زنا اور فواحش:

زنا اور فسق و فجور عام تھا اور یہ واقعات فخریہ اشعار میں بیان کیے جاتے تھے' امرؤ القیس عرب کا سب سے بڑا شاعر تھا' اس کے ساتھ شاہزادہ اور والی ملک بھی تھا۔ اس نے اپنی پھوپھی زاد بہن عنیزہ اور اور عورتوں کے ساتھ جو افعال شنیعہ اور بے حیائیاں کیں اپنے قصیدہ لامیہ میں فخر کے ساتھ تفصیل سے لکھی ہیں' باوجود اس کے کہ اس قصیدہ کے اشعار عرب میں بچہ بچہ کی زبان پر تھے۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اہل جاہلیت بالاعلان زنا کو جائز نہیں سمجھتے تھے لیکن چھپے چوری کرنے کو جائز سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ کھلم کھلا کرنا تو کمینہ پن ہے لیکن چھپ کر کرنے میں مضائقہ نہیں۔ [1] فاحشہ عورتیں گھروں کے سامنے جھنڈیاں لگا کر بیٹھتی تھیں۔ [2] اور صاحب الرایات کہلاتی تھیں' ان کی اولاد اصلی اور حلالی اولاد کے برابر سمجھی جاتی تھی' اسلام سے پہلے ایسی عورتیں خود مکہ معظمہ میں تھیں' ان میں سے ایک کا نام عناق تھا۔ مرثد غنوی نے آنحضرت ﷺ سے اجازت مانگی کہ میں عناق سے نکاح کر لوں' اس پر یہ آیت اتری۔

﴿وَالزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ﴾ (نور: ۱) ''اور زانیہ عورت سے زانی یا مشرک ہی نکاح کرتے ہیں۔''

بڑے بڑے رؤسا گھر کی لونڈیوں کو یہ حکم دیتے تھے کہ بدکاری کے ذریعہ سے جا کر کچھ کما لائیں اور ان کی نذر کریں' عبداللہ بن ابی مدینہ کا رئیس تھا اور اس درجہ کا شخص تھا کہ ہجرت سے پہلے تمام انصار نے تاج بنوا لیا تھا کہ اس کو

(۱) تفسیر طبری آیت محصنت غیر مسافحت ج ۵ ص ۱۳' مصر۔

(۲) صحیح بخاری کتاب النکاح جلد ۲ ص ۲۶۹۔

Marfat.com

بادشاہ بنا کر پہنائیں گے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں یہ واقعہ منقول ہے' عبداللہ بن ابی کی دو لونڈیاں تھیں۔ ایک کا نام مسیکہ اور دوسری کا نام امیمہ تھا' وہ ان دونوں کو زنا کاری کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ اس پر قرآن مجید کی آیت اتری۔ (۱)

﴿وَ لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ﴾ (نور : ۴) ''اپنی لونڈیاں کو زنا پر مجبور نہ کرو۔''

موجودہ طریقہ کے علاوہ نکاح کی اور چند قسمیں جاری تھیں' جو حقیقت میں بدکاری ہی کی قسمیں تھیں' مثلاً ایک یہ کہ کوئی شجاع اور بہادر ہوتا تو اپنی عورت کو اس کے پاس بھیج دیتے کہ اس سے ہم بستر ہو' بچہ پیدا ہوتا تھا تو سمجھتے تھے کہ اس میں بھی وہی اوصاف آ جائیں گے جس کا یہ نطفہ ہے۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ چند آدمی جن کی تعداد ایک وقت میں دس سے زیادہ نہیں ہوتی تھی' کسی عورت کے پاس جاتے اور سب اس سے ہم صحبت ہوتے' جب وہ حاملہ ہو جاتی اور بچہ جنتی تو سب کو بلوا بھیجتی اور کسی ایک سے کہتی کہ یہ بچہ تمہارا ہے اس کو قبول کرنا پڑتا اور پھر وہ اس کا بیٹا سمجھا جاتا۔

تیسرا طریقہ یہ تھا کہ فاحشہ عورتیں جو سر بازار جھنڈیاں لگا کر بیٹھتی تھیں' ان کے لڑکا پیدا ہوتا تو قیافہ شناس کو بلوا بھیجتیں وہ صورت شکل دیکھ کر بتاتا کہ فلاں شخص کا نطفہ ہے' عورت اس کو بلا کر کہتی کہ یہ تمہارا بچہ ہے۔ صحیح بخاری کتاب النکاح میں یہ تینوں طریقے تفصیل سے مذکور ہیں۔

ایک اور قسم عارضی نکاح کی جاری تھی اور وہ یہ تھی کہ کسی عورت سے مدت معینہ کے لیے نکاح کر لیتے تھے' اس مدت کے گزرنے کے بعد اس کی اجرت دے کر اس کو الگ کر دیتے تھے اس کو متعہ کہتے تھے۔ اسلام نے شروع میں اس کو ضرورۃً چندے باقی رکھا' پھر ہمیشہ کے لیے اس کو حرام کر دیا۔

بے شرمی و بے حیائی:

شرم و حیا کا وجود نہ تھا' حج کعبہ میں ہزاروں لاکھوں آدمی جمع ہوتے لیکن (قریش کے سوا باقی) سب مادر زاد ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے' عورتیں' جب ننگی ہو کر طواف کرتیں تو لوگوں سے کہتیں کہ کوئی ہم کو اتنا کپڑا دیتا کہ ستر عورت ہو جاتا' پھر یہ شعر پڑھتیں۔

الیوم یبدو بعضه او کله — آج بدن کا کچھ حصہ کھلے گا یا سارا جو کھلا ہے

فما بد امنه فلا احله — اس سے لطف اٹھانے کی میں اجازت نہیں دیتی

صحیح مسلم باب التفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے۔

نہاتے وقت اوٹ نہیں کرتے تھے' کھلے میدان میں بے ستر ہو کر نہاتے تھے۔ (۲)

پاخانہ پیشاب کے وقت پردہ نہیں کرتے تھے' (۳) جلسوں میں بیٹھتے تو بیویوں سے ہم صحبتی کے تمام واقعات بیان کرتے (۴) سوتیلی ماؤں پر وراثۃً قبضہ کر کے ان کو بیوی بناتے۔

---

(۱) ابوداؤد کتاب النکاح' صحیح مسلم باب التفسیر۔
(۲) نسائی باب الاستتار عند الغسل۔ (۳) ابوداؤد کتاب الطہارۃ۔
(۴) ابوداؤد کتاب النکاح باب ما یکرہ عن ذکر الرجل ما یکون من اصابتہ اہلہ۔

Marfat.com

عورتوں پر ظلم:

عورتوں کی حالت نہایت خراب تھی' مورث کے متروکہ میں سے ان کو کچھ نہیں ملتا تھا' عرب کا قول تھا کہ میراث اس کا حق ہے جو تلوار پکڑ سکتا ہے' اسی بنا پر چھوٹے بچے بھی وراثت سے محروم رہتے تھے۔

لڑائیوں میں مفتوحہ قبیلہ کی عورتیں عین میدان جنگ میں فاتحین کے تصرف میں آ جاتیں اگر صلح ہو جاتی اور عورتیں واپس دے دی جاتیں تو باوجود اس کے کہ سب کے ناموس برباد ہو چکے ہوتے' بدستور گھروں میں لے لی جاتیں اور یہ کوئی عیب نہیں خیال کیا جاتا تھا۔ فاتحین اس تصرف پر فخر کرتے اور اس کو اشعار میں ظاہر کرتے' بنوضبہ نے جب بنو عامر پر فتح پائی تو ان کی عورتوں کو عین میدان جنگ میں رسوا کیا' فرزدق نے اس شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فظلت و ظلت یر کبون هبیرها	تو لوگ عورتوں پر متصرف ہو گئے اور کوئی اگر پردہ
و لیس لهم ال اعوالیها ستر	بیچ میں تھا تو وہ صرف نیزے تھے۔"

قبیلہ قیس اور بنو دارم میں جو معرکہ ہوا وہ رحرحان کے نام سے مشہور ہے اس کی نسبت جریر کہتا ہے۔

نکحت نساء هم بغیر مهور.	"ان کی عورتوں سے بغیر مہر کے نکاح کیا۔"

عمرو معدیکرب' عرب کے مشہور بہادر اور شاعر تھے ان کی بہن ریحانہ کی عصمت اسی طرح جب برباد ہوئی تو عمرو نے کہا۔

امن ریحانة الداعی السمیع یورقنی	"کیا ریحانہ کی طرف سے کوئی پکارنے والا سننے والا ہے' جس نے
و اصحابی هجوع اذا لم تستطع	گو مجھے بے خواب رکھا ہے لیکن میرے احباب سوتے ہیں' اگر تم
امرا فدعه و جاوزه الی ما تستطیع.	کسی کام کو نہ کر سکو تو اس کو چھوڑ کر وہ کرو جو کر سکتے ہو۔"

طلاق کے لیے کوئی مدت اور عدت نہ تھی' یعنی جب تک شوہر چاہے' عورت نہ شوہر کے پاس رہ سکتی تھی' نہ کسی اور سے شادی کر سکتی تھی۔

نکاح کے لیے کوئی حد نہ تھی' غیلانؓ بن سلمہ ثقفی جب اسلام لائے تو ان کی دس بیویاں تھیں' وہب اسدیؓ نے اسلام قبول کیا تو آٹھ بیویاں ان کے عقد نکاح میں تھیں۔ (۱)

دو حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرتے' باپ مر جاتا تو اس کی بیویاں (بجز حقیقی ماں کے) تصرف میں آتیں اور اس کی جائز بیویاں سمجھی جاتی تھیں۔

ایام کے زمانہ میں عورتوں کو الگ کر دیتے اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے۔

عورت جب بیوہ ہو جاتی تو گھر سے باہر ایک نہایت تنگ کوٹھری رہنے کو اور خراب سے خراب کپڑے پہننے کو دیئے جاتے' خوشبو وغیرہ قسم کی کوئی چیز استعمال نہ کر سکتی' اس حالت کے ساتھ جب پورا سال گزر جاتا تو ایک بکری یا گدھا لاتے اس سے وہ اپنے جسم کو مس کرتی پھر کوٹھری سے باہر نکلتی اور اس کے ہاتھ میں مینگنی دی جاتی' وہ مینگنی کو پھینک

(۱) ابوداؤد کتاب النکاح۔

Marfat.com

دیتی' اس وقت سوگ سے نکل آتی اور قدیمی حالت قائم ہوتی۔ (۱) عورت کا جو مہر مقرر ہوتا وہ باپ کو ملتا' عورت کو اس سے سروکار نہ ہوتا۔

غرض مجموعی حیثیت سے عورت بدترین مخلوق اور ہر قسم کے جبر و تعدی کا تختہ گاہ مشق تھی' رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ جس کے گھر میں لڑکی پیدا ہوتی۔ اس کو سخت رنج ہوتا اور شرم کے مارے لوگوں میں چھپتا پھرتا۔

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ﴾ (نحل : ۷)

''اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوش خبری سنائی جاتی ہے تو اس کا منہ کالا پڑ جاتا ہے اور غصہ کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ اس خوش خبری کے رنج سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے) کہ ذلت کے ساتھ اس کو قبول کرے یا زندہ زمین میں دفن کر دے۔''

ابوحمزہ ایک رئیس تھا۔ اس کے لڑکی پیدا ہوئی تو اس نے گھر میں رہنا چھوڑ دیا اس پر اس کی بیوی یہ اشعار پڑھ پڑھ کر بچی کو لوریاں دیتی تھی۔

ما لابی حمزة یاتینا	ابوحمزہ کو کیا ہو گیا ہے کہ ہمارے پاس نہیں آتا۔
یبیت فی بیت التی تلینا	اور ہمسایہ کے گھر میں رات بسر کرتا ہے۔
غضبان الا نلد البنینا	اس پر ناراض ہے کہ ہم بیٹے نہیں جنتے۔
تاالله ماذاک بایدینا	خدا کی قسم یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں۔
و نحن کالزرع لزارعینا	ہم بطور کھیت کے ہیں۔
تنبت ما قد زرعوه فینا	ہم میں جو بویا جائے گا وہی اگے گا۔

رفتہ رفتہ دختر کشی کی رسم جاری ہو گئی' لڑکی پیدا ہوتی تو اس کو میدان میں لے جا کر گڑھا کھودتے اور زندہ گاڑ دیتے' اس کو عربی میں وأد کہتے ہیں۔

ایک صاحب نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر ظاہر کیا تھا کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے آٹھ لڑکیاں زندہ دفن کیں۔ (۲)

عورت کو وراثت کا کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔ ان کا قانون تھا کہ وراثت کا حق اسی کو ہے جو تلوار چلائے' (۳) عورت بیوہ ہونے کے بعد اپنے شوہر کے وارثوں کی ملک سمجھی جاتی تھی' وہ اگر آ کر بیوہ پر چادر ڈال دیتا تو وہ اس کی جائز مدخولہ بن جاتی۔ (۴)

---

(۱) ابوداؤد کتاب النکاح باب احداد المتوفی عنہا زوجہا۔

(۲) تفسیر ابن جریر و ابن کثیر سورۃ ﴿اذا الشمس کورت﴾

(۳) تفسیر ﴿یوصیکم الله فی اولاد کم للذکر مثل حظ الانثیین﴾

(۴) تفسیر ﴿و لا تعضلوهن﴾

Marfat.com

وحشت و جہالت:

حرام و حلال کی کوئی تمیز نہ تھی، ہر چیز اور ہر جانور کھا سکتے تھے، کھاتے تھے، حشرات الارض عام غذا تھی چھپکلی تک کھا جاتے تھے، خون کو جما لیتے اور قاشیں تراش کر کھاتے، مردہ کھانا عام بات تھی۔[1] چمڑے کو آگ میں بھون کر کھاتے، زندہ جانور کا گوشت کا ٹکڑا کھا لیتے تھے، گردن مروڑ کر، ڈنڈے سے مار کر درندوں کا مارا ہوا سب کھاتے۔[2] گدھے کا گوشت بھی کھاتے تھے۔[3]

عرب کا مشہور جاہلی شاعر اعشٰی میمون جس نے آغاز اسلام کا زمانہ پایا ہے اور اہل عرب نے آنحضرت ﷺ کی مدح میں اس کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے اس میں وہ اسلام کی تائید میں اہل عرب کو جن باتوں کی طرف متوجہ کرتا ہے وہ یہ ہیں۔

و ایاک و المیتات لا تاکلنها　　و لا تاخذن سهما حد التفصدا

مرداروں سے پرہیز کر اور ان کو نہ کھا اور نہ تیز تیر سے جانور کو فصد دے کر مار کر کھا

و ذا النصب المصوب لا تنسکنه　　و لا تعبد الاوثان و الله فاعبدا

اور نہ کھڑے کیے ہوئے بتوں پر قربانی کر اور نہ بتوں کی پوجا کر، بلکہ اللہ کی عبادت کر۔

و لا السائل المحروم لا تترکنه　　لعاقبة و لا الاسیر المقیدا

اور محروم بھیک مانگنے والے کو کسی اور انجام کے لیے مت چھوڑ اور نہ زنجیر میں بندھے ہوئے قیدی کو۔

و لا تسخون مل بائس ذی ضرارة　　و لا تحسبن المرا یوما مخلدا

اور نہ کسی مصیبت زدہ مفلس سے ٹھٹھا کر اور نہ کبھی یہ سمجھ کہ آدمی ہمیشہ رہنے والا ہے۔

و لا تقربن جارة ان سرها　　علیک حرام فانکحن او نابدا

اور نہ اپنی ہمسایہ خاتون سے بدکاری کر وہ تجھ پر حرام ہے تو یا نکاح کر اور یا کنوارہ رہ جا۔

☆☆☆

---

(۱) اسباب النزول سیوطی آیت ﴿حرمت علیکم المیتة﴾

(۲) تفسیر طبری سورۂ مائدہ بیان ماکولات۔

(۳) صحیح نسائی کتاب الصید والذبائح۔

(۴) دیوان اعشٰی مطبوعہ ویانا ۱۹۲۷ء ص ۱۰۳۔

Marfat.com

عربوں کی خصوصیات

خیر الامم بننے کی اہلیت

لیکن ان تمام مفاسد اور برائیوں کے باوجود اہل عرب میں کچھ ایسی خصوصیات بھی تھیں، جو دنیا کی تمام قوموں میں ان ہی کے ساتھ مخصوص تھیں اور ان کی ان ہی فطری اور طبعی خصوصیات و امتیازات کا اثر تھا کہ خلاق فطرت نے ان کو اپنی نبوت و رسالت اور تعلیم و شریعت کا اہل سمجھا اور ان کو اپنے اس خلعت خاص سے سرفراز کیا۔

صحت نسب:

ان خصوصیات میں سب سے پہلی چیز ان کی صحیح النسبی ہے، شمالی عرب کے تمام قبیلے حضرت ابراہیم کی اولاد اور ان کی نسل سے تھے اور یہ بات ایسی مشہور و متواتر روایتوں سے ثابت تھی کہ کسی نے تردید کی ہمت نہیں کی توراۃ نے حضرت ابراہیمؑ کی جن اولادوں کے نام بتائے ہیں ان میں سے ایک ایک کا نام سراغ عرب کی پرانی آبادیوں میں ملتا ہے چنانچہ ریورنڈ رفاسٹر نے ۱۸۴۴ء میں عرب کا جو تاریخی جغرافیہ لکھا ہے۔ اس میں پوری دلیل اور تفصیل اور شہادتوں کے ساتھ ان آبادیوں کا پتہ لگایا ہے اور ان کی جگہیں متعین کی ہیں۔ قدیم یہودی مؤرخ یوسیفوس نے بھی یہی لکھا ہے [1] اور آج کل ایک یہودی ڈاکٹر اسرائیل ولفنسون نے تاریخ الیہود فی بلاد العرب ایک کتاب لکھی ہے، اس میں بھی اس نے اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے اور اس کی صحت پر دلیلیں پیش کی ہیں۔ [2] اور بعض حال کے مناظر عیسائیوں کے علاوہ اس واقعہ کے تواتر میں کسی نے شک نہیں کیا ہے اور غالباً اسی لیے سینٹ پال نے اپنے خطوط میں عرب کی ہاجرہ کی تمثیل استعمال کی ہے [3] اور قرآن پاک نے اہل عرب اور قریش کو خطاب کر کے صاف کہا ہے۔

﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ﴾ (حج)　"تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب۔"

حضرت ابراہیمؑ تک نام بنام سلسلہ نسب کے پہنچنے میں پشتوں کی کمی بیشی یا ناموں کا گھٹنا بڑھنا ممکن ہے مگر مجموعی حیثیت سے یہ دعویٰ کہ یہ حضرت ابراہیم کی اولاد تھے کسی حیثیت سے مشکوک نہیں ہے۔ خصوصاً جب اس کے ساتھ خارجی قرائن پر بھی نظر کر لی جائے کہ وہی تمدن اور طرز معاشرت جو توراۃ میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کے اہل و عیال کا نظر آتا ہے، اسلام کے عہد تک بلکہ آج تک وہ اسی طرح عربوں میں قائم و باقی ہے، وہی خیمے ہیں وہی صحرا ہیں

(۱) ترجمہ انگریزی ۱۸۲۲ء جلد اول ص ۲۵۔

(۲) تاریخ الیہود فی بلاد العرب لاسرائیل ولفنسون مطبوعہ مطبعۃ الاعتماد مصر صفحہ ۷۵-۶۔

(۳) سینٹ پال گلتیوں کے نام باب ۴-۵۔

Marfat.com

وہی مویشی ہیں، وہی بدویانہ زندگی ہے وہی رسم ورواج ہیں، جن کو اسلام نے آ کر اور زیادہ نکھار دیا۔ وہی بیت اللہ حج و قربانی کی عادتیں ہیں۔ اور یہ ایسا کھلا قرینہ ہے جو آج بھی یورپ کے محققوں کی نگاہوں کے سامنے ہے، مشہور جرمن محقق نولڈیک کہتا ہے۔

اور نیز عربوں میں قدیم سامی کیرکٹر اپنے خالص رنگ میں باقی سمجھا جاتا ہے اور ان کی زبان اصل زبان کے بہت قریب ہے۔ (۱)

اہل عرب کو اپنے حسب ونسب کی حفاظت کا جو خیال ولحاظ تھا اس کے ذکر سے عرب کی تاریخیں معمور ہیں، چنانچہ نسب پر فخر کرنا ان کی شاعری کا اور نسبی مفاخرت ان کی تقریر کا سب سے بڑا موضوع تھا، اپنے باپ دادوں کے مسلسل ناموں کو یاد رکھنا ان کا خاندانی فرض سمجھا جاتا تھا یہاں تک کہ انسانوں سے ہٹ کر جانوروں (گھوڑوں) تک کے نسب نامے وہ محفوظ رکھتے تھے، قبائل کے نسبی تعلقات کو یاد رکھنے والے خاص خاص لوگ ہر قبیلہ میں موجود رہتے تھے، اور یہی سبب ہے کہ آج بھی ان کے اکابر اور مشاہیر کا سلسلہ نسب آپ کو معلوم ہو سکتا ہے اور اس پر بہت سی اہم کتابیں لکھی گئی ہیں اور یہ وہ خصوصیت ہے جو دنیا میں صرف اہل عرب کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہود اور بنی اسرائیل بھی گو حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے تھے مگر وہ بھی اس خصوصیت میں ان کی برابری نہیں کر سکتے کہ دوسری قوموں کے اختلاط اور میل جول اور کسی خاص وطن کے نہ ہونے کے سبب سے ان کی اکثر خاندانی خصوصیتیں مٹ گئیں۔

نسب بجائے خود کوئی فخر کی چیز نہیں۔ اسی لیے محمد رسول اللہ ﷺ نے عمل کے مقابلہ میں نسبی فخر کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کی ہدایت کے لیے جو دعا کی تھی اور ان کو جس بیت اللہ کی پاسبانی سپرد کی تھی اور ان میں ایک نبی کی بعثت کی جو دعا مانگی تھی اور خدا نے ان کی نسل کو دینی اور دنیاوی برکات کے عطا کرنے کا ان سے جو عہد کیا تھا ان سب کے پورا ہونے اور ان کے حقیقی مصداق بننے کے لیے نسل ابراہیم کی صحیح النسبی کی ضرورت تھی اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس شرف کے ساتھ مخصوص کیا۔

کسی پہلے مذہب میں داخل نہ تھے:

اسی طرح ان کو ان تمام اثرات سے محفوظ رکھا جو قوموں کے عادات اور استعدادات کو بدل دیتے ہیں مثلاً وہ باوجود اس کے کہ ہر چہار طرف سے مختلف بڑے بڑے مذہبوں سے ٹکرا رہے تھے مگر کوئی مذہب ان کو فتح نہیں کر سکا تھا۔ مجوسیت خلیج فارس سے لے کر یمن تک حکمران تھی، یہودیت یمن اور حجاز کی تجارت گاہوں پر قابض تھی، عیسائیت اپنی فوج ولشکر اور راہبوں اور قسیسوں کے دل بادل کے ساتھ یمن سے لے کر شام کے حدود تک پھیلی تھی اور بعض افراد اور بعض قبیلوں کو وہ برائے نام عیسائی بنا بھی چکی تھی، مگر پورا عرب بدستور اپنی خالص حالت پر باقی تھا، عرب میں جو نیک طبع اور دیندار لوگ ہوتے تھے وہ مجوسی یا یہودی یا عیسائی ہونے کے بجائے اپنے کو دین ابراہیمی کا پیرو کہتے تھے اور اسی لیے اپنے مذہب کا نام دین حنیفی رکھتے تھے، یہ سب اسی لیے ہو رہا تھا تا کہ خاتم الانبیاء ﷺ کے ذریعہ دین

(۱) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم مضمون ''السنہ سامیہ'' میں نے ارض القرآن جلد اول ص ۱۰۷ سے ص ۱۱۶ تک اس پر مدلل بحث کی ہے اور علمائے یورپ کے حوالے یکجا کر دیے ہیں۔

Marfat.com

ابراہیمی کی دعوت وتجدید کا راستہ کھلا رہے۔

محکوم نہ تھے:

عرب کا ملک تخلیق عالم کے آغاز سے اسلام تک ہر غیر قوم کی حکومت سے ہمیشہ آزاد رہا۔ شمالی عرب نے کبھی کسی قوم کی غلامی نہیں کی، بابل کے بخت نصر نے بنی اسرائیل کو زیروزبر کر دیا مگر عرب کی طرف آنکھ نہ اٹھا سکا یونانیوں اور رومیوں نے مصر سے لے کر عراق کی سرحد تک صدیوں تک حکومت کی مگر خاص عرب کے اندر قدم نہ رکھ سکے، سکندر نے اور اس کے بعد رومی سپہ سالاروں نے جب ادھر نظر اٹھائی تو فطرت نے ہمیشہ ان کو شکست دی عرب کا ملک دنیا کی دو عظیم الشان حکومتوں یعنی ایران وروم کی سرحد پر واقع تھا مگر وہ دونوں اپنی حرص وآز کا ہاتھ اس کی طرف بڑھانے سے قاصر رہیں، گستاخ عیسائی حبشیوں نے یمن فتح کرنے کے بعد ہاتھیوں کے ریلے کے ساتھ مکہ معظمہ پر چڑھائی کی۔ مگر قدرت الٰہی نے ان کو تباہ کر دیا۔ یہ تمام اہتمام وانتظام اس لیے تھا کہ کوئی دوسری جابرانہ قوت ان کے دل و دماغ کی استعداد کو برباد نہ کر سکے ان کی آزادی کی روح برقرار اور ان کی فاتحانہ طاقت بدستور قائم رہے تاکہ یہ مخفی خزانہ خدا کے آخری مذہب کی حکومت کے قیام وبقا میں کارآمد ہو۔

کتابی فاسد تعلیم سے ناآشنا تھے:

جس طرح وہ خارجی اثرات سے پاک تھے اسی طرح صحیفہ فطرت کے سوا ہر قسم کے کتابی علم سے وہ ناآشنا تھے، یعنی اس ذریعہ سے بھی وہ دوسری قوموں کے دماغی اثرات سے محفوظ تھے اور علم کی جاہلانہ اور کج بحثانہ ذہنیت سے پاک تھے، وہ امی تھے تاکہ ایک امی معلم کی ربانی تعلیم کے قبول کرنے کے لیے ہر طرح تیار رہیں۔

وہ زمین کے وسط میں آباد تھے:

عرب کا ملک پرانی دنیا کے وسط میں واقع ہے، ایک طرف ایشیا، دوسری طرف افریقہ اور تیسری طرف یورپ کا راستہ اس سے قریب ہے، پھر بحری جائے وقوع نے اس کو جزائر اور دور دراز ملکوں سے قریب کر دیا تھا۔ اس لیے عرب سے نکل کر وہ ایک طرف عراق ہو کر ایران، ترکستان، خراسان سیستان کابل، ہندوستان تک پہنچ گئے اور دوسری طرف شام ہو کر مصر افریقہ، الجزائر، تیونس، مراکش اور اسپین تک جا پہنچے اور بحری راستوں سے ایک طرف تمام جزائر افریقہ، حبشہ، زنجبار، پھر ادھر جزائر ہند، جاوا، ساٹرا اور چین تک ان کا گزر ہوا، اور دوسری طرف سائپرس، کریٹ اور سسلی تک۔ ان کا پرچم لہرایا، یہ تمام مواقع اس لیے میسر آئے کہ عرب کا جائے وقوع اس دعوت کے لیے مناسب مرکز تھا، فرض کرو نہ اگر اس دعوت کی جگہ ہندوستان یا چین ہوتا تو اسپین اور سسلی تک پہنچنے کے لیے کتنا عرصہ درکار ہوتا، پھر یہ کہ اس وقت تک دنیا جن دو مشرقی اور مغربی طاقتوں کے زیر فرمان تھی، ان دونوں کے زور کو برابر طور سے اور ایک ساتھ توڑنے کے لیے عرب کے سوا دنیا میں کوئی جگہ موزوں نہ تھی، جہاں سے دونوں پر ایک ساتھ حملہ کرنا اور دنیا کو ان کے خون آشام پنجوں سے نجات دینا آسانی ممکن ہوا۔

Marfat.com

بعض اخلاقی خوبیاں:

ان کے علاوہ اہل عرب کو خیر الامم بننے اور عالم کے لیے شاید نمونہ اور مصلح ہونے کے لیے کچھ اور اخلاقی خوبیوں کی بھی ضرورت تھی اور وہ ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں' ان خوبیوں کے بغیر وہ اسلام کی عظیم الشان تحریک کے علم بردار نہیں ہو سکتے تھے اور نہ وہ دنیا کی رہنمائی کا فرض انجام دے سکتے تھے۔

شجاع و بہادر تھے:

وہ حد سے زیادہ شجاع و بہادر تھے' وہ خطرات سے بے خوف تھے' وہ لڑائی کو کھیل سے زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے' یہی سبب ہے کہ وہ تمام دنیا کی قوموں اور سلطنتوں کے مقابلہ میں تنہا کھڑے ہوئے اور کسریٰ و قیصر کو انہوں نے ایک ساتھ چیلنج دیا اور اس تحریک کے پھیلانے میں تھوڑی تھوڑی غیر مسلح جمعیتوں سے ہزاروں اور لاکھوں کی فوج کا بے خطر مقابلہ کیا اور کامیاب ہوئے۔

پر جوش تھے:

ساتھ ہی وہ پر جوش بھی تھے' اس لیے جس دعوت اور تحریک کو لے کر اٹھے اس کو پوری کوشش' عزم اور جوش کے ساتھ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلایا' ان کے عزم اور جوش کو نہ پہاڑ روک سکا اور نہ سمندر اس سے ٹکرا سکا' ہر جگہ وہ توحید کا علم لیے' بحر و بر' دشت و جبل میں پھیل گئے اور اپنے عزم راسخ سے ارکان عالم کو متزلزل کر دیا۔

حق گو تھے:

ان کی جسمانی شجاعت و بہادری کیساتھ ان کا دل شجاع اور بہادر تھا' جو بات ان کے دل میں ہوتی تھی وہی ان کی زبان پر ہوتی تھی' اہل مدینہ میں جو نفاق کا عنصر پیدا ہو گیا تھا وہ یہود کے اثر کا نتیجہ تھا' ورنہ قریش اور عام اہل عرب میں یہ بات نہ تھی یا تو وہ کھلے دشمن تھے یا کھلے دوست اپنے نزدیک وہ جس کو حق سمجھتے تھے' اس کے ظاہر کرنے میں ان کو کسی کا باک نہیں ہوتا تھا۔

عقل و دانش والے تھے:

باوجود اس کے کہ وہ عموماً ظاہری نوشت و خواند سے عاری تھے مگر فطرت کے عطیہ' عقل و دانش سے' وہ کافی طور پر بہرہ مند تھے' حضرت ابوبکر صدیقؓ' عمر فاروقؓ' عثمان غنیؓ' علی مرتضیٰؓ' طلحہؓ' زبیرؓ' خالدؓ' ابوعبیدہ بن الجراح وغیرہ سینکڑوں' ہزاروں صحابہ نے علم و مذہب اخلاق اور سیاست میں جو نکتہ سنجیاں کیں وہ خود ان کی عقل و دانش کی گواہ ہیں روم و ایران کی متمدن قوموں سے جس طرح انہوں نے معاملہ' مراسلہ اور نامہ و پیام کیا اور علم و سیاست کے الجھے سے الجھے ہوئے مسئلہ کو جس طرح سلجھایا وہ خود اسی نتیجہ کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کے شعراء کے کلام' ان کے مقرروں کی تقریریں ان کے فصحاء کے مقولے سنیئے تو ان کی فطری صلاحیت کا اندازہ ہو گا کہ ظاہری تعلیم کے بغیر کیونکر یہ لعل و گوہر وہ اپنے منہ سے اگل سکے۔

Marfat.com

ذہن اور حافظہ کے تیز تھے:

فطرت کا قاعدہ ہے کہ اگر اس کے بعض قوی بیکار رہیں تو ان کی قوت دوسرے زیر عمل قوی کو وہ منتقل کر دیتی ہے اور جس عضو سے زیادہ کام لیا جاتا ہے۔ اس کی قوت کو وہ ترقی دیتی رہتی ہے' اسی اصول کے موافق ظاہری تعلیم اور نوشت وخواند سے محروم ہونے کے سبب سے جہاں عرب کے بعض قوی بیکار ہو رہے تھے وہاں ان کو اپنی یادداشت کے لیے تحریری اوراق اور سفینوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے خود اپنے دل و دماغ پر بھروسہ کرنے کی عادت تھی اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کا ذہن اور حافظہ بہت قوی تھا' یہی سبب ہے کہ ان کے شعراء اپنے بڑے بڑے قصیدوں کو زبانی پڑھتے تھے اور جو کچھ کہتے تھے اور اس کو برزبان یاد رکھتے تھے اور ان کی اسی قوت کا یہ فیض تھا کہ ان میں صحابہ کا بڑا طبقہ تحریر کے بغیر قرآن پاک کی بڑی بڑی سورتوں کو یاد رکھتا تھا اور بہتیرے ایسے تھے جو پورے قرآن کو یاد رکھتے تھے اور یہ ان ہی کی تقلید ہے کہ دنیا کے ہر حصہ میں ایسے ہزاروں مسلمان پائے جاتے ہیں جو پورے قرآن کے حافظ ہوتے ہیں اور اہل عرب کی اسی خصوصیت کا مظہر یہ بھی تھا کہ احادیث وسیر اور واقعات کا بڑا سرمایہ تحریر کے علاوہ زبانی ایک دوسرے کو پوری ذمہ داری اور حفاظت کے ساتھ منتقل ہوتا رہا اور سینکڑوں اصحاب ایسے تھے جو ہزاروں لاکھوں احادیث کو ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ کی پابندی کے ساتھ یاد رکھتے تھے' اہل عرب کی ان خصوصیات نے اسلام کی حفاظت اور اشاعت کا نہایت اہم فرض انجام دیا۔

فیاض تھے:

اہل عرب کی ایک خاص امتیازی صفت ان کی فیاضی تھی' مہمان نوازی ان کی سب سے بڑی خصوصیت تھی ہمسایوں اور پناہ گزینوں کی امداد میں وہ اپنی جان تک لڑا دیتے تھے' اپنی شہرت اور ناموری کے لیے اونٹوں کو ذبح کر کے کھلا دینا' جوئے میں جیتی ہوئی دولت کو احباب کے جلسہ دعوت میں اڑا دینا اور اس پر فخر کرنا ان کی قومی صفت تھی۔ اور یہی اوصاف ان کی شاعرانہ طبع میں سب سے زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں' اسلام نے ان کی اسی صفت کو تھوڑی سی اصلاح کے بعد خدا کی راہ میں خیرات وصدقات زکوٰۃ سے بدل دیا اور اسلام کی مشکل کشائی میں اس نے سب سے زیادہ مدد دی۔

مساوات پسند تھے:

چونکہ وہ کبھی کسی دوسری قوم کے محکوم نہیں ہوئے تھے اور نہ کسی ایک مطلق العنان بادشاہ کے تابع فرمان بنے تھے اس لیے ان کی خودداری کا جذبہ بیدار تھا' وہ غلام بننا نہیں جانتے تھے وہ اپنے کو ذلیل کرنا پسند نہیں کرتے تھے اور وہ بڑے سے بڑے شخص کے سامنے برابری کے ساتھ بے باکانہ بیٹھ کر باتیں کرتے تھے۔

عرب میں بیسیوں لڑائیاں صرف اسی خودداری کی حفاظت میں پیش آئی تھیں جس کا ایک منظر سبعہ معلقہ کے آخری قصیدہ میں نظر آتا ہے' اہل عرب کے اس جذبہ نے حق گوئی' مساوات اور جمہوریت پسندی وغیرہ اسلامی تعلیمات پھیلانے میں بڑی مدد دی۔

Marfat.com

عملی تھے:

اہل عرب کے فطری اخلاق و کردار کی آخری دفعہ یہ ہے کہ وہ طبعاً عملی اور عملیت پسند تھے اور اہل ایران اور اہل ہند کی طرح محض تخیل پسند' خیال آرا اور نظریہ باز نہ تھے وہ مجسم عمل تھے اور عملیت کو پسند کرتے تھے' وہ چون و چرا اور کیسے کیونکر کی فلسفیانہ الجھنوں سے پاک تھے' وہ دنیا کے کاروباری آدمیوں اور سپاہیوں کی طرح چند اچھی باتوں کو قبول کر کے ان پر فوراً عامل بن جاتے تھے یہی سبب ہے کہ عجمیانہ نکتہ آفرینی اور بال کی کھال نکال کر اس کی الجھنوں کے سلجھانے میں وہ کبھی گرفتار نہیں ہوئے' وہ ہمہ تن عمل اور صرف عمل تھے' اسی بنا پر شارع علیہ السلام نے ان کے سامنے عملی مذہب کو پیش کر کے ان کو سرتاپا عملی بنا دیا اور جو کچھ وہ تعلیم لائے تھے اس کا مجسم پیکر بن کر چند سال میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا' دور دور سے بدوی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آتے تھے اور شک و حجت اور مناظرہ و قیل و قال کے بغیر فرائض و اخلاق کی عملی تعلیم حاصل کر کے اپنے قبیلہ میں واپس چلے جاتے تھے اور بالآخر اپنی عملی دعوت سے اپنے پورے قبیلہ کو مسلمان بنا لیتے تھے وہ اگر مگر اور ممکن و ناممکن کی بحث میں نہیں پڑتے تھے' وہ تعلیم کو دیکھتے تھے اور سنتے تھے اور اسی غیر متزلزل یقین اور ایمان کے بھروسہ پر وہ مشکل سے مشکل اور خطرناک سے خطرناک کام کر گزرتے تھے' اہل عرب کی اسی خصوصیت نے اسلام کی سادگی کو برقرار اور عجمی فلسفیت و نظریت سے اس کو پاک و مبرا رکھا اور ساتھ ہی چند سال کے اندر اندر مغرب و مشرق شمال و جنوب میں اسلام کا پھریرا آسمان پر اڑنے لگا۔

ان اوصاف کی مصلحت:

اہل عرب کے ان تمام فطری و طبعی اوصاف و اخلاق کو دیکھ کر یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری دین کی اشاعت اور حفاظت کے لیے جس قوم کا انتخاب کیا تھا وہ ازل سے اس کے لیے منتخب ہو چکی تھی' باوجود ان کی ہر قسم کی گمراہیوں کے یہ چند اچھے اوصاف اس لیے ان میں ودیعت کیے گئے تھے تاکہ جب خدا کی بادشاہی کا دن آئے تو ان کی فطری استعداد کا یہ سرمایہ اس کی امداد و اعانت کے لیے خزانہ غیب کا کام دے' یہی وہ سرمایہ تھا جو اس وقت نہ ہند و عجم میں تھا نہ روم و فرنگ میں نہ ترک میں تھا نہ زنگ میں تھا' وہ عرب اور صرف عرب میں تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری نبوت کے لیے اسی قوم کو برگزیدہ کر کے یہ امانت اس کے سپرد کی۔ آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی اولاد میں اسمٰعیل کو پسند کیا اور اسمٰعیل کی اولاد میں بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ کا بیٹا ہوں' اللہ نے تمام لوگوں کو پیدا کیا تو مجھے اس نے ان سب میں سب سے بہتر نسل میں رکھا۔ ان کو دو حصوں (عرب و عجم) میں تقسیم کیا تو مجھے اس حصہ میں (یعنی عرب میں) بنایا جو سب سے بہتر تھا۔ اس حصے کو بھی قبیلوں میں تقسیم کیا تو مجھے اس قبیلہ میں پیدا کیا جو سب سے بہتر تھا۔ پھر اس قبیلہ کو گھرانوں میں تقسیم کیا تو مجھے سب سے بہتر گھرانے میں پیدا کیا' پھر اس گھرانے کو افراد پر تقسیم کیا تو مجھے اس گھرانے کا سب سے بہتر فرد بنایا۔ [1]

(۱) یہ دونوں حدیثیں ترمذی باب المناقب میں ہیں ۱۲۔

Marfat.com

صبح سعادت

دنیااورعرب کی سرزمین اسی ظلمت میں تھی کہ صبح سعادت نمودار ہوئی اور خورشید نبوت کے طلوع کا غلغلہ برپا ہوا ظلمت شب کافور ہوئی اور تھوڑی دیر میں ذرہ ذرہ سورج کی کرنوں سے پرنور ہوگیا' یہ ظاہر ہے کہ یہ سورج گو دنیا کو روشن کرنے نکلا تھا' لیکن وہ نکلا عرب ہی کے افق سے تھا' اس لیے ضروری تھا کہ اس کے نور سے پہلے اسی ملک کی سرزمین روشن ہو۔

ایک قوم کا انتخاب:

سرور کائنات ﷺ کو گو خدا نے تمام عالم کی اصلاح کے لیے بھیجا تھا اور اس بنا پر ایک ایسی شریعت کامل عطا کی جو نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کے لیے ابد تک کافی ہے' لیکن کوئی شریعت کوئی قانون' کوئی دستورالعمل اس وقت تک مفید اور کارآمد نہیں ہوسکتا جب تک اس کے ساتھ ایسا گروہ موجود نہ ہو جو اس شریعت کی عملی تصویر ہو اور جس کی ہر بات ہر ادا' ہر جنبش عملی نظیر بن کر گردوپیش کو اپنا ہم زبان اور اپنا ہم عمل بنالے۔

اس بنا پر خاتم انبیاء ﷺ کا سب سے اہم مقصد ایک خاص قوم کو تربیت دے کر اصلاح عالم کے لیے تیار کرنا تھا۔[1] دنیا کی اور قومیں باری باری اس منصب پر ممتاز ہو چکی تھیں' ایک زمانہ تھا جب بنی اسرائیل جیسی قوم جو آج تمام دنیا میں خوار و ذلیل ہے ﴿انّی فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴾ (ہم نے تم کو تمام دنیا کی قوموں پر فضیلت دی) کا تاج پہن چکی تھی۔ لیکن اوپر بہ تفصیل گزر چکا کہ اب تمام قوموں کا مادہ مفقود ہو چکا تھا' ایران تین ہزار برس تک ناز و نعمت میں پل کر ترقی کی روح فنا کر چکا تھا' رومیوں کے تمام قوائے عمل بوسیدہ ہو چکے تھے' ہندوؤں کا دل و دماغ وہم پرست ہو کر رہ گیا تھا۔ صرف ایک عرب تھا جو بن جتی زمین کی طرح مادہ ہائے نشوونما سے لبریز تھا اور ایک لوح سادہ کی طرح ہر قسم کی نقش آرائیوں کے قابل تھا' مشیت ایزدی نے اسی کو تاکا اور چند روز میں وہی عرب جو سرتاپا جہل' سرتاپا وحشت اور سرتاپا درندہ بن چکا تھا ﴿کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ﴾

(۱) شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ جو پیغمبر تمام عالم کے لیے مبعوث ہوتا ہے وہ علاوہ ان اصول کے جو اور مذاہب میں ہیں چند اور نئے اصول اختیار کرتا ہے۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔

یدعوا قوما الی السنۃ الراشدۃ و یزکیھم و یصلح شانھم ثم یتخذھم بمنزلۃ جوارحہ فیجا ھدبھم اھل الارض و یفرقھم فی البلاد و ھو قولہ تعالیٰ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔

''وہ ایک قوم کو سنت راشدہ کی طرف دعوت دیتا ہے ان کو پاک اور درست کرتا ہے پھر ان کو اپنا دست و بازو بناتا ہے اور ان کو دنیا میں پھیلا دیتا ہے اور ان کے ذریعہ سے مجاہدہ کرتا ہے۔ جیسا کہ خدا نے کہا۔ تم بہترین امت ہو جو دنیا کیلئے پیدا کیے گئے ہو۔''

Marfat.com

کا مظہر بن گیا۔ (۱)

ان لوگوں کا حلیہ و جمال اور خط و خال یہ تھا۔

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (حج : ۸)

"ایسے لوگ کہ ہم اگر ان کو دنیا میں اقتدار دیں تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں۔"

اصلاح وہدایت کی مشکلات:

ہر قوم کی اصلاح و ہدایت میں اول سخت اور متعدد مشکلات پیش آتی ہیں لیکن ان کی نوعیت ایک دو سے زیادہ نہیں ہوتی، لیکن عرب کی اصطلاح میں ہر نوعیت ہر حیثیت ہر جہت کی گوناگوں اور لاعلاج مشکلات تھیں اور ایسی تھیں جن میں سے ایک کا حل کرنا بھی قدرت انسانی سے بالاتر تھا بنو اسرائیل ایک مدت سے مصر میں قبطیوں کی غلامی کر رہے تھے اور قبطیوں کے جور و ظلم کا طوفان ان کے سر سے گزر چکا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر یہ احسان عظیم کیا کہ فرعون کے پنجہ ستم سے ان کو چھڑا کر مصر سے نکال لائے، لیکن غلامی میں رہتے رہتے ان کی طبیعت میں اس قدر ذلت پسندی آ گئی تھی کہ جب ان سے کہا گیا کہ آگے کنعان کی زمین ہے۔ اس کو لڑ کر لے لو اور اسی پر تخت سلطنت جماؤ تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صاف کہہ دیا کہ تم اور تمہارا خدا دونوں جا کر لڑو، ہم تو یہاں سے آگے قدم نہیں بڑھاتے یہ ایک امتداد معاشرت کا اثر تھا جو مرتے مرتے ان لوگوں کی طبیعتوں سے نہیں گیا اور جب تک یہ نسل پوری اپنی موت سے مر کر منقرض نہیں ہو گئی۔ بنو اسرائیل کو کنعان کی زمین میں قدم رکھنا نصیب نہ ہوا۔

یہ صرف ایک مشکل کی مثال تھی۔ اب عرب کی مشکلات کا اندازہ کرو۔

جہالت:

عرب کی قوم امی محض تھی، الوہیت، رسالت، کتاب، معاد، عبادت، ان میں سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس سے ان کے کان آشنا ہوں اسلام کا ہر لفظ جو ان کے کان میں پڑتا تھا، ان کو ایک تعجب انگیز اور بالکل بیگانہ آواز معلوم ہوتی تھی، قرآن مجید نے ان کی اس جاہلانہ حیرت و استعجاب کو متعدد آیتوں میں ذکر کیا ہے۔

﴿يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ (یٰس : ۱)

"قرآن حکیم کی قسم، تو بے شبہ پیغمبروں میں سے ہے، راہ راست پر ہے یہ قرآن رحمت والے غالب خدا کے پاس سے اترا ہے تاکہ تو اس قوم کو آگاہ کرے جن کے اسلاف کو آگاہ نہیں کیا گیا اور اس لیے وہ غفلت میں پڑے ہیں۔"

یہ نبوت کے شرف سے محروم قوم ایک آسمانی مذہب کے تمام خصائص سے محض بیگانہ تھی۔

﴿وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَ قَالَ﴾

"اور انہوں نے تعجب کیا کہ ان میں ایک پیغمبر ہو کر ان

(۱) تم بہترین قوم ہو جو انسانوں کے لیے (پردہ عدم سے) باہر لائی گئی ہو جو نیکیوں کا حکم دیتی اور برائیوں سے روکتی ہے۔

Marfat.com

الْكَافِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَ اصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ﴾ (ص : ۱)

کے پاس آیا کافروں نے کہا یہ دروغ گو جادوگر ہے' اس نے اتنے خداؤں کو ایک خدا بنا دیا' یہ عجیب بات ہے' ان کے پنچ اٹھ کھڑے ہوئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو۔ اس میں اس (پیغمبر) کی کوئی غرض ہے' ہم نے تو سابق مذہب میں یہ نہیں سنا' یہ سب گھڑی ہوئی بات ہے۔''

﴿بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ﴾ (ق : ۱)

''بلکہ ان کو تعجب ہوا کہ ان ہی میں سے ایک ان کے پاس پیغمبر بن کر آیا' کافروں نے کہا یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے۔''

صفات الٰہی' آثار نبوت' احوال معاد' ان میں سے ہر بات کو سن کر وہ اسی طرح سرتاپا حیرت بن جاتے تھے اور نبوت کے متعلق یہ سمجھتے تھے کہ انسان تو اس کے سزاوار نہیں۔ اس منصب پر تو فرشتوں کو ممتاز ہونا چاہیے تھا۔

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ (فرقان : ۳۰)

''اور جو ایک دن ہمارے سامنے آنے کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ فرشتے پیغمبر بنا کر ہم پر کیوں نہ اتارے گئے۔''

﴿اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ (فصلت : ۲)

''پیغمبر جب ان کے پاس سامنے سے اور پیچھے سے آتے ہیں کہ ایک خدا کے سوا کسی اور کو نہ پوجو تو وہ کہتے ہیں کہ خدا اگر کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا چاہتا تو وہ فرشتوں کو اتارتا۔ ہم تو تمہاری باتوں کا انکار ہی کریں گے۔''

﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل : ۱)

''ہدایت آنے کے بعد صرف اس شبہ نے لوگوں کو ایمان لانے سے باز رکھا ہے کہ کیا خدا نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے جواب میں کہہ دو کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے بستے ہوتے تو البتہ ہم آسمان سے کسی فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجتے۔''

نبی کا تخیل اگر ان کے ذہن میں کبھی آتا تھا تو بشریت سے ماوراء صورت میں یعنی یہ کہ وہ انسانی ضروریات سے منزہ ہو اس کے پیچھے خدا اور فرشتوں کا پرا ہو آسمان اور زمین کے خزانے اس کے دست قدرت میں ہوں۔

﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ

''انہوں نے کہا اے پیغمبر ہم تجھ پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک زمین سے ہمارے لیے تو چشمہ نہ بہا دے یا تیری ملکیت میں کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ نہ ہو جس میں نہریں جاری کر دی ہوں یا

Marfat.com

﴿وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ﴾ (بنی اسرائیل : ۱۰)

جیسا کہ تو نے کہا ہے ہم پر بادل کا کوئی ٹکڑا نہ گرا دے یا خدا اور فرشتوں کو برابنا کر نہ لے آئے یا تیرے پاس کوئی سونے کا گھر نہ ہو یا تو آسمان پر نہ چڑھ جائے۔"

﴿وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْ لَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا اَوْ يُلْقٰى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا﴾ (فرقان : ۱)

"انہوں نے کہا یہ عجیب پیغمبر ہے یہ تو کھاتا پیتا ہے بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اترا جو اس کے ساتھ مل کر لوگوں کو ڈراتا یا اس کے پاس کوئی خزانہ کیوں نہیں ڈال دیا گیا یا اس کے لیے خاص کوئی باغ کیوں نہ ہوا جس سے یہ کھاتا۔"

پیغمبر کے لیے ان کے خیال میں یہ بھی ضروری بات تھی کہ وہ بڑا دولت مند ہو۔ اس کے قبضہ میں کوئی بڑی جائیداد ہو میووں کے ہرے بھرے باغ اور سونے چاندی کے خزانے اس کے پاس ہوں چنانچہ گزشتہ آیت میں کفار کے اس خیال کی طرف بھی اشارہ ہے اسی لیے مکہ اور طائف کے جو رؤساء دولت مند تھے وہ اس منصب کے سب سے زیادہ مستحق سمجھے جاتے تھے۔

﴿وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ (زخرف : ۳)

"وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن مکہ یا طائف کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اترا۔"

کسی کتاب کے نازل ہونے کے معنی ان کے خیال میں یہ تھے کہ آسمان سے کاغذوں میں ایک لکھی لکھائی ترشی ترشائی جلد بندھی ہوئی ایک کتاب سب کے سامنے مجمع میں اتر آئے۔

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً﴾ (فرقان : ۳)

"کافروں نے کہا اس پر قرآن یک بارگی کیوں نہیں اترا۔"

﴿وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ﴾ (بنی اسرائیل : ۱۰)

"اور (کافروں نے کہا) ہم تیرے آسمان پر چڑھ جانے کے بھی اس وقت تک قائل نہیں ہوں گے جب تک ہم پر کوئی ایسی کتاب نہ اتار لائے جس کو ہم پڑھنے لگیں۔"

﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ (انعام : ۱)

"اور اگر کاغذوں میں لکھی ہوئی کوئی کتاب ہم آسمان سے تم پر اتارتے جس کو وہ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی سکتے تو کافر یہی کہتے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔"

غرض ایک آسمانی مذہب کی کیفیت سے بالکل بے خبر تھے الوہیت اور صفات الٰہی کے اسرار نبوت کے خصائص نزول کتاب کی حقیقت ہر چیز ان کے لیے حیرت واستعجاب کا سرمایہ تھی۔

﴿اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ

"کیا انہوں نے اس بات پر غور نہیں کیا یا ان کے پاس وہ تعلیم آئی ہے جو ان کے اسلاف کے پاس نہیں آئی یا

Marfat.com

لَهٗ مُنْكِرُوْنَ﴾ (مؤمنون : ۴) انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا تو اس کے منکر ہیں۔''

اس بناء پر عرب کے مشرکین اور کفار کو ایک مدت تک صدائے نبوت سے گوش آشنا ہونے کی حاجت تھی اور اس میں کئی برس صرف ہو گئے لیکن وہ لوگ جو اس صدا سے نامانوس نہ تھے ان تک آواز پہنچنے کی دیر تھی کہ وہ سرتاپا لبیک تھے حصہ اول میں گزر چکا ہے کہ سابقین اسلام عموماً وہی لوگ تھے جو اہل کتاب یا حنفاء کے آغوش پروردہ تھے اشخاص کے علاوہ قبائل کا بھی یہی حال تھا مشرکین کلام الٰہی کا جواب خندۂ تحقیر سے دیتے تھے اور رموز نبوت کے دانا چشم پرنم اور دل پرکیف سے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا وَ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا﴾ (بنی اسرائیل : ۱۲)

''جن کو ان سے پہلے علم دیا گیا ہے (یہود و نصاریٰ) جب ان کو قرآن کی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو منہ کے بل وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا پروردگار ہم سے ایک پیغمبر آخرالزمان کے بھیجنے کا جو وعدہ کیا تھا وہ ضرور پورا ہوا اور رو کر وہ منہ کے بل گر پڑتے ہیں اور یہ ان کے خشوع کو اور بڑھاتا ہے۔''

﴿وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ (مائدہ : ۱۱)

''ان میں سب سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ محبت رکھنے والے ہیں جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں سبب یہ ہے کہ ان میں قسیس اور راہب ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے اور جب وہ کلام سنتے ہیں جو پیغمبر پر اترتا ہے تو ان کی آنکھوں کو دیکھے گا کہ حق کو پہچان کر آنسو بہاتی ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ خدایا ہم ایمان لائے ہم کو بھی شہادت دینے والوں میں لکھ دے۔''

مدینہ کے یہود جو اسلام سے سیاسی اور دینی کینہ اور تعصب رکھتے تھے اور اس بنا پر اسلام کے مقابلہ میں زبان سے اپنی کور باطنی کا اظہار وہ اپنا فرض سمجھتے تھے وہ بھی چشم دل کو بینش حق سے باز نہیں رکھ سکتے تھے۔

﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ (بقرہ : ۱۷)

''جن کو ہم کتاب دے چکے ہیں وہ اس پیغمبر کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں ان میں سے کچھ لوگ جان کر حق پوشی کرتے ہیں۔''

﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ﴾ (بقرہ : ۱۱)

''اور جب خدا کے پاس سے پیغمبر وہ کتاب لے کر آیا جو خود ان کی آسمانی کتابوں کو سچ کر رہی ہے تو باوجود اس کے کہ وہ کافروں کو اس سے پہلے اسی کے نام سے دباتے تھے اب حق پہچان کر اس کا انکار کرتے ہیں۔''

Marfat.com

قرآن مجید کی شہادتوں سے قطع نظر کر کے اگر واقعات پر غور کیا جائے تب بھی یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی' مجرد دعوت حق سننے کے ساتھ جن اشخاص اور جن قبائل نے اسلام کو لبیک کہا ان کے حالات پیش نظر کر لینے کے بعد صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اپنے لیے صرف اثر پذیر دل اور ذوق آشنا نگاہ کا جویاں ہے' حضرت سعید بن زیدؓ' عثمان بن مظعونؓ' صہیب رومیؓ' ابوذر غفاریؓ' سلمان فارسیؓ وغیرہ جو سابقین اسلام ہیں' اسی قسم کے لوگ تھے' ابوجہل' ولید بن مغیرہ' عاص بن وائل وغیرہ قریش کے مشرکین و کفار خدا کا کلام تیرہ برس تک متصل سنتے رہے' لیکن ان کے دل کی سنگینی میں کوئی فرق نہ آیا' ورقہ' مکہ کا قریش عیسائی صرف ایک بار قرآن سنتا ہے اور ناموس اکبر کی آواز پہچان لیتا ہے' مکہ کے مشرک ترین برس تک آپ کے چہرہ پرنور کو دیکھتے رہے لیکن نور الٰہی کو نہ پہچان سکے اور عبداللہ بن سلامؓ یہودی عالم نے صرف ایک دفعہ جمال پرانوار کو دیکھا اور پکار اٹھے کہ یہ حق کی تجلی ہے' روسائے قریش ہر روز اپنی آنکھوں سے نزول وحی کا تماشا دیکھتے ہیں اور جنبش نہیں کرتے اور نجاشی حکومت کی مسند پر اور ہرقل شہنشاہی کے تخت پر بیٹھ کر غائبانہ کلام اللہ کی چند آیتیں سنتے ہیں اور تڑپ جاتے ہیں' قریش کے گھر یہ دولت خود اترتی ہے اور وہ اس کو ٹھکرا دیتے ہیں' لیکن مدینہ سے بنی اسرائیل کے پڑوسی جوان کی زبان سے آخری نبی کی بشارت سن چکے تھے اتفاقاً مکہ آتے ہیں اور اس دولت ابدی کو اپنے گھر اٹھا لے جاتے ہیں' طائف کے سنگدل جاہل' نبی پر پتھر برساتے ہیں اور اس کی ہنسی اڑاتے ہیں اور نجران کے عیسائی عالم مناظرہ کی غرض سے مدینہ آتے ہیں لیکن چہرہ پیغمبری کی معصومیت دیکھ کر دہل جاتے ہیں اور صلح کا ہدیہ پیش کرتے ہیں۔

قریش اور حجاز کے راز نبوت کے نامحرم دعوت حق کا جواب اکیس برس تک تیغ و سنان سے دیتے ہیں' لیکن یثرب' ہجر' یمن' عمان اور بحرین کے بڑے بڑے اور عظیم الشان قبائل جو یہود' نصاریٰ اور مجوسیوں کے اثر سے ان رموز سے کسی قدر آگاہ ہو چکے تھے وہ آواز حق پہنچنے کے ساتھ دفعۃً مسلمان تھے۔

آبائی دین و رسوم کی پابندی:

ہر نئی تحریک کو غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ اس کے قبول کرنے میں جو چیز سب سے پہلے عائق ہوتی ہے وہ قومی رسم و رواج اور آبائی دین و مذہب کی پابندی ہے' انسانیت کے پاؤں میں اس سے بھاری کوئی زنجیر نہیں' دوست و آشنا کا چھوٹنا' ماں باپ سے علیحدگی' آل و اولاد سے کنارہ کشی' مال و دولت سے دست برداری' جماعت کی مخالفت' قوم سے انقطاع' وطن سے دوری ایسی چیزیں نہیں ہیں جن کو ہر انسان آسانی سے برداشت کر سکے' ملکی رسم و رواج کی دیرینہ محبت اور آبائی کیش و آئین کی موروثی الفت' حق و باطل کی تمیز اور نیک و بد کی پہچان کی حس مٹا دیتی ہے' عام دنیا کی فطری حالت کے علاوہ عرب کی قوم' قدامت پسندی اور قدیم حالت پر بقاء و استحکام میں خاص شہرت رکھتی ہے' دنیا کہاں سے کہاں بدلتی چلی گئی' پرانی نسل کی بدویانہ خصوصیتیں جو ہم توراۃ میں پڑھتے ہیں وہ تمام سامی قوموں سے مٹ گئیں۔ مگر عرب میں اس وقت بھی نمایاں تھیں اور آج بھی نظر کے سامنے ہیں۔ دین ابراہیم کے چند اصول حج' ختنہ اور قربانی وغیرہ ہزاروں برس کے بعد بھی عرب میں مٹ مٹا کر باقی رہ گئے تھے اور ان سے نہیں چھوٹے تھے' ان کے شعر و شاعری اور فخر و مباہات کا سب سے پرجوش مضمون آباؤ اجداد اور نام و نسب پر فخر و غرور تھا جس کو چھوڑنا ان کے

Marfat.com

نزدیک اپنی پرانی عزت وعظمت کی دیوار کو خود گرا دینا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے جب مکہ میں دین حق کی منادی شروع کی تو اس کی شدید مخالفت جس بنا پر سب سے زیادہ کی گئی وہ یہی دین آبائی کے ترک کا مسئلہ تھا اور یہی دین جدید کے بطلان کی سب سے مستحکم دلیل ان کے پاس تھی چنانچہ قرآن مجید نے بار بار ان کے اس قول کو دہرایا ہے اور اس کی لغویت کو ظاہر کیا ہے۔

﴿وَاِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَآ اَنزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ﴾ (بقرہ : ۲۱)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو اتارا ہے اس کی پیروی کرو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم اس کی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ دادوں کو ہم نے پایا' کیا اگر چہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ راہ راست پر ہوں (تب بھی)۔''

﴿بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ وَ كَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَ كُمْ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ (زخرف : ۲)

''بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو ایک روش پر پایا ہے اور ہم ان ہی کے نقش قدم پر چل کر رہنمائی پائیں گے اور اسی طرح ہم نے اے پیغمبر تم سے پہلے کسی آبادی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا لیکن اس کے دولت مندوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو ایک روش پر پایا ہے اور ہم ان ہی کے نقش قدم کے پیرو ہیں' کہو اے پیغمبر کیا اگر چہ میں اس روش سے جس پر تم نے اپنے بزرگوں کو پایا زیادہ سیدھا راستہ لے کر تمہارے پاس کیوں نہ آؤں (تب بھی تم ان ہی کی پیروی کرو گے) انہوں نے کہا ہم تو (جو تم دے کر بھیجے گئے ہو) اس کا انکار ہی کرتے رہیں گے۔''

﴿وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَ نَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (اعراف : ۳)

''اور جب وہ کوئی بے شرمی کی بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی پر پایا اور اللہ نے ہم کو اسی کا حکم دیا ہے کہہ دو اے پیغمبر کہ اللہ تو بے شرمی کی بات کا کبھی حکم نہیں دیتا' کیا تم اللہ پر وہ تہمت باندھتے ہو جو تم نہیں جانتے۔''

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ﴾ (مائدہ : ۱۴)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو اتارا ہے اس کے پاس اور رسول کے پاس آؤ تو کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادوں کو جس پر پایا وہی ہم کو کافی ہے' کیا ان کے باپ دادا کچھ نہ جانتے ہوں اور نہ سیدھے راستے پر ہوں (تب بھی وہ انہی کی پیروی کریں گے)۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ

'' کچھ لوگ ایسے ہیں جو علم و ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر

Marfat.com

عِلْمٍ وَّ لَا هُدًى وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَ لَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ﴾ (لقمان : ۳)

اللہ کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو اتارا ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں بلکہ ہم اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا' کیا اگر چہ ان کو شیطان دوزخ کے عذاب ہی کی طرف کیوں نہ پکارے (تو وہ اسی کی پیروی کریں گے)۔''

کفار کے یہ سوال و جواب خود ظاہر کرتے ہیں کہ ان کو اپنے آبائی رسوم کا چھوڑنا کس درجہ محال نظر آتا تھا۔ آپ نے بعثت کے تین برس بعد جب بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی تو قریش کی عدالت میں آپ پر سب سے بڑا جرم یہی قائم کیا گیا کہ یہ خاندانی دیوتاؤں کی تحقیر' بزرگوں کی توہین اور آبائی رسم و رواج کی مذمت کرتے ہیں۔ مکہ میں جب آپ نے علی الاعلان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور بہت سے نیک لوگوں نے دعوت پر لبیک کہا۔ تو قریش کے بڑے بڑے رئیسوں نے ابوطالب کے پاس جا کر آپ کے خلاف جو الزامات قائم کیے وہ یہ تھے اے ابوطالب! تمہارا بھتیجا ہمارے دیوتاؤں کو برا کہتا ہے' ہمارے مذہب کی توہین کرتا ہے ہم کو بیوقوف اور نادان کہتا ہے اور ہمارے باپ دادوں کو گمراہ بناتا ہے تو یا تو تم اس کو روکو اور یا ہم کو اور اس کو چھوڑ دو کہ باہم سمجھ لیں۔

یہ ان کی عدالت کا پہلا مطالبہ تھا' ابوطالب نے ان کو سمجھا بجھا کر واپس کیا' تو کچھ دنوں کے بعد پھر انہوں نے اپنا مطالبہ ان الفاظ میں پیش کیا' ''اے ابوطالب! تم نے اپنے بھتیجے کو اب تک منع نہیں کیا' اب خدا کی قسم ہم اپنے بزرگوں کی برائی' اپنی نادانی اور اپنے دیوتاؤں کی ہجو نہیں سن سکتے تو یا تو اس کو باز رکھو اور یا ہم سے لڑنے پر آمادہ ہو جاؤ۔'' اس اعلان جنگ سے کام نہ چلا تو وہ تیسری دفعہ ابوطالب کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں۔''اے ابوطالب! ولید کا بیٹا عمارہ کیسا خوشرو جوان ہے تم اس کو متبنی بنا لو اور اپنے بھتیجے کو قتل کے لیے ہمارے حوالہ کر دو کہ اس نے تمہارے اور تمہارے بزرگوں کے دین و مذہب کی مخالفت کی ہے' تمہاری قوم کی جماعت کو پراگندہ کر دیا اور ان کو بیوقوف اور نادان کہتا ہے' سب سے آخری دفعہ قریش کے رئیسوں نے خود آنحضرت ﷺ سے مل کر گفتگو کی اور کہا اے محمد! تمہارے سوا کسی قوم میں ایسا آدمی نہیں آیا جو اپنی قوم پر وہ مصیبت لایا ہو' جو تم لائے ہو تم نے باپ دادوں کو برا کہا۔ ہمارے مذہب کی تحقیر کی' دیوتاؤں کو گالی دی' ہم کو بیوقوف اور نادان بنایا اور جماعت میں تفرقہ ڈالا۔ غرض کوئی برائی نہ تھی جو تم نے ہمارے ساتھ نہیں کی۔ (۱)

ان الزامات کی فہرست کی ایک ایک دفعہ پڑھو۔ معلوم ہوگا کہ آبائی دین' موروثی رسم و رواج اور خاندانی دیوتاؤں کی غلامی سے آزاد ہونا' ان پر کتنا بار تھا! اور وہ اس جرم کو کتنا سنگین سمجھتے تھے' موسم حج میں آنحضرت ﷺ جب لوگوں کے پاس جا جا کر توحید کا پیغام سناتے تھے تو ابولہب آپ کے اثر کو باطل کرنے کے لیے آپ کی تقریر کے بعد آپ کے پیچھے پیچھے صرف یہ کہتا جاتا تھا' لوگو! یہ وہی ہے جو تم کو تمہارے باپ دادوں کے مذہب سے برگشتہ کرتا پھرتا ہے۔ (۲)

(۱) یہ تمام واقعات ابن اسحاق اور سیرت کی تمام کتابوں میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔ (۲) مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۵ کتاب الایمان۔

Marfat.com

ابو طالب جنہوں نے ہر موقع پر آنحضرت ﷺ کی حمایت کی تھی اور وہ آپ کو اپنے دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے وہ بھی آپ کی دعوت حق کو اپنے دین آبائی کے مقابلہ میں پذیرائی کے قابل نہ سمجھتے تھے۔ بھتیجے نے بار بار کہا' چچا جان! کلمہ شہادت ایک دفعہ پڑھ لیجیے کہ قیامت میں آپ کی شفاعت کی ایک سند مجھے ہاتھ آجائے' ابو طالب نے جواب دیا۔ جان پدر! سب کچھ تم پر نثار لیکن بزرگوں کے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا۔ عین اس وقت جب ابو طالب دنیا سے رخصت ہو رہے تھے اور نزع کی حالت تھی' آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ چچا جان! اب تو لا الہ الا اللہ کہہ دیجیے کہ میں خدا کے ہاں آپ کے ایمان کی شہادت دوں۔ ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ نے جو ان کے پاس بیٹھے تھے کہا' ابو طالب کیا تم (اپنے باپ) عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے آپ بار بار لا الہ الا اللہ پڑھنے کی درخواست کرتے تھے اور یہ دونوں ان کو وہی عبدالمطلب کے دین سے علیحدگی پر شرم دلاتے تھے بالآخر ابو طالب نے یہی کہا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں اور لا الہ الا اللہ نہیں کہا۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے'[1] صحیح مسلم میں اس کے بعد ہے کہ ابو طالب نے کہا کہ ''بھتیجے! جو فقرہ تم کہتے ہو۔ میں کہہ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا لیکن قریش کہیں گے کہ ابو طالب موت سے ڈر گیا۔[2] ابن اسحاق میں ہے کہ انہوں نے آہستہ آہستہ وہ فقرہ کہہ دیا۔[3] بہر حال اس واقعہ سے جو دکھانا ہے وہ یہ ہے کہ اس حالت میں بھی مخالفین کے پاس اسلام سے باز رکھنے کے لیے اس سے زیادہ پر زور اور پر اثر دلیل نہ تھی کہ ابو طالب کیا آبائی مذہب کو چھوڑ دو گے؟ اس سے معلوم ہوگا کہ اسلام کی اشاعت کے راستہ میں یہ تخیل کتنا بڑا پتھر تھا۔

توہم پرستی:

عرب کی اصلاح و ہدایت کی راہ میں ایک اور عائق عرب کی توہم پرستی تھی' ہر قوم میں جاہلوں کا جس طرح یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ فلاں دیوتا یا فلاں پیر کے خلاف اگر کچھ زبان سے نکلا تو فوراً بلائیں آکر ہم کو لپٹ جائیں گی' عرب میں گھر گھر سینکڑوں بت اور بیسیوں صنم خانے تھے' دنیا کے تمام کام ان ہی اصنام اور بتوں سے متعلق سمجھے جاتے تھے' مدتوں سے یہ خیال راسخ چلا آتا تھا کہ فلاں بت کی پرستش یا خدمت گزاری میں اگر کوتاہی کی گئی تو آسمان سے پانی برسنا بند ہو جائے گا' فرزند نرینہ پیدا نہ ہوگا' باغوں میں پھل نہ آئیں گے' اسی بناء پر اسلام کے نام سے ان کو لرزہ آتا تھا' اور یہ تخیل صرف اسی وقت پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ ایک مدت سے عرب میں چلا آتا تھا' حضرت ہودؑ کی دعوت کے جواب میں ثمود نے کہا۔

﴿ان نقول الا اعترٰک بعض الھتنا بسوء﴾ (ھود: ۴) ''ہم تو اس کے سوا کچھ اور نہ کہیں گے کہ ہمارے کسی دیوتا نے تم کو ستایا ہے۔''

ابتداء جب آنحضرت ﷺ نے بتوں کے خلاف وعظ کہنا شروع کیا تو اکثر لوگوں نے (نعوذ باللہ) پاگل سمجھ

(۱) کتاب الجنائز باب قال المشرک عند الموت لا الہ الا اللہ۔
(۲) صحیح مسلم کتاب الایمان باب ۹۔
(۳) ابن ہشام وفات ابی طالب۔

Marfat.com

لیا (۱) جاہلیت کے زمانہ کے بعض کافر احباب ہمدردی کی راہ سے جھاڑ پھونک کرنے آئے' (۲) ضمام بن ثعلبہؓ ایک صحابی تھے' وہ مسلمان ہو کر اپنے قبیلہ میں جب واپس گئے اور لات وعزیٰ کی مذمت شروع کی تو تمام قبیلہ خوف سے کانپ گیا کہ ضمام! ان کو برا نہ کہو' دیکھو کہیں تم کو برص جنون یا جذام نہ ہو جائے۔ (۳) حضرت زنیرہؓ مسلمان ہونے کے بعد بصارت سے محروم ہو گئی تھیں' کفار نے کہنا شروع کیا کہ لات وعزیٰ نے ان کو اندھا کر دیا ہے۔ (۴) حضرت طفیلؓ بن عمرو دوسی مسلمان ہو کر جب اپنے وطن تشریف لے گئے اور اپنی بیوی کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا دیکھو ذوالشریٰ (بت) کہیں برباد نہ کر دے۔ (۵)

فتح مکہ کے بعد جب کہ دیوتاؤں کے زور وقوت کا راز افشا ہو چکا تھا اور اکثر قبائل نے اسلام قبول کر لیا تھا تاہم لات' عزیٰ' مناۃ' ذی الکفین' سواع کے بت خانوں کو وہ اپنے ہاتھ سے نہ توڑ سکے' خاص مدینہ سے راسخ الایمان مسلمان بھیجے گئے جنہوں نے اس فرض کو انجام دیا' پوجاریوں نے کوئی مزاحمت نہ کی' وہ سمجھتے تھے کہ ان دیوتاؤں کو کون توڑ سکتا ہے' جو اس گستاخی کا ارادہ کرے گا وہ خود تباہ و برباد ہو جائے گا۔ (۶)

تو ہم پرستوں میں کسی مذہب کی صحت و بطلان کی دلیل شواہد عقلی نہیں بلکہ دنیا کے ظاہری مادی فوائد اور جانی و مالی خیر و برکت ہوتی ہے لیکن قوانین گاہ عالم میں ایک مذہب پرست بھی اسی طرح آلام و مصائب میں گرفتار ہو سکتا ہے جس طرح ایک غیر مسلمان عرب کے بدو اور اعراب ابتداء مسلمان ہونے کی ہمت بھی کرتے تھے تو معاً یہ توقع بھی کر لیتے کہ اب وہ ہر قسم کے آفات ارضی وسماوی سے محفوظ ہیں اس بناء پر اگر کبھی ان کی اس توقع کو صدمہ پہنچتا تو دفعۃً وہ متزلزل ہو جاتے تھے' صحیح بخاری کتاب التفسیر میں ہے۔ (۷)

كان الرجل يقدم المدينة فان و لدت امراته غلاما و نتجت خليه قال هذا دين صالح و ان لم تلد امراته و لم تنتج خليه قال هذا دين سوء.

"باہر کا جو شخص مسلمان ہو کر مدینہ آتا تھا۔ اس کی یہ حالت تھی کہ اگر اس کی بیوی لڑکا جنتی اور اس کی گھوڑی بچہ دیتی تو وہ کہتا کہ یہ نہایت عمدہ مذہب ہے لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ کہتا کہ یہ نہایت برا مذہب ہے۔"

قرآن مجید کی یہ آیت اسی قسم کے لوگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ (۸)

---

(۱) دیکھو تفسیر آیہ ﴿ما انت بنعمة ربک بمجنون﴾ و نیز ﴿ما بصاحبهم من جنة﴾ صحیح مسلم باب تخفیف الصلوۃ والخطبۃ۔

(۲) مسند دارمی کتاب الصلوۃ۔

(۳) اسد الغابہ ترجمہ حضرت زنیرہؓ و سیرۃ ابن ہشام ذکر مستضعفین مسلمین۔

(۴) اسد الغابہ ذکر طفیل بن عمروؓ دوسی۔

(۵) ابن سعد و طبری ذکر اصنام۔

(۶) تفسیر سورہ حج جلد ثانی ص ۶۹۴۔

(۷) صحیح بخاری تفسیر سورہ حج۔

(۸) مستدرک حاکم ج ۳ و اصابہ ذکر عبداللہ بن زبیر۔

Marfat.com

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ نِ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ﴾ (حج : ۳)

''اور بعض لوگ وہ ہیں جو خدا کی بندگی کنارہ پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں (یعنی دل سے نہیں کرتے) اگر ان کو فائدہ پہنچا تو ان کو اطمینان ہو جاتا ہے لیکن اگر مبتلائے مصیبت ہوئے تو فوراً رو برگشتہ ہو جاتے ہیں۔''

ہجرت کے بعد جب مسلمان مدینہ آئے اور اتفاق سے ایک عرصہ تک کسی مسلمان گھرانے میں کوئی لڑکا نہ پیدا ہوا تو دشمن اس واقعہ کو اپنی بددعاؤں کا نتیجہ سمجھتے تھے اور خوش ہوتے تھے' آخر چھ مہینے کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے تو مسلمان بے انتہا مسرور ہوئے۔[1] سوء اتفاق یہ کہ اول اول جو لوگ مدینہ میں آتے تھے' ان کو وہاں کی آب وہوا راس نہیں آتی تھی' ابتدائے ہجرت میں جب حضرت ابوبکرؓ و حضرت بلالؓ آئے تو سخت بیمار ہو گئے۔[2] حضرت طفیل بن عمرؓ دوسی نے جب مدینہ کو ہجرت کی تو ان کو بھی مدینہ کی آب وہوا ناموافق ہوئی'[3] اگرچہ مخلصین اور ارباب فہم پر اس قسم کی عارضی ناگواریوں کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا' تاہم عام لوگ جن کی وہم پرستی فطرت ثانیہ ہو گئی تھی' وہ اس قسم کے اتفاقی واقعات سے بے حد متاثر ہوتے تھے' چنانچہ جب عکل وعرینہ کے چند لوگوں نے مدینہ میں آ کر اسلام قبول کیا اور آب وہوا کی ناموافقت کے سبب سے بیمار ہو گئے اور آنحضرت ﷺ نے تبدیلی آب وہوا کی غرض سے ان کو اونٹوں کی چراگاہ میں بھیج دیا' تو گو وہ صحیح ہو گئے تاہم مرتد ہو گئے۔[4] اسی طرح ایک بدو نے آ کر آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کی' لیکن سوء اتفاق سے دوسرے دن بخار میں مبتلا ہوا تو اپنی بیعت توڑنی چاہی آپؐ نے تین بار منع فرمایا لیکن اس نے اصرار سے آخر بیعت فسخ کر دی۔ تو آپ نے فرمایا۔[5]

المدینۃ کالکیر تنفی خبثھا و تنصع طلیبھا.

''مدینہ آگ کی بھٹی ہے جو میل کو الگ کر دیتا ہے اور حقیقی جوہر کو خالص کر دیتا ہے۔''

ان ہی اسباب کی بناء پر آنحضرت ﷺ نے مدینہ کے متعلق یہ دعا فرمائی۔

((اللّٰھمّ حبب الینا المدینة کحبھا مکة اواشد اللّٰھمّ و صححھا و بارک لنا فی مدھا و صاعھا و انقل حماھا فاجعلھا بالحجفة))[6]

''خداوندا! مکہ کی طرح یا اس سے زیادہ ہمارے لیے مدینہ کو محبوب بنا دے اس کو امراض سے صحیح کر دے۔ اس کے پیمانے میں برکت دے اور اس کے بخار کو جحفہ میں منتقل کر دے۔''

---

(۱) مستدرک حاکم ج۳ واصابہ ذکر عبداللہ بن زبیر۔
(۲) صحیح بخاری کتاب المرضیٰ وباب مقدم النبی ﷺ المدینہ۔
(۳) صحیح مسلم کتاب الایمان۔
(۴) صحیح بخاری کتاب المحاربین۔
(۵) بخاری ج ۱ ص ۲۵۳ کتاب الحج فضائل مدینہ وباب اعتصام السنۃ۔
(۶) صحیح بخاری مقدم النبی المدینہ۔

Marfat.com

قبائل کی خانہ جنگیاں:

اسلام کی اشاعت کا ایک بڑا مانع عرب کی باہمی خانہ جنگیاں تھیں جو عرب کے خصائص قومی کا عنصر اعظم بن گئی تھیں' یہ خانہ جنگیاں ہزاروں برس سے چلی آتی تھیں اور ان کی وجہ سے قبائل میں ایسے مستمر اور ثابت الاساس انتقامی جذبات پیدا ہو گئے تھے جن کا ٹلنا قریباً محال تھا' ان ہی لڑائیوں نے ثار (انتقام خون) کی رسم پیدا کر دی تھی جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے یہ رسم ایسی سخت اور شدید الاثر تھی کہ ایک شخص کے خون کے لیے قبیلہ کا قبیلہ مٹ جاتا تھا۔ ہزاروں برس کے خون قومی فرض کی طرح باقی چلے آتے تھے جو درج رجسٹر ہوتے رہتے تھے اور بچہ بچہ کی زبان پر ہوتے تھے' جو بچہ پیدا ہوتا تھا وہ ہوش سنبھالنے کے وقت سب سے پہلے ثار کا لفظ سنتا تھا یعنی خاندان میں فلاں شخص قتل کیا گیا ہے اور اس کے خون کا انتقام اب تک باقی ہے' اس لیے بچہ بچہ کا نصب العین ابتدائے زندگی سے یہی ثار ہوتا تھا۔

اس بناء پر ایک شخص یا ایک خاندان جس خلوص اور عقیدت مندی کے ساتھ اسلام کی طرف جھکتا تھا' معاً اسی زور اور قوت کے ساتھ دوسرا فریق اسلام کی مخالفت اور اس سے سرکشی پر آمادہ ہو جاتا تھا' مکہ میں اسلام کی مخالفت کا صرف یہی راز تھا کہ خدا نے نبوت کے لیے ہاشم کا گھرانہ چن لیا تھا' بنی امیہ کی مخالفت اس کے لیے لامحالہ ہونی تھی۔

مدینہ میں اوس وخزرج دو قبیلے تھے' اسلام سے پہلے دونوں لڑ لڑ کر تھک گئے تھے' اسلام کی آواز آئی تو گو دونوں نے ایک ساتھ لبیک کہا' تاہم قبیلہ اوس کا ایک ایک فرد اگر ہمہ تن اخلاص و جوش تھا تو خزرج میں بھی بیسیوں منافق تھے' انتہا یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں ہجرت سے پہلے دونوں قبیلوں کی نماز کی امامت کے لیے باہر سے ایک تیسرے قبیلہ کا آدمی بلوایا گیا تھا کہ خدا کے سامنے بھی ایک کو دوسرے کے پیچھے کھڑے ہونے سے عار تھا۔ [1]

خزاعہ اور بنو بکر باہم شدید دشمن تھے اور ان میں باہم پرانی عداوت چلی آتی تھی' مدینہ آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو صلح کا پیام اور اسلام کی دعوت دی' خزاعہ نے اسلام کی دعوت قبول کی اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے۔

خوب غور کرو' انصار اسلام لا کر ہمہ تن نیکوکاری اور پاکیزہ نفسی کے پیکر بن گئے۔ لیکن ثار کے جذبات کس طرح آسانی سے دفعتہً مشتعل ہو جاتے تھے' ایک موقع پر ایک یہودی نے جنگ بعاث کا تذکرہ چھیڑ دیا' تو انصار کے دونوں قبیلوں اوس وخزرج کی تلواریں میان سے نکل آئیں۔ [2] اور بڑی مشکل سے آنحضرت ﷺ نے ان کے جوش کو فرو کیا۔

حضرت عائشہؓ کے واقعہ افک میں جب آنحضرت ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر اس کی شکایت کی اور حضرت سعدؓ بن معاذ نے کہا یا رسول اللہ! اگر وہ (تہمت لگانے والا) ہمارے قبیلہ کا ہے تو میں اس کی گردن اڑا دیتا ہوں اور اگر ہمارے بھائی خزرج کے قبیلہ سے ہے تو آپ حکم دیں میں بجا لاؤں گا۔ اس پر سعدؓ بن عبادہ جو قبیلہ خزرج کے رئیس تھے دفعتہً کھڑے ہو گئے اور کہا۔ [3]

---

(۱) ابن ہشام ذکر بیعت عقبہ۔

(۲) اصابہ ج امطبوعہ مصر ص ۸۸' معجم صغیر طبرانی میں بھی ایک اور اسی قسم کا واقعہ مذکور ہے' معجم عبداللہ۔

(۳) صحیح بخاری کتاب المغازی باب حدیث الافک۔

Marfat.com

كذبت لعمر الله لا تقتله و لا تقدر على قتله و لو كان من رهطك ما احببت ان يقتل.

"خدا کی قسم تو جھوٹ کہتا ہے تو اس کو قتل نہ کرے گا نہ کر سکتا ہے اور وہ شخص اگر تیرے قبیلہ کا ہوتا تو تو اس کا قتل کیا جانا پسند نہ کرتا۔"

اس پر اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے' یہاں تک کہ قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے' چنانچہ صحیح بخاری حدیث افک میں ہے۔ (۱)

فثار الحيان الاوس و الخزرج حتى ان يقتتلوا' و رسول الله قائم على المنبر.

"پس دونوں قبیلے اوس اور خزرج مشتعل ہو گئے یہاں تک کہ دونوں کشت وخون پر آمادہ ہو گئے اور آنحضرت ﷺ اس وقت منبر پر کھڑے تھے۔"

ایک بار محلم بن جثامہ لیثی نے عہد اسلام میں قبیلہ اشجع کے ایک شخص کو قتل کر ڈالا' آنحضرت ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا' قبائل کے تعلقات کی بنا پر عیینہ نے مقتول اور اقرع ابن حابس نے قاتل کی طرف سے وکالت کی' بات بڑھی اور سخت شور وشغب ہوا تو آپؐ نے عیینہ سے فرمایا۔ "دیت کیوں نہیں قبول کر لیتے۔" اس نے کہا خدا کی قسم اس وقت تک دیت نہ قبول کروں گا جب تک اس کی بیویوں کو اس قدر نہ ستالوں' جس قدر اس نے ہماری بیویوں کو ستایا ہے' اس پر اور شور وغل ہوا' آپؐ نے پھر یہی الفاظ فرمائے اور عیینہ نے وہی پہلا جواب دیا' چونکہ یہ اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا اور قتل کا یہ پہلا مقدمہ تھا جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا تھا۔ اس لیے قبیلہ بنولیث کے ایک شخص نے جو مسلح کھڑا تھا۔ کہا کہ ابتدائے اسلام میں اس واقعہ کی مثال بکری کے اس ریوڑ کی سی ہے کہ اس کے پہلے حصہ کو تیر مارا گیا تو بدک کر بھاگ گیا' یعنی اگر قاتل کے موافق فیصلہ کیا گیا تو لوگ سمجھیں گے کہ اسلام قصاص کو دیت سے بدل دینا چاہتا ہے اور چونکہ دلوں میں اب تک انتقام کے جذبات تازہ ہیں اور لوگ دیت لینا پسند نہیں کرتے۔ اس لیے ان کو اسلام کے قبول کرنے میں تامل ہوگا' لیکن آنحضرت ﷺ چونکہ سفر میں تھے اس لیے دیت میں ۵۰ اونٹ اسی وقت دیئے اور مدینہ پہنچ کر ۵۰ اونٹ کا وعدہ فرمایا۔

اہل عرب میں یہ جذبہ اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ گو آپ نے فتح مکہ میں امن عام کی منادی کر دی اور تلواروں کے میان میں کر لینے کا حکم دے دیا' تاہم انتقام کا جوش اب تک تازہ تھا۔

قبیلہ ہذیل کا ایک شخص اسلام لانے کی غرض سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جا رہا تھا' اس نے زمانہ جاہلیت میں قبیلہ خزاعہ کا کوئی جرم کیا تھا اور وہ لوگ انتقام کے لیے اس کو ڈھونڈ رہے تھے' سوءِ اتفاق سے وہ راہ میں مل گیا اور ان لوگوں نے اس کو فوراً قتل کر دیا کہ اگر بارگاہ نبوت میں پہنچ گیا۔ تو پھر اس کا موقع ہاتھ نہ آئے گا' آپؐ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو سخت برہم ہوئے' ان لوگوں نے حضرت عمرؓ' حضرت ابوبکرؓ' حضرت علیؓ سے سفارش کی درخواست کی' آنحضرت ﷺ نے نماز کے بعد ایک خطبہ دیا جس کے الفاظ یہ تھے۔

"خدا نے مکہ کو دارالحرام بنایا ہے' آدمیوں نے نہیں بنایا ہے' خدا نے کل چند گھنٹوں کے لیے اس کو میرے لیے

(۱) ابوداؤد (جلد ۲ ص ۱۵۵ کتاب الدیات۔

Marfat.com

حلال کر دیا تھا لیکن آج اس کی قدیم حرمت دوبارہ لوٹ آئی ہے اور خدا کے سب سے زیادہ نافرمان بندے تین آدمی ہیں ایک وہ جس نے حدود حرم میں کسی کو قتل کیا' دوسرا وہ جس نے اپنے قاتل کے سوا کسی دوسرے شخص کو مار ڈالا' تیسرا وہ جس نے زمانہ جاہلیت کا انتقام لیا' تم نے جس شخص کو قتل کر ڈالا ہے میں اس کی دیت دوں گا۔''

چنانچہ آپ نے اس کی دیت ادا فرمائی۔ (۱)

بنو ثعلبہ کے ایک آدمی نے جاہلیت میں اوس و خزرج کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا' بنو ثعلبہ اسلام لا کر جب مدینہ آئے تو آنحضرت ﷺ خطبہ دے رہے تھے' ایک انصاری بے اختیار چلا اٹھے کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ ہمارے مجرم ہیں ان سے قصاص دلوایئے۔ آنحضرت ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر فرمایا ((الا یجنی والد عن ولدہ)) یعنی لڑکے کے جرم کا بدلہ باپ سے نہیں لیا جائے گا۔ (۲)

ان واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ثار کا جذبہ کس طرح رگ رگ میں سرایت کر گیا تھا اور اس جذبہ کا مشتعل ہو جانا کس قدر آسان ہوتا تھا۔

خانہ جنگیوں پر ختم نہیں' یوں بھی تمام قبائل رقیب و حریف مقابل تھے' دو مختلف قبیلوں کے آدمیوں میں کسی ذاتی معاملہ پر بھی نزاع ہو جاتی تھی اور ان میں کوئی اپنے قبیلہ کا نام پکارتا تھا تو قومی جنگ کا سامان ہو جاتا تھا' ایک دفعہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو تھپڑ مار دیا' انصاری نے یاللانصار (انصار کی دہائی) پکارا' مہاجر نے بھی یاللمہاجرین (مہاجرین کی دہائی) کا نعرہ مارا' آنحضرت کو خبر ہوئی۔ آپ نے آ کر فرمایا کہ یہ کیا جاہلت کی پکار ہے۔

ما بال دعوی الجاهلیة. ''یہ کیا جہالت کا دعویٰ ہے۔''

لوگوں کو معلوم تھا کہ اسلام اس فعل شنیع کا سخت دشمن ہے۔ اس لیے جب تک وہ اپنا انتقام نہ لے لیتے ان کو اسلام لانے میں تامل ہوتا تھا' عمرو بن اقیش ایک صاحب تھے وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام سے متاثر اور اس کے قبول کرنے کے لیے ہر طرح آمادہ تھے لیکن ایک عائق تھا جو اس راہ میں حائل تھا یعنی ''ثار'' وہ جانتے تھے کہ اسلام لا کر اس خاندانی فرض ادا کرنے کی ان کو اجازت نہیں مل سکتی' ابن مندہ نے ان کے حال میں لکھا ہے۔

و کان له ثار فی الجاهلیة و کره ان یسلم حتی یاخذہ. ''ان کا انتقام زمانہ جاہلیت میں باقی رہ گیا تھا جب تک وہ نہ لے لیں' انہوں نے مسلمان ہونا پسند نہ کیا۔''

اسی طرح حضرت عمرو بن مالکؓ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اسلام لا کر اپنے قبیلہ میں واپس گئے اور اسلام کی دعوت دی تو قبیلہ والوں نے کہا' بنو عقیل پر ہمارا ثار (انتقام) باقی ہے وہ لے لیں تو اسلام لائیں' چنانچہ انہوں نے اسی وقت بنو عقیل پر جو مسلمان ہو چکے تھے' حملہ کیا اور اس فرض سے سبکدوش ہوئے۔

سیاسی مشکلات:

جہالت' وحشت' پابندی رسوم' آبائی اثر وغیرہ وغیرہ ان میں سے ایک چیز بھی مانع اصلاح نہ ہوئی' تاہم صرف

(۱) مسند امام احمد حنبل جلد ۴ ص ۳۱۔

(۲) دار قطنی ج ۲ ص ۲۰۸۔

Marfat.com

سیاسی اسباب ایسے جمع تھے کہ قریش یا دیگر قبائل عرب کبھی اسلام کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے' مکہ میں دو خاندان برابر کے رقیب تھے' امیہ اور ہاشم۔ اور آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے امیہ کا پلہ ترجیح علانیہ گراں ہو چکا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے جب نبوت کا اظہار کیا تو سب سے پہلے امیہ کے خاندان نے سرکشی کی اور فتح مکہ تک یہی خاندان تھا جو تمام لڑائیوں اور معرکہ آرائیوں کا علم بردار تھا' بنوامیہ کے بعد اور دوسرے جو خاندان بھی تھے اور جو حرم کے مناصب دہ گانہ (رفادہ وغیرہ) کے ممتاز حصہ دار تھے' ان میں سے ہر ایک دیکھ رہا تھا کہ اس جدید انقلاب میں ان فوائد و اقتدار کا بالکل خاتمہ ہے' ابوجہل سے جب ایک شخص نے کہا ''محمد کی دعوت اسلام کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے۔'' تو اس نے صاف کہا کہ میں کیا کہوں محمد کے خاندان نے عزت و شرف میں برتری کا دعویٰ کیا اور ثبوت میں دعوتیں کھلائیں' اس کے جواب میں ہم نے اسی شان کی دعوتیں کھلائیں' انہوں نے خون بہا دیئے ہم نے بھی بہا دیئے' انہوں نے زرپاشیاں کیں' ہم نے بھی کیں' ہم دونوں دوش بدوش ہو چکے تھے کہ دفعۃً ان کی طرف سے یہ دعویٰ پیش ہوا کہ ہمارے خاندان میں نبوت اور آسمان سے وحی بھی آ گئی۔ اب ہم کہاں تک برداشت کریں خدا کی قسم ہم کبھی محمد پر ایمان نہیں لا سکتے۔ (۱) یہی ابوجہل جب انصار کے ہاتھوں قتل ہوا تو اس نے مرتے وقت حسرت سے کہا کاش مجھ کو کاشتکاروں کے سوا کسی اور قوم نے قتل کیا ہوتا۔ (۲)

خوب غور سے دیکھو بدر' احد' حمراء الاسد احزاب وغیرہ تمام لڑائیوں میں یہی اموی عنصر تھا جو کام کر رہا تھا' قریش کے قبیلہ سے باہر جو بڑے بڑے قبیلے تھے' مثل غطفان اور اسد وغیرہ وہ یا اہل مکہ کے خاندان کی کوئی شاخ تھی یا قریش کے حلیف و ہم عہد تھے' خیبر میں یہود تھے جو قوم کے لحاظ سے قریش سے الگ تھے' لیکن عرب تجارتی حیثیت سے تمام تر انہی یہودیوں کے زیر بار تھے' انہی سے قرض دام لیتے تھے۔ انہی کے ہاں مال و متاع رہن رکھتے تھے۔ (۳) خیبر اور غطفان ایک مدت دراز سے باہم حلیف تھے اس طرح مکہ سے لے کر خیبر اور نجد تک تمام عرب ایک سلسلہ اتحاد میں مربوط تھا۔

کعبہ' تمام عرب میں قبلہ گاہ اعظم تھا۔ ہر سال تمام ملک حج کرنے کے لیے آتا تھا اور آستانہ کعبہ پر سر جھکاتا تھا' کعبہ کے مجاور معمولی پنڈے نہ تھے بلکہ خیمہ و خرگاہ' تیغ و سپر' جاہ و حشم غرض ریاست و امارت کے تمام سروسامان رکھتے تھے اس لیے تمام عرب میں ان کی شہنشاہی قائم تھی یہی بات ہے کہ جب تک مکہ فتح نہیں ہوا' اسلام کو چین نصیب نہ ہو سکا۔ لیکن اسلام کی مخالفت صرف قریش کی متابعت تک محدود نہ تھی' بلکہ بڑا سبب یہ تھا کہ اسلام سے خاص قریش کو جو نقصان پہنچ سکتا تھا' براہ راست وہی تمام رؤسائے قبائل کو پہنچتا تھا۔ عرب کا ملکی نظام یہ تھا کہ تمام ملک میں قبائل پھیلے ہوئے تھے اور ہر قبیلہ کا ایک رئیس اعظم ہوتا تھا جو تمام قبیلہ پر حکمران ہوتا تھا اور مال غنیمت سے چوتھ وصول کرتا تھا جس کو مرباع کہتے تھے اس کے علاوہ غنائم میں سے جو عورت یا اور کوئی عمدہ چیز اس کو پسند آتی تھی' اس کو

---

(۱) اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر عمرو بن مالک ؓ۔

(۲) ابن ہشام حصہ اول ص ۱۰۸ مطبوعہ مصر طبع اول۔

(۳) طبری واقعہ خیبر۔

Marfat.com

چھانٹ لیتا تھا۔ اس کا نام صفی تھا' یہ گویا چھوٹی چھوٹی حکومتیں تھیں' جو تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھیں' یہ ریاست خاندا
اصول پر چلتی تھی۔ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا رئیس منتخب ہوتا تھا' قبیلہ کے تمام معاملات ذاتی نزاعیں' قصاص یا خو
بہا کے فیصلے سب رئیس کے ہاتھ میں فیصل ہوتے تھے' یہ رؤساء عام قوم سے بہت سے حقوق میں ممتاز ہوتے تھے۔

قبائل میں یہی امتیاز مراتب تھا کہ جو قبائل زیادہ شریف مانے جاتے تھے ان میں سے ایک آدمی کو اگر کو
دوسرا قبیلہ قتل کر دیتا تھا تو اس کا خون دوسرے قبیلہ کے دو خون کے برابر سمجھا جاتا تھا' اور اس لیے ایک کے بدلہ میں
قتل کرتے تھے' یہ امتیاز اور فرق مراتب اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ جب غزوۂ بدر میں قریش کی فوج میں سے عتبہ و شی
میدان میں آئے اور مبارز طلب ہوئے اور انصار ان کے مقابلہ کو نکلے تو عتبہ نے اس بنا پر ان کے مقابلہ سے انکار کر
کہ انصار اور قریش کا جوڑ نہیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جبلہ بن الایہم خاندان غسان کا اخیر فرمان روا اسلام لایا اور مکہ میں آیا۔ ایک د
طواف میں اس کی چادر کسی شخص کے پاؤں کے نیچے آ گئی' جبلہ نے اس کے گال پر تھپڑ دے مارا' اس نے بھی براب
جواب دیا' جبلہ نے حضرت عمرؓ کے پاس جا کر شکایت کی' حضرت عمرؓ نے واقعہ سن کر کہا اس کا کیا قصور ہے' تم نے جو ک
اس کی جزا پائی' جبلہ نے کہا میرا یہ رتبہ ہے کہ کوئی مجھ پر ہاتھ اٹھاتا تو قتل کر دیا جاتا' حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہاں زما
جاہلیت میں یہی قاعدہ تھا لیکن اسلام نے اس کا خاتمہ کر دیا' جبلہ نے کہا جو مذہب شرفاء کو ذلیل کر دیتا ہے میں اس
باز آتا ہوں' یہ کہہ کر چوری سے روم چلا گیا اور عیسائی ہو گیا۔

عرب کا ہر رئیس قبیلہ درحقیقت جبلہ تھا اور اسلام قبول کرنے کے وقت اس کو یہی منظر نظر آتا تھا' اسلام ان تم
واقعات اور خصوصیات کو مٹاتا تھا۔ اس کے دربار میں شاہ و گدا' رئیس و عامی' شریف و حقیر کا ایک درجہ تھا۔ اس لیے عر
میں تمام روسائے قبائل کو صاف نظر آتا تھا کہ اسلام کا پھیلنا۔ ان کے ہر قسم کے فخر و امتیاز کا مٹ جانا تھا۔

عرب میں ایک دوسری حریف طاقت یہودیوں کی تھی جو حجاز سے لے کر شام کے دروازوں تک پھیلے تھے ا
کے ہاتھ میں بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے' فن جنگ سے واقف تھے' سامان و اسلحہ وافر رکھتے تھے' دولت کی بہتات
باغوں اور زمینوں پر ان کا قبضہ تھا' عرب کے تمام مادی ذرائع معاش کے وہ تنہا اجارہ دار تھے پھر اسلام آیا تو اس طر
کہ اس نے یہودیوں کی ایک ایک برائی کو طشت از بام کیا اور ان کے مذہبی وقار کے کھوکھلے پن کو علی الاعلان ظاہر کی
اس لیے انہیں صاف نظر آتا تھا کہ یہ نئی طاقت ملک میں جڑ پکڑ کر ان کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ دے گی۔ چنانچہ بنی قر
بنی نضیر' بنی قینقاع اور یثرب' خیبر' فدک' تیما' وادی القریٰ وغیرہ کے یہودی زمین دار' سوداگر' مہاجن اور قلعہ نشین د
سے چاہتے تھے کہ اس قوت کو کسی طرح ابھرنے نہ دیں اور آخر لڑائیاں پیش آئیں اور دین توحید کے مقابلہ میں انہ
نے اہل شرک کا ساتھ دے کر خندق و احزاب و غطفان کے معرکے پیش کیے' عرب کے مختلف قبیلوں اور سرحا
صوبوں پر ایران اور روم کی سلطنتیں فرماں روائی کرتی تھیں' عراق' یمن اور بحرین پر ایران کی حکومت تھی اور حجاز
شامی حدود پر قیصر کا قبضہ تھا' عرب کے مختلف ہمسایہ قبیلے انہی دو میں سے کسی ایک سلطنت کی حفاظت کا دم بھرتے
اور یہ دونوں سلطنتیں اس بیچ کے سرحدی ملک کی ایک ایک حرکت اور جنبش پر نظر رکھتی تھیں' اس لیے اس ملک میں ا

Marfat.com

اتنی بڑی عظیم الشان تحریک کا قوت پکڑنا ان کو کسی طرح پسند نہیں آ سکتا تھا اسی لیے عرب میں اسلام کی قوت کا ان کو جب احساس ہوا تو انہوں نے اس کی دارو گیر کرنی چاہی' کسریٰ ایران نے یمن کے اپنے ایرانی گورنر کو لکھا کہ اس نئے مدعی کو پکڑ کر ہمارے سامنے حاضر کرو اور قیصر نے تو کھلم کھلا حملہ کی تیاری ہی کر دی تھی جس کے باعث تبوک کی فوج کشی ہوئی اور آخر آنحضرت ﷺ کے بعد مسلمانوں کو ان دونوں ہمسایہ طاقتوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔

ذریعہ معاش:

اسلام لانے کا ایک بڑا مانع یہ تھا کہ عرب کا ذریعہ معاش عموماً قافلوں پر حملہ آوری اور سلب اموال اور رہزنی تھا اوپر ہم امالی قالی سے نقل کر آئے ہیں کہ عرب کا ذریعہ معاش غارت گری تھا اور حج کے چار مہینوں میں جنگ و غارت سے باز رہنے میں ان کے ذرائع معاش مسدود ہو جاتے تھے اس ضرورت سے وہ حج کے مہینوں کو ادل بدل کر لیا کرتے تھے۔

اندرونی عرب تمام دشت و صحرا اور بالکل ویرانہ ہے' زراعت یا تجارت کی کوئی صورت نہیں' باوجود اس کے لاکھوں نفوس آباد ہیں۔ اس لیے ان کو غارت گری کرنی پڑی اور امتداد زمانہ سے یہ عادت ان میں راسخ ہو گئی تھی' رفتہ رفتہ ٹھگی' رہزنی اور سرقہ تمام ملک میں پھیل گیا تھا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے نامور شعراء چور اور رہزن ہوتے تھے۔

اکثر بڑے بڑے جتھے اس لیے قائم ہوتے تھے کہ بنجارے جو ملک میں پھر کر غلہ کی تجارت کرتے تھے ان کو لوٹ لیا کریں۔ آنحضرت ﷺ نے دومۃ الجندل پر جو سریہ بھیجا تھا اسی کے انسداد کی غرض سے بھیجا تھا' دومۃ الجندل مدینہ منورہ سے پندرہ منزل کے فاصلہ پر ہے تاہم یہ لوگ اس قدر فاصلہ سے خود مدینہ پر چھاپہ مارنے کی تدبیر کر رہے تھے کہ آپ کو خبر ہو گئی اور حفظ ماتقدم کے لیے خود وہاں تک گئے اور چند روز قیام کر کے ان اطراف کا بندوبست کیا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اسلام لانے سے پہلے چند شخصوں کو قتل کر کے ان کا مال چھین لیا تھا چنانچہ جب اسلام لائے اور اس واقعہ کا اظہار کر کے لوٹ کا مال بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا۔

((اما الاسلام فاقبل و اما المال فلست منه فی شیء)) ''اسلام تو میں نے قبول کیا لیکن مال سے مجھ کو کسی قسم کا واسطہ نہیں۔''

ایک نکتہ یہاں خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے' حدیثوں میں جو یہ وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ اکثر بیعت اسلام کے وقت جن باتوں کا اقرار لیتے تھے' ان میں ایک یہ بھی ہوتا تھا کہ چوری نہ کریں گے' اس کی یہی وجہ تھی کہ ان جرائم کا رواج تھا ورنہ آج اگر شرفاء سے بیعت کے وقت یہ اقرار لیا جائے تو لوگوں کو تعجب ہوگا کہ یہ بیعت لینے کی کیا چیز ہے۔

اسلام قبول کرنے کے ساتھ ان تمام جرائم سے توبہ کرنا ہوتا تھا' اس لیے عربوں کو اسلام قبول کرنے کے وقت یہ نظر آتا تھا کہ وہ تمام ذرائع معاش سے مجبور ہو جاتے ہیں یعنی وہ قافلوں پر حملہ نہیں کر سکتے کہیں ڈاکہ نہیں ڈال سکتے' کسی کا مال نہیں چھین سکتے' تو اب ان کے لیے کیا باقی رہ جاتا ہے۔

قریش خود رہزن اور غارت گر نہ تھے' وہ شہر کی متمدن زندگی بسر کرتے تھے۔ تاہم دیگر اسباب کے ساتھ ان

Marfat.com

کے اسلام نہ قبول کرنے کی وجہ یہ بھی تھی کہ قبول اسلام کا اثر ان کے وسائل معاش پر بھی پڑ سکتا تھا' قریش کا ذریعہ معاش صرف ان تجارتی تعلقات تک محدود تھا جو انہوں نے باضابطہ طور پر دوسرے قبائل اور ممالک سے قائم کر رکھے تھے اور یہ تمام قبائل اور ممالک مذہبی حیثیت سے اسلام کے دشمن اور حریف مقابل تھے اس بنا پر قریش کو خوف تھا کہ اگر وہ اسلام کے حلقہ میں داخل ہو جائیں گے تو دفعۃً یہ تمام تجارتی تعلقات منقطع ہو جائیں گے' چنانچہ علامہ ابن تیمیہ الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح (۱۳۸ جلد ۴) میں امام شافعی کی روایت سے لکھتے ہیں۔

قال الشافعي كانت قريش تنتاب الشام انتياباً كثيرا و كان كثير من معائشها منه و تاتي العراق فيقال لما دخلت في الاسلام ذكرت للنبي صلعم خوفها من انقطاع معائشها بالتجارة من الشام و العراق اذا فارقت الكفرو دخلت في الاسلام و خلاف ملك الشام و العراق لاهل الاسلام فقال النبي صلى الله عليه وسلم اذا هلك كسرىٰ بعده فلم يبق بارض العراق كسرىٰ يثبت له امر بعده و قال اذا هلك قيصر فاجابهم على ما قالوا.

''امام شافعی کا بیان ہے کہ قریش شام میں اکثر تجارتی حیثیت سے آمد و رفت رکھتے تھے اور ان کی معاش کا تعلق زیادہ تر اسی سے تھا اور اس غرض سے وہ عراق میں بھی آتے جاتے تھے' تو کہا جاتا ہے کہ جب قریش کے لوگ اسلام لائے تو آنحضرت ﷺ سے ان ذرائع معاش کے منقطع ہو جانے کا خوف ظاہر کیا اور شام و عراق کے بادشاہوں کی اس مخالفت کا ذکر کیا جو ان کو اہل اسلام کے ساتھ تھی اس پر آپ نے فرمایا کہ جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو پھر اس کے بعد دوسرا کسریٰ نہ ہوگا' چنانچہ عراق سے کسریٰ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور آپ نے فرمایا کہ جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو پھر دوسرے قیصر کا وجود نہ ہوگا۔ چنانچہ ارض شام میں پھر کوئی قیصر نہیں ہوا جس کی وہاں حکومت ہو' اس لحاظ سے آنحضرت ﷺ نے یہ جواب ان کے بیان کے موافق دیا ہے۔''

رفع اشک:

اس موقع پر ایک غلطی کا ذکر کرنا ضروری ہے جو عام طور پر یورپ میں پھیلی ہوئی ہے' اہل مغرب کا خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت کی وجہ زیادہ تر یہ ہوئی کہ اس میں عرب کی ہر قسم کی خواہش ہائے نفسانی کے پورا کرنے کا سامان موجود تھا' عرب جنگ و جدل اور لوٹ مار کے شائق تھے' اسلام نے انہی چیزوں کو جہاد و غنیمت کی صورت میں بدل دیا' عرب لخت نفس پرست تھے' اسلام نے چار بیویاں اور لامحدود لونڈیوں کی اجازت دے دی' اہل عرب زاہدانہ زندگی سے بالکل آشنا نہ تھے' اسلام نے بھی رہبانیت کی تحقیر کی' اب کیا چیز تھی جو اہل عرب کو اسلام سے روک سکتی تھی۔

لیکن یہ خیال تمام تر غلط ہے جہاد اور تعدد ازواج اور سراری کی بحث کتاب کے دوسرے حصوں میں آئے گی۔ یہاں اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ جہاد یا تعدد ازواج جو کچھ بھی تھا قدیم آزادی سے کوئی نسبت نہیں رکھتا تھا' جہاد صرف کافروں سے جائز تھا' فرض کرو ایک قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا تو اس پر کوئی شخص ہتھیار نہیں اٹھا سکتا تھا اور اس کے مال و متاع سے تعرض نہیں کر سکتا تھا' لیکن قدیم رسم کے لحاظ سے اتحاد مذہب کوئی روک نہ تھی' تمام قبائل بت پرستی

Marfat.com

میں متحد تھے لیکن ہمیشہ ایک دوسرے کو لوٹتے رہتے تھے۔ جہاد کے لیے اور بہت سی پابندیاں تھیں جو پہلے بالکل نہ تھیں' جہاد میں صرف پاس پاس کے قبائل شریک ہوتے تھے' دور دور کے قبائل اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتے تھے' جہاد میں جو لونڈیاں گرفتار ہوتی تھیں ان سے اس وقت تمتع جائز ہوتا تھا' جب ایک مہینہ کی مدت گزر جائے' یا اگر حاملہ ہے تو بچہ پیدا ہو چکے لیکن اسلام سے پہلے فتح کے ساتھ ہی عورتوں کو تصرف میں لے آتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے' پہلے نکاح کے لیے تعداد کی کوئی قید نہ تھی' ایک ساتھ آٹھ آٹھ دس دس شادیاں کرتے تھے اب چار کی قید ہو گئی اور وہ بھی اس سخت شرط کے ساتھ کہ سب میں عدل و مساوات رہے اس لیے یہ کہنا کہ اسلام عرب کے مرغوبات کو قائم رکھتا تھا' تمام تر غلط ہے' برخلاف اس کے عرب کی ایک ایک چیز روایات قدیمہ' جہالت' عادات رسوم' نفس پرستی' ہر چیز اسلام کے قبول کرنے میں مانع تھی۔

ہر قوم پر جو چیز سب سے زیادہ سختی کے ساتھ حکمران ہوتی ہے وہ قدیم عادات' اور رسوم اور خیالات ہیں' آج یورپ علوم و فنون اور آزادی خیال میں اس حد تک ترقی کر گیا ہے لیکن بے ہودہ تعجب انگیز رسمیں پہلے قائم تھیں' اب بھی قائم ہیں' یا تو تعود کی وجہ سے ان کی برائیاں سرے سے نظر ہی نہیں آتیں یا آتی ہیں تو عادت کی حکومت کے مقابلہ میں آزادی خیال اور علوم و فنون سب عاجز ہو کر رہ جاتے ہیں۔

عرب میں جس قدر رسمیں قومی عادتیں تھیں اور جو ان کی ہستی کی عناصر بن گئی تھیں اسلام ایک ایک کا دشمن تھا' ثار یعنی انتقام خون عرب کے جذبات کا سب سے بڑا مظہر تھا۔ اسلام نے اس کو بالکل مٹا دیا' خاندانی فخر و مباہات ان کی قومی زندگی کی روح تھی جو فنا کر دی گئی' ابوسفیان رئیس العرب کو بلالؓ (جو حبشی غلام تھے) کے ساتھ بیٹھنا پڑا' یا تو قریش کو انصار کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے سے بھی عار تھا یا اب ہر قریش کی لڑکیاں غلاموں (زید و سالم وغیرہ) کے گھروں میں آ گئیں' عکاظ وغیرہ کے میلے جہاں عرب سال کے سال جمع ہو کر اپنے مفاخر کی داستانیں سناتے تھے سب سرد پڑ گئے۔

اسلام ایک طرف تو عرب کے تمام مفاخر کو خاک میں ملاتا تھا۔ دوسری طرف خود اس میں ہوائے نفس اور تفریح طبع کا کوئی سامان نہ تھا' اسلام قبول کرنے کے ساتھ پانچ وقت کی نماز گلے کا ہار بن جاتی تھی' جو آزاد مزاجوں پر سخت گراں تھی۔

﴿و انها لکبیرة الّا علی الخاشعین﴾ (بقرہ : ۵) ''اور وہ (نماز) خاشعین کے سوا اوروں پر یقیناً گراں ہے۔''

روزہ یعنی تیس دن تک متصل کھانا پینا چھوڑ دینا کوئی آسان کام نہ تھا' زکوۃ ایسا سخت ٹیکس تھا کہ محض اس کے ادا نہ کرنے پر حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں عام بغاوت ہو گئی' صرف حج ایک ایسا فرض تھا جو بظاہر زندہ دلی کا سامان رکھتا تھا' لیکن اب حج وہ جاہلیت کا حج نہیں رہا تھا' طواف عریاں کی اجازت نہیں رہی تھی' بڑی دل چسپی کی چیز بت تھے وہ ایک ایک کر کے حرم سے نکال دیئے گئے۔ مقام منیٰ میں خاندانی واقعات کی رجز خوانی کا جو طریقہ چلا آتا تھا' بند کر دیا گیا۔ یہ فرائض اور اوامر کا حال تھا۔ اسی کے ساتھ محرمات اور نواہی کی وہ عالم گیری تھی کہ ان کے جاہلانہ خیال کے مطابق

Marfat.com

زندگی زندگی نہیں بلکہ زندان بن گئی تھی' زنا حرام' شراب' حرام' قمار حرام' اطلس وحریر حرام' جنگ وعود حرام' تصویر حرام' پھر زندہ دلی اور لطف زندگی کے لیے باقی کیا رہ جاتا ہے۔

خوب غور سے دیکھو تمام دیگر مذاہب نے عبادتوں میں بھی دلچسپی کا سامان رکھا ہے' عیسائیوں کی نماز گا کر ادا کی جاتی ہے' پارسیوں میں زمزمہ ہوتا ہے۔ ہندو بھی عبادت کے وقت بھجن گاتے ہیں اور سامنے دلفریب بت ہوتے ہیں۔ لیکن اسلام میں بظاہر دلآویزی اور دلفریبی کی ایک چیز بھی نہیں۔

مذکورہ بالا واقعات کی بنا پر یورپ کا یہ اعتراض کس قدر غلط اور تمام تر بے سروپا ہے کہ اسلام اس لیے پھیلا کہ وہ نفس پرستی کی ترغیب دلاتا اور اس کے سامان مہیا کرتا تھا۔

پھر کیا تھا؟ اس کا جواب آگے آتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

تبلیغ نبویؐ

اور اس کے اصول اور اس کی کامیابی کے اسباب

تمام گزشتہ موانع' عوائق' مشکلات اور دشواریوں کی دیواریں آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے ٹوٹتی گئیں' اسلام پھیلا اور اس طرح پھیلا کہ آنحضرت ﷺ نے جب دنیا کو چھوڑا تو تمام عرب میں ایک بھی بت پرست نہ تھا۔ اس لیے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے اسباب کیا تھے؟ مخالفین کے نزدیک تو اس کا جواب صرف تلوار ہے' لیکن کارلائل کے بقول (۱) نہتے اور یکہ وتنہا اسلام کے ہاتھ میں یہ تلوار کس تلوار کے زور سے آئی؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ تلوار صرف اسلام کی تبلیغی دعوت تھی' اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں' اسلام کی اس طاقت کی تشریح کر دینا مناسب ہے۔

فریضۂ تبلیغ:

''تبلیغ'' کے لفظی معنی پیغام پہنچانے کے ہیں اور اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کو ہم اچھا سمجھتے ہیں اس کی اچھائی اور خوبی کو دوسرے لوگوں اور دوسری قوموں اور ملکوں تک پہنچائیں اور ان کو اس کے قبول کرنے کی دعوت دیں' قرآن پاک میں تبلیغ کے ہم معنی چند اور الفاظ بھی ہیں جن میں سے ایک لفظ ''انذار'' ہے جس کے معنی ہشیار اور آگاہ کرنے کے ہیں دوسرا لفظ دعوۃ ہے جس کے معنی بلانے اور پکارنے کے ہیں اور تیسرا لفظ تذکیر ہے جس کے معنی یاد دلانے اور نصیحت کرنے کے ہیں' بعثت نبوی کے وقت دنیا میں دو قسم کے مذہب تھے' دو ایسے جو تبلیغی تھے یعنی عیسائیت اور بدھ مت' باقی زیادہ تر ایسے ہی تھے' جو تبلیغی نہیں' جیسے یہودیت' مجوسیت' ہندویت' جو دو تبلیغی سمجھے جاتے تھے' ان کی نسبت یہ فیصلہ مشکوک ہے کہ آیا یہ تبلیغ ان کے اصل مذہب کا حکم تھا یا بعد کے پیروؤں کا عمل ہے؟ کیونکہ ان کے مذہبی صحیفوں میں اس تعمیم دعوت کی کھلی ہوئی ہدایتیں اور ان کے بانیوں کی زندگی میں اس کی عملی مثالیں نہیں ملتیں' تمام مذاہب میں صرف اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے تبلیغ کی اہمیت کو سمجھا اور اس کے متعلق اپنے صحیفہ میں کھلے احکام دیئے اور اس کے داعی و حامل علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اس کی عملی مثالیں پیش کیں۔

جن مذہبوں نے تبلیغ کو اپنا اصول نہیں ٹھہرایا' ان کے ایسا کرنے کی اصلی وجہیں دو ہیں' ایک یہ کہ ان کے نزدیک اس حق کے قبول کرنے کی عزت کا استحقاق پیدائش سے حاصل ہوتا ہے' کوشش سے نہیں' دوسرا سبب یہ ہے کہ جو حق ان کے پاس ہے وہ ان کے نزدیک اتنا پاک و مقدس ہے کہ ان کی خاص پاک و بزرگ و محترم نسل و قوم کے علاوہ دوسری تمام قومیں جو ناپاک و نجس و کمتر ہیں ان تک اپنے پاک مذہب کو لے جانا خود اس مذہب کی پاکی کو صدمہ پہنچانا ہے یہی سبب ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک دفعہ جب ایک کنعانی (متی ۱۵) یا یونانی (مرقس ۷) عورت نے

(۱) ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ (محمد)

Marfat.com

ان سے برکت چاہی تو فرمایا۔ میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا (متی ۱۵۔۲۵) پھر فرمایا ''مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی (بنی اسرائیل کا مذہب) کتوں (غیر اسرائیلی قوموں) کو پھینک دیں۔'' (۲۷) پھر فرمایا۔ (غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ پہلے اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جاؤ اور چلتے ہوئے منادی کرو۔'' (متی ۱۰۔۶) پھر ارشاد فرمایا۔ ''وہ چیز جو پاک ہے کتوں کو مت دو اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ پھینکو۔'' (متی ۷۔۶)

ہندوؤں نے اپنے مذہب کو تمام قوموں سے جو چھپا کر رکھا اس کا بھی یہی سبب تھا کہ وہ اپنا پاک دھرم ملیچھوں اور اچھوتوں کو سکھا کر اس کو ناپاک نہیں کرنا چاہتے تھے' یہودیوں کا بھی یہی خیال تھا کہ نامختون اس نعمت کے اہل نہیں۔

تبلیغ کی اہمیت:

آنحضرت ﷺ نے دنیا کی تمام قوموں کو برابری اور مساوات کی ایک ہی سطح پر لا کھڑا کیا اور خدا کے پیغام کی منادی کا سب کو یکساں مستحق قرار دیا' اس لیے اپنی تبلیغ کے لیے قریش وغیر قریش' حجاز ویمن' عرب وعجم' ہند وروم کی تخصیص نہیں فرمائی' بلکہ دنیا کی ہر قوم' ہر زبان اور ہر گوشہ میں صدائے الٰہی کا پہنچانا فرض قرار دیا' ابتدائی وحی میں انجانوں کو ہشیار اور بے خبروں کو آگاہ کرنا سب سے پہلا حکم تھا ﴿یایها المدثر قم فانذر﴾ (مدثر) ''اے چادر پوش! اٹھ کھڑا ہو اور ہوشیار ذ آگاہ کر۔'' پھر بار بار حکم ہوتا رہا کہ ﴿بلغ ما انزل الیک﴾ ''جو تیری طرف اتارا گیا اس کو اوروں تک پہنچا۔'' ﴿فادع واستقم کما امرت﴾ (شوریٰ) ''لوگوں کو دعوت دے اور مضبوط قائم رہ جس طرح تجھے حکم دیا گیا۔'' ﴿فذکر ان نفعت الذکری﴾ (اعلیٰ) ''لوگوں کو نصیحت کر اگر نصیحت فائدہ مند ہو۔'' ﴿ذکر فان الذکریٰ تنفع المومنین﴾ (ذاریات) ''اور نصیحت کر کہ نصیحت اہل ایمان کو فائدہ پہنچاتی ہے۔'' ﴿فذکر بالقرآن من یخاف وعید﴾ ''قرآن سے سمجھاؤ اس کو جو میری دھمکی سے ڈرتا ہو۔'' اور ان کے علاوہ بیسیوں آیتوں میں اس فرض کی اہمیت ظاہر کی گئی' حضرت علیؓ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''اے علی! تمہاری کوشش سے ایک آدمی کا بھی دین حق کو قبول کر لینا دنیا کی بڑی سے بڑی دولت سے بھی بڑھ کر ہے۔''[1]

اس سے زیادہ یہ کہ اسلام نے اپنے ہر پیرو پر خیر کی دعوت' امر بالمعروف' نہی عن المنکر اور تواصی بالحق یعنی باہم ایک دوسرے کو سچائی کی نصیحت کرنا' ضروری قرار دیا ہے اور مسلمانوں کا یہ فرض بتایا ہے کہ وہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی تاریکی سے نکالنے کی جدوجہد کریں۔

آنحضرت ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے خطرات سے بے پرواہ ہو کر پیغام الٰہی لوگوں تک پہنچایئے' اور اگر ایسا نہ کیا تو رسالت کا فرض انجام نہیں دیا۔

﴿یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ﴾ (مائدہ : ۱۰)

''اے خدا کے پیغام پہنچانے والے تیرے پروردگار کے پاس سے جو کچھ تیری طرف اترا ہے اس کو پہنچا دے اگر تو نے ایسا نہیں کیا تو تو نے خدا کا پیغام نہیں

(۱) صحیح مسلم باب خیبر۔

Marfat.com

پہنچایا' اور تجھ کو خدا لوگوں سے بچالے گا۔"

اس کی وسعت:

اس کے بعد اس فریضہ تبلیغ کی وسعت کی بحث ہے' پیغام الٰہی سچائی کا ایک بہتا چشمہ ہے جو آہستہ آہستہ قدرتی رفتار سے پہلے اپنی قریب کی زمین کو۔ پھر آگے کو' پھر اس سے آگے کو سیراب کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ زمین کے کناروں تک پہنچ جاتا ہے' آنحضرت ﷺ کو تبلیغ کا حکم اسی تدریج کے ساتھ ہوا' سب سے پہلے خاص اپنے گھر اور خاندان کے لوگوں کو سمجھانے کا حکم ہوا۔

﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (شعراء : ۱۱) "اور اپنے سب سے نزدیک کے اہل خاندان کو آگاہ و ہشیار کر۔"

اس کے بعد یہ دائرہ بڑھ کر شہر مکہ اور اس کے اطراف کی آبادیوں تک پہنچتا ہے۔

﴿لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا﴾ (شوریٰ : ۱) "تا کہ تو مکہ اور جو اس کے آس پاس (کے بدوی) ہیں ان کو آگاہ و ہوشیار کرے۔"

اب تبلیغ کا دائرہ اس سے بھی آگے بڑھتا ہے' اور ہر زندہ روح یعنی سمجھ بوجھ احساس و عقل وغیرہ حقیقی زندگی کی علامتیں جس میں موجود ہوں اس کی مخاطب ہوتی ہے۔

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا﴾ (یس : ۵) "یہ قرآن تو صرف ایک نصیحت اور صاف صاف خدا کا کلام ہے تا کہ وہ اس کو ہشیار کرے جو زندہ ہے۔"

پھر جس حد تک بھی وہ آواز پہنچ جائے سب سے اس کا خطاب ہے۔

﴿لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ﴾ (انعام : ۲) "تا کہ میں تمہیں' آگاہ و ہشیار کروں اور ان کو جن تک میری یہ آگاہ و ہشیار کرنے والی آواز پہنچے۔"

پھر تمام انسانوں تک اس کی وسعت ہوتی ہے۔

﴿هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ﴾ (ابراهیم : ۷) "یہ قرآن تمام انسانوں کے لیے پیغام ہے۔"

آنحضرت ﷺ کو خطاب ہوا۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا﴾ (سبا : ۳) "اور ہم نے تم کو انسانوں کے لیے خوش خبری سنانے والا اور ہشیار کرنے والا بنا کر بھیجا۔"

آپ کو حکم ہوا کہ تمام انسانوں کو خطاب کر کے یہ اعلان فرمادیں۔

﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (اعراف : ۲۰) "اے لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا پیغام دے کر بھیجا گیا ہوں۔"

اس سے زیادہ یہ ہے کہ تمام کائنات آپ کی دعوت و تبلیغ کے دائرہ میں داخل ہے' فرمایا۔

﴿تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى "برکت والا ہے وہ خدا جس نے حق اور باطل میں امتیاز بتانے

Marfat.com

عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (فرقان : ۱) والی کتاب اپنے بندہ (محمد) پر نازل کی تا کہ وہ دنیا جہان کے لیے ہشیار و آگاہ کرنے والا ہو۔ وہ خدا جس کی ملکیت میں آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔''

اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس تبلیغ و دعوت کی وسعت اور اس میں کامیابی کی خوشخبری عین اسی وقت دے دی گئی تھی جب مسلمانوں کے دلوں میں ایک قسم کی مایوسی چھائی ہوئی تھی' چنانچہ آیت ذیل نازل ہوئی۔

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِیْنٍ﴾ (ص : ۵) ''یہ قرآن تو دنیا کے لیے نصیحت ہے' اور تم ایک زمانہ کے بعد اس کی خبر جانو گے۔''

انبیاء اور بانیان مذاہب کے عملی نمونوں اور مثالوں کی تلاش اور جستجو کرو تو یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جائے گی کہ اسلام کے سوا اور جو مذہب تبلیغی سمجھے جاتے ہیں۔'' وہ حقیقت میں تبلیغی نہیں' خود بودھ نے ہندوؤں کے علاوہ کسی کو اپنی نجات کا راستہ نہیں بتایا اور نہ اس کا حکم دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسرائیل کے علاوہ کسی دوسری قوم کو نہ اپنا وعظ سنایا اور نہ ان کو اپنا مخاطب بنایا اور نہ ان میں سے کسی کو اپنا شاگرد کیا نہ کسی دوسری قوم میں اپنی زندگی میں اپنا واعظ اور مبلغ بھیجا حالانکہ فلسطین میں رومیوں اور یونانیوں کی بڑی جماعت موجود تھی۔

آنحضرت ﷺ نے مکہ میں رہ کر مکہ اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو بیدار و ہشیار کیا' حج کے موسم میں عرب کے ایک ایک قبیلہ کے پاس جا کر حق کا پیغام پہنچایا اور اسی زمانہ میں یمن اور حبشہ تک آپؐ کی آواز پہنچ گئی اور لوگ تلاش حق کے لیے آپؐ کے پاس آئے' مدینہ منورہ آئے تو قریش گو برسوں تک دوسرے قبیلوں تک اسلام کے پہنچنے میں سد راہ بنے رہے' پھر بھی مبلغ اور داعی بھیج بھیج کر قبیلوں تک آواز پہنچائی گئی اور بالآخر قریش کے خلاف اس لیے تلوار اٹھائی گئی کہ اسلام کو تبلیغ کی پرامن آزادی ملے' چھ برس کے جنگ و جدل کے بعد حدیبیہ میں قریش نے اسلام کے اس مطالبہ کو تسلیم کیا اور تبلیغ کی آزادی عطا کی' قرآن نے اسلام کی اس روحانی فتح' کو ''فتح مبین'' قرار دیا اور ﴿انا فتحنا لک فتحاً مبیناً﴾ نازل ہوئی[1] اس کے بعد ہی عرب اور بیرون عرب میں اسلام کے واعظ' قاصد اور مبلغ بھیجے گئے اور دنیا کے امراء اور سلاطین کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے گئے اور عربوں کے علاوہ دیلم' ایران' حبش اور روم کے طالبین اسلام لے آئے اور فیضان حق سے سیراب ہوئے' مشرکین عرب' یہود' عیسائی اور پارسی سب نے آپؐ کے زمانہ ہی میں آپ کے نور سے روشنی حاصل کی۔

لیکن نفس تبلیغ کی فرضیت و اہمیت سے بھی زیادہ اہم چیز تبلیغ کے اصول ہیں۔

تبلیغ کے اصول:

یہ نکتہ کہ کس طرح لوگوں کو کسی سچائی کے قبول کی دعوت دینی چاہیے' دنیا میں پہلی دفعہ محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوا' وہ مذہب بھی جو تبلیغی ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں' یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کے صحیفوں نے ان کے لیے تبلیغ کے اہم اصول کی تشریح کی ہے لیکن صحیفہ محمدی نے نہایت اختصار لیکن پوری تشریح کے ساتھ اپنے پیروؤں کو

(۱) صحیح مسلم باب صلح الحدیبیہ۔

Marfat.com

یہ بتایا ہے کہ پیغام الٰہی کو کس طرح لوگوں تک پہنچایا جائے اور ان کو قبول حق کی دعوت کس طرح دی جائے۔

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَ جَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ﴾ (نحل: ۱۶)

''اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو دانائی اور عمدہ نصیحت کے ذریعہ بلا اور ان سے مناظرہ خوش آئند طریق سے کر۔''

تبلیغ و دعوت کے یہ تین اصول مسلمانوں کو سکھائے گئے۔ عقل و حکمت' موعظہ حسنہ اور مناظرہ بطریق احسن مسلمان متکلموں نے بیان کیا ہے کہ تبلیغ و دعوت کے یہ تینوں اصول وہی ہیں جو منطقی استدلال میں عموماً کام میں لائے جاتے ہیں یعنی ایک تو برہانیات جن میں یقینی مقدمات کے ذریعہ سے دعویٰ کے ثبوت پر دلیلیں لائی جاتی ہیں' دوسرے خطابیات جن میں موثر اور دلپذیر اقوال سے مقصود کو ثابت کیا جاتا ہے اور تیسرے جدلیات جن میں مقبول عام اقوال اور فریقین کے مسلم مقدمات سے استدلال کیا جاتا ہے' قرآن پاک نے پہلے طریقہ کو حکمت' دوسرے کو موعظت حسنہ اور تیسرے کو جدال سے تعبیر کیا ہے اور استدلال کے یہی وہ تین طریقے ہیں جن سے ایک شخص دوسرے کے سامنے اپنے مدعا کو ثابت کرتا ہے۔

خیر یہ تو فلسفیانہ نکتہ آفرینی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ جب ہم کسی کے سامنے کوئی بات پیش کر کے اس کے قبول کی دعوت دیتے ہیں تو عموماً تین طریقے برتتے ہیں' یا تو اس بات کے ثبوت اور تائید میں کچھ دل نشین دلیلیں پیش کرتے ہیں یا اس کو مخلصانہ نصیحت کرتے ہیں اور موثر انداز سے اس کو نیک و بد اور نشیب و فراز سے آگاہ کرتے ہیں یا یہ کرتے ہیں کہ اس کی دلیلوں کو مناسب طریقہ سے رد کر کے اس کی غلطی کو اس پر واضح کرتے ہیں' پہلے طریقہ کا نام حکمت دوسرے کا نام موعظہ حسنہ اور تیسرے کا نام جدال بطریق احسن ہے' تبلیغ و دعوت کے یہی تین طریقے اسلام نے بتائے ہیں۔

قول لین:

حکیمانہ استدلال ہو' یا وعظ و نصیحت ہو یا جدال و مناظرہ ہو' ضرورت یہ ہے کہ داعی نرمی اور خیر خواہی سے باتیں کرے کہ سختی اور شدت کا طریق دوسرے کے دل میں نفرت اور عداوت کے جذبات پیدا کرتا ہے اور کیسی ہی اچھی اور سچی بات ہو لیکن اس قسم کے جذبات اس کے قبول کی استعداد اس سے سلب کر لینے اور سننے والے میں اپنی غلطی پر ضد اور ہٹ پیدا کر دیتے ہیں جس سے دعوت کا فائدہ اور نصیحت کا اثر باطل ہو جاتا ہے' اسی لیے قرآن پاک نے اپنے پیغمبروں کو اپنے مخالف سے مخالف دشمن سے بھی نرمی سے باتیں کرنے کی تاکید کی ہے' حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ کو فرعون جیسے سرکش کے سامنے پیغام ربانی لے کر جانے کی ہدایت ہوتی ہے تو ساتھ ساتھ یہ ارشاد بھی ہوتا ہے۔

﴿اِذْھَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی فَقُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّہٗ یَتَذَکَّرُ اَوْ یَخْشٰی﴾ (طٰہٰ: ۲)

''تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ' اس نے سرکشی کی ہے تو اس سے نرم گفتگو کرنا' شاید وہ نصیحت قبول کرے یا (خدا سے) ڈرے۔''

دعوت و تبلیغ میں رفق و نرمی اور لطف و تحمل کی اس سے بہتر مثال نہیں ہو سکتی کہ نہ کوئی داعی اور واعظ پیغمبروں سے بہتر ہو سکتا ہے' اور نہ فرعون سے بڑھ کر کوئی مجرم ہو سکتا ہے' پھر ایسے مجرم کے سامنے اس لطف و نرمی سے وعظ و نصیحت کی

Marfat.com

تعلیم جب پیغمبروں کو ہوتی ہے تو عام داعیوں مبلغوں اور واعظوں کو عام مخالفوں مجرموں اور سرکشوں کے ساتھ بدرجہا رفق و ملاطفت سے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔

اعراض اور قول بلیغ:

آنحضرت ﷺ کو ان منافقوں کے بارہ میں جو آپ کی نافرمانی کے جرم کے مرتکب ہوئے تھے یہ حکم ہوتا ہے۔

﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ عِظْهُمْ وَ قُلْ لَّهُمْ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا﴾ (نساء : ۹) ''تو ان سے درگزر کر اور ان کو نصیحت کر اور ان سے ایسی بات کہہ جو ان کے دلوں میں اثر کرے۔''

اس تعلیم میں تین ہدایتیں ہیں اول یہ کہ دعوت و تبلیغ میں مخالفت کی بدسلیقگی بدتہذیبی اور درشتی سے درگزر اور ان کو برداشت کرنا چاہیے دوسرے یہ کہ ان کو نصیحت کرنا اور سمجھانا چاہیے اور تیسرے یہ کہ گفتگو کا وہ موثر طرز و انداز اختیار کرنا چاہیے جو دل میں گھر کرے۔

تیسیر و تبشیر:

ان ہی ربانی ہدایتوں کی تعمیل میں جب آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو یمن میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے متعین فرمایا تو رخصت کرتے وقت یہ نصیحت فرمائی ﴿یسروا و لا تعسروا و بشروا و لا تنفروا﴾ [1] دین الٰہی کو آسان کر کے پیش کرنا سخت بنا کر نہیں لوگوں کو خوش خبری سنانا نفرت نہ دلانا یہ وہ تبلیغی اصول ہیں جو ایک داعی و مبلغ کی کامیابی کی جان ہیں آنحضرت ﷺ نے صحابہ کے سامنے اور صحابہ نے عام مسلمانوں کے سامنے اسی اصول کے مطابق دین الٰہی کو پیش کیا اور کامیابی حاصل کی دین کی جائز آسانی اور سہولت کو پیش کرنا اور اس کو سخت درشت اور مشکل نہ بنانا ہی اس کے قبول عام کی راہ ہے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے لطف و شفقت رحم و کرم اور مہر و محبت کی دل نواز صداؤں سے دلوں کو پرامید اور مسرور بنانا اس سے بہتر ہے کہ بات بات پر خدا کی قہاری و جباری اور ہیبت و جلال کا ذکر کر کے دلوں کو خوف زدہ اور مایوس بنایا جائے۔

تدریج:

تبلیغ کا ایک اور اصول آنحضرت ﷺ نے یہ تعلیم فرمایا کہ کسی نئی قوم کو دعوت دیتے وقت شریعت کے تمام احکام کا بوجھ ایک دفعہ اس کی گردن پر نہ ڈالا جائے بلکہ رفتہ رفتہ وہ اس کے سامنے پیش کیے جائیں پہلے توحید اور رسالت کو پیش کرنا چاہیے اس کے بعد عبادات کو عبادات میں بھی اہم پھر اہم کے اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیے عبادات میں سب سے اہم نماز ہے پھر زکوۃ ہے پھر دوسرے فرائض ہیں حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجتے وقت آپ نے فرمایا تم یہودیوں اور عیسائیوں کی ایک قوم کے پاس جاؤ گے تو ان کو پہلے اس کی دعوت دینا کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہیں اور محمد اس کا رسول ہے جب وہ یہ مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ وقت کی

(۱) صحیح بخاری بعث معاذ الی الیمن جلد دوم صفحہ ۶۲۲۔

Marfat.com

نمازیں فرض کی ہیں اور جب وہ یہ بھی مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے' یہ صدقہ ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے غریبوں کو دے دیا جائے' جب وہ اس کو تسلیم کر لیں تو دیکھو صدقہ میں چن چن کر ان کے بڑھیا مال کو نہ لینا اور ہاں مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا۔ کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔ (۱)

تالیف قلب:

تبلیغ و دعوت کے سلسلہ میں اسلام نے ایک اور طریقہ بھی پیش کیا ہے جس کو تالیف قلب کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے ﴿و المولفة قلوبهم﴾ (توبہ: ۱۸) اس کے لفظی معنی ہیں ''دلوں کو ملانا'' اور اس سے مقصود اس شخص کے ساتھ جس کو اسلام کی طرف مائل کرنا ہو۔ لطف و محبت' امداد و اعانت اور غم خواری و ہمدردی کرنا ہے' کیونکہ انسان طبعاً شریفانہ جذبات کا ممنون ہوتا ہے اور یہ ممنونیت عناد اور ضد کے خیالات کو دور کر کے قبول حق کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے آنحضرت ﷺ نے بہت سے لوگوں کو اپنے اس اعجاز سے اسلام کا حلقہ بگوش بنا لیا تھا چنانچہ مکہ کے بعض رئیس اسی جذبہ سے متاثر ہو کر اسلام لائے تھے آنحضرت ﷺ نے حنین کی غنیمت کا سارا مال ان ہی میں تقسیم کر دیا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پھر حق کے خلاف ان کی گردنیں نہ اٹھ سکیں' صفوانؓ جو اسلام کے سخت مخالف اور آنحضرت ﷺ سے نہایت بغض رکھتے تھے' وہ کہتے ہیں کہ مجھ کو آنحضرت ﷺ نے دیا' جتنا دیا۔ اور مجھے ان سے سخت بغض تھا' لیکن آپ کے ان احسانات نے مجھے ایسا متاثر کیا کہ اب میری نگاہ میں ان سے زیادہ کوئی پیارا نہیں۔ (۲) ایک دفعہ ایک بدو نے آ کر کہا کہ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان بکریوں کے جتنے ریوڑ ہیں مجھ کو عنایت کیجیے' آپؐ نے اس کو وہ سب دے دیئے' یہ فیاضی دیکھ کر ایسا اس پر اثر پڑا کہ اس نے اپنے پورے قبیلہ سے جا کر کہا' بھائیو! اسلام قبول کرو' محمد اتنا دیتے ہیں کہ ان کو اپنے فقر و افلاس کا ڈر ہی نہیں رہتا۔ (۳)

ایک یہودی کا لڑکا آنحضرت ﷺ کی خدمت کرتا تھا اور بیمار پڑا تو آنحضرت ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور جا کر اس کے سرہانے بیٹھے۔ پھر فرمایا کہ لڑکے اسلام قبول کر لے' اس نے مستفسرانہ نگاہ سے باپ کی طرف دیکھا' اس نے کہا ابوالقاسم (آپؐ کی کنیت) کی بات مان لے' چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔ اور جب آنحضرت ﷺ وہاں سے اٹھے تو زبان مبارک پر یہ فقرہ تھا کہ اس خدا کی حمد جس نے اس کو دوزخ سے بچا لیا۔ (۴)

دعوت عقل:

اسلام نے تبلیغ و دعوت کے جو اصول بتائے ہیں ان کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ ایک استدلالی اور عقلی مذہب ہو کہ بغیر اس کے حکمت و دانش مندی' وعظ و نصیحت اور جدال و مناظرہ کی بنیاد قائم نہیں رہ سکتی' اس بنا پر مذاہب

(۱) صحیح بخاری باب مذکور جلد دوم ص ۱۶۳۔
(۲) صحیح مسلم باب جودہ صلعم ج ۲ ص ۲۹۰ مصر۔
(۳) ایضاً۔
(۴) صحیح بخاری کتاب الجنائز۔

Marfat.com

عالم کی تاریخ میں نبوت محمدیہ سب سے پہلی ربانی آواز ہے جس نے حاکمانہ قانون (توراۃ) یا صرف لفظوں کے الٹ پھیر (انجیل) یا راجاؤں کے احکام (وید) کے بجائے عقل انسانی کو مخاطب کیا' غور وفکر کی دعوت دی' فہم وتدبر کا مطالبہ کیا' اس نے اپنی ہر تعلیم کے ساتھ اپنی تعلیم کی خوبی و مصلحت وحکمت خود ظاہر کی اور بار بار مخالفوں کو آیات الٰہی میں غور و فکر کی ہدایت کی فرمایا۔

﴿قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾ (انعام:۱۸)

''کہہ اے پیغمبر کہ تمہارے پاس کوئی (یقینی) علم ہے کہ اس کو تم ہمارے لیے ظاہر کرو' تم گمان ہی کے پیچھے چلتے ہو اور تم تو اٹکل ہی کرتے ہو کہہ کہ اللہ ہی کی ہے' پہنچتی ہوئی دلیل۔''

نیز ارشاد ہوا۔

﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (انفال : ۵)

''تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو' اور جو جیتا رہے وہ دلیل سے جیے اور اللہ ہی سننے والا جاننے والا ہے۔''

غفلت شعار کافروں کی نسبت فرمایا۔

﴿وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ﴾ (یوسف : ۱۲)

''اور آسمانوں میں اور زمین میں (خدا کی توحید کی) کتنی نشانیاں (دلیلیں) ہیں جن پر وہ گزر جاتے ہیں اور ان پر غور نہیں کرتے۔''

غور وفکر کرنے والے اہل ایمان کی تعریف میں فرمایا۔

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا﴾ (آل عمران : ۲۰)

''بے شبہ آسمانوں اور زمین کی بناوٹ اور رات اور دن کے الٹ پھیر میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں جو اللہ کو کھڑے بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر یاد کرتے ہیں' آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں غور کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ اے ہمارے پروردگار تو نے (یہ عالم) بیکار نہیں بنایا۔''

اس سے زیادہ عقلی اور عملی استدلال کی دعوت اور کیا ہوگی مگر بہر حال یہ خارجی استدلال تھا' اندرونی استدلال کی بھی اس نے دعوت دی فرمایا۔

﴿وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾ (ذاریات)

''اور خود تمہارے اندر نشانیاں ہیں تم دیکھتے نہیں۔''

صحیفۂ محمدی کی نسبت ہر جگہ یہ الفاظ فرمائے۔

﴿تَبْصِرَةً وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ﴾ (ق: ۱)

''یہ بصیرت اور نصیحت ہے' ہر رجوع ہونے والے بندہ کے لیے۔''

Marfat.com

﴿هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ (اعراف: ۲۴) "یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے بصیرتیں ہیں۔"

﴿هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ﴾ (جاثیہ: ۲) "یہ لوگوں کے لیے بصیرتیں ہیں۔"

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾ (نساء: ۱۱) "کیا یہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے۔"

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ (محمد: ۱۱) "کیا یہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر ان کے تالے ہیں۔"

﴿وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ﴾ (یس: ۱) "حکمت والے قرآن کی قسم۔"

﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ﴾ (یونس و لقمان ۱) "یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔"

نہ صرف اسی قدر بلکہ خدا کا وجود توحید رسالت قیامت جزاوسزا عبادت نماز روزہ حج زکوٰۃ اخلاق وغیرہ ہر تعلیم کی تلقین کرتے وقت اس نے اس کی صداقت کی عقلی دلیلیں پیش کی ہیں اور ہر مسئلہ کی مصلحتیں اور حکمتیں علی الاعلان ظاہر کی ہیں آئندہ صفحوں میں ہر قدم پر اس کی دلیلیں آپ کو ملیں گی۔

مذہب میں زبردستی نہیں:

یہ وہ حقیقت ہے جس کی صدا آج ہر در و دیوار سے آتی ہے لیکن شاید لوگوں کو معلوم نہیں کہ دنیا میں اس حقیقت کا اعلان سب سے پہلے محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی زبان مبارک سے ہوا اور ظاہر ہے کہ جو مذہب اپنی اشاعت کے لیے صرف دعوت و تبلیغ کا راستہ رکھتا ہو جس نے اس کے اصول بتائے ہوں جس نے عقل و بصیرت اور فہم و تدبر کے ہر معاملہ میں لوگوں سے مطالبہ کیا ہو ہر قدم پر عقلی استعداد اور مصلحت و حکمت کا اظہار کیا ہو وہ کیونکر جبر و اکراہ اور زور و زبردستی کے طریقہ کو اختیار کر سکتا تھا اسلام نے نہ صرف یہ کہ مذہب کی جبری اشاعت کو ناپسند کیا بلکہ اس کا فلسفہ بتایا کہ مذہب زبردستی کی چیز نہیں اسلام میں مذہب کا اولین جزو ایمان ہے ایمان یقین کا نام ہے اور دنیا کی کوئی طاقت کسی کے دل میں یقین کا ایک ذرہ بھی بزور پیدا نہیں کر سکتی بلکہ تیز سے تیز تلوار کی نوک بھی کسی لوح دل پر یقین کا کوئی حرف نقش نہیں کر سکتی فرمایا۔

﴿لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ (بقرہ: ۳۴) "دین میں کوئی زبردستی نہیں ہدایت گمراہی سے الگ ہو چکی۔"

یہ وہ عظیم الشان حقیقت ہے جس کی تلقین انسانوں کو صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے ہوئی۔ دوسری جگہ فرمایا۔

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (کہف: ۴) "اور کہہ دے کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے تو جو چاہے قبول کرے اور جو چاہے انکار کرے۔"

ایمان اور کفران دو میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے پر کوئی زبردستی نہیں ہے عقل و بصیرت والے اسے خود قبول کریں گے اور نافہم اس سے محروم رہیں گے اس لیے بار بار یہ واضح کیا گیا کہ رسول کا کام لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے زبردستی منوانا نہیں۔

Marfat.com

﴿اِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ﴾ (مائدہ : ۱۲)
''ہمارے رسول پر تو یہی فرض ہے کہ وہ صاف صاف ہمارا پیغام پہنچا دے۔''

آنحضرت ﷺ کو جو قریش کے اعراض و مخالفت سے حد درجہ غمگین تھے' تسکین دی گئی۔

﴿اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾ (شوریٰ: ۵)
''اے پیغمبر تیرا فرض صرف پیام پہنچا دینا ہے۔''

﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ لَّسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ﴾ (غاشیہ : ۱)
''اے پیغمبر! تو تو صرف نصیحت کرنے والا ہے' تو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا۔''

﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾ (شوریٰ : ۵)
''پھر اگر وہ اسلام کی دعوت سے انکار کریں تو اے پیغمبر ہم نے تجھ کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا تیرے ذمہ صرف پیغام کا پہنچا دینا ہے۔''

کسی دین کو زبردستی پھیلانا اسلام کی نگاہ میں ایک ایسا فعل ہے جس سے رسول کی شان کو اس نے بہت بلند سمجھا ہے فرمایا۔

﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّهُمْ جَمِیْعًا اَفَاَنْتَ تُکْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾ (یونس : ۱۰)
''اگر تیرا پروردگار چاہتا کہ لوگوں کو زبردستی مومن بنا دے تو زمین سے سب لوگ ایمان لے آتے تو کیا اے پیغمبر تو لوگوں پر زبردستی کرے گا کہ وہ ایمان لے آئیں۔''

اسلام میں حق کی حمایت اور باطل کی شکست کے لیے لڑنا جائز ہے اور آنحضرت ﷺ کو بھی مجبوراً لڑنا پڑا' اس سے مخالفوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لڑائی صرف اس لیے تھی کہ اسلام کو تلوار کے زور سے لوگوں میں پھیلایا جائے' حالانکہ قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں کسی کافر کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہو' اور نہ آنحضرت ﷺ کی سیرت میں کوئی واقعہ ایسا ہے جس میں کسی کو زبردستی تلوار کے زور سے مسلمان بنایا گیا ہو' بلکہ اگر ہے تو یہ ہے۔

﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ فَاَجِرْهُ حَتّٰی یَسْمَعَ کَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ﴾ (توبہ : ۱)
''اور اگر (لڑائی میں) کوئی مشرک تجھ سے پناہ کا طالب ہو تو اس کو پناہ دے' یہاں تک کہ وہ خدا کا کلام سن لے' پھر اس کو وہاں پہنچا دے جہاں وہ بے خوف ہو' کہ یہ بے علم لوگ ہیں۔''

یہ نہیں کہا کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائے' اس کو پناہ نہ دو بلکہ یہ فرمایا کہ اس کو پناہ دے کر اس کی جائے پناہ تک پہنچا دیا جائے' اور اس کو کلام الٰہی سنایا جائے تا کہ اس کو غور و فکر کرنے کا موقع ملے' ظاہر ہے کہ جو مشرک اس طرح مسلمان ہو گا اس کے تبدیل مذہب کا محرک تلوار کے بجائے کوئی اور چیز (پیام حق) ہو گی۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاد کی مشروعیت' مظلوموں کی حمایت' جلاوطنوں کے حق دلانے' حج کا راستہ کھولنے اور عقیدہ کی آزادی حاصل کرنے کے لیے ہوئی تھی' جیسا کہ اس کا مفصل بیان کتاب میں کہیں آئے گا' قرآن کی اس آیت میں۔

Marfat.com

﴿وَقَاتِلُوهُم حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ﴾ (انفال : ۵)

"اور ان کافروں سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔"

"فتنہ" سے مراد عقیدہ اور مذہب کی آزادی نہ ہونا ہے حضرت ابن عمرؓ صحابہ کی خانہ جنگیوں میں شریک نہ تھے ایک شخص نے ان سے آ کر کہا کہ خدا نے فتنہ کے مٹانے کے لیے لڑنے کا حکم نہیں دیا اور اوپر کی آیت پیش کی انہوں نے جواب دیا کہ ہم یہ فرض آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ادا کر چکے جب مسلمان کم تھے تو انسان اپنے دین کے سبب سے فتنہ میں مبتلا کیا جاتا تھا اس کو لوگ یا مار ڈالتے تھے یا قید کر لیتے تھے یہاں تک کہ مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تو پھر فتنہ باقی نہ رہا۔ (۱)

میدان جنگ میں تبلیغ:

ناواقفوں نے ایک اور مسئلہ کی بھی غلط تعبیر کی ہے اسلام کی امن پسندی نے یہ قانون بنایا ہے کہ اگر کسی مخالف قوم سے لڑائی آپڑے تو میدان جنگ میں پہنچ کر بھی صلح و آشتی کا خیال دور نہ کیا جائے بلکہ تلوار کے فیصلہ سے پہلے دو باتیں ان کے سامنے پیش کرنی چاہئیں اول یہ کہ تم کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ اور لڑائی سے ہاتھ اٹھا کر ہمارے بھائی بن جاؤ اگر ایسا کرو تو تم دین حکومت اور عزت کے تمام حقوق میں ہمارے برابر ہو جاؤ گے اگر یہ منظور نہ ہو تو اپنے مذہب پر قائم رہ کر ہماری سیاسی حکومت کو قبول کر لو اس حالت میں تمہاری حفاظت کی ہر قسم کی ذمہ داری ہمارے سر ہوگی اگر وہ ان دو میں سے کوئی بات قبول کر لیں تو ان سے لڑنا جائز نہیں اسلام کی تاریخ میں ایسے کتنے منظر ہیں کہ کسی دشمن قوم نے اسلام یا محض اطاعت قبول کر لی ہے اور خون ریزی رک گئی اور لڑائی کا میدان محبت و آشتی کی بزم بن گئی ہے۔

یہ قانون جو سرتاپا امن پسندی سلامت طلبی اور خون ریزی سے بچنے کی آخری کوشش پر مبنی ہے اس کو مخالفوں نے اس صورت میں پیش کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنانے کی تعلیم دی آنحضرت ﷺ کا دستور تھا کہ جب کسی فوج کو متعین کرتے تو سردار کو یہ ہدایت فرماتے۔

"جب تو مشرکوں میں سے کسی دشمن قوم سے مقابل ہو تو اس کو تین باتوں میں سے کسی ایک بات کے قبول کرنے کی دعوت دے ان میں سے جو بات بھی وہ مان لے اس کو قبول کر لے اور اس پر حملہ کرنے سے رک جا اس کو اسلام کی دعوت دے اگر وہ قبول کر لے تو پھر اس سے رک جا اس کے بعد اس سے خواہش کر کہ وہ مسلمانوں کے ملک میں آ جاوے تو اس کا وہی حق ہوگا جو مسلمانوں کا ہے اگر وہ نہ مانے تو اس کی حالت بدو مسلمانوں کی سی ہوگی قانون اس پر مسلمانوں کا جاری ہوگا لیکن غنیمت اور فیٔ میں اس کا حصہ نہ ہوگا جب تک وہ جہاد میں شرکت نہ کرے۔ اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو اس کو جزیہ دے کر ذمی بننے کو کہہ اگر وہ اس کو مان لے تو اس سے بھی رک جاؤ۔ اگر وہ اس کو بھی نہ مانے تو پھر خدا کی مدد مانگ اور لڑائی شروع کر دے۔ (۲)

(۱) صحیح بخاری جلد دوم تفسیر انفال ص ۶۷۰۔
(۲) صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر۔

Marfat.com

یہ وہ اصول جنگ تھے جس سے خون ریزی کی روک تھام مقصود تھی نہ یہ کہ کسی کو مجبور کر کے بزور شمشیر مسلمان بنا لینا' صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں ایرانیوں سے جب لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں نے تین روز تک میدان جنگ میں تلوار نہیں اٹھائی' حضرت سلمان فارسیؓ تین روز تک ان کو سمجھاتے رہے اور کہتے رہے کہ "میں تمہاری قوم سے ہوں لیکن دیکھتے ہو کہ عرب میرے زیر فرمان ہیں' اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو تم کو بھی وہی حقوق ملیں جو ہمارے ہیں اور اگر تم اپنے ہی مذہب پر رہنا چاہو تو جزیہ دے کر رہ سکتے ہو' لیکن محکوم ہو کر رہو گے۔"[1] اس سے معلوم ہوا کہ جنگ میں دشمن کو بھی تبدیلی مذہب پر مجبور نہیں کیا گیا بلکہ اس کے سامنے دوسری راہیں بھی کھلی تھیں۔

ثمامہؓ بن اثال قبیلہ بنی حنیفہ میں سے تھے اور یمامہ کے رئیس تھے' یہ وہ قبیلہ ہے جو آخر تک سرکش رہا اور اسی میں آنحضرت ﷺ کے آخر زمانہ میں مسیلمہ پیدا ہوا تھا' ثمامہؓ اتفاق سے مسلمانوں کے ایک لشکر کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے اور مدینہ لا کر مسجد نبوی کے کھمبے میں باندھ دیئے گئے' آنحضرت ﷺ نماز کے لیے تشریف لائے تو پوچھا کہ ثمامہ تمہاری کیا رائے ہے جواب دیا محمد! میری رائے اچھی ہے' اگر مجھے قتل کر دو گے تو ایک خون والے کو قتل کرو گے اور اگر احسان کرو گے تو ایک شکر گزار پر احسان ہو گا' اور اگر زر فدیہ ہو تو مانگو جو مانگو گے دیا جائے گا' آنحضرت ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا' پھر اسی طرح دوسرے دن سوال و جواب ہوا' پھر تیسرے دن ہوا' تیسرے دن آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو' لوگوں نے کھول دیا۔ وہ رسی سے کھل کر آزاد ہو چکے تھے' مگر سچائی کی زنجیر ان کے پاؤں میں پڑ گئی' مسجد نبوی کے قریب ایک نخلستان میں جا کر غسل کیا اور پھر مسجد میں آ کر کلمہ شہادت پڑھ[2] کر مسلمان ہو گئے کیا کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کا اس سے بہتر موقع مل سکتا تھا؟ بدر کے قیدی گرفتار ہو کر آئے لیکن ان سے یہ نہیں کہا گیا کہ تلوار یا اسلام اسی طرح جنگ کے دوسرے قیدیوں کے ساتھ بھی یہی برتاؤ رہا' قرآن پاک نے جنگ کے قیدیوں کے متعلق کہا ﴿فاما منا بعد و اما فدآء﴾ (محمد: ۱) لڑائی ختم ہونے کے بعد ان قیدیوں کو احسان دھر کر چھوڑ دو' یا فدیہ لے کر چھوڑ دو' یہ ارشاد نہ ہوا کہ اسلام یا تلوار۔

غزوہ خیبر میں مسلمان روزانہ بعض قلعوں پر حملہ کرتے ہیں اور ناکام رہتے ہیں' بالآخر شیر خدا علی مرتضیٰ کو حکم ہوتا ہے کہ فوج لے کر جائیں' وہ پوچھتے ہیں یا رسول اللہ! کیا میں ان سے لڑوں یہاں تک کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں؟ فرمایا آہستگی سے روانہ ہو یہاں تک کہ ان کے میدان میں پہنچ جاؤ' پھر ان کو اسلام کی طرف بلاؤ اور اس میں ان کا جو حق ہو گا وہ ان کو بتاؤ خدا کی قسم اگر ایک شخص کو بھی خدا تمہارے ذریعہ سے ہدایت دے دے تو اس سے بہتر ہے کہ تمہاری ملکیت میں سرخ اونٹ ہوں۔[3] لیکن خیبر کے یہود نے اسلام کا مذہب قبول نہیں کیا بلکہ اسلام کی حکومت قبول کر لی' اور مصالحت ہو کر تلوار نیام میں کر لی گئی۔

اسی طرح ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر ہتھیار اٹھانا جائز نہیں' بلکہ کفر کا موجب ہے' کفار کو مسلمانوں کا

(۱) جامع ترمذی ابواب السیر۔
(۲) صحیح بخاری و سنن ترمذی ربط الاسیر۔
(۳) صحیح بخاری غزوہ خیبر۔

Marfat.com

یہ طرز عمل معلوم تھا۔ اکثر لڑائیوں میں جب مشرک حملہ آور اپنی کمزوری محسوس کرتا تھا اور اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ توحید پڑھ دیتا تھا اور ایک بپھرے ہوئے مسلمان کو مجبوراً اپنے غصہ کو ضبط کر کے ہاتھ روک لینا پڑتا تھا۔

ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے پوچھا کہ اگر لڑائی میں میرا حریف اپنی تلوار سے میرا ہاتھ اڑا دے اور جب میرے حملہ کی باری آئے تو درخت کی آڑ پکڑ کر کہے، میں مسلمان ہوتا ہوں، تو اے خدا کے رسول میں کیا کروں، اس کو قتل کر دوں؟ فرمایا نہیں، اس کا قتل جائز نہیں عرض کی یا رسول اللہ! میرا ہاتھ اس نے کاٹ دیا، پھر بھی اس کا قتل جائز نہیں فرمایا کہ اگر تم نے اب اس کو قتل کیا تو وہ وہ ہو گیا، جو تم اس کے قتل سے پہلے تھے اور تم وہ ہو جاؤ گے جو وہ اس اقرار توحید سے پہلے تھا۔ (۱)

حضرت اسامہ بن زیدؓ آپؐ کے بڑے چہیتے خادم تھے، وہ ایک فوجی دستہ کے سپہ سالار بنا کر ایک لڑائی میں بھیجے گئے جب گھمسان کا رن پڑا تو ایک کافر ان کی زد میں آیا، انہوں نے حملہ کا قصد کیا تو وہ لا الہ الا اللہ پکار اٹھا، ایک انصاریؓ جو پہلے اس پر جھپٹے تھے، وہ تو رک گئے مگر اسامہؓ نے اس کافر کے اس کلمہ پڑھنے کو اس کی جان بچانے کے فریب پر محمول کر کے کچھ خیال نہ کیا اور نیزہ سے اس کا کام تمام کر دیا، آنحضرت ﷺ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو اسامہؓ سے سخت آزردہ ہوئے، اسامہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس نے صرف تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا۔ فرمایا اور کتنا بلیغ فقرہ فرمایا۔ "اے اسامہ! تم نے کیا اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا۔" پھر برابر یہ فرماتے رہے اے اسامہ تم قیامت میں اس کے لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دو گے، اسامہ کہتے ہیں کہ مجھ کو اتنی ندامت تھی کہ میں نے دل میں آرزو کی کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔ (۲)

دیکھو کہ واقعہ کی تصویر کتنی الٹ دی گئی ہے، واقعہ تو یہ تھا کہ اپنی حملہ آورانہ لڑائی کے گھمسان مین بعض کفار و مشرکین جن کو یہ معلوم تھا کہ کسی کلمہ گو کو مسلمان اپنے مذہب کے حکم کے بموجب قتل نہیں کرتے، جب وہ مسلمانون کی زد میں پڑتے تھے تو اپنی جان بچانے کے لیے فوراً کلمہ شہادت پڑھ دیتے تھے اور بیان اس صورت مین کیا جاتا ہے کہ اسلام نے کفار کو تلوار کی نوک سے کلمہ پڑھنے پر مجبور کیا، کیا یہ صداقت ہے۔؟

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا ایک اور اعلان ہے جس کو اکثر غلط معنی میں پیش کیا گیا ہے آپ نے فرمایا ((امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ)) (الخ) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑائی کروں جب تک وہ توحید کا اقرار نہ کریں اور جب وہ اقرار کر لیں تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے بچا لیا اور ان کی نیت کی پرسش خدا کا کام ہے، اس حدیث کا مقصد صرف اسی قدر ہے کہ مسلمان سے لڑنا تو جائز نہیں لیکن کسی غیر مسلم قوم سے بھی لڑنا اسی وقت تک جائز ہے جب تک وہ توحید کا اقرار نہ کرے اور جب اس نے یہ کر لیا تو پھر اس سے بھی لڑنا روا نہیں خواہ وہ حملہ کے ڈر سے لا الہ الا اللہ کہے یا سچے دل سے اس نے یہ اقرار کیا ہو اس کی تحقیق کہ کس نیت سے اس نے کلمہ پڑھا۔ انسان کا فرض نہیں، خدا کا ہے، یہ بالکل ایک مصالحانہ اعلان ہے لیکن لوگ اس کو

(۱) صحیح مسلم کتاب الایمان

(۲) صحیح مسلم کتاب الایمان ص ۱۵۲، مصر

Marfat.com

اس معنی میں پیش کرتے ہیں کہ گویا اسلام کا حکم یہ تھا کہ مسلمان دیوانہ وار تلوار لیے پھرتے اور جس کو پاتے اس کو ڈرا دھمکا کر کہتے کہ کلمہ پڑھو ورنہ سر قلم کر دیں گے' غور کرو' اگر یہ حکم ہوتا تو قیدی اقرار توحید کیے بغیر اس آسانی سے چھوڑے جاتے اور ہاری ہوئی قوموں سے اسلام نہیں۔ صرف چند درہم کا جزیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا جاتا؟ اور کیا مسلمانوں کو یہ اجازت ملتی کہ۔

﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا﴾ (انفال: ۸) ''اگر کفار کا محارب فریق صلح کے لیے جھکے تو تو بھی جھک جا۔''

بلکہ اس کے بجائے یہ حکم ہوتا کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں ان سے صلح نہ کرنا اور نیز کیا مسلمانوں کو یہ حکم ہو سکتا تھا کہ۔

﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ﴾ (توبہ: ۱) ''اور اگر (لڑائی کے میدان میں) مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے یہاں تک کہ وہ خدا کا کلام سن لے پھر اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچا دے یہ ''اس لیے'' کہ یہ بے علم لوگ ہیں۔''

بلکہ یہ ہوتا کہ پناہ ملنے اور کلام الٰہی سننے کے بعد وہ مسلمان نہ ہو تو اس کو اس کی امن کی جگہ پہنچانے کے بجائے اس کو قتل کر کے جہنم میں پہنچا دو' مگر ایسا نہیں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی امن پسندی اور رواداری کے مفہوم کو کس طرح الٹ پلٹ کر بیان کیا جاتا ہے' حالانکہ اسلام نے ان مشرکوں سے بھی جو ہمارے کسی دوست مشرک قبیلہ کے دوست ہوں اور ہم سے صلح و آشتی کے ساتھ رہنا چاہتے ہوں' لڑنے کو منع کیا ہے۔

﴿فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَ اَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا﴾ (نساء: ۱۲) ''تو اگر وہ تم سے کنارہ پکڑیں' پھر نہ لڑیں اور تمہارے سامنے صلح کی طرح ڈالیں تو اللہ نے تم کو ان پر حملہ کرنے کی راہ نہیں دی۔''

یعنی پھر ان پر تلوار اٹھانا درست نہیں' حالانکہ اگر اسلام کی مذہبی جنگجوئی کے وہی معنی ہوتے کہ ''یا تلوار یا اسلام'' تو کیا اس امن پسندی' اس صلح جوئی اور اس ترک جنگ کی صورت ممکن ہو سکتی تھی۔

مسلح تبلیغی جماعتیں:

غلط فہمی پھیلانے کا ایک اور واقعہ یہ ہے کہ تبلیغ و دعوت کے لیے جو جماعتیں ملک میں بھیجی جاتی تھی وہ مسلح ہوتی تھیں' لیکن یہ حقیقت بھلا دی جاتی ہے کہ یہ عرب کا واقعہ ہے' جہاں کوئی منظم اور باضابطہ حکومت نہیں تھی' جس پر تمام رعایا کی حفاظت کی ذمہ داری ہو' ایک ایک وادی میں ایک ایک قبیلہ اپنی اپنی الگ ریاست قائم کیے ہوئے تھا اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے برسر پیکار تھا' راستوں پر رہزنوں اور ڈاکوؤں کا قبضہ تھا۔ جن سے اکا دکا آدمی کا صحیح و سالم بچ نا ممکن تھا' اسی لیے جب کہیں کوئی تبلیغی مہم بھیجی جاتی تھی تو بدامنی کے ملک میں رہنے والوں کے عام دستور کے مطابق و اپنی ممکن حفاظت کے لیے مسلح جاتی تھیں' اور اس بات کی دلیل کہ اس مسلح جماعت کا تبلیغ و دعوت کے سوا کوئی مقصد نہ تھا

Marfat.com

اس سے ظاہر ہے کہ ان کی تعداد تھوڑی ہوتی تھی جو فوجی حملہ کے لیے کافی نہیں ہو سکتی تھی۔

غزوۂ بدر کے بعد جب قریش کا زور ٹوٹ گیا اور ملک میں اسلام بھی ایک قوت شمار ہونے لگا تو آنحضرت ﷺ نے بعض بعض قبیلوں کی درخواست پر مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو تبلیغ و تعلیم کے لیے ادھر ادھر بھیجا تب بھی وہ اکثر راستہ میں جان سے ماری گئیں' واقعہ رجیع میں ستر داعیوں کا مارا جانا' واقعہ بیر معونہ میں چھ یا دس داعی مسلمانوں کا قتل ہونا' سریہ ابن ابی العوجاء میں پچاس مسلمانوں کی شہادت' واقعہ ذات اطلاح میں چودہ داعی مسلمانوں کا تیروں سے مارا جانا۔ عروہ بن مسعود ثقفی کا تیروں سے چھد جانا' اس دعویٰ کی شہادت ہے۔

تبلیغ و دعوت کی تنظیم:

آنحضرت ﷺ جب تک مکہ معظمہ میں تشریف فرما رہے' بنفس نفیس اس فرض کو انجام دیتے رہے ایک ایک کے پاس جاتے اور حق کا پیغام سناتے' شہر سے نکل کر مکہ کے آس پاس جاتے اور آنے جانے والوں کو بشارت سناتے' مکہ سے نکل کر طائف گئے اور وہاں بھی اپنا فرض ادا کیا۔ یہ بھی خدا کی مصلحت تھی کہ اس نے اپنے آخری دین کا مرکز مکہ معظمہ کو قرار دیا' جو عرب کا مرکزی شہر تھا' اور حج کے موسم میں تمام قبیلے خود یہاں آتے تھے' آپ سالہا سال حج کے موسم میں ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے اور خدا کی دعوت پیش کرتے' اسی سالانہ تبلیغ سے اسلام کو وہ جماعت ہاتھ آئی جس کا نام انصار ہے۔

الغرض ان تبلیغی سرگرمیوں سے مکہ میں سینکڑوں آدمی مسلمان ہو چکے تھے' مگر قریش کے ظلم سے وہ ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے' اور آنحضرت ﷺ کے مشورہ سے وہ حبشہ کی طرف روانہ ہوئے' اس سفر کی مصلحت بھی عجیب و غریب تھی ان مظلوم مسلمانوں کی ہجرت نے یہ موقع بہم پہنچایا کہ وہ اس مسافرت میں جہاں جہاں سے گزرے اسلام کی آواز پہنچاتے گئے اور اس طرح یمن اور حبشہ دونوں ملکوں میں اسلام کی تحریک روشناس ہوئی۔

مکہ میں آنحضرت ﷺ کے بعد عام مسلمانوں میں سب سے پہلے مبلغ اور داعی حق حضرت ابوبکرؓ تھے۔ مکہ کے بہت سے معزز گھرانوں کے پرجوش نوجوان ان ہی کی تبلیغ سے اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے' حضرت عثمانؓ' حضرت طلحہؓ' حضرت زبیرؓ' حضرت ابوبکرؓ ہی کی کوششوں سے دائرہ اسلام میں آئے' حضرت ابوبکرؓ کے بعد اسلام کے دوسرے مبلغ حضرت مصعبؓ بن عمیر ہیں' جن کے مؤثر وعظوں کو سن کر آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے ہی مدینہ کے گھرانے کے گھرانے توحید کے پرستار ہو گئے تھے۔

مدینہ منورہ آ کر اسلام نے امن و اطمینان کی سانس لی تو آنحضرت ﷺ نے ان نومسلموں کی تعلیم کے لیے جو اطراف ملک سے دارالاسلام میں آتے تھے' نیز ملک کے مختلف گوشوں میں اسلام کی تبلیغ کے لیے ایک جماعت قائم کی جس کا نام عام طور سے اصحاب صفہ (چبوترے والے) مشہور ہے' اس میں بعض اوقات سو سے زیادہ آدمی داخل رہے ہیں' یہ لوگ ملک میں اسلام کی دعوت کے لیے بھیجے جاتے اور خود نومسلموں کو تعلیم دیتے' بیر معونہ میں ستر کے قریب جو داعی اور مبلغ راہ میں بیدردانہ قتل ہوئے تھے' وہ اسی جماعت کے ارکان تھے۔

ان کے علاوہ اکابر صحابہ جو وقتاً فوقتاً مختلف ملکوں' بادشاہوں' قوموں اور قبیلوں میں اسلام کی دعوت لے کر پچھلے

Marfat.com

احادیث وسیر کی کتابوں میں ان کے نام متفرق طور سے ملتے ہیں۔ میں نے تھوڑی سی کوشش سے اس قسم کے پینتیس صحابیوں کے نام جمع کیے ہیں جنہوں نے از خود آنحضرت ﷺ کے حکم سے اس فرض کو انجام دیا' ان کے نام یہ ہیں' ابوذر غفاری' طفیل بن عمرو دوسیؓ' جعفر بن طیارؓ' عمرو بن عنبسہؓ سلمی' ضماد بن ثعلبہؓ' خالد بن ولیدؓ' علیؓ بن ابی طالب' مہاجر بن ابی امیہؓ' زیاد بن لبیدؓ خالد بن سعیدؓ' عدی بن حاتمؓ' علاءؓ بن حضرمیؓ' ابوموسیٰ اشعریؓ' معاذ بن جبلؓ' جریر بن عبداللہ بجلیؓ' دحیہؓ کلبی' عمرو بن امیہؓ ضمری' مغیرہؓ بن شعبہ' عمروؓ بن العاص' دبرؓ بن مسعودؓ ثقفی' عامرؓ بن شہر' منقذ بن حبانؓ' ثمامہؓ بن آثال' محیصہؓ بن مسعود' احنفؓ' ابوزید انصاریؓ' عمرؓ بن مرہ' عیاش بنؓ ربیع مخزومی' واثلہؓ بن اسقع' عبداللہؓ بن حذافہ سہمی' حاطبؓ بن ابی بلتعہ' سلیطؓ بن عمرو بن عبدشمس' شجاعؓ بن وہب اسدی۔ ان ہی مبلغوں اور داعیوں اور قاصدوں کی پکار تھی' جس نے یمن' یمامہ' بحرین' حجاز' نجد' غرض پورے عرب کو بیدار کر دیا اور عرب سے باہر ایران' شام' مصر' حبش ہر جگہ اسلام کا پیغام پہنچ گیا۔

مبلغوں کی تعلیم و تربیت:

سیرت کی دوسری جلد کے آغاز میں اشاعت اسلام کی تاریخ اور دعاۃ معلمین کی تعلیم تربیت کا حال لکھا جاچکا ہے' سلسلہ بیان کے لیے یہاں صرف اس قدر کہنا ہے کہ ان کو سب سے پہلے قرآن پاک کی سورتیں یاد کرائی جاتی تھیں' لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا تھا' آنحضرت ﷺ کے شب و روز کے ارشادات سننے کا موقع بھی ان کو ملتا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تبلیغ کا درس اولین قرآن اور صرف قرآن تھا۔

دعوت بالقرآن:

قرآن پاک اسلام کے دعویٰ اور دلیل دونوں کا مجموعہ ہے اور وہی اس کے مذہب کا صحیفہ ہے' خود آنحضرت ﷺ اور دوسرے مبلغ صحابہ بھی تبلیغ و دعوت میں صرف قرآن کی سورتیں پڑھ کر سناتے تھے اور جہاں ان کو اس کا موقع مل جاتا' وہاں اس کی تاثیر اپنا کام کر جاتی تھی' اور یہ فرض خود قرآن نے اپنا آپ قرار دیا تھا' اس کی تبلیغ کے لیے جہاں جہاد کی ضرورت تھی' مگر اس جہاد کا ہتھیار لوہے کی تلوار نہیں' بلکہ قرآن کی تلوار تھی' جس کی ضرب کی روک خود اور سپر سے بھی ممکن نہ تھی' اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اسی تلوار سے جہاد کا حکم دیا۔ فرمایا۔

﴿فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا﴾ (فرقان : ۵) "تو اے پیغمبر منکروں کا کہا نہ مان اور اس قرآن سے ان کے ساتھ بڑے زور سے جہاد کر۔"

اس پیغام الٰہی کے زمین میں اترنے کی غرض ہی یہ تھی کہ وہ خدا کے بھولے ہوئے بندوں کو انکا عہد یاد دلائے' فرمایا۔

﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾ (ق : ۳) "تو اے پیغمبر ان کو جو میری دھمکی سے ڈرتے ہوں قرآن کے ذریعہ سے یاد دلاؤ۔"

قرآن رحمت عالم کا پیام عمومی ہے اور یہی اس کے نزول کی غرض و غایت ہے' فرمایا۔

Marfat.com

﴿تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا﴾ (فرقان : ۱)

''برکت والا ہے وہ جس نے حق و باطل میں امتیاز کرنے والی کتاب اپنے بندوں پر اس لیے اتاری کہ وہ تمام دنیا کو بیدار اور ہوشیار کرے۔''

یہی قرآن اسلام کی طاقت اور محمد رسول اللہ ﷺ کا اصلی ہتھیار تھا جس کی کاٹ نے کبھی خطا نہ کی۔

اشاعت اسلام کی قدرتی ترتیب:

عرب میں صرف تین قومیں تھیں' جن کا اسلام لانا گویا تمام جزیرہ نمائے عرب کا اسلام لانا تھا یعنی مشرکین' یہود اور نصاریٰ مشرکین عرب کا مرکز خانہ کعبہ تھا اور ان کے مذہبی پیشوا قریش تھے' یہود کا صدر مقام مدینہ اور خیبر تھا نصاریٰ اور مجوس شام اور یمن کے اطراف میں پھیلے ہوئے تھے۔

اس بنا پر الاقرب فالاقرب۔ کے لحاظ سے اشاعت اسلام کی قدرتی ترتیب یہ تھی کہ قریش اور کفار کو پہلے دعوت توحید دی جاتی' پھر یہود کو حلقہ بگوش' اسلام بنایا جاتا۔ اس کے بعد نصاریٰ اور مجوس کو دعوت دی جاتی' چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اسی ترتیب کے ساتھ اسلام کی اشاعت کی اور اسی بنا پر قرآن مجید کا طریق دعوت مختلف نظر آتا ہے تمام مکی سورتوں کے مخاطب کفار مکہ تھے' اسی لیے ان میں بت پرستی کی مذمت' توحید کی ترغیب' عجائب قدرت کا بیان' عذاب الٰہی سے تخویف اور صنادید قریش کی مخالفت کے جواب کے سوا کچھ نہیں' لیکن جب آنحضرت ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو یہود سے سابقہ پڑا اور اب قرآن مجید کا طرز خطاب بدل گیا' چنانچہ ابتدائی مدنی سورتیں زیادہ تر یہود کی مذہبی تاریخ ان کی تحریفات۔ ان کی اخلاقی کمزوریوں اور قصص بنی اسرائیل پر مشتمل ہیں سب سے اخیر میں نصاریٰ کی باری آئی اور فتح مکہ کے بعد قبائل عرب کے وجود کے سلسلہ میں نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا' اسی زمانہ میں سورۂ آل عمران نازل ہوئی جس میں نصاریٰ کا ذکر ہے۔

مجوس عرب میں بہت کم تھے' بحرین اور یمن میں وہ خال خال پائے جاتے تھے وہ بھی ایرانی النسل تھے' خالص عرب نہ تھے اس سے قرآن مجید نے خاص طور پر کسی سورت میں ان سے خطاب نہیں کیا ہے' البتہ جابجا مناسب موقعوں پر ان کا نام لیا ہے۔ اور ان کے عقائد کی تردید کی اور ان کو ثنویت یعنی دو خداؤں کی پرستش کے بجائے توحید کی دعوت دی ہے۔

قبول اسلام کے لیے کیا چیز درکار تھی:

اگرچہ یورپ کا یہ عام دعویٰ ہے کہ عرب میں اسلام صرف تلوار کے زور سے پھیلا' لیکن ابتدا میں جن اشخاص اور جن قبائل نے اسلام قبول کیا' ان کے اوصاف پیش نظر کر لینے کے بعد صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام' اپنے لیے صرف اثر پذیر دل کا جویاں تھا اور جب یہ آشیانہ مل جاتا تھا' تو اس کے سامنے یہ طائر قدس اپنے پر ڈال دیتا تھا' چنانچہ ابتدائے بعثت میں جن اشخاص نے اسلام قبول کیا' وہ وہی تھے جو نیک طبع' ایمان دار راستی پسند اور حق جو تھے اور جو نبوت کے اوصاف و خصائص سے واقف تھے' گزشتہ آسمانی مذاہب سے کچھ نہ کچھ آگاہ تھے اور معاشرت اور تمدن

Marfat.com

سے بہرہ ور تھے اشخاص کے علاوہ جن قبائل اور آبادیوں نے اسلام کے قبول کرنے میں پیش دستی کی وہ بھی وہی تھیں جن میں یہ خصوصیتیں پائی جاتی تھیں عرب کے دو مختلف حصوں جنوبی وشمالی میں سب سے زیادہ اسلام کو کامیابی عرب کے جنوبی حصہ یعنی یمن عمان بحرین یمامہ میں ہوئی اور شمالی حصہ میں سے مدینہ منورہ اور اس کے اطراف میں ہوئی کیونکہ وہ تمدنی حیثیت سے دنیا کی دو ممتاز متمدن قوموں ایرانیوں اور رومیوں سے متاثر تھے اور مذہبی حیثیت سے یہودیوں اور عیسائیوں سے ان کا میل جول اور خلا ملا تھا' اہل مدینہ بھی یہودیوں کے تمدن و معاشرت' روایات اور رسم و رواج سے بہت کچھ متاثر تھے۔ (۱)

اسلام کو عربوں سے جس قدر لڑائیاں پیش آئیں وہ سب نجد اور حجاز میں پیش آئیں' لیکن مسلمانوں کی کوئی جرار فوج مدینہ یمن' عمان' یمامہ اور بحرین کو فتح کرنے کے لیے نہیں بھیجی گئی' انصار مدینہ نے خود مکہ میں آ کر اسلام کو لبیک کہا' اطراف مدینہ کے قبائل میں غفار نے خود مکہ آ کر قریش کی تلوار کی آگ میں کھڑے ہو کر لا الہ الا اللہ پڑھا' یمن سے دوس کے قبیلہ کے آدمیوں نے خود مکہ معظمہ پہنچ کر ایمان کی دولت حاصل کی اور اس کے سردار نے اپنا قلعہ اسلام کی پناہ کے لیے پیش کیا' اشعر کا قبیلہ بھی اسی زمانہ میں غائبانہ مشرف بہ اسلام ہوا' ہمدان کا قبیلہ حضرت علیؓ کی دعوت پر ایک دن میں مسلمان ہو گیا۔

عمان کا بھی یہی حال ہوا' وہاں بھی اسلام نے صرف اپنی تبلیغی کوششوں کے ذریعہ سے اقتدار حاصل کیا' ایک بار آپ نے عرب کے کسی قبیلے کے پاس ایک آدمی بھیجا' وہ لوگ اس کے ساتھ سختی سے پیش آئے اور اس کو زدوکوب کیا' اس نے آ کر آپ سے یہ واقعہ بیان کیا' تو آپ نے فرمایا کہ اگر اہل عمان ہوتے تو تم کو نہ گالیاں دیتے نہ مارتے (مسلم فضائل اہل عمان)

یمامہ کے رئیس ثمامہؓ قید ہو کر مدینہ آئے' یہاں آزاد کر دیئے گئے' مگر مدینہ کی مسجد میں جو جلوہ انہوں نے دیکھا' اپنی ظاہری مادی آزادی کے بعد بھی اس کی نورانی زنجیر سے انہوں نے رہائی نہ پائی' خود بخود مسلمان ہو گئے اور اپنے قبیلہ میں جا کر اسلام کے داعی بن گئے اور آخر خون کا ایک قطرہ گرے بغیر اسلام نے وہاں اکثریت حاصل کر لی۔

دیہاتوں میں سب سے پہلے قریہ جواثی نے صدائے توحید پر لبیک کہا جو مضافات بحرین میں تھا' اسی قریہ جواثی کے باشندے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے' چنانچہ مسجد نبوی کے بعد عرب کے دیہاتوں میں سب سے پہلا جمعہ اسی گاؤں میں پڑھا گیا (۲) بارگاہ نبوت میں عرب کے وفود اگرچہ فتح مکہ کے بعد حاضر ہوئے لیکن بحرین کے لوگوں نے اس میں تمام قبائل پر پیش دستی کی' چنانچہ ۵ھ میں سب سے پہلا وفد جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ قبیلہ عبدالقیس کا تھا جو بحرین میں سکونت گزین تھا۔

اہل یمن کا شمار اگرچہ مہاجرین اولین میں نہیں کیا جاتا لیکن جب آنحضرت ﷺ کی ہجرت کا حال معلوم ہوا تو

(۱) مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۹۵ صحیح علی شرط مسلم۔
(۲) صحیح بخاری باب الجمعہ فی القریٰ والمدن۔

Marfat.com

اسی وقت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی یمن سے ۵۲ آدمیوں کو لے کر مدینہ کی طرف ہجرت کی غرض سے روانہ ہو گئے' بحری سفر تھا' وہ لوگ کشتی میں سوار ہوئے تو باد مخالف کے جھونکوں نے ان کو حبشہ میں پہنچا دیا جو مسلمانوں کا سب سے پہلا دارالہجرت تھا' وہاں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب سے ملاقات ہوئی' تو انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے ہم کو یہیں اقامت کا حکم دیا ہے تم لوگوں کو بھی یہیں ٹھہر جانا چاہیے' چنانچہ وہ لوگ وہیں مقیم ہو گئے' اور فتح خیبر کے زمانہ میں مہاجرین حبشہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (۱)

یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ جہالت اور وحشت تھی اور اس کی اشاعت کی سب سے بڑی محرک چیز تمدن' معاشرت اور اخلاق کی بلندی اور کتب آسمانی اور دیگر مذاہب سے واقفیت تھی' خود قرآن مجید نے اس کو ظاہر کیا ہے۔

﴿اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (توبہ : ۱۲)

''دیہاتی بدوی کفر اور نفاق میں سب سے زیادہ سخت ہیں اور زیادہ اس کے اہل ہیں کہ وہ ان احکام کو نہ جانیں جو خدا نے اپنے رسول پر اتارے ہیں' اور اللہ جانتا اور حکمت والا ہے۔''

اور بھی اسی قسم کی آیتیں ہیں' جو لوگ بادیہ سے آ کر اسلام لائے تھے اور کچھ مسائل سیکھ کر واپس چلے جاتے تھے ان سے جو بیعت لی جاتی تھی' اس کا نام بیعت اعرابی تھا' جو کم درجہ سمجھی جاتی تھی' اس بناء پر بادیہ میں الگ تھلگ رہنا صحابہ کے زمانہ میں معیوب سمجھا جاتا تھا' بلکہ بعض لوگ اس کو ارتداد کی علامت سمجھتے تھے۔ (۲)

اشاعت اسلام کے اسباب وذرائع:

گزشتہ مباحث پر ایک غائر نظر ڈالنے کے بعد خود بخود یہ عقدہ کھل جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دین حق کو عربوں میں کس طرح پھیلایا اور آپ کو کیونکر کامیابی ہوئی تاہم اگر واقعات کی روشنی میں ایک ایک صحابی کے قبول اسلام کے اسباب کی تلاش کی جائے' تو حسب ذیل اسباب سامنے آئیں گے۔

(۱) اسلام کے نشر و اشاعت کا سب سے مقدم اور اصلی سبب معجزۂ قرآنی تھا' قرآن مجید جس مؤثر اور دل کپکپا دینے والے طریقہ سے عقائد و معارف و اخلاق کی تلقین کرتا تھا۔ اس کے سامنے وہ تمام عوائق اور موانع کا ذکر اوپر ہو چکا' فنا ہو جاتے تھے جو لوگ سرے سے خدا کے منکر تھے قرآن مجید ان کے سامنے عالم کی بوقلمونی' مظاہر قدرت کی ابوالعجبی' کائنات کی نیرنگی' اجرام فلکی کی جلوہ گری اور عناصر کی نگار آرائی سے اس طرح استدلال کرتا تھا۔

﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (بقرہ : ۳)

''تم خدا کا انکار کس طرح کرتے ہو' حالانکہ تم کبھی بے جان تھے تو اس نے تم کو زندگی بخشی' پھر ایک دن تم کو مردہ بنا دے گا۔ پھر زندہ کرے گا اور پھر اسی کے پاس واپس کیے جاؤ گے۔''

﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ ''آسمان اور زمین کی پیدائش میں' شب و روز کے

(۱) صحیح مسلم فضائل جعفر بن ابی طالب واسماء بنت عمیس۔

(۲) صحیح مسلم کتاب الامارۃ اور سنن نسائی کتاب البیعۃ

Marfat.com

اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَ الْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ کُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ (بقره : ۲۰)

اختلاف میں ان کشتیوں میں جو سمندر میں انسانوں کے لیے سود مند چیزوں کو لے کر چلتی ہیں' بادلوں سے پانی برسانے میں' اس پانی سے مردہ زمین کو زندہ کرنے میں اور اس زمین میں ہر قسم کے جانداروں کو پھیلانے میں ہواؤں کو چلانے میں' ان بادلوں میں جو فضائے آسمان میں مسخر ہیں۔ دانش مندوں کیلیے یقیناً بڑی نشانیاں ہیں۔"

﴿وَ لَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ کَرْهًا وَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ﴾ (آل عمران : ۹)

"آسمان و زمین میں جو بھی ہے برضا یا مجبوراً اسی کا اطاعت گزار ہے اور اسی کی طرف ایک دن سب لوٹائے جائیں گے۔"

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ (آل عمران : ۲۰)

"آسمان و زمین کی خلقت اور شب و روز کے الٹ پھیر میں ان ارباب عقل کے لیے بے شبہ بڑی نشانیاں ہیں جو اٹھتے' بیٹھتے' لیٹتے (ہر حال میں) خدا کو یاد کرتے ہیں' اور آسمان و زمین کی خلقت پر غور کرتے ہیں کہ خدایا تو نے یہ بیکار پیدا نہیں کیا۔"

﴿هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰٓی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ﴾ (یونس : ۳۰)

"وہ وہ ہے جو تم کو خشکی اور دریا میں سفر کراتا ہے' یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور موافق ہوا کشتی والوں کے لیے جاری ہے اور لوگ خوش ہو رہے ہیں کہ (دفعۃً) زور کا جھکڑ آیا' اور ہر طرف سے موجیں آ گئیں اور لوگوں کو یقین ہو چلا کہ اب وہ گھر گئے اس وقت وہ خدا کو مخلص ہو کر پکارنے لگتے ہیں۔"

﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَ اَلْوَانِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُکُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَابْتِغَآؤُکُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ

"اور خدا کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے بنائے کہ تم کو ان سے تسلی ہو' اور تم میں باہمی محبت اور ہمدردی پیدا کی' اس بات میں سوچنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا پیدا کرنا ہے اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا ہے' اس بات میں جاننے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور خدا کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن میں سونا' خدا کے فضل (روزی) کو ڈھونڈنا ہے اس میں سے سننے والوں کے لیے

Marfat.com

﴿یَسْمَعُوْنَ﴾ نشانیاں ہیں۔''

خدایا ایک قوت اعظم کا اعتراف خود انسان کی فطرت ہے لیکن غفلت شعاری اور آبائی اثر اور دیگر اسباب سے یہ فطرت کبھی کبھی مردہ اور بے حس ہو جاتی ہے' قرآن مجید اسی خفتہ حس کو بیدار کرتا ہے۔

﴿اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (ابراھیم) ''کیا خدا میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔''

﴿كَیْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (بقرہ : ۳) ''اور کیسے تم خدا کا انکار کرتے ہو' حالانکہ تم بے جان تھے تو اس نے تم کو زندگی دی' پھر وہ تم کو موت دے گا' پھر وہ تم کو زندہ کرے گا' پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

عرب میں ملحد کم تھے' زیادہ تر بلکہ تمام تر مشرکین تھے جو خدا کو اگرچہ مانتے تھے' لیکن یہ بھی مانتے تھے کہ اس کے سوا اور بھی خدا ہیں جو خدا کے شریک ہیں اور نظام عالم ان ہی کے ہاتھ سے انجام پاتا ہے' انسان کی فطرت ہے' کہ جس سے براہ راست اس کو کام پڑتا ہے اس کو زیادہ مانتا ہے' اسی سے زیادہ محبت کرتا ہے اسی کی زیادہ پرستش کرتا ہے' چونکہ مشرکین کا اعتقاد تھا کہ بادلوں کی بارش' غلہ کی پیداوار' نباتات کی روئیدگی' سب اجرام فلکی اصنام کا کام ہے' اس لیے ان کو عبدیت کا جو کچھ تعلق تھا ان ہی معبودوں سے تھا' وہ انہی کی عبادت کرتے تھے' ان ہی سے محبت رکھتے تھے' ان ہی پر نذر چڑھاتے تھے' ان ہی کے سامنے قربانیاں کرتے تھے' معرکوں میں انہی کے نام کی جے پکارتے تھے' اس بنا پر آنحضرت ﷺ کا اصلی کام اسی شرک اور اصنام پرستی کو مٹانا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اصل وجود باری کے متعلق بہت کم استدلال ہے' زیادہ تر شرک کا ابطال اور اس کی تحقیر اور تہجین ہے۔

قرآن مجید طرح طرح سے نہایت مؤثر پیرایوں میں شرک کی لغویت کا اظہار کرتا تھا۔

﴿اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَ جَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًاؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ ''کیا وہ جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور اس کے بیچ میں نہریں بہائیں اور اس کے لیے پہاڑوں کی میخیں گاڑیں اور دنوں دریاؤں میں اوٹ رکھا' کیا خدا کے ساتھ کوئی اور بھی خدا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان میں اکثر لوگ جانتے نہیں کیا وہ جو پریشان خاطروں کی سنتا ہے جب وہ اس کو پکارتے ہیں' اور بلا کو ہٹا دیتا ہے اور تم کو دنیا کا حکمران بناتا ہے' کیا خدا کے سوا کوئی اور بھی خدا ہے' تم بہت کم سوچتے ہو' کیا وہ جو تم کو خشکی اور تری کی اندھیریوں میں راستہ دکھاتا ہے اور وہ جو کہ اپنی رحمت (بارش) کے آگے ہواؤں کو بھیجتا ہے' کیا خدا کے ساتھ کوئی اور بھی خدا ہے' مشرکین جن کو خدا کا شریک کہتے ہیں خدا ان سے برتر ہے آیا کون ہے جو آفرینش کا آغاز کرتا ہے پھر اس کو لوٹاتا ہے' اور

Marfat.com

مَّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ وہ کون ہے جوتم کوآسمان وزمین سے روزی دیتا ہے کیا خدا کے سوا کوئی اور ہے تو کہہ دے کہ اگر سچے ہوتو دلیل لاؤ۔‘‘

کفار و مشرک عموماً قیامت کے منکر تھے اور کہتے تھے کہ ﴿من یحی العظام و ھی رمیم﴾ یعنی جب ہڈیاں گل سڑ چکیں تو اب کون ان کو جلائے گا قرآن مجید ان سے خطاب کرتا تھا۔

﴿اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِىَ الْمَوْتٰى﴾ (قیامہ : ۲) ’’کیا انسان پہلے منی نہیں تھا‘ پھر گوشت کا لوتھڑا بنا‘ پھر خدا نے اس کو ٹھیک کیا اور اس سے دو جوڑ مرد اور عورت بنائے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردے کو زندہ کر دے۔‘‘

غرض عقائد‘ عبادات‘ اخلاق‘ اعمال‘ ہر چیز کو قرآن اس مؤثر اور دل نشین طریقہ سے ادا کرتا تھا کہ دل میں گھر کر جاتا تھا۔ اور رسم و عادات کا بند اس سیلاب کو کسی طرح روک نہیں سکتا تھا۔ اس پر بھی جو کفر پر ثابت قدم رہے وہ ذاتی اغراض کا اثر تھا‘ حقیقی جحود اور انکار نہ تھا۔

تمام بڑے بڑے صحابہ‘ بڑے بڑے روسائے قبائل‘ بڑے بڑے شعراء اور خطباء قرآن ہی سن کر ایمان لائے‘ حضرت عمرؓ کس ارادہ سے چلے تھے لیکن جب قرآن مجید کی آیتیں سنیں تو کانپ اٹھے اور اسلام قبول کر لیا‘ عتبہ جو رئیس قریش اور علوم عرب کا ماہر تھا جب اس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر کہا کہ تم نبوت کی دعوت سے باز آؤ‘ ہم تمہارے لیے سب کچھ مہیا کر دیتے ہیں آپ نے حٰم کی ابتدائی آیتیں پڑھیں‘ جب یہ آیت آئی۔

﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ﴾ (حٰم فصلت : ۲) ’’تو اگر وہ منہ پھریں تو کہہ دے کہ میں تم کو اس کڑک سے ڈراتا ہوں جو عاد و ثمود کی کڑک کی طرح ہے۔‘‘

تو عتبہ نے بیتاب ہو کر آنحضرت ﷺ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا خدا کے لیے بس تم کو قرابت کی قسم دلاتا ہوں پھر واپس جا کر قریش سے کہا کہ محمدؐ جو کلام پیش کرتے ہیں‘ وہ نہ تو شعر ہے‘ نہ جادو ہے اور نہ کہانت ہے [(۱)] (بلکہ کوئی اور چیز ہے) حضرت ابوذرؓ نے اسلام لانے سے پہلے اپنے بھائی انیس کو جو شعرائے عرب میں تھے‘ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تحقیق حال کے لیے بھیجا تھا‘ وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور قرآن مجید سنا تو جا کر حضرت ابوذرؓ سے کہا کہ لوگ ان کو کاہن اور شاعر کہتے ہیں لیکن میں کاہنوں اور شاعروں دونوں کے کلام سے واقف ہوں‘ ان کا کلام دونوں سے الگ ہے‘ انیس کے بعد حضرت ابوذرؓ خود گئے اور واپس آئے تو ان کا آدھا قبیلہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔[(۲)]

ولید بن مغیرہ (حضرت خالدؓ کا باپ) جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا‘ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے یہ آیتیں پڑھیں۔

---

(۱) علامہ ابن تیمیہ نے الجواب الصحیح جلد ۴ ص ۴۴ میں مسند ابو یعلی وغیرہ سے روایت نقل کی ہے نیز یہ روایت مستدرک حاکم میں بھی ہے۔

(۲) صحیح مسلم فضائل حضرت ابوذرؓ

Marfat.com

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْإِحْسَانِ وَ إِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (نحل . ۱۳)

''خدا عدل کا' احسان کا اور رشتہ داروں کو عطا کرنے کا حکم دیتا ہے اور فحش سے' بری بات سے اور ظلم کرنے سے منع کرتا ہے۔ وہ تم کو سمجھاتا ہے کہ شاید تم سمجھ جاؤ۔''

ولید نے کہا پھر پڑھنا' آپ نے دوبارہ پڑھا' واپس گیا اور قریش سے جا کر کہا کہ یہ انسان کا کلام نہیں۔ (۱)

عثمان بن مظعونؓ بڑے پایہ کے صحابی اور سابقین اسلام میں ہیں' یہی آیتیں ہیں جن کو سن کر ان کے دل نے سب سے پہلے اسلام کا جلوہ دیکھا' وہ خانہ کعبہ کو جارہے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے راستہ میں اپنے پاس بٹھالیا' پھر فرمایا کہ ابھی مجھ پر یہ کلام اترا ہے' یہ کہہ کر آپؐ نے اوپر والی آیتیں پڑھیں' عثمانؓ کہتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام نے میرے دل میں گھر کیا۔ (۲)

جبیر بن مطعم نے کفر کے زمانہ میں آنحضرت ﷺ کو سورۂ طور پڑھتے سنا جب اس آیت پر پہنچے۔

﴿أَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ أَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ﴾ (طور : ۳)

''کیا یہ لوگ از خود پیدا ہو گئے یا یہ خود خالق ہیں' کیا آسمان اور زمین کو ان ہی لوگوں نے پیدا کیا بلکہ (واقعہ یہ ہے کہ) ان میں ایمان نہیں کیا ان کے پاس خدا کے خزانے ہیں' کیا یہی لوگ سربراہ کار ہیں۔''

تو خود جبیرؓ کا بیان ہے کہ مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اڑنے لگا۔ (۳)

طفیل بن عمروؓ الدوسی مشہور شاعر اور شرفائے عرب میں تھے' ہجرت سے پہلے وہ مکہ گئے' لوگوں کو ان کے آنے کی خبر ہوئی تو ان کے پاس گئے اور آنحضرت ﷺ کی نسبت کہا کہ ان کے پاس نہ جانا' وہ لوگوں پر جادو کر دیتے ہیں' لیکن جب حرم میں اتفاقیہ آنحضرت ﷺ کی زبان سے قرآن سنا تو ضبط نہ کر سکے اور مسلمان ہو گئے۔ (۴)

ہجرت سے پہلے آنحضرت ﷺ نے جب طائف کا سفر کیا اور مشرکین کو اسلام کی دعوت دی تو اگرچہ ادھر سے اس کا جواب ڈھیلا اور پتھر تھا' تاہم خالد العدوانیؓ نے جو طائف کے رہنے والے تھے' آپؐ کو۔

﴿وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ﴾ (طارق) ''قسم ہے آسمان کی اور رات کے چلنے والے ستارے کی۔''

پڑھتے سنا تو وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اسی حالت کفر میں پوری سورۃ یاد کر لی اور آخر اسلام لائے۔ (۵)

---

(۱) الجواب الصحیح جلد ۴ ص ۴۶ بحوالہ عبدالرزاق۔

(۲) مسند ابن حنبل ج اول ص ۳۱۸ و ادب المفرد امام بخاری باب البغی۔

(۳) صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۂ طور۔

(۴) ان کے اسلام کا حال ابن القیم (زاد المعاد) نے بہ تفصیل لکھا ہے اور ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے۔

(۵) مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۳۳۵۔

Marfat.com

حضرت ابوبکرؓ کو قیام مکہ کے زمانہ میں بعض مشرکین نے اپنی پناہ میں لے لیا تھا' اسی زمانہ میں انہوں نے ایک مسجد بنوائی تھی اور اس میں نماز پڑھا کرتے تھے' لیکن نماز بلند آواز سے پڑھتے تھے جس کو سن کر محلہ کے نوجوان اور عورتیں جمع ہو جاتیں اور قرآن سنتیں تو ان کا دل خود بخود اسلام کی طرف کھنچتا' چنانچہ اسی بنا پر کفار نے حضرت ابوبکرؓ سے شکایت کی کہ قرآن پکار کر نہ پڑھا کرو اس سے ہمارے بچے اور عورتیں مفتون ہوتی جاتی ہیں۔ (۱) انصار اول جب مقام عقبہ میں اسلام لائے تو قرآن ہی سن کر اسلام لائے تھے' جو لوگ داعی بنا کر بھیجے جاتے ان کو قرآن یاد کرایا جاتا اور وہ جہاں جاتے یہی کارگر آلہ تسخیر لے کر جاتے' نجاشی کے دربار میں کفار قریش جب سفیر بن کر گئے' اور ان کی شکایت پر نجاشی نے مسلمانوں کو بلا کر باز پرس کی تو حضرت جعفر طیارؓ نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں نجاشی بے اختیار رو پڑا اور کہا کہ خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل ایک ہی چشمہ سے نکلے ہیں۔ (۲)

حبش میں جب آپ کی بعثت کا چرچا ہوا تو بیس شخص جو مذہباً عیسائی تھے' تحقیق حال کے لیے مکہ میں آئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے سامنے قرآن مجید کی آیتیں پڑھیں ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور اسی وقت اسلام لائے' آنحضرت ﷺ کے پاس سے یہ لوگ اٹھے تو ابو جہل نے ان سے مل کر کہا کہ تم سخت احمق ہو' اتنے دور سے سفر کر کے آئے اور دم بھر میں اپنا مذہب بدل لیا' انہوں نے کہا ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے۔ (۳)

قرآن کی پیشین گوئیوں کی صداقت نے بھی لوگوں کے دلوں کو کھینچا' چنانچہ اہل ایران کے مقابلہ میں رومیوں کی فتح کی جو پیشین گوئی کی تھی جس دن یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی' صدہا کافر مسلمان تھے۔ (۴)

ایک ضروری نکتہ:

عام خیال یہ ہے کہ اہل عرب جو قرآن مجید سن کر اسلام قبول کر لیتے تھے' وہ صرف فصاحت و بلاغت کا کرشمہ تھا یعنی چونکہ عرب میں شعر و خطابت کا بہت چرچا تھا اور تمام ملک میں شاعری کا مذاق سرایت کر گیا تھا اس لیے جب وہ دیکھتے تھے کہ کسی اور شاعر یا خطیب کا کلام ایسا فصیح و بلیغ نہیں ہے تو وہ اسلام قبول کر لیتے تھے۔

بے شبہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ ہے لیکن اس کا اعجاز جس قدر عبارت و انشاء میں ہے اس سے کہیں زیادہ معانی و مطالب میں ہے۔

فرض کرو کہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ایسا ہی معجز ہوتا ہے جیسا اب ہے لیکن اس میں صرف تاریخی واقعات یا اسی قسم کی اور کوئی بات ہوتی تو کیا یہی اثر پیدا ہو سکتا تھا' قرآن مجید ایک طرف تو فصاحت و بلاغت کے بناء پر اعجاز کا کام دیتا تھا' دوسری طرف جو مطالب اور مقاصد ادا کرتا تھا' وہ اسلام ہی کے مقاصد اور مطالب تھے' وہ

(۱) بخاری شریف ذکر ہجرت۔

(۲) مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۲۹۱۔

(۳) ابن ہشام ج ۱ ص ۱۳۶ مطبوعہ مصر ذکر ہجرت حبش۔

(۴) صحیح ترمذی تفسیر سورہ روم۔

Marfat.com

خدا کی عظمت وجلالت اصنام کی تحقیر وتذلیل انسان کا عجز وتعبد' سزا وجزا' بعث ونشر' جور وظلم کی تقبیح' اخلاق حسنہ کی تحسین' ان مطالب کو اس طرح ادا کرتا تھا کہ خود بخود وہ دلوں میں گھر کرتے تھے اور ان کو یہ نظر نہیں آتا تھا کہ وہ ان باتوں کو اس لیے مان رہے ہیں کہ مسلمان ہو چکے ہیں بلکہ یہ باتیں براہ راست ان کے دل میں اتر جاتی تھیں اور وہ مسلمان ہو جاتے تھے۔

موانع کا ازالہ:

عرب کو جو چیزیں اسلام سے روکتی تھیں ان میں سب سے اہم (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) ان کے اوہام اور اعتقادات باطلہ تھے' جو سینکڑوں ہزاروں برس سے چلے آتے تھے یا سیاسی و معاشی ضرورتیں تھیں' مقدم الذکر باتوں کا قرآن مجید اور اعجاز نبوی نے استیصال کر دیا' عرب میں جو لوگ صاحب فہم اور ذی اثر تھے اور سیاسی اسباب سے مجبور نہ تھے' یہ ناممکن تھا کہ وہ قرآن سنتے اور ان کے تمام عقائد اور اوہام دفعۃً فنا نہ ہو جاتے' یہ ارباب اثر جب خود متاثر ہو جاتے تھے تو ان میں سے ایک ایک شخص کے اثر سے ہزاروں اشخاص مسلمان ہو جاتے تھے کیونکہ قبائل پرستی کی بناء پر قبیلہ کا ہر معزز رئیس اپنے پورے قبیلے کے دل و دماغ کا مالک ہوتا تھا۔

البتہ جو لوگ سیاسی اسباب سے مطلقاً دعوت اسلام کی طرف متوجہ ہی ہونا نہیں چاہتے تھے' انہوں نے بار بار دار النبوۃ (مدینہ منورہ) پر چڑھائیاں کیں' لیکن نصرت ایزدی نے ان کو اس قدر شکستیں دیں کہ بالآخر مجبور ہو کر بیٹھ گئے' ان میں سے کچھ فنا ہو گئے کچھ چار و ناچار اسلام کے حلقہ میں داخل ہوئے' جن میں سے اکثر رفتہ رفتہ بالآخر دل سے مسلمان بن گئے۔

قبائل کی ریاست سیاسی حیثیت سے گو اسلام کے مخالف تھی لیکن بعض وجوہ سے اسلام کو تائید بھی پہنچاتی تھی' اسلام کی جمہوریت جس قدر ریاست کی مخالف تھی' اس قدر عام جماعت کی حامی تھی' اسلام سے اگر ایک رئیس کی شان ریاست و خودسری کو نقصان پہنچتا تھا تو ہزاروں آدمیوں کو نظر آتا تھا کہ اسلام قبول کر لینے سے ہر شخص رئیس کا ہمسر ہو جاتا ہے' غرض اسلام اگر ایک رئیس کو مٹاتا تھا تو سینکڑوں کو رئیس بنا دیتا تھا۔

اس کے ساتھ رؤساء کی ریاست بالکل زائل نہیں ہو جاتی تھی بلکہ اسلام قبول کرنے پر وہ اپنے قبیلہ کے رئیس باقی رہتے تھے' صرف اتنا ہوتا تھا کہ ان کی بے قید مطلق العنانی قائم نہیں رہتی تھی اور اسلامی احکام کا پابند رہنا پڑتا تھا' اس لیے اگر کوئی خود غرضی بھی کرنا چاہتا تھا تو اس کو بھی یہ سودا گراں نہیں پڑتا تھا' مولفۃ القلوب کا گروہ اس کی ایک صریح نظیر تھا۔

اب صرف معاشی ضرورت سد راہ ہو سکتی تھی' لیکن لوگوں کو نظر آتا تھا کہ جن حدود میں اسلام کی حکومت قائم ہو جاتی ہے وہاں امن و امان قائم ہونے کی وجہ سے تجارت اور دیگر ذریعہ معاش کثرت سے ترقی کر جاتے ہیں۔

(۲) نبوت کے متعلق ان کو جو شکوک تھے' مشاہدہ اور تجربہ نے ان کا پردہ چاک کر دیا' بڑی سے بڑی انسانیت اور پاک سے پاک زندگی کا جو تخیل ایک انسان کے ذہن میں آ سکتا تھا' محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی اس سے بھی بدرجہا بالاتر اور ارفع تھی' ان کو نظر آتا تھا کہ گو مدعی نبوت بظاہر جامہ بشریت میں ہے لیکن اپنی معنوی زندگی' اپنے

Marfat.com

معجزانہ اخلاق' اپنے مافوق الفطرت علم و معرفت' اپنے ربانی کرشموں کی بناء پر بشریت سے کوئی بالاتر مخلوق ہے ﴿ما هذا بشرا ان هذا الا ملك كريم﴾ قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کے صدق نبوت پر اسی مقدس اور معصوم زندگی سے استدلال کیا ہے۔

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (یونس : ۲) ''اے قریش! نبوت سے پہلے بھی میں نے تم میں ایک مدت دراز تک زندگی بسر کی ہے' کیا تم نہیں سمجھتے۔''

زندگی کا یہی اعجاز تھا۔ جس سے ظہور نبوت سے پہلے ہی امین کا خطاب آپ نے حاصل کر لیا تھا' بیوی کے برابر انسان کے اصلی حالات و اخلاق کا واقف کار کوئی اور نہیں ہو سکتا' نبوت محمدی کا معتقد اولین دنیا میں کون تھا' ام المومنین خدیجہؓ بنت خویلد لیکن ان کی اس زود اعتقادی کا راز کیا تھا' چالیس برس کے معجزانہ اخلاق اور مافوق الفطرت اوصاف و حالات کا تجربہ' وہ خود پیغمبر کو خطاب کر کے نبوت کی تسکین ان الفاظ میں دیتی ہیں۔ ''محمد! خدا کبھی تمہیں رسوا نہ کرے گا۔ تم رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرتے ہو' ناداروں کی طرف سے قرض ادا کرتے ہو' محتاجوں کی خبر لیتے ہو' مہمانوں کے ساتھ بہ مدارات پیش آتے ہو جو لوگ حقیقت میں مبتلائے آلام ہیں ان کی اعانت کرتے ہو۔[1]

سن چکے ہو کہ عرب میں آپؐ کی نبوت کا جب چرچا ہوا تو ابوذر غفاریؓ نے انیسؓ اپنے بھائی کو حقیقت حال کے لیے بھیجا انہوں نے واپس آ کر پیکر نبوت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا۔ ''میں ایک ایسے شخص کو دیکھ کر آیا ہوں جو بھلائیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔''[2]

نبوت کے بعد قریش نے ذات نبوی کے ساتھ گو عداوت اور کینہ پروری کا کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھا' تاہم کوئی ادنیٰ اخلاقی جرم بھی آپؐ کی طرف منسوب نہ کر سکے' اسلام کے سب سے اول اعلان دعوت کے موقع پر جب آپؐ نے ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر قریش کے مجمع کو خطاب کیا اور پوچھا کہ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک فوج گراں تم پر حملہ آور ہونے کو تیار ہے' تو کیا سچ مانو گے؟ سب نے بیک آواز کہا۔ ''محمد! تیری بات آج تک ہم نے جھوٹ نہ پائی۔''[3] ابوسفیان جو ہجرت کے آٹھویں سال تک اسلام کے سخت ترین دشمن تھے ۶ھ میں ہرقل قیصر روم کے دربار میں کفار قریش کی ایک جماعت کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و اوصاف کے متعلق اپنی شہادتیں پیش کر رہے تھے' تاہم وہ ایک حرف بھی صداقت کے خلاف پیش نہ کر سکے' انہوں نے شہادت دی کہ محمد کبھی جھوٹ نہیں بولتے' انہوں نے کبھی بد عہدی نہ کی' شرک سے روکتے ہیں' توحید کی تعلیم دیتے ہیں' عبادت' صدق' عفت' صلہ رحمی کی تاکید کرتے ہیں' ہرقل ہر فقرہ پر کہتا جاتا تھا کہ نبوت کے یہی آثار و دلائل ہیں' یہ سب سے پہلا دن تھا کہ ابوسفیان کے دل نے آنحضرت ﷺ کی کامیابی کا یقین کیا۔[4]

(۱) صحیح بخاری بدء الوحی۔

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۹۹ قصہ اسلام ابی ذرؓ۔

(۳) صحیح بخاری تفسیر سورۂ تبت و صحیح مسلم کتاب الایمان باب۔

(۴) صحیح بخاری بدء الوحی۔

Marfat.com

کتاب کی دوسری جلد میں آپؐ کے تمام محاسن اخلاق یعنی رفق' ملاطفت' حسن معاملت' جود وسخا' عدم تشدد' عفو و درگزر وغیرہ کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے اس پر مجموعی طور پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ درحقیقت آنحضرت ﷺ کا ایک معجزہ تھا اور یہ معجزہ تسخیر قلوب ہی کے لیے عطا ہوا تھا' قرآن مجید اس نکتہ کو خود بتاتا ہے۔

﴿وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (ال عمران : ۷)　"اور محمد! اگر تم درشت خو اور سخت دل ہوتے تو لوگ تمہارے پاس سے چل دیتے۔"

آپؐ کی یہی معجزانہ کشش تھی جو لوگوں کو کھینچ کھینچ کر دائرہ اسلام میں داخل کرتی تھی' اور کفار کے جاہلانہ شکوک و اوہام کو دم کے دم میں مٹا دیتی تھی' صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے آپ سے بہت سی بکریاں مانگیں' آپؐ نے دے دیں' اس پر آپؐ کی فیاضی کا اس قدر اثر پڑا کہ اپنے قبیلے میں جا کر اس نے کہا۔ "لوگو مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد اس قدر دیتے ہیں کہ ان کو خود اپنے تنگ دست ہونے کا مطلق خوف نہیں ہوتا۔ (۱)

فتح مکہ میں جب صفوان بن امیہ مجبوراً اسلام لایا تو آنحضرت ﷺ نے اس کو تین سو اونٹ دے دیئے' خود صفوان کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو اس قدر دیا کہ آپؐ پہلے میرے نزدیک مبغوض ترین خلق تھے لیکن اس فیاضی سے محبوب ترین شخص بن گئے' (۲) ہندہ خاندان نبوت کی قدیم ترین دشمن تھی' جنگ احد میں قوت بازوئے اسلام حضرت حمزہؓ کے شکم کو اسی نے چاک کیا تھا۔ اسی نے ان کا جگر نکال کر چبایا تھا جس کو نگل نہ سکی اور پھر اگل دیا تھا' اور اسی نے بعض شہیدوں کے ناک کان کاٹ کر گلے کا ہار بنایا تھا۔ وہ فتح مکہ میں بھیس بدل کر آپؐ کی خدمت میں اسلام لانے کے لیے حاضر ہوئی اور اب بھی گستاخی سے باز نہیں آئی' لیکن دربار رسالت میں پہنچ کر آپ کے حسن خلق سے اس قدر متاثر ہوئی کہ بے اختیار بول اٹھی یا رسول اللہ ﷺ سطح زمین پر آپ کے گھرانے سے زیادہ کوئی گھرانہ مجھے مبغوض نہ تھا لیکن آج آپ کے گھرانے سے زیادہ کوئی گھرانا محبوب نہیں ہے آپ نے یہ سن کر فرمایا خدا کی قسم ہمارا بھی یہی حال تھا۔ (۳)

آپؐ پر ایک یہودی عالم کا قرض آتا تھا۔ اس نے تقاضا کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے اس نے کہا کہ میں تو لے ہی کے ٹلوں گا۔ آپ نے کہا کہ اب میں تمہارے ساتھ بیٹھتا ہوں۔ چنانچہ آپؐ ظہر سے لے کر فجر کی نماز تک اس کے ساتھ بیٹھے رہے۔ صحابہ نے اس کی اس گستاخی پر ناراضی ظاہر کی اور خدمت اقدس میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپؐ کو ایک یہودی نے روک رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں' لیکن مجھے خدا نے اس سے منع کیا ہے کہ میں کسی ذمی یا اور کسی شخص پر ظلم کروں۔ دن چڑھا تو یہودی نے کلمہ پڑھا اور کہا کہ "میرا نصف مال خدا کی راہ میں صدقہ ہے میں نے یہ گستاخی اس لیے کی کہ توراۃ میں پیغمبر کے جو اوصاف مذکور ہیں ان کا تجربہ کروں۔ (۴)

---

(۱) صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۰ باب ماسئل رسولا شیئا قط فقال لا صحیح بخاری باب حسن الخلق والسخا۔

(۲) صحیح مسلم باب مذکور۔

(۳) مسلم جلد ۲ ص ۵۵ باب قصۂ ہند۔

(۴) مشکوٰۃ ص ۵۲۱ کتاب الفتن فی اخلاقہ ﷺ۔

Marfat.com

ثمامہ بن آثال یمامہ کا ایک رئیس تھا جو اسلام کا مجرم تھا' صحابہ کا ایک دستہ نجد کے اطراف میں بھیجا گیا تھا' حسن اتفاق سے وہ راہ میں مل گیا' گرفتار ہو کر مدینہ آیا اور مسجد نبوی کے ایک ستون میں باندھ دیا گیا' آنحضرت ﷺ نماز کے لیے تشریف لائے تو اس پر نظر پڑی آپ نے دریافت کیا کہ ثمامہ تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟ اس نے کہا کہ اگر قتل کرنا چاہیں تو ایک خونی مجرم کو آپ قتل کریں گے اور اگر عفو فرمائیں تو یہ احسان ایک احسان شناس کی گردن پر ہوگا' اگر مال کی خواہش ہے تو فرمایئے جو ارشاد ہوگا حاضر کیا جائے گا۔ یہ سن کر آپ اسی حالت میں اس کو چھوڑ کر چلے گئے' دوسرے دن پھر اسی قسم کا سوال و جواب ہوا' تیسرے دن پھر یہی گفتگو ہوئی' آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس کے بند گرہ کھول دیئے اور رہا کر دیا' اس پر اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ مسجد سے نکل کر ایک کھجور کی آڑ میں گیا اور وہاں غسل کیا' غسل کر کے مسجد میں آیا اور کلمہ توحید پڑھ کر آنحضرت ﷺ کی طرف مخاطب ہوا۔ محمد! زمین پر آپ کے چہرہ سے زیادہ کوئی چیز مجھ کو مبغوض نہ تھی' لیکن آج وہ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے' مجھ کو آپ کے دین سے زیادہ کسی دین سے عداوت نہ تھی' لیکن وہ آج میرے لیے تمام مذاہب سے عزیز تر ہو گیا ہے' مجھے آپ کے شہر سے زیادہ کسی شہر سے دشمنی نہ تھی لیکن وہ آج مجھ کو تمام شہروں سے زیادہ خوش نما نظر آتا ہے۔ (۱)

ایک بار آپ کسی سفر میں تھے اور پانی ساتھ نہ تھا' صحابہؓ نے پیاس کی شکایت کی' آپ نے ایک صحابی کے ساتھ حضرت علیؓ کو پانی کی جستجو میں روانہ فرمایا' راہ میں ایک عورت اونٹ پر پانی کی دو مشکیں بھری ہوئی لے جا رہی تھی' دونوں صاحب اس کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے آئے' آپ نے برتن منگوائے اور مشکوں کے منہ کھول دیئے' صحابہ نے باری باری سے پانی پینا شروع کر دیا' وہ کھڑی یہ تماشا دیکھتی رہی' فراغت کے بعد اس کی محنت کے صلہ میں آنحضرت ﷺ نے کھجور کا آٹا اور ستو تھوڑا تھوڑا لوگوں سے جمع کر کے ایک کپڑے میں بندھوا کر اس کے اونٹ پر رکھوا دیا' وہ گھر پہنچی تو لوگوں نے تاخیر کا سبب پوچھا' اس نے کہا راہ میں مجھ کو دو آدمی ملے اور وہ مجھ کو اس شخص کے پاس لے گئے جس کو لوگ بد دین کہا کرتے ہیں' خدا کی قسم وہ یا تو اس آسمان و زمین کے درمیان سب سے بڑا جادوگر ہے یا وہ واقعی خدا کا رسول ہے۔

لیکن اسلام کا یہ اثر صرف اسی کی ذات تک محدود نہ رہا' بلکہ تربیت یافتگان نبوت کے فیض اثر سے اس کے تمام قبیلے تک وسیع ہو گیا۔ (۲)

نبی کے امتیاز و شناخت کا ذریعہ صرف اس کا اخلاق ہی نہیں اس کی زبان کا ایک ایک حرف' اس کی معصوم شکل و صورت اور اس کی ایک ایک ادا اعجاز اور سر تا پا اعجاز ہوتی ہے۔

روے و آواز پیغمبر معجزہ است

(رومی)

آپ کی صداقت سے لبریز تقریر کا ایک ایک حرف دل میں اتر جاتا تھا اور نبوت کا اصلی معیار سامع کے سامنے

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۶۷ کتاب الجہاد والسیر۔

(۲) بخاری ج ۱ ص ۴۹ کتاب التیمم۔

Marfat.com

روشن ہو جاتا تھا۔

جب آپؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو تمام مدینہ میں غل پڑ گیا' حضرت عبداللہ بن سلام جو مدینہ کے مشہور یہودی عالم تھے اپنے نخلستان میں کھجور توڑ رہے تھے' آمد آمد کی خبر ان کے کان میں پہنچی تو فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ فرما رہے تھے۔ افشوا السلام و اطعموا الطعام وصلوا الارحام وصلوا و الناس نیام تدخلوا الجنة بسلام [1] واپس گئے تو اس قدر متاثر تھے کہ آنحضرت ﷺ اٹھ کر حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان میں جونہی پہنچے' حضرت عبداللہ بن سلام بھی آئے اور کہا کہ میں آپؐ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں اور نیز یہ شہادت دیتا ہوں کہ آپؐ ایک حق مذہب لے کر آئے ہیں۔ [۲]

ضماد ایک شخص تھے' جن کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں آپ کے دوستانہ تعلقات رہ چکے تھے' وہ جنون کا علاج کرتے تھے اتفاق سے وہ مکہ میں آئے تو کفار سے سنا کہ آپ (نعوذ باللہ) مجنون ہو چکے ہیں' وہ آپ کے پاس آئے اور کہا' محمد! میں جنون کا علاج کرتا ہوں' اس کے جواب میں آپ نے ایک تقریر کی اور اس کو ان الفاظ سے شروع کیا۔

الحمدللہ نحمدہ و نستعینہ من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھدان محمدا عبدہ و رسولہ.	''تمام تعریفیں خدا کے لیے ہیں میں اس کی حمد کرتا ہوں اور اس سے مدد چاہتا ہوں' خدا جس کو ہدایت دیتا ہے اس کو کوئی شخص گمراہ نہیں کر سکتا جس کو گمراہ کرتا ہے اس کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا' میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے وہ تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔''

ان پر ان فقروں کا یہ اثر پڑا کہ وہ مکرر سننے کے مشتاق ہوئے' آپؐ نے تین بار ان کلمات کا اعادہ فرمایا' انہوں نے کہا میں نے کاہنوں جادوگروں اور شاعروں کا کلام سنا ہے لیکن آپ کے اس کلام کی طرح مؤثر کلام کبھی نہیں سنا' وہ سمندر تک پہنچ جائے گا ہاتھ لائیے' میں اسلام پر بیعت کرتا ہوں۔ [۳]

حضرت حلیمہؓ کے شوہر حارث یعنی آپ کے رضاعی باپ جب مکہ میں تشریف لائے تو قریش نے کہا کچھ سنا ہے' تمہارا بیٹا کہتا ہے کہ لوگ مر کر پھر زندہ ہوں گے' انہوں نے آپؐ سے کہا' بیٹا یہ کیا کہتے ہو؟ آپ نے نہایت زوردار لہجہ میں فرمایا' ہاں اگر وہ دن آیا تو آپ کا ہاتھ پکڑ کر بتا دوں گا کہ جو کچھ میں کہتا تھا سچ تھا ان پر اس کا یہ اثر پڑا کہ فوراً مسلمان ہو گئے۔ اور یہ اثر اس قدر دیرپا ہوا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر میرا بیٹا ہاتھ پکڑے گا تو جنت میں پہنچا کر ہی چھوڑے گا۔ [۴]

انسان کا چہرہ حقیقت کا آئینہ ہے' آپؐ کی ایک ایک ادا صداقت اور معصومیت کا پیکر تھی' آپ کی شکل نہایت

(۱) ابن حنبل ج ۵ ص ۴۵۔

(۲) بخاری ج ا ص ۵۵۶ باب ہجرت النبی صلعم واصحابہ الی المدینۃ۔

(۳) مسلم باب تخفیف الصلوۃ والخطبۃ۔

(۴) اصابہ جلد ا ص ۲۹۲ تذکرہ حارث۔

Marfat.com

پر جلال تھی، چہرہ پرنور تھا' آواز موقر اور پر رعب تھی اور ان تمام چیزوں کا مجموعی اثر پیغمبرانہ اعجاز کے ساتھ دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام نومسلم یہودی عالم آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھ کر اسی اثر سے متاثر ہوئے اور بے اختیار بول اٹھے تھے۔

وجہ لیس بوجہ کذاب (ترمذی: ۲۰۹) ''جھوٹے آدمی کا یہ چہرہ نہیں ہوسکتا۔''

اور یہی کشش تھی جس کا اظہار حجۃ الوداع میں اعراب بادیہ کی زبان سے ان الفاظ میں ہوا تھا۔

ھذا وجہ مبارک۔ ''یہ مبارک چہرہ ہے۔''

بارگاہ نبوت میں پہنچنے کے ساتھ ہی یہ اثر آنکھوں کی راہ سے دل میں پہنچ جاتا تھا' ابورافع نام ایک شخص قریش کی طرف سے قاصد بن کر آپ کی خدمت میں آئے تھے جونہی چہرۂ اقدس پر نظر پڑی وہ یہ ہزار جان شیدا تھے' اسلام قبول کیا[۱] اور آپ کی غلامی کو فخر سمجھا۔[۲]

☆☆☆

(۱) ابوداؤد کتاب الجہاد باب یستجن بالامام فی العہود۔

(۲) اصابہ واستیعاب۔

Marfat.com

اسلام

یا

محمد رسول اللہ ﷺ کا پیغمبرانہ کام

آنحضرت ﷺ جس عظیم الشان پیغام کو لے کر آئے تھے اور جس مہتم بالشان کام کو انجام دینے کے لیے بھیجے گئے تھے نیک دل اور حقیقت شناس لوگ تو سننے اور دیکھنے کے ساتھ اس کے قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے لیکن جن کے دل کے آئینے زنگ آلود تھے۔ پیغام کی سچائی وحی کی تاثیر پیغمبر کی پر اثر دعوت اعجاز معصومیت اور اخلاق کے پرتو سے صاف وشفاف ہوتے گئے اور عوائق موانع' شبہات اور شکوک کی تو بر تو ظلمتیں اور تاریکیاں رفتہ رفتہ چھٹتی چلی گئیں اور اسلام کا نور روز بروز زیادہ صفائی اور چمک کے ساتھ عرب کے افق پر درخشاں اور تاباں ہوتا گیا' یہاں تک کہ ۲۳ برس کی مدت میں ایک متحدہ قومیت' ایک متحدہ سلطنت ایک متحدہ اخلاقی نظام' ایک کامل قانون' ایک مکمل شریعت' ایک ابدی مذہب اور عملی جماعت' خدا پرستی اخلاق' ایثار' تدین' تقویٰ' ایمانداری' اخلاق اور سچائی کا ایک مجسم عہد یعنی ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا ہو گیا اور گویا یہی حقیقت تھی' جس کی طرف آپ نے اپنی امت کے سب سے بڑے مجمع (حجۃ الوداع) میں اپنی وفات سے تقریباً دو ماہ پیشتر یہ ارشاد فرمایا۔

الا ان الزمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق اللہ السموات و الارض. (بخاری)

''ہاں اب زمانہ کا دور اپنی اسی حالت پر آ گیا جس حالت پر اس دن تھا جس دن خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔''

اور یہی حقیقت تھی جس کی نسبت آپ نے اپنی وفات سے کچھ دنوں پیشتر ایک نہایت پر درد وداعی تقریر کے آخر میں یہ الفاظ فرمائے۔[1]

قد ترکتم علی البیضاء لیلھا کنارھا.

''میں تم کو ایک روشن راستہ پر چھوڑ جاتا ہوں جس کی روشنی کا یہ حال ہے کہ اس کی رات بھی دن کے مانند ہے۔''

اور آخری حجۃ الوداع کے مجمع عام میں تکمیل کی بشارت آئی کہ۔

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ﴾ (مائدہ : ۱)

''آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر ختم کر دی۔''

---

(۱) سنن ابن ماجہ ابواب سنت و بدعت و مستدرک حاکم جلد اول ص ۹۶ و مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۶۔

Marfat.com

پروفیسر مارگولیتھ جن کی تائید شہادت بہت کم مل سکتی ہے' لکھتے ہیں۔

''محمدؐ کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہا۔ آپ ایک سلطنت کی جس کا ایک سیاسی و مذہبی دارالسلطنت مقرر کیا گیا تھا' بنیاد ڈال چکے تھے' آپؐ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا' آپ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا اور ان میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔''(۱)

ایک دور یورپ کے بیگانہ مستشرق کی بہ نسبت جس کا علم عرب اور اسلام کے متعلق اخبار صرف چند کتابوں سے مستعار ہے' خود ایک عرب عیسائی اہل قلم کو فیصلہ کا زیادہ حق حاصل ہے' بیروت کے مسیحی اخبار الوطن نے ۱۹۱۱ء میں لاکھوں عرب عیسائیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ اس کے جواب میں ایک عیسائی عالم (داور مجاعص) نے لکھا۔

دنیا کا سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے دس برس کے (۲) کے مختصر زمانہ میں ایک نئے مذہب' ایک نئے فلسفے ایک نئی شریعت اور ایک نئی تمدن کی بنیاد رکھی' جنگ کا قانون بدل دیا اور ایک نئی قوم پیدا اور ایک نئی طویل العمر سلطنت قائم کر دی لیکن ان تمام کارناموں کے باوجود امی اور ناخواندہ تھا وہ کون؟ محمد بن عبداللہ قریشی' عرب اور اسلام کا پیغمبر' اس پیغمبر نے اپنی عظیم الشان تحریک کی ہر ضرورت کو خود ہی پورا کر دیا' اور اپنی قوم اور اپنے پیروؤں کے لیے اور اس سلطنت کے لیے جس کو اس نے قائم کیا' ترقی اور دوام کے اسباب بھی خود مہیا کر دیئے' اس طرح کہ قرآن اور احادیث کے اندر وہ تمام ہدایات موجود ہیں جن کی ضرورت ایک مسلمان کو اس کے دینی یا دنیاوی معاملات میں پیش آ سکتی ہے' حج کا ایک سالانہ اجتماع فرض قرار دیا تاکہ اقوام اسلامی میں اہل استطاعت ایک مرکز پر جمع ہو کر اپنے دینی و قومی معاملات میں باہم مشورے کر سکیں' اپنی امت پر زکوٰۃ فرض کر کے قوم کے غریب طبقہ کی حاجت پوری کی' قرآن کی زبان کو دنیا کی دائمی اور عالم گیر زبان بنا دیا کہ وہ مسلمان اقوام کے باہمی تعارف کا ذریعہ بن جائے' قوم کے ہر فرد کو ترقی کا موقع اس طرح عنایت کیا کہ یہ کہہ دیا کہ ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر صرف تقویٰ کی بناء پر بزرگی حاصل ہے' اس بنا پر اسلام ایک حقیقی جمہوریت بن گیا' جس کا رئیس قوم کی پسند سے منتخب ہوتا ہے مسلمانوں نے ایک مدت تک اس اصول پر عمل کیا' یہ کہہ کر کہ عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فوقیت نہیں' اسلام میں داخل ہونا ہر شخص کے لیے آسان کر دیا' نامسلموں کے لیے اسلامی ملکوں میں عیش و آرام اور امن و اطمینان سے سکونت کی ذمہ داری یہ کہہ کر اپنے اوپر لے لی کہ تمام مخلوق خدا کی اولاد ہے' تو خدا کا سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی اولاد کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے' خاندانی اور ازدواجی اصلاحات بھی اس کی نظر سے پوشیدہ نہ رہیں' اس نے نکاح و وراثت کے احکام مقرر کیے' عورت کا مرتبہ بلند کیا' نزاعات اور مقدمات کے فیصلے کے قوانین بنائے' بیت المال کا نظام قائم کر کے قوم کی دولت کو بیکار نہ ہونے دیا' علم کی اشاعت اور تعلیم اس کی کوششوں کا بڑا حصہ رہی' اس نے حکمت کو ایک مومن کا گم شدہ

(۱) لائف آف محمد مارگولیتھ ص ۴۷۱۔

(۲) مدینہ منورہ میں آپ دس برس زندہ رہے تھے۔

Marfat.com

مال قرار دیا' اسی سبب سے مسلمانوں نے اپنی ترقی کے زمانہ میں ہر دروازہ سے علم حاصل کیا' کیا ان کارناموں کا انسان دنیا کی سب سے بڑی ہستی قرار نہ پائے گا۔

انگلستان کے مشہور انشا پرداز کارلائل نے اپنے ''ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ'' میں لاکھوں پیغمبروں اور مذہب کے بانیوں میں صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہی کے وجود گرامی کو اس قابل سمجھا کہ وہ آپ کو نبوت کا ہیرو قرار دے' انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مضمون نگار ''محمد'' آپ کی نسبت کہتا ہے۔

''قرآن سے اس شخص کے روحانی ارتقاء کا پتہ چلتا ہے جو تمام نبیوں اور مذہبی لوگوں میں سب سے زیادہ کامیاب رہا۔''(۱)

الغرض دوست و دشمن سب کو اس کا اعتراف ہے کہ انبیاء میں یہی برگزیدہ ہستی ہے جس نے کم سے کم مدت میں اپنی بعثت اور رسالت کے زیادہ سے زیادہ فرائض ادا کیے اور اصلاحات انسانی کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا جس کی تکمیل اس کی تعلیم اور عمل سے نہ ہوگئی ہو اور یہ اس لیے کہ تمام انبیاءؑ میں خاتم نبوت' مکمل دین اور آخری معلم کی حیثیت آپ ہی کو عطا ہوئی تھی اگر انسان کی عملی واخلاقی ودینی ضرورتوں کا کوئی گوشہ آپ کے فیض سے محروم رہ کر تکمیل کا محتاج ہوتا تو آپ کے بعد بھی کسی آنے والے کی حاجت باقی رہ جاتی' حالانکہ آپ نے فرمادیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں' میں نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ ہوں ﷺ (۲)

آپ کی تعلیمات کی یہی ہمہ گیری ہے جس پر کوتاہ بینوں کو آج نہیں بلکہ خود صحابہؓ کے عہد میں بھی تعجب ہوتا تھا' بعض مشرکوں نے حضرت سلمان فارسیؓ سے مذاقاً کہا کہ تمہارے پیغمبر تم کو ہر چیز کی تعلیم دیتے ہیں' یہاں تک کہ اس کی بھی کہ تم کو قضائے حاجت کیونکر کرنی چاہیے' حضرت سلمانؓ نے کہا ہاں یہ سچ ہے' آپ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم ایسی حالت میں قبلہ رخ نہ بیٹھیں نہ اپنے داہنے ہاتھ سے طہارت کریں اور نہ تین ڈھیلوں سے کم استعمال کریں' جن میں کوئی ہڈی اور گوبر نہ ہو(۳) نبوت محمدی کی تعلیمات کی یہ ہمہ گیری ہی اس کی تکمیل کی دلیل ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پست سے پست اور غیر متمدن اقوام سے لے کر بلند سے بلند اور متمدن سے متمدن قوموں تک کے لیے یکساں تعلیمات اور ہدایات رکھتی ہے۔عرب کے بدوؤں اور قریش کے رئیسوں دونوں کے لیے آپ کی بعثت تھی۔اس لیے آپ کی تعلیمات میں پست کو بلند اور بلند کو بلند تر بنانے کی برابر کی ہدایات ہیں' آج یہی چیز ہے کہ افریقہ کے وحشیوں میں اسلام اپنی تعلیمات کے ساتھ تنہا جاتا ہے اور ان کو متمدن اور مہذب بنانے کے لیے مذہب سے باہر کسی تعلیم کی اس کو ضرورت پیش نہیں آتی ہے' لیکن عیسوی مذہب کو چند اخلاقیات کو چھوڑ کر کہ جن کا ماخذ انجیل ہے' عقائد پادریوں کی کونسلوں سے دعائیں اور عبادات کلیساؤں کے حکمرانوں سے اور تہذیب وتمدن کی تعلیمات یورپ کے بے دینوں اور ملحدوں سے حاصل کرنی پڑتی ہیں۔لیکن اسلام میں محمد رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کچھ نہیں' عقائد ہوں کہ عبادات اور

(۱) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم مضمون ''قرآن'' ج ۱۵ ص ۵۹۸۔
(۲) صحیح بخاری جلد اول باب خاتم النبیین وجامع ترمذی کتاب الامثال۔
(۳) جامع ترمذی وسنن ابن ماجہ کتاب الطہارت۔

Marfat.com

دعائیں، اخلاق ہوں کہ آداب تمدن، خانگی معاملات ہوں یا لین دین کے کاروبار، انسانوں کے ساتھ معاملہ ہو یا خدا کے ساتھ سب کا ماخذ محمد رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر تعلیمات ہیں۔

آپؐ کی ان ہمہ گیر تعلیمات کی کتاب جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے چار ابواب پر منقسم ہے اور ان ہی کے مجموعہ کا نام اسلام ہے۔

آپ نے بتایا ہے کہ ہر انسان کا ایک تعلق تو اپنے خالق کے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے خالق کی دوسری مخلوقات کے ساتھ اسی مفہوم کو دوسری عبارت میں یوں کہو کہ اس کا ایک تعلق اپنے آقا اور مالک کے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے آقا اور مالک کے غلاموں کے ساتھ یا یوں کہو کہ اس کا ایک رخ تو آسمان کی طرف ہے اور دوسرا زمین کی سمت، اس کو ایک لگاؤ تو عالم غیب سے ہے اور دوسرا عالم شہود سے پہلے کے ساتھ اس کا تعلق ایک مہربان آقا اور فرمان بردار غلام کا ہے اور دوسروں کے ساتھ اس کا تعلق برادری اور بھائی چارے کا ہے، خالق اور مخلوق یا خدا اور بندہ کے درمیان جو علاقہ اور رابطہ ہے، اس کا تعلق اگر صرف ہمارے ذہنی قویٰ اور قلبی حالات سے ہے، تو اس کا نام عقیدہ ہے، اور اگر ان قلبی حالات کے ساتھ، ہمارے جسم و جان اور مال و جائیداد سے بھی ہے تو اس کا نام عبادت ہے، باہم انسانوں اور انسانوں میں یا انسانوں اور دوسری مخلوقات میں جو علاقہ و رابطہ ہے، اس کی حیثیت سے جو احکام ہم پر عائد ہیں، اگر ان کی حیثیت محض قانون کی ہے تو اس کا نام معاملہ ہے اور ان کی حیثیت قانون کی نہیں بلکہ روحانی نصیحتوں اور برادرانہ ہدایتوں کی ہے تو اس کا نام اخلاق ہے۔

قرآن پاک کی اصطلاح میں پہلے تعلقات کی مضبوطی اور استحکام کا نام ایمان ہے، اور دوسرے، تیسرے اور چوتھے کی بجا آوری کا نام عمل صالح ہے اور ان ہی دونوں کے مجموعہ پر کامل نجات کا انحصار ہے، عمل صالح کی تین قسمیں ہیں، خدا کے سامنے اپنی عبودیت کا اظہار اور اس کے احکام کی تعمیل، بندوں کے ساتھ کاروبار اور معاملہ میں قانون الٰہی کی پابندی اور ان کے ساتھ محبت الفت اور نیکی اور بھلائی کا برتاؤ، اور گو اس لحاظ سے کہ ان میں سے ہر ایک عمل کو جس میں خدا کی خوشنودی اور رضا مندی مقصود ہو، اسلام عبادت کہتا ہے لیکن اصطلاح میں پہلے کا نام عبادات، دوسرے کا نام معاملات اور تیسرے کا نام اخلاق ہے، الغرض محمد رسول اللہ ﷺ جو عالم گیر شریعت اور دائمی ہدایت لے کر آئے وہ ان ہی چاروں عنوانوں کا مجموعہ ہے، یعنی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق ان ہی کی اصلاح تعلیم اور تکمیل کے لیے آپ کی بعثت ہوئی اور یہی آپ کے پیغمبرانہ فرائض کے اصلی کارنامے ہیں۔

OOO

Marfat.com

عقائد

عقائد کی حقیقت اور اہمیت:

انسان کے تمام افعال' اعمال اور حرکات کا محور اس کے خیالات ہیں' یہی اس کو بناتے اور بگاڑتے ہیں' یہ عام خیالات درحقیقت اس کے چند پختہ' غیر متزلزل اور غیر مشکوک اصولی خیالات پر مبنی ہوتے ہیں ان ہی اصولی خیالات کو عقائد کہتے ہیں یہی وہ نقطہ ہے جس سے انسانی عمل کا ہر خط نکلتا ہے اور اس کے دائرہ حیات کا ہر خط اسی پر جا کر ختم ہوتا ہے' ہمارے تمام افعال اور حرکات ہمارے ارادہ کے تابع ہیں' ہمارے ارادہ کا محرک' ہمارے خیالات اور جذبات ہیں' اور ہمارے خیالات اور جذبات پر ہمارے اندرونی عقائد حکومت کرتے ہیں' عام بول چال میں ان ہی چیزوں کی تعبیر ہم ''دل کے لفظ سے کرتے ہیں' اسلام کے معلم نے بتایا کہ انسان کے تمام اعضاء میں اس کا دل ہی نیکی اور بدی کا گھر ہے۔فرمایا۔

الا وانّ فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کلّه و اذا فسدت فسد الجسد کلّه الا وھی القلب. (صحیح بخاری کتاب الایمان)

''انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو اگر درست ہے تو تمام بدن درست ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو تمام بدن بگڑ گیا ہاں وہ ٹکڑا دل ہے۔''

قران پاک [1] نے دل (قلب) کی تین کیفیتیں بیان کی ہیں' سب سے پہلے قلب سلیم۔ (سلامت دل) جو ہر گناہ سے پاک رہ کر بالطبع نجات اور سلامت روی کے راستہ پر چلتا ہے' دوسرا اس کے مقابل ﴿قلب اثیم﴾ (گنہگار دل) یہ وہ ہے جو گناہوں کی راہ اختیار کرتا ہے اور تیسرا ﴿قلب منیب﴾ (رجوع ہونے والا دل) یہ وہ ہے جو اگر کبھی بھٹکتا اور بے راہ بھی ہوتا ہے تو فوراً نیکی اور حق کی طرف رجوع ہوتا ہے' غرض یہ سب نیرنگیاں اسی ایک بے رنگ ہستی کی ہیں جس کا نام دل ہے۔ ہمارے تمام اعمال کا محرک' ہمارے اسی دل کا ارادہ اور نیت ہے' اسی بھاپ کی طاقت سے اس مشین کا ہر پرزہ چلتا اور حرکت کرتا ہے' اسی لیے آپ ؐ نے فرمایا۔

((انّما الاعمال بالنیات)) (صحیح بخاری آغاز کتاب) تمام کاموں کا دارومدار نیت پر ہے

اسی مطلب کو دوسرے الفاظ میں آپ نے یوں ادا فرمایا۔

((انّما لامری مانوی فمن کانت ھجرته الی دنیا یصیبھا إلی امراة ینکحھا فھجرته الی ماھا جر الیه)) (صحیح بخاری آغاز کتاب)

''ہر شخص کے کام کا ثمرہ وہی ہے جس کی وہ نیت کرے تو جس کی ہجرت کی غرض دنیا کا حصول یا کسی عورت سے نکاح کرنا ہے تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہے جس کے لیے اس نے ہجرت کی (یعنی اس سے اس کو ثواب حاصل نہ ہوگا)۔''

---

(۱) قرآن پاک کی آیت میں یہ ہے۔ فانہ اثم قلبہ۔

Marfat.com

آج کل علم نفسیات نے بھی اس مسئلہ کو بداہتہ ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی عملی اصلاح کے لیے اس کی قلبی اور دماغی اصلاح مقدم ہے اور انسان کے دل اور ارادہ پر اگر کوئی چیز حکمران ہے تو وہ اس کا عقیدہ ہے اب صحیح اور صالح عمل کے لیے ضروری یہ ہے کہ چند صحیح اصول و مقدمات کا ہم اس طرح تصور کریں کہ وہ دل کا غیر مشکوک یقین اور غیر متزلزل عقیدہ بن جائیں اور اسی صحیح یقین اور مستحکم عقیدہ کے تحت میں ہم اپنے تمام کام انجام دیں۔

جس طرح اقلیدس کی کوئی شکل چند اصول موضوعہ اور اصول متعارفہ کے ماننے بغیر نہ بن سکتی ہے نہ ثابت ہو سکتی ہے اسی طرح انسان کا کوئی عمل صحیح و درست نہیں ہو سکتا جب تک اس کے لیے بھی چند مبادی اور چند اصول موضوعہ ہم پہلے نہ تسلیم کر لیں۔

بظاہر عقل ہمارے ہر کام کے لیے ہم کو رہنما نظر آتی ہے لیکن غور سے دیکھو کہ ہماری عقل بھی آزاد نہیں' وہ ہمارے دلی یقین ذہنی رجحانات اور اندرونی جذبات کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے اس لیے اس پابہ زنجیر عقل کے ذریعہ ہم اپنے دلی خیالات ذہنی رجحانات اور اندرونی جذبات پر قابو نہیں پا سکتے' اگر پا سکتے ہیں تو اپنے صحیح دلی یقینیات اور چند مضبوط دماغی و ذہنی تصورات کے ذریعہ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے ایمان کا ذکر ہمیشہ "عمل صالح" کے ذکر سے پہلے لازمی طور سے کیا ہے اور ایمان کے بغیر کسی عمل کو قبول کے قابل نہیں سمجھا ہے کہ ایمان کے عدم سے دل کے ارادہ اور خصوصاً اس مخلصانہ ارادہ کا بھی عدم ہو جاتا ہے' جس پر حسن عمل کا دارومدار ہے' عبداللہ بن جدعان ایک قریشی تھا' جس نے جاہلیت میں بہت سے نیکی کے کام کیے تھے' مگر بایں ہمہ مشرک تھا۔ اس کی نسبت آنحضرت ﷺ سے حضرت عائشہ نے ایک دفعہ دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن جدعان نے جاہلیت میں جو نیکی کے کام کیے کیا ان کا ثواب اس کو ملے گا؟ فرمایا نہیں اے عائشہؓ! کیونکہ کسی دن اس نے یہ نہیں کہا کہ بارالٰہا! میرے گناہوں کو قیامت میں بخش دے۔ (۱)

بدر کی لڑائی کے موقع پر ایک مشرک نے جس کی بہادری کی دھوم تھی حاضر ہو کر کہا کہ اے محمد! میں بھی تمہاری طرف سے لڑنے کے لیے چلنا چاہتا ہوں کہ مجھے بھی غنیمت کا کچھ مال ہاتھ آئے۔ فرمایا کیا تم اللہ عزوجل اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے جواب دیا "نہیں" فرمایا واپس جاؤ کہ میں اہل شرک سے مدد کا خواستگار نہیں۔ دوسری دفعہ وہ پھر آیا اور وہی پہلی درخواست پیش کی' مسلمانوں کو اس کی شجاعت و بہادری کی وجہ سے اس کی درخواست سے بڑی خوشی ہوئی اور وہ دل سے چاہتے تھے کہ وہ ان کی فوج میں شریک ہو جائے' لیکن آنحضرت ﷺ نے اس سے پھر وہی سوال کیا کہ کیا تم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان ہے۔ اس نے پھر نفی میں جواب دیا۔ آنحضرت ﷺ نے پھر وہی فرمایا کہ میں کسی مشرک سے مدد نہ لوں گا غالباً مسلمانوں کی تعداد کی کمی اور اس کی بہادری کے باوجود اس سے آپؐ کی بے نیازی کی کیفیت نے اس کے دل پر اثر کیا' تیسری دفعہ جب اس نے اپنی درخواست پیش کی اور آپ نے دریافت فرمایا کہ "تم کو خدا اور اس کے رسول پر ایمان ہے۔" تو اس نے اثبات میں جواب دیا اور نور اسلام سے منور ہو کر لڑائی کی صف میں داخل ہوا۔ (۲)

---

(۱) مصنف ابی ابی شیبہ غزوات نسخہ قلمی دارالمصنفین و ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۴۹ مصر۔
(۲) صحیح مسلم باب غزوات جلد دوم صفحہ ۱۰۶ مصر۔

Marfat.com

قرآن پاک نے ان لوگوں کے کارناموں کی مثال جو ایمان سے محروم ہیں۔ اس راکھ سے دی ہے جس کو ہوا کے جھونکے اڑا اڑا کر فنا کر دیتے ہیں اور ان کا کوئی وجود نہیں رہتا۔ اسی طرح اس شخص کے کام بھی جو ایمان سے محروم ہے بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ نِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ لَّا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ﴾ (ابراهيم : ۳)

''جنہوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا ان کے کاموں کی مثال راکھ کی ہے جس پر آندھی والے دن زور سے ہوا چلی وہ اپنے کاموں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے' یہی سب سے بڑی گمراہی ہے۔''

سورۂ نور میں ایمان کی دولت سے محروم لوگوں کے اعمال کی مثال سراب سے دی گئی ہے کہ اس کے وجود کی حقیقت فریب نظر سے زیادہ نہیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْآ اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا﴾ (نور : ۵)

''اور جنہوں نے خدا کا انکار کیا ان کے کام اس سراب کی طرح ہیں جو میدان میں ہو جس کو پیاسا پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچے تو وہاں کسی چیز کا وجود اس کو نظر نہ آئے۔''

اس کی ایک اور مثال ایسی سخت تاریکی سے دی گئی ہے جس میں ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہیں دیتا اور جس میں ہوش وحواس اور اعضاء کی سلامتی کے باوجود ان سے فائدہ اٹھانا ناممکن ہے۔

﴿اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا وَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ (نور : ۵)

''یا ان کے کاموں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سمندر میں سخت اندھیرا ہوا' اس کے اوپر موج اور موج پر پھر موج اور اس کے اوپر بادل گھرا ہو۔ اندھیرے ہیں ایک کے اوپر ایک کہ اس میں ہاتھ نکالے تو وہ بھی سوجھائی نہ دے۔ جس کو خدا نے نور نہ دیا اس کے لیے نور نہیں۔''

الغرض ایمان کے بغیر عمل کی بنیاد کسی بلند اور صحیح تخیل پر قائم نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے ریا' نمائش اور خود غرضی کے کاموں کو کوئی عزت نہیں دی جا سکتی' وہ کام جو گو بظاہر نیک ہوں' لیکن نیکی کرنے والے کا ان سے اصلی مقصد نام ونمود پیدا کرنا ہوتا ہے تو اخلاقی نقطۂ نظر سے تمام دنیا ان کو بے وقعت اور ہیچ سمجھتی ہے' اس بنا پر آنحضرت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ کیا اور فرمایا۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ

''اے ایمان والو! اپنی خیراتوں کو احسان رکھ کر اور کہنے دے کر اس طرح نہ برباد کرو۔ جس طرح وہ برباد کرتا ہے جو لوگوں کو دکھانے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور خدا پر (جو نیکیوں کی جزا دیتا ہے) اور قیامت پر (جس میں نیکیوں کی جزا ملے گی) یقین نہیں کرتا پس اس کی خیرات کی مثال اس

Marfat.com

مِّمَّا كَسَبُوْا وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ﴾ (بقرہ : ۲۶۴)

چٹان جیسی ہے جس پر کچھ مٹی پڑی ہو ذرا اس پر پانی برسا اور مٹی ڈھل کر پتھر رہ گیا' جس پر جو کچھ بویا جائے گا وہ اگے گا نہیں اور خدا کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔''

غرض ایمان ہمارے تمام اعمال کی اساس ہے جس کے بغیر ہر عمل بے بنیاد ہے وہ ہماری سیرابی کا اصلی سرچشمہ ہے جس کے فقدان سے ہمارے کاموں کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں رہتی' کیونکہ وہ دیکھنے میں تو کام معلوم ہوتے ہیں مگر روحانی اثر و فائدہ سے خالی اور بے نتیجہ ہوتے ہیں' خدا کے وجود کا اقرار اور اس کی رضامندی کا حصول ہمارے اعمال کی غرض و غایت ہے' یہ نہ ہو تو ہمارے تمام کام بے نظام اور بے مقصد ہو کر رہ جائیں' وہ ہمارے دل کا نور ہے وہ نہ ہو تو پوری زندگی تیرہ و تاریک نظر آئے اور ہمارے تمام کاموں کی بنیاد ریا' نمائش' جاہ پسندی' خود غرضی اور شہرت طلبی وغیرہ کے دلی جذبات و پست محرکات کے سوا کچھ اور نہ رہ جائے۔

توراۃ میں بعض عقیدوں کا ذکر ہے مگر ایمان کی حقیقت اور اس کی اہمیت کی تعلیم سے وہ خالی ہے' انجیل میں ایمان کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے' مگر اخلاق کی سچائی اعمال کی راستی اور دل کے اخلاص کے لیے نہیں بلکہ معجزوں اور کرامتوں کے ظاہر کرنے کے لیے اور خوارق عادت پر قدرت اور اختیار پانے کے لیے۔[1] اس کے برخلاف فلسفہ یونان کے بہت سے پیرووں اور ہندوستان کے بہت سے مذہبوں نے محض ذہنی جولانی' مراقبہ' تصور دھیان اور علم کو انسان کی نجات کا ذریعہ قرار دیا اور اخلاق و عمل سے کوئی تعرض نہیں کیا' عیسائیوں' زردشتیوں اور برہمنوں نے عقائد کو یہ وسعت دی اور ان کی ایسی تفصیل کی کہ وہ سرتاپا خیالی فلسفہ بن گئے' جس سے تصوریت عملیت پر غالب آ گئی اور انسانوں کے قوائے عمل سرد ہو گئے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم نے علم و عمل تصور اور فعل عقلیت اور عملیت میں لزوم ثابت کیا' مگر اصلی زور انسان کی عملیت پر صرف کیا اور عقائد کے اتنے ہی حصہ کا یقین و اقرار ضروری قرار دیا جو دل کی اصلاح کرے اور عمل کی بنیاد' اخلاق و عبادات کی اساس قرار پا سکے' عقائد کے فلسفیانہ الجھاؤ اور تصورات و نظریات کی تشریح و تفصیل کر کے عملیت کو برباد نہیں کیا چند سیدھے سادے اصول جو تمام ذہنی سچائیوں اور واقعی حقیقتوں کا جوہر اور خلاصہ ہیں ان کا نام عقیدہ اور ان پر یقین کرنے کا نام ایمان رکھا' آپ نے صریح الفاظ میں عقائد کے صرف پانچ اصول تلقین کیے' خدا پر ایمان' خدا کے فرشتوں پر ایمان' خدا کے رسولوں پر ایمان' خدا کی کتابوں پر ایمان اور اعمال' جزا اور سزا کے دن پر ایمان۔

یہ تمام وہ حقائق ہیں جن پر دل سے یقین کرنا اور زبان سے ان کا اقرار کرنا ضروری ہے ان کے بغیر خالص عمل کا وجود نہیں ہو سکتا' اللہ تعالیٰ پر ایمان کہ وہ اس جہان کا تنہا خالق اور مالک ہے اور ہر ظاہر و باطن سے آگاہ ہے تاکہ وہی ہمارے کاموں کا قبلہ مقصود قرار پا سکے اور اسی کی رضاجوئی اور اسی کی مرضی کی تکمیل ہمارے اعمال کی تنہا غرض و غایت ہو اور ہم جلوت کے سوا خلوت میں بھی گناہوں اور برائیوں سے بچ سکیں اور ہر نیکی کو اس لیے کریں اور ہر برائی سے اس لیے بچیں کہ یہی ہمارے خالق کا حکم اور یہی اس کی مرضی ہے' اس طرح ہمارے اعمال ناپاک اغراض اور

(۱) متی

Marfat.com

ناجائز خواہشوں سے مبرا ہو کر خالص ہو سکیں اور جس طرح ہمارے جسمانی اعضاء گناہوں سے پاک ہوں ہمارے دل بھی ناپاک خیالات اور ہوا و ہوس کی آمیزش سے پاک ہوں اور اس کے احکام اور اس کے پیغام کی سچائی پر دل سے ایسا یقین ہو کہ ہمارے ناپاک جذبات' ہمارے غلط استدلالات' ہماری گمراہ خواہشیں بھی اس یقین میں شک اور تذبذب پیدا نہ کر سکیں۔

خدا کے رسولوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ خدا کے ان احکام اور ہدایات اور اس کی مرضی کا علم ان ہی کے واسطہ سے انسانوں کو پہنچا ہے اگر ان کی صداقت سچائی اور راست بازی کو کوئی تسلیم نہ کرے تو پیغام ربانی اور احکام الٰہی کی صداقت اور سچائی بھی مشکوک و مشتبہ ہو جائے اور انسانوں کے سامنے نیکی نزاہت اور معصومیت کا کوئی نمونہ موجود نہ رہے جو انسانوں کے قوائے عملی کی تحریک کا باعث بن سکے پھر اچھے اور برے صحیح اور غلط کاموں کے درمیان ہماری عقل کے سوا جو ہمارے جذبات کی محکوم ہے کوئی اور چیز ہمارے سامنے ہماری رہنمائی کے لیے نہیں ہو گی۔

خدا کے فرشتوں پر بھی ایمان لانا واجب ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسولوں کے درمیان قاصد اور سفیر ہیں' مادیت اور روحانیت کے مابین واسطہ ہیں' مخلوقات کو قانون الٰہی کے مطابق چلاتے ہیں اور ہمارے اعمال و افعال کے ایک ایک حرف کو ہر دم اور ہر لحظہ لکھتے جاتے ہیں تا کہ ہم کو ان کا اچھا یا برا معاوضہ مل سکے۔

خدا کے احکام و ہدایات جو رسولوں کے ذریعہ انسانوں کو پہنچائے گئے ان کو دور دراز ملکوں اور آئندہ نسلوں تک پہنچانے کے لیے ضروری ہوا کہ وہ تحریری شکلوں یعنی کتابوں اور صحیفوں میں یا لفظ و آواز سے مرکب ہو کر ہمارے سینوں میں محفوظ رہیں' اس لیے خدا کی کتابوں اور صحیفوں کی صداقت پر اور جو کچھ ان میں ہے اس کی سچائی پر ایمان لانا ضروری ہے' ورنہ رسولوں کے بعد خدا کے احکام اور ہدایتوں کے جاننے کا ذریعہ مسدود ہو جائے اور ہمارے لیے نیکی و بدی کی تمیز کا کوئی ایسا معیار باقی نہ رہے جس پر تمام ادنیٰ و اعلیٰ جاہل و عالم' بادشاہ اور رعایا سب متفق ہو سکیں۔

اعمال کی باز پرس اور جواب دہی کا خطرہ نہ ہو' اور اس کے مطابق جزا اور سزا کا خیال نہ ہو تو دنیاوی قوانین کے باوجود دنیائے انسانیت سراپا درندگی اور بہیمیت بن جائے' یہی وہ عقیدہ ہے جو انسانوں کو جلوت و خلوت میں ان کی ذمہ داری محسوس کراتا ہے اس لیے روز جزا اور یوم آخرت پر ایمان رکھے بغیر انسانیت کی صلاح و فلاح ناممکن ہے' اسی لیے محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم نے اس پر بے حد زور دیا ہے بلکہ مکی وحی کی تلقین کا بیشتر حصہ اسی کی تلقین اور تبلیغ پر مشتمل ہے۔

یہی پانچ باتیں اسلام کے ایمانیات کے اصلی عناصر ہیں' یعنی اللہ تعالیٰ پر اس کے تمام رسولوں پر' اس کی کتابوں پر اس کے فرشتوں پر اور روز جزا پر ایمان لانا' یہ عقائد خمسہ یکجا طور پر سورۂ بقرہ میں متعدد دفعہ کہیں مجمل اور کہیں مفصل بیان ہوئے ہیں۔

﴿اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ..... وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ (بقرہ : ۱)	''جو لوگ غیب (خدا) خدا کی صفات اور ملائکہ پر ایمان رکھتے ہیں ......اور جو کچھ تم پر (اے محمد) اترا اور تم سے پہلے (پیغمبروں) پر اترا اس پر یقین رکھتے ہیں (یعنی انبیاء اور ان کی کتابوں پر)۔''

Marfat.com

﴿وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ (بقرہ ۱) ''اور آخرت (روز جزا) پر یقین رکھتے ہیں۔''

یہ تو سورہ کے آغاز کی آیتیں ہیں' سورہ کے بیچ میں پھر ارشاد ہوا۔

﴿وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ﴾ (بقرہ: ۲۲)

''اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو شخص خدا پر آخری دن پر فرشتوں پر اور کتاب پر اور سب نبیوں پر ایمان لائے۔''

سورۃ کے آخر میں ہے۔

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ﴾ (بقرہ: ۴)

''پیغمبر پر جو کچھ اتارا گیا اس پر وہ خود اور تمام مومن ایمان لائے سب خدا پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے۔''

سورۂ نساء میں ان ہی عقائد کی تعلیم ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا﴾ (نساء: ۲۴)

''اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو' ایمان لاؤ خدا پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس سے پہلے اتاری اور جو شخص خدا کا اس کے فرشتوں کا اس کی کتابوں کا اس کے پیغمبروں کا اور روز آخرت کا انکار کرے گا وہ سخت گمراہ ہوا۔''

☆☆☆

Marfat.com

اللہ تعالیٰ پر ایمان

﴿اٰمن باللہ﴾

ایک قادر مطلق اور بہمہ صفت موصوف ہستی پر یقین اور اس کو ایک جاننا تعلیم محمدی کی پہلی ابجد ہے' اسلام سے پہلے جو مذاہب تھے باوجود اس کے کہ خدا کی توحید اور صفات پر ایمان رکھنا ان کے اصول میں بھی داخل تھا۔ مگر ان کی تعلیمات میں ترتیب مفقود تھی اور یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان کی نگاہ میں توحید کا مسئلہ اہمیت کے کس درجہ پر ہے آنحضرت ﷺ کی تعلیم نے اس مسئلہ کی اصلی اہمیت محسوس کی اور اس کو اپنے نصاب درس کا پہلا سبق اور روحانی معارف وحقائق جسمانی اور اعمال واخلاق کا سر بنیاد قرار دیا' خدا اگر چاہے تو انسان کے تمام گناہوں سے درگزر کر سکتا ہے مگر اسی ایک حقیقت سے انکار وہ جرم ہے جس کو وہ کبھی معاف نہ فرمائے گا۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ (نساء : ۱۸) ''یقیناً خدا شرک کو معاف نہ کرے گا اور اس کے سوا جس کے جو گناہ چاہے معاف کر دے۔''

پھر اسی کے ساتھ خالص توحید کا بیان اسماء وصفات کی تشریح' شرک کے ہر پہلو کی نفی اور توحید کے ہر پہلو کی تکمیل' تعلیم محمدی کی امتیازی شان ہے' معلوم ہو چکا ہے کہ نبوت محمدیہ کی غرض و غایت صرف تخیل' نظریہ آرائی اور الٰہیاتی فلسفہ نہ تھا' بلکہ ایک زندہ قوم' جدو جہد اور عمل والی قوم' اخلاص وایثار اور نیکی وتقویٰ والی قوم کو پیدا کرنا تھا' اور اس کو تمام دنیا کی پیشوائی کے لیے نمونہ عمل بنانا تھا' اس لیے سب سے پہلے اہل عرب کو جو اس کے مخاطب اول تھے' رموز و اسرار توحید کا اس طرح حامل بنانا تھا کہ ان کے رگ و ریشہ میں ولولہ اور جوش کا ایک نشہ پیدا ہو جائے' اس کے لیے ضرورت تھی کہ سب سے پہلے زمین کو ہموار کیا جائے' شرک کے وہ تمام عقائد جو عربوں میں پھیلے ہوئے تھے ان کو مٹا دیا جائے اور جن وجوہ اور اسباب سے شرک کے یہ عقائد پیدا ہوتے ہیں ان کی بیخ کنی کی جائے۔

اصلاح عقائد:

معلوم ہو چکا ہے کہ عرب میں جہالت اور وحشت کی وجہ سے سینکڑوں غلط عقائد اور توہمات پھیل گئے تھے اور دنیا کے دوسرے مذاہب کے عقائد میں بھی بہت سی غلطیاں داخل ہو گئی تھیں' ان میں سب سے زیادہ بدتر اور تمام برائیوں کا اصلی محور شرک تھا' اس لیے سب سے پہلے آنحضرت ﷺ نے اس کی اصلاح سے آغاز کیا۔

شرک اور بت پرستی کا اصلی زینہ اسباب وموثرات کا وجود ہے' خدا نے عالم میں ایک سلسلہ اسباب قائم کر دیا ہے اور عالم کے تمام واقعات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ لیکن یہ تمام سلسلہ ایک قادر مطلق کے دست قدرت میں ہے

Marfat.com

اوراس سلسلہ کی ایک کڑی بھی اس کے اشارہ کے بغیر جنبش نہیں کرسکتی' شرک اس طرح شروع ہوتا ہے کہ پہلے انسان ان اسباب وعلل میں سے بعض نمایاں اورقوی الاثر اسباب سے متاثر ہوتا ہے' اجرام فلکی کی عظمت' آفتاب وماہتاب کی نورافشانی' سمندر کا پرزور تلاطم عناصر کی نیرنگ آرائیاں انسان کومبہوت کردیتی ہیں وہ ان کی عظمت وتاثیر سے متاثر پھر منفعل اور بالآخران کا غلام بن جاتا ہے اعتقاد کے پہلے مرحلہ میں انسان غوررسی کے دعویٰ سے اس قدر امتیاز اور تفریق کرتا ہے کہ یہ چیزیں خود خدایا معبود نہیں ہیں لیکن یہ تمیز آخرتک قائم نہیں رہتی بلکہ رفتہ رفتہ خوش اعتقادی کا اثر غالب آتا جاتا ہے اور یہ چیزیں خدا کی شریک بنتی جاتی ہیں یہاں تک کہ اصلی مسبب الاسباب نظر سے بالکل اوجھل ہو جاتا ہے۔

شرک کی جوگونا گوں صورتیں دنیا میں موجود ہیں اور جس طرح آنحضرت ﷺ نے ان کا استیصال کیا' ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) دنیا کی مشہور قوموں سے عیسائی اور مجوسی علانیہ مشرک تھے یعنی تین اور دو خدا مانتے تھے' ہندو بھی اسی کے قریب قریب تھے ان مذہبوں کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ خدا کے جومختلف نمایاں اور اہم اوصاف ہیں' ان کا مستقل اور مجسم وجود قایم ہوگیا' مثلاً صفت خلق اور احیاء واماتت برہما بشن مہیش کے نام سے موسوم ہیں' مجوسیوں نے دیکھا کہ دنیا میں جس قدر اشیاء اور افعال وحرکات ہیں سب باہم متضاد ہیں' نور وظلمت پستی وبلندی' یمین وشمال' نرم وسخت' رات دن' خیر وشر' حلم وغضب غرور وخاکساری' فسق وصلاح کوئی چیز مقابلہ اور تضاد سے خالی نہیں' اس لیے ایسے دو متضاد عالم کا خالق ایک نہیں ہوسکتا' اس بناپر انہوں نے دوخدا تسلیم کیے اور ان کا نام یزدان اور اہرمن یا نور وظلمت رکھا۔

قرآن مجید میں تمام احکام نہایت تدریج کے ساتھ نازل ہوئے ہیں' یہاں تک کہ ۱۲ برس کی وسیع مدت تک روزہ' زکوۃ اور حج کچھ فرض نہیں ہوا تھا لیکن شرک کا استیصال کلی نبوت کا پہلا سبق تھا۔

سورۂ زمر مکہ میں نازل ہوئی اوراسی سورت میں شرک کی تمام صورتیں مٹادی گئیں' تمام دیگر سورتوں میں نہایت کثرت سے اس قسم کے شرک اور ابطال اور رد کیا ہے' اس لیے اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔

مجوسیوں کے شرک کی بنیاد اس پر تھی کہ افعال خیر وشر کا ایک خالق نہیں ہوسکتا۔ ورنہ لازم آئے گا کہ خدا شر کو پیدا کرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو شخص برائی کے پیدا ہونے کو جائز رکھتا ہے' وہ خود اچھا نہیں ہوسکتا' اس لیے قرآن مجید میں نہایت کثرت سے تصریحات آئیں کہ جن کو ہم خیر وشر کہتے ہیں سب کا فاعل خدا ہے' آنحضرت ﷺ نے نہایت تصریح وتاکید کے ساتھ تعلیم کی کہ جو کچھ ہوتا ہے سب خدا کے حکم سے ہوتا ہے' باقی یہ مسئلہ کہ بری چیز کا خالق اچھا نہیں ہوسکتا' اولاً تو یہ مغالطہ آمیز غلطی ہے' ایک صناع مصور اگر ایک نہایت بدصورت جانور کی تصویر نہایت اچھی کھینچے تو اس کے کمال مصوری پر اس سے کچھ داغ نہیں آئے گا کہ جانور خود برا ہے' دوسرے یہ کہ اسلام نے اس مسئلہ کی جس اصلی گرہ کو کھولا ہے وہ یہ ہے کہ اشیاء بذاتہ خیر وشر نہیں ہیں بلکہ وہ اپنے صحیح یا غلط طریقہ استعمال سے خیر وشر ہو جاتی ہیں' آگ بجائے خود نہ خیر ہے نہ شر' اگر اس سے اچھا کام کیا جائے تو خیر ہے اور برا لیا جائے تو شر ہے' زہر نہ اچھا ہے نہ برا۔ اگر اس کو بیماریوں کے استیصال میں استعمال کیا جائے تو خیر ہے اور اگر کسی بے گناہ کے قتل میں استعمال کرو تو شر

Marfat.com

ہے اسی طرح دوسری اشیاء کے بھی خیر وشر کے دونوں پہلو ہیں نہ کوئی شے دنیا میں خیر مطلق ہے نہ کوئی شر محض اسی لیے قرآن نے شر کی نسبت خدا کی طرف نہیں کی ہے بلکہ خود انسان کی طرف کی ہے۔

﴿اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِى الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾ (جن : ۱)

''آیا اہل زمین کے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے پروردگار نے ان کو راہ پر لانا چاہا ہے۔''

﴿مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾ (نساء:۱۱)

''تجھ کو جو نیکی پہنچی تو وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو مصیبت پہنچی وہ خود تیری طرف سے ہے۔''

﴿اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (آل : ۷)

''کیا جب تم کو کوئی مصیبت پہنچی جس کی دوگنی تم ان کو پہنچا چکے ہو تو تم نے کہا یہ کہاں سے آئی' کہہ دے کہ خود تمہاری طرف سے ہے خدا ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔''

الغرض کسی شے کا ایسا پیدا کرنا جس میں خیر وشر کے دونوں پہلو ہیں' شر نہیں ہے' ان میں اس کے شر کے پہلو کو استعمال کرنا اور کام میں لانا شر ہے' ڈاکٹر بہت سی بیماریوں کے لیے زہریلی دوائیں بناتے ہیں مگر یہ شر نہیں' البتہ جب کوئی شریر ان دواؤں سے ان امراض کے ازالہ کے بجائے کسی کی جان لے لیتا ہے تو وہ شر ہے' حاصل یہ کہ اس دنیا میں جب خیر وشر اشیاء میں بذاتہ نہیں ہے تو اچھی چیزوں کے لیے الگ الگ اور بری چیزوں کے لیے خالق تسلیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ خالق ایک ہی ہے دو نہیں ہیں۔

﴿وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّاىَ فَارْهَبُوْنَ وَ لَهٗ مَافِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾

''اور خدا نے کہا کہ دو خدا نہ بناؤ وہ ایک ہی خدا ہے تو مجھی سے ڈرو اور اسی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔''

بزرگوں کی مشرکانہ تعظیم سے روکنا:

(۲) شرک کا بہت بڑا ذریعہ کسی خاص شخص' کسی خاص شے کی تعظیم مفرط ہے جس کو شخص پرستی یا یادگار پرستی سے تعبیر کر سکتے ہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام علیہ السلام رام چندر کرشن کو اسی خوش اعتقادی نے آدمی سے خدا بنا دیا' اس بنا پر قرآن مجید میں نہایت پر زور اور پر رعب الفاظ میں شخص پرستی کی تحقیر کی گئی۔

﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَاتَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ (نساء)

''اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے زیادہ نہ بڑھ جاؤ اور خدا کی نسبت وہی کہو جو حق ہے' مسیح یعنی عیسیٰ بن مریم صرف خدا کے پیغمبر ہیں۔''

﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَ مَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا﴾ (نساء:۲۴)

''مسیح کو خدا کا بندہ ہونے سے ہرگز عار نہیں اور نہ مقرب فرشتوں کو (عار ہے) اور جس شخص کو خدا کی بندگی سے عار ہوگا اور بڑائی کرے گا تو خدا سب کو عن قریب اپنے حضور میں بلائے گا۔''

Marfat.com

﴿لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ قُلْ فَمَنْ یَّمْلِکُ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ یُّهْلِکَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَ اُمَّهٗ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَ لِلّٰهِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا یَخْلُقُ مَایَشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ (مائدہ:۳)

''وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم خدا ہیں کہہ دو کہ اگر خدا یہ چاہے کہ مسیح بن مریم کو اس کی ماں کو اور دنیا میں جو کچھ ہے سب کو برباد کر دے تو کون ہے جو خدا کو روک لے اور خدا ہی کے لئے آسمان و زمین اور جو چیزیں ان دونوں میں ہیں سب کی حکومت ہے وہ جو چاہے کرے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔''

﴿وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ اِنْ کُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ﴾ (مائدہ:۱۶)

''اور جب خدا کہے گا کہ کیوں عیسیٰ تم نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھ کو اور میری ماں کو خدا کہو' عیسیٰ عرض کریں گے کہ سبحان اللہ میری یہ مجال کہ میں ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے حق نہیں' اگر میں نے کہا ہوگا تو تو جانتا ہوگا' تو میرے دل کی بات جانتا ہے اور میں تیرے دل کی بات نہیں جانتا' تو بڑا غیب دان ہے۔ میں نے لوگوں سے صرف وہی کہا تھا جس کا حکم تو نے مجھ کو دیا تھا یعنی یہ کہ خدا کی عبادت کرو' جو میرا بھی خدا ہے اور تمہارا بھی۔''

آنحضرت ﷺ باوجود اس کے کہ حاصل کون و مکان تھے' لیکن بار بار قرآن مجید میں تاکید آتی تھی۔

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ (کہف:۱۲)

''کہہ دے اے پیغمبر! کہ میں تو تمہاری ہی طرح آدمی ہوں لیکن یہ کہ میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے۔''

ایک خاص نکتہ غور کے قابل ہے' جس قدر جلیل القدر انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں ان کے خاص خاص لقب ہیں مثلاً حضرت موسیٰ کلیم اللہ تھے' حضرت ابراہیم خلیل اللہ تھے اور حضرت عیسیٰ روح اللہ تھے لیکن آنحضرت ﷺ باوجود اس کے کہ اشرف انبیاء تھے۔ آپ کا کیا لقب تھا؟ اور کلمہ توحید میں' نماز میں' درود میں آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ کیا امتیازی وصف شامل کیا گیا؟ صرف رسالت اور عبدیت کا۔

﴿اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ﴾

''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بندے اور رسول ہیں۔''

اس میں بھی عبدیت کا وصف رسالت پر مقدم ہے' آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ بعض کفار کے حق میں دعائے بد کی' اس پر یہ آیت اتری۔[1]

﴿لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ (آل عمران)

''تم کو کچھ اختیار نہیں ہے' خدا چاہے گا تو ان پر توجہ کرے گا' یا ان کو عذاب دے گا کہ وہ ظالم ہیں۔''

آنحضرت ﷺ بعض کفار کی ہدایت پانے اور اسلام قبول کرنے کے نہایت خواہش مند تھے اس پر یہ آیت

(۱) بخاری غزوہ احد' یہ حدیث بخاری کے مختلف ابواب میں مذکور ہے۔

Marfat.com

نازل ہوئی۔

﴿اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾ (قصص) "تم جس کو چاہتے ہو اس کو ہدایت نہیں کر سکتے۔"

آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے لئے دعائے مغفرت کی' اس پر قرآن مجید میں آیا۔

﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ (توبہ: ۱۰) "تم ان کے لئے مغفرت چاہو یا نہ چاہو' اگر تم ان کے لئے ستر دفعہ بھی مغفرت چاہو گے تو خدا ان کی مغفرت نہ کرے گا۔"(۱)

آنحضرت ﷺ ہمیشہ ہر موقع پر اس امر کی تاکید اور اس کا لحاظ رکھتے تھے کہ لوگ آپؐ کی زائد از اعتدال مدح نہ کریں جو منجر ہو کر شرک تک پہنچ جائے۔ بار بار فرماتے تھے۔

﴿لا تطرونی کما اطری الیهود و النصاریٰ﴾ "میری شان میں اس طرح مبالغہ نہ کرو جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کی شان میں کیا۔"(۲)

ایک دفعہ آپؐ راستہ میں جا رہے تھے' ایک شخص نے دفعۃً آپ کو دیکھا اور اس پر اس قدر رعب طاری ہوا کہ کانپنے لگا آپ نے فرمایا ڈرو نہیں۔ میں ایک قریشی خاتون کا بیٹا ہوں' جو گوشت کو خشک کر کے کھایا کرتی تھی۔(۳)

بنو عامر کا وفد جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو لوگوں نے عرض کی کہ آپ ہمارے سید (آقا) ہیں آپ نے فرمایا' سید خدا ہے۔ لوگوں نے عرض کی کہ آپ ہم سب سے افضل اور سب سے برتر ہیں' آپ نے فرمایا اچھا یہ کہو دیکھو کہیں تم کو شیطان اپنا وکیل نہ بنائے'(۴) اصلی الفاظ یہ ہیں۔

ایک دفعہ ایک شخص نے ان الفاظ میں آپ کو مخاطب کیا' اے ہمارے آقا! اور ہمارے آقا کے فرزند! اور اے ہم میں سب سے بہتر اور سب سے بہتر کے فرزند' آپ نے فرمایا' لوگو! پرہیزگاری اختیار کرو' شیطان تمہیں گرا نہ دے' میں عبداللہ کا بیٹا محمدؐ ہوں' خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں' مجھ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا ہے' مجھے پسند نہیں کہ تم مجھے اس سے زیادہ بڑھاؤ۔(۵)

غور کرو کہ رسول کی شان میں یہ الفاظ ناجائز نہیں' مگر توحید کو شرک کے ہر شائبہ سے بچانے کا خیال ہر خیال پر غالب تھا۔

درمیانی واسطوں کا مشرکانہ اعتقاد:

(۳) شرک کا اصلی ضرر یہ ہے کہ خدا سے انسان کو جس درجہ کا تعلق جس قسم کا عجز و نیاز جس مرتبہ کی محبت' جس درجہ کی التجا درکار ہے' اس کا رخ دوسری جانب بدل جاتا ہے' ہزاروں لاکھوں آدمی ہیں' جو اچھی طرح جانتے ہیں کہ

(۱) بخاری کتاب التفسیر' تفسیر توبہ۔

(۲) بخاری جلد اول کتاب الانبیاء باب واذکر فی الکتاب مریم۔

(۳) شمائل ترمذی و مستدرک جلد ۳ ص ۴۸ علی شرط الشیخین واقعہ فتح مکہ۔

(۴) ادب المفرد امام بخاری باب ہل یقول سید وابوداؤد کتاب الادب باب کراہتہ التمادح۔

(۵) مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۱۵۳۔

Marfat.com

دیوتا کائنات اور زمین و آسمان کے خالق نہیں ہیں تاہم وہ ہر قسم کی حاجتیں اور مرادیں ان ہی دیوتاؤں اور معبودوں سے مانگتے ہیں' ان ہی کو حاجت روا جانتے ہیں' اٹھتے بیٹھتے ان ہی کا نام لیتے ہیں' ان ہی پر نذر و نیاز چڑھاتے ہیں۔ غرض براہ راست ان کو جو تعلق ہوتا ہے ان ہی معبودوں سے ہوتا ہے' خود مسلمانوں میں ہزاروں' لاکھوں آدمیوں کا طرز عمل انبیاء و صلحاء بلکہ مزارات کی نسبت اس کے قریب قریب ہے' اس بناء پر مقدم ترین امر یہ ہے کہ معبودوں کی نسبت اس قسم کا خیال نہ پیدا ہونے پائے بلکہ صاف صاف بتا دیا جائے کہ خدا کے آگے کسی کی کچھ نہیں چل سکتی اور اس کی مرضی میں کوئی دست اندازی نہیں کر سکتا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے طلب مغفرت کا وعدہ کیا تو ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا۔

﴿لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ وَ مَآ اَمْلِکُ لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ﴾ (ممتحنہ : ۱)

''میں آپ کے لیے مغفرت کی درخواست ضرور کروں گا لیکن مجھ کو خدا کے سامنے آپ کی نسبت کوئی اختیار نہیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت مانگی تھی' وہ نہیں ملی' البتہ یہ اجازت ہوئی کہ میں ان کی قبر کی زیارت کرلوں۔ (۱)

قرآن مجید میں جب یہ آیت اتری ﴿و انذر عشیرتک الاقربین﴾ تو آپ نے خاندان کے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا' اے قریشیو! اے اولاد عبدالمطلب! اے عباس! اے صفیہ اے فاطمہ! میرے مال میں سے جو مانگو میں دے سکتا ہوں' لیکن خدا کے ہاں میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ (۲)

قرآن مجید میں نہایت کثرت اور نہایت تشدد کے ساتھ اس مضمون کو ادا کیا گیا کہ تم لوگ جن کو حاجت روا سمجھتے ہو اور جن سے حاجتیں مانگتے ہو' ان کو کارخانہ ہستی میں کسی قسم کا اختیار نہیں۔

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ فَلَا یَمْلِکُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَ لَا تَحْوِیْلًا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل:۶)

''کہہ دو کہ خدا کے علاوہ تم جن کو پکارتے ہو وہ تمہاری مصیبت کو ہٹانے یا بدلنے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے' جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں' وہ بھی زیادہ قرب حاصل کرنے کے لیے خود خدا ہی کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بے شبہ تیرے خدا کا عذاب ڈرنے ہی کے قابل ہے۔''

خوارق خدا کے حکم سے ہوتے ہیں:

(۴) شرک کا ایک بڑا ذریعہ خوارق عادات کی نسبت غلط فہمی ہے' جن اشخاص سے خوارق عادات سرزد ہوتے ہیں' ان کے نسبت لوگوں کو پہلے یہ خیال آتا ہے کہ یہ خود خدا نہیں ہیں لیکن ان میں خدائی کا شائبہ ضرور ہے ورنہ ایسے افعال کیونکر سرزد ہوتے جو قدرت انسانی سے بالاتر ہیں یہی خیال رفتہ رفتہ دیوتا اور اوتار تک ترقی کرتا ہے اور بالآخر

(۱) صحیح مسلم کتاب الجنائز۔

(۲) یہ روایت اس آیت کی تفسیر میں تمام تفسیروں اور حدیث کی کتابوں میں منقول ہے۔

Marfat.com

خدائی تک پہنچادیتا ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس بناء پر آج چالیس کروڑ آدمیوں کے خدا یا خدا کے بیٹے ہیں۔

لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہوتا کہ انبیاء علیہم السلام سے معجزات صادر ہوتے ہیں اور یہ امر خصائص نبوت میں سے ہے' تاہم یہ مسئلہ اسلام کے زمانہ تک مشتبہ اور مجمل رہا' قرآن مجید میں اس کے متعلق حسب ذیل امور بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) معجزات صادر ہو سکتے ہیں اور خدا اپنے مقبول بندوں کو معجزات عطا کرتا ہے۔

﴿وَ قَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (انعام : ۴)

''اور کفار کہتے ہیں کہ ان (آنحضرت ﷺ) پر کوئی معجزہ خدا کے یہاں سے کیوں نہیں اترا کہہ دو کہ خدا اس پر قادر ہے کہ معجزہ نازل کرے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

(۲) باوجود اس کے کفار کو معجزہ طلبی سے روکا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ نبوت اور رسالت معجزہ پر موقوف نہیں۔

﴿وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (رعد : ۱)

اور کافر کہتے ہیں کہ ان (آنحضرتؐ) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ نازل ہوئی بے شک تو صرف ڈرانے والا ہے۔ اور ہر قوم کی طرف ایک ہدایت دینے والا بھیجا گیا۔

﴿وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل : ۱۰)

''اور کفار کہتے ہیں کہ ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک تم زمین سے چشمے نہ نکال دو یا تمہارے پاس کھجوروں یا انگوروں کا باغ نہ ہو کہ جس کے بیچ میں تم نہریں جاری کردو' یا آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر نہ گرادو' جیسا کہ تمہارا گمان تھا یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے نہ لے آؤ' یا تمہارا گھر سونے کا نہ بن جائے یا تم آسمان پر نہ چڑھ جاؤ اور ہم تو اس چڑھنے پر بھی یقین نہ لائیں گے جب تک ہم پر کوئی کتاب نہ اتارو جس کو ہم خود پڑھیں کہہ دو کہ سبحان اللہ میں تو صرف بشر ہوں اور رسول ہوں۔''

(۳) جو معجزے اس آیت میں کفار نے طلب کیے وہ ناممکن باتیں نہ تھیں' تاہم خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو جواب تلقین کیا' وہ یہ تھا کہ میں تو بشر ہوں' دوسری جگہ اس کا جواب یہ دیا کہ معجزے تو خدا کے پاس ہیں یعنی معجزے صادر ہوں گے تو یہ میرا فعل نہ ہوگا بلکہ خدا کا ہوگا۔

﴿وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ

''اور کفار کہتے ہیں کہ ان (آنحضرت ﷺ) پر ان کے خدا کے یہاں سے معجزے کیوں نہیں اترے کہہ دو کہ معجزے تو خدا کے ہاں ہیں اور میں تو صاف صاف ڈرانے والا ہوں کیا ان (کفار) کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے تمہارے اوپر کتاب (قرآن)

Marfat.com

﴿ذٰلِکَ لَرَحۡمَۃً وَّ ذِکۡرٰی لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ﴾ (عنکبوت : ۵) اتاری جو ان پر تلاوت کی جاتی ہے' اس میں بے شبہ ایمان والوں کے لیے رحمت اور یاد رکھنے کی چیز ہے۔''

اسی لیے معجزات کے ذکر میں ہمیشہ ﴿باذن اللہ﴾ (خدا کی اجازت) کے الفاظ استعمال ہوئے۔

حرام وحلال کرنا خدا کا کام ہے:

(۶) شرک کی ایک قسم یہ تھی کہ انبیاء یا پیشوایان مذہبی کو تحریم و تحلیل کا مجاز سمجھتے تھے یعنی وہ جس چیز کو چاہیں حرام کردیں اور جس چیز کو چاہیں حلال ٹھہرا دیں' قرآن مجید میں جب یہ آیت اتری۔

﴿اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَہُمۡ وَ رُہۡبَانَہُمۡ اَرۡبَابًا﴾ (توبہ : ۵) ''ان لوگوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو رب بنالیا ہے۔''

تو حضرت عدیؓ نے جو حاتم طائی کے فرزند اور اسلام لانے سے پہلے عیسائی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ہم لوگ اپنے پیشوایان مذہبی کو اپنا رب تو نہیں سمجھتے تھے' آپ نے ارشاد فرمایا کیا تم لوگوں کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ یہ لوگ جس چیز کو چاہیں حلال اور جس کو چاہیں حرام کردیں عرض کی کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا یہی رب بنانا ہے۔[1] عموماً اہل مذاہب پیغمبروں کو شارع مستقل سمجھتے ہیں لیکن یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے' شریعت کی تاسیس حلال و حرام کی تعیین' جائز و ناجائز کی تفریق امر و نواہی کے احکام یہ سب خدا کے ساتھ مخصوص ہیں' پیغمبر صرف مبلغ اور پیغام رساں اور تعلیم الٰہی سے ان احکام کے شارح اور بیان کرنے والے ہیں' اسی بنا پر قرآن مجید میں ذات نبوی کی صفات رسالت کو بار بار تاکید اور صرار کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے۔

﴿وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ﴾ (آل عمران : ۵) ''محمد تو صرف ایک رسول ہے' اس سے پہلے اور رسول گزر چکے ہیں۔''

﴿اِنَّمَا الۡمَسِیۡحُ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ﴾ (نسآء : ۲۳) ''مریم کا بیٹا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا صرف رسول تھا۔''

اس حصر سے مقصود یہ ہے کہ انبیاء میں خدائی کی کوئی صفت نہیں ہوتی' بلکہ جو کچھ ان میں ہے وہ رسالت اور نبوت کے اوصاف ہیں۔

غیر خدا کی مشرکانہ تعظیم:

(۷) شرک کا ایک بڑا ذریعہ یہ تھا کہ جو اعمال اور آداب خدا کے ساتھ مخصوص ہیں وہ اوروں کے ساتھ بھی برتے جاتے تھے' یہ اگرچہ شرک فی العبادۃ یا شرک فی الصفات ہے لیکن رفتہ رفتہ شرک فی الذات تک منجر ہوتا ہے سجدۂ عبادت خدا کے ساتھ مخصوص ہے لیکن کفار اور دیگر اہل مذاہب بتوں اور مقتدایان دینی کو بھی سجدہ کرتے تھے اور سلاطین و امراء کو تو سجدہ کرنا عام طور سے رائج تھا' آنحضرت ﷺ نے نہایت سختی سے اس کو روکا بنو اسرائیل میں سجدہ

(۱) جامع ترمذی و ابن کثیر تفسیر آیت مذکور۔

Marfat.com

تعظیمی یا سجدہ محبت جائز تھا۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ کو ان کے والدین نے سجدہ کیا تھا' لیکن چونکہ اسلام میں توحید کو انتہائے کمال تک پہنچانا تھا۔ سجدہ تعظیمی بھی منع کر دیا گیا' ایک دفعہ ایک صحابی خدمت اقدس میں آئے اور عرض کی کہ میں نے اہل عجم کو دیکھا ہے وہ اپنے رئیسوں کو سجدہ کرتے ہیں' آپؐ اجازت دیں تو ہم آپ کو سجدہ کریں۔ آپ نے فرمایا تو کیا میری قبر پر گزرو گے تو اس کو سجدہ کرو گے عرض کی نہیں۔ فرمایا تو اب بھی نہ کرو' اگر میں کسی کو دوسرے کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دے سکتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے[1] اسی طرح ایک اور صحابی ملک شام سے آئے تو آپؐ کے آگے سجدہ کیا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ تم نے کیا کیا۔ عرض کی کہ میں نے شام میں رومیوں کو دیکھا کہ وہ اپنے مذہبی افسروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ تو میرا جی چاہا کہ میں بھی آپ کو سجدہ کروں' فرمایا ایسا نہ کرو' اگر میں کسی کو خدا کے سوا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔[2]

صفات الٰہی کی توحید:

(۸) شرک کی ایک قسم یہ ہے کہ خدا کے ساتھ جو اوصاف مخصوص ہیں وہ اوروں میں تسلیم کیے جائیں۔ جس کا یہ قدرتی نتیجہ ہے کہ وہ شرکت وصف کی بنا پر خدا کے شریک اور ہمسر بن جائیں ان میں سے ایک وصف علم غیب ہے' اکثر اہل مذاہب اعتقاد رکھتے تھے اور اب بھی رکھتے ہیں کہ انبیاء اور اولیاء کو علم غیب ہوتا ہے' بنی اسرائیل کے زمانہ میں کاہنوں کا یہی کام تھا کہ وہ آئندہ واقعات کی پیشین گوئیاں کیا کرتے تھے' کبھی فال سے کبھی پانسے پھینک کر اور کبھی یہ ظاہر کر کے کہ ان کو جنات غیب کا حال بتا جاتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت تاکید اور استقصاء کے ساتھ اس اعتقاد کو مٹایا اور علم غیب کی تمام صورتیں باطل کیں' خود قرآن مجید میں نہایت کثرت سے اس کے متعلق آیتیں نازل ہوئیں۔

﴿وَ عِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ لَا یَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ﴾ (انعام : ۷)
''اور خدا کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو خدا کے سوا کوئی جانتا۔''

آنحضرت ﷺ نے اس اجمال کی تفصیل بیان فرمائی اور فرمایا کہ مفاتح غیب پانچ ہیں جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔[3]

(۱) حمل یعنی لڑکا ہو گا یا لڑکی۔
(۲) کل کیا ہو گا۔
(۳) بارش کب ہو گی۔
(۴) کس جگہ موت آئے گی۔
(۵) قیامت کب آئے گی۔

---

(۱) ابوداؤد کتاب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ۔
(۲) ابن ماجہ حق الزوج علی المرأۃ۔
(۳) صحیح بخاری کتاب الرد علی الجہمیہ میں یہ تفصیل مذکور ہے۔

Marfat.com

اگرچہ علم غیب کی اور بھی صورتیں ہیں لیکن زیادہ تر ان ہی امور کی نسبت لوگ علم غیب کے مدعی تھے اور ان ہی باتوں کو لوگ پہلے سے جاننے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔

یہاں تک کہ خود اپنی ذات سے بھی علم غیب کی نفی کی' ایک دفعہ ایک شادی کے موقع پر آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے' انصار کی چند لڑکیاں گا رہی تھیں' گاتے گاتے انہوں نے یہ گانا شروع کیا۔

و فینا رسول یعلم ما فی غد. [1] ''اور ہم میں ایک ایسا پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔''

آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا کہ یہ نہ کہو' وہی کہو جو پہلے گا رہی تھیں [2] اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو خاص حکم دیا کہ آپ اس حقیقت کو واضح کر دیں۔

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ﴾ (انعام : ۵) ''کہہ دو کہ اے پیغمبر کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں۔''

اور غیب کا علم صرف خدا کی صفت ہے۔

﴿قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (نمل : ۵) ''کہہ دے اے پیغمبر کہ خدا کے سوا آسمانوں میں اور زمین میں کوئی غیب نہیں جانتا۔''

غیب دانی کے مدعی کاہن جو عرب کی گلی گلی میں خدع و فریب کا جال پھیلائے بیٹھے رہتے تھے اور بت خانوں میں خدائی کرتے تھے' ان کی سطوت خاک میں مل گئی' بت خانے ویران ہو گئے تو ان کے یہ پجاری بھی فنا ہو گئے صحابہ نے آ کر پوچھا کہ یارسول اللہ! ہم جاہلیت میں کاہنوں کے پاس جایا کرتے تھے' فرمایا ''اب نہ جایا کرو'' عرض کی ہم پرندوں سے فال لیا کرتے تھے' فرمایا یہ تمہارا وہم تھا' اس کے سبب سے اپنے ارادہ سے باز نہ آیا کرو' بعض لوگوں کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کاہن کچھ نہیں' انہوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ! ان کی بعض باتیں سچی بھی نکل آتی ہیں' فرمایا شیطان ایک آدھ بات سن لیتا ہے اور مرغی کی طرح قرقر قر کر کے اپنے دوست کے کانوں میں ڈالتا ہے اور وہ اس میں سو باتیں جھوٹ ملا دیتا ہے' کبھی فرمایا کہ فرشتوں کی زبان سے شیاطین فضائے آسمانی میں چوری چھپے کچھ سن لیتے ہیں اور کاہن اس میں سینکڑوں جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر بیان کرتے ہیں' جاہلوں میں کچھ ایسے مکار ہوتے ہیں جو چوری کا غائبانہ پتہ بتانے کا دعویٰ کرتے ہیں' عرب ان کو عراف کہتے تھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی کسی مال کا پتہ پوچھنے کے لیے کسی عراف کے پاس جائے گا اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہ ہو گی۔ [3] علم نجوم جس کے زور سے لوگ غیب کا حال دریافت کر لینے کے مدعی بنتے ہیں' آپ نے ان کا سیکھنا بھی جادو کی طرح گناہ بتایا ہے اور فرمایا کہ جو کسی کاہن کے پاس جا کر اس کی باتوں کو سچ سمجھے وہ محمد پر جو کچھ اترا ہے اس سے انکار کرتا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الرد علی الجہمیہ میں بتفصیل مذکور ہے۔

(۲) صحیح بخاری کتاب النکاح۔

(۳) مشکوۃ باب الکہانۃ میں صحیحین سے حدیثیں نقل کی ہیں' علم نجوم کی حرمت والی حدیث ابوداؤد۔ ابن ماجہ اور احمد سے کی ہے۔

Marfat.com

ان تعلیمات نے خدا کے علاوہ دوسروں کی غیب دانی کے عقیدہ کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا' کہانت کی گرم بازاری سرد ہوگئی' فال شگون بد' نجوم اور غیب دانی کے دوسرے خداعانہ طریقے مٹ گئے' پرندے اور پانسوں کے ذریعہ سے غیب کا حال دریافت کرنا وہم و وسوسہ قرار پایا' اور غیب کی مملکت پر خدا کے سوا کسی اور کی حکومت قائم نہ رہی۔

مخفی قوتوں کا ابطال:

(۹) کائنات میں خدا کے سوا جن غیبی اسباب و علل یعنی سحر و طلسم' جنات و شیاطین اور ارواح خبیثہ اور دوسری قسم کی قوتوں کی غیبی قدرت و تصرف کا اعتقاد تھا اور ان سے بچنے کے لیے ان کی دہائی پکاری جاتی تھی' نذر چڑھائی جاتی تھی' قربانی کی جاتی تھی' آنحضرت ﷺ کی تعلیم اور وحی نے ان تمام خرافات کا قلع قمع کر دیا' اور خدا کے سوا تمام دوسری مخفی اور پوشیدہ قوتوں کا ڈر انسانوں کے سینوں سے ہمیشہ کے لیے نکال کر پھینک دیا' اور دعاء و کلمات الٰہی کے علاوہ ہر نوع کی جھاڑ پھونک منتر' تعویذ' گنڈے ٹوٹکے جن میں کسی غیر خدا سے غیبی استمداد یا شرک کا کلمہ ہو کفر قرار پائے اسی قسم کے فاسد خیالات کے استیصال کے لیے ہر نماز میں اور نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ضمن میں اس آیت کے پڑھنے کا حکم دیا گیا۔

﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ﴾ (فاتحہ) (''اے عالم کے پروردگار) ہم تیرے ہی آگے سر جھکاتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔''

سحر و طلسم و جادو اور ٹوٹکے کے متعلق ارشاد خداوندی ہوا

﴿وَمَاهُمۡ بِضَآرِّیۡنَ بِهٖ مِنۡ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ وَ یَتَعَلَّمُوۡنَ مَا یَضُرُّهُمۡ وَ لَا یَنۡفَعُهُمۡ وَ لَقَدۡ عَلِمُوۡا لَمَنِ اشۡتَرٰهُ مَالَهٗ فِی الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ﴾ ''یہ جادو اور ٹوٹکے کرنے والے کسی کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے' لیکن خدا کے حکم سے اور یہ بیہودہ (جادو اور ٹوٹکے) سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان رساں ہیں نفع بخش نہیں اور یقیناً ان کو علم ہے کہ جو ان کو حاصل کرتا ہے اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔''

یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ سحر و جادو کی حقیقت وہم و تخیل سے زیادہ نہیں فرمایا۔

﴿یُخَیَّلُ اِلَیۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰی﴾ (طٰه : ۳) ''مصری جادوگروں کے جادو سے یہ اس کو خیال ہوتا تھا کہ وہ دوڑ رہے ہیں۔''

بلکہ بعض صحابہ نے ان مکار جادوگروں کے قلع قمع کے لیے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔[1] تاکہ انسانوں کے دلوں میں ان کا بھی خوف و ہراس بیٹھا ہوا ہے وہ دور ہو' ان کے اس عاجزانہ قتل ہونے سے یہ ثابت ہوا کہ ان میں کوئی غیر معمولی طاقت نہیں وہ بالکل بے بس ہیں۔

ابوداؤد میں ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ اب آپ کیا فرماتے ہیں۔؟ ارشاد فرمایا کہ تم اپنے منتر ہمارے سامنے پیش کرو' اگر ان میں شرک کی کوئی بات نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں' ایک صحابی نے ایک بیمار پاگل پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کی وہ اچھا ہو گیا' اس

(۱) جامع ترمذی باب ماجاء فی حد الساحر و ابوداؤد (باب اخذ الجزیۃ من المجوس۔

Marfat.com

نے ان کو انعام دیا انہوں نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے واقعہ عرض کیا فرمایا کہ میری عمر کی قسم! ہر جھاڑ پھونک باطل ہے لیکن تم نے سچی جھاڑ سے روزی کھائی' ایک اور صحابی روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

((ان الرقی و التمائم و التولة شرک)) (ابو داؤد و ابن ماجه) "بے شک جھاڑ پھونک گنڈے اور میاں بیوی کے چھڑانے کے تعویذ شرک ہیں۔"

ان ہی صحابی کے گھر میں ایک بڑھیا آیا کرتی تھی' گھر والوں نے اس سے کسی بیماری کا کوئی ٹوٹکا کرایا' ایک دھاگہ پڑھ کر اس نے باندھ دیا تھا' وہ گھر آئے تو اس دھاگے پر ان کی نظر پڑی' انہوں نے ہاتھ بڑھایا اور اس کو توڑ کر پھینک دیا' پھر فرمایا کہ عبداللہ کا خاندان شرک کی باتوں سے مستغنی ہے' میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ جھاڑ پھونک گنڈے اور میاں بیوی کے چھڑانے کے تعویذ شرک ہیں' ان کی بیوی نے کہا کیا وجہ کہ ایک دفعہ میری آنکھوں میں کچھ پڑ گیا جب میں جھاڑتی تھی تو پانی رک جاتا تھا اور جب چھوڑ دیتی تھی تو پانی بھر آتا تھا۔ انہوں نے جواب دیا یہ شیطانی بات ہے تم نے کیوں نہ وہ کیا جو رسول اللہ ﷺ کرتے تھے۔ آنکھوں میں پانی ڈالتیں اور یہ دعا پڑھتیں۔ "اے لوگوں کے پروردگار! اس بیماری کو دور کر' تو ہی شفا دینے والا ہے' تیری شفا بخشی کے سوا کوئی شفا نہیں' ایسی شفا دے کہ پھر کوئی بیماری نہ ہو۔"

اوہام و خرافات کا ابطال:

(۱۰) وہ تمام اوہام و خرافات جن سے مشرک اہل عرب لرزہ براندام رہتے تھے اور جن کو وہ بالذات موثر اور متصرف سمجھتے تھے آنحضرت ﷺ نے ان کا طلسم توڑ دیا اور اعلان فرمایا کہ ان کی کوئی اصل نہیں فرمایا۔ [1]

لا عدوی و لا طیرة و لا صفر و لا هامة. (ابو داؤد و ابن ماجه) "نہ چھوت ہے۔ نہ بد فالی ہے' نہ پیٹ میں بھوک کا سانپ ہے نہ مردہ کی کھوپڑی سے پرندہ نکلتا ہے۔"

ایک اور صحابی کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔

العیافة و الطیرة و الطرق من الجبت. (ابو داؤد ابن ماجه) "پرندوں کی بولی سے فال لینا ان کے اڑنے سے فال لینا اور کنکری پھینک کر یا خط کھینچ کر حال بتانا شیطانی کام ہے۔"

ایک اور صحابی آپ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ فال نکالنا شرک ہے' پھر ان صحابی نے کہا کہ ہم صحابہ میں کوئی نہیں جو اس کو برا نہ سمجھتا ہو بلکہ خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ [2] یہ بھی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "پخھتر" (نو) کچھ نہیں۔ [3] یعنی پانی کی بارش میں اس کو بالذات کوئی دخل نہیں اسی طرح غول بیابانی کے متعلق عربوں کے جو معتقدات تھے ان کو آپؐ نے ایک لفظ سے باطل فرما دیا فرمایا۔

((لا غول)) (ابو داؤد باب فی الطیرة) "غول بیابانی کچھ نہیں۔"

(۱) یہ تمام روایتیں ابو داؤد جلد دوم باب التمائم و باب ما جاء فی الرقی اور ابن ماجہ باب تعلیق التمائم میں ہیں۔

(۲) ابو داؤد و ابن ماجہ ذکر فال۔

(۳) ابو داؤد ماجہ۔

Marfat.com

بحیرہ اور سائبہ وغیرہ جانوروں کے متعلق ان کے خیالات فاسدہ کا قرآن نے ابطال کیا۔ سورۂ انعام میں ان کے ان مشرکانہ عقائد اور اعمال کی بتصریح تردید کی گئی اور سورہ مائدہ میں فرمایا گیا۔

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّ لَا سَآئِبَةٍ وَّ لَا وَصِيْلَةٍ وَّ لَا حَامٍ﴾ (مائدہ : ۴) ''خدا نے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام نہیں ٹھہرایا۔''

بحیرہ: اس بچہ کو کہتے تھے جس کا کان پھاڑ کر بتوں کی نذر کیا کرتے تھے۔

سائبہ: اس جانور کو کہتے تھے جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔

وصیلہ: بعض لوگ نذر مانتے تھے کہ اگر بچہ نر ہوا تو اس کو بت پر چڑھائیں گے اور اگر مادہ ہوا تو اپنے پاس رکھیں گے۔ پھر اگر نر و مادہ پیدا ہوتے تو مادہ کے ساتھ نر بھی رکھ لیتے تھے' یہ وصیلہ تھا۔

حام: وہ اونٹ جس کے دس بچے بوجھ اٹھانے اور سواری کے لائق ہو چلتے تو دیوتا کے نام پر آزاد کر دیا جاتا تھا۔

یہ اور اس قسم کے دوسرے اوہام جو عرب میں پھیلے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا استیصال فرمایا' یہ اوہام پرستی حقیقت میں قوموں کی تباہی کا ایک بڑا سبب ہوتا ہے اور اوہام حقیقت کے خلاف ہونے کے علاوہ بہت سے کاموں میں خلل انداز ہوتے ہیں اور غور سے دیکھو تو ان کا سلسلہ بالآخر کسی نہ کسی شرک پر منجر ہوتا ہے اور انسان کو صحیح طریق عمل سے روک دیتے ہیں مثلاً بیماری میں طب کے قاعدہ کے موافق علاج کیا جائے تو مفید ہو گا لیکن بہت سے لوگ وہم پرستی کی بنا پر ٹونے ٹوٹکے کو دافعِ مرض سمجھتے ہیں' اس قسم کے اوہام عرب میں نہایت کثرت سے پھیلے ہوئے تھے آنحضرت ﷺ نے ان سب کو تصریح اور تعیین کے ساتھ باطل قرار دیا۔ مثلاً۔

(۱) عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مر جاتا ہے تو چاند اور سورج میں گرہن لگتا ہے' آپ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؑ نے جب انتقال کیا تو سورج گرہن لگا ہوا تھا' لوگوں نے خیال کیا کہ ان ہی کے مرنے کا اثر ہے' آنحضرت ﷺ نے سنا تو مسجد میں جا کر خطبہ دیا کہ چاند اور سورج خدا کی قدرت کے مظاہر ہیں' کسی کے مرنے سے ان میں گرہن نہیں لگتا۔ (۱)

(۲) یہ خیال تھا کہ سانپ اگر مارا جائے تو اس کا جوڑا آتا ہے اور انسان کو ہلاک کرتا ہے۔

(۳) ایک دفعہ آپ مسجد میں تشریف رکھتے تھے' ایک ستارہ ٹوٹا' آپؐ نے دریافت فرمایا کہ جاہلیت میں تم لوگ اس کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے تھے' لوگوں نے عرض کی کہ ہمارا اعتقاد تھا کہ جب کوئی بڑا مر جاتا ہے یا کوئی بڑا شخص پیدا ہوتا ہے تو ستارے ٹوٹتے ہیں' آپ نے فرمایا کہ کسی کے مرنے یا پیدا ہونے سے ستارے نہیں ٹوٹتے۔ (۲)

(۴) شیر خوار بچوں کے سرہانے استرا رکھ دیا کرتے تھے کہ ان کو جنات نہ ستانے پائیں' ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے دیکھا تو اٹھا کر پھینک دیا اور کہا کہ آنحضرت ﷺ ان باتوں کو ناپسند کرتے تھے۔ (۳)

---

(۱) صحیح بخاری باب صلوۃ الکسوف۔

(۲) مسند ابن حنبل جلد اول ص ۲۱۔ (۳) ادب المفرد باب الطیرۃ من الجن ص ۱۸۰' مصر۔

Marfat.com

(۵) نظر بد سے بچنے کے لیے اونٹوں کے گلے میں قلادہ لٹکاتے تھے آنحضرت نے حکم دیا کہ کسی اونٹ کے گلے میں قلادہ نہ رہنے پائے۔(۱)

الغرض توحید کامل کی تعلیم نے عربوں کے تمام مشرکانہ اوہام وخرافات کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیا' اسلام کی اس اصلاح کی اہمیت کا اندازہ عیسائیت کی ان مقدس روایات و حکایات سے کرو جنہوں نے صدیوں تک دنیا کو دیوؤں' بھوتوں اور چڑیلوں کے تسلط اور عذاب کے شکنجہ میں مبتلا رکھا' اور ان کو نکالنا اور بھگانا عیسائیت کا کمال اور اعجاز سمجھا جاتا رہا۔

کفارہ اور شفاعت کے غلط معنی کی تردید:

(۱۱) شرک کے اسباب میں ایک بڑا سبب کفارہ اور شفاعت کے وہ غلط معنی تھے جو عربوں اور عیسائیوں وغیرہ میں رائج تھے' عربوں نے شفاعت کے جو غلط معنی سمجھ رکھے تھے اس کا اصلی سبب ان کا وہ تخیل تھا جو خدا اور بندوں کے تعلق کی نسبت ان کے ذہن میں قائم تھا' وہ خدا اور بندوں کے درمیان وہی نسبت سمجھتے تھے جو ایک قاہر و جابر بادشاہ اور اس کی رعایا کے درمیان ہے' اور جس طرح بادشاہ کے دربار تک ایک عام اور معمولی رعایا کی رسائی دربار رس سفارشیوں اور مقربوں کے بغیر ممکن نہیں' اسی طرح اس شہنشاہ کے دربار میں بھی وہ اس کے دربار رس سفارشیوں اور مقربوں کے بغیر رسائی ممکن نہیں سمجھتے تھے' اسی لیے وہ ان درمیانی ہستیوں کے خوش رکھنے کی ضرورت کے بھی معتقد تھے' چنانچہ وہ اپنے بتوں' دیوتاؤں اور فرشتوں کو اسی نیت سے پوجتے تھے اور کہتے تھے۔

﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (یونس : ۲) ''یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔''

آنحضرت ﷺ نے جب ان کی اس بت پرستی پر ان کو ملامت کی تو انہوں نے صاف کہا۔

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (زمر : ۱) ''ہم ان کو اسی لیے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ کے تقرب میں نزدیک کردیں۔''

یہودیوں میں بھی اسی قسم کی دوسری غلط فہمی تھی' وہ یہ سمجھتے تھے کہ بنی اسرائیل کا گھرانا خدا کا خاص کنبہ اور خاندان ہے اور ان کے خاندان کے پیغمبر اور نبی چونکہ خدا کے پیارے اور محبوب ہیں' اس لیے ان کی اولاد اور نسل بھی دنیا اور آخرت میں یہی درجہ رکھتی ہے' اگر ان پر کوئی مصیبت بھی پڑے گی تو بھی ان کے خاندان کے بزرگ جو خدا کے مقرب اور برگزیدہ ہیں' وہ ہر طرح ان کو اس سے بچالیں گے' ان کا دعویٰ تھا کہ۔

﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ﴾ (مائدہ : ۳) ''ہم خدا کی اولاد اور اس کے پیارے ہیں۔''

قرآن نے کہا۔

﴿بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (مائدہ : ۳) ''بلکہ تم بھی خدا کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہو یہ اسی کو اختیار ہے جس کو چاہے بخشے اور جس کو چاہے سزا دے۔''

اور اسی بنا پر ان کا دعویٰ تھا۔

---

(۱) مؤطا امام مالک باب ما جاء فی نزع المعلق والجرس من العین ص ۳۷۳۔

Marfat.com

﴿لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ ''ہم کو دوزخ صرف چند گنتی کے دن چھو کر چھوڑ دے گی۔''

قرآن نے کہا۔

﴿وَغَرَّھُمْ فِیْ دِیْنِھِمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ﴾ (آل عمران) ''اور یہ اپنے دل سے بنا کر جو جھوٹ عقیدہ گھڑ چکے ہیں وہ ان کے مذہب کے بارہ میں ان کو دھوکا دے رہا ہے۔''

عیسائیوں کا عقیدہ یہ تھا اور ہے کہ باپ (خدا) نے تمام انسانوں کی طرف سے جو موروثی اور طبعی طور سے گنہگار ہیں اپنے اکلوتے بیٹے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی قربانی دے کر ان کے گناہوں کا کفارہ دے دیا' اور وہ گناہوں سے پاک و صاف ہو گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد ان کے جانشین پوپوں کو گناہوں کے معاف کرنے کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جو زمین پر کھولیں گے وہ آسمان پر کھولا جائے گا' اسی لیے پوپوں کے سامنے اعتراف گناہ کا عقیدہ عیسائیوں میں پیدا ہوا اور ان کو بندوں کے گناہوں کے معاف کرنے کا دنیا میں حق ملا۔

پیغام محمدی نے ان کو ملزم قرار دیا اور کہا۔

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَ رُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ (توبہ) ''انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور راہبوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔''

اور اصولی طور پر اس نے یہ بتا دیا کہ۔

﴿وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ (آل عمران) ''اور خدا کے سوا کون گناہوں کو معاف کر سکتا ہے۔''

ان کا عقیدہ تھا کہ بیٹا قیامت کے دن باپ کے داہنے بازو پر برابر بیٹھ کر عدل و انصاف کرے گا' قرآن پاک نے ایک بڑے موثر طرز میں ان کی تردید کی ہے' قیامت کے دن خدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھے گا۔

﴿ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ (مائدہ : ۱۶) ''اے عیسیٰ علیہ السلام! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھ کو اور میری ماں کو خدا بناؤ۔''

وہ کہیں گے بارالٰہا! میں نے تو ان سے وہی کہا تھا جو تو نے کہا تھا۔ میں نے تو ان کو یہ تعلیم نہیں دی تھی۔ میں نے تو ان سے یہی کہا تھا کہ صرف ایک خدا کو پوجو۔ اب۔

﴿اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ وَ اِنْ تَغْفِرْلَھُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ (مائدہ : ۱۲) ''اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو بخش دے تو تو سب کچھ کر سکتا ہے کہ تو غالب اور حکمت والا ہے۔''

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ گناہوں کی مغفرت اور معافی یا گناہوں پر سزا اور عذاب دینا صرف خدا کے ہاتھ میں ہے کسی دوسرے کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

بت پرستوں عربوں کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ یہ دیوتا اور ان کے یہ بت خدا کی طرف سے دونوں عالم میں مختار کل ہیں' وہ یہاں دینے نہ دینے کا' اور اس عالم میں بخشنے کا اختیار رکھتے ہیں' اس عقیدہ کا نام ان کے یہاں شفاعت تھا' اور یہ دیوتا ان کے شفیع تھے' قرآن مجید نے کفارہ غیر خدا کے اختیار مغفرت اور بت پرستانہ طریقہ' شفاعت کے عقائد

Marfat.com

باطلہ کی ہر طرح تردید کی اور بتایا کہ یہ اختیار خدا کے سوا کسی اور کو نہیں' سب اس کی عظمت اور جلال کے سامنے عاجز اور درماندہ ہیں۔

﴿وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ (زخرف : ۷)

''یہ کافر خدا کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے' لیکن وہ جس نے حق کی شہادت دی اور وہ جانتے بھی ہوں۔''

﴿لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾ (مریم : ۶)

''یہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے لیکن وہ جس نے رحم والے خدا سے اقرار لے لیا۔''

﴿ءَ اَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَّ لَا يُنْقِذُوْنِ﴾ (یس : ۲)

''کیا خدا برحق کو چھوڑ کر جھوٹے معبودوں کو خدا بناؤں' اگر رحمٰن مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی شفاعت مجھے ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکتے ہیں۔''

کفار فرشتوں کو بھی اسی غرض سے پوجتے تھے' حکم ہوا۔

﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْضٰى﴾ (نجم : ۲)

''اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ ان کی شفاعت کچھ فائدہ نہیں پہنچاتی لیکن اس کے بعد کہ اللہ اجازت دے جس کے لیے چاہے اور پسند کرے۔''

﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ (زمر : ۵)

''کیا ان کافروں نے خدا کے سوا کوئی شفیع بنایا ہے' کہہ دے کہ اگر یہ کچھ اختیار اور سمجھ بوجھ نہ رکھتے ہوں تو بھی؟ شفیع بننے کے قابل ہیں۔''

خدا قیامت میں ان سے کہے گا۔

﴿وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا﴾ (انعام : ۱۱)

''اور تم دیکھتے نہیں' تمہارے ساتھ تمہارے ان شفیعوں کو جن کو تم سمجھتے تھے کہ وہ تمہاری ملکیت میں خدا کے ساتھ شریک ہیں۔''

﴿وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا﴾ (روم : ۲)

''اور جب قیامت قائم ہوگی تو مشرکین ناامید ہوں گے کہ جن کو وہ خدا کا شریک کار بتاتے تھے ان میں سے کوئی ان کا شفیع نہ ہوا۔''

خاص یہود کو مخاطب کر کے ان کے عقیدہ کی تردید میں کہا گیا۔

﴿يٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ .... وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ

''اے فرزندان اسرائیل .... اور ڈرو اس دن سے جس میں کوئی دوسرے کے ذرا کام نہ آئے گا اور نہ اس کی طرف سے کوئی شفاعت قبول کی جائے گی اور نہ کچھ اس کے بدلہ

Marfat.com

ﺼﺮُوْنَ﴾ (بقرہ : ۶) میں لیا جائے گا اور نہ کوئی ان کو مدد پہنچائی جائے گی۔"

پھر اسی معنی کی آیت اسی سورۃ میں دوسری جگہ ہے۔

نِی اِسْرَآئِیْلَ .... وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ﴾ (بقرہ : ۱۵)

"اے فرزندان اسرائیل ...... اور ڈرو اس دن سے جس میں کوئی کسی کے ذرا بھی کام نہ آئے گا اور نہ اس کی طرف سے کوئی بدلہ قبول ہوگا اور نہ شفاعت فائدہ دے گی۔"

اور اسی معنی میں مسلمانوں سے بھی کہا گیا کہ وہ عمل پیش کریں' شفاعت کے بھروسے پر نہ رہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَ لَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ﴾ (بقرہ : ۳۴)

"اے مسلمانو! جو کچھ ہم نے تم کو روزی دے رکھی ہے اس میں سے کچھ خرچ کر دیا کرو' اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ لین دین ہے نہ دوستی ہے نہ شفاعت ہے۔"

غرض آپ کے پیغام نے ان معنوں میں شفاعت کے عقیدہ باطل کی ہر جگہ تردید کی ہے اور اعلان کیا ہے کہ شفاعت کا اختیار صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا یَمْلِكُوْنَ شَیْئًا وَّ لَا یَعْقِلُوْنَ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (زمر : ۵)

"کیا انہوں نے خدا کے سوا اوروں کو شفیع بنا رکھا ہے کہہ دے کہ اگرچہ ان کو کسی چیز کا اختیار نہ ہو' اور نہ ان کو سمجھ ہو' تو یہ بھی کہہ دے کہ شفاعت کا کل اختیار خدا ہی کو ہے۔ اسی کا راج آسمانوں اور زمین میں ہے' پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔"

اس آیت پاک نے کفار مشرکین کے عقیدہ شفاعت کی قطعی طور سے تردید کی' دوسری آیت میں یہود و نصاریٰ کے عقیدۂ شفاعت کا صرف اتنا حصہ تسلیم کیا کہ خدا کے نیک بندے اپنے دوسرے بھائیوں کے حق میں شفاعت کریں گے۔

وَلَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ﴾ (زمر : ۷)

"اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے' لیکن وہ جنہوں نے حق کی گواہی دی اور وہ دانش رکھتے ہیں۔"

دوسری جگہ اسی شہادت کو اقرار لینا کہا گیا ہے۔

لَا یَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾ (مریم : ۶)

"یہ لوگ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے لیکن وہ جو خدا کے نزدیک (دنیا میں اپنے عمل کے ذریعہ سے) اقرار لے چکا ہے۔"

لیکن اس شہادت حق اور عہد الٰہی کے باوجود اس اختیار کے استعمال کے لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت اور رضامندی شرط ہے۔

Marfat.com

﴿مَا مِنْ شَفِيعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ﴾ (یونس : ۱)
''(خدا کی بارگاہ میں) کوئی شفیع نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد۔''

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (بقرہ : ۳۴)
''وہ کون ہے جو خدا کے سامنے کسی کی شفاعت کر سکے' لیکن اس کی اجازت سے۔''

﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَرْضٰی﴾ (نجم)
''اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ ان کی شفاعت ذرا بھی کام نہیں آ سکتی' البتہ اس کے بعد کہ خدا اجازت دے جس کو چاہے اور پسند کرے۔''

﴿لَا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا﴾ (بنا : ۲)
''یہ فرشتے اور روح کوئی خدا سے اس دن بات نہ کر سکے گا لیکن جس کو وہ رحم والا اجازت دے اور ٹھیک کہے۔''

پھر یہ شفاعت بھی ان ہی لوگوں کے حق میں ہو سکے گی جن کے حق میں اللہ تعالیٰ انبیاء اور صالحین کو اس کی اجازت دے گا فرمایا۔

﴿وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ﴾ (سبا : ۳)
''اور شفاعت خدا کے نزدیک نفع نہ دے گی لیکن اس کے لیے جس کے لیے وہ شفاعت کی اجازت دے۔''

﴿یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا﴾ (طٰه : ۶)
''اس دن شفاعت نفع نہ دے گی لیکن اس کو جس کے لیے خدا اجازت دے اور اس کے لیے بات کرنا پسند کرے۔''

بلکہ خود انبیاء علیہم السلام بھی سفارش ان ہی کی کریں گے جن کی سفارش خود خدا چاہے گا۔ فرمایا۔

﴿وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ﴾ (انبیاء : ۲)
''اور وہ شفاعت نہیں کریں گے لیکن اس کی جس کے لیے خدا اپنی خوشنودی ظاہر کرے اور وہ اس کے خوف سے ترساں ہوں گے۔''

پھر ایک جماعت ایسی بھی ہے جس کے افراد کے لیے ازل ہی سے یہ اعلان عام ہو چکا ہے کہ ان کے لیے مغفرت اور شفاعت کا دروازہ بند ہے اور یہ وہ مجرم ہیں جن کے دل حق کی شہادت سے محروم ہو گئے۔

﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَ﴾ (مدثر : ۲)
''تو ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہ دے گی۔''

﴿مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّ لَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ﴾ (مومن : ۲)
''ظالموں (مشرکوں)[1] کا نہ کوئی دوست (اس دن) ہوگا' اور نہ کوئی شفیع جس کی بات مانی جائے۔''

---

(۱) ﴿ان الشرک لظلم عظیم﴾ (لقمان:۲۰) بے شک شرک بڑا ظلم ہے (صحیح بخاری ذکر لقمان جلد ۱ صفحہ ۴۸۷)۔

Marfat.com

اور وہ بدنصیب گروہ جس کے حق میں رحمت کا یہ دروازہ بند رہے گا' مشرکین ہیں' جیسا کہ ذیل کی آیت سے ظاہر ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (نساء : ۱۸)

''اللہ اس گناہ کو کہ اس کے ساتھ کوئی شریک ٹھہرایا جائے نہیں بخشا اور اس سے نیچے کے گناہ جس کو چاہے بخش دے۔''

لیکن اب ایسی حالت میں جب کہ وہی شفاعت کر سکیں گے جن کو اللہ تعالیٰ اس کی اجازت دے گا اور وہ بھی ان ہی کی شفاعت کریں گے جن کی شفاعت کرانا خود خدا کو منظور ہو گا تو حقیقت میں خود اللہ تعالیٰ ہی اپنے دربار میں اپنا آپ شفیع ہو گا' یا صوفیانہ اصطلاح میں یوں کہو کہ جلال الٰہی کی بارگاہ میں اس کی صفت کریمی و رحیمی خود شفیع بن کر کھڑی ہو گی' اسی لیے ارشاد ہوا۔

﴿وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ (انعام : ۵)

''اور اس قرآن کے ذریعہ (اے پیغمبر' ان لوگوں کو ہشیار کر دے کہ اس سے ڈرتے رہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جمع کیے جائیں گے ان کے لیے ان کے رب کے سوا کوئی حمایتی اور شفیع نہیں شاید وہ بچتے رہیں۔''

﴿مَالَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا شَفِيْعٍ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ﴾ (السجدہ : ۱)

''خدا کے سوا تمہارا کوئی حمایتی اور شفیع نہیں پھر کیا تم سوچتے نہیں۔''

خدا کی اس صفت کریمی و رحیمی کے مظہر اس دنیا میں بھی وہی ہوں گے جو اس دنیا میں اس کے مظہر بن کر آئے تھے اور وہ انبیائے کرام ہیں کہ خدا کے رحم و کرم ہی کے سبب سے جو اس کو اس دنیا اور دنیا والوں کے ساتھ ہے ان انبیاء کی بعثت ہوئی اور وہ اپنی اپنی امت پر شاہد قرار پائے' اسی طرح خدا کی اجازت کے بعد اس دنیا میں بھی وہی خدا کے اس رحم و کرم اور فضل عمیم کے مظہر قرار پائیں گے نیز رحمت کے فرشتے اور امت کے نیکوکار اور صالح افراد بھی جن کو رحمت الٰہی نے چنا ہو' اس منصب پر ممتاز ہو سکیں گے خصوصاً وہ سراپا رحمت نبی جو اس دنیا میں رحمۃ للعالمین اور خدا کی صفت رحیمی کا مظہر بن کر آیا۔

اجرام سماوی کی قدرت کا انکار:

بظاہر دنیا میں بہت سی باتیں آفتاب و ماہتاب کی گردش اور ان کے سبب سے اختلاف موسم کے اثرات سے ہوتی ہیں' اس لیے ستارہ پرست قوموں میں یہ اعتقاد پیدا ہو گیا تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ستاروں کی گردش کے اثر سے ہوتا ہے' یہی اعتقاد عرب کے مشرکوں میں بھی پھیلا تھا' وہ سورج اور چاند کو سجدے کرتے تھے' اسلام نے ان کو اس شرک سے روکا اور کہا۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ﴾ (: ۵) ''سورج اور چاند کو سجدے نہ کیا کرو۔''

اسی طرح وہ زمانہ کو دنیا کے کاروبار میں حقیقی موثر جانتے تھے اور یہ کہتے تھے۔

Marfat.com

﴿وَ مَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ﴾ (جاثیہ : ۲۴) ''ہم کو تو زمانہ مارتا ہے۔''

اسی کا اثر ہے کہ ہماری شاعری کی زبان میں ''فلک کج رفتار'' اور ''دہرنا ہنجار'' کی شکایت اب تک چلی آتی ہے عرب کے مشرکین بھی اسی طرح بولا کرتے تھے ان کو جب کوئی خلاف توقع تکلیف پہنچتی تھی تو زمانہ کی شکایت کیا کرتے تھے اور اس کو برا کہتے تھے [۱] آنحضرت ﷺ نے اس سے منع کیا' اور فرمایا کہ زمانہ کو گالی نہ دیا کرو کہ زمانہ خود خدا ہے۔ [۲] اور فرمایا کہ خدا ارشاد فرماتا ہے کہ آدم کا بیٹا مجھے تکلیف پہنچاتا ہے وہ زمانہ کو برا کہتا ہے' زمانہ میں ہوں' میرے ہاتھ میں تمام کام ہیں' میں شب و روز کا انقلاب کرتا ہوں۔ [۳] یعنی زمانہ کو جن تکلیفوں اور مصیبتوں کا خالق سمجھ کر لوگ برا کہتے ہیں' حقیقت میں ان کا پیدا کرنے والا خدا ہی ہے اسی لیے یہ گالی حقیقت میں خدا کو دی جاتی ہے۔

اسی خیال کا یہ بھی اثر تھا کہ اہل عرب بارش کو نچھتر کی طرف منسوب کیا کرتے تھے' اور کہا کرتے تھے کہ فلاں نچھتر کے سبب سے ہم پر پانی برسایا گیا' حدیبیہ کے موقع پر اتفاق سے رات کو بارش ہوئی' صبح کو نماز کے بعد آپ صحابہ کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا جانتے ہو تمہارے رب نے کیا کہا' صحابہ نے عرض کی کہ خدا اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے' ارشاد ہوا' اس نے فرمایا۔ آج صبح کو میرے بندوں میں سے کچھ مومن ہو کر اٹھے اور کچھ کافر ہو کر' جنہوں نے یہ کہا کہ خدا کے فضل و رحمت سے ہم پر پانی برسا وہ تو خدا پر ایمان لانے والے اور ستارہ کے انکار کرنے والے ہیں اور جنہوں نے یہ کہا کہ فلاں نچھتر سے پانی ہم پر برسا تو وہ خدا کے انکار کرنے والے اور ستارہ پر ایمان لانے والے ہیں۔ [۴]

سورج گرہن اور چاند گرہن کو بھی لوگ عظیم الشان واقعات اور انقلابات کی علامت سمجھتے تھے' کم و بیش دنیا کی تمام قوموں میں وہ آسمانی دیوتاؤں کے غیظ و غضب کے مظہر یقین کیے جاتے تھے ۹ھ میں اتفاق سے ایک دن سورج میں گرہن لگا اور اسی دن آپ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم نے وفات پائی' صحابہ نے خیال کیا کہ یہ سورج میں گرہن لگنے کا سبب حضرت ابراہیمؑ کی موت ہے' آنحضرت ﷺ نے جب یہ سنا تو تمام مسلمانوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا اور ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا' جس میں اس خیال کی تردید کی فرمایا کسوف و خسوف (گرہن) کو کسی کے جینے مرنے سے کوئی تعلق نہیں' یہ بھی خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے۔ [۵]

غیر خدا کی قسم سے روکنا:

(۱۴) شرک کی ایک نہایت ہی باریک صورت یہ تھی کہ لوگ غیر خدا کی قسمیں کھاتے تھے۔

قسم کھانے کے معنی حقیقت میں شہادت کے ہیں' جس کی قسم کھائی جاتی ہے اس کو دراصل واقعہ پر گواہ بنایا جاتا

(۱) فتح الباری شرح بخاری جلد ۸ صفحہ ۴۴۱ و کتاب الاسماء والصفات بیہقی صفحہ ۱۱۵ الٰہ آباد۔
(۲) صحیح مسلم الفاظ الادب۔
(۳) صحیح بخاری تفسیر سورۂ جاثیہ و کتاب الرد علی الجہمیہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۶۔
(۴) صحیح بخاری باب الاستسقاء و باب الذکر بعد الصلوۃ و صحیح مسلم کتاب الایمان۔
(۵) صحیح بخاری صلوۃ الکسوف۔

Marfat.com

ہے عربوں میں بت پرستی کے رواج کے باعث بتوں اور دیوتاؤں کی قسمیں کھائی جاتی تھیں جو صریح کفر تھا' قریش اپنے دیوتا لات وعزیٰ کی قسمیں کھایا کرتے تھے' آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ (۱) لیکن رواج اور عادت کے باعث مسلمان ہونے کے بعد بھی بے اختیار ان کی زبان سے ان کی قسمیں نکل جاتی تھیں' آپ نے فرمایا کہ جس شخص کی زبان سے لات اور عزیٰ کی قسم نکل جائے تو وہ فوراً لا الہ الا اللہ کہہ لے یہ گویا اس کفر کے کلمہ سے توبہ ہے' قریش میں باپ کی قسم کھانے کا بھی رواج تھا۔ اس سے بھی آپ نے منع فرمایا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو آپ نے باپ کی قسم کھاتے سنا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے منع کیا ہے کہ اپنے باپ کی قسم کھایا کرو' جس کو قسم کھانی ہو وہ یا تو خدا کی قسم کھائے ورنہ چپ رہے' حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کے ارشاد کا یہ اثر ہوا کہ اس وقت سے آج تک میں نے نہ تو اپنی بات میں اور نہ کسی اور کی بات دہرانے میں کبھی باپ کی قسم کھائی۔ (۲) ماں کی قسم بھی لوگ کھایا کرتے تھے' اس سے بھی آپ نے منع فرمایا' اسی طرح کعبہ کی بھی قسم لوگ کھایا کرتے تھے اس پر ایک یہودی نے آکر مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ تم بھی شرک کرتے ہو' کعبہ کی قسم کھاتے ہو' آپ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ کعبہ نہیں بلکہ کعبہ والے (خدا) کی قسم کھایا کرو۔ (۳) ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کسی کو کعبہ کی قسم کھاتے سنا تو اس کو منع کیا اور کہا کہ غیر خدا کی قسم نہ کھائی جائے' میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ جس نے غیر خدا کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا (۴) دوسری روایت میں ہے کہ ہر وہ قسم جو غیر خدا کی کھائی جائے شرک ہے۔ (۵)

خدا کی مشیت میں کوئی شریک نہیں:

(۱۴) اکثر نیک لوگوں کی نسبت یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کی مشیت عین خدا کی مشیت ہے اس میں نہ صرف بد عقیدہ لوگ بلکہ اہل توحید بھی غلطی سے مبتلا ہو جاتے ہیں' آنحضرت ﷺ نے انسانوں کو اس دقیق غلطی سے آگاہ کیا اور بتایا کہ دنیا میں مشیت صرف خدا کی ہے' اسی کی خواہش کے مطابق دنیا چل رہی ہے' تمام مشیتیں اور خواہشیں اسی کی مشیت اور خواہش کے ماتحت ہیں' اس کے ساتھ کسی مخلوق کی مشیت عالم کے کاروبار میں شریک نہیں' لیکن لوگوں نے خدا کی مشیت کے ساتھ اوروں کی مشیت کو بھی شریک کر لیا تھا' توحید کامل کے معلم ﷺ نے اس خیال کی سختی سے تردید کی' اور قرآن مجید نے جابجا اس حقیقت کو واضح کیا کہ مشیت الٰہی کے علاوہ کوئی اور حقیقی مشیت نہیں تمام دیگر مشیتیں اس کے تابع اور ماتحت ہیں' عقیدہ کی یہ غلطی اس قدر عام تھی کہ جو لوگ عقیدہ نہیں رکھتے تھے وہ بھی سلاطین حکام اور بزرگوں کے ساتھ گفتگو میں یہ کہنا حسن ادب سمجھتے تھے کہ جو خدا چاہے اور جو حضور چاہیں' آنحضرت ﷺ نے اس طرز کلام سے منع فرمایا' یہاں تک کہ خدا کی مشیت کے ساتھ برابری سے خود اپنی مشیت کے ذکر سے بھی صحابہ

(۱) سنن نسائی کتاب الایمان والنذر۔
(۲) یہ تمام واقعات صحیح بخاری صحیح مسلم۔ نسائی کتاب الایمان میں مذکور ہیں۔
(۳) نسائی کتاب الایمان والنذور۔
(۴) جامع ترمذی ابواب النذور والایمان و مستدرک حاکم ص ۱۸ ج ۱ کتاب الایمان۔
(۵) مستدرک بحوالہ مذکور۔

Marfat.com

کوردکا اس قسم کا طرز کلام لوگوں کی زبان پر چڑھ گیا تھا' اس میں یہ تصحیح فرمائی کہ خدا اور غیر کی مشیت کے درمیان عطف کا واؤ (اور) نہ لایا جائے کہ اس سے برابری کا شائبہ نکلے بلکہ پھر کا لفظ بولا جائے تا کہ معلوم ہو کہ خدا کی مشیت کے بعد اوروں کی مشیت کا درجہ ہے۔

نسائی میں ہے کہ ایک یہودی نے خدمت نبوی میں آ کر مسلمانوں سے کہا کہ تم لوگ شرک کرتے ہو کہتے ہو کہ جو خدا چاہے اور جو محمد چاہیں' آپؐ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا یوں کہو کہ وہ ایک ہے جو چاہے' پھر جو آپ چاہیں۔ (1) یہی واقعہ ابن ماجہ میں اس طرح ہے کہ ایک صحابی نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک یہودی یا عیسائی ان سے کہہ رہا ہے کہ تم مسلمان بڑے اچھے لوگ ہوتے اگر شرک نہ کیا کرتے تم کہا کرتے ہو کہ خدا جو چاہے اور محمد جو چاہیں' ان صحابی نے خدمت اقدس میں آ کر اپنا یہ خواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا میں اس فقرہ کی برائی جانتا تھا۔ یوں کہو کہ جو خدا چاہے پھر جو محمد چاہیں۔ (2) ابوداؤد میں بھی تعلیم اس واقعہ کی تقریب کے بغیر اس طرح مذکور ہے کہ آپؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ یہ نہ کہا کرو کہ جو خدا چاہے اور جو فلاں چاہے' بلکہ یوں کہو کہ جو خدا چاہے پھر جو فلاں چاہے' لیکن امام بخاری نے ادب المفرد میں اور بیہقی نے کتاب الاسماء میں جو روایت کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے ساتھ کسی اور مشیت کا نام بھی نہ لینا چاہیے ایک شخص نے خدمت والا میں حاضر ہو کر سلسلہ کلام میں کہا کہ جو خدا چاہے اور جو آپ چاہیں' ارشاد ہوا کہ تم نے خدا کا ہمسر اور مقابل ٹھہرایا جو خدا تنہا چاہے۔ ماشاء اللہ وحدہ

اس سلسلہ میں یہاں تک اہتمام مدنظر تھا کہ اس سے بھی منع فرمایا کہ خدا اور رسول کی طرف ایک ضمیر پھیر کر ایک فعل لایا جائے تا کہ یہ سمجھا جائے کہ خدا اور رسول کا درجہ برابر برابر ہے ایک دفعہ آپ کے سامنے کسی شخص نے خطبہ کے اثناء میں یہ فقرہ کہا جس نے خدا اور رسول کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی۔ یہاں تک اس نے کہا تھا کہ آپ نے اس کو روک دیا اور فرمایا۔ ''اٹھ جاؤ تم برے خطیب ہو۔'' (4) آپ نے آزردگی کا اظہار اس لیے فرمایا کہ ان دونوں کے ساتھ کہنے سے سامعین پر یہ اثر پڑتا ہے کہ خدا کی اور رسول کی نافرمانی کا حکم برابر ہے اور اس میں شرک کا شائبہ ہے' اس لیے خطیب کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ اور جو خدا کی اور رسول کی نافرمانی کرے گا وہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جیسا کہ قرآن پاک میں بار بار آیا ہے اور ماثورہ خطبوں میں بھی منقول ہے۔

مشتبہات شرک کی ممانعت:

(15) جن باتوں میں شرک کا ذرا بھی شائبہ پایا جاتا تھا' ان سے بالکل منع کر دیا۔ لوگ اولاد کا نام آفتاب ماہتاب وغیرہ کی عبدیت کے ساتھ رکھتے تھے مثلاً عبدالشمس عبد مناف' ان ناموں سے سخت منع فرمایا ارشاد ہوا کہ

(1) نسائی کتاب الایمان والنذور۔

(2) ابن ماجہ کتاب النذور۔

(3) ابوداؤد کتاب الادب باب لا تقولہ خبثت نفسی۔

(4) ادب المفرد امام بخاری صفحہ ۱۵۷ مصر و کتاب الاسماء والصفات امام بیہقی صفحہ ۱۸ مطبوعہ الہ آباد۔

Marfat.com

بہترین نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں (۱) اہل عجم اپنے سلاطین کو شاہنشاہ یعنی تمام بادشاہوں کا بادشاہ کہتے تھے چونکہ اس میں شرک کا احتمال تھا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ یہ نام خدا کو سب سے زیادہ ناپسند ہے' (۲) دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اس شخص پر اللہ کا بے حد غضب ہوا جس نے اپنے کو شہنشاہ کہا' خدا کے سوا کوئی بادشاہ نہیں (حاکم فی المستدرک ص ۲۷۵ ج ۴)

غلاموں کو لوگ عبد یعنی بندہ کہتے تھے' حالانکہ انسان خدا کا بندہ ہے آدمیوں کا نہیں۔ اسی طرح غلام اپنے مالک کو رب کہتے تھے' حالانکہ رب خدا ہے اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے قطعاً منع فرمایا کہ کوئی شخص غلاموں کو عبد یعنی بندہ نہ کہنے پائے' بلکہ یوں کہے کہ میرا بچہ یا بچی اور اسی طرح غلام اور باندیاں اپنے آقا کو رب نہ کہیں' مالک کہیں کہ تم سب غلام ہو اور رب اللہ ہے' (۳) ہانیؓ ایک صحابی تھے جن کی کنیت ابوالحکم تھی وہ جب خدمت اقدس میں اپنی قوم کے ساتھ آئے تو آپ نے فرمایا کہ حکم خدا کا ہے اور خدا ہی حکم دینے والا ہے تم کو لوگ ابوالحکم کیوں کہتے ہیں' عرض کی کہ میرے قبیلہ میں جب کوئی نزاع ہوتی ہے تو لوگ مجھ کو حکم یعنی ثالث بناتے ہیں اور میں جو فیصلہ کرتا ہوں اس کو سب تسلیم کر لیتے ہیں' آپ نے فرمایا' تمہارے بچوں کے کیا نام ہیں۔ بولے شریح' مسلم' عبداللہ آپ نے پوچھا' سب میں بڑا کون ہے' عرض کی' شریح' فرمایا تو تمہاری کنیت ابوشریح ہے۔ (۴)

اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی برا کام کرتے ہیں' تو شیطان پر لعنت بھیجتے ہیں' گویا اس نے برائی کرائی ایک دفعہ ایک صاحب آنحضرت ﷺ کے ساتھ گھوڑے پر سوار تھے' گھوڑے نے ٹھوکر کھائی انہوں کہا شیطان کا برا ہو۔ آپ نے فرمایا یوں نہ کہو ورنہ شیطان غرور سے پھول جائے گا اور کہے گا' میری قوت سے یہ ہوا' خدا کا نام لو' تو شیطان دب کر مکھی کے برابر ہو جائے گا۔ (۵)

تصویر بنانے سے سخت منع کیا' اس کی یہی وجہ تھی کہ اول اول لوگ کسی بزرگ اور مقتداء کی تصویر گھر میں رکھتے تھے تو محبت یا یادگار کے طور پر رکھتے تھے لیکن رفتہ رفتہ ان ہی تصویروں کی پرستش ہونے لگتی تھی' چنانچہ ہندوؤں اور رومن کیتھلک عیسائیوں میں اسی طرح تصویر پرستی اور اس سے بڑھ کر بت پرستی کا رواج ہوا' اس بناء پر آنحضرت ﷺ نے سرے سے تصویر کھینچنے سے منع فرمایا۔

قبر پرستی اور یادگار پرستی سے روکنا:

(۱۶) شرک کا بڑا ذریعہ قبر پرستی اور یادگار پرستی ہے' قبروں اور یادگاروں کو لوگ عبادت گاہ بنا لیتے ہیں' سالانہ مجمع کرتے ہیں' دور دور سے سفر کر کے آتے ہیں' قبروں پر مسجدیں بناتے ہیں' منتیں مانتے ہیں' نذریں چڑھاتے ہیں'

(۱) ابوداؤد کتاب الادب باب تغییر الاسماء۔

(۲) ابوداؤد کتاب الادب۔

(۳) ابوداؤد کتاب الادب باب الکریم وحفظ المنطق۔

(۴) ابوداؤد کتاب الادب باب تغییر الاسم القبیح۔

(۵) ابوداؤد کتاب الادب باب لا یقول خبثت نفسی۔

Marfat.com

آنحضرت ﷺ نے ان تمام افعال سے منع کیا ہے وفات سے پانچ دن پہلے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ قبروں کو مسجد بنا لیتے تھے، دیکھو میں تم کو منع کرتا ہوں کہ قبروں کو مسجد نہ بنانا۔ عین وفات کے وقت چہرہ سے چادر الٹ دی اور فرمایا کہ خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے ان لوگوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔ (1)

ریا اور عدم اخلاص بھی معنوی شرک ہے:

(۱۷) یہ توحید کے متعلق وہ اصلاحات تھیں جن کا تعلق زیادہ تر اعمال اور روزمرہ کی بول چال سے تھا' لیکن حقیقی اصلاح جس سے توحید کی تکمیل ہوتی ہے وہ قلب و روح کی توحید ہے' انسان کے تمام کاموں کا کوئی نہ کوئی نفسانی محرک ہوتا ہے' کوئی طلب شہرت کے لیے کام کرتا ہے کوئی دنیاوی معاوضہ کے لیے کرتا ہے کوئی نمائش اور دکھاوے کے لیے کرتا ہے' کوئی غیر کی محبت یا عداوت میں کرتا ہے ان تمام کاموں کا محرک درحقیقت غیر خدا ہے۔ جس نے خدا کی جگہ لے لی ہے' اسی لیے قرآن مجید نے کہا۔

﴿ارایت من اتخذ الٰهه هواه﴾ (فرقان : ۴) ''تم نے ان کو دیکھا جس نے اپنا خدا خود اپنی نفسانی خواہش کو بنالیا ہے۔''

اسی لیے بڑا بت وہی ہے جس کو انسان نے خود اپنے دل کے بت خانے میں چھپا رکھا ہے' اس بت کو توڑنا توحید کی اصل تکمیل ہے آپ نے بتایا کہ انسان کے تمام کاموں کا دار و مدار خود اس کے دل کے عمل پر ہے ﴿انما الاعمال بالنیات﴾ اس لیے ایک مسلمان کے ہر قسم کے کاموں کا اصلی محرک صرف خدا کا حکم' خدا کا خوف' خدا کی اطاعت خدا کی خوشنودی' خدا کی محبت' غرض صرف خدا ہونا چاہیے جس درجہ تک ایک مومن کی اس قلبی کیفیت میں ترقی ہوگی۔ اس کے ایمان و توحید کی تکمیل بھی پایہ کمال کو پہنچتی جائے گی' اسی بناء پر وحی محمدی نے ہر جگہ اور ہر موقع انسان کو اس کے عمل کی غرض و غایت ﴿مرضات الله﴾ اللہ کی خوشنودی ﴿مخلصین له الدین﴾ مخلص اور ﴿وجه ربه الاعلیٰ﴾ ذات خدا کو قرار دینے کی تعلیم دی ہے اس بنا پر انسان جو کام خدا کے علاوہ کسی اور غرض و نیت سے کرے تو درحقیقت اس کام کے لیے اس نے ایک موقت خدا الگ بنایا وہ گو اس وقت لفظی اور قانونی شرک کا مجرم نہیں لیکن معنوی و نفسی شرک کے ارتکاب کا یقیناً مجرم ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جس نے خدا کے لیے دیا اور خدا ہی کے لیے رد کیا خدا کے لیے چاہا اور خدا ہی کے لیے عداوت کی اور خدا ہی کے لیے بیاہ کیا۔ اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا۔ (2) متعدد صحابیوں سے روایت ہے (3) کہ آپ نے فرمایا کہ ریا چھپا ہوا شرک ہے' حضرت ابوسعید خدریؓ کے

(۱) مسلم کتاب المساجد۔

(۲) مستدرک حاکم ترمذی آخر کتاب الزہد ترمذی کے دونسخوں میں اس حدیث کے متعلق دو تنقیدیں درج ہیں۔ ایک میں منکر لکھا ہے دوسرے میں حسن اس کے ایک راوی اجلح کی نسبت لوگوں نے کلام کیا ہے مگر حدیث کا نفس مضمون تمام اسلامی روایات اور احکام کے مطابق ہے۔

(۳) حضرت ابوسعید خدریؓ معاذ بن جبل ابوہریرہؓ شداد بن اوس' محمود بن لبید' ابوسعید بن ابی فضالہ' ان صحابیوں کی روایتیں ابن حنبل ابن ماجہ مستدرک وغیرہ میں ہیں۔

Marfat.com

ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ چھپا ہوا شرک یہ ہے کہ انسان کوئی کام دوسرے کی موجودگی کے سبب سے کرے۔[1] حضرت شداد بن اوس روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی اس نے شرک کیا۔ جس نے دکھاوے کا روزہ رکھا اس نے شرک کیا' جس نے دکھاوے کی خیرات کی اس نے شرک کیا۔[2] یہی صحابی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ صحابہ کے مجمع میں آپ فرمار ہے تھے کہ مجھے اپنی امت کے لوگوں پر سب سے زیادہ جس کا خوف ہے وہ شرک کا ہے' ہاں میرا یہ مطلب نہیں کہ وہ چاند یا سورج کو سجدہ کریں گے یا بتوں کو پوجیں گے بلکہ یہ ہے کہ غیر خدا کے لیے عمل نہ کرنے لگیں اور چھپی نفسانی خواہش میں نہ مبتلا ہوں۔[3] حضرت محمود بن لبید انصاریؓ آپ کا قول نقل کرتے ہیں کہ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ مجھ کو سب سے زیادہ جس کام پر خوف ہے وہ شرک اصغر ہے' صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ شرک اصغر کیا ہے' فرمایا قیامت کے دن جب لوگوں کو اپنے اپنے عمل کا بدلہ مل رہا ہوگا' خدا ریاکار لوگوں سے کہے گا کہ تمہارے لیے ہمارے یہاں کچھ نہیں تم ان ہی کے پاس جاؤ جن کے دکھانے کو دنیا میں یہ کام کیا کرتے تھے۔[4] حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر ہم لوگ دجال کے متعلق آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کے دجال سے بڑھ کر جو خوف ناک چیز میرے نزدیک ہے' کیا میں تم کو اس سے آگاہ نہ کروں' ہم سب نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ ﷺ فرمایا وہ شرک خفی ہے یعنی یہ کہ مثلاً کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے تو وہ نماز کو محض اس لیے درست کر کے پڑھے کہ کوئی دوسرا شخص اس کو دیکھ رہا ہے۔[5] ابوسعیدؓ بن ابی فضالہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں جب خدا اگلوں اور پچھلوں کو یکجا کرے گا تو ایک منادی پکارے گا کہ جس نے اپنے کسی عمل میں خدا کے ساتھ کسی غیر کو بھی شریک بنالیا ہو تو وہ اپنا ثواب اسی غیر سے مانگے کہ خدا ساجھے سے بے نیاز ہے' ابو ہریرہؓ کہتے ہیں[6] کہ آپؐ نے ارشاد کیا کہ خدا فرماتا ہے کہ میں تمام شریکوں میں سب سے زیادہ شرکت سے بے نیاز ہوں تو جس نے اپنے کسی کام میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک کرلیا تو میں اس سے الگ ہوں اور وہ اسی کا ہے جس کو اس نے میرا شریک بنایا۔[7]

ان تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ صحابہ اپنے ہر عمل میں اس شرک خفی سے ڈرتے تھے' شدادؓ بن اوس کہتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے زمانہ حیات میں ریا کو شرک اصغر گنا کرتے تھے۔[8] ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ جار ہے

---

(۱) مستدرک حاکم کتاب الرقاق ص ۳۲۹ ج ۴ (صحیح)

(۲) بحوالہ سابق مستدرک ابن حنبل مسند شداد بن اوس ص ۱۲۶ ج ۴۔

(۳) سنن ابن ماجہ باب الریاء والسمعۃ۔

(۴) ابن حنبل مسند محمود بن لبید انصاری ص ۴۲۸ ج ۵ وابوداؤد ومسند ابن حنبل۔

(۵) سنن ابن ماجہ باب الریاء والسمعۃ۔

(۶) سنن ابن ماجہ باب الریاء وترمذی ومسند ابن حنبل۔

(۷) ابن ماجہ باب الریاء۔

(۸) مستدرک حاکم کتاب الرقاق ۴ ص ۳۲۹ (صحیح)

Marfat.com

تھے دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبل صحابی آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں' حضرت عمرؓ نے رونے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے قبر مبارک کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس قبر میں مدفون ہستی نے کہا تھا کہ ریا کا ادنیٰ شائبہ بھی شرک ہے۔[1] اسی طرح ایک دفعہ عبادہ تابعی نے دیکھا کہ حضرت شدادؓ بن اوس صحابی اپنی جانماز پر بیٹھے زار و قطار رو رہے ہیں' رونے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس پر غم و ملال کے آثار دیکھے' عرض کی کہ میرے ماں باپ حضور پر فدا ہوں۔ اس حزن و ملال کا سبب کیا ہے ارشاد ہوا کہ میں اپنے بعد بھی امت پر ایک چیز سے ڈرتا ہوں عرض کی یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟ فرمایا شرک اور چھپی نفسانی خواہش میں نے دوبارہ گزارش کی یا رسول اللہ! کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک میں مبتلا ہوگی' فرمایا اے شداد! میری امت یقیناً سورج یا چاند یا بت اور پتھر کی پرستش نہیں کرے گی لیکن وہ اپنے عمل کی نمائش اور ریا کرے گی۔ عرض کی یا رسول اللہ! کیا ریا شرک ہے۔ فرمایا ہاں۔[2]

ان واقعات اور تعلیمات کو پڑھ کر ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کس طرح ہر پہلو سے شرک کی تردید اور توحید کی تکمیل فرمائی ہے' وہی عرب جو پہلے خدا کے سوا ہر چیز کی پرستش کرتے تھے۔ انہوں نے آپ کی تعلیم کے اثر سے خدا پرستی اور توحید کی انتہائی معراج حاصل کر لی۔

☆☆☆

---

(۱) مستدرک حاکم کتاب الرقاق ج ۴ ص ۳۲۸ صحیح۔

(۲) مستدرک حوالہ مذکور' حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد لکھا ہے مگر ذہبی نے تصریح کی ہے کہ اس کا ایک راوی عبدالواحد بن زید متروک ہے تاہم چونکہ حدیث کا نفس مضمون مسند ابن حنبل (ج ۴ ص ۱۲۶) اور سنن ابن ماجہ (باب الریاء) میں ایسے سلسلوں سے مذکور ہے جس میں یہ عبدالواحد نہیں پڑتا اس لیے ہم نے اس حدیث کو یہاں درج کیا ہے۔

Marfat.com

توحید اور اس کے ایجابی اصول وارکان

یہ تو توحید کے سلبی اجزاء تھے، یعنی توحید کے مخالف عقائد وخیالات کی نفی اور تردید، لیکن نبوت محمدی کا کارنامہ اس سے اہم اور بالاتر ہے، اور وہ توحید کی اصل بنیاد کی استواری اس کے اصول کی تعیین، امور ایمان کی تفصیل اور اس کے اجزاء کی تکمیل ہے۔ عرب میں شرک و بت پرستی بھی تھی اور اور کہیں کہیں آسمانی مذاہب کی محرف صورتیں بھی موجود تھیں، مگر ایک صحیح مذہب کا تخیل ان کے سامنے مطلق نہ تھا۔ اس بنا پر عقائد اور ایمان کی کوئی صحیح اور مرتب صورت بھی ان کے ذہن میں نہیں ہوسکتی تھی آنحضرت ﷺ نے ان تمام پچھلے خرافات اور اوہام کو جن کو دین کا درجہ دے دیا گیا تھا۔ یک قلم محو کر دیا، بت پرستی جن پرستی فرشتہ پرستی، ستارہ پرستی فطرت پرستی، انسان پرستی، غرض شرک کی تمام صورتیں قطعاً مٹا دیں اور ان کی جگہ مرتب متیقن سنجیدہ حقائق اور سچائیوں سے معموز چند عقائد کی تعلیم دی جو انسان کے تمام اعمال اور اخلاق کا بنیادی پتھر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلیل:

اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز خدا کی ہستی کا یقین اور پھر اس کی توحید پر ایمان ہے، دنیا میں جتنے پیغمبر آئے ان میں سے ہر ایک نے اس قادر مطلق کی طرف لوگوں کو دعوت دی مگر یہ دعوت ان کے ایک مسلم دعویٰ کی حیثیت سے تھی، انہوں نے اس دعویٰ کو دلائل کا محتاج نہ سمجھا اور حقیقت میں جن نامحدود زمانوں میں قوموں کے لیے ان کی بعثت ہوئی، ان میں دلیل اور برہان کی ضرورت بھی نہ تھی، کیونکہ ان زمانوں میں بت پرستی، ستارہ پرستی اور فطرت پرستی کا رواج تھا، الحاد کا وجود نہ تھا، لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عمومی تھی۔ جو آخری زمانہ تک کے لیے اور تمام قوموں کے لیے تھی اور علم الٰہی میں یہ تھا کہ بعثت محمدی کے بعد عقل انسانی تحقیق وتلاش کے آخری مراحل طے کرنا چاہے گی اور قدرت کے سربمہر خزانے وقف عام ہوں گے اور عقلیت کا دور دورہ ہوگا اور ہر شے دلیل وثبوت کی محتاج قرار پائے گی، اس لیے محمد رسول اللہ ﷺ کو دلائل و براہین ثبوت اور شواہد کی بھی تلقین کی گئی۔

ایک اور سبب یہ ہے کہ انبیائے سابقین صرف اپنی قوموں کی دعوت پر مامور ہوئے تھے، جن میں مشرکین کا وجود تھا، ملحدین کا نہ تھا، لیکن خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت تمام طبقوں اور قوموں کے لیے ہوئی، اس لیے آپ ؐ کی دعوت میں یہ صاف نظر آتا ہے کہ آپ انسانی عقل کی ہر صنف کو مخاطب کر رہے ہیں اور اس کے معیار اور سطح کے مطابق اس قادر مطلق کی ہستی اور وجود پر دلیلیں بھی پیش کر رہے ہیں۔ اس لیے آپ نے دوسرے پیغمبروں کی طرح صرف مشرکوں کو مخاطب نہیں فرمایا، بلکہ مشرکوں، کافروں، ملحدوں مشککوں، دہریوں، ہر ایک کو مخاطب فرمایا اور ان میں سے ہر ایک کی تسکین وتشفی کا سامان بہم پہنچایا۔

Marfat.com

ایک قادر مطلق، خالق عالم اور صانع کائنات کی ہستی کے ثبوت اور انکار پر جب سے فلسفہ کا وجود ہے ہمیشہ بحثیں پیدا ہوئیں اور دلیلیں پیش کی جاتی رہی ہیں، مصر یونان، ہندوستان، اسلامی ممالک اور آج یورپ میں بھی اس مسئلہ پر عقلائے زمانہ نے اپنی جودت ذہن، نکتہ رسی اور دقیقہ فہمی کا بہترین ثبوت پیش کیا ہے، مگر غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ دلائل کی زبان اور طرز تعبیر میں گو تبدیلی ہوتی رہی ہے، مگر اصل مغز سخن صرف ایک ہے۔ اس بنا پر وحی محمدی نے اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وجود پر جو دلیل قائم کی اس میں اسی مغز کو لے لیا ہے اور نہایت مؤثر طرز ادا میں اس کو بار بار دہرایا اور انسانوں کو متنبہ کیا ہے۔

وحی محمدی کا سب سے پہلا دعویٰ یہ ہے کہ اس ایک قادر مطلق خالق عالم اور صانع کائنات ہستی کا اعتراف انسانی فطرت میں داخل ہے، متمدن سے متمدن اور وحشی سے وحشی قوم میں بھی اس اعتراف کا سراغ ملتا ہے، آثار قدیمہ کی تحقیقات نے سینکڑوں مردہ اور گمنام قوموں کی تاریخ کا سراغ لگایا جس میں سامان تمدن، اعلیٰ خیالات اور علوم کی لاکھ کمی محسوس ہوتی ہو، مگر مذہبی عقیدت اور کسی خدا کے اعتراف کی کمی بالکل نظر نہیں آتی، ان کی عمارتوں کے منہدم کھنڈروں میں جو چیز سب سے پہلے ملتی ہے، وہ کسی معبد کی چہار دیواری ہوتی ہے، آج بھی دنیا کے مختلف گوشوں میں جو بالکل وحشی قومیں ملتی ہیں وہ بھی کسی نہ کسی شکل میں عالم کے خالق اور کائنات کے صانع کے تخیل سے بہرہ ور ہیں، غرض جماعت انسانی کا کوئی حصہ زمین کا کوئی گوشہ، زمانہ کا کوئی عہد اس تخیل سے خالی نہیں ملتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اعتراف بھی انسان کے فطری تصورات اور وجدانی جذبات میں داخل ہے اسی لیے وحی محمدی نے اس کو فطرت سے تعبیر کیا ہے۔

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (روم : ۴)

''اپنا منہ سب طرف سے پھیر کر دین کی طرف کر، یہ خدا کی وہ فطرت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا خدا کی خلقت میں تبدیلی نہیں، یہی سیدھا اور ٹھیک دین ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

﴿كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ﴾

''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔''

اسی لیے خدا کا اعتراف روز ازل کا وہ عہد و پیان ہے جو خالق و مخلوق کے درمیان ہوا تھا، اور یہ اسی عہد و پیان کا احساس ہے جو انسان کی رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہے کہ ہزار انکار کے بعد بھی کسی نہ کسی رنگ میں وہ اعتراف نمایاں ہو جاتا ہے قرآن نے اس واقعہ کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔[1]

﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِىْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا﴾ (اعراف : ۲۲)

''اور جب تیرے خدا نے بنی آدم کی پیٹھ سے ان کی نسل کو لیا اور خود ان کو ان ہی پر گواہ کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں انہوں نے کہا ہاں ہم گواہ ہیں۔''

(۱) صحیح بخاری کتاب الایمان۔

Marfat.com

انسان کا یہ جذبہ فطرت کبھی کبھی خارجی اثرات سے دب جاتا ہے وحی محمدی نے بار بار انسان کے اسی دبے ہوئے جذبہ کو ابھارا ہے اور اسی زیر خاکستر آگ کو ہوا دی ہے اور انسان کو اس کا بھولا ہوا وعدہ یاد دلایا ہے وہ انسانوں سے پوچھتی ہے۔

﴿اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (ابراھیم) (۲) ''کیا آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے خدا میں شک ہے۔''

ایک اور مقام پر اس نے کہا۔

﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ﴾ (طور : ۲) ''کیا وہ آپ ہی آپ بن گئے یا وہی اپنے آپ خالق ہیں یا ان ہی نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے (یہ کوئی بات نہیں) بلکہ ان کو یقین نہیں ہے۔''

دنیا اور کائنات جس میں انسان بھی شامل ہے اور جو اپنی عقل اور فہم کی بنا پر سب سے بالاتر ہے بہر حال موجود ہے اور اس کے اس وجود میں کوئی شک بھی نہیں ہے' اب سوال یہ ہے کہ کسی کے بن بنائے وہ آپ سے آپ بن گئی ہے یا خود اس نے اپنے آپ کو بنالیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں باطل ہیں۔ نہ آپ سے آپ کوئی چیز بن سکتی اور نہ کوئی مفعول اپنا فاعل آپ ہو سکتا ہے اگر کوئی بے وقوف یہ کہے کہ نر و مادہ مل کر اپنا بچہ پیدا کرتے ہیں تو اس سے پوچھا جائے گا کہ سلسلہ توالد و تناسل کا آغاز کیونکر ہوا' اور اولیں نر و مادہ کا اور مادہ تخلیق و روح کا خالق کون ہے۔

یہ گونا گوں عالم یہ رنگا رنگ کائنات یہ تاروں بھرا آسمان' یہ بوقلموں زمین' یہ سورج' یہ چاند' یہ درخت' یہ سمندر یہ پہاڑ یہ لاکھوں جاندار اور بے جان اشیاء' یہ علل و اسباب کا تسلسل' یہ تغیر و انقلاب کا نظام' یہ کائنات کا نظم اور اس کے ذرہ ذرہ کا قاعدہ و قانون' انسان کے اندرونی قویٰ اور ان کی باہمی ترتیب' موت و حیات کے اسرار' خواص و قویٰ کے رموز انسان کی خیالی بلند پروازی اور عملی عجز و درماندگی' یہ تمام باتیں ایک خالق و صانع کے اعتراف پر مجبور کرتی ہیں' یہ نیلگوں آسمان کی چھت' یہ زمین کا سبزہ زار فرش اور ایک ہی حرکت سے شب و روز کا انقلاب ایک خالق کل کا پتہ دیتا ہے۔

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ (آل عمران : ۲) ''آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدلنے میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

یہ شب و روز کا نور و ظلمت یہ سورج اور یہ چاند کی روشنی' ان کی مقررہ رفتار' اور باقاعدہ طلوع و غروب اس کی دلیل ہے کہ اس ابلق ایام پر کوئی سوار ہے جس کے ہاتھ میں اس کا سیاہ و سپید ہے۔

﴿وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ﴾ (فصلت : ۵) ''اور اس کی نشانیوں میں سے رات' دن اور سورج اور چاند ہیں۔''

آسمان اور زمین کی پیدائش' دن اور رات کا الٹ پھیر تو ہے' دیکھو کہ خطرناک سمندروں میں کس طرح لوگ

Marfat.com

ایک ملک سے دوسرے ملک کو تجارت کا سامان لے کر دوڑتے پھرتے ہیں' اگر پانی میں مٹی کا اور لوہے کا ذرہ بھی ڈالو تو فوراً ڈوب جائے گا۔ مگر یہ لاکھوں من کے لدے ہوئے جہاز کیسے پھول کی طرح پانی پر تیر رہے ہیں جس طرح فطری قاعدہ کے بموجب یہ عمل ظہور میں آ رہا ہے وہ جس کے حکم سے بنا ہے اس کا کتنا بڑا احسان ہے' پھر ان سمندروں سے بخارات اٹھتے ہیں وہ اوپر جا کر بادل بنتے ہیں اور وہ وہیں پہنچ کر برستے ہیں جہاں پیداوار اور زمین کی نشوونما کی حاجت ہے اور پھر وہ بادل ہواؤں کے تخت پر بیٹھ کر کیسے ادھر ادھر ضرورت کے مطابق اڑتے پھرتے ہیں۔

﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ وَ الۡفُلۡکِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَ بَثَّ فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ﴾ (بقرہ : ۲۰)

''بے شبہ آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش اور دن رات کے الٹ پھیر میں اور ان جہازوں میں جو انسانوں کے لیے فائدہ رساں سامان لے کر سمندر میں چلتے ہیں اور آسمان سے اس کے پانی برسانے اور پھر اس پانی کے ذریعہ مرے پیچھے زمین کو زندگی بخشنے میں اور زمین میں ہر طرح کے چلنے والوں کے پھیلانے میں اور ہواؤں کے کبھی ادھر اور کبھی ادھر بدلنے میں اور آسمان وزمین کے بیچ میں جو بادل کام لگے ہیں ان سب میں سمجھ بوجھ والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔''

آسمان اور زمین کی عجیب وغریب خلقت کے ساتھ خود انسان کی اپنی پیدائش کی حکایت کتنی عجیب ہے۔

﴿وَ هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجۡنَا وَ فِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَ مَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّةٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ﴾ (جاثیه)

''بے شک آسمانوں میں اور زمین میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور خود تمہاری پیدائش میں اور جو چلنے والے پھیلائے ان میں یقین کرنے والوں کے لیے دلیلیں ہیں۔''

سورۂ انعام میں نباتات اور ان کی نیرنگیوں کو اپنی ہستی کی دلیل میں پیش کیا' یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک ہی زمین ہے جس میں سے وہ اگتے ہیں ایک ہی پانی ہے جس سے وہ سینچے جاتے ہیں' ایک ہی ہوا ہے جس سے وہ سانس لیتے ہیں مگر کتنے رنگ برنگ کے پھل پھول میوے اور درخت لگتے ہیں جن میں سے ہر ایک کا رنگ ہر ایک کا مزہ ہر ایک کی پتی ہر ایک کا قد وقامت ہر ایک کے خواص اور فائدے دوسرے سے بالکل الگ ہوتے ہیں۔

﴿وَ هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ نَبَاتَ کُلِّ شَیۡءٍ فَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهُ خَضِرًا نُّخۡرِجُ مِنۡهُ حَبًّا مُّتَرَاکِبًا ۚ وَ مِنَ النَّخۡلِ مِنۡ طَلۡعِهَا قِنۡوَانٌ دَانِیَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّ الزَّیۡتُوۡنَ وَ الرُّمَّانَ مُشۡتَبِهًا وَّ غَیۡرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنۡظُرُوۡۤا اِلٰی ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَ یَنۡعِهٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکُمۡ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ﴾

(انعام : ۱۲)

''اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا' پھر ہم نے اس سے اگنے والی ہر چیز نکالی' پھر اس سے سبز خوشے نکالے جن سے ہم جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے میں سے لٹکتے گچھے اور انگور کے باغ اور زیتون اور انار ہم شکل اور جدی جدی شکل کے جب وہ پھلیں تو ان کے پھل اور پکنے کو دیکھو بے شک ان میں ایمان والے لوگوں کے لیے دلیلیں ہیں۔''

Marfat.com

سورۂ روم میں پہلے مٹی سے انسان کی پیدائش کو پھر اس میں عورت مرد کے جوڑے ہونے کو اور ان کے درمیان مہر و محبت کے جذبات کے ظہور کی اپنی ہستی کو دلیل بتایا ہے' پھر اپنی قدرت کے دوسرے عجائبات کو جو آسمان سے زمین تک پھیلے ہیں' ایک ایک کر کے پیش کیا ہے' اول تو خود انسانوں کی پیدائش' پھر ان میں عورت مرد ہونا اور ان کے درمیان جذبات کی لہر' پھر مختلف قوموں کی بولیوں' شکلوں اور رنگوں کو دیکھو کہ ایک ایک سے الگ ہے' پھر انسانوں کے اندر کے اعمال کو دیکھو' ایک نیند ہی کی حقیقت پر غور کرو یہی تمہاری آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔

﴿وَ مِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ وَ مِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَ جَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّ رَحْمَۃً اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ وَ مِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَ اَلْوَانِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ وَ مِنْ اٰیٰتِہٖ مَنَامُکُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّھَارِ وَ ابْتِغَآؤُکُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ وَ مِنْ اٰیٰتِہٖ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ وَ مِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِہٖ﴾ (روم : ۳)

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر تم آدمی بن کر چلتے پھرتے ہو' اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے بنائے کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تم سب کے درمیان پیار اور مہر رکھا اور اس میں ان لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں (دلیلیں ہیں) اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں کی اور زمین کی بناوٹ اور تمہاری بولیوں اور رنگوں کی بوقلمونی ہے' اس میں جاننے والوں کے لیے یقیناً دلیلیں ہیں اور اس کی عجیب قدرتوں میں سے تمہارا رات اور دن میں سونا اور تمہارا اس کی مہربانیوں کو تلاش کرنا ہے اس میں ان کے لیے جو سنتے ہیں دلیلیں ہیں اور اس کے عجائب قدرت میں سے یہ ہے کہ تمہیں وہ بجلی کی چمک دکھاتا ہے' جس سے تم ڈرتے ہو اور کبھی (رحمت کی بارش کی) امید رکھتے ہو اور وہ آسمان سے پانی برساتا ہے' پھر اس میں ان کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں دلیلیں ہیں اور اس کی دلیلوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔''

اس آخیر آیت میں آسمان اور زمین کے اس کے حکم سے قائم رہنے کا ذکر ہے' تم کہتے ہو کہ یہ باہمی جذب و کشش سے قائم ہیں' لیکن خود یہ جذب و کشش کس کی کشش کا نتیجہ ہے؟ یہ خود حیرت انگیز ہے' سورۂ لقمان میں آسمانوں کے بلا کسی نظر نہ آنے والے سہارے کے کھڑے ہونے اور زمین کے اپنی جگہ پر ٹھہرے ہونے کا ذکر ہے' یہ نظر نہ آنے والا سہارا قوت کشش ہی سہی لیکن وہ بھی تو اسی کے اسرار میں سے ہے' اس کے بعد ایک جاندار و بے حیات مردہ زمین کے اندر سے پانی برسنے کے ساتھ انواع و اقسام کی زندگی کے نمونوں کا ابھر آنا کتنا حیرت انگیز ہے' یہ بھی اسی کا کرشمہ ہے۔

﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا وَ

''اس نے آسمانوں کی چھت کو کسی ایسے ستونوں کے بغیر کھڑا

Marfat.com

﴿اَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ کُلِّ دَآبَّةٍ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ کَرِیْمٍ﴾ (لقمان : ۱)

کیا ہے جو تم کو نظر آتے ہوں اور زمین میں ایسے کھونٹے ڈال دیئے کہ وہ تم کو لے کر ہل نہ جائے اور اس نے اس زمین پر ہر قسم کے چلنے پھرنے والے پھیلائے اور آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اسی زمین سے ہر اچھے جوڑے پیدا کیے۔"

سورۂ سجدہ میں انسان کی پیدائش کا مٹی سے آغاز' پھر قطرہ آب (نطفہ) سے ذریعہ توالد وتناسل' پھر اس کے سڈول جسم کا بن جانا' پھر اس مٹی کے مردہ قالب میں دفعۃً کہیں سے زندگی آ جانا اور اس میں روح پھک جانا' اور اس میں علم وحواس کے حیرت انگیز آلات کا پیدا ہو جانا ان سب کو اپنی صفت میں پیش کیا ہے۔

﴿اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ﴾ (سجدہ : ۱)

"وہ جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر اس کی نسل ذلیل سے نچڑے پانی سے بنائی پھر اس کو سڈول کیا اور اس میں اپنی جان سے کچھ پھونک دیا اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنا دیئے' تم ان احسانوں کا بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔"

مردہ زمین کے اندر کیا کیا قوتیں ودیعت ہیں اور خود انسانوں کے جسم وجان میں عجائبات کا کتنا خزانہ رکھا ہے' لیکن کوئی صاحب نظر ادھر نہیں دیکھتا' انسان کی زندگی' اس کے اندرونی جذبات حواس' ذہنی قویٰ اور دماغی حرکات ان میں سے ہر شے معمہ ہے۔

﴿وَ فِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَ فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ (ذاریات : ۱)

"اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور خود تمہاری جانوں کے اندر' کیا تم نظر نہیں کرتے۔"

جانوروں کے جسموں کے اندر جو عجیب وغریب نظام ہے' وہ بھی غور کے قابل ہے' ایک ہی گھاس پھوس کی غذا ان کے پیٹ میں جاتی ہے' پھر اس کا کچھ حصہ لید اور گوبر' کچھ خون اور کچھ دودھ بن جاتا ہے' اور اسی لید اور گوبر کے باہر آنے کے راستوں اور سرخ خون کی رگوں کے درمیان سے خالص سپید' شیریں دودھ کی دھاروں کا نکلنا کتنا عجیب ہے۔

﴿وَ اِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ﴾ (نحل : ۹)

"اور تمہارے لیے جانوروں میں عبرت ہے' ہم تمہیں ان کے پیٹوں کے اندر سے لید اور خون کے بیچ سے خالص اور پینے والوں کے لیے خوشگوار دودھ پلاتے ہیں۔"

ایک ہی قسم کے پھل ہیں' اگر ان کو ایک طرح سے کھاؤ تو تمہاری عقل اور قوت کو بڑھاتے ہیں اور دوسری طرح کھاؤ تو اس کو ضائع کر دیتے ہیں۔

﴿وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ

"اور چھوہاروں اور انگوروں کے پھلوں کو دیکھو کہ ان

Marfat.com

مِنۡهُ سَكَرًا وَّ رِزۡقًا حَسَنًا اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ﴾ (نحل : ۹)

میں سے تم نشہ اور اچھی روزی بھی حاصل کرتے ہیں' اس میں سمجھ والوں کے لیے دلیل ہے۔''

زمین اور زمین پر کی مخلوقات کو چھوڑ کر اوپر آسمان کی طرف نظر اٹھاؤ' سورج کا روشن چراغ اور چاند کی خوش نما قندیل کتنی عجیب ہے' پھر سورج کو دیکھو کہ سال کے بارہ مہینوں میں آسمان کے بارہ برج طے کر کے کس طرح زمین میں مختلف موسموں اور زمانوں کو نمایاں کرتا ہے۔

﴿تَبٰرَكَ الَّذِیۡ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّ جَعَلَ فِیۡهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیۡرًا﴾ (فرقان)

''بابرکت ہے وہ ہستی جس نے آسمانوں میں برج بنائے اور ان میں ایک چراغ اور چمکانے والا چاند بنایا۔''

ان ہی چند چیزوں تک اس کی قدرت کے عجائبات محدود نہیں بلکہ ہر شے اپنی محکم روش اور اپنے قانون سے اس کی گواہی دیتی ہے۔

﴿صُنۡعَ اللّٰهِ الَّذِیۡۤ اَتۡقَنَ كُلَّ شَیۡءٍ﴾ (نمل : ۷)

''اس اللہ کی صنعت ہے جس نے ہر شے کو مضبوط (نظام پر) بنایا۔''

اس کی صنعت ہر قسم کے عیب سے پاک ہے' اس میں مستحکم نظم ونسق کی بندش نظر آتی ہے۔

﴿مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ كَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡكَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیۡرٌ﴾ (ملک)

''تجھے مہروالے خدا کی بناوٹ میں کوئی بے برابری نظر آتی ہے؟ پھر نگاہ کر' کیا کوئی فطور دکھائی پڑتا ہے' پھر دہرا کر دوبارہ نظر کر تیری نگاہ رد ہو کر تھک کر تجھ تک پلٹ آئے گی (مگر کوئی نقص نہ پاسکے گی)۔''

اس قسم کی اور سینکڑوں آیتیں ہیں' جن کا استقصاء بھی مشکل ہے' ان آیتوں میں تین قسم کے دلائل۔

(۱) قدرت کے عجائبات اور نیرنگیاں' اور پھر ان کا ایک قانون کے ماتحت ہونا۔

(۲) عالم کا نظم ونسق اور اس کا مرتب سلسلہ۔

(۳) کائنات اور سلسلہ عالم کی ہر کڑی میں بے انتہا مصلحتوں' حکمتوں اور فائدوں کا ہونا۔

ان مقدمات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کائنات اور اس کے یہ عجائبات اور اس کے یہ منظم علل واسباب خود بخود بخت واتفاق سے نہیں بن گئے بلکہ کسی حکیم ودانا اور قادر مطلق صانع نے اپنی قدرت اور ارادہ سے ان کو بنایا ہے۔

اہل فلسفہ اور متکلمین عالم کے وجود پر عموماً یہ دلیل پیش کیا کرتے ہیں کہ ہم بداہتہ دیکھتے ہیں کہ عالم میں ہر چیز کے لیے علل واسباب کا سلسلہ ہے' یہ سلسلہ یا تو کہیں جا کر ختم ہوگا یا یوں ہی مسلسل چلا جائے گا۔ اگر یہ یونہی مسلسل چلا جائے گا تو لازم آتا ہے کہ ہر چیز کے پیدا ہونے پر غیر متناہی علل گزر جائیں اور غیر متناہی علل کا خاتمہ نہیں ہوسکتا اور نہ کہیں ان کا آغاز ہوسکتا ہے اس لیے کوئی چیز پیدا بھی نہیں ہوسکتی تسلسل عقلاً بھی محال ہے' بلکہ انسان اس کے تخیل سے بھی عاجز ہے' اس بناء پر لامحالہ سلسلہ علل کا کہیں خاتمہ ہونا ضروری ہے جس علت کل پر تمام علتیں ختم ہو جاتی ہیں وہی خلق وپیدائش اور وجود وکون کی اصل علت العلل ہے۔

یہ دلیل گو بہت کچھ پیچیدہ اصلاحات سے لبریز اور بہت سے محذوف مقدمات پر مبنی ہے' تاہم وہ انسانی عقل

Marfat.com

میں آئی ہے اور بہتوں کے لیے تسکین کا باعث ہے قرآن پاک کی ایک دو آیتوں میں بھی اس دلیل کا ماخذ مذکور ہے سورۂ ہود کے آخر میں ہے۔

﴿وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ (ھود : ۱)

''اور خدا ہی کے پاس ہے آسمان اور زمین کی چھپی بات اور اسی کی طرف ہر بات لوٹائی جاتی ہے تو اس کو پوج اور اس پر بھروسہ کر اور یہ کہ تیرے رب کی طرف ہے سب کی انتہا۔''

آنحضرت ﷺ انسانی کمزوریوں سے واقف تھے چند صحابیوں نے آ کر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی ہمارے دلوں میں ایسے خیالات اور وسوسے آتے ہیں جن کو ہم زبان سے ادا نہیں کر سکتے' فرمایا' کیا تم کو یہ کیفیت حاصل ہوگئی؟ گزارش کی ہاں یا رسول اللہ! فرمایا یہ تو خالص ایمان ہے' مقصود یہ ہے دل میں وسوسوں کا آنا اور پھر ان وسوسوں کو اتنا مد بر جاننا کہ ان کا زبان پر لانا بھی وہ گناہ سمجھے' یہ کیفیت ایمانی کے بغیر ممکن نہیں' اسی طرح آپ نے فرمایا لوگ علم و دانش کا سوال کرتے ہیں' کہتے ہیں کہ خیر اس کو تو خدا نے پیدا کیا اور پھر اس خدا کو کس نے پیدا کیا' آسمان کو خدا نے بنایا زمین کو خدا نے بنایا' یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے پھر پوچھتے ہیں' اچھا تو پھر خدا کو کس نے پیدا کیا۔ فرمایا یہ شیطانی وسوسہ ہے' جب یہ حالت کسی کو پیش آئے تو کہہ دے ﴿اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ﴾ میں اللہ پر ایمان لایا۔[1]

یہ تعلیم درحقیقت اسی مسئلہ کی ہے کہ خدا پر تمام علتوں کی انتہا ہے اور اس کے بعد کوئی علت نہیں اس لیے یہ وسوسہ لائق جواب نہیں' یہ جہالت اور نادانی کا سوال ہے۔

توحید پر عقلی دلیلیں:

اگر کوئی عالم کا خالق و صانع ہے تو وہ یقیناً ایک ہے دو نہیں تاہم دنیا میں ایسے عقل مند بھی ہیں' جو دو تین بلکہ متعدد خداؤں کے قائل ہیں' اور عالم کی ایک مملکت کو سینکڑوں حصوں میں تقسیم کر کے ان کو مختلف خداؤں کی حکومتیں قرار دیتے ہیں' وحی محمدی نے اس شرک کے ابطال پر سب سے زیادہ جس دلیل کو پیش کیا ہے وہ نظام عالم کی یکسانی اور وحدت اور کائنات کے علل و اسباب کا باہم توافق' تعاون اشتراک اور اتحاد ہے' دنیا میں ایک ذرہ بھی اس وقت تک پیدا ہو نہیں سکتا جب تک آسمان سے لے کر زمین تک کی تمام کارکن قوتیں اور اسباب ایک دوسرے کے موافق و مناسب نہ ہوں اور باہم ان میں اشتراک عمل نہ ہو' ایک دانہ زمین سے اس وقت تک اگ نہیں سکتا' جب تک دانہ اگنے کے لائق نہ ہو' زمین میں اگانے کی صلاحیت نہ ہو' موسم اس کے مناسب نہ ہو' بارش موافق نہ ہو' آفتاب سے اس کو گرمی اور روشنی اس کے مزاج کے مطابق بہم نہ پہنچے' پھر اس کے اگنے کے موانع اور عوائق ایک ایک کر کے دفع نہ ہوں' ان سب مراحل کے بعد وہ دانہ اگے گا اور پھل لائے گا' قرآن پاک نے اسی حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ (انبیاء : ۲)

''اگر زمین و آسمان میں اس ایک خدائے برحق کے سوا اور خدا بھی ہوتے تو زمین و آسمان برباد ہو جاتے' تو پاک ہے عرش والا خدا ان باتوں سے جو یہ مشرک کہتے ہیں۔''

---

(۱) یہ دونوں حدیثیں صحیح مسلم کتاب الایمان میں متعدد روایتوں سے مذکور ہیں۔

Marfat.com

آسمان وزمین کا یہ تمام کاروبار' یہ تمام قوانین قدرت' اگر ایک کے بجائے دو طاقتوں کے ہاتھوں میں ہوتے تو یہ باہمی تصادم میں ایک لمحہ کے لیے بھی قائم نہ رہتے' فلسفیانہ اصطلاحات میں اس مطلب کو ادا کرو' تو یوں ہوگا کہ عالم کائنات معلول ہے' اس کی کوئی علت تامہ ہوگی' یہ ظاہر ہے ایک معلول کی دو علت تامہ نہیں ہوسکتیں کیونکہ علت تامہ اس کو کہتے ہیں جس کے وجود کے بعد معلول کے وجود میں کسی اور چیز کا انتظار نہ ہو اب عالم کی علت تامہ اگر ایک نہ ہو' بلکہ دو ہوں تو سوال یہ ہے کہ ایک علت تامہ کے وجود کے بعد عالم کے وجود میں دوسری علت تامہ کا انتظار رہے گا یا نہیں اگر رہے گا تو پہلی شے علت تامہ نہیں رہے گی اور اگر انتظار نہ رہے گا تو دوسری شے علت تامہ نہ ہوگی' اس سے ثابت ہوا کہ عالم کی علت تامہ ایک ہی ہوسکتی ہے۔

توحید کے ثبوت اور شرک کے ابطال کی دوسری دلیل نظام عالم کی وحدت ہے' سورج' چاند اور تاروں سے لے کر انسان حیوان ہوا پانی درخت گھاس پات تک کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ سب ایک مقرر نظام اور بندھے اصول کے ماتحت ہیں جن میں کبھی سر موفرق نہیں ہوتا' ہر شے ایک اصول کی پابند' اور ایک عادت جاریہ کے مطابق چل رہی ہے' گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سب میں یکسانی اور مساوات کی ایک خاص وحدت قائم ہے اور وہ سب کسی ایک ہستی کے اشارے پر چل رہے ہیں۔:

﴿وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (مومنون : ۵)

''اور نہ اس خدائے برحق کے ساتھ کوئی اور خدا ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا اور ایک دوسرے پر چڑھ جاتا۔''

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِی الْعَرْشِ سَبِيْلًا۝سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ (بنی اسرائیل : ۵)

''کہہ اگر خدائے برحق کے ساتھ کچھ اور خدا ہوتے جیسا کہ (یہ مشرکین کہتے ہیں تو ایسی حالت میں وہ تخت والے (حکمران) خدا سے حکومت چھیننے کا راستہ ڈھونڈتے' پاک اور بلند ہے وہ (خدا) اس بات سے جس کو یہ (مشرک) کہتے ہیں' اس (خدائے برحق) کی پاکی ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان کے اندر ہے' بیان کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی پاکی کی گواہی نہ دیتی ہو۔''

اسی وحدت نظام کے استدلال کو ایک اور آیت میں خدا نے بیان فرمایا ہے۔

﴿مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ﴾ (ملک)

''تو خدا کے بنائے میں کوئی فرق نہیں دیکھتا' پھر نگاہ کر' کیا کوئی فطور تجھ کو دکھائی دیتا ہے؟ پھر دوبارہ نظر دوڑا' تیری نظر رد ہو کر تھک کر واپس جائے گی۔''

اس واقعاتی استدلال سے بڑھ کر جو بالکل نظم فطرت پر مبنی ہے کوئی دوسری صحیح دلیل نہیں ہوسکتی' اسی لیے قرآن

Marfat.com

پاک نے اس کو اختیار کیا ہے' یہ دنیا وحدت نظام ہی کے ماتحت چل رہی ہے' ورنہ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی چل نہ سکے' اسی سے اس دنیا کے حاکم وفرمان روائے مطلق کی وحدت بخوبی ثابت ہے۔

توحید کی تکمیل:

توحید خواہ کسی قدر محرف' شرک آمیز اور ناقص شکل میں ہو' دنیا کے تمام مذاہب وادیان کی مشترک اور اولین تعلیم ہے لیکن ان مذاہب میں وہ کسی خاص اصل پر مبنی نہ تھی' محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم نے اس عمارت کو چند خاص اصول کے بنیادی پتھروں پر قائم کیا۔ یہ پتھر کیا ہیں؟ خدا کی حقیقی عظمت کی شناخت اور اس عالم کائنات میں انسان کی اصلی حیثیت اور مرتبہ کی تعیین۔

خدا کی حقیقی عظمت:

اہل عرب ایک حقیقی قوت کے نام سے واقف تھے اور اس کو خالق بھی مانتے تھے' مگر قدرت کے کارخانہ کا اس کو تنہا مالک نہیں سمجھتے تھے' یہودیوں کا خدا' ایک خاندانی خدا تھا' جس نے ساری دنیا صرف بنی اسرائیل کے لیے پیدا کی تھی' اور اس کو بنا کر ساتویں دن وہ تھک کر بیٹھ گیا تھا' وہ انسانوں سے کشتی لڑتا تھا' اس کی اولادیں تھیں' عیسائیوں کا خدا سب کچھ مسیح بن مریم کو دے کر خود معطل ہو گیا تھا' ایرانیوں کے خدا کی خدائی نیکی و بدی کی دو مملکتوں میں بٹی ہوئی تھی' ہندوؤں کا خدا اوتاروں کا بھیس بدل کر لاکھوں خدا بن گیا تھا اور برہما مہیش اور بشن تینوں نے مل کر خدائی کے کاروبار باہم تقسیم کر لیے تھے۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے اس خدا کا جلوہ نمایاں کیا جو آسمان کے اوپر سے لے کر زمین کے نیچے تک کا تنہا مالک ہے' اس کے کاروبار میں کوئی دوسرا شریک نہیں' اس کی شاہنشاہی میں کسی دوسرے کا حصہ نہیں اس کے کارخانہ قدرت میں کوئی دوسرا ساجھی نہیں' کائنات کا کوئی ذرہ اس کے حکم سے باہر نہیں' دنیا کی کوئی چیز اس کی نگاہوں سے چھپی نہیں' شجر' حجر جنگل پہاڑ' صحرا' دریا' سورج چاند' زمین آسمان انسان حیوان زبان والے اور بے زبان سب اس کے آگے سربسجود اور اس کی تسبیح و تہلیل میں مصروف ہیں' سب کمزور ہیں وہی ایک قوت والا ہے' سب جاہل ہیں' اسی ایک کو علم ہے' سب فانی ہیں' اسی ایک کو بقا ہے' سب محتاج ہیں وہی ایک بے نیاز ہے' سب اس کے بندے ہیں وہی ایک شہنشاہ ہے' غرض عرش سے فرش تک جو کچھ ہے وہ اس کا ہے اور اس پر صرف اسی کی حکمرانی ہے وہ ہر عیب سے پاک ہر برائی سے منزہ اور ہر الزام سے بری ہے' وہ ہر قسم کے صفات عالیہ' اوصاف کمالیہ اور محامد جمیلہ سے متصف ہے۔ اس کے مانند کوئی نہیں' اس کی شبیہ ومثال کوئی نہیں' وہ تشبیہ وتمثیل سے بالاتر اور انسانی رشتے ناطے سے پاک ہے۔

﴿ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَہُ الْمُلْکُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ﴾ (زمر : ۱۱) — ''وہ ہے اللہ تمہارا رب اس کی بادشاہی ہے اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے۔''

﴿لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (زمر : ۱۱) — ''آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اس کی ہے۔''

﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (انعام : ۷) — ''آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا۔''

﴿عَالِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَۃِ﴾ (انعام : ۹) — ''چھپی اور کھلی کا جاننے والا۔''

Marfat.com

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ﴾ (قصص : ۹)

''اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے' اسی کے ہاتھ میں فیصلہ کی طاقت ہے۔''

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (شوریٰ : ۳)

''اس کے مانند کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔''

﴿هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ (مؤمن)

''وہی زندہ ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔''

﴿وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ﴾ (انعام : ۷)

''غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں اسکے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا' خشکی اور تری میں جو کچھ ہے وہ اس کو جانتا ہے درخت کا کوئی پتا نہیں گرتا اور نہ زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے لیکن وہ اس کے علم میں ہے۔''

﴿اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (آل عمران : ۳)

''اے اللہ! اے بادشاہی کے مالک' تو جس کو چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت نصیب کرے تیرے ہاتھ میں بھلائی ہے بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

﴿وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (یونس : ۱۱)

''اور اگر اللہ تجھے مصیبت پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ بھلائی کرے تو اس کے فضل و کرم کا کوئی روکنے والا نہیں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اپنے فضل و کرم سے ممتاز کرے' اور وہی گناہ کو معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾ (بقرہ : ۲۴)

''اللہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہیں' وہی جیتا ہے اور سب اس کے سہارے جیتے ہیں' اس کو نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے' کون ایسا ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے جو لوگوں کے روبرو ہے اور جو ان کے پیچھے ہے سب کو جانتا ہے اور وہ اس کے علم کے حصہ کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے اس کا تخت آسمانوں کو اور زمین کو سمائے ہے ان آسمانوں کی اور زمین کی نگرانی اس کو تھکاتی نہیں اور وہی اوپر اور بڑا ہے۔''

Marfat.com

﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا يَعْرُجُ فِيهَا وَ هُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ وَ إِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ﴾ (حدید)

''جو زمین میں گھستا اور جو اس سے نکلتا ہے جو آسمان سے اترتا اور اس میں چڑھتا ہے وہ سب کو جانتا ہے اور تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور تم جو کچھ کرو اللہ اس کو دیکھتا ہے اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور تمام کاموں کا مرجع وہی ہے

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (فاتحہ: ۱)

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام عالم کا پالنے والا ہے''۔

﴿وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (آل عمران: ۹)

''اور آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس کے زیر فرمان ہے۔''

﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ﴾ (جمعہ: ۱)

''آسمان میں اور زمین میں جو ہے سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔''

﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ (اسرائیل: ۸)

''اور کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو۔''

ان معنوں کی ہزاروں آیتیں قرآن پاک میں ہیں' ان تعلیمات نے خدا کی عظمت و جلالت اور کبریائی کا وہ جلوہ پیش کیا۔ جس کے سامنے معبودان باطل کی عزت خاک میں مل گئی' بتوں کی بڑائی کا طلسم ٹوٹ گیا' سورج چاند تاروں کی خدائی کا چراغ ہمیشہ کے لیے بجھ گیا جن و انس' شجر و حجر' بحر و بر سب اس کے جلال و جبروت کے سامنے سر بسجود نظر آئے پھر اس کے سوا کون تھا جو نیرنگ وجود کے ساز سے ﴿انا الله لا اله الا هو﴾ میں ہوں خدا جس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں کی صدا بلند کر سکتا۔

انسان کا مرتبہ:

توحید محمدی کا دوسرا بنیادی اصول اس عالم خلق میں انسان کی حیثیت اور درجہ ہے جو لوگ بتوں کو سجدہ کرتے ہیں پتھروں کو پوجتے ہیں' درختوں کے آگے جھکتے ہیں' جانوروں کو دیوتا مانتے ہیں' جنات اور ارواح خبیثہ کے نام کی دہائی پکارتے ہیں' انسانی مخلوقات کو ارباب جانتے ہیں انسانوں کو خدا سمجھتے ہیں' وہ حقیقت میں انسان کے درجہ اور مرتبہ سے ناواقف ہیں' وہ دراصل اس طرح انسان کو پتھروں سے درختوں سے جانوروں سے دریاؤں سے پہاڑوں سے اور چاند تاروں سے کمتر جانتے ہیں' انہوں نے درحقیقت انسان کے اصلی رتبہ اور حیثیت کو نہیں پہچانا' آنحضرت ﷺ نے اپنی وحی کی زبان سے جاہل عربوں کو یہ نکتہ سمجھایا کہ انسان اس عالم خلق میں تمام مخلوقات سے اشرف ہے اور وہ اس دنیا میں خدا کی نیابت کا فرض انجام دینے آیا ہے' قرآن کے ابتدائی سورت میں آدمؑ کی خلافت کا قصہ محض داستان نہیں بلکہ انسان کی اصلی حیثیت کو عیاں اور نمایاں کرنے والی تعلیم کا اولین دیباچہ ہے اس کو فرشتوں کا مسجود بنانا گویا تمام کائنات کا مسجود بنانا تھا' اس کو تمام اسماء کا علم عطا کرنا گویا تمام اشیاء کو اس کے تصرف میں دینا تھا وہ ﴿انی جاعل فی الارض خلیفة﴾ کے فرمان کے رو سے اس عالم میں خدا کا نائب ہے اور اس کا سر خلافت الٰہی کے تاج سے ممتاز ہے' کروڑوں مخلوقات الٰہی میں خدا کی امانت کا حامل وہ منتخب ہوا' یہ منصب' اعلیٰ نہ فرشتوں کو ملا' نہ آسمان کو عطا

Marfat.com

ہوا' نہ زمین کے حصہ میں آیا' نہ پہاڑ اس کے مستحق قرار پائے' صرف انسان ہی کا سینہ تھا جو اس امانت کا خزینہ دار ہوا اور اسی کی گردن تھی جو اس بوجھ کے قابل نظر آئی فرمایا۔

﴿اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ الۡجِبَالِ فَاَبَيۡنَ اَنۡ يَّحۡمِلۡنَهَا وَ اَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَ حَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ﴾ (احزاب : ۹)

''ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کی تو سب نے اس بار (امانت) کو اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈرے اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔''

وحی محمدیؐ نے انسان کا رتبہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بزرگیوں سے سرفراز فرمایا عالم مخلوقات میں برتر بنایا اور انعام واکرام سے معزز کیا ہے۔

﴿وَ لَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِيۡۤ اٰدَمَ وَ حَمَلۡنٰهُمۡ فِى الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ وَ رَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلۡنٰهُمۡ عَلٰى كَثِيۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِيۡلًا﴾ (بنی اسرائیل : ۷)

''ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے خشکی اور تری میں ان کو سواری دی اور ستھری چیزوں کی ان کو روزی بخشی اور اپنی بہت سی پیدا کی ہوئی چیزوں پر ان کو فضیلت عطا کی۔''

انسان ہی وہ مخلوق ہے' جو سب سے معتدل قویٰ اور بہترین اندازہ کے ساتھ دنیا میں پیدا ہوئی۔

﴿لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِيۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِيۡمٍ﴾ (التین : ۱)

''البتہ ہم نے انسان کو بہتر اندازہ پر پیدا کیا۔''

یہاں تک کہ انسان خدائی صورت کا عکس قرار پایا' متعدد حدیثوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ [(۱)] اسی بناء پر آپ نے تعلیم دی کہ غلام کو سزا دو تو اس کے چہرہ پر نہ مارو کہ وہ صورت الٰہی کا عکس ہے عین میدان جنگ میں اگر تلواریں برس رہی ہوں تو حریف کے چہرہ پر وار نہ کرنا چاہیے۔ [(۲)] کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا ہے [(۳)] غصہ میں بھی نہ کہنا چاہیے کہ خدا تیرے چہرہ کو اور تیرے جیسے چہرہ کو بگاڑ دے کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر خلق کیا [(۴)] ان حدیثوں کا مطلب یہ نہیں کہ انسان کی طرح خدا کی کوئی جسمانی شکل ہے اور آدم کی شکل اس کی نقل ہے ﴿لیس کمثلہ شیء﴾ بلکہ یہ مطلب ہے کہ انسان میں خدا کی صفات کاملہ کی ایک دھندلی سی جھلک موجود ہے' علم' قدرت' حیات' سمع' بصر ارادہ غضب رحم' سخا وغیرہ صفات کی ناقص مثالیں اس کے اندر اللہ نے ودیعت رکھی ہیں' اور چونکہ انسان کے تمام اعضاء میں اس کا چہرہ ہی اس کی شخصیت کا آئینہ دار اور اس کے اکثر حواس کا مصدر ہے' جن سے اس کے تمام اوصاف کا ظہور ہوتا' ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے انسان کے اعضاء میں اسی کو فیض رحمانی کا مورد ظاہر کیا۔ [(۵)] اب غور کرو کہ وہ چہرہ جس کو خدا سے ایسی نسبت ہے کیا اس لائق ہے کہ غیر

(۱) صحیح بخاری کتاب الاستیذان' ابن ابی عاصم فی السنہ والطبرانی من حدیث ابن عمر باسناد رجالہ ثقات وادب المفرد بخاری واحمد بن ابی ہریرہ وصحیح مسلم کتاب البر نیز توراۃ میں بھی یہ فقرہ ان الفاظ میں ہے' جس دن خدا نے آدم کو پیدا کیا خدا کی صورت پر اسے بنایا۔ پیدائش ۵۔۲)
(۲) صحیح بخاری کتاب العتق وصحیح مسلم کتاب البر والصلہ۔
(۳) صحیح مسلم کتاب البر آخری ٹکڑا صرف مسلم میں ہے۔
(۴) ادب المفرد امام بخاری باب لاتقل قبح اللہ وجہہ۔ (۵) اس حدیث کی شرح میں فتح الباری شرح بخاری میں یہ قول نقل کیا گیا ہے۔

Marfat.com

خدا کے آگے زمین پر رکھا جائے۔

انسان تو کائنات میں خلیفہ اللہ بن کر آیا ہے۔

﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ﴾ (انعام): ''اور اسی نے تم کو زمین کا نائب بنایا۔''

تو اب وہ عالم کائنات میں خدا کے سوا کس کو سجدہ کرے۔

روئے زمین کی تمام چیزیں اس کے خاطر بنیں وہ روئے زمین کی چیزوں کی خاطر نہیں بنا ہے۔

﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ (بقرہ : ۲) ''جو کچھ زمین میں ہے خدا نے (اے انسانو) تمہارے لیے بنایا۔''

﴿اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ﴾ (حج : ۹) ''زمین میں جو کچھ ہے خدا نے اس کو تمہارے بس میں دے دیا ہے۔''

تو اب وہ روئے زمین کی کس ہستی کے سامنے سر جھکائے۔

مشرک' بت پرست' ستارہ پرست' فطرت پرست' حقیقت میں غیروں کے آگے جھک کر یہ ثبوت دیتے ہیں کہ یہ ان کے لیے نہیں بلکہ وہ ان کے لیے بنے ہیں' جو چاند اور سورج کو پوجتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ چاند اور سورج ان کے لیے نہیں' بلکہ وہ چاند اور سورج کے لیے بنے ہیں' محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی وحی اور تعلیم کے ذریعہ سے یہ بتایا کہ کائنات کی ہر چیز انسان کے لیے بنی ہے اور انسان خدا کے لیے بنا ہے' اس لیے جب کائنات کا ہر ذرہ انسان کی خدمت گزاری میں مصروف ہے تو انسان کو بھی خدا ہی کی خدمت گزاری میں مصروف رہنا چاہیے۔

ابر و باد ومہ و خورشید و فلک در کارند تا تو نانے بکف آری و غفلت نہ خوری

انسانوں نے آسمانی مخلوقات کو اپنا معبود بنایا' تو وحی محمدی نے ان سے کہا۔

﴿وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ﴾ (نحل:۲) ''اور خدا نے رات دن اور چاند اور سورج کو تمہارے لیے کام میں لگایا اور ستارے اس کے حکم سے کام میں لگے ہیں۔''

انسانوں نے جانوروں کو پوجا تو پیغام محمدی نے ان انجانوں کو بتایا کہ یہ تمہارے ہیں تم ان کے نہیں ہو۔

﴿وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِیْهَا دِفْ ءٌ وَّ مَنَافِعُ﴾ (نحل : ۱) ''اور جانوروں کو اس نے پیدا کیا تمہارے لیے جن میں اون کی گرمی اور دوسرے فائدے ہیں۔''

انسانوں نے دریا' سمندر کو دیوی اور دیوتا بنایا' حالانکہ وہ بھی ان ہی کی خاطر عدم سے وجود میں آئے ہیں۔

﴿وَ هُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (نحل : ۲) ''اور وہی خدا ہے جس نے دریا کو کام میں لگایا کہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور تاکہ تم اس میں سے آرائش کے موتی پہننے کو نکالو اور دیکھتے ہو کہ جہاز سمندر کو پھاڑتے پھرتے ہیں اور تاکہ تم خدا کے فضل و کرم (روزی) کی تلاش کرو۔''

آگ بھی انسانوں کی مسجود بنی' حالانکہ وہ خود ان ہی کی محبت میں جل رہی ہے۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا ''جس نے تمہارے واسطے ہرے درخت سے آگ پیدا

Marfat.com

فَاِذَآ اَنۡتُمۡ مِّنۡهُ تُوۡقِدُوۡنَ﴾ (یٰس : ۵) کی پس اس وقت تم اس سے آگ روشن کرتے ہو۔"

الغرض زمین سے لے کر آسمان تک جو مخلوق بھی ہے انسان اس سے اشرف اور بلند تر ہے اور ساری مخلوق اسی کے لیے ہے پھر اس انسان سے بڑھ کر اور کون نادان ہے جو مخلوقات میں سے کسی کو اپنا معبود اور مسجود بنائے اس حقیقت کے آشکارا ہونے کے بعد شرک کا کوئی پہلو بھی ایسا ہے جس میں کوئی سچا مسلمان گرفتار ہو سکے اور ایک آستانہ کو چھوڑ کر وہ کسی اور چوکھٹ پر اپنا سر جھکا سکے۔

الغرض محمد رسول اللہ ﷺ نے جس کی تلقین کی وہ ان ہی دو اصولوں پر قائم ہے ایک یہ کہ انسان تمام مخلوقات میں اشرف ہے اس لیے کسی مخلوق کے سامنے اس کا سر نہ جھکنا چاہیے اور دوسرا یہ کہ ہر قسم کی قوت ہر قسم کی قدرت اور تمام اوصاف کمالیہ صرف ایک بزرگ و برتر ہستی کے لیے ہیں جو ماورائے عرش سے زیر فرش تک ہر ذرہ پر حکمران ہے اس کی اطاعت کے دائرہ سے کوئی نقطہ باہر نہیں انسان کی پیشانی کو ہر چوکھٹ سے اٹھ کر صرف اسی کے آستانہ پر جھکنا چاہیے ہماری تمام عقیدت ہماری تمام محبت ہمارا تمام خوف ہماری تمام امیدیں ہماری تمام دعائیں ہماری تمام التجائیں ہماری تمام عاجزیاں صرف ایک درگاہ پر نثار ہوں اور اسی کے رحم و کرم کے سہارے ہماری زندگی کا ہر لحہ بسر ہو۔

وہ بزرگ و برتر ہستی کیا ہے؟ اور اس کی نسبت ہمارا کیا تخیل ہو؟ تعلیم محمدی نے اس کا بھی جواب دیا ہے۔

خدا کا جامع اور مانع تخیل:

قرآن پاک کی آیات جاہلیت کے اشعار اسلام سے پہلے عربوں کے واقعات بلکہ عرب کے آثار قدیمہ کے کتبات سے یہ واضح طور پر ثابت ہے کہ عربوں کے ذہن میں ایک بالاتر ہستی کا تخیل ضرور موجود تھا جس کا نام ان کے ہاں اللہ تھا مگر اللہ کیا ہے؟ کیسا ہے؟ اس کے صفات کیا ہیں اس کی طرف کیا کیا باتیں منسوب کی جاسکتی ہیں کن کن باتوں سے وہ پاک ہے اس کا تعلق اپنے بندوں کے ساتھ کیسا ہے؟ ہم کو اس کے آگے کیسے جھکنا چاہیے! اس سے کیا مانگنا چاہیے؟ اور کیونکر مانگنا چاہیے؟ اس کے حضور میں دعا کیونکر کرنی چاہیے؟ ہم اس سے کیوں ڈریں اور کیونکر ڈریں؟ اور اس سے ڈرنے کی کیا حقیقت ہے؟ اس سے محبت بھی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کی جاسکتی ہے تو کیونکر؟ اس سے محبت کی حقیقت کیا ہے اس کی قدرت کہاں تک ہے اس کے علم کی کیا حیثیت ہے؟ کیا وہ ہم سے دور ہے یا بالکل قریب؟ اس کے تقدس بڑائی اور عظمت کی کوئی حد ہے؟ اس پر ہم توکل اور بھروسہ کیونکر کریں؟ کیا وہ انسانوں کی کسی صنف سے کلام بھی کرتا ہے؟ کیا اس کے کچھ احکام بھی ہیں؟ اور وہ احکام واجب الاطاعۃ بھی ہیں؟ وہ کن باتوں سے خوش اور کن باتوں سے ناخوش ہوتا ہے کیا وہ ہمارے دلوں کے چھپے ہوئے رازوں سے بھی آگاہ ہے؟ کیا اس کی اجازت کے بغیر زمین کا ایک ذرہ بھی اپنی جگہ سے حرکت کر سکتا ہے اس کی مشیت اور اس کا ارادہ کیونکر آسمان سے زمین تک ہر چیز کو محیط ہے؟ کیا اس کے بنائے ہوئے قاعدے اور قانون بھی ہیں؟ کیا وہ انسانوں کی تعلیم اور اصلاح کے لیے پیغمبروں کو بھی مبعوث کرتا ہے؟ کیا ہم اس کی بارگاہ میں اپنے اعمال کے جواب دہ بھی ہیں؟ ہم سے وہ کیوں اور کیونکر ہمارے اعمال کا مواخذہ کرے گا؟ یہ وہ باتیں ہیں جن سے عرب جاہلیت کا دل و دماغ بالکل عاری اور خالی تھا۔ اور ان چیزوں کے متعلق ان کے ذہن میں کوئی تخیل نہ تھا عرب جاہلیت کا ایک ایک ذرہ پڑھ جاؤ ان کے مذاہب و

Marfat.com

اعتقادات کا ایک ایک حرف تلاش کر لو اس سے زیادہ کچھ نہ پاؤ گے کہ اللہ ایک طاقتور اعلیٰ ہستی ہے جس نے سب کو پیدا کیا ہے اور مصیبتوں اور بلاؤں میں اس کو پکارنا چاہیے۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی ربانی تعلیمات سے ان کو اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت سے آشنا کیا' اس کی وحدت اور بے مثالی سے باخبر کیا' اس کی مشیت وارادہ اور قدرت وسعت سے آگاہ کیا' ایک ایسی ہستی کے اعتقاد کی ان کو تعلیم دی جس کی قدرت بے انتہا جس کی وسعت غیر محدود ہے' جس کی مشیت کائنات کے ہر ذرہ میں نافذ ہے' جس کے علم کے احاطہ میں اندھیرے اور اجالے کی ہر چیز داخل ہے دلوں کے اسرار' زبانوں کے الفاظ اور ہاتھ پاؤں کے اعمال سب ہر لحظہ اور ہر لمحہ اس کے روبرو ہیں۔ اس کے سامنے انسان اپنے ہر عمل کا جوابدہ اور ذمہ دار ہے' اس کے فضل وکرم اور لطف ومحبت کی نیرنگیاں اوپر سے نیچے تک پھیلی ہیں' اس کی قوت ہر قوت پر غالب' اس کا ارادہ ہر ارادہ میں نافذ اور اس کا حکم ہر حکم سے بالاتر ہے' اس کی عبادت ہر مخلوق پر فرض اور اس کی اطاعت ہر مکلف پر واجب ہے' وہ ہر عیب سے منزہ پاک اور ہر وصف کا مستحق اور اس سے متصف ہے' انسانوں کو اپنی یاد دلانے اور ان کے تزکیہ واصلاح کے لیے رسولوں اور پیغمبروں کو بھیجتا رہا اور ان سے ہم کلام ہوتا رہا' اس کے کچھ احکام اور بندھے ہوئے قوانین ہیں' جن کی اطاعت نیکی اور نافرمانی گناہ ہے وہ اندھیرے کی روشنی' بھوکوں کی سیری' مایوسوں کی امید' زخمیوں کا مرہم بے قراروں کی تسلی اور بے کسوں کا سہارا ہے' وہ ہم سے ہماری گردن کی رگ سے بھی قریب تر ہے' ہم اس کو جب پکاریں وہ سنتا ہے' وہ نیکیوں کو پسند اور گناہوں سے نفرت کرتا ہے' وہ جب چاہے آسمان وزمین کو فنا کر دے اور جب چاہے ان کو پھر رچا دے' اس کی محبت دنیا کا اصل' اس کی عبادت ہماری زندگی کا مقصود اور اس کی یاد ہمارے دلوں کی راحت ہے۔

﴿اِلَّا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ﴾　"ہاں خدا کی یاد سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔"

ان تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ وہ لوگ جن کو بھولے سے بھی خدا کا نام یاد نہ آتا تھا' وہ اس کے سوا سب کچھ بھول گئے اور اس کی راہ میں ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہو گئے' وہ چلتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے' ہر حال میں اس کی یاد میں سرمست وسرشار رہتے تھے۔

﴿يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰى جُنُوۡبِهِمۡ﴾ (ال عمران : ۲)　"وہ خدا کو کھڑے' بیٹھے اور لیٹے یاد کرتے ہیں۔"

اس سرمستی وسرشاری میں بھی انہوں نے جنگلوں میں راہبانہ زندگی بسر نہیں کی' دولت مندوں کی بھیک کو اپنا سہارا نہیں بنایا' دنیا کی کشمکش سے نجات حاصل کرنے کے لیے بزدلانہ گوشہ نشینی کو تقدس کا نام دے کر اختیار نہیں کیا' بلکہ فرائض کی ادائیگی اور اس راہ میں جدوجہد اور سعی وکوشش کو اپنا مذہب سمجھا' اور خدا کا حکم جان کر اس کو پوری مستعدی کے ساتھ بجالائے اور ان تمام ہنگاموں کے ساتھ دل کا معاملہ دلدار ازل کے ساتھ ہمیشہ قائم رکھا' خدا نے ان کی مدح کی کہ۔

﴿رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ﴾ (نور : ۴)　"وہ لوگ جن کو تجارت اور خرید وفروخت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔"

Marfat.com

ان کی محبت الٰہی کا درجہ دنیا کی ہر محبت پر غالب آ گیا' خدا نے ان کی توصیف کی کہ۔

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (بقرہ : ۲) ''ایمان والے سب سے زیادہ خدا سے محبت کرتے ہیں۔''

ان کا توکل' ان کا صبر' ان کا استقلال' ان کی استقامت' ان کی بہادری' ان کی بے خوفی ان کی صداقت ان کی راست بازی ان کی اطاعت غرض ان کی ہر چیز ان کے اسی جذبہ ایمان کا پرتو تھی اور ہر وقت ان کے پیش نظر یہ تعلیم رہتی تھی کہ۔

﴿وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ (طلاق:۱) ''جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے تو خدا اس کو بس کرتا ہے۔''

﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ﴾ (زمر : ۴) ''کیا خدا اپنے بندہ کو کافی نہیں۔''

﴿وَ تَخْشَى النَّاسَ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ﴾ (احزاب : ۵) ''اور تو لوگوں سے ڈرتا ہے حالانکہ سب سے زیادہ خدا سے ڈرنا چاہیے۔''

ان میں یہ تمام روحانی واخلاقی جوہر اسی ایمان باللہ کی بدولت پیدا ہوئے۔

اسماء وصفات:

دنیا کے آغاز میں خدا نے کہا تھا کہ ہم نے آدم کو سب نام سکھائے' دنیا کہاں سے کہاں نکل گئی اور علم کی وسعت کہاں سے کہاں پہنچی' مگر غور کیجیے تو ناموں کے ہیر پھیر سے ہم اب تک آگے نہیں بڑھے' یہی ہماری حقیقت رہی ہے اور یہی ہمارا فلسفہ ہے' ہم اپنے مفروضہ اصول منطق کی بناء پر ذاتیات اور حقائق کے ذریعہ سے اشیاء کی تعریف کے مدعی بن گئے ہیں' لیکن ہزاروں صدیاں گزرنے پر بھی ذاتی اور حقیقی تعریف (حد منطقی) کی ایک مثال بھی پیش نہ کر سکے جو کچھ کر سکے وہ یہ کہ صفات عوارض اور خواص سے مختلف رنگوں سے نئی نئی طفلانہ شکلیں بناتے اور بگاڑتے ہیں' جب مادیت کا یہ عالم ہے تو وراء الوراء ہستی میں ہماری بشری طاقت اس سے زیادہ تحمل کیونکر کر سکتی' تجلی گاہ طور اسی رمز کی آتشیں تصویر ہے۔

ہم خدا کو بھی اس کے ناموں' اس کے کاموں' اس کی صفتوں ہی سے جان سکتے ہیں' محمد رسول اللہ ﷺ نے عرب کے جاہلوں کو اسی نصاب انسانی کے مطابق تعلیم دی عرب کا جاہل اللہ نام ایک اعلیٰ ہستی سے واقف تھا' لیکن اس کے ناموں اور کاموں کے تخیل سے بڑی حد تک ناآشنا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے بھی وہ قطعاً بیگانہ تھا دیوان عرب یعنی ان کی شاعری کے دفتر میں کہیں کہیں اللہ کا نام آتا ہے' مگر کہیں اس کی صفت کا ذکر نہیں آتا' قرآن پاک میں ان کے خیالات کا پورا عکس اتارا گیا ہے' لیکن کہیں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے بھی آگاہ تھے' بعض عیسائی عربوں میں' اللہ کے ساتھ ساتھ الرحمان کا لفظ بھی مستعمل تھا' جس کے معنی رحم کرنے والے کے ہیں' اصحاب الفیل کے عیسائی رئیس ابرہہ کے نام سے سد عرم (یمن) پر جو کتبہ لگا ہے اور جس کو جرمن فاضل گلازر نے شائع کیا ہے اس میں بھی دو جگہ رحمان کا لفظ آیا ہے' عرب عیسائی شعراء کے کلام میں بھی یہ لفظ ملتا ہے عیسائیوں میں اس کے استعمال کا نتیجہ یہ تھا کہ عرب مشرکین کو اس لفظ سے چڑ ہو گئی تھی' اس لیے جب اسلام نے

Marfat.com

اس لفظ کو اختیار کیا تو مشرکین نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ نے معاہدہ کے کاغذ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھوایا تو قریش کے نمائندہ نے کہا کہ "قسم ہے اللہ کی مجھے نہیں معلوم کہ رحمٰن کیا ہے۔"

محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سننے اور قرآن مجید میں بار بار خدا کے لیے رحمٰن کا لفظ مستعمل ہونے کی وجہ سے مشرکوں کو برہمی ہوتی تھی اور وہ کہتے تھے کہ ہم کبھی رحمٰن کے آگے سرنگوں نہیں ہو سکتے، قرآن نے ان کی اسی حالت کا ذکر اس آیت میں کیا ہے۔

﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَ مَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَ زَادَهُمْ نُفُوْرًا﴾ (فرقان : ۵)

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہے، کیا تم جس کو کہو اس کو ہم سجدہ کریں، رحمٰن کا نام ان کی نفرت کو اور بڑھا دیتا ہے۔"

مشرکین کو یہ برا لگتا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ ایک طرف تو ان کے بتوں اور دیوتاؤں کی مذمت کرتے ہیں اور دوسری طرف عیسائیوں کے رحمان کی مدح وستائش کرتے ہیں۔

﴿اَهٰذَا الَّذِىْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ (انبیاء : ۳)

("مشرک آپ کو دیکھتے ہیں تو مذاق سے کہتے ہیں کہ) یہی وہ ہے جو تمہارے دیوتاؤں کو برا کہتا ہے اور وہی مشرک رحمان کے ذکر سے انکار کرتے ہیں۔"

تعلیم محمدی نے عرب کے ناآشنایان حقیقت کو بالآخر آگاہ کیا کہ خدا کے اسماء وصفات کی کوئی حد نہیں اس کو سب ہی اچھے ناموں سے پکارا جا سکتا ہے۔

﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ (اسرائیل : ۱۲)

"کہہ دو (اے پیغمبر کہ) خدا کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جس نام سے بھی پکارو سب اچھے نام اسی کے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا مسئلہ اسلام کے ان اہم مذہبی اصلاحات میں سے ہے جن سے نہ صرف عرب کے جاہل ناآشنا تھے بلکہ دنیا کے بڑے بڑے مذہبوں کے پیرو بھی ان کے متعلق غلطیوں میں مبتلا تھے، یہودیوں کے اسفار اور صحیفوں میں خدائے برحق کا اصلی نام "یہونا" تھا، مگر کبھی عام یہودیوں کو اس مقدس نام کے زبان پر لانے کی اجازت نہ تھی، دوسرا عام نام "ایم" ہے، جو ہر موقع پر استعمال ہوتا ہے، ان دو کے علاوہ خدا کے بیسیوں نام اور اسماء جو درحقیقت اس کے اوصاف ذاتی اور اعمال ربانی کے ترجمان ہیں، تورات کا دفتر ان کے ذکر سے بالکل خالی ہے، صفات الٰہی میں سے جو صفت یہودی صحیفوں میں سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ فوجوں والا خدا یعنی "رب الافواج" ہے جو صرف خدا کی صفات جلالی کا مظہر ہے۔

عیسائیوں کی انجیل اور مذہبی کتابوں میں "باپ" کا لفظ خدا کے لیے استعمال ہوا ہے، اس لفظ کی حقیقت اور خدا

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۹۔

Marfat.com

پر اس کے اطلاق سے مقصود کیا ہے' گوشت پوست اور مادیت سے بھرے ہوئے لفظ کا خدا پر مجازاً اطلاق بھی کہاں تک جائز ہے اور اس سے اس مذہب میں کہاں تک غلطیاں پھیلیں' ان باتوں کو چھوڑ کر بھی دیکھیے تو یہ خدا کے صرف جمالی صفات کی ناقص اور مادی تعبیر ہے' عیسائیت میں فلسفہ کی آمیزش نے تثلیث کے اختراعی عقیدہ کو اسی مسئلہ صفات کے پردہ میں چھپا لیا اور یہ تاویل کی گئی کہ تثلیث کے اقانیم ثلثہ' باپ (خدا) بیٹا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اور روح القدس حیات' خلق اور عظیم تین صفتوں سے عبارت ہیں' باپ حیات' بیٹا خلق اور روح القدس علم ہے' اور یہ تینوں ایک ہیں اور تینوں اپنے وجود میں الگ الگ ہیں اس تشریح سے صفات الٰہی کے تجسیم کے مسئلہ نے جنم لیا' اور ایک خدا کئی خداؤں کا مجموعہ بن گیا۔

ہندوؤں میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی نیرنگی نظر آتی ہے' لیکن ہر صفت نے ان کے ہاں ایک مستقل وجود اختیار کر لیا ہے اور خود خدا ہر قسم کی صفات سے خالی' مجرد رہ گیا ہے' اسی لیے ہندوستان کے تمام مذاہب اسی تجسم صفات کے جلوہ گاہ ہو کر رہ گئے ہیں برہما' مہیش وشنو تین صفات خالق ممیت (مارنے والا) اور قیوم کے مجسمے ہیں' غلط تعبیر نے وحدت کی جگہ یہاں بھی تثلیث پیدا کر دی ہے' شنکر آچاریہ نے خدا کے صرف تین اصلی صفات تسلیم کیے حیات علم اور سرور یا آنند جین مذہب اور بعض ہندو فرقوں میں ایک خالقیت کی صفت کے تجسم نے اعضائے تناسل کی پرستش کی گمراہی پیدا کی' عام ہندوؤں میں ۳۳ کروڑ عجیب الخلقت دیوتاؤں کی عظیم الشان بھیڑ بھی صفات واسمائے الٰہی کی تجسیم اور مستقل وجود کے غلط فلسفہ نے پیدا کی اور اسی نے بت پرستیوں کی نت نئی صورتیں نمایاں کیں' مجوسیوں میں یزدان اور راہرمن کی ثنویت اور دولی بھی خدا کی دو صفتوں ہادی اور مضل کو دو مستقل ہستیوں میں منقسم کر دینے کا نتیجہ ہے اس تفصیل سے اندازہ ہوا ہوگا کہ اس مسئلہ کی غلط تعبیر نے دنیا میں کتنی گمراہیاں پیدا کی ہیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے انسانوں کے ان تمام فاسد تخیلات کو باطل ٹھہرایا ہے' ان کے غلط عقیدوں کی تصحیح کی اور ربانی ہدایت کے نور سے سراج منیر بن کر جس طرح حقیقت کو روشن کیا' وہ نبوت محمدی کے عظیم الشان کارناموں میں سے ہے۔

آپؐ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ ﷺ کی صفات کاملہ گنتی اور شمار کی حد سے باہر ہیں اور اس کی باتوں کی کوئی انتہا نہیں' آپ نے یہ دعا سکھائی' اے خداوند! تیرے ہر اس نام کے وسیلہ سے جو تو نے اپنا رکھا یا اپنی کتاب میں اتارا' یا کسی مخلوق کو سکھایا یا اپنے لیے اپنے علم غیب میں اس کو چھپا رکھا' میں تجھ سے مانگتا ہوں' حضرت عائشہؓ کو یہ الہامی دعا تعلیم ہوئی' خداوندا! میں تیرے سب اچھے ناموں کے وسیلہ سے جن میں سے کچھ کو ہم نے جانا اور جن کو نہیں جانا' تجھ سے درخواست کرتا ہوں'[1] قرآن پاک کے ذریعہ بتایا گیا۔

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّىْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ
"کہہ دے (اے پیغمبر) کہ اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کے لیے سیاہی بن جائے' تو سمندر ختم ہو جائے لیکن

(۱) یہ تینوں دعائیں امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں بسند نقل کی ہیں اور پہلی روایت مسند ابن حنبل میں بھی (بسند عبداللہ بن مسعود) ہے۔

Marfat.com

رَبِّیْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا﴾ (الکھف : ۱۴)

میرے پروردگار کی باتیں ختم نہ ہوں گی' اگر چہ ہم ایسا ایک اور سمندر کیوں نہ لے آئیں۔''

دوسری جگہ کہا گیا۔

﴿وَ لَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ﴾ (لقمان : ۳)

''اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں وہ قلم بن جائیں اور سمندر اور اس کے بعد سات سمندروں کا پانی سیاہی ہو جائے تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔''

الغرض تمام اچھے اور کمالی نام اسی کے لیے ہیں اور اسی کو زیبا ہیں۔

﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ (طٰهٰ : ۱)

''نہیں ہے کوئی معبود لیکن وہی اللہ اسی کے لیے ہیں سب اچھے نام۔''

بڑائی کا ہر نام اور خوبی کا ہر وصف اسی ذات بے ہمتا کے لیے ہے' خواہ اس کو خدا کہو یا اللہ کہو' لغت اور زبان کا کوئی فرق اس میں خلل انداز نہیں۔

﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ (اسرائیل : ۱۲)

''کہہ دے (اے پیغمبر) اس کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر' جو چاہو کہہ کر پکارو سب اچھے نام اسی کے ہیں۔''

لیکن مشرکوں کی طرح اس کو ایسے ناموں سے نہ پکارو جو اس کے کمال اور بڑائی کے منافی ہیں اور بتوں اور دیوتاؤں کے ناموں سے بھی اس کو یاد نہ کرو۔

﴿وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَ ذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اَسْمَآئِهٖ﴾ (اعراف : ۲۲)

''اور اللہ ہی کے لیے ہیں سب اچھے نام' اس کو ان ناموں سے پکارو اور ان لوگوں سے علیحدہ رہو جو اس کے ناموں میں کجی کرتے ہیں۔''

تعلیم محمدی کا صحیفہ وحی اللہ تعالیٰ کے تمام اوصاف حمیدہ اور اسمائے حسنہ سے بھرا ہوا ہے بلکہ اس کا صفحہ صفحہ خدا کے اسماء وصفات کی جلوہ گریوں سے معمور ہے' قرآن پاک کا کوئی ایسا رکوع ہوگا جس کا خاتمہ خدا کی توصیف اور حمد پر نہ ہو' اور یہ تمام اوصاف اور نام اس عشق ومحبت کو نمایاں کرتے ہیں جو اس محبوب ازل اور نور عالم کے ساتھ قرآن کے ہر پیرو کے دل میں ہونا چاہیے۔

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّ لَا غَرْبِیَّةٍ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ یَهْدِی اللّٰهُ

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال یہ ہے کہ ایک طاق ہو جس میں چراغ ہو چراغ ایک شیشہ کے اندر ہو۔ شیشہ اتنا صاف ہو کہ گویا ایک چمکتا ستارہ ہے وہ چراغ زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے جلایا گیا ہو وہ نہ پورب ہے نہ پچھم ہے اس کا تیل اتنا صاف ہے کہ آگ کے چھوئے بغیر وہ آپ سے آپ جلنے کو ہو' روشنی پر روشنی خدا اپنی

Marfat.com

لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (نور : ۵)

روشنی تک جس کو چاہے پہنچا دے اور خدا لوگوں (کے سمجھانے) کے لیے یہ مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔''

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِيْمُ﴾ (بقرہ : ۳۴)

''اللہ نہیں ہے اس کے سوا اور کوئی معبود وہ ہمیشہ زندہ تمام دنیا کو سنبھالے ہے اس کو اونگھ اور نیند نہیں آتی آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے کون ہے جو اس کی مرضی کے بغیر اس کے سامنے سفارش کرنے کو کھڑا ہو انسانوں کے سامنے اور پیچھے جو کچھ ہے اس کو وہ جانتا ہے اور وہ لوگ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے، لیکن جتنے کا وہ چاہے اس کا تخت آسمانوں اور زمینوں کو سمائے ہوئے ہے اور ان دونوں (آسمان وزمین) کی نگہبانی اس کو تھکاتی نہیں اور وہی اونچا اور بڑا ہے۔''

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (حشر : ۳)

''وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اللہ نہیں چھپے اور کھلے کا علم رکھنے والا وہی رحم کرنے والا اور مہربانی والا ہے وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اللہ نہیں، سب کا بادشاہ پاک پوری سلامتی امن والا ہر شے پر گواہ غالب، سب پر قابو والا، بڑائی والا، ہر اس چیز سے پاک ہے جس کو یہ مشرک خدا کا شریک بناتے ہیں وہی اللہ پیدا کرنے والا ہر چیز کی صورت کھینچنے والا اسی کے لیے سب اچھے نام ہیں جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اس کی پاکی بیان کرتے ہیں وہی سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔''

﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْیٖ وَ يُمِيْتُ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ

''آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب خدا کی پاکی بیان کرتے ہیں اور وہی غالب اور دانا ہے آسمانوں کی اور زمین کی حکومت اسی کی ہے وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر بات پر قادر ہے وہی پہلا اور وہی پچھلا ہے اور وہی کھلا ہے اور وہی چھپا ہے اور ہر بات کو جانتا ہے وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر تخت پر برابر ہوا وہ جانتا ہے جو زمین میں گھستا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے

Marfat.com

فِی الْاَرْضِ وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعْرُجُ فِیْهَا وَ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَ هُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ (حدید : ۱)

اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے اور جہاں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور اللہ ہی تمام چیزوں کا مرجع ہے وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ سینوں کے سب بھیدوں سے واقف ہے۔''

خدا کے متعلق اہل عرب کا جو پست تخیل تھا' اور محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کو مٹا کر ان کے سامنے جو بلند تخیل پیش کیا' اس کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے' آپ نے جب توحید کی آواز بلند کی تو مشرکین جو اپنے دیوتاؤں کی آل واولاد اور بیویوں اور گوپیوں کی حمد کے ترانے گاتے تھے' آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمائش کی کہ ذرا اپنے خدا کا نسب تو ہمارے سامنے بیان کرو' گویا وہ اپنے دیوتاؤں سے اسلام کے خدا کا مقابلہ کر کے بتانا چاہتے تھے کہ اس حیثیت سے اسلام کا خدا ہمارے دیوتاؤں کی ہمسری نہیں کر سکتا' اس کے جواب میں وحی محمدی نے اپنے خدا کی حقیقت قرآن پاک کی اس سب سے مختصر سورت میں پیش کی۔ (۱)

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ (اخلاص)

''کہہ دے (اے پیغمبر) اللہ ایک ہے وہ تنہا اور بزرگ اور بے نیاز اور عالم کا مرجع اور جا پناہ ہے نہ اس کے کوئی اولاد ہے اور نہ اس کے ماں باپ ہیں (جنہوں نے اس کو جنا ہو) اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے' جو اس کی بیوی ہو۔''

یہ روایت حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے جو صحابہ میں سب سے زیادہ قرآن کے ماہر سمجھے جاتے تھے' وہ اسی کے بعد اس سورت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ''صمد'' وہ ہے جو نہ جنتا ہے اور نہ کسی نے اس کو جنا ہو' کیونکہ جو جنا جاتا ہے وہ مرتا بھی ہے اور جو مرتا ہے وہ اپنا وارث اور جانشین بھی چھوڑ جاتا ہے' اور خدا نہ مرتا ہے نہ اس کا کوئی جانشین ہے اور کوئی اس کا ہمسر نہیں یعنی کوئی اس کے برابر نہیں اور نہ کوئی اس کے مثل ہے' غور کرو کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے پہلے اہل عرب میں خدا کا کتنا پست و ذلیل تخیل تھا' جس کا اندازہ تم ان کے سوال سے کر سکتے ہو' اور آپ کی تعلیم کے بعد وہ تخیل کتنا پاک' اعلیٰ اور بلند ہو گیا جس کا اندازہ حضرت ابیؓ کی تفسیر سے ہو سکتا ہے جو اسی عرب نژاد قبیلہ کے ایک ممتاز فرد تھے لیکن ان کا دل اب محمد رسول اللہ ﷺ کے فیض تعلیم سے منور ہو چکا تھا' حضرت ابو ہریرہؓ آپ سے سن کر کہتے تھے کہ خدا فرماتا ہے کہ آدم کے بیٹے نے مجھے جھٹلایا اور آدم کے بیٹے نے مجھ کو گالی دی اس کا جھٹلانا یہ ہے کہ اس نے کہا کہ خدا دوبارہ پیدا نہیں کرے گا حالانکہ پہلی بار کے پیدا کرنے سے دوسری بار کا پیدا کرنا بہت آسان ہے اور اس کا گالی دینا یہ ہے کہ اس نے کہا کہ خدا کی اولاد ہے حالانکہ میں ایک اور ''صمد'' ہوں جس نے نہ کسی دوسرے کو جنا ہے

(۱) مستدرک حاکم تفسیر اخلاص (صحیح) و جامع ترمذی تفسیر سورہ مذکور و کتاب الاسماء بیہقی ص ۲۳ الہ آباد۔

Marfat.com

اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے'[1] حضرت ابو ہریرہؓ یمنی عرب ہیں' یعنی اس عرب کے ایک فرد ہیں جو تعلیم محمدی سے پہلے ان حقائق سے بے بہرہ تھا اور اب وہ تنزیہ و تقدیس کے یہ موتی اپنے منہ سے اگل رہے ہیں۔

اس مختصر سورت میں سب سے چھوٹا لفظ ''صمد'' ہے' لیکن درحقیقت قرآن کی بلاغت نے اس ایک لفظ میں صفات الٰہی کا بے پایاں دفتر چھپا رکھا ہے ''صمد'' کے معنی لغت میں اونچی پتھریلی زمین یا چٹان کے ہیں جو کسی ایسے علاقہ میں ہو جہاں جب سیلاب آتا ہو' تو اس پر نہ چڑھتا ہو' اور لوگ اس وقت دوڑ دوڑ کر اسی پر چڑھ کر اپنی جان بچائیں' پھر صمد کے اس لغوی معنی سے اس سردار کے معنی پیدا ہوئے جو بزرگی اور شرافت میں انتہائی معراج کمال پر ہو' اور اس سردار کو بھی کہنے لگے جس کی موجودگی کے بغیر مجلس میں کوئی فیصلہ نہ ہوسکتا ہو اور اس سرداری کو بھی جس کے اوپر کوئی سردار نہ ہو' اور اس جائے پناہ کے معنی میں بھی مستعمل ہوا جو سب کو مصیبت کے وقت اپنے دامن میں پناہ دے سکے اور اس مرجع و مرکز کے معنی میں بھی آیا جس کی طرف ہر شخص دوڑ دوڑ کر جاتا ہے' صمد ٹھوس کو بھی کہتے ہیں جس کے اندر خول نہ ہو' اسی لیے اس کو بھی کہتے ہیں جو کھاتا پیتا نہ ہو اور جس کے آل و اولاد نہ ہو' اس کو بھی کہتے ہیں جس سے کوئی لے نیاز نہ ہو' اس بہادر کو بھی کہتے ہیں جس کو لڑائی میں بھوک اور پیاس نہ لگتی ہو صمدۃ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے حمل نہ رہا ہو' حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ''صمد'' وہ سردار ہے جو اپنی بزرگی اور سرداری میں درجہ کمال پر ہو' وہ شریف جس کی شرافت کامل ہو' وہ بڑا جس کی بڑائی میں کوئی نقص نہ ہو' وہ بردبار جس کی بردباری بدرجہ اتم ہو' وہ بے پرواہ بے نیاز جس کے بے پروائی و بے نیازی کی کوئی حد نہ ہو' وہ زبردست جس کے جبروت کی انتہا نہ ہو وہ علم والا جس کا علم بدرجہ اتم ہو' وہ حکیم جس کی دانائی بمرتبہ کمال ہو' یعنی وہ جو بڑائی اور بزرگی کی ہر صنف میں کامل ہو۔[2]

ان معنوں کے علاوہ صحابہ و تابعین نے اس کی تفسیر میں حسب ذیل معانی بھی لکھے ہیں۔

ابن عباسؓ۔ وہ جس کی طرف مصیبت کے وقت لوگ رجوع کریں۔

حسن بصریؒ۔ وہ حی و قیوم جس کو زوال نہ ہو اور جو باقی ہو۔

ربیع بن انسؓ۔ جس کے نہ اولاد ہو۔ نہ ماں باپ۔

عبداللہ بن مسعودؓ۔ جس کے اندر معدہ وغیرہ جسمانی اعضاء نہ ہوں۔

بریدہؓ۔ جس میں خون نہ ہو۔

عکرمہؒ و شعبیؒ۔ جو کھاتا نہ ہو۔

عکرمہؒ۔ جس سے کوئی دوسری چیز نہ نکلے۔

قتادہؒ۔ باقی غیر فانی۔

---

(۱) صحیح بخاری سورۂ اخلاص۔

(۲) کتاب الاسماء والصفات امام بیہقی بسند ص ۴۳۔

Marfat.com

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام معانی (۱) اس ایک لفظ کے اندر پوشیدہ ہیں' اور یہ سب صرف ایک حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں' کیونکہ اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس لفظ کے اصلی معنی ''چٹان'' کے ہیں جو لڑائی اور مصیبتوں کے وقت جائے پناہ کا کام دے اسرائیلی الٰہیات میں بھی یہ لفظ یہی اہمیت رکھتا ہے اور بنی اسرائیل کے صحیفوں میں جائے پناہ کے لیے چٹان کا لفظ آیا ہے۔ استثناء (۳۲'۳۱'۳۰) میں ہے۔

''اگر ان کی چٹان ان کو بیچ نہ ڈالتی اور خداوند ان کو اسیر نہ کرواتا' کیونکہ ان کی چٹان ایسی نہیں جیسی ہماری چٹان یہ چٹان اس موقع پر حقیقت میں خدا کی مدد و نصرت سے کنایہ ہے' سموال کے پہلے صحیفہ میں یہ کنایہ تصریح سے بدل جاتا ہے ''خداوند کے مانند کوئی قدوس نہیں' تیرے سوا کوئی نہیں' کوئی چٹان ہمارے خدا کے مانند نہیں۔ (۲۔۲)

اس سورت میں خدا کی صفت میں دو لفظ ہیں احد (ایک) اور صمد (جائے پناہ) اور یہ دونوں خدا کے دو متضاد کمالی اوصاف کو حاوی ہیں' اس کی یکتائی کا نتیجہ تو یہ ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں' نہ اس کو کسی کی حاجت نہ اس کو کسی سے غرض وہ یکہ تنہا' اکیلا بے ہمتا' بے نیاز' بے پرواہ' سب سے مستغنی اور سب سے الگ ہے' لیکن اسی کمال یکتائی کے ساتھ وہ سب کے ساتھ سب کا دستگیر' سب کی جائے پناہ' سب کا محتاج الیہ' سب کا مرکز' سب کا مرجع' سب کا ماوی سب کا ملجا یعنی سب کی چٹان ہے جو مصیبتوں میں سہارا بلاؤں میں تسلی اور اضطرابوں میں تشفی ہے۔

﴿فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ﴾ ''ہر جگہ سے بھاگ کر اللہ کے ہاں پناہ لو۔''

یہ سورت پاک توحید اسلامی کے ہر شعبہ کو حاوی ہے اور اسی لیے اس کو ثلث القرآن (تہائی قرآن) کا درجہ دیا گیا ہے' ایک صحابی تھے جو نماز کی ہر دو رکعت میں قراءت کے آخر میں اس سورت کو پڑھا کرتے تھے لوگوں نے یہ واقعہ آنحضرت ﷺ سے بیان کیا' آپ نے ان سے اس کی وجہ دریافت کرائی' انہوں نے کہا۔ اس میں میرے رب کی صفتیں بیان ہوئی ہیں جو مجھ کو بہت محبوب ہیں' آپ نے فرمایا' بشارت ہو کہ خدا بھی تم سے محبت کرتا ہے۔ (۲) ایک اور انصاری صحابی تھے جو قبا کی مسجد میں امامت کرتے تھے ان کا یہ حال تھا کہ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد پہلے اس سورت کو پڑھ لیتے تھے تب کوئی دوسری سورہ پڑھتے تھے ان کے مقتدی صحابہ نے اس پر اعتراض کیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے امامت چھوڑنی منظور ہے مگر اپنی روش بدلنی منظور نہیں' لوگوں نے اس واقعہ کا تذکرہ آنحضرت ﷺ سے کیا۔ آپ نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی تو گزارش کی کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے یہ سورت بہت محبوب ہے' ارشاد ہوا کہ یہ محبت تم کو جنت میں لے جائے گی' (۳) قتادہ بن نعمان ایک صحابی تھے جو رات بھر اسی ایک سورت کو دہراتے اور لطف حاصل کرتے رہتے تھے' لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ یہ سورت قرآن کا تہائی حصہ ہے۔ (۴)

---

(۱) ان معانی کے لیے دیکھو کتاب الاسماء بیہقی ص ۴۳ مفردات القرآن راغب اصفہانی ابن جریر طبری ابن کثیر اور تفسیر سورۃ الاخلاص لابن تیمیہ۔

(۲) صحیح بخاری کتاب التوحید۔

(۳) ایضاً کتاب الصلوٰۃ۔

(۴) مسند احمد بسند ابی سعید الخدری۔

Marfat.com

اس گمراہی اور تاریکی کا اندازہ جو آنحضرت ﷺ سے پہلے عرب پر چھائی ہوئی تھی' اس روحانی لطف اور نورانی فیض سے کرو جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ اس کے حصہ میں آیا۔

قرآن مجید اور احادیث میں اللہ تعالیٰ کے سو سے زیادہ نام اور اوصاف آئے ہیں' صحیح حدیثوں میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں' جو ان کو محفوظ رکھے یا نگاہ میں رکھے' وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (1) خدا طاق ہے' وہ طاق عدد کو پسند کرتا ہے آخری فقرہ اس علت کو ظاہر کرتا ہے کہ ۹۹ نام کیوں رکھے گئے' پورے سو کیوں نہ مقرر کیے گئے یہ اس لیے کہ اگر پورے سو ہوتے تو عدد طاق نہ رہتا' اور اس سے توحید کا رمز آشکارا نہ ہوتا' صحیح احادیث میں اسی قدر ہے یعنی ان ۹۹ ناموں کی تصریح نہیں ہے ترمذی میں اور بعض کم درجہ حدیثوں میں ان ناموں کو گنایا بھی ہے' لیکن محدثین نے عموماً یہاں تک کہ حافظ ابن حجر نے بھی لکھا ہے کہ یہ روایتیں ضعیف اور کمزور ہیں' پھر ان روایتوں میں بعض ناموں کا ادل بدل اور الٹ پھیر بھی ہے اور بعض ایسے نام بھی ان میں ہیں جو قرآن مجید میں مذکور نہیں اور بعض نام ایسے جو قرآن مجید میں ہیں ان میں نہیں ہیں۔ اسی لیے علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ ان روایتوں میں ناموں کا انتخاب راویوں نے خود اپنی تلاش و تفحص سے کیا ہے اس لیے ان روایتوں سے یہ شبہ نہ ہو کہ اسمائے الٰہی صرف ان ننانوے میں محصور ہیں بلکہ بڑے بڑے ائمہ اور محدثین مثلاً عبدالعزیز بن یحییٰ' ابوبکر بن عربی امام نووی' حافظ ابن حجر' امام خطابی ابن تیمیہ اور قرطبی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ اسمائے الٰہی ان ننانوے میں محصور نہیں' اور یہ بھی تصریحات ملتی ہیں۔ کہ اسمائے اور صفات الٰہی کی کوئی حد و پایاں نہیں ہے (2) اور اس پر محدثین نے حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایتوں سے جو آغاز مضمون میں اوپر گزر چکی ہیں۔ استدلال کیا ہے۔

بہر حال قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کے تتبع سے علماء نے ننانوے ناموں کا پتہ چلایا ہے اور ان کو الگ الگ ایک ایک کر کے گنایا ہے' یہ تمام نام وہ ہیں جو یا بطور علم اور بطور صفت قرآن پاک میں آئے ہیں۔ یا افعال کی حیثیت سے خدا کی طرف منسوب ہوئے ہیں اور یا آنحضرت ﷺ نے دعاؤں میں ان کی تعلیم کی ہے۔ ہم ذیل میں یہ ترتیب ایک ایک نام لکھتے ہیں اور اس کی مختصر لغوی تشریح کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ آنحضرت ﷺ نے خدا کا جو تخیل اور عقیدہ اپنے پیروؤں کو سکھایا وہ کتنا وسیع' کتنا بلند' کتنا منزہ' اور پاکیزہ ہے' علماء نے ان ناموں کو یا ان صفات کو مختلف معنوی مناسبتوں سے ترتیب دیا ہے' لیکن ہم نے ان کے صرف تین مرتبے قرار دیئے ہیں' ایک وہ جن سے اس کے رحم و کرم عفو و درگزر یعنی صفات جمالی ظاہر ہوتے ہیں' دوسرے وہ جن سے اس کی شہنشاہی' جلال و جبروت اور حکومت و استیلاء کا اظہار ہوتا ہے اور ہم ان کو صفات جلالی کہتے ہیں' تیسرے وہ اسماء اور صفات جن سے اس کی تنزیہہ' بلندی کمالات کی جامعیت اور ہر قسم کے اوصاف حسنہ اور محامد عالیہ کا ثبوت ملتا ہے اور ان کو ہم صفات کمالی سے تعبیر کرتے ہیں۔

---

(1) صحیح بخاری کتاب التوحید و صحیح مسلم کتاب الذکر و مسند احمد بسند ابی ہریرہ و جامع ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و ابن خزیمہ و ابوعوانہ و ابن جریر طبرانی و بیہقی وغیرہ۔

(2) تمہید ابوشکور سالمی القول الثالث فی عدد الاسماء یہ ماتریدیہ کی مشہور مستند کتاب ہے۔

Marfat.com

الغرض خدا کے تمام اسماء وصفات ان ہی تین عنوانوں کی تشریح ہیں یعنی یا تو ان سے خدا کی رحیمی وکریمی ظاہر ہوتی ہے یا اس کے جاہ وجلال کا اظہار ہوتا ہے اور یا اس کی تنزیہ وکمال کا اثبات ہوتا ہے۔

صفات جمالی:

یعنی وہ اسماء وصفات جن سے خدا کے رحم وکرم اور شفقت ومحبت کا اظہار ہوتا ہے۔

﴿اَللّٰہُ﴾ "یہ خدا کا وہ نام ہے جو قرآن پاک میں بطور علم ہر جگہ استعمال کیا گیا ہے' اسلام سے پہلے بھی یہ عرب میں خدائے برحق کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اس لفظ کی لغوی تحقیق میں بہت کچھ اختلاف کیا گیا ہے' کسی نے کہا ہے کہ اس کے معنی اس ہستی کے ہیں جس کی پرستش کی جائے' بعضوں نے کہا ہے کہ وہ جس کی حقیقت ومعرفت میں عقل انسانی حیران وسرگرداں ہو۔ دوسروں کی تحقیق ہے کہ اس کے معنی ہیں وہ جو اپنی مخلوقات کے ساتھ ایسی شفقت اور محبت رکھے جو ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس اخیر تعبیر کی بنا پر اللہ کے معنی پیار کرنے والے یا پیارے کے ہیں۔"

﴿اَلرَّحْمٰنُ﴾ "اللہ کے بعد یہ دوسرا لفظ ہے جس کو علم کی حیثیت حاصل ہے' اس کے معنی رحم والے کے ہیں' یہ گزر چکا ہے کہ رحمان کا لفظ اسلام سے پہلے صرف عیسائی عربوں میں مستعمل تھا' عام اہل عرب میں اللہ کا لفظ مستعمل تھا' قرآن مجید نے ہر سورت کے شروع میں نیز اور مقامات میں اللہ کو الرحمٰن کہہ کر سینکڑوں جگہ استعمال کیا ہے' بظاہر یہ وصف موصوف کی معمولی ترکیب ہے مگر درحقیقت یہ بدل ومبدل منہ ہیں اور اس سے اس رمز کی طرف اشارہ ہے کہ عام عربوں کا اللہ اور عرب عیسائیوں کا رحمان دو اجنبی ذاتیں اور دو بیگانہ ہستیاں نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں اور ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں' اس طرح ان دو مختلف قوموں کو وحدت الٰہی کی دعوت دی گئی جو ناموں کے تعدد کو حقیقت کے تعدد کا مرادف سمجھتی تھیں اور کہا گیا۔"

﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ (بنی اسرائیل : ۱۴)

"اللہ کہو یا رحمٰن جو چاہو کہو' اسی کے لیے سب اچھے نام ہیں۔"

﴿اَلرَّحِیْمُ﴾ "رحم کرنے والا' رحم کا لفظ اس رحم سے نکلا ہے جس سے بچہ کی پیدائش ہوتی ہے' اس لیے اصل لغت کے لحاظ سے اس لفظ میں بھی مربیانہ محبت کا جذبہ نمایاں ہے ﴿الرحمٰن﴾ اور ﴿الرحیم﴾ خدا کی وہ دو صفتیں ہیں جن سے قرآن کا صفحہ صفحہ منور ہے' کائنات میں جو کچھ ہوا' جو کچھ ہے جو کچھ ہوگا' وہ اس کی رحمانی اور رحیمی ان ہی دو صفتوں کا پرتو ہے' اس عالم اور اس عالم دونوں میں اس کی ان ہی دونوں شانوں کا ظہور ہے اور رہوگا۔"

﴿اَلرَّبُّ﴾ "پرورش کرنے والا' یعنی ہستی کے اول نقطہ سے لے کر آخر منزل تک ہر لحہ اور ہر لحظہ مخلوقات کی نشوونما اور ظہور وترقی کا ذمہ دار۔"

﴿اَللَّطِیْفُ﴾ "لطف والا مہربان۔"

﴿اَلْعَفُوُّ﴾ "معاف کرنے والا' درگزر کرنے والا۔"

﴿اَلْوَدُوْدُ﴾ "محبوب' محبت کرنے والا' پیار کرنے والا۔"

Marfat.com

﴿اَلسَّلَامُ﴾ ''امن وسلامتی، صلح وآشتی، ہر عیب سے پاک وصاف۔''

﴿اَلْمُحِبُّ﴾ ''محبت والا، پیار والا، چاہنے والا۔''

﴿اَلْمُؤْمِنُ﴾ ''امان دینے والا، امن بخشنے والا، ہر خوف سے بچانے والا اور ہر مصیبت سے نجات دینے والا۔''

﴿اَلشَّکُوْرُ﴾ ''اپنے بندوں کے نیک عمل کو قبول اور پسند کرنے والا۔''

﴿اَلْغَفُوْرُ وَ الْغَفَّارُ﴾ ''معاف کرنے والا گناہ بخشنے والا درگزر کرنے والا۔''

﴿اَلْحَفِیْظُ وَ الْحَافِظُ﴾ ''حفاظت کرنے والا نگہبان بچانے والا۔''

﴿اَلْوَھَّابُ﴾ ''دینے والا، عطا کرنے والا بخشنے والا۔''

﴿اَلرَّازِقُ وَ الرَّزَّاقُ﴾ ''روزی دینے والا، نشوونما کا سامان بہم پہنچانے والا۔''

﴿اَلْوَلِیُّ﴾ ''دوست حمایتی طرف دار۔''

﴿اَلرَّءُوْفُ﴾ ''مہربان نرمی اور شفقت کرنے والا۔''

﴿اَلْمُقْسِطُ﴾ ''انصاف والا، عادل۔''

﴿اَلْھَادِیُ﴾ ''راہ دکھانے والا رہنما۔''

﴿اَلْکَافِیْ﴾ ''اپنے بندوں کی ہر ضرورت کے لیے کافی۔''

﴿اَلْمُجِیْبُ﴾ ''قبول کرنے والا، دعاؤں کا سننے والا۔''

﴿اَلْحَلِیْمُ﴾ ''بردبار بندوں کی برائیوں سے چشم پوشی کرنے والا۔''

﴿اَلتَّوَّابُ وَ قَابِلُ التَّوْبِ﴾ ''توبہ قبول کرنے والا گنہگار کے گناہوں سے درگزر کر کے دوبارہ اس کی طرف رجوع ہونے والا۔''

﴿اَلْحَنَّانُ﴾ ''ماں کی طرح بچوں پر شفقت کرنے والا۔''

﴿اَلْمَنَّانُ﴾ ''احسان کرنے والا۔''

﴿اَلنَّصِیْرُ﴾ ''مدد کرنے والا۔''

﴿ذُوالطَّوْلِ﴾ ''کرم والا۔''

﴿ذُوالْفَضْلِ﴾ ''فضل والا۔''

﴿اَلْکَفِیْلُ﴾ ''بندوں کی کفالت کرنے والا۔''

﴿اَلْوَکِیْلُ﴾ ''بندوں کی ضرورتوں کا ذمہ لینے والا، سامان کرنے والا۔''

﴿اَلْمُقِیْتُ﴾ ''روزی پہنچانے والا۔''

﴿اَلْمُغِیْثُ﴾ ''فریاد کو پہنچنے والا، فریاد سننے والا۔''

﴿اَلْمُجِیْرُ﴾ ''پناہ دینے والا۔''

﴿اَلْمُغْنِیُ﴾ ''بندوں کو اپنے سوا ہر چیز سے بے نیاز کرنے والا۔''

Marfat.com

صفات جلالی:

یعنی وہ اسماء وصفات جن سے خدا کی بڑائی' کبریائی' شہنشاہی کا اظہار ہوتا ہے۔

﴿اَلْمَلِکُ وَ الْمَلِیْکُ﴾ ''بادشاہ فرمان روا۔''

﴿اَلْعَزِیْزُ﴾ ''غالب جس پر کوئی دسترس نہ پائے۔''

﴿اَلْقَاهِرُ وَ الْقَهَّارُ﴾ ''جس کے حکم سے کوئی باہر نہیں جا سکتا سب کو دبا کر اپنے قابو میں رکھنے والا۔''

﴿اَلْمُنْتَقِمُ﴾ ''سزا دینے والا' برائیوں کی جزا دینے والا۔''

﴿اَلْجَبَّارُ﴾ ''جبروت والا جس کے سامنے کوئی دوسرا دم نہ مار سکے' جس سے کوئی سرتابی نہ کر سکے۔''

﴿اَلْمُهَیْمِنُ﴾ ''سب پر شاہد اور گواہ اور دلیل۔''

﴿اَلْمُتَکَبِّرُ﴾ ''اپنی بڑائی دکھانے والا' کبریائی والا' سخت سزا دینے والا۔''

﴿شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ ''سخت سزا والا''۔

﴿شَدِیْدُ الْبَطْشِ﴾ ''بڑی گرفت والا' جس سے کوئی چھوٹ نہیں سکتا۔''

نکتہ: خدا کی صفات جلالی کا ذکر زیادہ تر تورات میں ہے لیکن صحیفہ محمدی میں جہاں کہیں خدا کی ان جلالی صفتوں کا ذکر آتا ہے ہمیشہ ان کے ساتھ ساتھ خدا کے عادل حکیم وعلیم ہونے کا بھی ذکر ہوتا ہے' جس سے انسان کی اس غلط فہمی کا مٹانا مقصود ہے کہ خدا کی ان صفتوں کا یہ منشا نہیں ہے کہ وہ نعوذ باللہ ایک لا ابالی کی طرح دم کے دم میں جو چاہے کر گزرتا ہے بلکہ اس کا قہر' اس کا غلبہ' اس کا انتقام اور اس کی گرفت' عدل وانصاف اور حکمت ومصلحت پر مبنی ہوتا ہے اور اس طرح ان جلالی ناموں سے بے رحمی اور ظالمانہ سخت گیری کا جو شبہ پیدا ہو سکتا ہے وہ دور ہو جاتا ہے فرمایا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ﴾ (آل عمران: ۱۹) ''بے شک خدا بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔''

اسی لیے اللہ تعالیٰ کے وصف میں ﴿عزیز﴾ (غالب) کے ساتھ ﴿حکیم﴾ (حکمت والا) ہمیشہ قرآن میں آیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ خدا کے عذاب کے ذکر کے ساتھ اس کی رحمت کا تذکرہ بھی ہمیشہ قرآن میں کیا جاتا ہے اور دوزخ کے بیان کے ساتھ جنت کا سماں بھی لازمی طور پر دکھایا جاتا ہے۔

جہاں یہ کہا گیا کہ ﴿وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ وہیں یہ بھی کہا گیا ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ﴾ (ص:۵) ''قوموں کی تباہی و بربادی کا ذکر کیا گیا تو فرمایا۔''

﴿وَ مَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ﴾ (مؤمن: ۴) ''اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔''

اس کی صفت ﴿ذُوْ عِقَابٍ اَلِیْمٍ﴾ دردناک عذاب دینے والا جہاں بیان کی گئی تو اس سے پہلے ﴿لَذُوْ مَغْفِرَةٍ﴾ یقیناً بخشش والا (حم السجدہ: ۵) بھی فرما دیا گیا' غرض صفات جلالی کے بیان میں یہ رعایت پیش نظر رکھی ہے ان کے ساتھ یا آگے پیچھے خدا کی صفات جمالی کا بھی ذکر ہو' تا کہ خوف وخشیت کے ساتھ اس کی محبت اور لطف وکرم کے جذبات بھی نمایاں ہوں۔

Marfat.com

صفات کمالی:

یعنی وہ اسماء وصفات جن سے خدا کی خوبی' بڑائی' بزرگی اور ہر وصف میں اس کا کامل ہونا ظاہر ہوتا ہے' اس طرح کے اسماء وصفات پانچ قسم کے ہیں' ایک وہ جو اس کی وحدانیت سے متعلق ہیں' دوسرے وہ جو وجود سے تعلق رکھتے ہیں تیسرے' اس کے علم سے' چوتھے اس کی قدرت سے اور پانچویں اس کی تنزیہ اور پاکی سے۔

صفات وحدانیت:

یعنی وہ صفتیں جو خدا کی یکتائی اور بے مثالی کو ظاہر کرتی ہیں' اور وہ یہ ہیں۔

﴿اَلْوَاحِدُ﴾ ''ایک۔''

﴿اَلْاَحَدُ﴾ ''ایک۔''

﴿اَلْوِتْرُ﴾ ''طاق جس کا کوئی جوڑا نہیں۔''

صفات وجودی:

یعنی وہ صفتیں جن سے اس کا وجود' بقا و دوام' ازلیت اور بے زوالی ظاہر ہوتی ہے۔

﴿اَلْمَوْجُوْدُ﴾ ''وجود والا ہست۔''

﴿اَلْحَیُّ﴾ ''ہمیشہ زندہ غیر فانی۔''

﴿اَلْقَدِیْمُ﴾ ''وہ جس سے پہلے کوئی دوسرا موجود نہیں جو ہمیشہ سے ہے۔''

﴿اَلْقَیُّوْمُ﴾ ''جو اپنے سہارے تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔''

﴿اَلْبَاقِیُ﴾ ''جس کو ہمیشہ بقا ہے۔''

﴿اَلدَّائِمُ﴾ ''ہمیشہ رہنے والا۔''

﴿اَلْاَوَّلُ﴾ ''وہ پہلا جس کے پہلے کوئی نہیں۔''

﴿اَلْاٰخِرُ﴾ ''وہ پچھلا جو سب کے فانی ہونے کے بعد بھی ہمیشہ باقی رہے گا۔''

﴿اَلْمُقَدِّمُ﴾ ''جو سب سے آگے سے ہے۔''

﴿اَلْمُؤَخِّرُ﴾ ''جو سب سے پیچھے رہ جائے گا۔''

﴿اَلظَّاهِرُ﴾ ''جس کا وجود کھلا اور نمایاں ہے (یعنی جو اپنے کاموں اور قدرتوں کے لحاظ سے ظاہر ہے)''

﴿اَلْبَاطِنُ﴾ ''جو چھپا اور مخفی ہے (یعنی جو اپنی ذات کے لحاظ سے پوشیدہ ہے۔''

علم:

یعنی وہ صفتیں جو اس کے ہر چیز سے باخبر اور آگاہ ہونے کو ظاہر کرتی ہیں۔

﴿اَلْخَبِیْرُ﴾ ''خبر رکھنے والا۔''

Marfat.com

﴿اَلْعَلِیْمُ﴾ ''جاننے والا۔''

﴿عَلَّامُ الْغُیُوْبِ﴾ ''جو باتیں سب سے پوشیدہ ہیں ان کو جاننے والا۔''

﴿عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ ''دلوں کے چھپے ہوئے بھید کو جاننے والا۔''

﴿اَلسَّمِیْعُ﴾ ''سننے والا۔''

﴿اَلْبَصِیْرُ﴾ ''دیکھنے والا۔''

﴿اَلْمُتَکَلِّمُ﴾ ''بولنے والا اپنے علم اور ارادہ کو ظاہر کرنے والا۔''

﴿اَلْوَاجِدُ﴾ ''پانے والا' جس کے علم سے کوئی چیز گم نہیں۔''

﴿اَلشَّهِیْدُ﴾ ''حاضر' جس کے سامنے سے کوئی چیز غائب نہیں۔''

﴿اَلْحَسِیْبُ﴾ ''حساب کرنے والا' یعنی جن چیزوں کا علم حساب کے ذریعہ سے حاصل کیا جاتا ہے یعنی وہ وزن اور مقدار' ان کا بھی جاننے والا۔''

﴿اَلْمُحْصِی﴾ ''گننے والا' یعنی جن چیزوں کا علم گن کر حاصل کیا جاتا ہے یعنی اعداد ان کا بھی جاننے والا۔''

﴿اَلْمُدَبِّرُ﴾ ''تدبیر کرنے والا انتظام کرنے والا۔''

﴿اَلْحَکِیْمُ﴾ ''حکمت والا عقل والا سب کاموں کو مصلحت سے کرنے والا۔''

﴿اَلْمُرِیْدُ﴾ ''ارادہ کرنے والا' مشیت والا۔''

﴿اَلْقَرِیْبُ﴾ ''نزدیک جو اپنے علم کے لحاظ سے گویا سب کے پاس ہے۔''

قدرت:

یعنی وہ صفتیں جن سے اس کی قدرت کی وسعت کا اظہار ہوتا ہے۔

﴿اَلْفَاتِحُ وَ الْفَتَّاحُ﴾ ''ہر مشکل کو کھولنے والا۔''

﴿اَلْقَدِیْرُ وَ الْقَادِرُ﴾ ''قدرت والا۔''

﴿اَلْمُقْتَدِرُ﴾ ''اقتدار والا جس کے سامنے کوئی چوں چرا نہیں کر سکتا۔''

﴿اَلْقَوِیُّ﴾ ''زبردست جس کے سامنے کسی کا بس نہیں چل سکتا۔''

﴿اَلْمَتِیْنُ﴾ ''مضبوط' جس میں کوئی کمزوری نہیں۔''

﴿اَلْجَامِعُ﴾ ''جمع کرنے والا متفرق اور پراگندہ چیزوں کو اکٹھا کرنے والا۔''

﴿اَلْبَاعِثُ﴾ ''اٹھانے والا' مردوں کو قبروں سے اٹھانے والا' یا دنیا میں ہر واقعہ اور ہر حادثہ کا محرک اول۔''

﴿مَالِکُ الْمُلْکِ﴾ ''سلطنت کا مالک' جس کے سامنے کسی کی کوئی ملکیت نہیں۔''

﴿اَلْبَدِیْعُ﴾ ''نئی نئی چیزیں پیدا کرنے والا۔''

﴿اَلْوَاسِعُ﴾ ''سمانے والا' جو ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے۔''

﴿اَلْمُحِیْطُ﴾ ''احاطہ کرنے والا' جو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے' کوئی اس کے احاطہ سے باہر نہیں۔''

Marfat.com

﴿اَلْمُحْیِ وَ الْمُمِیْتُ﴾ ''جلانے والا اور مارنے والا۔''

﴿اَلْقَابِضُ وَ الْبَاسِطُ﴾ ''سمیٹنے اور پھیلانے والا۔''

﴿اَلْمُعِزُّ وَ الْمُذِلُّ﴾ ''عزت دینے والا اور ذلت دینے والا۔''

﴿اَلْخَافِضُ وَ الرَّافِعُ﴾ ''نیچا کرنے والا اور اونچا کرنے والا۔''

﴿اَلْمُعْطِی وَ الْمَانِعُ﴾ ''دینے والا اور روک لینے والا۔''

﴿اَلنَّافِعُ وَ الضَّارُّ﴾ ''نفع پہنچانے والا اور نقصان پہنچانے والا' یعنی نفع اور ضرر دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔''

﴿اَلْمُبْدِئُ وَ الْمُعِیْدُ﴾ ''جو چیز پہلے سے موجود نہ ہو اس کو وجود میں لانے والا' اور جو ہو کر فنا کر دی گئی اس کو پھر دوبارہ وجود میں لانے والا۔''

نکتہ: اس قسم کی صفتیں جن میں بظاہر قبح نظر آتا ہے جیسے ﴿اَلضَّارُّ﴾ ''نقصان پہنچانے والا۔'' ﴿المذل﴾ ''ذلت دینے والا۔'' ﴿اَلْخَافِضُ﴾ ''پست کرنے والا۔'' ﴿اَلْمَانِعُ﴾ ''روکنے والا۔'' وغیرہ ان کا تنہا استعمال چونکہ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے۔ اس لیے جب تک ان کے ساتھ ان کے مقابل کی صفت نہ بولی جائے۔ ان کا استعمال جائز نہیں رکھا گیا ہے یعنی خدا کو صرف ﴿الضار الخافض المانع المذل﴾ کہنا درست نہیں جب تک اس کے ساتھ اس کے دوسرے پہلو کو بھی نہ ملایا جائے۔ یعنی ﴿الضار﴾ کے ساتھ ﴿النافع﴾ الخافض کے ساتھ ﴿الرافع﴾ المانع کے ساتھ ﴿المعطی﴾ اور ﴿المذل﴾ کے ساتھ ﴿المعز﴾ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے قرآن پاک اور احادیث دونوں میں ان صفات کے استعمال میں یہ رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے' کیونکہ تنہا نقصان پہنچانے والا' ذلت دینے والا اور روکنے والا کوئی خوبی نہیں' بلکہ ایک طرح کی برائی ہے' ہاں نفع و نقصان پہنچانے والا عزت و ذلت دینے والا اور دینے اور روکنے والا دونوں کو ملا کر کہا جائے تو جائز ہوگا' اس سے مقصود خدا کی قدرت کی وسعت ہے اگر کوئی ایسا نفع پہنچانے والا ہے' جس میں نقصان پہنچانے کی قدرت ہی نہیں یا ایسا عزت دینے والا جس میں ذلیل کرنے کی استطاعت ہی نہیں تو وہ اس عزت دینے اور نفع پہنچانے پر مجبور و مضطر ہوگا' اور اس کی قدرت کا یہ کمال نہ ہوگا۔ البتہ جو نقصان پہنچانے کی طاقت رکھنے کے باوجود نفع پہنچاتا اور ذلت دے سکنے کے باوصف عزت دیتا ہے اس کا کمال ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

تنزیہ:

یعنی وہ صفات جو اس کی بڑائی کبریائی پاکی اور نیکی اور عیب و نقصان سے اس کی براءت کو ظاہر کرتی ہیں۔

﴿اَلْعَلِیُّ﴾ مرتبہ والا۔

﴿اَلْعَظِیْمُ﴾ عظمت والا۔

﴿اَلْکَبِیْرُ﴾ بڑا۔

﴿اَلرَّفِیْعُ﴾ بلند۔

Marfat.com

﴿اَلْجَلِیْلُ﴾ بزرگ۔

﴿اَلْكَرِيْمُ﴾ شریف۔

﴿اَلْغَنِیُّ﴾ بے نیاز۔

﴿اَلصَّادِقُ﴾ سچا راست باز۔

﴿اَلْمَاجِدُ﴾ عزت والا۔

﴿اَلْحَمِیْدُ﴾ تعریف والا۔

﴿اَلْقُدُّوْسُ﴾ پاک۔

﴿اَلْحَقُّ﴾ سچا اور اصل یعنی یہ کہ اس کے سوا سب باطل ہیں۔

﴿اَلْجَمِیْلُ﴾ اچھا۔

﴿اَلْبَرُّ﴾ نیک۔

﴿اَلْعَدْلُ﴾ عادل۔

﴿سُبُّوْحٌ﴾ ہر عیب سے پاک۔

﴿اَلصَّمَدُ﴾ بزرگی کی ہر صفت میں کامل۔

﴿اَلرَّشِیْدُ﴾ سیدھی راہ چلنے والا نہ بہکنے والا۔

ان تعلیمات کا اثر اخلاق انسانی پر:

اللہ تعالیٰ کے ان اسماء وصفات کا عقیدہ دین محمدی میں محض نظری نہیں بلکہ عملی حیثیت بھی رکھتا ہے یعنی اس کے یہ محامد واوصاف اخلاق انسانی کا معیار ہیں' ان اوصاف کو چھوڑ کر جو اس ذوالجلال کے لیے خاص ہیں' اور جو بندہ کی حیثیت اور طاقت سے زیادہ ہیں بقیہ اوصاف ومحامد انسان کے لیے قابل نقل ہیں کہ وہ خدا کے محامد واوصاف سے دور کی نسبت رکھتے ہیں' اس لیے انسان پر فرض ہے کہ اگر وہ خدا سے نسبت پیدا کرنا چاہتا ہے تو اپنے اندر اس کے محامد و اوصاف سے نسبت پیدا کرے' اور ان کو خوبیوں کا انتہائی معیار جان کر ان کی نقل و پیروی کی خواہش کرے' محامد الٰہی گویا استاد اعلیٰ کی وصلی ہے جس کو دیکھ کر شاگرد کو اپنے خط کی خوبی میں ترقی کرنی چاہیے' اس لیے انسان کو بھی اپنے حرف کے لکھنے (محامد الٰہی کی نقل اتارنے) میں ایک نظر اس استاد ازل کی وصلی پر ڈال لینی چاہیے تاکہ معلوم ہو کہ اس کی ذاتی مشق کہاں تک اصلی وصلی کے مطابق ہے۔

گزر چکا ہے کہ قرآن کا پہلا سبق یہ ہے کہ بحکم ﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ (بقرہ ۴) آدم کا بیٹا زمین میں خدا کا خلیفہ اور نائب بنایا گیا ہے' خلیفہ اور نائب میں اصل کے اوصاف ومحامد کا پرتو جتنا زیادہ نمایاں ہوگا' اتنی ہی وہ اپنے اندر اس منصب کا استحقاق زیادہ ثابت کرے گا اور نیابت کے فرائض زیادہ بہتر ادا کر سکے گا' یہاں تک کہ اس میں وہ جلوہ بھی نمایاں ہوگا جب وہ سرتاپا خدائی رنگ میں رنگ کر نکھر جائے گا۔

Marfat.com

﴿صِبۡغَةَ اللّٰهِ وَ مَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَةً﴾ ''خدا کا رنگ اور خدا کے رنگ سے کس کا رنگ اچھا ہے۔'' (بقرہ : ۱۶)

تمام اہل تفسیر متفق ہیں کہ اس ''خدائی رنگ'' سے مقصود خدا کا ''دین فطرت'' ہے۔

یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوۡرَتِهٖ﴾ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور ساتھ ہی اس کی تشریح بھی گزری ہے کہ اس ''صورت'' سے مقصود جسمانی نہیں بلکہ معنوی شکل وصورت ہے یعنی یہ کہ خدا نے انسان میں اپنی صفات کاملہ کا عکس جلوہ گر کیا ہے اور ان کے قبول کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے اور ان میں حد بشری تک ترقی کی استعداد بخشی ہے اور انسان کو اخلاق وصفت میں ملأ اعلیٰ سے تشبیہ اور ہم شکلی کا جوہر مرحمت فرمایا ہے اور یہی صوفیہ اور خاصان خدا کے اس مقولہ تخلقوا باخلاق اللہ۔ خدا کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو کا مطلب ہے حدیث میں یہی مفہوم بروایت طبرانی ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے کہ حسن الخلق خلق اللہ الاعظم. حسن خلق خدا تعالیٰ کا خلق عظیم ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ کے صفات کاملہ کی تین قسمیں اوپر بیان ہوئی ہیں جلالی کمالی اور تنزیہی صفات جلالی جو کبریائی عظمت شہنشاہی اور بڑائی کے اوصاف ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوقات ان کی مستحق نہیں اور نہ یہ اوصاف بندگی و عبودیت کے رتبہ کے مناسب ہیں ان کا انعکاس یہ ہے کہ بندوں میں ان کے مقابل کے صفات پیدا ہوں یعنی عاجزی تواضع فروتنی اور خاکساری اسی لیے ترفع تکبر اور بڑائی کا اظہار منع ہے اور اسی لیے آدم جس نے فروتنی اختیار کی اور عجز وقصور کا اعتراف کیا وہ مغفرت کے خلعت سے سرفراز ہوا اور شیطان جس نے ترفع اور غرور ظاہر کیا دائمی لعنت کا مستحق ٹھہرا۔

﴿اَبٰی وَ اسۡتَكۡبَرَ وَ كَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ﴾ (بقرہ :۱۴) ''اس نے (آدم کو سجدہ سے) انکار کیا اور غرور کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔''

قرآن پاک میں ہے کہ بڑائی اور کبریائی صرف خدا کے لیے ہے اس کے سوا کوئی اور اس کا مستحق نہیں۔

﴿وَ لَهُ الۡكِبۡرِيَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لیے بڑائی ہے۔''

صحیح مسلم میں[2] ابو سعید خدریؓ اور ابو ہریرہؓ دو صحابیوں سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عزت اس کا لباس اور کبریائی اس کی چادر ہے (خدا فرماتا ہے) تو جو کوئی عزت وکبریائی میں میرا حریف بنے گا میں اسے سزا دوں گا۔ دوسری جگہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک سب سے براوہ ہے جو اپنا نام بادشاہوں کا بادشاہ اور شہنشاہ رکھتا ہے خدا کے سوا کوئی بادشاہ اور مالک نہیں۔[3] ﴿العزیز الجبار المتکبر﴾ (حشر:۳) اسی کی شان ہے البتہ اللہ تعالیٰ اپنی عزت وجلال اور قوت وجبروت کا فیضان بعض بندوں اور امتوں پر نازل کرتا ہے اور وہ ان کو طاقت

(۱) کنز العمال ج ۱۲ص ۲ بروایت حضرت عمار بن یاسر۔
(۲) کتاب الادب باب الکبر ج ۲ص ۴۰۰ مصر۔
(۳) صحیح بخاری ومسلم کتاب الادب۔

Marfat.com

اور قوت اور بادشاہی عطا کرتا ہے' مگر اس نوازش کے بعد بھی نیک بندوں اور صالح امتوں کا فرض یہی ہے کہ عین اس وقت جب ان کے دست و بازو سے قوت حق اور ربانی جاہ و جلال کا اظہار ہو رہا ہو' ان کی پیشانیاں فرط عبودیت سے اس کے آگے جھکی ہوں' اور سر نیاز اظہار بندگی کے لیے اس کے سامنے خم ہوں کہ عزت و جلال خاص خدا کی شان تھی جس کا فیضان رسول پر ہوا اور رسول کی وساطت سے مومنوں پر ہوا' یہ ترتیب خود قرآن میں ملحوظ رکھی گئی ہے۔

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (منافقون : ۱) ''اور عزت خدا کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے ہے۔''

حاکم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تین کپڑے ہیں' وہ اپنی عزت و جلال کا ازار باندھتا ہے اور اپنی رحمت کا جامہ پہنتا ہے' اور اپنی کبریائی کی چادر اوڑھتا ہے' تو جو شخص اس عزت کے سوا جو خدا کی طرف سے اس کو عنایت ہوئی ہے معزز بننا چاہتا ہے تو وہی وہ شخص ہے جس کو قیامت میں کہا جائے گا (اس کا) مزہ چکھ تو معزز اور شریف بنتا تھا۔'' (قرآن) اور جو انسانوں پر رحم کرتا ہے خدا اس پر رحم کرتا ہے' کیونکہ اس نے وہ جامہ پہنا جو اس کو روا تھا اور جو کبریائی کرتا ہے وہ خدا کی اس چادر کو اتارنا چاہتا ہے' جو خدا ہی کے لیے تھی۔ (۱)

خدا کے صفات کمال میں سے وحدانیت اور بقائے ازلی و ابدی کے سوا کہ ان سے تمام مخلوقات اور ممکنات طبعاً محروم ہیں بقیہ اوصاف کے فیضان سے انسان مشرف ہوتا ہے' صفات تنزیہی مثلاً قدرت علم سمع بصر کلام وغیرہ سے بھی مخلوقات تمام تر محروم ہیں' ان کی تنزیہ یہی ہے کہ وہ خدا کے عصیان' نافرمانی اور گنہگاری کے عیب سے بری اور پاک ہوں۔

خدا کے صفات جمالی وہ اصلی اوصاف ہیں جن کے فیضان کا دروازہ ہر صاحب توفیق کے لیے حسب استعداد کھلا ہوا ہے' ان صفات کا سب سے بڑا مظہر عفو و درگزر ہے' عیسائیوں کی عام دعا میں ایک فقرہ ہے کہ خداوند! تو ہمارے گناہوں کو معاف کر' جس طرح ہم اپنے قرض داروں کو معاف کرتے ہیں' اسلام نے اس الٹی تشبیہ کو جائز نہیں رکھا ہے' اس کے ہاں یہ ہے کہ اے انسان تو اپنے مجرموں کو معاف کر کہ خدا تیرے گناہوں کو معاف کرے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو کوئی اپنے بھائی کے گناہ پر پردہ ڈالے گا' خدا اس کے گناہوں پر پردہ ڈالے گا۔ (۲) قرآن کہتا ہے کہ تم دوسروں کو معاف کرو کہ خدا تم کو معاف کرتا ہے۔

﴿اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا﴾ (نساء: ۳۱) ''اگر تم کوئی نیکی دکھا کر یا چھپا کر کرو یا کسی کی برائی معاف کرو تو اللہ (بھی) معاف کرنے والا قدرت والا ہے۔''

ایک دفعہ عہد نبوت میں بارگاہ عدالت قائم تھی' ایک مجرم کو سزا دی جا رہی تھی' سزا کا منظر دیکھ کر حضور کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو رہا تھا' ادا شناسوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ امام تک معاملہ پہنچنے سے پہلے ہی اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا کرو' خدا معاف کرتا ہے' اور عفو و درگزر پسند کرتا ہے' تو تم بھی معاف اور درگزر کیا کرو' کیا تمہیں یہ پسند نہیں

(۱) کنز العمال ج ۲ ص ۹۷ از مستدرک حاکم۔

(۲) صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ۔

Marfat.com

کہ خدا تمہیں بھی معاف کرے وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (۱)

آنحضرت ﷺ ایک دفعہ صحابہ کے مجمع میں فرما رہے تھے کہ جس کے دل میں غرور کا ایک ذرہ بھی ہو گا' وہ بہشت میں داخل نہ ہو گا' ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ! انسان چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں' اس کا جوتا اچھا ہو' کیا یہ بھی غرور ہے' فرمایا۔

((انّ اللّٰہ عزّوجلّ جمیل یحبّ الجمال)) (۲) ''اللہ تعالیٰ اچھا ہے جمال والا ہے اچھائی اور جمال ہی کو پسند کرتا ہے۔''

یہ غرور نہیں' غرور حق کو پامال کرنا اور انسانوں کو دبانا ہے' یہی روایت حدیث کی دوسری کتابوں میں ان الفاظ کے ساتھ ہے' خدا جمال والا ہے' وہ جمال کو پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے بندہ پر اس کی نعمت کا اثر ظاہر ہو (۳) یہ روایت بھی ہے ''خدا جمیل ہے' جمال کو پسند کرتا ہے' وہ سخی ہے' سخاوت کو پسند کرتا ہے' وہ صاف ستھرا ہے' صفائی اور ستھرے پن کو پسند کرتا ہے۔'' (۴) روایت کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔'' وہ جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے' اخلاق عالیہ سے محبت اور بداخلاقیوں سے نفرت رکھتا ہے' (۵) ایک موقع پر آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کو نصیحت فرماتے ہیں۔ ''اے عائشہؓ! خدا نرمی والا ہے' وہ ہر بات میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ (۶) ایک مرتبہ آپؐ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا لوگو! خدا پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔ (۷) عام مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اے قرآن کے ماننے والو! وتر نماز پڑھا کرو کہ خدا یکتا (وتر) ہے' وہ یکتا (وتر) کو پسند کرتا ہے۔ (۸)

رحمت و شفقت اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے' مگر خدا کی رحمت و شفقت کے وہی مستحق ہیں جو دوسروں پر رحمت و شفقت کرتے ہیں' آپؐ نے فرمایا رحم کرنے والوں پر وہ رحم کرنے والا بھی رحم کرتا ہے' لوگو! تم زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ (ابوداؤد باب فی الرحمۃ) رشتہ داروں اور قرابت کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے' تمام رشتہ داریاں اور قرابتیں رحم کے تعلق پر قائم ہیں' آپ نے فرمایا کہ رحم کی جڑ رحمان سے ہے' خدا فرماتا ہے کہ اے رحم! جو تجھ کو قطع رحم کرے گا' میں اس کو قطع کروں گا' جو تجھ کو ملائے گا۔ اس کو میں بھی ملاؤں گا۔ (۹) ترمذی میں یہی تعلیم ان الفاظ میں ہے۔ ''میں خدا ہوں' میں رحمان ہوں' میں نے رحم پیدا کیا ہے اور اپنے نام (رحمان) سے اس کا نام

(۱) مستدرک للحاکم جلد۴ ص ۳۸۲ کتاب الحدود۔
(۲) صحیح مسلم کتاب الایمان و ترمذی باب الکبر۔
(۳) کنز العمال کتاب الزینۃ بحوالہ شعب الایمان بیہقی۔
(۴) کنز العمال کتاب الزینۃ بحوالہ کامل لابن عدی۔
(۵) ایضاً بحوالہ معجم اوسط طبرانی۔
(۶) صحیح مسلم ابوداؤد حاکم نسائی ابن ماجہ بیہقی فی الآداب۔
(۷) صحیح مسلم کتاب الصدقات و ترمذی تفسیر سورۂ بقرہ۔
(۸) ابوداؤد باب استحباب الوتر۔
(۹) صحیح بخاری باب صفۃ الرحم۔

Marfat.com

(رحم) مشتق کیا ہے تو جو اس کو ملائے گا میں اس کو ملاؤں گا جو اس کو قطع کرے گا میں اس کو قطع کروں گا۔[1] پھر فرمایا جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا۔ خدا اس پر رحم نہیں کرتا' بخاری میں اس روایت کے یہ الفاظ ہیں' جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔[2] آپ نے فرمایا' خدا نے رحم کے سو حصے کیے ۹۹ حصے اپنے پاس رکھے اور ایک حصہ زمین والوں کو عنایت کیا' اسی کا یہ اثر ہے کہ باہم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ رحم وشفقت سے پیش آتے ہیں' یہاں تک کہ گھوڑی بھی اپنے بچہ کے لیے اس خوف سے پاؤں اٹھا لیتی ہے کہ اس کو صدمہ نہ پہنچے۔[3]

بخل خدا کی صفت نہیں' مگر آپ نے فرمایا تم اپنی تھیلی کے منہ نہ بند کرو' ورنہ تم پر تھیلی کا منہ بند کیا جائے گا۔[4] یہ نصیحت بھی فرمائی کہ جو بندہ دوسرے بندہ کی پردہ پوشی کرے گا' قیامت میں اس کی پردہ پوشی خدا کرے گا' یہ بھی تعلیم دی گئی ہے کہ جب تک تم اپنے بھائی کی مدد میں ہو'[5] خدا تمہاری مدد میں ہے۔

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا کہ خدا سے بڑھ کر کوئی غیرت مند نہیں' اسی لیے اس نے فحش باتوں کو حرام کیا ہے اسی کی تفسیر دوسری حدیث میں ہے' آپ نے فرمایا کہ خدا بھی غیرت والا اور مومن بھی غیرت والا ہے اور خدا کی غیرت یہ ہے کہ اس نے اپنے مومن پر جس بات کو حرام کیا ہے اگر کوئی اس کا ارتکاب کرے تو وہ اس پر خفا ہو۔[6]

اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے۔

﴿و ان الله ليس بظلام للعبيد﴾ (آل عمران : ۱۹) ''اور بے شک خدا بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔''

اس لیے اس کے بندوں کا فرض ہے کہ وہ بھی آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کریں' محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی زبان سے اس کی اس عملی تعلیم کو ان الفاظ میں ادا فرمایا۔

((يا عبادى انى حرمت الظلم على نفسى و جعلته بينكم محرما فلا تظالموا))[7] ''اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا ہے اور اس کو تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے تو تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا۔''

پاکیزگی اور لطافت خدا کی صفتیں ہیں' اس لیے خدا کے ہر بندہ کو بھی پاک وصاف رہنا چاہیے' آپ نے فرمایا۔

((ان الله طيب يحب الطيب و نظيف يحب ''خدا پاکیزہ ہے' پاکیزگی کو پسند کرتا ہے اور پاک و

(۱) ابواب البر والصلۃ۔

(۲) ترمذی باب مذکور۔

(۳) جامع بخاری باب رحمۃ الولد۔

(۴) جامع بخاری باب رحمۃ الولد۔

(۵) صحیح ترمذی ابواب البر والصلۃ۔

(۶) مسلم کتاب البر والصلۃ باب بشارۃ من ستر اللہ تعالیٰ علیہ فی الدنیا بان یستر علیہ فی الآخرۃ۔

(۷) ابوداؤد کتاب الادب فی المعونۃ للمسلم۔

Marfat.com

النظافة فتنظفوا و لا تشبهوا الیھود)) (1) صاف ہے پاکی اور صفائی کو پسند کرتا ہے تو تم پاک و صاف رہا کرو یہودیوں کی طرح گندے نہ بنو۔"

یہ توحید کا ایک رخ تھا' اب اس کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ کے قابل ہے۔

وہ قومیں جو توحید سے آشنا نہ تھیں' انہوں نے انسانیت کا مرتبہ بھی نہیں پہچانا تھا' وہ ان کو فطرت کے ہر مظہر کا غلام سمجھتی تھیں' یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم توحید ہی تھی جس نے خدا کے سوا ہر شے کا خوف انسانوں کے دل سے نکال دیا' سورج سے لے کر زمین کے دریا اور تالاب تک ہر چیز آقا ہونے کے بجائے انسانوں کی غلام بن کر ان کے سامنے آئی بادشاہوں کے جلال و جبروت کا طلسم ٹوٹ گیا۔ اور وہ بابل (مصر) ہندو ایران کے خدا اور ربکم الاعلیٰ ہونے کے بجائے انسانوں کے خادم' راعی اور چوکیدار کی صورت میں نظر آئے جن کا عزل و نصب' دیوتاؤں اور فرشتوں کے ہاتھ میں نہ تھا بلکہ خود انسانوں کے ہاتھ میں تھا۔

تمام انسانی برادری جس کو دیوتاؤں کی حکومتوں نے اونچے نیچے' بلند و پست' شریف و ذلیل' مختلف طبقوں اور ذاتوں میں منقسم کر دیا تھا اور جن میں سے کچھ کی پیدائش پرمیشور کے منہ' کچھ کی اس کے ہاتھ اور کچھ کی اس کے پاؤں سے تسلیم کی جاتی تھی' اس عقیدے کی وجہ سے ایسی مختلف جنسوں میں بٹ گئی تھی جن کو کسی طرح متفق نہیں کر سکتے تھے اور اسی طرح مساوات انسانی کی دولت دنیا سے گم ہو چکی تھی اور زمین قوموں اور ذاتوں کے ظلم و جبر اور غرور و فخر کا دنگل بن گئی تھی توحید نے آ کر اس کی اونچائی نیچائی' بلندی و پستی اور نشیب و فراز کو برابر کیا' سب انسان خدا کے بندے' سب اس کے سامنے برابر' سب باہم بھائی بھائی اور سب حقوق کے لحاظ سے یکساں قرار پائے' ان تعلیمات نے دنیا کی معاشرتی اخلاقی اور سیاسی اصلاحات میں جو کام کیا' اس کے نتائج تاریخ کے صفحوں میں ثبت ہیں۔

بہر حال اس اصول کی صداقت کو انہوں نے بھی تسلیم کر لیا' جو حقیقی توحید سے ناآشنا ہیں اور اسی لیے وہ مساوات انسانی کے حقیقی کوچہ سے بھی اب تک نابلد ہیں' انتہا یہ ہے کہ خدا کے گھر میں جا کر بھی تفاوت درجہ کا خیال ان کے دل سے دور نہیں ہوتا اور وہ دولت و فقر اور رنگ و قومیت کے امتیازات کو خدا کے سامنے سرنگوں ہو کر بھی نہیں بھولتے' مسلمانوں کو تیرہ سو برس سے مساوات کی نعمت اسی توحید کامل کی بدولت حاصل ہے اور وہ ہر قسم کے مصنوعی امتیازات سے پاک ہیں اسلام کی نظر میں سب ایک خدا کے بندے ہیں' اور سب یکساں اس کے سامنے سرافگندہ ہیں' دولت و فقر' رنگ و روپ اور نسل و قومیت کا کوئی امتیاز ان کو منقسم نہیں کرتا' اگر کوئی امتیاز ہے تو صرف تقویٰ اور خدا کی فرمان برداری کا ہے۔

﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاکُمْ﴾ (حجرات : ۲) "تم میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا سے تقویٰ کرتا ہے۔"

(۱) صحیح بخاری کتاب التوحید جلد دوم ص ۱۱۰۳۔ (۲) جامع ترمذی باب ماجاء فی الغیرۃ من ابواب نکاح۔

(۳) صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ ومسند ابن حنبل ج ۸ ص ۱۶ مصر وادب المفرد امام بخاری باب الظلم ص ۹۵۔

(۴) ترمذی باب فی النظافۃ ص ۴۵۶۔

Marfat.com

خدا کا ڈر اور پیار:

اس سلسلہ میں ایک اور اہم مسئلہ خدا سے ڈرنے اور اس سے محبت کرنے کا ہے' عام طور سے مخالفوں نے یہ سمجھا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے جس خدا کی تعلیم دی ہے وہ فقط قہار' جبار اور مہیب شہنشاہ مطلق کی ہے' جس کی ہیبت و جلال سے تمام بندوں کو صرف ڈرتے' کانپتے رہنا چاہیے' اس کے گوشۂ چشم میں لطف و عنایت کا گزر نہیں محبت و پیار کا نذرانہ اس کے دربار میں قبول نہیں ہوتا' وہ اپنے کمزور بندوں پر نہ خود محبت کی نظر رکھتا ہے اور نہ بندوں سے اپنی محبت کا تقاضا کرتا ہے' لیکن درحقیقت یہ تعلیم محمدی کی بالکل غلط تصویر ہے' اللہ تعالیٰ کے جو اسماء و صفات اوپر گزر چکے ہیں' ان میں سے ایک ایک پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ اس کے چند پرجلال ناموں کو چھوڑ کر جو اس کی قدرت تامہ اور مالکیت عامہ کی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں' بقیہ تمام نام صرف محبت اور پیار اور لطف اور کرم رحمت اور مہر کی تجلی گاہ ہیں۔ مخالفوں کو اس حقیقت کے سمجھنے میں دو وجہوں سے مغالطہ ہوا۔

(۱) آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیت کی بھی انسانوں کو دعوت دی۔

(۲) دوسرے مذہبوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کے اظہار کی جو اصطلاحیں مقرر کی تھیں' آپ نے شدت کے ساتھ ان کی مخالفت کی اور ان کو شرک قرار دیا۔

محبت کے ساتھ خوف وخشیت کی تعلیم:

یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی تعلیم میں خدا کی محبت اور پیار کے ساتھ اس کے خوف وخشیت کو بھی جگہ دی ہے' غور کرو انسانوں میں تمام کاموں کے محرک دو ہی جذبے ہوتے ہیں' خوف اور محبت' یہ دونوں جذبے الگ الگ بھی پائے جاتے ہیں اور ایک ساتھ یا آگے پیچھے بھی ان دونوں جذبات کے لوازم بھی الگ الگ ہوتے ہیں' ادعائے محبت کا نتیجہ' ناز' تبختر اور کبھی گستاخی اور کبھی اپنے مہربان ومحبوب پر غایت اعتماد کی بنا پر نافرمانی بھی ہے اور ظاہر ہے کہ جذبہ محبت کے ان لوازم اور اثرات کا فساد صرف خوف کے جذبہ سے ہوسکتا ہے' اس لیے خالق ومخلوق کے درمیانی رابطہ کی تکمیل نہ تنہا خوف سے ہوسکتی ہے اور نہ تنہا محبت سے بلکہ ان دونوں کے اشتراک' امتزاج اور اعتدال سے یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے اور یہی نبوت محمدی کی تعلیم ہے۔

اسلام سے پہلے جو آسمانی مذاہب موجود تھے' ان کے اندر اس مسئلہ میں بھی افراط وتفریط پیدا ہوگئی تھی اور صراط مستقیم سے وہ تمام تر ہٹ گئے تھے' یہودی مذہب کی بناء سراسر خوف وخشیت اور سخت گیری پر تھی' اس کا خدا فوجوں کا سپہ سالار اور[۱] باپ کا بدلہ پشت ہا پشت تک بیٹوں سے لینے والا تھا'[۲] حالانکہ یہودیت کے صحیفوں میں خدا کے رحم و کرم اور محبت و شفقت کا ذکر کہیں کہیں موجود ہے۔[۳] اس کے برعکس عیسائیت زیادہ تر خدا کے رحم و کرم اور محبت و

(۱) یرمیاہ ۳۲' ۱۴' ۱۵۔ وغیرہ۔

(۲) خروج ۲۰' ۵' ۳۴' ۷ واستثناء ۴' ۳۴' ۶' ۵' وغیرہ۔

(۳) خروج ۲۰' ۷ و ۳۴' وزبور ۸۶' ۱۵' و ۱۰۳' ۸ وغیرہ میں خدا کے پیار اور رحم وکرم کا ذکر ہے۔

Marfat.com

شفقت کے تذکروں سے معمور تھی' گویا ایسا نہیں ہے کہ اس میں خدا کے خوف وخشیت کے مطلق تعلیم نہ ہو بلکہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی تاکید ہے'(۱) مگر دونوں مذہبوں کے پیروؤں نے ان دو متقابل تعلیموں کے درمیان اعتدال ملحوظ نہیں رکھا تھا' اسلام نے اسی نقطۂ اعتدال کو پیش نظر رکھا ہے' وہ نہ تو خدا کو محض جبار' قہار' رب الافواج اور صرف بنی اسرائیل یا بنی اسمٰعیل کا خدا مانتا ہے نہ اس کو مجسم انسان' انسانوں کا باپ یا محمدؐ کا باپ سمجھتا ہے' اور نہ تنہا رحم وکرم اور محبت وشفقت کے صفات سے اس کو متصف کرتا ہے بلکہ وہ خدا کی نسبت یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر قاہر بھی ہے اور رحمان وکریم بھی' وہ منتقم اور شدید العقاب بھی ہے اور غفور ورحیم بھی وہ اپنے بندوں کو سزا بھی دیتا ہے اور پیار بھی کرتا ہے اور خفا بھی ہوتا ہے اور نوازتا بھی ہے' اس سے ڈرنا بھی چاہیے اور اس سے محبت بھی کرنی چاہیے۔

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ' وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَ ادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (اعراف : ۷)

''(لوگو) اپنے پروردگار کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارا کرو' وہ حد سے بڑھ جانے والوں کو پیار نہیں کرتا' اور زمین کی درستی کے بعد اس میں فساد نہ پھیلاؤ' اور اس کو (اس کے عذاب سے) ڈرتے ہوئے اور (اس کے فضل وکرم کی) لولگاتے ہوئے اسے پکارا کرو بے شک خدا کی رحمت اچھے کام کرنے والوں کے قریب رہتی ہے۔''

چند نیک بندوں کی مدح میں فرمایا۔

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا﴾ (انبیاء : ٦)

''وہ نیکی کے کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہم کو امید اور ڈر کے ساتھ پکارتے تھے۔''

اس سے زیادہ پر لطف بات یہ ہے کہ اسلام خدا سے لوگوں کو ڈراتا تو ہے' مگر اس کو جبار وقہار کہہ کر نہیں بلکہ مہربان اور رحیم کہہ کر' چنانچہ خدا کے سعید بندوں کی صفت یہ ہے کہ۔

﴿وَ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ﴾ (یس : ۱) ''اور رحم کرنے والے سے بن دیکھے ڈرا۔''

﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ﴾ (ق : ۳) ''جو رحم کرنے والے سے بن دیکھے ڈرا۔''

نہ صرف انسان بلکہ تمام کائنات کی زبان اس مہربان کے جلال سامنے گنگ ہے۔

﴿وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ﴾ ''اور رحم والے کے ادب سے تمام آوازیں پست ہو گئیں۔''

دنیا میں جتنے بھی پیغمبر آئے وہ دو قسم کے تھے' ایک وہ جن کی آنکھوں کے سامنے صرف خدا کے جلال وکبریائی کا جلوہ تھا' اس لیے وہ صرف خدا کے خوف وخشیت کی تعلیم دیتے تھے' مثلاً حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام' دوسرے وہ جو محبت الٰہی میں سرشار تھے اور وہ لوگوں کو اسی خمخانہ عشق کی طرف بلاتے تھے' مثلاً حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

لیکن پیغمبروں میں ایک ایسی ہستی بھی آئی جو ان دونوں صفتوں کی برزخ کبریٰ' جلال وجمال دونوں کا مظہر اور

(۱) لوقا کی انجیل ۱۲' ۵' اول پطرس ۲' ۷' دوم قرنیتون ۷۔۱۔ افسیون ۵' ۲۱ الغرض خدا سے ڈرنے کی تعلیم عیسائیت میں بھی دی گئی ہے۔

Marfat.com

پیار اور ادب دونوں کی جامع تھی یعنی محمد رسول اللہ ﷺ ایک طرف آپ کی آنکھیں خوف الٰہی سے اشک بار رہتی تھی اور دوسری طرف آپ کا دل خدا کی محبت اور رحم و کرم کے سرور سے سرشار رہتا تھا' کبھی ایسا ہوتا کہ ایک ہی وقت میں دونوں منظر آپ کے چہرۂ انور پر لوگوں کو نظر آ جاتے تھے' چنانچہ جب راتوں کو آپ شوق و ولولہ کے عالم میں نماز کے لیے کھڑے ہوتے' قرآن مجید کی لمبی لمبی سورتیں زبان مبارک پر ہوتیں اور ہر معنی کی آیتیں گزرتی جاتیں تو جب کوئی خوف و خشیت کی آیت آتی' آپ پناہ مانگتے اور جب کوئی مہر و محبت اور رحم و بشارت کی آیت آتی تو اس کے حصول کی دعا کرتے تھے۔'[1]

الغرض اسلام کا نصب العین یہ ہے کہ وہ خوف اور محبت کے کناروں سے ہٹا کر جہاں سے ہر وقت نیچے گرنے کا خطرہ ہے' خوف و خشیت اور رحم و محبت کے بیچ کی شاہراہ میں انسانوں کو کھڑا کرے' اس لیے کہا گیا ہے کہ۔

''ایمان کامل خوف اور امید کے درمیان ہے'' کہ تنہا خوف لوگوں کو خدا کے رحم و کرم سے ناامید اور محض رحم و کرم پر بھروسہ ان کو خودسر اور گستاخ بنا دیتا ہے' جیسا کہ اس عملی دنیا کے روزانہ کے کاروبار میں نظر آتا ہے' اور مذہبی حیثیت سے اس کے نتائج کا مشاہدہ عملاً یہودیوں اور عیسائیوں میں کیا جاسکتا ہے' اسی لیے محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں ان دونوں متضاد کیفیتوں کو ایمان اور عقیدہ کی رو سے برابر کا درجہ دیا لیکن ساتھ ہی عاجز و درماندہ انسانوں کو یہ بھی بشارت سنائی کہ خدا کی رحمت کا دائرہ اس کے غضب کے دائرہ سے زیادہ وسیع ہے فرمایا۔

﴿وَ رَحْمَتِىْ وَ سِعَتْ كُلَّ شَىْءٍ﴾ (اعراف:۹) ''اور میری رحمت ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے۔''

اور اس کی تفسیر خود صاحب قرآن علیہ السلام نے ان الفاظ میں کی۔

((رحمتی سبقت غضبی)) (بخاری) ''میرے غضب سے میری رحمت آگے بڑھ گئی۔''

عیسائیوں نے خدا سے اپنا رشتہ جوڑا' اور اپنے کو فرزند الٰہی کا لقب دیا' بعض یہودی فرقوں نے بنی اسرائیل کو خدا کا خانوادہ اور محبوب ٹھہرایا' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جوڑ پر حضرت عزیرؑ کو فرزند الٰہی کا رتبہ دیا' لیکن اسلام یہ شرف کسی مخصوص خاندان یا خاص قوم کو عطا نہیں کرتا بلکہ وہ تمام انسانوں کو بندگی اور اطاعت کی ایک سطح پر لا کر کھڑا کرتا ہے' مسلمانوں کے مقابلہ میں یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کو دعویٰ تھا۔

﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ﴾ (مائدہ:۳) ''ہم خدا کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔''

قرآن مجید نے اس کے جواب میں کہا۔

﴿قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ﴾ (مائدہ: ۳) ''کہہ دو کہ اگر ایسا ہے تو خدا تمہارے گناہوں کے بدلہ تم کو عذاب کیوں دیتا ہے (اس لیے تمہارا دعویٰ صحیح نہیں بلکہ تم بھی انہی انسانوں میں سے ہو جن کو اس نے پیدا کیا۔''

دوسری جگہ قرآن نے تنہا یہودیوں کے جواب میں کہا۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ ''اے وہ جو یہودی ہوا گر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو کہ

(۱) مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۹۳۔

Marfat.com

اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (جمعہ : ۱) تمام انسانوں کو چھوڑ کر تم ہی خدا کے خاص چہیتے ہو تو موت (یعنی خدا کی ملاقات) کی تمنا کیوں نہیں کرتے۔''

اسلام رحمت الٰہی کے دائرہ کو کسی خاندان اور قوم تک محدود نہیں رکھتا' بلکہ وہ اس کی وسعت میں انسانوں کی ہر برادری کو داخل کرتا ہے ایک شخص نے مسجد نبوی میں آ کر دعا کی کہ ''خدایا مجھ کو اور محمد کو مغفرت عطا کر۔'' آپ ؐ نے فرمایا ''خدا کی وسیع رحمت کو تم نے تنگ کر دیا۔''[1] ایک اور اعرابی نے مسجد میں دعا مانگی کے خدایا! مجھ پر اور محمد پر رحمت بھیج اور ہماری رحمت میں کسی کو شریک نہ کر آپ نے صحابہ کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔ یہ زیادہ گمراہ ہے یا اس کا اونٹ۔

محبت کی جسمانی اصطلاحات کی ممانعت:

اس سلسلہ میں تعلیم محمدی کے متعلق غلط فہمی کا دوسرا سبب جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے' یہ ہے کہ بعض مذاہب نے خدا کی محبت وکرم کی تعبیر کے لیے جو مادی اور جسمانی اصطلاحیں قائم کی تھیں' اسلام نے ان کی مخالفت کی اور ان کو شرک قرار دیا' اس سے نتیجہ یہ نکالا گیا کہ اسلام کا خدا رحم وکرم اور محبت اور پیار کے اوصاف سے معرا ہے۔

اصل یہ ہے کہ انسان دوسرے غیر مادی خیالات کی طرح خدا اور بندہ کے باہمی مہر ومحبت کے جذبات کو بھی اپنی ہی انسانی بول چال میں ادا کر سکتا ہے' محبت اور پیار کے یہ جذبات انسانوں کے اندر باہمی مادی اور جسمانی رشتوں کے ذریعہ سے نمایاں ہوتے ہیں' اس بناء پر بعض مذاہب نے اس طریقہ ادا کو خالق ومخلوق کے ربط وتعلق کے اظہار کے لیے بھی بہترین اسلوب سمجھا چنانچہ کسی نے خالق اور مخلوق کے درمیان باپ اور بیٹے کا تعلق پیدا کیا' جیسا کہ عیسائیوں میں ہے' دوسرے نے ماں کی محبت کا بڑا درجہ سمجھا' اس لیے اس تعلق کو ماں اور بیٹے کی اصطلاح سے واضح کیا اور دیبیاں انسانوں کی ماتائیں بنیں' جیسا کہ ہندوؤں کا عام مذہبی تخیل ہے' خاص ہندوستان کی خاک میں زن وشو کی باہمی محبت کا امتیازی خاصہ ہے' جس کی نظیر دوسرے ملکوں میں نہیں مل سکتی ہے' اس کی نگاہ میں محبت کا اس سے زیادہ پر اثر منظر اور ناقابل شکست پیمان کوئی دوسرا نہیں۔ اس لیے یہاں کے بعض فرقوں میں خالق ومخلوق کی باہمی محبت کے تعلق کو زن وشو کی اصطلاح سے ادا کیا گیا' سدا سہاگ فقراء اس تخیل کی مضحکہ انگیز تصویریں ہیں۔

یہ تمام فرقے جنہوں نے خدا اور بندہ کے تعلق کو جسمانی اور مادی رشتوں کے ذریعہ ادا کرنا چاہا' راہ سے بے راہ ہو گئے اور لفظ کے ظاہری استعمال نے نہ صرف ان کے عوام بلکہ ان کے خواص تک کو گمراہ کر دیا' جو لفظ کی اصلی روح کو چھوڑ کر جسمانیت کے ظاہری مغالطوں میں گرفتار ہو گئے' عیسائیوں نے واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا سمجھ لیا' ہندوستان کے بیٹوں نے ماتاؤں کی پوجا شروع کر دی۔ سدا سہاگ فقیروں نے چوڑیاں اور ساڑھیاں پہن لیں' اور خدائے قادر سے شوخیاں کرنے لگے' اسی لیے اسلام نے جو توحید خالص کا مبلغ تھا ان جسمانی اصطلاحات کی سخت مخالفت کی' اور خدا کے لیے ان الفاظ کا استعمال ضلالت اور گمراہی قرار دیا' لیکن وہ ان الفاظ کے اصلی معنی اور منشاء کا اور اس مجاز کے پردہ میں جو حقیقت مستور ہے اس کا انکار نہیں کرتا' بلکہ وہ ان جسمانی معنوں کو خالق ومخلوق اور عبد ومعبود کے ربط وتعلق کے اظہار کے لیے ناکافی غیر مکمل سمجھتا ہے اور وہ ان سے زیادہ وسیع وکامل معنی کا طالب ہے۔

---

(1) صحیح بخاری کتاب الادب۔

Marfat.com

﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا﴾ (بقرہ : ۲۵) ”تم خدا کو اس طرح یاد کرو جس طرح اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو۔“

دیکھو کہ باپ کی طرح کی محبت کو وہ اپنے پروردگار کی محبت کے لیے ناکافی قرار دیتا ہے اور عبد و معبود کے درمیان محبت کے رشتہ کو اس سے کہیں زیادہ مضبوط و استوار ظاہر کرنا چاہتا ہے۔

الغرض رحم و محبت کے اس جسمانی طریقہ تعبیر کی مخالفت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلام سرے سے خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے درمیان محبت و پیار کے جذبات سے خالی ہے اتنا کون نہیں سمجھتا کہ مذہب کی تعلیمات انسانوں کی بولی میں اتری ہیں' انسانوں کے تمام خیالات اور تصورات اسی مادی اور جسمانی ماحول کا عکس ہیں' اس لیے ان کے ذہن میں کوئی غیر مادی اور غیر جسمانی تصور کسی مادی اور جسمانی تصور کی وساطت کے بغیر براہ راست پیدا نہیں ہوسکتا اور نہ اس کے لیے ان کے لغت میں کوئی ایسا لفظ مل سکتا ہے جو کسی غیر مادی اور غیر جسمانی مفہوم کو اس قدر منزہ اور بلند طریقہ سے بیان کرے جس میں مادیت اور جسمانیت کا مطلق شائبہ نہ ہو' انسان ان دیکھی چیزوں کا تصور صرف دیکھی ہوئی چیزوں کی تشبیہ سے پیدا کرتا ہے اور اس طرح ان دیکھی چیزوں کا ایک دھندلا سا عکس ذہن کے آئینہ میں اتر جاتا ہے۔

اس ان دیکھی ہستی کی ذات و صفات کے متعلق جس کو خدا کہتے ہو' ہر مذہب میں ایک تخیل ہے غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ تخیل بھی اس مذہب کے پیروؤں کے گرد و پیش کی اشیاء سے ماخوذ ہے لیکن ایک بلند تر اور کامل تر مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ اس تخیل کو مادیت' جسمانیت اور انسانیت کی آلائشوں سے اس حد تک پاک و منزہ کر دے جہاں تک بنی نوع انسان کے لیے ممکن ہے خدا کے متعلق باپ ماں اور شوہر کا تخیل اس درجہ مادی' جسمانی اور انسانی ہے کہ اس تخیل کے معتقد کے لیے ناممکن ہے کہ وہ خالص توحید کے صراط مستقیم پر قائم رہ سکے' اسی لیے نبوت محمدی نے ان مادی تعلقات اور جسمانی رشتوں کے ظاہر کرنے والے الفاظ کو خالق و مخلوق کے اظہار ربط و تعلق کے باب میں یک قلم ترک کر دیا' بلکہ ان کا استعمال بھی شرک قرار دیا' تاہم چونکہ روحانی حقائق کا اظہار بھی انسان ہی کی مادی بولی میں کرنا تھا۔ اس لیے جسمانی و مادی رشتہ کے بجائے جس کو دوسرے مذاہب نے منتخب کیا تھا۔ اس رشتہ کے محض جذبات احساسات اور عواطف کو خالق و مخلوق کے تعلقات باہمی کے اظہار کے لیے اسلام نے مستعار لے لیا' اس طرح خالق و مخلوق کے درمیان کوئی جسمانی رشتہ قائم کیے بغیر اس نے ربط و تعلق کا اظہار کیا اور استعمالات کی لفظی غلطی سے گمراہیاں پہلے پیش آ چکی تھیں' ان سے انسانوں کو محفوظ رکھا۔

ہر زبان میں اس خالق ہستی کی ذات کی تعبیر کے لیے کچھ نہ کچھ الفاظ ہیں جن کو کسی خاص تخیل اور نصب العین کی بنا پر مختلف قوموں نے اختیار کیا ہے اور گو ان کی حیثیت اب علم اور نام کی ہے تاہم وہ درحقیقت پہلے پہل کسی نہ کسی وصف کو پیش نظر رکھ کر استعمال کیے گئے تھے ہر قوم نے اس علم اور نام کے لیے اسی وصف کو پسند کیا ہے جو اس کے نزدیک اس خالق ہستی کی سب سے بڑی اور سب سے ممتاز صفت ہوسکتی تھی۔

اسلام نے خالق کے لیے جو نام اور علم اختیار کیا ہے' وہ لفظ اللہ ہے' اللہ کا لفظ اصل میں کس لفظ سے نکلا ہے

Marfat.com

میں اہل لغت کا یقیناً اختلاف ہے مگر ایک گروہ کثیر کا یہ خیال ہے کہ یہ ﴿ولاہ﴾ سے نکلا ہے اور ﴿ولہ﴾ کے اصل معنی عربی میں اس ''غم'' اور ''محبت'' اور ''تعلق خاطر'' کے ہیں جو ماں کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے اسی سے بعد میں مطلق عشق و محبت کے معنی پیدا ہو گئے اور اسی سے ہماری زبان میں لفظ والہ (شیدا) مستعمل ہے اس لیے اللہ کے معنی ''محبوب اور پیارے'' کے ہیں جس کے عشق و محبت میں نہ صرف انسان بلکہ ساری کائنات کے دل سرگرداں متحیر اور پریشان ہیں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی قرآن مجید کی آیتوں کے ترجمے اکثر ہندی میں فرمایا کرتے تھے اللہ کا ترجمہ وہ ہندی میں ''من موہن'' یعنی ''دلوں کا محبوب'' کیا کرتے تھے۔

قرآن مجید کھولنے کے ساتھ ہی خدا کی جن صفتوں پر سب سے پہلے نگاہ پڑتی ہے وہ ''رحمان'' اور ''رحیم'' ہیں ان دونوں لفظوں کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں رحم والا مہربان لطف و کرم والا بسم اللہ الرحمن الرحیم (محبوب مہربان رحم والا) کے ضمن میں قرآن مجید کی ہر سورت کے آغاز میں انہی صفات ربانی کے بار بار دہرانے کی تاکید کی گئی ہے ہر نماز میں کئی کئی دفعہ ان کی تکرار ہوتی ہے کیا اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے متعلق اسلام کے تخیل کو واضح کرنے کے لیے کوئی دلیل ہو سکتی ہے۔

لفظ اللہ کے بعد اسلام کی زبان میں دوسرا علم یہی لفظ ''رحمان'' ہے جو رحم و کرم اور لطف و مہر کے معنی میں صفت مبالغہ کا صیغہ ہے۔

﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ (بنی اسرائیل : ۱۳)

''اس کو محبوب (اللہ) کہو یا مہربان (رحمان) کہو جو کہہ کر اس کو پکارو سب اچھے نام اسی کے ہیں۔''

قرآن مجید نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کی صدہا بار کی تکرار کے علاوہ خاص طور سے ۵۳ موقعوں پر خدا کو اس رحمان کے نام سے یاد کیا ہے۔

ابھی اس سے پہلے باب میں اسمائے الٰہی کا ایک ایک نام تمہاری نظر سے گزر چکا ہے ان ناموں میں اللہ تعالیٰ کے جلالی و جمالی اوصاف آ گئے ہیں استقصا کرو تو معلوم ہوگا کہ ان میں بڑی تعداد انہی ناموں کی ہے جن سے اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور مہر و محبت کا اظہار ہوتا ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام یا ایک وصف ﴿الودود﴾ سورۂ ذات البروج میں آیا ہے جس کے معنی ''محبوب'' اور ''پیارے'' کے ہیں کہ سرتا پا مہر و محبت اور عشق اور پیار ہے اس کے سوا خدا کا ایک اور نام ''الولی'' ہے جس کے لفظی معنی ''یار'' اور ''دوست'' کے ہیں خدا کا ایک اور نام جو قرآن مجید میں بار بار استعمال ہوا ہے ''الرؤف'' ہے رؤف کا لفظ رافت سے نکلا ہے رافت کے معنی اس محبت اور تعلق خاطر کے ہیں جو باپ کو اپنی اولاد سے ہوتا ہے اسی طرح خدا کا ایک نام ''حنان'' ہے جو حن سے مشتق ہے ''حن اور حنین'' اس سوز دل اور محبت کو کہتے ہیں جو ماں کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے یہ الفاظ ان مجازی اور مستعار معانی کو ظاہر کرتے ہیں جو اسلام میں خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے ربط و تعلق کے اظہار کے لیے بے تکلف استعمال کرتا ہے اور اس طرح مادیت اور جسمانیت کا تخیل آئے بغیر وہ ان روحانی معنوں کی تلقین کر رہا ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ غفار (بخشش کرنے والا) اور غفور (بخشنے والا) ہے یعنی بندوں کے گناہوں کو

Marfat.com

معاف کرنے والا ہے وہ سلام (امن و سلامتی) ہے یعنی اپنے بے پناہ بندوں کے لیے وہ سرتاپا امن و سلامتی ہے وہ مومن (امن دینے والا) ہے وہ العدل ہے یعنی سرتاپا انصاف ہے وہ العفو (معاف کرنے والا) الوہاب (عطا کرنے والا) ہے الحلیم (بردبار) ہے الصبور (بندوں کی گستاخیوں پر صبر کرنے والا) ہے التواب (بندوں کے حال پر رجوع ہونے والا) البر (نیک اور مجسم خیر) اور المقسط (منصف اور عادل) ہے ان میں سے ہر لفظ پر ٹھہر کر ذرا غور کرو کہ اسلام کا تخیل کس قدر بلند اور برتر ہے۔

توراۃ کے اسفار انجیل کے صحائف اور وید کے حصص کا ایک ایک ورق پڑھ جاؤ' کیا اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے پر محبت اور سراپا مہر و کرم سے لبریز اسماء و صفات کی یہ کثرت تم کو وہاں ملے گی؟ یہ سچ ہے کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے لیے ماں اور باپ کا لفظ یہود و نصاریٰ اور ہنود کی طرح استعمال کرنا جائز نہیں سمجھتا' مگر اس سے یہ قیاس کرنا غلطی ہے کہ وہ اس لطف احساس اور مہر و کرم کے جذبات و عواطف سے یکسر خالی ہے جن کو یہ فرقے اپنا مخصوص سرمایہ سمجھتے ہیں' بات یہ ہے کہ اسلام ان روحانی جذبات اور معنوی احساسات کے ساتھ شرک و کفر کی اس ضلالت و گمراہی سے بھی انسانوں کو بچانا چاہتا ہے جو ذرا سی لفظی غلط فہمی سے مجاز کو حقیقت اور استعارہ کو اصلیت سمجھ کر پاک اور سرتاپا روحانی معنوں کو مادی اور مجسم یقین کر لیتے ہیں' اور اس طرح وہ توحید کی بلند ترین سطح سے بہت نیچے گر کر سررشتہ حقیقت کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ متکلم ازل کا آخری پیغام لے کر آئے تھے' اس لیے ضرورت تھی کہ آپ کی تعلیم اس قسم کی لغزشوں سے پاک و مبرا ہو' روحانی حقائق کی تعبیر کے لیے جیسا کہ پہلے کہا جا چکا' یقیناً مادی اور جسمانی استعارات و مجازات سے چارہ نہیں' تاہم ایک دائمی تعلیم کا یہ فرض تھا کہ وہ اپنے کو استعمالات کی غلطیوں اور مجازات کی غلط فہمیوں سے محفوظ رکھتی' چنانچہ اسلام نے اسی بنا پر ان استعارات و مجازات کے استعمال میں بڑی احتیاط برتی ہے اور خدا کے مہر و کرم اور عشق و محبت کے تذکروں کے ساتھ ادب و لحاظ کے قواعد کو فراموش نہیں کیا ہے' قرآن مجید اور احادیث روحانی عشق و محبت کے ان دلآ ویز اور ولولہ انگیز حکایات سے معمور ہیں' بایں ہمہ اسلام انسان کو بیٹا اور خدا کو (باپ) نہیں کہتا کہ عبد و معبود کے تعلقات کے اظہار کے لیے اس کے نزدیک یہ کوئی بلند تر تعبیر نہیں' وہ خدا کو اب (باپ) کے بجائے ''رب'' کہہ کر پکارتا ہے' وہ اس کو تمام دنیا کا باپ نہیں بلکہ تمام دنیا کا رب کہتا ہے۔

اب اور رب ان دونوں لفظوں کا باہمی معنوی مقابلہ کرو تو معلوم ہوگا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کا تخیل اسلام کے مطمح نظر سے کس درجہ پست ہے۔ اب یعنی باپ کا تعلق اپنے بیٹے سے ایک خاص حالت کی بنا پر ایک خاص لحظہ میں قائم ہوتا ہے اور پھر اس کی حیثیت بدل کر پرورش اور حفاظت کی صورت میں بچپن کے ایک محدود عرصہ تک قائم رہتا ہے' اس طرح گو باپ کو بیٹے کے وجود میں یک گونہ تعلق ضرور ہوتا ہے' مگر یہ تعلق حد درجہ ناقص محدود اور آنی ہوتا ہے بیٹے کے وجود' قیام و بقا' ضروریات زندگی' سامان حیات' نشوونما اور ارتقاء کسی چیز میں باپ کی ضرورت نہیں ہوتی' وہ اپنے باپ سے الگ مستقل اور بے نیاز زندگی بسر کرتا ہے' مگر ذرا غور کرو کیا عبد و معبود اور خالق و مخلوق کے درمیان جو ربط و تعلق ہے اس کا انقطاع کسی وقت ممکن ہے' کیا بندہ اپنے خدا سے ایک دم اور ایک لحہ کے لیے بے نیاز اور مستغنی ہو

Marfat.com

سکتا ہے۔

کیا یہ تعلق باپ اور بیٹے کے تعلق کی طرح محدود اور مخصوص الاوقات ہے۔

ربوبیت (پرورش) عبد اور معبود اور خالق ومخلوق کے درمیان اس تعلق کا نام ہے جو آغاز سے انجام تک پیدائش سے وفات تک بلکہ وفات کے بعد سے ابد تک قائم رہتا ہے' جو ایک لحہ کے لیے منقطع نہیں ہوسکتا' جس کے بل اور سہارے پر دنیا اور دنیا کی مخلوقات کا وجود ہے' وہ گہوارہ عدم سے لے کر فنائے محض کی منزل تک ہر قدم پر ہر موجود کا ہاتھ تھامے رہتا ہے' انسان ذرہ ہو یا بصورت غذا قطرۂ آب ہو یا قطرۂ خون' مضغہ گوشت یا مشت استخواں' شکم مادر میں ہو یا اس سے باہر' بچہ ہو یا جوان' ادھیڑ یا بوڑھا' کوئی آن' کوئی لحہ' رب کے مہر وکرم اور لطف ومحبت سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

علاوہ ازیں باپ اور بیٹے کے الفاظ سے مادیت' جسمانیت' ہم جنسی اور برابری کا جو تخیل پیدا ہوتا ہے' اس سے لفظ رب یک قلم پاک ہے اور اس میں ان ضلالتوں اور گمراہیوں کا خطرہ نہیں' جن میں نصرانیت اور ہندویت نے ایک عالم کو مبتلا کر رکھا ہے۔

اب ان آیتوں اور حدیثوں کو دیکھو جن سے یہ روشن ہوتا ہے کہ اسلام کا سینہ اس ازلی وابدی عشق ومحبت کے نور سے کس درجہ معمور ہے اور وہ خمخانہ الست کی سرشاری کی یاد بھکے ہوئے انسانوں کو کس کس طرح دلا رہا ہے' اسلام کا سب سے پہلا حکم ایمان ہے' ایمان کی سب سے بڑی خاصیت اور علامت حب الٰہی ہے' اور یہ وہ دولت ہے جو اہل ایمان کی پہلی جماعت کو عملاً نصیب ہو چکی تھی' زبان الٰہی نے شہادت دی۔

﴿وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ﴾ (بقرہ:۲) ''اور جو ایمان لائے وہ سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں۔''

اس نشہ محبت پر باپ' ماں' اولاد' بھائی' بیوی' جان' مال' خاندان سب کو قربان اور نثار ہو جانا چاہیے' ارشاد ہوتا ہے۔

اِنۡ کَانَ اٰبَآؤُکُمۡ وَ اَبۡنَآؤُکُمۡ وَ اِخۡوَانُکُمۡ وَ اَزۡوَاجُکُمۡ وَ عَشِیۡرَتُکُمۡ وَ اَمۡوَالُ نِ اقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَ تِجَارَۃٌ تَخۡشَوۡنَ کَسَادَهَا وَ مَسٰکِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیۡکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیۡ سَبِیۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمۡرِهٖ﴾ (توبہ : ۳)

''اگر تمہارے باپ تمہارے بیٹے' تمہارے بھائی تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ دولت جو تم نے کمائی ہے اور وہ سوداگری جس کے مندا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہے اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو' خدا اور اس کے رسول اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے تم کو زیادہ محبوب اور پیارے ہیں تو اس وقت تک انتظار کرو کہ خدا اپنا فیصلہ لے آئے۔''

ایمان کے بعد بھی اگر نشہ محبت کی سرشاری نہیں ملی تو وہ بھی جادۂ حق سے دوری ہے' چنانچہ جو لوگ راہ حق سے بھٹکنا چاہتے تھے' ان کو پکار کر سنا دیا گیا۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ یَّرۡتَدَّ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِهٖ فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰہُ بِقَوۡمٍ یُّحِبُّهُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَهٗۤ﴾ (مائدہ : ۸)

''مسلمانو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین (اسلام) سے پھر جائے گا تو (خدا کو اس کی کچھ پرواہ نہیں) وہ ایسے لوگوں کو لا کر کھڑا کرے گا جن کو وہ پیار کرے گا اور وہ اس کو پیار کریں گے۔''

Marfat.com

حضرت مسیح نے کہا درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے' ہر معنوی اور روحانی حقیقت ظاہری آثار اور جسمانی علامات سے پہچانی جاتی ہے تم کو زید کی محبت کا دعویٰ ہے مگر نہ تمہارے دل میں اس کے دیدار کی تڑپ ہے نہ تمہارے سینہ میں صدمہ فراق کی جلن ہے اور نہ آنکھوں میں ہجر وجدائی کے آنسو ہیں' تو کون تمہارے دعویٰ کی تصدیق کرے گا' اسی طرح خدا کی محبت اور پیار کے دعویدار تو بہتیرے ہو سکتے ہیں' مگر اس غیر محسوس کیفیت کی مادی نشانیاں اور ظاہری علامتیں اس کے احکام کی پیروی اور اس کے رسول کی اطاعت ہے' خدا کے رسول کو اس اعلان کا حکم ہے۔

﴿اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران : ۴) ''اگر تم کو خدا سے محبت ہے تو میری پیروی کرو کہ خدا بھی تم کو پیار کرے گا۔''

محبت کیونکر حاصل ہو؟ وحی محمدی نے اس رتبہ بلند کے حصول کی تدبیر بھی بتا دی' فرمایا۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ (مریم : ٦) ''جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے' رحمت والا خدا ان کے لیے محبت پیدا کرے گا۔''

اس آیت میں محبت کے حصول کے دو ذریعے بتائے گئے ہیں' ایمان اور عمل صالح یعنی نیک کام۔ چنانچہ طبقات انسانی میں متعدد ایسے گروہ ہیں جن کو ان ذریعوں سے خدا کی محبت اور پیار کی دولت ملی ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ (مائدہ و بقرہ) ''خدا نیکی کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ﴾ (بقرہ) ''خدا توبہ کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِیْنَ﴾ (آل عمران) ''خدا توکل کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾ (مائدہ ٦: حجرات) ''خدا منصف مزاجوں کو پیار کرتا ہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ﴾ (توبہ) ''خدا پرہیزگاروں کو پیار کرتا ہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ﴾ (صف : ۱) ''خدا ان کو پیار کرتا ہے جو اس کے راستے میں لڑتے ہیں۔''

﴿وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ﴾ (آل عمران) ''اور خدا صبر کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔''

﴿وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ﴾ (توبہ) ''اور خدا پاک وصاف لوگوں کو پیار کرتا ہے۔''

مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے آدمیوں سے پیار کرتا ہے اور تین قسم کے آدمیوں کو پیار نہیں کرتا' محبت ان سے کرتا ہے جو اس کی راہ میں خلوص نیت کے ساتھ اپنی جان فدا کرتے ہیں' اور ان سے جو اپنے پڑوسی کے ظلم پر صبر کرتے ہیں' اور ان سے جو وضو کر کے خدا کی یاد کے لیے اس وقت اٹھتے ہیں جب قافلہ رات کے سفر سے تھک کر آرام کے لیے بستر لگاتا ہے اور خدا کی محبت سے محروم یہ تین ہیں اترانے والا مغرور' احسان دھرنے والا بخیل' جھوٹی قسمیں کھا کھا کر مال بیچنے والا سوداگر۔ (۱)

(۱) احمد بن حنبل مسند ابوذر ج ۵ ص ۱۷٦۔

Marfat.com

دنیا کے عیش و مسرت میں اگر کوئی خیال کا کانٹا سا چبھتا ہے اور ہمیشہ انسان کے عیش و سرور کو مکدر اور منغض بنا کر بے فکری کی بہشت کو فکر و غم کی جہنم بنا دیتا ہے تو وہ ماضی اور حال کی ناکامیوں کی یاد اور مستقبل کی بے اطمینانی ہے پہلے کا نام حزن و غم اور دوسرے کا خوف و دہشت ہے غرض غم اور خوف بھی دو کانٹے ہیں' جو عاجز و درماندہ انسان کے پہلو میں ہمیشہ چبھتے رہتے ہیں' لیکن جو محبوب حقیقی کے طلب گار اور اس کے والہ وشیدا ہیں' ان کو بشارت ہے کہ ان کے عیش کا چمن زار ان کانٹوں سے پاک وصاف ہوگا۔

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (یونس: ۷) ''ہاں خدا کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

محبت کا وہ درجہ جو بڑے کو چھوٹے کے ساتھ احسان نیکی' درگزر اور عفو و بخشش پر آمادہ کرتا ہے' اس کا نام ''رحم'' اور ''رحمت'' ہے' اسلام کا خدا تمام تر رحم ہے' اس کی رحمت کے فیض سے عرصہ کائنات کا ذرہ ذرہ سیراب ہے' اس کا نام رحمان و رحیم ہے جو کچھ یہاں ہے سب اس کی رحمت کا ظہور ہے' وہ نہیں تو کچھ نہیں' اس لیے اس کی رحمت سے ناامیدی جرم اور مایوسی گناہ ہے مجرم سے مجرم اور گنہگار سے گنہگار کو وہ نوازنے کے لیے ہمہ وقت آمادہ و تیار رہتا ہے' گنہگاروں اور مجرموں کو وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان سے میرے بندو! کہہ کر ان کے پاس تسلی کا یہ پیام بھیجتا ہے۔

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (زمر: ۲) ''اے پیغمبر! میرے ان بندوں کو پیام پہنچا دے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے کہ تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' اللہ یقیناً تمام گناہوں کو بخش سکتا ہے بے شک وہی بخشش کرنے والا اور رحم کھانے والا ہے۔''

فرشتے حضرت ابراہیم کو بشارت سناتے ہیں تو کہتے ہیں۔

﴿فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ﴾ (حجر: ۲) ''تم ناامید ہونے والوں میں سے نہ ہو۔''

خلیل اللہ اس رمز سے ناآشنا نہ تھے کہ مرتبہ خلعت محبت سے مافوق ہے' اس لیے جواب دیا۔

﴿وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ﴾ (حجر: ۴) ''اپنے پروردگار کی رحمت سے گمراہ لوگوں کے سوا اور کون ناامید ہوتا ہے۔''

بندوں کی جانب سے خدا پر کوئی پابندی عائد نہیں' مگر اس نے اپنی رحمت کے اقتضا سے اپنے اوپر خود کچھ چیزیں فرض کر لی ہیں' منجملہ ان کے ایک رحمت بھی ہے' خدا مجرموں کو سزا دے سکتا ہے' گنہگاروں پر عذاب بھیج سکتا ہے' سیہ کاروں کو ان کی گستاخیوں کا مزہ چکھا سکتا ہے' وہ غالب ہے' قاہر ہے' جبار ہے' منتقم ہے' لیکن ان سب کے ساتھ وہ غفار و غفور بھی ہے' رحمان و رحیم بھی اور عفو و رؤف بھی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے اپنے اوپر رحمت کی پابندی خود عائد کر لی ہے اور اس کو اپنے اوپر فرض گردان لیا ہے۔

﴿كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (انعام: ۲ ۱) ''اللہ نے از خود اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔''

قاصد خاص کو حکم ہوتا ہے کہ ہمارے گنہگار بندوں کو ہماری طرف سے سلام پہنچاؤ' اور تسلی کا یہ پیام دو کہ ہمارا

Marfat.com

باب رحمت ہر وقت کھلا رہتا ہے۔

﴿وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (انعام : ٦)

''اے پیغمبر جب تیرے پاس وہ آئیں' جو میری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں' تو ان سے کہہ کہ تم پر سلامتی ہو' تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر از خود اپنے بندوں پر مہربان ہونا لازم کر لیا ہے کہ جو کوئی تم میں سے براہ نادانی برائی کر بیٹھے' پھر اس کے بعد بارگاہ الٰہی کی طرف رجوع کرے اور نیک بنے تو بے شک خدا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

قرآن کی تعلیم کے مطابق اس وسیع عرصہ کائنات کا کوئی ذرہ اس سایہ رحمت سے محروم نہیں۔

﴿وَ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (اعراف:۱۹) ''اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر لیا ہے۔''

بخاری و ترمذی وغیرہ کی صحیح حدیثوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اس عالم کو پیدا کیا تو از خود اپنے اوپر رحمت کی پابندی عائد کر لی' جامع ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا' اگر مومن کو یہ معلوم ہوتا کہ خدا کے پاس کتنا عتاب ہے تو وہ جنت کی طمع نہ کرتا اور اگر کافر کو یہ معلوم ہوتا کہ خدا کی رحمت کس قدر بے حساب ہے تو وہ جنت سے مایوس نہ ہوتا' یہ اسلام کے تخیل کی صحیح تعبیر ہے' بارگاہ احدیت کا آخری قاصد اپنے دربار کی جانب سے گنہگاروں کو بشارت سناتا ہے کہ اے آدم کے بیٹو! جب تک تم مجھے پکارتے رہو گے اور مجھ سے آس لگائے رہو گے میں تمہیں بخشتا رہوں گا۔ خواہ تم میں کتنے ہی عیب کیوں نہ ہوں' مجھے پروا نہیں' اے آدم کے بیٹے اگر تمہارے گناہ آسمان کے بادلوں تک بھی پہنچ جائیں اور پھر تم مجھ سے معافی مانگو تو میں معاف کر دوں گا خواہ تم میں کتنے ہی عیب کیوں نہ ہوں' مجھے پروا نہیں' اے آدم کے بیٹو! اگر پوری سطح زمین بھی تمہارے گناہوں سے بھری ہو' پھر تم میرے پاس آؤ اس حال میں کہ کسی کو میرا شریک نہ بناتے ہو تو میں بھی تمہارے پاس پوری سطح زمین بھر مغفرت لے کر آؤں گا۔ (۱) کیا انسانوں کے کانوں نے اس رحمت' اس محبت' اس عفو عام کی بشارت کسی اور قاصد کی زبان سے بھی سنی ہے؟

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی وفات کا وقت جب آیا تو انہوں نے لوگوں سے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو خدا اور کوئی مخلوق پیدا کرتا جو گناہ کرتی اور وہ اس کو بخشتا' یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے رحم و کرم کے اظہار کے لیے گنہگاروں ہی کی تلاش ہے کہ نیکوکاروں کو تو سب ڈھونڈتے ہیں مگر گنہگاروں کو صرف وہی ڈھونڈتا ہے۔ (۲)

دنیا میں انسانوں کے درمیان جو رحم و کرم اور مہر و محبت کے عناصر پائے جاتے ہیں اور جن کی بناء پر دوستوں' عزیزوں اور قرابت داروں اور اولادوں میں میل ملاپ اور رسم و محبت ہے' نیز جس کی بنا پر دنیا میں عشق و محبت کے شاندار مناظر نظر آتے ہیں' تم کو معلوم ہے کہ یہ اس شاہد حقیقی کے سرمایہ محبت کا کون سا حصہ ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد

(۱) جامع ترمذی ابواب الدعوات و دیگر کتب احادیث (صحیح)

(۲) مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۴۱۴۔

Marfat.com

فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کیے ان میں سے ایک حصہ اپنی مخلوقات کو عطا کیا' جس کے اثر سے لوگ ایک دوسرے پر باہم رحم کیا کرتے ہیں' باقی ننانوے حصے خدا کے پاس ہیں۔ (۱) اس لطف و کرم اور مہر و محبت کی بشارتیں کس مذہب نے انسانوں کو سنائی ہیں' اور کس نے گنہگار انسانوں کے مضطرب قلوب کو اس طرح تسلی دی ہے' صحیح بخاری میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک شخص شراب خوری کے جرم میں بار بار گرفتار ہو کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا' صحابہؓ نے تنگ آ کر کہا۔ خداوندا تو اپنی لعنت اس پر نازل کر کہ یہ کس قدر بار بار لایا جاتا ہے' رحمۃ للعالمین کو لوگوں کی یہ بات ناپسند آئی' فرمایا اس پر لعنت نہ کرو کہ اس کو خدا اور رسول سے محبت ہے۔ (۲) تم نے دیکھا کہ اسلام نے گنہگاروں کے لیے خدا کی محبت کا دروازہ کس طرح کھول رکھا ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم نے ان عربوں کو جو خدا کی محبت کیا' خدا کی معرفت سے بھی نا آشنا تھے' کس طرح آشنائے حقیقت کر دیا اور ان کو ذات الٰہی کے ساتھ وابستگی' محبت اور سرشاری کے لطف سے کس درجہ بہرہ اندوز کر دیا' بلالؓ کو دیکھو ٹھیک دوپہر کے وقت عرب کی جلتی ہوئی ریت پر ان کو لٹایا جاتا ہے' ایک گرم پتھر سینہ پر رکھا جاتا ہے اور خدائے واحد سے انحراف کے لیے ان کو مجبور کیا جاتا ہے' وہ یہ سب تکلیفیں اٹھاتے ہیں' مگر زبان سے وہی احد احد (ایک ایک) کا ترانہ نکلتا ہے (۳) مکہ کا ذرہ ذرہ صدائے حق کا دشمن ہے' ابوذر غفاریؓ یہ جان کر بھی صحن مکہ میں جوش وحدت پرستی سے سرشار ہو کر کلمہ توحید کا بآواز بلند اعلان کرتے ہیں' ہر طرف پتھروں اور ہڈیوں کی بارش ہوتی ہے بعض لوگ آ کر چھڑا دیتے ہیں' لیکن جب دوسری صبح نمودار ہوتی ہے تو پھر محبت الٰہی کے کیف و مستی کا وہی عالم نظر آتا ہے اور مشرکین کی طرف سے وہی سزا ملتی ہے۔ (۴)

ایک صحابی جو رات کو میدان جنگ میں ایک پہاڑ پر پہرہ دینے کے لیے متعین تھے' وہ اپنی نیند ٹالنے کے لیے خدا کی یاد میں مصروف ہوتے ہیں' دشمن پے در پے تین دفعہ تیر مارتا ہے جو بدن میں پیوست ہو جاتا ہے اور وہ بدستور نماز میں محو رہتے ہیں ان کے ساتھی پوچھتے ہیں کہ تم نے نماز کیوں نہیں توڑی کہتے ہیں کہ جو سورت شروع کی تھی' جی نہ چاہا کہ اس کو تمام کیے بغیر چھوڑ دوں۔ (۵)

محمد رسول اللہ ﷺ کے دو جانشین عین حالت نماز میں زخم کھا کر گرتے ہیں' مگر مقتدیوں کی صف اس حی و باقی کے سامنے کھڑی ہو کر ہر فانی و میت ہستی کی محبت سے بے نیاز رہتی ہے' اسی لیے خدا نے بشارت دی کہ وہ خدا کے محبوب اور خدا ان کا محبوب ہے یعنی رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

مدینہ میں ایک اللہ والے مسلمان نے وفات پائی' اس کا جنازہ اٹھا' آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اس کے ساتھ

(۱) بخاری کتاب الادب باب ص ۸۸۷۔

(۲) بخاری کتاب الحدود باب یکرہ من لعن شارب الخمر ص ۱۰۰۲۔

(۳) ابن ہشام ذکر عدوان المشرکین واسد الغابہ ج ۱ ص ۲۰۶ مصر۔

(۴) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابوذر غفاریؓ

(۵) صحیح بخاری و سنن ابی داؤد کتاب الطہارت باب الوضوء من الدم۔

Marfat.com

نرمی کرو کہ اللہ نے بھی اس کے ساتھ نرمی کی ہے کیونکہ اس کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت تھی' قبر کھودی جانے لگی تو فرمایا' اس کی قبر کشادہ رکھو کہ خدا نے بھی اس کے ساتھ کشادگی فرمائی ہے' اس بار بار کے اہتمام کو دیکھ کر صحابہؓ نے پوچھا' یارسول اللہ ﷺ آپ کو اس مرنے والے کی موت کا غم ہے؟ فرمایا' ہاں کیونکہ اس کو خدا اور رسول پیارے تھے' ایک دفعہ آپ نے ایک صاحب کو کسی جماعت کا افسر بنا کر بھیجا' وہ جب نماز پڑھاتے تو ہر سورۃ کے آخر میں قل ہو اللہ ضرور پڑھتے جب یہ جماعت سفر سے لوٹ کر آئی تو خدمت اقدس میں یہ واقعہ عرض کیا' فرمایا' ان سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں لوگوں نے پوچھا تو جواب دیا کہ یہ اس لیے کرتا ہوں کہ اس سورت میں رحم والے خدا کی صفت کا بیان ہے تو مجھ کو اس کے پڑھنے سے محبت ہے' فرمایا کہ ان کو بشارت دو کہ وہ رحم کرنے والا خدا بھی ان سے محبت کرتا ہے اور یہ بشارت محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک کے سوا کسی اور نے بھی سنائی ہے۔

صحیح بخاری اور مسلم میں متعدد طریقوں سے حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی نے خدمت والا میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ قیامت کب آئے گی' فرمایا تم نے اس کے لیے کیا سامان کر رکھا ہے انہوں نے نادم ہو کر شکستہ دلی سے عرض کی یارسول اللہ میرے پاس نہ تو نمازوں کا بڑا ذخیرہ ہے نہ روزوں کا اور نہ صدقات وخیرات کا' جو کچھ سرمایہ ہے' وہ صرف خدا اور رسول کی محبت ہے اور بس! فرمایا تو انسان جس سے محبت کرے گا' اسی کے ساتھ رہے گا صحابہؓ نے اس بشارت کو سن کر اس دن بڑی خوشی منائی۔ (۱)

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا جب خدا کسی بندہ کو چاہتا ہے تو فرشتہ خاص جبریلؑ سے کہتا ہے کہ میں فلاں بندہ کو پیار کرتا ہوں' تم بھی اس کو پیار کرو' تو جبریلؑ اس کو پیار کرتے ہیں اور آسمان والے بھی اس کو پیار کرتے ہیں اور پھر زمین میں اس کو ہر دل عزیزی اور حسن قبول بخشا جاتا ہے۔ (۲)

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو بندہ اپنی طاعتوں سے میری قربت کو تلاش کرتا رہتا ہے تو میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں یہاں تک کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے' اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے' میں ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے' اور پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ (۳) یہ دولت' یہ نعمت' یہ سعادت' آستانہ محمدی کے سوا کہیں اور نہیں بٹتی۔

امام بزار نے مسند میں حضرت ابوسعیدؓ سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا' میں ان لوگوں کو پہچانتا ہوں جو نہ نبی ہیں اور نہ شہید ہیں' لیکن روز قیامت میں ان کے مرتبہ کی بلندی پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے' یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا سے محبت ہے اور جن کو خدا پیار کرتا ہے وہ اچھی باتیں بتاتے اور بری باتوں سے روکتے ہیں الخ۔ (۴) یہ قابل رشک رتبہ محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کس کے ذریعہ عطا ہوا ہے۔

---

(۱) مسلم کتاب الادب باب المرء مع من احب' بخاری کتاب الادب باب ماجاء فی قول الرجل ویلک۔

(۲) مسلم کتاب الادب باب اذا احب اللہ عبدا احبہ بعبادہ۔ (۳) بخاری کتاب الرقاق باب التواضع۔

(۴) اس کی ہم معنی حدیثیں ترمذی' مالک اور شعب الایمان بیہقی میں بھی ہیں دیکھو مشکوۃ کتاب الآداب فی حب اللہ فصل ثانی (صفحہ ہذا)

Marfat.com

امام مالک نے روایت کی ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا خداوند تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ ان کو پیار کرنا مجھ پر لازم ہے جو آپس میں ایک دوسرے کو میری محبت کے سبب سے پیار کرتے ہیں اور میری محبت میں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور میری محبت میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور میری محبت میں ایک دوسرے کے لیے اپنی جان و مال وقف کرتے ہیں۔ (۱)

یہ محبت الٰہی کی نیرنگیاں اسلام ہی کے پردہ پر نظر آتی ہیں۔

ترمذی میں حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ لوگو! خدا سے محبت کرو کہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں عطا کرتا ہے اور اسی کی محبت کے سبب سے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کے سبب سے میرے اہل بیت سے محبت کرو' (۲) یہ عشق و محبت کی دعوت محبوب ازل کے سوا اور کون دے سکتا ہے؟۔

عام مسلمانوں میں پیغمبر اسلام کا لقب ''حبیب خدا'' ہے۔ دیکھو کہ حبیب اور محبوب میں خلعت و محبت کے کیا کیا ناز و نیاز ہیں' آپ خشوع و خضوع کی دعاؤں اور خلوت و تنہائی کی روحانی ملاقاتوں میں کیا ڈھونڈتے اور کیا مانگتے تھے کیا چاہتے اور کیا سوال کرتے تھے' امام احمد اور بزار نے اپنی اپنی مسندوں میں ترمذی نے جامع میں حاکم نے مستدرک میں اور طبرانی نے معجم میں متعدد صحابیوں سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی دعاؤں میں محبت الٰہی کی دولت مانگا کرتے تھے' انسان کو اس دنیا میں سب سے زیادہ محبوب اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان ہے لیکن محبوب خدا کی نگاہ میں یہ چیزیں ہیچ تھیں' دعا فرماتے تھے' خداوندا۔

((اسئل حبک و حب من یحبک و حب عمل یقرب الی حبک)) (احمد ترمذی حاکم)

''میں تیری محبت مانگتا ہوں اور جو تجھ سے محبت کرتا ہو اس کی محبت اور اس کام کی محبت جو تیری محبت سے قریب کردے۔''

﴿اللھم اجعل حبک احب الی من نفسی و اھلی و من الماء البارد﴾ (ترمذی و حاکم)

''الٰہی تو اپنی محبت کو میری جان سے میرے اہل و عیال سے اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ میری نظر میں محبوب بنا۔''

عرب میں ٹھنڈا پانی دنیا کی تمام دولتوں اور نعمتوں سے زیادہ گراں اور قیمتی ہے لیکن حضور ؐ کی پیاس اس مادی پانی کی خنکی سے نہیں بجھتی تھی وہ صرف محبت الٰہی کا زلال خالص تھا جو اس تشنگی کو تسکین دے سکتا تھا' عام انسان روٹی سے جیتے ہیں مگر ایک عاشق الٰہی (مسیح) کا قول ہے کہ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا' پھر وہ کون سی روٹی ہے جس کو کھا کر انسان پھر کبھی بھوکا نہیں ہوتا' حضور ؐ دعا فرماتے ہیں۔

((اللھم ارزقنی حبک و حب من ینفعنی فی حبک)) (ترمذی)

''خداوندا! تو اپنی محبت اور اس کی محبت جو تیری محبت کی راہ میں نافع ہو مجھے روزی عطا کر۔''

---

(۱) مشکوٰۃ باب مذکور۔

(۲) مشکوٰۃ مناقب اہل بیت بروایت ترمذی۔

Marfat.com

عام ایمان خدا اور رسول پر یقین کرنا ہے مگر جانتے ہو کہ اس راہ میں آخری منزل کیا ہے؟ صحیحین میں ہے۔

((ما كان الله و رسوله احب اليه مما سواهما)) (۱) ''یہ کہ خدا اور رسول کی محبت کے آگے ماسوا کی محبتیں ہیچ ہو جائیں۔''

بعض مذاہب کو اپنی اس تعلیم پر ناز ہے کہ وہ انسانوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ وہ اپنے خدا کو ماں باپ سمجھیں اور اس سے اس طرح محبت کریں جس طرح اپنے والدین سے کرتے ہیں اور چونکہ اسلام نے اس طریقہ تعبیر کو اس بناء پر کہ وہ شرک کا راستہ ہے ممنوع قرار دیا ہے' اس لیے ان مذاہب کے بہت سے پیرو یہ سمجھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم محبت الٰہی کے مقدس جذبات سے خالی ہے' لیکن جیسا کہ پہلے گزر چکا کہ یہ دعویٰ سرتاپا بے بنیاد ہے' بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تعلیم محمدی کی بلندی نظر اور محبت کا علو معیار دونوں ان مذاہب کے پیش کردہ نظر و معیار سے بہت بالاتر ہیں' ثبوت میں قرآن پاک کی یہ آیت پاک بھی پہلے پیش کی جاچکی ہے۔

﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا﴾ (بقرہ: ۲۵) ''تم خدا کو اس طرح یاد کرو جس طرح اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بہت زیادہ یاد کرو۔''

لیکن احادیث سے ہمارا دعویٰ اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے' لڑائی کا میدان ہے دشمنوں میں بھاگ دوڑ پڑی ہے جس کو جہاں امن کا گوشہ نظر آ رہا ہے' اپنی جان بچا رہا ہے' بھائی بھائی سے ماں بچہ سے بچہ ماں سے الگ ہے' اسی حال میں ایک عورت آتی ہے' جس کا بچہ میدان حشر میں گم ہو گیا ہے' محبت کی دیوانگی کا یہ عالم ہے کہ جو بچہ بھی اس کے سامنے آ جاتا ہے' اس کو اپنے بچہ کے جوش محبت میں چھاتی سے لگا لیتی ہے اور دودھ پلاتی ہے دفعۃً رحمۃ للعالمین کی نظر پڑتی ہے اور آپ صحابہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں' کیا یہ ممکن ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچہ کو اپنے ہاتھ سے دہکتی آگ میں ڈال دے؟' لوگ عرض کرتے ہیں ہرگز نہیں آپ فرماتے ہیں' تو جتنی محبت ماں کو اپنے بچہ سے ہے خدا کو اپنے بندوں سے اس سے کہیں زیادہ محبت ہے۔ (۲)

ایک دفعہ ایک غزوہ سے آپ واپس تشریف لا رہے ہیں' ایک عورت اپنے بچہ کو گود میں لے کر سامنے آتی ہے' اور عرض کرتی ہے' یا رسول اللہ! ایک ماں کو اپنی اولاد سے جتنی محبت ہوتی ہے کیا خدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ نہیں فرمایا' ہاں بے شک اس سے زیادہ ہے' تو بولی کوئی ماں تو اپنی اولاد کو خود آگ میں ڈالنا گوارا نہ کرے گی یہ سن کر فرط اثر سے آپ پر گریہ طاری ہو گیا' پھر سر اٹھا کر فرمایا' خدا صرف اس بندہ کو عذاب دیتا ہے جو سرکشی سے ایک کو دو کہتا ہے۔ (۳)

آپ ایک مجلس میں تشریف فرما ہیں' ایک صحابی ایک پرند کو مع اس کے بچوں کے چادر میں باندھ کر لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ! میں نے ایک جھاڑی سے ان بچوں کو اٹھا کر کپڑے میں لپیٹ لیا' ماں نے دیکھا تو میرے

(۱) مسلم کتاب الایمان باب بیان بخاری کتاب الایمان باب حلاوۃ الایمان۔

(۲) صحیح بخاری کتاب الادب' باب رحمۃ الولد۔

(۳) سنن نسائی باب ما یرجی من الرحمۃ۔

Marfat.com

سر پر منڈلانے لگی میں نے ذرا کپڑے کو کھول دیا تو فوراً آ کر بچوں پر گر پڑی ارشاد ہوا کیا' بچوں کے ساتھ ماں کی اس محبت پر تم کو تعجب ہے قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا' جو محبت اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے' خدا کو اپنے بندوں کے ساتھ' اس سے بدرجہا زیادہ ہے۔ (۱)

ایک صاحب ایک چھوٹے بچہ کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں' محبت کا یہ حال تھا کہ وہ بار بار اس کو گلے سے لگائے جاتے تھے' آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم کو اس بچہ سے محبت ہے' انہوں نے کہا' ہاں' فرمایا تو اللہ تعالیٰ کو تم سے اس سے زیادہ محبت ہے' جتنی تم کو اس بچہ سے ہے' وہ تمام رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ (۲)

جمال حق کا پہلا مشتاق اور مستور ازل کے زیر نقاب چہرہ کا پہلا بند کشا' زندگی کے آخری مرحلوں میں ہے' مرض کی شدت ہے بدن بخار سے تپ رہا ہے اٹھ کر چل نہیں سکتا لیکن یک بیک وہ اپنے میں ایک اعلان خاص کی طاقت پاتا ہے مسجد نبوی میں جانثار حاضر ہوتے ہیں سب کی نظریں حضورؐ کی طرف لگی ہیں' نبوت کا آخری پیغام سننے کی آرزو ہے' دفعۃً لب مبارک ہلتے ہیں اور یہ آواز آتی ہے لوگو! میں خدا کے سامنے اس بات کی براءت کرتا ہوں کہ انسانوں میں میرا کوئی دوست ہے' مجھ کو خدا نے اپنا پیارا بنایا ہے جیسے ابراہیمؑ کو اس نے اپنا پیارا بنایا تھا۔ (۳) یہ تو وفات سے پہلے کا اعلان تھا' عین حالت نزع میں زبان پر یہ کلمہ تھا خداوندا رفیق۔

اللہ تعالیٰ کی کریمی و رحیمی اس کی بیچارہ نوازی' عاجزوں اور درماندوں کی دستگیری اور اپنے گنہگار بندوں پر اس کی شان بخشش کا ترانہ محمد رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے کانوں سے سنا اور نادم و متاسف سیہ کاروں تک اس مژدہ کو پہنچا کر ان کے شکستہ اور زخمی دلوں پر مرہم رکھا' حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ حضرت رحمۃ للعالمینؐ نے یہ پیغام ربانی ہم کو سنایا۔

میرے بندو! میں نے اپنے اوپر بھی اور تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام کیا ہے' تو ایک دوسرے پر تم ظلم نہ کیا کرو اے میرے بندو! تم میں ہر ایک گمراہ تھا' لیکن جس کو میں نے راہ دکھائی تو مجھ سے راستہ پوچھو' میں بتاؤں گا' اے میرے بندو! تم میں ہر ایک بھوکا تھا لیکن جس کو میں نے کھلایا تو مجھ سے کھانا مانگو' میں تم کو کھلاؤں گا' اے میرے بندو! تم میں ہر ایک پیاسا تھا' لیکن جس کو میں نے پلایا تو مجھ سے پانی مانگو' میں تم کو پلاؤں گا' اے میرے بندو! تم میں ہر ایک ننگا تھا لیکن جس کو میں نے پہنایا تو مجھ سے کپڑا مانگو میں تم کو پہناؤں گا' اے میرے بندو' تم دن رات گناہ کرتے ہو اور میں سب گناہوں کو معاف کرتا ہوں' تم مجھ سے معافی مانگو' میں تم کو معاف کروں گا۔ اے میرے بندو! مجھے نقصان پہنچانا تمہاری طاقت میں نہیں ہے اور نہ مجھے نفع پہنچانا تمہاری قدرت میں ہے اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے جن وانس چھوٹے بڑے مرد اور عورت دنیا کے سب سے بڑے پرہیزگار کے دل برابر ہو جائیں تو میری

(۱) مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد کتاب الاسماء باب رحمۃ اللہ وغضبہ۔

(۲) المفرد امام بخاری باب رحمۃ العیال ص ۵۷ مصر۔

(۳) صحیح مسلم کتاب المساجد۔

Marfat.com

شہنشاہی میں ایک ذرہ اضافہ نہ ہوگا' اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے جن وانس' چھوٹے اور بڑے مرد اور عورت دنیا کے سب سے بڑے گنہگاروں کے برابر ہو جائیں تو بھی میری شہنشاہی میں ذرہ برابر کمی نہ ہوگی' اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے اور جن وانس سب کسی ایک زمین میں کھڑے ہو کر مجھ سے مانگیں اور میں سب کے سوال کو پورا کروں تو میرے خزانہ میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ لیکن اتنی جتنی ایک سوئی سمندر کے پانی میں ڈبو کر نکال لی جائے اے میرے بندو! تمہارے ہی عمل ہوں گے جن کو میں گن گن کر تم کو واپس کروں گا۔ اور پورا کروں گا۔ تو جس کو بھلائی ملے وہ خدا کا شکر ادا کرے اور جس کو برائی ملے وہ خود اپنے ہی کو ملامت کرے۔ [1]

محبت کا یہ پر کیف نغمہ دنیا نے محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی زبان مبارک سے سنا' تسلی و تشفی کا یہ روح افزا پیام آپ ہی کے مبارک لبوں سے ادا ہوا' عفو و کرم کے بحر بیکراں کا یہ ساحل امید آپ ہی کے دکھانے سے ہم کو نظر آیا اور گنہگاروں کو "میرے بندو" کہہ کر پکارے جانے کی عزت آپ ہی کے وسیلہ سے میسر آئی ﷺ۔

---

(۱) صحیح مسلم و ترمذی کتاب الزہد و مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۶۰ و ص ۱۷۷ و ادب المفرد امام بخاری باب الظلم ص ۶۵ مصر میں نے صحیح مسلم کی روایت سامنے رکھی ہے' لیکن بعض الفاظ مسند سے لے کر بڑھا دیئے ہیں' اس کے بعض بعض ٹکڑے انجیل میں بھی ملتے ہیں دیکھو متی ۲۵ تا ۴۵ مگر دونوں کے ملانے سے وہی فرق نمایاں ہوتا ہے جو ناقص اور کامل میں ہونا چاہیے۔

Marfat.com

فرشتوں پر ایمان

﴿وملئکتہ﴾

ملائکہ کا لفظ جمع ہے اس کا واحد ملک ملاک اور مالک تین طرح سے مستعمل ہے اس کے لغوی معنی قاصد اور رسول کے ہیں' اسی لیے قرآن پاک میں ملائکہ کے لیے رسل کا لفظ بھی آیا ہے جس کے معنی قاصد اور پیام رساں کے ہیں ان سے مراد وہ غیر مادی مگر مخلوق نیک' ہستیاں یا ارواح ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عالم اور اس کے اسباب وعلل کے کاروبار کو چلا رہی ہیں اگر یہ عالم ایک مشین ہے تو ملائکہ اس کا انجن اور اس کے کل پرزوں کو حرکت دینے والی قوتیں ہیں' جو خدا کے مقررہ احکام اور قوانین کے مطابق ان کو حرکت دے رہے اور چلا رہے ہیں' یعنی وہ خالق اور اس کی مخلوقات کے درمیان پیام رسانی اور سفارت کی خدمت اس طرح انجام دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم اور مرضی کو ان پر القاء کرتا ہے اور وہ ایک بے اختیار محکوم کی طرح اس کو مخلوقات میں جاری اور نافذ کرتے ہیں' ان کو خود نہ کوئی ذاتی اختیار ہے اور نہ ان کا کوئی ذاتی ارادہ ہے وہ سرتاپا اطاعت ہیں اور خدا کے حکم سے سرمو تجاوز نہیں کرتے' گویا ان کی خلعت اطاعت اور فرمان برداری کے لیے کی گئی ہے دنیا پر رحمت یا عتاب جو کچھ نازل ہوتا ہے وہ انہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور خدا انبیاء پر اپنے جو احکام اتارتا یا ان سے کلام کرتا ہے وہ انہی کی وساطت سے کرتا ہے۔

دنیا کے تمام مذاہب بلکہ قدیم یونانی مصری فلسفہ میں بھی اس قسم کی ہستیوں کا وجود تسلیم کیا گیا ہے صابی مذہب میں یہ ستاروں اور سیاروں کی صورت میں مانے گئے ہیں' یونانی' مصری (سکندری) فلسفہ میں ان کا نام عقول عشرہ (دس عقلیں) رکھا گیا ہے اور ساتھ ہی نو آسمانوں کے اندر بھی الگ الگ ذی ارادہ نفوس تسلیم کیے گئے ہیں بلکہ خالص یونانی فلسفہ میں بھی بعض غیر مادی ارواح مجردہ کا پتہ لگتا ہے جن میں سب سے اہم لوگس کا تخیل ہے جس سے مقصود وہ اولیں ہستی ہے جس کو خدا نے تمام کائنات کی پیدائش کا ذریعہ اور واسطہ قرار دیا ہے اور جس کو اہل فلسفہ عقل اول سے تعبیر کرتے ہیں پارسیوں میں ان ہستیوں کا نام ''امشاسپند'' ہے اور ان کی بے شمار تعداد قرار دی گئی ہے' یہودی ان کو وہیم کہتے ہیں اور ان میں سے خاص خاص کے نام جبریل اور میکائیل وغیرہ رکھتے ہیں' عیسائی بھی ان کو انہی ناموں سے یاد کرتے ہیں اور جبریل اور روح القدس وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں' ہندوؤں میں وہ دیوتاؤں اور دیوؤں کے نام سے روشناس ہیں' جاہل عرب ان کو خدا کی بیٹیاں کہہ کر پکارتے ہیں' بہر حال یہ تمام مختلف صحیح اور غلط نام ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں' جس سے مراد وہ روحانی وسائط ہیں' جو صانع ومصنوعات اور خالق ومخلوقات کے درمیان اس کے حکم کے مطابق عمل پیرا اور کارفرما ہیں۔

مذاہب سابقہ میں ان غیر مادی ذی روح مخلوق' ہستیوں کی حیثیت نہایت مشتبہ تھی' وہ کبھی مخلوق کہی جاتی تھیں

Marfat.com

اور کبھی خدائی کے مرتبہ تک بھی بلند کر دی جاتی تھیں' ہندوؤں کے دیوتاؤں اور دیویوں کی یہی کیفیت تھی پارسیوں میں امشا سپند کا بھی یہی حال تھا' کہ کبھی ان کی حیثیت فرشتوں کی رہتی تھی' کبھی وہ خدا کے مقابل بن جاتی تھیں' اور کبھی خود خدا ان میں سے ایک ہو جاتا تھا' ہندوؤں کی طرح پارسیوں میں بھی وہ قابل پرستش سمجھی جاتی تھیں ان کے نزدیک سب سے عالی رتبہ امشا سپند تھے اور ان کے تحت میں ۳۳' پھر ان میں سے ہر ایک کے ماتحت ہزاروں تھے اور چونکہ پارسی نیکی اور بدی کے دو متقابل خداؤں کے قائل تھے اس لیے دونوں کے ماتحت اچھے اور برے فرشتوں کی بے شمار تعداد تھی' نیکی کے فرشتے براہ راست نیکی کی چیزوں کو اور برائی کے فرشتے مصیبتوں ہلاکتوں اور برائیوں کو دنیا میں پیدا کرتے تھے اور اپنے اپنے خدا کی طرف سے ان اشیاء پر حاکم سمجھے جاتے تھے دونوں خدا اپنی اپنی فوجوں اور لشکروں کے پرے لے کر باہم نبرد آزما رہتے تھے' یہ بھی ان کا اعتقاد تھا کہ ہر امشا پسند یا نر فرشتہ کے ساتھ ایک یزد یعنی مادہ (فرشتہ) بھی ہوتی تھی جو اس کی بیوی تھی' ہندوؤں میں نر دیوتاؤں اور مادہ دیویوں کا تصور تھا مگر ان نر و مادہ ہستیوں میں کسی نر کو کسی مادہ سے خصوصیت خاص نہ تھی بلکہ ہر ایک جنس کا ہر فرد دوسری جنس کے ہر فرد سے لطف اندوز ہو سکتا تھا یہودیوں میں فرشتوں کی حیثیت ایسی تھی کہ ان کی تقدیس اور ثناء وصفت خدا سے مشتبہ ہو جاتی تھی' نظر آنے والے فرشتہ کی تعظیم کی جاتی تھی' اس کے آگے جھکا جاتا تھا' اور اس کو خداوند کہہ کر اس طرح خطاب کیا جاتا تھا کہ کہیں کہیں یہ شبہہ ہو جاتا ہے کہ خدا مخاطب ہے یا فرشتہ (تکوین ۱۶' ۱۳ او ۱۸' ۲' ۳' ۲۲) وہ کبھی کبھی خدا کے بیٹے بھی کہے جاتے تھے۔ (تکوین ۶' ۲) عیسائیوں میں ان میں سے بعض مثلاً روح القدس خدا کا ایک جزو تسلیم ہو کر تثلیث کا رکن ہے۔

صائبیوں میں فرشتوں کی قربانی کی جاتی تھی ان کے ہیکل بنائے جاتے تھے اور ان کو مظہر خدا تسلیم کیا جاتا تھا' عربوں میں فرشتے مادہ سمجھے جاتے تھے وہ خدا کی بیٹیاں کہہ کر پکارے جاتے تھے ان کی پرستش ہوتی تھی' اور سمجھا جاتا تھا کہ وہ خدا کے دربار میں سفارشی ہوں گے' یونانیوں میں عقل اول اور عقول عشرہ تمام عالم کے خالق کارفرما اور مرجع کل مانے گئے اور خدا کو معطل ٹھہرایا گیا۔

اسلام نے آ کر ان تمام عقائد کو مٹا دیا' خدائی اور ربوبیت کی ہر صفت سے وہ محروم بنائے گئے ان کی پرستش ناجائز کی گئی نر و مادہ کی مادی جنسیت سے وہ پاک کیے گئے' اور انسانوں کو ان پاک مخلوقات کی غلامی و بندگی سے آزاد کیا گیا ان کی تعداد بے شمار اور درجہ بندی کا کوئی تخیل باقی نہیں رکھا گیا ان کی ہستی خدائے تعالیٰ کے سامنے ایک سراپا مطیع و فرمان بردار غلام کی قرار دی گئی جس کا کام شب و روز صرف آقا کا حکم بجالانا ہے' عالم میں ان کا کسی قسم کا تصرف نہیں مانا گیا اور نہ نیکی و بدی کی دو تقسیمیں کی گئیں' نہ وہ الگ الگ جنس مخلوقات کے حاکم و منتظم قرار دیے گئے' قرآن میں ان کی ہستی صرف اس قدر تسلیم کی گئی ہے کہ وہ صرف غیر مادی ذی روح مخلوقات ہیں جن کا کام خدا کی حمد و ثنا اور اطاعت و فرمان برداری ہے خالق اور اس کے مخلوقات کے درمیان وہ پیغام رسانی کا ذریعہ ہیں' خدا کے حکم کے مطابق وہ مخلوقات کے کارخانہ کو چلا رہی ہیں لیکن اس چلانے میں خود ان کی ذاتی مرضی اور ارادہ کو کوئی دخل نہیں ہے' اسی لیے قرآن پاک نے یہودیوں کی طرح ان کو ''خداوند'' کا خطاب نہیں دیا' نہ پارسیوں کی طرح ان کو قابل پرستش کے لقب سے یاد کیا' نہ ہندوؤں کی طرح دیو اور دیوتا' اور دیوی کہا' بلکہ صرف ملک اور رسول کے الفاظ استعمال کیے جن کے لفظی

Marfat.com

معنی فرستادہ' قاصد پیغام رساں اور ایلچی کے ہیں' بلکہ قرآن نے آغاز خلقت انسانی کے قصہ میں یہ حقیقت واضح کر دی کہ ملائکہ اس لائق نہیں ہیں کہ آدم ان کو سجدہ کرے' بلکہ آدم میں یہ صلاحیت ہے کہ ملائکہ کا مسجود بنے' چنانچہ اس کو مرتبہ علم میں ان سے بالاتر ٹھہرایا گیا اور خدا کی جس تسبیح اور تقدیس کا ان کو دعویٰ تھا' اس کے باوجود جب انسان کا جوہر حقیقت انہوں نے پہچانا تو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ۔

﴿سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ﴾ (بقرہ : ۴)
''تو پاک ہے ہم کو کوئی علم نہیں لیکن وہ جو تو نے ہم کو سکھایا بے شک تو جاننے والا اور حکمت والا ہے۔''

اس قصہ نے شروع ہی میں یہ واضح کر دیا کہ وہ ہستیاں جن کو دوسرے مذاہب نے انسانوں کا دیوتا انسانوں کا خداوند اور کبھی خدا کا ہمسر اور متصرف مطلق قرار دیا تھا' اسلام میں ان کی حیثیت انسان کے مقابلہ میں کیا ہے؟ انسان اور فرشتے خدا کے سامنے برابر کے مخلوق اور بندے یکساں عاجز و درماندہ ہیں' انسانوں کو مادی اشیاء پر حکومت بخشی گئی ہے کہ اپنے نفع ونقصان کے لیے ان سے کام لے سکیں اور ملائکہ کو اپنے حضور میں متعین فرمایا گیا ہے کہ آسمان وزمین اور پوری مملکت الٰہی میں خدا کے احکام کی تعمیل وتنفیذ کریں۔

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اسباب وعلل کا ایک سلسلہ رکھا ہے جو ہر جگہ کارفرما نظر آتا ہے لوگ انہی ظاہری اسباب و علل کو دیکھ کر دھوکا کھاتے ہیں اور ان کی پرستش کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً آگ جلاتی اور روشن کرتی ہے اس کو دیکھ کر آتش پرست اور مادہ پرست یقین کرتے ہیں کہ خود آگ میں جلانے کی طاقت ہے لیکن فرق یہ ہے کہ آتش پرست اس کے آگے سجدہ میں گر پڑتے ہیں' اور مادہ پرست گو اپنا سر اس کے آگے نہیں جھکاتے مگر ان کا دل جھک جاتا ہے کیونکہ وہ بھی یہ ایمان رکھتے ہیں کہ یہ طاقت خود آگ کے اندر موجود ہے' کچھ لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ جلانے کی طاقت آگ میں نہیں ہے بلکہ اس کا ایک مستقل دیوتا یا فرشتہ ہے' جو اس پر حکمران ہے' یہ لوگ اس آگ کے فرمان روا کے سامنے جھکتے ہیں' اسلام کے نظریہ توحید نے اس شرک کو بھی مٹایا' اور بتایا کہ آگ اور آگ کا کوئی فرشتہ ہے تو وہ کل کے کل اسی ایک رب العلمین اور فرمان روائے ارض وسما کے حکم کے تابع ہیں اسی کے آگے جھکنا چاہیے اور اسی کی بندگی کرنی چاہیے۔

اسلام میں فرشتوں کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا جواب ان نصوص سے مل سکتا ہے جو ان کے کاموں کے متعلق قرآن میں مذکور ہیں' ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان سے مراد وہ غیر مادی ذی روح ہستیاں ہیں' جو احکام اور پیغام الٰہی کو دنیائے خلق تک پہنچاتے اور نافذ کرتے ہیں اور وہ اسباب وعلل جن کو مادہ پرست ذاتی طور پر مؤثر جانتے اور جن کو بت پرست دیوتاؤں کا کرشمہ سمجھتے ہیں ان کو فرشتے احکام الٰہی کے مطابق کام میں لگاتے اور مرضی الٰہی کو پورا کرتے ہیں۔

عقلی حیثیت سے یہ عقیدہ بھی اسی طرح قبول اور انکار کے قابل ہے جس طرح عقلیات کے دوسرے عقائد اور نظریئے ہیں جن کی تصدیق یا تکذیب عقل کی دسترس سے باہر ہے اس لیے اس عقیدہ کو یہ کہہ کر کوئی رد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ یہ خلاف عقل ہے بلکہ جس طرح قیاسات اور عقلی نکتہ پردازی سے دوسرے عقلی مباحث کا فیصلہ کیا جاتا ہے' ویسا ہی یہاں بھی کیا جا سکتا ہے' اشیاء میں خصائص اور لوازم کے وجود اور ان کے اسباب وعلل کا مسئلہ عقلاء

Marfat.com

میں ہمیشہ اختلافات کا دنگل رہا ہے اور یہ معمہ آج بھی اسی طرح لانیحل ہے جس طرح پہلے تھا۔ اس کا حل سائنس کی مادی تحقیقات اور تجربوں کی طاقت سے باہر ہے اور فلسفہ بھی اس کی گتھی کے سلجھانے سے عاجز ہے' اس لیے اگر حکمائے ملحدین کی شاہراہ سے الگ ہٹ کر اس کے حل کی کوئی صورت ارباب مذہب نے نکالی ہے تو وہ محل اعتراض نہیں ہوسکتی اور نہ خلاف عقل کہی جاسکتی ہے کائنات کے حوادث میں جس طرح مادی علل واسباب کارفرما ہیں اسی طرح ان سے بالاتر روحانی علل واسباب بھی ساتھ ساتھ کارفرما ہیں اور ان دونوں قسم کے اسباب کے توافق سے حوادث کا وجود ہوتا ہے یہی سبب ہے کہ انسان اکثر مادی علل واسباب موجود ہونے یا نہ ہونے کے باوجود کامیاب یا ناکام ہوتا ہے اور اس کا نام بخت واتفاق رکھتا ہے حالانکہ مسئلہ علل واسباب کو مان لینے کے بعد بخت واتفاق کوئی چیز نہیں رہ جاتا یہی روحانی علل واسباب ہیں جن کا سررشتہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے ان فرشتوں کو سپرد کیا ہے' جو فرمان بردار چاکروں کی حیثیت سے نظام عالم کو چلا رہے ہیں ہمارے اور دوسرے متکلمین اور حکماء کے اصطلاحات میں فرق یہ ہے کہ وہ ملائکہ کی تعبیر اسباب وعلل کے ''قوائے طبعی'' سے کرتے ہیں اور ہم ''قوائے روحانی'' سے۔

اس تقریر کا یہ منشا نہیں ہے کہ اشیاء میں خواص وطبائع' اور اس مادہ کی ملکیت میں مقرر طبعی اصول وقوانین موجود نہیں ہیں بلکہ یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی اندازہ (تقدیر) کے مطابق ہر چیز کے خصائص (طبائع) اور اصول وقوانین مقرر کر کے ملائکہ کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کو ان ہی اصول وطبائع مقررہ کے مطابق چلاتے رہیں۔

سمجھنے کے لیے اس کی صحیح مثال خود انسان بلکہ ہر جاندار ہستی ہے مخلوقات کی دو قسمیں ہیں' ذی روح اور غیر ذی روح ذی روح مخلوقات کے اکثر افعال وحرکات اس کی روح کی ارادی قوت کی وساطت سے انجام پاتے ہیں وہی روح اس کے ہاتھ پاؤں اور تمام اعضاء بلکہ ہر عضو کے ایک ایک رگ وریشہ پر حکمران اور مسلط ہے با ایں ہمہ وہ روح اصول مقررہ کے تحت ہی اعضاء سے کام لیتی ہے اور ان اصول سے باہر نہیں جاتی اس طرح غیر ذی روح اشیاء میں ابر وباد سے لے کر دریا پہاڑ چاند اور سورج تک پر ارواح مقرر ہیں جو ان اشیاء سے خدا کے اصول مقررہ کے مطابق یکساں افعال وحرکات کا صدور کراتی ہیں' جس طرح ہماری روح اپنے اعضا اور اعضا کے ذریعہ سے مادہ میں جو تغیرات پیدا کرتی ہے وہ اشیاء کے مقررہ خواص وطبائع کے سہارے پر کرتی ہے اسی طرح ملائکہ بھی انہی مقررہ خواص وطبائع کے ذریعہ اپنے مفروضہ فرائض انجام دیتے ہیں۔

الغرض جس طرح ہمارے ارادی افعال اور حکم الٰہی کے درمیان ہماری انسانی ارواح ونفوس واسطہ ہیں' اسی طرح تمام عالم مخلوقات اور کائنات کے افعال اور حکم الٰہی کے درمیان یہ ملکوتی ارواح اور نفوس مجردہ واسطہ ہیں اور جس طرح ہماری انسانی ارواح کی اس وساطت سے خدا کی حکومت علی الاطلاق پر کوئی اعتراض نہیں واقع ہوتا اسی طرح ان ملکوتی ارواح کی وساطت سے بھی خدا کی علی الاطلاق حکومت میں کوئی نقص نہیں واقع ہوتا یہیں سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ ہمارے ارادی افعال میں اختلافات کی اتنی نیرنگیاں نظر آتی ہیں' مگر ہمارے اور عالم کائنات کے نوعی افعال ہیں ان میں اختلافات اور نیرنگیوں کے بجائے یکسانی' ہمرنگی اور عدم اختلاف پایا جاتا ہے؟ کیونکہ انسان نے ارادہ پا کر کسی قدر ذاتی اختیار پالیا ہے اور یہی ذاتی اختیار اس کے افعال اختیاری کی ذمہ داری باز پرس اور مواخذہ

Marfat.com

کی بنیاد ہے اور جس کی بنا پر وہ اپنی اطاعت کے ذریعہ سے ثواب اور عصیان کر کے عتاب کا مستحق ہو جاتا ہے' مگر دنیا کی یہ ملکوتی ارواح مجردہ یعنی یہ ملائکہ ذاتی ارادہ اور اختیار سے تمامتر محروم ہو کر صرف اطاعت فرمان برداری' اور انقیاد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں' اس لیے ان میں عصیان' تمرد' سرکشی اور حکم الٰہی سے انحراف کی کوئی صلاحیت نہیں ہے' اسی بنا پر اشیاء کے تمام نوعی افعال وحرکات اور خصائص میں یکسانی ہمرنگی اور عدم اختلاف پایا جاتا ہے یہی حقیقت ہے جو فطرت طبیعت اور نوعی خاصیت کی اصطلاحات کی صورتوں میں ہمارے لیے دھوکے اور اشتباہ کا باعث بن گئی ہے۔

(۱) اب ہم کو تعلیمات نبوی یعنی آیات واحادیث سے ملائکہ کی حیثیت کو روشن کرنا چاہیے ملائکہ کی سفارت و پیام رسانی' یعنی خالق کے احکام اور مرضی کو مخلوقات تک پہنچانا اور اس کام میں ان کا بے اختیار ہونا' ان دو آیتوں سے ثابت ہوتا ہے۔

﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ (الحج : ۱۰)

''خدا ہی ہے جو فرشتوں اور آدمیوں میں سے پیام رساں اور قاصد منتخب کرتا ہے بے شک خدا سننے والا اور دیکھنے والا ہے اور وہ ان کے آگے اور پیچھے کا حال جانتا ہے اور تمام کاموں کا مرجع خدا ہی ہے۔''

یعنی پیام رسانی اور سفارت کے سوا ان کو اصل حکم میں کوئی دخل نہیں ہے' اختیارات سب خدا کے ہاتھ میں ہیں اور وہی تمام امور اور انتظامات کا مرجع کل ہے' دوسری جگہ ہے۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَ مَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (فاطر : ۱)

''حمد ہو اس خدا کی جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور فرشتوں کو دو دو تین تین اور چار چار شہپر بازوؤں والے پیام رساں بنانے والا ہے' وہ پیدائش میں جو چاہے بڑھا دے وہ ہر چیز پر قادر ہے وہ لوگوں کے لیے رحمت کھولے تو کوئی اس کا روکنے والا نہیں اور جو روک دے تو اس کے سوا کوئی چھوڑنے والا نہیں اور وہی غالب دانا ہے۔''

اس آیت پاک میں بھی یہی حقیقت ظاہر کی گئی ہے کہ ملائکہ سفارت اور درمیانگی کے علاوہ اور کوئی اختیار نہیں رکھتے رحمت کے دروازوں کا کھولنے والا اور بند کرنے والا صرف خدا ہے' یہ تعلیم اس غلط عقیدہ کی تردید کرتی ہے کہ فرشتوں کو دنیا کی حکمرانی اور انتظامات میں کوئی ذاتی دخل ہے' یا ان میں الوہیت اور ربوبیت کا کوئی شائبہ ہے یا وہ پرستش کے قابل ہیں یا ان کی دہائی بھی پکارنی چاہیے۔

(۲) ملائکہ خدا کے احکام کو دنیا میں جاری کرتے ہیں۔

﴿اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (انفال : ۲)

(''یاد کر) جب تیرا پروردگار فرشتوں کو وحی کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں' تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو۔''

Marfat.com

﴿تنزّلُ الْمَلٰئِکَۃُ وَ الرُّوْحُ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ مِّنْ کُلِّ اَمْرٍ﴾ (قدر : ۱)
''اس میں فرشتے اور روح اپنے پروردگار کے حکم سے ہر کام کو لے کر نیچے اترتے ہیں۔''

وہ جس طرح احکام لے کر اترتے ہیں' اسی طرح دربار الٰہی تک عروج بھی کرتے ہیں۔

﴿تعْرُجُ الْمَلٰئِکَۃُ وَ الرُّوْحُ اِلَیْہِ﴾ (معارج : ۱)
''فرشتے اور روح اس تک چڑھتے ہیں۔''

(۳) موت کے وقت روح کا قبض کرنا' انہی سے متعلق ہے۔

﴿قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ﴾ (سجدہ : ۱)
''کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے وہ تم پر موت طاری کرے گا۔''

﴿وَ لَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰئِکَۃُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْھِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ﴾ (انعام : ۱۱)
''اور اگر دیکھو تم جب گنہگار موت کے سکرات میں ہوں اور فرشتے اپنے ہاتھوں کو پھیلائے ہوں کہ نکالو اپنی جانوں کو۔''

﴿وَ لَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰئِکَۃُ﴾ (انفال : ۷)
''اور اگر دیکھو جب فرشتے کافروں کو موت دے رہے ہوں۔''

اسی کے ہم معنی اور بھی کئی آیتیں ہیں' جن سے ظاہر ہے کہ حکم الٰہی کے مطابق موت وفنا کی تدبیر علل واسباب کی انہی روحانی قوتوں سے متعلق ہے۔

دنیا میں کسی شے کے وجود انقلاب اور فنا کے لیے کسی ایک علت وسبب کا وجود کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ اس کے متعلقہ علل واسباب کی تمام کڑیاں باہم پیوستہ اور ایک دوسرے کی معاون ہوں اور موانع اور عوائق معدوم ہوں یہ متعلقہ علل واسباب کا توافق اور موانع کا انسداد ہی تدبیر ہے جو بحکم الٰہی ملائکہ کے سپرد ہے'[1] اس تدبیر کو کبھی اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔

وہ کام کی تدبیر کرتا ہے' اور کبھی ملائکہ کی طرف۔

﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا وَّ النّٰشِطٰتِ نَشْطًا وَّ السّٰبِحٰتِ سَبْحًا فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾ (نازعات : ۱)
''ڈوب کر (روحوں کے) کھینچنے والوں کی قسم ہے (دور گوں کی گرہوں کے کھولنے والوں کی قسم ہے (اس فضائے آسمانی میں تیرنے والوں کی پھر دوڑ کر (مادی اسباب وعلل پر سے) آگے بڑھ جانے والوں کی پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی قسم ہے۔''

یہی ملائکہ خدا اور رسول کے درمیان بھی سفیر ہیں۔

﴿اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَآءُ﴾ (شوریٰ : ۵)
''یا خدا (آدمی سے اس طرح باتیں کرتا ہے کہ اپنا) ایک سفیر بھیجتا ہے وہ اس (خدا) کی اجازت سے جو وہ (خدا) چاہتا ہے وحی کرتا ہے۔''

دوسری جگہ ہے

(۱) صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکہ میں ہے کہ رحم نسوانی پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو بچہ کی نسبت قضائے الٰہی کو تحریر کرتا ہے۔

Marfat.com

﴿يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ﴾ (نحل : ۱)
''خدا روح کے ساتھ فرشتوں کو اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اتارتا ہے۔''

خاص آنحضرت ﷺ کے متعلق ہے۔

﴿فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (بقرہ : ۱۲)
''بس اس (جبریل فرشتہ) نے (قرآن) کو خدا کے حکم سے تمہارے دل پر اتارا''

(۴) یہ لوگوں پر بشارت اور عذاب لے کر بھی اترتے ہیں۔

﴿وَ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى﴾
''ہمارے سفیر ابراہیم کے پاس بشارت لے کر اترے۔''

اسی طرح حضرت زکریا اور حضرت مریم علیہما السلام کو انہوں نے بشارت دی۔

﴿اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا﴾ (مریم : ۲)
''میں تیرے پروردگار کا فرستادہ ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا بخشوں۔''

حضرت لوطؑ کے پاس ان کی قوم کی بربادی کے لیے آئے اور۔

﴿قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ﴾ (ھود : ۷)
''کہا اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔''

اس کے بعد یہ فرشتے حضرت لوطؑ کی قوم پر کوہ آتش فشاں کا منہ کھول دیتے ہیں' اور تمام قوم برباد ہو جاتی ہے یہ کام اگرچہ فرشتوں نے انجام دیا تھا' مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو خود اپنی طرف منسوب کیا ہے' کیونکہ وہ فرشتوں کے ذاتی اختیار کے بجائے خدا ہی کے حکم سے ہوا تھا۔

﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ﴾ (ھود : ۷)
''تو جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے اس کے اوپر کو نیچے کر دیا (یعنی زمین الٹ دی) اور اس پر تہ بہ تہ پتھروں کی بارش کی۔''

(۵) فرشتے انسانوں کے اعمال کی نگہبانی اور نگرانی کرتے ہیں' اور ان کے ثواب اور گناہ کے کاموں کو محفوظ رکھتے ہیں۔

﴿وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ (انفطار : ۱)
''بے شک تم پر نگہبان ہیں جو بزرگ ہیں لکھنے والے ہیں جو تم کچھ کرتے ہو اس کو وہ جانتے ہیں۔''

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ (ق : ۲)
''کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا' لیکن اس کے پاس ایک نگہبان حاضر ہے۔''

﴿سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌ بِالنَّهَارِ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ (رعد : ۲)
''تم میں سے کوئی بات چھپا کر کہے یا یا زور سے کہے یا وہ رات میں چھپے یا دن کو کرے خدا کے تعاقب کرنے والے اس کے سامنے سے اور اس کے پیچھے سے خدا کے حکم سے اس نگرانی کرتے ہیں۔''

Marfat.com

﴿وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَ هُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ﴾ (انعام : ۸)

''اور وہ (خدا) تم پر نگران بھیجتا ہے یہاں تک کہ تم میں سے جس کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے قاصد اس کی عمر پوری کرتے ہیں اور وہ اپنے اس کام میں کمی نہیں کرتے۔''

(٦) وہ انسانوں کے اعمال کے مطابق ان پر خدا کی رحمت یا لعنت کے نزول کا ذریعہ اور واسطہ ہیں۔

﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ (انبیاء : ۷)

''نیکو کاروں کو وہ بڑی گھبراہٹ (قیامت) غمگین نہ کرے گی اور فرشتے ان کا آگے بڑھ کر استقبال کریں گے (کہ) یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِى الْاٰخِرَةِ﴾ (فصلت : ۴)

''جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ان پر فرشتے یہ کہتے ہوئے اتریں گے کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی خوش خبری سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا' ہم ہیں جو تمہاری پہلی اور اس دوسری زندگی میں تمہارے رفیق ہیں۔''

﴿هُوَ الَّذِىْ يُصَلِّىْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ﴾ (احزاب : ٦)

''وہی خدا تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ﴾ (احزاب : ۷)

''اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔''

﴿وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِى الْاَرْضِ﴾ (شوریٰ : ۱)

''اور جو زمین میں ہیں ان کے لیے وہ خدا سے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں۔''

اسی طرح وہ بدکاروں پر لعنت بھی کرتے ہیں۔

﴿اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ (آل عمران:۹ ۷)

''ان کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی لعنت ہے۔''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ (بقرہ : ۱۹)

''جو کفر کی حالت میں مر گئے' ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی لعنت ہے۔''

(۷) جنت اور دوزخ کا کاروبار بھی ملائکہ کے زیر اہتمام ہوگا۔

﴿وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ

''اور کفر کرنے والے گروہ در گروہ کر کے دوزخ کی طرف لے جائے جائیں گے یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے چوکی دار (فرشتے) کہیں

Marfat.com

﴿يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ﴾ (زمر : ۸) گے کہ کیا تمہارے پاس تمہیں کے پیغمبر نہیں آئے۔"

﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ﴾ (زمر : ۸) "اور جو اپنے پروردگار سے ڈرتے تھے وہ گروہ در گروہ جنت میں لیجائے جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے پاسبان کہیں گے تم پر سلامتی ہو خوش خوش جنت میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔"

﴿وَالْمَلآئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ (رعد : ۳) "اور ان جنتیوں پر فرشتے ہر دروازہ سے داخل ہو کر کہیں گے تم پر سلامتی ہو یہ تمہارے صبر کا بدلہ کیسا اچھا عاقبت کا گھر ہے۔"

﴿عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ﴾ (تحریم : ۱) "اس (دوزخ) پر سخت دل طاقتور فرشتے مقرر ہیں۔"

﴿وَ مَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً﴾ (مدثر:۱) "اور ہم نے دوزخ کا اہل کار فرشتوں ہی کو بنایا ہے۔"

(۸) فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس کے حاضر باش ہیں۔

﴿وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ (زمر:۸)۔ "اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے ارد گرد احاطہ کیے ہوئے اپنے پروردگار کی حمد و ثنا میں مصروف ہوں گے۔"

﴿لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى﴾ (صفت) "اعلیٰ اہل دربار کی باتیں وہ (شیاطین) نہیں سن سکتے۔"

﴿مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ﴾ (ص : ۵) "مجھے خدا کے بلند درباریوں کا علم نہیں جب وہ باتیں کرتے ہیں۔"

قیامت کے دن بھی یہ تخت الٰہی کے حامل اور اس بارگاہ کے حاضر باش ہوں گے جو ہر وقت اس کے ہر حکم کو بجا لانے کے لیے تیار رہیں گے۔

﴿وَالْمَلَكُ عَلٰى اَرْجَآئِهَا وَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ﴾ (حاقة : ۱) "اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور تیرے پروردگار کے تخت کو آٹھ (فرشتے) اس دن اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے۔"

﴿كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَ الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ (والفجر) ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا﴾ (نبا : ۲) "ہرگز نہیں جب زمین ریزہ ریزہ کر دی جائے گی اور تیرا رب تشریف فرما ہوگا اور فرشتے قطار در قطار آئیں گے (فجر) جس دن روح اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے۔"

(۹) فرشتے خدا سے سرکشی اور اس کی نافرمانی نہیں کرتے ہمیشہ اس کی تہلیل و تقدیس اور حمد و ثناء میں مصروف رہتے ہیں اس کے جلال و جبروت سے ڈرتے اور کانپتے رہتے ہیں اور اس کے حضور میں اہل زمین کے لیے عموماً اور

Marfat.com

نیکوکاروں کے لیے خصوصاً مغفرت کی دعا مانگا کرتے ہیں۔

﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (شوریٰ : ۱)

''اور فرشتے حمد کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور زمین والوں کی بخشائش کی دعا مانگا کرتے ہیں ہشیار کہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا خدا ہی ہے۔''

یعنی یہ دھوکا نہ ہو کہ فرشتوں کی دعا ہی رحمت و برکت کا ذاتی سبب ہے' بلکہ بخشش اور رحمت کرنے والا صرف وہی خدائے واحد ہے اور یہ بخشش و رحمت اسی کے دست اختیار میں ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (مؤمن)

''جو (فرشتے عرش کو اٹھائے ہیں' اور جو اس کے پاس ہیں' وہ سب اپنے پروردگار کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان لانے والوں کی بخشائش کی دعا کرتے ہیں۔''

﴿وَ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ﴾ (انبیاء : ۳)

''آسمانوں میں اور زمین میں جو کوئی ہے اسی کا ہے اور جو اس کے پاس ہیں' یعنی فرشتے وہ اس کے سامنے اپنی عبودیت کے اظہار سے غرور نہیں کرتے' اور نہ اس کی عبادت سے تھکتے ہیں' وہ رات دن خدا کی پاکی بیان کرتے ہیں' سست نہیں پڑتے۔''

﴿بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ...... وَ هُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ﴾ (انبیاء : ۲)

''بلکہ وہ بزرگ بندے ہیں' جو بات میں اس (خدا) پر پیش دستی نہیں کرتے' اور وہ اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں اور وہ اس کے خوف سے ترساں رہتے ہیں۔''

﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ (تحریم : ۱)

''خدا ان کو جس بات کا حکم دیتا ہے وہ اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا حکم دیا جاتا ہے۔''

﴿وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ﴾ (رعد : ۲)

''اور بجلی کی کڑک اور فرشتے خدا کے ڈر سے اس کی حمد و تسبیح کرتے ہیں۔''

﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾

''اور آسمان میں اور زمین میں جو چارپائے اور فرشتے ہیں وہ سب خدا کو سجدہ کرتے ہیں۔''

﴿وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ (نحل : ۶)

''اور اس کے سامنے اپنی بڑائی نہیں کرتے وہ اپنے مالک سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے رہتے ہیں' اور وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے۔''

Marfat.com

گزر چکا ہے کہ ملائکہ کا اعتقاد دنیا کے تمام مذہبوں اور قوموں میں کسی نہ کسی طرح رہا ہے لیکن ان کے اس اعتقاد میں بہت سی باتیں ایسی داخل تھیں جو توحید کامل کے منافی تھیں اسکندریہ کے نوافلاطونی فلسفہ کی رو سے عقل اول کی اضطراری پیدائش کے بعد خدا کو معطل ہو جانا پڑا' اور فرشتوں کو عقول کی صورت میں اصلی کارفرما قرار دیا گیا تھا عراق کے صابی اجرام سماوی کی شکل میں ان کی پرستش کرتے تھے' اور انہیں کو عالم کا فرمان روا مانتے تھے یہودی بھی ان کو کسی قدر صاحب اختیار تصور کرتے تھے اور کبھی کبھی ان کو خداؤں کا درجہ دیتے تھے' جیسا کہ توراۃ (صحیفہ تکوین ۱۶' ۱۳ و ۱۸' ۲ و ۳' ۲۲) کے قصوں میں کہیں کہیں نظر آتا ہے' ان کو وہ ''خدا کے بیٹوں'' کے خطاب سے بھی کبھی کبھی یاد کرتے تھے (تکوین ۶' ۲) ہندوؤں میں وہ دیوتا اور دیوی بن کر ایک طرف انسانی خصائص سے ملوث تھے اور دوسری طرف اپنے ذاتی اختیارات کے لحاظ سے چھوٹے خداؤں کے مرتبہ پر بھی فائز تھے' عیسائی ان میں سے بعض مثلاً روح القدس کو خدا کا ایک جزو تسلیم کرتے تھے' اور یہ تثلیث کا ایک رکن تھا' عربوں میں فرشتے خدا کی بیٹیوں کا درجہ رکھتے تھے وہ ان کی پوجا کرتے اور ان کو اپنے گناہوں کا شفیع سمجھتے تھے۔

تعلیم محمدی نے ان تمام عقائد باطلہ کو مٹا دیا' اور ایک ایک کر کے ان میں سے ہر عقیدہ کی تردید کر دی' اور بتایا کہ فرشتے بھی خدا کی دوسری مخلوقات کی طرح ایک مخلوق ہیں' ان کو خدائی کا کوئی اختیار حاصل نہیں' وہ صرف خدا کی اطاعت' عبادت اور اسی کے احکام کی بجا آوری میں مصروف رہتے ہیں' ان میں سے جس کے جو کام سپرد ہے' وہ اسی کو انجام دیتا ہے وہ ہماری ہی طرح بندۂ محض ہیں' وہ نہ عبادت کے مستحق ہیں' نہ خدا کے بے اذن وہ شفاعت کا ایک حرف زبان سے نکال سکتے ہیں اور نہ خدا کے سامنے کچھ عرض کرنے کی جراءت کر سکتے ہیں' یہودی ان کو خدا کے بیٹے اور عرب خدا کی بیٹیاں کہتے تھے' قرآن نے دونوں کی تردید کی' اور بتایا کہ وہ انسانی خصائص اور میلانات سے پاک ہیں' وہ نہ مرد ہیں' نہ عورت ہیں' نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں' اور نہ خدائی کا دعویٰ کر سکتے ہیں' وہ خدا کے خوف سے ہمیشہ کانپتے اور لرزتے رہتے ہیں۔

﴿وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَ هُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ وَ مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ (انبیاء : ۲)

''مشرکوں نے کہا کہ مہربان خدا نے اپنا لڑکا بنایا ہے اس سے پاک ہے بلکہ یہ (فرشتے) اس کے معزز بندے ہیں جو بات میں اس پر پیش دستی نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں خدا اس سے جو ان کے آگے اور پیچھے ہوتا ہے واقف ہے وہ شفاعت نہیں کرتے لیکن اسی کی جس کے لیے خدا پسند کرتا ہے اور وہ خدا کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں اور ان سے جو یہ کہے کہ میں خدا ہوں تو اس کو بھی اسی طرح کی ہم سزا دیں گے ایسی ہی ہم ظالموں کو سزا دیتے ہیں۔''

﴿اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ كَفٰى

''خدا تو ایک ہی ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے کوئی اولاد ہو' آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ

Marfat.com

بِاللّٰہِ وَکِیلاً لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰہِ وَلَا الْمَلٰٓئِکَۃُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَ مَنْ یَّسْتَنْکِفْ عَنْ عِبَادَتِہٖ وَ یَسْتَکْبِرْ فَسَیَحْشُرُھُمْ اِلَیْہِ جَمِیْعًا﴾ (نساء : ۲۳،۲۴)

اس کی ملکیت ہے' اور خدا کا وکیل ہونا کافی ہے' مسیح کو اس سے عار نہ ہوگا کہ وہ خدا کا بندہ ہے' اور نہ مقرب فرشتوں کو (اس سے عار ہے) اور جو لوگ اس کی عبادت سے عار اور غرور کریں گے تو وہ ان سب کو اپنے پاس اکٹھا کر لے گا۔"

﴿وَلَا یَاْمُرَکُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ وَ النَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (آل عمران : ۸)

"خدا اس کا حکم تم کو نہیں دیتا کہ تم فرشتوں کو اور پیغمبروں کو خدا بناؤ کیا تم کو مسلمان ہونے کے بعد کفر کرنے کا حکم دے گا۔"

﴿وَیَوْمَ یَحْشُرُھُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اَھٰٓؤُلَآءِ اِیَّاکُمْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِھِمْ بَلْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَکْثَرُھُمْ بِھِمْ مُّؤْمِنُوْنَ﴾ (سبا : ۵)

"اور جس دن وہ سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے کہے گا کہ کیا یہ مشرکین تمہیں کو پوجتے تھے وہ کہیں گے پاک ہے تو' تو ہمارا والی ہے وہ نہیں ہیں' بلکہ وہ جنوں کو پوجتے تھے وہ اکثر انہی جنوں پر ایمان لائے ہیں۔"

﴿یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا لَا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا﴾ (نبا : ۲)

"جس دن روح اور فرشتے صف بستہ خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے تو کچھ بول نہ سکیں گے لیکن وہ جس کو مہربان اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے۔"

﴿وَکَمْ مِّنْ مَّلَکٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُھُمْ شَیْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰہُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَرْضٰی﴾ (نجم : ۲)

"اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی' لیکن اس کے بعد کہ خدا جس کو چاہے اجازت دے اور پسند کرے۔"

﴿اَفَاَصْفٰکُمْ رَبُّکُمْ بِالْبَنِیْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ اِنَاثًا اِنَّکُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلاً عَظِیْمًا وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّکَّرُوْا وَمَا یَزِیْدُھُمْ اِلَّا نُفُوْرًا قُلْ لَّوْ کَانَ مَعَہٗٓ اٰلِھَۃٌ کَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا سُبْحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا تُسَبِّحُ لَہُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْھِنَّ﴾ (اسرائیل : ۴، ۵)

"کیا تمہارے لیے خدا نے بیٹوں کو پسند کیا اور خود فرشتوں میں سے لڑکیاں اپنے لیے پسند کیں' تم یقیناً بہت بڑی بات منہ سے نکالتے ہو اور ہم نے اس قرآن میں پھیر پھیر کر سمجھنے کو باتیں بیان کی ہیں لیکن یہ ان کی نفرت کو اور بڑھاتا ہے کہہ دو اے پیغمبر کہ اگر اس ایک خدائے برحق کے ساتھ اور بھی چند خدا ہوتے تو اس تخت والے خدا کی طرف وہ راستہ ڈھونڈتے (کہ اس کے ہاتھ سے حکومت چھین کر خود قبضہ کر لیں) یہ مشرک جو کہتے ہیں خدا اس سے بلند و برتر ہے' ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے وہ اس کی تسبیح پڑھتے ہیں۔"

﴿وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ الَّذِیْنَ ھُمْ عِبَادُ

"اور ان مشرکوں نے فرشتوں کو جو رحمت والے خدا کے

Marfat.com

الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَ يُسْئَلُوْنَ وَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾ (زخرف : ۲)

بندے ہیں عورتیں بنا دیا کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے ہم ان کی گواہی لکھیں گے اور ان سے اس کی باز پرس کی جائے گی اور انہوں نے کہا کہ اگر خدا چاہتا تو ہم ان (فرشتوں) کو نہ پوجتے انہیں اس کا (تحقیقی) علم نہیں وہ صرف اٹکل لگاتے ہیں۔''

قرآن پاک میں اس مفہوم کی اور بہت سی آیتیں ہیں' مگر یہاں استقصاء مقصود نہیں۔

یہودیوں کا خیال تھا کہ فرشتے کھاتے پیتے بھی ہیں' چنانچہ توراۃ میں جہاں حضرت ابراہیمؑ کے پاس فرشتوں کے آنے کا ذکر ہے' یہ بھی مذکور ہے کہ ابراہیمؑ نے ان کے لیے دعوت کا سامان کیا اور انہوں نے کھایا'' (تکوین ۱۸'۸) لیکن قرآن پاک نے اس قصہ کو دہرا کر یہ تصریح کر دی ہے کہ فرشتے' انسانی ضرورتوں سے پاک ہیں' چنانچہ حضرت ابراہیم نے ان کے لیے دعوت کا سامان کیا مگر۔

﴿فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ﴾ (هود : ۷)

''جب ابراہیم نے دیکھا کہ وہ کھانے کو ہاتھ نہیں لگاتے تو اس کو وہ انجان معلوم ہوئے اور دل میں ڈرا انہوں نے کہا ڈر نہیں' ہم لوط قوم کی طرف ان کے تباہ کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔''

کفار قریش کا مطالبہ تھا کہ انسان کے بجائے کوئی فرشتہ پیغمبر بنا کر کیوں نہیں بھیجا گیا اس کے جواب میں کہا گیا۔

﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ﴾ (انعام : ۱)

''اور اگر ہم پیغمبر کو فرشتہ بنا کر بھیجتے تو (آدمیوں کے لیے) اس کو آدمی ہی بناتے اور جس شبہہ میں اب ہم نے ان کو ڈالا ہے' اسی میں وہ پھر بھی پڑے رہتے یعنی یہی کہتے کہ تم فرشتہ نہیں ہو بلکہ آدمی ہو۔''

اس آیت اور دوسری آیتوں سے ملکوتیت اور بشریت کی قوتوں کا اختلاف ظاہر ہے تاہم فرشتے کبھی کبھی عارضی طور سے انسان کے مثالی لباس میں بھی جلوہ گر ہوتے ہیں' جیسا کہ حضرت مریمؑ وغیرہ کے قصوں میں ہے۔

﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾ (مریم : ۲)

''وہ فرشتہ ایک اچھے خاصے بشر کی مثالی صورت میں ظاہر ہوا۔''

یہی وہ صورت تھی جس میں حضرت ابراہیمؑ کو فرشتوں کے انسان ہونے کا دھوکا ہوا اور ان کے لیے دعوت کا سامان کیا مگر یہ دھوکہ جلد رفع ہو گیا کہ وہ انسان کی مثالی صورت میں فرشتے ہیں۔

ان تمام تفصیلات کے بعد یہ غور کرنا ہے کہ فرشتوں پر ایمان لانے سے اسلام کا کیا مقصود ہے؟ حقیقت میں اس سے دو باتیں مقصود ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ اسلام سے پہلے بت پرست اقوام اور دوسرے اہل مذاہب میں ان فرشتوں کو خدائی کا جو مرتبہ دیا گیا تھا' اس غلط عقیدہ کو مٹا کر یہ حقیقت ظاہر کی جائے کہ ان کی حیثیت بے اختیار محکوم بندہ کی ہے جب تک اس کی تصریح نہ ہوتی' کلمہ توحید کی تکمیل ممکن نہ تھی۔

(۲) دوسرا مقصد یہ ہے کہ مادہ کے خواص و طبائع کو دیکھ کر مادہ پرست جو ان مادی خواص و طبائع کی بالذات

Marfat.com

کارفرمائی کا یقین کرتے ہیں' اس کا ازالہ کیا جائے' کیونکہ یہی پتھر ان کی ٹھوکر کا باعث ہوتا ہے بالآخر خدا کے انکار تک ان کو لے جاتا ہے' حقیقت ان مادی خواص و طبائع پر روحانی اسباب مسلط ہیں۔ جو خدا کے حکم سے اس کے مقررہ اصول کے مطابق نظام عالم کو چلا رہے ہیں' مادہ اور اس کے خواص بالذات مؤثر نہیں' بلکہ کوئی دوسرا ہے جو اپنے ارواح مجردہ کے ذریعہ سے ان کو مؤثر بناتا ہے' اس عقیدہ سے مادیت کا بت ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جاتا ہے۔ غرض منزہ خالق اور مادی مخلوق کے درمیان احکام و شرائع کا نزول اور قدرت الٰہی کے افعال کا صدور ان محکوم ارواح مجردہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

رسولوں پر ایمان

﴿وَرُسُلِهٖ﴾

یہ عقیدہ اسلام کی ان خصوصیات میں سے ہے جن کی تکمیل صرف اسی کے ذریعہ سے انجام کو پہنچتی ہے آنحضرت ﷺ کے وجود مبارک سے پہلے دنیا کی ہر قوم کو بجائے خود یہ خیال تھا کہ وہی اللہ تعالیٰ کی خاص محبوب اور پیاری ہے' تمام دنیا کی قوموں میں ہدایت ربانی کے لیے وہی منتخب کی گئی ہے' اس کے علاوہ دنیا کی تمام قومیں اس فیض سے قطعاً محروم میں اور رہیں گی اس کی سرزمین دیوتاؤں اور دیویوں کا مسکن اور اسی کی زبان خدا کی خاص مقدس زبان ہے بابل ونینوا ہو یا مصر و یونان ایران ہو یا آریہ ورت ہندوستان ہر ملک کے لوگوں کو بجائے خود تنہا خدا کی مقدس اور برگزیدہ ہونے کا دعویٰ تھا' اور وہ صرف اپنے آپ کو خدا کے پیغام اور خطاب سے مشرف ہونے کا مستحق جانتے تھے' لیکن تعلیم محمدی نے تنگ خیالی کے اس محدود دائرہ کو دنیا کی عظیم الشان وسعت سے بدل دیا' آپ نے یہ سکھایا کہ دنیا کی تمام قومیں خدا کی نظر میں یکساں ہیں۔ نہ عرب کو عجم پر اور نہ عجم کو عرب پر فضیلت ہے اور نہ کالے کو گورے پر اور نہ گورے کو کالے پر کوئی تقدم حاصل ہے'[1] ساری زمین خدا کی ہے اور تمام قومیں خدا کی مخلوق ہیں' آپ نے فرمایا لوگو! تم سب ایک ہی باپ (آدمؑ) کی اولاد ہو اور وہ مٹی سے پیدا ہوا تھا'[2] اسی طرح یہ بھی تعلیم دی کہ انسانوں اور قوموں کا امتیاز رنگ وروپ ملک ومرز بوم اور زبان سے نہیں' بلکہ صرف تقویٰ اور نیکو کاری ہے۔[3]

اس تعلیم کا سب سے پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ قوموں اور ملکوں کی فطری فضیلت کی پرانی داستان فراموش ہوگئی' دنیا کی تمام قومیں ایک سطح پر آ گئیں اور مساوات انسانی کا راستہ صاف ہو گیا۔ بنی اسرائیل جن کو خدا کا کنبہ ہونے کا ناز تھا' وحی محمدی نے ان کی اس حیثیت کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا۔

﴿بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ﴾ (مائدہ : ۳) ''بلکہ تم بھی خدا کی مخلوقات میں سے بشر ہو۔''

بنی اسرائیل کو دعویٰ تھا کہ نبوت اور پیغمبری صرف انہی کے خاندان کا ورثہ ہے' جس طرح اس آریہ ورت کا دعویٰ ہے کہ خدا کی بولی صرف یہیں کے رشیوں اور نبیوں نے سنی جو وید کے اوراق میں محفوظ ہے۔ اسی طرح دوسری قوموں کو بھی اپنی اپنی جگہ پر یہی خیال تھا۔ اسلام نے اس تخصیص کو خدا کے انصاف وعدل وکرم اور رحمت عام کے منافی قرار دیا' اور کہہ دیا۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل از ابونضرتا بعی۔

(۲) جامع ترمذی آخر کتاب المناقب۔

(۳) قرآن۔ ان اکرمکم عندالله اتقکم۔

Marfat.com

﴿ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ﴾ (جمعه : ۱)

''یہ (نبوت) اللہ کی مہربانی ہے جس کو چاہے دے اور اللہ بڑی مہربانی والا ہے۔''

﴿قُلْ اِنَّ الْھُدٰی ھُدَی اللّٰہِ اَنْ یُّؤْتٰٓی اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْکُمْ عِنْدَ رَبِّکُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ﴾ (آل عمران : ۸)

''کہہ دو کہ ہدایت اللہ کی ہدایت ہے (اسرائیلی علماء اپنے ہم مذہبوں سے کہتے ہیں کہ) کیا یہ ممکن ہے کہ جیسا دین تم کو دیا گیا کسی اور کو دیا جائے یا یہ نئے دین والے تم سے خدا کے آگے جھگڑ سکیں کہہ دو کہ (یہ نبوت کا) فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے' وہ جس کو چاہتا ہے اس کو دیتا ہے اور اللہ کی رحمت سب پر عام ہے اور وہ اپنی مصلحتوں کو اچھی طرح جانتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے وہ بڑا فضل والا ہے۔''

﴿مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ﴾ (بقرہ : ۱۳)

''اہل کتاب میں جو منکر ہیں وہ یہ نہیں پسند کرتے اور نہ مشرکین پسند کرتے ہیں کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے کوئی بھلائی نازل ہو اور اللہ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے مخصوص کرتا ہے' اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''

اس نے یہ تعلیم دی کہ روئے زمین کی ہر آبادی میں ہر قوم میں اور ہر زبان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی راہ دکھانے والے' اس کی آواز پہنچانے والے' اور انسانوں کو ان کی غفلت سے چونکانے والے پیغمبر یا نائب پیغمبر آئے اور یہ سلسلہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت تک برابر جاری رہا۔

بعثت محمدی سے پہلے دنیا کی کل آبادی مختلف گھرانوں میں بٹی ہوئی اور ایک دوسرے سے ناآشنا تھی' ہندوستان کے رشیوں اور نبیوں نے آریہ ورت سے باہر کی دنیا کو خدا کی آواز سننے کا کبھی مستحق نہ سمجھا تھا۔ ان کے نزدیک پرمیشور صرف آریہ ورت کی ہدایت اور رہنمائی کا خواہاں تھا زردشت نے پاک نژادان ایران کے سوا سب کو یزدان کے جلوۂ نورانی سے محروم یقین کیا تھا' بنی اسرائیل اپنے خانوادہ کے سوا کہیں اور کسی نبی یا رسول کی بعثت کا تصور بھی نہیں کر سکتے' عیسائی صرف اپنے کو خدا کو فرزندی کا مستحق سمجھتے تھے' لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے آ کر بتایا کہ خدا کی ہدایت اور رہنمائی کے ظہور کے لیے کسی ملک' قوم اور زبان کی تخصیص نہیں' اس کی نگاہ میں عرب و عجم' شام و ہند سب برابر ہیں' محمد رسول اللہ ﷺ کی ہمہ بین آنکھوں نے پورب پچھم' اتر دکھن ہر ملک اور ہر قوم میں خدا کا نور دیکھا اور ہر زبان میں اس کی آواز سنی۔

﴿وَ لِکُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلٌ﴾ (یونس:۵)

''اور ہر قوم کے لیے ایک رسول ہے۔''

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا﴾ (نحل:۵)

''اور یقیناً ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا۔''

﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِھِمْ﴾ (روم : ۵)

''اور ہم نے تجھ سے پہلے کتنے رسول ان کی اپنی اپنی قوم میں بھیجے۔''

Marfat.com

﴿وَ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (رعد : ۱)
''اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما آیا۔''

﴿وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾ (فاطر : ۳)
''اور کوئی قوم نہیں جس میں ایک ہشیار کرنے والا نہ آیا ہو۔''

﴿وَ كَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ
''اور ہم نے پہلی قوموں میں کتنے پیغمبر بھیجے

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾ (ابراهيم : ۱)
اور ہم نے ہر پیغمبر کو اس کی قوم کی بولی میں بھیجا' تا کہ وہ ان کو بتا سکے۔''

اس آخری آیت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول کی یہ تعلیم الٰہی تشریح و بیان کے لیے مامور ہے۔

ایک یہودی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی اور کو پیغمبر ماننا ضروری نہیں ایک عیسائی تمام دوسرے پیغمبروں کا انکار کر کے بھی عیسائی رہ سکتا ہے' ایک ہندو تمام دنیا کو ملیچھ' شودر اور چنڈال کہہ کر بھی پکا ہندو رہ سکتا ہے ایک زردشتی تمام عالم کو بحر ظلمات کہہ کر بھی نورانی ہو سکتا ہے اور وہ ابراہیمؑ اور موسیٰ علیہ السلام علیہم السلام کو نعوذ باللہ جھوٹا کہہ کر بھی دین داری کا دعویٰ کر سکتا ہے' لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ ناممکن کر دیا ہے کہ کوئی ان کی پیروی کا دعویٰ کر کے ان سے پہلے کے کسی پیغمبر کا انکار کر سکے' آنحضرت ﷺ تہجد میں جو دعا پڑھتے تھے اس میں ایک فقرہ یہ بھی ہوتا تھا۔ ﴿والنبيون حق ومحمد حق﴾ سب نبی برحق تھے اور محمد بھی برحق ہے'[1] غرض کوئی شخص اس وقت تک محمدی نہیں ہو سکتا جب تک وہ پہلے موسوی' عیسوی' اور سلیمانی و داؤدی نہ بن لے اور کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا' جب تک وہ دنیا کے تمام پیغمبروں کی یکساں صداقت' حقانیت' راست بازی اور معصومیت کا اقرار نہ کرے اور یہ یقین نہ کرے کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے عرب کی طرح ہر قوم کو اپنی ہدایت اور راہنمائی سے سرفراز کیا ہے اور ان کا ماننا ایسا ہی ضروری ہے جیسا خدا کا ماننا۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (نساء : ۲۱)

''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانیں گے اور بعض کو نہیں مانیں گے اور چاہتے ہیں کہ اس کے بیچ بیچ میں کوئی راستہ نکالیں' وہی تو حقیقت میں کافر ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے اہانت والا عذاب تیار کر رکھا ہے' اور جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کیا تو وہی لوگ ہیں جن کی مزدوری خدا ان کو دے گا اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے۔''

﴿وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ﴾ (بقره :
''اور فرشتوں پر کتاب پر اور سب نبیوں پر ایمان لانا

(۱) صحیح بخاری باب التہجد۔

Marfat.com

"(۲۲) نیکی ہے۔"

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا﴾ (نساء : ۲۰)

"اور جس نے خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور قیامت کا انکار کیا وہ نہایت سخت گمراہ ہوا۔"

بقرہ کے خاتمہ میں ہے۔

﴿كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ (بقرہ : ۴۰)

"ہر ایک خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا ہم خدا کے رسولوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔"

﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ (بقرہ : ۲۶ : آل عمران : ۹)

"ہم ان پیغمبروں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔"

پیغمبروں میں تفریق کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ان میں سے بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں' اسلام نے اس کی ممانعت کی اور عام حکم دیا کہ دنیا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو یکساں خدا کا رسول صادق اور راست باز تسلیم کیا جائے۔

یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ جھوٹا اور کاذب سمجھتے' اور ان پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے تھے' اور اب بھی ان کا یہی عقیدہ ہے' یہودیت اور اسلام میں جو اشتراک ہے' وہ مسیحیت سے زیادہ ہے' اس لیے اگر اسلام کی راہ میں حضرت مسیحؑ کا نام نہ آئے تو بہت سے یہود مسلمان ہونے کو تیار ہو جائیں' مگر اسلام نے کبھی یہ ننگ گوارا نہیں کیا' اور جب تک کسی یہودی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت' معصومیت اور تقدس کا اقرار نہیں لے لیا' اس کو اپنے دائرہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی' چنانچہ خود آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بہت سے یہود آپ کی رسالت' اور شریعت پر ایمان لانے کو تیار تھے' مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھے آنحضرت ﷺ نے ان کی دوستی کے عظیم الشان فائدوں سے محروم رہنا گوارا کیا۔ مگر مسیح علیہ السلام کی سچائی سے ان کا محروم رہنا قبول نہ فرمایا' [1] اور ان سے صاف کہا۔

﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ (مائدہ : ۹)

"اے یہود! کیا بیر ہے تم کو ہم سے' مگر یہی کہ ہم خدا پر' اور جو ہماری طرف اتارا گیا اور جو پہلے اتارا گیا اس پر ایمان رکھتے ہیں اور تم میں اکثر بے حکم ہیں۔"

خود قریش کا یہ حال تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام سے چڑتے تھے' تاہم ان کی خاطر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت' تقدس اور معصومیت کا انکار نہیں کیا گیا' قرآن نے کہا۔

﴿وَ لَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ "اور جب مریمؑ کے بیٹے کی کہاوت بیان کی گئی تو تیری قوم

(۱) تفسیر ابن جریر طبری جلد ہشتم ص ۱۶۷ مصر۔

Marfat.com

نہٗ یَصِدُّوْنَ وَ قَالُوْٓا ءَ اٰلِھَتُنَا خَیْرٌ اَمْ ھُوَ مَا ضَرَبُوْہُ لَکَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ ھُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ نْ ھُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْہِ﴾ (زخرف : ۶)

اس سے چلانے لگتی ہے اور بولی کہ ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ یہ نام جو وہ تجھ پر دھرتے ہیں صرف جھگڑنے کو بلکہ وہ جھگڑالو ہیں وہ ایک بندہ ہے جس پر ہم نے فضل کیا۔''

قریش کو معلوم تھا کہ اسلام عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کو بندہ اور رسول مانتا ہے' خدا نہیں' باوجود اس کے عیسائیوں کی طرح مسلمانوں پر بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام پرستی کا الزام دھرتے تھے قرآن نے ان کے اس بے معنی اعتراض کی تردید کی۔

اسلام میں پیغمبروں کی کوئی تعداد محدود نہیں ہے طبرانی کی ایک ضعیف روایت میں ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث ہوئے دوسری روایت میں اس سے کم تعداد بھی مروی ہے قرآن پاک میں نام کے ساتھ صرف انہی انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے جن سے عرب مانوس تھے' یا ان کے ہمسایہ یہود و نصاریٰ کے صحیفوں میں جن کے تذکرے تھے قرآن میں بعض ایسے انبیاء بھی مذکور ہیں جن سے صرف عرب واقف تھے اور یہود و نصاری بے خبر تھے' مثلاً حضرت ہودؑ اور حضرت شعیبؑ' بعض ایسے بھی ہیں جن کو یہود و نصاریٰ جانتے تو تھے' لیکن پیغمبر نہیں تسلیم کرتے تھے' مثلاً حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ وحی محمدی نے ان سب کو پیغمبر تسلیم کیا' اور ان کی صداقت و عظمت کا اقرار کیا۔

اسی سلسلہ میں ایک اور واقعیت کی طرف بھی اشارہ کر دینا مناسب ہے' اسلام سے پہلے نبوت' رسالت اور پیغمبری کی کوئی خاص واضح اور غیر مشتبہ حقیقت دنیا کے سامنے نہ تھی' یہود کے ہاں نبوت کے معنی صرف پیشین گوئی کے تھے اور نبی پیشین گو کو کہتے تھے' اور جس کے متعلق وہ یقین رکھتے تھے کہ اس کی دعا یا بددعا فوراً قبول ہو جاتی ہے'[1] اسی لیے حضرت ابراہیمؑ' حضرت لوطؑ' حضرت اسحاقؑ' حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی نبوت اور رسالت کا محض دھندلا سا خاکہ ان کے ہاں موجود ہے' بلکہ حضرت ابراہیمؑ کے مقابلہ میں شام کے کاہن مالک کی پیغمبرانہ شان ان کے نزدیک زیادہ نمایاں معلوم ہوتی ہے'[2] حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کی حیثیت ان کے ہاں صرف بادشاہ کی ہے' اور ان کے زمانہ کے پیشین گوئی کرنے والے پیغمبر اور ہیں' یہی سبب ہے کہ یہود کے قصوں اور کتابوں میں اسرائیلی پیغمبروں کی طرف نہایت خفیف باتیں بے تامل منسوب کی گئی ہیں' عیسائیوں کے ہاں بھی رسالت اور نبوت کی کوئی واضح حقیقت نہیں بیان کی گئی ہے' ورنہ یہ نہ کہا جاتا کہ مجھ سے پہلے جو آئے وہ چور اور ڈاکو تھے۔[3] موجودہ انجیلوں میں نہ خدا کے رسولوں کی تعریف ہے' نہ ان کے تذکرے ہیں' نہ ان کی سچائی اور صداقت کی گواہی ہے' حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام جن کے تذکرے انجیل میں ہیں' وہ بھی پیغمبرانہ شان کے ساتھ ان کے ہاں مسلم نہیں' لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے آ کر اس جلیل القدر منصب کی حقیقت ظاہر کی' اس کے فرائض بتائے اس کی خصوصیات کا اظہار کیا اور ان سب پر ایمان لانے کو نجات کا ضروری ذریعہ قرار دیا' آپؐ نے بتایا کہ نبوت و رسالت خاص خاص انسانوں کو

(۱) دیکھو توراۃ صحیفہ تکوین باب ۲۰' ۷۔

(۲) تکوین ۱۴' ۱۸۔

(۳) انجیل۔

Marfat.com

خدا کا بخشا ہوا ایک منصب ہے، جس کو دے کر وہ دنیا میں اس غرض سے بھیجے گئے کہ وہ خدا کے احکام لوگوں کو بتائیں اور سچائی اور نیکی کا راستہ ان کو دکھائیں، وہ ہادی (رہنما) نذیر (ہشیار کرنے والے) داعی (خدا کی طرف سے بلانے والے) مبشر (خوش خبری سنانے والے) معلم (سکھانے والے) مبلغ (خدا کے احکام پہنچانے والے) اور نور (روشنی) تھے، خدا ان سے ہم کلام ہوتا تھا، اپنی باتوں سے ان کو مطلع کرتا تھا، اور وہ ان سے دوسرے انسانوں کو آگاہ کرتے تھے، وہ گناہوں سے پاک اور برائیوں سے محفوظ تھے، وہ خدا کے نیک اور مقبول بندے تھے، اور اپنے عہد کے سب سے بہتر انسان تھے، ان کے سب کام خدا کے لیے تھے اور خدا ان کے لیے تھا، یہ ہستیاں اپنے فرائض کو انجام دینے کے لیے ہر قوم میں پیدا ہوئیں جنہوں نے ان کو مانا، نجات پائی، اور جنہوں نے جھٹلایا، ہلاک و برباد ہوئے، قرآن پاک نے ان کی زندگی کے سوانح، ان کی تبلیغ کی روداد، ان کے اخلاق کی بلند مثالیں، اور ان کی خدا پرستی کا اخلاص اس طرح بیان کیا ہے کہ ان کے پڑھنے اور سننے سے ان کی پیروی کا جذبہ، ان کے اتباع کا شوق اور ان کی صداقت کا یقین دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی اس نے شان نبوت کے خلاف جو غلط باتیں دوسرے صحیفوں میں ان کی طرف منسوب تھیں، ان کو چھوڑ دیا ہے، اور یا ان کی تردید کر دی ہے۔

الغرض نبوت اور رسالت کی سب سے اہم خصوصیت اسلام نے جو یہ قرار دی کہ نبی و رسول گناہوں سے پاک اور برائیوں سے محفوظ اور معصوم ہوتے ہیں، بنی اسرائیل کو نبوت اور رسالت کے اس بلند تخیل کی ہوا بھی نہیں لگی تھی، اس لیے انہوں نے نہایت بیباکی سے اپنے پیغمبروں کی طرف ہر قسم کے گناہ منسوب کر دیئے عیسائی ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو معصوم کہتے ہیں باقی سب کی گنہگاری کے قائل ہیں لیکن اسلام نے دنیا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کی عظمت کی ایک ہی سطح قائم کی ہے، اس کے نزدیک گناہوں سے پاکی اور عصمت تمام انبیاء اور مرسلین کا مشترک وصف ہے کیونکہ گنہگار، گنہگاروں کی رہنمائی کا مستحق نہیں، اور اندھا اندھے کو راہ نہیں دکھا سکتا، اس بنا پر محمد رسول اللہ ﷺ کی وحی و تعلیم نے خدا کے تمام معصوم رسولوں کی عظمت و جلالت دنیا میں قائم کی اور جن کور باطنوں نے ان کی عصمت و بیگناہی کے دامن پر اپنے وہم و نادانی سے داغ لگائے تھے ان کو دھو کر پاک و صاف کیا، اور یہ رسالت محمدی کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔

خود انجیل کے طرز سے ظاہر تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام احکام عشرہ کے برخلاف اپنی ماں کی عزت نہیں کرتے تھے، قرآن نے اس کی تردید کی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے کہلوایا۔

﴿وَ بَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا﴾ (مریم : ۲)

''اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرنے والا، اور مجھ کو خدا نے جبار اور بدبخت نہیں بنایا۔''

کیونکہ احکام عشرہ کے مطابق ماں باپ کا ادب نہ کرنا بدبختی تھی، اسی طرح موجودہ انجیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ نماز روزہ کی پروا نہیں کرتے تھے، قرآن نے ان کی زبان سے کہلوایا۔

﴿وَ مَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا

''اور مریم بنت عمران جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی اور اس نے اپنے

Marfat.com

وَ کُتُبِہٖ وَ کَانَتْ مِنَ الْقَانِتِیْنَ﴾ (تحریم : ۲)

پروردگار کی باتوں اور اس کی کتابوں کو سچ جانا اور وہ بندگی کرنے والوں میں تھی۔''

یہود حضرت سلیمانؑ کو گنڈہ' تعویذ اور عملیات وغیرہ کا موجد سمجھتے تھے حالانکہ سحر و جادو وغیرہ توراۃ میں شرک قرار دیا جا چکا تھا' قرآن نے علانیہ یہودیوں کے اس الزام کی تردید کی۔

﴿وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَ لٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ (بقرہ : ۱۲)

''اور سلیمان نے کفر کا کام نہیں کیا' بلکہ شیطانوں نے کیا وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔''

اسی طرح حضرت لوطؑ پر بدکاری کا جو الزام یہود لگاتے ہیں اس کی تردید کی۔

اوپر گزر چکا ہے کہ قرآن نے یا آنحضرت ﷺ نے دنیا کے تمام پیغمبروں کے نام نہیں لیے ہیں کہ صرف ناموں کی فہرست یا نامعلوم اشخاص کے نام لے لینے سے دلوں میں جوش عقیدت نہیں پیدا ہوسکتا' تاہم معلوم تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی صدائے دعوت ایک دن دنیا کے کناروں تک پہنچے گی۔ اور بہت سی غیر قومیں اور دوسرے انبیاء کی امتیں اس حلقہ میں داخل ہوں گی اور اپنے اپنے انبیاء کا نام و نشان صحیفہ محمدی میں تلاش کریں گی اس لیے ایک جامع آیت میں تمام انبیاء کا تذکرہ کر دیا گیا اور ان کی صداقت کی پہچان بتا دی گئی فرمایا۔

﴿اِنَّاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ كَمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ عِيْسٰى وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (نساء : ۲۳)

''ہم نے (اے محمد) تمہارے پاس وحی بھیجی جس طرح نوحؑ اور ان کے بعد کے پیغمبروں کے پاس بھیجی' اور ہم نے ابراہیم کو اور اسماعیل کو اور اسحاق کو اور یعقوب کو اور ان کے خاندان کو اور عیسیٰ کو اور ایوب اور یونس کو اور ہارون کو اور سلیمان کو وحی بھیجی اور داؤد کو زبور عطا کی اور دوسرے رسولوں کو بھیجا جن کا حال تم سے ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور ان رسولوں کو جن کا حال ہم نے تم سے بیان نہیں کیا' اور خدا نے موسیٰ سے بات کی اور ان رسولوں کو خوش خبری سنانے والا اور ہشیار کرنے والا بنا کر بھیجا تاکہ لوگوں کو رسولوں کے آجانے کے بعد خدا کے آگے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے اور خدا غالب و دانا ہے۔''

انبیاء کے متعلق یہی حقیقت سورۂ مومن میں دوبارہ بیان کی گئی ہے۔

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾ (مومن : ۸)

''اور ہم نے یقیناً تم سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے ان میں کچھ وہ ہیں جن کا حال تم سے بیان کیا ہے اور کچھ وہ ہیں جن کا حال تم سے بیان نہیں کیا۔''

تعلیم محمدی کے اصول کے مطابق یہ یقین کرنا ضروری ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی قوموں اور ملکوں جیسے چین'

Marfat.com

ایران اور ہندوستان میں بھی آنحضرت ﷺ سے پہلے خدا کے انبیاء مبعوث ہو چکے ہیں' اور اس لیے یہ تمام قومیں اپنے جن بزرگوں کی عزت وعظمت کرتی ہیں اور اپنے دین و مذہب کو جن کی طرف منسوب کرتی ہیں ان کی صداقت اور راستبازی کا قطعی انکار کوئی مسلمان نہیں کرسکتا' اسی بناء پر بعض علماء نے ہندوستان کے کرشن اور رام [1] کو بلکہ ایران کے زردشت [2] کو بھی اور بعض صاحبوں نے تو بودھ تک کو پیغمبر کہا ہے' بہر حال امکان میں تو شک ہی نہیں' لیکن یقین کے ساتھ ان ناموں کی تعیین بھی حد سے تجاوز کرنا ہے' اصل یہ ہے کہ قرآن نے انبیاء کی دو قسمیں کی ہیں' ایک وہ جن کے ناموں کی اس نے تصریح کی ہے اور دوسرے وہ جن کے نام اس نے بیان نہیں کیے ہیں' اس لیے صحیح یہ ہے کہ جن انبیاء کے نام مذکور ہیں' تمام مسلمانوں کو ان پر نام بنام ایمان لانا چاہیے اور جن کے نام مذکور نہیں' ان کی نسبت صرف اجمالی ایمان کافی ہے کہ ان قوموں میں خدا کے فرستادہ اور پیغمبر آئے تھے' گو بہ تخصیص ان کے نام نہیں معلوم ہیں' قومیں جن کا نام لیتی ہیں' اگر ان کی زندگی اور ان کی تعلیم نبوت اور رسالت کی شان کے مطابق ہیں' تو ان کی نبوت اور رسالت کی طرف رجحان اور میلان بلکہ قرینہ غالب ہوسکتا ہے' لیکن یقین اس لیے نہیں کیا جاسکتا کہ ہمارے پاس ان باتوں پر یقین کرنے کا ذریعہ صرف وحی ہے اور وہ اس تخصیص وتعیین سے خاموش ہے۔

اس قسم کے انبیاء کے نام گو قرآن میں مذکور نہیں' مگر وہ آنحضرت ﷺ کے پہلے گزر چکے ہیں اور ان کے پیرو ان کو اپنے ہاں نبوت ورسالت کا درجہ دیتے ہیں' ان کی شناخت اور پہچان کا ایک اصول قرآن نے مقرر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی تعلیم دی ہے۔

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ (نحل : ۵) ''اور ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی پرستش کرو اور جھوٹے معبود سے بچے رہو۔''

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ (انبیاء : ۲) ''اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں بھیجا لیکن اس کو یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں مجھی کو پوجو۔''

اس لیے وہ تمام قدیم رہبران انسانی اور رہنمایان عالم جو دنیا میں کسی مذہب کو لائے اور جن کی تبلیغ وتعلیم توحید کی دعوت اور بت پرستی سے اجتناب تھی اور جن کی زندگی اس تعلیم کے شایان شان تھی' ان کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنی قوم کے اور اپنے وقت کے رسول اور پیغمبر نہ تھے کہ اتنی بڑی بڑی قومیں خود قرآن کے اصول کے مطابق انبیاء اور رسولوں کے وجود سے خالی نہیں رہ سکتی تھیں' اسی بنا پر اسلام کی ان تلقینات میں سے جن کے تسلیم کیے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا' ایک یہ بھی ہے کہ وہ تمام ملکوں کے پیغمبروں اور تمام قوموں کے رسولوں کو جو حضرت خاتم النبیین ﷺ کے زمانہ سے پہلے پیدا ہوئے یکساں صداقت کے ساتھ تسلیم کرے' ان سب نے تمام دنیا کو ایک ہی تعلیم دی ہے اور وہ توحید ہے' البتہ ان انبیاء میں سے ایک کو دوسرے پر بعض بعض حیثیتوں سے ترجیح ہے۔

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ''ان رسولوں میں سے ہم نے کسی کو کسی پر فضیلت

(۱) کلمات طیبات حضرت شاہ مرزا مظہر جان جاناں۔

(۲) ملل ونحل ابن حزم۔

Marfat.com

﴿مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ (بقرہ : ۳۴)

ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام کیا اور کسی کے بہت درجے بڑھائے اور ہم نے عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کو نشانیاں دیں۔ اور پاکی کی روح سے اس کی تائید کی۔''

آپ نے دوسرے انبیاء کی جائز تعظیم و تکریم یہاں تک کی ہے کہ ان کے مقابلہ میں کبھی کبھی اپنی ہستی بھی فراموش کر دی ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی نے آپ کو یا خیر البریہ۔ اے بہترین خلق کہہ کر خطاب کیا فرمایا وہ تو ابراہیم تھے [(۱)] ایک دفعہ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ سب سے عالی خاندان کون تھا' فرمایا یوسفؑ پیغمبر بن پیغمبر بن پیغمبر بن خلیل اللہ' [(۲)] ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک یہودی مدینہ میں کہہ رہا تھا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو بشر پر فضیلت دی' ایک مسلمان یہ کھڑے سن رہے تھے' ان کو غصہ آ گیا کہ ہمارے پیغمبر کی موجودگی میں تم یہ کہہ رہے ہو' اور اس کو ایک تھپڑ کھینچ مارا' اس نے دربار نبوی میں جا کر شکایت کی آپ نے ان صحابی کو بلا بھیجا' اور مقدمہ کی رو داد سن کر نہایت برہم ہو کر فرمایا کہ پیغمبروں میں باہم ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو' [(۳)] یعنی ایسی فضیلت جس سے کسی دوسرے نبی کی تنقیص ہوتی ہو۔

یہی وہ تعلیمات محمدی ہیں' جن کے ذریعہ سے دنیا میں وحدت مذاہب' روحانی مساوات' انسانی اخوت اور تمام انبیاء اور پیغمبروں کے ادب و احترام کے جذبات پیدا ہوئے' بنی اسرائیل کے وہ پیغمبر جن کو ماننے والے تمام دنیا میں چند لاکھ سے زیادہ نہ تھے' محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے ان کی عظمت و جلالت اور ادب و احترام کرنے والے چالیس کروڑ سے زیادہ ہو گئے' وہ حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو چھ سو برس تک یہودیوں کی جھوٹی تہمت سہتے رہے محمد رسول اللہ ﷺ نے آ کر دفعۃً اس کو مٹا دیا' اور ان کی پاکی کی گواہی دی' جس کی بدولت آج چالیس کروڑ زبانیں ان کی عصمت کی شہادت دے رہی ہیں' ہندوستان ایران' چین جن کے سچے رہنماؤں کا ان کے ملک سے باہر کوئی ادب و احترام نہ تھا' جہاں جہاں مسلمان گئے ان کے جائز ادب و احترام کو اپنے ساتھ لیتے گئے۔

وہ عرب جو پیغمبروں کے ناموں تک سے ناواقف تھے' جو نبوت و رسالت کے خصائص کے علم سے محروم تھے جو انبیاء اور رسولوں کی سیرتوں سے ناآشنا تھے جو ان کے ادب و احترام اور تصدیق و اعتراف سے بیگانہ تھے جن کو اپنے دیوتاؤں کے سامنے عیسیٰ علیہ السلام بن مریم پر تحقیرانہ ہنسی آتی تھی' [(۴)] اور جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کا ذکر سن کر اپنے غصہ کو ضبط نہیں کر سکتے تھے [(۵)] محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے ان کا یہ حال ہوا کہ وہ ایک ایک پیغمبر کے نام و نشان اور تاریخ و سیرت سے واقف ہو گئے اور زبر کا ان کے ناموں پر اپنی اولادوں کے نام رکھنے لگے اور جو آج بھی تمام مسلمانوں میں شائع اور ذائع ہیں' انہوں نے پیغمبروں کی صداقت اور سچائی کی گواہی دی' ان کے ادب و احترام کو اپنے سینوں میں جگہ دی' ان کی تعظیم و تکریم کو اپنے دین و ایمان کا جزو بنا لیا' دنیا کی کسی قوم میں یہ رواج نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے نام ادب سے لیے جائیں' مگر ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ جب کسی پیغمبر کا نام لے تو ادب سے لے اور ان پر درود و سلام پڑھے۔

(۱) مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۱۵۳۔ (۲) صحیح بخاری کتاب انبیاء مناقب حضرت یوسف علیہ السلام ص ۴۷۹۔
(۳) صحیح بخاری مناقب حضرت موسیٰ علیہ السلام ص ۴۸۵۔ (۴) قرآن پاک سورۂ زخرف رکوع ۶۔
(۵) صحیح بخاری مناقب حضرت موسیٰ علیہ السلام

Marfat.com

کتب الٰہی پر ایمان

﴿وَ کُتُبِہٖ﴾

ایک مسلمان کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کے صحیفۂ وحی پر ایمان لائے! ہر چند یہ عقیدہ گزشتہ عقیدۂ رسالت کا لازمی نتیجہ ہے یعنی رسول کو رسول مان لینا' اس کی تعلیمات اور وحی کو مان لینے کے مترادف ہے' تاہم یہ تصریح اس لیے کی گئی' تاکہ پوری طرح صاف اور واضح ہو جائے کہ رسول کو رسول مان لینے کے بعد اس کے صحیفۂ وحی کو مان کر اس کی تعلیمات پر عمل کرنا ضروری ہے' سورۂ بقرہ کے شروع ہی میں سچے مومنوں کی تعریف میں کہا گیا ہے۔

﴿وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ﴾ (بقرہ : ۱) ''اور جو اس (کتاب یا وحی) پر ایمان رکھتے ہیں جو تجھ پر (اے محمد) اتاری گئی۔''

کتاب الٰہی پر ایمان لانے سے مقصود' ان تمام صداقتوں اور حکموں کو بجان و دل قبول کرنا ہے جو اس میں مذکور ہیں' یہ گویا پوری شریعت مطہرہ کو قبول کر لینے کا مختصر ترین طریقہ تعبیر ہے اور اس لیے ایمانیات کی بہت سی دوسری باتیں جن کی تفصیل ہر موقع پر ضروری نہیں' اس ایک فقرہ کے تحت میں آ جاتی ہیں' قرآن پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ قرآن میں علمی و عملی عقائد و عبادات و احکام مذکور ہیں ان سب کو بے کم و کاست ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اگر کوئی سرے سے ان کو تسلیم ہی نہیں کرتا تو ان کی تعمیل و پیروی کا اس سے کیونکر مطالبہ کیا جا سکتا ہے' اسی بناء پر اس کی تشریح آنحضرت ﷺ نے کبھی ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ ﴿بما جئت بہ﴾ جو کچھ میں لے کر آیا اس پر ایمان لاؤ قرآن نے کہا۔

﴿وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ﴾ (محمد : ۱) ''اور ایمان لائے اس پر جو محمد پر اتارا گیا۔''

لیکن قرآن اگر اتنا ہی کہتا کہ میرے پیرو صرف مجھ پر ایمان لائیں تو یہ کوئی اہم بات نہ ہوتی کہ ہر صاحب مذہب کی یہی تعلیم ہوتی ہے' قرآن نے عقائد کی اس دفعہ میں بھی اپنے تکمیلی پہلو کو پیش نظر رکھا ہے' اور یہ ضروری قرار دیا ہے کہ اہل قرآن قرآن کے ساتھ ہی دوسری آسمانی کتابوں کی صداقت کو بھی تسلیم کریں یعنی کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا' جب تک صحیفہ محمدی کے ساتھ دوسرے پیغمبروں کے صحیفوں کو بھی منجانب اللہ تسلیم نہ کرے چنانچہ سورۂ بقرہ کے شروع اولیٰ مذکورہ بالا آیت کے ساتھ یہ بھی فرمایا۔

﴿وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ﴾ (بقرہ : ۱) ''اور جو ایمان لائے اس پر جو تجھ سے پہلے اترا۔''

پھر اسی سورت کے آخر میں فرمایا۔

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ﴾ ''رسول ایمان لایا' اس پر جو خدا کی طرف سے اس پر اترا اور اہل ایمان بھی ہر ایک خدا پر اس کے فرشتوں پر

Marfat.com

(بقرہ: ۴۰) اور اس کی کتابوں پر ایمان لایا۔"

بقرہ کی آیتوں میں بعض انبیاء علیہم السلام کا تفصیلی درجہ اور بقیہ تمام انبیاء کا اجمالی ذکر کر کے ان کی کتابوں اور وحیوں کی تصدیق کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ (بقرہ: ۱۶)

("اے مسلمانو! تم کہو کہ ہم خدا پر اور جو کچھ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور خاندان یعقوب کی طرف اتارا گیا' اس پر اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اس پر اور جو کچھ اور سب پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا' ہم ان سب پر ایمان لائے۔"

آل عمران میں کسی قدر تفصیل ہے۔

﴿قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ (بقرہ: ۱۶)

"کہہ کہ ہم خدا پر اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا' اس پر اور جو کچھ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور خاندان یعقوب پر اتارا گیا' اس پر اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا' اس پر اور دوسرے سب پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے جو کچھ دیا گیا' اس پر ہم ایمان لائے۔"

سورۂ نساء میں اس پر ایمان لانے کے حکم کے ساتھ ساتھ اس کے انکار کو کفر بھی قرار دیا گیا ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾ (نساء: ۲۰)

"اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو' ایمان لاؤ خدا پر' اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری اور جس نے خدا کا اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا انکار کیا وہ نہایت سخت گمراہ ہوا۔"

سورۂ مومن میں ان منکروں کو عذاب کی بھی دھمکی دی گئی ہے جو کسی پیغمبر کے پیغام کی تکذیب کریں۔

﴿اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَ بِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُ يُسْحَبُوْنَ﴾ (مؤمن: ۸)

"جن لوگوں نے کتاب کو اور جو پیغام دے کر ہم نے اپنے پیغمبروں کو بھیجا' اس کو جھٹلایا وہ عنقریب جانیں گے' جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی' وہ گھسٹتے جائیں گے۔"

نام کی تخصیص کے ساتھ قرآن پاک میں چار آسمانی کتابوں کا ذکر ہے' توراۃ جس کو ایک جگہ صحف موسیٰ بھی کہا گیا ہے) اعلیٰ: ۱) اور حضرت داؤد کی زبور اور حضرت عیسیٰ کی انجیل اور خود قرآن' ان کے علاوہ ایک موقع پر صحف ابراہیم کا بھی تذکرہ ہے۔

Marfat.com

﴿اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى﴾ (اعلیٰ) ''یہ باتیں گزشتہ صحیفوں میں بھی ہیں، ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔''

ان کے ماسوا اجمال کے ساتھ دو موقعوں پر گزشتہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے الفاظ ہیں۔

﴿اَوَ لَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَافِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى﴾ (طٰه : ۸) ''کیا اگلے صحیفوں میں جو کچھ ہے اس کی گواہی ان کو نہیں پہنچی۔''

﴿وَ اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ﴾ (شعراء : ۱۱) ''اور بے شبہ یہ پہلوں کی کتابوں میں مذکور ہے۔''

اس بناء پر انبیاءؑ کی طرح ان کتابوں پر بھی ہر مسلمان کا تفصیلی اور اجمالی ایمان ہے جن کتابوں کے نام مذکور ہیں۔ ان پر ناموں کے ساتھ اور جن کے نام مذکور نہیں، ان پر بالاجمال ایمان ضروری ہے کسی قوم میں اگر کوئی آسمانی کتاب ہے جس کا وجود قرآن سے پہلے ہے، لیکن اس کا تصریحی نام قرآن میں مذکور نہیں ہے، اور اس میں توحید الٰہی کی دعوت اور طاغوت سے بچنے کی نصیحت بھی ہے تو اگرچہ ہم اس کو بتصریح خدا کی کتاب تسلیم نہیں کر سکتے۔ تاہم بالتصریح اس کا انکار بھی نہیں کر سکتے، اسی بناء پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب یہی حال دوسری مشکوک کتابوں کا ہے۔ (۱)

یہود توراۃ کے سوا کچھ نہیں مانتے عیسائی توراۃ کے احکام نہیں مانتے، لیکن اس کی اخلاقی نصیحتوں کو قبول کرتے ہیں، تاہم انجیل سے پہلے کی دوسری زبانوں اور ملکوں کی آسمانی کتابوں کی نسبت مسلمانوں کی طرح ادب اور احتیاط کا پہلو بھی اختیار نہیں کرتے، پارسی اوستا کے باہر خدا کے کلام ہونے کا شبہ بھی نہیں کر سکتے اور برہمن ویدوں کے باہر خدا کے فیضان کا تصور بھی نہیں کر سکتے، لیکن قرآن پر ایمان لانے والا مجبور ہے، کہ صحیفہ ابراہیم توراۃ زبور اور انجیل کو خدا کی کتابیں یقین کرے اور دوسری اگلی آسمانی کتابوں کو جن میں آسمانی تعلیمات کی خصوصیتیں پائی جاتی ہوں تکذیب نہ کرے کہ ان کا کتب الٰہی ہونا ممکن ہے۔

حقیقت میں اسلام کی یہ تعلیم دنیا کی مہتم بالشان تعلیمات میں سے ہے جس کا وجود کسی دوسرے مذہب میں نہ تھا یہ رواداری بے تعصبی اور عام انسانی اخوت کی سب سے بڑی تعلیم ہے یہودی اپنی کتاب کو چھوڑ کر تمام دوسری آسمانی کتابوں سے انکار کر کے بھی نجات کا منتظر رہ سکتا ہے، عیسائی تورات اور تمام دوسرے صحیفوں کا انکار کر کے بھی آسمانی بادشاہی کا متوقع ہو سکتا ہے، پارسی اوستا کے سوا دوسری ربانی کتابوں کو باطل مان کر بھی مینو جنت کا استحقاق پیدا کر سکتا ہے۔ ہندو اپنے ویدوں کے سوا دنیا کی تمام آسمانی کتابوں کو دجل و فریب مان کر بھی آواگون سے نجات حاصل کر سکتا ہے بودھ مت والے اپنے سوا تمام دنیا کی وحیوں کا انکار کر کے بھی نروان کا درجہ حاصل کر سکتے ہیں مگر مسلمان جب تک قرآن کے ساتھ تمام دنیا کی آسمانی کتابوں کو منجانب اللہ نہ تسلیم کرے، جنت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

یہ تعلیم صرف نظریہ کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ عملاً اس پر اسلامی حکومت کے قوانین اور احکام مبنی ہیں، یہودیوں کی نظر میں صرف دو ہی قومیں ہیں، بنی اسرائیل اور غیر بنی اسرائیل یا اسرائیل کا گھرانہ اور غیر قومیں یا مختون اور غیر مختون

(۱) صحیح بخاری التوحید و حدیث الافک و تفسیر سورۂ بقرہ۔

Marfat.com

اوران ہی دونوں تقسیموں پران کے قانون کی بنیاد ہے عیسائیوں میں مذہبی حیثیت سے مسیحی یہوداور بت پرست گو تین قومیں مانی جاتی ہیں مگر چونکہ ان کے مذہب میں قانون نہیں ہے اس لیے وہ اکثر امور میں رومن لاء کے پیرو رہے ہیں لیکن رومن عیسائیوں میں بھی ملکی حیثیت سے دو ہی تقسیمیں ہیں رومی اور غیر رومی ایک رومی ملک میں غیر رومی کا کوئی حق نہیں کہ رومی حکومت کے لیے اور غیر رومی غلامی کے لیے پیدا ہوا ہے پارسیوں میں نژادان ایران اور بیرونی لوگ دنیا کی دو ہی حیثیتیں ہیں ہندوؤں میں اونچی ذاتیں اور اچھوت قوموں کی دو ہی صورتیں ہیں۔

مگر اسلام کے گزشتہ عقیدہ کی بنا پر آنحضرت ﷺ نے قانونی حیثیت سے دنیا کی قوموں کو چار طبقوں میں تقسیم فرمایا اور ان کے علیحدہ علیحدہ حقوق قرار دیے جن پر اسلام کی تیرہ صدیوں میں برابر عمل ہوتا رہا یہ تقسیمیں حسب ذیل ہیں۔

ا: مسلمان:

جو قرآن اور دوسری آسمانی کتابوں کو کتاب الٰہی یقین کرتے ہیں ان میں سے ہر ایک دوسرے کا بھائی اور ہر اچھائی اور برائی میں ایک دوسرے کا شریک ہے وہ آپس میں ایک دوسرے سے شادی بیاہ کر سکتے ہیں اور ایک دوسرے کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور کھا سکتے ہیں اسلام کی سلطنت میں ان کے حقوق یکساں ہیں۔

۲: اہل کتاب:

یعنی ان کتابوں کے پیرو جن کے نام قرآن میں مذکور ہیں یا یوں کہو کہ جو قرآن کو گو آسمانی کتاب نہیں مانتے مگر ان کتابوں میں سے جن کے نام قرآن میں مذکور ہیں کسی کو وہ آسمانی کتاب مانتے ہیں وہ اپنی حفاظت کا مالی ٹیکس (جزیہ) ادا کر کے اسلامی حکومتوں کے حدود میں رہ سکتے ہیں ان کے معابد اور مذہبی عمارتیں محفوظ رہتی ہیں ان کو اپنے مذہب پر مجبور نہیں کیا جاتا ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کے مسلمان محافظ ہوتے ہیں ان کی عورتوں سے مسلمان نکاح کر سکتے ہیں اور ان کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور کھا سکتے ہیں ان کا جائز کھانا وہ کھا سکتے ہیں اور وہ اپنا کھانا ان کو کھلا سکتے ہیں۔

۳: شبہ اہل الکتاب:

یعنی وہ لوگ جو قرآن اور توراۃ و انجیل و زبور کو نہیں مانتے مگر وہ خود ان کے علاوہ کسی آسمانی کتاب پر ایمان لانے کے مدعی ہیں جیسے صابی جو ایک آسمانی کتاب رکھنے کے دعویٰ کے باوجود ستاروں کو پوجتے تھے اور مجوس یعنی پارسی جو ایک آسمانی کتاب رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ساتھ ہی سورج آگ اور دیگر مظاہر قدرت کی پرستش کرتے ہیں ترکستان اور سندھ کی فتح کے موقع پر علمائے اسلام نے انہی پر قیاس کر کے ہندوؤں اور بودھوں وغیرہ کو بھی اس صنف میں داخل کیا مسلمان ان کی عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے اور ان کا ذبیحہ نہیں کھا سکتے ان دو باتوں کے علاوہ اہل کتاب کے بقیہ تمام حقوق آنحضرت ﷺ نے ان کو عطا کیے ہیں وہ اسلامی حکومتوں میں ادائے جزیہ کے بعد ہر قسم کے ملکی حقوق میں شریک ہیں ان کی جان و مال و آبرو اور ان کے معبدوں کی حفاظت اسلامی حکومتوں کا فرض ہے۔

Marfat.com

۴: کفار و مشرکین:

یعنی وہ لوگ جن کے پاس نہ کوئی آسمانی کتاب ہے اور نہ وہ کسی دین الٰہی کی طرف منسوب ہیں۔ ان کو چند شرائط کے ساتھ امن دیا جا سکتا ہے' لیکن حقوق حاصل کرنے کے لیے ان سے کہا جائے گا کہ وہ کسی نہ کسی آسمانی دین کے اندر اپنے کو داخل کر لیں' جیسا کے عباسیوں کے ابتدائی زمانہ میں حرانی عراقیوں نے اپنے کو صابیوں میں داخل کر کے اپنے لیے حقوق حاصل کیے تھے۔

اس تفصیل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم نے دنیا میں امن و امان اور مسلمانوں میں مذہبی رواداری کے پیدا کرنے میں کتنا عظیم الشان حصہ لیا ہے' یہی وہ نظریہ تھا جس نے مسلمانوں کو اپنے مذہبی عقائد و شریعت کی سخت پیروی کے باوجود دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ مشارکت اور میل جول کے لیے آمادہ کیا اور مجوسیوں صابیوں' یہودیوں عیسائیوں اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر مختلف ملکوں میں ان ملکوں کے مناسب مختلف تمدنوں کی بنیاد رکھنے کی ان میں قوت پیدا کی۔

وحدۃ الادیان:

تمام رسولوں اور ان کے صحیفوں کی تصدیق کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم یہ ہو کہ آدمؑ سے لے کر محمد علیہ السلام تک جتنے سچے مذاہب خدا کی طرف سے آئے وہ سب ایک تھے' چنانچہ درحقیقت آپ کی یہی تعلیم تھی اسلام اسی ایک مذہب کا نام ہے جو آدمؑ سے محمد رسول ﷺ تک باری باری پیغمبروں کے ذریعہ سے آتا رہا اور انسانوں کو اس کی تعلیم دی جاتی رہی۔

صحیفہ محمدی نے ہمارے سامنے دو لفظ پیش کیے ہیں' ایک دین اور دوسرا شرعہ' منسک اور منہاج شرعہ اور منہاج کے معنی راستہ کے ہیں' اور منسک کے طریق عبادت کے ہیں' دنیا میں یہ راز سب سے پہلے محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب پاک پر منکشف ہوا کہ دین الٰہی ہمیشہ سے ایک تھا' ایک رہا اور ایک رہے گا نور معرفت ایک ہے خواہ وہ کتنی ہی مختلف شکل و رنگ کی قندیلوں میں روشن ہو' اصل دین میں تمام پیغمبروں کی تعلیم یکساں تھی' ایک ہی دین تھا جس کو لے کر اول سے آخر تک تمام انبیاء آتے رہے اس میں زمان و مکان کے تغیر کو کوئی دخل نہ تھا اور نہ قوم و ملک کے اختلاف سے اس میں کوئی اختلاف پیدا ہوا وہ ہر زمانہ اور ہر مقام میں یکساں آیا' اور وہاں کے ہر پیغمبر نے اس کی یکساں تعلیم دی۔

یہ دائمی حقیقت اور یکساں تعلیم کیا ہے' یہ مذہب کے اصل اصول ہیں' یعنی خدا کی ہستی' اس کی توحید' اس کے صفات کاملہ انبیاء اور مرسلین کی بعثت' خدا کی خالص عبادت' حقوق انسانی' اخلاق فاضلہ' اچھے اور برے اعمال کی باز پرس اور جزا و سزا' یہ تمام مذاہب کے وہ بنیادی امور ہیں' جن پر جملہ مذاہب حقہ کا اتفاق ہے' اگر ان میں کسی جہت سے کوئی اختلاف ہے' تو طریقہ تعبیر کی غلطی ہے اور یا باہر سے آ کر اس تعلیم میں کوئی نقص شامل ہو گیا ہے۔

دوسری چیز جس کو آنحضرت ﷺ کی زبان وحی ترجمان نے شرعہ منہاج اور منسک کہا ہے' وہ جزئیات احکام اور متفقہ مقصد کے حصول کے جدا جدا راستے ہیں جو ہر قوم و مذہب کی زمانی و مکانی خصوصیات کے سبب سے بدلتے رہتے

Marfat.com

ہیں، مثلاً عبادت الٰہی ہر مذہب کا جزو لازم ہے، لیکن طریق عبادت میں تھوڑا تھوڑا اختلاف ہر مذہب میں موجود ہے، عبادت کے لیے کوئی خاص سمت ہر مذہب نے مقرر کی ہے، مگر وہ سمت خاص خاص مصلحتوں کے لحاظ سے مختلف مقرر کی ہے، اسی طرح اعمال قبیحہ کا انسداد تمام مذاہب کا متفقہ نصب العین ہے مگر اس انسداد کے راستے اور طریقے جدا جدا ہیں، غرض یہ راستے اور طریقے مختلف پیغمبروں کے زمانے میں اگر اصلاح اور تبدیل کے قابل پائے گئے، تو بدلتے رہے، مگر اصل دین جو ازلی سچائی اور ابدی صداقت ہے، نا قابل تبدیل اور نا قابل تغیر رہا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا دنیا میں وقتاً فوقتاً ظہور اسی ضرورت سے ہوتا رہا کہ وہ اس ازلی ابدی صداقت کو ہمیشہ اہل دنیا کے سامنے پیش کرتے رہیں، اور دین کو اس کے اصل مرکز پر ہمیشہ قائم رکھیں اور ساتھ ہی اپنی اپنی قوم و ملک اور زمانہ کے حالات کے مطابق خاص احکام اور جزئیات جو قوم کے مناسب حال ہوں وہ اس کو بتائیں اور سکھائیں۔

انبیاءؑ کے سوانح پر نظر کرنے سے اس کی پوری تصدیق ہوتی ہے کہ ایک صاحب شریعت نبی کے بعد دوسرا صاحب شریعت نبی اسی وقت مبعوث ہوا ہے جب کہ اگلا صحیفہ وحی جو دین و شریعت کا محافظ تھا، کھو گیا، یا انسانی دست برد سے ایسا بدل گیا کہ اس کی اصلیت مشتبہ ہو گئی، صحیفہ ابراہیم کے گم ہو جانے کے بعد جس کا نہایت ناقص خلاصہ توراۃ کے سفر تکوین میں ہے، صحیفہ موسیٰ نازل ہوا، صحیفہ موسیٰ کے نو پیدا اختلاف کو دور کرنے کے لیے زبور وغیرہ مختلف صحیفے آتے رہے، پھر انجیل آئی، اور انجیل میں انسانی تصرفات کے راہ پانے کے بعد قرآن آیا، چونکہ قرآن دنیا کے آخر تک کے لیے آیا ہے، اس لیے ہر تحریف اور انسانی تصرف سے اس کی حفاظت کی گئی ہے، اور قیامت تک کی جائے گی اس لیے اس کے بعد کسی اور صحیفہ کی ضرورت نہیں اور نہ کسی پیغمبر کی بعثت کی حاجت ہے، البتہ اس کے معانی کی صحیح تشریح اور بدعات واحداثات کے انسداد کے لیے ائمہ خلفاء مجددین، محدثین اور علمائے راسخین پیدا ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے اور ان کی اصلاح کی صداقت کی پہچان سنت نبوی کا احیاء اور بدعات کا قلع قمع ہے۔

اب ہم کو پھر اوپر سے چلنا ہے، اور اپنے ایک ایک دعویٰ کو وحی محمدی کی روشنی میں دیکھنا ہے۔

وحدت دین کی حقیقت کو وحی اسلامی کے آخری ترجمان نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ

"اس نے دین میں تمہارے لیے وہی راہ مقرر کی جو نوح سے کہی تھی اور ہم نے تیرے پاس جو حکم بھیجا اور جو کہہ دیا ہم نے ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ سے یہ کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو مشرکوں کو جدھر تو بلاتا ہے وہ ان پر گراں گزرتا ہے اور خدا اپنی طرف جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور اپنی طرف اس کو راہ دیتا ہے جو (اس کی طرف) رجوع ہوتا ہے اور یہ تفرقے لوگوں نے وحی کا علم (حقیقی) ملنے کے بعد آپس کی ضد اور تعصب سے پیدا کیے ہیں اور اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات وقت مقررہ تک کے لیے نہ ہو چکی ہوتی تو (کشف حقیقت کر کے) ان کے اختلافات کا

Marfat.com

رَبِّکَ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی لَّقُضِیَ بَیْنَهُمْ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ فَلِذٰلِکَ فَادْعُ وَ اسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ کِتٰبٍ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّکُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَکُمْ اَعْمَالُکُمْ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ﴾ (شوریٰ : ۲)

فیصلہ کر دیا جاتا اور جن کو ان اگلوں کے بعد کتاب وراثت میں ملی وہ اس امر حق کی طرف سے ایسے شک میں ہیں جو ان کو چین نہیں لینے دیتا' سو تو سب کو اسی حقیقت کی طرف بلا اور اسی پر استواری سے قائم رہ جیسا کہ تجھ کو حکم دیا گیا ہے اور ان تفرقہ اندازوں کی غلط خواہشوں کی پیروی نہ کر' اور کہہ کہ میں ایمان لایا ہر اس کتاب پر جو خدا نے اتاری اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہارے بیچ میں انصاف کروں ہمارا رب اور تمہارا رب وہی ایک اللہ ہے ہم کو ہمارے کاموں کا بدلہ ملے گا اور تم کو تمہارے کاموں کا ہم میں تم میں کچھ جھگڑا نہیں اللہ سب کو اکٹھا کرے گا اور اسی کی طرف پھر جانا ہے۔''

ان آیات مبارکہ میں کس خوبی کے ساتھ اس حقیقت کے چہرہ سے پردہ اٹھایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہی ایک دین ہے جو نوحؑ کو ابراہیم کو موسیٰ علیہ السلام کو اور تم کو اے محمد (صلوٰت اللہ علیہم) عطا کیا گیا ہے' اگلوں کے بعد پچھلوں نے جن کو یہ کتاب ملی اپنے ذہنی تحریفات اور ذہنی تصرفات سے اس میں تفرقے پیدا کیے اور آپس کی ضد اور تعصبات سے فرقہ داری کی الگ الگ راہیں نکالیں' پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اس وحدت دین کی حقیقت کا یقین اہل کتاب کو نہیں ہے' حالانکہ وہ شکوک وشبہات کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں پھر حکم ہوتا ہے کہ اے محمد رسول اللہ ﷺ تم اس حقیقت کی طرف لوگوں کو بلاؤ اور استواری کے ساتھ اپنی اس دعوت اور دعویٰ پر قائم رہو اور یہ اعلان کر دو کہ میرا مسلک یہ ہے کہ خدا کی طرف سے جو کتاب بھی دنیا میں آئی ہے میں اس کی صداقت کو تسلیم کرتا ہوں اور تم سے اہل کتاب جو مختلف فرقوں اور مذہبوں میں بٹ گئے ہیں تمہارے ساتھ انصاف کروں یعنی جس میں جو سچائی ہے اس کو قبول کروں' یا معاملات میں تمہارے ساتھ عدل وانصاف کروں' پھر فرمایا ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے دو نہیں اگر اتحاد چاہو تو اس لفظ پر ہم تم متحد ہو سکتے ہیں' البتہ ہمارے اور تمہارے راستوں میں جو اختلاف ہے' اس کے ذمہ دار ہم تم خود ہیں' نہ تم ہمارے کاموں کے جواب دہ ہو اور نہ ہم تمہارے کاموں کے۔ اب ہمارے تمہارے درمیان یہاں کوئی جھگڑا نہیں۔

اسی وحدت کی دعوت محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان وحی نے ایک اور آیت میں دی ہے۔

﴿یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ (آل عمران: ۷)

''اے کتاب والو! آؤ ہم تم ایک بات پر جو ہمارے تمہارے درمیان یکساں ہے متفق ہو جائیں' وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں' اور نہ کسی کو اس کا شریک بنائیں اور نہ آپس میں ایک خدا کو چھوڑ کر رب بنائیں اگر وہ اس کو قبول نہ کریں تو کہہ دے کہ تم گواہ رہو کہ ہم حکم الٰہی کے تابع (مسلم) ہیں۔''

Marfat.com

یہود و نصاریٰ جنہوں نے اپنی فرقہ داریوں سے اصل دین میں تحریفیں پیدا کر دی تھیں ان کی طرف اشارہ کر کے محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَ کَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُھُمْ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ یُنَبِّئُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ﴾ (انعام : ۲۰)

''بے شک وہ جنہوں نے اپنے دین میں الگ الگ راہیں نکالیں اور کئی فرقے ہو گئے تجھ کو ان سے کوئی واسطہ نہیں ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے وہ ان کو جتا دے گا جو وہ کرتے تھے۔''

پھر دونوں کو اس کے بعد ہی اصل ''دین قیم'' کی جو ابراہیمؑ کا تھا' دعوت دی گئی۔

﴿قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ﴾ (انعام : ۲۰)

''کہہ دے کہ میرے خدا نے اس سیدھی راہ کی طرف میری رہنمائی کی جو دین صحیح ہے ابراہیم حنیف کا مذہب اور وہ (ابراہیم) مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

غرض اسلام وہ ''دین قیم'' ہے جو ہمیشہ انبیاء کا دین رہا' اور موجودہ دین اسلام یہود و نصاریٰ کی تحریفات و تصرفات اور فرقہ پروریوں کو مٹا کر اسی ایک متحدہ دین کی پکار ہے جس کی طرف تمام انبیاء اپنے اپنے زمانوں میں ہمیشہ لوگوں کو بلاتے رہے' اسی لیے اکثر انبیاء علیہم السلام کے ناموں کو گنانے کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ کو ہدایت فرمائی گئی۔

﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ﴾ (انعام : ۱۰)

''یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی' سو تو انہی کی راہ پر چل۔''

بعض اسلامی حدود و شرائع کی تشریح کے بعد فرمایا گیا۔

﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَ یَھْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ﴾ (نساء : ۵)

''خدا چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے بیان کرے اور تم کو ان کے راستے دکھائے جو تم سے پہلے تھے۔''

اس کے بعد معلوم ہوا کہ اسلام اپنے حدود و شرائع میں بھی اگلے پیغمبروں کی تعلیمات کے ساتھ اتحاد رکھتا ہے اور یہ امر واقعہ ہے جو لوگ قرآن کا اس لیے انکار کرتے ہیں کہ یہ کوئی الگ صحیفہ ہے ان سے کہا گیا۔

﴿اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰھِیْمَ وَ مُوْسٰی﴾ (اعلیٰ : ۱)

''بے شبہ یہ بات اگلے صحیفوں میں بھی تھی یعنی ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔''

ایک اور آیت میں کہا گیا۔

﴿وَ اِنَّہٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ﴾ (شعراء : ۵)

''اور یہی پہلے پیغمبروں کی کتابوں میں تھا۔''

ایک مقام پر یہ فرمایا گیا۔

﴿مَا یُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِکَ﴾ (حٰم السجدہ : ۵)

(''اے محمد) تجھ سے (اس کتاب) میں وہی کہا گیا ہے جو تجھ سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا۔''

Marfat.com

اس اعلان میں یہ ظاہر کر دیا گیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے وہی کہا گیا جو اگلے پیغمبروں سے کہا جا چکا تھا ان معنوں میں قرآن کوئی نئی دعوت لے کر نہیں آیا ہے' بلکہ یہ اسی پرانی دعوت کی تکرار ہے جس کی آواز دنیا سے گم ہو چکی تھی یا دب گئی تھی اگر فرق ہے تو اجمال و تفصیل یا نقص و تکمیل کا کہ اسلام گزشتہ اجمال کی تفصیل اور دین سابق کی تکمیل ہے۔

اس لیے اسلام یہ ہے کہ اس پر یقین کیا جائے کہ وحی کے آغاز سے آخر تک ایک ہی پیغام تھا جو آتا رہا' ایک ہی دین تھا جو سکھایا جاتا رہا' اور ایک ہی حقیقت تھی جو دہرائی جاتی رہی لیکن وہ بار بار انسانوں کے نسیان و تغافل اور تصرف و تحریف سے بدلتی اور گم ہوتی رہی اور آخری دفعہ دنیا کے کمال بلوغ کے زمانہ میں وہ پوری حفاظت کے وعدہ کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے مفصل اور کامل ہو کر نازل ہوئی اور قیامت تک محفوظ و باقی رہے گی۔

دوسری چیز جس کی مذہب میں ثانوی حیثیت ہے' اور جو اصل مقصد نہیں ذریعہ ہے' وہ بدلتی رہتی ہے۔ اور عہد محمدی تک برابر بدلتی رہی ہے اس کا نام شرعہ' منہاج اور منسک ہے' یہودیوں کو آنحضرت ﷺ پر اعتراض تھا کہ آپ یہودی شریعت کے جزئیات میں کیوں تبدیلی کرتے ہیں قرآن نے اس کے جواب میں یہی ہمیشہ کہا کہ یہ مقصود نہیں ذرائع ہیں' اصول نہیں فروع ہیں' ہر قوم کی مناسبت سے ان میں تغیر ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا اس کی ایک مثال قبلہ ہے کہ مقصود اصلی نماز ہے اور سمت کا تعین ایک فرعی اور ثانوی چیز ہے' بنی اسرائیل کو اپنی آبائی مسجد (بیت المقدس) سے گرویدگی تھی' وہ ان کا قبلہ ہوئی ابراہیمی عربوں کو اپنی مرکزی مسجد (کعبہ) سے وہی وابستگی اور لگاؤ تھا' اس لیے یہ ان کا قبلہ بنی' چنانچہ قرآن نے تعیین قبلہ کے موقع پر کہا۔

﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ (بقرہ: ۱۸)	''اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے' جدھر وہ منہ کرتا ہے' سو تم نیکیوں کی طرف سبقت کرو۔''

یعنی سمتوں اور جہتوں کی تعیین کو اہمیت کی چیز نہ سمجھو بلکہ نیکیوں کو اصلی اہمیت دو' اس لیے فرمایا۔

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ﴾ (بقرہ: ۲۲)	''نیکی یہی نہیں ہے کہ تم پورب یا پچھم کی طرف رخ کرو بلکہ نیکی یہ ہے کہ جو ایمان لائے (اور دوسرے نیک کام کرے)۔''

اسی طرح خانہ کعبہ کا حج یہودیوں میں نہ تھا' اسلام نے جب اس کو رائج کیا تو کہا ہر گروہ نے اپنے عام مذہبی اجتماع اور قومی عبادت کے لیے کوئی نہ کوئی طریقہ مقرر کیا ہے اور اسلام نے خانہ کعبہ کے حج کو اس لیے تجویز کیا ہے۔

﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِى الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ وَ اِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (حج: ۹)	''ہر قوم کے لیے ہم نے عبادت کا طریقہ بنایا جس کی اس قوم کے لوگ مذہبا پابندی کرتے ہیں سو اس بات میں وہ تجھ سے جھگڑا نہ کریں' تو اپنے رب کی طرف بلائے جا تو بے شک سوجھ کی سیدھی راہ پر ہے' اور اگر وہ تجھ سے جھگڑنے لگیں تو کہہ دے کہ اللہ بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔''

Marfat.com

سورۂ مائدہ میں عدل وانصاف اور قانونی جزا وسزا کے طریقوں کے ضمن میں ان یہودیوں اور عیسائیوں سے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا، یہی کہا گیا کہ وہ اپنی اپنی کتابوں ہی کے احکام پر عمل کریں جن کو وہ چھوڑ بیٹھے ہیں۔

پہلے یہودیوں سے کہا۔

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰۃَ فِیْھَا ھُدًی وَّ نُوْرٌ یَحْکُمُ بِھَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ ھَادُوْا وَ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللّٰہِ وَ کَانُوْا عَلَیْہِ شُھَدَآءَ﴾ (مائدہ : ۷)

''ہم نے توراۃ اتاری، اس میں ہدایت اور روشنی تھی پیغمبر جو حکم بردار تھے اور یہود کا فیصلہ کرتے اور ان کے عالم اور فقیہ کہ اللہ کی کتاب پر وہ نگہبان تھے اور وہ تھے اس پر خبردار۔''

پھر عیسائی شریعت کی نسبت کہا۔

﴿وَقَفَّیْنَا عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَ اٰتَیْنٰہُ الْاِنْجِیْلَ فِیْہِ ھُدًی وَّ نُوْرٌ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَ ھُدًی وَّ مَوْعِظَۃً لِّلْمُتَّقِیْنَ وَ لْیَحْکُمْ اَھْلُ الْاِنْجِیْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فِیْہِ﴾

''اور ہم نے ان پیغمبروں کے پیچھے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا سچ بتاتا ہوا اس کو جو اس کے پہلے تھے، یعنی تورات اور ہم نے اس کو انجیل دی، اس میں ہدایت اور روشنی (ہے) اور تصدیق کرتی ہوئی اپنے سے پہلے کی یعنی توراۃ کی اور ہدایت اور نصیحت پرہیزگاروں کے لیے، اور چاہیے کہ انجیل والے اس کا حکم دیں جو اس میں خدا نے اتارا۔''

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے کہا۔

﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ الْکِتٰبِ وَ مُھَیْمِنًا عَلَیْہِ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الْحَقِّ﴾ (مائدہ : ۷)

''اور ہم نے تیری طرف یہ کتاب سچائی کے ساتھ اتاری جو اپنے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور امانت کے ساتھ اس پر شامل ہے، سو تو ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کر جو خدا نے اتارا اور تیرے پاس جو سچائی آئی ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر۔''

دیکھو کس خوبی کے ساتھ صحیفہ محمدی نے اگلی کتابوں کی تصدیق اور مدح وتعریف کی اور ان اہل مذاہب کو جو اسلام پر ایمان نہیں لائے، اپنی اپنی کتب منزلہ پر عمل کرنے کی دعوت دی اور پھر یہ دعویٰ کیا کہ قرآن تمام گزشتہ کتابوں پر امین ومحافظ بن کر آیا ہے اور اس میں ان سب کتابوں کی سچائیاں یکجا ہیں لیکن ان لوگوں نے اپنی اپنی کتابوں کو چھوڑ کر اہواء (غلط خواہشوں) کی پیروی شروع کر دی، یہ اہواء کیا ہیں، کتاب الٰہی میں تحریف وتصرف کر کے آسانیاں پیدا کرنا اور احکام الٰہی کے مقابلہ میں انسانی اجتہادات کی آمیزش ﴿فویل للذین یکتبون الکتب بایدیھم ثم یقولون ھٰذا من عند اللہ﴾ افسوس ہے ان پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب بناتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے (بقرۃ:۹) آنحضرت ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ شریعت الٰہی کو چھوڑ کر ان اہل کتاب کی اہواء کی پیروی نہ کریں اس کے بعد حدود و جزاء وسزا میں ان خفیف اختلافات اور تبدیلیوں کو جو تورات، انجیل اور قرآن میں ہیں غیر

Marfat.com

اہم بتایا گیا' فرمایا۔

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا﴾ (مائدہ : ۷) ''ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور ایک راستہ بنا دیا۔''

انہی اختلافات کی بناء پر یہود اور نصاریٰ دونوں ایک دوسرے کو برسر باطل کہتے تھے۔

﴿وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ﴾ (بقرہ : ۱۴) ''اور یہود نے کہا نصاریٰ کسی راہ پر نہیں اور نصاریٰ نے کہا یہود کسی راہ پر نہیں حالانکہ وہ دونوں خدا کی کتاب پڑھتے ہیں۔''

دونوں مل کر مسلمانوں سے کہتے تھے۔

﴿وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا﴾ (بقرہ : ۱۴) ''اور انہوں نے کہا کہ یہودی یا نصرانی بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔''

ارشاد ہوا کہ تم دونوں اپنے اپنے الگ الگ راستوں کو چھوڑ کر آؤ اور اصل دین ابراہیمی پر متفق ہو جاؤ۔

﴿قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ﴾ (بقرہ : ۱۶) ''کہہ بلکہ ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جو موحد تھا' مشرک نہ تھا' تم لوگ کہو کہ ہم خدا پر اور جو کچھ ہماری طرف اترا' اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اتارا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا' اور جو سب نبیوں کو ان کے خدا کی طرف سے دیا گیا سب پر ایمان لائے' ہم ان رسولوں میں فرق نہیں کرتے اور ہم اس ایک خدا کے تابع ہیں تو اگر یہ بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو انہوں نے ہدایت پائی اور اگر روگردانی کریں تو وہی ہیں ضد اور مخالفت پر۔''

یہود اور نصاریٰ کو یہ دعویٰ تھا۔

﴿لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى﴾ (بقرہ : ۱۳) ''یہود و نصاریٰ کے سوا کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا۔''

جواب دیا گیا۔

﴿تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ﴾ (بقرہ: ۱۳) ''یہ ان کی باطل آرزوئیں ہیں۔''

بلکہ ﴿بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (بقرہ : ۱۳) ''ہاں جس نے بھی اپنے کو خدا کا مطیع بنایا اور وہ نیکوکار ہے تو اس کی مزدوری اس کے خدا کے پاس ہے نہ ان کو خوف ہوگا اور نہ غم۔''

Marfat.com

تمام اہل مذاہب کو یکساں خطاب کر کے فرمایا۔

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ النَّصَارٰى وَ الصَّابِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (بقرہ : ۸)

''بے شک جو ایمان لائے (یعنی مسلمان) جو یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئی' جو بھی خدا پر اور آخری دن پر ایمان لایا اور نیک عمل کیا تو ان کی مزدوری ان کے پروردگار کے پاس ہے نہ ان پر خوف ہوگا' نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

اب جو ایمان لائے یعنی مسلمان اور جو یہودی ہے' اور نصاریٰ اور صابئین ان میں سے جو بھی اپنے اپنے دور نبوت میں خدا کی توحید پر' روز آخر کی صداقت پر ایمان لایا' اور اچھے عمل کیے' ان کو اپنے کام کا پورا ثواب ملے گا' یعنی جس نے بھی اپنے اپنے پیغمبر کی اصلی تعلیم اور سچی شریعت کے مطابق جو شرک و کفر اور بت پرستی سے یقیناً پاک تھی' عمل کیا' اس کو اس کا ثواب ملے گا۔ خدا کی توحید اور روز آخر کی صداقت پر ایمان لانا اور اچھے کام کرنا صرف عقل کی ہدایت سے نہیں ہوسکتا' بلکہ کسی رسول کی تعلیم ہی سے ہوسکتا ہے اور اس پر تمام اہل مذاہب کا اتفاق ہے' اس لیے رسالت کی تصدیق بھی اس کے ضمن میں داخل ہے کہ۔

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَّ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (نساء : ۲۱)

''بے شک جو اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں جدائی کریں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی کو مانتے ہیں اور کسی کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ وہ اس میں درمیان کا راستہ اختیار کریں' وہی حقیقی کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے اہانت کرنے والا عذاب تیار کیا ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی کا بھی انکار نہیں کیا' یہ وہ ہیں جن کو ان کی مزدوریاں خدا دے گا اور خدا بخشنے والا' رحم کرنے والا ہے۔''

دوسری آیت میں ہے۔

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ (نور : ۹)

''مومن وہی ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔''

اس بناء پر ان آیتوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں' ایک یہ کہ قبول عمل کے لیے ایمان شرط ہے' دوسری یہ کہ ایمان وعمل کے علم کے لیے نبی کی تصدیق ضروری ہے' اسی لیے اوپر جن چار فرقوں کا ذکر ہوا وہ چاروں وہ ہیں جو کسی نہ کسی پیغمبر کے ماننے والے ہیں اس بنا پر کامل اسلام یہ ہے کہ تمام رسولوں کو صادق مانا جائے' چنانچہ اس کی تفصیل سورہ مائدہ میں ہے۔

Marfat.com

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِئُوْنَ وَ النَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (مائدہ : ۱۰)

''کہہ دے اے کتاب والو! تم کچھ نہیں جب تک تم توراۃ اور انجیل کو اور جو کچھ تمہاری طرف اتارا گیا' اس کو قائم نہ کرو' اور (اے پیغمبر) جو تیری طرف اترا ہے' وہ ان کی سرکشی اور انکار کو اور بڑھائے گا تو ان منکروں کا غم نہ کرو' اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو مسلمان ہوئے اور جو یہودی ہوئے' اور صابی اور عیسائی جو خدا پر اور روز قیامت پر ایمان لایا' اور اچھے کام کیے تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

اس کے بعد ہی اس کا ذکر ہے کہ یہودیوں نے ہمیشہ رسولوں کا انکار کیا اور نصاریٰ توحید کو چھوڑ کر تثلیث اور الوہیت مسیح میں مبتلا ہو گئے' اس لیے اصل اسلام سے یہ دونوں ہٹ گئے ہیں' فرمایا۔

﴿لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَ فَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ و حَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَ صَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَ صَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ قَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَّ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَ اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (مائدہ : ۱)

''بے شک ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف کئی رسول بھیجے' جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول ان کی نفسانی خواہشوں کے خلاف احکام لے کر آیا' تو انہوں نے کتنوں کو جھٹلایا اور کتنوں کا خون کرنے لگے اور خیال کیا کہ اس سے کچھ خرابی نہ ہوگی' سو اندھے ہو گئے اور بہرے' پھر خدا ان پر رجوع ہوا' پھر ان میں بہتیرے اندھے اور بہرے ہو گئے' اور اللہ دیکھتا ہے وہ جو کرتے ہیں بے شبہ وہ کافر ہوئے' جنہوں نے یہ کہا کہ مریم کا بیٹا مسیح ہی اللہ ہے' مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ کو پوجو جو میرا اور تمہارا رب ہے' بے شک جو اللہ کا شریک بنائے گا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی' اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور گنہگاروں کی کوئی مدد کرنے والا نہیں' بے شبہ وہ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں تیسرا ہے حالانکہ کوئی اللہ نہیں مگر وہی ایک گروہ اپنے ہی قول سے باز نہ آئے تو ان میں سے کافروں کو یقیناً دردناک عذاب چھوئے گا۔''

یہ تو ان یہود و نصاریٰ کے ''ایمان'' کا حال تھا' اس کے بعد اسی رکوع میں ان کے حسن عمل کا جائزہ لیا گیا ہے اور اس کے بعد ہی ان سے کہا گیا ہے۔

﴿وَ لَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِیِّ وَ مَآ اُنْزِلَ

''اور اگر اللہ اور اس نبی پر اور جو اس نبی پر اترا اس پر

Marfat.com

اِلَیْهِ مَااتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَ لٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ (مائدہ : ۱۱)

لوگ ایمان لے آتے تو ان (مشرکوں کو) وہ اپنا دوست نہ بناتے لیکن ان میں اکثر نافرمان ہیں۔''

اسلام یعنی تمام نبیوں اور رسولوں کے واحد اور مشترک دین کا اصل الاصول دو باتیں ہیں' توحید کامل اور رسالت عمومی یعنی اللہ تعالیٰ کو توحید کی تمام صفتوں میں کامل بلاشریک ماننا اور اس کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو یکساں صادق اور راست باز تسلیم کرنا چنانچہ فرمایا۔

﴿اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَ لَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (آل عمران : ۹)

''کیا وہ دین الٰہی کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں حالانکہ جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ خوشی سے یا مجبوراً خدا کا مسلم یعنی فرمان بردار ہے اور اسی کی طرف سب لوٹائے جائیں گے (اے پیغمبر) کہہ کہ ہم اللہ پر اور اس نے جو ہم پر اتارا اور جو ابراہیم پر اسماعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور ان کی اولادوں پر اترا' اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور سب پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے ملا ہم سب کی صداقت کو تسلیم کرتے ہیں ہم ان میں سے کسی میں کوئی فرق نہیں کرتے ہم اسی خدا کے مسلم یعنی فرمان بردار ہیں' اور جو اسلام کے سوا اور کوئی دین چاہے گا تو وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں سے ہوگا۔''

اس آیت سے ظاہر ہے کہ خدا پر اور تمام رسولوں پر ایمان لانا دین اللہ ہے' اور اسی کا نام اسلام ہے جس نے اس اصول کو قبول نہیں کیا وہ آخرت میں نقصان اٹھائے گا' آل عمران میں ہے کہ یہود و نصاریٰ تاویلات باطلہ اور اتباع متشابہات کی وجہ سے گمراہ ہو گئے' یعنی دین اسلام سے روگرداں ہو کر اختلافات میں پڑ گئے' فرمایا۔

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَ مَنِ اتَّبَعَنِ﴾ (آل عمران : ۲)

''بے شک دین خدا کے نزدیک اسلام ہے اور جن کو کتاب دی گئی' انہوں نے علم آنے کے بعد اس میں آپس کی ضد کے سبب سے اختلاف کیا اور جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرے گا تو اللہ جلد حساب لینے والا ہے تو اگر (اے پیغمبر) یہ تجھ سے پھر کج بحثی کریں تو کہہ دے کہ میں نے اور میرے پیرووں نے تو اپنے کو خدا کا تابع فرمان (مسلم) کر دیا ہے۔''

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے سوال کریں کہ وہ اسلام کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔؟

﴿وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّيّٖنَ

''اور اے پیغمبر ان سے جن کو کتاب دی گئی اور عرب

Marfat.com

ءَ اَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ (آل عمران : ۲)

کے جاہلوں سے کہہ دے کہ کیا تم نے بھی اسلام قبول کیا؟ اگر کیا تو انہوں نے سیدھی راہ پائی اور اگر انکار کیا تو تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھتا ہے۔''

یہود و نصاریٰ کو اس اسلام کے قبول کرنے پر ہدایت نامہ ملنے کی بشارت ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اسلام ''ہدایت نامہ'' ہے یہی دین ہے جس کو یہود و نصاریٰ اور تمام اہل مذاہب نے جو کسی گزشتہ پیغمبر کی امت ہوں کھو دیا تھا اور اب جس کو محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے دوبارہ دنیا میں پیش کیا گیا ہے اس لیے جو ہدایت ان قوموں کے پاس تھی وہ ناقص تھی اور اسلام جس کو لے کر آیا وہ کامل ہے نیز یہ معلوم ہوا کہ جن آیتوں میں یہ کہا گیا ہے کہ اب جو ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور نصرانی اور صابی جو بھی خدا اور یوم آخر پر ایمان لایا اور اس نے نیک کام کیا اس کو خوف و غم نہ ہوگا۔ ان میں خدا پر ایمان لانے سے مقصود توحید کامل ہے اور اس کا یہ منشا نہیں کہ یہود و نصاریٰ اور صابی وغیرہ اپنے موجودہ گمراہ عقیدوں کے باوجود نجات کے مستحق ہیں یہود و نصاریٰ کیا مسلمان بھی اس توحید کامل کے بغیر نجات کے مستحق نہیں جب تک مسلمانوں کا ایمان اور عمل صالح ٹھیک اس تعلیم کے مطابق نہ ہو جو ان کے رسول کے ذریعہ سے دنیا میں آئی ہے یہ اصول ہر ایک کے لیے ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی عیسائی ہو یا صابی غرض کسی نبی کی پیروی کا مدعی ہو۔

نبوت محمدی کا یہ دعویٰ نہیں کہ وہی ایک ہدایت ہے اور اس کے سوا سب ضلالت ہے بلکہ یہ دعویٰ ہے کہ وہی ایک کامل ہدایت ہے اور بقیہ مذاہب سابقہ موجودہ حالت میں ناقص ہیں یعنی وہ ابدی کامل ہدایت جو اپنے اپنے وقتوں میں سب نبی لے کر آتے رہے چونکہ ان کے پیرو اپنے تاویلات تحریفات تصرفات اور اختلافات سے اس کو برباد کر چکے تھے اس لیے محمد رسول اللہ ﷺ اسی کو لے کر آخری دفعہ تشریف لائے اور اب وہ ہدایت ہمیشہ کامل رہے گی کبھی ناقص نہ ہوگی کیونکہ اس کا صحیفہ ہدایت (قرآن) تحریف و اختلافات اور تصرف سے محفوظ و پاک رہے گا۔

یہی وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو نبوت محمدی کی دعوت جہاں دی گئی ہے ہدایت کی بشارت بھی سنائی گئی ہے چنانچہ اسی آیت میں جو اوپر گزری یہ ہے۔

﴿وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّيّٖنَ ءَ اَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (آل عمران : ۲)

''اے پیغمبر! ان سے جن کو کتاب دی گئی اور عرب کے جاہلوں سے کہہ کیا وہ اسلام لائے اگر اسلام لائے انہوں نے سیدھی راہ پائی۔''

سورۂ بقرہ میں ہے۔

﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا

(''اے مسلمانو'')! کہو کہ ہم اللہ پر اور جو ہماری طرف اترا اور جو ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور اسحٰق پر اور یعقوب پر اور ان کی اولاد پر اترا اور جو موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور سب پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا (سب پر) ایمان لائے ہم ان

Marfat.com

نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ﴾ (بقرہ : ۱۶)

میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے' اور ہم اسی خدا کے مسلم یعنی فرمان بردار ہیں' تو اگر یہ بھی اسی طرح مانیں جس طرح تم نے مانا تو انہوں نے سیدھی راہ پائی اور اگر وہ اس سے باز رہیں تو وہ محض ضد پر ہیں۔''

یہود و نصاریٰ اور اہل کتاب کو تعلیم محمدی کی طرف دعوت اسی ''ہدایت'' کے پانے کے لیے ہے جو اسلام یعنی انبیاءؑ کے دین ازلی سے عبارت ہے اور جس کو لے کر محمد رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے اور اب فلاح و نجات اسی کے ماننے پر منحصر ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (بقرہ : ۱)

''جو اس کو جو تیری (پیغمبر) طرف اترا اور جو تجھ سے پہلے اترا' دونوں کو مانتے ہیں اور پچھلی زندگی پر یقین رکھتے ہیں اور وہی اپنے پروردگار کی ہدایت پر ہیں اور وہی کامیاب ہیں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے بعد فرمایا کہ رحمت الٰہی گو عام ہے مگر یہ نعمت خاص طور سے ان کا حصہ ہے جو تعلیم محمدی کو قبول کریں اور وہی نجات کامل کے مستحق ہیں۔

﴿وَ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَ الْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا نِ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ

''اور میری رحمت ہر چیز کو سمائے ہے تو اس رحمت کو میں ان کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگار ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں' اور جو ہمارے حکموں کو مانتے ہیں جو اس ان پڑھ فرستادہ پیغمبر کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں جو ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے باز رکھتا ہے اور اچھی چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتا اور بری چیزوں کو حرام کرتا ہے' اور ان کے بندھن کو اور ان زنجیروں کو جو ان پر پڑی تھیں' اتارتا ہے تو جنہوں نے اس پیغمبر کو مانا اور اس کی تائید کی اور اس کی مدد کی اور اس روشنی کے پیچھے چلے جو اس کے ساتھ اتری وہی کامیاب ہیں' کہہ دے (اے پیغمبر) کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اس خدا کا رسول ہوں جس کی آسمانوں اور زمین کی شہنشاہی ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں' وہی جلاتا اور وہی مارتا ہے سو اللہ اور اس کے ان پڑھ پیغام رساں رسول پر ایمان لاؤ جو اللہ پر اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے اور

Marfat.com

تَهْتَدُوْنَ﴾ (اعراف: ۲۰) اس رسول کی پیروی کرو تا کہ تم سیدھی راہ پاؤ۔"

ان آیات میں صاف ظاہر کر دیا گیا کہ گزشتہ مذاہب کے پیروؤں کو محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا اس لیے ضروری ہے کہ وہ دین خالص جو انسانی تصرفات اور آمیزشوں سے مکدر ہو گیا تھا' وہ صحف الٰہی کی پیشین گوئیوں کے مطابق آپؐ کے ذریعہ سے پھر نکھارا گیا ہے' اور جن اضافوں اور جزئیات احکام کی سختیوں کو انسانوں نے اس میں شامل کر دیا تھا' وہ آپؐ کے ذریعہ سے دور کی گئیں نیز آپؐ عالم گیر پیغمبر بنا کر مبعوث کیے گئے ہیں اس لیے ہدایت نامۂ نبوت عمومی اور نجات کامل اور فلاح عام اب صرف وحی محمدی کے اندر محدود ہے۔

الغرض دین محمدی کو قبول کرنا اس لیے تمام انسانوں پر ضروری ہے کہ وہ دین ازلی جو ہر مذہب کا جوہر تھا اور جو اس کے پیروؤں کی تحریف و تصرف سے برباد ہو گیا تھا' اسی کو صحیفہ محمدی لے کر آیا ہے اب وہ ہمیشہ محفوظ رہے گا کیونکہ اس کا نبی خاتم النبیین اس کا دین کامل دین اور اس کا صحیفہ تمام صحف الٰہی پر مہیمن اور حاوی ہے' اور قیامت تک خدا کی طرف سے اس کی پوری حفاظت اور بقاء کا وعدہ کیا گیا ہے' یہ چاروں دعوے یعنی تکمیل دین قرآن کا مہیمن ہونا' قیامت تک اس کا محفوظ و باقی رکھنا اور ختم نبوت' حسب ذیل دلائل سے ثابت ہیں۔

تکمیل دین:

قرآن کے سوا کسی اور صحیفہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ مکمل ہے' اور اس کے ذریعہ سے دین الٰہی اپنے تمام اصول وفروع (مناسک وشرائع) کے لحاظ سے تکمیل کو پہنچ گیا' بلکہ گزشتہ مذاہب میں سے ہر ایک نے اپنے وقت میں یہی کہا کہ اس کے بعد ایک اور نبوت آئے گی جو اس کے کام کی تکمیل کرے گی' خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔

"میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا' اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا۔" (استثناء: ۱۸'۱۹)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کے بعد ان کے مانند ایک اور نبی آنے والا تھا' جس کے منہ میں اللہ تعالیٰ خود اپنا کلام ڈالے گا' اس سے ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ کی طرح ایک اور صاحب شریعت نبی خدا کے نئے کلام کے ساتھ آئے گا' اسی طرح حضرت عیسیٰ نے بھی کہا۔

"لیکن وہ فارقلیط (احمد) پاکیزگی کی روح ہے جسے باپ (خدا) میرے نام سے بھیجے گا' وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا' اور سب باتیں جو میں نے تم سے کہی ہیں' تمہیں یاد دلائے گا۔ (یوحنا ۱۴'۲۶)

اور وہ فارقلیط (احمد) آ کر دنیا کو گناہ سے راستی اور عدالت سے قصوروار ٹھہرائے گا' گناہ اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے۔ میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تم سے کہوں' پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے' لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئے گی' تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائے گی اس لیے کہ وہ اپنی نہ کہے گی' لیکن جو وہ سنے گی سو کہے گی' میری بزرگی کرے گی (یوحنا ۱۶'۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے کام کو ہنوز ناتمام ہی فرمایا' اور ایک آئندہ آنے والے کا پتہ دیا' جو اس کی تکمیل کرے گا۔

Marfat.com

آخر وہ موعود الامم (ﷺ) آیا اور دعویٰ کیا کہ میں موسیٰ کے مانند بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں سے آیا ہوں' اور میرے منہ میں خدا نے اپنی بولی ڈالی ہے اور یہ دعویٰ کیا کہ میں ہی وہ سچائی کی روح ہوں' جو مسیح کی اصلی بڑائی ظاہر کرنے' سچائی کی راہ بتانے اور مسیح کی ادھوری بات کو کامل کرنے کے لیے آئی ہے' میں اپنی نہیں کہتا بلکہ وہی کہتا ہوں' جو اوپر سے سنتا ہوں اور آخر زمانہ نبوت کے ختم پر وحی الٰہی نے اس کی زبان سے یہ اعلان عام کیا۔

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (مائدہ:۱)

''آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا' اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کا دین پسند کیا۔''

اسی تکمیل کا یہ اثر تھا کہ اس نے یہود کے بعض سخت فقہی احکام کو جو ان کی سخت گیری کے لیے ان پر عائد تھے اور اصل دین ابراہیمی میں داخل نہ تھے'[1] یا انسانوں کے اضافے اور تصرفات تھے' بدل کر ایسے مناسب اور آسان احکام عطا کیے جو ہر زمانہ کے لیے موزوں ہو سکتے ہیں' اسی لیے اس نے اپنے بعد کسی آنے والے پیغمبر کی پیشین گوئی نہیں کی نہ کسی نئے کلام کے نزول کی خبر دی نہ کسی نئی شریعت کا منتظر کیا' کہ تکمیل کے بعد اب کسی نئے آنے والے' کسی نئے کلام اور کسی نئی شریعت کا موقع کہاں؟ اور اسی بناء پر قرآن نے ہر جگہ ﴿وَ مَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ﴾ (جو محمد ﷺ سے پہلے نازل کیا گیا) پر ایمان لانے کی تاکید کی لیکن ﴿وَ مَا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِکَ﴾ کے قبول کرنے کا کہیں اشارہ تک نہیں کیا۔

قرآن مہیمن کتب ہے:

اس دین کامل کا صحیفہ تمام اگلی کتابوں کا مصدق ہے۔

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ﴾ (مائدہ : ۷)

''اپنے آگے کی کتابوں کی تصدیق کرنے والا۔''

وہ تمام اگلی کتابوں کی صداقتوں اور تعلیموں پر مشتمل ہے اس لیے جو کوئی اس صحیفہ کو قبول کرتا ہے' وہ تمام اگلی کتابوں کی صداقتوں اور تعلیموں کو قبول کر لیتا ہے' یہ حیثیت قرآن کے سوا کسی دوسرے صحیفہ کو حاصل نہیں فرمایا۔

﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ الْکِتٰبِ وَ مُھَیْمِنًا عَلَیْہِ﴾ (مائدہ : ۷)

''اور ہم نے (اے محمد) تیری طرف سچائی کے ساتھ یہ کتاب اتاری جو اپنے سے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے اس پر شاہد و حاوی ہے۔''

لفظ مہیمن کی تفسیر اہل زبان مفسروں نے یہ کی ہے۔

ابن عباسؓ' شاہد اور امین' قرآن اپنے پہلے کی ہر کتاب کا امین ہے۔

قتادہؓ' قرآن سے پہلے جو کتابیں تھیں ان کا وہ امین اور شاہد ہے۔

قرآن محفوظ ہے اور رہے گا:

پیغمبر کی تعلیم کی حفاظت اس کے صحیفہ الٰہی کی حفاظت پر موقوف ہے قرآن سے پہلے کوئی کتاب الٰہی دانستہ اور

(۱) دیکھو آیت ﴿کل الطعام کان حلاً لبنی اسرائیل الا ما حرم اسرائیل علیٰ نفسہ الآیۃ﴾ (آل عمران)

Marfat.com

نادانستہ لفظی تحریفات اور تصرفات سے پورے طور پر بری نہیں رہی لاکھوں پیغمبروں میں سے چند کے سوا کسی کا صحیفہ دنیا میں باقی نہیں اور جو باقی ہے وہ فنا ہو ہو کر نئے نئے قالب میں بدلتا رہا، توراۃ جل جل کر خاک ہوئی پھر ان سوختہ اوراق سے تحریر کی گئی، اور ترجموں کی تحریفات سے اپنی اصل کھو بیٹھی، انجیل میں تحریف و جعل تو اسی زمانہ میں شروع ہو چکا تھا پھر مترجموں کی کتر بیونت نے حقیقت بالکل مشتبہ کر دی، زردشت کا صحیفہ سکندر کے نذر ہوا اب صرف گاتھا کا ایک حصہ بچا کھچا رہ گیا ہے ان کی کتابوں کا یہ حال اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دائمی اور آخری کتابیں بنا کر نہیں بھیجا تھا، اسی بنا پر ان کی دائمی حفاظت کا وعدہ نہیں کیا گیا، لیکن قرآن کی نسبت یہ وعدہ ہوا کہ وہ ہمیشہ کے لیے باقی اور محفوظ رہے گا، اس کی بقاء اور حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی اور فرمایا اور کس وثوق سے فرمایا۔

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ﴾ (حجر : ۱) ”ہم نے اس نصیحت (کی کتاب) کو اتارا اور بے شبہ ہم ہیں اس کی حفاظت کرنے والے۔“

یہ وعدہ الٰہی ایک اور آیت میں ان الفاظ میں دہرایا گیا ہے:

﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾ (قیامہ : ۱) ”بے شک ہمارے ذمہ ہے اس (قرآن) کو سمیٹ کر رکھنا، اور اس کا پڑھنا، پھر جب ہم پڑھیں تو تو اس کے پڑھنے کے ساتھ رہ پھر بے شبہ ہم پر ہے، اس کو کھول کر بتانا۔“

اس آیت میں قرآن کی قراءت یعنی لفظ و عبارت اور بیان یعنی معنی دونوں کی ذمہ داری خدائے تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لی ہے، تیسری آیت میں اس کی تصریح ہے کہ اس حق میں باطل کی آمیزش کبھی راہ نہ پا سکے گی، فرمایا۔

﴿وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ﴾ (حم السجدہ:۵) ”اور بے شک، یہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو غالب ہے، باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ اس کے پیچھے سے اس کے پاس آئے گا، ایک حکمت والے اور خوبیوں والے کی طرف سے اترا۔“

اس کتاب کو غالب فرمایا گیا، یعنی جو اپنے ہر حریف کو اپنے دلائل کے زور سے پست کرے گی، باطل نہ اس کے سامنے سے اس میں مل سکتا ہے اور نہ پیچھے سے یعنی نہ لفظ و عبارت کی طرف سے اور نہ حقیقت و معنی کی جہت سے کیونکہ وہ ایک حکمت والے کی جانب سے عطا ہوئی ہے اس لیے ہر باطل کے عیب سے پاک رہے گی۔

یہ قرآن کا اپنا دعویٰ ہے اور ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ اس کی صداقت پر گواہ ہے۔

ختم نبوت:

مقدمات بالا کا نتیجہ گو خود یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی نبی کی، قرآن کے بعد کسی صحیفہ کی اور اسلام کے بعد کسی دین کی ضرورت نہ ہو، لیکن وحی محمدی نے ہر شک کے ازالہ کے لیے آگے بڑھ کر یہ تصریح بھی کر دی کہ اب نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا، اور اب آپؐ کے بعد کسی نبی کی حاجت نہیں، کہ دین کامل اور صحیفہ الٰہی محفوظ ہو چکا اور ہدایت ربانی کے دروازہ کے بند ہونے کا خطرہ دور ہو گیا، چنانچہ خود تاریخ انسانی گواہ ہے کہ بعثت محمدی کے بعد دنیا کی حالت بدل گئی، متفرق قومیں پیوستہ ہو گئیں، زمین کے کونے ایک دوسرے سے مل گئے، اور توحید کامل کا غلغلہ عرش

Marfat.com

سے فرش تک بلند ہو گیا۔ اور خدا کے تمام رسولوں کو سچا اور صادق ماننے کا ولولہ آہستہ آہستہ ترقی پانے لگا۔ یہاں تک کہ ان قوموں نے بھی جو مسلمان نہیں ہوئیں ان دونوں صداقتوں کو اصولاً تسلیم کر لیا۔

وحدت ادیان اور دین اسلام:

تفصیل بالا کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ وحدت ادیان کا منشا کیا ہے، یعنی یہ کہ اصل میں ایک ہی دین ہے جو تمام انبیاء کا مذہب رہا، لیکن وہ بعد کو ان کے پیروؤں کے صحائف میں تحریف و تصرف کے سبب سے بگڑتا رہا، اسی دین ازلی کو لے کر محمد رسول اللہ ﷺ آئے اور اسی کا نام اسلام ہے، جو اپنے صحیفہ کی بقاو حفاظت اور دین کی تکمیل اور نبوت کے اتمام کے سبب سے ہمیشہ قائم و باقی رہے گا، اگر تمام مذاہب سابقہ اپنے اپنے اس اصل دین پر آ جائیں، جس کی تعلیم ان کے پیغمبروں نے دی تھی تو وہ وہی دین ازلی ہو گا، جس کا نام اسلام ہے اور نوحؑ، ابراہیمؑ، موسویؑ، عیسویؑ اور محمدی دینوں میں سوائے اجمال و تفصیل کے کوئی فرق نہ رہے گی، اسی لیے فرمایا گیا۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ﴾ (نساء : ۷)

''اے وہ لوگو جن کو پہلے کتاب دی گئی اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو بگاڑ دیں، اور ان کو پیٹھ کی طرف پھیر دیں یا سبت کے گنہگاروں پر جس طرح لعنت کی تھی، ہم ان پر لعنت کریں، اس وحی پر ایمان لاؤ، جو ہم نے اب اتاری (قرآن) جو ان تعلیمات کی جو تمہارے پاس ہے تصدیق کرتی ہے۔''

مشرکین عرب سے زیادہ اہل کتاب کو اس حقیقت کے سمجھنے کا زیادہ استحقاق تھا، اس لیے انہی کو سب سے پہلے اس کا منکر نہ ہونا چاہیے۔

﴿وَ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَ لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ﴾

''اور جو کتاب ہم نے اب اتاری جو تمہارے پاس والی کتاب کو سچا بتاتی ہے اس پر ایمان لاؤ اور تم ہی پہلے کافر نہ ہو۔''

لیکن ان کی حالت یہ ہوئی کہ۔

﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ﴾ (بقرہ : ۱۱)

''اور جب ان سے کہا گیا کہ خدا نے جو بھی اتارا، اس پر ایمان لاؤ تو جواب دیا کہ جو ہم پر اترا ہم اس کو مانتے ہیں اور وہ اس کے سوا کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ یہی (قرآن) حق ہے اور جو ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرتا ہے۔''

اس کے برخلاف محمد رسول اللہ ﷺ نے جس دین کو پیش کیا، اس کی بنیاد تمام اگلی نبوتوں اور کتابوں کی صداقت کے تسلیم کرنے پر رکھی گئی یہی سبب ہے کہ اسلام نے مسلمان ہونے کے لیے صرف یہی ضروری نہیں قرار دیا کہ وہ تنہا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان لائے بلکہ یہ بھی ضروری قرار دیا کہ وہ تمام اگلی نبوتوں اور صحیفوں پر بھی ایمان لائے، چنانچہ خود قرآن کی شہادت ہے، کہ آنحضرت ﷺ کو صرف اسی کی تکلیف نہ تھی کہ آپ کے ہم وطن آپ کے صحیفہ کو نہیں مانتے تھے۔ بلکہ اس کی بھی تھی کہ وہ اگلے صحیفوں کو بھی نہیں مانتے تھے سورۂ سباء میں ہے۔

Marfat.com

﴿وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ لَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ﴾ (سبا : ۴)

''اور منکروں نے کہا کہ ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے اور نہ اس سے اگلی کتاب پر (یعنی توراۃ پر)

اور اسی لیے آنحضرت ﷺ نے تصریح کے ساتھ فرمایا کہ جو میری عبدیت اور رسالت کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کو بھی خدا کا بندہ اور اس کا رسول اور کلمہ اور خدا کی طرف سے آئی ہوئی روح تسلیم کرے گا' وہ جنت میں جائے گا (بخاری کتاب الانبیاء ذکر عیسیٰ علیہ السلام) الغرض وہ ازلی ابدی دین صرف ایک ہی تھا' اور تمام انبیاء علیہم السلام اسی ایک پیغام کو لے کر دنیا میں آئے تھے' یہی وحدت دین کی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن نے اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ﴾ (مومنون: ۴)

''اے پیغمبر! ستھری چیزیں کھاؤ اور بھلا کام کرو میں تمہارے کاموں سے آگاہ ہوں اور بے شک تم سب کی امت ایک امت ہے' اور میں تم سب کا (ایک) پروردگار ہوں تو مجھ سے ڈرتے رہو' تو ان کے پیروؤں نے اپنے مذہب کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا' ہر فرقہ اپنے پاس کے خیال پر نازاں ہے۔''

اس حقیقت کی مزید تشریح آنحضرت ﷺ نے اپنے الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

((اَلْاَنْبِیَاءُ اِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ اُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰی وَ دِیْنُهُمْ وَاحِدٌ))(بخاری کتاب الانبیاء: ذکر عیسیٰ)

''تمام انبیاء ایسے بھائی ہیں جن کا باپ ایک ہے اور مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے۔''

☆☆☆

Marfat.com

پچھلے دن اور پچھلی زندگی پر ایمان

﴿وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (بقرہ : ۲۲) --- ﴿وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ (بقرہ : ۱)

اسلام کے سلسلہ ایمانیات کی آخری کڑی ایک پچھلے دن اور پچھلی زندگی یا پچھلی دنیا پر یقین کرنا ہے[1] سورۂ بقرہ کے پہلے ہی رکوع میں ہدایت یاب اور کامیاب انسانوں کے ایمانیات کی آخری دفعہ یہ بیان کی گئی ہے۔

﴿وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ (بقرہ : ۱) ''اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔''

﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (توبہ : ۲۲) ''جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لایا۔''

﴿اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے ہیں۔''

﴿اخرۃ﴾ کے معنی پچھلی کے ہیں اور یہ لفظاً صفت ہے عربی میں اوصاف کو موصوف کا قائم مقام کر کے اکثر موصوف کو حذف کر دیتے ہیں مثلاً ''دنیا'' کے لفظی معنی (قریب ترین' کے ہیں اور یہ صفت ہے' اس کا موصوف ﴿الحیاۃ﴾ (زندگی) یا ﴿الدار﴾ (گھر) ہے اس لیے ﴿الدنیا﴾ کا مفہوم ﴿الحیاۃ الدنیا﴾ (قریب ترین زندگی) یعنی اس عالم کی موجودہ (زندگی) یا ﴿الدار الدنیا﴾ (قریب ترین گھر یعنی موجودہ عالم ہے) اسی طرح ﴿الاخر﴾ اور ﴿الاخرۃ﴾ کا مفہوم ﴿الیوم الأخر و الحیوۃ الأخرۃ و الدار الأخرۃ﴾ پچھلا دن اور پچھلی زندگی اور پچھلا آنے والا گھر ہے) یعنی موجودہ زندگی کے بعد آنے والی دوسری دنیا کی زندگی اور گھر اور قرآن پاک میں یہ لفظ انہی معنوں میں ایک سو تیرہ مقام پر آیا ہے' اور ہر جگہ اس کا محذوف موصوف ﴿حیاۃ﴾ (زندگی) یا دار گھر ہے۔

چنانچہ حسب ذیل آیتوں کے پڑھنے سے یہ حقیقت منکشف ہوگی۔

﴿وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ﴾ (عنکبوت : ۷) ''اور بے شک آخری گھر اصلی زندگی ہے۔''

﴿وَ لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ﴾ (انعام : ۴) ''اور بے شک آخری گھر بہتر ہے۔''

ان دونوں آیتوں میں (دار) یعنی گھر کا لفظ موجود ہے۔

﴿اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ﴾ (توبہ : ۲) ''کیا پچھلی زندگی کو چھوڑ کر اس موجودہ زندگی پر تم راضی ہو گئے۔''

﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (مومنون : ۳) ''جنہوں نے انکار کیا اور پچھلی زندگی کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہم نے موجودہ زندگی میں ان کو نعمت دی۔''

---

(۱) قرآن پاک میں جہاں جہاں ایمان کے تفصیلات ذکر کیے گئے ہیں وہاں یوم آخر پر ایمان سب سے آخر میں بیان کیا گیا ہے۔

Marfat.com

ان آیتوں میں ﴿الحیاۃ الدنیا﴾ یعنی موجودہ دنیا کے تقابل سے ظاہر ہے کہ الاخرۃ سے مراد الحیاۃ الآخرۃ یعنی پچھلی زندگی ہے۔ (۱) اور اس لفظ کے عموم میں وہ تمام منازل و مقامات داخل ہیں جو ابتدائے موت سے لے کر حشر و نشر اور اس کے بعد پیش آتے ہیں یا آئیں گے چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اس آیت میں۔

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ (ابراھیم : ۶) ''جو ایمان لائے ان کو اللہ حیات دنیا میں اور آخرت میں اس کی پکی بات (کلمہ توحید) پر مضبوط رکھے گا۔''

اس آیت میں ''آخرت'' سے مراد ''عالم برزخ'' ہے اور قرائن بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں کہ قیامت میں قول ثابت پر قائم رہنا کون سی بڑی بات ہوگی جب کہ ہر چیز اس وقت واضح اور نمایاں ہوگی اس لیے اس آیت میں ''آخرۃ'' سے مراد عالم برزخ کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا' ایک اور حدیث میں تصریحاً بیان ہے کہ ''قبر'' (یعنی برزخ) آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے۔'' (۲)

یوم آخر اور حیات آخرت پر ایمان اسلام کی نہایت اہم تعلیم ہے اور قرآن پاک میں ایمان باللہ کے بعد اسی کی اہمیت پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے' کیونکہ موجودہ دنیا کے تمام اعمال اور ان کے نتائج کی اصلی اور دائمی بنیاد

(۱) دنیا اور آخرت کا یہ تقابل قرآن پاک کی بے شمار آیتوں میں مذکور ہے حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے ﴿وجيها في الدنيا والاخرة﴾ (آل عمران: ۵) دنیا اور آخرت میں معزز' سلسلہ دعا میں ہے۔

﴿ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الأخرة حسنة﴾ (بقرہ : ۲۵)

''پروردگار ہم کو دنیا میں نیکی اور آخرت میں نیکی دے۔''

کفار کے بطلان عمل کے ذکر میں ہے۔

﴿حبطت اعمالهم فی الدنیا و الأخرة﴾ (بقرہ : ۲۷)

''ان کے عمل دنیا اور آخرت میں گر گئے۔''

﴿ان استحبوا الحیوة الدنیا علی الأخرة﴾ (نحل : ۱۴)

''انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی۔''

﴿نحن اولياؤ كم فی الحیوة الدنیا و فی الأخرة﴾ (حم السجدہ : ۴)

''ہم ہیں تمہاری قریب کی زندگی اور پچھلی زندگی کے دوست۔''

اور کبھی دنیا کے بجائے ''اولیٰ'' (پہلی زندگی کا لفظ اختیار کیا گیا ہے فرمایا۔

﴿فاخذه الله نكال الأخرة و الاولیٰ﴾ (نازعات : ۱)

''تو خدا نے اس کو پچھلی زندگی اور پہلی زندگی کی سزا بنایا۔

﴿و ان لنا للأخرة و الاولیٰ﴾ (للیل : ۱)

''اور ہمارے ہی لیے ہے پچھلی اور پہلی زندگی۔''

(۲) ابن ماجہ و حاکم بحوالہ کنز العمال جلد ۸ ص ۹۵ حیدر آباد دکن (ترمذی)

Marfat.com

اسی آئندہ دنیا کے گھر کی بنیاد پر قائم ہے اگر یہ بنیاد متزلزل ہو جائے تو اعمال انسانی کے نتائج کا ریشہ ریشہ بیخ و بن سے اکھڑ جائے اسی لیے تمام مذاہب نے کسی نہ کسی رنگ اور کسی نہ کسی اصطلاح میں دوسری زندگی کو متفقاً تسلیم کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی تعلیم نے اس آئندہ زندگی کو دو دوروں میں تقسیم کیا ہے ایک موت سے لے کر قیامت تک اور دوسرا قیامت سے لے کر ابد (ہمیشہ) تک جس میں پھر موت و فنا نہیں پہلے دور کا نام ''برزخ'' اور دوسرے کا نام ''بعث'' یا حشر و نشر اور قیامت ہے اور ان سب کے معنی جی اٹھنے اکھٹے کیے جانے اور کھڑے ہونے کے ہیں لیکن ان سب سے مقصود ایک ہی حقیقت کی طرف اشارہ ہے اور وہ موجودہ دنیا کے خاتمہ کے بعد دوسری دنیا کی زندگی ہے اور اسی لیے اس دوسری زندگی یا اس عالم کا نام قرآن میں ﴿الدار الاخرة﴾ اور ﴿عقبی الدار﴾ وغیرہ ہے جس کے معنی دوسرے یا پچھلے گھر کے ہیں۔

توراۃ و انجیل میں برزخ و قیامت کی تفصیل نیز یہ کہ مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے انسان کی روح کس حالت اور کیفیت میں رہے گی مذکور نہیں ہے لیکن اسلام میں یہاں بھی گنجلک اور ابہام نہیں بلکہ اس نے اس کی پوری تفصیل کی ہے اور بتایا ہے کہ موجودہ عالم کے علاوہ عالم برزخ اور میدان قیامت ہمارے سزا و جزا کے دو مقام ہیں شخصی موت کے بعد ہر شخص عالم برزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور وہاں اس کے معاملات شروع ہو جاتے ہیں پھر اپنے مقررہ وقت پر جس کو خدا نے اپنی مصلحتوں اور حکمتوں کے لحاظ سے طے کر لیا ہے سلسلۂ خلق کے خاتمہ پر جب موجودہ دنیا پر عام موت اور فنا طاری ہوگی دوسری زندگی کی دنیا شروع ہو جائے گی جو تمام تر ہماری پہلی دنیا میں ہمارے اچھے یا برے اعمال کا سراپا عکس اور ظل ہوگی چنانچہ سورہ توبہ کی حسب ذیل آیت میں ہمارے ان تینوں دور ہائے حیات کا ذکر ہے۔

﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ﴾ (توبہ: ۱۰۱)

''ہم ان کو دو مرتبہ عذاب دیں گے پھر وہ ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔''

عذاب کی یہ تین منزلیں دنیا برزخ اور قیامت ہیں۔

ان تینوں عالموں میں جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ اس موجودہ دنیا میں جسم و مادہ نمایاں اور روح پوشیدہ ہے اور روح کو جو کچھ مسرت و تکلیف یہاں پہنچتی ہے وہ صرف اس مادی جسم کے واسطے سے پہنچتی ہے ورنہ درحقیقت اس کی براہ راست راحت و لذت کا اس مادی دنیا میں کوئی امکان نہیں دوسرے عالم میں جس کو برزخ کہا گیا ہے روح نمایاں ہوگی اور جسم چھپ جائے گا وہاں جو راحت و تکلیف پہنچے گی وہ دراصل روح کو پہنچے گی اور جسم اس کی تبعیت میں ضمناً اس سے متاثر ہوگا لیکن اس تیسرے عالم میں جہاں سے حقیقی اور غیر فانی زندگی شروع ہوتی ہے روح اور جسم دونوں نمایاں ہوں گے اور دونوں کی لذت و تکلیف کے مظاہر بالکل الگ الگ ہوں گے۔

☆☆☆

Marfat.com

برزخ

''برزخ'' کا لفظ قرآن پاک میں تین دفعہ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اس سے دو چیزوں کے درمیان کا پردہ حاجب اور حائل مراد ہے' چنانچہ سورۂ رحمان میں دو دریاؤں کا ذکر ہے' جن میں ایک میٹھا اور دوسرا کھاری ہے اور ان کے بیچ میں ایک پردہ حائل ہے جو ان کو آپس میں ملنے نہیں دیتا۔

﴿بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ﴾ ''ان دونوں کے بیچ میں ایک پردہ ہے جس سے ایک دوسرے پر بڑھ کر نہیں جاتا۔''

اسی عجیب وغریب بحری منظر کا ذکر سورۂ فرقان میں ہے اور وہاں بھی یہی لفظ واقع ہے۔

﴿وَ هُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَ جَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾ (فرقان : ۵) ''اور اسی نے دو دریاؤں کو ملا کے چلایا اور یہ میٹھا اور پیاس بجھاتا ہے اور وہ کھاری کڑوا ہے اور ان کے بیچ میں ایک پردہ اور روکی ہوئی اوٹ بنائی ہے۔''

اسی بناء پر موجودہ زندگی اور آئندہ زندگی کے درمیان جو مقام حائل اور حاجب ہے اس کا نام ''برزخ'' ہے سورۂ مومنون میں نزع کے وقت کے بیان میں ہے کہ:

﴿وَ مِنْ وَّ رَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ (مؤمنون : ٦) ''اور ان مرنے والوں کے پیچھے ایک پردہ ہے اس دن تک جب کہ وہ (قیامت میں) اٹھائے جائیں گے۔''

عربوں بلکہ کل سامی قوموں کے رسم ورواج اور مشاہدات کی بناء پر اسی درمیانی منزل (برزخ) کا نام ''قبر'' ہے خواہ وہ خاک کے اندر ہو' یا قعر دریا میں یا کسی درندہ یا پرندہ کے پیٹ میں اسی لیے فرمایا۔

﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِى الْقُبُوْرِ﴾ (حج : ۱) ''بے شبہ اللہ ان کو جو قبروں میں ہیں اٹھائے گا۔''

اب ظاہر ہے کہ یہ ''بعث'' صرف انہی مردوں کے لیے مخصوص نہیں جو تو دہ خاک کے اندر دفن ہوں بلکہ ہر میت کے لیے خواہ وہ کسی حالت اور کسی عالم میں ہو' اسی لیے قبر سے مقصود ہر وہ مقام ہے جہاں مرنے کے بعد جسم خاکی نے جگہ حاصل کی۔

موت وحیات کی منزلیں:

قرآن پاک میں دو موتوں اور دو حیاتوں کا ذکر ہے' ایک جگہ دوزخیوں کی زبان سے کہا گیا ہے۔

﴿رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ (مومن : ۲) ''ہمارے پروردگار تو نے ہم کو دو دفعہ مارا اور دو دفعہ جلایا ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا۔ پھر کیا نکلنے کی کوئی راہ ہے۔''

Marfat.com

ان دو موتوں اور دو حیاتوں کی تفصیل خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں فرمائی ہے۔

﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (بقرہ: ۳)

’’کیسے تم اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم پہلے مردہ تھے پھر تم کو اس نے زندہ کیا (انسان بنا کر پیدا کیا) پھر تم کو مارد ے گا پھر تم کو جلائے گا‘ پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔‘‘

پہلی موت تو ہر انسان کی خلقت سے پہلے کی ہے‘ جب وہ مادہ یا عنصر کی صورت میں تھا‘ پھر زندہ ہو کر اس دنیا میں پیدا ہوا۔ یہ اس کی پہلی زندگی ہے‘ پھر موت آئی روح نے مفارقت کی اور جسم اپنی اگلی مادی صورت میں منتقل ہو گیا‘ یہ دوسری موت ہوئی۔

پھر خدا اس کی روح کو جسم سے ملا کر زندہ کرے گا‘ یہ اس کی دوسری زندگی ہوئی جس کے بعد پھر موت نہیں‘ قرآن پاک میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا۔

﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ﴾ (زمر: ۳)

’’بے شک تو بھی مرنے والا ہے اور وہ بھی مرنے والے ہیں پھر تم قیامت کے دن اپنے پروردگار کے سامنے دعویٰ پیش کرو گے۔‘‘

﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ﴾ (مؤمنون:)

’’پھر تم اس کے بعد مرنے والے ہو‘ پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔‘‘

اب سوال یہ ہے کہ برزخ کے عالم میں کیا کیفیت ہوگی‘ اس کے سمجھنے کے لیے ایک مختصر سی تمہید کی ضرورت ہے۔

نیند اور موت کی مشابہت:

اللہ تعالیٰ نے اس مادی دنیا میں روحانی عالم کی باتوں کے سمجھنے کے لیے اپنی عجیب و غریب قدرت سے ہم کو ایک چیز عنایت کی ہے‘ جس کو ہم نیند کہتے ہیں‘ روح کو اپنے جسم سے دو قسم کا تعلق ہے‘ ایک ادراک و احساس کا اور دوسرے تدبیر و تغذیہ کا‘ نیند کا وہ عالم جس میں ہمارے تمام آلات ادراک و احساس اس دنیا سے بے خبر ہو کر اپنے گردو پیش کی مادی دنیا سے یکسر بیگانہ بن جاتے ہیں تاہم ہمارے نفس یا روح کا تعلق ہمارے جسم سے باقی رہتا ہے‘ اور وہ اس حالت میں بھی جسم کی مادی زندگی کی نشوونما اور بقا کی تدبیروں اور دل و دماغ اور دیگر اعضائے رئیسہ کی غذا رسانی اور خون کے دوران میں مصروف رہتی ہے‘ اسی کا نام روح کا جسم سے تدبیری تعلق ہے اب نیند اور موت میں فرق ہے تو یہ ہے کہ نیند کی حالت میں جسم سے نفس کا تدبیری تعلق قائم رہتا ہے‘ اس لیے جسم باقی اور زندہ رہتا ہے‘ لیکن موت کی حالت میں جسم سے روح کا تدبیری تعلق بھی اکثر منقطع ہو جاتا ہے اس لیے جسم کے اجزاء کچھ دنوں میں منتشر ہو جاتے ہیں موت اور نیند کی یہی مشابہت ہے جس کی بناء پر تمام انسانوں کی زبانوں میں موت کو نیند سے تشبیہ دیتے ہیں اور دنیا بھر کی زبانوں کا یہ توافق الہام طبعی کی خبر دیتا ہے‘ قرآن پاک میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِاللَّيْلِ وَ يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰى اَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ (انعام: ۷)

’’اور وہی ہے جو تم کو رات میں مارتا ہے اور جانتا ہے جو تم نے دن میں کمایا پھر تم کو دن میں جلاتا ہے‘ تاکہ مقررہ وقت پورا کیا جائے۔‘‘

Marfat.com

اس سے زیادہ تفصیل سورۂ زمر میں ہے۔

﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (زمر : ۵)

''وہ اللہ ہی ہے جو روحوں کو ان کی موت کے وقت وفات دیتا ہے' اور جو نہیں مری ہیں ان کو ان کی نیند میں وفات دیتا ہے تو جس پر موت کا حکم اس نے جاری کیا اس کو روک لیتا ہے اور دوسری روح کو جس پر موت کا حکم نہیں یعنی نیند والی کو ایک مدت معینہ کے لیے چھوڑ دیتا ہے بے شک اس میں سوچنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی نے ''برزخ'' کی زندگی کو نیند کے لفظ سے تعبیر کیا ہے قرآن پاک میں ہے کہ قیامت میں جب لوگ دوسری زندگی پا کر قبروں سے اٹھیں گے تو گنہگاروں کی زبانوں پر یہ فقرہ ہوگا۔

﴿يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا﴾ (یس : ۴) ''اے ہماری خرابی کس نے ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے اٹھا دیا۔''

غزوۂ احد کے موقع پر ہے کہ جن کو مرنا تھا' ان کی موت ٹل نہیں سکتی تھی' اگر وہ میدان جنگ کے بجائے گھروں میں بھی ہوتے تو نکل نکل کر اپنے مقتل میں خود آ جاتے اس مفہوم کو قرآن نے یوں ادا کیا ہے۔

﴿قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ﴾ (آل عمران : ۶)

''کہہ دے کہ اگر وہ گھروں میں بھی ہوتے تو جن کے لیے مارا جانا لکھا گیا تھا' وہ خود نکل کر اپنی سونے کی جگہوں میں چلے آتے۔''

اسی لیے قرآن پاک میں دوسری زندگی کے لیے اکثر ''بعث'' لفظ استعمال ہوا ہے' جس کے معنی جگانے اور بیدار کرنے کے بھی ہیں [1] جیسا کہ اوپر کی اس آیت میں ہے۔

﴿وَ هُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَ يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ﴾ (انعام : ۱۷)

''اور وہی ہے جو تم کو رات میں موت دیتا ہے' اور دن کو جو تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے' پھر تم کو دن میں جگاتا ہے''

﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ (حج : ۱) ''اور بے شک اللہ ان کو جو قبروں میں ہیں' جگائے گا۔''

احادیث میں ہے کہ قبر میں سوال و جواب کے بعد نکوکاروں سے کہا جاتا ہے کہ ﴿نم کنوم العروس﴾ دلہن کی نیند سو جاؤ جس کو وہی جگاتا ہے' جو اس کو سب سے زیادہ محبوب ہے' یہاں تک کہ خدا اس کو اس خواب سے اٹھائے گا۔ [2]

ان شواہد سے ظاہر ہے کہ برزخ کی زندگی جس میں روح جسم سے الگ ہوتی ہے روح کی ایک طویل و عمیق

(۱) صحیح بخاری (باب تہجد) میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے نماز تہجد کے لیے اس وقت تک بیدار نہ ہونے پر سوال فرمایا' تو حضرت ممدوح نے ان لفظوں میں معذرت پیش کی یا رسول اللہ انفسنا بید اللہ فاذا شاء ان یبعثنا۔ ہماری روحیں خدا کے ہاتھ میں ہیں وہ جب جگانا چاہتا ہے' جگاتا ہے اس حدیث میں بھی بعث جگانے کے معنوں میں آیا ہے۔

(۲) جامع ترمذی کتاب الجنائز باب عذاب القبر ص ۱۸۔ حدیث حسن غریب۔

Marfat.com

نیند کے مشابہ ہے۔ (1)

خواب میں لذت والم:

انسان جب سوتا ہے تو اس کے ادراک و احساس کے آلات اپنی مادی دنیا سے عارضی طور پر بے خبر ہو جاتے ہیں' مگر اس کے ادراک و احساس کی تخیلی' تمثالی یا ذہنی دنیا اس کے سامنے بالکل اسی مادی دنیا کی طرح متشکل ہو جاتی ہے' اس میں وہ خود اپنے جسم سے الگ مگر ہو بہو وہی جسم دیکھتا ہے جو آتا جاتا' چلتا پھرتا اور دیکھتا سنتا ہے سب کچھ ہے۔ اس کے سامنے کھانے پینے اور لطف انگیزی کے سب سامان ہوتے ہیں' نیز اس میں درد و رنج اور تکلیف کی تمام وہی صورتیں ہوتی ہیں' جو مادی دنیا میں ہیں۔ اس کے خیالی جسم کو اگر اس عالم میں تکلیف ہوتی ہے تو وہ خود چیخ اٹھتا ہے' اور اگر اس میں لذت ملتی ہے' تو لطف اندوز ہوتا ہے اور ان دونوں کے اثرات اس کو اپنے مادی جسم میں جاگنے کے بعد بھی نظر آتے ہیں۔ غرض عالم خواب کی خیالی دنیا اور اس کی شادی و رنج اور لذت والم' اور اس مادی دنیا کے جسمانی و مادی شادی و رنج اور لذت والم میں کوئی فرق نہیں ہوتا اگر کچھ فرق ہے تو یہ ہے کہ عالم خواب کی لذت و تکلیف بیداری کے بعد ختم ہو جاتی ہے اور مادی دنیا کی لذت و تکلیف' احساس و ادارک کے وجود تک قائم رہتی ہے اور جس طرح مادی بیداری والی لذت و تکلیف خواب میں معدوم ہو جاتی ہے اسی طرح خواب والی لذت و تکلیف بیداری میں رخصت ہو جاتی ہے۔

خواب والے لذائذ و آلام کے مختلف مناظر اور ان کے حقائق اور اسباب و علل پر اگر فلسفیانہ حیثیت سے غور کیا جائے تو عجیب و غریب معاملات سامنے آتے ہیں' کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام احساسات و معلومات جو کبھی بھی ذہن انسانی میں آئے ہوں اور ان کو بحالت بیداری مادی دنیا کے مشاغل اور زمانہ کے امتداد کے سبب سے انسان کتنا ہی فراموش کر چکا ہو' وہ خواب میں مادی گراں باری سے آزادی کے بعد سامنے مجسم شکلوں میں نمودار ہو جاتے ہیں' اور بیچ کی کڑیوں کے بھول جانے کی وجہ وہ اس کو بے جوڑ معلوم ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ انسان جن چیزوں کو بھول جاتا ہے وہ اس کے حافظہ سے حقیقت میں معدوم نہیں ہو جاتیں' بلکہ دماغی حجرہ (ذہن) کے منتشر اسباب کے ذخیرہ (معلومات) میں چھپ کر گم ہو جاتی ہیں' اور پھر بعد کو مل جاتی ہیں اس لیے وہ تمام اچھے اور برے اعمال جو انسان نے عمر بھر کیے ہیں خواہ وہ ان کو آج بھول گیا ہو مگر ان کی یاد ذہن کے گوشوں میں پڑی ہے' معدوم و مفقود نہیں ہو گئی۔

خواب کی عجیب و غریب صورت وہ ہے' جس کو تمثیلی کہتے ہیں' جیسے ابراہیمؑ نے اپنے اکلوتے فرزند کے خدمت کعبہ پر وقف کرنے کو قربانی کی شکل میں' اور حضرت یوسفؑ نے والدین کو سورج اور چاند اور گیارہ بھائیوں کو گیارہ ستاروں کی صورت میں دیکھا' شاہ مصر کے سولی پانے والے مصاحب نے اپنے سولی پانے کو اس رنگ میں دیکھا کہ اس کے سر پر خوان ہے اور بڑے بڑے پرندے اس میں چونچ مار مار کر کھاتے ہیں' شاہ مصر نے مصر کی ہفت سالہ قحط

---

(1) شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں فھذا المبتلی فی الرویا غیر انہ رویا لا یقظۃ منھا الی یوم القیمۃ (باب اختلاف احوال الناس فی البرزخ) یعنی یہ عذاب قبر کا گرفتار خواب میں ہے لیکن یہ کہ یہ ایسا خواب ہے جس سے قیامت تک جاگنا نہیں ہے۔

Marfat.com

سالی کو سات دبلی گایوں کی صورت میں دیکھا۔[1] آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کو اس شکل میں دیکھا کہ مسلمان سر منڈوائے اور بال ترشوائے حج کر رہے ہیں' مسیلمہ اور اسود عنسی دو کذابوں کو سونے کے دو کنگنوں کی صورت میں دیکھا' شہدائے احد کو موٹی گائے کی صورت میں ملاحظہ کیا' مدینہ کی وباء ایک پریشان مو کالی عورت کی صورت میں نظر آئی' خلافت کو ڈول کھینچنے کی اور حضرت عمرؓ کے علم کو دودھ کی اور ان کی دینداری کو لمبی قمیض کی شکل میں دیکھا'[2] ان کے علاوہ ہر شخص کے ذاتی تجربوں سے بھی اس کی بے شمار مثالیں فراہم کی جا سکتی ہیں۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ انسان کے جسم میں اگر کسی قسم کا مادہ بڑھ جاتا ہے تو خواب میں اس کے مناسب مجسم شکلیں نظر آتی ہیں' مثلاً اگر بلغم کی زیادتی ہو تو پانی' دریا اور سمندر نظر آئیں گے' اگر سودا بڑھ جائے تو ہاتھی اور کالی کالی صورتیں نظر آئیں گی' اسی طرح دوسرے تغیرات خلطی بھی اپنے مناسب جسمانی ہیئت میں خواب میں مجسم اور متشکل ہو کر دکھائی دیتے ہیں۔[3]

اسی طرح اعمال جو جسم و مادہ سے بالکل الگ ہیں خواب میں اپنے مناسب قالب میں مجسم ہو جاتے ہیں' اگر کسی بھائی کا حق واجب کسی نے ادا نہیں کیا تو خواب میں اس کو نظر آئے گا کہ وہ اس کا گلا کاٹ رہا ہے' اگر کسی کی غیبت کی ہے تو معلوم ہو گا کہ وہ مردار کھا رہا ہے' سونے چاندی کے خزانوں کو جمع کر کے اگر بخل کا اژدہا ان کی حفاظت میں بٹھایا ہے تو سانپ بن کر وہ اس کی گردن میں لپٹتا اور کاٹتا ہے' ذلت اور خواری کتے کی' حماقت گدھے کی اور شجاعت شیر کی شکل میں نمودار ہوتی ہے' شب معراج میں آنحضرت ﷺ کے سامنے فطرت دودھ کی اور غیر فطرت شراب کی شکل میں پیش ہوئی' اسی طرح کہن سال دنیا ایک بڑھیا کی شکل میں نظر آئی۔

اسی قسم کی تمثیلات قرآن مجید میں بھی آئی ہیں' مثلاً غیبت کی نسبت فرمایا۔

﴿وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ﴾ (حجرات : ۲)

''اور پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو برا نہ کہے کیا تم میں سے کوئی پسند کر سکتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کی بوٹی نوچ نوچ کر کھائے سوگھن آئی تم کو۔''

سود کھانے کو جنون اور پاگل پن کی شکل میں ظاہر کیا۔

﴿اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾ (بقرہ : ۳۸)

''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں اٹھیں گے (یا نہیں اٹھتے) لیکن جیسے وہ اٹھتا ہے جس کے حواس شیطان نے چھو کر کھو دیئے ہوں۔''

یتیموں کا مال ناجائز طریق سے کھانے کو پیٹ میں آگ بھرنا فرمایا۔

---

(۱) یہ کل تمثیلی خواب قرآن پاک میں مذکور ہیں۔

(۲) ان خوابوں کو صحیح بخاری کتاب التعبیر میں دیکھو۔

(۳) حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ ذکر برزخ۔

Marfat.com

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَّ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا﴾ (نساء :)

''وہ لوگ جو یتیموں کا مال ظلم کر کے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور جہنم کی آگ میں داخل ہوں گے۔''

وہ خودغرض لوگ جو بیکسوں کے کام نہیں آتے' قیامت میں ان کے بھی کوئی کام نہ آئے گا اور جو خود سیر ہو کر کھاتے ہیں اور غریبوں کے درد گرسنگی سے بےخبر رہ کر اپنے مال کا میل کچیل (زکوٰۃ) بھی ان کو کھانے کو نہیں دیتے' دوزخ میں ان کو زخموں کا دھوون کھانے کو ملے گا فرمایا۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ وَ لَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا حَمِیْمٌ وَّ لَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ لَّا یَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ﴾ (حاقه : ۱)

''بےشک وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتا تھا' اور مسکین کے کھانے پر آمادہ نہیں کرتا تھا تو آج اس کا بھی یہاں کوئی دوست نہیں اور نہ زخموں کے دھوون کے سوا کوئی کھانا ہے' اس کو وہی گنہگار کھائیں گے۔''

بےلوث مخلصانہ فیاضی کی تمثیل سرسبز و شاداب باغ سے دی۔

﴿وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ﴾ (بقره : ۳۶)

''اور ان کی مثال جو اپنی دولت خدا کی خوشنودی چاہنے اور اپنے دلوں کی مضبوطی کے لیے خرچ کرتے ہیں ایک باغ کی ہے جو ایک ٹیلہ پر ہے۔''

خدا کی راہ میں جان دینے والوں اور مرنے والوں کو جان نو اور حیات جاوداں کی خوش خبری دی گئی فرمایا۔

﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ﴾

''جو خدا کی راہ میں مارا جائے' اس کو مردہ نہ کہو' وہ لوگ زندہ ہیں۔''

اسی طرح یہ ہے کہ جو خدا کو قرض دے گا' خدا اس کو بڑھا کر دے گا' جو دوسروں کو معاف کرے گا خدا اس کو معاف کرے گا جو دوسروں کی عیب پوشی کرے گا خدا اس کی ستاری کرے گا' قرآن و احادیث اس قسم کی بالمعاوضہ جزا و سزا کے ذکر سے لبریز ہیں۔

جو لوگ راہ خدا میں اپنا مال نہیں دیتے' ان کی نسبت فرمایا۔

﴿سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ (آل عمران : ۱۸)

''جس مال کا بخل کیا تھا' قیامت میں اس کا ان کے گلے میں طوق پڑے گا۔''

﴿یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾ (توبه : ۵)

''جس دن اس سونے اور چاندی کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا' پھر ان سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لیے گاڑ رکھا تھا تو اب تم اس کا مزہ چکھو جس کو تم گاڑ کر رکھتے تھے۔''

دنیا میں اللہ کے نور بصیرت سے روگردانی آخرت میں ظاہری نابینائی کی صورت میں رونما ہوگی اور اسی طرح

Marfat.com

جو خدا کو یہاں بھولے گا خدا اس کو وہاں بھلائے گا چنانچہ حضرت آدم سے جنت سے نکلتے وقت یہ فرمایا گیا تھا۔

﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا وَ كَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰى﴾ (طه : ٧)

''اور جس نے میری یاد سے روگردانی کی تو اس کے لیے تنگ گزران اور ہم قیامت کے دن اس کو اندھا اٹھائیں گے وہ کہے گا میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا میں تو دنیا میں آنکھوں والا تھا' خدا کہے گا اسی طرح تیرے پاس ہماری نشانیاں آتی رہیں تو ان کو تو نے بھلا دیا اور اسی طرح آج تو بھلایا جائے گا۔''

یہی مفہوم اور زیادہ اختصار کے ساتھ اس آیت میں ہے۔

﴿و مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِیْلًا﴾ (بنی اسرائیل)

''جو کوئی دنیا میں (دل کا) اندھا تھا وہ آخرت میں اندھا ہے اور راستہ سے بہت بھٹکا ہوا۔''

اس باب میں سب سے زیادہ صریح وہ حدیث صحیح ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بخیل کا مال سانپ کی صورت میں گلے کا ہار ہو کر نظر آئے گا' یعنی وہ مال سونے اور چاندی کے سانپ کی صورت میں ہوگا۔

قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم من اٰتاه اللّٰه مالاً فلم یؤد زکاته مثل له ماله شجاعاًاقرع له زبیبتان یطوقه یوم القیامة یاخذ بلهزمتیه ای شدقیه یقول انا مالک انا کنزک. (بخاری تفسیر آل عمران ج ۲ ص ۵۵)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو اللہ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوۃ ادا نہیں کی تو اس کا مال اس کو اچھل کرنے والے سانپ کی صورت میں دکھایا جائے گا' جس کا سر زہر کی شدت سے گنجا ہوگا اور اس کے منہ میں دو دانت ہوں گے اس کے گلے میں قیامت کے دن پڑا ہوگا' اور وہ اس کے دونوں جبڑوں کو کاٹے اور کہے گا میں ہوں تیرا مال میں ہوں تیرا خزانہ۔''

اسی طرح وہ حدیثیں ہیں جن میں مختلف اعمال کا مختلف شکلوں میں آنا بیان کیا گیا ہے' مثلاً یہ کہ مرنے کے قبر میں نماز روزہ وغیرہ اعمال عذاب سے بچنے کے لیے ڈھال بن کر داہنے بائیں سے نمودار ہوں گے'[1] ایک حدیث میں ہے کہ مرنے کے بعد جب ایک دفعہ فرشتہ الٰہی مردہ کو بیدار کرتا ہے تو اس کو آفتاب ڈوبتا ہوا دکھایا جاتا ہے۔ مثلت الشمس عند غروبها۔ نیک مرد مسلمان اس تنگ وقت کو دیکھ کر نماز کی تیاری کرنا چاہتا ہے۔[2] یہ ظاہر ہے کہ ڈوبنے والا آفتاب وہاں نہیں بلکہ اس کی تمثیل ہوتی ہے جیسا کہ حدیث کے الفاظ میں ہے یعنی یہ کہ اس مردہ کو ایسا نظر آتا ہے اور وہ درحقیقت آفتاب نہیں بلکہ آفتاب کی مثالی صورت ہوتی ہے۔

(۱) ابن حنبل۔

(۲) سنن ماجہ ذکر القبر ص ۳۶۶۔

Marfat.com

گناہوں کی تمثیلی سزائیں:

اوپر کے بیانات سے ہویدا ہے کہ غیر مجسم اعمال اور معانی اپنے جن تمثیلی پیکروں میں نظر آتے ہیں۔ وہ درحقیقت ان اعمال و معانی سے تمثیلی مشابہت رکھتے ہیں' مثلاً ایک صحیح حدیث میں ہے کہ مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعونؓ کی وفات کے بعد ایک صحابی نے خواب میں دیکھا کہ ان کے لیے ایک نہر بہہ رہی ہے اور جب اس کا ذکر آنحضرت ﷺ سے کیا تو آپؐ نے اس کی تعبیر میں فرمایا۔

((ذلک عمله)) (بخاری کتاب التعبیر)　　''یہ نہر ان کا (نیک) عمل ہے۔''

اس تمہید کے بعد آنحضرت ﷺ کے اس رویائے صادقہ پر غور کرو' جو ظاہر ہے کہ قیامت کا نہیں کہ ابھی وہ آئی نہیں' بلکہ برزخ ہی کا مرقع پیش کرتا ہے' جواب بھی قائم ہے' آپؐ نے ایک صبح کو فرمایا کہ رات میں نے دیکھا کہ دو آنے والے آئے اور انہوں نے مجھے جگا دیا میں ان کے ساتھ چل کھڑا ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک آدمی لیٹا ہے اور دوسرا اس کے سر پر ایک بڑا پتھر لیے کھڑا ہے اور وہ اس پتھر کو اس کے سر پر اس طرح دے مارتا ہے کہ اس کا سر چکنا چور ہو جاتا ہے' اور پتھر لڑھکنے لگتا ہے وہ اس کے پیچھے جا کر اس کو اٹھا لاتا ہے اور اتنی دیر میں اس کا سر درست ہو جاتا ہے' اور پھر وہ مارتا ہے اور پھر وہی صورت پیش آتی ہے' ہم آگے بڑھے تو دیکھا کہ (۲) ایک شخص اوندھا پڑا ہے اور دوسرا لوہے کا ایک آنکس لیے کھڑا ہے اور وہ اس سے اس کے جبڑے کو پھر نتھنے کو پھر آنکھوں کو گدی تک چیر ڈالتا ہے' پہلے ایک طرف بعد ازیں دوسری طرف پھر آگے بڑھے تو دیکھا کہ (۳) تنور کی قسم کی ایک چیز دہک رہی ہے اور کچھ مرد اور عورت اس میں ننگے پڑے ہیں' اور اس کے شعلے بھڑک بھڑک کر ان تک پہنچتے ہیں' اور وہ چیختے ہیں' آگے بڑھے تو نظر آیا کہ (۴) ایک خون کی جیسی سرخ نہر بہہ رہی ہے اور ایک آدمی اس مین تیر رہا ہے نہر کے کنارے ایک آدمی کھڑا ہے' جس کے پاس بہت سے پتھر رکھے ہیں' وہ تیرنے والا آدمی تیر کر جب اس شخص کے قریب آتا ہے تو یہ ایک پتھر اٹھا کر اس زور سے مارتا ہے کہ وہ پتھر اس کے منہ میں جا کر پیٹ میں اتر جاتا ہے۔

اس کے بعد ہم آگے بڑھے تو ایک سرسبز و شاداب چمن نظر آیا' جس میں بہار کی ہر کلی کھل رہی تھی' باغ کے سامنے ایک دراز قد آدمی کو دیکھا جس کا سر آسمان میں تھا اور اس کے چاروں طرف بہت سے چھوٹے بچے تھے آگے بڑھے تو ایک بہت بڑا باغ دیکھا' جس سے زیادہ خوب صورت باغ میں نہیں دیکھا تھا' یہاں پہنچ کر اپنے دونوں ہمراہیوں کے کہنے سے اوپر چڑھا تو ایک شہر ملا جس کی دیوار میں سونے کی ایک ایک اور چاندی کی ایک ایک اینٹ لگی تھی' ہم لوگ دروازہ کے پھاٹک پر پہنچے' دروازہ کھلوایا' دروازہ کھلا تو اس کے اندر گھسے' تو اس میں کچھ لوگ ملے جن کا آدھا دھڑ نہایت ہی خوب صورت اور آدھا بہت ہی بدصورت تھا' میرے ہمراہیوں نے ان سے ایک نہر کی طرف جو بیچ میں نہایت صاف و شفاف بہہ رہی تھی اشارہ کر کے کہا کہ اس میں جا کر غوطہ لگاؤ' وہ غوطہ لگا کر آئے تو ان کی بدصورتی کا حصہ جاتا رہا اور وہ پورے دھڑ سے خوب صورت ہو گئے' میرے ہمراہیوں نے مجھ سے کہا کہ یہ جنت عدن ہے اور وہ آپ کا دولت خانہ ہے میں نے نظر اٹھا کر دیکھا' سپید لکۂ ابر کی طرح ایک محل دکھائی دیا۔

Marfat.com

پھر میں نے ان ہمراہیوں سے کہا کہ آج تو میں نے عجیب عجیب چیزیں دیکھیں تو بتاؤ میں میں نے کیا کیا دیکھا' انہوں نے جواب دیا کہ پہلا شخص جس کا سر پتھر سے کچلا جارہا تھا' وہ ہے جو قرآن پڑھ کر اس کی تعمیل سے انکار کرتا ہے اور صبح کی مفروضہ نماز سے غافل ہو کر سورہتا ہے اور دوسرا شخص جس کے گلپٹھرے اور نتھنے اور آنکھیں پھاڑی جاتی تھیں' وہ ہے جو جھوٹ بول کر تمام دنیا میں اس کو پھیلاتا ہے اور تنور میں جو مرد اور عورتیں ننگی جل رہی تھیں وہ بدکار مرد اور عورتیں ہیں اور جو شخص خون کی نہر میں تیر رہا تھا' اور منہ سے پتھر نگلتا تھا وہ سود خوار ہے' اور اس سدابہار چمن میں جو دراز قد آدمی آپ نے دیکھا وہ ابراہیمؑ تھے اور ان کے گرد جو بچے تھے' وہ ننھے اور کمسن بچے تھے جو فطرت پر مرے تھے' کسی صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ! مشرکوں کے بچے؟ فرمایا اور مشرکوں کے بچے بھی' وہ لوگ جن کا آدھا دھڑ خوب صورت اور آدھا بدصورت تھا وہ ہیں جنہوں نے کچھ کام اچھے بھی کیے تھے' تو خدا نے ان کے گناہ دھودیئے۔ (۱)

برزخ کی ان تمام سزاؤں پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان کی نوعیت اور کیفیت ان کے اعمال کے بالکل مناسب اور مشابہ قرار دی گئی ہے' نماز صبح سے غافل ہو کر' بالین راحت سے سر نہ اٹھانے والے کا سر کچلا جانا' جھوٹے کا گلپٹھرا پھاڑا جانا زانی اور زانیہ کا برہنہ تنور کی آگ میں جلنا خون چوسنے والے سود خوار کا انسانوں کے خون کے دریا میں تیرنا' اپنا دو بالشت کا پیٹ بھرنے کے لیے سارے غریبوں کی روزی چھین چھین کر جمع کرنے والے کا پتھر کے لقمے کھانا' سراسر ان کے دنیاوی اعمال کی تمثیل و تصویر ہے اور آخر میں نصف حسن عمل سے آدھے دھڑ کی خوب صورتی اور نصف سوء عمل سے آدھے دھڑ کی بدصورتی پوری مشابہ ہے' اور صاف و شفاف نہر کی صورت میں رحمت و مغفرت الٰہی کا ظہور بھی اسی قیاس پر ہے۔ (۲)

ابھی تک دنیا نے جو کچھ ترقی کی ہے وہ نفس سے باہر ''آفاقی'' (یعنی اپنے سے باہر کی بیرونی مادی) دنیا کی اشیاء کے خواص وصفات کے جاننے میں کی ہے جن سے سائنس کی ایجادات واختراعات کا تعلق ہے لیکن ابھی اس سے بھی زیادہ ایک وسیع دنیا اپنے اندر کی پڑی ہے' جس کو قرآن نے انفس کہا ہے ان انفس یا ارواح کے اوصاف و خصائص کا ابھی تک بہت کم علم ہوا ہے ہماری سائیکالوجی (علم النفس) ابھی اپنی ابتدائی منزل میں ہے' اور سپر یچویلزم (علم ارواح) ابھی طلسم وفریب کے عجائبات میں اسی طرح گرفتار ہے جس طرح موجودہ عہد سے پہلے آج کے معمولی سائنٹیفک تجربے سحر وجادو کے نقش ونگار بنے ہوئے تھے' بہر حال ابھی تک علم نفس وروح کے عجائبات پر پردے پڑے ہوئے ہیں' ایک یہی مسئلہ کہ شے کے یقین اور اس کے خارجی وجود میں کیا تعلق ہے؟ ایک معمہ ہے' بہت سے ہندو اہل فلسفہ اور بعض مسلمان صوفیوں اور موجودہ زمانہ کے مشہور فلاسفر برکلے کے نزدیک تو کسی شے کے یقین اور وجود یا یوں کہو کہ ذہنی اور خارجی وجود میں بہت کم فرق ہے' بلکہ گویا نہیں ہے۔

بہر حال نفس انسانی کے اندرونی قویٰ کا علم گو ابھی بہت کچھ محتاج تکمیل ہے' تاہم اتنا ثابت ہے کہ کسی شے کے تصوری یقین' اور خارجی وجود میں بہت ہی شدید تعلق ہے' مسمریزم نے جو سراسر اسی اصول پر مبنی ہے' اس حقیقت کو کسی

(۱) صحیح بخاری کتاب التعبیر ملخصاً۔

(۲) حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ذکر واقعات حشر۔

Marfat.com

قدر واضح کر دیا ہے اسی سے معلوم ہوگا کہ مذاہب نے سب سے زیادہ ایمان پر جو یقین ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس قدر زور بے سبب نہیں دیا ہے۔

قرآن پاک نے یقین کی دو قسمیں کی ہیں' علم الیقین اور عین الیقین کسی شے کی دلیلوں کو سن کر یا بعض علامتوں کو دیکھ کر اس کے وجود کا اقرار کر لو تو یہ علم الیقین (یقین جاننا) ہے اور اگر وہ شے خود تمہارے احساس اور مشاہدہ کے سامنے آ جائے۔ جس میں پھر شک وشبہہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی تو وہ عین الیقین (خود یقین) ہے قرآن پاک نے یقین کی ان دونوں صورتوں کو سورۂ تکاثر میں بیان کیا ہے۔

﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ﴾ (تکاثر : ۱)

''تم کو دولت ونعمت کی بہتات نے غفلت میں مبتلا کر دیا' یہاں تک کہ تم نے قبروں کو جا دیکھا' ابھی نہیں تم آگے جان لو گے' پھر ابھی نہیں تم آگے جان لو گے' ہرگز نہیں' اگر تم یقین کا جاننا جانتے تو البتہ دوزخ کو دیکھ لیتے پھر البتہ عین الیقین سے اس کو دیکھ لو گے۔''

بنابریں اگر انسان اپنے اندر علم یقین حاصل کر لے جو کمال ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے تو وہ اپنے باطن کی آنکھوں سے اپنی دوزخ یہیں دیکھ لے۔

﴿كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ﴾ (تکاثر : ۱)

''نہیں یہ بات نہیں اگر تم کو علم یقین ہو' تو دوزخ کو بے شبہہ دیکھ لو گے۔''

کفار آنحضرت ﷺ سے عذاب کے عینی مشاہدہ کا فوری مطالبہ کرتے تھے' وحی الٰہی نے اس کے جواب میں کہا۔

﴿يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾

''وہ تجھ سے جلد عذاب مانگتے ہیں حالانکہ دوزخ گھیر رہی ہے منکروں کو۔''

ایک دوسری آیت میں ہے کہ منافقین بزعم خود آزمائش کے ڈر سے جہاد کی شرکت سے عذر کرتے ہیں' اس کے جواب میں ان سے فرمایا گیا کہ وہ تو ابھی آزمائش میں مبتلا ہیں' اور دوزخ ان کو گھیرے ہوئے ہے۔

﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَ لَا تَفْتِنِّيْ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ (توبہ : ۷)

''اور ان کا کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ مجھے (جہاد میں عدم شرکت کی) اجازت دیجئے اور آزمائش میں نہ ڈالیے' ہاں وہ تو آزمائش میں پڑ چکے اور دوزخ منکروں کو گھیر رہی ہے۔''

لیکن یہ علم الیقین جس کے حصول کا ذریعہ صرف ایمان ہے ہر شخص اس سے اس دنیا میں بہرہ ور نہیں ہوتا' بلکہ بہتیرے اس کے منکر ہیں اس لیے ان کو یہ اپنے پاس کی دوزخ اس وقت نظر نہیں آتی' لیکن موت جس کا آنا ایک دن یقینی ہے جب وہ آئے گی تو مادہ کا یہ حجاب جو آنکھوں پر پڑا ہے اٹھ جائے گا اس وقت اس عالم غیب کے کچھ اسرار ان پر منکشف ہو جائیں گے اور اعمال کے تمثیلی نتائج اور ثواب وعذاب اور جنت ودوزخ کے بعض مناظر ان کے سامنے

Marfat.com

آ جائیں گے اور اسی وقت وہ اپنے یقین کی آنکھوں سے کسی قدر واقعات کا مشاہدہ کر لیں گے۔

﴿ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ﴾ (تکاثر : ۱) ''پھر تم دوزخ کو عین یقین سے دیکھ لو گے۔''

یہ موت کے بعد کا سماں ہوگا' جس کو برزخ کا عالم کہتے ہیں اس کے بعد جب قیامت آئے گی تو ہر راز فاش ہو جائے گا۔

﴿يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ﴾ ''جس دن تمام بھید کھل جائیں گے۔''

اور بہشت و دوزخ اپنی ظاہری صورتوں میں اس طرح سامنے آ جائیں گی کہ پھر شک و شبہہ کا شائبہ بھی باقی نہ رہے گا وہ علم حقیقی اور یقین تحقیقی کا دن ہوگا' قرآن میں قیامت کے موقع پر ہے۔

﴿وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَ كَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾ (ق : ۱۲) ''اور نرسنگا پھونکا گیا یہ ہے ڈر کا دن تو ہم نے تیرا پردہ تجھ سے کھول دیا تو آج تیری نگاہ تیز ہے۔''

اس پردہ کے ہٹتے ہی اس دن انسان کے تمام اعمال ایک ایک کر کے اس کے سامنے آ جائیں گے اور دوزخ منظر عام پر آ جائے گی فرمایا۔

﴿فَاِذَا جَآءَ تِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى﴾ (نازعات : ۲) ''جب وہ بڑا ہنگامہ آئے گا جس دن انسان کو جو کچھ اس نے کیا ہے یاد آ جائے گا اور دوزخ دیکھنے والے کے سامنے باہر لائی جائے گی۔''

احوال برزخ کا عین الیقین:

ایک طرف شاعر (ابوالعتاہیہ) نے حیرت کے عالم میں کیا خوب کہا ہے۔

الموت باب و کل الناس یدخله
یلیت شعری بعد الباب ماالدار

''موت کا ایک دروازہ ہے اور تمام انسان اس دروازہ میں داخل ہوں گے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اس دروازہ کے بعد کون گھر ہے۔''

یہ علم جس کی حسرت اس شاعر نے ظاہر کی ہے اس زندگی میں صرف علم الیقین کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے البتہ موت کے وقت جب وہ دوسرے عالم کے دروازہ پر کھڑا ہوگا تو اس کو پس پردہ کا نظارا تھوڑا بہت ہو جائے گا اور وہی برزخ کا عالم ہے فرمایا۔

﴿حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ (مؤمنون : ۶) ''جب ان گنہگاروں میں سے کسی ایک کو موت آتی ہے تو وہ (زندگی کے پس پردہ کے بعض مناظر کو دیکھ کر) کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھے ایک بار اور دنیا میں لوٹا دے تا کہ دنیا میں جو ماحول چھوڑ کر آیا ہوں اس سے شاید کوئی نیک کام کروں' ہرگز نہیں' یہ بات ہی بات ہے جو وہ کہتا ہے اور (اب) ان گنہگاروں کے پیچھے اس دن تک ایک پردہ (برزخ) ہے جب وہ موت کے بستر سے جگا کر اٹھائے جائیں گے۔''

Marfat.com

ظاہر ہے کہ اگر موت کے وقت اور بعد کوئی نئی غیبی کیفیت اس کے مشاہدہ میں نہیں آ جاتی 'تو اس کا شک وشبہہ دفعۃً یقین سے کیسے بدل جاتا ہے فرمایا۔

﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ﴾ (ق : ۱)

''اور موت کی بے ہوشی حقیقت کو لے کر آ گئی' یہی ہے وہ جس سے تو ہٹا کرتا تھا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ سکرات کے وقت ''حقیقت'' کا کوئی منظر سامنے ضرور آ جاتا ہے' اہل تفسیر نے بھی اس آیت سے یہی سمجھا ہے' ابن جریر طبری لکھتے ہیں۔

بالحق من امر الاخرة فتبينه للانسان حتى تثبته و عرفه۔ [1]

''حق یعنی آخرت کا کچھ حال تو موت کی سکرات انسان پر کھول دیتی ہے یہاں تک کہ انسان اس کو یقین کر لیتا ہے اور جان لیتا ہے۔''

حافظ ابن کثیر محدث اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

يقول عزوجل و جاء ت ايها الانسان سكرة الموت بالحق كشفته لك عن اليقين الذى كنت تمترى فيه۔

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسان موت کی بے ہوشی حق کو لے کر آ گئی یعنی تیرے اس یقین کے پردہ کو کھول دیا' جس میں تو شک کرتا تھا۔''

قاضی شوکانی محدث کی تفسیر میں ہے۔

﴿و معنى بالحق انه عند الموت يتضح له الحق و يظهرله صدق ماجاء ت به الرسل من الاخبار بالبعث و الوعد و الو عيد﴾ (ج ۵ ص ۷۳)

''اور حق لے کر آنے کے معنی یہ ہیں کہ موت کے وقت حق بات کھل جاتی ہے' اور پیغمبر جس قیامت اور جزاء و سزا کی خبریں لے کر آئے تھے' ان کی سچائی ہویدا ہو جاتی ہے۔''

مفتی آلوسی حنفی کی تفسیر کی عبارت یہ ہے۔

﴿و المعنى احضرت سكرة الموت حقيقة الامر الذى نطقت به كتب الله تعالىٰ و رسله عليهم السلام﴾

''اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ موت کی مدہوشی اس حقیقت امر کو سامنے کر دیتی ہے جس کو اللہ کی کتابوں اور اس کے رسولوں نے بیان کیا ہے۔''

زمخشری معتزلی کی تفسیر (کشاف ج ۲ ص ۱۴۰۲ کلکتہ) اور ابوحیان اندلسی مالکی کی تفسیر (بحر محیط ج ۸ ص ۱۲۴ مصر) میں بھی یہی ہے۔

یہ مفسرین مختلف فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں' لیکن ان سب کی متفقہ تفسیر یہی ہے اس تفسیر کی صحت کی مزید دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد ہی قیامت کے ذکر میں ہے۔

﴿فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾ (ق : ۲)

''ہم نے آج تجھ سے تیرا پردہ کھول دیا تو آج تیری نظر تیز ہے۔''

(۱) تفسیر ابن جریر طبری جلد ۲۶ ص ۹۱۔

Marfat.com

اس سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت کس قدر انکشاف ہوتا ہے اور قیامت کے دن انکشاف تام ہو جاتا ہے۔ لیکن بہر حال موت کے وقت یقین کا پردہ بالکل کھل جاتا ہے۔

موت کے بعد خدا کی طرف روح کی بازگشت:

موت کے لیے قرآن میں اکثر ''خدا کی طرف بازگشت'' یعنی خدا کی طرف لوٹ جانے کی اصطلاح اختیار کی گئی ہے۔

﴿قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ...... بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (جمعه : ۱)

کہہ دو بے شک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو اس سے ملنا ہی ہے پھر تم اس (خدا) کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو حاضر و غائب کا جاننے والا ہے... تم کو تمہارے کرتوت بتائے گا۔''

﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ (بقرہ : ۱۷)

''ہم سب خدا کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔''

﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا﴾ (مائدہ : ۱۴) ''تم سب کو خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

یہ طرز ادا بیسیوں آیتوں میں اختیار کیا گیا ہے' یہ بالکل بدیہی ہے کہ ہر رجوع و بازگشت کے مفہوم میں ورود اور آمد داخل ہے' اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام ارواح انسانی خدا کے یہاں سے اس جسم و قالب کی قید میں آئی ہیں' اور موت کے وقت اس عناصر کی چہار دیواری سے نکل کر پھر ان کو وہیں واپس جانا ہے' جہاں سے آئی تھیں اس بازگشت کے سفر میں ان کا زاد راہ صرف وہی ہوگا جو اس دنیا سے دار العمل میں انہوں نے کمایا ہے یعنی ان کے اندرونی و بیرونی اعمال' اور اس کے بعد جو زندگی ہوگی وہ ان کے ان ہی اعمال کی نوعیت پر منحصر ہوگی۔

﴿وَ هُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَ یَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (انعام : ۷)

''اور وہی (خدا) ہے جو تمہیں رات کو موت (نیند) دیتا ہے اور دن کو جو کما چکے' اس کو جانتا ہے پھر تم کو دن میں جگا اٹھاتا ہے تا کہ مقررہ وقت (اصلی موت) پورا ہو' پھر اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے' پھر وہ تم کو تمہارے اعمال جتائے گا۔''

ایک اور آیت میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (یونس : ۳)

اے انسانو! تمہاری بغاوت کا نتیجہ تمہیں پر ہے' دنیا کی زندگی سے کچھ فائدہ اٹھانا' پھر ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے' تو ہم تم کو تمہارے اعمال جتائیں گے۔

اس میں دنیا کی زندگی کے بعد ہی خدا نے اپنی طرف واپس آ جانے کی اطلاع دی ہے اور اہل تفسیر نے بھی اس رجوع الی اللہ سے موت ہی کے معنی سمجھے ہیں' (طبری ۱۱ ص ۶۴ مصر)

اب ہم ایک ایسی آیت پیش کرتے ہیں' جس میں موت کا پورا نقشہ ہے' اور اس کے بعد بیان ہے کہ اس دن مرنے کے بعد ہی خدا کے ہاں ہنکا کر لائے جاؤ گے گویا جس طرح جانور ہنکا کر لائے جاتے ہیں' ویسے ہی گنہگاروں

Marfat.com

کی روحیں موت کے بعد نکال کرلائی جاتی ہیں فرمایا۔

﴿كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وَ قِيْلَ مَنْ رَاقٍ وَ ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ن الْمَسَاقُ﴾ (قیامہ : ۱)

''ہرگز نہیں جب روح ہانس (ہنسلی) تک آ پہنچے اور لوگ کہیں اب کون ہے جھاڑ پھونک کر کے بچانے والا' اور سمجھا کہ اب جدائی کا وقت آ گیا' اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ گئی' اس دن تیرے پروردگار کی طرف ہے ہانکا جانا۔''

لیکن سعید اور نیکو کار روحوں کو موت کے وقت یہ محبت بھری صدائے غیب سنائی دیتی ہے۔

﴿يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً﴾ (فجر : ۱)

''اے مطمئن روح! تو اپنے مالک سے خوش اور تیرا مالک تجھ سے خوش تو اپنی مالک کے پاس چلی جا۔''

یہ کیسی دلآویز صدا اور کسی دل کش واپسی ہوگی۔

اس وقت کا سماں:

وہ لمحہ جب اس روح کی مہلت کا زمانہ اور عمل کی فہرست ختم ہوتی ہے' کتنا دردناک ہے' اس وقت سے اس کی زندگی صرف اس کے گذشتہ اعمال کے قالب میں جلوہ گر ہوتی ہے' ہر عمل کی صورت اس کو اپنے سامنے کھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے' اور غیب کی کارکن صورتیں چلتی پھرتی دکھائی اور بولتی چالتی سنائی دیتی ہیں۔

﴿وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ وَ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ﴾ (انعام : ۱۱)

''اور کبھی تو دیکھے جس وقت گنہگار موت کی بیہوشی میں ہوں اور فرشتے ہاتھ کھولے ہوں کہ نکالو (اپنے جسموں کے اندر سے) اپنی روحوں کو آج تم کو اس پر ذلت کی سزا ملے گی کہ تم خدا کی شان میں جھوٹ باتیں کہتے تھے اور اس کے حکموں کے ماننے سے غرور کرتے تھے' اور تم ایک ایک کر کے (تنہا) جیسے ہم نے پہلی بار تم کو پیدا کیا تھا' ہمارے پاس آئے اور جو سامان واسباب تم کو دیا تھا جس نے تم کو مغرور بنایا تھا' اس کو اپنے پیچھے چھوڑ آئے۔''

ان آیات سے ظاہر ہے کہ موت کے وقت کس طرح فرشتے سامنے آتے ہیں اور روح جسم سے جس وقت الگ ہوتی ہے اس کے گناہوں کی سزا کا دور شروع ہو جاتا ہے' یہی بات ایک اور موقع پر مذکور ہے۔

﴿وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ (انفال : ۷)

''اور کبھی تو دیکھے جس وقت فرشتے کافروں کی جان لیتے ہیں' ان کے منہ پر اور پیچھے مارتے ہیں اور کہتے ہیں جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو یہ تمہارے ہاتھوں کے پہلے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔''

اس سے واضح ہے کہ یہ سزا موت ہی کے عالم سے شروع ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ یہ سزا نعوذ باللہ کسی انتقام کے

Marfat.com

سبب سے نہیں دیتا بلکہ وہ درحقیقت قانون عمل کے مطابق خود انسان کے کاموں کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے۔

نکوکاروں کا نقشہ اس سے بالکل الگ ہے' ان کو ہر طرف سے بشارتیں سنائی دیتی ہیں' اور ہر سمت خوشی و شادمانی کا سماں سامنے ہوتا ہے۔

﴿فَلَوْ لَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ وَ اَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ وَ اَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحَابِ الْيَمِيْنِ وَ اَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَ تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ﴾ (واقعہ : ٣)

''پھر کیوں نہیں جس وقت روح حلق تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو' اور ہم اس سے تمہاری نسبت زیادہ تر نزدیک ہوتے ہیں' لیکن تم کو دکھائی نہیں دیتا تو اگر تم کسی اور کے حکم کے نیچے نہیں ہو' تو کیوں نہیں اس روح کو پھر پلٹا دیتے ہو' اگر تم (اپنے انکار و تکذیب میں) سچے ہو' تو اگر وہ (مرنے والا) مقرب بندوں میں سے ہوا تو خوشی و آرام اور نعمت کی بہشت ہے اور اگر وہ (اس سے کچھ کم درجہ) داہنے والوں میں ہوا تو تجھ پر سلامتی داہنے والوں میں سے اور اگر وہ حق کو جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہوا تو گرم پانی کی مہمانی اور دوزخ میں بیٹھنا ہے بے شبہ یہ بات یقین کے لائق ہے۔''

یہ تمام سماں موت کے بعد اور عالم برزخ ہی کے مناظر ہیں۔

برزخ کا عذاب و راحت:

اوپر کی آیتوں سے پوری طرح ہویدا ہے کہ روح و جسم کی مفارقت کے بعد اچھی روحوں کے سامنے رحمت کے اور بری روحوں کے روبرو عذاب کے منظر گزرتے ہیں' قرآن پاک میں کچھ اور آیتیں ہیں جن سے ثابت ہے کہ یہ منظر نہ صرف روح کے سامنے ہی سے گزرتے ہیں' بلکہ کبھی کبھی وہ اپنے اعمال کے مدارج کے مطابق رحمت یا زحمت کے اندر بھی داخل کر دی جاتی ہے' منافقین کی نسبت قرآن میں ہے۔

﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ﴾ (توبہ : ١٣)

''ہم ان کو دو دفعہ عذاب دیں گے' پھر وہ ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔''

﴿عذاب عظیم﴾ سے ظاہر ہے کہ دوزخ کا عذاب مراد ہے' اب اس عذاب دوزخ سے پہلے عذاب کے دو دوران پر اور گزر چکے ہوں گے' ایک تو یہ دنیاوی عذاب ہے' اور دوسرا موت کے بعد ہی کا ہو سکتا ہے قرآن میں آل فرعون کے ذکر میں ہے۔

﴿وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ (مؤمن : ٥)

''اور فرعون والوں پر بری طرح عذاب الٹ پڑا' آگ کہ اس پر وہ صبح اور شام پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن سے قیامت کی گھڑی کھڑی ہوگی (ندا ہوگی کہ) فرعون والوں کو (پہلے سے بھی) بڑھ کر عذاب میں ڈالو۔''

Marfat.com

اس سے ظاہر ہوا کہ گنہگاروں کو قیامت سے پہلے برزخ کے عالم میں بھی عذاب کا کچھ نہ کچھ مزا چکھایا جاتا ہے ایسا ہی نیکوکاروں کو بہشت کے عیش و آرام کا منظر دکھایا جاتا ہے اسی آیت پاک کی تشریح میں گویا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم میں سے جب کوئی مرتا ہے تو اس پر صبح و شام اس کا اصلی مقام پیش کیا جاتا ہے اگر وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے تو جنت اور اہل دوزخ سے ہوتا ہے تو دوزخ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا مقام اس وقت تک کے لیے کہ جب تو قیامت کے دن اٹھایا جائے"[۱] ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ جنتی مردہ کے سامنے جنت و دوزخ دونوں کے منظر سامنے کر کے کہتے ہیں کہ اگر تو اچھے عمل نہ کرتا تو تیرا یہ مقام نہ ہوتا مگر تیرے نیک عمل کے سبب سے اب یہ جنت تیرا مقام ہے[۲] اور اس دن تک کے لیے کہ لوگ اٹھائے جائیں اس پر سرسبزی بھر دی جاتی ہے۔[۳]

مشرکوں اور قیامت کے منکروں کا سوال تھا کہ اگر یہ پیغام الٰہی سچ ہے تو ہم کو فرشتے یا خدا نظر کیوں نہیں آتے' جواب میں کہا گیا کہ فرشتے جس دن نظر آئیں گے اس دن ایمان بالغیب کہاں؟ اور اوپر کی آیتوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ فرشتے موت کے وقت نظر آتے ہیں یا پھر قیامت میں نظر آئیں گے اس لیے ارشاد ہے۔

﴿يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَ يَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا وَ قَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا وَ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَ كَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا﴾ (فرقان : ۳)

"جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن ان گنہگاروں کو کوئی خوش خبری نہیں اور کہیں گے (کہ یہ ڈراؤنا منظر جو ہم کو نظر آ رہا ہے) اب اوٹ میں روکا جائے اور ہم خدا فرماتا ہے ان کے کیے ہوئے کاموں کے پاس پہنچے اور ان کو اڑتا غبار بنا دیا (یعنی بیکار و بے سود معدوم) جنت والے لوگ (یعنی جنت جن کو ملنے والی ہے) اس دن ان کے لیے خوب ٹھکانا اور دوپہر کے سونے کا مقام ہوگا اور جس دن آسمان بادل سے پھٹ جائے گا اور فرشتے آہستہ آہستہ اتارے جائیں گے اس دن راج سچا خدا کا ہوگا اور وہ دن کافروں پر سخت ہوگا۔"

کھلی بات ہے کہ آسمان کا بادل سے پھٹنا اور فرشتوں کا اترنا قیامت کا نقشہ ہے اب اس سے پہلے فرشتوں کے دکھائی دینے کا وہ دن جس میں گنہگاروں کے لیے کوئی خوش خبری نہیں اور وہ کہیں گے کہ کاش یہ ڈراؤنا منظر ہماری نگاہوں کے سامنے نہ ہوتا اور جنت کے مستحقین کو ایک اچھا مستقر (قرار گاہ) اور دوپہر کی دھوپ سے بچانے والی خواب گاہ بنی ہوگی قیامت سے پہلے اور موت کے بعد ہی کی کیفیت ہے۔[۴]

سورۂ محمد میں موت کے وقت کا حال بیان ہوتا ہے کہ جب فرشتے ان گنہگاروں کی روحوں کو قبض کرتے ہیں تو

(۱) صحیح مسلم کتاب الجنۃ والنار باب عرض مقعد المیت جلد ۲ ص ۴۸۸ مصر و جامع ترمذی کتاب الجنائز باب عذاب القبر۔

(۲) صحیح بخاری کتاب الجنائز ص ۳۸۴۔

(۳) صحیح بخاری کتاب الجنائز ص ۳۸۴۔

(۴) صحیح مسلم باب عرض مقعد المیت ص ۴۹۰ مصر۔

Marfat.com

ان کے چہروں پر اور پیٹھوں پر ضرب لگاتے ہیں فرمایا۔

﴿فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾ (محمد: ۳)

''پھر کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کو وفات دیں گے ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے ہوئے یہ اس لیے کہ انہوں نے اس کی پیروی کی جس نے خدا کو ان سے ناخوش کر دیا اور جنہوں نے خدا کی خوشنودی کو پسند نہ کیا تو خدا نے ان کے کاموں کو بے نتیجہ کر دیا۔''

یہ غیبی ضرب خواہ اسی مادی جسم پر پڑتی ہو یا اس کے مثالی جسم پر یا روح پر جو بھی کہیے بہر حال اس سے یہ ثابت ہے کہ گنہگار مردہ پر موت کے وقت ہی سے عذاب کا ایک رنگ شروع ہوتا ہے۔

سورۂ انعام میں اس سے زیادہ ہے۔

﴿وَ لَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ﴾ (انعام: ۱۱)

''اور اگر تو دیکھے جب گنہگار موت کی سکرات میں ہوں اور فرشتے ہاتھ بڑھائے ہوں کہ نکالو (اپنے جسم کے اندر سے) اپنی روحوں کو آج تم کو ذلت کی سزا ملے گی۔''

الیوم جس کے معنی آج کے ہیں' ظاہر ہے کہ اس سے وہی زمانہ مراد ہے جس وقت سے فرشتے بدن سے روح نکالتے ہیں اس ''آج'' سے مقصود ہمارا دنیاوی آج نہیں ہے جو ۲۴ گھنٹوں میں ختم ہو جاتا ہے بلکہ برزخ کا پورا زمانہ ہے (دیکھو فتح القدیر شوکانی و تفسیر ابوالسعود و تفسیر روح المعانی آلوسی)

قوم نوح کے غرق ہونے کے بعد ہی دوزخ میں جانے کا حکم ہے۔

﴿اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا﴾ (نوح: ۲)

''وہ ڈبو دیئے گئے' پھر وہ آگ میں داخل کیے گئے تو انہوں نے خدا کے سوا مددگار نہیں پائے۔''

حضرت لوطؑ اور حضرت نوحؑ کی کافر بیویوں کی موت کے بعد ہی عذاب کا ذکر ہے۔

﴿وَ قِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ﴾ (تحریم: ۲)

''اور کہا گیا کہ داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی آگ میں داخل ہو جاؤ۔''

یہ قیامت سے پہلے اور دنیا کے عذاب ہلاکت کے بعد کے واقعات ہیں' اور اسی وقفہ کا نام برزخ ہے۔

سورۂ یسین میں ایک خیر خواہ قوم کا ذکر ہے' جو عمر بھر اپنی قوم کو حق کی تبلیغ کرتا رہا تھا' اور پھر وہ غالباً اسی حق کی راہ میں شہید ہوا مرنے کے بعد جب اس کو بہشت ملی تو اس نے بڑی حسرت سے کہا کہ کاش میری قوم کو معلوم ہوتا کہ مرنے کے بعد خدا نے کس طرح مجھے معاف فرمایا' اور عزت بخشی تاکہ وہ بھی ایمان سے میری طرح بہرہ ور ہو کر اس مغفرت اور عزت سے سرفراز ہوتی۔

﴿قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِیْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَلِیْ رَبِّیْ وَ جَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْ

''کہا گیا جنت میں داخل ہو جا' اس نے کہا اے کاش میری قوم کو یہ معلوم ہوتا کہ میرے پروردگار نے میری مغفرت کی اور مجھے عزت والوں میں سے بنایا' اور ہم نے اس کے مرنے

Marfat.com

بَعْدِہٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ مَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ﴾ (یس : ۲) — کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی فوج نہیں اتاری اور نہ ہم اتارا کرتے ہیں۔“

شہیدوں کی نسبت تو خاص طور پر ہے۔

﴿بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ (آل عمران : ۱۷) — ”بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ شہداء کو برزخ ہی میں کامل زندگی کے ساتھ جنت کی روزی ملتی ہے اور عام نیکوکاروں کا یہ حال ہے کہ ان کو فرشتے اس وقت سلامتی اور جنت کی خوش خبری سناتے ہیں فرمایا۔

﴿اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (نحل : ۴) — ”جن کو فرشتے (گناہوں سے) پاک وصاف حالت میں وفات دیتے ہیں‘ کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو اپنے کاموں کے بدلہ جنت میں چلے جاؤ۔“

قبر کی اصطلاح:

سطور بالا میں عالم برزخ کے وہ مناظر دکھائے گئے ہیں‘ جو قرآن کی آیتوں میں نظر آتے ہیں اور احادیث صحیحہ میں اس عالم کے حالات کی جو تفصیلیں مذکور ہیں‘[1] وہ عموماً قبر کی اصطلاح کے ساتھ بیان ہوئی ہیں‘ لیکن اس لفظ ”قبر“ سے درحقیقت مقصود وہ خاک کا تودہ نہیں جس کے نیچے کسی مردہ کی ہڈیاں پڑی رہتی ہیں‘ بلکہ وہ عالم ہے جس میں یہ مناظر پیش آتے ہیں‘ اور وہ ارواح ونفوس کی دنیا ہے‘ مادی عناصر کی نہیں‘ اسی لیے قرآن پاک نے اس عالم کے تعلق سے ہمیشہ نفس اور نفوس کو خطاب کیا ہے اور ان ہی کے عذاب وثواب اور رحمت ولعنت کا ذکر ہے۔ اس عالم میں جو جسم نظر آتا ہے‘ وہ مرنے والوں کے اعمال کا مثالی پیکر ہوتا ہے جو ہو بہو اس کے خاکی جسم کا مثنیٰ ہوتا ہے تم نیند میں ہو‘ اور تمہارا نیم مردہ بے حس جسم بستر پر دراز ہے‘ مگر تم خواب میں دیکھ رہے ہو کہ بعینہ تمہارا جسم آگ میں جل رہا ہے یا باغ وبہار کی لذتوں میں مصروف ہے‘ اور تم کو اس سے وہی تکلیف اور راحت مل رہی ہے‘ جو بیداری میں اپنے بستر پر پڑے ہوئے جسم کی تکلیف وراحت سے مل سکتی ہے‘ اس خواب میں جس طرح تمہارے مادی جسم کے علاوہ تم کو اپنا ایک خیالی جسم نظر آتا ہے جو ہو بہو تمہارا مادی جسم ہے‘ اس طرح موت کے خواب میں بھی تم کو اپنا ایک مثالی جسم نظر آئے گا‘ جو اکثر حالتوں میں ہو بہو تمہارے اس خاکی جسم کے مطابق ہوگا[2] اور تمہاری روح اسی جسم مثالی کے عذاب وراحت سے متاثر ہوگی اور اعمال کی اصل ذمہ دار روح انسانی ہے‘ جسم خاکی نہیں فرمایا ﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ

(۱) بعض معتزلہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے‘ اور ان کی دلیل یہ تھی کہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں یہ غلط فہمی ان کو اس لیے پیش آئی کہ قرآن میں لفظ قبر وقبور کے ساتھ عذاب کا ذکر نہیں لیکن اگر وہ دیکھتے کہ قرآن میں بعد موت اور قبل قیامت ارواح انسانی کے عذاب وثواب اور رحمت ولعنت کا ذکر موجود ہے تو ان کو اس انکار کی جرأت نہ ہوتی اور قرآن میں اسی قسم کی متعدد آیتیں موجود ہیں۔

(۲) اس سے اس شبہہ کا ازالہ ہوتا ہے کہ ہم کو مردہ جسم سامنے پڑا نظر آتا ہے لیکن اس پر عذاب کا کوئی نشان نظر نہیں آتا اور نیز اس شبہہ کا بھی ازالہ ہوتا ہے کہ قبر میں جب جسم سڑ گل جاتا ہے تو پھر عذاب وثواب کا احساس اس کو کیسے ہوتا ہے۔

Marfat.com

رَهِيْنَةٌ﴾ (مدثر : ۲) یعنی ہر روح اور جان اپنے اعمال کے ہاتھوں گرو ہوگی۔'' اس لیے اصل مکلّف روح ہے جسم نہیں' جسم بمنزلہ آلہ کے ہے' دنیا میں اس کا ایک جسم خاکی تھا' برزخ میں اس کا ایک اور جسم ہوگا جو مادہ و مادیات سے پاک و بری ہوگا۔ تاہم اس کو اپنے جسم خاکی سے ایک قسم کی نسبت حاصل ہوگی' اور اتنی ہی نسبت کی بنا پر قبر کی اصطلاح عام بول چال میں جاری ہے' کیونکہ ہم اپنی آنکھوں سے مسلمان مردوں کو اسی قبر میں جاتے دیکھتے ہیں قرآن پاک کی یہ آیت اوپر گزر چکی ہے۔

﴿وَ لَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ﴾ (انفال : ۷)

''اور اگر تو دیکھے جس وقت فرشتے کافروں کی جان لیتے ہیں' ان کے منہ پر اور پیچھے مارتے ہیں اور کہتے ہیں جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو۔''

اس آیت سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ گنہگاروں پر موت کے بعد ہی سے عذاب شروع ہو جاتا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ مار ان کے منہ اور پیٹھ پر پڑتی ہے مگر یہ منہ اور یہ پیٹھ وہ نہیں ہے جو بے جان لاشہ کی صورت میں ہمارے سامنے ہے بلکہ اس آیت میں کافر کی روح کو جانور سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح جانور کو تیز ہنکاتے وقت کبھی آگے (منہ پر) اور کبھی پیچھے (پیٹھ پر) مارتے ہیں' اسی طرح گویا کافر روح کو زبردستی فرشتے مارتے ہوئے اور ہنکاتے ہوئے لے چلیں گے اور کہیں گے کہ چلو عذاب کا مزہ چکھو' یہی مفہوم صاف لفظوں میں اس آیت میں ہے۔

﴿اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ﴾ (قیامہ : ۱) ''اس دن تیرے پروردگار کی طرف ہے ہنکایا جانا۔''

بعض ایسی سعید روحیں بھی ہوتی ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس برزخ میں جسم خاکی کی شکل و صورت کی قید سے آزاد کر کے کوئی دوسرا مناسب مثالی جسم عطا کرتا ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ مومن کامل کی روح پرندوں کی شکل میں جنت میں اڑتی پھرتی ہے۔[1] اور خصوصاً شہداء کے متعلق آیا ہے کہ وہ سبز پرندوں کی شکل میں ہوں گے' اور عرش الٰہی کی قندیلیں ان کا آشیانہ ہوں گی' اسی طرح دوزخ و بہشت کے متعلق آنحضرت ﷺ کا جو رویائے صادقہ پہلے گزرا ہے' اس میں جسمانی قالبوں میں گنہگاروں کی سزا و تکلیف کی صورتیں دکھائی گئی ہیں' وہ تمام تر مثالی ہی ہیں' ظاہر ہے کہ مومن سعید اور شہداء کے وہ مثالی قالب اور گنہگاروں کے یہ مثالی اجسام ان کے وہ قالب اور جسم نہیں ہیں جو ان کی قبروں میں سڑ گل کر فنا ہو گئے' یا وہ آگ میں جل کر خاکستر ہوئے' اور ذرے ہوا میں اڑ کر منتشر ہو گئے یا کسی جانور کے پیٹ میں جا کر اس کا جزو بدن بن گئے۔

بعض حدیثوں میں آنحضرت ﷺ سے ان مٹی کی قبروں میں عذاب کے مشاہدات و مسموعات کا تذکرہ ہے تو ظاہر ہے کہ مادی زبان و منظر میں ان قوموں کے نزدیک جو مردوں کو گاڑتی ہیں اس میت کی یادگار اس دنیا میں اس کے اس مٹی کے ڈھیر کے سوا اور کیا ہے' جس کی طرف اشارہ کیا جا سکے' ایک صحیح حدیث میں اس نیک مرد کا ذکر ہے جس نے خدا کے خوف سے یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اس کا جسم جلا کر اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی جائے تا کہ وہ خدا کے

(۱) سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز۔

Marfat.com

سامنے حاضر نہ کیا جا سکے' مگر قدرت الٰہی نے اس کو مجسم کر کے کھڑا کر دیا' اور اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نوازا۔[1]

سوال وجواب:

احادیث صحیحہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مرنے کے بعد قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اور وہ مردوں سے توحید ورسالت کی نسبت سوال وجواب کرتے ہیں۔

اس کی تصدیق قرآن کی ان آیتوں سے بھی ہوتی ہے۔

﴿الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (نحل : ۴)

''جن کو فرشتے (گناہوں سے) پاک وصاف حالت میں وفات دیتے ہیں' کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو اپنے کاموں کے بدلہ جنت میں چلے جاؤ۔''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ﴾ (نساء : ۱۴)

''بے شک فرشتوں نے جن کی روحوں کو اس حالت میں قبض کیا کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے' وہ ان سے کہتے ہیں' تم کس بات میں تھے' وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم ملک میں بے یار و مددگار تھے وہ فرشتے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اپنا وطن چھوڑ کر باہر چلے جاتے۔''

ایک اور آیت میں ہے۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَ شَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِي النَّارِ﴾ (اعراف : ۴)

''یہاں تک کہ جب ان جھٹلانے والوں کے پاس ہمارے فرشتے ان کی روحوں کو قبض کرنے آئیں گے اور کہیں گے کہاں ہے وہ جن کو تم خدا کے علاوہ پکارتے تھے (اس وقت وہ مشرک) کہیں گے کہ ہمارے وہ دیوتا ہم سے کنارہ کش ہو گئے اور انہوں نے اپنے اوپر آپ گواہی دی کہ وہ کافر تھے تب خدا فرمائے گا کہ تم بھی ان لوگوں میں جا ملو جو جن وانس میں سے تم سے پہلے آگ میں جا چکے ہیں۔''

پہلی آیت میں عدم ہجرت کے گناہ کے مرتکب مسلمانوں کا' اور دوسری میں کافروں کا حال بیان کیا ہے کہ ان سے ان کی موت کے بعد ہی یہ سوال کیا جائے گا۔ بہر حال یہ تو خاص خاص گناہوں کے مجرموں کا حال تھا اب عام لوگوں سے جو سوال ہو سکتا ہے جس کا ذکر احادیث میں ہے' یعنی توحید ورسالت کی معرفت کا ان سے سوال ہوگا۔

قرآن پاک میں ایک جگہ کلمہ طیبہ (اچھی بات یعنی کلمہ توحید) اور کلمہ خبیثہ (بری بات یعنی کلمہ کفر) کی ایک ایک مثال ہے' کلمہ طیبہ کی مثال اس درخت کی ہے جس کی جڑیں زمین میں مضبوط گڑی ہیں' اس کی شاخیں آسمانوں

(۱) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۹۵۹ کتاب الرقاق باب الخوف من اللہ۔

Marfat.com

تک پھیلی ہیں اور اس میں سدا بہار میوے لگے ہیں' اور کلمہ خبیثہ کی مثال اس درخت کی ہے جس کی جڑ زمین سے اکھڑی پڑی ہے وہ اب گرا اور تب گرا۔ اس کے بعد قرآن میں ہے۔

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (ابراھیم : ۴)

''اللہ ایمان والوں کو پکی بات پر اس دنیا میں مضبوط رکھے گا اور آخرت میں بھی اور اللہ ظالموں کو بچلاتا ہے۔''

اس کی تفسیر صحیح حدیثوں میں یہ ہے کہ یہ برزخ کے اسی سوال و جواب سے متعلق ہے کہ صاحب ایمان جس طرح اپنی اس زندگی میں ایمان کی بات پر قائم تھا' اسی طرح برزخ میں بھی اس پر قائم رہے گا' اور جو کافر و مشرک یہاں اس پر قائم نہ تھا' وہاں بھی وہ قائم نہ رہے گا اور بہک جائے گا۔

ہر چند کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح تفسیر کے ہوتے ہوئے کسی اور استدلال کی حاجت نہیں تاہم' تائیداً یہ عرض ہے کہ اس آیت میں اہل ایمان کے آخرت میں بھی قول ثابت پر ثابت قدم رکھے جانے کی بشارت ہے' ظاہر ہے کہ اس آخرت سے قیامت اور بہشت و دوزخ کا دن تو مراد نہیں ہوسکتا کہ وہ تو کشف راز کا دن ہے اس دن تو کافر بھی (اس قول ثابت سے) پلٹنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ پھر یہ اہل ایمان کے لیے کوئی خاص بشارت نہ ہوگی' اور نہ یہ اس اظہار احسان کا مناسب وقت ہوسکتا ہے' البتہ اس بشارت اور احسان کا اعلان و اظہار آخرت کے اس حصہ میں موزوں ہوسکتا تھا' جہاں ہنوز اسرار پس پردہ کی پوری نقاب کشائی نہیں ہوتی' اور وہ برزخ کا عالم ہے۔

اس آیت پاک کی اس تفسیر سے جو احادیث صحیحہ پر مبنی ہے' یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آخرت کی وسعت مفہوم میں برزخ کا میدان بھی داخل ہے۔

حقیقت میں اس عالم برزخ کا سوال و جواب کوئی نیا واقعہ نہ ہوگا۔ بلکہ ہر روح کی پہلی زندگی کی ایمانی کیفیت اقرار و انکار کی مثال ہوگی' یا یوں کہو کہ آج کے آئینہ میں کل کا عکس نمایاں ہوگا یعنی اقرار و انکار کی جس کیفیت پر زندگی کا خاتمہ ہوا ہوگا' وہی بعد کو سوال و جواب میں نمایاں ہوگی۔

برزخ میں ارواح کا مسکن:

آخری سوال یہ ہے کہ موت اور قیامت کی اس بیچ کی منزل (برزخ) میں ارواح انسانی کا مسکن کہاں ہوگا؟ قرآن پاک میں اس کا جواب متعدد آیتوں میں ملتا ہے' سب سے پہلی آیت تو ان مذکورہ بالا آیات کے بعد ہے' جس میں ذکر ہے کہ فرشتے جب منکرین سے سوال و جواب کر چکیں گے تو خدا ان کی روحوں کو حکم دے گا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ عذاب کی آگ میں داخل ہو جائیں' اس کے بعد ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ (اعراف : ۵)

''بے شک جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے ماننے سے غرور کیا اور ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے تا آنکہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے (یعنی کبھی نہیں)۔''

Marfat.com

اس سے معلوم ہوا کہ آیات الٰہی کے منکروں اور جھٹلانے والوں کی روحیں مرنے کے بعد آسمانی بادشاہی کے حدود میں قدم نہ رکھ سکیں گی اور وہ فضائے زمین میں آوارہ پھریں گی یا اپنے خاکی جسموں کے لگاؤ سے جہاں وہ سپرد خاک ہوئے ہوں منڈلاتی رہیں گی اور وہیں سے دوزخ کا منظر دیکھیں گی اور تکلیف اٹھائیں گی۔

اس کے برخلاف ہمہ تن پاک باز مومن روح کا یہ حال ہوتا ہے کہ موت ہی کے وقت رحمت الٰہی کا فرشتہ بلکہ خود زبان رحمت اس کے کانوں میں یہ صدا دیتی ہے۔

﴿يٰاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ﴾ (فجر : ۱)

''اے مطمئن روح! اپنے پروردگار کے پاس واپس چلی جا، تیرا پروردگار تجھ سے خوش اور تو اپنے پروردگار سے خوش، تو میرے بندوں میں شامل اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔''

ان سے بڑھ کر وہ پاک باز روحیں ہیں، جنہوں نے اپنے خاکی جسموں فانی زندگیوں، مادی خوشیوں اور زوال پذیر عشرتوں کو خدا کی راہ میں قربان کیا، تو ان کو خدا کی طرف سے ایک تمثالی جسم، غیر فانی زندگی اور روحانی عیش و مسرت کی لازوال دولت اسی وقت عنایت کر دی جاتی ہے، فرمایا۔

﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ (بقرہ : ۱۹)

''جو خدا کی راہ میں مارے جائیں ان کو مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں کر سکتے۔''

یہ پر مسرت زندگی کیسی ہوگی، اس کی تفصیل دوسری سورت میں ہے۔

﴿وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران : ۱۷)

''اور تو ان کو جو خدا کی راہ میں مارے گئے مردہ نہ گمان کر، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، ان کو روزی دی جاتی ہے خدا نے اپنی مہربانی سے ان کو جو دیا ہے اس پر خوش ہیں، اور جو ابھی ان کے پیچھے سے ان تک نہیں پہنچے ہیں، ان کی طرف سے بھی خوش ہیں کہ ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے، وہ اللہ کے مہر و کرم سے مسرور ہیں، اللہ ایمان والوں کی مزدوری ضائع نہیں کرتا۔''

یہ پر مسرت زندگی شہداء کو ملے گی، اس زندگی کا مقام ''خدا کے پاس'' بتایا گیا ہے، احادیث صحیحہ میں ہے کہ ان زندہ شہیدوں کی روحیں قفس عنصری سے پرواز کر کے جب اڑتی ہیں تو وہ سبز پرندوں کی صورت میں جنت کی سیر کرتی ہیں اور عرش الٰہی کی قندیلیں ان کا نشیمن بنتی ہیں، اس کے بعد غالباً ہر ذی عقل تسلیم کرے گا کہ انبیاء علیہم السلام کے روحانی مدارج و مراتب شہداء سے بہر حال اعلیٰ و برتر ہیں، اس لیے ان کا مقام بھی اسی احاطہ قدس کے اندر ہوگا۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے سیر معراج اور اپنے رویائے صادقہ میں بعض پیغمبروں کو آسمان اور بہشت کے مختلف مدارج میں دیکھا۔

بعض وہ سعید روحیں ہیں جو یہاں سے نکل کر فرشتوں کی صف میں داخل ہو جاتی ہیں جیسا کہ حضرت جعفر طیارؓ

Marfat.com

کے متعلق احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ وہ شہادت کے بعد دونوں بازوؤں سے فرشتوں کے ساتھ عالم ملکوت میں اڑ رہے تھے' عالم برزخ کے یہ دو اڑانے والے بازو در حقیقت ان کے ان دونوں جسمانی بازوؤں کی مثال ہیں' جو اس جنگ میں ان کے جسم سے کٹ کر گر گئے تھے' اور وہ اس پر بھی اسلام کے علم کو اپنے بقیہ کٹے ہوئے بازو اور گردن کے سہارے سے پکڑے تھے' عجب نہیں کہ قرآن پاک کی یہ آیت ایسے ہی لوگوں کی شان میں ہو۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ﴾ (حٰمٓ السجدہ : ۴)

''بے شک جن لوگوں نے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے ان پر فرشتے یہ خوش خبری لے کر اترتے ہیں کہ خوف نہ کھاؤ اور غمگین نہ ہو اور اس جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ کیا تھا' ہم دنیا کی زندگی میں تمہارے رفیق ہیں اور آخرت میں بھی۔''

یہ آوازۂ بشارت اور فرشتوں کی رفاقت' اسی برزخ کا دل کش سماں ہو سکتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

۲: آخرت کی دوسری اور حقیقی منزل

قیامت اور جزائے اعمال

موت تو افراد کا معاملہ ہے۔ ایک مرتا ہے اور دوسرا اس کی جگہ پیدا ہوتا ہے' قومیں بھی باری باری اس بازی گاہ کے تختہ پر آتی ہیں اور ایک قوم اپنا کھیل ختم کر کے کسی دوسری کے لیے جگہ خالی کر جاتی ہے' یہ سلسلہ ازل سے قائم ہے اور اب تک چل رہا ہے' کائنات جس نظام پر پیدا ہوئی تھی وہ بعینہٖ قائم ہے اور اس محفل کی جو رونق اول روز تھی وہ اب تک اسی طرح باقی ہے' غرض۔

ہزار شمع بکشتند و انجمن باقی است

لیکن کیا کوئی ایسا دن بھی آئے گا جب یہ ساری بساط ہستی الٹ جائے گی' کائنات کی یہ مجلس درہم برہم ہو جائے گی' اور آسمان و زمین کے کرے ٹکرا کر چور چور ہو جائیں گے' اور پھر وہ خلاق عالم اپنی صفت خلق و احسان و جزا کے نئے منظر دکھائے گا اور نئی زمین اور نیا آسمان پیدا ہو کر ایک اور عالم کسی نئے نظام پر وجود پذیر ہو گا۔

دنیا کے وہ تمام لوگ جو حال کو دیکھ کر مستقبل کا پتہ لگاتے ہیں کسی نہ کسی طرح اس سوال کا جواب اثبات میں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح یہ افراد آتے اور فنا ہوتے ہیں' اسی طرح ایک دن آئے گا جب اس پوری دنیائے حیات پر موت طاری ہو گی' سب سے زیادہ اس سوال کے جواب میں کرید بلکہ انکار کا حق فلسفہ اور سائنس کے محققوں (سائنٹیس) کو ہو سکتا ہے' اہل فلسفہ کا بڑا گروہ اس امکان پر یقین رکھتا ہے' اور اہل سائنس بھی اس کو بہر حال محال نہیں سمجھتے بلکہ طبیعات و ہیئت جدید کے مختلف محققوں کے خیالات اس باب میں امکان سے آگے بڑھ کر وقوع کی سرحد تک پہنچ چکے ہیں' وہ اس ہولناک دن کی آمد کے متعلق اپنے علم کے زور سے پیشین گوییاں کرتے رہتے ہیں اور اس عالم گیر موت کے مختلف اسباب ظاہر ہوتے ہیں' کوئی کہتا ہے کہ نظام عالم کی پوری گاڑی جس انجن سے چل رہی ہے' وہ گرم آفتاب ہے جس کی یہ گرمی روز بروز کم ہوتی جاتی ہے' آخر ایک دن آئے گا۔ جب یہ انجن بالکل ٹھنڈا ہو جائے گا اور ساری گاڑی ٹوٹ پھوٹ جائے گی' ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پورا نظام کائنات جذب و کشش کے ستون پر قائم ہے اور فضائے ہستی کے یہ تمام سیارے روز بروز کھنچے چلے آتے ہیں تو ایک دن وہ بھی آئے گا جب باہمی توازن باقی نہیں رہے گا' اس وقت تمام کرے ایک دوسرے سے قریب ہو کر ٹکرا جائیں گے' اور یہ تصادم ان کو چور چور کر دے گا۔

ایک اور خیال یہ ہے کہ اس فضا میں کروڑوں ستارے تیر رہے ہیں' ان میں سے بہت کم کا علم ہم کو ہوا ہے' بہت ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں ہماری زمین کسی نئے ستارہ سے ٹکرا کر چور چور ہو جائے اور اس کی ساری آبادی ہباء منثوراً ہو

Marfat.com

کررہ جائے۔

بہر حال اسباب طبعی کچھ ہوں مگر ایسا ہونا اہل سائنس کے نزدیک بھی امکان بلکہ وقوع کی امید سے خالی نہیں۔

اہل مذاہب میں یہ عقیدہ کسی نہ کسی نوع سے ہر جگہ موجود ہے اور اس کا مجمل تذکرہ تمام آسمانی کتابوں میں ہے تورات میں اس کے اشارے پائے جاتے ہیں' زبور میں اس کی تصریحات ہیں' اور اس میں اس کو عدالت کا دن کہا گیا ہے۔[1] حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں یہود کے دو فرقے تھے' ایک صدوقی' جو یونانیوں کے اثر سے آزاد خیال ہو گیا تھا' اور قیامت کا منکر تھا' مگر دوسرا فرقہ جو فریسی کہلاتا تھا' بدستور اپنے پرانے عقیدے پر قائم تھا'[2] آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جو یہودی تھے وہ قیامت حشر و نشر اور بہشت دوزخ کے قائم تھے' ان کا عقیدہ تھا کہ جب قیامت آئے گی تو اللہ تعالیٰ ایک انگلی پر آسمانوں کو اور دوسری پر زمینوں کو' تیسری پر درختوں کو چوتھی پر پانی کو اور اندر کی زم مٹی کو اور پانچویں پر تمام مخلوقات کو رکھے گا' اور ندا آوے گی کہ میں ہوں بادشاہ[3] انجیل میں یہ عقیدہ پوری تصریح کے ساتھ مذکور ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صدوقیوں کے مقابلہ میں توریت کی ایک آیت سے حیات اخروی کا ثبوت پیش کیا ہے۔[4] اور مکاشفات یوحنا میں قیامت کے احوال و اہوال کی پوری تفصیل و تشریح مذکور ہے' ہندو پرے کے نام سے اس عقیدہ (فنائے عالم) پر یقین رکھتے ہیں' لیکن اس حقیقت کی کامل تشریح خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے انجام کو پہنچی ہے۔

قیامت کے نام:

کسی شے کی حقیقت کی اولین گرہ کشائی' اس کے ناموں کی تشریح سے ہوتی ہے' قرآن پاک میں قیامت کو بیسیوں ناموں سے یاد کیا گیا ہے' اور ان میں سے ہر ایک نام اس کے ایک خاص پہلو کو نمایاں اور ظاہر کرتا ہے قرآن میں اس کا سب سے پہلا نام جو سب سے پہلی سورت میں ہے' وہ یوم الدین ہے' یعنی جزا کا دن' جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ عمومی جزا اور ربانی عدالت کا دن ہوگا' اس کے علاوہ اس کے اور بھی بہت سے نام قرآن میں جابجا ہیں۔

- اَلسَّاعَۃُ ٭ وہ گھڑی (وہ مقررہ وقت)
- یَوْمُ الْقِیَامَۃ ٭ کھڑے ہونے کا دن (مردوں کے کھڑے ہونے کا دن)
- اَلْیَوْمُ الْحَقُّ ٭ سچا دن (نہ جس کے آنے میں کوئی شک ہے اور نہ جس کے فیصلہ میں کوئی غلطی ہوگی)
- یَوْمٌ مَّعْلُوْمٌ ٭ جانا ہوا دن' یا مقررہ دن۔
- اَلْیَوْمُ الْمَوْعُوْدُ ٭ موعودہ دن۔
- اَلْوَقْتُ الْمَعْلُوْمُ ٭ جانا ہوا وقت یا مقررہ وقت۔

---

(۱) زبور ۹ ۱۶۰ ۱۷ ۱ ۲۲ ۱ ۲ و باب ۴۹ ۵۰۔

(۲) انجیل مرقس ۱۲ ۲۴ و اعمال ۲۳۔

(۳) صحیح بخاری تفسیر سورۂ زمر۔

(۴) متی ۲۲ ۳۱ ۳۲ لوقا ۲۰ ۲۷ مرقس ۱۲ ۱۸۔

Marfat.com

﴿يَوْمُ الْأَزِفَةِ﴾ قریب آنے والی مصیبت کا دن۔

﴿اَلْيَوْمُ الْأٰخِرُ﴾ پچھلا دن۔

﴿يَوْمٌ عَظِيْمٌ﴾ ایک بڑا دن۔

﴿يَوْمٌ عَسِيْرٌ﴾ ایک سخت دن۔

﴿يَوْمُ الْبَعْثِ﴾ جی اٹھنے کا دن۔

﴿يَوْمٌ عَصِيْبٌ﴾ سخت دن۔

﴿يَوْمُ التَّلَاقِ﴾ باہم ملنے کا دن۔

﴿يَوْمُ التَّنَادِ﴾ پکار کا دن۔

﴿يَوْمُ الْجَمْعِ﴾ اکٹھے ہونے کا دن۔

﴿يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ حساب کا دن۔

﴿يَوْمُ الْحَسْرَةِ﴾ حسرت کا دن۔

﴿يَوْمُ الْخُرُوْجِ﴾ قبروں سے نکلنے کا دن۔

﴿يَوْمُ الْفَصْلِ﴾ فیصلہ کا دن۔

﴿اَلْقَارِعَةُ﴾ کھڑکھڑانے والی۔

﴿اَلْغَاشِيَةُ﴾ چھاجانے والی۔

﴿اَلطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى﴾ بڑی مصیبت۔

﴿اَلنَّبَاُ الْعَظِيْمُ﴾ بڑی خبر۔

﴿اَلْحَآقَّةُ﴾ ضرور آنے والی گھڑی۔

﴿اَلْوَعْدُ﴾ وعدہ۔

﴿اَلْوَاقِعَةُ﴾ وقوع پذیر۔

﴿اَمْرُ اللّٰهِ﴾ خدا کی بات۔

﴿اَلصَّآخَّةُ﴾ بہرا کرنے والی گھڑی۔

قیامت کے اوصاف:

یہ تو وہ نام ہیں جو اسم مفرد یا اضافت یا صفت کی صورت میں ہیں' ان کے علاوہ فقروں اور جملوں کی ترکیبوں کے ساتھ اس کے اور بھی بکثرت نام قرآن میں آئے ہیں' مثلاً۔

﴿يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ﴾ ''جس دن نرسنگا پھونکا جائے گا۔''

﴿يَوْمَ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ﴾ ''جس دن سچوں کو ان کی سچائی کام دے گی۔''

﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ﴾ ''جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد۔''

Marfat.com

﴿وَ یَوۡمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیۡهِ﴾ ”اور جس دن گنہگار اپنے دونوں ہاتھ چبائے گا۔“
﴿وَ یَوۡمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ﴾ ”اور جس دن آسمان پھٹے گا۔“
﴿وَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡاَشۡهَادُ﴾ ”جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔“
﴿لِیَوۡمٍ لَّا رَیۡبَ فِیۡهِ﴾ ”جس دن میں کوئی شک نہیں۔“
﴿وَ یَوۡمَ نَحۡشُرُ مِنۡ کُلِّ اُمَّةٍ فَوۡجًا﴾ ”جس دن ہم ہر قوم سے ایک گروہ کو اکٹھا کریں گے۔“
﴿یَوۡمَ یَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ﴾ ”جس دن لوگ جہان کے پروردگار کے لیے کھڑے ہوں گے۔“
﴿یَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ﴾ (”جس دن) لوگ قبروں سے نکلیں گے۔“
﴿یَوۡمَ یَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِیۡهِ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیۡهِ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیۡهِ﴾ ”جس دن آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور باپ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا۔“
﴿یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡئًا﴾ ”جس دن کوئی شخص کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔“
﴿یَوۡمَ تَشۡهَدُ عَلَیۡهِمۡ اَلۡسِنَتُهُمۡ﴾ ”جس دن ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی۔“
﴿یَوۡمَ لَا تَمۡلِکُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَیۡئًا﴾ ”جس دن کوئی دوسرے کے لیے کچھ بھلا نہ کر سکے گا۔“
﴿یَوۡمَ لَا یُغۡنِیۡ مَوۡلًی عَنۡ مَّوۡلًی شَیۡئًا﴾ ”جس دن کوئی دوست کسی دوسرے دوست کو فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔“

الغرض یہ اور اسی قسم کے دوسرے اوصاف اس ہولناک دن کے بیان کیے گئے ہیں جن سے اس عظیم الشان دن میں انسان کی بے کسی، عاجزی اور اپنے اعمال کے سوا کسی دوسری چیز کے کام آنے سے قطعی مایوسی ظاہر کی گئی ہے۔

قیامت میں فساد نظام ہوگا:

قیامت کے متعلق بعض متکلمین کو یہ شبہ ہوا ہے کہ وہ مادہ کے فنائے محض یا عدم محض کا نام ہے، حالانکہ یہ بات قرآنی تصریحات کے خلاف ہے قرآن پاک کی بیسیوں آیتوں میں قیامت کی جو تصویر کھینچی گئی ہے وہ تمام تر فنائے حیات اور آسمان و زمین کے نظام کی برہمی اور ان کی تباہی کے خاکہ کے سوا کچھ اور نہیں، چنانچہ حسب ذیل آیات پر غور کرنے سے یہ نتیجہ خود بخود سامنے آ جائے گا۔

﴿اَلۡقَارِعَةُ مَا الۡقَارِعَةُ وَ مَاۤ اَدۡرٰکَ مَا الۡقَارِعَةُ یَوۡمَ یَکُوۡنُ النَّاسُ کَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ وَ تَکُوۡنُ الۡجِبَالُ کَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ﴾ (قارعہ : ۱)

”متنبہ کرنے والی اور کیا چیز ہے متنبہ کرنے والی اور تم کو کس نے بتایا کہ کیا چیز ہے متنبہ کرنے والی، یہ وہ دن ہے جب لوگ پریشان پروانوں کی طرح اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح ہوں گے۔“

﴿اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا وَ قَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا﴾ (زلزال : ۱)

”جب زمین خوب ہلائی جائے گی اور وہ اپنا بوجھ نکالے گی، اور انسان کہے گا زمین کو کیا ہوا، اس دن وہ اپنی حالت بیان کرے گی۔“

Marfat.com

﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَ اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ﴾ (انشقاق : ۱)

"جب آسمان پھٹ جائیں گے اور وہ اپنے مالک کی فرمان برداری کریں گے اور وہ فرمان برداری کے لائق ہیں جب زمین پھیلائی جائے گی اور جو کچھ اس میں ہے اس کو ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی۔"

﴿اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ﴾ (انفطار : ۱)

"جب آسمان پھٹ جائیں گے اور جب ستارے بکھر جائیں گے اور جب سمندر چلائے جائیں گے اور جب قبر کے لوگ زندہ کیے جائیں گے اور اس وقت روح نے جو کچھ پہلے اور پیچھے بھیجا ہے اس کو جان لے گی۔"

﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ وَ اِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ﴾ (تکویر : ۱)

"جب آفتاب اندھیرا کیا جائے گا' جب ستارے تاریک ہو جائیں گے جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔"

﴿اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ وَ اِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ وَ اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ﴾ (مرسلات : ۱)

"جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً ہونے والا ہے جب ستارے ماند کر دیئے جائیں گے اور جب آسمان کھول دیا جائے گا اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔"

﴿فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَ خَسَفَ الْقَمَرُ وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ﴾ (قیامہ : ۱)

"جب نگاہ ماند ہو جائے گی' جب ماہتاب بے نور ہو جائے گا اور آفتاب و ماہتاب اکٹھا کر دیئے جائیں گے۔"

﴿يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ﴾ (معارج : ۱)

"جب آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح اور جب پہاڑ روئی کے گالوں کی مانند ہو جائیں گے۔"

﴿فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَ انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِىَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ﴾ (الحاقہ : ۱)

"جب صور میں ایک پھونک 'پھونکی جائے گی' جب زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے اور دونوں ٹکڑے ہو جائیں گے' اس دن ہونے والی بات ہو جائے گی اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن کمزور ہو جائے گا۔"

﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ وَ كَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ...... فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا﴾ (مزمل : ۱)

"جب زمین اور پہاڑوں میں لرزہ ہوگا اور پہاڑ پگھلا ہوا تانبا ہو جائیں گے ...... کیونکر متقی ہو سکتے ہو جب اس دن کا انکار کرتے ہو جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا' آسمان اس دن پھٹ جائیں گے اور خدا کا وعدہ پورا ہو جائے گا۔"

﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ﴾ (ابراهيم :

"جب یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے

Marfat.com

۱۷)

﴿فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ﴾ (رحمن : ۲)

"جب آسمان پھٹ جائیں گے اور سرخ تلچھٹ کی طرح ہو جائیں گے۔"

﴿اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا﴾ (واقعہ : ۱)

"جب ہونے والی بات ہو جائے گی جس کے ہونے میں جھوٹ نہیں ہے' زیر و زبر کر دینے والی جب زمین خوب ہلائی جائے گی اور پہاڑ پراگندہ کیے جائیں گے اس وقت وہ پریشان ذرات کی طرح ہو جائیں گے۔"

﴿وَ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا وَ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا﴾ (نبأ : ۱)

"اور آسمان کھول دیئے جائیں گے تو وہ دروازے دروازے ہو جائیں گے' اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب ہو جائیں گی۔"

غرض اس قسم کی اور بہت سی آیتیں ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت صرف نظام عالم کی درہمی اور دنیا کی حیات موجودہ کی تباہی کا نام ہے جس کے بعد ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان بنے گا اور پچھلی دنیا کے نتائج پر اس دنیا کی حکومت کا قانون جاری ہوگا۔

﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (ابراهيم : ۷)

"جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل جائے گی اور آسمان بھی بدل جائیں گے اور سب لوگ اس ایک سب پر قابو رکھنے والے خدا کے سامنے نکل کر آئیں گے۔"

قیامت کی حقیقت:

اگرچہ قرآن پاک میں متفرق طور پر اس ہولناک دن کے احوال و کیفیت کا ذکر گوناگوں طریقوں سے کیا گیا ہے' تاہم ایک خاص سورۃ بھی اس نام سے اس میں موجود ہے' جس میں نہایت اختصار و ایجاز کے باوجود انتہائی بلیغانہ وسعت ہے' چھوٹے چھوٹے فقروں میں بڑے سے بڑے اور اہم سے اہم مطالب کو اس طرح بیان کیا ہے کہ عقل ساکت اور قلب مطمئن ہو جاتا ہے اس سورت کا آغاز ان آیتوں سے ہوتا ہے۔

﴿لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَ خَسَفَ الْقَمَرُ وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ

"میں قیامت کے دن کی اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں کہ کیا (انسان) سمجھتا ہے کہ ہم (اس کے مرنے کے بعد) اس کی ہڈیوں کو اکٹھا نہیں کر سکتے' کیوں نہیں ہم تو اس کے پوروں کو درست کر سکتے ہیں یہ نہیں بلکہ اصلی بات یہ ہے کہ انسان چاہتا یہ ہے کہ خدا کے سامنے ڈھٹائی کرے پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہے؟ تو جب نگاہ چوندھانے لگے اور چاند بے نور ہو جائے اور سورج اور چاند ایک جگہ کر دیئے جائیں' انسان اس دن کہے گا

Marfat.com

الْقَمَرُ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ كَلَّا لَا وَزَرَ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ نِ الْمُسْتَقَرُّ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ وَ لَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ﴾ (قیامہ:۱)

کہ اب کہاں ہے بھاگنے کی جگہ ہرگز نہیں کہیں بچاؤ نہیں اس دن تیرے رب کے پاس ہے جا ٹھہرنا' اس دن انسان کو جو اس نے آگے بھیجا (عمل) اور جو پیچھے چھوڑا (مال و دولت) وہ بتایا جائے گا بلکہ انسان اپنے حال کو آپ دیکھتا ہے' اگرچہ وہ زبان سے بہانے تراشا کرے۔''

ان میں سے پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے روز قیامت اور نفس لوامہ کی یکے بعد دیگرے قسم کھائی ہے' نفس لوامہ یعنی ملامت کرنے والے نفس سے مقصود انسان کے اندر کا ضمیر ہے جو اس کے ہر برے کام کے وقت اندر سے غمگین و نادم ہوتا ہے اور اس کو اس کے اس کام پر ملامت کرتا ہے آخری آیت میں اسی کیفیت ضمیر کو ان لفظوں میں ادا فرمایا' بلکہ انسان اپنے حال کو آپ ہی خوب جانتا ہے' اگرچہ وہ زبان سے اپنی برائیوں اور کوتاہیوں کے لیے سینکڑوں بہانے تراشا کرے۔ انسان کی اس قلبی کیفیت کا نام نفس لوامہ ہے۔

(۱) اجتماعیات کے عالم اچھی طرح جانتے ہیں کہ فرد اور جماعت کے احوال میں ایک خاص قسم کی مناسبت ہے' جس طرح آدمی پیدا ہوتا ہے' بڑھتا ہے بیمار ہوتا ہے' تندرست ہوتا ہے' گنہگار رہتا ہے' نکوکار رہتا ہے' پشیمان ہوتا ہے محنت کرتا ہے نکونام ہوتا ہے' بدنام ہوتا ہے' خاص طبعی قوانین کی مطابقت سے وہ قوت حاصل کرتا ہے اور ان کی مخالفت سے وہ بیمار اور کمزور ہوتا ہے پھر ایک خاص عمر کو پہنچ کر رفتہ رفتہ اس کے قوائے عمل سرد پڑتے جاتے ہیں۔ اور وہ مر جاتا ہے بعینہ یہی تمام احوال جماعتوں اور قوموں کو بھی پیش آتے ہیں' وہ بھی پیدا ہوتی ہیں' بڑھتی ہیں' تندرست ہوتی ہیں' کمزور ہو جاتی ہیں' گنہگار ہوتی ہیں' نیکوکار بنتی ہیں اور ایک خاص وقت اور عمر کو پہنچ کر ان کے عملی قویٰ کمزور اور مضمحل ہو جاتے ہیں اور وہ فنا ہو جاتی ہیں۔

دنیا میں اسی اصول پر ہزاروں قومیں پیدا ہو کر فنا ہو چکی ہیں۔ جن کے نام بھی تاریخ کے صفحوں پر آج موجود نہیں ہیں تو جس اصول پر اشخاص اور اشخاص کا مجموعہ جماعتیں اور جماعتوں کا مجموعہ اقوام پیدا ہوتی اور فنا ہوتی ہیں' کیا اسی اصول پر تمام اقوام عالم کا یہ مجموعہ جو پیدا ہوتا بڑھتا اور ترقی کرتا چلا جاتا ہے کیا ایک دن فنائے محض کے آغوش میں جا کر نہ سو جائے گا' یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے قیامت کے ثبوت میں اکثر عاد ثمود و آل فرعون وغیرہ قوموں کی تباہی سے قیامت کی عمومی تباہی پر استدلال کیا ہے' اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

بہرحال اب جس طرح ہر شخص کے اندر ایک نفس لوامہ' یا' ضمیر یا احساس ہے جو اس کے ہر برے فعل کے وقت اس کو ملامت کرتا اور اس کو گنہگار ٹھہراتا ہے اور جب بھی وہ اپنے تمام مجموعی کارناموں پر نگاہ ڈالتا ہے تو اپنے کو قصوروار جانتا اور گنہگار سمجھتا ہے اسی طرح قوموں کا ضمیر بھی اپنے گناہوں پر پچھتاتا اور اپنی تقصیروں پر نادم اور کوتاہیوں پر شرمندہ ہوتا ہے' اور ٹھیک اسی طرح یہ پوری انسانیت بھی ایک دن اپنے افراد کے مجموعی کارناموں پر نادم و پشیمان ہوگی' اور اس کا ضمیر و نفس لوامہ بھی اس کو ملامت کرے گا' کائنات انسانی سے بڑھ کر خود کائنات ہستی بھی اس پر جو اس کے اندر کیا گیا' اپنے خالق کے سامنے اپنی پشیمانی و ندامت کا اظہار کرے گی اسی عمومی اعتراف قصور اور کلی ندامت و

Marfat.com

پشیمانی کا نام قیامت ہے اور اسی مناسبت سے سورۂ بالا میں نفس لوامہ اور قیامت کو باہم ایک قسم یعنی شہادت میں یکجا کیا گیا ہے اب اس تفصیل کی روشنی میں سورۂ مذکور کی آیتوں کو دوبارہ پڑھیے۔ (۱)

(۲) اس عالم کی ہر چیز پر اگر غور سے نگاہ ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ وہ متضاد عناصر وقویٰ کا مجموعہ ہے اس میں سردی و گرمی، بیماری و تندرستی بقا و فنا اور دیگر ہر قسم کی متضاد قوتیں ودیعت رکھی گئی ہیں، ان متضاد قوتوں میں جب تک اعتدال قائم رہتا ہے، وہ چیز زندہ رہتی ہے، اور جس وقت یہ اعتدال جاتا رہتا ہے، اسی لحہ وہ فنا ہو جاتی ہے ایک درخت میں ایک پھول کھلا، سردی و گرمی اور موسم کی تاثیر نے اس پر عمل کیا، جب تک ان متضاد دو تاثیرات و استعدادات میں اعتدال کی کیفیت رہی، وہ پھول شگفتہ رہا جس آن کسی ایک قوت نے شکست کھائی پھول کی ہستی معرض فنا میں آ گئی یہی حال دنیا کی ہر چیز کا ہے اور اسی اصول پر افراد خاندان، جماعتیں قومیں، بلکہ حیوانات شجر حجر غرض دنیا کی ہر چیز چل رہی ہے۔

پوری کائنات ہستی کو لیجئے، اس کو خلاق عالم نے ان ہی متضاد و عناصر و اخلاط پر قائم فرمایا ہے، دن رات روشنی تاریکی، سردی، گرمی، پانی، آگ، بہار، خزاں، تندرستی، بیماری، دولت، افلاس، حیات و موت، آسمان، زمین، نیکی بدی خیر شر غرض جس کو بھی دیکھو یہی معلوم ہوگا کہ یہ ارابع عناصر کی چہار دیواری، متضاد قویٰ اور حالات کی بنیادوں پر قائم ہے ان میں جب تک اعتدال قائم ہے، اس دنیا کی کل چل رہی ہے جس دن انکے اعتدال میں فرق آیا وہی اسکی فنا کا دن ہوگا۔

لیکن جس طرح افراد و اشخاص میں بیماری کے بعد تندرستی اور تندرستی کے بعد بیماری کی صلاحیت موجود ہے اسی طرح اس نظام کائنات میں بھی تندرستی کے بعد بیماری اور بیماری کے بعد تندرستی کی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں، کتنی دفعہ یہ واقعہ پیش آیا ہے کہ دنیا ظلم و جور سے لبریز ہوگئی اور کشت و خون کے سیلاب نے اس کے امن وامان کو غرق کر دیا کہ دفعۃً وہ پھر ابھری، اور اس کا غرق شدہ امن وامان کشتی نوحؑ بن کر کرۂ ارضی کو بچالے گیا، بارہا اس باغ ہستی میں خزاں آئی اور پھر بہار کا موسم اس پر چھا گیا، اجرام سماوی کی باہمی مسابقت میں ہماری زمین کئی دفعہ ٹکرا جانے کے قریب پہنچی اور پھر بال بال بچ گئی، یہ کرے اپنی رفتار میں بسا اوقات گرنے کے قریب پہنچے کہ پھر سنبھل گئے، مگر فساد و صلاح کا یہ نظام اسی وقت تک چل رہا ہے جب تک ان متضاد قویٰ اور کائنات کے استعدادات میں اعتدال قائم ہے، جس دن اعتدال فنا ہو گا۔ نظام ارضی کا پورا کارخانہ بھی درہم برہم ہو جائے گا، اس وقت زمین اپنی عمر کی پوری تاریخ اور کارناموں کے ساتھ اپنے خالق کے سامنے کھڑی ہوگی اور اپنے اوپر کی ہر کوتاہی و قصور کی شہادت اپنی زبان سے دے گی۔

﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ (زلزال: ۱۔۸)

''جس وقت زمین ہلائی جائے گی، اور جب وہ اندر کے بوجھوں کو اگل دے گی، اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے اس دن وہ اپنی باتیں بیان کرے گی کہ اس کے پروردگار نے اس کو حکم دیا ہے اس دن لوگ لوٹیں گے کہ اپنے عمل دیکھیں، تو جس کسی نے ذرہ برابر نیکی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہے، وہ بھی اس کو دیکھ لے گا۔''

(۱) مستفاد از تفسیر سورۂ قیامہ مولانا حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ۔

Marfat.com

صور قیامت:

قرآن میں قیامت کے ذکر میں صور پھونکنے کا بار بار ذکر ہے ﴿فاذا نفخ فی الصور﴾ پھر جب صور پھونکا جائے گا' صور کے لفظی معنی نرسنگھا کے ہیں' اصل یہ ہے کہ قدیم الامم میں بابلیوں کنعانیوں' آرامیوں اور عبرانیوں وغیرہ تمام پرانی قوموں میں بادشاہی جلال وجلوس اور اعلان جنگ کے موقع پر نرسنگھا پھونکا جاتا تھا' اس لیے نرسنگھا پھونکنے کے معنی شاہی جلال کا اظہار یا غیر معمولی خطرہ کا اعلان ہے' چنانچہ تورات میں یہ محاورہ بکثرت استعمال کیا گیا ہے قرآن میں ہے کہ اس دن ندا ہوگی ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ آج کس کی بادشاہی ہے پھر اللہ تعالیٰ جواب دیگا ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ اس ایک سب پر غالب آنے والے کی غرض وہ دن آسمان وزمین اور نظم کائنات کے شہنشاہ مطلق کے اظہار جلال اور شدید خطرۂ حساب کے اعلان کا ہوگا' اس لیے نفخ صور اور نرسنگھا پھونکنے کا قدیم محاورہ اس کے لیے استعمال کیا گیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ واقعۃً اس دن اپنی شہنشاہی کا نرسنگھا پھونکنے کا حکم دے اور اس کی تعمیل ہو جیسا کہ صور کے لفظی معنی دلالت کرتے ہیں۔

عربوں کا انکار:

اس تفصیل سے معلوم ہوگا کہ قیامت اپنے اندر کتنی عظیم الشان حقیقت رکھتی ہے لیکن اہل عرب کو توحید کے بعد جس عقیدہ سے شدت کے ساتھ انکار تھا جس کے ماننے پر وہ کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے تھے' اور جو ان کی عقل میں کسی طرح نہیں سماتا تھا' وہ یہی قیامت اور حشر ونشر کا مسئلہ ہے جاہلی عرب حیات بعد الموت خدا کے آگے اپنے اعمال کے مواخذہ اور پرستش اور سزا و جزا سے قطعاً لاعلم تھے' اسی لیے ان کو اعمال کے خیر وشر اور نیکی و بدی میں وہ تمیز نہ تھی' جس پر اخلاق و معاملات کا تمام تر دار و مدار ہے' عرب کا شاعر آنحضرت ﷺ کی اس تعلیم کو سن کر تعجب سے کہتا ہے کہ اموت ثم بعث ثم حشر حدیث خرافة یا ام عمر۔ کیا موت ہے پھر جی اٹھنا ہے پھر اکٹھا ہونا ہے' اے ام عمر (شاعر کی بیوی کا نام ہے) یہ سب خرافات باتیں ہیں' قریش کا ایک اور شاعر کہتا ہے۔[1] يُحَدِّثُنَا النَّبِيُّ بِاَنْ سَنَحْيٰى وَ كَيْفَ حياة اصداء و هام۔ یہ نبی ہم سے کہتا ہے کہ ہم پھر زندہ کیے جائیں گے' حالانکہ صدا اور ہام ہو کر پھر زندگی کیسی؟۔

(ان کا عقیدہ تھا کہ انسان مر کر پرندہ ہو جاتا ہے اور آواز دیتا پھرتا ہے' اسی کا نام ان کے ہاں صدا اور ہام تھا)

قرآن مجید میں بھی ان کے یہ اقوال بکثرت نقل کیے گئے ہیں مثلاً۔

﴿ءَ اِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ﴾ (ق : ۱) ''کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے یہ لوٹنا بہت دور ہے۔''

﴿ءَ اِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِى الْحَافِرَةِ ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً﴾ (نزعت : ۱) ''کیا ہم دوبارہ اُلٹے پاؤں لوٹائے جائیں گے کیا جب ہم سڑی ہوئی ہڈی ہو جائیں گے۔''

﴿ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا ''کیا جب ہم ہڈی اور چورا ہو جائیں گے تو ہم بنا کر

(۱) صحیح بخاری جلد اول باب الہجرۃ ص ۵۵۸۔

Marfat.com

جَدِيْدًا﴾ (اسرائیل) پھر اٹھائے جانے والے ہیں۔''

مَنْ يُّحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (یٰسین : ۵) ان سڑی گلی ہڈیوں کو کون جلائے گا۔

ان میں بعضوں کا عقیدہ دہریوں کی طرح تھا کہ یہ دنیا اسی طرح قائم رہے گی' موت وحیات کا بھی سلسلہ اسی طرح برابر جاری رہے گا اور اس دنیاوی زندگی کے علاوہ کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔

﴿وَ قَالُوْا مَاهِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ﴾ (جاثیہ : ۳)

''انہوں نے کہا کہ یہی ہماری موجودہ زندگی ہے' دوسری نہیں' مرتے ہیں اور جیتے ہیں' اور زمانہ ہی ہم کو مارتا ہے۔''

﴿وَ قَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾ (انعام : ۳) ''اور انہوں نے کہا یہی ہماری موجودہ زندگی ہے' ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔''

انہیں اپنے اعمال کے حساب ومواخذہ کا بھی یقین نہ تھا۔

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا﴾ (نبأ : ۱) ''وہ حساب کی امید نہیں رکھتے تھے۔''

خباب بن الارتؓ نہایت قدیم مسلمانوں میں ہیں' یہ لوہاری کا پیشہ کرتے تھے' ان کے کچھ دام قریش کے ایک رئیس عاص بن وائل پر واجب الادا تھے' وہ جب جا کر تقاضا کرتے تو عاص کہتا ''جب تک تم محمد کا انکار نہ کرو گے میں تم کو کچھ نہ دوں گا۔'' انہوں نے کہا یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک تم مر کر پھر جیو نہیں اس نے کہا کیا مر کر مجھے پھر جینا بھی ہے انہوں نے کہا بے شک۔ اس نے مذاق سے کہا تو اچھا پھر وہیں میرا مال و دولت اور سروسامان ہوگا وہیں تم دام بھی لے لینا اس سے اندازہ ہوگا کہ اس بارہ میں اہل عرب کا کفر کتنا شدید تھا' اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے توحید کے بعد جس عقیدہ کو سب سے زیادہ زور کے ساتھ پیش کیا وہ یہی تھا' قرآن مجید کی مکی سورتوں میں سب سے زیادہ اسی مضمون کو مختلف تعبیروں اور مؤثر طریقوں سے روزمرہ کے عینی مشاہدات اور دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ان میں ہیبت الٰہی ہنگامہ قیامت اور حشر ونشر کے رستخیز کی ایسی تصویر کھینچی ہے کہ سننے والا سرتاپا اثر ہو جائے انسان کے عجز' عقل کے قصور خدا کی عظمت وقدرت اور کائنات کی حیرت انگیز خلقت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ سامع ہر قدم پر لرزہ براندام ہو جاتا ہے پھر ایک طرف حیات ابدی' نعیم جنت اور بہشت کی مسرتوں کا دوسری طرف موت کی بے بسی دنیا کی فنا' دوزخ کی دہشت اور عذاب الٰہی کی تہدید کا ایسا ہولناک نقشہ کھینچا ہے کہ نفس انسانی اپنے تاثر کو چھپانے پر قادر نہیں رہتا۔[1] وحی الٰہی نے قیامت اور بہشت و دوزخ کے حالات ومناظر کو سب سے پہلے جن اسباب سے پیش کیا ہے ان سے اہل نظر صحابہؓ ناواقف تھے' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پہلے ایک بڑی سورت نازل ہوئی' جس میں جنت ودوزخ کا بیان ہے یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تب حلال وحرام کے احکام نازل ہوئے اور اگر پہلے ہی یہ حکم اترتا کہ شراب نہ پیو' بدکاری نہ کرو تو لوگ نہ مانتے' یہ آیت کہ ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَ السَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ﴾ بلکہ ان کے وعدہ کا وقت قیامت کی گھڑی ہے اور قیامت کی گھڑی نہایت مصیبت کی اور تلخ ہوگی مکہ معظمہ میں اتری اور میں اس وقت کمسن بچی تھی' کھیلتی تھی' بقرہ اور نساء کی سورتیں (جن میں احکام ہیں۔) اس

(۱) صحیح بخاری تفسیر کھیعص صفحہ ۶۶۱۔

Marfat.com

وقت اتریں جب میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہنے لگی تھی۔ (۱)

اس تشریح سے ثابت ہوتا ہے کہ تعلیم محمدی نے اس حقیقت کو ایمان کے اصول و اساس میں کیوں داخل کیا ہے۔ اگر یہ تعلیم عقائد میں داخل نہ ہوتی' تو دلوں میں اعمال کی جزا و سزا کی ہیبت اور عظمت نہ بیٹھتی اور نہ احکام الٰہی کی تعمیل کی طرف دلی رجحان اور میلان ہوتا بلکہ یہودیوں کی طرح جن کے صحیفوں میں زیادہ تر دنیاوی ہی جزا و سزا کا ذکر باقی رہ گیا ہے' دوسرے اہل ایمان کے دل بھی سخت اور تاثر سے خالی ہو جاتے ہیں چنانچہ اس فلسفہ کو خود قرآن نے بیان کیا ہے۔

﴿فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ﴾ النحل: ۳) "تو جو لوگ آخرت کا یقین نہیں کرتے ان کے دل نہیں مانتے اور وہ غرور میں مبتلا ہیں۔"

اسی لیے مسلمانوں کو حکم ہوا کہ نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کریں جس کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ (روز جزا کا مالک) اسلام چاہتا ہے کہ یہ حقیقت اس کے پیروؤں کے دلوں میں پوری طرح گھر کر لے۔

قیامت پر قرآنی دلائل:

قرآن نے قیامت کی ضرورت پر تمام دوسری دلیلوں سے قطع نظر کر کے عموماً دو باتوں سے استدلال کیا ہے اول یہ کہ انسان بے کار اور بے مقصد نہیں پیدا کیا گیا۔ اگر اس کے اعمال کا مواخذہ اور جزا و سزا نہ ہو تو خیر و شر اور نیکی بدی کا فطری امتیاز لغو اور انسانی زندگی تمام تر بے مقصد اور اس کے تمام کام بے نتیجہ ہو جائیں۔

﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ﴾ (مومنون : ۶) ("اے لوگو)! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا اور تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے۔"

﴿اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى﴾ (قیامہ ۲:) "کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ بیکار چھوڑ دیا جائے گا۔"

دوسری بات جو روز جزا کی ضرورت کے ثبوت میں قرآن نے پیش کی ہے' وہ اللہ تعالیٰ کا عادل اور منصف ہونا ہے اگر اچھے اور برے انسانوں کے اعمال کی جزا و سزا نہ ہو تو دونوں کا درجہ برابر ہو جائے اور نیکی و بدی اور گناہ و ثواب کے کوئی معنی نہ رہیں' بلکہ نعوذ باللہ خدا ظالم اور غیر منصف قرار پائے' اس موجودہ مادی دنیا میں بھی انسانوں کو اپنے اعمال کی کچھ نہ کچھ جزا ملتی ہے تاہم یہ صاف نظر آتا ہے کہ بہت سے گنہگار' سیہ کار اور ظالم یہاں آرام اور چین کی زندگی بسر کرتے ہیں اور بہت سے نیکو کار' پرہیز گار اور اچھے لوگ مصیبتیں اور تکلیفیں جھیلتے ہیں اس لیے یقیناً یہ موجودہ زندگی اعمال کی جزا و سزا کی اصلی جگہ نہیں ہو سکتی اسی بناء پر دوسری زندگی کا ماننا ضروری ہے۔ جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا نتیجہ مل سکے اس موجودہ دنیا میں دنیاوی حکام اپنے ناقص علم کے مطابق اچھوں اور بروں کو ان کے اعمال کی جزا و سزا دیتے رہتے ہیں' پھر کتنا ضروری ہے کہ پوری دنیا کا عالم الغیب حاکم اپنے صحیح علم کے مطابق لوگوں کو جزا و

(۱) صحیح بخاری جلد دو صفحہ ۷۴۸ باب تالیف القرآن۔

Marfat.com

سزا دے کر اپنے عدل و انصاف کا ثبوت دے سورۂ والتین میں اسی استدلال کی طرف اشارہ ہے۔

﴿اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ﴾ (والتین: ۱)

''لیکن جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کیے' ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے' پھر اس کے بعد تجھ کو کیا چیز جزا پر یقین لانے نہیں دیتی' کیا اللہ تمام حاکموں میں سب سے بڑا حاکم نہیں (تمام فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا نہیں۔)'

اسی لیے قرآن پاک کی مختلف آیتوں میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ نیک و بد کا نتیجۂ عمل یکساں نہیں ہو سکتا ایک جگہ خدا فرماتا ہے۔

﴿اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ﴾ (ص: ۳)

''کیا ان کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے' ان کی طرح کر دیں جو زمین میں فساد کرتے ہیں یا پرہیز گاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں۔''

دوسری جگہ ارشاد ہوا۔

﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ﴾ (جاثیہ: ۲)

''کیا انہوں نے جنہوں نے گناہ کمائے یہ خیال کیا ہے' کہ ہم ان کو ان کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ان دونوں کی زندگی اور موت برابر ہو گی؟ ان کا یہ خیال برا ہے۔''

لوگوں کو روز جزا اور قیامت پر یقین کرنے سے جو وہم مانع تھا وہ یہ تھا کہ مرنے کے بعد پھر کوئی جیتا نہیں تو قیامت کے دن کیونکر جلائے جائیں گے یہ حقیقت میں استبعادی شبہہ ہے' یعنی چونکہ مر کر دوبارہ جینا اب تک انسان کے تجربہ میں نہیں آیا اس لیے اس کو دوبارہ زندگی کا خیال مستبعد معلوم ہوتا ہے' ورنہ اس کے ان ہونی اور محال ہونے پر کوئی عقلی دلیل نہیں ہے وحی محمدی نے اس گتھی کو اس طرح سلجھایا کہ کفار کے استبعاد کے وہم کو حسب ذیل مختلف طریقوں سے دور کر دیا۔

(۱) مر کر جینے کے بعد تاریخی مثالیں پیش کیں جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ حضرت عزیرؑ اور اصحاب کہف کے قصوں میں مذکور ہیں اور ان سے استدلال کیا کہ جب چند آدمی یا پرند مر کر جی سکتے ہیں تو پوری دنیا بھی مر کر جی سکتی ہے۔

(۲) جس طرح زمین گرمیوں میں خشک اور بے حیات ہو جاتی ہے' اور پھر دفعتاً بارش کے ایک چھینٹے سے اس میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے' سبزہ نکل آتا ہے کھیتیاں لہلہا اٹھتی ہیں اسی طرح قدرت الٰہی کی ایک بارش زمین سے انسانی دفینوں کو اگلوا دے گی' ﴿وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا﴾ اور زمین اپنے اندر کے بوجھوں کو باہر نکال دے گی) اور دوبارہ نئی زندگی پیدا کر دے گی۔

(۳) دوبارہ زندگی پر تعجب اور استبعاد اس لیے ہے کہ خدا کے دائرہ قدرت کی پوری وسعت ہماری سمجھ میں نہیں آئی جس نے آسمان بنائے زمین بنائی' آسمان سے پانی برسایا' مردہ زمین سے زندہ کھیتیاں' سبزہ اور درخت اگائے

Marfat.com

اور پانی کے ایک قطرہ سے انسان بنایا' کیا وہ ان کے فنا کے بعد دوبارہ ان کی ایجاد پر قادر نہیں۔

(۴) حیات کا یہ تمام کارخانہ پہلے نیست و معدوم تھا' خدا نے اس کو ہست و موجود کیا' پھر رفتہ رفتہ اس کو معدوم کر دیا تو جس نے پہلے بغیر کسی سابق مثال کے اس کارخانے کو پیدا کیا' وہ کیا دوبارہ اس کو پیدا نہیں کر سکتا' جس نے نقش اول بنایا نقش ثانی کھینچنے پر اس کو قدرت نہیں۔؟

(۵) دنیا میں باری باری بہت سی قومیں وجود میں آئیں اور قوانین الٰہی کے مطابق انہوں نے جسمانی زور و طاقت مالی وسعت' اجتماعی اور تمدنی عظمت اور سیاسی قوت حاصل کی بڑی بڑی عمارتیں بنائیں' عظیم الشان تمدن کی بنیاد ڈالی قوموں کو اپنا محکوم بنا کر حکومت و سلطنت قائم کی' پھر جب انہوں نے غرور و نخوت ظلم و ستم اور دوسرے قوانین الٰہی کی جو قوموں کی ہستی اور عظمت کی بقا کے لیے ضروری ہیں' مخالفت کی تو وہ فنا کر دی گئیں اور ان کا نام و نشان بھی صفحہ ہستی سے مٹ گیا' عربوں سے سوال کیا کہ تمہارے عاد و ثمود جو کبھی بنو سام کے ممالک عراق و شام و مصر و عرب پر چھائے ہوئے تھے کیا ہوئے؟ سبا اور تبع کی عظیم الشان حکومتیں کیا ہوئیں' فرعون اور اس کی سلطنت کا کیا حال ہوا؟ قوم لوط اور قوم مدین کو زمین کیونکر نگل گئی؟

﴿اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِي الْاَرْضِ﴾ (مؤمن: ۳)

''کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ ان سے پہلوں کا کیسا انجام ہوا جو ان سے قوت اور زمین میں یادگاروں کے لحاظ سے کہیں بڑھ کر تھے۔''

﴿اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (ابراھیم: ۲)

''کیا نوح کی قوم اور عاد و ثمود کی اور جو ان کے بعد آئے جن کو خدا ہی جانتا ہے' ان کی خبر تم کو معلوم نہیں ہوئی۔''

یہ تو وہ قومیں ہیں جن کا قرآن نے ذکر کیا ہے' ان کے علاوہ دنیا کی تاریخ میں کتنی قوموں کے عروج و فنا کی داستانیں محفوظ ہیں بابلی' اسیری اکادمی اور مصری قومیں جو کچھ روئے زمین پر کوس لمن الملک بجاتی تھیں ہزار ہا سال سے بے نشان ہیں' نارمن جیسے فاتح کیا ہوئے' یونانی اور رومی جو کبھی دنیا کے تنہا مالک بن گئے تھے' اب ان کا کہیں وجود ہے مجوس جو رومیوں کے مقابل صدیوں تک برسر پیکار رہے اب ان کی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہیں' امریکہ کے قدیم باشندے جو کبھی اس براعظم کے مالک تھے' اب فنا کے قریب ہیں۔

الغرض جس طرح افراد جی کر مر جاتے ہیں' جماعتیں وجود میں آ کر مٹ جاتی ہیں' قومیں پیدا ہو کر فنا ہو جاتی ہیں' اسی طرح پوری دنیائے مخلوقات پر بھی ایک دن آئے گا' جب قانون الٰہی کے مطابق معدوم ہو جائے گی۔

جس طرح عوام جو قوموں کی تاریخ سے واقف نہیں صرف افراد کو جیتے اور مرتے دیکھتے ہیں وہ گو افراد کی فنا کا یقین رکھتے ہیں لیکن قوموں کی فنا کے مسئلہ کو نہیں سمجھ سکتے' اور اس میں شک کرتے ہیں' اسی طرح جن کی نظر دنیائے خلق کی تاریخ پر نہیں وہ اس کے فنائے کامل پر اپنی جہالت اور نادانی سے اعتبار نہیں کرتے۔ حالانکہ ایک وہ دن آئے گا جب پوری دنیا اپنے وجود کی صلاحیت سے معرا ہو کر فنا ہو جائے گی' کائنات کا یہ نظام بدل جائے گا۔ اس موجودہ عالم کا

Marfat.com

قانون طبعی ایک دوسرے قانون طبعی سے منسوخ ہو جائے گا اور جیسا کہ سائنس کہتی ہے اور قرآن نے نقشہ کھینچا ہے آفتاب و ماہتاب ستارے اور تمام اجرام فلکی ٹکرا کر چور چور ہو جائیں گے اور پوری دنیا کی عدالت قائم ہو کر نئی زمین اور نیا آسمان بنے گا۔

﴿یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (ابراهیم : ۷)

''جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل جائے گی اور آسمان بھی اور مخلوق اکیلے زبردست خدا کے سامنے نکل کھڑی ہوگی۔''

سورۂ ق میں قیامت پر استدلال ان ہی دلیلوں سے کیا گیا ہے۔

﴿قٓ. وَ الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ءَ اِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِیْدٌ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَ عِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِیْظٌ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِیْٓ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَ زَیَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِیْجٍ تَبْصِرَةً وَّ ذِكْرٰی لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ وَ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الْحَصِیْدِ وَ النَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَ اَحْیَیْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَ ثَمُوْدُ وَ عَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ وَ اِخْوَانُ لُوْطٍ وَّ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ وَ قَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ

''قسم ہے اس بڑی شان والے قرآن کی (جو مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے ان کافروں کو عقلی انکار نہیں ہے) بلکہ ان کو اس پر تعجب ہے کہ ان میں ایک آدمی آ کر ان کو (قیامت کا) ڈر سناتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ تعجب کی بات ہے کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے (تو پھر زندہ ہوں گے) یہ دوبارہ لوٹنا تو دوراز عقل ہے (خدا کہتا ہے یہ تعجب کی کیا بات ہے) ہم کو معلوم ہے کہ زمین ان (مردہ جسموں میں) جو کمی کرتی ہے اور ہمارے پاس محفوظ ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ان کافروں نے سچائی جھٹلا دی جب وہ ان کے پاس آئی پس وہ الجھی باتوں میں پڑ گئے کیا انہوں نے اپنے اوپر کے آسمانوں کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا' اور کس طرح اس کو سجایا ہے کہ اس میں کہیں سوراخ نہیں اور زمین کو پھیلایا ہے اور اس میں پہاڑ کے لنگر ڈالے اور اس میں قسم قسم کی رونق کی چیزیں اگائیں کہ ہر رجوع ہونے والے بندہ کو اس سے سوجھ ہو اور یاد آئے اور آسمان سے برکت کا پانی برسایا پھر اس سے باغ اور کٹتے کھیت کے اناج اگائے اور کھجوروں کے لمبے درخت جن کے خوشے اوپر تلے ہیں یہ بندوں کو روزی پہنچانے کے لیے ہے اور اس پانی سے مردہ آبادی کو ہم زندہ کرتے ہیں اسی طرح (قبروں سے) نکلنا ہوگا اور کافروں سے پہلے نوحؑ کی قوم رس والوں اور ثمود و عاد اور فرعون اور لوط کے بھائیوں نے اور جنگل والوں نے اور تبع کی قوم نے اس کو جھٹلایا (ان میں سے ہر ایک

Marfat.com

﴿فَحَقَّ وَعِيْدِ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ (ق : ۱)

نے پیغمبر کو جھٹلایا تو میری دھمکی پوری اتری کیا ہم پہلے پیدا کر کے تھک گئے جو دوبارہ نہیں پیدا کر سکتے بات یہ ہے کہ ان کافروں کو ازسرنو پیدائش میں شک ہے۔''

سورۂ قیامت میں بھی اس کا بیان ہے' اس کی آخری آیتیں یہ ہیں۔

﴿اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى﴾ (قیمه : ۲)

''کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ یونہی بیکار چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا وہ پانی کی ایک ٹپکی ہوئی بوند نہ تھی' پھر وہ بندھا ہوا خون ہوا' پھر خدا نے اس کو بنایا اور اس کو ٹھیک کیا۔ پھر اس کو جوڑا کیا' یعنی نر اور مادہ کیا وہ خدا اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو دوبارہ جلائے۔''

﴿وَ قَالُوْٓا ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ﴾ (بنی اسرائیل : ۱۱)

''اور وہ بولے کہ جب ہم ہڈی اور چورا ہو جائیں گے تو کیا پھر نئے بنا کر اٹھائے جائیں گے؟ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا وہ ان لوگوں کے مثل کو (دوبارہ بھی) بنا سکتا ہے۔''

ایک اور جگہ فرمایا۔

﴿وَ هُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ هُوَاَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ (روم : ۳)

''اور خدا وہی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہے۔ پھر اس کو دوبارہ خلق کرے گا' اور یہ دوبارہ خلق کرنا) اس کے لیے آسان ہے۔''

﴿اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾ (حج : ۱)

(''لوگو)! اگر تم کو دوبارہ زندگی میں شک ہے تو ہم تو (پہلے) تم کو (اسی مردہ) مٹی سے پیدا کر چکے ہیں' (پھر دوبارہ کیوں نہیں پیدا کر سکتے)۔''

قیامت کے متعلق تمام دور دراز اور طول طویل شکوک و شبہات کا کتنا مختصر جواب ہے۔

﴿قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَ هِيَ رَمِيْمٌ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (یس : ۵)

''وہ بولا کون ان سڑی کھوکھلی ہڈیوں کو جلائے گا کہہ دے وہی جس نے پہلی دفعہ ان کو بنایا۔''

غرض وحی محمدی نے ہر پہلو سے کفار کے اس استعجاب اور استبعاد کو دور کیا' اور ان کو دوبارہ زندگی کا یقین دلایا۔

حشر جسمانی:

اس بحث پر لوگوں نے قیامت برپا کر رکھی ہے کہ یہ دوبارہ زندگی اسی گوشت و پوست کے ساتھ ہوگی' یا صرف روحانی ہوگی۔ جہاں جسم و جسمانیت کا مطلق گزر نہ ہوگا؟ قرآن پاک کی مختلف آیتیں مختلف پہلوؤں کو پیش کرتی ہیں جن میں اشارۃً ہر قسم کی باتیں آجاتی ہیں' تاہم قیامت کے متعلق اوپر کی آیتوں میں سے ایک ایک آیت پر غور کرو' کفار کو تعجب ہے کہ کیا ہمارا یہ جسم مر کر پھر جیئے گا' کیا ہماری ان سڑی گلی ہڈیوں میں دوبارہ جان پڑے گی اور ہم قبروں سے

Marfat.com

نکل کر پھر اٹھ کھڑے ہوں گے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جسمانی زندگی کے علاوہ زندگی کا کوئی دوسرا مفہوم ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھا' مگر اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم تعجب نہ کرو' اور انکار پر آمادہ نہ ہو کہ تمہارے یہ فنا شدہ جسم نہیں اٹھائے جائیں گے' اور نہ تمہاری ان بوسیدہ ہڈیوں میں روح پھونکی جائے گی' بلکہ وہ تو سراسر روحانی زندگی ہوگی' کیونکہ جب دوبارہ جسمانی زندگی کا تخیل ان کے لیے ناقابل فہم تھا تو خالص روحانی زندگی کا تخیل تو اور بھی ان کے فہم سے بالاتر تھا اور اب بھی ہے کہ ہم اس مادی زندگی کے جاننے والے سرتاپا روحانی زندگی کے تصور سے بالکل عاجز ہیں' اس لیے مصلحت الٰہی اسی کی مقتضی تھی کہ وہ اصل واقعہ پر زور دے' کیسے اور کیوں سے تعرض نہ کرے' اور صاحب فہم کو اس کے فہم مطابق اس راز کو سمجھنے دے چنانچہ قرآن پاک کے اس اسلوب بیان کو اگر سمجھنا ہے تو ان آیتوں پر غور کرنا چاہیے۔

﴿وَ قَالُوْٓا ءَ اِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَ اِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ﴾ (الٓم سجدہ : ۱)

''اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم زمین میں کھو جائیں گے کیا ہم نئی پیدائش میں پھر ہوں گے (خدا فرماتا ہے یہ کچھ نہیں بلکہ) یہ اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہیں۔''

غور کرو کہ ان کی مادی معدومیت کے بعد مادی پیدائش کے پر تعجب انکار پر اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا کہ یہ شکوک و شبہات اس لیے ان کو پیش آتے ہیں کہ مرنے کے بعد خدا کی ملاقات اور اس کے سامنے ہونے سے ان کو انکار ہے اور حواشی کو چھوڑ کر اصل مقصود یہی ہے کہ موت کے بعد اور آخرت میں خدا کے سامنے ہونے پر یقین رکھا جائے' اس سے ان کو کیا مطلب کہ وہ کس طرح ہوگا۔ چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا۔

﴿قُلْ یَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ﴾ (الٓم سجدہ : ۱)

''جواب میں کہہ دے کہ ملک الموت جو تم پر متعین ہے وہ تم کو موت دے گا' پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔''

یہی ملاقات اور رجوع الی اللہ اس عقیدۂ حشر کی اصل روح ہے۔

بات یہ ہے کہ ہم انہی باتوں کو سمجھ بوجھ سکتے ہیں جن کی مثالیں اور نظیریں اس مادی دنیا میں ہماری نگاہوں سے گزرتی رہتی ہیں اور وہ عالم جو نگاہوں سے مستور بلکہ تصور سے بھی دور ہے' اس کی باتوں کو اس طرح سمجھنا کہ ہر سوال اور تکرار سوال سے ہم بے نیاز ہو جائیں' تقریباً ناممکن ہے' ان کے متعلق جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس دیدہ شہرستان وجود یعنی دنیا کے قیاس پر اس نادیدہ شہرستان بقا یعنی آخرت کا ہر نقشہ اور خاکہ بتایا اور سمجھایا جائے اور یہی محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم نے کیا ہے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی قدرت پر یقین رکھتے ہیں ان سے تو کچھ کہنا ہی نہیں' لیکن جو شخص جسمانی حشر کا تصور اس لیے محال سمجھتا ہے کہ عام انسانوں نے کسی مردہ جسم کو زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔ تو اس کے نزدیک تنہا روحانی زندگی کا تخیل تو اور بھی زیادہ محال ہونا چاہیے کیونکہ کسی انسان نے آج تک کسی انسان کو روحانی وجود میں نہیں دیکھا ہے' بلکہ وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکا ہے وہ جب انسانی زندگی کا تصور کرے گا تو جسم و شکل و اعضاء کے ساتھ ہی کرے گا

Marfat.com

ان سے مجرد ہو کر نہیں کرے گا۔

موت جسم سے روح کی مفارقت کا نام ہے' اس لیے اگر یہ سچ ہے کہ قیامت میں نئی زندگی ملے گی تو ظاہر ہے کہ موت کے بعد کی کیفیت اور صورت سے کوئی الگ صورت اور کیفیت ہوگی' جس کا نام حیات ثانیہ رکھا گیا ہے' اور وہ یہ ہے کہ روح کا دوبارہ تعلق جسم کے ساتھ تسلیم کیا جائے' ورنہ غیر جسمانی زندگی تو قیامت سے پہلے بھی تھی' اب نئی بات کیا بڑھ گئی جس کا نام حیات ثانیہ رکھ دیا گیا۔

گو روح انسانی جسم کے اندر ہر فعل کی فاعل ہے' مگر فاعل کے فاعل بننے کے آلات اور اوزار کی بھی ضرورت ہوتی ہے جن کے بغیر وہ اپنے فعل کے بجالانے سے مجبور رہتا ہے۔ اسی طرح روح اپنے فعل لذت والم کے انجام دینے کے لیے جسمانی آلات اور اوزار کی محتاج ہے کہ لذت والم کا کوئی روحانی احساس جسمانیت کے شائبہ سے مبرا ہو کر ہو ہی نہیں سکتا' اس بناء پر روح محض کا جنت کی لذتوں سے متمتع یا دوزخ کی تکلیفوں سے متالم ہونا' کسی جسمانی وساطت کے بغیر تصور میں نہیں آتا' خواب میں دیکھو کہ روح کو جو لذت یا تکلیف پہنچتی ہے' اس میں بھی جسمانی پیکر و ہیکل کی ضرورت نمودار ہوتی ہے۔

جسم وجسد:

حشر جسمانی ماننے کے بعد یہ بحث بے سود ہے کہ آیا وہی جسم دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا جس کے قالب میں وہ روح پہلے دنیا میں رہی تھی۔ یا کسی دوسرے نئے جسمانی پیکر میں وہ روح پھونکی جائے گی' یا یہ کہ آئندہ جسم اپنی مادیت اور ترکیب میں اسی دنیاوی جسم کے مماثل ہوگا جب کہ یہ حقیقت ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اعمال کی ذمہ داری روح پر ہے جسم پر نہیں' اور اسی طرح جزا وسزا کی راحت وتکلیف کا اصلی مورد روح ہے جسم نہیں تو پھر اب وہ کسی قالب میں بھی ہو اور کسی رنگ میں بھی ہو' روح پر مواخذہ اور ثواب وعذاب کی لذت والم کا احساس یکساں ہوگا' البتہ یہ ضروری ہے کہ جو جسم ہم کو دوسری دنیا میں ملے گا اس کی خصوصیات ولوازم اس خاکی جسم کے خصوصیات ولوازم سے بالکل الگ ہوں گے' چنانچہ خود ہمارے تخیل اور تصور اور نیز خواب ورویا میں جو جسم ہم کو نظر آتا ہے وہ جسم ہو کر نظر آنے کے باوجود مادی جسمانیت سے سراسر پاک ہوتا ہے اس لیے لفظ جسم کے بولنے سے ان ہی خصوصیات کا جسم سمجھ لینا ضروری نہیں ہے' اور نہ اس جسم پر قیاس کر کے اس جسم پر اشکالات وارد کیے جاسکتے ہیں۔

خلق جدید:

چنانچہ جو جسم قیامت میں عنایت ہوگا۔ وہ نئی خلقت اور نئی آفرینش کا ممنون ہوگا۔ اسی لیے قرآن نے منکروں کے جواب میں یہ کہا ہے کہ ﴿بل هم فی لبس من خلق جدید﴾ (ق:۱) بلکہ یہ لوگ نئی آفرینش سے شک میں ہیں۔

منکرین کی زبان سے کہلوایا۔

﴿ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا﴾ (اسراء:۵)　　''کیا ہم درحقیقت نئی آفرینش کر کے اٹھائے جائیں گے۔''

Marfat.com

ایک دوسری سورت میں یہ تلقین ہے۔

﴿اِنَّکُمۡ لَفِیۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ﴾ (سبا: ۱) "بے شک تم ایک نئی آفرینش میں ہونے والے ہو۔"

پھر تمثیل دے کر فرمایا۔

﴿کَمَا بَدَاۡنَاۤ اَوَّلَ خَلۡقٍ نُّعِیۡدُہٗ﴾ (انبیاء: ۷) "جس طرح ہم نے پہلی پیدائش کا آغاز کیا۔ اسی طرح ہم اس کو دوبارہ بنائیں گے۔"

اسی لیے اس عالم کی اس نئی خلقت و پیدائش والے جسم کو بعینہ اسی جسم کے مطابق سمجھنا صحیح نہیں ہے' اور نہ اس خاکی جسم کے تمام خصوصیات کا بعینہ اس جسم میں ہونا ضروری ہے اس کو اگر اس عالم کے لفظ "جسم" سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اس لیے کہ ہماری زبان میں روح کے غلاف و قالب کے لیے جسم سے بہتر' قریب تر اور مشابہ تر کوئی دوسرا لفظ نہیں۔

یہ بات کہ حشر میں بعینہ گذشتہ گوشت و پوست کا ہونا اس لیے ضروری سمجھا جائے کہ وہ بھی عذاب و ثواب میں شریک ہوں' تصریح قرآنی پر اضافہ ہے' قرآن میں تو یہ تصریح ہے کہ:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِنَا سَوۡفَ نُصۡلِیۡہِمۡ نَارًا ؕ کُلَّمَا نَضِجَتۡ جُلُوۡدُہُمۡ بَدَّلۡنٰہُمۡ جُلُوۡدًا غَیۡرَہَا لِیَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا﴾ (نساء: ۸) "بے شبہ جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے ہم ان کو آگ میں ڈالیں گے۔ جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کو اور کھالیں دیں گے جو پہلی کھالوں کی غیر ہوں گی تا کہ وہ عذاب چکھیں بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔"

جب کھالیں یکے بعد دیگرے بدلتی جائیں گی تو پہلا حصہ جسم جو گناہ میں شریک تھا' کہاں باقی رہا؟ اسی طرح یہ تصریح ہے کہ انسان کے ہاتھ پاؤں اور کھالیں اس کے اعمال پر شہادت دیں گی۔ اس سے معلوم ہوا وہ اصلی مجرم جو ان اعمال کا ذمہ دار اور اس مقدمہ کا مدعا علیہ ہے ان جسمانی اعضاء کے علاوہ ہے۔ اور وہ روح انسانی ہے۔

ذمہ داری روح پر ہے:

یہی سبب ہے کہ موت و حیات عذاب و ثواب اور اعمال کے مواخذہ کا اسلام نے جس سے تعلق بنایا ہے' وہ نفس یعنی روح ہے۔

﴿اَنۡ تَقُوۡلَ نَفۡسٌ یّٰحَسۡرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطۡتُّ فِیۡ جَنۡۢبِ اللّٰہِ﴾ (زمر: ۶) "تو (قیامت میں) کوئی نفس یہ کہنے لگے کہ اے افسوس اس پر کہ میں نے اللہ کے پہلو میں کمی کی۔"

﴿وَ لۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ﴾ (حشر: ۳) "اور چاہیے کہ ہر نفس دیکھے کہ اس نے کل (قیامت) کے لیے کیا آگے بھیجا۔"

﴿عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ﴾ (تکویر: ۱) ("اس دن) ہر نفس جان لے گا جو اس نے حاضر کیا۔"

﴿عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ وَ اَخَّرَتۡ﴾ (انفطار: ۱) ("اس دن) ہر نفس جان لے گا جو اس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا۔"

﴿فَلَا تُظۡلَمُ نَفۡسٌ شَیۡئًا﴾ (انبیاء: ۴) ("تو اس دن) کسی نفس پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔"

Marfat.com

جنت کی نسبت ہے۔

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾ (الّم سجدہ : ۲) ”کوئی نفس نہیں جانتا کہ ان کے لیے (جنت میں) کیا آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے۔“

ان آیتوں میں دیکھو کہ عمل کی ذمہ داری اور اس کے اچھے اور برے نتیجوں کا بار جسم پر نہیں بلکہ روح اور نفس پر ڈالا گیا اور اسی کو تکلیف ولذت سے آشنا کیا گیا ہے جنت میں داخلہ کی خوش خبری بھی اسی کو دی گئی ہے۔

﴿فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَ ادْخُلِيْ جَنَّتِيْ﴾ (فجر : ۱) ”اے مطمئن روح! میرے بندوں میں شامل اور میری جنت میں داخل ہو جا۔“

دنیاوی جسم بدلتے رہنے پر بھی وہی جسم رہتا ہے:

غرض اعمال اور ان کے نتائج کی اصل ذمہ دار اور جنت و دوزخ کی لذت والم کی اصل احساس کرنے والی ہستی صرف روح ہے اور جسم کی حیثیت صرف ایک لباس و آلہ احساس کی ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں جسم لاکھ بار بدلے مگر روح اگر وہی ہے تو وہ انسان وہی ہے اور اسی کو اپنی ذمہ داری کی جزا و سزا مل رہی ہے۔

لوگ اپنی ظاہر بینی سے اصل زور جسم پر دیتے ہیں حالانکہ اس مٹی کے ڈھیر میں اگر روح کا خزانہ چھپا نہ ہوتو پھر اس مشت خاک میں دھرا کیا ہے دیکھو انسان بچپن سے لے کر بڑھاپے تک وہی ایک شخص ہے جو پہلے تھا حالانکہ اس کی جسمانی ہیئت اور اس کے جسم کا مادہ ہر آن اور ہر لحہ فنا ہو کر بدلتا رہتا ہے بیماریوں میں وہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ پھر تندرستی کے بعد نئے ذرات داخل ہو کر لہلہائے تم غلطی سے یہ سمجھتے ہو کہ ہر حال میں وہی جسم یکساں طور پر قائم ہے حالانکہ حکیم سے پوچھو تو وہ بتائے کہ اس کے ذرّے کیونکر ہر آن جھڑتے اور گھستے رہے اور جو خوراک وہ کھاتا رہا وہ خون ہو کر کیونکر بدل ما یتحلل بنی ان کی جگہ لیتی رہی۔ پھر کیا ایسے ہر آن فنا ہوتے رہنے والے اور چند سال کے بعد بالکل بدل جانے والے کو دائم الوجود اعمال کا ذمہ دار اور ان کے نیک و بد کی اصلی جزا یا سزا پانے کا مستحق ٹھہرایا جا سکتا ہے لیکن جس طرح دنیا میں اگر کوئی مجرم آج بھاگ گیا اور چند سال کے بعد پکڑ کر جب لایا گیا تو یہ عذر نہیں کر سکتا کہ چونکہ وہ ہاتھ جس سے اس نے چوری کی تھی اور وہ پاؤں جن سے وہ مال لے کر بھاگا تھا اس عرصہ دراز میں بدل گئے ہیں اس لیے وہ لائق تعزیر نہیں۔ کیونکہ وہ روح جس نے اپنے ارادہ و نیت سے اس کام کو اس کے ہاتھوں اور پاؤں کے ذریعہ کرایا تھا جس طرح کل تھی بعینہٖ آج بھی ہے اور جو تکلیف اس کو اپنے پہلے جسم کے ذریعہ کل پہنچ سکتی تھی بعینہٖ آج بھی پہنچ سکتی ہے اور اس جسمانی تغیر سے اس کی روحانی شخصیت میں اصلاً کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا اس لیے پہلے ہی جسم کے ضروری ہونے پر زور دینا بے سود ہے۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ جسم اگر بدل بھی جائے تو اعضاء کی شہادت کا مسئلہ اپنی جگہ پر صحیح ہوگا جسم کے اعضاء دنیا میں بدلتے جاتے ہیں مگر جو بیماری اگلے اجزاء میں پیدا ہو گئی تھی وہ ان کے فنا ہو جانے کے بعد بھی قائم رہتی ہے مٹ نہیں جاتی بلکہ وہی ان کے بعد کے آنے والے اجزاء میں برابر سرایت کرتی رہتی ہے۔

Marfat.com

اخروی جسم کیسا ہوگا:

روحوں کو آخرت میں جو جسم ملیں گے وہ حقیقت میں ان کے اعمال ہی کے ظل و عکس ہوں گے یعنی جیسے اعمال ہوں گے‘ ویسے ہی ان کو جسم عنایت ہوں گے‘ چنانچہ اس دنیا کے جسمانی رنگ کے لحاظ سے خواہ کوئی کالا ہو یا گورا‘ مگر اس دنیا میں اس کا یہ کالا پن اور گورا پن اعمال کی سیاہی و سپیدی کی صورت میں بدل جائے گا خدا نے فرمایا۔

﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ﴾ (عبس : ۱)

”کتنے چہرے اس دن روشن ہنستے اور شاد ہوں گے اور کتنے چہروں پر اس دن کدورت ہوگی۔ اور ان پر سیاہی چھائی ہوگی۔“

﴿يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (آل عمران : ۱۱)

”جس دن کتنے چہرے سپید ہوں گے‘ اور کتنے کالے لیکن جن کے چہرے کالے ہوئے کیا تم وہ ہو جو ایمان کے بعد پھر کافر ہو گئے تھے تو اپنے کفر کرنے کے بدلہ عذاب کا مزہ چکھو‘ اور جن کے چہرے سپید ہوئے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اسی میں سدا رہیں گے۔“

صحیح حدیثوں میں ہے کہ جنت میں سب لوگ جوان بن کر داخل ہوں گے‘ اور جسم پر کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا۔ ان کا قد حضرت آدمؑ کے اولین بہشتی قد کے مطابق ہوگا‘ دوزخیوں میں سے کسی کا سر پہاڑ کے برابر ہوگا‘ کسی کا ایک پہلو مفلوج ہوگا‘ کسی کے ہونٹ لٹکے ہوں گے‘ دل کے اندھے‘ آنکھوں کے اندھے بن کر اٹھیں گے سزاؤں کے بعد جب ان کے جسم چور چور ہو جائیں گے‘ تو پھر صحیح و سالم نئے جسم نمودار ہوں گے اور پھر ان کی وہی کیفیت ہوگی‘ یہ بھی آیا ہے کہ جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں وہ چیونٹی بن کر قیامت میں اٹھیں گے ان تمام شواہد سے ہویدا ہے کہ اس دنیا کے جسمانی قالب ہمارے اس دنیاوی جسم کے مطابق نہیں بلکہ ہمارے دنیاوی اعمال کے مطابق ہوں گے۔

☆☆☆

Marfat.com

جزا اور سزا

''یوم آخر'' یا ''یوم دین'' پر ایمان لانے سے اسلام کا حقیقی منشا یہ ہے کہ لوگ اس کا یقین کریں' کہ ان کے ہر عمل کا بدلہ ہے' کچھ اس دنیا میں اور پورا دوسری دنیا میں' اسی کا نام جزا وسزا ہے' دنیا کے دوسرے مذاہب بھی اس مسئلہ میں اسلام کے ہمنوا ہیں۔

جزا اور سزا دیگر مذاہب میں:

درحقیقت مذاہب کا حقیقی تعلق اس عقیدہ سے ہے کہ انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے' اور اچھا یا برا جیسا کام اس سے صادر ہوتا ہے' اس کے مطابق اچھا یا برا معاوضہ اس کو دوسری دنیا میں ضرور ملے گا' اس عقیدہ کا نشان مصر و بابل جیسی دنیا کی قدیم قوموں میں بھی ملتا ہے' ہندوستان کے مذاہب میں اس دوسری دنیا کو دوسرے جنم سے تعبیر کیا گیا ہے' ان کا خیال یہ ہے کہ انسان جب مرتا ہے تو اس کے اچھے یا برے کاموں کے مطابق اس کی روح کسی جانور یا گھاس پھوس یا درخت کے قالب میں جا کر اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتتی ہے اور پھر انسانوں کے قالب میں لائی جاتی ہے' اور کام کرتی ہے' اس کے بعد جس کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں اس کو یم لوک میں جانا پڑتا ہے' جہاں نرگ (دوزخ) ہیں وہاں وہ ہر قسم کی سزا بھگتتی ہے بعد ازیں اپنے بعض اچھے کاموں کی بدولت چندر لوک (چاند کی دنیا) میں جاتی ہے' جس روح کے کچھ کام اب بھی باقی ہیں' وہ اس دنیا میں ہوا' بادل اور بارش کے ذریعہ سے دوبارہ آتی ہے اور اپنے کام کے مطابق حیوانات یا نباتات کے روپ میں سزا پاتی ہے اور پھر چھوٹ کر انسان بنتی ہے' یہاں تک کہ اس کے کام اتنے اچھے ہو جائیں کہ وہ سزا کے قابل نہ رہ جائے' اس وقت وہ مادی قالبوں کی قید سے نجات پا کر سورج لوک اور چندر لوک وغیرہ اجرام سماوی کی دنیاؤں میں جا کر آرام کرتی ہے اور پھر اپنے علم و عمل کی کسی کمی کے سبب سے بادل' ہوا' اناج یا کسی دوسری مخلوقات کے قالب میں ہو کر اس دنیا میں پھر آنا پڑتا ہے' اور پھر وہی عمل شروع ہوتا ہے' یعنی وہ نئے نئے جنموں میں سزا بھگتتی ہے' اور اس وقت تک آمد و رفت اور آواگون کے چکروں میں پھنسی رہتی ہے جب تک اس سے اچھے یا برے کاموں کا صدور ہوتا رہتا ہے' اس لیے کامل اور دائمی نجات کی صورت میں یہ ہے کہ انسان سے اچھا یا برا کوئی کام صادر نہ ہو' یہی ترک عمل روح کو مادہ کی قید سے آزاد کر کے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا (موکش) دلاتا ہے' یہاں تک کہ یہ موجودہ مادی دنیا پر لے (قیامت) کے بعد پھر جب نئے سرے سے بنے گی۔ تو پھر وہی عمل اور سزا یعنی آواگون کا چکر شروع ہو گا' اور پھر اسی طرح چھٹکارا پائے گی اور پھر دوسری پر لے کے بعد نیا دور اسی طرح شروع ہو گا' یہ چکر اسی طرح ہمیشہ رہے گا۔

یہ وہ چکر ہے جس سے انسان کو کبھی نکلنا نصیب نہ ہو گا' الا یہ کہ ہمالہ کی چوٹی یا غار میں بیٹھ کر ترک عمل کے ذریعہ سے خود اپنے وجود سے ہاتھ دھو لیا جائے' لیکن اگر اس اصول نجات پر دنیا عمل کرے تو یہ بہارستان دم کے دم میں خارستان بن جائے' ہر قسم کا کاروبار بند ہو کر دنیا آپ سے آپ فنا کے قریب آ جائے' بدی کے ساتھ۔ نیکی کا وجود بھی

Marfat.com

صفحۂ ہستی سے مٹ جائے اور باایں ہمہ دائمی وابدی نجات میسر نہ ہو کیونکہ ہر پرلے کے بعد وہی جنم اور کرم اور آواگون پھر شروع ہوتا ہے۔ (۱)

لیکن دنیا کے دوسرے مذاہب نے اس چکر اور بے عملی سے انسان کو نجات دلائی ہے انہوں نے موجودہ دنیا کے بعد ایک ہی دنیا اور تسلیم کی ہے جس میں لوگوں کو اچھے اور برے اعمال کی پوری پوری جزا ملے گی مختلف زردشتی فرقوں نے آریہ نسل ہونے کے باوجود ہندوؤں کے تناسخ کے بجائے مختلف سامی مذاہب کے خیالات کی نقالی کی ہے اور خصوصاً بعد والوں نے اسلام کے عقائد کو ''ارداے ویراف'' کے عجیب وغریب مشاہدات کا رنگ دے کر اور اس کی کتاب کو اسلام سے بھی پہلے کی قرار دے کر تمام تر قبول کر لیا ہے۔ (۲)

صحیفہ ابراہیم یعنی سفر تکوین میں دنیا کی محنت ومشقت اٹھانے کے بعد پھر جنت میں داخلہ کا اشارہ ہے (تکوین ۲۔۱۹) علی ہذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں اخروی جزا وسزا کے اصول مذکور ہیں نیکوکاروں کے لیے ایک ''ستھری آبادی'' کا ذکر ہے جس میں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں بدکاروں کے لیے ہلاکت بربادی اور دردناک عذابوں کی خبر ہے مگر مترجموں نے ہر جگہ اس کو دنیاوی ثواب وعذاب بلکہ ارض موعودہ کی ظاہری سلطنت کے معنوں میں دکھایا ہے حالانکہ بعض مقامات میں یہ بے جوڑ سی بات ہو کر رہ گئی ہے حضرت آدمؑ کی جنت عدن اور اس کے چار دریاؤں کا ذکر تکوین کے دوسرے باب میں ہے علاوہ ازیں تورات میں موت کے بعد کی زندگی کی تصریح ملتی ہے حضرت ابراہیمؑ (پیدائش ۲۵۔۱۸) اور یعقوب علیہما السلام (پیدائش ۴۹۔۳۳) کی موت کی تعبیر ان لفظوں میں کی گئی ہے کہ ''جاں بحق ہوا اور وہ اپنے لوگوں میں جاملا'' ساتھ ہی ہمیشہ کی بھلائی) ''استثنا ۶۔۲۴) کا بھی تذکرہ ہے اور جہنم کی آگ'' (استثناء ۳۲۔۲۲) کا بھی بیان ہے اور ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دیئے جانے کی بھی تصریح ہے (یرمیاہ ۱۷۔۱۱) روح کی بقاء اور آسمان پر چڑھنے کی تعلیم بھی ان صحیفوں میں موجود ہے (واعظ ۳۔۲۱) مرنے کے بعد روح کے خدا کے پاس واپس جانے کا بھی تذکرہ ہے (واعظ ۱۲۔۷) اور انسان کے اپنے ابدی مکان میں جانے کی بھی تصریح ہے آخر میں ہے خدا سے ڈر اور اس کے حکموں کو مان کہ انسان کا فرض کلی یہی ہے کیونکہ خدا ہر پاک فعل کو ہر ایک پوشیدہ چیز کے ساتھ خواہ بھلی ہو خواہ بری عدالت میں لائے گا'' (واعظ ۱۲۔۱۳۔۱۴) زبور میں خدا کی عدالت کے دن کی تصریحات بار بار ہیں امثال سلیمانی میں ہے کہ ''انسان کی راہیں خداوند کی آنکھوں کے سامنے ہیں اور وہ اس کی ساری روشوں کو جانتا ہے شریر کی بدکاریاں اس کو پکڑ لیں گی اور وہ اپنے ہی گناہوں کی رسیوں سے جکڑ جائے گا۔ وہ بے تربیت پائے مر جائے گا اور اپنی جہالت کی شدت میں بھٹکتا پھرے گا (۵۔۲۱) دانیال میں ہے کہ ''اس وقت بہیترے جو زمین میں خاک پر سو رہے ہیں جاگ اٹھیں گے بعض حیات ابدی کے لیے اور بعضے رسوائی اور ذلت کے لیے۔'' (۱۲۔۲) خرقیال (۲۸) میں جنت کی طلائی اور جواہرات کی بنی ہوئی عمارتوں کے اشارات ہیں۔

حضرت مسیح سے پہلے یہودیوں میں صدوقی نام ایک فرقہ پیدا ہوا جس نے حکمران یونانیوں کا تقرب حاصل

(۱) تناسخ کے رد میں الندوہ مئی وجون ۱۹۰۶ء میں ایک مضمون ہے۔

(۲) دبستان المذاہب کا مصنف جو زردشتی مذہب سے پوری واقفیت رکھتا تھا اس نے اپنی کتاب میں اس کی پوری تفصیل درج کی ہے۔

Marfat.com

کرنے کے لیے ان کی بعض باتیں قبول کر کے یہودی تعلیم میں شامل کیں (۱) منجملہ ان کے وہ قیامت و درحیات اخروی کا بھی منکر ہوا' مگر اس کے مقابل کا دوسرا فرقہ جس نے اپنے کو فریسی (علیحدہ رہنے والا) کہا اپنے پرانے عقیدوں پر قائم رہا اور قیامت حیات اخروی اور جنت و دوزخ کے عقائد کو بدستور مانتا رہا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فریسی یہی اعتقاد رکھتے تھے کہ جنت مادی ہوگی' اور وہاں بہشتیوں کو ان کی بیویاں واپس ملیں گی (مرقس ۱۲۔ ۲۴) یہودیوں کی پچھلی کتابوں میں جزاوسزا کی تفصیل موجود ہے' چنانچہ اسلام کے زمانہ میں بھی عرب کے یہودی اس پر ایمان رکھتے تھے اور کہتے تھے اور یہود کیسے ہی گنہگار ہوں' مگر چند روز سے زیادہ دوزخ میں نہیں رہیں گے (بقرہ۔۸ وآل عمران: ۳۰) یہ چند روز باختلاف روایت تین روز چالیس (۲) روز یا گیارہ (۳) مہینے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں یہودیوں کے ان دونوں فرقوں کے درمیان سخت اختلافات برپا تھے اور دونوں ایک دوسرے کی تردیدوابطال میں مصروف تھے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آ کر صدوقیوں کے اس عقیدے کی تردید کی اور قیامت اور جزاوسزا پر ایمان لانے کی تعلیم دی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک حواری یوحنا نے اپنے مکاشفہ میں جنت اور دوزخ کی پوری تصویر کھینچی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس جواب سے جو انہوں نے ایک صدوقی کے سوال کا دیا کہ ''اس دنیا میں لوگ شادی اور بیاہ نہیں کریں گے' بلکہ فرشتوں کے مانند رہیں گے۔ ایسا سمجھا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جنت کو صرف روحانی وجود بخشا ہے' مگر درحقیقت ایسا نہیں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی زندگی کی آخری شب میں اپنے شاگردوں کے ساتھ بیٹھ کر جب انگور کا افشردہ پیتے ہیں تو کہتے ہیں۔

''میں تم سے کہتا ہوں کہ انگور کے پھل کا رس پھر نہ پیوں گا' اس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہت میں نیا نہ بنوں۔'' (متی ۲۶۔۲۹)

وہ یہودی علماء کو خطاب کر کے فرماتے ہیں۔

''اے سانپو! اور اے سانپوں کے بچو! تم جہنم کے عذاب سے کیونکر بھاگو گے۔ (متی ۲۳۔۳۳)

اپنے ایک وعظ میں دوزخ کا منظر دکھاتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

اس نے دوزخ کے درمیان عذاب میں ہو کے اپنی آنکھیں اٹھائیں' اور ابراہام (حضرت ابراہیمؑ) کو دور سے دیکھا اور اس کی گود میں لعزر کو' اور اس نے پکار کے کہا کہ اے باپ ابراہام! مجھ پر رحم کر اور لعزر کو بھیج کہ اپنی انگلی کا سرا پانی سے بھگو کر میری زبان ٹھنڈی کرے کیونکہ میں اس لو میں تڑپتا ہوں۔'' (لوقا ۱۶۔۲۳)

مکاشفات یوحنا میں دوزخ کو آگ اور گندھک کہا گیا ہے (۱۴۔۱۰) اور متی کی انجیل میں اس کے دروازے بھی بتائے گئے ہیں۔ (متی ۱۶۔۱۸) اسی طرح جنت اور اس کی طلائی اور جواہراتی تعمیر اور نہر آب حیات کا ذکر

(۱) برٹش انسائیکلو پیڈیا مضمون صدوقیت وصدوکیز۔

(۲) کتب سیر میں ان آیتوں کی تفسیر دیکھو۔

(۳) سیل کا ترجمہ قرآن حاشیہ زیر ترجمہ آیت بقرہ رکوع ۸۔

Marfat.com

مکاشفات کے اکیسویں باب میں ہے اور وہاں کے انگوری افشردہ کا بیان متی میں ہے (۲۶-۱۹) وہاں کے آب سرد کا ذکر بھی انجیل میں آتا ہے (لوقا ۱۶-۲۳)

اسی طرح ہر ایک کے عمل کا حساب لیے جانے اور عمل کے مطابق بدلہ لینے کا ذکر بھی حواریوں کے خطوط میں موجود ہے۔

مبارک وہ مرد ہے جس کے گناہوں کا حساب خداوند نہ لے گا۔ (رومیون ۲-۸)

سو ہر ایک ہم میں سے خدا کو اپنا حساب آپ دے گا۔" (رومیون ۱۴-۱۱)

لیکن دے اس کو جو زندوں اور مردوں کا حساب کرنے کو تیار ہے حساب دیں گے۔" (اول پطرس ۴-۵)

اس باب میں اسلام کا تکمیلی پہلو یہ ہے کہ اس نے اس عقیدہ کو نہ صرف پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہی کیا بلکہ اس کے تمام ضروری اجزاء فراہم کیے' گزشتہ مذاہب کے تشنہ بیانات پر سیر حاصل بحثیں کیں ان کے نقائص کی تکمیل کی اور جزا و سزا کے اصول اس صفائی سے بیان کیے کہ اس عقیدہ کا ہر پہلو شکوک و شبہات سے پاک ہو گیا۔

آئندہ مباحث کے سمجھنے کے لیے پہلے چند اصول ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔

عالم آخرت کا فہم و ادراک:

اس عالم آخر میں جو کچھ ہوگا وہ اگرچہ ہمارے اس زیر تجربہ اور زیر مشاہدہ مادی عالم سے بالکل الگ ہوگا تاہم چونکہ انسانی فہم کی مجبوری کی وجہ سے وہ اسی زبان و محاورات میں ادا کیا گیا ہے جو اس مادی عالم کے ساتھ مخصوص ہیں' اس لیے یہ الفاظ جن مادی خصائص کو مستلزم ہیں' یا ہم ان کے دیکھنے اور سننے کے اس دنیا میں عادی ہو گئے ہیں' ان لفظوں کو سنکر بعینہ وہی سمجھنا چاہتے ہیں جو اس دنیا میں ان لفظوں سے سمجھتے رہے ہیں' اسی سبب سے بعض کم فہم وہاں کے وقائع و احوال کا بیان سن کر ان میں سے بعض کو محال اور ناممکن کہہ اٹھتے ہیں' اور بعضے ان کی تشریح و تاویل اس طرح کرتے ہیں کہ لفظ و معنی میں ادنی اشتراک بھی باقی نہیں رہتا یہ دونوں راستے سخت خطرناک ہیں' اسی لیے وحی محمدی نے ان نازک و دقیق اسرار کے بیان میں انسانی فطرت کی کمزوریوں کا پورا لحاظ کیا ہے اس نے نہ تو یہودیوں کی طرح ان واقعات کو سرتاپا مادی کہہ کر عالم آخرت کو بھی عالم آب و گل بنا دیا ہے اور نہ عقل و خرد کے بعض نادان مدعیوں کی طرح ان کو مادہ سے اتنا بلند و برتر کر دیا ہے کہ ان کا وجود ہی موہوم و فرضی ہو گیا ہے بلکہ انسانی عقلوں کے اختلاف مراتب کا لحاظ کر کے بزم کے اہل نظر اور تماشائیوں دونوں کی تشفی و تسکین کا سامان بہم پہنچایا ہے۔

ان اخروی وقائع کے مختلف مفہوموں اور مصداقوں کا لحاظ کر کے وحی محمدی نے ایسے جچے تلے الفاظ اختیار کیے ہیں' جن میں سے ایک فلسفی بھی بہرہ یاب ہو سکتا ہے' اور ایک عامی بھی' اور دونوں اپنی اپنی جگہ پر اپنے اپنے ایمان کا لطف اٹھا سکتے ہیں اور ایک ایسے مذہب کے لیے جو سارے انسانی طبقوں کو اپنا مخاطب بنانے کا دعویٰ کرتا ہے' ایسی ہی وسعت کی ضروری تھی تا کہ وہ سب کے لیے اپنی اپنی جگہ پر تشفی کا باعث ہو سکے' ان تمام اخروی واقعات کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے وہ ظاہر ہے کہ طبعاً وہی الفاظ ہو سکتے ہیں جن کے چاروں طرف اس دنیا کا مادی احوال مادی مفہوم و مصداق اور جسمانی تخیلات لپٹے ہوئے ہیں ان لفظوں کے سننے کے ساتھ جو مفہوم ہمارے ذہن میں آتا ہے' وہ سرتاپا

Marfat.com

انہی مادی قیود ولوازم کے ساتھ آتا ہے' ہم جب آگ کا لفظ سنتے ہیں تو معاً اس دنیاوی آگ کا مفہوم ذہن میں آتا ہے جس کو ہم یہاں دیکھتے ہیں' جو انسانوں' درختوں اور ہر اس چیز کو جو اس کے اندر ہوتی ہے' بلاتمیز یکساں جلا دیتی ہے مگر اخروی آگ ایسی نہ ہوگی' اس کے اندر بعض درخت ہوں گے جو نہیں جلیں گے' وہ صرف گنہگار انسانوں کو جلائے گی' کسی کے پاؤں کو چھوئے گی' کسی کی کمر تک آئے گی' کسی کے گلے تک پہنچے گی' اور وہ ایسی تیز و گرم ہوگی کہ یہ دنیاوی آگ اس کے مقابلہ میں ٹھنڈک ہے "وزن" لفظ سننے کے ساتھ اس عالم میں تولنے کی ساری خصوصیتیں ہمارے سامنے آجاتی ہیں' ترازو' پاسنگ' پلڑے' ڈنڈی اور تولی جانے والی چیز میں جسمیت اور ثقل کا ہونا اسی طرح نامہ عمل کے لکھنے کا مفہوم جب ہم سمجھنا چاہیں تو کاتب کی انگلیاں قلم دوات' سیاہی' کاغذ اور حروف کی ساری قیدیں ہمارے ذہن میں آئیں گی' اس بناء پر ان الفاظ کے لغوی معنی اور ان کے قریب الفہم مجازی معنوں کے سمجھنے میں اختلاف آراء کی بڑی گنجائش ہے' اس لیے حق تو یہ ہے کہ ان پر بلا مزید تشریح اس طرح ایمان لایا جائے کہ ہماری تشریح سے ان کے الفاظ کے مفہوم کی وسعت تنگ نہ ہو جائے' بایں ہمہ ان لوگوں کو بھی دائرہ سے خارج نہ کیا جائے' جو ان الفاظ سے وہ مفہوم سمجھ کر تسلی پا جانا چاہتے ہیں' جن کے وہ الفاظ متحمل ہو سکتے ہیں کہ اگر مراد الٰہی یہی تنگی ہوتی تو اللہ تعالیٰ انسانی عقلوں کے اختلاف مراتب کا لحاظ کیے بغیر اپنے مفہوم کو اس وسعت کے بجائے تنگ سے تنگ الفاظ میں ظاہر فرما سکتا ہے' مگر ایسا نہیں کیا تا کہ اسلام مختلف العقول انسانوں کے لیے عالم گیر ثابت ہو سکے۔

ایک دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ عالم آخرت کے وقائع اور حالات کے سمجھنے میں اشکالات واعتراضات اس لیے پیش آتے ہیں کہ ہم وجود اور اس کے موجودہ تمام قوانین فطرت کو اس طرح لازم و ملزوم سمجھتے ہیں' کہ جب کسی شے کے وجود کا تذکرہ کیا جائے گا تو معاً اس کے وہی خصوصیات ولوازم سامنے آئیں گے' جن کے دیکھنے کے ہم اس دنیا میں عادی ہیں حالانکہ ارباب عقل نے یہ طے کر دیا ہے' کہ اس موجودہ دنیا کے معلومات و مسببات اور ان کے موجودہ علل و اسباب بین جو لزوم ہے' وہ محض عادی ہے' یعنی اس لیے ایسا ہے کہ ہم ایسا دیکھتے ہیں یہ نہیں کہ اس لیے ایسا ہے کہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔

اس بناء پر اگر صرف اتنی سی بات ذہن نشین کر لی جائے کہ موجودہ مادی دنیا میں جو قوانین فطرت اور علل و اسباب اور ان کے نتائج کارفرما ہیں' وہ صرف اسی عالم اور موجودہ دنیا کے قوانین ہیں۔ اگر خدائے تعالیٰ کوئی نئی دنیا بنائے یا نیا عالم خلق کرے' تو ضروری نہیں کہ یہی موجودہ قوانین فطرت وہاں بھی کارفرما ہوں' بلکہ بالکل ممکن ہے کہ اس نئے عالم میں نئے قوانین پر عمل ہو' نئی خصوصیات کے جسم ہوں' نئی قسم کی زندگیاں ہوں' نئی قسم کی آگ ہو' نئی قسم کے باغ اور ان کے پھل ہوں' نئی قسم کے موجودات و مخلوقات ہوں' نئے علل و اسباب ہوں اور نئے قوانین فطرت ہوں' وحی محمدی نے اسی نئے عالم کے متعلق کہا ہے۔ ﴿یوم تبدل الارض غیر الارض و السمٰوٰت﴾ (جس دن یہ زمین نئی زمین سے بدل جائے گی اور آسمان (نئے آسمانوں سے)

اب کون کہہ سکتا ہے کہ اس نئی زمین اور نئے آسمان میں بھی وہی مادی قانون جاری ہوں گے' جو اس موجودہ زمین و آسمان میں جاری ہیں۔ اس بنا پر جسمانیت و مادیت کے وہ تمام اعتراضات اور آئندہ حیات کے متعلق وہ تمام

Marfat.com

اشکالات جو اس دنیا اور اس کے قوانین کی بناء پر پیدا ہوتے ہیں' بالکل بے بنیاد اور بے حقیقت ہیں۔

اس ضروری تمہید کے بعد جزا و سزا کی اسلامی تشریحات کی جانب قدم اٹھایا جاتا ہے۔ و هو الهادی الی الصواب

اصول جزا:

اللہ تعالیٰ نے جس طرح موجودہ عالم کو اپنے خاص نظام اور قانون پر بنایا ہے' جس کو اہل فلسفہ قانون قدرت اور اہل مذہب تقدیر اور اندازۂ الٰہی کہتے ہیں' اسی طرح اس نے اپنے ہر عالم کے لیے ایک نظام اور تقدیر قائم کی ہے' جس کے مطابق اس عالم کا کاروبار انجام پاتا ہے' انسان غلطی سے یہ سمجھتا ہے کہ یہ اصول فطرت صرف مادیات تک محدود ہیں حالانکہ مادیات ہوں یا روحانیات ذہنیات ہوں یا عملیات ہر ایک میں یہ یکساں جاری و ساری ہیں جس طرح یہ قانون فطرت ہے کہ زہر کھانے سے انسان کا جسم مرجاتا ہے اسی طرح یہ بھی اصول فطرت ہے کہ گناہ سے اس کی روح مرجاتی ہے اور جس طرح اصول حفظان صحت کی عدم پیروی سے انسان بیمار ہو جاتا ہے' اسی طرح اصول تزکیہ نفس کی عدم متابعت سے بھی وہ مریض ہو جاتا ہے' پھر جس طرح دوا اصول حفظان صحت کی پابندی سے وہ اپنی جسمانی بیماری کے آلام سے نجات پاتا ہے' ایسا ہی روحانی تدابیر علاج کے ذریعہ سے وہ شفایاب بھی ہوتا ہے۔

اعمال کے لوازم و نتائج:

غرض جس طرح دنیا میں ہر چیز کی ایک خاصیت ہے' اور وہ جب یہاں وجود پذیر ہوتی ہے تو اس کے ساتھ اس کے خواص و آثار بھی پیدا ہوتے ہیں' اسی طرح انسان کی اندرونی کیفیات و اعمال کے بھی کچھ آثار و لوازم ہیں جو اس سے الگ نہیں ہو سکتے' غرور اور خاکساری' بخل اور فیاضی' انتقام اور عفو شجاعت اور بزدلی' تقویٰ اور فسق ایمان اور کفر ہر ایک کا ایک نہ ایک اثر و نتیجہ ہے' اور ہر ایک کے کچھ نہ کچھ خصائص و لوازم ہیں' جو اس سے اسی طرح الگ نہیں ہو سکتے جس طرح سنکھیا سے سمیت شکر سے مٹھاس اور آگ سے حرارت جدا نہیں ہو سکتی' اور ان معنوی روحانی اور نفسیاتی چیزوں میں علت و معلول کا وہی لزوم ہے جو جسمانی مادی اور طبیعاتی اشیاء میں ہے۔

اشخاص کی نیکوکاری و بدکاری اور افراد کی سعادت و شقاوت کے جو اصول ہیں وہی جماعتوں اور قوموں کی صلاح و فساد اور سعادت و شقاوت پر بھی حاوی ہیں' جس طرح ایک سائنٹسٹ (حکیم) کا کام ان مادی فزیکل اصولوں کو جاننا اور بتانا ہے اور ان کی تعلیم کا نام ہماری اصطلاح میں حکمت (سائنس) ہے' اسی طرح ان روحانی اسباب و علل اور آثار و نتائج کو جاننا اور بتانا انبیاء علیہم السلام کا کام ہے اور ان کی اس تعلیم کا نام شریعت ہے' انبیاءؑ کی اس تعلیم کے مطابق ہم کو اعمال کے روحانی آثار و نتائج کا وہی یقین ہونا چاہیے جو ایک حکیم کی تعلیم کے مطابق ہم کو جسمانی اشیاء کے خواص و آثار کا ہوتا ہے' سائیکالوجی (علم النفس) اور سوشیالوجی (علم الاجتماع) کی وسعت تحقیق نے اس مفہوم کے سمجھنے میں اب بہت کچھ سہولت پیدا کر دی ہے۔

Marfat.com

عقاب وثواب ردعمل ہے:

الغرض یہ مادی وجسمانی دنیا علت ومعلول اور عمل وردعمل کے جس اصول پر مبنی ہے اس کی وسعت کے دائرہ میں انسان کا ہر قول اور ہر عمل شامل اور داخل ہے یہی سبب ہے کہ گناہ کے لازمی نتیجہ کا نام اسلام میں عقاب اور اعمال صالحہ کے لازمی نتیجہ کا نام ثواب رکھا گیا ہے' قرآن نے ان ہی دونوں اصطلاحوں کو بار بار استعمال کیا ہے' عقاب کا لفظ عقب سے نکلا ہے' جس کے معنی پیچھے کے ہیں۔ اس لیے عقاب اس اثر کا نام ہے جو کسی فعل کے کرنے کے بعد لازم آ جاتا ہے اور ثواب کا لفظ ثوب سے لیا گیا ہے' جس کے معنی لوٹنے کے ہیں' اس لیے یہ کسی اچھے کام کے لوٹنے والے کے نتیجہ اور جزا کے معنی میں بولا گیا ہے۔

اسی ایک مسئلہ کو اگر اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو جزا اور سزا کے شرعی اصول کے سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو' چنانچہ قرآن پاک میں یہ کئی دفعہ فرمایا گیا ہے۔

﴿اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (جاثیه : ۱) ''جو تم کرتے تھے وہی آج بدلہ پاؤ گے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جزا و سزا ہمارے ہی اعمال کے ردعمل (ری ایکشن) کا نام ہے' ایک اور جگہ ہے۔

﴿لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ ۢ بِمَا تَسْعٰى﴾ (طه : ۱) ''تاکہ ہر جان کو اس کا بدلہ دیا جائے جو وہ کرتی ہے۔''

ان آیتوں میں یہ صاف تصریح ہے کہ یہ جزا و سزا اتمامتر ہمارے دنیاوی اعمال کے آثار ولوازم ہیں۔

﴿فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ (نحل : ۴) ''تو ان کے برے کام ان پر پڑے اور ان کا ٹھٹھا کرنا ان پر الٹ پڑا۔''

غرض جزا و سزا انہی اعمال کے نتائج کا دوسرا نام ہے' چنانچہ آنحضرت ﷺ نے گویا اسی اصول کی تشریح میں یہ ارشاد فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو میں تم کو لوٹا کر یہاں دے رہا ہوں' تو جو کوئی جزائے خیر پاوے' وہ خدا کا شکر ادا کرے' اور جس کو برائی ملے وہ خود کو ملامت کرے۔[1]

حصول راحت کا اصول:

یہ فطری قانون ہے کہ ہم کسی بڑی تکلیف سے اسی وقت بچ سکتے ہیں جب اس کی خاطر ہم اس سے چھوٹی چھوٹی تکلیفوں کو برداشت اور کسی بڑی خوشی کے حصول کے لیے ہم اپنی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو قربان کرتے رہیں' عاجلہ یعنی موجودہ اور آخرہ یعنی آئندہ ان دونوں کا جب کبھی تقابل پیش آتا ہے' تو دون ہمت اور پست خیال لوگ عموماً موجودہ (عاجلہ) راحت کو پسند کر کے آئندہ کی راحت کی فکر نہیں کرتے کہ ان کی نگاہ میں موجودہ راحت گو چھوٹی ہو مگر نقد ہے' اور آئندہ کی راحت گو بڑی خوش آیند ہے مگر وہ نسیہ ہے اور ان کا اصول یہ ہے کہ نقد را بہ نسیہ مگذار لیکن بلند ہمت اور عالی حوصلہ طبائع کا طریق عمل اس کے بالکل برخلاف ہے فاتح اور کشور کشا آج اپنی جانیں جوکھم میں ڈالتے ہیں تاکہ کل سلطنت ان کے ہاتھ آئے' تاجر اور سوداگر آج اپنے سرمایہ کو بازار کے سپرد کر دیتے ہیں' تاکہ دولت فردا

(۱) صحیح مسلم ترمذی کتاب الزہد و مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۱۶۰،۱۵۴ اور ادب المفرد و بخاری باب الظلم۔

Marfat.com

سے بہرہ مند ہوں' ہر مہذب انسان اپنے بچہ کو بیس پچیس برس تک تعلیم و تربیت اور مشق و امتحان کی مصیبتوں کی آگ میں بے تامل جھونک دیتا ہے تا کہ اس کی آئندہ زندگی راحت و مسرت میں بسر ہو' لوگ اپنے سرمایہ عزیز کو تکلیفیں اٹھا کر جمع کرتے جاتے ہیں' تا کہ کل اس سے زیادہ ضروری موقع پر اس کو کام میں لاسکیں اور تنگ دستی کی بڑی تکلیف سے بچ سکیں۔

غرض اگر انسانوں کی تمام کوششوں پر ایک غائر نگاہ ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ کامیابی کے حصول کا یہی اصول ان کے اندر جاری و ساری ہے کہ تھوڑی سی تکلیف کو اس لیے برداشت کر لیا جائے کہ کسی بڑی تکلیف سے رہائی ملے چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو اس لیے برباد کیا جائے کہ کوئی بڑی خوشی حاصل ہو اور عارضی کامیابیوں کو اس غرض سے قربان کیا جائے کہ کوئی پائیدار اور دائمی کامیابی نصیب ہو' مگر یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ آئندہ کی خوشی و کامیابی کی فراوانی اور اس کے دوام اور کامیابی کا ہم کو یقین ہو' کیونکہ اگر ایسا یقین نہ ہو تو ہم کبھی اس ایثار و قربانی کو خوشی خوشی گوارا کر لیں جن لوگوں میں یہ یقین پیدا نہ ہوگا' ان سے یہ عظیم الشان قربانی بھی نہیں ہو سکتی' اسی لیے گنہگار انسانوں کی یہ کیفیت قرآن نے بیان کی ہے۔

﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ﴾ (قیامه : ۱) ''ہرگز نہیں بات یہ ہے کہ تم موجودہ زندگی سے محبت رکھتے ہو' اور آئندہ زندگی کو چھوڑتے ہو۔''

حالانکہ انسان اسی اصول کار کو اگر دنیا کی طرح آخرت کے معاملات میں بھی برتتے تو اس کی کامیابی میں کوئی شک نہ رہے۔ آئندہ کا خیال کر کے موجودہ سے دست بردار ہو جانا یہی کامیابی کی کنجی ہے' اور اسی اصول کے تحت میں دین و دنیا کی تمام نیکیوں اور کامیابیوں کا راز پوشیدہ ہے' موجودہ عارضی لذت کو آئندہ کی دائمی لذت پر اور حال کی معمولی راحت کو مستقبل کی دیرپا راحت پر قربان کر دینا وہ سچائی ہے جس کے تسلیم کرنے سے کوئی انحراف نہیں کر سکتا تم صبح خیزی کی معمولی تکلیف کو صحت کی دیرپا راحت کی خاطر قربان کرتے ہو' ورزش اور دوڑ دھوپ کی محنت کو اس لیے قبول کرتے ہو کہ کل کی پیری اور بیماری کی تکلیف سے تم کو وہ بچائے' غرض آج کی چھوٹی چھوٹی تکلیفوں کو اٹھاؤ گے تو کل کی بڑی تکلیف سے تم کو نجات مل سکے گی اور آج کی عارضی خوشیوں کو قربان کرو گے تو کل کی دائمی خوشی نصیب ہو گی یہی وہ فلسفہ ہے' جس کو قرآن نے اس آیت میں ادا کیا ہے۔

﴿وَ جَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا﴾ (دهر : ۱۲) ''اور خدا نے ان کے صبر کرنے پر ان کو باغ اور ریشم کے کپڑے مزدوری دی۔''

یہ صبر کیا تھا؟ دنیا کی عارضی خوشیوں کی قربانی تا کہ آخرت کی بڑی خوشی حاصل ہو اور یہاں ادائے نیکی اور احتراز جرم کی معمولی تکلیفوں کی برداشت' تا کہ وہاں کی بڑی تکلیف سے نجات ملے' یہی سبب ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ حفت الجنة بالمكاره و حفت النار بالشهوات۔ یعنی جنت دنیاوی تکلیفوں سے اور دوزخ دنیا کی معمولی خوشیوں سے گھری ہوتی ہے' نادان تقویٰ اور نیکی کی ان معمولی قیدوں سے گھبراتے اور گناہ کی عارضی اور فانی لذتوں کے طلب گار ہوتے ہیں اس لیے آخرت میں گرفتار ہوں گے اور وہاں کی ابدی لذت سے محروم رہیں گے اور

Marfat.com

جو دین و دیانت اور نیکی وتقویٰ کی ان معمولی تکلیفوں کو گوارا کریں گے اور گناہ کی عارضی لذتوں سے بچیں گے' وہ آخرت کی لاانتہالذتوں سے شادکام ہوں گے یہی فلسفہ قرآن پاک کی اس آیت میں ادا ہوا ہے۔

﴿وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَهَی النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰی فَاِنَّ الۡجَنَّةَ هِیَ الۡمَاۡوٰی﴾ (نازعات : ۲)

''لیکن جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو ناجائز لذتوں اور خوشیوں سے باز رکھا تو جنت اس کا ٹھکانا ہے۔''

نامۂ عمل:

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جو چیز بھی ایک دفعہ پیدا ہو جاتی ہے' پھر وہ بے حکم خدا فنا نہیں ہوتی' اسی طرح افعال و اعمال بھی جو انسان سے ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ فنا نہیں ہوتے' موجودہ سائنس (جس نے یہ اصول تسلیم کرلیا ہے کہ دنیا میں کوئی حرکت بھی پیدا ہو کر فنا نہیں ہوتی' یہاں تک کہ فضا میں ہر آواز اور ہر صدا بھی جو کبھی بلند ہوئی ہے' آج موجود ہے' اور ہمیشہ رہے گی اور ہم اس کو پکڑ پائیں تو سن سکتے ہیں) وہ اعمال وافعال کے دوام وجود سے اسلامی عقیدہ کو قبول کرنے میں پس و پیش نہیں کرسکتی' دنیا کے ریکارڈ میں انسان کا ہر عمل و فعل ہمیشہ کے لیے گویا بھرا ہے۔

قرآن پاک نے اسی اصول کو اپنی ان آیتوں میں بیان کیا ہے۔

﴿هُنَالِکَ تَبۡلُوۡا کُلُّ نَفۡسٍ مَّاۤ اَسۡلَفَتۡ﴾ (یونس : ۳)

''اس وقت ہر جان جو اس نے پہلے کیا' اس کو آزمائے گی۔''

﴿کُلُّ امۡرِیٴٍۭ بِمَا کَسَبَ رَهِیۡنٌ﴾ (طور : ۱)

''ہر آدمی اپنے عمل کے بدلے گرو ہے۔''

﴿کُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا کَسَبَتۡ رَهِیۡنَةٌ﴾ (مدثر : ۲)

''ہر جان اپنے عمل کے بدلے گرو ہے۔''

﴿فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَہٗ﴾ (زلزال)

''تو جو کوئی ایک چیونٹی بھر نیکی کرے گا' وہ اس کو دیکھے گا' اور جو چیونٹی برابر بدی کرے گا' وہ اس کو بھی دیکھے گا۔''

﴿یَوۡمَ تَجِدُ کُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَیۡرٍ مُّحۡضَرًا وَ مَا عَمِلَتۡ مِنۡ سُوۡٓءٍ﴾ (ال عمران)

''جس دن ہر جان جو اس نے اچھے کام کیے ان کو موجود پائے گی اور جو برے کام کیے وہ بھی۔''

یہ بات کہ ہر انسان کا ہر عمل و فعل صحیفہ عالم پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہو جاتا ہے' اس کو قرآن نے کئی طریقوں سے ادا کیا ہے۔

ایک اس طرح کہ انسان کی زبان سے جب کبھی کوئی لفظ نکلتا ہے' خواہ وہ کتنی ہی تنہائی میں بولا جائے' خدا کی شاہد اس کو سننے کو موجود رہتے ہیں' اور وہ اس کو سن کر محفوظ کرلیتے ہیں۔

﴿اِذۡ یَتَلَقَّی الۡمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الۡیَمِیۡنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیۡدٌ مَا یَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَیۡہِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ﴾ (ق : ۲)

''جب دو لینے والے داہنے اور بائیں بیٹھے لیتے جاتے ہیں کوئی بات وہ نہیں بولتا مگر ایک نگران اس کے پاس حاضر رہتا ہے۔''

کبھی اس کو اعمال کی تحریر و کتابت کے الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

Marfat.com

﴿اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰهُمْ بَلٰی وَ رُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ﴾ (زخرف : ۲)

''کیا یہ منکر سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے بھید اور ان کی کانا پھوسی نہیں سنتے کیوں نہیں! بلکہ ہمارے فرستادہ ان کے پاس اعمال کو لکھتے ہیں۔''

﴿اِنَّ رُسُلَنَا یَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ﴾ (یونس : ۳)

''بے شک ہمارے فرستادہ تمہاری چالوں کو لکھتے رہتے ہیں۔''

کبھی اللہ تعالیٰ ہر عمل کے موقع پر خود اپنی حاضری اور دائمی علم وشہادت کو ظاہر کرتا ہے۔

﴿وَ مَا تَكُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَیْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ﴾ (یونس : ۷)

''اور تو کسی کام میں نہیں ہوتا' اور نہ قرآن سے کچھ پڑھتا ہے اور نہ تم لوگ کوئی کام کرتے ہو' لیکن ہم موجود ہوتے ہیں جب تم اس میں لگے ہوتے ہو۔''

کبھی یہ کہا ہے کہ ہر انسان کا نامۂ عمل اس کی گردن میں لٹکا ہے' قیامت کے دن وہی فردِ عمل کی صورت میں انسان کے سامنے پھیلا دیا جائے گا' کہ اپنا اعمال نامہ تم خود پڑھ لو۔ فرمایا:

﴿وَ كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ وَ نُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰی بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا﴾ (بنی اسرائیل : ۲)

''اور ہم نے ہر انسان کا نتیجہ (عمل) اس کی گردن میں چپکا دیا ہے' اور قیامت کے دن ہم دفتر کر کے نکالیں گے جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا کہ اپنا دفتر پڑھ لے' آج تیرا نفس خود ہی محاسب ہو تو کافی ہے۔''

اس آیت کا ایسا محمل ہے کہ نامہ عمل کو اگر کوئی واقعی کاغذ کا دفتر یا حساب و کتاب کا رجسٹر نہ سمجھے تو سمجھ سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ یہ تعبیر اس لیے اختیار کی گئی کہ جس طرح کاغذ اور رجسٹر میں قلم بند حساب کوئی بھول نہیں سکتا۔ اور ایک ایک چیز اس میں درج ہوتی ہے اسی طرح یہ اعمال انسانی فراموش نہ ہوں گے بلکہ لکھے ہوئے رجسٹر کی طرح محفوظ رہیں گے' فرمایا۔

﴿وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَی الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ وَ یَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّ لَا كَبِیْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَ لَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ (کھف : ۶)

''اور نامہ اعمال رکھا جائے گا' تو گنہگاروں کو تو دیکھے اس میں جو کچھ لکھا' اس سے ڈر رہے ہوں گے' اور کہیں گے کہ ہائے افسوس کہ اس کاغذ کو کیا ہے کہ چھوٹی بڑی بات نہیں چھوڑتا' لیکن اس کو شمار کر لیا اور جو کچھ انہوں نے زندگی میں کیا اس کو سامنے پائیں گے' اور تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہ کرے گا۔''

بایں ہمہ اگر کوئی ٹھیٹ لفظوں کا پابند ہو کر نامۂ اعمال کو واقعی کاغذوں کا دفتر سمجھتا ہے' تو اس میں شک نہیں نہ الفاظ کے ظاہری معنی اس کی تائید کریں گے۔ مگر کون سمجھتا ہے کہ یہ کیونکر ہوگا' اسی لیے اس پر بحث فضول ہے کہ یہ کیونکر ہوگا' چاہے یہ ہو یا وہ' بہر حال ہمارے اعمال کا ایک ایک نقطہ محفوظ رہے گا' اور وہ خدا کے سامنے پیش ہوگا اور یہی اس عقیدہ کا اصل مقصد ہے۔

Marfat.com

اعضاء کی شہادت:

انسان کا ہر عمل اپنے پیچھے اپنے کرنے والے کے اندر اپنا اچھا یا برا اثر چھوڑ جاتا ہے' اگر دل کا آئینہ صاف ہو' تو اس کو اپنے عمل کا چہرہ اس میں صاف دکھائی دے فرمایا۔

﴿بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ وَ لَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ﴾ (قیامه : ۱) ''بلکہ انسان کو اپنے نفس کا حال آپ دکھائی دیتا ہے' اگر چہ وہ اپنے عذر تراشتا ہے۔''

یہی وہ آئینہ ہے جو گناہ کے میل سے زنگ آلود ہو جاتا ہے۔

﴿کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ﴾ (تطفیف) ''نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔''

گویا اسی آیت کی تفسیر میں آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ جب انسان پہلے پہل گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے' اگر وہ توبہ وانابت کرتا ہے اور آئندہ اس سے باز رہتا ہے تو وہ مٹ جاتا ہے اور اگر اسی طرح گناہ کیے جاتا ہے تو اس نقطہ کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن پورے دل پر چھا جاتا ہے۔ (ترمذی)

اسی طرح وہ اپنے جن اعضاء سے جو برا کام کرتا ہے' اس کا اثر ان پر چھا جاتا ہے' یہاں تک کہ چہروں پر اس اثر کے نقوش ابھر آتے ہیں' آنکھوں میں اس کی لکیریں پڑ جاتی ہیں اور ہاتھ پاؤں پر اس کے نشان نمایاں ہو جاتے ہیں' عالم غیب کو چھوڑ' اسی عالم ظاہر میں تاڑنے والوں کی نگاہیں' انسانوں کے چہروں' آنکھوں اور ہاتھ پاؤں کے عنوان بیان سے انسان کے اندر کی تحریریں پڑھ لیتی ہیں' اسی طرح قیامت میں ان کے اعمال کے آثار ونتائج ان کے ایک ایک عضو سے نمایاں ہوں گے۔

﴿یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمَاهُمْ﴾ (رحمان: ۲) ''گنہگار اپنی پیشانی سے پہچان لیے جائیں گے۔''

ایسی حالت میں اس وقت جب انسان کی زبان قال پر خداوند عدالت کے رعب وجلال سے مہر سکوت پڑ جائے' اگر انسان کے ہاتھ پاؤں اور کھال تک اس کے اعمال بد پر گواہی دے دیں تو تعجب کی کیا بات ہے فرمایا۔

﴿وَ امْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ...... اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ وَ تُکَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ﴾ (یٰسٓ)

''اے گنہگارو! آج نیکو کاروں سے الگ ہو کر پہچان میں آ جاؤ...... آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے' اور ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور ان کے پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے۔''

﴿وَیَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَی النَّارِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ حَتّٰی اِذَا مَا جَآءُوْ هَا شَهِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ وَ قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ کُلَّ شَیْءٍ﴾ (حم السجده)

''اور جس دن خدا کے دشمن دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے' اور وہ درجہ بدرجہ بانٹے جائیں گے' یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچے تو ان کے کانوں آنکھوں اور ان کی کھالوں نے ان پر ان کے کرتوتوں کی گواہی دی' انہوں نے کہا تم نے ہم پر کیوں گواہی دی' کہا کہ جس خدا نے ہر چیز کو گویا کیا اسی نے ہم کو بھی گویا کیا۔''

Marfat.com

اس لیے ان اعضاء کی گویائی بھی اسی نوع کی ہوگی' جس نوع کی گویائی دنیا کی ہر چیز کو حاصل ہے' لیکن اس گویائی سے اگر کوئی حقیقی زبان کی گویائی مراد لے کر تشفی پاتا ہے تو اس کو اس کا حق حاصل ہے۔

میزان:

اکثر انسانوں کے اچھے یا برے دونوں قسم کے اعمال ہوتے ہیں' ایک قسم کا عمل کم ہوگا اور دوسرا زیادہ یا دونوں برابر' دو مادی چیزوں کے درمیان تفاضل اور گھٹ بڑھ کر علم ہم کو تولنے یا گننے سے ہوتا ہے' اس لیے وزن اور حساب سے عموماً عدل وانصاف حق اور ٹھیک ٹھیک کا مفہوم ادا کیا جاتا ہے' اعمال انسانی کے متعلق خدا نے فرمایا ہے کہ ان کو اس کے عمل کے مطابق پورا پورا بدلہ ملے گا فرمایا۔

﴿جَزَاءً وِّفَاقًا﴾ (نبأ : ۱) ''پورا پورا بدلہ۔''

اس برابری اور کمال عدل وانصاف کے مفہوم کو ترازو کی ناپ اور عدالت کی میزان کے استعارہ سے ادا کیا' فرمایا۔

﴿فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّ مَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ وَ الْوَزْنُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ (اعراف: ۳)

''پھر ہم احوال سنائیں گے اور ہم کہیں غائب نہ تھے اور وزن اس دن حق ہے۔ پھر جس کی تولیں بھاری ہوئیں۔ تو وہ ہیں' جن کا بھلا ہوا اور جس کی تولیں ہلکی پڑیں' سو وہی ہیں جو اپنی جانیں ہار بیٹھے۔''

﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ﴾ (قارعه)

''تو جس کی تول بھاری ہوئی تو وہ خوش خوش عیش میں ہوگا اور جس کی تول ہلکی ہوئی تو اس کی ماں دوزخ ہے۔''

ان دونوں آیتوں میں تول کے بھاری اور ہلکے ہونے سے مقصود' اعمال خیر کی کمی وبیشی ہے' پہلی آیت میں اس کا اشارہ موجود ہے کہ وزن سے مراد حق وعدل ہے' اور یہ کہ انسان کا ہر عمل علم الٰہی میں موجود ہوگا اور وہ کسی طرح بیش و کم نہ ہوگا۔

اس مفہوم میں یہ استعارہ قرآن میں بکثرت مستعمل ہوا ہے' ایک جگہ ہے۔

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَ الْمِیْزَانَ﴾ ''وہ اللہ جس نے کتاب کو حق کے ساتھ اتارا' اور میزان کو۔''

یعنی کتاب الٰہی حقانیت کے ساتھ اتری ہے اور اسی کے ساتھ میزان بھی جس سے مراد عدل ہے (طبری تفسیر آیت مذکورہ) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نظام کائنات کی ہر چیز میں جو اعتدال کامل رکھا ہے' اس کو بھی میزان ہی کے لفظ سے ادا فرمایا ہے۔

﴿وَ وَضَعَ الْمِیْزَانَ﴾ (رحمن) ''اور خدا نے ترازو رکھی ہے۔''

حساب:

کمی بیشی کے علم کا دوسرا طریقہ حساب ہے دوسری آسمانی کتابوں کی طرح قرآن میں بھی یہ استعارہ استعمال

Marfat.com

ہوا ہے اور بار بار فرمایا ہے کہ ہم قیامت میں تمہارے عمل کا حساب لیں گے مگر اس حساب سے بھی وہی مقصود ہے جو وزن سے ہے چنانچہ سورۂ انبیاء میں یہ مفہوم مزید تصریح کے ساتھ مذکور ہے اور جس سے میزان کی حقیقت بھی پوری طرح سمجھ میں آتی ہے فرمایا۔

﴿وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ﴾ (انبیاء : ۴)

''اور ہم قیامت کے دن کے لیے ترازوئیں یعنی انصاف رکھیں گے پھر کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کچھ ہوگا تو ہم لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے۔''

اس آیت سے دو باتیں سمجھی جا سکتی ہیں ایک تو یہ کہ وزن سے مقصود انصاف اور عدم ظلم ہے اور دوسری یہ کہ حساب سے مقصود یہ ہے کہ عمل انسانی کا کوئی وزن معاوضہ میں چھوٹنے نہ پائے گا اور نہ وہ خدا کے علم سے غائب ہے لیکن بہر حال وزن و حساب کے مادی ہی مفہوموں کو اگر کوئی صحیح باور کرتا ہے تو وہ بھی حق پر ہے۔

جنت و دوزخ:

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان اعمال کی تکلیف اور ذمہ داری سے مقصود الٰہی کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ روح انسانی کو سعادت ابدی اور ترقیات غیر متناہی عطا کی جائیں۔ مگر اس سعادت و ترقی کی بنیاد خدا نے اعمال نیک کے حصول اور اعمال بد سے پرہیز پر رکھی ہے۔ اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ خلقت انسانی کی غرض یہ ہے کہ وہ احکام الٰہی کی تعمیل کرے تاکہ وہ اپنی مقررہ سعادت اور موعودہ ترقی کو حاصل کرے اور اسی عالم کا نام جہاں یہ سعادت ابدی اور ترقیات غیر متناہی ملتی ہے ''بہشت'' ہے اور اس عالم کا نام جہاں جا کر دنیاوی کمیوں کی تلافی اور گزشتہ حیات فانی کے اعمال بد کے نتائج سے پاکی حاصل ہوگی ''دوزخ'' ہے اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ جنت ہی انسان کا اصلی گھر ہے مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

جنت انسان کی وراثت ہے:

حضرت آدمؑ کا قصہ جو تورات اور قرآن پاک میں مذکور ہے وہ آغاز خلقت کی محض تاریخ نہیں وہ حقیقت انسانی کی سچی اور حقیقی تفسیر ہے عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنے فضل سے جس جنت میں جگہ دی تھی وہ پہلے ان کو اور ان کی نسل کو ہمیشہ کے لیے دے دی گئی تھی مگر چونکہ اتفاقاً ان سے گناہ سرزد ہوا اس لیے وہاں سے نکال کر زمین میں بھیج دیئے گئے مگر ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ آدم علیہ السلام کا زمین میں آنا تو ان کی پیدائش سے پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی خلقت سے پہلے ہی فرشتوں پر یہ ظاہر کر چکا تھا کہ۔

﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ (بقرہ : ۴) ''میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

حضرت آدمؑ کا زمین میں خلیفہ ہونا ان کے زمین میں سکونت پذیر ہونے کی پیشین گوئی ہے مگر زمین میں بھیجنے سے پہلے ان کو جنت میں رکھنا پھر گناہ کے بعد وہاں سے ان کو نکال کر زمین میں بھیجنا یہ اشارہ رکھتا ہے کہ آدم اور ان کی

Marfat.com

نسل کی اصل جگہ یہی جنت ہے، مگر اس سے دوری ان کے گناہ کی وجہ سے ہے اور اس کا حصول خدا کی اطاعت اور نیکو کاری کے ذریعہ ہوگا۔ چنانچہ ان کے زمین میں اترتے وقت اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا۔

﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (بقرہ : ۴)

''ہم نے کہا کہ تم سب اس جنت سے اترو، پھر کبھی تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو اس کو نہ ڈر ہوگا، نہ غم اور جنہوں نے نہ مانا اور ہمارے حکموں کو جھٹلایا تو وہی ہیں دوزخ والے وہ اس میں رہا کریں گے۔''

﴿قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشْقٰی وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰی﴾ (طٰہٰ : ۷)

''خدا نے کہا کہ اس جنت سے تم دونوں ایک ساتھ اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو تو اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی رہنمائی آئے تو جس نے میری رہنمائی کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا، اور نہ بدبخت ہوگا، اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا، تو اس کے لیے تنگ معاش ہوگی، اور قیامت میں ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے۔''

توراۃ میں ہے کہ جنت میں دو درخت تھے، ایک نیک و بد کی پہچان کا اور دوسرا زندگی جاوید کا۔ توراۃ کی رو سے آدمؑ کو اسی نیک و بد کی پہچان کے درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا ہے، لیکن آدم نے اس کو کھا لیا، اور اس کی وجہ سے سب سے پہلے ان کو اپنی برہنگی کا علم ہوا، آخر خدا نے ان کو جنت سے نکال دیا کہ وہ زندگی کے درخت کا پھل کھا کر خدائی کا دعویٰ نہ کر بیٹھیں جب وہ جنت سے نکالے گئے تو ان سے کہا گیا۔ (سفر تکوین: ۲)

اور اس درخت سے کھایا جس کی بابت میں نے تجھ سے حکم کیا کہ اسے مت کھانا، زمین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی، اور تکلیف کے ساتھ تو اپنی عمر بھر اس سے کھائے گا، اور وہ تیرے لیے کانٹے اور اونٹکارے اگائے گی اور تو کھیت کی نبات کھائے گا اور تو اپنے منہ کے پسینہ کی روٹی کھائے گا جب تک کہ زمین میں پھر نہ جائے۔

قرآن پاک میں اس درخت کا نام جس کے پھل کھانے سے آدمؑ کو روکا گیا تھا، تصریحاً مذکور نہیں لیکن ایک آیت سے اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیک و بد کی شناخت کا درخت تھا، اور شیطان نے یہ کہہ کر ان کو کھلایا کہ ''یہ حیات جاوید اور ملک جاوداں کا درخت ہے'' مگر اس کے کھانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی ''برہنگی کا علم'' ان کو ہو گیا جو نیک و بد کی تمیز کا نتیجہ ہے فرمایا۔

﴿فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰی فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا﴾ (طٰہٰ : ۷)

''شیطان نے آدم کو وسوسہ دیا کہا اے آدم! کیا میں تجھے حیات جاودانی اور سلطنت غیر فانی کا درخت بتاؤں تو (آدم اور حوا) دونوں نے اس درخت کا پھل کھایا تو ان کی بری چیزیں ان پر کھل گئیں۔''

Marfat.com

اب سوال یہ ہے کہ ''حیات جاوداں'' اور غیر فانی بادشاہی'' سے مقصود کیا ہے' ظاہر ہے کہ جنت ہے' شیطان کا مقصود یہ تھا کہ اس جنت میں تم اب ہو' بے دردسر ہمیشہ رہنے کا نسخہ تم کو بتاؤں؟ انسان نے خواہش کی تو اس نے نیک و بد کی تمیز کے درخت کا پھل بتا دیا' یہ بھی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ نیک و بد کی تمیز ہی پر انسان کی شرعی تکلیف اور مواخذہ کی بنیاد ہے' ہر وہ مخلوق بلکہ ہر وہ انسان جو اس ادراک سے خالی ہے' وہ شرعی تکلیف اور مواخذہ سے گرانبار نہیں' غرض اس خیر و شر کی معرفت کا لازمی نتیجہ شریعت کی تکلیف تھی' چنانچہ وہ اس کے سر ڈالی گئی اور پھر نسل آدمؑ میں یہ نیک و بد کی تمیز فطری الہام کے ذریعہ عنایت ہوئی فرمایا۔﴿وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا﴾ اور نفس اور اس کی بناوٹ کی قسم پھر نفس میں اس کی بدی اور اس کی نیکی کو الہام کیا۔

عجب نہیں کہ قرآن پاک کی یہ آیتیں اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ وَ يَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (احزاب : ۹)

''ہم نے اپنی امانت (تکلیف شرعی) آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور انسانوں نے اس کو اٹھالیا کہ وہ ظالم اور نادان تھا' تاکہ اللہ نفاق والوں اور نفاق والیوں اور شرک والوں اور شرک والیوں کو سزا دے' اور ایمان والوں' اور ایمان والیوں پر رجوع ہو' اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

انسان نے اپنی جہالت سے اس تکلیف شرعی کی امانت کو اٹھالیا' جو نیک و بد کی معرفت کا لازمی نتیجہ تھا' اور وہ اس تکلیف شرعی کا لازمی نتیجہ جزاء اور سزا تھی' لیکن خدا کی رضامندی یہی تھی کہ اس کے سب بندے اس کی رحمت اور مغفرت کے مستحق ٹھہریں' کہ اس کی رحمت وشفقت کا اقتضاء یہی ہے کہ گنہگاروں کو معاف کرے اور نیکوکاروں پر اپنی خاص رحمت نازل کرے' لیکن اگر کاشت کار اپنے کھیتوں کو ابر رحمت سے مستفید ہونے کے قابل نہ بنائے تو وہ اس کی برکت سے مستفید نہ ہوگا' اسی طرح جو بندہ شرک ونفاق میں مبتلا ہو جانے سے اپنے آپ کو اس کی رحمت کے قابل نہ بنائے تو وہ بھی اس کی رحمت کی بارش سے سیراب نہ ہو سکے گا۔

غرض اس طرح وہ مصلحت الٰہی جو انسان کی پیدائش سے تھی پوری ہوئی اور وہ حیات جاوید اور غیر فانی بادشاہی جس کا حصول قضائے الٰہی نے انسان کی محنت جدوجہد اور سعی وعمل پر موقوف رکھا تھا' اور جسے شیطان نے آدمؑ کو بلا سعی ومحنت' محض بخت واتفاق سے دلوانا چاہتا تھا' بالآخر اس کا ملنا تقدیر الٰہی' جدوجہد' سعی وعمل اور نظام ربانی کے مطابق شریعت کی پیروی کے ذریعہ سے مقرر ہوا' جیسا کہ پہلے سے طے شدہ تھا' فرمان آیا۔

﴿اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (بقرہ : ۴)

''یہاں سے تم سب اترو پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی رہنمائی آئے تو جس نے میری رہنمائی کی پیروی کی تو ان کو نہ ڈر ہوگا نہ غم۔''

Marfat.com

﴿اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى﴾ (طٰہٰ: ۱)

”تم دونوں یہاں سے نیچے اتر و تم ایک دوسرے کے دشمن ہو پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے رہنمائی آئے تو جس نے میری رہنمائی کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ بد بخت۔“

جب انسان کا اصل مقام وہی حیات جاوید اور مملکت ابد ہے تو اسی کا حصول اس کی تمام کوششوں کا محور ہونا چاہیے اور اسی حیات فانی اور لازوال بادشاہی کی دولت کو اپنی اس فانی زندگی اور زوال پذیر بادشاہی کے تمام کاموں کے مزدو معاوضہ میں حاصل کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنے باپ کی اس آسمانی بادشاہی کو پالے جس کی صفت یہ ہے۔

﴿فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَى وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَضْحَى﴾ (طه: ۷)

”تو شیطان تم کو جنت سے باہر نہ کر دے تو پھر تو مشقت میں پڑ جائے اور جنت میں تجھ کو یہ ملا ہے کہ اس میں تو نہ بھوکا ہوگا اور نہ ننگا نہ پیاسا ہوگا اور نہ دھوپ کی تپش اٹھائے گا۔“

آدمؑ اس جنت سے نکلے تو ان کو بھوک بھی لگی' ننگے بھی ہوئے' پیاس بھی معلوم ہوئی' اور دھوپ کی تپش کی تکلیف بھی ہوئی' اور زمین میں آ کر ان ہی چار چیزوں کی مشقت میں گرفتار ہوئے' کھانا' پینا' پہننا' رہنا' یہی انسان کی چار مختصر ضروریات ہیں' ان ہی کو اس نے اپنی ہوا و ہوس سے پھیلا کر ضروریات کا ایک عالم پیدا کر لیا جس کے مہیا کرنے' ضرورت سے زیادہ حاصل کرنے اور عمدہ بنانے میں اپنی موجودہ زندگی کی تمام تر توجہ کو مصروف کر کے اصل جنت کی طلب سے ہاتھ دھو بیٹھا یہیں سے شریعت کی تکلیف عائد ہوئی' اور جائز اکل' جائز شرب' جائز لباس اور جائز مسکن کے حصول کے طریقوں کی تعلیم اور ناجائز طریقوں سے احتراز کا حکم ہوا' اسی سے شریعت کے اصول معاملات اور اخلاق انسانی کی ذمہ داریاں پیدا ہوئیں اور پھر اس لیے تاکہ اس حیات فانی میں پھنس کر حیات غیر فانی کی طلب کو وہ بھول نہ جائے' عرفان الٰہی (عقائد صحیحہ) اور عبادت الٰہی اور اطاعت الٰہی کی تلقین ہوئی' جو جنت کی اصلی غذا اور روزی ہے۔

﴿أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (مومنون: ۱)

”یہی وہ میراث لینے والے ہیں' جو سایہ دار باغ کے وارث ہوں گے' وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔“

لیکن یہ وراثت انسان کو اپنے اعمال خیر ہی کے ذریعہ ملے گی' چنانچہ اہل جنت کو جنت کے داخلہ کے وقت یہ بشارت ملے گی۔

﴿وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (زخرف: ۷)

”اور اس جنت میں وہ کچھ ہے' جس کو دل چاہے اور آنکھوں کو لطف ملے اور تم کو اس میں ہمیشہ رہنا ہے' اور یہی وہ جنت ہے جس کے وارث اپنے کاموں کے بدلہ تم بنائے گئے۔“

اور ان ہی کو منادی غیب یہ ندا دے گا۔

﴿وَنُودُوا أَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ

”اور ان کو پکار کر کہا گیا کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم

Marfat.com

تَعۡمَلُوۡنَ﴾ (اعراف : ۵) وارث اپنے ان کاموں کے بدلہ بنائے گئے۔"

ملت توحید کے مبلغ اعظم ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا ایک فقرہ یہ بھی تھا۔

﴿وَاجۡعَلۡنِیۡ مِنۡ وَّرَثَۃِ جَنَّۃِ النَّعِیۡمِ﴾ (شعراء:۵) "اور مجھ کو باغ نعمت کے وارثوں سے بنا۔"

ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ اسلام نے انسان کا اصلی مقام وہی قرار دیا ہے' جہاں نہ بھوک ہے' نہ پیاس' نہ برہنگی ہے نہ دھوپ کی تکالیف جہاں کی بادشاہی لازوال اور جہاں کی زندگی غیر فانی ہے لیکن اس کے حصول کا ذریعہ صرف انسان کا نیک عمل اور صحیح عرفان ہے' جن کے مجموعہ کا نام "تقویٰ" ہے۔

﴿تِلۡکَ الۡجَنَّۃُ الَّتِیۡ نُوۡرِثُ مِنۡ عِبَادِنَا مَنۡ کَانَ تَقِیًّا﴾ (مریم : ۴) "یہ وہ بہشت ہے جس کا وارث اپنے بندوں میں سے ہم اس کو بنائیں گے جو تقویٰ والا ہوگا۔"

انسانی جزاوسزا کے تین گھر:

انسان کے تین گھر ہیں' ایک موجودہ فانی عالم جس کو دنیا کہتے ہیں اور دوسرا درمیانی عالم موت یا عالم برزخ ہے اور تیسرا اس غیر فانی زندگی کا گھر جس کو دار آخرت کہتے ہیں' یہودیوں کے یہاں اصلی زور اسی دنیا کی جزاوسزا پر ہے ان کے ہاں تیسرے کا ذکر بہت کم' اور دوسرے کا مطلق نہیں' اور عیسائیوں میں پورا زور تیسری منزل کی سزاو جزا پر ہے' اور پہلی اور دوسری منزلوں کے ذکر سے خاموشی ہے لیکن وحی محمدی کی تکمیل نے ان تینوں گھروں کو انسانی جزاوسزا کا مقام قرار دیا' انسان کو اپنے اعمال کی پہلی جزاوسزا تو اسی دنیا میں کامیابی و ناکامی کی صورت میں ملتی ہے' گو اس کامیابی وناکامی کے سمجھنے کا معیار مختلف ہو' اس کے بعد جب انسانی روح دوسری منزل میں قدم رکھتی ہے تو یہاں بھی وہ اپنے اعمال کی تھوڑی بہت جزاوسزا کا منظر دیکھ لیتی ہے اس کے بعد جب موجودہ دنیا کے پورے کاروبار کا خاتمہ ہو کر اس فانی کائنات کا ہر نقش ونگار مٹ جائے گا اور پھر نئی زمین اور نیا آسمان بنے گا' تو فانی انسانوں کو دائمی زندگی کے لیے بیدار کیا جائے گا اور اس وقت اعمال کی پوری جزاوسزا پائیں گے۔

انسان کا پہلا دار الجزاء:

غرض انسان کا پہلا دار الجزاء یہی دنیا ہے' گو اس کے ہر نیک و بدفعل کی پوری جزاء تو دوسری دنیا کی زندگی میں ملتی ہے' لیکن اس کے نیک و بدفعل کے مماثل اس موجودہ دنیا کی زندگی میں بھی اس کو کچھ نہ کچھ جزا ملا کرتی ہے' انسان کی عزت شہرت ناموری ہر دل عزیزی محبوبیت' تسکین اطمینان سرور فارغ البالی حکومت یہ سب اس زندگی کے اعمال خیر کے نتائج ہیں' ان کے برخلاف' ذلت رسوائی بے عزتی کسمپرسی' پریشان حالی بے اطمینانی غم خوف محکومیت اس کے اعمال بد کے اثرات ہیں۔

یہودیوں کی توراۃ میں اعمال کے نتائج میں زیادہ اہمیت اسی دنیاوی دار الجزاء کو دی گئی ہے' بلکہ توراۃ میں یہی خیال سب سے زیادہ نمایاں ہے کہ خدا کی فرماں برداری اور نافرمانی کی جزاء اسی دنیا کے رنج وراحت کی صورت میں اسی زندگی میں ملنے ہے مثلاً خدا کے حکموں پر عمل کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری کھیتیاں سرسبز ہوں گی' اولادیں

Marfat.com

برومند ہوں گی' جانور جنیں گے' درخت پھل دیں گے اور دشمن مغلوب ہوں گے' اور اگر خدا کی نافرمانی کرو گے تو تم پر وبائیں آئیں گی' قحط پڑیں گے' اولادیں جیتی نہ رہیں گی' جانور مر جائیں گے' شہر تباہ ہو جائیں گے' باغ پھل نہ دیں گے' اور دشمن تم پر چھا جائیں گے' عیسائیت نے اس کے بالمقابل سارا زور زمین کی مملکت پر نہیں بلکہ آسمان کی بادشاہت پر دیا ہے' اور اس ظاہری زندگی کے فوز و فلاح کو اپنے مقصد سے خارج قرار دیا ہے' آنحضرت ﷺ جس دعوت کو لے کر آئے وہ یہودیت اور عیسائیت کے اس افراط و تفریط دونوں سے پاک ہے' اس نے ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ اس دنیا کی بادشاہی بھی قرار دی اور اس دنیا کی بھی' زمین کی حکومت بھی اور آسمان کی جنت بھی' یہاں کی سرسبزی وشادابی بھی اور وہاں کا باغ و بہار بھی' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نکوکار مسلمانوں کے ذکر میں فرمایا۔

﴿فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (آل عمران : ۱۵)

''تو خدا نے ان کو دنیا کا بدلہ بھی دیا اور آخرت کے ثواب کی خوبی بھی اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔''

ایمان اور عمل صالح والوں سے یہ وعدہ تھا کہ۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (فتح : ۴)

''خدا نے ان سے جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے گناہوں کی بخشش اور بڑی مزدوری کا وعدہ کیا۔''

اور یہ بھی ان ہی سے وعدہ ہے۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ (نور : ۷)

''خدا نے ان سے جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کیے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو ملک میں حاکم بنائے گا جس طرح ان سے اگلوں کو حکم بنایا تھا۔''

لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ جس طرح اس دنیا کی فانی زندگی سے اس دنیا کی باقی زندگی زیادہ پائیدار ہے اسی طرح اس دنیا کے ثواب سے اس دنیا کے ثواب کی قدر و قیمت بھی زیادہ ہے' اور اسی دنیا کے حسن عمل کی کوشش سے اس دنیا کی بہتری بھی ملتی ہے' فرمایا۔

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ وَ لَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (نحل : ۴)

''جنہوں نے نیک کام کیے' اس دنیا میں ان کے لیے بھلائی ہے اور بے شبہ آخرت کا گھر بہتر ہے اور پرہیز گاروں کا گھر کیا اچھا ہے۔''

اسی طرح بدکاروں کی جزا جہاں اس دنیا کی دوزخ اور آگ کے عذاب کو فرمایا اسی طرح اس دنیا کی ذلت و خواری اور رسوائی کو بھی فرمایا۔

﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ﴾ (حج : ۲)

''اس نے دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھایا۔''

﴿لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (بقرہ : ۱۴)

''ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑی مار ہے۔''

Marfat.com

﴿حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ﴾ (بقرہ: ۲۷)۔
"ان کے کام دنیا و آخرت میں برباد ہوئے۔"

یہ بھی فرمایا۔

﴿فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِی الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ﴾ (آل عمران: ٦)
"تو میں ان کو دنیا اور آخرت میں سخت سزا دوں گا۔"

تنگی اور بدحالی کی سزا بھی یہیں ملتی ہے۔

﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰی﴾ (طه: ٧)
"اور جس نے میری نصیحت سے منہ پھیرا تو اس کے لیے تنگ گذران ہے، اور قیامت میں میں اس کو اندھا اٹھاؤں گا کہ وہ دنیا میں دل کا اندھا بنا تھا۔"

انتہا یہ ہے کہ خود صحابہ کو جنگ احد میں فتح نہیں ملی، اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی ان کی بعض فروگذاشتوں کا ثمرہ بتایا۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا﴾ (آل عمران: ١٦)
"تم میں سے جو لوگ اس دن جب دونوں فوجیں بھڑیں، پیچھے ہٹے، ان کے بعض کاموں کی وجہ سے شیطان نے ان کو پھسلا دیا۔"

ایک اور مقام پر عام طور سے فرمایا گیا۔

﴿وَ مَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾ (شوری: ۴)
"جو مصیبت تم کو پہنچی، وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوتوں کے باعث اور وہ بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔"

یہود کے ذکر میں قرآن نے اس مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا ہے، عذاب کے موقع پر فرمایا۔

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴾ (آل عمران: ١٢)
"ان پر ذلت ماری گئی جہاں پائے گئے، لیکن (جہاں عزت حاصل ہے) وہ خدا کے ذریعہ لوگوں کے سہارے اور اللہ کا غصہ کما لائے اور ان پر (قومی) محتاجی ماری گئی یہ اس لیے کہ وہ خدا کے حکموں کا انکار کرتے تھے اور پیغمبروں کو مار ڈالتے تھے یہ اس لیے کہ وہ نافرمان ہیں اور حدود الٰہی سے آگے بڑھتے ہیں۔"

اس کے بالمقابل عام اہل کتاب سے کہا گیا۔

﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ﴾ (مائدہ: ٩)
"اور اگر یہ تورات اور انجیل کو اور جو ان کی طرف ان کے پروردگار کی طرف سے (اب) اتارا گیا، اس کو قائم رکھتے تو وہ اپنے اوپر (برکات آسمانی) سے کھاتے اور اپنے پاؤں کے نیچے (ارضی خیر و برکت) سے کھاتے۔"

Marfat.com

ایک اور موقع پر اشارہ ہے۔

﴿وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ (اعراف : ۱۲)

''اور ان آبادیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور پرہیز گاری کے کام کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کو کھولتے' لیکن انہوں نے خدا کے احکام کو جھٹلایا' تو ہم نے ان کے اعمال کی پاداش میں ان کو پکڑ لیا۔''

مگر یہ دار الجزاء فانی ہے:

لیکن یہاں ایک لغزش گاہ بھی ہے' جس سے اہل ہوش کو باخبر رہنا چاہیے' اس دنیا میں گو انسان کو اعمال کی جزا و سزا کسی نہ کسی رنگ میں ضرور ملتی ہے' مگر کیا شخصی زندگی اور کیا جماعتی حیات کے لحاظ سے یہ دار الجزاء جس کا نام دنیا ہے' عارضی اور فانی ہے' یہاں کا غم بھی فانی اور یہاں کی خوشی بھی عارضی ہے اس لیے صرف اسی دنیا کی کامیابی کو اپنی زندگی کا اصلی مطلوب و مقصود اور غایت و منتہاء نہیں بنانا چاہیے' بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ اس سے بھی زیادہ ایک اور وسیع آسمانی مملکت اور لازوال ربانی سلطنت ہے' جو فنا و زوال کے ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہے اور جہاں کی نعمتیں اس دنیا کی نعمتوں سے کہیں زیادہ بہتر اور غیر فانی ہیں' اس لیے اس فانی دنیا کی لذتوں میں پڑ کر اس کو بھول نہیں جانا چاہیے۔ اس مسافر کی عقل سلیم کی داد کون دے گا' جو راستہ کی عارضی خوش منظریوں اور سفر کی فانی دلچسپیوں میں پڑ کر اپنے خوش سواد اور سدا بہار وطن کو فراموش کر بیٹھے۔

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى﴾ (اعلیٰ)

''بلکہ تم دنیاوی زندگی کو بڑھ کر چاہتے ہو' حالانکہ آخرت کی زندگی اس سے بہتر اور اس سے زیادہ پائیدار ہے۔''

﴿وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ﴾ (یوسف: ۷)

''اور بے شک آخرت کی مزدوری (یہاں کی مزدوری سے) بہتر ہے۔''

اسی طرح گنہگاروں کے لیے یہاں کی ذلت اور رسوائی سے بڑھ کر ایک اور ذلت و رسوائی کا مقام ہے۔

﴿فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ (زمر : ۳)

'تو خدا نے ان کو اس دنیاوی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھایا' اور شبہ نہیں کہ آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا ہے' اگر وہ جانتے۔''

اس دنیا کی ذلت و رسوائی تو شاید سہ بھی لی جائے مگر وہاں کے عذاب کی سختی کون سہ سکتا ہے کہ۔

﴿وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَ اَبْقٰى﴾ (طه : ۷)

''اور آخرت کا عذاب البتہ زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا ہے۔''

اس لیے اس فانی دنیا میں انسان کو اپنے حسن عمل کے بدولت جو زور و قوت جاہ و جلال' نعمت و مال' اور حکومت و سروری ملے' ان کو بھی آخرت کی لازوال نعمتوں اور وہاں کی غیر فانی بادشاہی کے حصول میں صرف کرنا چاہیے کہ اس سے خود ان دنیاوی نعمتوں کو بھی بقا اور پائداری حاصل ہوگی' اسی فلسفہ کو محمد رسول اللہ ﷺ کی وحی حقیقت طراز نے قارون کی نصیحت کے ضمن میں ان لفظوں میں ادا کیا ہے۔

Marfat.com

﴿وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰکَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا وَ اَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْکَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ﴾ (قصص : ۸)

''اور خدا نے جو تجھ کو دیا ہے اس سے آخرت کا گھر تلاش کر اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول' اور جس طرح خدا نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی خدا کے بندوں پر احسان کر اور (اس دولت سے) زمین میں خرابی نہ چاہ۔''

چنانچہ ناخلف یہود پر تباہی اسی لیے آئی کہ وہ دنیاوی زندگی کی دولت و جائداد کی محبت میں ایسے پھنسے کہ ان کو اپنے کاروبار میں آخرت کے سودا کا خیال بھول کر بھی نہ آیا۔

﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْکِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی وَ یَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا وَ اِنْ یَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ یَاْخُذُوْهُ اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ الْکِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَ دَرَسُوْا مَا فِیْهِ وَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (اعراف : ۲۱)

''تو ان کے بعد کچھ ناخلف کتاب کے وارث ہوئے جو اس دنیا کے سامان و اسباب کو لیتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ ہم کو معاف ہوگا اور اگر ویسا ہی سامان و اسباب پھر آئے تو پھر لیں کیا ان سے کتاب کے حق میں یہ عہد نہیں لیا گیا کہ وہ خدا پر حق کے سوا کچھ اور نہ بولیں' حالانکہ جو اس میں ہے وہ اس کو پڑھ چکے ہیں' اور آخرت کا گھر پرہیز گاروں کے لیے بہتر ہے کیا تم سمجھتے نہیں۔''

یہ دارالجزاء دارالاصلاح بھی ہے:

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت وشفقت سے انسان کو پیدا کیا' اور اس ہمیشہ کی زندگی کا مقام بھی دکھایا اور بتا دیا کہ اس مقام کا دائمی وابدی استحقاق خود تمہارے عمل سے تم کو حاصل ہو سکتا ہے' اور یہ دنیاوی زندگی اسی لیے اس کو دی گئی کہ وہ اس زمانہ میں اس سدابہار سرزمین کی ملکیت کو اپنے عمل کی قیمت سے خرید سکے' پھر چونکہ انسان دوسری مصلحتوں کے لحاظ سے طبعاً کمزور' زود فراموش اور بھولنے والا بھی پیدا ہوا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی اسی مستعار زندگی میں بار بار اپنے سنبھلنے' سدھرنے اور کامیاب بننے کے مواقع عنایت کیے رسولوں کی بعثت' معلموں کی آمد' شریعت کی تعلیم پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سلسلہ گناہوں پر جسمانی سزا و تعزیر عمل خیر پر روحانی لذت اور عمل شریر پر روحانی غبار و کدورت کے لوازم اسی لیے مقرر ہوئے کہ اس کو ہر قدم پر اپنے اعمال پر متنبہ اور اپنی غلط روی کا احساس ہو' اور ان سب کے علاوہ اس نے اپنی غایت رحمت سے انسانوں کی تنبیہ اور اصلاح کے لیے حسب ذیل مراتب مقرر کیے۔

(۱) نیکی سے برائی کا کفارہ' چونکہ انسان کتنی ہی کوشش کرے اپنی فطری کمزوریوں کی حد سے باہر نہیں نکل سکتا' اس لیے جس طرح اس دنیا میں اس نے انسانوں کے دلوں میں یہ فطری اصول ودیعت کر دیا ہے کہ جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہو اس کی معمولی برائیوں سے چشم پوشی کی جاتی ہے' یا یہ کہ آخر میں اس کا کوئی ایک نیک کام اتنا زبردست ہو جاتا ہے کہ اس سے اس کی تمام اگلی برائیوں کی فرد دھل جاتی ہے' اسی کا نام کفارۂ عمل ہے۔'' چنانچہ وحی محمدی نے اصولی طور پر یہ حقیقت ان الفاظ میں تلقین کی۔

﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ﴾ (ہود ۱۰) ''بے شبہ نیکیاں' برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔''

Marfat.com

اس آیت کا یہ بھی منشاء ہے کہ نیکیوں کی تدریجی ترقی بالآخر برائیوں کو کم کرتی جاتی ہے' یہاں تک کہ وہ پورا نیکو کار انسان بن جاتا ہے اور یہ بھی خوش خبری اس میں پوشیدہ ہے کہ یہی نیکیاں اس کی پہلی برائیوں کے نتیجہ کو بھی انشاء اللہ مٹا دیں گی' اس معنی کی اور آیتیں بھی قرآن پاک میں ہیں۔

﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا﴾ (نساء : ۵)

''تم کو جن باتوں سے منع کیا گیا ہے' اگر ان میں کی بڑی باتوں سے تم بچتے رہو گے تو ہم تمہاری تقصیریں تم سے اتار دیں گے اور تم کو عزت کے مقام میں داخل کریں گے۔''

﴿لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ (مائدہ : ا)

''البتہ اگر تم نماز کھڑی کرو' اور زکوٰۃ دو اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کرو گے اور اللہ کو اچھی طرح کا قرض دو گے تو میں تمہارے گناہوں کو اتار دوں گا اور تم کو ان جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔''

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ﴾ (احقاف : ۲)

''یہ وہ ہیں جن کے اچھے عمل کو ہم قبول اور ان کی برائیوں سے درگزر کریں گے۔''

(۲) توبہ کفارہ ہے' انسان کے تمام کاروبار میں اصل شے اس کا دل ہے' اسی سے وہ پاک ہوتا ہے اور اسی سے ناپاک بنتا ہے' انسان کا دل اگر خلوص کے ساتھ کسی وقت خدا کی طرف رجوع کرے اور اپنی تقصیروں اور فروگذاشتوں پر اس کی بارگاہ میں نادم و شرمسار ہو کر اپنی پچھلی زندگی سے بیزار ہو کر آئندہ کے لیے نکوکاری کا خدا سے مستحکم وعدہ کرے تو اس کا نام توبہ ہے' یہ توبہ گنہگار سے گنہگار انسان کو بھی خدا کی آغوش محبت میں لا کر ڈال دیتی ہے۔ آدم علیہ السلام کا قصور اور پھر ان کی توبہ' اور رحمت الٰہی کا رجوع' واقعہ کے علاوہ اس بات کی ایک مثالی صورت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آغوش رحمت' کس طرح گنہگار انسان کو واپس لینے کے لیے ہمیشہ وا رہتی ہے' رحمت الٰہی کے اس پر جوش نظارہ کی جو کیفیت محمد رسول اللہ ﷺ کے صحیفہ وحی اور پیام نبوت میں نظر آتی ہے۔ اس سے ہندوستان کا ہرمت اور دھرم قطعاً محروم' تورات خاموش' زبور کی سریلی آواز مدھم' اور انجیل کی خوش خبری مبہم ہے محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیام ربانی میں اس کی کیفیات اور اصول و شرائط کو جس شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے' وہ گویا رب العلمین کی طرف سے رحمۃ للعالمین کا خاص حصہ تھا' فرمایا۔

﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا﴾ (مریم : ۴)

''مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک کام کیے تو وہ جنت میں داخل ہوں گے' اور ان پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا۔''

اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ ایک توبہ کی بھلائی اس کے گناہوں کے سارے دفتر دھو کر ان کی جگہ آپ لے لے

Marfat.com

گی۔

﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَّ کَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ (فرقان)

''مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا' اور اچھے کام کیے تو یہ وہ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں میں بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا رحم والا ہے۔''

اور یہی اس کی شان رحمت کا اقتضا ہے' یہاں تک کہ چور اور ڈاکو بھی اپنے گناہوں سے توبہ کریں تو ان کو بھی بشارت ہے۔

﴿فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ (مائدہ : ٦)

''تو جس نے اپنے پر ظلم کرنے کے بعد توبہ کی اور اپنے کو سدھارا تو بے شک اللہ اس پر رجوع ہوگا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے کیا تجھے نہیں معلوم کہ آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اس کی ہے جس کو چاہے سزا دے اور جس کو چاہے معاف کرے اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قطعی اصول ظاہر فرمادیا کہ۔

﴿وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی﴾ (طٰہٰ : ٤)

''اور بے شک میں اس کو بخشنے والا ہوں جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک کام کیے اور پھر راہ پر چلا۔''

لیکن توبہ کس کے لیے ہے' اور کس شرط کے ساتھ ہے۔

﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَی اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓئِکَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ کَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْئٰنَ وَ لَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ کُفَّارٌ﴾ (نساء : ٣)

''اللہ کو ان کی توبہ قبول کرنی ضرور ہے جو نادانی سے برا کام کرتے ہیں' پھر جلد توبہ کرتے ہیں تو یہی وہ ہیں جن کو اللہ معاف کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے اور حکمت والا ہے اور ان کی توبہ نہیں ہے' جو برے کام کرتے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئی تو اس نے کہا اب میں نے توبہ کی' اور نہ ان کی توبہ ہے جو کافر ہو کر مریں۔''

مقصود یہ ہے کہ توبہ کے بعد اس بندہ کے دل میں آئندہ تلافی اور تدارک کا احساس بھی موجود ہو' اور ظاہر ہے کہ موت کے وقت یہ احساس ممکن ہی نہیں' ہاں اگر وہ توبہ اپنے احساس کے اثر سے کرلے' اور اس کے بعد اتفاقاً موت آجائے تو یقیناً رحمت الٰہی اس کے قبول کرنے میں تامل نہ کرے گی۔

﴿وَ الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّکَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (اعراف : ١٩)

''اور جنہوں نے برے کام کیے پھر اس کے بعد باز آئے (توبہ کی) اور یقین کیا تو بے شک تیرا پروردگار اس کے بعد بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

Marfat.com

﴿وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ یَظۡلِمۡ نَفۡسَهٗ ثُمَّ یَسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا﴾ (نساء : ۱۶)

''اور جو کوئی برا کام کرے یا اپنے آپ پر ظلم کرے پھر اللہ سے اپنے گناہ کی معافی چاہے تو وہ اللہ کو بخشش والا رحم کرنے والا پائے گا۔''

(۳) مصائب کی تنبیہ اور کفارہ دنیا میں انسان کو مصائب سے زیادہ بری اور تکلیف دہ چیز کوئی دوسری نہیں معلوم ہوتی لیکن یہ حقیقت بھلانے کے لائق نہیں کہ افراد بلکہ جماعتیں اور قومیں بھی مصائب ہی کی تنبیہ اور سرزنش سے متنبہ اور ہوشیار ہو کر آمادہ اصلاح ہوتی ہیں' چنانچہ اکثر اخلاقی محاسن کے جوہر کو مصیبتوں کی آگ نکھار کر کندن بناتی ہے صبر استقلال' تواضع شکر محبت اور رحم ان تمام اخلاقی فضائل کی تربیت ان ہی مصائب کے زیر سایہ ہوتی ہے' مغرور سے مغرور انسان بھی جب کسی اتفاقی مصیبت کی ٹھوکر کھاتا ہے' تو سنبھل جاتا ہے اس لیے غافل انسانوں اور خود فراموش سرمستوں کو ہوش میں لانے کے لیے کبھی کبھی کی مصیبتوں سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز نہیں کہ ان کی بدولت ملحد سے ملحد انسان بھی ایک دفعہ بیقرار ہو کر خدا کا نام لے ہی لیتا ہے۔

دولت و نعمت اور کامیابی و مسرت وہ شراب ہے جس کے نشہ کا اتار اتفاقی مصائب ہی کی ترشی سے ہو سکتا ہے انسان خدا کو کتنا ہی بھولا ہوا اور اپنی دولت و ثروت پر کتنا ہی نازاں ہو' لیکن جب وہ کسی افتاد سے دوچار ہوتا ہے' تو دفعۃً اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں' بیماری تنگ دستی' عزیزوں کی موت آرزوؤں کی ناکامی ان میں ہر چیز وہ ٹھوکر ہے' جس کو کھا کر سرمست سے سرمست راہگیر بھی ایک دفعہ چونک کر ہوشیار ہو جاتا ہے اور اس کو اپنے راستہ کی غلطی معلوم ہو جاتی ہے اس لیے ان مصائب میں انسانوں کے اعمال بد اور گناہوں کا کفارہ بننے کی صلاحیت پوری طرح موجود ہے کہ اس تھوڑی تکلیف سے بندہ میں جو احساس پیدا ہوتا ہے وہ بڑی بیش قیمت چیز ہے۔

قرآن پاک نے اس نکتہ کو جابجا بیان کیا ہے' اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو اس سے پہلے کہ ان کو ہلاک کرے' مصائب کی آزمائشوں میں ڈالتا ہے' تاکہ شاید وہ اپنے بھولے ہوئے مالک کو یاد کریں' اور اپنی غلط روی پر متنبہ ہو کر اپنی ہدایت و اصلاح کی فکر کریں فرمایا۔

﴿وَ لَقَدۡ اَخَذۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ بِالسِّنِیۡنَ وَ نَقۡصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَذَّکَّرُوۡنَ﴾ (اعراف : ۱۶)

''اور بے شک ہم نے فرعون والوں کو قحطوں اور پھلوں کی کمی کی مصیبت میں گرفتار کیا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔''

بنی اسرائیل کے متعلق ہے۔

﴿وَ بَلَوۡنٰهُمۡ بِالۡحَسَنٰتِ وَ السَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ﴾ (اعراف : ۲۱)

''اور ہم نے ان کو نعمتوں اور مصیبتوں کے ساتھ آزمایا تاکہ وہ شاید باز آئیں۔''

اسی سورت میں ایک اور جگہ اس اصول کو ایک کلیہ کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَةٍ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذۡنَاۤ اَهۡلَهَا بِالۡبَاۡسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمۡ یَضَّرَّعُوۡنَ﴾

''اور ہم نے کسی آبادی میں کوئی نبی نہیں بھیجا لیکن وہاں کے رہنے والے کو سختیوں اور مصیبتوں میں گرفتار

Marfat.com

(اعراف : ۱۲) کیا تا کہ وہ شاید گڑگڑائیں۔"

مسلمانوں سے فرمایا گیا۔

﴿وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾ (بقرہ : ۱۹)

"اور البتہ ہم تم کو تھوڑے خوف بھوک اور دولت کی اور جانوں کی اور پھلوں کی کمی سے آزمائیں گے اور ان صابروں کو خوش خبری سنا کہ جن کو جب کوئی مصیبت ستاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم خدا کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں' یہ وہ ہیں جن پر اللہ کی برکتیں اور رحمتیں ہوں گی اور یہی سیدھی راہ پائے ہوئے ہیں۔"

اس اصول کے تحت میں آنحضرت ﷺ نے اس کے متعدد جزئیات بیان فرمائے ہیں' حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری ﴿من یعمل سوء یجز به﴾ (نساء: ۱۸) جو کوئی برائی کرے گا' اس کا بدلہ اس کو دیا جائے گا تو میں نے آنحضرت ﷺ سے اس کا مطلب پوچھا فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ پر عتاب ہے اس کا بدلہ دنیا میں بندہ کی ہر تکلیف سے پورا ہو جاتا ہے' جیسے اس کو بخار آجائے' یا وہ کسی اور مصیبت سے دوچار ہوئے' یہاں تک کہ جیب میں کوئی چیز رکھ کر بھول جائے اور اس سے جو تکلیف اس کو پہنچے' وہ تکلیف بھی کفارہ بن جاتی ہے یہاں تک کہ بندہ گناہوں سے اس طرح صاف ستھرا ہو کر نکلتا ہے جیسے بھٹی سے سونا۔[1] دوسری حدیثوں میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ مسلمان کو کوئی مصیبت پیش نہیں آتی ہے' لیکن یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے' یہاں تک کہ اگر اس کے کوئی کانٹا چبھ جائے تو وہ بھی کفارہ بن جاتا ہے' تیسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ "مسلمان کو کوئی تکلیف یا بیماری یا غم یا اذیت نہیں پہنچتی' لیکن یہ کہ وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے' یہاں تک کہ اگر اس کے کوئی کانٹا چبھ جائے تو وہ بھی۔" چوتھی روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ "کسی مسلمان کو کوئی تکلیف کانٹا چھبنے سے لے کر اوپر تک جتنی بھی پہنچے' اللہ تعالیٰ اس سے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے' جیسے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔"[2] پانچویں روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ دنیا میں جو مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا' اور اس کی سزا اس کو یہیں مل گئی' تو وہ اس کے لیے کفارہ' اور اس کو اس گناہ سے پاک و صاف بنانے والی ہے۔"[3]

سطور بالا سے ہویدا ہے کہ کوئی انسان جو اقرار توحید کے بعد گناہ سے ملوث ہو گیا ہو دنیا میں تو بہ اعمال نیک اور مصائب پر صبر و شکر کے ذریعہ سے نجات پا سکتا ہے اور اس دنیا سے اسی طرح پاک و صاف ہو کر نکل سکتا ہے کہ موت کے بعد اس کو کسی نئے کفارہ گناہ کی ضرورت پیش نہ آئے۔

اسی لیے قرآن پاک میں ہے۔

---

(۱) یہ اور اس کی ہم معنی حدیثیں اکثر کتب حدیث میں مثلاً ترمذی تفسیر آخر النساء سنن ابی داؤد وائل کتاب الجنائز۔
(۲) صحیح بخاری اوائل کتاب المرضیٰ میں یہ تینوں روایتیں ہیں۔
(۳) صحیح بخاری کتاب الرد علی الجہمیۃ۔

Marfat.com

﴿وَ لَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ (سجدہ : ۲) ''اور ہم البتہ ان کو بڑے عذاب کے پہلے ادنی عذاب کا کچھ مزہ چکھائیں گے تا کہ وہ اب بھی باز آ ئیں۔''

اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ عذاب الٰہی کا مقصد انتقام اور نفس سزا اور عقوبت نہیں بلکہ شریر نفس کو راہ راست پر لانا ہے' اسی لیے ایک اور آیت میں فرمایا۔

﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا﴾ (نساء : ۲۱) ''اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ کہ خدا (نیکیوں کا) قبول کرنے والا (تمہارے ہر عمل کو) جاننے والا ہے۔''

الغرض یہ عذاب اس دنیا میں آئندہ گناہوں سے بچانے اور گزشتہ گناہوں سے پاک کرنے کے لیے ہوتا ہے' اور عالم برزخ اور عالم بعث میں چونکہ نئے عمل کے محل نہیں' اس لیے ان دونوں مقاموں میں آئندہ کوئی سوال نہیں پیدا ہوسکتا صرف گزشتہ بداعمالیوں کی سزا بھگت کر ان کے نتائج سے نجات مل سکتی ہے اور یہی عالم برزخ اور عالم بعث کے عذابوں کا مقصد ہے' الا یہ کہ پروردگار عالم خود اپنی رحمت سے نوازے' اور معاف فرمائے۔

عذاب برزخ بھی کفارہ ہے:

لیکن اگر کسی انسان کے اندر گناہوں کی ناپاکیاں اتنی زیادہ ہیں کہ اس کی دنیاوی زندگی کے تمام کفارے بھی اس کو دھو کر پاک وصاف نہ بنا سکے تو اس کو اپنے مرنے کے بعد بھی برزخ کے عالم میں اپنے اعمال بد کی مناسب سزاؤں کی صورتوں میں تکلیفیں اٹھا کر پاک وصاف بننا پڑے گا' یہی عالم برزخ کا عذاب ہے اس سے ظاہر ہوگا کہ عالم برزخ کی یہ سزائیں اس لیے ہیں کہ ہم نے دنیا میں اپنی ناپاک خواہشوں اور ناپاک کاموں سے احتراز کرنے کی جو زحمت نہیں اٹھائی اور اچھے کاموں کے کرنے سے جو تھوڑی تکلیف پیش آتی ہے' اس کو برداشت کر کے اچھے کام جو نہیں کیے ان دونوں کے معاوضہ میں عالم برزخ میں آ کر عذاب کی تکلیفیں اٹھائیں' تا کہ حیات ثانی کے دروازہ پر پہنچ کر بھی اگر ہم ان سزاؤں کے ذریعہ پاک وصاف ہوسکیں تو پاک وصاف ہو کر اپنی موروثی بہشت کے قابل بن سکیں جو صرف پاکوں اور بے گناہوں کی جگہ ہے' یعنی ان کی ہے جو یا سرے سے کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوئے ہوں یا یہ کہ گناہ کے مرتکب ہوئے' مگر اعمال نیک توبہ اور مصائب میں صبر وشکر کر کے یا برزخ میں سزا پا کر وہ گناہوں کے داغ سے نجات پا گئے۔

یہ بات کہ عذاب برزخ بھی ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے' اسلام کے اس اصول سے مترشح ہے کہ ایک مسلمان کی ہر تکلیف اس کے کسی نہ کسی گناہ کا کفارہ ہے' اس بناء پر عذاب برزخ بھی اس کے گناہ کا کفارہ ہوگا' قرآن پاک کی بعض آیتوں سے یہ بات بھی کنایۃً نکلتی ہے۔

گنہگار حشر کے دن کہیں گے۔

﴿وَ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا﴾ (انعام : ۵) ''اور ہم مقررہ وقت جس کو تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا' پہنچ چکے۔''

Marfat.com

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حشر سے پہلے عذاب کے ایک دورے کو ختم کر چکے۔

بعض حدیثوں میں بھی اس کنایہ کی تصریح ملتی ہے' کنز العمال میں ایک حدیث ہے۔

عن ابن عمران طول مقام امتی فی قبورھم تمحیص لذنوبھم. (کنز العمال' باب عذاب القبر جلد ۸ص ۹۶)

''ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت کے لوگوں کا اپنی قبروں میں طول قیام ان کو گناہوں سے خالص کرتا ہے۔''

اسی لیے ایک اور حدیث میں آیا ہے۔

اکثر عذاب امتی فی قبورھم.[1] ''میری امت کے لوگوں کو زیادہ تر عذاب ان کی قبروں میں ہوگا۔''

اس حدیث کا (اگر وہ ثابت ہوتو) منشا یہ ہے کہ امت محمدیہ کے اکثر افراد اسی برزخ کے محدود زمانہ عذاب میں نکھر کر اور پاک وصاف ہوکر جنت کے قابل ہو جائیں گے اور عذاب دوزخ کی ضرورت ان کو پیش نہ آئے گی' حافظ ابن قیم ایک موقع پر لکھتے ہیں۔

فان و فت بالخلاص منھا فی ھذہ الدار و الا ففی البرزخ' فان وفی بالخلاص و الاففی موقف القیامۃ و اھوا لھا ما یخلصھم من تلک البقیۃ.[2]

''اگر ان بیماریوں کا یہ علاج اس دنیا میں نجات کے لیے پورا ہو گیا تو خیر' ورنہ برزخ کی سزا سے علاج کیا جائے گا' تو اگر یہ نجات کے لیے کافی ہو گیا' تو خیر ورنہ پھر قیامت کا مقام اور اس کی ہولناکیاں باقی بیماریوں سے نجات دلائیں گے۔''

رویائے برزخ کی حدیث میں جو پہلے مفصل گزر چکی ہے' وہ منظر دکھایا گیا ہے جس میں گنہگار عذاب کے دور سے نکل کر اور نہر حیات میں نئی زندگی پا کر بہشت کے مستحق قرار پائے ہیں'[3] غالباً انہی نجات پانے والے مومنوں کو دیکھ کر مشرکین بھی قیامت میں یہ کہیں گے۔

﴿وَ یَوۡمَ یَحۡشُرُھُمۡ جَمِیۡعًا یٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ قَدِاسۡتَکۡثَرۡتُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ وَ قَالَ اَوۡلِیٰٓؤُھُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ رَبَّنَا اسۡتَمۡتَعَ بَعۡضُنَا بِبَعۡضٍ وَّبَلَغۡنَاۤ اَجَلَنَا الَّذِیۡۤ اَجَّلۡتَ لَنَا﴾ (انعام : ۵)

''اور جس دن وہ ان سب کو اکٹھا کرے گا اے گروہ جن! تم نے بہت سے انسانوں کو اپنا بنالیا اور ان کے دوست انسان کہیں گے کہ ہمارے پروردگار! ہم میں سے ایک نے دوسرے سے کام نکالا اور ہم مقررہ وقت کو جس کو تو نے ہمارے لیے ٹھہرایا تھا' پہنچ چکے۔''

یہ الفاظ کہ ہم اپنے مقررہ وقت کو جس کو تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا' پہنچ چکے یہ معنی رکھتے ہیں کہ ''عالم برزخ'' کا مقررہ دورۂ عذاب ہم ختم کر چکے' اور اب حشر ونشر کے عذاب کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے' اس لیے بعض

(۱) اس حدیث کو شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ باب الوقائع الحشریہ میں نقل کیا ہے لیکن مجھے اس کا اصل ماخذ معلوم نہ ہوسکا۔

(۲) شفاء العلیل لابن القیم مطبعہ حسینیہ مصر ص ۲۲۴۔

(۳) صحیح بخاری کتاب التعبیر۔

Marfat.com

دوسرے نیک بختوں کی طرح ہم کو بھی اب چھٹکارا ملے جواب ملے گا۔

﴿قَالَ النَّارُ مَثْوٰكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ (انعام : ۱۵)

''فرمائے گا' آتش دوزخ تمہارا ٹھکانا ہوا اس میں سدا رہو گے' لیکن یہ کہ جو اللہ چاہے بے شک تیرا رب حکمت اور علم والا ہے۔''

اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تمہارا دورۂ عذاب ختم نہیں ہوا ہے اور تمہاری پاکیزگی ابھی کامل نہیں ہوئی' اس لیے ابھی اس دوسرے عالم کا عذاب بھی تم کو سہنا ہے' پھر جب خدا چاہے گا' تم کو اس سے نجات دے گا۔ اس کا ہر کام علم و حکمت پر مبنی ہے' اس کے علم و حکمت اور مصلحت کا جب تقاضا ہو گا تم کو نجات ملے گی۔ (۱)

عذاب دوزخ کفارۂ گناہ ہے: ابھی یہ آیت اوپر گزر چکی ہے۔

﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا﴾ (نساء : ۲۱)

''خدا کو تمہارے عذاب سے کیا کام' اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ کہ خدا تمہاری شکر گزاری کو قبول کرنے والا اور تمہارے دلوں کے حال کو جاننے والا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو گنہگاروں کے عذاب سے کوئی خوشی نہیں حاصل ہوتی' نہ وہ چاہتا ہے کہ اس کے گنہگار بندے اس عذاب میں مبتلا ہوں' لیکن ازل سے اس نے اپنے جو قانون مقرر کر دیئے ہیں وہ ان کو توڑتا بھی نہیں' جس وقت آدمؑ کو جنت کی سرزمین سے نکال کر اس دنیا میں اس لیے بھیجا گیا کہ وہ اپنے عمل کے استحقاق سے اس جنت کو دوبارہ ہمیشہ کے لیے حاصل کریں۔ اسی وقت یہ قانون بھی ان کو سنا دیا گیا تھا۔

﴿اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (بقرہ : ۴)

''یہاں سے تم سب اترو تو اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت اترے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو ان پر نہ کوئی خوف ہے' اور نہ غمگین ہوں گے' اور جنہوں نے ناشکری کی اور ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تو وہی دوزخ والے ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

اس آیت میں مستحق دوزخ ہونے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں' ایک کفران اور دوسری تکذیب دیکھو کہ اوپر کی نساء والی آیت میں عذابِ دوزخ سے نجات پانے کی دو شرطیں شکر اور ایمان ان کے بالمقابل ہیں' اس سے ظاہر ہوا کہ شکر اور ایمان استحقاق جنت کی شرطیں اور کفران اور تکذیب استحقاق دوزخ کے اسباب ہیں' بقیہ تمام نیکیاں شکر اور ایمان کے فروع اور تمام برائیاں کفران اور تکذیب کی شاخیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس لیے نہیں بنایا کہ وہ ان کو پیدا کر کے دوزخ کا ایندھن بنائے' بلکہ اس نے تو ان کو اپنی رحمت کے ظہور کے لیے پیدا کیا' غیظ و غضب کے اظہار کے لیے نہیں' فرمایا۔

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

''ہم نے یہ امانت آسمانوں پر' زمین پر اور پہاڑوں پر

(۱) حسب تفسیر ابن عباسؓ ابن جریر طبری ج ۸ ص ۲۴ مصر۔

Marfat.com

﴿وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا لِّیُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ وَ یَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ (احزاب : ۹)

پیش کی تو ان سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور ڈرے اور انسان نے ان کو اٹھالیا کہ وہ ظالم اور نادان تھا' تا کہ اللہ نفاق کرنے والوں اور نفاق کرنے والیوں اور شرک کرنے والوں اور شرک کرنے والیوں کو سزا دے' اور ایمان والوں اور ایمان والیوں پر وہ اپنی رحمت کے ساتھ رجوع ہو اور اللہ تو بخشنے والا اور رحمت والا ہے۔''

اس آیت پاک سے صاف ہویدا ہے' کہ اللہ تعالیٰ کی اصلی صفت یہی ہے کہ وہ غفور و رحیم ہے یعنی بخشش و رحمت اس کی صفت ذاتی ہے' اب اگر کوئی اپنے آپ پر ظلم کر کے گناہ کرتا ہے' اور اس لیے وہ اپنے کو رحمت الٰہی سے دور کر لیتا ہے تو یہ خود انسان کا فعل ہے۔

﴿فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ﴾ (توبہ : ۹)

''اللہ نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا' لیکن وہ اپنی جانوں پر آپ ظلم کرتے ہیں۔''

﴿وَ مَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ﴾ (مومن : ۴)

''اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔''

غرض جو کچھ ہے وہ اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔

﴿لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی﴾ (طٰہ : ۱)

''کہ ہر جان کو اپنے ہی کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔''

اس لیے بہشت یا دوزخ جو کچھ ہے انسان کے اپنے ہی عمل کا لازمی نتیجہ ہے' جس طرح دنیا کے ہر عمل کا کوئی نہ کوئی لازمی نتیجہ ہے' مثلاً کھانے کا نتیجہ شکم سیری' پینے کا سیرابی' بھوک کا تکلیف' بیماری کا بے آرامی' گرنے کا چوٹ' زہر کا موت' شہد کا مٹھاس' غرض ہر اچھے برے فعل کا ایک لازمی جسمانی نتیجہ ہے' جو دنیا میں ہمارے عمل کے بعد ہم کو ملتا رہتا ہے' اسی طرح ہم کو اپنے اعمال کا ایک روحانی نتیجہ بھی لازمی ملنے والا ہے' جو ہم کو اس دوسرے عالم میں ملے گا تو جس طرح زہر کھا کر مرنے کی ذمہ داری خود ہم پر عائد ہوتی ہے' اور ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم زہر کھا کر مر کیوں گئے یا گرنے سے ہم کو چوٹ کیوں آئی۔ اسی طرح ہم یہ سوال بھی نہیں کر سکتے ہیں ہم کو ان کے اعمال کے بعد دوزخ کی سزا کیوں ملی' کہ دونوں ہمارے اعمال کے یکساں لازمی نتیجے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی غایت رحمت سے ہم کو اعمال کے نتیجوں سے قبل از وقت مطلع فرما دیا ہے' ہم کو اس نے نیک و بد کی تمیز کا احساس بخشا عقل عنایت کی ضمیر عطا کیا' پھر نبی اور رسول بھیجے' شریعت دی کتاب مرحمت فرمائی' اس پر بھی اگر ہم باز نہ آئے اور ان اعمال کا ارتکاب کیا تو اب ہم کو ان اعمال کے نتائج سے کون بچا سکتا ہے۔

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (نساء : ۲۳)

''یہ رسول بھیجے' نیکوں کو خوش خبری سنانے والے اور بدکاروں کو ہشیار کرنے والے تا کہ خدا پر انسان کی حجت باقی نہ رہے۔''

پھر اپنی رحمت سے سب سے آخر میں اپنی رحمت کے کامل مظہر کو دنیا میں بھیجا۔

Marfat.com

﴿وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ﴾ (انبیاء : ۷) "ہم نے تجھ کو (اے پیغمبر) ساری دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔"

لیکن ظالم و نادان انسانوں نے اس رحمت کے قبول سے انکار کیا' اور طرح طرح کی بداعتقادیوں اور بد اعمالیوں سے اپنے کو برباد کیا اور جس غرض سے خدا نے ان کو پیدا کیا تھا' اس سے اعراض کیا اور اپنے کو خود اپنے ہاتھوں سے ہلاکت و بربادی میں مبتلا کیا۔

﴿وَ مَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهۡلِكَ الۡقُرٰى بِظُلۡمٍ وَّ اَهۡلُهَا مُصۡلِحُوۡنَ وَ لَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا يَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِيۡنَ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّكَ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمۡ﴾ (ہود : ۱۰) "اور نہ تھا تیرا رب جو آبادیوں کو ظلم سے ہلاک و برباد کرتا در انحالیکہ ان کے رہنے والے نکوکار ہوتے اور اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگوں کو (زبردستی) ایک راہ پر کر دیتا' لیکن وہ ایسی زبردستی نہیں کرتا اور وہ یونہی ہمیشہ اختلافات میں رہتے ہیں' مگر جن پر تیرے رب کا رحم ہوا' اور اسی واسطے ان کو پیدا کیا۔"

اس آیت سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو رحمت کے لیے بنایا ہے' عذاب کے لیے نہیں لیکن انسان خود اپنے عمل سے خدا کی رحمت کے بجائے اس کے عذاب کا سزاوار اپنے کو ٹھہرا لیتا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔

﴿لِلرَّحۡمَةِ خَلَقَهُمۡ وَ لَمۡ يَخۡلُقۡهُمۡ لِلۡعَذَابِ﴾ "خدا نے انسانوں کو رحمت کے لیے پیدا کیا عذاب کے لیے نہیں۔"

لیکن اگر ظالم و نادان انسان نے خدا کی ان پے در پے رحمتوں کے باوجود اپنے کو اس کی رحمت کا مستحق نہ بنایا تو کیا وہ خدائے رحمان و رحیم جس کا یہ اعلان ہے۔

﴿كَتَبَ عَلٰى نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ﴾ (انعام : ۲) "اس خدا نے (مخلوقات) پر رحمت کو اپنے اوپر واجب کر لیا ہے۔"

﴿سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ كَتَبَ رَبُّكُمۡ عَلٰى نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ﴾ (انعام:٦) "تم پر سلامتی ہو تمہارے رب نے رحمت کو اپنے اوپر فرض ٹھہرا لیا ہے۔"

﴿وَ رَحۡمَتِيۡ وَسِعَتۡ كُلَّ شَيۡءٍ﴾ (اعراف:۱۹) "اور میری رحمت نے ہر چیز کو سما لیا ہے اور۔"

﴿وَ رَبُّكَ الۡغَفُوۡرُ ذُو الرَّحۡمَةِ﴾ (کہف:۸) "تیرا پروردگار بخشنے والا رحمت والا ہے اور۔"

﴿وَ رَحۡمَتِيۡ سَبَقَتۡ غَضَبِيۡ﴾ (صحیح بخاری) "میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔"

وہ اپنے گنہگار و سیہ کار بندوں سے ہمیشہ کے لیے اپنا منہ موڑ لے گا' حالانکہ اس کی رحمت کسی غرض سے نہیں بلکہ بے غرض ہے فرمایا۔

﴿وَ رَبُّكَ الۡغَنِيُّ ذُو الرَّحۡمَةِ﴾ (انعام:۱٦) "اور تیرا رب بے نیاز رحمت والا ہے۔"

Marfat.com

اور تسلی دی ہے۔

﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (زمر : ٦)

''اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا ہے خدا کی رحمت سے نا امید نہ ہو' خدا سب گناہوں کو معاف کرتا ہے بے شک وہی بخشنے والا رحمت والا ہے۔''

اس کی رحمت کا ظہور جس طرح اس دنیا میں ہوا ہے' اس دنیا میں بھی ہوگا' اور وہاں اس کی رحمت کا سب سے بڑا مظہر اس کے مقام لعنت (دوزخ) سے دوری اور اس کے مقام رحمت (بہشت) سے قرب ہے۔

﴿مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ﴾ (انعام : ٢)

''جس سے خدا کا عذاب ہٹایا گیا وہی ہے جس پر اس نے اپنی رحمت کی اور اس کی رحمت کا یہ حصول ہی کھلی کامیابی ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی ان پے در پے رحمتوں کا یہ تقاضا ہے کہ وہ گنہگاروں کو زیادہ سے زیادہ یہ کہ ان کے نتائج عمل کے بھگت لینے کے بعد آخر کار اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے اور وہ ان کو اپنی بخششوں سے سرفراز فرمائے۔

دوزخ قید خانہ نہیں شفاخانہ ہے:

انسان جب عدم حفظ صحت کی غلط کاریوں کے سبب سے بیمار ہو جاتا ہے تو اکثر یہی سمجھا جاتا ہے کہ فطرت نے اس کو ان کے معاوضہ میں بیماری کی تکالیف کی سزائیں دی ہیں' مگر واقعہ یہ نہیں ہے کہ ان غلط کاریوں کے جو برے نتائج انسان کے جسم کے اندر پیدا ہو گئے ہیں' ان کو دور کرنے کے لیے جسم جدوجہد کرتا ہے اس لڑائی کا نام بیماری اور اس لڑائی کی کشمکش کا نام بیماری کی تکالیف و آلام ہے جن کو ہم دردسر' درد شکم' اعضاء شکنی اور بے خوابی وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں یہی روحانی بیماریوں کا حال ہے جن کو ہم اصطلاح شرعی میں گناہ اور جن کے نتائج بد کو 'عذاب'' کہتے ہیں یہ نتائج آتش دوزخ اور اس کے شدائد و آلام کی صورت میں ظاہر ہوں گے اور جن کا منشاء یہ ہوگا کہ روح انسانی اپنی غلط کاریوں کے نتائج بد کو دور کرنے کے لیے جدوجہد میں مصروف ہوگی' وہ ان سے عہدہ برآ ہوگی' خدا کی رحمت سے سرفرازی پا کر اس عذاب سے نکل کر اپنی موروثی بہشت میں داخل ہوگی۔

اس تمہید سے یہ ظاہر ہے کہ دوزخ کی مثال یہ نہیں ہے کہ وہ مجرموں کے لیے قید خانہ ہے بلکہ یہ ہے کہ وہ بیماروں کے لیے شفاخانہ ہے' بیمار کو شفاخانہ کے اندر بھی ہر قسم کی تکلیفیں محسوس ہوتی ہیں' درد' اعضا شکنی شدت تشنگی سوزش جسم وہاں کڑوی سے کڑوی غذا پلائی جاتی ہے' بدمزہ سے بدمزہ کھانا کھلایا جاتا ہے' ضرورت ہوتی ہے تو اس کو نشتر دیا جاتا ہے اس کا کوئی عضو کاٹا جاتا ہے کوئی داغا جاتا ہے اور ان سب کی تکلیفیں ان کو اٹھانی پڑتی ہیں' مگر یہ ساری ایذا رسانی' کسی انتقام اور تکلیف دہی کی غرض سے نہیں ہوتی بلکہ عدم صحت کی غلط کاریوں کے برے نتائج سے اس کے جسم کو محفوظ رکھنے کی غرض سے کی جاتی ہے' اس کو جو تکلیفیں وہاں محسوس ہوتی ہیں' وہ گو شفاخانہ کے اندر ہی محسوس ہوتی ہیں' مگر ان کا سبب شفاخانہ نہیں بلکہ خود اس بیمار کا اصول صحت سے دانستہ یا نادانستہ انحراف کرنا اور اس کی وجہ سے بیماریوں میں مبتلا ہونا ہے۔

Marfat.com

یہ اصول ان آیتوں اور صحیح حدیثوں سے پوری طرح سمجھ میں آتا ہے جن میں بالآخر عذاب دوزخ سے نجات پانے کی کیفیت بیان کی گئی ہے دنیاوی آلام وتکالیف کی نسبت قرآن نے یہ اصول پیش کیا ہے۔

﴿وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (آل عمران : ۱۴) ''اور تاکہ خدا ایمان والوں کو پاک و خالص کرے اور کافروں کو مٹائے۔''

یہی اصول عذاب اُخروی پر صادق آتا ہے کہ اس سے بھی مقصود گنہگار اہل ایمان کی پاکی وصفائی ہے چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ حقوق عباد کے بعد۔

حَتّٰى اِذَا هُذِّبُوْا وَ نقوا اُذِنَ لَهُمْ فِىْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ. (صحیح بخاری باب القصاص یوم القیامة ص ۹۶۷) ''یہاں تک کہ جب گنہگار چھٹ جائیں گے اور پاک و صاف ہو جائیں گے تب ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی۔''

اس حدیث میں یہ دو لفظ ﴿هذبوا و نقوا﴾ ذرا تشریح طلب ہیں ﴿هذبوا﴾ کا مصدر تھذیب ہے تہذیب کے لغوی معنی یہ ہے کہ درختوں کی خراب شاخیں اس لیے چھانٹ دی جائیں تاکہ ان میں سرسبزی وشادابی پیدا ہو اور ترقی کی نئی زندگی ان کو مل جائے اور نقوا۔ کا مصدر تنقیہ۔ ہے تنقیہ کے اصلی معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کے اندر سے خراب وفاسد مادہ کو الگ کر دیا جائے تاکہ وہ پوری طرح نکھر جائے اس تشریح سے صاف کھل گیا کہ گنہگاروں کو جنت کے داخلہ کے لیے کیا درکار ہے اسی لیے قرآن پاک میں ہے کہ اہل جنت جب جنت کے قریب پہنچیں گے تو ندا آئے گی۔

﴿طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ﴾ (زمر:۸) ''تم پاک و صاف ہو چکے تو جنت میں سدا کے لیے آ جاؤ۔''

الغرض جب اس طیب و پاکیزگی کا دور آئے گا تو گنہگاروں کو بھی نجات ملے گی اسی لیے ہر گنہگار کے لیے دوزخ سے نکلنے کی مدت خواہ کتنی ہی طویل ہو مگر بہرحال اس کی انتہا ہے فرمایا۔

﴿لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا﴾ (نبا: ۱) ''دوزخ میں وہ صدہا سال تک پڑے رہیں گے۔''

لیکن بالآخران صدہا سال کا بھی ایک دن خاتمہ ہوگا اور خدا نے چاہا تو ان کو نجات ملے گی۔

حدیث رؤیائے برزخ میں ہے کہ ''آپ ؐ نے دوزخ میں کچھ ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جنہوں نے کچھ اچھے اور کچھ برے کام کیے تھے ان کا آدھا دھڑ تو نہایت خوب صورت اور آدھا سخت بدصورت تھا جب ان کی سزا کی مدت ختم ہوئی تو فرشتوں نے ان سے کہا کہ جاؤ اس نہر میں جا کر پڑ جاؤ سامنے وہ نہر تھی جس میں خالص سپید پانی بہہ رہا تھا وہ اس میں جا کر پڑ گئے پھر نکل کر آئے تو ان کی وہ بدصورتی جاتی رہی اور نہایت خوب صورت ہو گئے اس سے ظاہر ہے کہ خدا کی رحمت کیونکر گنہگاروں کو سرفراز فرمائے گی۔

کیا دوزخ بھی ایک نعمت ہے:

اس تفصیل کے بعد اگر یہ کہا جائے کہ قیامت اور دوزخ کی ہولناکیاں اور سزائیں بھی گنہگاروں کے لیے اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کی اسی طرح نعمت ہیں جس طرح اس دنیا میں شفاخانوں کا وجود بیماروں کے لیے نعمت ہے اگر دوزخ نہ ہوتی تو گنہگاروں کی پاکیزگی اور پاکوں کی جنت میں ان کے داخل ہونے کی کوئی صورت نہ تھی اس رحمان ورحیم کی رحمت و کرم نے گوارانہ کیا کہ ان بدبختوں کو ان کی نافرمانیوں کے باوجود ہمیشہ کے لیے محروم رکھا جائے اس لیے ان کی صفائی کے لیے پہلے برزخ کا حمام مقرر کیا اور جو اس سے بھی پاک نہ ہوسکیں ان کے لیے دوزخ کی آگ مقرر کی کہ وہ اپنی ہر قسم کی بداعمالیوں کے میل کچیل کو جلا کر نکھر کر پاک ہو جائیں اور کندن بن کر بالآخر اپنی آبائی اور فطری وراثت (جنت) پائیں اس نظریہ کو پیش نظر رکھ کر قرآن پاک کی ان آیتوں کو پڑھیے جن میں قیامت اور دوزخ کی ہولناکیوں اور مصیبتوں کو بھی نعمت سے تعبیر کیا گیا ہے فرمایا۔

﴿يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّ لَا جَآنٌّ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَ الْاَقْدَامِ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ (رحمن : ۲)

''تم پر آگ کے صاف اور دھواں ملے شعلے چھوٹیں گے پھر کوئی تمہاری مدد نہ کر سکے گا تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے پھر جب آسمان پھٹ کر تلچھٹ کی طرح گلابی ہو جائے گا تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے پھر اس دن کسی انس و جن سے اس کے گناہ کی نسبت پوچھا نہ جائے گا تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے گنہگار اپنی نشانیوں سے پہچان لیے جائیں گے پھر وہ اپنی پیشانیوں کے بال اور پاؤں سے پکڑے جائیں گے تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے یہ وہ دوزخ ہے جس کو گنہگار جھٹلاتے تھے وہ اس دوزخ اور گرم پانی کے بیچ میں گشت کریں گے تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔''

ان آیتوں کی تفسیر کسی پہلو سے بھی کیجیے یہ بات بہر حال ماننی پڑے گی کہ قیامت اور دوزخ کے ہولناک احوال مجرموں کے حق میں نعمت ہیں اس لیے بھی کہ دنیا میں وہ ان کے ڈر سے برائیوں کو چھوڑ کر راہ راست پر آتے ہیں اور اس لیے بھی کہ آخرت میں وہ انہی کے ذریعہ سے اپنے گناہوں کے نتائج بد سے بری ہو کر بہشت ربانی کے لائق بن سکیں گے۔

دوزخ رحمت الٰہی کا ظہور اور نجات:

انسان اور وہ بھی اللہ کی توحید کا قائل اور رسول کی صداقت کا معترف خواہ کسی قدر گمراہ اور گنہگار ہو تاہم اس کے نامہ اعمال میں کچھ نہ کچھ نیکیاں ضرور ہوں گی قیامت گو اللہ تعالیٰ کے عتاب وجلال کا روز ہوگا جس میں ہر گنہگار کو اپنی گنہگاری کا ملزم ہونا پڑے گا مگر بالآخر اس رحمان ورحیم کی شان رحیمی کا ظہور ہوگا اور رحمتي سبقت غضبي اور میرے غصہ سے میری رحمت سبقت لے گئی ہے کے اعلان کا مصداق شفاعت کی صورت میں جلوہ گر ہوگا اور

Marfat.com

گنہگاروں کو اس کی بدولت گناہوں کے داغ سے پاک وصاف ہو کر پاکوں کی بہشت میں داخلہ کی اجازت ملے گی فرمایا۔

﴿وَ مَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ﴾ (تغابن : ۱)

"اور جو اللہ پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے اس سے اس کی برائیاں جھاڑ دے گا' اور اس کو جنت میں داخل کرے گا۔"

﴿وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (توبہ : ۱۳)

"اور دوسرے لوگ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور ملایا ایک کام نیک اور دوسرا بد شاید اللہ ان کو معاف کرے۔ بے شک اللہ بخشنے والا رحم والا ہے۔"

اس معافی کی دو صورتیں ہیں' ایک تو یہ کہ وہ بالکلیہ یعنی عذاب کے بغیر ہی معاف کر دے' دوسری یہ کہ وہ دوزخ میں کچھ دن جا کر خدا کی معافی سے سرفراز ہو کر اس سے نکلیں' فرمایا۔

﴿وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا﴾ (مریم : ۵)

"اور تم میں کوئی نہیں جو جہنم میں وارد نہ ہو تیرے رب کا یہ ضروری فیصلہ ہے پھر ہم ان کو جو خدا سے ڈرے' نجات دیں گے اور مشرکوں اور کافروں کو ہم اس میں گھٹنے کے بل گرے ہوئے چھوڑ دیں گے۔"

احادیث صحیحہ میں اس کے متعلق آنحضرت ﷺ کی حسب ذیل تصریحات مذکور ہیں۔

(۱) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شفاعت کے ذریعہ لوگ دوزخ سے چھوٹی ککڑیوں کے مانند نکلیں گے' (صحیح بخاری کتاب الشفاعۃ)

(۲) حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دوزخ سے کچھ لوگ اس کی جھلس کھا کر نکلیں گے' اور جنت میں داخل ہوں گے۔" (صحیح بخاری کتاب الشفاعۃ)

(۳) حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو خدا فرمائے گا' کہ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکالو تو وہ کوئلے ہو کر نکلیں گے' پھر وہ نہر حیات میں ڈال دیئے جائیں گے' تو وہ اس طرح اگیں گے جس طرح سیلاب کے بہاؤ میں جنگلی دانہ اگتا ہے۔" (صحیح بخاری کتاب الشفاعۃ)

(۴) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قیامت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا "پھر میں سجدہ میں گر پڑوں گا اور پڑا رہوں گا' تو آواز آئے گی کہ اے محمد! سر اٹھا' مانگ دیا جائے گا' تو میں سر اٹھاؤں گا اور اس حمد سے جو خدا مجھے سکھائے گا۔ اس کی حمد کروں گا اور سفارش کروں گا' تو خدا ایک حد مقرر فرمائے گا تو میں ان کو دوزخ سے نکالوں گا' اور جنت میں داخل کروں گا' پھر لوٹ آؤں گا اور سجدہ میں گر پڑوں گا۔ پھر وہ کچھ لوگوں کو بخش دے گا' اسی طرح تیسری پھر چوتھی بار کروں گا۔ یہاں تک کہ دوزخ میں پھر وہی رہ جائے گا' جس کو قرآن نے

Marfat.com

روک رکھا ہے۔“ (صحیح بخاری کتاب الشفاعۃ)

(۵) حضرت عمرانؓ بن حصین سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”محمد کی شفاعت سے کچھ ایسے لوگ دوزخ سے نکلیں گے اور جنت میں داخل ہوں گے جن کا نام جہنم والے ہوگا۔“ (ایضاً)

(۶) حضرت ابوہریرہؓ کے سوال پر آپؐ نے فرمایا کہ ”میری سفارش سے سرفراز ہونے کی خوش قسمتی اس کو حاصل ہوگی، جس نے خلوص قلب سے اللہ کی توحید کا اقرار کیا ہو۔“ (صحیح بخاری کتاب الشفاعۃ)

(۷) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلہ سے فراغت پائے گا اور چاہے گا کہ ان کو جنہوں نے اس کی توحید کی گواہی دی تھی، دوزخ سے نکالے تو فرشتوں کو ان کے نکالنے کا حکم دے گا فرشتے ان توحید والوں کو اس علامت سے پہچانیں گے کہ ان کی پیشانیوں میں سجدہ کے نشان ہوں گے کہ خدا نے آدم کے بیٹے کی پیشانی کے نشان سجدہ کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دیا ہے تو وہ ان کو جلا نہ سکے گی، فرشتے جب ان کو نکالیں گے تو وہ جلے جھلسے ہوں گے، پھر ان پر آب حیات چھڑکا جائے گا تو وہ اس طرح اگیں گے جس طرح سیلاب کے بہاؤ میں جنگلی دانہ اگتا ہے۔“ (صحیح بخاری کتاب الشفاعۃ)

(۸) حضرت ابوسعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جنت والے جنت دوزخ والے دوزخ میں داخل ہو چکیں گے، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، دیکھو جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکالو تو وہ جل کر کوئلہ ہو کر نکلیں گے، پھر وہ نہر حیات میں ڈال دیئے جائیں گے تو اس طرح وہ اگیں گے جس طرح سیل آب کے کنارے جنگلی دانہ اگتا ہے۔“ (صحیح بخاری کتاب الایمان)

(۹) حضرت ابوسعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ”اہل دوزخ جو دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے وہ اس میں نہ مریں گے نہ جئیں گے لیکن وہ لوگ جن کو دوزخ کی آگ بعض گناہوں کی وجہ سے چھوئے گی تو وہ اس میں کچھ دیر کے لیے مر جائیں گے، یہاں تک کہ وہ جل جائیں گے پھر ان کے حق میں شفاعت کی اجازت ہوگی، تو وہ تھوڑے تھوڑے کر کے آئیں گے اور جنت کی نہروں میں پھیل جائیں گے، اور اہل جنت سے کہا جائے گا کہ ان پر پانی بہاؤ تو وہ اس طرح اگیں گے جیسے سیلاب کے بہاؤ میں جنگلی دانے۔“ (صحیح بخاری کتاب الایمان)

(۱۰) حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ”سب سے آخر میں جو شخص دوزخ سے نجات پا کر نکلے گا وہ گھسٹتا ہوا نکلے گا، اور اس کو جنت بھری معلوم ہوگی۔“

(۱۱) حضرت ابوسعیدؓ خدری سے صحیحین میں روایت ہے کہ خدا فرمائے گا کہ ملائکہ نے سفارش کی اور پیغمبروں نے سفارش کی اور اہل ایمان نے سفارش کی، اور اب صرف وہ رہ گیا جو تمام رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے یعنی خود وہ رحمان و رحیم، تو وہ دوزخ سے مٹھی بھر کر ان لوگوں کو نکالے گا جنہوں نے کبھی کوئی بھلائی نہیں کی۔“ (صحیحین)

(۱۲) حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ حکم ہوگا کہ جس نے ﴿لا الٰہ الا اللّٰہ﴾ کہا ہو اور اس کے دل پر جو برابر بھی نیکی ہو اس کو دوزخ سے باہر کرو جس نے ﴿لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ﴾ کہا ہو اور گیہوں کے دانہ کے برابر بھی

Marfat.com

اس کے دل میں نیکی ہو۔ اور جس نے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه﴾ کہا ہو اور ذرہ کے برابر بھی اس کے دل میں نیکی ہو اس کو آگ سے الگ کرو' (ترمذی صفۃ النار حدیث حسن صحیح)

احادیث کی کتابوں میں اس قسم کی اور بہت سی حدیثیں ہیں' جن کا استقصاء یہاں مقصود نہیں' ان تمام حدیثوں میں قرآن پاک کی اس اہم آیت کا جلوہ موجود ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ (نساء : ۱۸)

''بے شک اللہ اس کو معاف نہ کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے سوا جو گناہ ہے وہ اس کو جس کے لیے چاہے گا معاف کر دے گا۔''

اس آیت میں تصریح ہے کہ شرک کے علاوہ ہر گناہ کے نتیجہ سے براءت کی جا سکتی ہے مگر شرک وہ بیماری ہے جس کے نتائج سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں اس لیے ان کے نتائج بد بھگتے بغیر نجات کا تصور بھی خدا کے قانون ابدی کے خلاف ہے۔

شرک وکفر کی بخشایش نہیں:

احکام الٰہی اور شریعت ربانی کی کھلی ہوئی دو قسمیں ہیں' ایک کا تعلق دل اور قلب سے ہے جو بمنزلہ اصل کے ہے اس کو مذہب کی زبان سے ایمان' فلسفہ کی اصطلاح میں علم' اور تصوف کی بولی میں عرفان کہتے ہیں' اور دوسری قسم وہ ہے جو اس عقیدۂ اول کی فرع اور نتیجہ ہے اور جس کا تعلق اعضاء اور جوارح سے ہے' اس کو ہم مختصراً عمل اور تفصیلاً عبادات و معاملات اور اخلاق کہتے ہیں' شرک وکفر کے گناہ کا تعلق قسم اول سے اور دوسرے گناہوں کا تعلق قسم دوم سے ہے' دلوں میں ایمان وعمل وعرفان کی اگر ایک کرن بھی ہو تو اس ظلمت کدہ میں روشنی کی امید کسی طرح کی جا سکتی ہے' مگر جس کا شانہ دل میں اس نور کا ایک ذرہ بھی نہ ہو اس کی روشنی سے ہمیشہ کے لیے ناامیدی ہے' اسی لیے ایمان کے بغیر اعمال بھی کالعدم ہو جاتے ہیں' اور جہاں ایمان کچھ بھی موجود ہے' اعمال خیر کا کچھ نہ کچھ وجود ضروری ہے' البتہ اعمال شر کا بھی ساتھ ساتھ وجود ہے' جن کی تلافی عذاب دوزخ کے بعد یا خدا کی رحمت سے ہو سکتی ہے' اور نجات مل سکتی ہے' ایمان وعلم وعرفان جس کی حقیقت ''ایمان بالغیب'' ہے' اس کا حصول موت کے بعد جب حقائق خود بخود ہمارے سامنے آ جاتے ہیں' ہماری وسعت کا نتیجہ نہیں' بلکہ خود ان حقائق کے ظہور کا نتیجہ ہو گا اس بنا پر شرک وکفر کے گناہ کی مغفرت کی امید قانون الٰہی کے مطابق ناممکن ہے' البتہ عمل کی کمی کی تلافی جو دوسری قسم کا گناہ ہے خدا کی رحمت سے بعید نہیں ہے۔

سمجھنے کے لیے ان دونوں کی کھلی ہوئی مثال یہ ہے کہ دنیا میں تعلیمی امتحان کے لیے ۳۳ نمبر کم از کم فرض کیا گیا ہے' اب اگر کسی کا پرچہ بالکل سادہ ہے اور اس لیے اس کا نمبر صفر محض ہے تو رحم دل ممتحن کے لیے بھی یہ ناممکن ہے کہ اس کو ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ میں بھی کامیاب کر سکے' لیکن جس نے کچھ جوابات لکھے ہیں اور کچھ چھوڑ دیئے ہیں' اور کچھ غلط لکھے ہیں تو اگر وہ ۲۹' ۳۰ کے قریب بھی پہنچ گیا ہے' تو رحم دل ممتحن ۳۳ تک اس کو پہنچا کر ادنیٰ درجہ میں کامیاب بنا سکتا ہے۔

Marfat.com

الغرض ایمان وعلم وعرفان کے مجرم جن کا نام مشرک وکافر ہے اپنے ناقابل تلافی نتیجہ کے بھگتے بغیر عذاب دوزخ سے رہائی کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ ان کی دنیاوی زندگی کا عرفانی فقدان رحمت الٰہی کو اپنی طرف جذب کرنے کی قدرت ہی نہیں رکھتا' مگر کیا شرک وکفر کے گنہگاروں کے لیے شرک وکفر کے دورۂ عذاب کے طے کر لینے کے بعد بھی رہائی کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب آئندہ سطروں میں ملے گا۔

کیا دوزخ کی انتہا ہے:

دوزخ جو عقاب الٰہی کا گھر ہے' کیا ہمیشہ آباد رہے گا؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت عمومی کے قائلوں کے نزدیک اس کا جواب نفی میں ہے'[1] ان کے خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مقررہ مدت دراز کے بعد ایک دن جب جہنم کی آگ رحمت الٰہی کے چھینٹوں سے بالآخر سرد ہو جائے گی' حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جنت میری رحمت اور دوزخ میرا عذاب ہے۔"[2] اسی کے ساتھ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کا فیصلہ کیا' اسی وقت اس نے اپنے عرش کے اوپر لکھ دیا کہ ﴿رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي﴾[3] (میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے گئی۔

(۱) ابتدائی اسلامی فرقوں میں جہنم کی ابدیت اور غیر ابدیت پر بہت سے مناظرے ہو چکے ہیں' جن کی تفصیل ملل ونحل کی کتابوں میں موجود ہے' ایک دو کو چھوڑ کر اس پر تو بے شبہ قطعیت کے ساتھ سب کا اتفاق ہے کہ جنت کا وجود دائمی اور ابدی ہے' لیکن جہنم کے دوام اور ابدیت میں کسی قدر اختلاف ہے' عام اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ جہنم اور جنت دونوں کا وجود دائمی اور ابدی ہے' گنہگار مومن اپنے گناہ کے بقدر عذاب اٹھا کر یا خدا کی رحمت سے معاف ہو کر بالآخر جنت میں داخل کیے جائیں گے لیکن مشرک وکافر کے گناہ کبھی معاف نہ ہوں گے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں جلیں گے' فقہاء اور محدثین کا ایک گروہ جو مرجیہ کہلاتا ہے اس بات کا قائل ہے کہ جو مومن ہو گا وہ گنہگار بھی ہو گا۔ تو بھی دوزخ میں نہ جائے گا' بلکہ معافی سے سرفراز ہو کر شروع ہی سے جنت میں داخل ہو گا۔ اس کے برخلاف خوارج اور معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مومن بھی اگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو گا تو وہ بھی کفار کی طرح ہمیشہ دوزخ ہی میں رہے گا' اور بھی اس بارہ میں لوگوں کی مختلف رائیں ہیں۔
اہل سنت کے ایک مختصر گروہ کا جس میں صحابہ کرام اور تابعین کے نام بھی ہیں' اور متاخرین میں جس کے پرجوش حامی حافظ ابن قیم ہیں' یہ خیال ہے کہ جب گنہگار اپنے اپنے گناہوں کے بقدر عذاب پا چکیں گے' تو جہنم فنا کر دی جائے گی' حافظ ابن قیم نے اپنی دو کتابوں شفاء العلیل اور حادی الارواح (دونوں مطبوعہ ہیں' حادی الارواح اعلام الموقعین کے ساتھ چھپی ہے) میں قرآن' احادیث آثار صحابہؓ اور عقل کی پچیس دلیلوں سے اپنے مسلک کو مبرہن کیا ہے (دیکھو شفاء العلیل (ص ۲۵۲ تا ص ۲۶۴' حسینیہ مصر اور حادی الارواح از ص ۱۶۷ تا ۲۳۵ جلد دوم مطبوعہ جدیدہ مصر) علامہ ابن تیمیہ نے بھی اس نظریہ کو سلف اہل سنت کے ایک فریق کا خیال تسلیم کیا ہے' حادی الارواح ابن قیم جلد دوم ص ۱۶۷) ایک زیدی یمنی عالم شیخ مقبلی نے بھی اس کو قبول کیا ہے' العلم الشامخ فی ایثار الحق علی الاباء والمشائخ ص ۱۲۲) صوفیہ میں شیخ محی الدین ابن عربی اور ان کے متبعین یہ فرماتے ہیں کہ کافر ومشرک جن پر خلود نار کا حکم ہے' وہ بالآخر دوزخ میں رہتے رہتے ایسے ہو جائیں گے کہ ان کو اسی دوزخ میں راحت ولذت معلوم ہونے لگے گی جیسے بعض کیڑے غلاظتوں ہی کو پسند کرتے ہیں اور ان ہی میں لطف اٹھاتے ہیں' میں نے اس باب کو بہت ڈرتے ڈرتے لکھا ہے کہ اس میں اجمال الٰہی کی تصریح کا جرم عائد ہوتا ہے اگر یہ اختیار کردہ پہلو حق نہ ہو تو اللہ مجھے معاف فرمائے اور توبہ کی توفیق بخشے اور اپنی مراد کا دروازہ مجھ پر کھول دے۔
(۲) صحیح بخاری باب رحمۃ اللہ علیہ جلد دوم ص ۱۱۱۰ و صحیح مسلم۔
(۳) صحیح بخاری باب ﴿و لقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین﴾ جلد دوم ص ۱۱۱۰ و صحیح مسلم باب سعۃ رحمۃ اللہ۔

Marfat.com

اب اگر دوزخ جو اس کے غضب کا مظہر ہے اس کی جنت ہی کی طرح دائمی وابدی ہو تو اس کا غضب اس کی رحمت پر سبقت لے جاتا ہے یا برابر ہو جاتا ہے اور اس کا تخیل بھی اس رحمان ورحیم کی نسبت نہیں ہو سکتا' اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصوں میں سے صرف ایک حصہ دنیا میں اتارا' اور ننانوے حصے قیامت کے دن کے لیے رکھے ہیں'[1] اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ ایک دن آئے گا' جب اس کے غضب پر اس کی رحمت غالب آئے گی اور اس کی رحمت کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا اور یہ وہ دن ہوگا جب گنہگار اپنے گناہوں کی ناپاکیوں اور نجاستوں سے اپنے اپنے مقررہ وقت پر پاک ہو کر اس کی رحمت کی سرفرازی کے قابل بنیں گے۔

اسلام کی رو سے سب سے بڑے مجرم مشرک وکافر ہیں' جو اس وقت تک نجات نہ پاسکیں گے' جب تک دوزخ کے تنور میں ایک گرم کوئلہ بھی باقی ہے' تاہم ان کے عذاب کی مدت کی نسبت بھی قرآن میں حسب ذیل تصریحات ہیں۔

(۱) ﴿لٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا﴾ (نباء: ۱) ''وہ دوزخ میں صدہا ہزار سال ٹھہریں گے۔''

صدہا ہزار سال کی مدت کس قدر بڑی ہے' پھر بھی ایک دن اس کا خاتمہ ہوگا' دوسری آیت جو صریحاً کفار و مشرکین کے حق میں ہے یہ ہے۔

(۲) ﴿اَلنَّارُ مَثْوٰكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ (انعام: ۱۵) ''دوزخ ہے تمہارا ٹھکانہ اس میں تم سدا رہنے والے ہو' لیکن یہ کہ اللہ جو چاہے' بے شک تیرا رب حکیم وعلیم ہے۔''

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک وکفر کی سزا تو اصل میں قانوناً یہی ہے کہ دوزخ میں دائمی سزا دی جاتی رہے' مگر اس کی رحمت کا اقتضاء کچھ اور ہے لیکن وہ حکیم وعلیم ہے اس لیے وہ اپنا ہر کام اپنی حکمت ومصلحت اور علم کے مطابق کرتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ کس کے حق میں کیا کرنا چاہیے اور کب کرنا چاہیے۔

تیسری آیت میں ہے۔

(۳) ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ (ھود: ۹) ''وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے' جب تک آسمان و زمین قائم رہیں' لیکن یہ کہ جو تیرا رب چاہے' بے شک تیرا رب جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔''

دوسری اور تیسری آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں اپنی مشیت کو عذاب کی انتہاء بتایا ہے اور اپنے کو رب کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے' جس سے اشارہ نکلتا ہے کہ اس کی مشیت سے بالآخر اس عذاب کا ختم ہونا اس کی ''ربوبیت'' کا اقتضاء ہے۔

قرآن پاک میں کوئی ایسی صاف وصریح آیت موجود نہیں ہے جس سے دوزخ کی بقائے دوام عدم انتہا اور تسلسل وجود پر بتصریح استدلال کیا جاسکے' حالانکہ اس کے برخلاف بہشت کی ہمیشگی و بقا اور عدم انقطاع وعدم فنا کی بیسیوں آیتیں قرآن پاک میں موجود ہیں چنانچہ ان دونوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس اوپر والی آیت کو ہم تمام وکمال یہاں نقل کرتے ہیں فرمایا۔

(۱) صحیح مسلم باب سعۃ رحمۃ اللہ۔

Marfat.com

﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ﴾ (ھود:۹)

''تو لیکن جو بد بخت ہوئے وہ دوزخ میں ہوں گے اس میں ان کو گدھوں کی طرح چلانا اور دھکیلنا ہے جب تک آسمان اور زمین ہیں وہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے، جب تک آسمان و زمین قائم رہیں، لیکن یہ کہ جو تیرا رب چاہے، بے شک تیرا رب جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اور لیکن جو خوش قسمت ہوئے تو وہ جنت میں ہوں گے ہمیشہ اس میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم رہیں، مگر جو چاہے تیرا رب یہ غیر منقطع بخشش ہوگی۔''

دیکھو اہل جنت اور اہل دوزخ دونوں کے لیے خلود و دوام فرمایا، پھر ان دونوں میں اس کے بعد اپنی مشیت سے استثناء فرمایا، مگر اہل دوزخ کے دوام کے ذکر میں فرمایا کہ مگر جو چاہے تیرا رب، بے شک تیرا رب جو چاہے کر ڈالتا ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ وہ چاہے تو دوزخ کے عذاب کو ختم کر دے، اور چاہے تو قائم رکھے، لیکن اہل جنت کے دوام کے ذکر میں بتصریح فرمایا۔ ''مگر جو چاہے تیرا رب یہ غیر منقطع بخشش ہوگی۔'' اس سے معلوم ہوا کہ اہل جنت کے حق میں اس کی مشیت یہی ہوگی کہ وہ بے انقطاع اور غیر منتہی دوام و تسلسل کے ساتھ ہمیشہ قائم و باقی رہے، اس آیت کی تفسیر میں متعدد ائمہ سلف مثلاً ابن زید اور شعبی وغیرہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے بارہ میں تو اپنی مشیت ظاہر فرمادی کہ وہ مسلسل اور غیر منقطع ہے لیکن اہل دوزخ کی نسبت اپنی مشیت کو کسی مصلحت سے مخفی رکھا ہے۔ (1)

ایک اور مقام پر خاص طور پر کفار و مشرکین کا نام لے کر اس طرح فرمایا گیا ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ وَ الْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اُولٰٓئِکَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا﴾ (بینہ)

''بے شک اہل کتاب اور مشرکوں میں سے جنہوں نے کفر کیا وہ جہنم کی آگ میں (خالد) پڑے رہیں، یہ بدترین لوگ ہیں بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے، وہ بہترین لوگ ہیں، ان کی جزاء ان کے پروردگار کے نزدیک بسنے کے باغ ہیں جن میں نہریں بہتی ہوں، وہ اس میں ہمیشہ (خالد) رہیں گے۔''

غور سے دیکھو کہ اس میں اہل دوزخ کے مقابلہ میں اہل جنت کے دوام کی نسبت کتنی تاکید پر تاکید ہے پہلے ''عدن'' فرمایا جس کے معنی ''قیام'' اور ''بسنے'' کے ہیں، پھر خالدین'' کہا کہ وہ اس میں رہا کریں گے، بعد ازیں ''ابدا'' فرمایا کہ وہ جنت میں ابدی طور سے قیام کریں گے۔

اسی طرح ایک اور سورت میں ہے۔

﴿وَ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ وَ الَّذِیْنَ

''اور اس کو ان باغوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے

(۱) طبری در منثور سیوطی تفسیر آیات ہود رکوع ۹ و انعام رکوع ۱۵۔

Marfat.com

کَفَرُوْا وَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ﴾ (تغابن : ۱)

اور وہی بڑی کامیابی ہے' اور جنہوں نے انکار کیا' اور ہماری باتوں کو جھٹلایا وہی دوزخ والے ہیں وہ اس میں رہا کریں گے) اور وہ بری جگہ ہے۔"

دیکھو کہ تقابلاً دونوں میں خالدین (رہا کریں گے) اور خالدین فیہا ابداً (ہمیشہ رہا کریں گے) کا فرق کتنا نمایاں ہے کہیں یہ کیا گیا ہے کہ کفار کے عذاب میں مدت کی تعیین سے سرے سے خاموشی برتی گئی ہے' اور جنت میں خلود کی تصریح فرما دی گئی ہے مثلاً۔

﴿یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْہٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْھُھُمْ فَفِیْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ﴾ (ال عمران : ۱۱)

"جس دن کچھ منہ سپید ہوں اور کچھ سیاہ تو جو سیاہ ہوئے تو کیا ایمان کے بعد کافر ہو گئے تھے' تو اپنے کفر کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھو' اور جن کے منہ سفید ہوں تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور اس رحمت میں سدا رہیں گے۔"

آیت بالا میں عذاب کے ذکر میں مدت کی تصریح سے سراسر خاموشی ہے' اور رحمت کے ذکر میں خلود کی تصریح تام ہے' ان ہی آیتوں کی تفسیر میں آنحضرت ﷺ اور بعض صحابہ کرام سے روایتیں ہیں کہ ایک دن آئے گا جب دوزخ کے میدان میں ہو کا عالم ہوگا' اور کوئی ایک متنفس بھی وہاں نظر نہیں آئے گا' چنانچہ

(۱) طبرانی میں حضرت ابوامامہؓ صحابی سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جہنم پر ایک دن ایسا آئے گا جب خزاں رسیدہ پتے کے مانند ہو جائے گا' اور اس کے دروازے کھل جائیں گے۔

(۲) حضرت جابرؓ یا کسی اور صحابیؓ سے روایت ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا کہ "جہنم پر ایک دن ایسا آئے گا جس میں اس کے دروازے کھل جائیں گے اور اس میں کوئی نہ ہوگا۔

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں جو کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جہنم میں ایک دن ایسا آئے گا جب اس میں کوئی نہ ہوگا۔

(۴) تفسیر عبد بن حمید میں حضرت عمرؓ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر اہل دوزخ ریگستان عالج کے ذرات کے شمار کے بقدر بھی دوزخ میں رہیں' پھر بھی ایک دن آئے گا' جب وہ اس سے نکلیں گے۔

(۵) عبداللہ بن عمروؓ بن العاص سے روایت ہے کہ جہنم پر ایک دن آئے گا جب اس کے خالی دروازے بھڑ بھڑائیں گے' اور اس میں کوئی نہ ہوگا اور یہ اس وقت ہوگا جب لوگ اس میں صدہا ہزار سال (احقاب) کی مدت پوری کرلیں گے۔

(۶) عبدالرزاق' ابن منذر' طبرانی اور بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات میں ہے کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ صحابی یا ابوسعیدؓ خدری صحابی یا کسی اور صحابی نے فرمایا کہ ﴿الا ما شاء ربک﴾ کا استثناء پورے قرآن پر حاوی ہے یعنی جہاں جہاں قرآن میں ﴿خالدین فیھا﴾ (سدا اس میں رہیں گے) ہے' وہاں مشیت الٰہی کا استثناء قائم ہے۔

Marfat.com

(۷) حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے فرمایا کہ دوزخ پر ایک زمانہ آئے گا جب اس کے خالی دروازے کھڑ کھڑائیں گے۔ (۱)

دفع شبہہ:

قرآن پاک میں ایسی بھی چند آیتیں ہیں جن سے لوگوں کو دوزخ کے دوام کا خیال ہوا ہے' مثلاً وہ تین آیتیں جن میں کفار کو ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ ہمیشہ کے لیے عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔

(۱) ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكَافِرِيْنَ وَ اَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ (احزاب : ۸)

''بے شک خدا نے کافروں پر لعنت کی اور ان کے لیے وہ آگ مہیا کی جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔''

(۲) ﴿وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ (جن : ۲)

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اس کے لیے جہنم کی وہ آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا۔''

(۳) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ ظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ (نساء : ۲۳)

''بے شک جنہوں نے کفر کیا' اور حد سے آگے بڑھے نہیں ہے کہ اللہ ان کو بخشے اور نہ یہ کہ ان کو راہ دکھائے لیکن جہنم کی راہ جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں۔''

ان تینوں آیتوں میں ﴿خالدین فیھا ابداً﴾ (دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے) کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ جن کے حق میں یہ آیتیں آئی ہیں وہ اس وقت تک دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے جب تک حسب مشیت الٰہی دوزخ کے خاتمہ کا دور نہیں آئے گا۔

باقی چند آیتوں میں ابدا (ہمیشہ) کے بغیر صرف ﴿خَالِدًا﴾ ہے' جیسا ﴿ھم فیھا خالدون﴾ (وہ اس میں خالد رہیں گے) یا ایک جگہ ہے۔

﴿وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (الٓمٓ سجدہ : ۳)

''اور ''خلود'' کے عذاب کا مزہ چکھو۔''

تو یہاں ایک بات سمجھ لینی چاہیے کہ خلود کے دو معنی ہیں' ایک حقیقی دوام اور دوسرے قیام طویل ان دو میں سے کسی ایک معنی کی تخصیص قرینہ سے ہوگی' اسی دوسرے معنی کے اعتبار سے عربی اشعار میں پہاڑوں اور بدویانہ چولھوں کے پتھروں کے لیے خوالد۔ اور خالدات۔ کے لفظ صفت میں آتے ہیں' کیونکہ وہ تادیر اور زمانہ دراز تک باقی رہنے والے ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ تنہا خالدین۔ کا لفظ ابدیت کے مفہوم میں صریح نہیں' جب تک اس ساتھ کوئی اور قرینہ قائم نہ ہو' جو دوام کے معنی کی تخصیص کردے جیسا کہ یہ قرینہ ان آیتوں میں ہے' جہاں اہل جنت۔ کو خالدین کہا گیا

---

(۱) حافظ ابن قیم نے شفاء العلیل (ص ۲۵۸) میں ان روایات کو غیر مطبوعہ کتب تفسیر و حدیث سے نقل کیا ہے ان میں سے بعض ابن جریر طبری میں بھی آیات مذکور کی تفسیر میں خصوصاً تفسیر سورۂ ہود جلد ۱۲ ص ۶۶ میں مذکور ہیں اور حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی تفسیر درمنثور تفسیر سورۂ ہود جلد ثالث ص ۳۵۰ میں زیر آیت مذکورۂ ہود میں ذکر کیا ہے اور کتاب الاسماء والصفات بیہقی (ص ۱۲۳) مطبوعہ حیدرآباد میں چھپی روایت ہے۔

Marfat.com

ہے کہ تقریباً بیس آیتوں میں اس خلود کے معنی دوام اور عدم انقطاع کے بتائے گئے ہیں اس لیے جنت کے سلسلہ میں جہاں صرف خالدین۔ بھی ہے وہ ہمیشگی اور دوام ہی کے معنی لیے جائیں گے برخلاف اس کے جہاں دوزخ کے ساتھ خالدین کا لفظ ہے وہاں دوام کے مفہوم کے لیے کوئی قرینہ موجود نہیں اس لیے دوزخ والی آیتوں میں خلود سے مقصود یہ ہے کہ گنہگار زمانہ دراز تک دوزخ میں رہیں گے غالباً یہی وجہ ہے کہ گنہگار اہل ایمان کی سزا میں بھی خالدین کے ساتھ ابداً استعمال نہیں کیا گیا ہے گنہگار اہل ایمان میں سب سے بڑی دھمکی اس کو دی گئی ہے جس نے کسی مسلمان کا خون بے سبب بہایا ہو مگر اس کے لیے بھی خالدین کے ساتھ ابداً۔ استعمال نہیں کیا گیا فرمایا: ﴿و من یقتل مومناً متعمداً فجزآءہ جھنم خالدین فیھا﴾ اور جو کوئی کسی باایمان کو قصداً قتل کرے گا تو اس کا بدلہ دوزخ ہے جس میں وہ خالداً (یعنی مدت دراز تک پڑا رہے گا۔

یہی سبب ہے کہ معتزلہ اور خوارج کے سوا تمام اہل اسلام اس بے گناہ مسلمان مقتول کے قاتل کی بالآخر بخشایش کے قائل ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ان آیتوں میں خلود سے مراد ''ہمیشگی'' نہیں ہے بلکہ زمانہ دراز ہے کہ اہل توحید کی بالآخر نجات قرآن وحدیث کی متفقہ تعلیم ہے اور اس لیے مومن کے لیے اس کے کسی جرم کی سزا میں ہمیشگی کا مفہوم داخل ہی نہیں ہو سکتا بنابریں ان آیتوں میں ''خلود'' کے معنی منطقی دوام نہیں بلکہ عرفی دوام یعنی مدت دراز کے ہیں ہم عام طور سے مجرم کے لیے ''حبس دوام'' کی قانونی اصطلاح بولتے ہیں جس سے مراد ابد تک کیا قیامت تک کا زمانہ بھی نہیں ہو سکتا بلکہ عمر بھر بھی نہیں بلکہ صرف اس سے قانونی قید کی درازترین مدت مراد ہے جس کا قانونی انداز بیس سال کیا گیا ہے کتنے مجرم ہیں جو اس مدت کو کاٹ کر آزادی حاصل کرتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو کسی شاہی عفو عام کے سلسلہ میں قبل از مدت رہائی پا جاتے ہیں۔

دو چار آیتیں ایسی بھی ہیں جن میں مذکور ہے کہ یہ گنہگار دوزخ سے الگ نہ ہوں گے چنانچہ وہ آیتیں حسب ذیل ہیں:

(۱) ﴿اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ یَّصْلَوْنَھَا یَوْمَ الدِّیْنِ وَ مَا ھُمْ عَنْھَا بِغَآئِبِیْنَ﴾ (انفطار: ۱)

''بے شک گنہگار دوزخ میں ہیں وہ انصاف کے دن اس میں داخل ہوں گے اور وہ اس سے چھپے نہیں رہ سکتے۔''

(۲) ﴿وَ قَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً فَنَتَبَرَّاَ مِنْھُمْ کَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا کَذٰلِکَ یُرِیْھِمُ اللّٰہُ اَعْمَالَھُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْھِمْ وَ مَا ھُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ﴾ (بقرہ: ۲۰)

''اور کہیں گے کہ کاش ہم کو دوبارہ دنیا کی زندگی ملتی تو ہم اپنے پیشواؤں سے ہی الگ ہو جاتے جیسے وہ ہم سے یہاں الگ ہو گئے اللہ ان کے کاموں کو ایسے ہی حسرتیں بنا کر ان کو دکھائے گا اور وہ دوزخ سے نکلنے والے نہیں۔''

(۳) ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَھُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَہٗ مَعَہٗ لِیَفْتَدُوْا بِہٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَا تُقُبِّلَ مِنْھُمْ وَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَ مَا ھُمْ

''بے شک جنہوں نے کفر کیا اگر ان کی ملکیت میں کل روئے زمین ہو اور اتنا ہی اور ہوتا کہ اس کو فدیہ دے کر قیامت کے عذاب سے رہائی پائیں تو وہ ان کی طرف سے قبول نہ ہو اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے وہ

Marfat.com

بِخَارِجِیْنَ مِنْهَا وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ﴾ (مائدہ : ۶)

چاہیں گے کہ دوزخ سے نکل جائیں' لیکن وہ اس سے نکلنے والے نہیں اور ان کے لیے قائم عذاب ہے۔''

(۴) ﴿كُلَّمَآ اَرَادُوْآ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ﴾ (حج : ۲)

''جب وہ چاہیں کہ اس دوزخ سے غم کی وجہ سے نکل پڑیں وہ اس میں لوٹا دیئے جائیں گے (اور کہا جائے گا کہ) جلنے کی سزا چکھو۔''

﴿وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰهُمُ النَّارُ كُلَّمَآ اَرَادُوْآ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَ قِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ (سجدہ : ۲)

''اور لیکن جنہوں نے نافرمانی کی تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جب وہ چاہیں گے کہ وہ اس سے نکل جائیں اس میں لوٹا دیئے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ دوزخ کی اس مار کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے۔''

یہ وہ پانچ آیتیں ہیں جن سے بعضوں کو عذاب دوزخ کے دوام اور غیر منقطع بقا کا خیال پیدا ہوا ہے' مگر ان میں سے ایک ایک آیت پر غور کرو تو ان کے خیال کی غلطی فوراً معلوم ہو جائے گی' پہلی آیت کا منشا اسی قدر ہے۔ کہ کوئی گنہگار اگر یہ سمجھے کہ وہ کسی جگہ چھپ کر دوزخ کے عذاب سے بچ جائے گا' تو یہ محال ہے' کہ عذاب سے چھپ کر بچ جانا کسی طرح ممکن نہیں دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ دوزخی کہیں گے کہ ہم کو دوزخ سے نکل کر دوبارہ دنیا میں جانے دیا جائے' تو اب کے ہم نیکی کا کام کریں گے اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اب یہاں سے نکل کر دنیا میں دوبارہ جانا نہیں' تیسری آیت میں ہے کہ پورے روئے زمین کی دولت دے کر بھی آخرت میں نجات خریدی نہیں جاسکتی' اور نہ وہاں سے کوئی نکل کر بھاگ سکتا ہے' چوتھی اور پانچویں آیت کا صریح مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی دوزخی دوزخ کے عذاب سے گھبرا کر اس سے نکل بھاگنا چاہے گا تو وہ پکڑ کر پھر اسی میں ڈال دیا جائے گا' ان آیتوں سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ گنہگار از خود دوزخ سے نکل نہ سکیں گے' اور نہ مدت عذاب کے اندر وہ خلاصی پا سکتے ہیں' مگر اس سے خدا تعالیٰ کے حکم و اجازت سے بالآخر اس سے نجات پانے کی نفی نہیں نکلتی' اور نہ اس کی کہ بقدر گناہ عذاب کے مدت بسر کرنے کے بعد بھی نجات نہیں مل سکتی اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہشت کی طرح دوزخ کو بھی غیر متناہی دوام بخشا گیا ہے۔

یہی وہ آیتیں ہیں جن سے گنہگاروں کے لیے دوام عذاب کا مفہوم نکالا جا سکتا ہے مگر ایک ایک آیت کو غور سے پڑھو کہ ان میں سے کسی میں بھی دوزخ کے دوام بقا اور عدم فنا یا اس کے عذاب کے عدم انتہا کی تصریح ہے حالانکہ اس کے بالمقابل جنت کی بقائے دوام اور عدم انقطاع کی تصریح بار بار اور بتکرار ہے۔

ایک اور نکتہ لحاظ کے قابل ہے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خدا نے گنہگاروں کو عذاب دوزخ کی ابدیت اور دوام کی دھمکی دی ہے' تاہم اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے کہ نیکی کا بدلہ نہ دینا یقیناً برائی ہے' جس سے اللہ تعالیٰ کی قدوسیت کا دامن تمام تر پاک ہے کہ ﴿انک لا تخلف المیعاد﴾ (آل عمران) تو وہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ﴿انه کان وعده ماتیا﴾ (مریم : ۴) اس کا وعدہ جنت پورا ہی ہوگا' لیکن اگر برائی کا بدلہ حسب تہدید سابق

Marfat.com

برائی کے ساتھ نہ دیا جائے تو حقیقت میں خلاف وعدگی نہیں جو قابل ملامت ہو بلکہ اس کا نام مغفرت کرم عطا اور عفو ہے جس کا اہل اس رحمان ورحیم اور عفو وغفور سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہیں اس لیے گنہگاروں کے ساتھ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے اپنی حکمت ومصلحت کی بنا پر وہ جو چاہے کر سکتا ہے چنانچہ مسند ابو یعلیٰ میں حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ خدا نے کسی نیک کام پر جس ثواب کا وعدہ فرمایا ہے وہ اس کو ضرور ہی پورا کرے گا لیکن جس کسی کو اس کے کسی کام پر عذاب کی دھمکی دی ہے تو اس کو اختیار حاصل ہے۔''(۱)

کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر بالآخر گناہوں کی مغفرت اور خدا کی رحمت میں یہ وسعت اور عموم ہے کہ بڑے سے بڑے گنہگار بھی دوزخ کی آگ میں جل کر بالآخر پاک وصاف اور جنت میں داخل ہونے کے قابل ہو جائیں گے تو اشارات وکنایات کے بجائے ان کی معافی کی صریح تصریح کیوں نہیں کر دی گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا کیا جاتا تو یہ ان مجرموں اور گنہگاروں کے حق میں اچھا نہ ہوتا کیونکہ اس سے ان میں ندامت اور توبہ کے رجحان کے بجائے خودسری گستاخی اور شوخی پیدا ہوتی اور ان میں آئندہ کے نتائج بد سے نڈر پن اور بے خوفی آ جاتی اور ایسا نہ ہونا تنبیہ و صلاح وتدارک کی مصلحتوں کے سراسر منافی ہوتا۔ اس لیے ان کی قانونی سزا تو اللہ تعالیٰ نے دائمی عقاب مقرر فرمائی لیکن آخر کار ان کی نجات کو اپنی مشیت اور علم ومصلحت کے سپرد فرما کر ان کو ایک گونہ اپنے سے ناامید بھی نہیں ہونے دیا اور امید وبیم کی حالت میں رکھ کر اپنے سامنے جھکنے اور محبت کرنے کا جذبہ بھی پیدا کر دیا اور یہ اس باب میں وہ عظیم الشان اصلاح ہے جس کو ایک طرف عیسائیوں نے کفارہ کی اور دوسری طرف ہندو مذاہب نے کرم کی تعلیم دے کر غارت کر دیا تھا۔

عیسائیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہو کر جی اٹھنے پر ایمان لانے سے تمام گناہ دفعۃً معاف ہو جاتے ہیں اس تعلیم نے اعمال کو غیر ضروری چیز ٹھہرا دیا تھا۔ اس کے برخلاف ہندو مذاہب نے خدا کو اتنا بے اختیار ٹھہرایا کہ اعمال بد کے نتائج جن کو کرم کہتے ہیں خدا چاہے بھی تو معاف نہیں ہو سکتے اسلام نے آ کر ترازو کے ان دونوں پلوں کو برابر کر دیا ایک طرف فرمایا ﴿كل نفس بما كسبت رهينة﴾ ہر نفس اپنے عمل کے ہاتھ میں گرو ہے (مدثر: ۲) اور دوسری طرف فرمایا ﴿يغفر لمن يشآء و يعذب من يشآء﴾ خدا جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے (مائدہ) یعنی قانوناً ہر انسان اپنے عمل کے نتائج کا یقیناً پابند ہے مگر خدا تعالیٰ کی قدرت اور رحمت اس قانون کے باوجود جو چاہے کر سکتی ہے جس طرح اس دنیا کا حال ہے کہ اگر خدا کے بنائے ہوئے قانون یہاں جاری ہیں جن کو آپ قانون فطرت کہتے ہیں مگر باایں ہمہ اس کا حکم اور اس کی خواہش اور مصلحت ان پر بھی حاکم ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے اس تعلیم نے ایک طرف اعمال کو غیر ضروری ہونے سے بچا لیا اور دوسری طرف خدا کی قدرت تام اور رحمت عام کا دروازہ بھی کھلا رکھا۔

عذاب طویل کا سبب:

بعض کم فہم یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انسان کا گناہ تو ایک لحہ کا کام ہے پھر اس کا عقاب اتنا طویل کیوں رکھا

(۱) بحوالہ شفاء العلیل ابن قیم ص ۲۲۲ مصر۔

Marfat.com

گیا' سال دو سال یا عمر بھر کے گناہ کی سزا صد ہا اور ہزار ہا سال کے عقاب سے دینا مناسب نہیں حالانکہ یہ لوگ اگر دنیاوی ہی واقعات پر غور کرتے تو وہ ان کی تسکین کے لیے کافی ہوتے' دنیا کا ہر بڑے سے بڑا قانونی گناہ ایک لمحہ میں انجام پا جاتا ہے' چوری' عمل خلاف قانون یا کسی کو قتل کرتے کتنی دیر لگتی ہے؟ مگر اس کے معاوضہ میں سالہا سال کی قید ہم خود اپنی انسانی عدالت گاہوں میں تجویز کرتے ہیں' اور اس کو خلاف عقل نہیں کہتے۔

دوسری صحیح تر مثال یہ ہے کہ انسان کو دیکھو کہ ذرا سی جسمانی بد پرہیزی اور اصول صحت کی معمولی سی غلطی کی پاداش میں وہ کبھی ہفتوں' مہینوں' بلکہ سالہا سال بیمار رہتا ہے اور ایک مدت دراز میں جا کر کہیں ان چند لمحوں کی غلطی کی تلافی کر پاتا ہے اور کبھی اس معمولی غلطی کی بدولت عمر بھر اس کے روگ میں مبتلا رہتا ہے' اور آخر میں جان دے دیتا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ گناہ اور اس کی تلافی کی مدت میں یکسانی نہیں ہوتی' بلکہ ہمیشہ غلطی کی مدت کے مقابلہ میں اس کی تلافی کی مدت صد ہا اور ہزار ہا گنا زیادہ ہوتی ہے' کیونکہ طبیعت پر جو اثر پڑ جاتا ہے اس کی تلافی کی مدت غلطی کی نوعیت' طبیعت کی صلاحیت' اور خلاق عالم کی مصلحت کی بناء پر مختلف ہوتی ہے' اسی لیے عقاب طویل سے رہائی یا شفا یابی کی مدت بھی ہر گنہگار کے لیے یکساں نہیں ہو سکتی۔ ﴿و اللہ اعلم بحقیقۃ الحال﴾

مشرک وکافر کا آخر انجام:

اگر یہ صحیح ہے کہ بالآخر ایک دن جہنم کی آگ سرد ہو جائے گی تو کیا اہل کفر و شرک بھی اپنے گناہوں سے پاک ہو کر رحم و کرم کے سزاوار ہو جائیں گے؟ جواب یہ ہے کہ۔

قرآن پاک میں اس کی تصریح موجود ہے کہ شرک و کفر کا گناہ معاف نہ ہوگا یعنی اس کے اخروی نتائج کی پاداش ضروری ہے' اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ شرک و کفر کی جزاء دوام عذاب اور خلود نار ﴿خالدین فیھا ابداً﴾ ہے یعنی جب تک دوزخ قائم ہے' اس سے ان کو نجات نہیں مل سکتی' مگر جب حسب مشیت الٰہی وہ دن آئے کہ دوزخ کی مدت حیات ختم ہو جائے تو اس وقت عجب نہیں کہ ان کو بھی اس سے رہائی مل سکے۔

چنانچہ مشرکین و کافرین کے ذکر میں خدا فرماتا ہے۔

﴿قَالَ النَّارُ مَثْوٰكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ (الانعام: ۱۵)

''فرمائے گا۔ دوزخ کی آگ تمہارا ٹھکانا ہے اس میں ہمیشہ رہو گے مگر یہ کہ جو چاہے اللہ بے شک تیرا پروردگار حکمت وعلم والا ہے۔''

اس آیت کا آخری ٹکڑا خاص طور سے غور کے قابل ہے' فرمایا ''تیرا رب حکمت اور علم والا ہے'' اس موقع پر خدا کے لیے خاص طور سے رب کا لفظ لانا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس کی شان ربوبیت اگر چاہے گی' اور اس کے غیر محدود علم و حکمت کا اقتضاء ہوگا تو دوزخ کے خاتمہ پر ان کو رہائی مل سکے گی۔

لیکن اس میں شک ہے کہ آیا اس کے بعد بھی وہ جنت میں داخل ہو سکیں گے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے قرآن پاک میں یہ تصریح الٰہی ہے۔

﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

''یہ کہ بے شبہ اللہ کا جو شریک بنائے گا تو اللہ نے اس پر

Marfat.com

الْجَنَّةَ وَ مَاوٰهُ النَّارُ﴾ (مائده : ۱۰) جنت حرام کردی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔"

نیز ایک اور آیت میں ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ﴾ (اعراف : ۵)

"بے شک جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے ماننے سے غرور کیا تو ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے تاآنکہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے۔"

الغرض خدا کے اعلان کردہ قانون جزا کا اقتضاء تو یہی ہے کہ گو دوزخ کے عذاب کا خاتمہ ہو جانے پر بھی جنت کے احاطہ میں ان کا گزر نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا دائرہ بہت وسیع ہے جیسا کہ خود اس نے اہل دوزخ کی نسبت کہا ہے کہ ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ﴾ وہ سدا دوزخ میں رہیں گے لیکن تیرا رب جو چاہے بے شک تیرا رب جو چاہے کر گزرتا ہے۔

اس دائرہ کی وسعت کو کون کم کر سکتا ہے کیونکہ اپنی رحمت کی وسعت کی نسبت اس کا اعلان یہ ہے۔

﴿رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ﴾ (اعراف:۱۹) "اور میری رحمت ہر شے کو اپنی گنجائش میں لیے ہے۔"

اس رحمت عام کی وسعت سے آسمان و زمین کا کون گوشہ محروم ہے؟ اس سے بڑھ کر یہ کہ پیغمبر کے جھٹلانے والوں کی نسبت خدا فرماتا ہے۔

﴿فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ وَ لَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ﴾ (انعام : ۸)

"تو (اے پیغمبر)! اگر وہ تجھے جھٹلائیں تو کہہ دے کہ تمہارا پروردگار وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب گنہگاروں سے لوٹایا نہیں جا سکتا۔"

یعنی کسی دوسرے میں یہ طاقت نہیں کہ اس کے بھیجے ہوئے عذاب کو گنہگاروں کے سر سے ٹال دے لیکن خود اس کی رحمت بڑی وسیع ہے وہ چاہے تو ان کو دنیا ہی میں ہدایت دے کر جنت نصیب کرے یا آخرت میں عذاب دینے کے بعد درگزر کر دے اور اس کی اصل رحمت کا محل وہی ہے جہاں کسی دوسری رحمت کا وجود نہ ہوگا فرمایا۔

﴿مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ﴾ (انعام : ۲)

"جس سے اس دن عذاب ہٹایا گیا تو خدا نے اس پر رحم کیا۔"

صحیح بخاری و مسلم و ترمذی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر مومن کو معلوم ہو کہ خدا کے پاس کتنا عقاب ہے تو وہ جنت سے مایوس ہو جائے اور اگر کافر کو یہ معلوم ہو کہ اس کی رحمت کتنی وسیع ہے تو وہ بھی جنت سے ناامید نہ ہو۔

مصلح الدین سعدی شیرازی نے غالباً اسی حقیقت کو اپنے ان دو شعروں میں ادا کیا ہے۔

بہ تہدید اگر برکشد تیغ حکم بمانند کرو بیاں صم و بکم

وگر درد ہدیک صلائے کرم عزا زیل گوید نصیبے برم

Marfat.com

خود اس رحمان و رحیم کا جس کی بادشاہی آسمان و زمین کو محیط ہے یہ ارشاد ہے کہ وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔

﴿یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَ لِلّٰهِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ﴾ (مائدہ : ۳)

''جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہے عذاب دیتا ہے اور آسمانوں کی اور زمین کی اور ان کے بیچ کی بادشاہی اللہ کے لیے ہے اور اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

لیکن اس کی یہ مشیت جیسا کہ اس نے (انعام رکوع: ۱۵) میں فرمایا ہے اس کی وسیع حکمت و مصلحت پر مبنی ہے وہ جو چاہے کرسکتا ہے مگر کرتا وہی ہے جو اس کی مصلحت و حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔

اس سے زیادہ اس بات میں کچھ اور کہنا حد سے آگے بڑھنا ہے کہ جس کی تصریح خود خدائے تعالیٰ نے نہ فرمائی اس کی تصریح کا حق کسی کو کیا ہے اس لیے مشرک و کافر کے آخر انجام کے سوال کا جواب صرف مشیت الٰہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔

﴿اَلنَّارُ مَثْوٰکُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّکَ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ﴾ (انعام : ۱۵)

''دوزخ تمہارا ٹھکانا ہے اس میں سدا رہو گے لیکن جو چاہے اللہ بے شک تیرا پروردگار حکمت والا اور علم والا ہے۔''

جمہور کا مسلک:

یہ جو کچھ کہا گیا وہ اس جماعت کا خیال ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت عمومی کی معتقد ہے جمہور کا مسلک اس سے کچھ مختلف ہے اس کے نزدیک بہشت کی طرح دوزخ بھی ہمیشہ باقی رہے گا اور ان لوگوں کو جو شرک و کفر کے مرتکب ہوں گے کبھی دوزخ سے نجات نہیں ملے گی۔

اس عقیدہ کے مطابق گنہگاروں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو گنہگار تھے مگر دل میں ایمان رکھتے تھے ایسے لوگ عذاب کے بغیر ہی یا عذاب کے بعد اللہ تعالیٰ کے عفو و کرم سے سرفراز ہو کر بالآخر جنت میں داخل ہوں گے دوسرے وہ جو ہمیشہ شرک و کفر میں مبتلا رہے اور اس سے توبہ کیے اور ایمان لائے بغیر مر گئے ایسے لوگوں کی بخشائش کبھی نہ ہوگی اور وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل کر دیئے جائیں گے ان کی گنہگاری اس درجہ ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو اپنی طرف کسی طرح جذب نہ کرسکیں گے یہ وہ زمین شور ہوں گے جس میں اس رحمت عام کی بارش بھی کوئی روئید گی پیدا نہ کر سکے گی۔

رحمت عمومی کے معتقدین گزشتہ آیتوں سے جو معنی نکالتے ہیں وہ جمہور کے نزدیک صحیح نہیں وہ ان کے بیان کردہ مطالب کو تاویلات کا درجہ دیتے اور اس کی پیش کردہ روایات کو صحت اور قوت سے خالی جانتے اور قرآن مجید کی حسب ذیل آیتوں سے اپنے دعویٰ پر استدلال کرتے ہیں۔

(۱) ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْکٰفِرِیْنَ وَ اَعَدَّلَهُمْ سَعِیْرًا خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا﴾ (احزاب : ۸)

''بے شک خدا نے کافروں پر لعنت کی اور ان کے لیے وہ آگ مہیا کی جس میں وہ ہمیشہ سدا پڑے رہیں۔''

(۲) ﴿وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا﴾ (جن : ۲)

''اور جو اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اس کیلئے جہنم کی آگ ہے وہ اس میں ہمیشہ سدا پڑے رہیں۔''

Marfat.com

(۳) ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ ظَلَمُوۡا لَمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَ لَا لِیَہۡدِیَہُمۡ طَرِیۡقًا اِلَّا طَرِیۡقَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا﴾ (نساء : ۲۳)

''بے شک جنہوں نے کفر کیا اور حد سے آگے بڑھے نہیں ہے کہ اللہ ان کو بخشے اور نہ یہ کہ ان کو راہ دکھائے لیکن جہنم کی راہ اس میں وہ ہمیشہ سدا پڑے رہیں۔''

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ ان پر ہمیشہ عذاب ہوگا اور جب عذاب ہمیشہ ہوگا تو عذاب کی جگہ یعنی دوزخ بھی ہمیشہ قائم رہے گی۔

ان آیتوں کے علاوہ اور بھی دوسری آیتیں ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کا عذاب کفار سے کبھی دور نہ ہوگا۔

(۱) ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ اَنَّ لَہُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا وَّ مِثۡلَہٗ مَعَہٗ لِیَفۡتَدُوۡا بِہٖ مِنۡ عَذَابِ یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ مَا تُقُبِّلَ مِنۡہُمۡ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا مِنَ النَّارِ وَ مَا ہُمۡ بِخٰرِجِیۡنَ مِنۡہَا وَ لَہُمۡ عَذَابٌ مُّقِیۡمٌ﴾ (مائدہ : ۶)

''بے شک جن لوگوں نے کفر کیا' اگر بالفرض ان کے پاس ساری دنیا کا خزانہ ہو اور اتنا ہی اس کے ساتھ اور تا کہ وہ اس کو فدیہ دے کر قیامت کے دن کے عذاب سے چھٹ جائیں' تو ان سے یہ فدیہ قبول نہ کیا جائے گا اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے' چاہیں گے کہ دوزخ سے نکل جائیں' اور وہ اس سے نہیں نکل سکیں گے' اور ان کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہے۔''

﴿وَ مَا ہُمۡ بِخٰرِجِیۡنَ مِنَ النَّارِ﴾ (بقرہ : ۲۰)

''وہ دوزخ سے نکل نہیں سکیں گے۔''

قیامت کے منکروں کی نسبت فرمایا:

(۳) ﴿فَالۡیَوۡمَ لَا یُخۡرَجُوۡنَ مِنۡہَا وَ لَا ہُمۡ یُسۡتَعۡتَبُوۡنَ﴾ (جاثیہ : ۱۴)

''تو آج اس (دوزخ) سے وہ نہیں نکالے جائیں گے۔ اور نہ ان کا عذر سنا جائے گا۔''

(۴) ﴿اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ فِیۡ عَذَابٍ مُّقِیۡمٍ﴾ (شوریٰ : ۵)

''ہاں کافر و مشرک قائم رہنے والے عذاب میں ہوں گے۔''

ظلم کا اطلاق قرآن مجید میں شرک پر کیا گیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ اہل شرک کا عذاب قائم رہے گا۔

(۵) ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ مَا تُوۡا وَ ہُمۡ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ لَعۡنَۃُ اللّٰہِ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ وَ النَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا لَا یُخَفَّفُ عَنۡہُمُ الۡعَذَابُ وَ لَا ہُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ﴾ (بقرہ : ۱۹)

''بے شک جنہوں نے کفر کیا' اور اسی کفر کی حالت میں مر گئے۔ ان پر اللہ کی فرشتوں کی اور آدمیوں کی سب کی لعنت ہے اس میں وہ سدا رہیں گے ان کے عذاب میں کمی نہیں کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔''

(۶) ﴿وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَہُمۡ نَارُ جَہَنَّمَ لَا یُقۡضٰی عَلَیۡہِمۡ فَیَمُوۡتُوۡا وَ لَا یُخَفَّفُ عَنۡہُمۡ مِّنۡ عَذَابِہَا﴾ (فاطر : ۴)

''اور ان کے لیے جنہوں نے کفر کیا جہنم کی آگ ہے نہ تو ان کا فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ مر جائیں اور نہ سزا میں کچھ کمی کی جائے گی۔''

شرک و کفر والوں کی مغفرت کسی حال میں نہ ہوگی' فرمایا۔

Marfat.com

(۷) ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾ (نساء : ۱۸)
"بے شک اللہ اس کو معاف نہ کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔"

(۸) ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَا تُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ (محمد : ۴)
"بے شبہ جنہوں نے کفر کیا' اور خدا کے راستہ سے روکا اور اسی کفر کی حالت میں وہ مر گئے تو ان کو ہرگز معاف نہ کیا جائے گا۔"

ان کے لیے جنت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہے۔

(۹) ﴿إِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰهُ النَّارُ﴾ (مائدہ : ۱۰)
"یقیناً جو خدا کے ساتھ شرک کرے گا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی' اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔"

(۱۰) ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ (اعراف : ۱۴)
"بے شک جنہوں نے ہمارے حکموں کو جھٹلایا اور ان کے ماننے سے سرکشی کی ان کیلئے آسمان کے دروازے کھولے نہ جائیں گے اور نہ جنت میں وہ داخل ہوں گے تا آنکہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں گھس جائے۔"

(۱۱) ﴿وَ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (آل عمران : ۱۸)
"اور (اے پیغمبر) تجھے وہ لوگ جو کفر میں جلدی کرتے ہیں' غم میں نہ ڈالیں' وہ ہرگز خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' خدا چاہتا' ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ بنائے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔"

اس قسم کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں' جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ مرتے دم تک شرک و کفر میں مبتلا رہے اور توبہ نہیں کی' ان کا گناہ بخشا نہ جائے گا' اور وہ جنت میں کبھی داخل نہ ہو سکیں گے' بلکہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں پڑے رہیں گے' جہاں نہ ان کے عذاب میں کبھی تخفیف ہوگی اور نہ ان کو موت آئے گی۔

تصویر کے دونوں رخ آپ کے سامنے آ گئے

بیا کیں و اور یہارا بہ پیش داور اندازیم

بہشت و دوزخ کی جزا و سزا بھی تمثیلی ہے:

اوپر عالم برزخ کے ذکر میں ہم بہ تفصیل بتا چکے ہیں کہ آخرت میں جزا و سزا تمامتر تمثیلی ہوگی۔ اس تمثیلی کے دو معنی ہیں' ایک یہ کہ جیسا عمل ہوگا اسی کے مناسب و مشابہ اس کی جزا یا سزا ہوگی' مثلاً قرآن میں ہے کہ جو زکوۃ یعنی اپنے مال کا میل کچیل مستحقین کو کھانے کے لیے نہ دے گا تو اس کو دوزخ میں زخموں کا دھوون کھانے کو ملے گا' یا یہ کہ جو خدا کی راہ میں اپنی جان دے گا مرنے کے بعد اس کو جان تازہ اور حیات نو بخشی جائے گی' وہ دولت مند جس کو دھوپ کی تپش سے بچنے کے لیے قصر و محل اور پینے کے لیے ٹھنڈے سے ٹھنڈا پانی اور عزت کی جگہ عنایت کی گئی تھی' اگر اس نے دنیا میں ان نعمتوں کے ملنے کا حق اس دنیا میں ادا نہ کیا' تو دوسری دنیا میں اس کو یہ سامان نہ ملے گا۔

Marfat.com

﴿فِیْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِیْمٍ وَ ظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ لَا بَارِدٍ وَّ لَا کَرِیْمٍ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ﴾ (واقعہ : ۲)

''وہ لو اور کھولتے پانی میں دھوئیں کے سایہ میں' نہ ٹھنڈا' نہ باعزت بے شک وہ پہلے ناز و نعمت میں تھے۔''

رویائے برزخ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جن کا آدھا دھڑ خوب صورت اور آدھا بدصورت تھا یہ وہ تھے جن کے کچھ کام اچھے اور برے تھے اس لیے بداعمالی بدصورتی اور نیکی خوب صورتی کے رنگ میں نمایاں ہوئی صریح طور سے یہ اصول ان حدیثوں سے مستنبط ہوتا ہے۔

(۱) حضرت ابوسعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ جو مومن خود بھوکا رہ کر کسی دوسرے بھوکے مومن کو کھلائے گا تو خدا اس کو جنت کے پھل کھلائے گا اور جو پیاسا ہو کر کسی دوسرے پیاسے کو پلائے گا تو خدا اس کو جنت میں شراب طہور پلائے گا اور جو کوئی کپڑوں کا حاجت مند ہو کر ننگے کو پہنائے گا تو خدا اس کو جنت کے سبز جوڑے پہنائے گا (ترمذی کتاب الزہد والرقاق ص ۴۰۴)

(۲) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''جو کوئی کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں میں سے کسی تکلیف کو دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیف دور فرمائے گا اور جو کوئی کسی نادار کو یہاں کسی مصیبت میں پھنسائے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کو مصیبت میں مبتلا فرمائے گا اور جو کسی مسلمان کی ستر پوشی کرے گا' تو خدا دنیا و آخرت میں اس کی ستر پوشی کرے گا اور جو کوئی اپنے بھائی کی مدد میں جب تک رہے گا' خدا اس وقت تک اس کی مدد میں رہے گا (ترمذی ص ۳۲۳)

(۳) جو انسانوں پر رحم کرے گا خدا اس پر رحم فرمائے گا۔'' (ترمذی)

تمثیل کے دوسرے معنی یہ ہیں' کہ جو امور معنوی اور غیر مجسم ہیں' وہ اپنی مثالی شکل و صورت میں ظاہر ہوں گے

(۱) قرآن میں ہے کہ ''جو اس دنیا میں حقیقت بینی سے اندھا ہوگا' وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا دیکھو کہ دنیا کی معنوی قلبی نابینائی دوسرے عالم میں ظاہری جسمانی نابینائی کی شکل میں ظاہر ہوگی۔

(۲) حدیث میں ہے کہ ''اہل تکبر قیامت کے دن چیونٹیاں بنا کر اٹھائے جائیں گے' جن پر ہر طرف سے ذلت و خواری چھائی پھرے گی۔[1] دیکھو کہ تکبر کی جزاء ذلت و خواری سے ملے گی' اور چیونٹیوں سے زیادہ حقیر و ذلیل کوئی ہستی نہیں اس لیے ان کی بڑائی اور تکبر کا معاوضہ یہ ہوگا کہ چیونٹی بن کر اٹھیں۔

(۳) اسی طرح آپ نے فرمایا کہ جو بخل کرے گا' قیامت میں اس کا مال سانپ بن کر اس کو ڈسے گا'[2] صفت بخل اس کے حق میں اسی سانپ کی صورت اختیار کر کے اس کی تکلیف کا باعث ہوگی آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''جو شخص بلاوجہ بھیک مانگ کر اپنی آبروریزی کرتا ہے' قیامت میں وہ اٹھے گا تو اس کے منہ پر گوشت نہ ہوگا'

(۱) ترمذی کتاب الزہد والرقاق ص ۴۱۰۔
(۲) صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں مثل لہ مالہ شجاعا اقرع۔

Marfat.com

دیکھو کہ دنیاوی بے شرمی و بے حیائی' بے گوشت چہرہ کی صورت میں ظاہر ہوگی اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ دو بیبیوں کا وہ شوہر جو ایک کا حق ادا کرتا اور دوسری سے غفلت برتتا تھا' قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گویا مفلوج ہو کر جھک گیا ہوگا۔[1] ایک پہلو کا عدم ادائی حق اپنی تمثیلی صورت میں ایک پہلو کی مفلوجی کیفیت میں نمودار ہوگا' یہ چند حوالے ذکر کیے گئے ہیں' ان ہی پر جزاء و سزا کے اور دوسرے جزئیات کو قیاس کرنا چاہیے۔ اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے حسب ذیل آیتوں پر غور کرنا چاہیے۔

﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴾ (طه)

''جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو اس کو تنگ گزران ملتی ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے وہ کہے گا اے میرے پروردگار! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا میں تو دیکھتا تھا فرمائے گا' اسی طرح میری آیتیں تیرے پاس آئیں تو تو نے ان کو بھلا دیا ایسے ہی آج تو بھلایا جائے گا۔''

دیکھو کہ دل کی نابینائی' قیامت میں ظاہری نابینائی اور یہاں خدا کو بھولنا اور اس کے احکام کو یاد نہ کرنا' وہاں رحمت الٰہی کی یاد سے بھول کی شکل میں نمودار ہوگا۔

دوزخ کی جسمانی سزائیں:

دوزخ میں جسمانی اور روحانی دونوں سزائیں ملیں گی' قرآن پاک میں جن جسمانی سزاؤں کا ذکر ہے' وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) آتش دوزخ اور اس کی سوزش کا ذکر بار بار آیا ہے' بلکہ النار یعنی آگ گویا دوزخ کا دوسرا نام ہے۔ ان ہی معنوں میں ﴿اَلسَّعِيْرُ﴾ یعنی جلتی آگ بھی بارہا مستعمل ہوا ہے' اور ﴿عَذَابُ الْحَرِيْقِ﴾ (جلن کا عذاب) بھی دو چار جگہ کہا گیا ہے' اور ایک جگہ یہ بھی ہے کہ۔

﴿تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَ هُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ﴾ (مؤمنون : ٦)

''ان کے چہروں کو دوزخ کی آگ جھلس دے گی اور ان کی صورتیں اس میں بگڑ جائیں گی۔''

دوزخ کا ایک اور نام سقر ہے' جس کے متعلق یہ ہے کہ۔

﴿وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ لَا تُبْقِىْ وَ لَا تَذَرُ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ﴾ (مدثر : ۱)

''اور تمہیں کیا معلوم سقر کیا ہے' نہ وہ رحم کھائے گی' نہ چھوڑے گی چہروں کو جھلس دینے والی۔''

﴿كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى﴾ (معارج : ۱)

''ہرگز نہیں وہ شعلہ والی آگ ہے منہ کی کھال ادھیڑنے والی۔''

﴿اِنَّهَا تَرْمِىْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ﴾ (مرسلات : ۱)

''دوزخ محل کے برابر اونچی چنگاریاں اتنی بڑی پھینکے گی جیسے زرد رنگ کے اونٹ۔''

---

(۱) ترمذی۔

Marfat.com

(۲) وہاں سایہ نہ ہوگا بلکہ یہ حکم ہوگا۔

﴿انْطَلِقُوْٓا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ لَا ظَلِیْلٍ وَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّھَبِ﴾ (مرسلات : ۱)

''چلو ایک چھاؤں کی طرف جس کی تین پھانکیں ہوں گی نہ گھن کی چھاؤں اور نہ تپش میں کام آ سکے۔''

(۳) وہاں ٹھنڈک نہ ہوگی۔

﴿لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْھَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا﴾ (نبأ : ۱)

''اس میں وہ نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا۔''

(۴) دوزخ میں نہ موت آئے گی کہ چین آ جائے اور نہ ایسی زندگی ہی ہوگی جس میں کوئی مسرت ہو دو جگہ فرمایا۔

﴿لَا یَمُوْتُ فِیْھَا وَ لَا یَحْیٰی﴾ (طٰه : اعلٰی)

''وہاں وہ نہ مرے گا نہ جیے گا۔''

(۵) پینے کو گرم پانی ملے گا جس سے آنتیں نکل پڑیں گی۔

﴿وَ سُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَ ھُمْ﴾ (محمد : ۲)

''اور وہ گرم پانی پلائے جائیں گے تو وہ پانی ان کی آنتوں کو ٹکڑے کر دے گا۔''

(۶) اور پیپ پئیں گے۔

﴿اِلَّا حَمِیْمًا وَّ غَسَّاقًا﴾ (بنا : ۱)

''لیکن کھولتا پانی اور پیپ۔''

(۷) ان کے اوپر سے گرم پانی چھوڑا جائے گا۔

﴿یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِھِمُ الْحَمِیْمُ﴾ (حج : ۲)

''ان کے سروں کے اوپر گرم پانی ڈالا جائے گا۔''

(۸) کھانے کو سینڈھے کا پھل ملے گا۔

﴿اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ...... اِنَّھَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْٓ اَصْلِ الْجَحِیْمِ طَلْعُھَا کَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ فَاِنَّھُمْ لَاٰکِلُوْنَ مِنْھَا فَمَالِئُوْنَ مِنْھَا الْبُطُوْنَ ثُمَّ اِنَّ لَھُمْ عَلَیْھَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ﴾ (والصّٰفّٰت : ۲)

''یا سینڈھے کا پھل .... وہ ایک درخت ہے دوزخ کی جڑ میں اس کے شگوفے جیسے شیطانوں کے سر تو وہ کھائیں گے اور اس سے پیٹ بھریں گے پھر اس پر گرم پانی کی ملونی ہوگی۔''

﴿اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِیْمِ کَالْمُھْلِ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ کَغَلْیِ الْحَمِیْمِ﴾ (دخان : ۳)

''سینڈھے کا درخت گنہگار کی غذا ہے جیسے پگھلا ہوا تانبا وہ پیٹوں میں کھولتا ہے جیسے کھولتا پانی۔''

(۹) خاردار جھاڑی کی خوراک ہوگی جس سے بدن کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

﴿لَیْسَ لَھُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ لَّا یُسْمِنُ وَ لَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ﴾ (غاشیہ : ۱)

''اور ان کے لیے کوئی کھانا نہ ہوگا لیکن خاردار جھاڑی جو نہ موٹا کرے گی اور نہ بھوک سے بے پرواہ کرے گی۔''

(۱۰) زخموں کے دھوون کی خوراک ملے گی۔

Marfat.com

﴿وَ لَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ﴾ (حاقه : ۲) ''اور نہ کوئی کھانا مگر زخموں کا دھوون۔''

(۱۱) کھانا نگلا نہ جائے گا۔

﴿وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ﴾ (مزمل: ۱) ''اور گلے میں اٹکنے والا کھانا۔''

(۱۲) آگ کے کپڑوں کا لباس ہوگا۔

﴿فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ﴾ (حج : ۲) ''کافروں کے لیے آگ کے کپڑے قطع ہوں گے۔''

(۱۳) لوہے کے ہتھوڑے پڑیں گے۔

﴿وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ﴾ (حج: ۲) ''اوران کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہیں۔''

(۱۴) گلے میں طوق اور زنجیریں۔

﴿اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُ یُسْحَبُوْنَ﴾ (مؤمن : ۸) ''جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی وہ کھینچے جائیں گے۔''

﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَا وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِیْرًا﴾ (دھر : ۱) ''ہم (خدا) نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور آگ تیار رکھی ہے۔''

﴿مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ﴾ (ابراھیم:۷) ''وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے۔''

دوزخ میں روحانی سزائیں:

ان جسمانی سزاؤں کے ساتھ روحانی سزائیں بھی ہوں گی جو اہل نظر کی نگاہوں میں ان سے بھی بڑھ کر ہیں، چنانچہ دوزخ کی وہ آگ جس کی گرمی اور سوزش کا حال اوپر گزر چکا وہ دل کو جھانکے گی فرمایا۔

﴿نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَةِ﴾ (همزة : ۱) ''سلگائی ہوئی اللہ کی آگ جو دلوں کو جھانکے گی۔''

﴿وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ﴾ (یونس : ۶) ''اور جب عذاب کو دیکھیں گے تو اپنی پشیمانی کو چھپائیں گے۔''

﴿یٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ﴾ (زمر : ۶) ''اے حسرت اس پر کہ میں نے خدا کے پہلو میں کمی کی۔''

﴿کُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ﴾ (حج : ۲) ''وہ جب جب دوزخ سے غم کی وجہ سے نکلنا چاہیں۔''

ذلت کا عذاب:

﴿فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ﴾ (احقاف:۲) ''تو آج ذلت کے عذاب کا بدلہ دیئے جاؤ گے۔''

Marfat.com

اس افسوس وحسرت وندامت سے بڑھ کر یہ کہ ان کو معذرت پیش کرنے کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

﴿لا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ﴾ (تحريم: ٦) ”آج معذرت نہ پیش کرو۔“

اللہ عزوجل سے مکالمہ کا شرف ان کو نہ ملے گا' جب وہ بات کرنا چاہیں گے تو وہ فرمائے گا۔

﴿اِخْسَئُوْا فِيْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنَ﴾ (مؤمنون : ٦) ”ذلیل ہو اس دوزخ میں اور مجھ سے بات نہ کرو۔“

سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے جلوہ سے محروم رہیں گے۔

﴿كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾ (تطفيف : ١) ”ہرگز نہیں وہ اس دن اپنے رب سے پردہ میں ہوں گے۔“

ان میں سے جنہوں نے اس دنیا میں اپنے پروردگار کو بھلا دیا تھا' اس دن وہ بھی ان کو اپنی رحمت وشفقت کی یاد سے بھلا دے گا فرمایا۔

﴿كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴾ (طه : ٧) ”اسی طرح ہماری آیتیں تیرے پاس آئیں تو تو نے ان کو بھلا دیا' ایسے ہی آج تو بھی بھلایا جائے گا۔“

ایسے دوزخی بھی ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ کرم سے بھی محروم رہیں گے' وہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا' نہ ان سے کچھ بات کرے گا' اور نہ ان کی اصلاح حال کی کوئی فکر کرے گا' یہ حقیقت میں شفیق ومہربان رب کی انتہائی ناراضی کی تصویر ہے' اس درد کے احساس کو وہی کچھ سمجھ سکتے ہیں جو عشق ومحبت کے زخم خوردہ ہیں' فرمایا۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَ لَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (آل عمران : ٨) ”جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی (جھوٹی) قسموں کے ذریعہ سے تھوڑی سی دولت خریدا کرتے ہیں آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں' نہ قیامت میں خدا ان سے بات کرے گا' نہ ان کی طرف دیکھے گا' نہ ان کو سنوارے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

☆☆☆

Marfat.com

جنت

جنت کے نام:

اس مقام کا نام جو نیکوکار انسانوں کا دائمی گھر ہوگا' قرآن پاک میں عموماً ﴿الجنة﴾ (باغ) بتایا گیا ہے اور کبھی کبھی اس کو مناسب اضافتوں کے ساتھ بھی ادا کیا گیا' مثلاً ﴿جنة النعيم﴾ (نعمت کا باغ) ﴿جنة الخلد﴾ (بقائے دوام کا باغ) ﴿جنٰت عدن﴾ (دائمی سکونت کے باغ) ﴿جنة الماوىٰ﴾ (پناہ کا باغ) ان کے علاوہ اور دوسرے لفظوں سے بھی اس کی تعبیر کی گئی ہے مثلاً ﴿فردوس﴾ (باغ) ﴿روضة﴾ (چمن) ﴿دار الخلد﴾ (ہمیشگی کا گھر) ﴿دار المقامة﴾ (قیام کا گھر) ﴿دار السلام﴾ (امن وسلامتی کا گھر)

جنت کا دوام:

اس موجودہ دنیا میں بھی گو لذتیں اور مسرتیں ہیں مگر جو چیز یہاں نہیں' وہ بقائے دوام ہے یہاں کی ہر لذت عارضی اور ہر مسرت آنی جانی ہے' یہاں خوشی کا کوئی ایسا ترانہ نہیں' جس کے بعد غم و ماتم کا نالہ نہ ہو' یہاں ہر پھول کے ساتھ کانٹے' ہر روشنی کے ساتھ تاریکی' ہر وجود کے ساتھ فنا' ہر سیری کے بعد بھوک' ہر سیرابی کے بعد پیاس اور ہر غنا کے بعد محتاجی ہے' انسان ہزاروں مشکلیں اٹھانے اور ہزاروں صدمے سہنے کے بعد ایک مسرت کا پیام سنتا اور خوشی کا منظر دیکھتا ہے' مگر ابھی اس سے سیر ہونے کی بھی نوبت نہیں آتی کہ اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے' غرض اس موجودہ عالم فانی کی ہر شے آنی جانی ہے' اور یہی یہاں کی سب سے بڑی کمی ہے۔

لیکن جنت اس مملکت کا نام ہے' جہاں کی لذتیں جاودانی اور جہاں کی مسرتیں غیر فانی ہیں' جہاں حیات ہے مگر موت نہیں' راحت ہے مگر تکلیف نہیں لذت ہے' مگر الم نہیں' مسرت ہے' مگر غم نہیں' جہاں وہ سکون ہے جس کے ساتھ اضطراب نہیں' اور وہ شادمانی ہے جس کے بعد حزن واندوہ نہیں' شیطان نے حضرت آدمؑ کے سامنے جنت کا جو نقشہ کھینچا تھا وہ بالکل صحیح تھا' اس نے کہا اے آدمؑ۔

﴿هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾ (طه : ۷) ''کیا میں تجھے سدا جینے کا درخت اور وہ بادشاہی بتاؤں جس کو فنا نہیں۔''

مگر جنت کا یہ وصف سنا کر ان کو جدھر کا راستہ بتایا' وہ موت کے درخت اور فنا کے ملک کی طرف کا تھا' اور یہی وہ فریب تھا جس میں آدم گرفتار ہوئے' چنانچہ اسی جنتی زندگی کی تلاش میں وہ چیز کھالی' جو ان کے حق میں زہر تھی' یعنی گناہ کا پھل' نتیجہ یہ ہوا کہ جنۃ الخلد اور غیر فانی ملک کا استحقاق ان کے اور ان کی نسل کے اعمال صالحہ کا صلہ قرار پایا چنانچہ فرمایا۔

﴿اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِىْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ كَانَتْ ''یا ہمیشگی کا باغ جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا جو

Marfat.com

لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِيْرًا﴾ (فرقان : ۲) ان کا صلہ ہوگا اور واپسی کی جگہ۔"

یہ ہیشگی کا باغ وہ غیر فانی مملکت ہے جہاں کا آرام دائمی اور جہاں کی سلامتی ابدی جہاں کی لذت بے انتہا جہاں کی زندگی غیر منقطع جہاں کا سرور غیر مختتم اور جہاں کا عیش جاوداں ہے چنانچہ اس کی تصریح قرآن پاک کی سولہ آیتوں میں مختلف طریقوں سے کی گئی ہے فرمایا۔

(۱) ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ (نساء : ۱۸) "اور جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے ہم ان کو باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی وہ ہمیشہ کے لیے رہ پڑیں گے اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی۔"

اس تاکید پر تاکید اور پرزور طریقہ تعبیر پر نظر ڈالیے کہ صرف "خلود" پر اکتفا نہیں کی بلکہ ساتھ ہی ابدا فرما کر اس خلود کو غیر فانی اور قیام کو ابدی ظاہر فرمایا اس پر بھی بس نہ کی بلکہ یہ بھی اضافہ کیا کہ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے پھر مزید تاکید کا اضافہ کیا۔ کہ اللہ سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خلود جنت اور بقائے غیر فانی کی قطعیت کتنی ہے۔

(۲) ﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ (نساء : ۸) "اور جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے ہم ان کو ان باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے۔"

(۳) ﴿لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ (مائدہ : ۱۶) "ان کے لیے وہ باغ ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہا کریں گے۔"

(۴) ﴿وَ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ (اور اللہ ان کو خوش خبری دیتا ہے کہ) ان کے لیے وہ باغ ہیں جن میں ہمیشہ کا آرام ہے اور جن میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے۔

(۵) ﴿وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ (توبہ : ۱۳) "اور ان کے لیے وہ باغ مہیا کیے ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں اور ان میں ہمیشہ رہا کریں گے۔"

(۶) ﴿وَ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ (تغابن : ۱) "اس کو ان باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے۔"

(۷) ﴿وَ مَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا﴾ (طلاق : ۲) "اور جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک کام کرے اس کو وہ ان باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے اللہ نے اس کو روزی خوب دی۔"

Marfat.com

(۸) ﴿جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ (بینہ : ۱)

''ان کی مزدوری ان کے رب کے حضور میں بسنے کے وہ باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' جن میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے۔''

یہ آیتیں وہ ہیں جن میں اہل جنت کو جنت میں خلود ابدی کی قطعی بشارت سنائی گئی ہے' ان کے علاوہ وہ آیتیں ہیں جن میں جنت کی راحتوں اور لذتوں کی ابدیت اور دوام کی خبر دی گئی ہے فرمایا۔

(۹) ﴿وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا مَا كِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا﴾ (کهف : ۱)

''اور ان مومنوں کو بشارت دے گا جنہوں نے اچھے کام کیے کہ ان کے لیے اچھی مزدوری ہے جس میں وہ ہمیشہ قیام پذیر رہیں گے۔''

سورہ ص میں جنت کی اکثر نعمتوں کے ذکر کے بعد ہے۔

(۱۰) ﴿هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَالَهٗ مِنْ نَّفَادٍ﴾ (ص : ٦)

''یہ وہ ہے جس کا حساب کے دن تم کو دیے جانے کا وعدہ کیا جاتا ہے' بے شبہ یہ ہماری وہ روزی ہوگی جس کو ختم ہونا نہیں ہے۔''

(۱۱) ﴿وَ اَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِى الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ﴾ (هود:۹)

''اور لیکن جو خوش قسمت ہوئے تو وہ جنت میں رہا کریں گے جب تک آسمان اور زمین ہیں' لیکن جو تیرا رب چاہے وہ بخشش ہوگی جو منقطع نہ ہوگی۔''

یعنی خدا کی مشیت کے سوا ان کو اس جنت سے کوئی الگ نہ کر سکے گا' لیکن اس کی مشیت یہی ہوگی کہ ان کے لیے اس کی یہ بخشش دائمی اور غیر منقطع طریقہ سے ہمیشہ قائم رہے پھر جس کے متعلق اس کی مشیت کا یہ اعلان ہے وہ فنا کیونکر ہو سکے گی۔

(۱۲) ﴿وَجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ﴾ (توبه : ۳)

''اور وہ باغ جن میں ان کے لیے قائم رہنے والی نعمت ہوگی۔''

(۱۳) ﴿اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا﴾ (رعد : ۵)

''جنت کا میوہ اور اس کا سایہ دائمی ہے۔''

(۱۴) ﴿وَ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ﴾ (واقعه : ۱)

''اور بہت سے میوے جن کا نہ انقطاع ہوگا اور نہ جن کی روک ہوگی۔''

(۱۵) ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ (و التين : ۱)

''لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کے لیے وہ مزدوری ہے جس کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔''

فنائے راحت اور انقطاع مسرت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ راحت و مسرت کے اسباب کا خاتمہ ہو جائے اور دوسرے یہ کہ خود لذت اٹھانے والے کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے پہلی صورت کی نفی تو گذشتہ آیتوں میں کر دی گئی کہ راحت و مسرت کے اسباب کا وہاں خاتمہ نہ ہوگا' اب رہ گئی دوسری صورت تو گو ﴿خالدين فيها ابدا﴾ کہہ کر اس کی

Marfat.com

نفی بار بار کی جا چکی ہے مگر ایک جگہ بتصریح یہ کہہ دیا گیا ہے کہ اس احاطہ میں موت کا گزر نہ ہوگا' فرمایا۔

(۱۶) ﴿لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ﴾ (دخان : ۳) ''جنت میں جانے والے پہلی موت کے سوا پھر موت کا مزہ نہیں چکھیں گے۔''

لیکن اب ایک تیسری صورت یہ بھی ممکن تھی کہ مسرت کے اسباب بھی قائم رہیں اور اہل جنت کی زندگی بھی دائم ہو مگر کچھ دنوں کے بعد ان کو وہاں سے نکال کر الگ کر دیا جائے تو اس کی تصریح بھی فرما دی کہ یہ بھی ممکن نہ ہوگا کہ کوئی اہل جنت کو ان کے عیش و راحت کی منزل گاہوں سے باہر نکال سکے فرمایا۔

﴿لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ﴾ (حجر : ۴) ''وہاں ان کو کوئی غم نہ چھوئے گا' اور نہ وہ اس میں سے نکالے جائیں گے۔''

یہ بھی ممکن ہے کہ خود اہل جنت اس سے گھبرا کر نکل آئیں تو فرمایا کہ ان کی جبلت و فطرت ایسی ہوگی کہ وہ خود بھی اس مہمان خانہ الٰہی سے نکلنا پسند نہیں کریں گے فرمایا۔

﴿خٰلِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ (کھف : ۱۲) ''سدا رہیں گے اس میں اس سے منتقل نہ ہونا چاہیں گے۔''

دوام و بقا اور تسلسل و عدم وانقطاع کی اس تو بر تو تاکید اور اصرار سے اندازہ ہوگا کہ اسباب مسرت کی بقاء راحت کا دوام اور زندگی کا تسلسل جنت کی اصلی خصوصیت ہوگی' یہی وہ حقیقت ہے جس کی لالچ شیطان نے ﴿وملک لا یبلیٰ﴾ (طہ : ۷) اور غیر فانی سلطنت کہہ کر آدمؑ کو دلائی تھی اور اس بہانہ سے اس عالم بقا سے ان کو اس عالم فنا میں بھجوا دیا' آخر وہ زمانہ آئے گا' جب آدمؑ کی اولاد کو ان کے نیک اعمال کے بدولت اس غیر فانی بادشاہی کی وراثت ہمیشہ کے لیے حاصل ہوگی۔

غیر فانی بادشاہی:

دنیا میں شخصی راحت و آلام کا بلند سے بلند تخیل' ایک لفظ بادشاہی کے اندر بخوبی ادا ہو سکتا ہے اگر انسان کو اس کی انتہائی آرزوؤں کے برآنے کی خوش خبری دینے کے لیے کوئی لفظ ہو سکتا ہے تو یہی ہے گویا بادشاہی اس کیفیت کا نام ہے' جس میں انسان کی کوئی آرزو کامیابی سے محروم نہ رہے' سامان راحت اور اسباب شادمانی کی فراوانی سے اس کی مسرت میں کسی غم کا شائبہ نہ ہو' اونچے اونچے محل' ہرے بھرے باغ' بہتی نہریں' سرسبز و شاداب تختے' سونے چاندی کے اسباب زر و جواہر کے برتن' زریں کمر غلام و خدام' ریشمی لباس' طلائی تخت موتیوں کے ہار سونے کے کنگن شراب کے زمردیں اور بلوریں پیالے حسین و مہ جبیں بیگمات غرض ایک لفظ بادشاہی کے یہ تمام ضروری لوازمے ہیں۔

جنت کی مختصر ترین لیکن سچی تعریف آدمؑ کے دشمن نے آدمؑ کے سامنے کی تھی۔

﴿وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾ (طہ : ۷) ''اور غیر فانی بادشاہی۔''

آنے والی زندگی کے اس غیر فانی عیش و مسرت کے لیے مختلف پیغمبروں نے مختلف لفظ استعمال کیے ہیں چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے لیے آسمانی بادشاہی کی اصطلاح قائم فرمائی' اور اپنی گفتگو کے تمام

Marfat.com

استعاروں میں اس مفہوم کو اسی لفظ سے ادا کیا ہے مگر جیسا کہ بار بار کہا گیا ہے کہ انسانی لغت کے الفاظ سے جو مادیت کی گودوں میں پلے اور مادیت کے ماحول میں پھولے پھلے ہیں' کسی روحانی مفہوم کی تعبیر ناممکن ہے کہ اس کے ہر لفظ کے مفہوم کو ان ہی لوازم اور خیالات کے ساتھ انسان سمجھنے پر مجبور ہے' جو ہمیشہ سے اس لفظ کے ساتھ وابستہ چلے آتے ہیں' آپ بادشاہی کو آسمانی کہہ کر کسی قدر مادہ سے بلند کریں مگر بادشاہی کے مفہوم کے ساتھ جو موروثی خیالات ولوازم وابستہ ہیں وہ دور نہیں ہو سکتے' چنانچہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی زندگی کی آخری شب میں شاگردوں کو جب شراب کا پیالہ بھر کر دیتے ہیں۔'' تو آسمانی بادشاہی کے مادی لطف و مسرت کا ذکر ان لفظوں میں کرتے ہیں۔

میں پھر تمہیں کہتا ہوں کہ انگور کا شیرہ پھر نہ پیوں گا' اس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہی میں اسے نیا نہ پیوں۔'' (متی ۲۶۔۲۹)

آپ نے دیکھا کہ ''باپ'' کی آسمانی بادشاہی میں بھی انگور ہی کا شیرہ پینے کو ملے گا۔

اور یوحنا حواری نے جب اس آسمانی بادشاہی کا خواب دیکھا تو وہ ان کو اسی سونے چاندی کے محل آب حیات کی نہر اور جواہرات کی دیواروں میں نظر آئی (مکاشفات یوحنا باب ۲۲'۲)

وہاں رات نہ ہوگی' اور دیئے چراغ اور سورج کی روشنی کے محتاج نہیں' کیونکہ خداوند ان کو روشن کرتا ہے' اور دے ابدالآباد بادشاہی کریں گے۔ (۲۲۔۵)

لیکن یہ ''بادشاہی'' عیسوی پیغام میں ہنوز تفسیر کی محتاج ہے' نبوت کے آخری پیغام نے اس اجمال کی تفصیل ان لفظوں میں کی ہے۔

﴿فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِکَ الْیَوْمِ وَ لَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا وَ جَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِیْرًا مُّتَّکِئِیْنَ فِیْهَا عَلَی الْاَرَآئِکِ لَا یَرَوْنَ فِیْهَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْهَرِیْرًا وَ دَانِیَةً عَلَیْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِیْلًا وَ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِاٰنِیَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَکْوَابٍ کَانَتْ قَوَارِیْرَا قَوَارِیْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِیْرًا وَ یُسْقَوْنَ فِیْهَا کَاْسًا کَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِیْلًا عَیْنًا فِیْهَا تُسَمّٰی سَلْسَبِیْلًا وَّ یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَیْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا وَ اِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّ مُلْکًا کَبِیْرًا عٰلِیَهُمْ ثِیَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ

''تو اللہ نے اہل جنت کو اس دن کی تکلیف سے بچالیا' اور ان کو تر و تازگی اور شادمانی سے ملایا اور ان کے صبر کے بدلے میں ان کو (رہنے کے لیے) باغ اور (پہننے کے لیے) ریشمی کپڑے دیئے وہ ان باغوں میں تختوں پر تکیے لگائے ہوں گے ان میں نہ دھوپ ہوگی نہ ٹھنڈ اور ان کے سائے ان پر جھکے ہوں گے ان کے خوشے پست ہو کر لٹکے ہوں گے' چاندی کے برتن اور نقرئی شیشوں کے آبخورے جو ناپ کر بنائے گئے ہیں' ان کو لوگ ان کے پاس لیے پھریں گے اور ان کو وہاں وہ پیالہ پلایا جائے گا جس میں سونٹھ ملی ہوگی اس میں ایک چشمہ کا نام سلسبیل ہے اور سدا رہنے والے کمسن غلام ان کی خدمت میں گھوم رہے ہوں گے اور تو انہیں دیکھے تو سمجھے کہ موتی بکھرے ہین اور جب تو یہ سب دیکھے تو وہاں نعمت و عیش اور بڑی بادشاہی دیکھے' ان کی پوشاک سبز نرم ریشم اور

Marfat.com

اِسْتَبْرَقٌ وَ حُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَّ سَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا﴿(دہر:۱)

دبیز ریشم ہو اور ان کو نقرئی کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا پروردگار ان کو پاک شراب پلائے گا یہ تمہاری مزدوری ہوگی اور تمہاری محنت کی قدر کی جائے گی۔"

یہ پورا نقشہ اس عیش و مسرت کا ہے جو اس دنیا کے شاہانہ محلوں کے متعلق تخیل میں آتا ہے اس بیان کی تائید و تصدیق اس صحیح حدیث سے ہوگی جو جامع ترمذی میں حضرت مغیرہؓ صحابی سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے پوچھا کہ اے پروردگار! جنت والوں میں سے سب سے کم رتبہ کون ہوگا' فرمایا وہ شخص جو جنت والوں کے جنت میں داخل ہو چکنے کے بعد آخر میں آئے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ وہ کہے گا کہ "اب میں کہاں جاؤں کہ لوگ اپنے اپنے مقام پر جا چکے' اور ربانی نوازشوں پر قابض ہو چکے اس سے کہا جائے گا کہ کیا تو اس پر راضی ہے کہ تجھے وہ ملے جو دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی کے پاس نہ تھا' عرض کرے گا۔" خداوندا میں راضی ہوں فرمائے گا تیرے لیے اتنا اور اس سے دونا اور اس سے تگنا اور چوگنا ہے' کہے گا خداوندا میں راضی ہو گیا خدا فرمائے گا' تیرے لیے وہ اور اس کا دوگنا ہے عرض کرے گا میں راضی ہو گیا فرمائے گا اس کے ساتھ یہ بھی کہ جو تیرا دل آرزو کرے اور جو تیری آنکھ کو لذت بخشے۔"[1]

باغ کا استعارہ:

آخرت کا خانہ عیش و راحت کے لیے قرآن پاک نے عموماً جنت اور کہیں روضہ کے لفظ کا استعمال کیا ہے نادان اس کی وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ عرب کے شور و بے حاصل اور خشک صحرا کے بسنے والوں کی انتہائی آرزو چونکہ سرسبز و شاداب باغوں ہی کی ہو سکتی ہے' اس لیے ان کے لیے یہ لفظ اس مقام آخرت کے لیے قرآن نے استعمال کیا ہے مگر یہ سمجھنا چاہیے کہ قرآن کا مخاطب صرف عرب نہیں بلکہ دنیا کا گوشہ گوشہ ہے اس لیے عرب کی تخصیص بے معنی ہے کیا دنیا کے سرسبز و شاداب ملکوں کے بسنے والوں کے تخیل میں باغ و راغ اور رنگ و گل کی بہار پسندیدہ نہیں ہے اصل یہ ہے' کہ یہاں بیابان و گلستان کی تخصیص نہیں' یہ فطرت انسانی کی تصویر ہے' انسان کسی خطہ ارضی میں آباد ہو مگر وہ سرسبز و شاداب قطعات باغ و بہار' اور کنار آب و نہر کو عیش و مسرت کا مقام سمجھتا ہے اور ان کو دیکھ کر اندر سے اس کی روح وجد کرتی ہے۔

اس استعارہ کے استعمال کا ایک اور نکتہ بھی توجہ کے قابل ہے' انسان کا گھر وہ عیش خانہ ہوتا ہے جس میں حزن و غم کی آمیزش بھی شامل ہوتی ہے' اہل و عیال اور دولت و مال کے متعلق ہر قسم کی فکریں اس کے دل کے دامن سے لپٹی ہوئی ہیں' مگر جب انسان سیر و تفریح کے لیے باغ و چمن کا رخ کرتا ہے' تھوڑی دیر کے لیے وہ ہر غم کو بھول جاتا اور ہر تعلق کو دل سے نکال دیتا ہے اور ایسا شاداں و فرحاں بن جاتا ہے' کہ غم و الم اس کے ہر گوشہ خاطر سے دور ہو جاتے ہیں وحی محمدی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام نے اس لفظ کو اسی لیے استعمال کیا ہے تاکہ اس سے اخروی عیش و مسرت شادی و خوشی اور فراغ خاطر کی پوری تصویر کھنچ جائے۔

---

(۱) جامع ترمذی تفسیر سورہ سجدہ (حدیث حسن صحیح)

Marfat.com

سامان جنت کے دنیاوی نام:

یہ حقیقت بار بار دہرائی گئی ہے کہ عالم آخرت کی اشیاء کو جن دنیاوی الفاظ سے ادا کیا گیا ہے ان سے مقصود بالکل وہی نہیں ہیں جو ان لفظوں سے سمجھنے کے ہم عادی ہیں بلکہ ان اخروی اشیاء کو ان دنیاوی الفاظ سے اس لیے ادا کیا گیا ہے کہ وہ ان سے خاص مناسبت رکھتی ہیں ورنہ از روئے حقیقت ان الفاظ کے لغوی مفہوم و معنی سے ان کی اخروی حقیقتیں بدر جہا بلند واتم ہوں گی چنانچہ قرآن مجید کی ان آیتوں میں۔

﴿وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا وَ لَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا﴾ (البقرہ : ۳)

''اور ان کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے یہ خوش خبری سنا کہ ان کے لیے وہ باغ ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی وہ جب ان باغوں سے کوئی پھل دیئے جائیں گے کہیں گے کہ یہ وہی ہے جو اس سے پہلے ہم کو دیا گیا تھا اور وہ ان کو ایک دوسرے کے مشابہ دیا جائے گا اور ان باغوں میں ان کی صاف ستھری بیویاں ہوں گی اور ان باغوں میں رہا کریں گے بے شبہہ خدا اس سے شرمندہ نہیں کہ وہ ایک مچھر کی یا اس سے بھی کم رتبہ کی چیز کی مثال بیان کرے۔''

ان آیتوں کے سیاق وسباق اور نظم و ترتیب پر لحاظ کر کے میرے ذہن میں یہی معنی آتے ہیں کہ ان میں دنیاوی الفاظ اور ان کے آخروی مفہوم کے درمیان تشابہ کا بیان ہے ورنہ حقیقت کی رو سے ان الفاظ کے دنیاوی لغوی معانی اور آخری معنوں میں وہی نسبت ہے جو مچھر اور کسی عظیم الجثہ شے کے درمیان ہو سکتی ہے یہی سبب ہے کہ جنت کی لذتوں اور نعمتوں کی نسبت قرآن نے یہ بھی کہا ہے۔

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (سجدہ : ۲)

''تو کسی نفس کو معلوم نہیں کہ ان کے لیے ان کے (اچھے) اعمال کے بدلہ میں آنکھوں کی جو ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے۔''

ان ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' یعنی لذت و راحت کی کیفیت دنیاوی تخیل سے چونکہ بہت بلند ہے اس لیے فرمایا گیا کہ جنت کی راحت و لذت کی حقیقت علم وفہم سے پوشیدہ اور مخفی ہے آنحضرت ﷺ نے اسی مفہوم کو اپنے ان مبارک الفاظ سے واضح فرما دیا ہے۔

((قال الله اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رات و لا اذن سمعت و لا خطر علی قلب بشر)) (۱)

''خدا فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ مہیا کیا ہے جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال آیا۔''

اگر جنت کے باغوں نہروں میووں غلاموں شرابوں ریشمی کپڑوں اور طلائی زیوروں کی وہی اخروی حقیقت

(۱) صحیح بخاری باب کلام الرب وتفسیر سورہ سجدہ صحیح مسلم کتاب الجنۃ وترمذی تفسیر سجدہ۔

Marfat.com

ہے جوان لفظوں سے لغوی طور پر ہم اس دنیا میں سمجھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بہشت کی لذتوں اور مسرتوں کو ایک ''مخفی حقیقت'' نہ فرماتا اور نہ آنحضرت ﷺ اس کی توضیح میں اس درجہ بلندی کرتے کہ وہ ایسی چیزیں ہیں جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا اور نہ کانوں نے سنا اور نہ وہ کسی انسان کے خیال میں گزریں مزید تاکید روایت کے دوسرے الفاظ میں ہے۔

((بله ما طلعتم عليه)) ''جوتم جانتے ہو اس کو چھوڑ دو۔''

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں بله ما اطلعکم اللہ علیہ۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں' ایک یہ کہ بلکہ خدا نے تم کو اس پر مطلع بھی نہیں کیا۔ دوسرے یہ کہ خدا نے اس کا جو حال بتایا ہے اس سے بھی درگزر کرو۔

غرض ان لفظوں سے جو بھی تم سمجھ سکتے ہو اس کو چھوڑ کر آگے بڑھو' اصحاب تفسیر نے حضرت ابن عباسؓ سے بسند نقل کیا ہے۔

و قال السفیان الثوری عن الاعمش عن ابی ظبیان عن ابن عباس لا یشبه شئ مما فی الجنة ما فی الدنیا الا فی الاسماء.

''سفیان ثوری اعمش سے اور وہ ظبیان سے اور وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جنت میں جو کچھ ہے وہ دنیا کی چیزوں سے ناموں کے سوا اور کسی بات میں مشابہ نہیں۔''

دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں۔

لیس فی الدنیا مما فی الجنة الا الاسماء. [1] ''جنت میں جو کچھ ہے وہ ناموں کے سوا دنیا میں نہیں۔''

غرض ان الفاظ سے ان ہی دنیاوی مشاہدات کی چیزوں کو سمجھنا ضروری نہیں بلکہ ان سے بدرجہا بلند لذائذ اور مسرتیں مراد ہیں جن کی تعبیر کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ کسی وجہ مناسب کے سبب سے ان کو ان دنیاوی لفظوں سے ادا کیا جائے اور اس پر بھی مفہوم ادا نہ ہو سکے' اس میں اشکال نعوذ باللہ' اللہ تعالیٰ کی عدم قدرت کلام کے سبب سے نہیں ہے بلکہ عاجز انسانوں کی ذہنی درماندگی کے سبب سے ہے کہ نادیدہ و ناشنیدہ اور دردل ناخلیدہ مفاہیم کے لیے ان کی زبان ولغت میں کوئی لفظ ہی نہیں۔

جنت کی مسرتیں اعمال کی تمثیل ہیں:

یہ اصول بارہا بیان میں آ چکا ہے کہ دوزخ کی تکلیفیں ہوں یا جنت کی مسرتیں دونوں اعمال انسانی کی تمثیلیں ہیں اسی لیے قرآن پاک نے بتصریح تمام یہ کہا ہے۔

﴿اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴾ (طور: ۱۰) ''وہی بدلہ پاؤ گے جو تم کرتے تھے۔''

حدیث میں آتا ہے کہ قیامت میں خدا فرمائے گا ''اے میرے بندو' یہ تمہارے ہی عمل ہیں جو تم کو واپس مل رہے ہیں تو جو نیکی پائے وہ خدا کا شکر ادا کرے اور جو برائی پائے وہ اپنے آپ کو ملامت کرے۔

مثلاً وہ نیکوکار جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہمیشہ ترساں ولرزاں رہتے تھے' ان کو جنت میں امن وسلامتی کے ساتھ وہاں کی تمام راحتیں ملیں گی تو۔

(۱) صحیح مسلم کتاب الجنة وصفة نعیمہا۔

Marfat.com

﴿قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ وَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ﴾ (طور : ۱)

''کہیں گے ہم اس سے اپنے پہلے گھر والوں میں ڈرتے تھے تو خدا نے ہم پر مہربانی کی اور ہم کو دوزخ کی لو کے عذاب سے بچالیا۔''

اس آیت سے صاف نمایاں ہے کہ جو لوگ دنیا میں خدا کے قہر و غضب سے ڈرتے تھے وہ قیامت میں گرم لو (سموم) کے عذاب سے بچائے جائیں گے قہر و غضب کی تمثیل شعلہ آتش لو وغیرہ گرم چیزوں سے ہے تو جو لوگ دنیا میں خدا کے قہر و غضب سے ترساں تھے دیکھو کہ قیامت میں ان کو سموم یا گرم ہوا کی لو سے بچائے جانے کی بشارت ملی۔ (۱)

دولت مند و قوی دست منکرین غریب مسلمانوں کو دیکھ کر دنیا میں ان پر تحقیرانہ ہنستے تھے قیامت میں اس کا الٹا ہوگا کہ یہ ان پر ہنسیں گے فرمایا۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ﴾ (تطفیف : ۱)

''بے شک گنہگار ایمان والوں پر ہنستے تھے ------ تو آج ایمان والے کافروں پر ہنسیں گے۔''

نکوکاروں کے دنیا کے آنسو یہاں تبسم اور خندۂ مسرت میں بدل گئے اور گنہگاروں کی وہاں کی ہنسی یہاں آنسوؤں کا تار بن کر ظاہر ہوئی۔

گنہگار جو دنیا میں اپنی دولت و قوت کے نشہ میں چور اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ خوش اور مسرور رہتے تھے وہ یہاں غمگین ہوں گے اور جو وہاں غمگین تھے وہ یہاں خوش اور مسرور ہوں گے۔

﴿فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا وَّ يَصْلٰى سَعِيْرًا اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا﴾ (انشقاق)

''تو وہ موت کو پکارے گا اور دوزخ میں داخل ہوگا کیونکہ وہ اپنے اہل و عیال میں (مغرورانہ) خوش تھا۔''

اور جو نیکوکار وہاں اہل و عیال میں بیٹھ کر بھی مسرت سے ناآشنا تھا اس کا یہ حال ہوگا کہ۔

﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا وَّ يَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا﴾ (انشقاق : ۱)

''تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ خوش خوش اپنے لوگوں کے پاس لوٹے گا۔''

قرآن پاک میں بارہا یہ آیتیں یا بعینہ ان ہی معنوں کی آیتیں آئی ہیں۔

﴿وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ (بقرہ:۲)

''اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کو باغوں کی خوش خبری سنا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔''

ان آیتوں میں ایمان اور عمل صالح کے بالمقابل باغ اور اس کی نہروں کا ذکر پابندی کے ساتھ آتا ہے اس سے ادھر خیال جاتا ہے کہ ان دونوں میں کوئی خاص تمثیلی تعلق ہے یہ ظاہر ہے کہ درخت اصلی چیزیں ہیں جن کی ترقی

(۱) تفسیر ابن جریر طبری آیت مذکورہ و بیہقی فی البعث کما فی الدر المنثور للسیوطی تفسیر آیت مذکورہ۔

Marfat.com

اور نشو ونما پانی سے ہوتی ہے بعینہ اسی طرح ایمان اصل ہے جس کی جڑوں کی سیرابی اعمال صالحہ کی آبیاری سے ہوتی ہے اگر ایمان ہو اور اعمال صالحہ نہ ہوں تو وہ ایک ایسا درخت ہوگا۔ جس کی ترقی اور نشو ونما کی امید نہیں اور اگر صرف عمل صالح ہے اور ایمان نہیں تو ریگ میں پانی کی روانی ہے جس کا وجود وعدم یکساں ہے اس تمثیل کے ذہن میں آنے کے ساتھ قرآن پاک کی یہ آیت سامنے آتی ہے۔

﴿وَ اُدۡخِلَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ تَحِیَّتُهُمۡ فِیۡهَا سَلٰمٌ اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا کَلِمَةً طَیِّبَةً کَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرۡعُهَا فِی السَّمَآءِ تُؤۡتِیۡۤ اُکُلَهَا کُلَّ حِیۡنٍۭ بِاِذۡنِ رَبِّهَا وَ یَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ﴾ (ابراهیم : ۴)

''اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ ان باغوں میں داخل کیے گئے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' وہ اپنے پروردگار کے حکم سے ان میں سدا رہیں گے' وہاں سلامتی کی مبارک باد ہے' کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خدا نے کیسی ایک مثال بیان کی نیک بات ایک ستھرے درخت کی طرح ہے جس کی جڑ مضبوط ہو اور ٹہنی آسمان میں ہو' اپنے پروردگار کے حکم سے وہ ہمہ وقت پھل لایا کرتا ہے' اور خدا مثالیں بیان کرتا ہے کہ لوگ شاید سوچیں۔''

اس آیت میں جنت اور کلمہ طیبہ کے درخت کی پوری تمثیل ہے' یہاں تک تقابل ہے کہ پہلے میں جب یہ کہا گیا کہ ''اپنے پروردگار کے حکم سے وہ ان باغوں میں سدا رہیں گے۔'' تو دوسرے میں ہے کہ وہ درخت اپنے پروردگار کے حکم سے سدا پھل دیتا رہے گا کلمہ طیبہ سے یہاں مراد ایمان ہے'[1] جس کی جڑ مضبوط و مستحکم اور اس کی شاخیں آسمان میں اور اس کے پھل سدا پھلنے والے ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون صحابی کی وفات کے بعد ان کی ایک ہمسایہ صحابیہؓ نے خواب میں دیکھا کہ ایک نہر بہہ رہی ہے' اور جب یہ معلوم ہوا کہ یہ حضرت عثمان بن مظعون کی ہے' انہوں نے آ کر یہ خواب آنحضرت ﷺ سے بیان کیا۔ آپؐ نے اس کی تعبیر میں فرمایا ((ذلک عمله یجری له)) یعنی یہ نہر ان کا عمل ہے جو ان کے لیے بہہ رہی ہے۔ (بخاری کتاب التعبیر)

ان دونوں سابقہ حوالوں سے یہ ہویدا ہوتا ہے کہ ایمان کی تمثیل سدا بہار درخت سے اور عمل کی تمثیل نہروں سے ہے' اس بناء پر اہل جنت کے لیے بار بار جس باغ اور نہر جاری کی بشارت دی گئی ہے' وہ حقیقت میں ان کے ایمان اور عمل صالح کی تمثیلی شکلیں ہوں گی' ان کا ایمان خوش نما اور سدا بہار باغ اور ان کے اعمال صالحہ صاف و شفاف نہر کی صورت میں نمایاں ہوں گے اور وہ ان سے لطف ولذت اٹھائیں گے۔

اسی قیاس پر جنت کی دوسری لذتوں اور مسرتوں کی حقیقت کی تشریح کی جا سکتی ہے علوم نبوی کے ایک بڑے واقف کار اور اسرار شریعت کے ایک بڑے دانائے راز شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ حجۃ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

﴿و اکثر الوقائع الحشریة من هذا ''حشر کے واقعات از قبیل تمثیل ہیں ۔۔۔۔۔ حاصل یہ کہ یہ

(۱) تفسیر ابن جریر طبری تفسیر آیت مذکور۔

Marfat.com

القبیل و بالجملة فتشبحات و تمثلات لما عندها و تتشبح النعمة بمطعم هنی و مشرب مربی و منکح شهی و ملبس رضی و مسکن بهی﴾ (ص : ۳۶ هند)

تمام امور معانی کا جسمانی قالبوں میں اور مثالی صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔۔۔۔۔اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی خوش مزہ کھانے خوش گوار پینے کی چیزوں رغبت انگیز لذت نکاح دل پسند لباس اور عمدہ مسکن کی صورتوں میں نمایاں ہوگی۔"

ہم نے آیات واحادیث کے حوالوں سے پہلے کئی دفعہ یہ دکھایا کہ اس تمثیل وتشبیہ کے کیا معنی ہیں' اور کیونکر غیر مجسم معانی' اپنے مناسب قالبوں میں مجسم ہوکر وجود پذیر ہوتے ہیں' دنیا کے تمام اعمال صالحہ کی اگر تحلیل کی جائے تو ان کی اولاً دو قسمیں نکلیں گی اور خدا پر ایمان اور خلوص دل سے اس کی اطاعت جس کو "حقوق اللہ" کہتے ہیں۔ اور دوسری بندگان الٰہی کے ساتھ حسن سلوک بندگانِ الٰہی کے ساتھ جو نیک سلوک کیا جاسکتا ہے' وہ یہی ہے کہ ان کی عزت وآبرو کا پاس کیا جائے' جس کو عفت وعصمت کہتے ہیں' اور ان کی ضروریات زندگی کے مہیا کرنے میں امداد کی جائے ضروریات زندگی یہی کھانا پینا پہننا اور رہنا ہیں' ان ہی کی نسبت ہم ان کے ساتھ حسن سلوک کر سکتے ہیں اب یہ پانچ قسمیں ہوئیں' جنت کی نعمتیں ان ہی پانچ قسموں پر منحصر ہیں' ایمان واخلاص واطاعت کی جزا تو خود اللہ تبارک وتعالیٰ ہے' وہ اپنے قرب اور اپنے دیدار سے نوازے گا' عفت وعصمت کی جزا حسین ومہ جبین بیویوں کی صورت میں نمایاں ہوگی' دوسروں کو کھلانے کی جزا جنت کے باغ اور پھل اور قسم قسم کے الوان طعام ہیں' دوسروں کو پلانیکی جزا خوش مزہ و خوش گوار پینے کی مختلف چیزوں کی فراوانی ہے' پہنانے کی جزا ریشم وحریرو دیبا و اطلس اور بہتر سے بہتر خوش نما لباس ہے اور رہنے اور بسانے میں حسن سلوک کی جزاء خوش منظر مکان وقیام گاہ ہے۔

ایک اور پہلو سے دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی بہشت کی صفت یہ بیان فرمائی ہے۔

﴿اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْهَا وَ لَا تَعْرٰی وَ اَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا وَ لَا تَضْحٰی﴾ (طه : ۷)

"بے شک تیرے لیے اس بہشت میں نہ بھوکا ہونا' نہ ننگا ہونا اور نہ پیاسا ہونا' نہ دھوپ میں رہنا۔"

یہی چار مختصر انسانی ضرورتیں ہیں جو پھیل کر ایک دنیا ہوگئی ہیں' جب آدم کی اولاد کو اپنے اعمال صالحہ کی بدولت نجات ملے گی' تو پھر ان کے لیے وہی بہشت ہے جس میں نہ بھوکا ہونا ہے' نہ پیاسا ہونا' نہ ننگا ہونا' نہ گرمی اور نہ دھوپ کی تکلیف میں گرفتار ہونا' اس حقیقت کی تعبیر دو طرح سے کی جاسکتی ہے' یا تو یہ کہ بہشت میں اہل بہشت کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ ان تمام انسانی ضرورتوں سے یکسر پاک و بے نیاز ہوجاتے ہیں اسی لیے وہاں نہ کوئی بھوکا ہوگا نہ پیاسا اور نہ ننگا ہوگا اور نہ دھوپ اور لو کی محنت میں گرفتار دوسرے یہ کہ بہشت میں اہل بہشت کو کھانے کے لیے ایسے الوان نعمت ملیں گے جن کو کھا کر انسان پھر بھوکا نہ ہوگا' اور پینے کے لیے شراب وشربت کی وہ نہریں بہیں گی جن کو پی کر پھر پیاسا نہ ہوگا اور پہننے کو وہ کپڑے ملیں گے جو پھر نہ میلے ہوں گے اور نہ بوسیدہ ہوکر پھٹیں گے اور رہنے کے لیے ایسے گھنے باغ اور بلند مکانات ملیں گے جہاں دھوپ کا گزر نہ ہوگا۔

یہ اصول پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ دنیا میں انسان کے لیے جو لطف ولذت ہے وہ تھوڑی سی تکلیف کا نتیجہ ہے' انسانی اصول یہ ہے کہ بڑی لذت کے حصول کے لیے تھوڑی تکلیف گوارا کرتا ہے اور بڑی مسرت پر چھوٹی چھوٹی

Marfat.com

مسرتوں کو قربان کرتا ہے' اسی اصول پر اس کے تمام اعمال کی کامیابی و ناکامیابی کی بنا ہے' اعمال صالحہ کے بجالانے میں انسان کو اس دنیا میں چھوٹی چھوٹی تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں' اور اپنی عارضی خوشیوں اور لذتوں کو ان پر قربان کرنا ہوتا ہے' صبح کے نمازی کو خواب سحر کی لذت کو خیر باد کہنا' اور دوپہر کی جلتی دھوپ میں ظہر کے لیے مسجد میں جانا پڑتا ہے خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلانا پڑتا ہے اور اپنی بہت سی ناجائز مگر بظاہر دلچسپ خوشیوں کا ایثار کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح پاکیزہ زندگی گزارنے پر اس کو آخرت کی غیر فانی دولت اور ابدی سعادت میسر آتی ہے۔

انسان کو دنیا میں ان اعمال صالحہ کی خاطر جن چیزوں کو قربان کرنا پڑتا ہے ان میں پہلی چیز تو خود اس کی زندگی ہے پھر انسانی زندگی کی وہ چار قسمیں ہیں جن کا نام کھانا' پینا' پہننا اور رہنا ہے' اس لیے آخرت میں ان قربانیوں کی جزا میں ان ہی کے مناسب و مماثل جو چیزیں ملیں گی وہ غیر فانی زندگی' الوان طعام' اقسام شراب و شربت' انواع لباس اور بہترین مسکن ہیں' قرآن پاک میں ہے۔

﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَ اٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی﴾ (نازعات : ۲)

''پس جس نے خدا سے سرکشی کی اور دنیاوی زندگی (کے ناجائز لطف و آرام) کو ترجیح دی تو دوزخ اس کا ٹھکانا ہے لیکن جو خدا کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو ناجائز خواہشوں سے روکا تو اس کا ٹھکانا بہشت ہے۔''

گو اس کی جزئی نیکیوں کی جزا تو وقتاً فوقتاً اس دنیا میں تھوڑی تھوڑی کر کے شہرت' تعریف' ہر دلعزیزی اور دولت کی صورت میں ملتی رہتی ہے' مگر پوری زندگی کی مجموعی جزا دوسری زندگی میں ہی اس کو ملے گی۔

﴿وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ (ال عمران : ۱۹)

''اور تمہاری مزدوری قیامت کے دن پوری ادا کی جائے گی۔''

لطف و مسرت کا تصور:

مسرت ایک نفسی کیفیت کا نام ہے جو انسان کو اپنی کسی خواہش کے پورے ہوتے وقت حاصل ہوتی ہے اس بنا پر مسرت کے وجود کے لیے کسی خواہش کی تکمیل ضروری ہے' اب انسانی خواہشوں کی تحلیل کرو' تو بالآخر ان کی انتہا ان ہی باتوں پر ہوگی جن کی طلب اس کی فطرت کے اندر ودیعت کر دی گئی ہے' اب غور کرو کہ وہ کیا چیزیں ہیں' یا کیا چیزیں اس کے فہم میں آسکتی ہیں' وہ یہی ہیں' باغ و بہار' لباس و طعام' حور و قصور' خدم و حشم' سامان و اسباب اور زر و جواہر' مسرت اور راحت کا جب کبھی تخیل آئے گا' اور جب کبھی ہم ان کو سمجھنا چاہیں گے اور کہنا چاہیں گے تو ہم کو ان ہی چیزوں کا نقشہ کھینچنا پڑے گا' اور ہماری انسانی فطرت ان ہی مسرتوں اور خوشیوں کو ڈھونڈنے کی عادی ہے' اور ان ہی کے حصول کی خاطر دنیا میں ہر طرح کی سیہ کاری اور گنہگاری کی مرتکب ہوتی ہے' اس لیے ان سے احتراز کرنے پر جو چیزیں ہم کو وہاں ملیں گی وہ ہمارے ان ہی عادی و مانوس اسباب مسرت کی صورتوں میں ہمارے سامنے پیش ہوں گی' اور ہم ان سے لطف اندوز ہوں گے۔

Marfat.com

لطف و مسرت کا اعلیٰ ترین تخیل:

اس دنیائے کون و فساد میں ہم ایک عجیب قسم کی مصیبت میں مبتلا ہیں، ہم کو تخیل کے لحاظ سے اپنی آرزوؤں اور خواہشوں کی وسیع اور غیر محدود دنیا بخشی گئی ہے لیکن اپنی اپنی خواہشوں اور تمناؤں کے مطابق اپنی دنیا بنا لینے پر قدرت نہیں، نتیجہ یہ ہے کہ اگر ہم نے صبر و شکر کا دامن نہیں پکڑا ہے تو ہم سے زیادہ اس دنیا میں تصور و تخیل کی تکلیف میں کوئی اور گرفتار نہیں، جنت آخرت کی اس دنیا کا نام ہے جو ہمارے اعلیٰ ترین تخیل اور ہماری تمناؤں اور آرزوؤں کے مطابق ہوگی۔

﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (نحل : ۴)

''رہنے کے باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں، ان کے لیے ان باغوں میں وہ ہے جو وہ چاہیں، اللہ اسی طرح پرہیز گاروں کو بدلہ دے گا۔''

﴿وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ﴾ (حم السجدة : ۴)

''اور تمہارے لیے جنت میں وہ ہے جو تمہارے دل چاہیں، اور تمہارے لیے اس میں وہ ہے جو تم مانگو۔''

﴿لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَ لَدَيْنَا مَزِيْدٌ﴾ (ق : ۳)

''ان کے لیے جنت میں وہ ہے جو وہ چاہیں، اور ہمارے پاس اس سے بھی بڑھ کر ہے۔''

﴿وَ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْيُنُ﴾ (زخرف : ۷)

''اور جنت میں وہ ہے جس کی دل خواہش کریں، اور جو آنکھوں کو لذت دے۔''

﴿لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا﴾ (فرقان : ۲)

''ان کے لیے جنت میں وہ ہے جو وہ چاہا کریں گے، یہ ہمیشہ وعدہ ہے تیرے رب کے ذمہ۔''

﴿لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ (زمر : ۴)

''ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس وہ ہے جو وہ چاہیں گے۔''

الغرض جنت وہ مقام ہے، جہاں ہم کو وہ کچھ ملے گا، جہاں تک ہمارا مرغ خیال اڑ کر پہنچ سکتا ہے، لطف و مسرت کا وہ بلند سے بلند معیار جو تصور میں آ سکتا ہے، وہاں ہمارے لیے مہیا ہوگا، صحابہؓ ہر قسم کے لوگ تھے، جنت کے سامان مسرت کے متعلق وہ اپنی اپنی پسند اور آرزو کے مطابق آپؐ سے پوچھتے رہتے تھے، اور آپؐ جواب دیتے تھے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں جو سب سے کم رتبہ ہوگا اس کی کیفیت بھی یہ ہوگی کہ خدا تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تو اپنی انتہائی آرزو دل میں خیال کر، وہ کرے گا تو خدا فرمائے گا کہ تجھ کو وہ سب کچھ دیا گیا۔ جس کی تو نے آرزو کی تھی، اور اس کے برابر اور یہاں تک [1] کہ بازار کا شوق ہوگا تو بازار بھی لگے گا، لیکن وہ حقیقی خرید و فروخت نہ ہوگی کہ وہاں کمی کس چیز کی ہوگی، بلکہ وہ مثالی صورتوں میں ہوگی، الا الصور من الرجال۔ [2]

(۱) صحیح مسلم۔
(۲) ترمذی دیکھو مشکوۃ صفۃ الجنۃ۔

Marfat.com

کسی کو جنت میں کھیتی کا شوق ہو گا تو دانہ' سبزہ' غلہ اور پھر تیاری یہ سب کام منٹوں میں انجام پا جائے گا' ایک بدوی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ وہاں گھوڑے بھی ہوں گے' فرمایا کہ اگر تم کو جنت ملی تو اگر تم یہ بھی چاہو گے کہ سرخ یاقوت کا گھوڑا ہو جو تم کو جہاں چاہو بہشت میں لیے پھرے تو وہ بھی ہو گا'' (۱) دوسرے نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اونٹ بھی ہو گا۔ فرمایا اگر تم جنت میں گئے اور تمہارے لیے وہ سب کچھ ہو گا۔ جو تمہارا دل چاہے گا' اور تمہاری آنکھیں پسند کریں گی۔ (۲)

جنت میں اہل جنت کے مختلف رتبے ہوں گے اس لیے اعلیٰ کے لباس و سامان کو دیکھ کر ادنیٰ کو اپنی کمی کا خیال ہو گا تو اس کے تصور میں یہ پیدا کر دیا جائے گا حتی یتخیل الیہ۔ کہ خود اس کا لباس سامان اس سے بہتر ہے اور یہ اس لیے ہو گا کہ جنت میں کسی کو غم ہونا ممکن نہیں۔ (۳)

جنت جہاں کوئی جسمانی وروحانی آزار نہیں:

کسی صاحب دل نے جنت کی یہ تعریف خوب کی ہے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد

دنیا میں کوئی بڑی سے بڑی مسرور زندگی بھی ایسی نہیں مل سکتی جس کے پہلو میں مسرت کے پھول کے ساتھ غم کا کوئی کانٹا نہ چبھ رہا ہو' یا تو موجودہ مسرت کے آئندہ ختم ہو جانے کا خوف ہے اور یا گزشتہ ناکامی کا افسوس ہے اس بناء پر یہاں کی کوئی خوشی بھی کامل نہیں مگر جنت وہ مقام ہو گا' جہاں نہ ماضی وحال کا غم ہو گا اور نہ مستقبل کا خوف ہو گا چنانچہ اہل جنت کے متعلق بار بار ارشاد ہوا۔

﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ''نہ ان کو خوف ہو گا اور نہ غمگین ہوں گے۔''

اور یہی بہشت کی سب سے بڑی نعمت ہو گی اس میں جسمانی وروحانی ہر قسم کی نعمتیں داخل ہیں۔

دنیا میں کوئی انسان اس وقت تک کوئی لقمہ گلے سے نہیں اتار سکتا اور نہ کوئی چیتھڑا بدن پر رکھ سکتا ہے جب تک اس کے سر کا پسینہ پاؤں تک نہ آئے' دنیا کی تمام فانی مسرتیں ہماری فانی کوششوں کا فانی نتیجہ ہیں' مگر جنت کی خوشیاں بے غم وتکلیف ہماری گزشتہ فانی نیکیوں کا غیر فانی نتیجہ ہیں' اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا رحم وکرم ہے کہ وہاں ہم کو ہماری آسائش کا تمام سامان کسی قسم کی ادنیٰ زحمت ومشقت اٹھائے بغیر میسر آئے گا جس کے بغیر دنیا میں کوئی انسان زندہ ہی نہیں رہ سکتا' اور جس کی کشمکش سے یہ دنیا ہر انسان کے لیے دوزخ بنی ہے' چنانچہ اہل جنت جنت میں داخل ہو کر اور شاہانہ تزک واحتشام اور لباس وزیور سے آراستہ ہو کر خدا کی حمد وتعریف کا ترانہ ان لفظوں میں گائیں گے۔

﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا وَ لِبَاسُهُمْ ''رہنے کے باغ جن میں وہ داخل ہوں گے ان میں وہ سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے' اور ان کی

(۱) صحیح بخاری۔

(۲) ترمذی۔

(۳) ترمذی' یہ کل حدیثیں مشکوٰۃ صفۃ الجنۃ سے لی گئی ہیں۔

Marfat.com

﴿فِيهَا حَرِيرٌ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورُ نِ الَّذِيٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَّ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ﴾ (فاطر: ۴)

پوشاک ان میں ریشم ہوگی اور وہ کہیں گے پاک ہے وہ جس نے ہم سے غم دور کر دیا' بے شک ہمارا پروردگار گناہوں کا معاف کرنے والا ہے' اور نیکیوں کی قدر کرنے والا ہے' وہ جس نے ہم کو اپنی مہربانی سے رہنے کے گھر میں اتارا اور ہم کو وہاں نہ مشقت پہنچی اور نہ اس میں ہم کو تھکنا ہے۔''

﴿لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ﴾ (حجر: ۴)

''ان میں ان کو کوئی آزار نہ ہوگا' اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔''

جنت جہاں رشک وحسد نہیں:

موجودہ دنیا خیر وشر کے متضاد عناصر سے بنی ہے' یہاں ثواب کے ساتھ گناہ رحم کے ساتھ سنگ دلی' محبت کے ساتھ کینہ ہے' یہ گناہ و کینہ اور بغض وحسد' وہ آگ ہے جس نے یہاں کے قلبی امن وامان کے خرمن میں آگ لگا رکھی ہے' ہر شخص یہاں دوسروں کی اچھی حالت کو دیکھ کر جلتا ہے اور دوسروں پر غصہ کے جوش وخروش سے ابلتا ہے' جنت وہ عالم ہے جہاں اس آگ اور سیلاب کا وجود نہ ہوگا' ہر قسم کے گناہ سنگ دلی عداوت اور بغض وحسد کا خاتمہ ہوگا' اور خالص محبت والفت کے دریا موجزن ہوں گے فرمایا۔

﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا﴾ (مریم: ۴)

''اس میں امن وسلامتی کے سوا کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے۔''

﴿وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ﴾ (اعراف: ۵)

''اور ہم نے ان کے سینوں سے کینہ کو کھینچ لیا' ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔''

﴿وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ﴾ (حجر: ۴)

''اور ہم نے ان کے سینوں سے کینہ کو کھینچ لیا' بھائی بھائی بن کر تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔''

اس کی تفسیر میں حدیث صحیح میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ''وہاں نہ دلوں کا اختلاف ہوگا' نہ باہم بغض اور کینہ سب کے دل ایک دل کی طرح متحد ہوں گے۔

وہاں کی جسمانی زندگی کیسی ہوگی:

بہشت میں زندگی کی جو لذتیں ہوں گی' ان کی تعبیر الوان نعمت اور انواع شربت وشراب اور دوسرے مادی لذائذ سے ہوسکتی ہے مگر وہ حظ ومسرت اور اطمینان وسکینت کے علاوہ کسی معنی میں بھی مادی خصوصیات سے آلودہ نہ ہوں گی' یہاں ہر کھانے پینے کے ساتھ بول وبراز' پسینہ اور سوء ہضم کی علت لگی ہوئی ہے' اور بغیر اس کے انسان یہاں زندہ نہیں رہ سکتا مگر وہاں کچھ نہ ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت کھائیں گے اور پئیں گے' لیکن نہ تھوکیں گے نہ وہاں بول وبراز کی حاجت ہوگی' نہ وہاں ناک سے رطوبت نکلے گی' نہ بلغم اور کھکھار جیسی گھنونی چیزیں ہوں گی'

Marfat.com

کھانا ایک ڈکار میں ہضم ہو گا' وہاں کے پسینہ میں مشک کی خوشبو ہو گی' جو بہشت میں داخل ہو گا' اس کو وہ نعمت ملے گی کہ پھر کبھی تکلیف نہ ہو گی' نہ ان کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے' اور نہ ان کی جوانی زائل ہو گی' وہاں منادی غیب یہ پکار کر کہہ دے گا' یہاں وہ تندرستی ہے کہ بیمار نہ پڑو گے' وہ زندگی ہے کہ پھر موت نہ آئے گی' وہ جوانی ہے کہ پھر بوڑھے نہ ہو گے' اور وہ آرام ہے کہ پھر تکلیف نہ پاؤ گے لوگوں کے چہرے اپنے اپنے اعمال کے مطابق چمکیں گے' کوئی ستارہ کی طرح کوئی چودھویں کے چاند کی طرح۔ (1)

غور کرو کہ وہ جسمانی زندگی ہماری موجودہ جسمانی زندگی سے کتنی مختلف ہو گی' اس پر تعجب نہ کرنا چاہیے انسان کبھی شکم مادر میں ایک بچہ کی صورت میں زندہ تھا' مگر وہاں اس کی زندگی' اس کی غذا' اس کے فضلۂ غذا' اس کی سانس اور دوسرے لوازم حیات بیرون شکم کے دنیاوی اصول حیات وقوانین زندگی سے بالکل مختلف تھے اور جس طرح شکم مادر میں بچہ کا' اس بیرونی زندگی کے حکایات کو تعجب کے ساتھ سن کر آمادۂ انکار ہونا دانش مندی نہ ہو گا' ایسے ہی اس مادی زندگی کے خوگر' اور اس عالم آب وگل کے باشندے اس دوسری زندگی کے اصول حیات طرز غذا اور دوسرے لوازم حیات کو سن کر آمادۂ انکار ہوں تو ان کا یہ فعل بھی دانش مندی کے خلاف ہو گا۔

جنت ارتقائے روحانی ہے:

مادی وجسمانی خلقت وفطرت کی لاکھوں برس کی تاریخ کے مطالعہ اور تحقیق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ مادہ نے لاکھوں برس کے تغیرات کے بعد اس انسانی جسمانیت تک ترقی کی ہے' وہ پہلے جماد بنا' پھر نبات کی شکل میں آیا پھر حیوان کا قالب اختیار کیا' پھر جسم انسانی کی صورت میں نمودار ہوا۔ اور یہ مادیت کی معراج ترقی ہے' جمادیت مٹ کر نباتیت پیدا ہوئی' اور نباتیت فنا ہو کر حیوانیت نمودار ہوئی۔ پھر حیوانیت معدوم ہو کر انسانیت ظہور پذیر ہوئی اور ارتقائے انسانی کا جسمانی پہلو تکمیل کو پہنچ گیا' لیکن انسانیت کا دوسرا رخ جو روحانیت سے عبارت ہے' ہنوز اپنے آغاز طفولیت میں ہے کیا اس پر بھی اسی ارتقائی دور کے مدارج نہیں آئیں گے' ایک مادہ پرست صرف بام ارتقاء تک زینہ بزینہ چڑھ کر ٹھہر جاتا ہے لیکن مذہب اس سے بھی آگے لے چلتا ہے' اور یہاں سے وہ اڑ کر سقف آسمان تک پہنچتا ہے' اور ملکوتیت کی سرحد کی ترقی شروع کرتا ہے قرآن پاک کی ان آیتوں پر غور کرنے سے اس نظریہ کے اشارات نکلتے ہیں۔

﴿الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ

''جو فردوس کی وراثت پائیں گے' اور وہ اس میں سدا رہیں گے' اور ہم (خدا) نے انسان کو مٹی کی کشید سے بنایا پھر اس کو (رحم انسانی کے) ایک ٹھہراؤ کی جگہ میں ایک بوند بنایا' پھر اس بوند کو بندھا ہوا خون بنایا' پھر اس خون کو لوتھڑا بنایا' پھر اس لوتھڑے کو ہڈیاں بنایا' پھر ہڈیوں کو گوشت پہنایا' پھر ان کو ایک نئی صورت میں اٹھا کر کھڑا کیا' تو برکت والا

(1) یہ ساری حدیثیں صحیح مسلم صفۃ الجنۃ میں ہیں۔

Marfat.com

﴿الْخَالِقِیْنَ﴾ (مؤمنون : ۱) ہے سب سے بہتر بنانے والا (خدا)۔''

لیکن یہ ترقی یہیں تک پہنچ کر رک نہیں جائے گی۔ بلکہ آگے بھی ہوگی' اس لیے جس طرح ماں کے پیٹ کی تنگ وتاریک دنیا میں زیست وحیات کے کچھ قواعد تھے' پھر عالم کی اس سے بھی وسیع تر دنیا میں اس نے قدم رکھا' جہاں ترقی وحیات کے دوسرے ہی اصول ہیں اسی طرح اس دنیائے مادی سے نکل کر اس وسیع تر دنیا میں قدم رکھے گا' جہاں ترقی اور سعادت کے اور دوسرے اصول ہوں گے' چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا۔

﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ﴾ (مؤمنون : ۱) ''پھر بے شک تم اس کے بعد مرنے والے ہو اور پھر قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔''

جس طرح انسانیت سے پہلے لاکھوں برس میں ایک نوع کی کیفیت مٹ کر دوسری نوع کی کیفیت پیدا ہوتے ہوتے انسانیت تک نوبت پہنچی' موت کے معنی یہ ہیں کہ اب نوع انسانی کی تمام کیفیتیں مٹ کر ایک بلند تر نوع کی کیفیتوں کی تیاری شروع ہوئی' صدہا' ہزار ہا سال کے بعد قیامت سے دوسری نوع ملکوتی کا ظہور ہوگا۔

یہاں مسئلہ ارتقاء کا دوسرا اصول سامنے آتا ہے جس کو ''بقائے اصلح'' کہتے ہیں کہ ان مدارج ترقی کے اثنا میں ہزاروں وہ نوعیں فنا ہوتی رہتی ہیں' جن میں آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی' اور وہی باقی رہ جاتی ہیں جن میں آئندہ بقا کی پوری استعداد ہوتی ہے' جس طرح پچھلی استعداد سے آئندہ کی استعداد پیدا ہوتی ہے' اسی طرح اس دوسری ملکوتی نوع کی استعداد ان ہی کو ملتی ہے جن کے اندر اپنی پچھلی مادی وجسمانی زندگی میں اس کی استعداد پیدا ہو چکی تھی' دوزخ کے درجے ان لوگوں کے مقامات ہیں جو گویا ہنوز' جمادی ونباتی وحیوانی منزلوں میں ہیں اور ممکن ہے کہ وہ اس دارالامتحان میں اپنی کمی استعداد کے بقدر رہ کر آگے کی استعداد پیدا کر لیں' اور ملکوتیت کی ترقی حاصل کر سکیں۔

بہشت کے مختلف مدارج ان کی استعدادوں کے مقامات ہیں جو اپنی پہلی ہی زندگی میں اس ترقی کی استعداد پیدا کر چکے تھے لیکن یہاں پہنچ کر بھی ان کی روحانی ترقی کا دروازہ بند نہ ہوگا' بلکہ وہ بقدر استعداد تکمیل کے مدارج طے کرتے چلے جائیں گے' شاید اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ (تین: ۱) ''ان (بہشتیوں) کے لیے نہ ختم ہونے والی مزدوری ہے۔''

ایک دوسری آیت میں ہے کہ نشاۃ ثانیہ میں اہل ایمان کے آگے پیچھے' داہنے بائیں نور ہوگا' پھر بھی دعا کریں گے۔

﴿نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ''ان کا نور ان کے سامنے اور داہنے دوڑے گا اور وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو معاف کر تو ہر بات کر سکتا ہے۔''

مومنوں کے لبوں پر اللہ کے بخشے ہوئے نور کی مزید تکمیل اور اتمام کی دعا ادھر اشارہ کر رہی ہے کہ ان کے مدارج میں ترقی ہوتی رہے' جس کا اقتضا خدا کی ربوبیت کا منشا ہے۔

امن وسلامتی کا گھر:

انسان امن وسلامتی کا بھوکا ہے لیکن وہ اس امن وسلامتی کو اسباب راحت کے انبار میں تلاش کرتا ہے' اور نہیں

Marfat.com

پاتا' وہ دنیا میں امن کا گوشہ ڈھونڈتا ہے' اور وہ اس کو نہیں ملتا' لیکن یہاں آ کر اس کو نہ صرف امن کا گوشہ بلکہ امن و سلامتی کی ایک دنیا ملے گی وہ پرند جو عمر بھر چار عناصر کے قفس میں گرفتار رہا' یہاں وہ سدرۃ المنتہیٰ کی ہر شاخ پر آزادانہ پرواز کرے گا' جنت کے جہاں وحی محمدی نے اور بہت سے نام بتائے ہیں' وہاں اس کا ایک نام دارالسلام بھی بتایا ہے جس کے معنی امن وسلامتی کے گھر کے ہیں۔

اہل جنت کی نسبت ارشاد ہے۔

﴿لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ (انعام: ۱۵) ''ان کیلئے ان کے پروردگار کے پاس سلامتی کا گھر ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے جس شریعت کو دے کر اپنے پیغمبر علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ہے وہ حقیقت میں اسی امن وسلامتی کی نوید و بشارت ہے اسی لیے فرمایا۔

﴿وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ﴾ (یونس: ۳۰) ''اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔''

آنحضرت ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو سب سے پہلے اس امن وسلامتی کے گھر کی دعوت پیش فرمائی' عبداللہ بن سلامؓ ایک یہودی عالم تھے' آنحضرت ﷺ کی جس صدائے نبوت نے سب سے پہلے ان کے دل میں گھر کیا' وہ یہ تھی لوگو! سلامتی پھیلاؤ' بھوکوں کو کھلاؤ' جب دنیا غفلت کی نیند سوئے تو تم اٹھ کر خدا کی عبادت کرو' امن وسلامتی کے گھر میں رہنا تم کو نصیب ہوگا۔

جنت کے ذکر میں امن وسلامتی کا تذکرہ قرآن پاک میں بار بار آیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے در و دیوار سے امن وسلامتی کے ترانے سنائی دیں گے۔

﴿وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ (رعد: ۳) ''اور فرشتے ہر دروازہ سے ان کے سامنے یہ کہتے ہوئے آئیں گے کہ تم پر سلامتی ہو کہ تم نے صبر کیا تھا' تو کیسا اچھا پچھلا گھر ہے۔''

وہاں امن وسلامتی کے سوا کچھ اور سنائی نہ دے گا۔

﴿اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا﴾ (واقعہ: ۱) ''لیکن سلامتی سلامتی کی پکار۔''

فرشتے اہل جنت کو یوں کہیں گے۔

﴿اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ﴾ (ق: ۳) ''اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو یہ زندگی جاوید کا دن ہے۔''

﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا﴾ (مریم: ۴) ''اس میں سلامتی کے سوا کوئی اور بیہودہ بات نہ سنیں گے۔''

جنت کا ایک اور نام قرآن میں ''مقام امین'' امن والا مقام بتایا گیا ہے' فرمایا۔

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ﴾ (دخان: ۳) ''بے شک پرہیز گار لوگ امن والے مقام میں ہوں گے۔''

Marfat.com

مقام رحمت:

خدا کی رحمت کب نہیں؟ اور کہاں نہیں؟ مگر دنیا کے فطری قوانین کے بموجب اس دنیا میں ایسے واقعات اور حادثے بھی پیش آ جاتے ہیں' جن کو ہم رحمت کے بجائے قہر الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں' پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ خود ہم کو ہمارے اعمال کی بدولت خداوند تعالیٰ کے قہر وغضب میں مبتلا ہونا پڑتا ہے' لیکن ایک عالم وہ ہے جہاں اس کی رحمت کے سوا اس کے قہر وغضب کا نام ونشان نہ ہوگا' وہاں ہر طرف اس کی رحمت اور فیض وکرم کی بارش ہوگی اور اس کی رحمت کے سوا وہاں کوئی اور منظر کبھی دکھائی نہ دے گا۔

﴿يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ﴾ (توبہ : ۳) ''ان کا پروردگار ان کو اپنی رحمت خوش نودی اور ان باغوں کی خوش خبری دیتا ہے جن میں ان کے لیے ہمیشہ کا آرام ہے۔''

اہل جنت کو جن کے چہرے خوشی سے دمکتے ہوں گے یہ آواز سنائی دے گی۔

﴿وَ اَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (آل عمران : ۱۱) ''لیکن جن کے چہرے روشن ہوئے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اس میں وہ سدا رہیں گے۔''

مقام نور:

جنت کا نور وہ مقام ہے جہاں ظلمت وتاریکی کا نام ونشان نہ ہوگا' جنتیوں کے چہرے روشن ہوں گے کوئی ستاروں کی طرح چمکے گا' اور کوئی چاند کی طرح ہر طرف ان پر انوار کی بارش ہوگی' آگے پیچھے دائیں بائیں ہر سمت سے نور درخشاں ہوگا' فرمایا۔

﴿نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ﴾ تحریم : ۲) ''ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے داہنے دوڑے گا۔''

اس دن اہل ایمان کے نور ایمان کی بجلیاں ہر طرف کوندیں گی۔

﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (حدید : ۲) ''جس دن تو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھے گا کہ ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے داہنے چمکے گا' آج تم کو خوش خبری ہو وہ باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' ان میں ہمیشہ رہا کرو گے' یہی بڑی کامیابی ہے۔''

اس دن اہل نفاق اہل ایمان سے آرزو کریں گے کہ ذرا ٹھہر جایئے کہ ہمارے ظلمت کدہ میں بھی ایک دم کے لیے روشنی ہو جائے۔

﴿يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ﴾ (حدید : ۲) ''جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں اہل ایمان سے کہیں گے کہ ذرا ٹھہرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی لیں۔''

Marfat.com

مقام رضوان:

جنت کے انعامات کی فہرست میں سب سے آخری چیز مقام رضوان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے راضی اور خوش ہونا کہ اس کے بعد نہ کبھی وہ اپنے اس بندہ پر عتاب فرمائے گا نہ اس سے ناراض ہوگا بلکہ اس کو اپنی رضامندی اور خوش نودی کی لازوال دولت عطا فرمائے گا متقیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں رکھی ہیں ان میں جنت نہریں پاک بیویاں اور ان سب کے بعد روح کی مسرت رکھی ہے لیکن ان سب کے بعد بھی اپنی سب سے آخری نعمت اپنی اسی رضامندی کو ظاہر فرماتا ہے چنانچہ سورۂ توبہ میں رحمت اور رضوان کے بعد جنت کے ذکر کو جگہ دی گئی ہے۔

﴿يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ﴾ (توبہ : ۳)

''ان کا پروردگار ان کو اپنی رحمت اور خوش نودی (رضوان) کی خوش خبری دیتا ہے اور ان باغوں کی جن میں نعمت الٰہی قائم رہے گی۔''

سورۂ حدید میں بھی اسی طرح مغفرت اور رضائے الٰہی کے بعد بطور تکملہ کے جنت کا ذکر آتا ہے۔ فرمایا۔

﴿وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ (حدید : ۳)

''اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور خدا کی بخشش اور رضامندی بھی ہے اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا پھیلاؤ آسمان اور زمین کے پھیلاؤ کے برابر ہے یہ ان کے لیے بنائی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر یقین رکھتے ہیں یہ اللہ کی مہربانی ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑی مہربانی والا ہے۔''

سورۂ آل عمران میں جنت کی تمام نعمتوں کو گنا کر ان کا خاتمہ رضوان کی عظیم الشان بشارت پر کیا گیا ہے فرمایا۔

﴿لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (آل عمران : ۲)

''جنہوں نے پرہیزگاری کی ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں وہ سدا رہیں گے اور پاک بیویاں اور اللہ کی خوش نودی۔''

سورۂ توبہ میں جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت رضوان الٰہی کو قرار دیا ہے۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (توبہ: ۹)

''اللہ نے باایمان مردوں اور عورتوں سے ان باغوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں سدا رہیں گے اور رہنے کے ستھرے گھر اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی ہے وہی بڑی کامیابی ہے۔''

بہشت کی مطمئن روحوں کو یہ نوید مسرت سنائی جاتی ہے۔

Marfat.com

﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً﴾ (فجر : ۱)

''اے اطمینان والی روح! تو اپنے رب کے پاس اسی طرح واپس جا کہ تو اس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی ہو۔''

اہل جنت کی یہ صفت آئی ہے۔

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ (مائدہ:۱۶) ''خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش۔''

ان ہی آیتوں کی تفسیر میں آنحضرت ﷺ نے یہ بشارت سنائی ہے کہ ''خداوند تعالیٰ اہل جنت کو آواز دے گا کہ اے جنت والو! وہ جواب دیں گے کہ اے خداوند! ہم حاضر ہیں سب بھلائیاں تیرے پاس ہیں' فرمائے گا (جنت کی نعمتیں پا کر) اب تم خوش ہوئے' عرض کریں گے' پروردگار کیوں خوش نہ ہوں کہ تو نے ہم کو وہ کچھ دیا جو کسی کو نہیں دیا' فرمائے گا کہ میں ان تمام گزشتہ نعمتوں سے بڑھ کر جو چیز ہے وہ تم کو نہ دوں؟ کہیں گے اے پروردگار! ان سے بہتر کیا ہے فرمائے گا یہ کہ اپنی رضامندی وخوشی تم پر اتاروں پھر اس کے بعد میں کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔ (۱)

مقام طیب وطاہر:

موجودہ دنیا کی ہر چیز آلودگیوں اور نجاستوں سے بھری ہے لیکن بہشت وہ مقام ہے جو پاکی' ستھرائی' لطافت اور طہارت کا مظہر ہے' اس میں وہی داخل ہوں گے جو گناہوں سے پاک ہو چکے ہوں فرمایا۔

﴿طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خَالِدِيْنَ﴾ (زمر : ۸) ''تم پاک ہو چکے تو جنت میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔''

جو زندگی وہاں ملے گی' وہ بھی پاک وصاف اور ستھری اور ہر جسمانی وروحانی آلائش سے بری ہوگی' فرمایا۔

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (نحل : ۱۳)

''مرد ہو یا عورت جس نے مومن بن کر اچھے کام کیے ہم اس کو ایک پاک زندگی دے کر جلائیں گے اور ان کو ہم ان کے سب سے بہتر عمل کے مطابق بدلہ دیں گے۔''

جو گھر وہاں ملیں گے وہ بھی پاک وصاف اور ستھرے ہوں گے ﴿و مسٰکن طیبة﴾ (صف: ۲) ''اور پاک گھر۔'' جو بیویاں ملیں گی وہ بھی پاک ہوں گی۔

﴿وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ (آل عمران: ۲) ''اور پاک بیویاں۔''

وہاں کی جو باتیں ہوں گی وہ بھی پاک ہوں گی۔

﴿وَ هُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ (حج : ۳) ''اور اہل جنت کو پاکیزہ گفتگو کی طرف رہنمائی کی جائے گی۔''

ان کے پینے کی جو چیز ملے گی وہ بھی پاک ہوگی۔

﴿شَرَابًا طَهُوْرًا﴾ (دھر: ۱) ''پینے کی پاک چیز۔''

---

(۱) صحیح بخاری ومسلم صفۃ الجنۃ۔

Marfat.com

غرض کہ ہر چیز وہاں پاک صاف طیب وطاہر اور تمام روحانی وجسمانی آلودگیوں سے مبرا ہوگی۔

مقام تسبیح وتہلیل:

اس آرام ولطف کے بعد اہل جنت کی روحانی وجسمانی لذت اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تسبیح وتہلیل ہوگی یہ ان کی روحانی غذا ہوگی وہ عالم جہاں ہر طرف انوار الٰہی برسیں گے جہاں صفائی اور ستھرائی کے سوا کوئی اور منظر نہ ہوگا جہاں قدس ونزاہت کی ہر طرف صورتیں نظر آئیں گی وہاں حمد وثنا کے روح افزا ترانے بھی ہر طرف سے بلند ہوں گے۔

﴿دَعْوٰهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ وَ اٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (یونس : ۱)

''جنت میں ان کی ندا یہ ہوگی کہ اے میرے اللہ! تیری پاکی اور ان کی آپس کی دعا سلامتی ہوگی اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ دنیا کے پروردگار اللہ (تعالیٰ) کی حمد ہو۔''

جنت کی تمام شاہانہ نعمتوں کے بعد بڑی نعمت یہ ہوگی کہ خدا کی تسبیح وتہلیل کی نئی نئی پرلطف راہیں وہاں پر کھلیں گی فرمایا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَ لُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ وَ هُدُوْا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَ هُدُوْا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ﴾ (حج : ۳)

''بے شک اللہ ان کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں ان میں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کی پوشاک ان میں ریشم کی ہوگی اور وہ راہ دکھائے جائیں اچھی بات کی اور وہ دکھائے جائیں گے اس سراپا حمد (ذات) کی راہ۔''

وہ اپنے ہر سرور اور نعمت کے شکریہ میں فرشتوں کے ساتھ مل کر حمد الٰہی کا سرود سرمدی گائیں گے اور یہ وہ وقت ہوگا جب عالم وجود کے ہر گوشہ سے اس کی حمد کا ترانہ بلند ہوگا فرمایا۔

﴿وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ قِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (زمر:۸)

''جنت کے نگہبان ان سے کہیں گے تم پر سلامتی ہو تم پاک ہو چکے تو جنت میں چلے جاؤ اہل جنت کہیں گے اس اللہ کی حمد ہو جس نے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہم کو اس سرزمین کا مالک کیا کہ جنت میں جہاں چاہیں رہیں تو کام کرنے والوں کی کیسی اچھی مزدوری ہے اور دیکھیے گا کہ فرشتے عرش الٰہی کو گھیرے اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح کر رہے ہوں گے اور سب لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ حمد ہو سارے عالم کے پروردگار کی۔''

اہل جنت کے متعلق قرآن پاک میں ایک جگہ ہے۔

﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا وَ لَهُمْ

''وہ نہ سنیں گے وہاں بیکار بات مگر سلام اور ان کی

Marfat.com

﴿رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا﴾ (مریم : ۴) روزی اس میں صبح اور شام ہوگی۔"

اس صبح و شام کی روزی سے مقصود کیا جنت کے کھانے کے الوان نعمت ہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو صبح و شام کی تخصیص کیا تھی وہ تو ہر وقت سامنے ہوں گے میرا گمان یہ ہے کہ وہ اس روزی سے خدا کی تسبیح و تہلیل کی روحانی روزی اور ربانی غذا مراد ہے اور حدیث کے ان لفظوں کو اسی کی تفسیر جانتا ہوں صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے جنت کی نعمتوں کے سلسلہ فرمایا۔

﴿يُسَبِّحُونَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا﴾ (صفة الجنة) "وہ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کریں گے۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اہل جنت کو خدا کی تسبیح و تقدیس کا الہام ہوا کرے گا اور شاید قرآن پاک کی اس آیت کے یہی معنی ہوں۔

﴿وَ هُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَ هُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ﴾ (حج : ۳) "اور اچھی بات کی طرف ان کی رہنمائی کی جائے گی اور اس سراپا حمد کا راستہ ان کو بتایا جائے گا۔"

مقام قرب:

اہل جنت کو جو کچھ نصیب ہوگا' ان کے سوا سب سے اعلیٰ مرتبہ' قرب خاص کا مقام ہوگا' بندے اپنے پروردگار کی حضوری کا شرف پائیں گے' قرآن پاک میں جابجا ان کے لیے یہ آتا ہے۔ جزاء هم عند ربهم۔

ان کی جزا ان کے پروردگار کے پاس' یہ قرب خاص کے اشارے ہیں اور ایک جگہ یہ اشارہ اس تصریح سے بدل جاتا ہے۔

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ (قمر : ۳) "بے شک پرہیز گار باغوں میں اور نہروں میں سچائی کی نشست گاہ میں اس بادشاہ کے حضور جس کا سب پر قبضہ ہے۔"

دیدار:

جنت کی سب سے آخری لیکن بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی تجلی کا نظارہ ہے' کون ہے جو اس مطلع انوار کے دیدار کی تاب لا سکے تاہم یا تو یہ آنکھیں کچھ اور ہوں گی' یا وہ نور مطلق کسی خاص شان میں نمایاں ہوگا' اس وقت یہ عالم ہوگا کہ وہ انور کا مرکز بن کر نمودار ہوگا' اور اہل جنت کی مشتاق آنکھیں اس کی طرف اٹھی ہوں گی۔

﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (قیامه : ۱) "کتنے چہرے اس دن تر و تازہ اور اپنے پروردگار کی سمت دیکھ رہے ہوں گے۔"

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت جریر بنؓ عبداللہ صحابی روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم "اپنے پروردگار کو بالمشاہدہ دیکھو گے۔" دوسری روایتوں میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جیسے چاند کو تم دیکھ رہے ہو ایسے ہی

Marfat.com

تم اپنے پروردگار کو دیکھو گے' اس دیدار و رؤیت میں کوئی ایک دوسرے کا مزاحم نہ ہوگا۔[1] اس تمثیل سے رسول اللہ ﷺ کے دو مقصود ہیں ایک تو شدت یقین کا اظہار کہ جس طرح تم اس روشن چاند کو بے شک وشبہ دیکھ رہے ہو اسی طرح بے شک وشبہ اپنے پروردگار کو دیکھو گے' دوسرا مقصد یہ ہے کہ جس طرح لاکھوں کا مجمع بھی ہو تو سب لوگ ایک چاند کو یکساں حیثیت سے باطمینان اس طرح دیکھ سکتے ہیں کہ ایک کا دیکھنا دوسرے کے دیکھنے میں عائق نہیں ہوتا' اسی طرح دیدار الٰہی میں کروڑوں کا ہجوم ہوگا اس میں خدا کے دیدار سے ایک دوسرے کا مانع نہ ہوگا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جس دن جنتی اپنے پروردگار کے حضور میں پیش ہوں گے ان کی زبان پر سلامتی کی دعا ہوگی۔

﴿تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ﴾ (احزاب : ٦) ''ان کی دعا جب وہ اپنے پروردگار سے ملیں گے سلامتی ہوگی۔''

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ سراپا رحمت پروردگار خود اپنے بندہ کو اپنی زبان سے سلامتی کا پیام دے گا۔

﴿سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ﴾ (یسین : ۴) ''رحمت والے پروردگار کی طرف سے پیام سلامتی ہو گا۔''

بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا خداوند تعالیٰ اپنے بندہ سے ترجمان کے بغیر خود کلام فرمائے گا۔[2]

یہ رؤیت کیونکر ہوگی؟ اہل روایت لفظ کے قائل ہیں۔ اہل عقل زیادت ایمان کی تاویل کرتے ہیں' اہل حقیقت اس کو اسماء وصفات کی ناقابل بیان جلوہ انگیزی سے تعبیر کرتے ہیں' لیکن فیصلہ یہ ہے۔

بیا کیں داور یہارا پیش داور اندازیم

ان تعلیمات کا عملی اثر:

اوپر کے صفحوں میں قیامت حشر ونشر اور جنت و دوزخ کے پورے مناظر گزر چکے یہ ایمان بالغیب مذہب کی حقیقت کا اصلی جوہر ہے' اور اسی کے یقین میں مذہب کی اصلی طاقت پوشیدہ ہے معلوم ہو چکا ہے کہ اہل عرب کو ان حقائق کی تسلیم سے کس قدر انکار تھا بلکہ مر کر جی اٹھنا اور اس موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ان کے نزدیک کس قدر مستبعد تھا' قرآن پاک کا بڑا حصہ شرک کے ابطال اور توحید کے اثبات کے بعد اسی حیات بعد الموت کی تلقین اور اس پر ایمان کی دعوت پر مشتمل ہے آنحضرت ﷺ اپنے اکثر خطبوں میں اس کا حال بیان کیا کرتے تھے' اور جمعہ کے خطبوں' میں خصوصیت کے ساتھ سورۂ ق تلاوت فرماتے تھے' جس میں قیامت کے حالات ہیں' مگر دیکھو کہ ۲۳ برس کی مسلسل تعلیم قرآن پاک کی تاثیر اور محمد رسول اللہ ﷺ کے فیض ہدایت سے نہ صرف ان کا انکار اقرار سے بدل گیا' بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ مناظر ان کے دل و دماغ کی لوح میں منقوش ہو گئے تھے۔

یاد ہوگا کہ اسلام کے آغاز میں ایک عرب شاعر نے طنزاً کہا تھا۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ثانی ص ۱۱۰۵۔

(۲) صحیح بخاری ج ثانی باب کلام الرب۔

Marfat.com

اموت ثم بعث ثم حشر   حدیث خرافة یا ام عمرو

کیا مرنا ہے' پھر جینا اور پھر اکٹھا ہونا   اے عمرو کی ماں یہ خرافات باتیں ہیں

لیکن چند ہی سال کے بعد یہ طنز انکار' مزیقین سے بدل گیا' اور اس وقت عرب کا شاعر یہ کہنے لگا۔

''ہم آسمان تک پہنچ گئے' اور خدا سے امید ہے کہ ہم اس سے بھی اونچے ہو جائیں گے۔ (۱)

و انا لنرجو فوق ذٰلک مَظْهَرًا۔   ''اور ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ اس سے بھی بلند مقام میں ظہور کریں۔''

آنحضرت ﷺ استفسار فرماتے ہیں کہ آسمان سے بھی بلند مقام اور کیا ہے؟ عرض کرتا ہے کہ جنت یا رسول اللہ! آپؐ فرماتے ہیں ان شاء اللہ دیکھو کہ جن کی نظریں زمین سے اونچی نہیں جا پاتی تھیں ان کا تخیل آسمان سے بھی اونچا جانے لگا جن کو مر کر پھر جینا دور از عقل معلوم ہوتا تھا' جن کو آخرت کے مواخذہ کا کوئی ڈر نہ تھا جن کو اپنے اعمال کی جواب دہی کی پروا نہ تھی' جو سزا و جزا کے مفہوم سے بیگانہ تھے' جو جنت و دوزخ کے تخیل سے نا آشنا تھے' وہ اس ہولناک منظر سے ڈرنے لگے دوسری زندگی پر ان کو اسی طرح یقین آ گیا جس طرح آج کی زندگی پر تھا' آخرت کے مواخذہ سے وہ بید کی طرح کانپنے لگے' اعمال کی جواب دہی سے ترساں و لرزاں رہنے لگے' سزا و جزا کے خوف سے وہ اپنے ہر عمل کی باز پرس خود کرنے لگے' جنت کا اشتیاق ان کو بڑی سے بڑی قربانی پر آمادہ کر دیتا تھا' دوزخ کا ڈر ان کے دل کے اندر کے ہر تار کو چھیڑا کرتا تھا' ان کی آنکھوں کو اشکبار کرتا تھا' فرائض اور ذمہ داری کو دیانت داری کے ساتھ ادا کرنے پر ہر لحظہ ان کو آمادہ کرتا رہتا تھا' راحت کے خواب اور آرام کے بستر سے ان کو چونکا کر عمل کے میدان میں تنہا لے آتا تھا اور ہر نیک کام اور عمدہ عمل کے لیے ان کو ہمہ تن سرگرم اور سرتاپا مصروف جدوجہد بنا دیتا تھا' تنہائی اور تاریکی میں بھی ان کے دل اور بدن کی برائیوں اور بداعمالیوں سے باز رکھتا تھا' ان کے ضمیر اور دل کے صفحوں کو ہر وقت خدا کی آنکھوں کے سامنے کھلا رکھتا تھا۔

ایک دفعہ کسی حقیقت کے متعلق دو صحابیوں میں جھگڑا تھا' آنحضرت ﷺ نے فریقین کی باتیں سن کر ایک کے حق میں فیصلہ دے دیا' پھر فرمایا میں بھی ایک آدمی ہوں' مدعی اور مدعا علیہ میں سے ممکن ہے کہ کوئی زیادہ اچھا بولنے والا ہو۔ جو اپنے دعویٰ کو خوبی کے ساتھ بیان کرے اور میں اس کے موافق اس کا فیصلہ دوں لیکن درحقیقت وہ چیز اس کی نہ ہو' تو گویا میں اس کے گلے میں آگ کا ایک طوق پہنا رہا ہوں' یہ سن کر فریقین پر یہ اثر ہوا کہ دونوں رونے لگے اور ہر ایک اپنا حصہ دوسرے کو دینے لگا۔ (۲)

حضرت عمرؓ خدا کے مطیع و فرمان بردار تھے رسول کے عاشق اور شیدا تھے' نیکیوں سے مالا مال تھے جنت کی بشارت سے سرفراز تھے' تاہم آخرت کے مواخذہ اور جواب دہی سے اس قدر خوف زدہ تھے کہ ایک دفعہ انہوں نے کہا کہ ''اگر وصال نبوی کے بعد میرے اچھے اور برے اعمال برابر برابر رہیں تو بھی میں خوش ہوں' اگر جنت نہ ملے تو پرواہ نہیں' مگر الٰہی دوزخ نہ ملے'' (۳) وہ نزع کی حالت میں بہت بے چین تھے۔ بعض صحابہ ان کے اچھے اعمال گنا کر

(۱) اصابہ اور استیعاب ذکر نابغہ جعدی۔ (۲) سنن ابی داؤد کتاب الاقضیہ۔

(۳) صحیح بخاری باب الہجرۃ جلد اول ص ۵۵۔

Marfat.com

ان کو تسلی دینے لگے تو جواب میں کہا' خدا کی قسم اگر کل زمین میرے لیے سونا ہو جاتی کہ اس کو دے کر عذاب الٰہی سے بچ سکتا تو میں دے دیتا۔ (۱) ام المومنین حضرت عائشہؓ کہتی تھیں۔ اے کاش میں جنگل کی گھاس ہوتی'(۲) اے کاش میں کچھ نہ ہوتی۔ (۳)

قیامت کے متعلق قرآن پاک کی یہ عجیب مؤثر آیت۔

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ﴾ (حج:۱)

"لوگو! اپنے رب سے ڈرو' قیامت کا بھونچال ایک بڑی چیز ہے جس دن اس کو دیکھو گے' ہر دودھ پلانے والی عورت اپنے دودھ پیتے بچہ کو بھول جائے گی اور پیٹ والی اپنا پیٹ ڈال دے گی اور لوگوں کو نشہ میں دیکھو گے لیکن وہ نشہ میں نہ ہوں گے' بلکہ خدا کا سخت عذاب ہوگا۔"

جب اتری اور آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو سنایا اور اس کی تفسیر کی تو ان کے چہروں کا رنگ بدل گیا (۴) اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ (۵) ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے قبر کا ذکر کیا اور موت کے بعد کا عذاب کا حال بیان کیا تو صحابہ چیخیں مار مار کر رونے لگے' (۶) حضرت ابو ہریرہؓ کو ایک بار قیامت کے ایک منظر کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اثنائے روایت میں وہ تین دفعہ بے ہوش ہو کر گرے' اور جب امیر معاویہؓ کے سامنے یہ آیت دہرائی گئی تو ان پر بھی گریہ طاری ہو گیا۔ (۷)

اس یقین و ایمان کا دوسرا سماں یہ ہے کہ بدر کا میدان جنگ ہے' مشرکین کی ایک ہزار لوہے میں ڈوبی ہوئی فوج کا سیلاب امنڈ آ رہا ہے' ادھر تین سو تیرہ مسلمان صف باندھے کھڑے ہیں کہ آپ صحابہ کی طرف خطاب کر کے فرماتے ہیں "لو اس جنت کا موقع سامنے ہے جس کی وسعت آسمان و زمین کے برابر ہے۔" ایک انصاری حیرت سے پوچھتے ہیں کہ کیا آسمان و زمین کے برابر؟ آپ فرماتے ہیں ہاں' وہ خوشی سے واہ واہ کہہ اٹھتے ہیں آپ دریافت فرماتے ہیں کہ تم نے واہ واہ کیوں کہا' عرض کی' اس امید سے کہ شاید میں بھی اس میں ہوں' فرمایا تم اس میں ہو' یہ سن کر وہ کھجور نکال کر جلدی جلدی کھانے لگا۔ بالآخر جنت کے جانے میں اتنا توقف بھی شاق گزرا' بولے اتنی دیر بھی کیوں کی جائے' یہ کہہ کر کھجوریں پھینک دیں اور تلوار کھینچ کر آگے بڑھے اور شہید ہوئے۔

(۱) صحیح بخاری فضائل حضرت عمرؓ جلد اول ص ۵۲۱۔

(۲) ابن سعد جزء النساء ص ۵۱۔

(۳) صحیح بخاری مناقب عائشہؓ و تفسیر سورۂ نور و مستدرک حاکم ترجمہ عائشہؓ و ابن حنبل مسند عائشہؓ۔

(۴) صحیح بخاری تفسیر سورۂ حج ج ۲ ص ۶۹۳۔

(۵) جامع ترمذی تفسیر سورۂ حج۔

(۶) سنن نسائی کتاب الجنائز باب التعوذ من القبر۔

(۷) جامع ترمذی ابواب الزہد۔

Marfat.com

غزوۂ احد میں بھی اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا' احد کے میدان میں دارو گیر کا شور برپا تھا' لاشوں پر لاشیں گر رہی تھیں کہ ایک صحابی نے آگے بڑھ کر پوچھا یارسول اللہ! اگر خدا کی راہ میں مارا گیا تو کہاں ہوں گا؟ فرمایا جنت میں وہ کھجور کھا رہے تھے' ہاتھ سے کھجوریں پھینک دیں اور لڑ کر جان دے دی' اور قیس ایک صحابی تھے وہ ایک جہاد میں شریک تھے' انہوں نے اسلامی فوج کے سپاہیوں کے سامنے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جنت کے دروازے تلواروں کے سائے کے نیچے ہیں ایک معمولی سا مسلمان پاس کھڑا تھا' اس نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ کیا آپ نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے' انہوں نے کہا ہاں' یہ سن کر وہ اپنے دوستوں کے پاس آیا اور سلام کر کے رخصت ہوا' میان توڑ کر پھینک دی اور تلوار لے کر دشمن کی صف میں جا پڑا اور شہادت حاصل کی۔ (1)

ان حیرت انگیز واقعات میں سے ہر ایک واقعہ پر غور کرو کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم نے منکر اور کافر عربوں کے دل و دماغ اور ذہن و اعتقاد کو کس طرح آن کی آن میں بدل دیا اور دم کے دم میں ان کے عقائد و اخلاق کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

☆☆☆

---

(1) یہ تینوں واقعے صحیح مسلم کتاب الجہاد باب ثبوت الجنۃ الشہید میں ہیں' دوسرا واقعہ سنن نسائی میں بھی ہے کتاب الجہاد باب ثواب من قتل فی سبیل اللہ: ۱۲۔

Marfat.com

قضاء وقدر

﴿اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ (قمر : ۳)

اگرچہ قرآن پاک میں ایمان کے سلسلہ میں اس کا ذکر کہیں نہیں آیا' مگر اس کا اعادہ بار بار قرآن میں اتنی دفعہ ہوا ہے کہ اس کی اہمیت اس کی مقتضی ہے کہ اس کو بھی ایمانیات کے پہلو میں جگہ دی جائے' چنانچہ بعض صحیح حدیثوں میں یہ ایمانیات کی آخری کڑی قرار بھی دی گئی ہے' اور سلسلہ توحید میں اسلام نے اللہ تعالیٰ کی وسعت قدرت اور مشیت مطلقہ کا جو نقشہ کھینچا ہے' اس کا لازمی نتیجہ بھی یہی ہونا چاہیے۔

اس عقیدہ کا ماحصل یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ اب تک ہوا ہے' جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے علم سابق اور فیصلہ ازلی کے مطابق ہوا ہے' ہوتا ہے اور ہوگا جس طرح مہندس اور انجینئر مکان بنانے سے پہلے مکان کی تمام جزئیات پر غور کر کے پہلے ہی سے نقشہ تیار کر لیتے ہیں اور اسی مجوزہ نقشہ کے مطابق معمار اور مزدور اس کی تعمیر کو مکمل کرتے ہیں' اسی طرح مہندس ازل خالق کائنات کی پیدائش سے پہلے اس کے تمام اصول وقواعد اور دوسرے اہم جزئیات طے کر کے ہر چیز کی نسبت فیصلہ کر دیا تھا۔ اب اسی فیصلہ کے مطابق یہ کائنات اور اس کے تمام حوادث و واقعات انجام پا رہے ہیں' موت وحیات فقر وغناء کامیابی وناکامی تکلیف وراحت ہر چیز پہلے سے طے شدہ ہے اور اسی کے مطابق وہ ظہور پذیر ہوتی ہے۔

نفس یہ عقیدہ بھی اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں جو کچھ مخصوص ہے وہ اس کی تکمیلی تعلیم ہے۔

توراۃ میں حضرت آدم و شیطان اور ہابیل وقابیل کے قصوں میں اس عقیدہ کے اشارات پائے جاتے ہیں حضرت یوسف کا خواب اسی حقیقت کی تعبیر ہے مگر ان اشارات سے گزر کر زبور میں اس کی کھلی کھلی تعلیم بھی ملتی ہے زبور ۱۳۸۔۱۴ میں ہے۔

''تیرے کام حیرت افزا ہیں' اس کا میرے جی کو بڑا یقین ہے جب کہ میں پردے میں بنایا جاتا تھا اور زمین کے اسفل میں منقوش ہوتا تھا تو میرے جسم کی صورت تجھ سے چھپی نہ تھی' تیری آنکھوں نے میرے بے ترتیب مادہ کو دیکھا اور تیرے دفتر میں یہ سب چیزیں تحریر کی گئیں' اور ان کے دلوں کا حال بھی کہ کب بنیں گی' جب ہنوز ان میں سے کوئی بھی نہ تھی۔''

اس کے بعد زبور ۱۴۸ کا ترانہ حمد اسی لے میں شروع ہوتا ہے۔

''۔۔۔۔۔۔خداوند کے نام کی ستائش کریں کہ اس (خدا) نے حکم دیا' اور وہ (مخلوقات) موجود ہو گئے

Marfat.com

اس نے ان کو پائنداری بخشی اس نے ایک تقدیر مقرر کی جو ٹل نہیں سکتی۔ (۱)

انجیل میں اس کی تعلیم ''خدا کی مرضی'' کے عنوان سے ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندگی کی آخری شب کی دعا میں فرماتے ہیں۔ میری مرضی نہیں تیری مرضی پوری ہو (متی ۲۶۔۳۹) اور اسی کا ذکر یوحنا (۵۔۳۔۶۔۳۸) اور خطوط (فلپون ۲۔۱۳) میں ہے اور رومیوں کے نویں باب میں اس کی پوری تفصیل ہے مگر خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ و السلام کی تعلیم نے اول یہ کیا کہ اس مسئلہ کی مجمل حقیقت کی توضیح اور اس کی حکمت و مصلحت کی تشریح کی اور پھر یہ کہا کہ گزشتہ مذاہب کی طرح اپنے دفتر کے کسی ایک گوشہ میں بطور ایک حقیقت ثابتہ کے اس کو کہہ کر خاموشی اختیار نہیں کر لی بلکہ بار بار اتنی دفعہ دہرایا کہ سننے والوں کے دلوں میں اس کی عقیدت نے گھر کر لیا اور یہ تلقین یقین کی صورت میں ان کی رگ و ریشہ میں پیوست ہوگئی' اور ایسا اس نے اس لیے کیا کہ صبر و شکر کی اخلاقی تعلیم صرف نظریہ کی صورت میں نہ رہ جائے بلکہ عملی حیثیت سے اس کے پیرؤوں کے اندر استقلال و ثبات کی روح اور دنیا کے مصائب و حوادث میں تسلی و تشفی کی قوت پیدا کرے' اور اس طرح یہ عقیدہ پہلے کی طرح صرف ایک مذہبی تلقین یا فلسفیانہ نظریہ کی حیثیت میں نہ رہے بلکہ ایک مفید عملی تعلیم کی شکل اختیار کر لے۔

وحی محمدی نے اس اصطلاح کے لیے دو لفظ اختیار کیے ہیں' ایک قدر ہے جس کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں اور دوسرا قضا جس کے معنی فیصلہ کرنے کے ہیں۔

﴿اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ (قمر : ۳) ''ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا۔''

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا﴾ (انعام : ۱) ''وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا' پھر ایک وقت کا فیصلہ کیا۔''

یہ دونوں لفظ بجائے خود اس عقیدہ کی اسلامی حقیقت کو پوری طرح واضح کر دیتے ہیں' مقصود یہ ہے کہ کائنات کی پیدائش سے پہلے کائنات کی ہر چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے اندازہ اور تقدیر سے ہر ایک کا فیصلہ فرما دیا ہے اور متعین کر دیا ہے اسی کے مطابق یہ کائنات چل رہی ہے' اس میں خدا کے حکم کے بغیر ایک ذرہ کا بھی تغیر نہیں ہو سکتا آسمان کو جس طرح بنایا۔ آفتاب کو جس طرح روشن کیا چاند کے متعلق جو اصول مقرر فرما دیا' ستاروں کے نکلنے اور ڈوبنے کے جو احکام دے دیئے' موت و حیات فنا و بقا اور عروج و زوال غرض کائنات کی ہر شق اور ہر پہلو کے متعلق جو اصول متعین فرما دیئے انہی پر وہ چل رہی ہے قرآن پاک میں کائنات کے بہت سے حالات بیان کرنے کے بعد ہے۔

﴿وَ الشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ وَ الْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّیْلُ سَابِقُ ''اور سورج اپنے ٹھہراؤ پر چل رہا ہے' یہ ہے غالب اور علم والے کی تقدیر (اندازہ) اور چاند کو ہم نے تقدیر (اندازہ) کر دی ہے منزلیں یہاں تک کہ وہ پرانی ٹہنی کی طرح (خمیدہ) ہو کر لوٹتا ہے' نہ تو سورج کی قدرت میں ہے کہ

(۱) صحیح مسلم بروایت ابن عمرؓ و ابو ہریرہؓ باب الایمان۔

Marfat.com

النَّهَارِ وَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ (یسین : ۴۰) چاند کو پالے اور نہ رات دن سے آگے بڑھے ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔"

یہ تو آسمان کی بات تھی' زمین کے متعلق ارشاد ہوا۔

﴿وَ قَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا﴾ (حم السجدة : ۲) "اور زمین میں اس کی روزیاں اندازہ کر دیں۔"

اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ دنیا کی ہر چیز میں اس نے ایک اندازہ مقرر کر دیا۔

﴿قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾ (طلاق:۲) "اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ بنایا ہے۔"

موت و حیات بھی اسی اندازہ کے مطابق ہے فرمایا۔

﴿نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ﴾ (واقعہ : ۲) "ہم نے تمہارے درمیان موت کو اندازہ کر دیا۔"

ہر شے میں اللہ تعالیٰ نے جو اندازہ لگایا ہے وہ وہی ہے جس کو لوگ قانون قدرت کہتے ہیں اور جس پر دنیا چل رہی ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ہر حصہ اور ہر پہلو کے متعلق اپنے احکام معین فرما دیئے ہیں' جن کی اطاعت اس پر واجب ہے علیٰ ہذا انسانوں کی ترقی و زوال' موت و حیات' بیماری و صحت دولت و افلاس' آرام و تکلیف سعادت و شقاوت ہر ایک کے اصول و قواعد مقرر فرما دیئے ہیں' غرض ان کو آرام و تکلیف جو کچھ بھی پیش آتی ہے خدا کے علم اور اجازت سے پیش آتی ہے۔

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (تغابن:۲) "نہیں پہنچتی تم کو کوئی مصیبت لیکن اللہ کے حکم سے۔"

اور چونکہ تقدیر سے کوئی چیز ہٹ نہیں سکتی' اسی لیے مقدرات کو نوشتہ الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں کہ جس طرح لکھی ہوئی بات قائم رہتی ہے مٹتی اور بھولتی نہیں' ایسے ہی یہ باتیں بھی مٹتیں اور بدلتیں نہیں۔

﴿وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ وَ مَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ (فاطر : ۲) "اور کوئی عورت حمل میں نہیں رکھتی' اور نہ جنتی ہے' لیکن خدا کے علم سے اور نہ کسی دراز عمر کو عمر کی درازی ملتی ہے' یا اس کی عمر کم کی جاتی ہے لیکن وہ کتاب میں ہے' بے شک یہ اللہ پر آسان ہے۔"

اس آیت پاک میں دو ٹکڑے' ایک یہ کہ جو عورت بھی اپنے پیٹ میں بچہ رکھتی ہے یا بچہ جنتی ہے وہ خدائے پاک کے علم سے ہے' دوسرا یہ ہے کہ جس کو چھوٹی بڑی جو عمر بھی ملتی ہے' وہ کتاب الٰہی میں پہلے سے لکھی ہوتی ہے ان دونوں ٹکڑوں کے ملانے سے معلوم ہوگا کہ کتاب الٰہی میں ہونا اور علم الٰہی میں ہونا دونوں ہم معنی ہیں۔

قرآن پاک نے اس کو بھی ظاہر کیا ہے کہ قضا و قدر کے عقیدہ کی فلسفیانہ حقیقت سے زیادہ اس کی نظر اس عقیدہ کی اخلاقی اہمیت پر ہے' انسان کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی ناچیز کوشش کی ذرا سی کامیابی پر فخر و غرور کے نشہ میں چور ہو جاتا ہے اور ذرا سی ناکامی پر وہ دل شکستہ ہو کر ہمت ہار بیٹھتا ہے' یہ دونوں مختلف اخلاقی بیماریاں اس لیے اس کو لاحق ہوتی ہیں کہ وہ اپنے کام کے اچھے یا برے نتیجے کو خود اپنے کام کا لازمی نتیجہ جانتا ہے اس لیے وہ کبھی اپنے کیے پر مغرور اور کبھی ملول ہوتا ہے اور یہ دونوں کیفیتیں افراد اور اقوام کی متانت استقلال اور صبر و ثبات کے جوہر کو برباد کرتی ہیں اس لیے

Marfat.com

ایک ایسے عقیدہ کی ضرورت تھی جو کامیابی کے فخر و مسرت اور ناکامی کے افسوس و حسرت دونوں موقعوں پر عاجز انسانوں کی دست گیری کرے اور وہ یہی عقیدۂ قضا و قدر ہے۔

اس عقیدہ کا منشاء یہ ہے کہ ہم کو جو کامیابی ہوتی ہے وہ ہماری کوشش کا براہ راست نتیجہ نہیں' بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے' اس لیے اس پر ہمارا فخر و غرور کرنا بیجا ہے' اسی طرح ہم کو جو ناکامی پیش آتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت و مصلحت کا نتیجہ ہے اور ہمارے کام سے پہلے ہی ہمارے کاموں کے نتیجے اس علام الغیوب کے علم میں مقرر ہو چکے تھے اس لیے ہم کو دل شکستہ اور مایوس نہ ہونا چاہیے' بلکہ اسی جوش و خروش اور سرگرمی سے پھر از سرنو جدوجہد میں مصروف ہو جانا چاہیے۔

اس مسئلہ کی یہ پوری توضیح سورۂ حدید میں ان لفظوں میں مذکور ہے۔

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَ لَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ (حدید : ٣)

''کوئی مصیبت نہیں آتی ملک میں اور نہ خود تم (اس ملک کے بسنے والوں) میں لیکن یہ کہ وہ ایک کتاب (الٰہی) میں اپنی پیدائش سے پہلے درج ہوتی ہے یہ اللہ پر آسان ہے ایسا اس لیے کیا گیا تا کہ تم اس پر جو تم سے جاتا رہے غم نہ کھایا کرو اور جو تم کو (اللہ) دے اس پر اترایا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے بڑائی مارنے والے کو پیار نہیں کرتا۔''

اس آیت کریمہ نے مسئلہ قضا و قدر کے فلسفہ کو اس خوبی سے واضح کیا ہے کہ اس کی تائید کے لیے مزید تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی' اسی عقیدہ کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کی گردنیں عین کامیابی و فتوحات کی حالت میں خداوند قادر مطلق کے آگے جھک جاتی تھیں اور ناکامی کی حالت میں ان کے دل یاس و ناامیدی سے دوچار نہیں ہوتے تھے۔ اور ان کی عملی زندگی میں جو نتیجہ بھی پیش آتا تھا وہ اس کو اپنی طرف سے نہیں بلکہ خداوند عالم کی طرف سے سمجھ کر خاموش رہتے تھے مالی بے چارگی سیاسی مصیبت عزیزوں کی مفارقت لڑائیوں کی ناکامی کسی موقع پر وہ رحمت الٰہی سے مایوس ہونا نہیں جانتے تھے' اور ہر خطرناک سے خطرناک کام کے لیے وہ قدم اٹھا بیٹھتے تھے کہ ان کا یقین تھا کہ موت اپنے وقت پر آئے گی اور جو کچھ ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا' اسی لیے ان کے دلوں میں وہ عزم ہوتا تھا کہ نہ اس کو پہاڑ روک سکتے تھے نہ سمندر بہالے جا سکتے تھے اور نہ حوادث کا طوفان اس کو اکھاڑ سکتا تھا' اور نہ بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے اس کو جلا سکتے تھے۔

﴿وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ سَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ

''کسی کے اختیار میں نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر مر سکے' یہ لکھا ہوا مقرر ہے جو کوئی دنیا کا معاوضہ چاہے گا تو ہم اس کو اس میں سے کچھ دیں گے اور جو آخرت کا معاوضہ چاہے گا اس میں سے کچھ (یہاں) دیں گے اور پورا معاوضہ شکر کرنے والوں کو آئندہ (وہاں) دیں گے' کتنے پیغمبر تھے جو لڑے ہیں ان کے

Marfat.com

﴿فَمَا وَ هَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ مَا ضَعُفُوْا وَ مَا اسْتَكَانُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (آل عمران : ۱۵)

ساتھ بہت سے خدا کے طالب تھے تو خدا کی راہ میں ان کو جو مصیبت پیش آئی اس کی وجہ سے نہ وہ دل ہارے نہ سست ہوئے اور نہ دب گئے اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کو پیار کرتا ہے۔

ان آیتوں نے یہ واضح کر دیا کہ قضا و قدر کے عقیدہ کا نتیجہ پستی سستی اور دون ہمتی نہیں' بلکہ بلندی استقلال اور صبر و ثبات ہے اور یہی وہ چیز ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کارناموں میں ہر دیکھنے والے کو صاف نظر آتی ہے' ان کو صاحب وحی کی یہ تعلیم تھی کہ وہ دشمنوں سے کہہ دیں کہ ہمیں ڈر نہیں کیونکہ۔

﴿لَنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (توبہ : ۷)

''ہم پر کوئی آفت آ ہی نہیں سکتی لیکن جو خدا نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے وہ ہمارا آقا ہے اور اللہ پر چاہیے کہ ایمان والے بھروسہ کریں۔''

خطرات اور مشکلات کی ان کو پرواہ نہیں کہ جن کے لیے موت لکھی ہے وہ میدان جنگ میں بھی مریں گے اور بستر راحت پر بھی اور جن کی موت کا مقررہ وقت نہیں آیا' وہ تلواروں کی دھاروں اور سمندروں کے طوفانوں سے بھی سلامت بچ کر نکل آئیں گے۔

﴿يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ﴾ (آل عمران : ۱۶)

''منافق کہتے ہیں کہ اگر ہماری بات مان لی جاتی تو ہم یہاں مارے نہ جاتے کہہ دے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن پر یہاں مرنا لکھا جا چکا تھا وہ از خود اپنے مقتل میں نکل کر چلے جاتے۔''

﴿اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ﴾ (نساء : ۱۱)

''تم جہاں بھی رہو تم کو موت آ کر پالے گی اگرچہ تم مضبوط اور مستحکم قلعوں میں ہو۔''

یہی وہ عقیدہ ہے جو مسلمان کی ناقابل ہزیمت جرأت اور غیر شکست پذیر عزیمت اور بے خوف بہادری کا راز ہے کچھ لوگوں نے اپنی غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ مسئلہ تقدیر کے ماننے سے انسان کا مجبور محض ہونا لازم آتا ہے اور اس سے یہ تعلیم نکلتی ہے کہ انسان اپنی تقدیر پر صابر و شاکر ہو کر سست و غافل بن کر بیٹھ رہے حالانکہ اگر یہ صحیح ہوتا تو نہ رسولوں کی بعثت کی ضرورت تھی نہ ربانی کتابوں کے اترنے کی حاجت ہوتی' نہ تبلیغ و ارشاد کی تاکید ہوتی نہ اصلاح و ہدایت کا حکم ہوتا اور خدا کی مخلوق اپنے حال پر چھوڑ دی جاتی' مگر ایسا نہیں کیا گیا' لاکھوں پیغمبر بھیجے گئے کتنی کتابیں اتریں' کروڑوں مبلغ اور مرشد بنا کر پھیلائے گئے' ہدایت اور ارشاد کی تاکید پر تاکید آئی' لوگوں کو دعوت و اصلاح ہر مسلمان کا فرض ٹھہرایا' کوشش و محنت' سعی و تلاش اور جدوجہد کی ہر مسلمان کو تاکید کی گئی' محمد رسول اللہ ﷺ کی جدوجہد سے معمور زندگی ہمارے لیے نمونہ ٹھہرائی گئی' اور خلفائے راشدین اور عام صحابہ نے اپنے کارناموں سے اس نمونہ کی کامیابی کی تصدیق کی۔

اب کیا محمد رسول اللہ ﷺ کی تلقین اور آپ کا عمل دو متضاد چیزیں تھیں؟ نہیں یہ دونوں ایک دوسرے کی مؤید

Marfat.com

تھیں اور اس طرح یہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتی تھیں کہ اعملوا فکل میسر لما خلق۔ (بخاری) لوگو! اپنے اپنے کام کیے جاؤ کہ تم میں سے ہر شخص سے وہی کام صادر ہوں گے جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے کام کرنا انسان کا فرض ہے اور اس کے نتیجہ کے مطابق جزا دینا خدا کا کام ہے اور یہ تقدیر ہے فرمایا۔

﴿اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى وَ مَا يُغْنِىْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى وَ اِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَ الْاُوْلٰى﴾ (لیل : ۱)

”بے شبہ تمہاری کوششیں مختلف رخ کی ہیں تو جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور نیکی کو سچ کر دکھایا تو ہم اس کو آہستہ آہستہ آسانی کی طرف لے چلیں گے اور جس نے نہ دیا اور بے پروائی برتی اور نیکی کو جھٹلایا تو ہم اس کو آہستہ آہستہ سختی کی طرف لے چلیں گے اور اس کی دولت مندی اس کو گڑھے میں گرنے سے نہیں بچا سکتی ہے بے شک راہ سوجھانا ہمارا فرض ہے اور آخر اور اول ہمارے لیے ہے۔“

یہ ہے قضا و قدر اور سعی و عمل کی باہمی تطبیق جس کی ژولیدگی نے اسلام سے پہلے ایک عالم کو گمراہ کر رکھا تھا کام کرنا اور عمل کر دکھانا انسان کا فرض ہے اور اس کے مطابق اس کی جزاء دینا جو اس کام کے لیے پہلے سے مقدر ہو چکی ہے خدا کا کام ہے نیکوں کو آہستہ آہستہ نیکی کے مزید راستہ کے دکھانے کا نام توفیق و ہدایت ہے اور بروں کو خدا کی طرف سے اس توفیق و ہدایت کے نہ ملنے کا نام عدم توفیق و ضلالت ہے اور ان دونوں میں سے ایک کا ملنا انسان کی ابتدائی کوشش سے ہے خدا فرماتا ہے۔

﴿وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (عنکبوت : ۷)

”اور جو ہماری بات میں کوشش کرتے ہیں البتہ ہم ان کو اپنا راستہ سوجھاتے ہیں۔“

خدا کی طرف سے توفیق و ضلالت کا ملنا خود انسان کے اچھے یا برے عمل کا لازمی نتیجہ ہے۔

﴿وَ مَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ﴾ (بقرہ : ۳)

”اور ہم اس سے گمراہ نہیں بناتے لیکن انہی کو جو ہمارا حکم نہیں مانتے۔“

غرض پہلے فسق عدم اطاعت اور نافرمانی ہوتی ہے تب اس کے نتیجہ کے طور پر خدا کی طرف سے ضلالت کا ظہور ہوتا ہے۔

﴿وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى وَ اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى﴾ (نجم : ۳)

”اور انسان کے لیے نہیں لیکن وہی جس کی اس نے کوشش کی اور بے شک اس کی کوشش (خدا کے حضور) دیکھی جائے گی۔“

اس کی مثال بالکل بچہ کی سی ہے بچہ چلنا یا بولنا کیونکر سیکھتا ہے وہ پہلے چلنے اور بولنے کی خود کوشش کرتا ہے تو اس کے والدین اس کو چلنا اور بولنا سکھاتے ہیں بچہ پاؤں اٹھاتا ہے اور والدین اس کے ہاتھ پکڑ کر اس کو دو چار قدم چلاتے ہیں اور اس طرح رفتہ رفتہ آہستہ آہستہ چلنا سیکھتا ہے وہ پہلے زبان ہلاتا ہے اور مبہم آوازیں نکالتا ہے تو والدین اس کو بامعنی الفاظ کی تلقین کرتے ہیں اور اس طرح دونوں کوششیں مل کر بارآور ہوتی ہیں اسی طرح تقدیر الٰہی اور عمل

Marfat.com

انسانی باہم مل کر انسانوں کی عملی تاریخ تیار کرتے ہیں۔

جبر وقدر:

عموماً لوگ اس موقع پر جبر وقدر کے مسئلہ کو چھیڑتے ہیں، یعنی یہ کہ انسان اپنے عمل میں مجبور ہیں یا مختار حالانکہ یہ سررشتہ کائنات کا وہ عقدہ ہے جس کا حل نہ صرف یہ کہ مذہب کے ناخن سے نہیں بلکہ عقل کے ناخن سے بھی نہیں ہو سکتا جس طرح اہل مذہب ارادۂ الٰہی اور ارادۂ انسانی کی باہمی تطبیق میں حیران ہیں اسی طرح فلسفہ الٰہیات کے معلم علم الٰہی اور انسان کی عملی آزادی کے درمیان اور فلسفہ اخلاق والے انسان کی آزادی عمل اور اس کے موروثی اثرات فطری جذبات اور ماحول کی تاثیرات کی مجبوریوں کے درمیان جو تصادم ہے اس کو بمشکل بچا سکتے ہیں۔

دنیا کے عام مذاہب کا بھی یہی حال تھا' ہر دھاگے میں یہ گرہ اسی طرح پڑی ہوئی تھی اور اس کے حل کی صورتیں دو ہی انہوں نے نکالی تھیں' یا تو سرے سے اس سے خاموشی برتی جائے' اور دبے پاؤں اس راستہ سے گزر جایا جائے' یا بحث چھڑی تو جبر ہی کی طرف ان کا میلان نمایاں تھا' چنانچہ یہی جبر ہندو مذہب میں تناسخ آواگون اور کرم کی صورت میں ہے' عیسائیوں میں حضرت آدمؑ کے گناہ اور خدا کی مرضی کے پیرایہ میں ہے' [1] اور یہودیوں کے مجموعہ تورات میں حضرت ایوب کا صحیفہ ادھر ہی رہبری کرتا ہے' دوسری طرف مجوسی تھے' جنہوں نے انسانی اختیار و آزادی کو یہاں تک بڑھا دیا تھا کہ خود خدا بھی اس کے آگے مجبور تھا۔ خدا کو نہ صرف انسانوں کے بلکہ فرشتوں کے کاموں پر کوئی قابو حاصل نہ تھا' [2] غرض آنحضرت ﷺ کی بعثت کے پہلے مذاہب کی یہی دو نوعیتیں تھیں یعنی یا تو ان کو اس مشکل کی خبر ہی نہیں تھی' یا تھی تو خدا کی قدرت مطلقہ اور مشیت عامہ کی اس طرح تعبیر کرتے تھے کہ انسان بالکل بے بس اور مجبور نظر آتا تھا' یا یہ کہ تناسخ کے چکر میں اس کو پھنسا کر اس کی زندگی کو اس کے پچھلے جنم کے کرموں کے ہاتھوں گرو کر دیتے ہیں' یا پھر اس سے بچے تو انسان کو کامل خود مختار بنا کر خود خدا کو مجبور بنا دیا۔

تمام انبیاء میں آنحضرت ﷺ ہی کی شخصیت وہ نمایاں شخصیت ہے' جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس دیرینہ راز کے چہرہ سے پردہ ہٹایا' حقیقت یہ ہے کہ یہ دو صداقتیں ہیں اور دونوں اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں' ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا اور اس کے ذرہ ذرہ پر قدرت مطلقہ رکھتا ہے' آسمان و زمین اور بر و بحر میں کوئی چیز نہیں جو اس کے ارادہ اور مشیت کے بغیر حرکت بھی کر سکے' اس طرح انسان اور اس کے تمام اعمال بھی اس کی قدرت اور مشیت کے ماتحت ہیں' یہ وہ عقیدہ ہے جو ہر مذہب کی اور خصوصاً اسلام کی جان ہے' اگر یہ نہ ہو تو مذہب کی قوت بے اثر ہو کر رہ جائے اور ایک ایسا خدا ماننا لازم آ جائے جس کے اختیارات محدود' جس کی قدرتیں ناقص اور جس کی شہنشاہی ناتمام ہو۔ [2] دوسری طرف یہ بھی صداقت ہے کہ دوسری مخلوقات کو نہ سہی مگر انسان کو اپنے اعمال کے کرنے نہ کرنے کا کسی

(۱) انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی گرفتاری کی رات کو دعا میں فرمایا۔ ''اے خدا! اگر تو اس پیالہ کو ہٹا سکتا ہے تو ہٹا دے لیکن میری نہیں بلکہ تیری مرضی پوری ہو۔'' جیسائیوں کے جبری و قدری فرقوں کی معرکہ آرائی کا حال فرنچ فاضل موسیو وی کانٹ کی کتاب الاسلام (ترجمہ عربی) ص ۸۷ سے کسی قدر معلوم ہو سکتا ہے۔

(۲) شفاء العلیل فی القضاء والقدر والتعلیل حافظ ابن قیم۔

Marfat.com

نہ کسی طرح اختیار ضرور بخشا گیا ہے' اگر یہ اختیار نہ تسلیم کیا جائے اور انسان کو اسی طرح سراپا مجبور فرض کیا جائے جس طرح دوسری مخلوقات ہے تو پھر انسان کے لیے خیر وشر کا امتیاز جزا وسزا' شریعت کتاب تعلیم اور انبیاء کی بعثت یہ تمام چیزیں بیکار محض ہو جائیں' ظلم و انصاف دنیا میں کوئی چیز باقی نہ رہے' انسان کا اپنے کسی فعل پر قابل مدح یا قابل ملامت ہونا بے معنی ہو جائے' کسی اچھے کام پر خدا کا اس کو انعام' اور برے کام پر عذاب دینا سراسر ظلم بن جائے بلکہ اس دنیا کی عدالت میں بھی وہ اپنے کسی فعل کا ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے۔

الغرض یہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں' ایک یہ کہ خدا کو اپنی مخلوقات پر قدرت تامہ حاصل ہے اور اس کی مشیت وارادہ ہر جزو کل پر حاوی ہے اور دوسری یہ کہ انسان کو بھی اپنے عمل پر کوئی نہ کوئی ایسا اختیار حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے اس عمل کا ذمہ دار بنتا ہے نیکی کے کاموں کے کرنے پر وہ تعریف کا' اور بدی کے کاموں پر ملامت کا سزاوار ٹھہراتا ہے اور اسی کی بناپر وہ اپنی دوسری زندگی میں اپنے فعل کی جزا وسزا پانے کا مستحق ٹھہرے گا اسی پر وہ فطرت کے سامنے دنیا کی عدالت میں اور آخرت میں بھی مواخذہ اور باز پرس کی ذمہ داری میں گرفتار ہے اور اسی کے لیے خدا کی طرف سے اس کے پاس ہدایت کی کتاب اور راستہ دکھانے والے رسول اور نبی آتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا صحیفہ ربانی پہلی اور آخری آسمانی کتاب ہے جس نے ان دونوں صداقتوں کو پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ساتھ اپنی اپنی جگہ پر تسلیم کیا ہے' اور ان کی تبلیغ کی ہے' ایک طرف وہ کہتا ہے کہ ''خدا کی اجازت کے بغیر درخت کا ایک پتہ بھی نہیں گر سکتا'' اور دوسری طرف وہ کہتا ہے۔ ''ہر جان اپنے کاموں کے ہاتھوں گرو ہے۔'' یعنی خدا کی ہمہ گیر قدرت وسیع اختیار اور ناقابل رو مشیت کے باوجود اس نے خود اپنے اختیار' خود اپنی مشیت اور خود اپنی حکمت سے انسان کو ارادہ اور ارادہ کے مطابق اپنے کام کرنے والے اعضاء کو ہلانے کی مشروط طاقت بخشی' یہی ارادہ اور اعضاء کو اس کے مطابق حرکت دے سکنے کی محدود قدرت اس کی ذمہ داری تکلیف باز پرس اور مواخذہ کی بنیاد ہے اور اسی پر اس کے اعمال' اخلاق اور معاملات کی پوری عمارت کھڑی ہے' اس لیے انسان پر اس کے کسی ایسے عمل کی ذمہ داری قانوناً اور شرعاً نہیں جو اس کے ارادہ اور نیت سے صادر نہ ہوئی ہو بلکہ اس کے کرنے یا نہ کرنے میں وہ مجبور و بے اختیار رہا۔ ﴿انما الاعمال بالنیات﴾ اس تطبیق سے نہ تو خدائے پاک کی قدرت واختیار کی وسعت میں فرق آتا ہے اور نہ انسان کا تمامتر مجبور ہونا لازم آتا ہے' خدا جب چاہے انسان سے اپنے دیئے ہوئے اختیار اور بخشی ہوئی قدرت کو چھین لے مگر ایک وقت مقرر تک اپنے بنائے ہوئے قانون اور فرمائے ہوئے وعدہ کے مطابق وہ اس کو اس اختیار اور قدرت سے محروم نہیں کرتا فرمایا۔

﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (تو جو چاہے مومن بن جائے' اور جو چاہے کافر ہو جائے)

اس لیے ہر انسان اپنی جنت آپ بناتا اور اپنی دوزخ آپ مہیا کرتا ہے۔

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا وَ مَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ (فصلت : ٦) ''جس نے نیک کام کیا' تو اپنے لیے کیا اور برا کام کیا تو اپنے لیے کیا تیرا پروردگار بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔''

کہ اگر ایسا نہ ہو تو وہ ظلم ہو جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک و برتر ہے' چنانچہ آنحضرت ﷺ سے ارشاد ہے۔

Marfat.com

﴿وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُوۡنَ اِلَيۡكَ اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ وَ لَوۡ كَانُوۡا لَا يَعۡقِلُوۡنَ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡظُرُ اِلَيۡكَ اَفَاَنۡتَ تَهۡدِى الۡعُمۡىَ وَ لَوۡ كَانُوۡا لَا يُبۡصِرُوۡنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ النَّاسَ شَيۡـًٔا وَّ لٰـكِنَّ النَّاسَ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ﴾ (یونس : ۵)

''اے پیغمبر! ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو تمہاری طرف کان لگاتے ہیں' تو کیا تم بہروں کو سناؤ گے' اور اگرچہ وہ سمجھتے نہ ہوں' اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو تمہاری طرف دیکھتے ہیں' تو کیا تم اندھوں کو سوجھاؤ گے اور اگرچہ وہ نہ دیکھیں بے شک اللہ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا' بلکہ لوگ ہیں جو اپنے اوپر آپ ظلم کرتے ہیں۔''

وہ انسان جو اندھا اور بہرہ بنتا ہے' اور حق کا پیغام نہ سنتا ہے اور نہ اس پر عمل کرتا ہے' خدا اس کو اندھا اور بہرہ بنا کر پھر اس کو دیکھنے اور سننے کی تکلیف نہیں دیتا کہ اگر وہ ایسا کرتا تو یہ اس کا ظلم ہوتا' اور ظلم کے ہر شائبہ سے اس کا ہر حکم اور ہر کام بری ہے' لوگوں کو قرآن کی ہدایت وضلالت کے الفاظ سے بھی دھوکا ہوا ہے حالانکہ ہدایت اور ضلالت خدا کا وہ فیضان ہے جو انسان کے اچھے یا برے کام کے جواب میں خدا کی طرف سے ہوتا ہے' ضلالت کی نسبت فرمایا۔

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ وَعَلٰٓى اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ﴾ (بقرہ : ۱)

''بے شک جنہوں نے (اسلام کی تعلیمات کے قبول) سے انکار کیا ان کو تمہارا تنبیہ کرنا یا نہ کرنا دونوں برابر ہے' وہ ایمان نہ لائیں گے خدا نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کر دی کہ سنتے نہیں' اور آنکھوں پر پردہ ہے۔''

دیکھو جب انسان سے کفر کا صدور پہلے ہو چکا' تب خدا کی طرف سے ضلالت کا فیضان ہوا' اور اس کو تشبیہاً یوں ادا کیا کہ ان کے دلوں پر مہر پڑ گئی کہ سمجھتے نہیں کانوں پر مہر کر دی کہ سنتے نہیں اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے کہ دیکھتے نہیں' دوسری جگہ فرمایا۔

﴿بَلۡ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيۡهَا بِكُفۡرِهِمۡ﴾ (نساء : ۲۶)

''بلکہ خدا نے ان کے کفر کے سبب سے ان کے دلوں پر مہر کر دی۔''

یہاں بھی ان کا کفر خدا کی مہر پر مقدم ہے' مقصد یہ ہے کہ جب کفر کا صدور ہوتا رہتا ہے تو دلوں سے صداقت شناسی اور اثر پذیری کا جوہر سلب ہو جاتا ہے اور یہی خدا کی مہر ہے۔ (۱)

برخلاف اس کے اگر لوگ کانوں سے پیغام حق کے سننے اور آنکھوں سے دیکھنے اور دل سے سمجھنے کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ اپنی توفیق وہدایت سے سرفراز فرمائے ارشاد فرمایا۔

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهۡدِيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِاِيۡمَانِهِمۡ﴾ (یونس : ۱)

''بے شک جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کو ان کا پروردگار ان کے ایمان کے سبب ہدایت دے گا۔''

﴿وَالَّذِيۡنَ اهۡتَدَوۡا زَادَهُمۡ هُدًى﴾ (محمد : ۲)

''اور جنہوں نے ہدایت قبول کی ان کو ہدایت میں اور بڑھایا۔''

(۱) قرآن پاک میں جہاں خدا کی اس مہر کا یا کسی کو ہدایت نہ دیے جانے کا ذکر ہے وہاں اس کے کفر وفسق کی علت ہمیشہ پہلے ذکر کر دی گئی ہے اس لیے ان آیتوں سے جبر پر استدلال صحیح نہیں۔

Marfat.com

ایرانی فلسفہ خیر وشر کی آمیزش نے اس مسئلہ کو اور زیادہ الجھا دیا ہے' حالانکہ عربی الفاظ خیر وشر کو اعمال کے خیر وشر سے بحث نہیں' عربی میں مطلق ''خیر'' کے معنی دولت ونعمت وآرام کے اور شر'' کے معنی غربت' تکالیف اور مصیبت کے ہیں' قرآن پاک میں یہ دونوں لفظ ان ہی معنوں میں آئے ہیں' البتہ جب ان کے ساتھ لفظ عمل شریک ہوگا' تو عمل خیر اور عمل شر کے معنوں میں یہ استعمال ہوگا جیسے۔

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ﴾ (زلزال : ۱)　''جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھے گا اور جو برائی کرے گا وہ بھی دیکھے گا۔''

اس لیے حدیثوں کے ان الفاظ میں۔

﴿وَ الْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى﴾　''اور اس پر ایمان کی خیر اور شر کی تقدیر خدا کی طرف سے ہے۔''

کا یہ مطلب نہیں کہ انسانوں کے اچھے اور برے کام سب خدا کی طرف سے ہیں' بلکہ یہ معنی ہیں کہ انسان کو راحت ورنج مسرت وتکالیف دولت وافلاس اور صحت ومرض وغیرہ اچھائی اور برائی سب خدا کی طرف سے پہنچتی ہے اور اس کے تسلیم کرنے میں کیا عذر ہوسکتا ہے۔

بعض لوگوں کو صحیح مفہوم کے سمجھنے میں ان آیتوں سے بھی شبہ ہوتا ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ ''اگر خدا چاہتا تو ان کو ہدایت دے دیتا۔'' اس سے وہ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ خود خداوند تعالیٰ ہی ہے جو ان کافروں کو ہدایت سے جبراً روکے ہوئے ہے' حالانکہ ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ از خود اسلام قبول نہیں کر سکتے' الا یہ کہ خود خدا زبردستی ان کو مسلمان بنا دینا چاہے' مگر ایسے زبردستی سے مسلمان یا کافر' اور نیک یا بد بنا دینا اللہ تعالیٰ کے جاری قانون کے خلاف ہے چنانچہ ان آیتوں کا یہی مطلب ہے۔

﴿وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (دھر : ۲)　''تم نہیں چاہو گے الا یہ کہ خود خدا چاہے اور (تم کو زبردستی مسلمان بنا دے)

﴿مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (انعام : ۱۴)　''وہ نہیں ہیں کہ ایمان لے آئیں الا یہ کہ خدا چاہے۔''

﴿وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى﴾ (انعام : ۴)　''اور اگر خدا چاہتا تو ان کو ہدایت پر متفق کر دیتا۔''

﴿فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ (انعام : ۱۸)　''تو اگر وہ (خدا) چاہتا تو البتہ ان سب کو وہ خود ہدایت دے دیتا۔''

﴿و لو شآء لهدٰكم اجمعين﴾ (نحل : ۱)　''اور اگر وہ خدا چاہتا البتہ ان سب کو ہدایت دے دیتا۔''

مگر اس کی عادت نہیں کہ وہ بندے کے ارادہ اور کوشش کے بغیر از خود کسی کو ہدایت دے اس لیے اس مشیت

Marfat.com

الٰہی کے ساتھ قرآن پاک کی وہ آیتیں مطابق ہوں گی' جن میں بندوں کی مشیت کا بھی اعتبار کیا گیا ہے' فرمایا۔

﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (کهف : ۴) ''تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔''

﴿فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴾ (دهر : ۲ : مزمل : ۱) ''تو جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف کا راستہ اختیار کرے۔''

﴿اِلَّا مَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا﴾ (نبا : ۲) ''سو جو چاہے اپنے پروردگار کے پاس اپنا ٹھکانا بنا رکھے۔''

﴿اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴾ (فرقان : ۵) ''لیکن' جو اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرنا چاہے۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے گمراہی بھی اترتی ہے مگر کن کے لیے' یہ تصریح فرمایا۔

۱. ﴿وَ مَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ﴾ (بقره : ۵) ''اور اللہ اس سے گمراہ نہیں کرتا مگر نافرمانوں کو۔''

۲. ﴿فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ﴾ (صف : ۱) ''جب وہ کج ہوئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو کج کر دیا اور اللہ بے حکم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔''

۳. ﴿بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ (تطفيف : ۱) ''بلکہ ان کے کام ان کے دلوں پر زنگ بن گئے۔''

۴. ﴿بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾ (نساء : ۲۲) ''بلکہ ان کے کفر کے سبب سے اللہ نے ان پر مہر کر دی۔''

۵. ﴿انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ﴾ (توبه : ۱۶) ''وہ پھر گئے اللہ نے ان کے دلوں کو اس لیے پھیر دیا کہ وہ لوگ سمجھتے نہ تھے۔''

۶. ﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (اعراف : ۱۳) ''اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے۔''

۷. ﴿فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ (بقره : ۲) ''ان کے دلوں میں (پہلے سے نفاق کی) بیماری تھی' تو خدا نے بیماری بڑھا دی۔''

ان آیتوں میں سے ہر ایک پر غور کرو' ہر ایک سے یہ صاف و صریح معلوم ہوگا کہ انسان کی بداعمالی مقدم ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس کے جوابی اثر کو اپنی طرف سے ضلالت' گمراہی' زنگ' مہر اور بیماری کا اترنا علت اور انسانوں کا کفر و گناہ نفاق معلوم نہیں ہے' بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہے' یعنی انسان کا فسق' کجی' زنگ' کفر' انصراف (پھر جانا) نادانی اور قلب کی بیماری پہلے ہوتی ہے' اور خدا کی طرف سے اس کے جواب میں ضلالت و گمراہی اور دل پر مہر بعد کو ہوتی ہے اور یہی طبعی اصول بھی ہے' انسان جب گرتا ہے تو چوٹ لگتی ہے' اور غمگین ہوتا ہے' تب آنسو کے قطرے ٹپکتے ہیں' اگر

Marfat.com

کوئی اس کو الٹ کر بیان کرے تو یہ کیسی سخت نادانی ہوگی۔

بہر حال اس مسئلہ میں مہبط وحی ورسالت محمد رسول اللہ ﷺ کی عجیب مصلحت بینی یہ ہے کہ آپ نے اپنی امت کو اس پر جس شدت سے ایمان لانے کی تلقین فرمائی اسی شدت سے اس میں بحث ومناقشہ سے منع فرمایا۔[1] اور درحقیقت اس نظریہ سے اسی طرح فائدہ اٹھانے میں راز ہے یہ کلی جہاں چٹکی کہ اس کی خوشبو اڑ گئی۔

اس عقیدہ کے تمام وسیع اطراف اور گوشوں کو چھوڑ کر جن کو متکلمین کی مجادلانہ کاوشوں نے پیدا کیا ہے قرآن حکیم کی صرف اس آیت کو سمجھ لینا کافی ہے۔

﴿وَ لَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَ خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا﴾ (فرقان : ۱)

''اور خدا کی سلطنت میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کا ایک اندازہ (تقدیر) لگا دیا۔''

☆☆☆

(۱) مشکوۃ باب الایمان بالقدر۔

Marfat.com

ایمان کے نتائج

گذشتہ صفحوں میں ایمان کی حقیقت اور اس کی چھ شاخوں خدا فرشتے رسول کتاب یوم آخر اور قدر کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں' اور دکھایا گیا ہے کہ ان میں سے ہر عقیدہ کی حقیقت کیا ہے' اس کی صداقت کی دلیلیں کیا ہیں؟ اور اس کی تعلیم میں شارع نے کیا مصلحتیں رکھی ہیں اور شروع میں یہ بحث بھی کی جا چکی ہے کہ ہر مذہب میں اور خصوصاً مذہب اسلام میں ایمان کو اولین اہمیت کیوں دی گئی ہے؟ وہ بحثیں اصول کی تھیں' یہاں خاتمہ میں نتائج کی حیثیت سے پھر اسی دعویٰ کی تکرار کی جاتی ہے یعنی یہ کہ درحقیقت ایمانیات اسی لائق ہیں کہ ان کو مذہب میں یہی اولین درجہ دیا جائے' کیونکہ مذہب جن نتائج تک پہنچنا چاہتا ہے وہاں ایمان کی روشنی کے بغیر پہنچنا ممکن ہی نہیں۔

اس سے پہلے کہ ہم کسی دستور پر عمل کریں' یہ ضروری ہے کہ ہم اس دستور کی خوبی اور سچائی کا یقین کریں کہ اگر ایسا نہ ہو تو ہم اس پر ایمان داری کے ساتھ نہ تو عمل کر سکتے ہیں اور نہ ہمارے نفس و ضمیر پر اس کا اثر ہو سکتا ہے' یہ حقیقت ہر دلیل سے ثابت ہے کہ ہمارے تمام اعمال ہمارے دل کے تابع ہیں' اس لیے جب تک دل نہ بدلے گا' ہمارے اعمال میں تغیر نہیں ہو سکتا یعنی ہمارے اعمال کی اصلاح تمام تر ہمارے دل کی اصلاح کے زیر اثر ہے۔ اور ایمان کا مقصد اسی دل کی اصلاح ہے کہ اگر یہ درست ہو گیا تو سب کچھ درست ہو گیا۔

یہاں ایک خاص نکتہ ہے' جس کو سمجھے بغیر آگے نہیں بڑھنا چاہیے' یہود نے سب سے زیادہ اہمیت عملی رسم و رواج کو دی تھی' اور عیسائیوں نے اس کے برخلاف صرف ایمان پر نجات و فلاح کا دارومدار رکھا' چنانچہ حواریوں کے خطوط و ملفوظات میں اس تعلیم کو بہت کچھ نمایاں کیا گیا ہے' اور بتایا گیا ہے کہ عمل نہیں بلکہ صرف ایمان نجات کا ذریعہ ہے اسلام کی پہلی تکمیلی شان اس بارہ میں یہ ہے کہ وہ دونوں کی اصلاح کر کے ان دونوں کو جمع کرتا ہے' اور کہتا ہے کہ نجات نہ تنہا ایمان اور نہ تنہا عمل پر بلکہ ایمان صحیح اور عمل صالح کی جامعیت پر موقوف ہے۔ ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ (جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے) دوسری بات یہ ہے کہ وہ ایمان کو محض ایمان کی بناء پر اہمیت نہیں دیتا' بلکہ اس لیے اہمیت دیتا ہے کہ وہ عمل صالح کی علت و سبب ہے یعنی وہ عمل صالح کے لیے راستہ بناتا اور تخم ریزی کے لیے زمین درست کرتا ہے۔

یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اس لیے نخل ایمان کی شناخت بھی اس کے پھل ہی سے ہو سکتی ہے' اب اگر ایسا کوئی شخص تم کو نظر آتا ہے کہ زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتا ہے' مگر اس کے اعمال میں اس ایمان کے مطابق کوئی بہتر تغیر نظر نہیں آتا' تو یہی سمجھنا چاہیے کہ ایمان نے اس کی زبان سے اتر کر اس کے دل کی گہرائیوں میں برگ و بار پیدا نہیں کیا ہے' یہی سبب ہے کہ قرآن پاک ہر نیکی اور خوبی کو ایمان کا خاصہ اور مومنوں کا وصف لازم بتاتا ہے' ہر اہم موقع پر اس نے مسلمانوں کو ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (اے وہ لوگو! جو ایمان لائے) کی

Marfat.com

ندا سے خطاب کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان احکام پر وہی عمل کر سکتے ہیں جو ایمان سے متصف ہیں' بہت سے موقعوں پر ہے ﴿اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ (اگر تم ایمان والے ہو)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات ایمان والوں ہی کے لیے خاص ہے' اور وہی اس کے اہل و سزاوار ہیں' فرمایا۔

﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (بقرہ : ۲) ''ایمان والے سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ محبت الٰہی ایمان کی بہت بڑی علامت ہے ایک اور سورت میں ہے۔

﴿اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (نور : ۷) ''ایمان والوں کی بات یہ ہے کہ جب ان کو فیصلہ کرنے کے لیے اللہ و رسول کی طرف بلایا جائے تو کہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے مانا اور ان ہی لوگوں کا بھلا ہے۔''

اس سے ظاہر ہوا کہ ایمان کا ایک نتیجہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور اس کے فیصلہ کے آگے سر جھکانا ہے دوسری آیت میں فرمایا۔

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (حجرات : ۱) ''ایمان والے تو آپس میں بھائی ہیں۔''

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں میں باہمی محبت اور شفقت ہونا بھی ایمان کی نشانی ہے' ایک اور آیت میں ہے۔

﴿وَ عَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (آل عمران) ''اور خدا ہی پر چاہیے کہ ایمان والے بھروسہ کریں۔''

معلوم ہوا کہ خدا پر بھروسہ اور توکل اہل ایمان کی شان ہے سورۂ مومنون میں اہل ایمان کے اوصاف یہ بتائے گئے ہیں۔

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوةِ فٰعِلُوْنَ وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ...... وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ﴾ (مؤمنون : ۱) ''بے شبہ اہل ایمان نے بھلائی پائی جو اپنی نماز میں ادب سے جھکے رہتے ہیں' اور جو نکمی بات پر دھیان نہیں دیتے اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ...... اور جو اپنی امانتوں اور وعدوں کی نگرانی رکھتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔''

ان آیتوں سے اہل ایمان کے ضروری اوصاف یہ معلوم ہوئے' نماز میں خشوع و خضوع بے کار باتوں سے احتراز زکوٰۃ و خیرات دینا عفت و پاک دامنی' امانت' ایفائے عہد' نمازوں کی پابندی' ان آیتوں میں ایک عجیب رمز ہے' دیکھو کہ اہل ایمان کے اوصاف کا آغاز بھی نماز سے کیا گیا اور انجام بھی نماز پر رکھا گیا' اس سے اشارہ نکلا کہ نماز ایمان

Marfat.com

کی اولین وآخرین نشانی ہے' اور اسی لیے ایمان کے بعد سب سے زیادہ اس پر زور دیا گیا ہے۔

ہم نے یہ چند آیتیں یہاں مثالاً نقل کی ہیں' ورنہ اگر کوئی استقصاء کرے تو قرآن میں ایمان کے اثرات و نتائج اور بہت سے ملیں گے' احادیث میں بھی اس مضمون کی کمی نہیں' صحیح حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کی کچھ اوپر ستر شاخیں ہیں' حافظ بیہقی نے اپنی کتاب شعب الایمان میں مختلف حدیثوں سے ایمان کی ان ستر شاخوں کو ایک ایک کر کے گنایا ہے' اس کتاب کا خلاصہ مختصر شعب الایمان کے نام سے چھپ بھی گیا ہے' ایک حدیث میں ایمان کی شناخت' اخلاق کی پاکیزگی کو بتایا گیا ہے' آپ نے فرمایا۔

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا (سنن ابی داؤد کتاب السنته)

''مومنوں میں اس کا ایمان سب سے زیادہ کامل ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔''

حسن اخلاق کا اساسی مرکز محبت ہے' یہ محبت سب سے پہلے تو اسی ہستی سے ہونی چاہیے' جو تمام محبتوں کا مرجع و مرکز ہے' یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد اسی محبت الٰہی کے ضمن اور تبعیت میں اس ہستی سے بھی محبت کرنا جس کی ہدایت اور تعلیم کے وسیلہ سے یہ جوہر ایمانی ہم کو ہاتھ آیا اس محبت کے سامنے دوسری تمام دنیاوی محبتیں' اور قرابت اور رشتہ داری کے علائق ہیچ ہیں فرمایا۔

لایومن احدکم حتی اکون احب الیه من ولده و والده و الناس اجمعین۔ (مسلم و بخاری کتاب الایمان)

''تم میں سے کسی کا اس وقت تک ایمان کامل نہیں جب تک اس کے دل میں میری محبت اس کی اولاد والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو۔''

ایمان کا تیسرا اثر یہ ہے کہ اس کو اپنی ہم جنس برادری اور پڑوسی سے بھی اسی طرح محبت پیار اور اخلاص ہو جس طرح خود اپنے آپ سے فرمایا۔

و الذی نفسی بیده لا یومن احدکم حتی یحب لاخیه اولجاره مایحب لنفسه۔ (بخاری و مسلم کتاب الایمان)

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں جب تک وہ اپنے بھائی یا پڑوسی (راوی کو شک ہے) کے لیے وہی نہ چاہے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔''

آپ نے ایک دفعہ صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا' جب تک تم مومن نہ بنو گے جنت میں داخل نہ ہو سکو گے اور مومن نہ بنو گے جب تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو گے' میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں آپس میں محبت کیونکر ہو سکتی ہے' آپس میں سلام پھیلاؤ (مسلم کتاب الایمان)

یہ محبت کسی نمائش ریا یا ذاتی نفع و نقصان کے لیے نہ ہو بلکہ خدا اور صرف خدا کے لیے ہو' فرمایا تین باتیں جس میں ہیں اس نے ایمان کا مزہ پالیا' اول یہ کہ اس کے دل میں خدا اور رسول سے بڑھ کر کسی اور کی محبت نہ ہو' دوسری یہ کہ بندگان خدا سے صرف خدا کے لیے محبت کرتا ہو' تیسری یہ کہ کفر سے نجات پانے کے بعد پھر اس میں آلودہ ہونا اس کے لیے اتنا ہی تکلیف دہ ہو' جتنا آگ میں ڈالا جانا۔'' ایک صحابیؓ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! کامل اسلام کس مسلمان

Marfat.com

میں ہے فرمایا اس مسلمان میں جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے فرمایا کہ ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں جن میں سے ایک شرم وحیا ہے" یہ بھی تعلیم دی کہ جس کو خدا اور آخرت کا ایمان ہو اس کو چاہیے کہ زبان سے بات نکالے تو اچھی ورنہ چپ رہے۔ جس کو خدا اور آخرت پر ایمان ہو اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو دکھ نہ پہنچائے جس کو خدا اور آخرت پر ایمان ہو اس کو چاہیے کہ مہمان کی عزت کرے۔" ایک صحابیؓ آپ کے اس ارشاد کو نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی اگر کوئی برائی دیکھے تو اس کو ہاتھ سے مٹادے یہ نہ ہو سکے تو زبان سے ٹوک دے یہ بھی نہ ہو سکے تو اپنے دل میں اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔"(۱)

اس کے بالمقابل آپؐ نے متنبہ فرمایا کہ "نفاق کی چار نشانیاں ہیں جس میں ان میں سے ایک بھی پائی جائے اس میں اتنا نفاق کا عنصر موجود ہے اگر چہ وہ نماز گزار اور روزہ دار ہی کیوں نہ ہو اور اپنے کو وہ مسلمان ہی کیوں نہ سمجھتا ہو ایک یہ کہ گفتگو کرے تو جھوٹ بولے وعدہ کرے تو توڑ دے امانت سپرد کی جائے تو خیانت کرے غصہ آئے تو گالی بکے۔(۲)

اس تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ تمام نیکیاں اور ہر قسم کی بھلائیاں اور خوبیاں جس ایک جڑ کی شاخیں ہیں وہ ایمان ہے اور اسی لیے وہ مذہب کا اصل الاصول ہے وہ نہ ہو تو انسانی نیکیوں کی ساری عمارت بے بنیاد ہے اس تقریر سے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ ایمان کے بعد عمل کی ضرورت نہیں اسلام نے اسی نکتہ کو بار بار ادا کیا ہے کہ نجات کا مدار ایمان اور عمل صالح دونوں پر ہے اسی لیے ﴿امنوا﴾ کے ساتھ ساتھ ﴿و عملوا الصلحت﴾ پر بھی اس نے ہمیشہ زور دیا ہے بلکہ اوپر جو کچھ کہا گیا ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ ان دونوں میں ایمان اصل اور عمل اس کی فرع ہے ایمان ملزوم اور اعمال حسنہ اس کے خصوصیات اور لوازم ہیں یعنی ان دونوں میں اصل وفرع اور لازم وملزوم کا تعلق ہے جو ایک دوسرے سے الگ اور جدا نہیں ہو سکتے اس لیے جس طرح ایمان کے بغیر عمل سرسبز نہیں رہ سکتا اسی طرح عمل کے بغیر ایمان ایک بے برگ وبار درخت ہے جس کا فائدہ کے لحاظ سے عدم و وجود برابر ہے اس بناء پر جہاں ایمان ہے اس کے عملی نتائج و آثار کا وجود بھی ضروری ہے۔

کاغذ کے چار سو تراسی صفحے سیاہ ہو چکے ناظرین کے ہاتھ ان اوراق کی گرانباری سے اور آنکھیں ان سطور کی کم سوادی سے تھک چکی ہوں گی اس لیے بہتر ہے کہ رہرو قلم کے ساتھ قافلہ نظر کے دوسرے رفقاء بھی کچھ دیر آرام کریں ہر چند کہ۔

رہروان راخستگی راہ نیست عشق ہم راہ است وہم خود منزل است

سلیمان ندوی

دارالمصنفین ۔۔۔۔۔۔ رمضان ۱۳۵۰ھ

(۱) یہ تمام روایتیں صحیحین کتاب الایمان میں ہیں۔

(۲) صحیح بخاری کتاب الایمان وپیش نظر مسلم ہے۔

Marfat.com